انحطاط و زوال سلطنت روما
(A History of Decline and Fall of Roman Empire)
(جلد چہارم)
ایڈورڈ گبن
ترجمہ
ڈاکٹر مظفر حسن ملک
مقتدرہ قومی زبان پاکستان

انحطاط و زوال سلطنت روما

(جلد چہارم)

ترجمہ
ڈاکٹر مظفر حسن ملک

مقتدرہ قومی زبان ☆ پاکستان

ISBN ۹۷۸-۹۶۹-۴۷۴-۲۶۰-۱
عالمی معیاری کتاب نمبر ۱-۲۶۰-۴۷۴-۹۶۹-۹۷۸

☆

طبع اوّل	....	۲۰۱۰ء
تعداد	....	۵۰۰
قیمت	....	=/۷۰۰ روپے
فنی تدوین	....	ڈاکٹر انجم حمید
ترتیب و تزئین	....	منظور احمد
اہتمامِ اشاعت	....	عبدالرحیم خان
طابع	....	ایس ٹی پرنٹرز، گوالمنڈی، راولپنڈی
ناشر	....	افتخار عارف صدر نشین مقتدرہ قومی زبان، ایوانِ اُردو، پطرس بخاری روڈ، ایچ۔۸/۴، اسلام آباد، پاکستان۔

☆

مطبوعات ترقیاتی منصوبہ : ۲۰
کابینہ ڈویژن، حکومت پاکستان
''سائنسی، تکنیکی و جدید عمومی موادِ مطالعہ کی قومی زبان (اُردو) میں تیاری''

پیش لفظ

جہانِ علم و دانش میں تاریخ کے حوالے سے ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) کا شمار مستند اور معتبر مؤرخین میں ہوتا ہے۔ ان کی کتاب بعنوان "A History of Decline and Fall of Roman Empire" کا شمار دنیا کی مایہ ناز تصانیف میں ہوتا ہے۔ تقریباً سوا دو سو سال پیشتر تحریر کی جانے والی اس کتاب میں ایڈورڈ گبن نے صدیوں کی تاریخ ضبط تحریر میں لانے کے ساتھ ساتھ ان گنت قبائل، قوموں، مذہبی فرقوں اور خاندانی سلسلوں کا ذکر کیا ہے۔ مصنف نے اپنی کتاب میں تاریخی واقعات کو تحقیقی نقطۂ نظر سے بیان کرتے وقت تاریخی تسلسل کو برقرار رکھا ہے۔

مقتدرہ قومی زبان کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ اس قسم کی کتب کو لوگوں کی علمی پیاس بجھانے کے لیے منظرِ عام پر لایا جائے۔ اسی نقطۂ نظر سے مذکورہ بالا کتاب کا اُردو ترجمہ بعنوان **''انحطاط و زوال سلطنت روما''** کو چار جلدوں میں پیش کیا جا رہا ہے۔ زیرِ نظر کتاب جلد چہارم باب ۵۲ تا ۷۱ پر مشتمل ہے۔

اُردو زبان کے فروغ کے لیے تراجم کی ضرورت اور اہمیت کا احساس اس زبان کے علمی دنیا میں داخل ہونے کے ساتھ ہی کر لیا گیا تھا۔ فروغِ اُردو کے اداروں نے تراجم کو ہمیشہ اوّلین صف میں رکھا ہے چنانچہ اُردو نثر کی تاریخ میں جتنا حصہ اہم طبع زاد تحریروں کا ہے کم و بیش اتنا ہی تراجم کا بھی ہے۔ تراجم کے بغیر شاید اُردو زبان علمی موضوعات کی ان وسعتوں اور بلندیوں سے ہمکنار نہ ہو سکتی جن پر وہ آج نظر آتی ہے۔ اُردو تراجم کی تاریخ میں بعض کارنامے تو تخلیقی ادب کے ہم پایہ نظر آتے ہیں اور یہ مقام حاصل کرنا کسی بھی زبان کے لیے بڑے اعزاز اور عظمت کی بات ہے۔

پیش نظر کتاب کا اُردو ترجمہ جناب ڈاکٹر مظفر حسن ملک نے نہایت جانفشانی سے کیا ہے۔ وہ اس طویل ترجمے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں بجا طور پر تعریف و توصیف کے مستحق ہیں۔ ادارہ ان کی خدمات کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ یہ کتاب نہ صرف تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے اساتذہ اور طلبہ کے علم میں اضافے کا موجب بنے گی بلکہ دیگر قارئین کے لیے بھی دلچسپی کا باعث ہوگی۔

افتخار عارف ——

فہرست

☆☆☆

ا

(۵۲)

عربوں کی طرف سے قسطنطنیہ (Constantipole)
کے دو محاصرے — ان کا فرانس پر حملہ: چارلس مارٹل
(Charles Martel) نے انھیں شکست دے دی — بنواُمیہ
(Ommiades) اور عباسیوں (Abbassides) کے مابین خانہ جنگی
— عربوں کا علم و فضل — خلفا کی عیش کوشی — کریٹ
(Crete)، صقلیہ (Sicily) اور روم (Rome) پر بحری حملے — خلفا
کی حکومت میں کمزوری اور تقسیم — یونانی بادشاہوں کی فتوحات
— فوکاس (Phocas)، نائسی فورس (Nicephorus) اور
زیمسکی (Zimisces)۔

عربوں کی طرف سے قسطنطنیہ کے دو محاصرے — ان کا فرانس پر حملہ: چارلس مارٹل نے انھیں شکست دے دی — بنواُمیہ اور عباسیوں کے مابین خانہ جنگی — عربوں کا علم وفضل — خلفا کی عیش کوشی — کریٹ، صقلیہ اور روم پر بحری حملے — خلفا کی حکومت میں کمزوری اور تقسیم — یونانی بادشاہوں کی فتوحات — فوکاس، نائسی فورس اور زیمسکی۔

جب عرب اپنے صحرا سے باہر نکلے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے ہوں گے کہ اُنھوں نے کتنی آسانی اور سرعت سے بے حساب کامرانیاں حاصل کرلیں۔ لیکن جب وہ دریائے سندھ کے کناروں کی طرف بڑھے یا پائیرین کے سلسلہ کوہ کو عبور کرنے کی کوشش کی تو اُنھوں نے متعدد بار شمشیر آزمائی کی اور اپنے ایمان کی قوت کو بھی آزمایا۔ اس موقع پر وہ دوبارہ حیران ہوئے ہوں گے کہ دُنیا میں ایسی اقوام بھی موجود ہیں جو اُن کی شمشیر زنی کی مزاحمت کرسکتی ہیں اور یہ کہ پیغمبر اسلام کے جانشینوں کے لیے کسی حد فاصل کا مقرر کیا جانا بھی ضروری ہے۔ ہم متعصبین اور عسکری کارکنوں کے اعتماد کو نظر انداز کرسکتے ہیں، کیونکہ جدید دور کا سنجیدہ مزاج مؤرخ جو صحرا نشینوں کے تیز رفتار سفر کا مطالعہ کرتا ہے، اُسے یہ بھی مطالعہ کرنا پڑتا ہے کہ وہ کون سے ذرائع تھے جن کی بنا پر کلیسا اور ریاست کو عربوں کی متوقع یلغار سے محفوظ کردیا گیا حالانکہ اُس دور میں غیر متوقع خطرات فضا میں منڈلا رہے تھے۔ سکاتھیا اور سرماشیہ کے صحرا محض اپنے وسیع رقبے کی وجہ سے بچ گئے۔ ان کی آب وہوا بھی ناخوشگوار تھی اور یہ علاقے مفلس بھی تھے اور پھر شمالی گڈریوں کا عزم وحوصلہ بھی بلند تھا۔ چین بہت دور تھا۔ وہاں تک رسائی بھی ممکن نہ تھی۔ مگر خطۂ معتدلہ کا بیشتر علاقہ عربوں کے زیرِ اقتدار آ گیا تھا۔ یونانی اپنے جنگی اخراجات اور نقصانات کی وجہ سے ختم ہوچکے تھے، ان کے تمام زرخیز صوبے ان کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ دوسری طرف گوتھ کی بادشاہت بھی ختم ہوچکی تھی۔ جو ممکن تھا کہ عربوں کی راہ میں حائل ہوتی۔ میں اپنی تحقیق میں اُن عوامل کا سراغ لگانے کی کوشش کروں گا جن کی وجہ سے ہمارے برطانوی آباواجداد قرب وجوار کے

ممالک کی اس یلغار سے محفوظ رہ گئے اور اُنھیں اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ ہونا پڑا۔ اُنھوں نے رُوم کی عظمت کو تحفظ فراہم کیا اور قسطنطنیہ کی غلامی کو بھی مؤخر کیے رکھا اور اس طرح عیسائی مذہب کا دفاع بھی مضبوط ہوا اور یوں اُن کے دشمنوں میں تفرقہ اور کمزوری کی علامات پیدا ہونے لگیں۔

حضرت رسول اکرم ﷺ کی ہجرت کے چھیالیس سال بعد ان کے پیروکار ہتھیار بند ہو کر قسطنطنیہ کی فصیلوں پر حملہ آور ہوئے۔ وہ ایک حدیث نبوی پر، جو شاید صحیح ہو یا وضعی ہو، اعتماد کرتے تھے کہ وہ اوّلین لشکر جو قیصران کے شہر کا محاصرہ کرے گا، اُس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ اس جدید روم کے فاتحین کو ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ شاہانِ روم کے طویل سلسلۂ فتوحات کا فائدہ اُن کے ہاتھ میں منتقل ہو جائے گا۔ چونکہ یہ شہر تجارت اور بادشاہت دونوں کا مرکز تھا۔ اس لیے اس میں بے شمار دولت جمع تھی۔ جونہی امیر معاویہ نے اپنے حریفوں پر غلبہ حاصل کر لیا اور خود تخت نشین ہو گیا۔ اُس نے ارادہ کر لیا کہ خانہ جنگی کے دوران جو خون بہایا ہے۔ اُس کی تلافی کے لیے اُسے کچھ نئی مہمات سر کرنی چاہئیں اور فتوحات حاصل کرنی چاہئیں۔ اُس نے بحری اور بری افواج کی اتنی تیاریاں کر لی تھیں کہ اس مہم کے سر کرنے کے لیے کافی تھیں۔ علم ایک تجربہ کار جنگ آزما سفیان کے حوالے کیا گیا مگر افواج کی حوصلہ افزائی کے لیے یزید کو بھی اُن کے ہمراہ کر دیا گیا کہ عسکری اُس کی مثال پر عمل کرتے رہیں۔ یزید نہ صرف یہ کہ امیر معاویہ کا بیٹا تھا، بلکہ متوقع جانشین بھی تھا۔ یونانیوں کے لیے نہ تو کوئی اُمید باقی تھی اور نہ ہی وہ اتنے خوف زدہ تھے۔ اس دور میں جو بادشاہ اُن کا حکمران تھا۔ اُس کے عزم و حوصلے سے وہ مطمئن نہ تھے۔ وہ قسطنطین کے نام کو بدنام کر رہا تھا۔ وہ اپنے دادا ہراکلس کے بدنام عہد کی محض نقالی کر رہا تھا۔ عربوں کا بحری بیڑہ کسی تاخیر اور مخالفت کے بغیر دردانیال عبور کر گیا جس کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ دورِ حاضر میں بھی جبکہ ترکوں کی حکومت کمزور ہے۔ اسے ترک حکومت کے دفاع کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا ہے۔ عربوں کے جہاز لنگر انداز ہوئے اور افواج کو شاہی محل کے قریب ہیب دومون کے محل کے قریب اُتار لیا گیا۔ یہ مقام شہر سے صرف سات میل دور تھا۔ کئی روز تک صبح صادق سے لے کر مغرب تک جنگ جاری رہی جو سنہری دروازے سے لے کر شہر کی مشرقی سرحدوں تک محیط تھی۔ اگلی صفوں کے سپاہیوں کو اُن کے عقب میں آنے والے لشکری حوصلہ دیتے رہے مگر ایک امر واضح تھا کہ محاصرین نے قسطنطنیہ کے دفاع اور ہر نوع کے ذخائر کا صحیح اندازہ نہیں کیا تھا۔ فصیلیں بہت مضبوط تھیں، اُن کی حفاظت کا انتظام بھی منضبط اور ضرورت کے مطابق تھا۔ رومیوں کے جذبات بھی دوبارہ شعلہ زن ہو چکے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اُن کا

مذہب اور حکومت خطرے میں ہے۔ وہ لوگ جو دمشق اور اسکندریہ سے بھاگ کر آئے تھے، اُنھوں نے شہر کے دفاع کے لیے سخت محنت سے کام کیا اور صحرا نشین نا اُمید ہو گئے کہ یہ مصنوعی حرارت کہاں سے نمودار ہو گئی ہے۔ جب عرب اپنے اس معرکے میں ناکام رہے تو اُنھوں نے ایک مقابلتاً آسان راستہ اختیار کر لیا اور قرب و جوار کے یورپی اور ایشیائی ساحلوں کی آبادیوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ اُنھوں نے اپریل سے ستمبر تک سمندر پر قبضہ رکھا اور جب موسم سرما قریب آ گیا تو وہ اسّی میل دور جزیرہ سائزیکوس تک دارالحکومت سے پیچھے ہٹ گئے۔ یہاں پر اُنھوں نے اپنے اسلحہ اور اشیائے صرف کے ذخائر جمع کر رکھے تھے۔ ان کے عزم و حوصلہ میں اتنا استقلال تھا اور ان کے عمل میں اتنا صبر تھا کہ آئندہ چھ سال تک ہر موسم گرما میں وہ یہی حملہ کرتے۔ محاصرہ کرتے اور پھر پسپائی اختیار کر لیتے۔ لیکن پھر یہ ہوا کہ ان کے بہت سے جہاز غرق ہو گئے۔ تلوار کے زخموں سے متعدد سپاہی بیمار ہو گئے، کچھ لوگ آگ کی نظر ہو گئے۔ لہٰذا مجبور ہو کر اُنھوں نے واپسی اختیار کر لی اور اس بے فائدہ جدوجہد کو ترک کر دیا۔ اس لاحاصل معرکہ آرائی میں، ممکن ہے کہ تیس ہزار افراد شہید ہو گئے ہوں۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کو انتہائی سادگی سے یہیں دفن کر دیا گیا۔ جسے دیکھ کر عیسائی بھی متجسس ہوئے۔ یہ معزز عرب آنحضرتؐ کے آخری صحابی تھے جو اس عہد تک حیات تھے، ان کا تعلق مدینہ کے ان انصار سے تھا جنھوں نے آنحضرتؐ کو ہجرت کے بعد پناہ دی تھی اپنی جوانی میں وہ بدر اور احد کے غزوات میں آنحضرتؐ کے ہمراہ شریک رہے تھے۔ جب یہ بالغ ہوئے تو حضرت علیؓ کے دوست اور اتحادی بن گئے۔ ان کی حیات کے آخری ایام وطن سے دور ایک دشمن اسلام کے مقابلے میں بسر ہو گئے۔ اُن کی یاد تو محترم رہی مگر اُن کا مدفن نظر انداز کر دیا گیا اور فراموش ہو گیا اور سات سو اسّی سال تک کسی کا اس طرف دھیان نہ گیا۔ یہاں تک کہ محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو فتح کر لیا تو لوگوں کو پتا چلا (ہر مذہب میں ایسی روایات بن جاتی ہیں) کہ فصیلوں کے قریب بندرگاہ کے علاقے میں یہ نورانی مقام موجود ہے۔ قریب میں ایک مسجد بھی تھی جو انتہائی سادہ حالت میں تھی۔ ترک سلاطین نے اس مقام کی نشاندہی کر دی۔

محاصروں کا عمل مشرق و مغرب دونوں سمتوں میں دوبارہ جاری ہو گیا۔ رُومی افواج کی بڑی شہرت تھی۔ اس کا علم صحرا نشینوں کو بھی تھا۔ یونانی سفیر کو خلیفہ کی اعلیٰ مشاورتی مجلس میں بڑے احترام سے خوش آمدید کہا گیا۔ دونوں حکومتوں کے مابین ایک تیس سالہ معاہدۂ امن کی توثیق کر دی گئی۔ اعلیٰ نسل کے پچاس گھوڑے، پچاس غلام اور تین ہزار طلائی سکے بطور خراج مقرر ہوئے۔ اس سے امیر المومنین کی شان و شوکت میں کچھ کمی

آ گئی۔ خلیفہ بوڑھا ہو چکا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ اُس کی باقی ماندہ زندگی آرام سے گزر جائے جبکہ یہ وقت ایسا تھا کہ مُور اور ہندوستانی اُس کے نام سے لرزاں تھے۔ جبکہ دمشق کا شہر اور خود اُس کا محل مردائیوں (Mardaites) یا مارونطیوں (Maronites) کی زد میں تھا۔ ان کا تعلق لبنانوس کے سلسلۂ کوہ سے تھا۔ یہ لوگ سلطنت کے خلاف ایک مضبوط ترین رکاوٹ تھے۔ حتیٰ کہ یونانیوں کی مشکوک حکمتِ عملی کی وجہ سے انھیں اپنے علاقوں سے نکال کر کہیں اور منتقل کر دیا گیا۔ جب عرب اور فارس میں بغاوت ہوئی تو بنواُمیہ کے پاس صرف شام اور مصر رہ گئے۔ ان دونوں کے مابین خاصا فاصلہ تھا۔ دوسری طرف عیسائیوں کے مطالبات میں بھی روزافزوں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ خراج میں بھی ایک غلام، ایک گھوڑے اور ایک ہزار طلائی سکوں کا اضافہ کر دیا گیا۔ اور شمسی سال کے حساب سے اس کی میعاد تین سو پینسٹھ ایام فی سال مقرر کر دی گئی۔ جب عبدالمالک کی حکمتِ عملی اور فوجی قوت کی وجہ سے سلطنت دوبارہ متحد ہو گئی تو اُس نے غلامی کی اس علامت کو ختم کر دیا اور اپنے ضمیر اور جذبۂ افتخار کو بحال کر لیا۔ اُس نے خراج دینے کا سلسلہ بند کر دیا۔ اس پر یونانیوں کی طرف سے مخالفت اور مزاحمت کا اظہار کیا گیا اور جسٹینین دوم کی دیوانہ وار حرکات نے اُس کی رعایا میں بغاوت پیدا کر دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے جانشینوں میں بار بار اور تیزی سے تبدیلیاں عمل میں آئیں۔ عبدالمالک کے دور میں صحرانشین اس پر قانع تھے کہ خسروان اور قیصران کے خزائن ان کے قبضے میں تھے۔ اُنھوں نے ایک ٹکسال قائم کر لی تھی جس میں سونے اور چاندی (دینار اور درہم) ڈھالے جاتے تھے۔ ملک میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو اس کی حکمتِ عملی کے مخالف تھے اور اللہ اور رسولؐ کے نام پر اتحاد کا مطالبہ کرتے تھے۔ جب ولید کی خلافت کا عہد آیا تو محاصلات کے حسابات میں سے یونانی ہندسوں اور حسابات کو ختم کر دیا گیا اور اُس کی جگہ عربی یا ہندی ہندسوں کو رواج دیا۔ اسی دور میں صفر کی ایجاد ہوئی جو حساب اور الجبرا کی ایک اہم دریافت سمجھی جاتی تھی۔ اس کی وجہ سے ریاضی کے فنون کو ایک اہم ترقی حاصل ہوئی۔

خلیفہ ولید تو دمشق کے تخت پر بیکار بیٹھا ہوا تھا۔ جبکہ اُس کے نائبوں نے ماوراء النہر اور ہسپانیہ میں فتوحات حاصل کر لیں۔ عربوں کی ایک تیسری فوج نے پورے ایشیائے کوچک کو تسخیر کر لیا اور بازنطینی دارالحکومت کے بھی قریب پہنچ گئے۔ مگر اس کے عہد میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی عمل میں نہیں آئی۔ البتہ اس کے بھائی سلیمان کے دور میں اہم کارنامے انجام دیے گئے۔ وہ جاہ پسند تھا اور اُس نے اپنی معرکہ آرائی میں سرعت سے بھی کام لیا اور جنگجویانہ خطرات کا بھی مظاہرہ کیا۔ یونان میں ایک انقلاب آیا اور ظالم جسٹینین کو معزول

کر کے سزا دے دی گئی۔ انا۔طاسی اُوس یا آرطیمی اُوس کو شاہی خلعت عطا کر دی گئی۔ اسے جلد ہی جنگ کی صدائیں سنائی دینے لگیں۔ اس کا سفیر دمشق سے واپس آ گیا اور اُس نے خبر دی کہ عرب بحری اور بری دونوں راستوں سے حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ یہ وہی صورت حالات تھی جو ماضی میں بھی تجربے میں آ چکی تھی اور دورِ حاضر میں بھی اس کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا۔ انا۔طاسی اُوس نے جو تدابیر اختیار کیں، وہ حالات کے مطابق تھیں، اُن میں کوئی کوتاہی نہ تھی۔ وہ متوقع خطرات کے عین مطابق تھیں۔ اُس نے حکم جاری کر دیا کہ ایسے تمام افراد جن کے پاس تین سال کے لیے محاصرے کی صورت میں ذرائع موجود نہ ہوں، بہتر ہے کہ شہر چھوڑ کر باہر چلے جائیں۔ خوراک اور اسلحہ کے ذخائر کو گنجائش کی حد تک بھر لیا گیا۔ فصیلیں مضبوط کر دی گئیں یا دوبارہ تعمیر کر دی گئیں اور پشتوں کے قریب منجنیقیں لگا دی گئیں تاکہ وہ پتھر، گولے اور آگ کے شعلے باہر پھینک سکیں۔ متوقع جنگی ضروریات کے پیش نظر پشتوں اور منجنیقوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا۔ دفاع ہی سب سے زیادہ محفوظ اور باعزت طریق کار ہے۔ ان کی منصوبہ بندی ایسی تھی کہ یونانیوں کے فہم و تدبر سے بالاتر تھی۔ اُنھوں نے دشمن کے بحری ذخائر کو ختم کر دیا۔ قبرص سے منگوائی گئی تمام لکڑی جلا دی گئی جو انھوں نے اس غرض سے خصوصی طور پر منگوا رکھی تھی اور کوہ لیبانوس میں ذخیرہ کر رکھی تھی۔ اس کے ڈھیر فونیقیا کے ساحل کے ساتھ ساتھ لگا رکھے تھے تاکہ مصری بیڑوں کے کام آ سکیں۔ ان کی ہر چال افواج کی بُزدلی یا غداری اور سازش کی وجہ سے ناکام ہو گئی۔ ان کی جدید زبان میں اسے غداری کا نام دیا گیا تھا۔ اُنھوں نے اپنے سردار کو قتل کر دیا اور اپنا علم چھوڑ کر فرار ہو گئے اور رہوڈز کے جزیرے میں منتقل ہو گئے اور قرب و جوار کے جزیروں میں منتشر ہو گئے۔ سادہ مزاج افسر محاصلات نے نہ صرف اُنھیں معاف کر دیا بلکہ انعامات سے بھی سرفراز کیا۔ تھیوڈوسی اوس کے نام کو عوام ممکن ہے کہ مجلسِ قانون ساز کے لیے سفارش کر دیتے۔ لیکن چند ماہ کے اندر اندر وہ اپنی ذات کے تابوت میں مقفل ہو گیا اور تمام اختیارات ایساعوریہ کے لیو کے حوالے کر دیے۔ اب دارالحکومت اور سلطنت کے فوری دفاعی انتظام کی ضرورت تھی۔ کیونکہ صحرانشین انتہائی ناقابلِ تسخیر نظر آتے تھے۔ مسلمہ چونکہ خلیفہ وقت کا بھائی تھا، وہ عربوں اور اہلِ فارس کی ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر آگے بڑھ رہا تھا۔ ان میں سے بیشتر گھوڑوں یا اونٹوں پر سوار تھے۔ وہ طیانا، اموری اُوم اور پرگاموس کے کامیاب محاصرے کر چکے تھے اور وہ آگے بڑھنے کا حوصلہ اور تجربہ حاصل کر چکے تھے۔ دردانیال کے مشہور مقام آبیڈوس (Abydus) پر مسلمان ایشیا سے یورپ میں داخل ہوئے۔ اُس کے بعد تھریس کے شہروں پرونطس وغیرہ کا چکر کاٹا اور اس

کے بعد مسلمان خشکی کے راستے قسطنطنیہ پر حملہ آور ہو گئے۔ یہاں پر جو مقامی فوج کا پڑاؤ تھا اُس کے گرد خندق کھودی گئی تھی اور پشتے بنا کر اُن پر منجنیقیں نصب کر لی گئی تھیں۔ اور زبانی اعلان کر دیا کہ اگر دشمن اُن کی برابری کا مظاہرہ کرے گا تو وہ حملہ کر دیں گے اور فصلیں اٹھانے کے موسم میں دوبارہ آ جائیں گے۔ یونانی یہ کام بآسانی کر سکتے تھے کہ اُن کے مذہب کا خاتمہ کر دیں یا مقامی آبادی پر جرمانہ یا ٹیکس تاوان عائد کر سکتے تھے۔ اس طرح شہر کے باشندے پریشان ہو جاتے۔ مگر یہ فیاضانہ پیش کش مسترد کر دی گئی۔ مسلمہ اپنے ساتھ ایک ناقابل تسخیر فوج لے کر قریب پہنچ رہا تھا۔ مصری اور شامی بحریہ اُس کی مدد کر رہی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اُن کے پاس اٹھارہ سو جہاز تھے۔ اس سے کل فوج کی تعداد کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ بیس بڑے جنگی جہاز تھے۔ جن میں سے ہر ایک پر ایک سو ایسے سپاہی سوار تھے جو بھاری اسلحہ سے مسلح تھے۔ یہ بہت بڑا بحری بیڑہ آہستہ روی سے ساکن سمندر پر تیر رہا تھا۔ اسے ہلکی ہلکی لہریں باسفورس کے دہانے کی طرف دھکیل رہی تھیں۔ خلیج کی ساری سطح پر جہاز ہی جہاز تھے۔ یونانیوں نے اسے متحرک جنگل کا نام دیا۔ عرب سردار نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ اُسی رات خشکی اور سمندر کی طرف سے بیک وقت حملہ کر دیا جائے۔ دشمن کو بذریعۂ اعتماد غافل کرنے کے لیے شہنشاہ نے وہ زنجیر کھلوا دی جو بالعموم بندرگاہ کی حفاظت کے لیے بند رہتی تھی۔ لیکن عرب رُک گئے۔ اُنھوں نے جلد قبضے کی کوشش نہ کی۔ وہ دشمن کی چال بھانپ گئے۔ قریب میں موجود یونانی جہازوں سے عربوں پر آگ برسائی جانے لگی۔ عرب سپاہی اُن کا اسلحہ اور جہاز اس آگ کی زد میں آ گئے، کچھ جل کر مر گئے۔ بعض نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں اور دیکھتے ہی دیکھتے عرب بحری بیڑے کا نشان باقی نہ رہا۔ جو رُومیوں کا نام و نشان مٹانے آئے تھے۔ خود تباہ ہو گئے۔ خلیفہ سلیمان کا بہت زیادہ نقصان ہوا۔ جسے ناقابلِ تلافی کہا جا سکتا ہے۔ وہ جلد ہی قنسرین کے مقام پر بدہضمی کی وجہ سے مر گیا یا شام میں اُس کی وفات چالسس کے مقام پر ہوئی۔ اس موقع پر وہ ان تیاریوں میں مصروف تھا کہ وہ اپنی باقی ماندہ افواج لے کر قسطنطنیہ پر ایک اور حملہ کر دے۔ مسلمہ کے بھائی جگہ ایک رشتہ دار کو تخت نشین کر دیا گیا، جو فی الحقیقت ان کا دشمن تھا اور ایک ایسا شخص جو ہر طرح سے خلافت کا اہل اور بہادر تھا، وہ درباریوں کی منافقت کا شکار ہو کر اپنے حق سے محروم ہو گیا۔ قسطنطنیہ کا محاصرہ موسم سرما میں بھی جاری رہا، اب خلافت عمر (ثانی) کو مل چکی تھی۔ اس سال سردی بہت پڑی۔ پورے سو دن سطح زمین برف سے ڈھکی رہی۔ مصر اور عرب جیسے گرم ممالک کے باشندوں کے لیے یہ موسم بہت تکلیف دہ تھا۔ ان کے پڑاؤ بھی یخ بستہ تھے اور اکثر سپاہی یہ محسوس کرتے تھے کہ یخ بستہ ہو کر جم گئے

ہیں۔ موسم بہار آیا تو یہ دوبارہ تازہ دم ہو گئے۔ اب اُنھوں نے ایک بار پھر کوشش کی۔ ان کی تکالیف کا اُس وقت خاتمہ ہو گیا جب دو بڑے بیڑے اسلحہ اور اناج لے کر پہنچ گئے اور تازہ دم عسکری بھی آ گئے۔ پہلا بیڑہ اسکندریہ سے آیا تھا جس میں چار سو بڑے اور چھوٹے جہاز شامل تھے۔ دوسرے بیڑے میں تین سو ساٹھ جہاز شامل تھے جو افریقہ کی مختلف بندرگاہوں سے آیا تھا۔ مگر یونانیوں کی آگ دوبارہ روشن ہو گئی مگر اس دفعہ سابقہ تباہی نہ ہوئی۔ مسلمان تجربہ حاصل کر چکے تھے کہ محفوظ فاصلے پر رہنا ضروری ہے۔ پھر مصری ملاحوں نے بھی غداری کی کہ وہ اپنے جہاز لے کر یونانی بادشاہ کے پاس چلے گئے کیونکہ وہ عیسائی تھے۔ اس سے یہ ہوا کہ دارالحکومت کی تجارت اور بحری آمد و رفت بحال ہو گئی۔ آبادی کو ضرورت سے زیادہ مقدار میں مچھلی ملنے لگی۔ مسلمانوں کے پڑاؤ میں قحط اور بیماریوں کا حملہ ہو گیا۔ چونکہ قحط بہت سخت تھا اس لیے بیماریاں بھی مہلک ثابت ہوئیں۔ بھوک کا غلبہ اس قدر زیادہ تھا کہ وہ ہر قسم کی اشیا کھانے پر مجبور ہو گئے۔ جن میں بعض اشیا صحت کے لیے بہت مضر تھیں۔ اب فتح اور مقابلے کا عزم و حوصلہ ختم ہو گیا۔ اب وہ اپنے پڑاؤ سے اکیلے یا گروہوں میں بھی باہر نہ نکلتے۔ اگر وہ باہر نکلتے تو بے رحم تحریکی دہقان اُنھیں قتل کر دیتے۔ لیو نے تحفے تحائف دے کر اور وعدے کر کے بلغاریہ سے ایک اور فوج حاصل کر لی۔ ان کے نیم مہذب وحشی افراد نے اُس یلغار کو روک دیا جو سلطنت کے خلاف ناگزیر نظر آتی تھی۔ انھوں نے بائیس ہزار (۲۲۰۰۰) ایشیا کے باشندوں کو قتل کر کے انھیں شکست دے دی۔ ایک اطلاع گشت کرنے لگی کہ لاطینی دُنیا کی ایک نامعلوم قوم فرینک بھی عیسائیت کے دفاع کے لیے ہتھیار سجا رہی تھی۔ وہ لوگ بری اور بحری دونوں جانب سے عیسائیت کے دفاع پر تیار ہو رہے تھے اور ان کی ناقابلِ تسخیر مدد کسی وقت بھی شہر اور میدانِ جنگ میں متوقع تھی۔ بالآخر تیرہ ماہ کے محاصرے کے بعد مایوس مسلمانوں کو خلیفہ کی طرف مراجعت کی خوش کن اجازت مل گئی۔ عربوں کا رسالہ درِ دانیال اور ایشیائی صوبوں سے ہوتا ہوا مراجعت اختیار کر گیا۔ ان کی فوج جو باتھینیا میں مقیم تھی ٹکڑے ٹکڑے کر دی گئی۔ ان کے بحری بیڑے کو طوفانوں اور آتش زنی سے اس قدر نقصان پہنچا کہ صرف پانچ چھوٹے جہاز اسکندریہ پہنچ سکے تاکہ اپنی داستانِ الم بیان کریں۔ اسے عام طور پر ناقابلِ بیان المیہ ہی کہا جا سکتا تھا۔

قسطنطنیہ کے دونوں محاصروں میں اس کا دفاع فی الحقیقت یونانی آتشیں مزاحمت ہی سے کیا گیا۔ یہ ایک جدید عنصر تھا جسے جنگ میں استعمال کیا گیا۔ یہ کامیابی سے استعمال ہوا اور اس کی وجہ سے خوف و ہراس بھی پیدا کیا گیا۔ یہ اہم اور پُر اسرار مرکب ایک شخص کلینی کوس نے دریافت کیا اور اس کے چلانے کا طریق بھی

ایجاد کیا۔ یہ شخص، ہیلیو پولس کے قرب و جوار کا رہائشی تھا۔ جو شام میں واقع ہے۔ یہ شخص خلیفہ کی فوج سے فرار ہو کر بادشاہ کے پاس چلا آیا تھا۔ اسے کیمیا میں بھی مہارت تھی اور علم ہندسہ کا بھی علم تھا۔ اس نے اتنی قوت ایجاد کر لی جو افواج اور جہازوں کو بھی مات دے سکتی تھی۔ یہ تباہ کن ہنر اُس وقت تک خفیہ رہا۔ جب تک مشرق میں رومی قوت انتہائی زوال کا شکار نہ ہو چکی تھی۔ وہ اس قابل نہ رہی تھی کہ اپنا دفاع کر سکے اور جبکہ صحرا نشین ابھی جوان تھے اور اُن میں جنگ آزمائی کی قوت موجود تھی۔ وہ مؤرخین جو یہ معلوم کرنا چاہتے ہوں کہ یہ کون سا مرکب تھا جو آتش زنی کے لیے استعمال کیا گیا، اُنھیں خود اپنی عقل کا ماتم کرنا چاہیے، اور اُن ذرائع کی بھی ملامت کرنی چاہیے جو انھیں اس معاملے میں گمراہ کرتے رہے ہیں۔ وہ غیر محتاط بھی رہے ہیں اور حقیقت کے بیان میں بخل سے بھی کام لیتے رہے ہیں۔ اُنھوں نے جو مبہم اور غلط اشارے دیے ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یونانیوں کا اصل آتشیں عنصر ''تیل'' (پٹرول) تھا۔ یہ مادہ زمین سے نکلتا ہے اور جب اسے ہوا لگتی ہے تو آگ پکڑ لیتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ تیل کو کس توازن سے اور کس شے میں مخلوط کیا جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ گندھک تھی جسے شورے کے ساتھ مرکب کر کے داغا جاتا تھا۔ یہ ایک ایسا مرکب ہے جس سے سیاہ دھواں اور دھماکا دونوں ہو سکتے ہیں۔ اسے سیدھا اوپر پھینکا جا سکتا ہے۔ اس پر پانی ڈالنے سے یہ بجھنے کی بجائے مزید شعلہ فگن ہوتا تھا۔ پانی، ریت، پیشاب اور سرکہ ہی اس کے جوش آتش کو ٹھنڈا کر سکتے تھے۔ یونانیوں نے از روئے انصاف اسے محلول یا بحری آگ کا نام دے رکھا تھا۔ محاصرے کے دوران اسے خشکی اور سمندر دونوں مقامات پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اس سے دشمن میں بہت زیادہ اضطراب پیدا کیا جا سکتا تھا۔ اسے یا تو پشتوں پر سے بڑے بڑے بوالگروں کی مدد سے پھینکا جاتا تھا یا لوہے اور پتھروں کو گرم کر کے تیروں اور نیزوں کی مدد سے پھینکا جاتا تھا یا اسے بعض اشیا کے گرد لپیٹ لیا جاتا اور آتش گیر روغنیات بھی اس کے ساتھ شامل کر لیے جاتے۔ کبھی کبھی اسے کشتیوں میں ڈال کر دشمن کے بیڑے کے قریب اس میں آگ پیدا کر دی جاتی۔ بالعموم اسے تانبے کی لمبی لمبی نالیوں میں ڈال کر اس کی پھوار دشمن پر ڈال دی جاتی۔ کبھی کبھی ایسا بھی کرتے کہ بدشکل مجسمے بنا لیتے جن کے منہ سے یہ محلول نکلتا اور آگ کی صورت اختیار کر لیتا۔ قسطنطنیہ میں اس فن کو ریاست کے سب سے بڑے راز کی صورت میں محفوظ رکھا گیا۔ کبھی کبھی روم کے اتحادیوں کو اس سے آراستہ چھوٹے جہاز اور توپ خانہ مستعار دے دیے جاتے۔ مگر بارود کا نسخہ بڑی احتیاط سے بلکہ سختی سے خفیہ رکھا جاتا۔ چونکہ دشمن کو اس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ ہوتا اس لیے وہ حیران اور خوف زدہ رہتا۔ سلطنت کے انتظام کے متعلق جو

فرامین جاری ہوتے، اُن میں شاہی کاتب بعض ایسے سوالات کے جواب دیتا ہے جو غیر مہذب اقوام کی طرف سے کیے جاتے اور اُن کی طرف تجسس کا اظہار کیا جاتا۔ وہ یہ کہتے تھے کہ قسطنطین کو کسی فرشتے نے اس مرکب محلول کا علم دیا تھا۔ یہ عالم بالا کی طرف سے تحفہ ہے اور اس نسخے کو کسی پر ظاہر نہ کیا جائے۔ کسی دوسری قوم کو اس سے آگاہ نہ کیا جائے۔ بادشاہ اور رعایا اس مذہبی پابندی کی وجہ سے لب بستہ تھے۔ اس راز کے افشا کو بغاوت سمجھا جاتا اور اس کی سزا نہ صرف جسمانی بلکہ رُوحانی بھی تھی۔ گویا مجرم کو نہ صرف باغی بلکہ مرتد بھی سمجھا جاتا۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو عیسائیوں کے خدا کی طرف سے عذاب نازل ہوگا۔ اس احتیاط کی وجہ سے یہ راز چار سو سال تک سربستہ ہی رہا اور اس کی ترکیب مشرقی رومیوں تک محدود رہی۔ اس مدت کے بعد پی سان (Pisans) جو بحر و بر کے تمام رازوں سے آشنا تھے مگر اس مرکب کی ترکیب سے آشنا نہ تھے۔ خواہ مخواہ پکڑے گئے۔ وہ یونانی آتش کے رازوں سے قطعاً آگاہ نہ تھے۔ بالآخر مسلمانوں نے یا تو یہ راز چرا لیا یا اُنھوں نے خود ہی دریافت کر لیا اور پھر شام اور مصر کی صلیبی جنگوں میں عیسائیوں کے سروں کو اس سے نشانہ بنایا گیا۔ ایک عیسائی سردار جو نیزے اور تلوار کا تو خوب مقابلہ کر سکتا تھا مگر وہ اپنے ساتھیوں سمیت توپ کے گولوں کی آواز اور آگ سے بہت زیادہ خوف زدہ تھا۔ قدیم فرانسیسی مصنف اسے جنوں بھوتوں کا نام دیتے جو فضا میں اُڑ سکتے تھے۔ جوئین ولی لکھتا ہے کہ وہ ایسا خوفناک اژدہا ہے جس کے پر بھی ہیں اور دُم بھی ہے اور اس کا سر بہت موٹا ہے اس میں گرج بھی ہے اور تباہ کن قوت بھی۔ یہ برق کی چمک اور رات کا اندھیرا پیدا کر سکتا ہے اور اس میں ہولناک اور مہلک چمک بھی پیدا ہوتی ہے۔ یہ یونانی شعلہ جسے اب عربوں کا بارود بھی کہا جا سکتا ہے۔ چودھویں صدی کے وسط تک زیر استعمال رہا۔ یہاں تک کہ شورہ، گندھک اور لکڑی کے کوئلے کے مرکب نے میدان جنگ اور انسانی تاریخ میں انقلاب برپا کر دیا۔

یونانیوں اور قسطنطنیہ کے اس آتشیں اسلحہ نے مسلمانوں کو مشرقی یورپ پر مزید حملوں سے باز رکھا۔ مگر مغرب میں کوہ پائرین سے آگے گال کے صوبے اُن کی زد میں تھے۔ ہسپانیہ کے فاتحین نے ان پر بھی حملہ کر دیا۔ چونکہ فرانس کا شاہی خاندان کمزور ہو چکا تھا۔ اس لیے عربوں کو فرانس پر حملے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ کلووس کے جانشینوں میں اُس کی جنگی جرأت کی صلاحیتوں کا فقدان ہو چکا تھا۔ ان کی نااہلی کی وجہ سے مرونجی خاندان کے آخری حکمرانوں کو کاہل الوجود کا خطاب دے دیا گیا تھا۔ وہ بغیر کسی قوت کے تخت نشین ہو گئے اور کوئی نام پیدا کیے بغیر قبروں میں دفن ہو گئے۔ شہر کے قریب ایک مضافاتی بستی میں اُن کی رہائش یا قید کے لیے ایک محل

تغیر کر دیا گیا تھا۔ مگر ہر سال مارچ یا مئی کے مہینے میں اُنھیں بیل گاڑی میں بٹھا کر فرینکوں کے سالانہ اجتماع میں لایا جاتا۔ وہاں پر وہ غیر ملکی سفیروں سے بھی ملنے کے بعد شہر کے صدر کی سال بھر کی کارروائی کی توثیق کر دیتے۔ مہتمم خانگی امور قوم کا وزیر بھی ہوتا اور بادشاہ کا آقا بھی ہوتا۔ ایک عوامی کاروبار کو ایک خاندان کے ذاتی کاروبار سے وابستہ کر دیا گیا تھا۔ ان میں سب سے بڑی عمر کے فرو پی پین نے اپنا وارث ایک عمر رسیدہ شخص چھوڑا اور اپنی بیوہ کو اُس کا اور اپنے بچوں کا سرپرست مقرر کر دیا۔ اُس کے حرامی بچوں نے خاندان کے ان افراد کو زبردستی محل سے باہر نکال دیا۔ یہ شخص نیم وحشی اور بددیانت تھا اس نے صوبجاتی نوابوں، جاگیرداروں اور رؤسا کے تمام ادارے بند کر دیے۔ چونکہ بادشاہ ایک کمزور شخص تھا۔ اس لیے یہ تمام لوگ بھی رئیس بلدیہ کی پیروکاری میں مصروف ہو گئے۔ ان سرداروں میں ایک بہادر شخص بھی شامل تھا۔ اس کا نام یُوڈیس تھا جو ایکویٹین کے علاقے کا نواب تھا۔ یہ صوبہ گال کے جنوبی علاقے پر مشتمل تھا۔ اُس نے اپنے صوبے پر بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ گوتھ، گاسکن اور فرینک باشندے اس عیسائی ہیرو کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ اس نے عربوں کے پہلے حملے کو پسپا کر دیا جو ایک زما (Zama) سردار کے زیرکمان کیا گیا تھا۔ وہ بیرونی فصیلوں کے سایہ تلے اپنی افواج اور عہدے سے معزول کر دیا گیا۔ اُس کے جانشینوں کا حوصلہ بڑھا اور وہ بدلہ لینے پر تیار ہو گئے۔ اُنھوں نے پائرین کے سلسلۂ کوہ کو دوبارہ عبور کیا۔ وہ فتح حاصل کرنے کے لیے انتہائی پُراعتماد تھے۔ ناربون جو ایک رومی آبادی تھی، عربوں نے اپنے پہلے ہدف کے طور پر اسی کا انتخاب کیا۔ اُنھوں نے سپتی مانیہ کے ہسپانوی صوبے کے متعلق اپنا مطالبہ دُہرایا۔ اسے لانگی ڈوک بھی کہتے تھے اور یہ ہسپانوی بادشاہت کا حصہ تھا۔ گاسکونی کے انگور کے باغات اور بوردیاکس کے شہروں کی بھی یہی کیفیت تھی۔ دمشق سے سمرقند تک اور فرانس سے جنوب میں گرون (Garonne) کے دہانے سے لے کر راہین تک لوگوں نے مذہب اسلام اور عرب تہذیب کو قبول کر لیا تھا۔

مگر عبدالرحمٰن کا خیال تھا کہ اس وسیع علاقے کا عرض بہت تنگ ہے۔ خلیفہ ہاشم نے اپنی افواج اور ہسپانیہ کے باشندوں کی خواہش کے مطابق اس میں وسعت کا سامان پیدا کر دیا۔ اُن تجربہ کار افراد کا انتخاب کیا گیا جو صحابہ یا تابعین رسول میں سے ابھی تک زندہ تھے تاکہ فرانس یا یورپ کے باقی ماندہ علاقوں میں سے کچھ کو فتح کر لیں اور ایسے دشمن کو سزا دیں جو بظاہر ناقابلِ تسخیر تھا اور ہر قسم کے مخالفانہ حالات پر قابو پائیں۔ خواہ وہ فطرت کے پیدا کردہ ہوں یا انسان کی تخلیق ہوں۔ ان تمام حالات پر قابو پانا ضروری ہے۔ ایک داخلی باغی کو

دبانا ضروری تھا جس نے پائرین کے تمام اہم دروں پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ ایک مور نسل کا شخص مونوزہ تھا۔ اس نے ایکویٹین کے ڈیوک سے اتحاد قائم کر لیا تھا۔ یُوڈیس نے قومی یا انفرادی جذبے کے تحت اپنی خوبصورت بیٹی اس افریقی نژاد کافر کے ساتھ بیاہ دی تھی مگر کرداشنے کی قلعہ بندیاں ایک برتر قوت نے اس کے حوالے کر دی تھیں۔ باغی کو قابو کر لیا گیا اور پہاڑی علاقوں ہی میں قتل کر دیا گیا۔ اُس کی بیوہ کو قید کر کے دمشق میں بھیج دیا گیا۔ غالباً یہ قدم امیر المومنین کو خوش کرنے یا اُن کی خواہش کی تکمیل کے لیے اُٹھایا گیا۔ پائرین سے عبدالرحمٰن بلاتاخیر راہین کے راستے پر چڑھ گیا اور آگے بڑھنے لگا۔ آرلیز کا محاصرہ کر لیا عیسائیوں کی ایک فوج نے شہر کو بچانے کی کوشش کی۔ تیرھویں صدی تک اُن کے رہنماؤں کی قبروں کے آثار باقی تھے جبکہ ہزاروں سپاہیوں کی لاشیں پانی کے تیز بہاؤ کی وجہ سے بحیرۂ روم میں پہنچ گئی تھیں۔ عبدالرحمٰن کی افواج ساحل سمندر کی طرف بھی کچھ کامیاب نہ تھیں۔ وہ غارونے اور دوردون کے علاقوں کو بلا مزاحمت پار کر گیا۔ یہ دونوں دریا خلیج بوردیاکس میں جا گرتے ہیں۔ مگر یہ جب ان دریاؤں کو عبور کر کے آگے بڑھا تو اس نے دیکھا کہ وہاں پر یُوڈیس نے پڑاؤ جما رکھا ہے۔ یہاں پر اُنھوں نے دوسری فوج کی صف بندی کر رکھی تھی۔ یہاں پر ان کو دوسری بار شکست ہوئی۔ یہ شکست اتنی مہلک تھی کہ خود عیسائی مؤرخین کے بیان کے مطابق مقتولین کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ خدا ہی اُن کا شمار کر سکتا ہے۔ فاتح صحرانشین ایکویٹین کے صوبوں کو ملیا میٹ کر گئے۔ ان کے گال کی قسم کے گھر جو پوشیدہ بنائے جاتے تھے، ختم ہو گئے۔ اُن کی جگہ اب پیری گورڈ، سینا تنگے اور پوئٹو آباد ہیں۔ اس کے علم اس شہر کی فصیلوں کے باہر طورس اور سینس کے دروازوں پر لہرا دیے گئے۔ اس کے فوجی دستے برگنڈی کے صوبے پر چھا گئے۔ لائی اونز اور بیسانکون کے شہر بھی اُن کے قبضے میں آ گئے۔ عبدالرحمٰن نے وہ تباہی مچائی کہ اُس کی حکومت قائم ہونے کے لیے نہ کوئی بستی باقی رہ گئی اور نہ بنی نوع انسان کا کوئی نشان باقی تھا۔ مُور یا مسلمانوں کے فرانس پر حملوں نے اُن داستانوں کو وجود بخشا جو اٹلی کی رومانیت کی بنیاد ہیں۔ جب معاشرہ زوال پذیر ہو گیا تو مسلمانوں کو خراج کہاں سے ملتا۔ البتہ خانقاہوں اور گرجا گھروں سے اُنھیں بڑی مقدار میں مالِ غنیمت حاصل ہو گیا۔ اُنھوں نے ان سے قیمتی اشیا قبضے میں کر لیں اور عمارتوں کو نذرِ آتش کر دیا اور دو سرپرست مذہبی بزرگ پوئٹیرز کا ہیلری اور طورس کا مارٹن خواہ اُن کا تعلق نشاط انگیزی سے تھا یا غم سے، اپنی کرامات فراموش کر گئے۔ وہ تو اپنی عبادت گاہوں کا دفاع بھی نہ کر سکے۔ جبل الطارق سے لے کر لوائر کے ساحل تک ایک ہزار میل کا علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ اگر صحرانشین اتنا مزید علاقہ فتح کر لیتے تو عرب، پولینڈ اور سکاٹ لینڈ

کی سطح مرتفع کو بھی زیرنگیں کر لیتے۔ رائین کو عبور کرنا، نیل یا فرات کے عبور کرنے سے مشکل نہ تھا اور عرب بیڑہ
بغیر کسی رکاوٹ کے ٹیمز کے دہانے تک پہنچ سکتا تھا۔ یہ ممکن تھا کہ زمانہ حال میں آکسفورڈ کے مدارس میں تفسیر
قرآن پڑھائی جارہی ہوتی اور اس ملک کے تمام باشندے مسلمان ہوتے اور رسول اکرمؐ پر نازل شدہ
احکامات کی تشریح میں مشغول ہوتے۔

مگر چارلس نے جو پی پن کی ایک ناجائز اولاد تھا، اُس نے اسلام کے نور کو آگے بڑھنے سے روک
دیا۔ وہ اسی پر مطمئن تھا کہ اُسے فرینکوں کا رئیس بلدیہ یا نواب کہا جائے۔ مگر قدرت نے اُسے بادشاہوں کے
ایک سلسلے کا جد اعلیٰ بنا دیا۔ اُس نے چوبیس سال خوب محنت کی اور تختِ شاہی کے وقار کو بحال کر دیا۔ اُس نے
جرمنی اور گال کے باغیوں کو سختی سے کچل دیا۔ اُس نے بیک وقت ایلپ، رائین اور ساحل سمندر پر علم گاڑ دیا۔
جب عوام کو خطرہ پیدا ہوا تو اس کا حریف ایکوئٹین کا نواب راہِ فرار اختیار کر گیا۔ فرینکوں نے آہ بھر کر کہا۔
ہماری کتنی بدقسمتی ہے، ہم کتنے مجبور ہیں؟ ہم نے مدت سے سُن رکھا ہے کہ عرب فتوحات حاصل کر رہے ہیں۔
ہمیں احساس تھا کہ وہ مشرق کی سمت سے ہم پر حملہ کر دیں گے۔ اب اُنھوں نے ہسپانیہ کو فتح کر لیا ہے اور
اُنھوں نے مغرب کی طرف آگے نکل کر ہمارے ملک پر بھی حملہ کر دیا ہے۔ پھر بھی اُن کی تعداد (چونکہ وہ
ڈھال نہیں رکھتے تھے) اور اسلحہ ہمارے مقابلے میں کمتر ہے۔ محل کے رئیس بلدیہ نے جواب دیا کہ اگر تم
میری نصیحت پر عمل کرو تو تم اُن کی پیش قدمی کو روکنے سے گریز کرو اور اُن پر کوئی حملہ نہ کرو۔ وہ ایک سیلاب کی
طرح ہیں۔ ان کا راستہ روکنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ جب ان کو مالِ غنیمت مل جاتا ہے اور فتوحات حاصل ہوتی
ہیں تو اُن کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں اور وہ اپنی تعداد سے بڑھ کر معرکہ آرائی پر اُتر آتے ہیں۔ اُس وقت تک
صبر کرو کہ وہ اپنے آپ کو مال و دولت تلے دبا لیں۔ دولت کی تقسیم پر وہ آپس میں لڑنے لگیں گے اور تمھاری فتح
یقینی ہو جائے گی۔ یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اور جس حکمتِ عملی کا ذکر کیا گیا ہے یہ عرب مصنفین کی داستان
طرازی کا ایک نمونہ ہے۔ جبکہ چارلس کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک تنگ نظر اور خود غرض انسان تھا۔ اُس
کی خفیہ خواہش صرف اسی قدر تھی کہ وہ دوسرے صوبوں کے جذبۂ افتخار کو زک دے اور اُنھیں تباہی کے دہانے
تک پہنچا دے۔ نیز ایکوئٹین کے نواب کو جس قدر ممکن ہو نیچا دکھا دے۔ اس امر کا امکان ہے کہ چارلس کی
طرف سے تاخیر ناگزیر تھی اور وہ کسی معرکہ آرائی پر مائل بھی نہ تھا۔ پہلی اور دُوسری نسل میں کسی باقاعدہ اور منظم
فوج کی موجودگی کا کوئی سراغ نہیں ہوتا۔ نصف سے زائد حکومت اب صحرا نشینوں کے ہاتھ میں تھی۔ بظاہر یہ

معلوم ہوتا تھا کہ نیوسٹریا اور آسٹریسیا کے فرینک باشندے زیادہ خطرات سے دوچار تھے۔ عیسائی جرنیلوں کی
علم آرائی کی وجہ سے جی پی ڈائی اور جرمنوں کی امداد میں کوئی اشتراکِ عمل باقی نہ تھا۔ جب اس نے جنگ
آزمائی کی تیاری کا آغاز کیا تو اسے معلوم ہوا کہ دشمن اس وقت فرانس کے وسط میں خیمہ زن ہے یعنی طورس اور
پوئیٹر کے درمیانی مقام پر پڑاؤ قائم کر رکھا ہے۔ اس نے پہاڑیوں کی اوٹ کا سہارا لے کر پیش قدمی کا آغاز کیا
اور اس کے غیر متوقع صبر اور استقلال کو دیکھ کر عبدالرحمٰن حیران رہ گیا۔ ایشیا اور افریقہ کی اقوام بھی آگے بڑھیں
اور ایسی معرکہ آرائی کا آغاز ہوا۔ جس نے دُنیا کی تاریخ کو بدل کر رکھ دیا۔ پہلے چھ روز مشرق کے رسالے
اور تیر اندازوں کی کامرانیوں سے متعلق تھے۔ مشرقی افواج کے خلاف طاقتور اور تعداد میں بہت زیادہ جرمن
نکل آئے۔ وہ آئندہ نسلوں کی معاشرتی اور مذہبی آزادی کو اپنا مقصد قرار دے رہے تھے۔ مارٹل کا ہتھوڑے
کا نشان چارلس نے بھی اختیار کر لیا تھا۔ اس نشان نے مغربی افواج کے خون کو گرما دیا اور یودیس بھی جرأت
اور دلیری کا مظاہرہ کرنے لگا۔ مؤرخین کے تبصرے کے مطابق فرانسیسی جرأت آزمائی کا اُن کی ہمسایہ
ریاستوں پر بھی اثر پڑا۔ ایک خوفناک جنگ کے بعد جس میں عبدالرحمٰن خود قتل ہو گیا، مغرب کے وقت
صحرا نشین اپنے خیموں میں واپس آ گئے۔ جب رات ہوئی تو یمنی، شامی، افریقی اور ہسپانوی قبائل باہم ایک
دوسرے سے لڑنے لگے اور اس عظیم لشکر کی صفوں میں بدنظمی پیدا ہو گئی اور ہر قبیلے کے امیر نے اپنی واپسی کا
علیحدہ علیحدہ منصوبہ تشکیل دے لیا۔ جب صبح ہوئی تو عربوں کا پڑاؤ بالکل ساکن اور خاموش تھا۔ جس پر مغربی
اقوام کو اندازہ ہوا کہ عیسائیوں کو فتح حاصل ہو چکی ہے۔ جب جاسوسوں نے اُنھیں اطلاع دی کہ عرب جا
چکے ہیں تو عیسائی سپاہیوں نے اُن کے خالی خیموں کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ وہاں سے کچھ نایاب اشیا ملیں
مالِ غنیمت کا کچھ حصہ بھی تھا جو اصل مالکوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ یہ خوشخبری بہت جلد کیتھولک دُنیا میں پھیل گئی۔
اٹلی کے راہب اس پر اعتبار کرتے تھے کہ ساڑھے تین لاکھ یا پونے چار لاکھ مسلمان چارلس کے ہتھوڑوں
سے قتل کر دیے گئے جبکہ طورس کے میدان میں صرف پندرہ سو عیسائیوں کی موت واقع ہوئی۔ مگر اس داستان
کو فرانسیسی جرنیل نے محتاط انداز میں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جس نے کچھ وقت تک فرار ہونے والوں کا
تعاقب بھی کیا تھا اور اپنے جرمن اتحادیوں کو اُن کے وطن کے جنگلات میں واپس بھیج دیا تھا۔ فاتحین اس کے
بعد بالکل ساکن ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ ان کے متعدد فوجی مارے گئے ہوں گے اور بڑی مقدار میں خون بہا
ہوگا۔ عربوں کا میدانِ جنگ میں بہت نقصان ہوا، بلکہ فرار کے وقت راستے میں بھی بہت سپاہی مارے گئے

ہوں گے۔ اس کے باوجود فرینک کو مکمل اور حتمی فتح حاصل ہوگئی۔ یودیس کی افواج نے ایکوئٹین پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ عربوں نے پھر کبھی گال کو فتح کرنے کی خواہش نہیں کی۔ چارلس مارٹل اور اُس کی بہادر قوم نے بہت جلد عربوں کو پائرین کے پہاڑی سلسلے میں جنوب کی طرف بھگا دیا۔ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ جس شخص نے عیسائیت کو عربوں سے نجات دلائی۔ اُس کی تعریف کی جائے گی یا اُسے کوئی کلیسائی رُتبہ دیا جائے گا۔ عیسائیت جواب تک قائم ہے تو اس میں اُس شخص کو شمشیر زنی کا بڑا ہاتھ ہے مگر المناک معاملہ یہ ہے کہ یہ شخص جسے محلاتی رئیس بلدیہ کہا جاتا تھا۔ اُسے اپنی افواج کی تنخواہوں کی ادائیگی کے لیے بشپوں اور اُسقفوں سے رقم مانگ کر حاصل کرنی پڑی۔

اُس کے استحقاق کو بہت جلد فراموش کر دیا گیا۔ گال کے ایک اجتماع نے کارلوونجی بادشاہ کو ایک مراسلہ لکھوایا کہ اِس کے آباواجداد لعنت ملامت کے حقدار تھے۔ جب اُس کی قبر کھولی گئی تو اُس میں سے آگ میں جلنے کی بُو آ رہی تھی اور اس کی قبر میں خطرناک اور ہولناک اژدہے اور سانپ موجود تھے گویا چارلس مارٹل کا جسم ہمیشہ کے لیے آگ میں جلتا رہے گا اور وہ تحت الثریٰ کے جہنم میں ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے گا۔

مغربی علاقوں میں ایک صوبے کا نقصان غالباً دمشق کے دربار میں اس قدر تکلیف دہ یا پریشان کن نہ تھا، مگر خود عالم اسلام میں ایک نئی حکومت کا عروج اُن کے لیے خاصا خطرناک تھا۔ شام میں صاحب اقتدار خاندان بنواُمیہ کبھی بھی عام مسلمانوں میں ہردلعزیز نہیں رہا۔ آنحضرتؐ کے دور میں بھی یہ خاندان طویل عرصے تک بُت پرستی پر عمل پیرا رہا۔ یہ قبیلہ بحالتِ مجبوری اسلام میں داخل ہوا۔ ان کی ترقی اور عروج بھی بے قاعدگی کا شکار تھا، اُنھوں نے اپنے تخت کو مضبوط رکھنے کے لیے عرب کی مقدس ترین شخصیتوں کا خون بہایا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز جو اس خاندان کے بزرگ ترین شخص تھے، وہ بنواُمیہ کی کارکردگی پر شرمندہ تھے، وہ سمجھتے تھے کہ بنواُمیہ کا خلافت پر کوئی حق نہیں بنتا تھا۔ وہ خود اپنی ذات کو بھی امیرالمومنین کے خطاب کا مستحق نہیں سمجھتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ یہ سلسلہ بنوہاشم ہی میں منتقل ہو جانا چاہیے۔ اُن کے خیال میں بنواُمیہ نے جو کچھ کیا، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف تھا اور خدا کے رسولؐ کے خاندان کی حق تلفی کی گئی تھی۔ فاطمی خلفا کے متعلق مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ یا تو جلد باز تھے، یا اگر بہ صفت یعنی بُزدل تھے۔ مگر بنوعباس نے بڑے عزم وحوصلے سے کام لیا اور قسمت آزمائی کی۔ اُن کے پاس شام میں ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ وہیں سے وہ اپنے حق میں مبلغین

اور مختار کار باہر بھیجتے رہے۔ وہ مشرقی صوبوں میں ان کے حق وراثت کے لیے پرچار کرتے رہے۔ اُن کا دعویٰ تھا کہ وہ حضور رسالت مآبؐ کے جانشین ہیں اور اُن کی جانشینی سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔ آنحضرتؐ، حضرت عبداللہ کے بیٹے تھے۔ حضرت علیؓ ابوطالب کے صاحبزادے تھے۔ حضرت عباسؓ آنحضرتؐ کے چچا تھے۔ خراسان سے بعض نائبین ان سے ملنے آئے اور ان سے چار لاکھ طلائی سکے بطور تحفہ قبول کرکے واپس چلے گئے۔ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے حضرت ابوبکرؓ کے نام پر بطور خلیفہ اوّل اتفاق کرلیا تھا۔ یہ ایک جمہوری حلف وفاداری تھی۔ اب عباسیوں کو موقع ملا تو اُنھوں نے ابراہیم عباسی کے نام پر بیعت کرلی مگر ان کی حکومت محض علامتی طور پر قائم رہی۔ حکومتِ دمشق نے اس کی طرف کبھی کوئی دھیان نہیں دیا۔ یہاں تک کہ اس کے تمام حامیوں کو مرو (Meru) کے محل سے باہر نکال دیا گیا تھا اور ابومسلم کے باغی اسلحہ بردار اپنے مقصد میں کامیاب رہے تھے۔ اب موقع آیا تو یہ لوگ عباسیوں کے دعوے کے حامی بن گئے اور درباری روایات کے عام طریق کار کے مطابق ان کا شکریہ بھی ادا کر دیا گیا۔ اس کے اخراج کے باوجود ابومسلم کی توانائی کا مقابلہ نہ کیا جا سکا۔ وہ اپنی بیگمات سے تو حسد کرتا تھا اور صرف اپنی دولت سے محبت کرتا تھا۔ وہ نہ صرف اپنے خون کی حفاظت سے بے خبر تھا اور دوسرے کے خون کو بہانے سے بھی دریغ نہ کرتا تھا۔ وہ اس پر بہت فخر کرتا تھا اور غالباً اُس کا فخر بجا بھی تھا کہ اُس نے اپنے چھ لاکھ مخالفین کو ختم کر دیا تھا۔ وہ کبھی مسکراتا نہ تھا مگر صرف جنگ کے روز وہ مسکراتا نظر آتا تھا۔ جب مختلف فریقوں میں علیحدگی ہوئی، تو سبز رنگ فاطمیوں نے اپنے لیے چُن لیا۔ بنواُمیہ کا امتیازی رنگ سفید تھا۔ اب صرف سیاہ رنگ ایسا رہ گیا تھا، جو ان دونوں کے خلاف تھا۔ اسے عباسیوں نے اپنے لیے مخصوص کرلیا۔ اُن کے عمامے اور لباس اس غمزدہ رنگ سے داغ دار ہوتے۔ ساٹھ ہاتھ اونچے نیزے پر وہ دو جھنڈے گاڑ لیتے، اور ابومسلم کی گاڑی پر بلند کر دیے جاتے، یہ رات اور سائے کی علامت کے طور پر سمجھا جاتا تھا اور اسے بنوہاشم کے سلسلے کا دوام قرار دیا جاتا تھا۔ دریائے سندھ سے فرات تک علاقہ گویا سارا مشرق سفید اور سیاہ رنگوں میں منقسم ہوگیا۔ بالعموم فتح عباسیوں ہی کو نصیب ہوتی مگر جہاں تک عوام میں ان کی مقبولیت کا تعلق ہے وہ ان کے سردار کے کردار کی وجہ انھیں کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکی۔ جب طویل غفلت کے بعد دمشق کی حکومت بیدار ہوئی تو انھوں نے مکہ میں حج بیت اللہ پر پابندی لگانے کی کوشش کی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت اور پیروی میں مروج تھا۔ اب بنواُمیہ نے اپنے آپ کو رسالت مآبؐ اور عوام کا محافظ ظاہر کیا۔ ایک رسالے کی مدد سے اُنھوں نے ابراہیم عباسی کی پیش قدمی روک

دی اور خود اسے بھی گرفتار کرلیا اور یہ شخص اس سے قبل کہ حکومت کے نشے سے مستفید ہوتا۔ ابراہیم کو زنجیروں سے باندھ کر بیڑیاں ڈال دی گئیں اور حران کے مقام پر قید خانے میں ڈال دیا گیا اور وہ اسی حالت میں مرگیا۔ سفاح اور المنصور اس کے دو چھوٹے بھائی تھے۔ اُنھوں نے ظالم کی تلاش شروع کردی۔ اگرچہ وہ خود کوفہ میں رُوپوش رہے۔ یہاں تک کہ عوام اور اُن کے حامیوں نے اُن سے درخواست کی کہ اب وہ اپنے آپ کو ظاہر کر کے برسر عام آجائیں۔ چنانچہ جمعہ کے روز سفاح نے خلیفۂ وقت کا لباس زیب تن کیا اور اپنے فرقے کے مقرر کردہ رنگ استعمال کیے اور اپنے آپ کو حضرت رسالت مآبؐ کے قانونی جانشین کی حیثیت سے پیش کیا۔ وہ منبر پر بیٹھا اور عوام سے اپنی خلافت کی بیعت لی۔ مگر یہ ساری کارروائی زاب (Zab) کے کناروں پر ہوئی۔ کوفہ کی کسی مسجد کو اس مقصد کے لیے استعمال نہ کیا گیا۔ گویا آغاز ہی سے یہ اہم اختلاف رُونما ہوگیا۔ سفید ملبوسات والی جماعت کو بظاہر ہر قسم کا مفاد حاصل تھا، چنانچہ حکومت نے ان لوگوں کی تسخیر کے لیے ایک لاکھ بیس ہزار نفوس پر مشتمل ایک فوج روانہ کردی جبکہ فریق مخالف کے پاس فوج کی تعداد اس کا صرف چھٹا حصہ تھی۔ یہ خلیفہ مروان کا عہد تھا، جو بنواُمیہ کا چودھواں اور آخری خلیفہ تھا جس کے بعد بنواُمیہ کی خلافت ختم ہوگئی۔ اس سے قبل کہ وہ تخت نشین ہوتا، اسے خرعراق (میسوپوٹیمیا) کے عُرف سے متعارف کرایا جانے لگا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ میدان جنگ سے کبھی فرار نہیں ہوتا۔ بعد میں اسے اس کا شمار عظیم ترین بادشاہوں میں ہونے لگا۔ ابوالفدا کا کہنا ہے کہ اب ایسا وقت آچکا تھا کہ بنواُمیہ کے خاندان کے اندر ہی تباہی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ وہ اس مقام پر پہنچ چکے تھے جہاں پر ہر قسم کی کوشش ناکام ہو جاتی ہے۔ مروان اگر کوئی حکم دیتا تو اُسے غلط سمجھا جاتا یا اُس کی تعمیل نہ کی جاتی۔ وہ جب کبھی ضرورت کے مطابق اپنے گھر واپس آتا تو اُسے یقین ہوتا کہ اب اُس کی موت کا وقت قریب آگیا ہے۔ جب کہ دوسری طرف سیاہ پوشوں کی جماعت کو عبداللہ کی کامیاب قیادت حاصل تھی۔ یہ اس کے حریف (سفاح) کا چچا تھا۔ جب خلیفۂ وقت (مروان) کو سخت شکست کا سامنا کرنا پڑا تو وہ موصل کی طرف فرار ہوگیا۔ مگر عباسیوں نے تیزی سے دریائے دجلہ کو عبور کرلیا، مگر اُس نے حران کے محلات پر پریشان نگاہیں ڈالیں۔ دریائے فرات عبور کیا اور دمشق کی قلعہ بندیاں بھی خالی کرگیا۔ وہ فلسطین میں رُکے بغیر دریائے نیل کے کنارے پہنچ گیا، جہاں پر اُس نے اپنی زندگی کا آخری پڑاؤ قائم کیا۔ اس مقام کا نام بُصیر ہے۔ عبداللہ نے اپنی ذہانت اور فراست کی وجہ سے تیز رفتاری سے کام لیا۔ وہ تعاقب کے ہر قدم پر اپنی قوت میں اضافہ کرتا رہا

اور اُس کی شہرت بڑھتی رہی۔ بالآخر مصر میں سفید پوشوں کے ایام پورے ہوگئے اور وہ نیزہ جس نے اس بدقسمت انسان کی زندگی ختم کردی، غالباً فاتح کے مقابلے میں اس کے لیے زیادہ باعث سکون تھا۔ فاتح کو ایک برتری یہ حاصل ہوگئی کہ اُس کے دور اُفتادہ دشمن بھی اپنی قوت سے محروم ہوگئے۔ اُن کی ہڈیاں منتشر ہوگئیں اور اُن کی یاد تک محو ہوگئی۔ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا ظالموں کی افواج سے سخت انتقام لے لیا گیا۔ بنواُمیہ کے وہ افراد جنھوں نے رحم و کرم کی اُمید پر شکست قبول کرلی تھی، اُنھیں دمشق میں ایک دعوت پر مدعو کیا گیا اور مہمان نوازی کے تمام قوانین کی خلاف ورزی کی گئی اور ان سب کو قتل کردیا گیا۔ اُن کی لاشوں کے گرد مجمع لگایا گیا اور محفل موسیقی سے لطف اندوزی کا سامان فراہم کیا گیا، جبکہ مردوں میں ایسے نیم مردہ بھی شامل تھے جو ابھی تک کراہ رہے تھے۔ اس خانہ جنگی کے نتیجے میں عباسیوں کا خاندان مضبوطی سے قائم ہوگیا۔ عیسائیوں کو صرف یہ فائدہ پہنچا کہ رسالت مآبؐ کی اُمت کے لوگ مختلف فرقوں میں تقسیم ہوکر باہمی عداوت کا شکار ہوگئے۔

اس کے باوجود وہ ہزاروں لوگ جو اس خانہ جنگی کے دوران فرار ہوگئے تھے۔ اگلی نسل میں واپس آکر عام آبادی میں گھل مل گئے ہوں گے۔ اس خانہ جنگی کا یہ نتیجہ تو ضرور نکلا کہ صحرانشینوں میں دوبارہ کبھی اتحاد پیدا نہیں ہوسکا اور ان کی قوت اپنے سابقہ معیار پر کبھی نہیں آئی۔ زمانۂ مابعد میں خاندان بنی اُمیہ کا ایک نوجوان عبدالرحمٰن دشمن کے قہر و غضب سے محفوظ رہا۔ یہ شخص دریائے فرات کے کناروں سے لے کر کوہ اطلس کی پہاڑیوں تک گھومتا پھرتا رہا۔ وہ ہسپانیہ کے قرب و جوار تک پہنچ گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض یورپی گروہوں میں بھی اپنی جدوجہد کے لیے جوش پیدا ہوگیا۔ عباسیوں کے نام اور مقاصد کی سب سے پہلے اہل فارس نے حمایت کی۔ مغرب میں تو نجی اسلحہ بندی کی کوئی صورت نہ تھی۔ دست بردار خاندانوں کے بعض خدام ابھی تک ان کی جاگیروں کی حفاظت کر رہے تھے۔ اُن کے پاس وراثت میں حاصل کردہ اراضی اور سرکاری ملازمتیں بھی موجود تھیں۔ ان میں سابقہ حکومت کے لیے شکرگزاری کے جذبات موجود تھے اور موجودہ حالات میں یہ اپنی تذلیل اور کسی حد تک خوف بھی محسوس کرتے تھے۔ اس لیے انھوں نے سابقہ خلیفہ کے پوتے ہاشم کو دعوت دی کہ وہ آکر حکومت سنبھال لے۔ ایسے خطرناک حالات میں جلد بازی یا تحمل دونوں کا نتیجہ یکساں نکلتا۔ جب یہ اندلسیہ (اندلس) کے ساحل پر اُترا تو عوام نے اس کا بھرپور جوش سے استقبال کیا۔ عبدالرحمٰن نے قرطبہ میں اپنا تخت حکومت قائم کرایا۔ اسے ہسپانیہ کے بنواُمیہ کا باوا آدم کہا جا سکتا ہے۔ اس خاندان کی حکومت

بحراوقیانوس سے لے کرکوہ پائرین کے علاقے پر دوسو پچاس سال تک قائم رہی۔ یہ عباسی افواج کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔ یہ لوگ بحری اور بری دونوں راستوں سے حملہ آور ہوئے تھے۔ اس کا سر نمک اور مشک کافور میں لپیٹ کر مکہ میں حاکم اعلیٰ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ وہ ایلچی جو یہ سر لے گیا بڑے مضبوط دل گردے کا مالک ہوگا۔ خلیفہ المنصور نے اس پر خوشی کا اظہار کیا کہ وہ ایک ایسے شخص کے خطرے سے محفوظ ہوگیا ہے جو کسی وقت بھی تکلیف کا باعث ہوسکتا تھا۔ ورنہ یہ ایک نا قابلِ تسخیر دشمن ثابت ہوسکتا تھا اور بحری اور بری دونوں راستوں میں باعثِ آزار ہوسکتا تھا۔ اگرچہ اُس نے اعلانِ جنگ کر رکھا تھا، مگر اُس کی طرف سے پیدا کردہ فتنہ بغیر کسی تکلیف کے ختم ہوگیا۔ مگر بجائے اس کے کہ ہسپانیہ کو بنیاد بنا کر مغرب کی فتوحات کے لیے نئے دروازے کھولے جاتے، خود ہسپانیہ ہی کو شاہی جسم سے علیحدہ کر دیا گیا اور ہسپانیہ میں مشرق کے ساتھ ایک دائمی عناد پیدا ہوگیا۔ انھوں نے فرانس اور قسطنطنیہ کے عیسائی حکمرانوں کے ساتھ دوستی اور امن کے رشتے استوار کر لیے۔ حضرت علیؓ کی اولاد نے تو بنواُمیہ کی مثال پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی۔ اگرچہ یہ عمل حقیقی انداز میں ہوا یا محض زبانی جمع خرچ تک محدود رہا۔ مگر موریطانیہ کے ادریسی اور افریقہ اور مصر کے فاطمی جو زیادہ قوت اور حشمت کے مالک تھے اور دسویں صدی عیسوی میں تو یہ صورت پیدا ہوگئی کہ خلافت کے دعویدار تین مختلف مقامات پر براجمان تھے۔ ان کے مراکز بغداد، قیروان اور قرطبہ میں تھے۔ ان کے آپس میں کوئی تعلقات نہ تھے۔ اب یہ لوگ اختلافات کے سہارے زندہ تھے۔ ان کی نظر میں جو لوگ ان سے متفق نہ تھے وہ کفار سے بھی بدتر تھے اور خطرناک مجرم تھے۔

بنو ہاشم کا تو مکہ سے وطن کا تعلق تھا، مگر بنوعباس کے دل میں یہ خواہش بھی پیدا نہیں ہوئی کہ وہ مکہ میں رہائش اختیار کریں یا مدینہ کو اپنا مرکز بنالیں۔ دمشق کو تو اس لیے نظرانداز کر دیا گیا کہ وہ بنواُمیہ کا مرکز رہا تھا اور بعد میں اُنھیں کے خون سے آلودہ ہوا۔ اس دور کے بعد سفاح کے بھائی نے کسی قدر پس و پیش کے بعد بغداد کی بنیاد رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔ یہی شخص (المنصور) سفاح کا جانشین بھی ہوا۔ اسلام کی حکومت کو پانچ سو سال گزر چکے تھے۔ اس دوران یہ علاقہ غیر جانبدار رہا تھا۔ اس غرض کے لیے جو قطعہ اراضی منتخب کیا گیا وہ دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر واقع ہے اور مدائن کے کھنڈرات سے پندرہ میل شمال کی جانب ہے۔ اس کے گرد دائرے کی صورت میں ایک دُہری فصیل تعمیر کی گئی۔ یہ مقام جو اب صوبائی قصبے کی ثانوی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اتنی تیزی سے ترقی کر گیا کہ یہاں کے مشہور ولی کے جنازے میں آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار مستورات

شریک ہوئیں۔ یہ سارا اجتماع بغداد اور قرب و جوار کے دیہات ہی سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ مشرق کا سب سے امیر اور پُرامن شہر تھا۔ مگر عباسیوں نے جلد ہی قدیم خلفا کی سادگی اور مجبوری کو ترک کر دیا اور اہلِ فارس کے بادشاہوں کی داد و دہش کی تقلید کرنے لگے۔ المامون جنگوں میں بھی مصروف رہا اور تعمیرات کا بھی اُسے بہت شوق تھا مگر جب وہ مرا تو اس نے ترکے میں سونے اور چاندی کے تین کروڑ پاؤنڈ چھوڑے اور اس کی اولاد کی بری یا اچھی عادات کی وجہ سے یہ سارا خزانہ چند سال میں خرچ ہوگیا۔ اس کے بیٹے مہدی نے صرف مکہ کے ایک سفرِ حج میں ساٹھ لاکھ طلائی دینار خرچ کر دیے۔ یہ سفر سات سو میل طویل تھا۔ مگر وہ ہر قدم پر دولت لٹاتا گیا۔ اس کے ہمراہ برف سے لدے ہوئے اونٹ چل رہے تھے۔ ان کی غرض و غایت محض یہ تھی کہ عرب اُنھیں دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائیں اور شاہی دعوتوں میں شریک ہوکر مشروبات اور کھانے پینے سے لطف اندوز ہوں۔ یہ ممالک یقیناً المامون کے پوتے کی فیاضی کے گن گاتے ہوں گے۔ اس سے قبل کہ وہ مراجعت اختیار کرتا۔ المامون کے پوتے نے چوبیس لاکھ دینار خیرات کر دیے یہ رقم ایک صوبے کے محاصلات کا ۵/۴ حصہ تھا۔ جب اس شہزادے کی شادی ہوئی تو بے شمار زر و سیم نچھاور کیا گیا۔ جب سلطنت کا زوال شروع ہوا تو دربار کی شان و شوکت میں بجائے کمی کے مزید اضافہ ہوگیا۔ یونان کا سفیر انعامات سے اس قدر بہرہ ور ہوا کہ کمزور مقتدر کی شان و شوکت کا گرویدہ ہوگیا۔ مؤرخ الفدا کہتا ہے کہ خلیفہ کی تمام فوج جس میں رسالے اور پیدل فوج سپاہی شامل تھے، اُن کی تعداد ایک لاکھ ساٹھ ہزار تھی۔ اس کے افسران، مصاحبین اور غلام جب اس کے قریب کھڑے ہوتے تو عمدہ لباسوں میں ملبوس ہوتے جو سونے اور ہیروں سے آراستہ ہوتے۔ یہی حال اُن کے کمربندوں اور سینہ بندوں کا تھا۔ اُس کے پاس سات ہزار کنیزیں تھیں۔ ان میں چار ہزار سفید نسلوں سے متعلق تھیں اور تین ہزار سیاہ نسل سے تھیں۔ دربانوں کی تعداد سات سو تھی۔ چھوٹے چھوٹے جہاز نہایت خوبصورت اور قیمتی تھے جو دجلہ پر تیرتے دکھائی دیتے تھے اور خود محل بھی کچھ کم شاندار نہ تھا۔ جن میں اڑتیس ہزار قیمتی پتھروں سے مڑھے ہوئے پردے لٹک رہے تھے۔ ان میں سے بارہ ہزار پانچ سو ریشمی تھے جن پر کشیدہ کاری کی گئی تھی۔ بائیس ہزار فرشی قالین تھے۔ بارہ ہزار شیر باہر نکالے جاتے۔ ہر شیر کے ہمراہ ایک خادم ہوتا۔ علاوہ ازیں عیاشی کے مزید بھی متعدد سامان تھے۔ سونے اور چاندی کا ایک درخت بنایا گیا تھا جس کی اٹھارہ شاخیں تھیں، اُس نے ٹہنیوں پر قیمتی دھاتوں سے بنائے گئے پرندے بٹھا دیے تھے اور درخت کے پتے بھی اسی طرح قیمتی دھاتوں سے تیار کیے گئے تھے۔ جبکہ حالات اتنی تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے کہ بہت سے

پرندے اپنی سریلی آواز میں اپنے فطری نغمے الاپنے لگے۔ اگرچہ شان وشوکت کا یہ نظارہ یہاں تک دلفریب ہوگیا تھا کہ یونانی سفیر کو خلیفہ کے تخت کے قدموں کی طرف بیٹھنے کے لیے رہنمائی کی گئی۔ مغرب میں ہسپانوی حکومت کا سربراہ بھی امیرالمومنین ہی کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا۔ قرطبہ سے صرف تین میل کے فاصلے پر، اپنی محبوب ملکہ سلطانہ کے نام پر عبدالرحمٰن سوم نے ایک عظیم الشان شہر آباد کیا۔ اس میں محل اور باغات تعمیر کیے گئے اور اس کا نام الزہرہ رکھا گیا۔ پچیس سال میں یا اس سے کچھ زائد عرصے میں شہر کے بانی نے تیس لاکھ اشرفیوں سے زائد کی رقم خرچ کردی۔ اس کے حسنِ ذوق کی وجہ سے قسطنطنیہ کے ماہرین فن بھی اس منصوبے کی تعمیر میں شامل ہوگئے اور اپنی مہارت کا سارازور اس کی تکمیل پر صرف کردیا جو اپنے عہد کا ایک عظیم شاہکار تھا۔ اس محل میں بارہ سو سے زائد ستون تھے جن کی تعمیر میں ہسپانوی، افریقی، یونانی اور اطالوی سنگ مرمر صرف کیا گیا۔ اس کا ایوان سونے اور موتیوں سے مرصع کیا گیا۔ اس کے درمیان ایک حوض تھا، جس کے چاروں طرف قیمتی جواہرات لگادیے گئے تھے۔ ایک عمدہ اور شاندار باغ تھا، جب کبھی حبس یا گرمی ہوتی تو اس میں بیٹھنا انتہائی پُرسکون ہوتا۔ عبدالرحمٰن اپنی بیگمات، کنیزوں اور حبشی خواجہ سراؤں کے ہمراہ یہاں آتا۔ ان کی مجموعی تعداد چھ ہزار تین سو ہوتی تھی۔ جب وہ میدان میں ہوتا تو بارہ ہزار رسالے کے شاہسوار اُس کی حفاظت پر مامور ہوتے۔ جن کے کمربند اور خنجر طلائی آرائش سے مرصع ہوتے۔

جب ہم انفرادی حیثیت سے رعایا کا ذکر کرتے ہیں، تو ہمیں سوائے افلاس اور جبر وتشدد کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ کروڑوں انسانوں کی زندگیاں اور مشقتیں ایک مطلق العنان حکمران کے لیے مخصوص تھیں۔ جس کے قوانین کی آنکھیں بند کرکے پابندی کی جاتی تھی۔ جس کی رضا کو فوراً پورا کردیا جاتا تھا۔ جو آثار باقی بچے ہیں اُنھیں دیکھ کر ہماری آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور اُن کے جواز کے لیے ہم ٹھنڈے دل سے استدلال کا سہارا لیتے ہیں، ہم میں شامل ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے جو اس مطلق العنانیت کے رویے پر تنقید کرسکیں اور اس شاہانہ امن وسکون کا صدق دل سے جائزہ لے سکیں۔ البتہ اگر اسی عبدالرحمٰن کے تجربات سے کچھ فائدہ اُٹھایا جاسکے تو یقیناً ہمارے لیے بہت مفید ہوگا۔ اس کی شان وشوکت اور حسن انتظام یقیناً اس کے اپنے عہد میں واقعی فقید المثال حیثیت کا مالک تھا اور ہم اس کے مستند کارناموں کی یاد منانے میں یقیناً مسرت محسوس کریں گے۔ خاص طور پر اُن عوام کی آرا قابل قدر ہیں جو اُس کے عہد میں یا مابعد قریب ترین دور میں موجود تھے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے پچاس سال سے زائد عرصہ حکومت کی ہے۔ اس دوران فتوحات بھی حاصل کیں اور

امن بھی قائم رکھا۔ میری رعایا مجھ سے محبت کرتی رہی۔ میرے دشمن مجھ سے خوف زدہ رہے اور میرے اتحادی میرا احترام کرتے رہے جو مال ودولت مجھے حاصل ہوئی یا میرا احترام کیا گیا۔ جو اختیارات مجھے حاصل تھے یا جو آرام وتفریح مجھے میسر رہا۔ وہ میری فیاضانہ طبیعت کے لیے کافی نہ تھے۔ ان حالات کے پیش نظر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ ایام جو میرے لیے مکمل خوشی اور سکون کے تھے، وہ بہت کم تھے۔ ایسے ایام صرف چودہ تھے۔ اے خلق خدا! یہ مت سمجھو کہ میں اس موجودہ دُنیائے فانی پر اعتماد کرتا ہوں!۔ خلفا کی عیش پسندی سے اُن کی نجی زندگی کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا تھا، اُن کے اعصاب کو کبھی سکون میسر نہ ہوتا، البتہ یہ ضرور ہوا کہ عرب سلطنت کی ترقی ان کی فضولیات کی وجہ سے رُک گئی۔ حضرت رسالت مآبؐ کے اوّلین خلفا کی زندگی کا مقصد بہت واضح تھا۔ وہ روحانی اور مادی ارتقا کے لیے کوشاں رہتے اور وہ صدق دل سے اپنے منصوبوں پر عمل کرتے رہے۔ وہ اپنے عہد میں حاصل شدہ تمام محاصلات اسلام کی تعمیر وترقی پر صرف کرتے رہے۔ عباسیوں نے اپنی ضروریات کو وسیع کرلیا تھا اور معاشیات کے اصولوں پر عمل کرنے سے گریز کیا۔ وہ بجائے اس کے کہ اپنے بڑھتے ہوئے اخراجات کو کم کرتے، وہ اپنی تفریح، مشفقانہ مراسم، اپنے من موجی اختیارات کو صرف لطف اندوزی اور عیاشی کی غرض سے استعمال کرتے اور اُن کی بہادری کے انعامات ان کی مستورات اور خواجہ سراؤں کے ہاتھوں میں منتقل ہوجاتے۔ یہاں تک کہ فوجی پڑاؤ بھی محل کی عیش وعشرت ہی کا مقلد ہوگیا۔ خلیفہ کی رعایا کا مزاج بھی عام دُنیا سے مختلف ہوگیا۔ امتدادِ زمانہ اور دولت کی فراوانی کی وجہ سے عربوں کے مزاج کی درشتی ختم ہوگئی۔ اب انھیں صنعت وحرفت کے فوائد کا بھی احساس ہوگیا اور وہ علم وادب کے ذوق سے سرشار ہوگئے اور خانگی زندگی میں امن وسکون کے فوائد سے لطف اندوز ہونے لگے۔ اب صحرانشین جنگ آزمائی کے جذبات سے عاری ہوگئے اور فوجی تنخواہ میں اضافے کے مطالبات کرنے لگے، وہ انعام واکرام کی تکرار کے عادی ہوگئے، وہ رضا کار مجاہد کہیں نظر نہ آتے تھے جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے جھنڈوں کے گرد منڈلاتے رہتے تھے۔ وہ مالِ غنیمت سے زیادہ شہادت اور جنت کے طالب تھے۔

بنواُمیہ کے عہدِ حکومت کے دوران مسلمانوں کے حصول علم کا دائرہ تفسیر قرآن تک ہی محدود تھا یا پھر شاعرانہ فصاحت وبلاغت کے متعلق ان کا ذوق تھا اور وہ بھی ان کی مادری زبان تک محدود تھا۔ وہ لوگ جو متواتر جنگ وجدل میں مصروف رہتے انھیں علم طب اور فن جراحی سے بھی استفادہ کرنا ضروری تھا۔ عرب سائنس دان یہ شکایت ضرور کرتے کہ اُنھیں اپنے نظریات اور ایجادات پر عمل کرنے کا آزادی سے موقع نہیں ملتا۔

جب جنگوں کا سلسلہ ختم ہوگیا تو عباسی خلفا کی رعایا اپنے ذہنی جمود سے باہر نکل آئی۔اب اُنھوں نے استدلال اور تجربات پرمبنی علوم کا تجسس شروع کر دیا۔خلیفہ المنصور نے سب سے پہلے اس روح کو بیدار کیا جس نے، اسلامی فقہ کے علاوہ خود علم ہیئت کے متعلق توجہ دی مگر جب تخت شاہی المامون کی طرف منتقل ہوا۔جو عباسی سلسلے کا ساتواں خلیفہ تھا تو اُس نے اپنے دادا کے منصوبوں کے خلاف شکایت کی اور اپنے آباواجداد کے سلسلے ہی کے مسائل کو زیر بحث لایا۔اس کا وہ سفیر جو قسطنطنیہ میں مقیم تھا اور اس کے وہ مختار کار جو آرمینیا، شام اور مصر میں مقیم تھے، ان سب سے کہا گیا کہ وہ اُن تمام کتب کو جمع کریں جو یونانی رازوں کی امین ہیں۔اس کے حکم کے تحت ان تمام کتب کے تراجم عرب ماہرین اور فضلا سے کرائے گئے۔اُس نے اپنی رعایا کو حکم دیا کہ وہ ان تحریروں کو اپنے علم کا حصہ بنائیں اور جناب رسالت مآبؐ کی اُمت بڑی خوشی سے اس پر تیار ہوگئی کہ وہ دُنیاوی علوم کے حصول کے لیے اپنی جان و دل سے پوری کوشش کریں۔ابوالفراجی اُدس کہتا ہے کہ خلیفہ جاہل نہ تھا۔کیونکہ حاکموں کا انتخاب خود خدا کرتا ہے۔یہ خدا کے بہترین اور مفید خادم ہوتے ہیں۔ان کی زندگیاں اپنی اقوام کے مفادات اور بہتری کے حصول کے لیے وقف ہوتی ہیں۔کوئی چینی ہو یا ترک ہو، وہ صرف صنعت وحرفت کی بدولت ہی ترقی کرسکتا ہے اور صرف محنت ہی وہ ہتھیار ہے جس سے انتہائی سخت اشتہا کو مطمئن کیا جا سکتا ہے۔مگر وہ شخص جو علوم وفنون میں کارہائے نمایاں انجام دیتا ہے، اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ شہد کے چھتے سے لے کر اہرامِ مصر تک ہر شے کا گہری نظر سے مطالعہ کرے۔وہ لوگ جو سائنس کی دُنیا میں اپنا مقام پیدا کرنا چاہتے ہیں اُن کے حوصلے شیروں اور چیتوں سے بھی زیادہ مضبوط ہوتے ہیں اور جہاں تک نفسانی خواہشات کا تعلق ہے۔ان کے حوصلے بہت کمزور ہوتے ہیں۔ہر قسم کے مویشی اور درندے ان ادنیٰ جذبات میں ان سے بہت زیادہ قوت کے مالک ہوتے ہیں۔وہ لوگ جو علم و دانش کے اُستاد ہوتے ہیں، وہ لوگ روشنی کے مینار ہوتے ہیں۔یہی لوگ دُنیا کے لیے قانون سازی کا فرض ادا کرتے ہیں۔اگر ان کی مدد حاصل نہ ہو تو دُنیا دوبارہ جہالت کے سمندر میں غرق ہو جائے۔المامون کے جوش اور تجسس کی اس کے جانشینوں نے بھی تقلید کی۔ان کے حریف افریقہ میں فاطمی اور ہسپانیہ میں اُموی بھی علم وفضل کے سرپرست تھے اور یہ تینوں امیرالمومنین کے خطاب سے متصف تھے۔جو لوگ اپنے اپنے صوبوں میں آزادی کا اعلان کر چکے تھے، وہ بھی اسی نوعیت کے صوابدیدی اختیارات کا دعویٰ کرتے تھے۔سمرقند اور بخارا اس عہد میں علم وفن کے بہت بڑے مراکز کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔یہاں سے لے کر فیض اور قرطبہ تک متعدد ایسی درسگاہیں تھیں

جہاں علم وفنون کی بیش قیمت خدمت کی جاتی تھی۔ایک وزیر نے اپنی ذاتی کمائی سے دو لاکھ اشرفی بطور عطیہ دی تاکہ بغداد میں ایک کالج قائم کیا جائے۔اس نے اس درس گاہ کے اخراجات کے لیے پندرہ ہزار دینار کا سالانہ وقف مقرر کر دیا اس درس گاہ میں مختلف درجات کے چھ ہزار طالب علم ہر وقت موجود رہتے۔اس میں شرفا کے بچوں کے علاوہ صنعتی مزدوروں کے بچے بھی فیض یاب ہوتے۔اس درسگاہ سے عالم فاضل اساتذہ کی ایک بڑی تعداد بھی فارغ التحصیل ہوتی اور انھیں معقول وظائف عطا ہوتے۔ہر شہر میں عربی ادب کی کتب کی نقول تیار کی جاتیں جو طالب علموں کے کام آتیں، نیز اُمرا انھیں اپنی شان وشوکت کے مظاہرے کے لیے خریدتے۔ایک نجی طبیب نے سلطان نجار کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔کیونکہ اگر وہ اپنی کتب اپنے ہمراہ لے کر جاتا تو ان کے لیے چار سو اونٹ درکار ہوتے۔فاطمی خلفا کے کتب خانے میں ایک لاکھ قلمی نسخے موجود تھے۔ان کو نہایت عمدگی سے لکھا گیا تھا اور ان کی جلد سازی بھی کمال کی تھی۔ان کو نہایت احتیاط سے رکھا جاتا اور خاص چھان بین کے بعد مستحق طلبہ کو مستعار دیے جاتے مگر جب ہسپانیہ کے اُموی خاندان کے کتب خانوں سے اس کا موازنہ کیا جائے تو یہ ایک چھوٹا سا کتب خانہ نظر آتا ہے۔ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہسپانیہ کے بنواُمیہ کے ہاں ایک ایسا مجموعہ کتب بھی موجود تھا، جس میں چھ لاکھ کتب تھیں ان مخطوطات کی فہرست ہی چالیس جلدوں میں مکمل ہوئی تھی۔ان کے دارالحکومت قرطبہ اور اس کے مضافاتی قصبوں ملاگا، المیریا اور مرقیہ میں تین سو مشہور مصنف پیدا ہوئے۔اندلسیہ کی حکومت کے شہروں میں ستر کتب خانے بنائے گئے۔عربی زبان کی تعلیمی اور تدریسی حیثیت پانچ سو سال تک جاری رہی۔یہاں تک کہ مغلوں کے ہنگامے نے بغداد پر یلغار کر کے اسے تباہ کر دیا۔ان پانچ سو سالوں کے عرصے میں جیسا کہ عربوں نے علم وفن کے مینار روشن کر رکھے تھے تو یورپ جہالت کے بحرظلمات میں غرق تھا چونکہ علم کا سورج مشرق ہی سے طلوع ہوا تھا، اسے مغرب کی سمت ہی سفر کرنا تھا جس کے نتیجے میں مشرقی ممالک میں اندھیرا چھا جانا بھی ایک فطری امر تھا۔

عربی ادب کا بہت بڑا حصہ جیسا کہ یورپی ادب میں بھی ہے، مقامی اقدار اور تخیل کی ترجمانی کرتا ہے۔اس کا اسلوب بیان مقامی ذوق کی تسکین کرتا ہے اور مقامی انداز بیان کی تقلید بھی کرتا ہے۔مقامی تاریخ اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ہر دور میں نئے انسان اور واقعات جنم لیتے ہیں جو ملکی اور ادبی تاریخ کا حصہ بنتے جاتے ہیں۔تشریحات کی جاتی ہیں اور قانون کی تعبیر کی جاتی ہے جو فقہ کا نام پاتی ہے۔فقہ کو سنتِ رسول کی

تائید حاصل ہوتی ہے۔ تفسیر قرآن بھی اسی روشنی سے کی جاتی ہے۔ صحیح احادیث کا ذخیرہ اس سلسلے میں رہنما ثابت ہوتا ہے تمام دینیاتی گروہ، مکاتب فکر، صوفیا، علم کلام اور ماہرین اخلاقیات، متقدم اور متاخر مصنفین، خواہ اُن کا تعلق کسی فرقے سے ہو، ان ماٰخذ پر سب کا ایمان ناگزیر ہے۔ علوم عقلیہ کو چار طبقات میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ ریاضی، ہیئت، فلسفہ اور طبیعیات ۔ یونانی فلسفیوں کی کتب کو عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور اُن کے نظریات کو مثالوں سے واضح کیا گیا۔ یونان کے بعض مسودات جو گم ہو چکے تھے مشرقی ترجموں کے سہارے دوبارہ زندہ کر لیے گئے ۔ یہ لوگ ارسطو، افلاطون، اقلیدس، اپالونی اُوس، بطلیموس، بقراط اور جالینوس کا مفصل مطالعہ کرتے تھے۔ یہ مرکزی نظام جن میں امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ کچھ تغیر پیدا ہو چکا ہے۔ عربوں نے سقراط کے فلسفے کا مطالعہ کیا جو ہر دور میں مبہم اور نا قابلِ فہم رہا ہے۔ افلاطون ایتھنز کا رہنے والا تھا۔ اُس کی زبان اور فکر یونانی حالات اور مفادات کے مطابق تھی۔ ظاہر ہے کہ اُس کی زبان بھی یونانی تھی، اُس کی تحریروں میں متعدد ابہام پیدا ہو چکے تھے۔ اُس کے مذہب کی جگہ عیسائیت نے لے لی تھی اور یورپ میں وہ تقریباً گمنام ہو چکا تھا، مگر ہسپانوی عرب علمانے لاطینی زبان کے ذریعے دوبارہ اہلِ یورپ کو اس سے آشنا کر دیا۔ اُس دور میں طبیعیات کی بنیاد تجربات کی بجائے استدلال پر تھی۔ یہ دونوں صورتوں میں ترقی کی راہ میں حائل ہو رہا تھا۔ مابعد الطبیعیات نے صرف اوہام پرستی ہی کو جنم دیا، مگر عام انسانوں کی تفہیم کے لیے علم کلام نے بڑی مدد دی۔ ارسطو کے دس اصول ایسے ہیں، جو ہمیں مشکل مسائل کے حل میں مدد دیتے ہیں اور اس کی منطق میں علت و معلول کا نظریہ، استدلال کے میدان میں بڑا کام دیتا ہے۔ عربوں کے مدارس میں اسے انتہائی ہوشیاری سے کام میں لایا گیا ہے۔ اسے غلطیوں کی نشاندہی اور حق تک رسائی کے لیے خوب مہارت سے کام لیا گیا ہے۔ اسے منطقی دلائل کے سلسلے میں ابھی تک استعمال کیا جاتا ہے، مگر ریاضی کو ایک خصوصی استحقاق حاصل ہے۔ یہ تمام علوم امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ترقی کی منزلیں طے کرتے رہیں گے اور کبھی بھی واپسی کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔ مگر قدیم علم ہندسہ کو اگر میری اطلاعات غلط نہیں تو عربوں ہی کی تقلید میں اہلِ اطالیہ نے پندرھویں صدی عیسوی میں رواج دیا۔ اس علم کی اصل خواہ کچھ بھی ہو۔ لیکن الجبرا ایک یونانی فاضل ڈائیو فانطوس کی ایجاد ہے اور خود عربوں نے بھی اس کے حق میں میانہ رو شہادت دی ہے۔ انھوں نے زیادہ کامیابی سے علم ہیئت کی ترویج و ترقی میں اپنا حصہ ادا کیا ہے۔ وہ سیاروں کی حرکت، حجم میں کمی بیشی اور کچھ عرصے کے لیے نظروں سے غائب ہو جانے کی وجوہات کا بالاستیعاب مطالعہ کرتے ہیں اور درست نتائج اخذ

کرتے ہیں۔ خلیفہ المامون نے اس مطالعہ کی غرض سے قیمتی آلات مہیا کیے تھے جو ابھی تک کالدانیہ کی سرزمین میں اُسی شان و شوکت سے موجود ہیں۔ کیونکہ یہ ایک ایسا علاقہ ہے جس میں بادل بہت کم چھاتے ہیں۔ اُس نے ایسی رصدگاہیں، سی نار (Sinaer) کے میدانوں میں اور پھر کوفہ میں بھی تعمیر کرائیں۔ اس کے ریاضی دانوں نے کرۂ ارض کے ایک درجے کا فاصلہ انتہائی درست متعین کر دیا اور انھوں نے حساب لگایا کہ ہمارے کرۂ ارض کا محیط چوبیس ہزار میل ہے۔ عباسیوں کے دور سے لے کر تیمور کی تیسری چوتھی نسل تک ستاروں کا عدسوں کی مدد کے بغیر انتہائی ذہانت سے مطالعہ کیا جا چکا تھا اور اُنھوں نے ان کے سابقہ تصورات میں جو چھوٹی چھوٹی اغلاط موجود تھیں، اُن کو درست کر دیا۔ اگرچہ انھوں نے اس سلسلے میں بطلیموس کا نام نہیں لیا۔ بغداد، ہسپانیہ اور سمرقند کے سائنس دانوں نے اُس کی کوتاہیوں کی نشاندہی ضرور کر دی، اس طرح وہ نظام شمسی کے مطالعے میں ایک قدم مزید آگے بڑھ گئے۔ مشرق کے شاہی درباروں میں اگر کسی عالم سے کوئی غلطی ہو بھی جاتی تو اُسے نظر انداز کر دیا جاتا اور ماہرینِ فلکیات کو تو بالکل آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ ان کی گرفت صرف اسی صورت میں ہوتی جب وہ علم ہیئت کو چھوڑ کر ستارہ شناسی اور قسمت کا حال بتانے لگتے اور غلط پیشین گوئیاں کرنے لگتے مگر علم طب میں عربوں کی فی الواقع تعریف کرنی پڑتی ہے۔ میسوا، جابر، رازی اور ابن سینا کے نام اتنے بلند ہیں کہ وہ قدیم یونانیوں کے ہم پلہ ہیں۔ صرف بغداد شہر میں آٹھ سو ساٹھ طبیبوں کو شفا خانے کھولنے کی اجازت تھی۔ ہسپانیہ میں تو کیتھولک بادشاہ بھی اپنا علاج عرب طبیبوں سے کراتے تھے اور سلرنو کا مدرسہ تو صرف طب کی تعلیم ہی کے لیے مخصوص تھا اور ہر کامیاب طبیب کی کامیابی عوام کو اُس کی طرف متوجہ کرتی اور اُسے حادثاتی جواز کی بنا پر شہرت حاصل ہو جاتی۔ لیکن ہم زیادہ حقیقت پسندی سے صرف یہ اندازہ کرتے ہیں کہ اُن کے علم الابدان، علم الادویہ اور علم کیمیا کا علم کس درجے کا تھا۔ علم طب کی بنیاد ان تین شعبوں پر ہی استوار کی گئی تھی۔ مُردوں کا احترام یونانیوں اور عربوں دونوں میں تھا، اس لیے یہ لوگ بندروں اور حیوانات کی چیر پھاڑ کر کے اپنے تجربات کرتے تھے۔ جالینوس ہی کے دور میں اُن اعضا کا علم ہو گیا تھا جو مشاہدے کی آنکھ سے دیکھے جا سکتے ہیں اور انسانی جسم کے عمدہ اور باریک خلیات کا مطالعہ تو صرف دورِ حاضر میں آ کر ہوا جبکہ خردبین ایجاد ہو گئی۔ نباتیات ایک ایسا علم ہے جس میں بہت زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔ ایسے علاقوں میں جہاں کی آب و ہوا زراعت کے لیے زیادہ موزوں نہیں، عربوں نے جو قرابادین مرتب کی اس کے مفید نتائج برآمد ہوئے۔ انھوں نے دو ہزار پودوں کی فہرست مرتب کی۔ ممکن ہے اُنھوں نے مصری بت کدوں میں محفوظ

خفیہ مخطوطات سے بھی استفادہ کیا ہو، مگر ان کے علم کا بہت بڑا حصہ ان کے اپنے تجربات اور ایجادات کا نتیجہ ہے مگر علم کیمیا کا تو سارے کا سارا سہرا صرف عربوں کے سر پر ہی باندھا جا سکتا ہے۔ انھوں نے پہلے قرع امبیق ایجاد کیا جو عرق اور عطر کے حصول کے لیے کام آتا تھا۔ پھر انھوں نے فطرت کے پیدا کردہ تینوں عناصر کا تجزیہ کیا۔ پھر انھوں نے ہر قسم کے ترشے، تیزاب وغیرہ کا مطالعہ کیا، پھر انھوں نے تمام زہریلے اجزا کا مطالعہ کیا اور اُن سے مفید ادویات تیار کیں مگر عربوں نے اپنا سارا زور اس پر صرف کر دیا کہ دھاتوں کی ہیئت کو تبدیل کیا جا سکے اور ایسی ادویات دریافت کی جا سکیں جو انسانی حیات کو طول دے سکیں۔ انھوں نے دھاتوں کے عناصر کے مطالعے پر بڑی دولت صرف کی۔ اس عظیم کاوش میں بعض ایسے عناصر بھی شامل ہو گئے جو اوہام پرستی اور پُر اسرار قوتوں سے متعلق تھے۔

مگر مسلمانوں نے اپنے آپ کو یونانی اور رومی اقوام سے آزادانہ مکالمات سے محروم کر دیا۔ قدیم علوم کا علم تو محض ذوق کا مرہونِ منت تھا، اور اس کے لیے آزادیِ فکر کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ انھیں اپنی مقامی زبان پر بہت زیادہ اعتماد تھا۔ انھوں نے غیر ملکی زبانوں کی تدریس سے ہمیشہ پرہیز کیا۔ یونانی زبان کے مترجم اپنی عیسائی رعایا میں سے منتخب کیے جاتے۔ انھوں نے حسبِ ضرورت تراجم کیے جو کبھی تو اصل یونانی مسودات سے ہوتے اور بعض اوقات وہ سریانی تراجم کے ترجمے کر دیتے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دور میں ہیئت دانوں اور طبیبوں کا ایک ہجوم نظر آتا ہے مگر ان میں ایک بھی ایسا شخص نہیں جسے عربی علم و ادب کی تعلیم دی جاتی ہو۔ حتیٰ کہ مؤرخین کی جماعت بھی اس سے محروم ہی رہی۔ اگر یہ لوگ ہومر کا مطالعہ بھی کر لیتے تو انھیں اس سمت میں مزید روشنی ملتی۔ شاہ مقدونیہ نے جو نوآبادیاں قائم کی تھیں وہ ان کے قبضے میں آ چکی تھیں۔ روم اور کارتھیج کی حکومتوں کے بعض مقبوضات بھی ان کے زیرِ نگیں تھے۔ پلوطارک اور لیوی کے تخت ان کے زیرِ اقتدار تھے۔ اگرچہ اب ان کے کھنڈرات ہی باقی رہ گئے تھے اور حضرت رسالت مآبؐ کے عہد سے قبل کی تاریخ ایک مختصر فسانے کی صورت اختیار کر چکی تھی، جس میں بنی اسرائیل کے انبیا اور شاہانِ فارس کے قصے باقی رہ گئے تھے۔ ہم یونانی اور لاطینی زبانوں کی تعلیم اپنے مدارس میں حاصل کرتے ہیں۔ اس سے ہمارے اذہان کے ایک مخصوص ذوق کی تربیت ہوتی ہے اور میں بذاتِ خود اُن اقوام اور ممالک کی توہین نہیں کرتا جن کی زبانوں اور ادب سے میں ناواقف ہوں۔ اس کے باوجود میں جانتا ہوں کہ کلاسیک میں بہت سا ایسا سرمایہ موجود ہے جو ہمیں تعلیم دے سکتا ہے اور اس کے ساتھ میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ مشرقی اقوام کو بہت کچھ حاصل

کرنے کی ضرورت ہے مثلاً اسلوب کے دھیمے پن کے انداز، علوم و فنون میں ایک دوسرے سے استفادہ اور اظہارِ تشکر، اظہار و بیان کا ظاہری اور باطنی حُسن اور کردار کے تعین اور بیان کی صلاحیت، بیانیہ کا زور، استدلال کی قوت، ڈراما اور داستان سرائی اور رزمیہ اور بزمیہ نظموں کا حسنِ ذوق، یہ ساری صلاحیتیں اس قابل ہیں کہ ہر زبان میں منتقل کی جائیں۔ صداقت اور استدلال میں کوئی ابہام نہیں ہوتا۔ یونان اور روم کے فلسفی عوام میں مقبول تھے۔ وہ صرف شخصی اور مذہبی آزادی کی تبلیغ کرتے تھے۔ اُن کے اخلاقی اور سیاسی اسباق آہستہ آہستہ مشرق میں بھی قبولیت حاصل کرتے رہے۔ چنانچہ وقت کے ساتھ مشرقی مطلق العنانیت میں بھی تحقیق کی آزادی کی روش وجود میں آنے لگی اور اس کے باوجود کسی نے مغربی مفکرین کے اس استدلال کو قبول نہیں کیا کہ آنحضرتؐ کے خلفا ظالم تھے یا حضور رسالت مآبؐ کے دعوؤں کی صداقت میں کوئی شبہ تھا۔ جب مجرد سائنس کا رواج ہوتا ہے تو مبہم اوہام پرستی غائب ہو جاتی ہے مگر بعض سخت گیر مذہبی رہنما جیسے المامون جذبۂ تجسس کی مخالفت کرتے رہے۔ جنت کے لیے شہادت کا جذبہ اور تقدیر کا یہ عقیدہ کہ تمام معاملات قبل از وقت طے ہو چکے ہیں، ان عقائد میں مطلق العنان بادشاہوں کے مقاصد کا بہت زیادہ دخل ہے۔ صحرا نشین ناقابلِ تسخیر نہ رہے۔ جب اُن کے نوجوانوں کو فوجی چھاؤنی سے نکال کر درسگاہوں میں بھیج دیا گیا اور فوجی فنونِ حرب سیکھنے کی بجائے لکھنے پڑھنے میں لگ گئے۔ اس کے باوجود یونانیوں کا احمقانہ وقار، مسلمانوں کے ذوقِ مطالعہ سے حسد تھا؛ وہ مجبور تھے کہ عربوں کی علمی تحقیق سے فائدہ حاصل کریں۔ اس لیے وہ ان کے مقدس کارناموں کو بددلی ہی سے درآمد کرتے رہے۔

جب بنواُمیہ اور بنوعباس کے مابین خونریز جنگیں جاری تھیں تو یونانیوں نے اس سے فائدہ حاصل کیا اور پُرانی دشمنی کے بدلے لیتے رہے۔ نیز اپنی حدوں میں بھی وسعت پیدا کر لی مگر عباسیوں کے تیسرے خلیفہ مہدی نے ان حرکات کا سخت انتقام لیا۔ اُس نے ہر مفید موقع سے مناسب فائدہ اُٹھایا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ قسطنطنیہ کے تخت پر ایک عورت اور ایک بچہ (آئرین اور قسطنطین) تخت نشین تھے۔ ایک عرب اور فارس کے عسکریوں کی مخلوط فوج دجلہ کی طرف سے بھیجی گئی جس میں پچانوے ہزار افراد شامل تھے۔ ان کا ہدف تھریسی باسفورس کا علاقہ تھا۔ اسی لشکر کی کمان ہارون کو دی گئی جو امیر المومنین کا دوسرا بیٹا تھا۔ اس نے اپنا پڑاؤ کرائسو پولس یا سقوطری میں قائم کیا۔ جو پہاڑی سلسلے کے عین مخالف سمت میں تھا۔ آئرین کو اُس کے قسطنطنیہ کے محل میں اطلاع دی گئی کہ اُس کی فوج اور صوبوں کا بہت نقصان ہو چکا ہے۔ اُس کی منظوری یا رضامندی

سے اُس کے وزرا نے ایک ذلت آمیز معاہدے پر دستخط کر دیے۔ آپس میں تحائف کا تبادلہ کیا گیا اور یہ راز افشا ہوئے بغیر نہ رہ سکا کہ ستر ہزار طلائی دینار سالانہ بطور تاوان ادا کرنے کا معاہدہ ہو گیا۔ صحرا نشین بغیر سوچے سمجھے دشمن ملک کے بہت اندر چلے گئے تھے ان کی واپسی کا یہ انتظام کیا گیا کہ مناسب تعداد میں انھیں رہنما فراہم کر دیے گئے اور بعض منڈیاں بھی اُن کے لیے کھول دی گئیں۔ مگر کسی یونانی نے یہ سرگوشی بھی نہ کی کہ عربوں کی تھکی ماندی فوج کو دلدلی اور پھسلوان پہاڑی وادیوں میں یا دریائے سنگاری اُوس میں ٹھکانے لگایا جا سکتا ہے۔ اس مہم کے پانچ سال بعد ہارون اپنے باپ اور بڑے بھائی کے تخت پر براجمان ہوا۔ یہ عباسی خاندان کا سب سے طاقتور اور بہادر حکمران تھا۔ مغرب میں شارلیمن سے اس کا اتحاد تھا۔ جو بچپن کی حد تک عربوں کی داستانوں کے مطالعے کا شیدائی تھا۔ ہارون کا خطاب الرشید تھا (منصف) اور یہ ہارون الرشید کے نام سے جانا جاتا تھا۔ غالباً یہ لفظ معصوم کے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے (مصنف عربی نہیں جانتا۔ رُشد کے معنی ہدایت ہیں اور رشید کے سیدھی راہ دکھانے والا)۔ وہ ابھی تک یہ سمجھتا تھا کہ وہ اس بیوہ عورت کے ساتھ حسن سلوک کر سکتا ہے کیونکہ اس کا ملک ایک دفعہ لوٹا جا چکا تھا اور خدا اور رسول کا حکم تھا کہ کمزوروں پر رحم کھایا جائے۔ اُس کے دربار میں عیش و عشرت کا سامان بھی تھا اور سائنس دانوں کی بھی کمی نہ تھی۔ ہارون نے تئیس سال حکومت کی اور اس دوران وہ اپنے صوبوں کا اکثر دورہ کرتا رہتا۔ وہ خراسان سے لے کر مصر تک دورے کرتا رہتا۔ اُس نے نو دفعہ حج کیا۔ اُس نے آٹھ دفعہ رُومیوں کے علاقوں پر حملہ کیا۔ وہ جب بھی خراج دینے سے انکار کرتے یہ اُنھیں سبق سکھانے کے لیے چلا جاتا اور بتا دیتا کہ خراج کے ساتھ پورا سال گزارنا آسان ہے مگر جنگ آزمائی کا ایک ماہ بھی خطرناک اور مشکل ہوتا ہے مگر جب قسطنطین کی غیر فطری ماں کو معزول کر دیا گیا اور اُس کے بعد جلا وطن کر دیا گیا تو اس کے جانشین نائسی فورس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ غلامی کے اس طوق کو اُتار پھینکے اور بے عزتی کا تدارک کرے۔ اس بادشاہ نے خلیفہ کو ایک مکتوب بھیجا جو ایک شطرنج کی بازی کے متعلق تھا۔ یہ کھیل فارس سے لے کر یونان تک مروج ہو چکا تھا، ملکہ (اُس نے آئرین کا حوالہ دیا) آپ کو رُخ اور اپنے آپ کو پیادہ سمجھتی رہی۔ وہ آپ کو تاوان ادا کرتی رہی۔ حالانکہ اُسے وحشی اقوام سے اس سے دگنا وصول کرنا چاہیے۔ یہ خاتون یقیناً کمزور صفت اور بُزدل تھی۔ پس یہ ضروری ہے کہ جو کچھ ناانصافی کی بنا پر آپ نے حاصل کیا ہے وہ واپس کر دیں یا پھر ہمارے درمیان تلوار کے ذریعے فیصلہ ہو جائے گا۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی سفیر نے تلواروں کا ایک بنڈل بادشاہ کے تخت کے سامنے پھینک دیا۔ خلیفہ اس شرارت پر مسکرایا اور اپنا خنجر

صمصامہ (Samsamah) باہر نکال لیا۔ یہ ہتھیار روایتی حیثیت کا حامل تھا اور بہت مشہور تھا۔ اس نے یونانیوں کے بازو کاٹ دیے اور اُس نے اس دوران ایک دفعہ بھی اپنے خنجر کا پھالا صاف نہ کیا۔ پھر اُس نے ایک بہادرانہ مکتوب املا کرایا۔ ''خدائے رحیم و کریم کے نام سے ہارون الرشید، امیر المومنین، نائسی فورس کو یہ مکتوب ارسال کرتا ہے کہ اے رومی کتے! میں نے تمھارا مراسلہ پڑھ لیا ہے۔ تم ایک کافر ماں کے بیٹے ہو! تم سنو گے نہیں۔ مگر دیکھ لو گے کہ میرا جواب کیا ہوگا۔'' یہ مکتوب خون سے لکھا گیا اور فریجیا کی سرحدوں پر آگ لگا دی گئی۔ اب جو عربوں نے جنگ کا آغاز کر دیا تو اس کے روکنے کے لیے یا تو مکارانہ حیلہ بازی کی ضرورت تھی یا پھر توبہ کی، حملے کی تکان کی وجہ سے خلیفہ آرام کے لیے ایک طرف ہوا اور دریائے فرات کے کنارے اپنے محبوب محل رقا میں ستانے لگا۔ اگرچہ پانچ سو میل کا فاصلہ تھا اور موسم بھی سخت تھا مگر وہ مجبور تھا کہ حالت امن کو برقرار نہ رکھ سکا۔ نائسی فورس، امیر المومنین کی فوری اور بہادرانہ پیش قدمی پر حیران رہ گیا وہ عین موسم سرما میں طاؤروس کی برفانی پہاڑیوں کو عبور کر کے آ گیا تھا۔ اب اُس کی جنگی حکمت عملی ختم ہو چکی تھی اور بُزدل یونانی ایک میدانِ جنگ میں تین زخم کھا کر فرار ہو گیا اور اپنے پیچھے چالیس ہزار رعایا کے افراد چھوڑ گیا۔ وہ شرمندگی کی وجہ سے اطاعت قبول نہ کر سکتا تھا اور خلیفہ نے مکمل فتح حاصل کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ چار لاکھ پینتیس ہزار سپاہیوں کو تنخواہ ادا کی گئی اور اُنھیں باقاعدہ فوج میں بھرتی کر لیا گیا۔ وہ ہر طرف سے عباسی جھنڈے کے نیچے پیش قدمی کرنے لگے۔ عباسیوں کا علم سیاہ رنگ کا تھا۔ وہ ایشیائے کوچک میں طیانا اور انکائرہ سے آگے نکل گئے۔ ہراکلیا (Heraclea) کو تباہ کیا۔ کسی زمانے میں یہ ایک خوشحال صوبہ تھا۔ اب یہ ایک معمولی قصبہ ہے اور اس قابل ہے کہ اپنا نام قائم رکھ سکے اور اپنی قدامت پر فخر کر سکے۔ ایک ماہ کے محاصرے کے بعد مشرقی حکومت کی افواج پر قابو پا لیا گیا۔ تباہی مکمل ہو گئی۔ مالِ غنیمت بڑی مقدار میں دستیاب ہوا۔ اگر ہارون کو یونانیوں کی کہانی سے آگاہی ہوتی تو وہ ہرکلس کے مجسمے پر قبضہ کرتا جس کی صفات یہ تھیں کہ اُس کی لاٹھی کمان، زرہ بکتر اور شیر کا سر، سب سونے کے بنے ہوئے تھے۔ پیش قدمی کی سرگرمی جس کا آغاز بحیرۂ اسود اور قبرص کے جزیرے سے ہوا تھا، اتنی کامیاب تھی کہ مغرور نائسی فورس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ راہِ فرار اختیار کرے۔ اب جو نیا معاہدہ ہوا، اس کے مطابق ہراکلیا کے کھنڈرات کو اس معرکے کی یادگار کے طور پر تباہ حالت میں رکھنا لازمی تھا۔ یونانیوں کو ایک سبق سکھا دیا گیا اور ان آثار کو فتح کی یادگار کا درجہ دے دیا گیا۔ تاوان کی رقم کو ہارون اور اُس کے تین بیٹوں کے نام پر مخصوص کر دیا گیا۔ البتہ تین آقاؤں کا تعین کسی حد تک رومیوں کی

تذلیل کو کم کرنے کا ذریعہ ثابت ہوسکتا تھا۔ جب ہارون کی وفات ہوگئی تو اس کے تینوں بیٹے خانہ جنگی میں مصروف ہوگئے۔ ان میں المامون کامیاب ہوا اور اُس کا بہت سا وقت ملکی اتحاد کو بحال کرنے میں صرف ہوگیا۔ اُس نے امن قائم رکھا اور غیر ملکی علوم وفنون کی ترویج کی۔

بغداد میں المامون کے دورِ حکومت میں، قسطنطنیہ میں ہکلانے والے مائیکل کے دورِ حکومت میں جزائر کریٹ اور صقلیہ پر عربوں کا قبضہ ہوگیا۔ اول الذکر کی فتح کا ذکر فاتحین نے نظرانداز کردیا کیونکہ وہ مشتری اور مینو کی شہرت سے ناواقف تھے مگر بازنطینی مؤرخین نے اسے نظرانداز نہیں کیا۔ جواب بھی اپنی حکومت کے زمانے میں اپنے حکمرانوں کی غلطیوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اندلسیوں کا ایک دستہ جو اپنی حکومت یا علاقے کی آب وہوا سے غیر مطمئن تھا، باہر نکلا اور بحری مہم سے لطف اندوز ہونے پر تیار ہوگیا۔ اُن کے پاس دس یا بارہ چھوٹے جہاز تھے جونہی اُنھوں نے بادبان اُٹھائے۔ اُن کی مہم کو بحری قزاقی کا نام دے دیا گیا اور اُنھیں سفید پوشوں کی جماعت سے متعلق کردیا گیا۔ وہ اگر سیاہ پوش خلفا کی حکومت پر حملہ کردیتے تو ان کی اس کارروائی کو جائز قرار دے دیا جاتا۔ ایک باغی جماعت نے اُنھیں اسکندریہ میں روشناس کرادیا۔ وہ دوستوں اور دشمنوں سب کے ٹکڑے کردیتے۔ مصر کے دارالحکومت میں انھوں نے چھ سو عیسائیوں کو قیدی بنالیا۔ یہاں تک کہ المامون نے بذاتِ خود اپنی افواج کے ہمراہ انھیں قابو کرلیا۔ دریائے نیل کے دہانے سے لے کر در دانیال تک یونانی اور مسلمان دونوں اس نوعیت کے گروہوں کی یلغار میں تھے۔ وہ انھیں دیکھتے تھے اور حسد کرتے تھے۔ وہ کریٹ کے جزائر کی زرخیزی سے لطف اندوز ہوچکے تھے۔ وہ جلد ہی چالیس بحری جہازوں کو لے کر ان جزائر پر حملہ کرنے کے لیے واپس آگئے۔ کچھ اندلسی ابھی تک بے خوف ہوکر اس سرزمین پر گھوم پھر رہے تھے۔ مگر جب وہ لوٹ کا سامان لے کر ساحلوں سے سمندروں میں اُترے تو ان کے جہازوں کو آگ لگا دی گئی اور ان کے سردار ابوکعب نے اقرار کیا کہ وہ خود ہی اس شرارت کا بانی تھا۔ اُنھوں نے چلا چلا کر کہا کہ وہ ایک پاگل شخص تھا یا غدار تھا۔ اس مکار امیر نے جواب دیا ''کہ تم کس شے کی شکایت کرتے ہو؟ میں تمھیں ایسی سرزمین پر لے آیا ہوں۔ جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں اور یہی تمھارا حقیقی وطن ہے۔ اب محنت شفقت کرو اور کما کر کھاؤ اور اپنے وطن کے بنجر بیابانوں کو بھول جاؤ۔ جب اُنھوں نے سوال کیا کہ ہمارے بیوی بچوں کا کیا ہوگا؟ تو اُس نے جواب دیا کہ یہاں سے خوبصورت کنیزیں منتخب کرلو۔ یہ تمھاری بیویاں ہوں گی اور ان کی وجہ سے تم ایک نئی نسل پیدا کرلوگے۔ اُن کا پہلا ٹھکانا تو اُن کا پڑاؤ ہی تھا۔ خلیج سودہ کی سمت اُنھوں نے پشتہ

بنا کر کھائی کھود لی تھی۔ مگر ایک راہب اُنھیں اس کے مشرقی حصے میں زیادہ بہتر مقام پر لے گیا۔ اس مقام کو کینڈاکس کا نام دیا گیا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ تمام جزیرے پر پھیل گئے اور انھوں نے اسے کانڈیا کا نام دے لیا۔ مینو کے دور کے سو شہر تھے جو کم ہوتے ہوتے صرف تیس رہ گئے اور ان میں غالبا قندونیہ بھی شامل تھا۔ یہ لوگ اتنا حوصلہ رکھتے تھے کہ اپنے مذہب عیسائیت اور آزادی کو برقرار رکھ سکے۔ کریٹ کے صحرانشینوں نے جلد ہی اپنی بحریہ کے نقصان کی تلافی کرلی اور آئندہ کے جنگلوں سے لکڑی لے کر پانی میں ڈال لی۔ ایک سو اڑتیس سال کے مخالفانہ دور میں قسطنطنیہ کے بادشاہ ان پر بے معنی بے مقصد اور ناکام حملے کرتے رہے۔ ان کا اسلحہ بھی غیر موزوں ہی رہا۔

جب صقلیہ کا نقصان ہوگیا تو اس کے نتیجے میں اوہام پرستی میں بھی اضافہ ہوگیا۔ ایک عاشق مزاج نوجوان نے ایک خانقاہ سے ایک راہبہ اغوا کرلی اس کی پاداش میں بادشاہ نے اُس کی زبان کٹوادی۔ یوفی می اُوس نے افریقی حاکموں کے پاس مرافعہ داخل کیا اور اس حادثہ کے خلاف اپنا استدلال پیش کیا اور صحرانشینوں کی عام حکمتِ عملی کی بنیاد پر دادخواہی کا طالب ہوا اور جلد ہی شاہی خلعت کے ساتھ واپس آگیا۔ اسے سو جہاز دے دیے گئے۔ سات سو رسالے کے سوار اور دس ہزار پیدل فوج مل گئی۔ وہ مزارا کے مقام پر جہازوں سے اُترے۔ یہ مقام قدیم سیلی نُوس کے کھنڈرات کے قریب ہی واقع تھا۔ کچھ معمولی فتوحات کے بعد یونانیوں نے سیراکیوز کو آزاد کرالیا۔ اس عاشق مزاج کو شہر کی فصیلوں کے قریب قتل کردیا گیا اور اس کے افریقی ساتھیوں کا یہ حال ہوا کہ وہ اپنے گھوڑوں کا گوشت کھا کر وقت گزارنے لگے۔ یہاں تک کہ اندلسیہ سے اُن کے ساتھی وہاں پہنچ گئے اور وہ اُن کی قوت اور مدد سے آزادی حاصل کرسکے۔ بتدریج صقلیہ کے بہت بڑے حصے پر عربوں کا قبضہ ہوگیا۔ پلرمو کی بندرگاہ کا دارالحکومت اور بحری اور فوجی چھاؤنی کے طور پر انتخاب کرلیا گیا۔ سیراکیوز میں پچاس سال تک عیسائی مذہب کا رواج رہا۔ جو قیصرانِ روم کے دور سے چلا آرہا تھا۔ اس کے بعد آخری محاصرے میں اہلِ صقلیہ نے اپنی وہ سابقہ قوت استعمال کی جو وہ یونانیوں اور کارتھیج کے حملہ آوروں کے خلاف استعمال کرتے چلے آرہے تھے۔ وہ بیس دن تک حملہ آوروں کی منجنیقوں اور دوسرے ہتھیاروں کا مقابلہ کرتے رہے۔ شاید یہ اپنی آزادی برقرار رکھ سکتے مگر قسطنطنیہ کی بحریہ مادرِ مسیح کا گرجا تعمیر کرنے میں مصروف تھی۔ ڈیکن تھیوڈوسی اوس کے ساتھ اس جزیرے کا اُسقف اور بشپ زنجیر بستہ پلرمو کی بندرگاہ سے قربان گاہ تک گھسیٹ کر لائے گئے اور ایک زمین دوز قید خانے میں محبوس کردیے گئے۔ اُنھیں کفر کی اشاعت

کے جرم میں سزائے موت دے دی گئی۔ اُس کا حال اگر چہ اُس کا کردار ناشائستہ تو نہ تھا مگر قابلِ رحم ضرور تھا اُس نے جو شکایت کی وہ ایسی تھی کہ وہ اُس کے ملک کے مزار کا کتبہ ہے۔ رومی فتح سے لے کر موجود المناک حالات تک سیرا کیوز ایک قدیم دور کے جزیرے کی صورت اختیار کر گیا۔ جسے اور طپیا کی اضافی بستی کہا جا سکتا ہے۔ اس کا زوال بہت تیزی سے وقوع پذیر ہوا۔ مگر اس کے آثار تا حال قیمتی ہی سمجھے گئے۔ کیتھیڈرل میں ایک طشتری تھی جس میں پانچ ہزار پاؤنڈ چاندی لگی ہوئی تھی۔ یہاں سے جو مالِ غنیمت دستیاب ہوا، ان میں دس لاکھ طلائی ٹکڑے (تقریباً چار سو پاؤنڈ سٹرلنگ) شامل تھے۔ سترہ ہزار عیسائی غلام بنا لیے گئے جنھیں خدمت کے لیے افریقہ بھیج دیا گیا۔ صقلیہ میں یونانی زبان اور مذہب ختم کر دیے گئے۔ حاکموں کے اثرات اتنے گہرے تھے کہ جس روز فاطمی شہنشاہ کے بیٹے کا ختنہ ہوا، اُس روز صقلیہ کے پندرہ ہزار بچوں کا بھی ختنہ کر دیا گیا اور انھیں نئے ملبوسات پہنائے گئے۔ پلرمو، بسرطا اور تیونس کی بندرگاہوں سے عربوں کے بحری دستے روانہ کیے جانے لگے۔ کالابریہ اور کمپانیا کے ایک سو پچاس قصبوں پر حملہ کیا گیا اور لوٹا گیا۔ یہ بھی نہ ہو سکا کہ قیصران اور اُسقفِ اعظم کے نام پر ہی رومی مضافات کا دفاع کیا جا سکے۔ اگر اس دور میں مسلمانوں میں اتحاد ہوتا تو اطالیہ (اٹلی) بڑی آسانی سے فتح ہو کر اسلامی سلطنت کا ایک حصہ بن جاتا مگر بغداد کے خلفا کا مغرب میں اقتدار ختم ہو چکا تھا۔ اگلابیوں اور فاطمیوں نے افریقی صوبوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان کے اُمرا جو صقلیہ کے حکمران تھے وہ آزادی کا دعویٰ کرنے لگے اور پھر زمانہ قدیم کی روش دوبارہ ظاہر ہو گئی اور بیرونی عناصر اسلامی ممالک پر حملہ آور ہونے لگے۔

جب بھی اٹلی کی بدحالی کا تذکرہ ہوتا ہے تو روم کے معاملات کو یاد کر کے بہت افسوس ہوتا ہے۔ افریقی بندرگاہوں سے ایک بحری بیڑہ روانہ ہوا اور اُس نے ارادہ کر لیا کہ وہ دریائے ٹائبر کے دہانے پر پہنچ جائے اور ایسے شہر کو تسخیر کرے جو اپنی موجودہ زوال پذیر حالت میں بھی عیسائی دُنیا کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اس کے دروازوں اور پشتوں کے محافظ ہر وقت لرزیدہ رہتے تھے مگر سینٹ پیٹر اور سینٹ پال کے مزار ویٹی کن کے مضافات میں واقع تھے۔ ان کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ بعض مزار اوسطیا کی شاہراہ پر بھی تھے۔ ان کے تقدس کی وجہ سے گوتھ ان پر حملہ آور نہیں ہوتے تھے۔ ونڈالوں اور لومبارڈوں نے بھی ان کا احترام ملحوظِ خاطر رکھا۔ مگر عرب نہ تو انجیل پر ایمان رکھتے تھے اور نہ اُن کے نزدیک عیسائی روایات کا کوئی احترام نہ تھا۔ اُن کے عقائد کا منبع صرف قرآن تھا۔ عیسائیوں کے بتوں پر سے وہ سب قیمتی اشیا اُتار لی گئیں۔ اُن پر بطور نذرانہ

منڈھ دی گئی تھیں۔ سینٹ پیٹر کی خانقاہ پر ایک چاندی کی میز تھی اسے توڑ کر الگ کر لیا گیا۔ اگر ان کی عمارات اصل حالت میں چھوڑ دی گئیں تو اس کی وجہ واپسی کی جلدی تھی۔ ان مزاروں کا احترام نہ تھا۔ جب وہ اپنی شاہراہ پر واپس جا رہے تھے تو اُنھوں نے فنڈی کے قصبے کو لوٹ لیا اور جائیطہ کا محاصرہ کر لیا۔ مگر روم کی فصیلوں کی طرف اُنھوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ چونکہ خود مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو چکا تھا، اس لیے دارالحکومت ان کی غلامی اور تبلیغِ اسلام سے بچ گیا۔ مگر رومی عوام کے سر پر یہ خطرہ ہر وقت منڈلاتا رہتا تھا اور یہ خوف اتنا زیادہ تھا جبکہ افریقی امیر کا ان کے خلاف ایسی کارروائی کرنے کا ارادہ تک نہ تھا۔ اُنھوں نے اپنے لاطینی حکمران سے تحفظ کا مطالبہ کیا مگر کارلووِنجی خاندان کا جھنڈا تو اس سے پہلے ہی گرایا جا چکا تھا۔ اب اُنھوں نے سوچا کہ یونانی حکمرانی ہی کو بحال کر لیا جائے۔ مگر یہ کوشش باغیانہ اقدام سمجھی گئی۔ فوجی امداد کا کوئی امکان نہ تھا۔ اس لیے اپنے تحفظ کا انتظام خود ہی کرنا تھا۔ اچانک اُن کے روحانی پیشواؤں اور دُنیاوی سرداروں کی موت واقع ہو گئی۔ حالات اتنے خراب تھے کہ انتخابات کا حیلہ بھی کوئی مدد فراہم نہ کر سکا۔ لہٰذا عوام نے متحدہ طور پر لیو چہارم کو اپنا حکمران تسلیم کر لیا۔ اس طرح شہر اور کلیسا کے تحفظ کا اہتمام کر لیا گیا۔ یہ کلیسائی رہنما پیدائشی رومی تھا۔ اس کے سینے میں ابتدائی دور کے حوصلے اور عزم کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ اگر چہ ملک تباہ ہو چکا تھا مگر وہ حوصلے سے سیدھا کھڑا تھا۔ وہ ایک ایسا ہی مینار تھا جو روم کے کھنڈرات اور آثارِ قدیمہ میں کہیں کہیں کھڑے نظر آ جاتے تھے۔ اس کی حکومت کے اوّلین ایام تو آثارِ قدیمہ کی صفائی، عبادت اور جلوس نکالنے میں گزر گئے۔ بعض سنجیدہ مذہبی امور بھی نمٹا لیے گئے۔ اس شغل سے عوام کے حوصلے بلند ہوئے اور اُن کے زخم مندمل ہوئے۔ مدت سے عوامی دفاع کو نظر انداز کیا گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ لوگ امن پسند ہو گئے تھے بلکہ بنیادی سبب یہ تھا کہ عوام مفلس ہو گئے تھے اور مالی ذرائع موجود ہی نہ تھے۔ اُس نے ذرائع کی کمی اور اسباب کے محدود ہونے کے باوجود، وہ جس قدر بھی کر سکتا تھا، اُس نے کیا۔ قدیم دیواریں مرمت کرائی گئیں۔ لیو کے حکم کے تحت پندرہ مینار ایسے مقامات پر تعمیر کیے گئے۔ جہاں ان کی سخت ضرورت تھی۔ ان میں سے دو ایسے تھے جو ٹائبر کی سمت نگرانی کے لیے ضروری تھے اور ندی پر ایک لوہے کی زنجیر ڈال دی گئی۔ تا کہ کوئی بحری بیڑہ اس طرف سے شہر پر حملہ آور نہ ہو سکے۔ رومیوں کو یہ خبر سن کر قدرے تسکین ہوئی کہ جائیطہ کا محاصرہ اُٹھا لیا گیا ہے اور دشمن کی فوج کا ایک حصہ مالِ غنیمت کے ساتھ ہی سمندر میں غرق ہو گیا۔ یہ مزاروں کی بے ادبی کی سزا تھی کہ سمندری لہریں ان کو نگل گئیں۔

مگر وہ طوفان جو التوا کا شکار تھا، اچانک ہی ان پر ٹوٹ پڑا۔ اُس میں کئی گنا جوش وخروش تھا۔ اگابی جو افریقہ کا حکمران تھا۔ اُسے اپنے باپ کی طرف سے بیش بہا خزانے اور افواج ملی تھیں۔ نیز عربوں اور مُور کا ایک بحری بیڑہ بھی اُس کے پاس تھا وہ اسے لے کر حملہ آور ہو گیا۔ سر دینیا کی بندرگاہ میں اُس نے تازہ دم ہونے کے لیے کھایا پیا۔ پھر وہ دریائے ٹائبر کے دہانے پر آ کر لنگر انداز ہو گیا۔ یہ مقام شہر سے سولہ میل کے فاصلے پر تھا۔ ان لوگوں کی تعداد اور نظم وضبط ہیبت ناک تھا۔ یہ کوئی عارضی مہم جوئی نہ تھی بلکہ یہ فوج فی الواقع قبضہ کر کے حکومت کرنا چاہتی تھی۔ لیو نے کمال ہوشیاری سے یونانی اُمرا کے ساتھ سمجھوتا کر لیا۔ اس اتحاد میں جائیطہ، نیپلز اور امالفی، کی امیر اور تاجر ریاستیں بھی شامل تھیں۔ جب خطرہ درپیش ہوا تو اُن کے جہاز، سیزری اُوس کی زیرِ کمان اوسطیہ کی بندرگاہ پر پہنچ گئے۔ یہ شخص نیپو لی طان (Neapolitan) کے نواب کا بیٹا تھا۔ گویا خاندانی نواب تھا اور بہادر بھی تھا۔ یہ شخص عربوں کے ایک بحری بیڑے کو اس سے قبل شکست دے چکا تھا۔ سیزری اُوس کو اپنے عمائدین کے ہمراہ لیٹران محل میں آنے کی دعوت دی گئی۔ چابکدست مذہبی رہنما نے پہلے اُن سے اُن کی اپنی قوت کے متعلق سوال کیا۔ اس کے بعد بڑی مسرت سے اُن کی کمک کی ذمہ داری قبول کر لی۔ شہر کے تمام دستے اسلحہ پوش ہو گئے اور اوسطیہ میں اپنے مذہبی رہنما کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں پر اُس نے ان آزادی پسندوں کے لیے برکت کی دُعا کی، پھر لیو کی مناجات سنی کہ وہی خدا جس نے سینٹ پیٹر اور سینٹ پال کی دُعائیں قبول کی تھیں اور سمندر کی طرف سے اُٹھنے والے طوفان سے نجات دلائی تھی، آج بھی اپنے بندوں کی مدد کرے گا۔ پھر اسی نوعیت کی مزید دُعائیں کی گئیں، پھر عیسائی جہاز ساحل کے ساتھ ایسے مقامات پر رُک گئے جو ان کے لیے افادیت کا باعث تھے۔ فتح کا رُخ اتحادیوں کی جانب مڑ گیا۔ اچانک سمندر میں ایک طوفان اُٹھا، جس سے ماہر جہاز رانوں کے حوصلے بھی ٹوٹ گئے۔ عیسائیوں کو پانی کے تھپیڑے ایسے ساحلوں کی طرف لے گئے جن سے وہ پہلے سے ہی آشنا تھے۔ وہ براہِ راست بندرگاہ پر پہنچ گئے۔ جبکہ افریقی منتشر ہو کر چٹانوں کے ساتھ ٹکرا گئے اور ایک جزیرے کے ساحل پر جا لگے جو دشمن کے قبضے میں تھا جو بچ گئے وہ یا تو ملے ہی نہیں، اگر ملے تو عیسائی اُن پر رحم کھانے کے روادار نہ تھے۔ اُنھیں بزورِ شمشیر قیدی بنا لیا گیا اور اُنھیں اُن عمارتوں کی مرمت پر لگا دیا گیا، جن کو تباہ کرنے کے لیے وہ آئے تھے۔ وہ پادری جو شہریوں اور افواج کا سربراہ تھا، وہ بزرگوں کے مقبروں پر حاضر ہوا، اُسے بحری مہم سے جو مالِ غنیمت حاصل ہوا تھا، وہ ساتھ لے گیا۔ خالص چاندی کی بنی ہوئی تیر و کمانیں گلیلی کی قربان گاہ کے گرد آویزاں کر دی گئیں۔ لیو چہارم

کی حکومت کا عہد گرجا گھروں اور روم کی آرائش کی وجہ سے یادگار رہے گا۔ سینٹ پال کی خانقاہ کی آرائش پر چاندی کے چار ہزار پاؤنڈ صرف ہو گئے۔ اس کی مزید آرائش کے لیے ایک سونے کی طشتری فراہم کی گئی، جس کا وزن دو سو سولہ پاؤنڈ تھا۔ اس پر پوپ اور بادشاہ دونوں کی تصاویر کندہ تھیں، جن کے گرد قیمتی موتیوں کا ہالہ بنا دیا گیا تھا۔ لیو چہارم کی احتیاط اور دور اندیشی کا حورطہ اور امیریہ کی فصیلوں کی تعمیرِ نو سے پتا چلتا ہے۔ اُس نے خانہ بدوش قنطوم قلائی کو اپنے نئے شہر لیو پولس میں منتقل کر دیا، جو اُس نے ساحلِ سمندر سے بارہ میل کے فاصلے پر تعمیر کیا۔ اُس کی فیاضی کا ثبوت کارسی کانوں کی ایک بستی ہے، جس میں یہ قبیلہ اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ منتقل ہو گیا۔ باقی ماندہ اُجڑے ہوئے باشندے پورٹو میں آباد ہو گئے جو دریائے ٹائبر کے کنارے آباد کی گئی تھی۔ اس گرتے ہوئے قصبے کو مصیبت زدہ افراد کی آبادی کے لیے بحال کیا گیا۔ کھیت اور انگور کے باغ نئے آبادکاروں میں تقسیم کیے گئے۔ پہلے اُنھیں گھوڑے اور مویشی بطور تحفہ فراہم کیے گئے اور جفاکش کاشتکاروں نے حلف لیا کہ وہ باقی زندگی میں صرف سینٹ پال کے لیے زندہ رہیں گے اور اس غرض سے موت قبول کریں گے۔ شمال اور مغرب کی اقوام کے وہ افراد جو مذہبی بزرگوں کی دہلیز پر سر جھکانے کے لیے جاتے وہ ویٹی کن میں آباد ہو جاتے ان کی بستیوں کو ان کی زبان کی بدولت پہچان لیا جاتا کیونکہ یونانی، گوتھ لومبارڈ اور سیکسن اقوام کے مدارس الگ الگ تھے۔ مگر اس مقدس مقام کے تحفظ کا کوئی انتظام نہ تھا اور کسی وجہ سے بھی اس کی بے حرمتی کی جا سکتی تھی۔ اس کے گرد فصیلوں اور میناروں کی تعمیر یا تو حکومت کر سکتی تھی، یا پھر اس کے لیے خیرات ہی کام آ سکتی تھی۔ چار سال تک ہر موسم میں رضاکارانہ مزدوری کا سلسلہ جاری رہا اور مذہبی رہنما بلا تکان ان کی نگرانی کرتا رہا۔ شہرت کی خواہش انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ لیو نائن شہر کے نام سے اس کا سراغ ملتا ہے۔ اس نے ویٹی کن کو ہی نام دیا تھا۔ اس کے باوجود جب اُس نے توبہ کر لی اور عیسائیت کی عاجزانہ صلاحیت کو قبول کر لیا۔ بشپ اور اُس کے پادریوں نے حد بندی کو عبور کر لیا۔ یہ لوگ بوریوں کا لباس زیبِ تن کرتے اور راکھ میں سو جاتے۔ حمدیہ گیتوں اور نغموں میں بھی فتح کے ترانے شامل کر دیے گئے۔ فصیلوں پر مقدس پانی چھڑکا گیا۔ اس مجلس کا آغاز عبادت سے ہوتا، اس کی روحانی نگرانی مذہبی رہنما کرتے اور استقبال میں نیک لوگ شامل ہوتے۔ مقصد یہ تھا کہ قدیم اور جدید روم کو محفوظ، خالص، خوشحال اور ناقابلِ تسخیر بنایا جائے۔

مائیکل ہکلانے والے کا بیٹا شہنشاہ تھیوفی لوس، بہت زیادہ فعال اور دلیر بادشاہوں میں سے س

ایک تھا۔ اس نے جب قسطنطنیہ کی حکومت سنبھالی تو یہ اپنی عمر کے عین درمیانی حصے میں تھا۔ یہ جنگ میں دفاع اور حملے دونوں میں مہارت رکھتا تھا۔ اُس نے پانچ بار عربوں پر حملہ کیا اور جنگ میں بذاتِ خود شریک ہوا، یہ ہر دفعہ ناقابلِ تسخیر رہا۔ خود دشمن بھی اس کی بہادری کا اعتراف کرتا تھا اور اپنے نقصانات اور شکست کو تسلیم کرتا تھا۔ اپنی آخری مہم میں یہ شام کے اندر داخل ہوگیا تھا اور ایک غیر معروف قصبے سوزوپیطرہ کا محاصرہ کرلیا۔ خلیفہ معتصم کی ولادت اسی قصبے میں ہوئی تھی۔ اس کے والد ہارون کے متعلق مشہور ہے کہ وہ حالتِ امن اور جنگ میں بھی اپنے پسندیدہ حرم اور کنیزوں کو ساتھ رکھتا تھا۔ اسی زمانے میں فارس میں ایک بغاوت ہوگئی تھی اور شاہی افواج اُس میں مصروف تھیں۔ لہٰذا وہ صرف ایسے علاقے ہی میں داخل ہوسکتا تھا، جہاں اُسے اُمید تھی کہ مقامی آبادی میں اُس کے لیے اُنسیت کا جذبہ موجود ہے۔ خود شہنشاہ نے محسوس کیا کہ یہ مقام جذباتی لحاظ سے بہت نازک ہے۔ سوزوپیطرہ کو تباہ کر کے زمین کے ساتھ ہموار کردیا گیا۔ شامی قیدیوں کے اعضا کاٹ دیے گئے یا اُن کے جسموں کو چھید کر نشانات بنادیے گئے اور اس مقام کے قرب و جوار سے ایک ہزار عورتوں کو قیدی بنالیا گیا۔ ان قیدی عورتوں میں بنوعباس کے خاندان کی ایک خاتون بھی شامل تھی۔ وہ عالمِ یاس میں معتصم کا نام پکار رہی تھی۔ یونانیوں نے اپنی ماضی کی توہین کا بدلہ لینے کے لیے اسے مزید دکھ دیے۔ جب اس کے دو بڑے بھائیوں کی حکومت تھی، تو چھوٹے بھائی کی حکومت صرف اناطولیہ، آرمینیا اور جارجیا تک محدود تھی اور سرکاشیہ کا فوجی چھاؤنی کا مقام اس کے فنونِ حرب کی مہارت کا مظہر تھا اور اس طرح یہ اپنے حادثاتی مقام اوکتوناری کا جواز بھی فراہم کرسکتا تھا۔ اس کی مشہور ترین آٹھ جنگیں ہیں جو اُس نے دشمنانِ اسلام کے خلاف لڑیں۔ اس جنگ کے لیے جس میں اُس کی ذات بھی منسلک تھی۔ اُس نے عراق شام اور مصر کے مسلمانوں میں سے فوج بھرتی کی اور ترکی کی سرحدوں کے جوان بھی اس میں شامل تھے۔ اُس کے رسالے کی تعداد خاصی زیادہ تھی۔ ایک لاکھ تیس ہزار گھڑسواروں کا تعلق تو صرف شاہی اصطبل سے تھا اس غرض کے لیے جو رقم اسلحہ کی خرید پر صرف کی گئی وہ اسی لاکھ سٹرلنگ کے برابر تھی یا دس لاکھ پاؤنڈ سونے کے مساوی تھی۔ طرسوس میں عرب فوجیں جمع ہوئیں اور مختلف لشکروں کی صورت میں اس مقام سے قسطنطنیہ کی شاہراہوں کی طرف روانہ ہوگئیں۔ معتصم نے فوج کا مرکز سنبھالا اور ہراول دستہ اپنے بیٹے عباس کی کمان میں دیا۔ وہ اپنے اولین معرکوں میں کامیاب بھی ہوسکتا تھا اور یہ بھی ممکن تھا کہ اُسے شکستِ فاش کا سامنا کرنا پڑے۔ اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے خلیفہ نے ارادہ کرلیا کہ دشمن کو دوٹوک جواب دیا جائے۔ تھیوفی لی اُوس فریجیا کے ایک قصبے آموریئم کا رہائشی

تھا۔ یہ اس خاندان کا قدیم دارالحکومت تھا، جہاں سے یہ لوگ اپنے مفادات اور پہاڑی علاقوں کی وجہ سے رہائش ترک کرچکے تھے۔ عوام کو خواہ اس سے کس قدر اختلاف ہو، بادشاہ اور عوام کی نظروں میں قسطنطنیہ کی بھی اس سے زیادہ وقعت نہ تھی۔ خود بادشاہ اور درباریوں کا بھی یہی نقطۂ نظر تھا۔ صحرانشینوں کی ذ حالوں پر آموریئم کا نام کندہ کرادیا گیا تھا۔ ان کے تینوں لشکر اس شہر کی فصیلوں کے گرد جمع ہوگئے۔ سمجھدار ناصحین نے یہ مشورہ دیا تھا کہ آموریئم کو خالی کردیا جائے اور یہاں کی آبادی کو کسی اور مقام پر منتقل کردیا جائے تا کہ حملہ آوروں کو اس مقام پر خالی گھروں کے سوا اور کچھ نہ مل سکے۔ مگر بادشاہ نے پختہ ارادہ کرلیا کہ وہ اس شہر کے محاصرے کا دفاع کرے گا۔ کیونکہ یہ اُس کے آباواجداد کا وطن تھا۔ جب افواج قریب آگئیں تو مقامی آبادی نے دیکھا کہ عربوں کا ہراول دستہ نیزوں اور برچھوں سے مسلح تھا مگر جب دونوں افواج کا مقابلہ ہوا تو دونوں میں سے کسی فوج کو بھی کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ عربوں کی صفوں میں ٹوٹ پھوٹ پیدا ہونے لگی۔ اُس کا سب سے بڑا سبب وہ اہلِ فارس تھے جو اپنے ملک سے یہاں آکر پناہ گزین ہوگئے۔ (بازنطینی سلطنت میں پناہ گزین ہوگئے تھے)۔ یونانی تو پسپائی اختیار کرکے شکست کھاگئے مگر ترک تیز انداز ڈٹے رہے۔ مغرب کے وقت بارش ہوئی تو اُن کی کمانیں بھیگ گئیں۔ بادشاہ تو میدانِ جنگ سے بھاگ گیا مگر عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد کو فرار کا موقع نہ مل سکا۔ وہ تین روز تک بھاگ کر سانس لینے کے لیے رُک گئے۔ تھیوفی لی اُوس نے اپنی لرزاں افواج کا مشاہدہ کیا، اُسے عوام اور شہنشاہ کی مشترکہ جنگ فراموش ہوگئی۔ جب اُس نے یہ مایوس کن حالات دیکھے تو اُس نے ارادہ کرلیا کہ آموریئم کو اُس کے حال پر چھوڑ دے۔ خلیفہ اس سے سخت ناراض تھا، اُس نے اس کی کسی درخواست یا وعدے پر کوئی توجہ نہ دی۔ اُس نے رومی سفیروں کو اپنے پاس روک لیا تا کہ وہ انتقامی کارروائی کا بذاتِ خود مشاہدہ کرلیں جو شرمندگی بادشاہ کے لیے مقدر ہوچکی تھی، اُس کا مشاہدہ انھوں نے کیا۔ وفادار گورنر نے اس شدید حملے کا پچپن روز تک مشاہدہ کیا۔ ایک تجربہ کار لشکر اور مایوس عوام ڈٹے رہے۔ صحرانشین محاصرہ اُٹھانے کے متعلق سوچ رہے تھے کہ ایک مقامی شخص نے عربوں کو فصیل کے کمزور مقام کی نشان دہی کردی۔ یہ وہ مقام تھا جہاں ایک بیل اور ایک شیر کی تصویر بنا کر آرائش کی گئی تھی۔ معتصم نے اپنے غصے کو دل کھول کر نکالا۔ وہ تباہی برپا کرتے کرتے تھک گیا۔ وہ اپنے سامرہ کے نئے محل میں تھکا ہوا واپس آگیا۔ یہ محل بغداد کے قرب و جوار ہی میں واقع تھا۔ جبکہ تھیوفی لوس اپنے مغربی حریف سے کمک ارسال کرنے کی درخواستیں کرتا رہا۔ مگر فرینکوں کا بادشاہ خود کمزور ہوچکا تھا۔ اس کے باوجود آموریئم کے محاصرے

میں ستر ہزار مسلمان شہید ہو گئے اور اس کے بدلے میں اُنھوں نے تیس ہزار عیسائی قتل کر دیے اور اسی تعداد میں قیدی بنالیے گئے، جن کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا گیا۔ کبھی کبھی بعض قیدی تاوان لے کر چھوڑ دیے جاتے۔ مگر دونوں سلطنتوں کے مابین جو مذہبی مناقشہ شروع ہو گیا تھا وہ امن کے قیام کی راہ میں حائل تھا۔ میدانِ جنگ میں کوئی قوم اپنے مخالف پر رحم نہیں کھاتی۔ وہ لوگ جو تلوار کی دھار سے بچ جاتے اُنھیں قیدی بنالیا جاتا اور وہ اپنی باقی ماندہ زندگی جور و ستم تلے گزار دیتے۔ ایک کیتھولک بادشاہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا حال بیان کرتا ہے کہ وہ عرب سپاہی جو کریٹ میں عیسائیوں کے ہاتھ آ گئے تھے، اُن کی زندہ حالت میں کھال اُتار دی گئی یا اُنھیں اُبلتے ہوئے تیل میں ڈال دیا گیا۔ معتصم نے صرف اپنی عزت کا بدلہ لینے کے لیے ایک خوشحال شہر کے لاکھوں افراد کو برباد کر دیا اور اپنے کپڑوں کو ایک بوڑھے شخص کے خون سے آلودہ کر لیا جو اپنے گدھے پر سامان لادے جا رہا تھا اور کھائی میں گر گیا۔ غالبًا وہ اُس وقت بہت خوش ہوگا، جب موت کے فرشتے نے اسے اجل کا پیام دیا تھا؟

معتصم عباسی خاندان کا آٹھواں خلیفہ تھا، اُس کے ساتھ ہی اس خاندان کی شان و شوکت ختم ہو گئی۔ جب عرب مشرق و مغرب میں پھیل گئے۔ اب اُن کی نسل مصر، شام اور فارس کے باشندوں کے ساتھ مخلوط ہو چکی تھی۔ اُن کے کردار میں صحرا کا جذبۂ آزادی اور اس سے منسلک خوبیوں کا خاتمہ ہو گیا۔ جنوب میں جس حوصلے کا ذکر کیا جاتا ہے، وہ مصنوعی ہے، یہ صرف عصبیت اور نظم و ضبط کا نتیجہ ہے۔ مسلمانوں کی حقیقی قوت اور عزم و حوصلے میں خستگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ خلفا کی رضا کار افواج کو شمالی آب و ہوا سے بھرتی کیا جاتا تھا، جو لوگ جسمانی لحاظ سے طاقتور ہوتے ہیں اور ان میں جرأت بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ترک جو حقیقی طور پر دریائے آمو اور جیحوں کے علاقوں سے تعلق رکھتے تھے، ان کے نوجوان بہت طاقتور جسم و جثے کے مالک تھے۔ ان میں سے اکثر جنگوں میں قیدی بنالیے گئے تھے یا بعض اُمرا نے اُنھیں خرید لیا تھا۔ پھر اُنھیں فنونِ حرب یا اسلامی علوم کی تعلیم دی گئی۔ بادشاہوں اور اُمرا کے ذاتی محافظین میں ترک نوجوان شامل ہوتے تھے اور محل کے تمام اختیارات ان کے سرداروں کے ہاتھ تھے اور صوبوں میں بھی ان کا سکہ چلتا تھا۔ معتصم ہی اس خطرناک تصور کا خالق تھا۔ اس نے دارالحکومت میں پچاس ہزار سے زائد ترکوں کو داخل کر لیا۔ ان کے بے راہرو کردار کی وجہ سے عوام نے ان کے خلاف ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ فوج، سپاہیوں اور عوام میں تنازعات شروع ہو گئے۔ خلیفہ مجبور ہو گیا اور اُس نے اپنی رہائش اور اپنے پسندیدہ سپاہیوں کا پڑاؤ دریائے دجلہ کے کنارے سامرہ میں

منتقل کر لیا۔ یہ مقام دارالحکومت (شہرِ امن) سے بارہ لیگ شمال کی جانب تھا۔ اس کا بیٹا المتوکل حاسد، ظالم اور تشدد پسند تھا۔ وہ رعایا کے معاملے میں بہت سخت گیر تھا اور ان اجنبیوں کی وفاداری پر اُسے بہت یقین تھا۔ دوسری طرف یہ اجنبی جاہ پسند اور شکی المزاج تھے۔ اُنھیں انقلابیوں کے بڑے بڑے وعدوں پر بہت اعتماد تھا۔ اپنے بیٹے کے کہنے پر یا کم از کم اُس کے مفاد کے پیشِ نظر رات کے کھانے کے موقع پر یہ لوگ اچانک اُس کے کمرے میں داخل ہو گئے اور انہی تلواروں سے خلیفہ کے سات ٹکڑے کر دیے جو اُس نے حال ہی میں اپنی زندگی کے محافظین میں تقسیم کی تھیں۔ اس تخت پر جس پر اُس کے باپ کا خون ابھی تک بہ رہا تھا۔ مستنصر کو کامیابی سے تخت پر بٹھا دیا گیا۔ اپنی چھ ماہ کی حکومت میں وہ صرف اپنے مجرمانہ ضمیر کو مطمئن کر سکا، وہ اُس مسہری پر اکثر آہ و زاری کرتا جس پر خسرو کے بیٹے کو اس کے انجام پر پہنچایا گیا تھا اُسے اپنے باپ کا قتل یاد آتا جس نے آخری وقت یہ کہا تھا کہ اس نے اپنی دُنیا اور عاقبت دونوں کو خراب کر لیا ہے۔ اس باغیانہ حرکت کے بعد حضرت رسالت مآب کا جبّہ اور عصا ان ظالموں نے اسے دیا اور پھر اُسے پھاڑ کر پھینک دیا۔ اُنھوں نے چار سال میں تین خلفا تخت پر بٹھائے اور پھر اُنھیں قتل کر دیا۔ کبھی تو وہ خوف کی وجہ سے یہ حرکت کرتے یا بدلہ لینے کی کوشش کرتے یا لالچ میں آ کر اس جرم کے مرتکب ہوتے۔ وہ خلفا کو پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹتے پھر اُن کے عریاں جسم دھوپ میں پھینک دیتے اور فولادی ڈنڈوں سے اسے مارتے اور اسے مجبور کرتے کہ وہ تخت سے دستبردار ہو جائے اور وہ اپنے ناگزیر انجام کو پہنچ جاتے۔ بالآخر اس طوفان کا زور ختم ہو گیا یا اس کا رُخ دوسری سمت مڑ گیا اور عباسی اپنے پُرسکون دارالحکومت بغداد کی طرف واپس آ گئے۔ ترکوں کی دیدہ دلیری کو زیادہ سخت اور مدبر ہاتھوں سے ختم کر دیا گیا۔ غیر ملکی جنگوں میں اُنھیں تقسیم کر دیا گیا اور پھر ختم کر دیا گیا اور یہ مشرقی قوم اپنے خلفا کا انجام دیکھ کر لرزہ براندام ہو گئی۔ نظم و ضبط اور قوت کے عدم مظاہرے کی بدولت دوبارہ امن قائم کیا گیا۔ فوجی مطلق العنانیت سے وہ بُرا حال پیدا ہوا کہ مجھے مجبوراً روم کے محافظینِ اعلیٰ کی حکایت کو دُہرانا پڑتا ہے۔

جب جوش و خروش کی آگ امن کی رطوبت میں ٹھنڈی ہوئی تو لوگوں میں علم و دانش کے حصول کا شوق پیدا ہونے لگا۔ وہ اپنے علم و فضل کی بنیاد پر یا تو اس دُنیا میں حکومت کرنا چاہتے تھے یا اگلے جہاں میں خدا کے قرب کے خواہاں تھے۔ نہایت احتیاط سے پیش گوئیوں کی کتاب کو سربمہر کر دیا گیا اور اس پر یقین کر لیا گیا کہ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور جنابِ رسالت مآب

حضرت محمدؐ کی معرفت صرف ایک ہی خدائے عظیم و برتر کا پیغام پہنچتا رہا ہے۔ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ قانونِ الٰہی کی تکمیل ہوتی رہی ہے۔ دو سو ستر عرب مبلغین نے قرامطہ کے نام سے داعیان کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ اُنھوں نے اپنے اسلوب بیان کو شاہکار قرار دیا۔ وہ جن اسما سے اپنے پیغام میں مثال دیتے اُن میں رُوح القدس، شتر اور مسیح کے پیش رو شامل تھے۔ آخرالذکر کے متعلق اُن کا دعویٰ تھا کہ اُس نے مسیح کے ہمراہ ہی انسانی صورت اختیار کی تھی۔ وہ جناب رسالت مآبؐ کا نمائندہ اور حضرت علیؓ کی اولاد سے تھا۔ اُس نے وضو، صوم اور حج کے فرائض کی ادائیگی میں رعایت کر دی اور قرآن کے مفہوم کے روحانی پہلو پر زور دیا۔ اُس نے شراب نوشی اور بعض ممنوعہ اشیا کو حلال ٹھہرایا اور اپنے پیروکاروں سے کہا کہ وہ روزانہ پچاس نماز میں ادا کریں۔ جب حاکمانِ اعلیٰ نے دیکھا کہ ایک ایسا گروہ موجود ہے جو بیکار رہتا ہے اور اس کے باوجود آسائش کی زندگی گزارتا ہے تو وہ اس طرف متوجہ ہوئے، کوفہ کے حاکمان نے ان کے خلاف نیم دلانہ کارروائی کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جناب رسالت مآبؐ کے نام کو آپ کے وصال کے بعد اس عہد میں مزید تقویت ملی۔ اس کے بارہ نائب بدو قبائل میں پھیل گئے۔ ابوالفدا کا کہنا ہے کہ یہ قبائل ابھی تک لامذہب تھے اور ہر نوع کے استدلال سے بے بہرہ تھے۔ ان داعیان کی تبلیغ سے احساس ہوتا تھا کہ کوئی نیا انقلاب بپا ہونے والا ہے۔ قرامطی بغاوت کے لیے بالکل تیار تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ بنوعباس کا خلافت پر کوئی حق نہیں اور خلفائے بغداد عیش و عشرت کے شیدائی ہیں۔ یہ لوگ نظم و ضبط کے پابند تھے۔ کیونکہ وہ اپنے امام کو فرمانروائے مطلق سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ امام بھی عوام کی خواہش اور خدا کے حکم کے تحت نبوت کا حقدار ہے۔ امام حسب قانون عشر کے علاوہ تمام آمدنی اور مالِ غنیمت کا خمس لینے کا بھی مستحق ہے۔ ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہ نافرمانی کی حدود میں شمار ہوتے ہیں اور تمام ہم عقیدہ لوگ متفق رہتے اور ایک دوسرے کا پتا نہ بتاتے۔ اُنھوں نے اخفا کی قسم اُٹھا رکھی تھی۔ ایک سخت جنگ کے بعد اُنھوں نے خلیج فارس سے متصل بحرین کے صوبے پر اقتدار حاصل کر لیا۔ اس کے قرب و جوار کے عوام میں بھی اُنھوں نے تلوار کے استعمال کے بغیر اقتدار حاصل کر لیا۔ ابوسعید اور اُس کا بیٹا طاہر میدانِ جنگ میں اُترے تو اُن کے ہمراہ ایک لاکھ سات ہزار فوجی تھے۔ خلیفہ کی رضاکار فوج اتنے بڑے لشکر کو اپنے خلاف دیکھ کر گھبرا گئی۔ مگر دشمن نے ان کے خلاف کوئی تعرض نہ کیا۔ عباسیوں کے اقتدار کو تین سو سال گزر چکے تھے۔ اب اُن کے کردار میں عربوں کی جرأت ختم ہو چکی تھی۔ وہ ہر معرکے میں شکست سے دوچار ہو جاتے۔ کوفہ، رقا، بصرہ اور بعلبک کے شہروں پر قبضہ کر کے انھیں لوٹ لیا

گیا۔ بغداد کے اندر بھی ان کا دباؤ بہت زیادہ تھا۔ خود خلیفہ بھی اپنے محل کی فصیلوں کے اندر کانپ تھا۔ ابوطاہر حملہ کر کے دریائے دجلہ عبور کر گیا۔ اُس کے پاس صرف رسالے کے پانچ سو سوار تھے مگر وہ محل کے دروازوں تک پہنچ گیا۔ مقتدر کے خصوصی حکم کے تحت پُل کو گرا دیا گیا اور امیر المومنین اس انتظار میں تھا کہ باغیوں کا سرغنہ کسی وقت بھی محل کے اندر داخل ہو جائے گا۔ اُس نے جلد فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ خلیفہ کے ایلچی کو قرامطہ نے کہا کہ تمھارے آقا کے پاس اس وقت تیس ہزار افراد پر مشتمل لشکر موجود ہے۔ اس کے سارے اجتماع میں ایسے تین افراد بھی موجود نہیں جو اُس کے تین محلاتی ایوانوں کی حفاظت کر سکیں۔ اس نے اپنے تین ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اپنے سینے میں خنجر اُتار دو اور دوسرے سے کہا کہ دریائے دجلہ میں چھلانگ لگا دو اور تیسرے سے کہا کہ سیدھی ڈھلوان سے چھلانگ لگا دو۔ اُنھوں نے بغیر کسی پس و پیش کے اس کے احکام کی تعمیل کر دی۔

امام نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ یہ حال اپنے جرنیل کے سامنے بیان کرو اور کہو کہ آج شام سے قبل تمھیں زنجیر ڈال کر اپنے کتوں کے درمیان باندھ دیا جائے گا۔ ساری چھاؤنی حیران رہ گئی اور اس منصوبے پر عمل درآمد بھی ہو گیا۔ قرامطہ کا لالچ بہت بڑھ گیا اور وہ مکہ کے تقدس کے بھی قائل نہ تھے۔ اُنھوں نے مکہ کے ایک کارواں کو لوٹ لیا اور بیس ہزار مسلمان زائرین بھوکے ننگے اور پیاسے تپتی دھوپ میں جلنے کے لیے چھوڑ دیے گئے۔ دوسرے سال ابوطاہر نے دوبارہ اس مقدس شہر میں طوفان مچا دیا اور اسلامی عقائد کے مقدس ترین آثار کو تباہ کر دیا۔ مکہ کے شہری اور اجنبی زائرین تہ تیغ کر دیے گئے تین ہزار مردوں کو مقدس مقامات میں دفن کر دیا گیا۔ چاہِ زمزم بھی خون سے بھر گیا۔ سنہری دہانہ اُس جگہ سے بنا لیا گیا اور غلافِ کعبہ کے ٹکڑے اپنے ساتھیوں میں بانٹ دیے گئے اور حجرِ اسود جو اس قوم کا اوّلین مقدس نشان ہے، اُسے اُٹھا کر یہ اپنے دارالحکومت میں فتح کی یادگار کے طور پر لے گیا۔ اس بے حرمتی اور ظلم کے بعد اُنھوں نے شام اور مصر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر اب ان کے جوش و خروش کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی تھیں۔ حجِ بیت اللہ کا دوبارہ آغاز ہو گیا اور حجرِ اسود دوبارہ اپنے مقام پر لگا دیا گیا۔ جن مقدس آثار کو نقصان پہنچا تھا وہ دوبارہ بحال کر دیے گئے۔ قرامطہ کے فرقے کو بھی خلافت کے زوال کا دوسرا بڑا سبب سمجھا جاتا ہے۔

خلافت کے زوال کا ایک تیسرا بڑا سبب بھی ہے جس کا تعلق حکومت کی وسعت سے ہے۔ دائرہ اختیار اتنا بڑھ گیا تھا کہ مسائل پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔ اگرچہ خلیفہ المامون کا دعویٰ تھا کہ اُس کے لیے مشرق

ومغرب پر حکومت کرنا بہت آسان ہے مگر دو مربع فٹ کا شطرنج بورڈ سنبھالنا، اس کے مقابلے میں مشکل تھا۔ لیکن مجھے شک ہے کہ ان دونوں کھیلوں میں اُس سے متعدد غلطیاں سرزد ہوئیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ دور افتادہ صوبوں میں انتظام کی حالت بہت اچھی نہ تھی۔ جب مطلق العنانیت کا دور ہوتا ہے تو بادشاہ کے اختیارات بھی غیر محدود ہو جاتے ہیں۔ جب اقتدار میں کسی قدر ڈھیل ہوتی ہے تو رعایا کے نظم وضبط میں بھی فرق آجاتا ہے اور رعایا کے افراد جو زیادہ فعال بھی نہیں ہوتے وہ حکومت کے قوانین اور دائرۂ اختیارات کی حقیقت کے متعلق مختلف سوالات کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ لوگ جو شاہانہ پس منظر میں پیدا ہوتے ہیں وہ شاذ ہی حکومت کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جو عام خاندانوں مثلاً دہقانوں، مزدوروں اور غلاموں کی حیثیت سے پرورش پاتے ہیں، اُن میں حکومت کی صلاحیتیں بہت زیادہ ہوتی ہیں ان میں حکومت کا حوصلہ اور اہلیت دونوں موجود ہوتے ہیں۔ کسی صوبے کا نائب السلطنت ہمیشہ ایسی مشکلات سے دوچار ہوتا ہے جن کا فیصلہ خود اُس کے ہاتھ میں نہیں ہوتا۔ اقوام اپنے بادشاہ کی موجودگی میں ضرور مسرت کا اظہار کرتی ہیں، افواج اور خزانوں پر مکمل قبضہ اور حسنِ انتظام کہیں شاذ ہی نظر آتا تھا کیونکہ خلفا کے نائبین سلطنت صرف فتوحات میں اضافے اور فاتحین کے القاب کے حصول پر ہی مطمئن ہو جاتے۔ وہ ہمیشہ اس کوشش میں رہتے کہ وہ اپنے لیے اور اپنے بیٹوں کے لیے شاہی انعامات واکرامات کے حصول میں کامیاب تو ہیں۔ وہ یا تو دولت کے نشے میں مدہوش رہتے ہیں یا عوام کی خوشامد میں خوش رہتے۔ مگر امیر المومنین اب خاندانی وراثت کے طور پر اختیارات حاصل کرتے تھے۔ ان کے شاہانہ درباروں میں خدام کا انبوہِ کثیر ہوتا۔ جنگ ہو یا امن، کسی کو انعامات سے نوازا جاتا اور کسی کو سزا دی جاتی۔ یہ تمام معاملات خلفا کی ذاتی صوابدید کے تحت طے کیے جاتے۔ حکومت کے تمام محاصلات مقامی شان وشوکت پر خرچ کر دیے جاتے۔ بجائے اس کے کہ وہ اس امر کا خیال رکھتے کہ افواج کی بہادری کا سلسلہ جاری رہے۔ لشکریوں کی تربیت ہوتی رہے اور اس غرض کے لیے ضروری محاصل دستیاب ہوتے رہیں۔ وہ شاہبازوں سے کھیلتے رہے اور ریشم اور عنبر کے ڈھیر لگاتے رہے۔

جب ہسپانیہ (سپین) میں بغاوت ہوگئی تو عباسیوں کی روحانی اور مادی برتری کے خلاف بھی افریقہ میں پہلی علامت ظاہر ہوگئی۔ ابراہیم ابن اغلب جو ہارون کا ایک ہوشیار اور لائق نائب تھا اُس نے اپنے پیچھے ایک خاندان چھوڑا جو اپنے آپ کو اغلبی کہلانے لگے۔ خلیفہ کی حکمتِ عملی یہ تھی یا اُس میں اتنی ہمت ہی نہ تھی کہ وہ مخالفت کرتا، اُس نے اس قبیلے کو برداشت کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی فیض کا شہر اور افریقہ کا مغربی

ساحل خلیفہ کے ہاتھ سے نکل گیا۔ مشرق میں ایک اور خاندان اُٹھ کھڑا ہوا جو اپنے آپ کو طاہری کہتے تھے۔ یہ بہادر طاہر کی اولاد تھے۔ جب ہارون کے بیٹوں کے مابین خانہ جنگی ہوئی تھی تو یہ لوگ بڑی بہادری اور کامیابی سے لڑے تھے۔ انھوں نے ہارون کے چھوٹے بھائی المامون کا ساتھ دیا تھا، پھر ان کے سربراہ کو دریائے آمو کے علاقے میں جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ اب یہ خلیفہ کے جانشینوں کے اثر ونفوذ سے آزاد ہو گیا تھا، وہاں سے یہ خراسان پر بھی حکومت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اگلی نسل وجود میں آ گئی۔ ان کا وتیرہ میانہ روی ہی رہا اور یہ دربار خلافت کا احترام بھی کرتے رہے۔ انھوں نے اپنی رعایا کو خوش رکھا اور اپنی سرحدوں کی حفاظت بھی کرتے رہے۔ ایک مہم جو نے ان کو دوسروں کی جگہ متعین کر دیا۔ مشرقی روایات میں اس مہم جو کا ذکر متعدد بار آیا ہے جس نے اپنا قزاقی کا پیشہ ترک کر کے (صفاری کے نام کی پہلی وجہ سے) سپاہ گری اختیار کر لی۔ یہ ایک رات سیستان کے بادشاہ کے ہاں گیا۔ جیکب ابن لیتھ نمک کے ایک ڈھیر پر ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ جسے اس نے اپنی زبان سے چکھ لیا۔ مشرقی اقوام میں نمک کو مہمان نوازی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ قزاق بغیر کسی واردات کے واپس چلا گیا۔ اس کے اس شریفانہ طرزِ عمل کی وجہ سے جیکب کو معافی بھی مل گئی اور اس کا اعتبار بھی قائم ہو گیا۔ اس نے اپنے مہربان کے لیے ایک فوج کی رہنمائی کی اور اس کے بعد اس نے خود اپنے لیے فارس کو شکست دے دی اور پھر عباسیوں کی رہائش گاہ کے لیے باعثِ خطر بن گیا۔ جب اس نے بغداد کی طرف پیش قدمی کی تو فاتح بخار میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے اپنے بسترِ مرض پر خلیفہ کے سفیر سے ملاقات کی۔ اس کے قریب ہی میز پر ننگے خنجر رکھے ہوئے تھے۔ چھان کی روٹی کا ایک ٹکڑا اور پیازوں کا ایک گٹھا بھی رکھا تھا۔ اُس نے کہا کہ اگر میں مر جاؤں تو تمھارے آقا کو تمام خوف سے نجات مل جائے گی تو پھر تمام معاملات کا ہم حل کر فیصلہ کر لیں گے۔ اگر مجھے شکست ہوگئی تو میں اپنی جوانی کے کاروبار میں شامل ہونے کے لیے اپنے وطن واپس چلا جاؤں گا۔ میں جس بلندی پر کھڑا ہوں، اُس سے اُترنا نہ آسان ہے اور نہ محفوظ ہے۔ وہ اسی دوران مر گیا، اس طرح اُس کی اپنی اور خلیفہ کی مشکلات کا خاتمہ ہو گیا۔ اُس نے اپنے بھائی کی شیراز اور اصفہان کے محلات میں واپسی کے لیے ایک کثیر رقم ادا کی۔ عباسی بہت کمزور تھے، وہ نہ کسی کے خلاف کوئی کارروائی کر سکتے تھے اور نہ معاف کر دینے کے اہل تھے۔ اُنھوں نے ایک طاقتور خاندان سامانیوں کو بلایا جو دس ہزار گھڑسوار لے کر دریائے آمو سے پار اُتر گئے۔ وہ اتنے کمزور تھے کہ اُن کی ساری قوت جنگلات پر منحصر تھی اور بہادر اتنے تھے کہ اُنھوں نے صفاریوں کی فوج کو شکست دے دی۔ جبکہ وہ تعداد میں اُن سے آٹھ گنا زیادہ تھے۔ عمرو کو

قیدی بنا کر دربار بغداد میں بطور نذرانہ روانہ کر دیا گیا۔ چونکہ فاتح ماوراءالنہر کے لوگوں کے کردار سے مطمئن تھا اور خراسان کا صوبہ کچھ مدت کے لیے خلیفہ کی سلطنت میں واپس آ گیا تھا۔ اس دوران شام اور مصر کے صوبوں کو ان کے ترک غلاموں نے وہ موقع پامال کیا۔ یہ غلام طاؤلون اور اکشید کی نسلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ جب محلات میں گروہ بندی ہوئی تو یہ وحشی قبائل بھی سر اُٹھا کر نکل آئے۔ انھوں نے صوبوں پر اپنی آزاد حکومت قائم کر لی۔ اُس عہد میں ان کے نام مشہور ہو گئے اور انھیں ناقابلِ تسخیر سمجھا جائے گا۔ مگر ان دونوں قبائل کے افراد نے یا تو زبانی کلامی یا عملی طور پر اس کا اظہار کیا کہ وہ خبط اقتدار کا شکار ہیں۔ ان میں سے ایک نے اپنے بسترِ مرگ پر اپنے گناہوں سے توبہ کی اور خدا سے معافی طلب کی۔ وہ اپنے گناہوں کی تعداد سے خود بھی بے خبر تھا اور اُسے اپنی قوت کا بھی اندازہ نہ تھا۔

دوسرے کے پاس چار لاکھ فوج تھی اور آٹھ ہزار غلام تھے۔ وہ ہر شخص سے وہ مقام پوشیدہ رکھتا تھا، جہاں پر وہ رات کو سونے کا ارادہ کرتا۔ ان کے بچوں کو جو تعلیم ملی، اُس میں تمام شاہانہ لڑائیاں موجود تھیں۔ ان تیس سالوں کے وقفے میں عباسیوں نے مصر اور شام کے صوبے واپس لے لیے۔ ان کی مملکت کے اس دور زوال میں عراق (میسوپوٹیمیا) کے شہر موصل اور ایلیپو پر ہمدان کے قبیلے کے عرب بادشاہوں کا قبضہ ہو گیا۔ یہ لوگ بغیر شرم و حیا کے یہ دعویٰ کرتے تھے کہ خدا نے اُنھیں حُسن پرست پیدا کیا ہے۔ ان کی زبانوں کو فصاحت عطا کی ہے اور اُن کے ہاتھ فیاضی اور بہادری کے لیے تیار کیے گئے ہیں مگر ہمدانیوں کی حکومت کے دور کا اگر صحیح مطالعہ کیا جائے تو سوائے غداری، قتل اور آباواجداد کے قتل کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اسی افراتفری کے دور میں فارس کی حکومت پر آلِ بویہ (Bowides) کا قبضہ ہو گیا۔ اس میں اُن بھائیوں کی تلوار کا دخل تھا جو مختلف ناموں سے سلطنت کے مختلف فرائض ادا کرتے تھے۔ بحیرہ خزر سے لے کر بحراوقیانوس تک کسی بیرونی ظالم نے حملہ نہیں کیا۔ مگر یہ لوگ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔ ان کے دورِ حکومت میں اہلِ فارس کی زبان اور حکومت بحال ہو گئی اور رسالت مآبؐ کے وصال کے تین سو چار سال بعد اہلِ فارس عربوں کی حکومت سے آزاد ہو گئے۔

راضی جو عباسی سلسلے کا بیسواں خلیفہ تھا اور رسالت مآبؐ کے وصال کے بعد اُنتالیسواں حکمران تھا، آخری شخص تھا، وہ جسے امیر المومنین کا خطاب دیا جا سکتا تھا۔ (ابوالفدا کی یہی روایت ہے) وہ لوگوں سے خطاب کرتا تھا اور ایک عالم شخص تھا، یہ آخری شخص تھا، جس کے پاس اپنے آباواجداد کی طرح مال و منال تھا۔

اس کے بعد تو مشرقی دُنیا کے حکمران خود ہی افلاس کا شکار ہو گئے۔ ان کے حالات اتنے خراب ہو گئے کہ عوام انھیں مارتے اور گالیاں دیتے۔ تمام صوبے باغی ہو گئے اور ان کی حکومت بغداد کی چار دیواری کے اندر محدود ہو کر رہ گئی۔ مگر اس دارالحکومت کی اپنی آبادی بھی بہت زیادہ تھی۔ وہ ماضی کی خوشحالی کو یاد کرتے اور موجودہ افلاس کا گلہ شکوہ کرتے۔ وہ اب بھی خزائن کی خواہش رکھتے مگر ماضی میں تو ان خزانوں کی کمی کو مالِ غنیمت اور خراج کی آمدنی سے پورا کر لیا جاتا تھا۔ باہمی اختلافات اور کاہلی کی وجہ سے یہ لوگ بے عملی کا شکار ہو گئے۔ اسی زمانے میں امام حنبل کے پیروکاروں نے تقدیس کے نام پر عوام کا جینا حرام کر دیا۔ وہ اُن کے گھریلو معاملات میں دخل اندازی کرنے لگے۔ وہ امیر و غریب ہر شخص کے گھر میں داخل ہو جاتے۔ شراب کے مٹکے لنڈھا دیتے، مزامیر توڑ دیتے، اور خطاکاروں کو مارتے۔ اگر کسی پر ذرا سا شک بھی گزرتا تو اُسے بے عزت کر دیتے۔ وہ کسی خوبصورت نوجوان سے کسی کو ملاقات نہ کرنے دیتے۔ ہر وہ پیشہ جس میں دو افراد کی گنجائش ہوتی۔ اُس میں ایک اُن کا اپنا آدمی ہوتا اور دوسرے کو حضرت علیؓ کا دشمن قرار دے دیا جاتا، جب فرقہ بندی سے تنگ آ کر عوام نے شور مچانا شروع کر دیا تو عباسی بھی نیند سے بیدار ہوئے، اب وہ اپنے خطابات کو بُرا بھلا کہتے اور اپنی قسمت کو بددعائیں دیتے۔ ان مفسدین کو صرف فوجی قوت سے دبایا جا سکتا تھا۔ مگر اب کون تھا جو عوام کی حرص پوری کرے اور اُن پر نظم و ضبط عائد کر سکے؟ یہ فوجی بھی اب کرائے کے لوگ تھے۔ افریقی اور ترک محافظین نے ایک دوسرے کے خلاف تلواریں سونت لیں۔ سپہ سالار یا امیر الامرا اپنی مرضی سے کسی کو بادشاہ بنا دیتا یا حکومت کی سربراہی سے ہٹا دیتا۔ وہ جب چاہتا کسی مسجد یا حرم کی تذلیل کر دیتا۔ اگر خلیفہ کبھی فرار ہو کر چھاؤنی میں چلا جاتا، یا کسی ہمسایہ ریاست کا رُخ کرتا، مگر انھیں جو آزادی ملی اُس کا مطلب صرف آقا کی تبدیلی تھا۔ یہاں تک کہ اُنھوں نے اپنی یاس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے بدو قبائل کو دعوت دے دی۔ سلاطین فارس نے بغداد کے باغیوں کو خاموش کرنے کے لیے اپنی افواج کا استعمال کیا۔ معز الدولہ نے دیوانی اور فوجی اختیارات پر قبضہ کر لیا۔ یہ اپنے تین بھائیوں میں سے دوسرے نمبر پر تھا۔ اس نے فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے امیر المومنین کے لیے ساٹھ ہزار پاؤنڈ سٹرلنگ کے مساوی سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ مگر چالیسویں روز جب خراسان کا سفیر دربار میں باریاب ہوا اور ایک بڑا مجمع خوف سے کانپ رہا تھا۔ خلیفہ کو تخت سے گھسیٹ کر قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ یہ حرکت دلمیطیوں (Dilemites) سے سرزد ہوئی۔ اس کا محل لوٹ لیا گیا اور اس کی آنکھیں نکال دی گئیں۔ لیکن متعدد ایسے عباسی موجود تھے جو اس ذلت آمیز خالی اسامی کو پُر

کرنے پر تیار تھے جو باری باری تخت پر بیٹھتے اور قبر میں دفن ہو جاتے۔ زمانہ قدیم کی بے اُصول روایات
کی یاد تازہ ہوگئی۔ وہ اپنے اسلحہ اور ریشمی ملبوسات کو خون آلود کرتے وہ روزے رکھتے، عبادت کرتے،
قرآن شریف کی تلاوت کرتے اور سنی عقائد کے مطابق شریعت پر عمل کرتے۔ اکثر اقوام ابھی تک خلفا کا
احترام کرتیں، مومنین اپنے عقائد اور قوانین کی پابندی کرتے۔ چونکہ عوام میں متعدد قسم کے اختلافات پیدا ہو
چکے تھے اور اُن کی قوت کمزور ہو چکی تھی۔ اس لیے عباسی بار بار تخت نشین ہو جاتے۔ دوسری طرف فاطمیوں کو
فتوحات حاصل ہو چکی تھیں۔ اس لیے عباسیوں کی بدقسمتی میں اضافہ ہوتا رہتا۔ وہ اپنے آپ کو حضرت علیؓ کا
صحیح جانشین سمجھتے تھے۔ اگرچہ فاطمی افریقہ کے ایک کونے سے اُٹھے تھے مگر اُنھوں نے مصر اور شام کے
صوبوں پر قبضہ کرلیا اور عباسیوں کو باہر نکال دیا۔ دریائے نیل کی وادیوں کے بادشاہ، دجلہ کی کمزور سلطنت کی
تذلیل کے مرتکب ہوئے۔

یہ صدی خلفا کے زوال کا مظہر تھی۔ تھیوفی لی اوس اور معتصم کی جنگ کا اختتام ہو چکا تھا۔ اب دونوں
اقوام کے عوض مہم جوئی صرف اسی حد تک رہ گئی تھی کہ وہ سمندر اور خشکی سے ایک دوسرے کے علاقوں میں
دخل اندازی کرتے رہتے۔ اُن کی سرحدیں باہم ملتی تھیں اور باہم نفرت بدستور قائم تھی۔ مگر جب مشرقی دُنیا میں
فعالیت کمزور پڑ گئی اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی تو یونانی اپنی سستی کو ترک کر کے فتوحات کی اُمیدیں قائم کرنے
لگے اور بدلہ لینے پر تیار ہوگئے۔ بازنطینی حکومت ابھی تک باسل کی نسل کے ہاتھوں میں تھی اور امن اور وقار میں
زندگی بسر کر رہی تھی۔ اُن کے گردونواح میں چھوٹے چھوٹے امرا کی حکومت تھی۔ جن کے عقب میں اسلام
دشمن حکومت قائم تھی جس سے ہروقت خطرہ محسوس ہوتا تھا۔ اگرچہ ستارہ صبح جیسے القابات قائم تھے مگر حقیقتاً
مسلمانوں کی قوت ختم ہو چکی تھی۔ نائسی فورس فوکاس نے کھلے عام یہ نعرے لگانے شروع کر دیے تھے کہ
مسلمانوں پر حملہ کر دیا جائے، مگر شہر کی آبادی تو اُس سے پہلے ہی نفرت کرتی تھی، اب وہ افواج میں بھی
غیر مقبول ہوگیا۔ ماتحت حیثیت سے مشرق میں متعدد حکام برسرِ اقتدار تھے جن میں بعض جرنیل بھی شامل
تھے۔ اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کریٹ کے جزیرے پر قبضہ کرلیا اور وہاں پر قزاقوں کا ایک گروہ
منظم کرلیا۔ وہ اب تک ہر قسم کی فہمائش کی مخالفت کرتے آئے تھے اور دشمن کی قوت کا مقابلہ بھی کرتے
تھے۔ اس نے اپنی مہم کو کامیابی سے سرانجام دیا۔ حالانکہ اس معاملے میں اس سے قبل اسے ہمیشہ ناکامی
سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ اُس نے ساحل پر کھڑے جہازوں کی مدد سے ناکامی سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ اُس

نے ساحل پر کھڑے جہازوں کی مدد سے محفوظ اور ہموار پُل تعمیر کر لیے تھے۔ کانڈیا کے محاصرے میں
سات ماہ گزر گئے۔ کریٹ کی مقامی آبادی کو باہر سے مدد ملتی رہی۔ افریقہ اور ہسپانیہ میں مقیم ان کے
ہم وطن انھیں کمک روانہ کرتے رہے۔ دُہری فصیل اور گہری خندق پر یونانیوں نے طوفانی حملے کیے۔
مقابلہ بڑھ کر گلیوں، محلوں اور گھروں تک پھیل گیا۔ اُس کے بعد تمام جزیرے پر قبضہ ہوگیا اور عوام نے کسی
قسم کی مزاحمت پیش نہ کی اور فاتحین کی ماتحتی قبول کر لی۔ مگر صرف تخت شاہی ہی ایک ایسا انعام تھا، جس
سے نائسی فورس مطمئن ہوسکتا۔

چھوٹے رومانوس کی موت کے بعد جو باسلی نسل کا چوتھا اور آخری حکمران تھا، اُس کی بیوہ تھیوفانیہ
نے یکے بعد دیگرے فوکاس اور اُس کے قاتل جان زیمسکی سے شادی رچالی۔ یہ دونوں اُس دور کے ہیرو سمجھے
جاتے تھے۔ یہ دونوں اس کے نابالغ بچوں کی سرپرستی اور پرورش کرتے رہے۔ ان کا بارہ سالہ دور بازنطینی
روایات میں خاصا اہم سمجھا جاتا ہے۔ ان کی عام رعایا اور اتحادی جن کی انھوں نے میدانِ جنگ میں رہنمائی
کی تھی، دشمنوں کو دو لاکھ مضبوط فوج کے افراد کی صورت میں نظر آتے تھے۔ ان میں سے تیس ہزار ایسے افراد
تھے جو زرہ بکتر پہنتے تھے۔ جب وہ سفر کرتے تو ان کے ہمراہ چار ہزار خچر بھی ہوتے۔ جب یہ رات کا قیام
کرتے تو ان کے پڑاؤ کے گرد ایک لوہے کا سلاخ دار جنگلہ نصب کر دیا جاتا، جو چند مہمات ہوئیں ان کا کوئی
فیصلہ تو نہ ہوسکا۔ البتہ اس قدر واضح ہوگیا کہ مستقبل کی صورت حال کیا ہوگی لیکن میں اختصار سے اُن مہمات کا
بیان کرتا ہوں جو کپاڈوشیا کی پہاڑیوں سے لے کر بغداد کے صحراؤں تک وقوع پذیر ہوئیں۔ موپسو یسطیا اور
طرسوس کا محاصرہ جو قلیقیا میں واقع ہے، یہ ظاہر کرتا تھا کہ ابھی تک رومیوں میں جرأت اور فنونِ حرب کی
مہارت موجود ہے۔ موپسو یسطیا دُہرے شہر ہیں۔ (یہ شہر دریائے سارُوس کے درمیان میں گزرنے کی وجہ سے
دو حصوں میں منقسم ہوگیا تھا) یہاں پر دو لاکھ مسلمان آباد تھے جو یا تو قتل ہو جاتے یا اُنھیں غلامی قبول کرنی
پڑتی۔ یہ اتنی بڑی آبادی تھی کہ اس کے ساتھ ایسے قبائل بھی موجود ہوں گے جو مختلف خدمات بجالانے پر مامور
تھے۔ ان لوگوں نے شکست قبول کر لی اور انھیں قبضے میں لے لیا گیا مگر طرسوس محاصرے کی وجہ سے قحط کا شکار
ہو کر شکست قبول کرنے پر مجبور ہوگیا، مگر جونہی اُنھیں مصر کی طرف سے بحری امداد کی خبر ملی یہ لوگ اپنے پاؤں پر
کھڑے ہوگئے مگر وہ کمک کارگر نہ ثابت ہوسکی۔ ان کو یہاں سے بھگا دیا گیا اور یہ لوگ بحفاظت شام کی
سرحدوں تک پہنچ گئے۔ البتہ عیسائی آبادی اسی شہر میں مقیم رہ گئی اور اُنھوں نے نئی حکومت کو قبول کرلیا جو گھر

خالی ہو گئے تھے اُن میں نئے عیسائیوں کو آباد کر دیا گیا۔ مگر مسجد کو اصطبل میں تبدیل کر دیا گیا۔ منبر کو نذر آتش کر دیا گیا۔ یہاں سے سونے اور چاندی کی بہت صلیبیں بھی دستیاب ہوئیں جنھیں بادشاہ کے لالچ کے حوالے کر دیا گیا۔ حالانکہ یہ ایشیائی گرجا گھروں سے دستیاب ہوئیں تھیں۔ موپسویسطیا اور طرسوس کے دروازے اکھیڑ کر قسطنطنیہ روانہ کر دیے گئے۔ یہاں وہ اس شہر کی دیواروں میں لگا دیے گئے گویا اس بادشاہ کی فتوحات کی یہ ایک دائمی یادگار تھی۔ اگر اس کے بعد جبکہ اُنھوں نے آمانوس کے تنگ دروں پر قبضہ کر لیا تو ان دونوں بادشاہوں نے متعدد بار اپنی افواج کے ہمراہ شام کے قلب تک پیش قدمی کی مگر وہ انتاخ کی دیواروں کو تسخیر نہ کر سکے۔ بلکہ نائسی فورس اپنی اس اوہام پرستی میں مبتلا رہا کہ یہ عیسائیوں کا قدیم دارالحکومت ہے اور اس کی بے حرمتی مناسب نہیں۔ وہ صرف شہر کے گرد ایک دائرہ بنا دیتا اور وہاں پر ایک فوج تعینات کر گیا اور اپنے نائبوں کو ہدایت کرتا کہ وہ موسم بہار کے آنے پر یہاں واپس آ جائے گا۔ موسم سرما کی تاریک اور سرد راتوں میں وہ صرف حفاظت کی غرض سے یہاں تین سو فوجی متعین کر دیتا جو پشتوں تک پہنچ گئے اور سیڑھیاں لگا کر دو قریبی میناروں پر قبضہ کر لیا اور عوام کے دباؤ کے باوجود اپنے مقام پر ڈٹے رہے۔ یہاں تک کہ ان کو وہاں سے ہٹا کر ایک دوسرے گروہ کو ان کی جگہ متعین کر دیا گیا اور ایک نیا سردار مقرر کر دیا گیا جو اس معاملے میں زیادہ پُرجوش نہ تھا۔ لوٹ مار اور قتل عام کا اولین جوش ختم ہو گیا۔ قیصران اور حضرت عیسیٰؑ کی حکومت کو بحال کر دیا گیا۔ شام کی ایک لاکھ فوج اور افریقہ کا بحری بیڑہ انتاخ کی دیواروں کے سامنے ڈھیر ہو گیا۔ ایلیپو کا شاہی شہر سیف الدولہ کے قبضے میں تھا۔ اس کا ہمدانیوں کے خاندان سے تعلق تھا۔ کسی وقت اس نے یقیناً کچھ کامرانیاں حاصل کی تھیں مگر اب اس نے پسپائی اختیار کر لی جس وجہ سے اس کی شخصیت دھندلا گئی۔ اب اُس نے اپنی حکومت اور علاقہ رومی حکمرانوں کے حوالے کر دیا۔ وہ شاہی محل میں تو موجود تھا مگر اُس کے تحفظ کے لیے ایلیپو کی فصیلوں کا وجود باقی نہ تھا۔ اُنھوں نے بخوشی اسلحے کے ایک گودام پر قبضہ کر لیا۔ ایک اصطبل بھی اُن کے ہاتھ لگ گیا جس میں چودہ سو خچر تھے۔ سونے اور چاندی سے بھری ہوئی اُنھیں تین سو بوریاں بھی ملیں۔ مگر شہر کی دیواریں حملہ آوروں کی ضربات کا مقابلہ کر گئیں اور محاصرین نے ایک قریبی پہاڑی پر اپنے خیمے گاڑ لیے، جسے جشن کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ جب یہ لوگ واپس ہو گئے تو شہری آبادی اور رضا کاروں کے مابین تنازع بھی ختم ہو گیا۔ دروازوں اور پشتوں پر مقرر محافظین اپنے مقام چھوڑ کر بھاگ چکے تھے۔ اگرچہ بازار میں تو وہ ایک دوسرے پر شدید حملے کرتے رہے تھے مگر جب اُن کا مشترکہ دشمن سامنے آیا تو مقابلہ نہ کر سکے اور تہ تیغ کر دیے گئے۔ دس

ہزار مرد قتل ہوئے نوجوانوں کو قیدی بنالیا گیا۔ اس قدر مال غنیمت ملا کر مال بردار جانور اتنے نہ تھے جو یہ بوجھ اُٹھا سکتے۔ جو فالتو اور بے کار سامان تھا، اُسے جلا دیا گیا۔ دس دن کی عیش و عشرت کے بعد رومی اس ویران شہر کو چھوڑ کر واپس روانہ ہو گئے۔ شامی کھیتوں کے مالکوں کو کہا گیا کہ وہ زراعت کا کاروبار جاری رکھیں۔ زمینیں کاشت کریں۔ آئندہ موسم میں جو پیداوار ہوگی اُسے وہ استعمال کر سکیں گے۔ ایک سو سے زائد شہروں پر قبضہ کر کے زیر نگیں کر لیا۔ اٹھارہ بڑی مساجد کے منبر نذر آتش کر دیے گئے تا کہ مسلمانوں کی تذلیل کا مظاہرہ کیا جائے۔ مفتوحہ شہروں کی جو فہرست تیار کی گئی، اُس میں اُن کے کلاسیکی نام استعمال کیے گئے۔ مثلاً بائیرہ پولس، اپامیا اور ایمیسا وغیرہ۔ شہنشاہ زیمسکی نے دمشق کے بہشت میں اپنا پڑاؤ قائم کیا اور شکست خوردہ آبادی کا تاوان وصول کیا۔ یہ طوفان طرابلس کے ناقابل تسخیر قلعے میں جا کر ختم ہوا جو فونیقیا کے ساحل سمندر پر واقع ہے۔ ہرقلس کے دور سے لے کر کوہ طاؤروس کے دامن میں بہنے والا فرات کا حصہ، نفوذ پذیر نہیں تھا اور قریب قریب دکھائی بھی نہیں دیتا تھا اور یونانی اس کے وجود ہی سے ناواقف تھے۔ یونانی بادشاہ زیمسکی تو اس علاقے سے آزادانہ گزر جاتا تھا۔ مؤرخین تو اُس کی تیز رفتاری پر حیران رہ گئے، جس سے اُس نے سموساطا، ایڈیسا، مارٹیر وپولس، امیدا اور نسیبی کو فتح کیا۔ اس حکومت کی قدیم سرحدیں تو دجلہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کی اپنی مہم جوئی کی رفتار میں اس لیے تیزی آ گئی کہ وہ اکبتانہ کے خزانوں پر جلد از جلد قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ بازنطینی مصنفین نے عباسی دارالحکومت بغداد کا یہی خفیہ نام مقرر کر رکھا تھا۔ ان مقامی ظالموں کے اذہان پر بغداد کے خزانوں کی بڑی مقدار کا بھوت سختی سے سوار تھا۔ عوام اور آل بویہ کے نائبین اُس سے درخواستیں کرتے رہتے تھے کہ وہ شہر کے دفاع کے لیے مؤثر کارروائی کرے۔ بے یار و مددگار خلیفہ مطیع (Mothi) نے اس کا جواب یہ دیا کہ اس کے صوبے، خزانے اور محاصلات اس کے قبضے سے نکل چکے ہیں اور میں خلافت کے اس اعزاز سے کسی وقت بھی دست برداری کے لیے تیار ہوں، جس کا میں دفاع نہیں کر سکتا۔ امیر تو اپنا خرچ بھی پورا نہیں کر سکتا تھا۔ محل کا فرنیچر فروخت ہو چکا تھا۔ اس سے انھیں صرف چالیس ہزار دینار کی رقم وصول ہوئی تھی جو ذاتی عیاشی میں خرچ ہو گئی مگر یونانیوں کی واپسی سے بغداد پر حملے کا خطرہ ٹل گیا۔ اب عراق کے صحراؤں کا دفاع صرف بھوک اور پیاس کر رہے تھے۔ شاہ یونان نے بہت سا مال غنیمت جمع کر لیا تھا، اس لیے قسطنطنیہ کی طرف واپسی اختیار کر گیا اگرچہ اُس کے مال غنیمت میں ریشم، خوشبوئیات اور کئی ہزار سونے اور چاندی کے سکے شامل تھے۔ اس کے باوجود مشرق کی قوت کمزور پڑ گئی تھی، ابھی ٹوٹی نہیں تھی۔ یہ طوفان صرف عبوری ثابت ہوا۔ یونانیوں کی

واپسی کے بعد مفرور بادشاہ اپنے دارالحکومت واپس آ گیا۔ رعایا نے اُس کے ساتھ رضا کارانہ طور پر کیا گیا حلف وفاداری واپس لے لیا۔ مسلمانوں نے اپنی مساجد کو دوبارہ صاف اور پاک کیا۔ ولیوں اور بزرگوں کے بُت توڑ کر پھینک دیے گئے۔ نسطوریوں نے صحیح العقائد حکمرانوں کے مقابلے میں کسی عرب کو حکمران بنانے کی حمایت کر دی۔ میلقیوں (Melchites) کی تعداد اس قدر نہ تھی کہ وہ کلیسا اور حکومت کی حمایت کر سکیں۔ بادشاہ نے جس قدر فتوحات حاصل کی تھیں، ان میں سے صرف انتاخ، قلیقیا کے بعض شہر اور جزیرہ قبرص شاہِ روم کے پاس باقی رہ گئے۔

(۵۳)

دسویں صدی عیسوی میں مشرقی سلطنت کی حالت —
وسعت اور تقسیم — دولت اور محاصلات — قسطنطنیہ کا محل
— خطابات اور عہدے — شہنشاہ کا غرور اور اختیارات —
یونانیوں، عربوں اور فرینکوں کی تدابیر — لاطینی کا نقصان،
یونانیوں کی عزلت گزینی۔

دسویں صدی عیسوی میں مشرقی سلطنت کی حالت — وسعت اور تقسیم — دولت اور محاصلات — قسطنطنیہ کا محل — خطابات اور عہدے — شہنشاہ کا غرور اور اختیارات — یونانیوں، عربوں اور فرینکوں کی تدابیر — لاطینی کا نقصان، یونانیوں کی عزلت گزینی۔

دسویں صدی کے اندھیروں میں سے ایک تاریخی روشنی بھی نکلتی ہے۔ ہم تجسس اور احترام کے ساتھ قسطنطین پورفیروجینی طوس (Porphyrogenitus) کے شاہی مرقع کی جلدیں کھول کر مشاہدہ کرتے ہیں جو اُس نے اپنی پیرانہ سالی میں اپنے بیٹے کی تعلیم کے لیے تحریر کیں۔ اس سے ہمیں مشرق سلطنت کے حالات کا بخوبی پتا چلتا ہے۔ اس میں حالتِ جنگ، امن اور داخلی اور خارجی معاملات کا بخوبی پتا چلتا ہے۔ اس سے قبل کی تصانیف میں بھی، مگر اس میں بالخصوص وہ کلیسا اور محل کی شاندار تقریبات کا مفصل حال بیان کرتا ہے۔ وہ اپنے اور اپنے پیشروؤں کے طریق کار کے مطابق بالکل درست حالات بیان کرتا ہے اور صوبائی معاملات پر صحیح تبصرہ کرتا ہے۔ وہ موضوعات جو اُس دور میں اہمیت کے حامل تھے اُن میں یورپی اور ایشیائی معاملات سرفہرست تھے۔ رُومی تدابیر، افواج میں نظم وضبط اور بحری و بری فوج مہمات، اس معنی خیز مجموعے کی تیسری جلد میں مرقوم ہیں۔ ان کو قسطنطین یا اس کے باپ لیو سے منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ اپنے شہنشاہ کی انتظامیہ کے متعلق چوتھے بیان میں بازنطینی حکمتِ عملی کے اسرار و رموز کی پردہ کشائی کرتا ہے کہ کرۂ ارض کی مختلف اقوام سے اُس کے دوستانہ یا معاندانہ حالات کی کیا صورت تھی۔ اُس عہد میں علمی جدوجہد کی کیا صورت تھی۔ قانون پر کس محنت سے عمل درآمد کیا جاتا تھا اور زراعت کی کیا صورت تھی اور تاریخ کو کس طرح مقدونیائی شہنشاہوں اور عام رعایا کے مفاد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس مجموعے میں باسلیقیوں کی ساٹھ کتب کا ذکر ہے جو تشریح قانون اور ضوابط کے مجموعوں پر مشتمل ہیں بالخصوص وہ قوانین وضوابط جو اس نسل کی پہلی تین نسلوں سے متعلق تھے۔ یہ ایک خوشحال دور تھا جس میں زراعت اپنی معراج پر تھی۔ لوگوں کے پاس وقت تھا کہ قدیم دور کے علما اور فضلا کے ہاتھوں میں قلم تھے، جن سے وہ کام لے سکتے تھے۔ اُن کے منتخب

تصورات کو فلاحیات (Geoponics) کے بیس ابواب میں بیان کیا گیا ہے جو قسطنطین کے عہد سے متعلق ہیں۔ اس کی دسترس میں وہ تمام مواد موجود تھا۔ اُس عہد کی بُرائیوں اور خوبیوں کا احاطہ کرتا تھا اور اس نوعیت کی تاریخی مثالیں بھی موجود تھیں۔ اُنھیں ترپن کتب کے ایک مجموعے میں منضبط کر دیا گیا تھا۔ ان کے مطالعے سے ہر شہری اپنے آپ کو تنبیہ کر سکتا تھا اور اپنے ساتھیوں کی ہدایت کا سامان بھی فراہم کر سکتا تھا اور ان کا اس کے ہمعصروں پر بھی اطلاق ہوسکتا تھا۔ قدیم تجربات سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا تھا۔ قانون سازی کا جو عظیم الشان کردار قائم کیا گیا تھا۔ اُس کے مطابق شہنشاہِ مشرق صرف ایک اُستاد کے عاجزانہ مقام پر فائز رہ جاتا ہے یا پھر کاتب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اگر اس کی رعایا یا جانشین اپنے سرپرستوں کی حفاظت سے محروم ہو جائیں تو ان کے لیے اسی کا قائم کردہ ترکہ کافی ثابت ہوسکتا تھا اور اسی پر وہ اپنی عمر گزار سکتا تھا۔ اُس کے ورثا کو بھی کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے یا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

وہ مزید لکھتا ہے کہ ہمارے پاس اتنے خزائن ہونے کے باوجود ہم ابھی تک افلاس کا شکار ہیں اور جہالت سے خلاصی حاصل نہیں کر سکے۔ جب ہم ان مصنفین کے خیالات کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ یونانی قوم اپنے دفاع سے غافل تھی یا ان مصنفین کے نزدیک اس قوم کی حالت کسی طرح بھی قابلِ تعریف نہ تھی۔ باسلیقیوں کی تصنیف تو شکستہ یونانی زبان کا بے سروپا اور جزوی طور پر چربہ نظر آتا ہے۔ گویا اسے جسٹینین کے مرتب کردہ مجموعہ قوانین سے نقل کیا گیا ہے مگر ایک شے ہر جگہ نظر آتی ہے کہ منافقت کی وجہ سے قدیم مصنفین کے مفہوم کو بدل دیا گیا ہے۔ کہیں طلاق کی اجازت ہے، کہیں کنیزیں رکھنے پر پابندی موجود نہیں۔ کہیں دولت کی ہوس اتنی زیادہ ہے کہ اس کی خاطر اپنے پیشے اور آزادی سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ تاریخی کتاب میں ایک باب قسطنطنیہ پر بھی ہے جس میں روم اور یونان کی نقل کرنے کی تعریف کی گئی ہے۔ اسے یہ سیکھنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنی تہذیب اور کردار کی روایات کا پاس کرے اور غیر ملکی اقدار کی نقل میں اپنی تذلیل نہ کرے۔ مگر اُسے یہ ضرور جاننا ہوگا کہ علم کی انتہا اور انسانی توانائی کے مناسب استعمال سے کیا فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں اور یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ماضی میں انسانی کردار نے کیا کیا معراج حاصل کی ہے جب اراکین مجلس قانون ساز کی سوانحات تحریر کی گئیں تو اُنھیں بزرگانِ مذہب کی سوانح سے گڈمڈ کر دیا گیا اور ان میں اوہام پرستی اور بے سروپا روایات شامل کر کے حقائق کو مسخ کر دیا گیا۔ اس کی ایک مثال سائنس کی مابعد الطبیعیات ہے۔ اب کوئی دانا شخص ایسی تصانیف پر دھیان نہیں دے گا البتہ یہ کتب کسی دہقان کو

ضرور مطمئن کر سکتی ہیں۔ یہ عمل علم و فن کی تباہی کے مترادف ہے اور ایکسینوفون کے زمانے ہی سے پڑھایا جا رہا ہے۔ اس کا موضوع بادشاہوں اور ابطالِ جلیل کا خصوصی فن ہے مگر لیو اور قسطنطین کی تدابیر میں اُس دور کی کمینگی کی بہت زیادہ آمیزش ہوگئی تھی اور اس میں ابتدائی دانش کی کمی آ گئی تھی۔ حالانکہ فتوحات کی صورت میں اُس دانش کی توثیق ہو چکی تھی ان کا عمل اسلوب ہی کے لحاظ سے غیر ماہرانہ تھا۔ اور ان کا طریق کار ہی غلط تھا۔ انھوں نے دور افتادہ اداروں کی بنیاد رکھی اور اُن پر اعتماد کیا۔ سپارٹا اور مقدونیہ کے لشکروں پر بھروسا کیا۔ انھوں نے کانو، اور ٹروجن اور سپارٹا کے معرکوں کی نقل کرنے کی کوشش کی۔ حالانکہ ان مثالوں پر عمل کرنے کے لیے کوئی معقول اسباب موجود نہ تھے۔ ان کے عام نظریات کے حق میں کوئی استدلال موجود نہ تھا اور ان کے استدلال کا تو کوئی بھی جواز فراہم نہیں کیا جا سکتا۔ افواج میں نظم و ضبط صرف ورزش سے پیدا ہوتا ہے، کتابوں کے مطالعے سے نہیں، ایک سپہ سالار کی مہارت، سنجیدہ اور تیز رو اذہان کو جلا بخشتی ہے اور فطرت انھیں کے حوالے سے افواج اور اقوام کے مقدر کا فیصلہ کر دیتی ہے اوّل الذکر تو زندگی کی ایک عادت ہے اور ثانی الذکر ایک لمحاتی نظارہ ہے اور وہ جنگیں جو صرف تدابیر کی بنیاد پر جیتی جا چکی ہیں، اُن کی تعداد اُن رزمیہ نظموں کے برابر ہے جن پر ناقدین نے تبصرے کیے ہیں۔ تقریبات کے متعلق کتاب تو پڑھنا ہی مشکل ہے۔ اس کے باوجود اُس کی حیثیت ایک نامکمل بیانیہ کی ہے۔ وہ صرف الفاظ کا مجموعہ ہے۔ البتہ اس کے کلیسا اور ریاست پر گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ایک تو بتدریج خستگی کا شکار ہوگیا اور دوسرے کی قوت میں کمی آ گئی۔ اگر ہم صوبوں کے موضوع پر تبصرہ کریں تو ہمیں غالباً قابلِ قبول اور مفید معلومات حاصل ہوں گی جو صرف حکومت کے تجسس کی بنا پر ہی حاصل ہوسکتی ہیں۔ مثلاً شہروں کی بنیاد کے متعلق بے سروپا روایات اور اُن کے باشندوں کو بدنام کرنے کے لیے فرضی الزامات، ایسی روایات کو مؤرخین اپنی تصانیف میں شامل کرنے میں خوشی محسوس کریں گے۔ چونکہ یہ زیادہ دلچسپ ہوتی ہیں اس لیے وہ ان پر تبصرے کے معاملے میں بھی خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ دارالحکومت اور صوبوں کی آبادی اور محاصلات اور خراج کی رقوم بھی ایک دلچسپ موضوع ہے جس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان میں سے مقامی آبادی کتنا حصہ ادا کرتی ہے اور اجنبیوں سے کتنی رقم موصول ہوتی ہے۔ یہ ایک اور دلچسپ موضوع ہے اور اسی کی بنیاد پر شاہی معیار بھی قائم کیے جاتے ہیں اور افواج شاہی جھنڈے تلے خدمات بجا لاتی ہیں۔ لیو تو ایک فلسفی تھا، اُس نے کبھی اس کی پروا نہ کی اور اُس کا بیٹا بھی اُسی کے نقشِ قدم پر چلتا رہا۔ اس کے دور میں عوامی انتظامیہ پر بھی وہی الزامات عائد ہوتے ہیں

جو مطلق العنان بادشاہوں سے مخصوص ہیں مگر فرق صرف یہ ہے کہ اس کے دور کے غلط اقدامات کی بڑی خوبی سے کوئی نہ کوئی توجیہ پیش کر دی جاتی ہے اور اسے بری کر دیا جاتا ہے۔ کسی قوم کی قدیم روایات کو ہمیشہ مبالغہ آرائی سے بیان کیا جاتا ہے مگر نیم مہذب اقوام کا جغرافیہ اور اسلوب حیات ہمیشہ حقیقت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ بیان کی اس صحت کا اطلاق فرینکوں پر ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کی باری پر دارالحکومت کے حوالے سے ان کا مفصل بیان کیا جائے۔ اس سے مشرق کے دارالحکومت کے حالات کی درست وضاحت ہوگی۔ عظیم اوتھو کا سفیر جو کریمونا کا بشپ بھی تھا۔ اُس نے قسطنطنیہ کے حالات پر دسویں صدی کے وسط میں تبصرہ کیا ہے۔ اس کا اسلوب بیان واضح اور دلچسپ ہے۔ اگر چہ اُس میں تعصب بھی ہوگا اور جذبات کے اثر سے بھی وہ مبرا نہیں ہو سکتا ہے مگر جو کچھ وہ بیان کرتا ہے اُس میں کردار کی حقیقی عکاسی آزادانہ انداز میں کی جاتی ہے۔ میں بازنطینی حکومت کی صوبائی اور دیوانی حکومت کے متعلق گہری تحقیق کروں گا اور ان کی فوجی قوت کا جائزہ بھی لوں گا۔ میں یونانیوں کے کردار اور ان کے ادب کا بھی جائزہ لوں گا۔ میری تحقیق اُن چھ سو سال کی مدت پر محیط ہوگی جس کا اغاز ہرکلس کے دورِ حکومت سے ہوتا ہے اور اُس دور میں ختم ہو جاتا ہے جبکہ فرینکوں یا لاطینیوں نے ایک کامیاب حملہ کیا۔

جب تھیوڈوسی اُوس کے بیٹوں کے مابین حکومت کی تقسیم پوری طرح سے ہوگئی تو سکاتھیا اور جرمنی کے غیر مہذب قبائل ان کے تمام دائرہ حکومت میں آ کر پھیل گئے اور قدیم رومی سلطنت کے طول و عرض میں یہ ہر جگہ نظر آنے لگے۔ قسطنطنیہ کی کمزوری محض اس کی وسعت سلطنت کی بنا پر پس پردہ ہوگئی۔ اس کی سرحدوں کی کبھی خلاف ورزی نہ ہوئی تھی یا کم از کم یہ اپنی جگہ پر قائم تھیں۔ افریقہ اور اٹلی کی فتوحات کی وجہ سے جسٹینین کے دور کے رقبہ حکومت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ یہ نئی مقبوضات محض عارضی تھیں اور عربوں کی دسترس سے بھی دور نہ تھیں۔ شام اور مصر پر عربوں کا دباؤ ہمیشہ قائم رہتا تھا۔ مصر پر تو عربوں نے قبضہ کر لیا تھا اور افریقہ کی فتح کے بعد اُن کے نائبین نے حملہ کیا اور رومی سلطنت کے صوبوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ صوبے گوتھ کی ہسپانوی سلطنت کا حصہ بن چکے تھے۔

بحیرۂ روم کے جزائر ان کی بحری قوت کی دسترس سے باہر نہ تھے اور اپنے دور اُفتادہ مقامات مثلاً کریٹ اور قلیقیا کی بندرگاہوں سے خود خلفا یا ان کے امیر شاہ روم کے مقبوضات پر دست درازی کرتے رہتے تھے۔ خود دارالحکومت بھی ان سے محفوظ نہ تھا جو صوبے شہنشاہ کے پاس باقی رہ گئے تھے اُن کی تنظیم نو کر دی گئی

تھی۔ صدور، قونصلوں اور نوابوں کے دائرہ اختیار کو فوجی گورنروں یا تھیم (Themes) کے ماتحت کر دیا گیا تھا۔ یہ ہرکلس کے جانشینوں کے ماتحت کام کرتے۔ ان کے متعلق تفصیلات شاہی مؤرخین نے بہم پہنچائی ہیں۔ انتیس فوجی گورنروں میں سے سترہ یورپ میں تھے اور بارہ ایشیا میں۔ ان کی اصل کسی حد تک مبہم ہے اور اس خطاب کی وجہ تسمیہ بھی مشکوک اور غیر واضح ہے۔ ان کا دائرۂ اختیار بھی غیر متعین تھا، اور گھٹتا بڑھتا رہتا تھا۔ بعض مخصوص نام جو ہمارے کانوں کو عجیب و غریب لگتے ہیں۔ یہ اُن لشکریوں میں مروج تھے جو متعلقہ صوبوں کے اخراجات پر اُن کی حفاظت کے لیے مامور کیے گئے تھے۔ یونانی بادشاہوں کے وقار نے اپنے مفتوحہ علاقوں کی زبانوں کے بعض الفاظ اپنے ذخیرہ الفاظ میں محفوظ کر لیے تھے۔ میسوپوٹیمیا (موجودہ عراق کا ایک حصہ) فرات کے مغربی کنارے پر تشکیل دیا گیا۔ صقلیہ کے جزیرے کی ایک تنگ پٹی کو کالابریہ کا نام دے دیا گیا اور بینے ونطیوم کی جاگیر لومبارڈی کے فوجی گورنر کے حوالے کر دی گئی۔ جب عرب سلطنت کو زوال ہوا تو ممکن ہے کہ قسطنطین کے جانشینوں نے زیادہ محکم انداز میں فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی ہو، نائسی فورس، زیمسکی اور باسل دوم کی فتوحات کی وجہ سے ان کی شہرت بحال ہوئی اور رومی حدود کا بھی تعین ہوگیا۔ قلیقیا کا صوبہ اور انتاخ کا مرکزی شہر کریٹ اور قبرص کے جزیرے دوبارہ عیسائیوں اور قیصرانِ روم کی ملکیت میں چلے گئے۔ اٹلی کا تیسرا حصہ، قسطنطنیہ کی حکومت کی فرمانروائی میں منتقل ہوگیا۔ بلغاریہ کی حکومت کو تباہ کر دیا گیا اور مقدونیہ کے آخری حکمران نے دجلہ کے منبع سے لے کر روم کے قرب و جوار تک کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بدقسمتی کے نئے بادل چھا گئے ہیں اور نئے دشمن بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ اٹلی کا جو کچھ بچا تھا، اُسے نارمن مہم جوئی بہا کر لے گئی اور ایشیا کے تمام حصے جو رومی دھڑ سے چمٹے ہوئے تھے وہ ترک مہم جوؤں نے زبردستی علیحدہ کر دیے۔ ان نقصانات کے بعد بھی کومینیان کا خاندان ڈینیوب سے پیلوپونی سوس تک اور بلغاریہ سے نائس تک، طربیی زونڈ سے تھریس تک حکومت کرتا رہا۔ مقدونیہ اور یونان بھی ان کے زیر اقتدار تھے۔ قبرص، رہوڈز اور کریٹ کے جزائر پر قبضے کا مطلب یہ تھا کہ ایجیئن (Ægean) یا مقدس سمندر کے پچاس جزائر بھی ان کے ہمراہ قبضے میں آ گئے۔ ان کی حکومت کے باقی ماندہ علاقے کو بھی یورپ کی بہت بڑی سلطنت کا نام دیا جا سکتا تھا۔

اور یہی بادشاہ وقار اور صداقت سے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ تمام عیسائی دُنیا کا سب سے بڑا شہر ان کے مقبوضات میں شامل تھا اور ان کی ریاست بھی سب سے زیادہ خوشحال اور سب سے زیادہ گنجان آباد تھی۔

مملکت کے انحطاط وزوال کے ساتھ ہی مغرب کے باقی شہر بھی خستہ حالی کا شکار ہوئے اور ہاتھ سے نکل گئے۔ مٹی کی دیواریں، لکڑی کے جھونپڑے اور پیرس اور لندن کی تنگ کوٹھڑیاں، مل کر بھی روم کو قسطنطنیہ کے برابر کا درجہ نہ دے سکتی تھیں۔ اگر چہ قسطنطنیہ ان سب کے لیے ایک اجنبی شہر کا درجہ رکھتا تھا۔ اس میں شاہانہ محل، گرجے، فن کے نادر نمونے اور عیش وعشرت کے سامان موجود تھے اور آبادی بھی بہت زیادہ تھی۔ وہ ہر حملہ آور کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ حال ہی میں اہلِ فارس اور بلغاریوں کے حملوں کو اس نے پسپا کر دیا تھا۔ عرب اور روسی بھی پسپا کر دیے گئے تھے۔ دُنیا میں ایسا کوئی شہر نہ تھا جو وحشی اقوام کی زد میں نہ آیا ہو اور اُس نے تمام حملہ آوروں کو بلا استثنا مار بھگایا ہو۔ مگر قسطنطنیہ اس سلسلے کی ایک واحد مثال تھی۔ کیونکہ اس شہر کی صورت حال کچھ ایسی تھی کہ نہ اس سے مالِ غنیمت حاصل کیا جا سکتا تھا اور نہ تادیر اس پر قبضہ رکھا جا سکتا تھا۔ جسٹینین کے دور ہی سے مشرقی سلطنت اپنے معیار سے نیچے جا رہی تھی۔ ملکی بہبود کی قوتوں کے مقابلے میں تباہی کی طرف لے جانے والے عوامل بہت مضبوط تھے۔ خانہ جنگیوں اور کلیسائی اختلافات کی وجہ سے ان بُرے حالات میں تلخی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ قیدی جو برِاعظم سے بھاگ کر یہاں پناہ لیتے وزرا اُن کا مال ومتاع چھین لیتے اور اُنھیں قید کر دیتے۔ یونانیوں کی اوہام پرستی کی وجہ سے عبادت تو ترک کر دی گئی اور فاقہ کشی کی ترویج کی گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عوام کی صحت کمزور ہو گئی۔ ملک میں اس قدر تقریبات ہونے لگیں اور رہبانیت کے چرچے اس قدر بڑھ گئے کہ عوام نے کاروبارِ حیات میں دلچسپی لینی چھوڑ دی۔ اس کے باوجود بازنطینی حکومت کی رعایا ابھی تک دوسری اقوام کے مقابلے میں زیادہ محنتی اور اپنے اپنے کام میں مہارت کی مالک تھی۔ ان کے ملک کو فطرت نے تمام ارضی فوائد مہیا کر دیے گئے۔ آب وہوا اور محلِ وقوع نہایت موزوں تھا۔ وہ پُر امن زندگی بسر کرتے اور فنی صلاحیتوں کی بحالی کی کوشش کرتے۔ ان کا صبر وسکون اور تحمل وبردباری یورپی اقوام کے مقابلے میں زیادہ مفید تھے۔ یورپی اقوام جنگ جویانہ اور جاگیردارانہ افراتفری میں مشغول رہتیں۔ وہ صوبے جو ابھی تک سلطنت سے منسلک تھے اُنھیں دوبارہ آباد کیا گیا اور اُن ذرائع کو دوبارہ حاصل کیا گیا جن کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے ضائع ہو گئے ہیں۔ شام، مصر اور افریقہ کے رومن کیتھولک خلفا کی وفاداری ترک کر کے ان کے پاس چلے آئے تھے۔ وہ اسے اپنی برادری کا ایک معاشرہ سمجھتے تھے۔ وہ لوگ ایک منتقلہ دولت کی حیثیت کے حامل تھے جو کبھی ایک شخص کے پاس قرار نہیں پاتی۔ جب کسی سمت سے دباؤ کا بوجھ برداشت کرنا پڑے تو وہ متعلقہ فریق کے ہمراہ ترکِ سکونت کر لیتی ہے اور اس طرح اسکندریہ اور ٹائر کے تمام مفرور قسطنطنیہ نے اپنے

دامن میں سمیٹ لیے۔ آرمینیا اور سکاتھیا کے سردار جو مذہبی وجوہات یا ذاتی عناد سے تنگ آ کر یہاں پناہ گزین ہو گئے تھے اُن کی مہمان نوازی کی گئی اور اُنھیں پناہ فراہم کی گئی۔ اُن کے پیروکاروں کو اجازت دی گئی کہ وہ نئے شہر آباد کر لیں اور وسیع اراضی پر کاشتکاری کریں۔ یورپ اور ایشیا میں متعدد مقامات ایسے ہیں جن کے نام اپنے قدیم شہروں، قصبوں، دیہات کے ناموں پر رکھے گئے ہیں اور ابھی تک موجود ہیں۔ وہ وحشی قبائل بھی جو اپنے اسلحہ سمیت سلطنت کے علاقے میں آباد ہو گئے تھے، اُنھیں بتدریج ملکی اور کلیسائی قوانین کا پابند کر لیا گیا، جب تک وہ یونانیوں سے الگ تھلگ رہے، ان کی نسلیں سلطنت کی افواج کے لیے سپاہی مہیا کرتی رہیں۔ کیا ہم اُنتیس (فوجی گورنروں) تھیم کے متعلق کوئی مفصل تبصرہ کر سکتے ہیں؟ کیا ہمارے پاس اس قدر مواد موجود ہے؟ مگر یہ سب بازنطینی سلطنت کے اندر موجود تھے۔ ہمارا تجسس بعض منتخب مثالوں پر تحقیق ہی سے مطمئن ہو جائے گا۔ یہ ہماری خاصی خوش قسمتی ہو گی کہ اُن صوبوں کے حالات پر روشنی ڈالی جا سکے اور یہ دلچسپی کا باعث ہو گا کیونکہ پیلو پونی سوس کے نام نے کلاسیکی یونان کے کوائف کے بارے میں طالب علموں کو بہت سا مواد فراہم کر دیا ہے۔

اتنی جلدی کہ ابھی آٹھویں صدی بھی نہیں گزری تھی، آئی کونو کلاسٹوں، یونانیوں کے ہنگامہ خیز دور میں بلکہ پیلو پونی سوس کو بھی سکلاوونیوں کے دستوں نے اپنی حیثیت سے پچھاڑ دیا۔ انھوں نے بلغاریہ کے شاہی علم کو بھی نیچا دکھا دیا۔ قدیم قادموس اور داناؤس اور پیلوپس کے اجنبیوں نے بھی اس زرخیز زمین پر قبضہ جما لیا جو حکمت عملی اور علم وفن کا مرکز تھا۔ مگر شمال کے وحشیوں نے اُس ہر شے کو اُکھاڑ پھینکا جو اس مریض درخت کی جڑوں کی صورت میں موجود تھی۔ اس ہنگامہ آرائی کی وجہ سے یہ ملک اور اس کے باشندوں کی ہیئت بدل گئی۔ یونانیوں کے خون میں فساد پیدا ہو گیا اور پیلو پونی سوس کے معتبر شرفا کو اجنبی غلاموں کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ ان کے جانشین بادشاہوں کی محنت سے وحشی اقوام سے اس خطۂ ارض کو پاک کرا لیا گیا اور جو باقی رہ گئے، اُن کمزور افراد سے حلف وفاداری لے لیا گیا۔ ان سے خراج وصول کر لیا گیا اور ان سے فوجی خدمات لی جانے لگیں۔ کبھی کبھی وہ اس وعدے پر عمل کرتے اور اکثر انکار کر دیتے۔ پیلو پونی سوس کے سکلاوونیوں نے پطراس کا محاصرہ کر لیا۔ وہ صرف ایک کوشش ہی میں کامیاب ہو گئے۔ افریقہ کے صحرانشین بھی ان کے ساتھ ہی محصور ہو گئے۔ یاس کی انتہائی حالت میں کورنتھ کی آمد کی ایک مقدس فرضی داستان دہرائی جانے لگی۔ اس وجہ سے ان شہریوں کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اُنھوں نے جرأت سے حملہ کیا اور کامیاب ہو گئے۔ اجنبی

جہازوں پر سوار ہو کر چلے گئے۔ باغیوں ہتھیار ڈال دیے اور اس دن کی فتح کا سہرا ایک اجنبی بھوت کے سرمنڈھ دیا گیا۔ وہ اوّلین صفوں میں سینٹ اینڈریو کی صورت میں لڑتا رہا (جو حضرت کے ایک حواری تھے) موصوف کی خانقاہ میں اُن کے کچھ آثار باقی تھے۔ اس خانقاہ کی اس فتح کے حوالے سے خوب آرائش کی گئی اور اس مفتوحہ نسل کو ہمیشہ کے لیے بطراس کے کلیسا کے خدام مقرر کر دیا گیا۔ دو سکلاوانی قبیلوں کی بغاوت کی وجہ سے جو ہیلوس اور لیسی ڈیمون کے قرب و جوار میں رہتے تھے۔ اس جزیرہ نما کا امن ہمیشہ خطرے میں رہا۔ وہ کبھی کبھی ان کے کمزور حکمرانوں کی توہین کر دیتے اور کبھی کبھی شاہی دباؤ کی مزاحمت بھی کرتے۔ اس طرح بازنطینی حکومت کے ساتھ ان کے معاملات چلتے رہتے۔ یہاں تک کہ ان کے مخالف بھائی ان پر غالب آگئے اور ان کے طلائی پنجڑے پر قبضہ کر لیا۔ اور اس طرح ایزاریوں اور میلنجیوں کے حقوق و فرائض متعین ہو گئے ان کا سالانہ خراج بارہ سو طلائی ٹکڑے مقرر کر دیا گیا۔ شاہی جغرافیہ دان نے ان اجنبیوں کے وطن اور نسل کا درست سراغ لگایا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ہیلاط (Helots) کے خون سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس قوم پر کسی دور میں بہت زیادہ مظالم کیے گئے تھے۔ رومن شہنشاہوں بالخصوص آگسٹس نے بہت سے تجارتی شہروں کو سپارٹا کی غلامی سے آزاد کرالیا تھا۔ اسی کے نتیجے میں انھیں ایلیا تھرو یا آزاد لاکونیوں کا نام دیا گیا تھا۔ جب قسطنطین پورفیروجینی طوس کا دور آیا تو انھیں مینو (Mainotes) کے نام سے پکارا جانے لگا۔ ان کے آزادی کے مطالبے کا بھانڈا اچھوٹ گیا جب انھوں نے حادثے کا شکار ہونے والے جہاز کا سارا سامان لوٹ لیا۔ ان کی قریبی ساحل پر متعدد چٹانیں تھی جن سے مذکورہ جہاز ٹکرا گیا تھا۔ ان کی اراضی بنجر تھی جہاں پر کوئی اناج پیدا نہ ہوتا تھا البتہ یہ زیتون کی پیداوار کے لیے موزوں تھی اور سمندر میں نکلتی ہوئی مالیہ تک چلی گئی تھی۔ وہ کسی بازنطینی محافظ کو اپنا سردار یا بادشاہ تسلیم کر لیتے۔ وہ چار سو طلائی سکے ادا کرتے اور اس کے عوض اپنی آزادی کا تحفظ حاصل کر لیتے۔ لاکونیہ کے باشندوں نے رومیوں کا چلن تو اختیار کر لیا تھا، لیکن وہ بڑی مدت تک یونانیوں کے مذہب پر قائم رہے۔ شہنشاہ باسل کے جوش کے تحت انھیں بطور عیسائی اصطباغ دیا گیا۔ مگر یہ جاہل لوگ اس کے بعد بھی پانچ سو سال تک زہرہ اور مشتری کا احترام کرتے رہے۔ پیلوپونی سوس کی فوجی گورنری (تھیم) کے دور میں، اس قوم کے چالیس شہر شمار کیے جاتے تھے اور سپارٹا، آرگوس اور کورنتھ کی حالت ایسی تھی کہ وہ دسویں صدی عیسوی میں اپنے عروج اور زوال کے درمیان زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کے لیے فوجی خدمت لازمی تھی۔ خود بھرتی ہوتے یا اپنی جگہ کوئی دوسرا آدمی دیتے۔ اسی خدمت کے عوض انھیں اراضی اور دیگر

مفادات حاصل ہوتے تھے۔ ہر مزارع کو پانچ طلائی سکے بطور محصول ادا کرنے پڑتے۔ ان سے کم مرتبہ افراد کو مل کر بھی اسی قدر رقم ادا کرنی پڑتی۔ جب اٹلی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا گیا تو پیلوپونی سوس کو اجتماعی طور پر ایک سو پاؤنڈ سونا ادا کرنا پڑا۔ (یہ رقم چار ہزار پاؤنڈ سٹرلنگ کے برابر ہوتی) ایک ہزار گھوڑے ساز و سامان سے آراستہ دینے پڑے۔ ہر گرجے اور خانقاہ کو بھی ہنگامی انتظامات کرنے پڑے۔ کلیسا کے ساز و سامان کو فروخت کر کے رقم جمع کی گئی اس طرح ان مقدس مقامات کی تذلیل ہوئی۔ لیوکاڈیا کے بشپ کے ذمے یہ لگایا گیا کہ وہ پنشن کے سرمائے میں تین سو طلائی سکے جمع کرائے۔

مگر صوبائی محاصلات کا بڑا حصہ تجارت اور صنعت و حرفت سے حاصل ہوتا تھا۔ پیلوپونی سوس کے ملاح اور بحری کارکن بعض شخصی محصولات سے مستثنیٰ تھے۔ اس فیاضانہ حکمتِ عملی کی مثالیں دستیاب ہوتی ہیں اور اس کے لیے قانون میں بھی گنجائش موجود تھی۔ وہ کارکن جو ریشمی اور سوتی کپڑا تیار کرتے تھے وہ بھی اس رعایت سے فیض یاب ہوتے تھے۔ یہ اُصول سوتی، ریشمی اور اونی پارچہ جات کی تیاری پر بھی لاگو تھا۔ ان میں سے دو اوّل الذکر یونان میں ہومر کے دور ہی سے خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے اور آخر الذکر کو بھی جسٹینین کے دور ہی سے روشناس کرا دیا گیا تھا۔ وہ فنون جس کو کورنتھ میں مروج کیا گیا تھا۔ وہ تھیبس اور آرگوس میں بھی موجود تھے۔ اُن میں خوراک کی بہم رسانی سب سے اہم تھی کیونکہ آبادی کی کثیر تعداد اسی پیشے سے منسلک تھی۔ بوڑھوں، جوانوں، مردوں، عورتوں اور بچوں میں خوراک اُن کی عمر اور توانائی کے مطابق تقسیم کی جاتی تھی۔ اگر اس گروہ میں زیادہ تعداد گھریلو غلاموں کی ہوتی تو اُن کے آقا جو ان سے کام لیتے تھے اور ان کی رہنمائی کرتے تھے اُنھیں معزز آزاد شہریوں کا درجہ حاصل ہوتا تھا۔ پیلوپونی سوس میں سے ایک امیر اور فیاض خاتون اپنے متبنیٰ بیٹے شاہ باسل کو جو پارچہ جات پیش کیے وہ یونانی کھڈیوں پر ہی تیار کیے گئے تھے۔ دانیال نے ایک عمدہ اور نفیس قالین تیار کیا جس میں مور کی دُم کی طرح کے نقوش و نگار بنائے گئے تھے۔ یہ اتنا بڑا تھا کہ ایک نئے گرجا گھر کے پورے ایوان میں بچھا دیا گیا۔ اس میں حضرت عیسیٰؑ کے تینوں نام بُنے ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں میکائیل اور پیغمبر ایلجاہ (Elijah) کے نام بھی بُن دیے گئے تھے۔ مذکورہ خاتون نے اپنے تحائف میں ریشم کے چھ سو تھان اور متعدد اقسام کے پارچہ جات شامل کر رکھے تھے۔ ریشم کو ارغوانی کے رنگ سے رنگا گیا تھا اور اس پر سوئی سے کشیدہ کاری کی گئی تھی۔ یہ اتنی عمدہ تھی کہ اس کا ایک تھان ایک نرسل کے اندر سما جاتا تھا۔ یونانی صنعتی پیداوار کا ذکر کرتے ہوئے صقلیہ کا مؤرخ ان کی قیمت کی تفصیل بھی دیتا ہے جو ان کے معیار اور وزن کے

مطابق ہوتی اور یہ بھی دیکھا جاتا کہ ان کی بُنت میں دھاگے ایک دوسرے کے کتنے قریب ہیں۔ رنگوں کے حسن کا بھی جائزہ لیا جاتا اور کشیدہ کاری میں جو سامان استعمال ہوتا وہ بھی معیار قائم کرتے وقت پیش نظر رہتا۔ عام فروخت کے سامان میں ایک، دو یا تین دھاگوں کا استعمال بھی کافی سمجھا جاتا مگر جب چھ دھاگوں سے کشیدہ کاری کی جاتی تو وہ مضبوط بھی سمجھی جاتی اور اُس کی قیمت بھی زیادہ طے پاتی۔ رنگوں کے استعمال میں وہ تاثر کی بڑی وضاحت سے تعریف کرتا ہے۔ وہ ایک ریشمی پارچے کے متعلق کہتا ہے کہ اس کی چمک آگ کے شعلے کی طرح ہے اور سبز رنگ کے نرم اثرات کی بھی تعریف کرتا ہے۔ ریشمی کپڑے کو یا تو ریشمی تاروں ہی سے مرصع کیا جاتا یا سونے کے تار استعمال کیے جاتے۔ سیدھی لکیریں یا گول دائرے زیادہ خوبصورت سمجھے جاتے پھر عمدہ قسم کے پھول بنائے جانے لگے۔ جو سامان محلات اور قربان گاہوں کے لیے بنایا جاتا اُس میں قیمتی موتی بھی ٹانک دیے جاتے۔ بعض اشکال میں مشرقی مروارید بھی استعمال کیے جاتے۔ بارھویں صدی تک یونان عیسائی دنیا کا وہ واحد ملک تھا جس کے پاس اپنے ریشمی کپڑے تھے، جنھیں فطرت نے ریشمی تار تیار کرنے کا گر سکھا دیا تھا۔ وہ اس فن یعنی ریشم تیار کرنے کی مہارت رکھتے تھے۔ عرب اور چینی اس کا فرقوم سے پارچہ بافی اور فرنیچر سازی کا ہنر سیکھنا چاہتے تھے۔ یہ لوگ ریشم خود بھی استعمال کرتے تھے اور اسے برآمد بھی کرتے تھے۔ یہ ہنر پہلے نارمن نے صقلیہ میں روشناس کرایا تھا اور روجر کی یہ فتح دیگر ویران اور بنجر زمینوں کی فتوحات کے معاملے میں زیادہ مفید ثابت ہوئی۔ کورنتھ، ایتھنز، تھیبس کو تباہ کرنے کے بعد اس کے نائبین نے یہاں کے تمام مرد عورت پارچہ باف غلام بنا لیے اور انھیں ایک قطار کی صورت میں اپنے ہمراہ لے گیا۔ اُس کے آقاؤں کے لیے تو یہ ایک تحفہ تھا مگر یونانیوں کے لیے بہت زیادہ بے عزتی کا باعث تھا۔ شاہِ اٹلی بھی اس تحفے کی قدر و قیمت سے بے بہرہ نہ تھا اور اُس نے ان قیدیوں کی واپسی کے دوران تھیبس اور کورنتھ کے پارچہ بافوں کو مستثنیٰ قرار دے دیا۔ مؤرخ کا بیان ہے کہ ان سے ایک سخت گیر حاکم کی زیرنگرانی کام لیا جاتا جس طرح قدیم دور میں ایریٹریا کے باشندوں سے دارا کے ملازمین کام لیتے تھے۔ پلرمو کے محل ایک بہت بڑا ایوان تیار کیا گیا، جو ان صنعتی کارکنوں کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ ان لوگوں اور ان کے بچوں نے اس صنعت کو ترقی دی تاکہ مغربی ممالک کی طلب کو پورا کیا جا سکے۔ صقلیہ میں جو کھڈیاں موجود تھیں اُن کو زوال آ گیا، اس کی ایک وجہ تو اس جزیرے کے سیاسی حالات تھے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اٹلی کی طرف سے مقابلہ تھا۔ تیرہ سو چودہ سال میں صرف لوقا ہی ایک ملک تھا۔ جو اپنے ایک ہمسایہ ملک کے ہمراہ اس صنعت کی اجارہ داری کا دعویدار تھا۔ پھر اس ملک

میں ایک داخلی انقلاب آیا جس کی وجہ سے اس صنعت سے وابستہ کاریگر فلورنس، بلونیا، وینس، میلان، بلکہ کوہِ الپس کے پار کے ممالک میں بھی منتشر ہو گئے اور اس واقعہ کے تیرہ سال بعد موڈینا کے باغات میں شہتوت کے درخت کاشت کیے جانے لگے اور (ریشم کے) کیڑے پالنے کی صنعت کا آغاز ہوا اور کچے ریشم پر محصولات کا باقاعدہ بنایا گیا۔ لیکن شمالی علاقوں کا موسم ریشمی کیڑوں کی پرورش کے لیے موزوں نہیں ہے۔ مگر انگلستان اور فرانس کی صنعت کو اٹلی اور چین سے خام مال مہیا ہوتا رہتا ہے۔

مجھے یہاں ایک حقیقت کی تکرار کرنی پڑتی ہے کہ کسی ملک کے متعلق ناکافی اور مبہم اطلاعات سے اُس کے محصولات اور مالی حالت کا مکمل جائزہ نہیں لیا جا سکتا۔ یہی صورت یونانی سلطنت کے محاصلات کی بھی تھی۔ یورپ اور ایشیا کے تمام صوبوں سے سونے اور چاندی کی صورت میں محصولات وصول ہوتے تھے۔ اس لیے جو ذخائر جمع ہوتے تھے اُن میں مسلسل ایک نوع کا دباؤ برقرار رہتا تھا۔ ایسی صورت پیدا ہو گئی تھی کہ درخت کے تنے سے شاخیں جدا ہو گئی تھیں، یہی صورت قسطنطنیہ اور باقی صوبوں کی تھی اور مطلق العنانیت کے اُصول نے دارالحکومت کی سیاست پر قبضہ کر رکھا تھا۔ دارالحکومت سے محل تک اور محل سے لے کر شاہی شخصیات تک ہر شے ان کی دسترس میں تھی۔ ایک یہودی سیاح جو مشرق میں بارھویں صدی میں گھومتا پھرتا رہا، اُس نے دیکھا کہ بازنطینی انتظامیہ اس کی امارت کے اندر گم ہو کر رہ گئی ہے۔ بن یامین (بینجمن) جس کا تعلق ٹیوڈیلا سے تھا، کہتا ہے کہ اس مقام پر یعنی اس عروس البلاد میں یونانی سلطنت کے تمام محصولات جمع کیے جاتے ہیں اور بڑے بڑے مینار تعمیر کر رکھے ہیں، جن میں سونا چاندی، ریشم اور کمخواب کو ذخیرہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ قسطنطنیہ سے بادشاہ کو بیس ہزار طلائی سکے روزانہ ادا کیے جاتے ہیں۔ یہ تمام رقم دکانداروں سے اکٹھی کی جاتی ہے یا اُن سوداگروں سے وصول کی جاتی ہے جو پیرس، مصر، روس، ہنگری، اٹلی یا ہسپانیہ سے آتے ہیں۔ یہ لوگ اس دارالحکومت میں بحری اور بری دونوں راستوں سے آتے ہیں، تمام مالی معاملات طے کرنے کا کل اختیار ایک یہودی کو دے دیا گیا ہے جس کے فیصلوں پر کوئی شبہ نہیں کیا جاتا۔ سال کے تین سو ساٹھ دنوں میں یعنی سال بھر میں ستر لاکھ پاؤنڈ سٹرلنگ کی دولت جمع ہو جاتی ہے۔ اس لیے میں دانستہ طور پر اُن کی تقریبات کا ذکر نہیں کرتا جو بڑی کثرت سے یونان میں منعقد ہوتی رہی ہیں وہ بیشتر خزائن جو تھیوڈورا نے جمع کر رکھے تھے۔ ان میں باسل دوم نے بھی کچھ اضافہ کیا ہے۔ اُن سے صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کی آمدنی کیا تھی اور اُس کے ذرائع کیا تھے؟ میکائیل کی ماں اس سے قبل کہ وہ ایک نرسنگ ہوم میں منتقل ہو گئی، وہ چاہتی تھی کہ اپنے بیٹے کی

فضول خرچی کی داستان کا پردہ چاک کر دے اور اپنی دولت کی صحیح مقدار کا برسرِ عام اعلان کر دے جو اُسے وراثت میں ملی ہے۔ ایک ہزار نو سو پاؤنڈ سونا اور تین لاکھ پاؤنڈ چاندی، جو محض اُس کی ذاتی بچت کا نتیجہ تھا۔ اس میں اُس کے مرحوم خاوند کی بچت بھی شامل تھی۔ اگرچہ باسل بہادر اور خوش قسمت انسان تھا مگر اس میں اس کی کنجوسی کو بھی بہت زیادہ دخل تھا۔ اُس نے اپنی فاتح افواج کو دو لاکھ پاؤنڈ سونا دے دیا تھا۔ (جو اسی لاکھ پاؤنڈ سٹرلنگ کے برابر ہے) یہ رقم اُس نے محل کے خفیہ مقامات پر زیرِ زمین دفن کر رکھی تھی۔ جدید دور کی حکمتِ عملی میں دولت کے اس طرح چھپا کر رکھنے کی مخالفت کی جاتی ہے اور ہم یہ پسند کرتے ہیں کہ یہ سرمایہ عوام کو مہیا کر دیا جائے تا کہ وہ اسے حسبِ منشا استعمال کریں اور منافع یا نقصان جو بھی ممکن ہو اُس سے تمتع کریں یا حالات کے مطابق برداشت کریں۔ پھر بھی نصفت کے اُصولوں کے تحت ہر بادشاہ دولت جمع کرتا ہے تا کہ وہ دشمنوں کے لیے نا قابلِ تسخیر رہے اور جمہوری حکومتیں بھی مال جمع کرتی ہیں تا کہ اپنی ہم عصر حکومتوں میں اُن کا وقار قائم رہے اور سلطنت کے اندر داخلی طور پر امن اور سکون قائم رہے۔

موجودہ ضروریات کے لیے جو کچھ بھی خرچ ہو جائے، یا حکومت کی مستقبل کی ضروریات کے لیے بچا لیا جائے یہ علیحدہ امر ہے مگر اس دور کے حکمرانوں کا سب سے بڑا مطالبہ ہمیشہ یہی ہوتا کہ اُن کی ذاتی عیش اور شان و شکوہ کے اظہار کے لیے زیادہ سے زیادہ سرمایہ مہیا کیا جائے اور اُس کے نجی اخراجات کا تخمینہ لگانے کے لیے محض اُس کے صوابدیدی اختیارات سے معیار مقرر کیا جاتا۔ قسطنطنیہ کے بادشاہوں کا فطری سادگی سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ لیکن اتنا ضرور ہوتا کہ موسم کی تبدیلیوں کے تحت وہ اپنے دارالحکومت کے دھوئیں اور شور وغل سے بچ کر تازہ ہوا کھانے کے لیے کہیں دور افتادہ مقام پر چلے جاتے۔ وہ لطف اندوز ہوتے یا محض لطف اندوزی کا تاثر پیدا کرتے۔ بہرحال موسمِ سرما میں وہ شکار کھیلتے یا ماہی گیری سے دل بہلاتے۔ جب موسمِ گرما آتا تو وہ اپنے آپ کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے سایہ دار مقامات پر چلے جاتے یا ساحلِ سمندر پر ڈیرہ لگا کر تازہ اور سرد ہوا سے لطف اندوز ہوتے۔ انھوں نے ایشیائی اور یورپی ساحلوں پر کثرت سے محلات تعمیر کر رکھے تھے۔ یہی صورت قرب و جوار کے جزائر کی تھی۔ مگر اس کی بجائے کہ وہ اُس سلیقے اور ہنرمندی سے کام لیتے جو انسان کو تو پس پردہ کرتی ہے مگر فطرت کے شاہکاروں کو منظرِ عام پر لے آتی ہے۔ وہ صرف سنگِ مرمر کے ایوانوں کا سہارا لیتے، جس سے صرف یہی ظاہر ہوتا کہ ان کے مالکوں کے پاس بہت زیادہ دولت جمع ہے اور ان کے معماروں نے بڑی محنت سے کام کیا ہے۔ تعمیرات کی کثرت اور وراثتی تقسیم کے اثرات کے تحت شہر اور

اس کے قرب و جوار میں محلات کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا اور بادشاہ بذاتِ خود اس تمام جائیداد کا مالک تھا۔ ان میں سے بارہ محلات تو شاہی وزرا کی رہائش کے لیے مستعار دے دیے گئے مگر عظیم محل جسے انتظامی مرکز کا نام دیا جا سکتا ہے، گیارہ سو سال تک صرف ایک مقصد یعنی شہنشاہ کی رہائش کے لیے ہی استعمال ہوتا رہا۔ گھڑ دوڑ کے میدان کے وسط میں سینٹ صوفیہ کا گرجا گھر تھا۔ اس کے ساتھ ملحق ایک باغ تھا، جس کی کئی منزلیں تھیں اور بتدریج نیچا ہوتا ہوا یہ سمندر میں جا کر گر جاتا۔ قسطنطنیہ کی سب سے قدیم اور پہلی عمارت قدیم روم کی عمارتوں کی نقل یا حریف تھی۔ ان میں بتدریج اصلاح اور ترقی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ قدیم دنیا کے عجائبات سے آگے نکل گئیں اور دسویں صدی تک تو یہ صورت ہو گئی کہ دُنیا بازنطینی عمارات کی تعریف کرنے لگی۔ بلاشک و شبہ ان کی پائیداری اور مضبوطی تو لاجواب تھی۔ ان کا رقبہ اور وسعت بھی رومی عمارتوں کے مقابلے میں زیادہ تھی۔ مگر کئی ادوار کی محنت سے ان عمارتوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی جبکہ محلِ وقوع بے قاعدہ ہو گیا تھا۔ ہر عمارت سے اُس دور کا کردار اور اُس کے بانی کے اوصاف کا پتا چلتا تھا اور یہ بھی ہوتا تھا کہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے کوئی بادشاہ خفیہ طور پر اپنے کسی پیشرو کی تیار کردہ عمارت کو گرا دیتا ہو۔ شہنشاہ تھیوفی لوس کی مالی حالت اتنی عمدہ تھی کہ وہ اپنے محلاتی اخراجات میں آزادی سے اضافہ کر سکتا تھا اور شان و شوکت کا بھی کھلے دل سے مظاہرہ کر سکتا تھا۔ عباسیوں کا ایک سفیر اس کی شان و شوکت اور فیاضی کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ ایک محل کا نقشہ بھی لایا تھا جو خلیفہ نے حال ہی میں دریائے دجلہ کے کنارے تعمیر کرایا تھا۔ اس نقشے کی نقل فی الفور تیار کر لی گئی اور تھیوفی لوس نے جو محل تیار کیا اُس کے ساتھ باغ بھی شامل تھا اور پانچ گرجے بھی تعمیر کر لیے گئے تھے۔ اُن میں سے ایک اپنے رقبے اور حُسن میں سب سے زیادہ تھا۔ اس کے اوپر تین گنبد تھے۔ اس کی چھت کانسی اور پیتل کی تھی۔ اس کے مینار بے ستون اطالوی سنگِ مرمر سے تیار کیے گئے تھے اور دیواریں بھی سنگِ مرمر کے متعدد رنگوں سے مزین کی گئی تھیں۔ گرجے کے سامنے والے حصہ میں ایک نصف دائرہ غلام گردش تعمیر کی گئی تھی۔ ان میں یونانی حرف سگما کی شکل ظاہر ہوتی تھی۔ اس حرف کو فیریجی مرمر کے پندرہ ستون سہارا دے رہے تھے۔ ان کے زیریں حصے کے خلا کو بھی اسی نوعیت کی تعمیر سے سہارا دے دیا گیا تھا۔ سگما کے سامنے کی مربع نما خالی جگہ کو ایک چشمہ بنا کر پُر کر دیا گیا تھا اور سطحِ زمین کی حد بندیوں کو چاندی کے پتروں سے مڑھ دیا گیا تھا۔ ہر موسم کے آغاز میں اس کے حوض کو پانی کی بجائے مختلف انواع کے پھلوں سے بھر دیا جاتا۔ بادشاہ کی طرف سے عوام کو یہ پھل بطور تحفہ پیش کیے جاتے تھے۔ وہ ایک بہت اونچی جگہ پر بیٹھ

کر یہ تماشا دیکھتا اور ایک خوبصورت مقام پر بیٹھا رہتا جہاں قیمتی موتی جڑے ہوئے تھے اور سیڑھیاں اوپر چڑھتی تھیں جو سنگِ مرمر سے تیار کی گئی تھیں۔ تخت کے نیچے اس کے محافظ بیٹھے رہتے۔ اس دائرے کی نچلی نشستوں پر عوام بیٹھے رہتے اور رقاصوں کے دستے بھی ان کے ہمراہ ہی بیٹھتے۔ مغنّی اور سازندے بھی اسی مقام پر بٹھائے جاتے۔ اس مربع نما کے گرداگرد ایوان ہائے انصاف تعمیر کیے گئے تھے۔ ہر قسم کے سامانِ تفریح اور دیگر ضروریات کے ذخائر بھی اسی مقام پر موجود تھے۔ ہر سال رنگین اور خوش نما پارچہ جات عوام میں بطور انعام تقسیم کیے جاتے۔ ملکہ خود اپنے ہاتھ سے یہ انعامات تقسیم کرتی، مختلف قسم کے مکانات ہر قسم کی موسمی ضروریات کے مطابق تعمیر کیے گئے تھے۔ انھیں سنگ مرمر اور دیگر قیمتی پتھروں سے آراستہ کر دیا گیا تھا، ان پر تصاویر بنائی گئی تھیں۔ پچی کاری اور منبت کاری سے بھی ان کو آراستہ کیا گیا تھا۔ سونے اور چاندی کی پلیٹیں بھی لگا دی گئی تھیں اور انھیں قیمتی پتھروں سے بھی آراستہ کر دیا گیا تھا۔ یہ تمام کام بڑی ہنر مندی اور تحمل سے سرانجام دیا گیا تھا۔ یہ ایسے فنکاروں کی مہارت تھی جو اُس عہد میں نادرالوجود تھے مگر اہالیان ایتھنز کا ذوق اس قدر بلند تھا کہ وہ ایسی مشکلات کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اور زیادہ سے زیادہ مزدوری ادا کرنے پر تیار رہتے تھے۔ ایک طلائی درخت جس کی شاخیں اور پتے بھی قیمتی دھاتوں سے بنائے گئے تھے اور جس کے زیرِ سایہ پرندوں کا ایک جھنڈ تھا، وہ مصنوعی آواز پیدا کرتے تھے۔ دو شیر جو بالکل جنگلی شیروں کی طرح دہاڑتے تھے۔ تھیوفی لوس، باسل اور کومینیان خاندان کے جانشین بھی اپنی رہائش گاہوں کو بطور یادگار چھوڑنے میں کچھ کم خواہش مند نہ تھے اور ان کے محل کے ایک حصے کو بھی طلائی سہ گونہ کا نام دیا گیا تھا اور اس طرح اس کی شان و شکوہ میں اضافہ کیا گیا تھا۔ جب منکسر المزاجی کا دور آیا تو محض رسمی طور پر تو یونانی اُمرا اور شرفا بھی اپنے شہنشاہوں کی تقلید کرنے لگے اور جب وہ گھوڑوں کی پشت پر سوار ہو کر گلیوں میں سے گزرتے تو اُن کے ریشمی ملبوسات کو دیکھ کر بچے اُن کو غلطی سے بادشاہ ہی سمجھ لیتے۔ پیلوپونی سوس کی ایک محافظ جو باسل مقدونیائی کے ہونے والے بچے کو پروان چڑھا رہی تھی، اُس کے جذبات نے اُسے مجبور کیا کہ وہ اپنے مُنہ بولے بیٹے سے ملے اور اُس کی عظمت کو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ پطراس سے قسطنطنیہ تک پانچ سو میں طویل سفر کے دوران اُس کا ایک گھوڑا یا گاڑی اس تکان کو برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے ختم ہو گئی۔ دانیالیس کے کمزور جسم کو ڈولی یا بستر پر ڈال کر دس مضبوط جسم کے مالک غلاموں نے اُٹھا لیا۔ تھوڑی سی مسافت کے بعد اُن کو اس فرض سے سبکدوش کر دیا گیا کیونکہ تین سو افراد پر مشتمل ایک دستہ اس خدمت کے لیے تیار کر لیا گیا۔ جب وہ بازنطینی محل میں داخل ہوئی تو اُس کا ایک

شہزادی یا ملکہ کی طرح احترام کیا گیا۔ یہ کوئی نہیں جانتا کہ اتنی دولت اس کے پاس کہاں سے آ گئی۔ مگر اُس نے جو تحائف پیش کیے وہ شاہی وقار سے کسی طرح کم نہ تھے۔ میں تو پہلے ہی بیان کر چکا ہوں کہ پیلوپونی سوس کی تخلیقات عمدہ اور عجیب و غریب نوعیت کی ہوتیں۔ ان میں سوتی، ریشمی اور اونی پارچہ جات شامل ہوتے۔ مگر اُس کا سب سے بڑا تحفہ تین سو نوجوان تھے جن میں سے ایک سو خواجہ سرا تھے۔ مؤرخ کہتا ہے کہ "وہ ان پڑھ نہ تھی، وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھی کہ شاہی محلات میں اس نوعیت کی مخلوق کی تعداد اس طرح ہوتی ہے جس طرح کہ موسمِ گرما میں بھیڑوں پر مکھیاں بھنبھتی ہیں۔" وہ اپنی زندگی کے دوران پیلوپونی سوس میں اپنی جاگیر پر رہی، اُس دور کے قانون کے مطابق باسل کے بیٹے لیو کو اُس کا جانشین مقرر کر دیا گیا۔ اس خاتون کی تمام وصیتوں کو بجا لانے کے بعد اسّی محلات بادشاہ کے نام پر منتقل ہوئے اور دانیالیس کے تین ہزار غلام بادشاہ کے حوالے کیے گئے۔ بادشاہ نے انھیں آزاد کر دیا اور اٹلی کے ساحل پر ان کی ایک آبادی قائم کر دی۔ اس ایک عام شہری خاتون کی مثال سے ہم ان بادشاہوں کی دولت اور شان و شکوہ کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس کے باوجود ہمارا مطالعہ ایک تنگ حلقے تک محدود ہے اور اس کی جس قدر بھی قدر و قیمت ہو لیکن یہ نتیجہ تو اخذ کیا جا سکتا ہے کہ تمام تر معصومیت اور آزادی کے باوجود ہر شخص کو اتنی آزادی حاصل تھی کہ وہ خود ہی اپنا مالک تھا اور کوئی دوسرا اُس پر اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکتا تھا۔

اس مطلق العنان حکومت کے تحت بھی جو شرفا اور غربا کی معاشرتی تقسیم کی قائل تھی، اور جس میں بادشاہ ہی کو تمام عزت و وقار کا سرچشمہ قرار دیا جاتا ہے، بادشاہ جسے چاہتا کوئی عہدہ یا اعزاز عطا کر دیتا۔ محل اور مملکت دونوں پر اُس کی اجارہ داری تھی۔ اس معاملے میں کوئی اصول مقرر نہ تھا مگر بادشاہ کو صوابدید اور مطلق اختیار حاصل تھا جسے چاہتا کسی منصب پر مقرر کر دیتا اور جب چاہتا کسی کو اُس کے مقام اور عہدے سے ہٹا دیتا۔ ویسپاسیئن سے لے کر الیکسی اوس کومےنوس تک ہزار سال کے عرصے کے دوران آگسٹس کے خطاب کے بعد، سیزر کا لقب دوسرے نمبر پر یا دوسرے درج پر شمار ہوتا تھا، جسے اس سارے دور میں بڑی آزادی سے استعمال کیا گیا۔ بادشاہ وقت اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو یہ اعزاز عطا کرتا رہا اور اس طرح وہ اپنے ایک ساتھی کو بہت زیادہ صاحبِ اختیار کر لیتا۔ اپنی بیوی کے بھائی کو بھی ایسے اعزازات عطا کر دیے جاتے۔ بعض اوقات اپنی بہن کا خاوند بھی اس اعزاز سے سرفراز کر دیا جاتا۔ بادشاہ نے اپنے لیے تو اس کے مساوی کوئی خطاب مخصوص نہ کیا مگر اپنے بھائی آئزک کو یہ خطاب عنایت کر دیا۔ الیکسی اُوس ایک مکار شخص تھا، اُس نے اس کے

لیے ایک جدید اور سب سے زیادہ باوقار خطاب تلاش کرلیا۔ یونانی زبان میں وسعت اور لچک بہت زیادہ تھی۔ اُس نے اپنے لیے آگسٹس اور شہنشاہ کا مرکب خطاب تجویز کرلیا یعنی (Sebastosand Autocrator) دونوں الفاظ کو باہم مرکب کرنے سے ایک نیا لقب وجود میں آ گیا۔ وہ سیزر (قیصر) سے بھی ایک قدم برتر ہوگیا۔ تمام عوامی اجتماعات میں اس کے نام کا تکرار کیا جاتا۔ بادشاہ کو صرف اُن زیورات کے حوالے سے پہچانا جاتا، جو وہ سر اور پاؤں پر پہنتا۔ پھر وہ خلعت اور دوسرے امتیازی نشانات بھی پہن لیتا جو شاہانِ فارس اپنے دورِ شہنشاہی میں پہنا کرتے تھے۔ یہ تاج قرمزی رنگ کی ایک بڑی سی ٹوپی کی شکل کا تھا۔ جو مخروطی شکل کی تھی۔ اس پر مروارید اور جواہرات اس کثرت سے جڑے ہوئے تھے کہ اصل کپڑا نظر ہی نہ آتا تھا۔ اس کے اوپر والے حصے پر ایک متوازی دائرے کی شکل کا تاج پہنا دیا گیا تھا۔ جس کے ساتھ سونے کے بنے ہوئے دو دائرہ نما بھی ہوتے اور دو طلائی محرابیں یا کمانیں ہوتیں۔ سب سے اوپر یہ دونوں کمانیں ایک دوسرے کو قطع کرتی ہوئی دکھائی دیتیں۔ اس کے اوپر یا تو ایک دائرہ ہوتا یا ایک صلیب بنا دی جاتی۔ ان کے ساتھ دو مروارید کے ہار ہوتے جو دونوں گالوں پر لٹکتے رہتے۔ قیصران کے مخصوص نشانات سرخ کی بجائے سبز کر دیے گئے تھے۔ البتہ ان کے بالائی حصے پر قیمتی جواہرات بڑی کثرت سے ٹانک دیے گئے تھے۔ قیصران کے رُتبے سے ذرا کم الیکسی اوس نے دو عہدے تخلیق کر لیے تھے۔ ان الفاظ کا تلفظ یا صحیح آواز کے متعلق صرف یونانی کان ہی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ البتہ یہ آگسٹس کے سادہ نام کے مقابلے میں برتری اور زیادہ اہمیت کے مفہوم میں استعمال ہوتے تھے۔ بازنطینی دربار میں رومیوں کا یہ سب سے بڑا خطاب کم تر کر دیا گیا تھا۔ اور بادشاہ کے رشتہ داروں اور ملازموں کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ الیکسی اُوس کی بیٹی اس پر مسرت کا اظہار کرتی ہے کہ تمام مراتب کو نہایت ہوشیاری سے ترتیب دے دیا گیا ہے اور ہر شخص کو اپنی باری اور استحقاق کے مطابق ان کی اُمید رکھنی چاہیے مگر الفاظ کے استعمال کا فن تو کم از کم اہلیت کی بنیاد پر بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے جانشینوں نے اس قسم کے خطابات کی جدید تشکیل کے بعد لغت کے حجم میں اضافہ کر دیا تھا۔ مثلاً ایک نیا خطاب مطلق العنان کا آقا تشکیل دیا گیا۔ اس کے لیے نئی نوعیت کا لباس اور آرائش بھی مقرر کر دی گئی اور اس کا مرتبہ بادشاہ کے عین نیچے یا دوم کا ہوگیا۔ اس کے صوابدیدی اختیارات بھی اس کی حیثیت کے مطابق مقرر کر دیے گئے۔ پانچ خطابات تھے۔ یہ خطابات بالعموم شاہی خاندان کے افراد یعنی بادشاہ کے خونی رشتہ داروں ہی کو دیے جاتے۔ ان کی شان تو بہت ہوتی مگر کوئی مستقل ذمہ داری انھیں نہ ملتی۔ یعنی ان کا وجود بے مقصد تھا اور ان کا دائرہ

اختیار نہ ہونے کے برابر تھا۔

مگر یہ ضروری ہے کہ ہر حکومت میں انتظامی اختیارات تقسیم کر کے محل اور خزانے کے وزرا کو تفویض کر دیے جائیں۔ بحری اور بری افواج کے اپنے مخصوص اختیارات ہوتے ہیں۔ محض خطابات کوئی مستقل شے نہیں اُنھیں ایک دوسرے سے الگ کیا جا سکتا ہے اور جب مختلف ادوار میں انقلابات آتے ہیں تو محافظین اور معتمد اور مہتمم افسران اپنی اہمیت ضائع کر دیتے ہیں اور بعض اوقات اُن کے ماتحتوں کو اُن کے سروں پر سوار کر دیا جاتا ہے۔

ا۔ بادشاہی نظام میں ایسا ہوتا ہے کہ ہر مقصد کے لیے بادشاہ کی ذات سے رجوع کیا جاتا ہے۔ شاہی محلات کی تقریبات سے لے کر نہایت اہم ملکی معاملات تک ہر فیصلہ ایک شخص پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جسٹینین کے دور میں تو بادشاہ کی ذات اس قدر اہم ہوگئی تھی کہ ہر شے مہتمم توشہ خانہ کے حوالے کر دی گئی تھی جس کا فرض محض شاہی ملبوسات کا دھیان رکھنا تھا۔ یہاں سے پہلے تو وہ تمام معمولی ملازمین کی نگرانی کرنے لگا جو شاہی تقریبات اور شان و شوکت کے امور کو طے کرنے پر مامور تھے۔ پھر وہ دربارِ عام اور دربارِ خاص کی محفلوں کی صدارت کرنے لگا۔ وہ اپنے ہاتھ میں ہر وقت چاندی کا عصا رکھتا۔

۲۔ قسطنطین کے قدیم نظام میں محاسب (Logothete) کا لقب اُس عہدیدار سے مخصوص تھا جو شاہی حسابات کی نگرانی کرتا تھا۔ یہ افسر اُن تمام شعبہ جات کی نگرانی کرتا جن کا تعلق نجی اور سرکاری خزانوں سے ہوتا، اور فوجی حسابات بھی اُسی کی نگرانی میں طے کیے جاتے، وہ قانون اور محاصلات کا بھی نگران ہوتا، اُن بادشاہوں میں اُس کا رُتبہ موجودہ وزیرِ خزانہ کے برابر ہوتا۔ وہ دیوانی انتظامیہ پر گہری نظر رکھتا اور شہر کا محافظِ اعلیٰ اُس کے فرائض کی انجام دہی میں اُس کی مدد کرتا۔ اس کے علاوہ معتمدِ اعلیٰ اور شاہی مہر بردار بھی اس کے ہمراہ کام کرتے۔ لیکن آثارِ قدیمہ کے معاملات بادشاہ کی ذاتی نگرانی میں طے کیے جاتے۔ سرخ یا جامنی روشنائی صرف بادشاہ کے دستخطوں کے لیے مخصوص ہوتی۔ وہ لوگ جو بیرونی سفیروں سے گفت و شنید کرتے یا بادشاہ اور اُن کے مابین ترجمانی کے فرائض ادا کرتے وہ عظیم اور باکمال افراد سمجھے جاتے۔ ان میں دو نام ایسے تھے جو نسلی لحاظ سے ترک تھے اور ماہرینِ تاریخ اُن کے ناموں سے ناآشنا نہیں۔

۳۔ محافظین کے کمزور اسلوب اور گھٹیا خدمات کی وجہ سے محلاتی ملازمین جرنیلوں کے عہدوں پر فائز ہونے لگے۔ مشرق اور مغرب کے فوجی معاملات میں اور یورپ اور ایشیا کے لشکروں کے حوالے سے ان میں

اکثر اختلافات رونما ہو جاتے تو اس معاملے میں بھی محلاتی ملازمین ہی ان کا فیصلہ کرتے۔ داروغۂ محل حقیقت میں بادشاہ کے نائب کا کردار ادا کرنے لگا۔ وہ گھوڑے کی پشت پر سوار ہوتا اور بتدریج مہتمم توشہ خانے کا محل سے باہر کے معاملات میں نائب بن گیا۔ بادشاہ کے شکار کا، خواہ وہ کھلے عام ہو یا عقاب سے کیا جائے، اہتمام بھی وہی شخص کرتا۔ Stratopedarch معدلہ کا سب سے بڑا جج ہوتا اور Protospathaire محافظین کی نگرانی کرتا۔ کانسٹیبل کو Hetacriarch کے نام سے موسوم کرتے اور Acolyth اُن سرداروں کو کہا جاتا جن کا تعلق فرینکوں سے ہوتا۔ وحشی اقوام اور انگریزوں کو اجنبی کہا جاتا۔ جب قوم کی روح میں کمزوری آ گئی تھی تو یہ لوگ بازنطینی افواج اور حکومت کے ارکان کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔

۳۔ بحری قوت عظیم ڈیوک کے ہاتھ میں تھی مگر اس کی غیر حاضری میں عظیم Drungaire کی حسب منشا فرمانبرداری کی جاتی۔ کیونکہ بحری بیڑے کا وہی سالار ہوتا اور اس کی جگہ امیر یا ایڈمرل کے احکام کی پیروی کی جاتی۔ ایڈمرل عربی لفظ امیر البحر کی بگڑی ہوئی صورت تھی۔ مگر اب یہ اصطلاح یورپ کی تمام جدید زبانوں میں اسی بگڑی ہوئی صورت میں مروج ہے۔ یہ تمام افسران اور ان کے علاوہ مزید بھی کئی عہدیدار جن کی تفصیل میں اب جانا بے سُود ہے، دیوانی اور فوجداری سلسلوں میں متعین ہوتے تھے۔ اُن کا اعزاز، تنخواہیں، لباس اور خطابات، اُن کے باہم سلام اور آداب کے طریقہ ہائے کار اور ہر ایک کی اہمیت جمہور کے دستور میں مقرر کر دی جاتی تھی۔ یہ ضابطہ ہمیشہ مکمل ہوتا، اگرچہ یہ بے بنیاد تانے بانے کے سوا کچھ نہ تھا، مگر یہ تمام جذبۂ افتخار یا طوق غلامی سلطنت کے خاتمے کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔

بہت بڑے بڑے خطابات اور اُن کے مقابلے میں ادنیٰ ترین خدام، سب بادشاہ کی عظمت کے عقیدت مند تھے۔ عوام اُس کی خوشامد کرتے تھے اور خوف زدہ بھی رہتے تھے۔ عوام بادشاہ کو سجدہ کرتے اور اُس کے پاؤں چومتے۔ یہ رسم انھوں نے مشرقی غلامی سے اخذ کی تھی۔ بالخصوص اہل فارس کے دربار کے ڈائیوکلیشیان کی تقلید میں ان روایات کو مروج کیا گیا تھا مگر جب تک یونانی بادشاہت جاری رہی یہ رسوم بھی جاری رہیں مگر اتوار کے روز اس کی پابندی نہ کی جاتی کیونکہ یہ دن مذہبی عبادت کے لیے وقف تھا۔ جب بھی کوئی شخص دربار میں آتا تو یہ رسم پوری کرتا۔ تاج و تخت کا احترام کیا جاتا۔ بعض سفیر جو آزاد حکومتوں کے نمائندے ہوتے وہ بھی اس رسم کی پابندی کرتے۔ ان سفیروں میں خلفائے اسلام ایشیا، مصر یا ہسپانیہ، شاہان فرانس اور اٹلی، اور قدیم روم کے لاطینی شہنشاہوں کے سفیر بھی شامل تھے۔ لیوٹ پرانڈ جو کریمونا کا بشپ تھا۔

اُس نے فرینک کی آزاد خیالی کا مظاہرہ کیا۔ اُس نے اپنے آقا اوتھو کے وقار کا خیال رکھا اور اُس نے کہا کہ وہ اس نوعیت کی دربار میں حاضری کو اپنی توہین سمجھتا تھا۔ جب وہ تخت کے قریب پہنچا تو سنہری درخت کے مصنوعی پرندوں کے نغمے ماند پڑنے لگے۔ سونے کے بنے ہوئے دو شیروں کی گرج بھی ان کے ساتھ ہی ماند پڑ گئی۔ لیوٹ پرانڈ کو مجبور کیا گیا کہ وہ سر جھکائے اور سجدہ کرے اور اُس نے تین دفعہ اپنا ماتھا زمین کے ساتھ لگا دیا مگر ابھی تھوڑا وقفہ ہی گزرا تھا کہ تخت اچھل کر چھت کے ساتھ لگ گیا۔ ایک منجنیق نے اپنا کام کر دکھایا۔ باقی ملاقات ایسی صورت میں ہوئی کہ دونوں طرف سے مغرور خاموشی طاری رہی۔ بادشاہ نے خود ہی اپنی عظمت جتانے کے لیے ایسا انتظام کر رکھا تھا۔ کریمونا کا بشپ اس عجیب و غریب واقعہ کا بیان اس طرح کرتا ہے کہ ''بازنطینی دربار جو ابھی تک اپنی عظمت کا دعویٰ کرتا ہے۔ درحقیقت ماسکو یعنی روس کی مدد کے سہارے زندہ ہے۔'' طویل بری اور بحری سفر کے بعد ایک سفیر وینس سے قسطنطنیہ پہنچا اور طلائی دروازے کے سامنے کچھ وقت کے لیے قیام پذیر ہوا۔ مقررہ وقت پر افسر مہمانداری نے اُسے اس دروازے سے شاہی محل تک پہنچا دیا۔ جہاں پر اس کے استقبال کی تیاری کی جا چکی تھی۔ یہ محل تو ایک قسم کا قید خانہ تھا، اس کے حاسد نگرانوں کو یہ اجازت نہ تھی کہ وہ کسی مہمان کے ساتھ کسی قسم کی گفتگو کریں۔ خواہ وہ اجنبی ہو یا اسی ملک کا باشندہ ہو۔ اپنی پہلی حاضری میں اُس نے اپنے آقا کی طرف سے تحائف پیش کیے۔ ان میں غلام، طلائی کمربند اور قیمتی اسلحہ شامل تھا۔ اُسے بتایا گیا کہ بادشاہ اپنے افسران کو کیا تنخواہ ادا کرتا ہے اور سلطنت کی امارت کی کیا حالت ہے۔ اُسے شاہی دعوت میں شامل ہونے کا موقع بھی فراہم کیا گیا۔ اس دعوت میں مشرقی ممالک کے سفیروں کی خصوصی عزت کی گئی یا توہین کی گئی۔ بہرحال اُن سے امتیازی سلوک برتا گیا۔ بادشاہ نے اپنی میز پر سے وہ طشتریاں اُن کو بھجوائیں جن کو وہ چکھ چکا تھا۔ بادشاہ نے بطور خصوصی عنایت، اپنے پسندیدہ افراد کو خلعت دے کر رخصت کر دیا۔ ہر روز صبح و شام اس کے فوجی ملازمین اپنی اپنی خدمت پر محل میں حاضر ہو جاتے۔ اُن کی خدمت کا معاوضہ محض اس قدر ہوتا کہ بادشاہ ان کی طرف مسکرا کر دیکھ لیتا۔ یا صرف سر ہلا دیتا۔ مگر دارالحکومت کا ہر شخص بادشاہ کے رعب اور دبدبے کے سامنے خاموشی اختیار کر لیتا۔ جب وہ معمول کے مطابق یا غیر معمولی جلوس نکالتا اور دارالحکومت کی سڑکوں پر سے گزرتا تو وہ عوام کو اپنا چہرہ دکھانے کے لیے نقاب پہن لیتا۔ حکمتِ عملی کی تمام رسمیں مذہبی حکمتِ عملی سے منسلک ہوتیں اور جب وہ اپنی حاضری کے لیے کسی مخصوص گرجا گھر کا انتخاب کرتا تو اس غرض کے لیے یونانی تقویم کو مدنظر رکھتا۔ جب کبھی یہ جلوس نکالے جاتے تو نقیب آگے آگے چلتے اور بادشاہ

کے عزائم کا بلند آواز سے اظہار کرتے جاتے۔ گلیاں خالی کرائی جاتیں اور اُنھیں صاف کر دیا جاتا۔ راہداریوں پر پھول نچھاور کر دیے جاتے۔ لوگ اپنی کھڑکیوں اور چھجوں پر بہت قیمتی فرنیچر رکھ دیتے اور ریشمی پارچہ جات لٹکا دیتے۔ خواجہ سرا اور خانگی ملازمین بادشاہ کی حفاظت کا فرض ادا کرتے۔ جب یہ گرجے کے دروازے پر پہنچتا تو اُسقف اور پادری دونوں صدر دروازے پر اس کا استقبال کرتے۔ مجمع اس موقع پر بھی اپنی بلند اور بھدی آواز میں نعرہ بازی کرتا رہتا۔ جو سب سے بہترین مقامات ہوتے اُن پر نیلی پوشوں اور سبز پوشوں کے دستے قابض ہو جاتے۔ ان کے وہ اختلافات جن کی وجہ سے شہر غرق ہوتے ہوتے رہ گیا تھا اب صرف رقابت تک محدود ہو گیا تھا۔ ہر طرف سے یہ لوگ بادشاہ کی تعریف میں نغمے الاپ کر اپنا اپنا اطمینان کر لیتے۔ مغنی اور شاعر اُن کے نغموں کی رہنمائی کرتے۔ اس طرح ہر گیت مکمل کر لیا جاتا۔ رات کی دعوت تک یہ نغمہ سرائی جاری رہتی۔ ہر نغمے کا موضوع یہ ہوتا کہ بادشاہ کو طویل اور خوشحال زندگی حاصل ہو۔ جب کسی کو شرف باریابی حاصل ہوتا تو وہ شخص بھی اسی قسم کی دُعائیں دیتا۔ دعوت کے دوران، گرجا گھر میں، اور دورانِ سفر طویل راستوں پر لاطینی، گوتھ، فارسی، فرانسیسی، بلکہ انگریزی زبان میں بھی یہ نعرے لگائے جاتے۔ ان میں سے اکثر رضا کار ہوتے، یا مفرور ہوتے جو اپنی اصل قوم کے کردار کو بھی برقرار رکھنا چاہتے۔ قسطنطین پورفیروجینی طوس، کے قلم سے اس فن کے متعلق جو خوشامد ہی کی ایک قسم ہے، شعرا کے طبقات متوجہ ہوئے، اس نے قصیدہ گوئی کی صورت اختیار کر لی جس میں آئندہ نسلوں نے بہت زیادہ اضافہ کیا۔ چونکہ حکمران ان تعریفوں پر صرف خاموش ردِعمل کا اظہار کرتے ہیں، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کام ہر دور میں اور ہر حکمران کے ساتھ کیا جاتا رہا ہے۔ شاید اُس کے ذہن میں ہو کہ خود اُس کی اپنی آواز ہمیشہ دوسروں سے بلند ہوتی ہے اور اُسے دوسروں سے اپنی تعریف سننے کی خواہش بھی ہوتی ہے۔ بعض اوقات قصیدہ گوئی اُس دور میں ہوتی ہے جب کوئی بادشاہ انتہائی خوش قسمتی کے دور سے گزر رہا ہو یا وہ اپنے پیشرو حکمرانوں کی زندگی کے خلاف سازش کر رہا ہو۔

قسطنطین کا کہنا ہے کہ شمالی ممالک کے بادشاہوں کا نہ تو ایمان مکمل تھا اور نہ اُنھیں کوئی خاص شہرت حاصل تھی۔ وہ کوشش کرتے تھے کہ کسی طرح وہ اپنے خون میں قیصرانِ روم کا خون شامل کر لیں۔ اس غرض سے وہ شاہی خاندان کی کسی کنواری لڑکی سے شادی کرنا چاہتے۔ یا وہ اپنی بیٹی کی کسی بادشاہ سے شادی کرنا چاہتے، وہ اپنے بیٹے کو ہدایت کرتا ہے جس میں وہ اُسے فخر اور حکمتِ عملی کے راز آشکار کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس غرض کے لیے وہ بہت عمدہ استدلال پیش کرتا ہے کہ اس غیر فطری مطالبے کو تسلیم کرنے سے کیوں انکار کر دینا

چاہیے۔ وہ کہتا ہے کہ ہر حیوان اپنی جفتی کے لیے صرف اپنی نسل کے حیوان ہی کا انتخاب کرتا ہے اور انسانی نسل کو مختلف قبائل میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اور ان قبائل کی زبان، مذہب اور اسلوبِ حیات میں اختلاف ہوتا ہے اور جب نسلی خصوصیات محفوظ رہتی ہیں تو پھر نجی اور اجتماعی زندگی کی خصوصیات بھی قائم رہتی ہیں لیکن جب کسی خاندان میں غیر ملکی خون شامل ہو تو پھر بدنظمی اور اختلافات کا بھی آغاز ہو جاتا ہے۔ رومی شہنشاہوں کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے اور عقل مند بادشاہ اسی پر عمل کرتے رہے ہیں۔ اُنھوں نے ہمیشہ اجنبی افراد یا عام شہریوں سے شادی کرنے سے انکار کیا ہے۔ جب آزادی اور نیکی کا دور تھا تو کوئی رکن مجلس دستور ساز یہ خواہش کرتا کہ اُس کی بیٹی کی شادی کسی بادشاہ سے ہو جائے۔ مارک انطونی نے ایک مصری خاتون سے شادی کر لی تو اس وجہ سے اُس کی شہرت کو بہت نقصان پہنچا اور شہنشاہ طائی طوس کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی ملکہ کو الگ کر دے جو عوام کو قبول نہ تھی۔ حالانکہ ملکہ برنیس خود بھی اُس سے علیحدہ نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس طرح کے کسی قانون کو جس میں بادشاہ کو حدود توڑنے کا اختیار ہو شہنشاہ قسطنطین نے منظور کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ مختلف اقوام کے سفیر بالخصوص کفار اقوام کے سفیروں کو سختی سے تنبیہ کر دی گئی تھی کہ اس نوعیت کے اتحاد کو عیسائیت اور شہر کے بانی نے سختی سے ناجائز اور ممنوع قرار دے دیا ہے۔ اس قانون کو سینٹ صوفیہ کی منظوری سے ناقابلِ تنسیخ بنا دیا گیا تھا۔ اُس کی قربان گاہ پر اس کا حلف لے لیا گیا تھا۔ وہ ناپاک شہنشاہ جو اس حلف کو توڑے اور خون کی پاکیزگی کو آلودہ کرے، اُسے کسی انتظامی یا کلیسیائی اجتماع میں شمولیت کی اجازت نہیں ہو گی۔ اگر سفیروں میں سے کسی شخص کو بازنطینی تاریخ میں گمراہ کیا گیا تھا یا اُنھیں غلط اطلاعات فراہم کی گئی تھیں تو اُنھیں یہ ہدایت کی گئی کہ وہ اس متخیلہ قانون کی خلاف ورزی کے متعلق تین شہادتیں پیش کریں۔ لیو کی شادی بلکہ اُس کے باپ کی بھی شادی (قسطنطین چہارم) کوزاروں (Chozars) کے بادشاہ کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ رومانوس کی پوتی کی شادی بلغاریہ کے ایک بادشاہ سے ہوئی تھی اور برتھا جس کا تعلق فرانس یا اٹلی سے تھا، اُس کی شادی چھوٹے رومانوس سے ہوئی تھی جو قسطنطین پورفائروجینی طوس کا حقیقی بیٹا تھا۔ ان اعتراضات کے تین جوابات تیار کیے گئے جن سے مشکل حل ہو گئی اور قانون درست پایا گیا۔

ا۔ قسطنطین کو پرونائی موس کے اعمال اور گناہ تسلیم کر لیے گئے۔ ایسا عوریہ کے لوگ واقعی ملحد اور زندیق تھے۔ اُنھوں نے اصطباغ سے انکار کر دیا تھا اور مقدس ہستیوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تھا۔ اس ناپاک اتحاد سے اُس نے جرم کا ارتکاب کیا مگر اپنے آپ کو کلیسا کے احتساب کے لیے پیش کر دیا اور اپنا فیصلہ

کلیسا اور آئندہ نسلوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔

۲۔ رومانوس کو کبھی جائز شہنشاہ تسلیم نہیں کیا گیا۔ وہ نیچ ذات کا فرد اور غاصب تھا۔ اُسے قوانین کا کوئی علم نہ تھا، اُسے بادشاہ کی عزت واحترام کی بھی کوئی پروا نہ تھی۔ اُس کا بیٹا کرسٹوفر، جو دُلہن کا باپ تھا، اُسے بادشاہوں کی صف میں تیسرے درجے پر رکھا گیا۔ وہ رعایا کا فرد بھی تھا اور باغیوں کے گروہ میں بھی شامل تھا۔ اُسے ایک باغی باپ ہی کی حیثیت دی گئی۔ بلغاری مخلص تھے اور عیسائیت پر اُن کا پختہ اعتقاد تھا۔ اُنھوں نے عیسائیت کی حفاظت کی اور کئی ہزار عیسائی قیدیوں کو نجات دلائی اور اُن کا سارا دارومدار اسی اتحاد پر تھا۔ لیکن اس کے باوجود اُسے قسطنطین کے قانون سے کسی طرح مبرا نہیں کیا جا سکتا۔ مذہبی پیشوا اور مجلس دستور ساز سب نے رومانوس کے کردار کو درست تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اُس کی زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی عوامی عدم احترام کا سامنا کرنا پڑا۔

۳۔ جب اس نے اپنے بیٹے کی شادی اٹلی کے بادشاہ ہیوگو کی بیٹی سے کر دی تو اس کا دفاع عاقل پروفائر وجینی طوس نے پیش کیا ہے۔ عظیم اور مقدس قسطنطین نے فرینکوں کی وفا اور جرأت کی بہت تعریف کی ہے اور اُس کی پیغمبرانہ دانش مندی نے اُن کے مستقبل کی صلاحیتوں اور عظمت کا اندازہ کر لیا تھا۔ ایک عام امتناع سے صرف ان افراد ہی کو استثنا دیا گیا۔ شاہِ فرانس ہیوگو، شارلیمین کی نسل سے تھا۔ اُس کی بیٹی برتھا کو اس ملک اور اپنی نسل پر صوابدیدی اختیارات حاصل تھے۔ چونکہ ہر شے صداقت پر مبنی تھی اور اس میں کوئی برائی یا بدنیتی بھی موجود نہ تھی۔ اس لیے شاہی دربار سے اس معاملے میں کسی قسم کی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔ ہیوگو کی خاندانی جائیداد فرانس سے منتقل کر لی گئی اور آرلیز جیسے سادہ ملک کے قبضے میں دے دی گئی۔ اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُن ایام کے عدم استحکام کی وجہ سے اُس نے اٹلی کے صوبے پر قبضہ کر لیا اور باقی ماندہ حصوں پر بھی حملہ کر دیا۔ اُس کے والد کا تعلق ایک شریف خاندان سے تھا اور برتھا کی ماں کا سلسلۂ نسب کارلو ونجی خاندان کے بادشاہوں سے ملتا تھا مگر اس سلسلے کی ہر کڑی یا تو ناجائز اولاد اور بدکاری سے مملو تھی۔ ہیوگو کی ماں والڈراڈا ایک کنیز تھی اور لوتھائر دوم کی بیوی نہ تھی۔ اُس نے پہلے زنا کیا پھر طلاق حاصل کی، پھر دوبارہ نکاح کیا جس کی وجہ سے دینی کن کی طرف سے اس کے خلاف لعنت ملامت کا طوفان کھڑا کر دیا گیا۔ اُس کی ماں جسے عظیم برتھا کہا جاتا ہے آرلیز کے کاؤنٹ کی بیوی تھی اور ٹسکنی کا نواب بھی اسی کا بیٹا تھا۔ اُس کی بہادری کی وجہ سے فرانس اور اٹلی اُس کے دام میں آ گئے اور تقریباً ساٹھ سال تک ہر درجے کے اُمرا اُس کے غلام بن کر رہے

اور اُس کے اندازِ حیات کی نقل کی جاتی رہی تھی۔ ان کے عزم و حوصلے اور حکمتِ عملی کی وجہ سے وہ اپنے خاندان کی حفاظت کی طرف سے مطمئن ہوتے۔ وہ اپنی اراضی کی حفاظت کر سکتے اور اپنے خلاف ہونے والی کارروائیوں کا انتقام لے سکتے۔ گویا وہ بڑے بڑے فاتحین جیسے کارنامے انجام دے سکتے، وہ دفاعی جنگ کے بہانے دوسروں کی حدود میں داخل ہو جاتے۔ جب کبھی انھیں خطرات کا سامنا ہوتا تو یہ اپنی مادی اور دماغی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے اور اس مقاصد کے پیشِ نظر یہ اپنے دوستوں سے بے وفائی کرتے۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے محافظین کے پہرے میں سو جائیں یا اپنے حاکمانِ اعلیٰ پر اعتماد کریں وہ اپنے ملک اٹلی کے بادشاہ کی بھی نافرمانی کرتے اور اُس کے اختیارات کی بھی خلاف ورزی کرتے۔ اُس کی تین محبوب کنیزیں تھیں اُن کے بہت کلاسیکی نام رکھے گئے تھے وینس، جیونو اور سیملی، وینس کی بیٹی کو بازنطینی دربار کی خواہش کے مطابق اُن کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ اُس کا نام برتھا تھا جو تبدیل کر کے یوڈوکسیا رکھ دیا گیا۔ اُس کی شادی یا منگنی نوجوان رومانوس سے کر دی گئی۔ جو مشرقی سلطنت کا مستقبل کا ولی عہد تھا چونکہ دونوں افراد نابالغ عمر کے تھے۔ اس لیے اس بین الاقوامی اتحاد کو معطل کر دیا گیا۔ جب اس معاملے کے بعد پانچ سال کا عرصہ گزر گیا تو کنواری منگیتر کی موت کی وجہ سے یہ اتحاد بھی ختم کر دیا گیا۔ شہنشاہ رومانوس کی دوسری بیوی کا تعلق چھوٹے خاندان سے تھا مگر وہ روم کی پیدائشی شہری تھی۔ مگر اُن کی دو بیٹیاں تھیوفانو، اور این کی شادیاں دو شہزادوں سے کر دی گئیں۔ بڑی بیٹی کی شادی عظیم اوتھو کے بڑے بیٹے سے ہو گئی تا کہ دونوں مملکتوں میں امن کی ضمانت فراہم کی جا سکے۔ اُس نے اس اتحاد کا خود مطالبہ کیا تھا اور اس کے لیے سفارت اور تلوار دونوں سے کام لیا تھا۔ قانونی طور پر اس پر اعتراض کیا جا سکتا تھا کہ ایک سیکسن کو فرانسیسی قوم کے حقوق کس طرح دیے جا سکتے ہیں مگر ایک ہیرو کی نیک چلنی اور بہادرانہ صفات کے سامنے کوئی بھی اعتراض نہ کیا جا سکا کیونکہ اسی کی وجہ سے مغربی سلطنت بحال ہوئی تھی۔ جب تھیوفونو کا سسر اور خاوند دونوں فوت ہو گئے تو روم کی حکومت اسی کے ہاتھ میں آ گئی جس میں اٹلی اور جرمنی بھی شامل تھے اپنے بیٹے اوتھو سوم کی نابالغ عمری میں لاطینی بار بار یہ اعتراض کرتے تھے کہ ایک ملکہ کو حکومت کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ اُس کا سب سے بڑا فرض تو یہ تھا کہ وہ اپنے آبائی وطن کو یاد رکھتی۔ جب اس کی بہن این کی شادی ہوئی تو ہر قسم کا تعصب ختم ہو گیا اور ہر قسم کے استدلال کو ضرورت اور خوف کے زیرِ اثر ختم کر دیا گیا اور وقار کے تمام تقاضے نظر انداز کر دیے گئے۔ شمال کا ایک روسی کافر بادشاہ وولوڈومیر تھا۔ اُس نے بھی اس خواہش کا اظہار کیا کہ روم کی ایک شہزادی کا اُس سے بیاہ کر دیا جائے اور اُس کا یہ مطالبہ جنگ کی دھمکیوں

کے ساتھ پیش کر دیا گیا تھا۔ اُس نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ وہ عیسائی مذہب اختیار کرے گا اور یہ بھی کہ وہ ایک مضبوط باغی کے خلاف موزوں کمک بھی فراہم کرے گا۔ وہ اس کے ملک اور مذہب کا زخم خوردہ تھا۔ اُس نے یونانی ملکہ کو زبردستی اُس کے محل سے باہر نکال دیا۔ یہ محل اُس کے آباؤاجداد کی ملکیت تھا۔ اور یہ حکم دیا تھا کہ وہ یہ ملک چھوڑ کر قطب شمالی کے قریب اپنی حکومت قائم کر لے۔ اس کے باوجود این کی شادی خوش قسمت اور ثمر آور ثابت ہوئی۔ اس کے پوتے جیروسلاوس کی شادی اس کے خاندان میں تجویز کی گئی۔ ہنری اوّل نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اُسے یورپ کی آخری حدود سے کوئی یورپی اور عیسائی بیوی مل جائے۔

بازنطینی محل میں شہنشاہ بذات خود اُن تقریبات کا غلام بن گیا جو اُس نے بڑی سختی سے رائج کرنے کی خود تجویز پیش کی تھی۔ وہ ان رسوم کی حرف بحرف بلکہ ہر اشارے کی تعمیل کرتا، اُس نے اپنے آپ کو محل میں محصور کر لیا اور جو کبھی کبھی دیہات کی تنہائی اور تفریح سے مستفید ہوتا تھا، اس سے بھی اپنے آپ کو محروم کر لیا، مگر اُس دور کے دستور کے مطابق رعایا کے کروڑوں افراد کی قسمت اُس کے عزم وارادے سے منسلک تھی، اور مضبوط ترین اذہان ظاہری شان وشوکت اور عیاشی سے نفرت کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اپنے دیگر ہمعصر اور مساوی حیثیت کے ممالک پر اپنی حکومت قائم کریں۔ تمام دستوری اور انتظامی اختیارات تنہا بادشاہ کی ذات میں مرکوز تھے مگر لیو جو فلسفیانہ مزاج کا بادشاہ تھا، اُس نے یہ تمام اختیارات ختم کر دیے۔ اہلِ یونان کے اذہان میں برسرِ اقتدار افراد کی تابع فرمانی کی عادت پختہ ہو چکی تھی۔ اس کے باوجود بغاوت کے ہنگامے زور پکڑ چکے تھے۔ اُنھوں نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ کوئی ایسا دستور مرتب کر لیا جائے جو عوام کی آزادی کی ضمانت دے مگر اُن کی فکر اسی حد تک محدود تھی کہ بادشاہ کا انفرادی کردار ہی عوام کے لیے مسرتیں پیش کر سکتا ہے۔ اوہام پرستی نے اُن کی غلامی کی زنجیروں کو مزید مضبوط کر دیا تھا۔ سینٹ صوفیہ کے گرجا گھر میں اسقفِ اعظم نے اُس کی تاج پوشی کی رسم بڑی متانت سے ادا کر دی۔ قربان گاہ کے قدموں میں کھڑے ہو کر عوام نے اُس کی وفاداری اور اُس کے خاندان کی تابع فرمانی کا حلف لیا۔ جہاں تک اُس کی ذات کا تعلق ہے اُس نے کبھی کسی کو سزائے موت یا قطع اعضا کی سزا نہیں دی۔ اُس نے اپنے صحیح العقیدہ ہونے کی تفصیل خود اپنے ہاتھ سے تحریر کی ہے۔ اس نے سب سے یہی کہا کہ سات اجتماعات کے فیصلوں پر عمل کیا جائے اور مقدس کلیسا کے قوانین سے رہنمائی حاصل کی جائے مگر رحم وکرم کی یقین دہانی محکم نہ تھی بلکہ غیر مستقل تھی۔ اُس نے عوام کے سامنے قسم نہیں کھائی۔ بلکہ ایک ایسی ہستی کو گواہ بنایا جو غیر مرئی ہے۔ ماسوائے الحاد کے جرم کے افلاک کے مشیر ہمیشہ معافی کے لیے زور

دیتے رہتے تھے اور بادشاہ کی بے محل دخل اندازی کو بھی برداشت کرنے کی تاکید کرتے تھے۔ یونان کے اہل کلیسا بھی دیوانی حاکم اعلیٰ کی رعایا تھے۔ اس ظالم کے ایک اشارے پر لوگوں کو بشپ بنا دیا جاتا یا بشپوں کو تبدیل کر دیا جاتا۔ یا اُن کو ملازمت سے علیحدہ کر دیا جاتا یا اُنھیں بدنام کر کے مار دیا جاتا۔ اس کے پاس خواہ کتنی دولت ہو یا ان کا اثر ورسوخ خواہ کتنا بھی ہو۔ اُن کی وہ حیثیت نہ تھی جو قسطنطنیہ کے پادریوں کی تھی جس شے سے وہ خفیہ طور پر حسد کرتا تھا۔ وہ اس کے ہم پیشہ افراد کی وہ عزت تھی جو اُنھیں روم میں میسر تھی۔ اس کے باوجود لامحدود مطلق العنانیت پر عمل خود فطرت کے تقاضوں اور زمانے کی ضروریات کے تحت محدود ہو جاتا ہے۔ جب دانائی اور نیکی میں توازن پیدا ہو جاتا ہے تو کسی بھی سلطنت کا فرمانروا اپنے مقدس اور محنت طلب فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یہ فرائض اتنے وزنی ہوتے ہیں کہ بہت سے اختیارات خود بخود اس کے ہاتھ سے نکل کر اس کے ماتحتوں کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں اور کاروبارِ سلطنت کی باگ ڈور اس کے وزرا اور دیگر افسران کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ بھی عوام کو دبا کر رکھنے کے شغل میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ بعض تباہ کن لمحات میں بڑے سے بڑا مطلق العنان اور ظالم حاکم اپنے غلاموں کی قوت سے خوف کھانے لگتا ہے اور یہ ثابت ہو گیا ہے کہ جو کچھ بھی دھونس اور دھاندلی سے کمایا جاتا ہے، اسے فرائض کی ادائیگی میں ضائع کر دیا جاتا ہے۔

جب کبھی بھی مطلق العنانیت کا خطاب قبول کیا جائے تو اس کی حفاظت کے لیے پھر تلوار پر انحصار ناگزیر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ وقت ضرور آ جاتا ہے کہ اُسے اپنے خارجی اور داخلی دشمنوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا پڑتا ہے۔ شارلیمن کے دور سے لے کر صلیبی جنگوں تک یہ دُنیا (چین کی بادشاہت کو نظر انداز کر دیں) تین حکومتوں کے زیرِ فرمان تقسیم ہو چکی تھی، یونانی، عرب اور فرینک۔ ان کی فوجی قوت کا اندازہ ایک موازنے سے کیا جا سکتا ہے جس میں اُن کے فنِ حرب، ذرائع اموال، حوصلے اور یہ کہ اُن کے حاکم اعلیٰ کی فرمانبرداری کی صفات شامل ہیں کیونکہ صرف یہی شخص مملکت کی تمام توانائیوں کو بروئے کار لا کر استعمال کر سکتا تھا۔ یونانی اس معاملے میں دوسری اقوام کے مقابلے میں کم نہ تھے۔ مگر کسی حد تک فرینکوں پر انھیں برتری حاصل تھی۔ مگر وہ عربوں کی ہرگز برابری نہ کر سکتے تھے۔ انھیں فنونِ حرب میں دوسرا، تیسرا درجہ ہی دیا جا سکتا ہے۔

چونکہ یونانی امیر تھے۔ اس لیے وہ غریب اقوام سے خدمات خرید سکتے تھے۔ یہ ایک بحری بیڑہ رکھ سکتے تھے جو ان کا تحفظ بھی کرتا اور اس سے یہ اپنے حریف ممالک کو بیزار بھی کر سکتے۔ وہ قسطنطنیہ کا سونا خرید کر

سکاٹھیوں اور ترکوں کا خون خرید لیتے بلغاریوں اور روسیوں سے بھی یہ اس نوعیت کا فائدہ اٹھا لیتے۔ ان اقوام کی بہادری سے ہی نائسی فورس اور زیمسکی نے فتوحات حاصل کیں۔ انھوں نے ان کے تعاون سے حریف ممالک کو اُن کی حدود کے اندر تک محدود کر دیا۔ اگر کوئی دشمن قوم ان کی حدود کے اندر داخل ہو جاتی یا بہت قریب آ جاتی تو یہ اپنے ملک کا دفاع کر لیتے یا پھر اُس سے صلح کے معاہدے کی خواہش کا اظہار کرتے اور کسی دور افتادہ قبیلے پر اچھی طرح سے منصوبہ بندی کر کے حملہ کر دیتے۔ بحیرۂ روم پر اپنا قبضہ برقرار رکھتے جو طنائس کے دہانے سے لے کر ہرکلس کے ستونوں تک کا علاقے ان کی قلمرو میں شامل رہتا۔ یہ علاقہ قسطنطین کے جانشین ہمیشہ اپنے قبضے میں رکھتے اور اگر کچھ حصہ ان کے ہاتھ سے نکل جاتا تو اُس کا مطالبہ کرتے رہتے ان کا دارالحکومت بحری ذخائر اور اسلحے کے گوداموں سے بھرپور رہتا، یہ شہر یورپ اور ایشیا کے عین درمیان میں واقع تھا۔ اس کا ساحل بہت طویل اور جھیلیں بہت گہری تھیں۔ ان کے پاس متعدد جزیرے تھے، جن کی آبادی جہاز رانی کی عادی تھی۔ انھیں وینس اور ملحقہ ممالک سے تجارت یہ فائدہ تھا کہ انھیں نئے ملاحوں کے حصول میں کوئی کمی درپیش نہ ہوتی اور شاہی بیڑہ اس معاملے میں ہمیشہ کافی رہتا۔ جب سے پہلو پونیشی اور پیونی جنگیں ہوئی تھیں، پھر میدان کارزار اس سے زیادہ وسیع کبھی نہیں ہوا اور اس کے بعد فن جہاز سازی بھی زوال پذیر ہو گیا۔ ایسے جہاز بن رہے تھے جن میں تین، چھ یا دس چپو چلائے جاتے تھے۔ یہ جہاز یا تو لہروں پر ایک دوسرے سے بلند ہو جاتے یا ایک دوسرے کے عقب میں نیچے رہ جاتے۔ اس صورت حال پر قابو پانے کے طریقے سے قسطنطین کے جہاز ساز بالکل نا آشنا تھے اور موجودہ دور کی مشینی جہاز سازی سے تو وہ قطعی طور پر ناواقف تھے۔ وہ ایسی کشتیوں پر بھی مطمئن تھے جو صرف دو چپوؤں سے چلتیں۔ ان میں پانچ سے بیس نشستوں تک کا انتظام ہوتا۔ ہر نشست پر دو ملاح بیٹھتے جو کشتی کے دونوں اطراف کے چپو چلاتے، ان کی تعداد میں ہم جہاز کے کپتان کا بھی اضافہ کر سکتے ہیں۔ جب حملے کا وقت ہوتا تو وہ اپنے گولہ اندازوں کے درمیان سیدھا بیٹھ جاتا۔ دو ملاح چپو چلاتے رہتے اور دو آگ کی نلکی لے کر دشمن پر بارود برساتے رہتے۔ جو مائع شکل میں ہوتا۔ جیسا کہ قدیم دور سے چلا آ رہا تھا۔ تمام ملاح بیک وقت کئی فرائض انجام دیتے وہ ملاحی بھی کرتے اور فوجی خدمات بھی بجا لاتے، اُن کے پاس تیر اور کمان بھی ہوتی جو وہ کشتی کے بالائی حصے سے پھینکتے رہتے۔ ان کے پاس لمبے نیزے بھی ہوتے جو وہ کشتی کے نچلے حصے سے باہر نکال کر چبھو دیتے۔ کبھی کبھی یہ جہاز بہت بڑے اور مضبوط بھی تعمیر کر لیے جاتے۔ ان میں دو سو تیس ملاح اور ستر سپاہی ہوتے مگر بالعموم یہ اس قابل ہوتے

کہ جنگ کر سکیں اور اُن کا حجم بھی اتنا ہو گا کہ قابو میں رہے جبکہ پیلو پونی سوس میں مالیہ کی راس ابھی تک قدیم دور کے خوف و ہراس سے متاثر تھی۔ اس لیے بحری بیڑہ یہاں سمندر میں داخل کرنے کی بجائے کورنتھ میں خاکنائے کے مقام پر پانچ میل خشکی پر سے گزار لیا جاتا۔ تھیوسی ڈی کے زمانے سے لے کر اب تک جہاز رانی کے اُصولوں میں کوئی تبدیلی نہ آئی تھی۔ کشتیاں ابھی ہلال نما صورت میں تشکیل دی جاتیں جبکہ ان کی چونچ خاصی تیز ہوتی اور فریق مخالف کے کمزور پہلوؤں میں چھید کر دیتیں۔ پتھروں اور چٹانوں سے بچنے کے لیے کشتیوں کے پیندے پر انتہائی سخت لکڑی لگائی جاتی۔ ایسا انتظام کر لیا جاتا کہ جب مسلح افراد کو فضا میں بلند کرنے کی ضرورت پیش آتی تو اُنھیں کرین سے فضا میں بلند کر لیا جاتا۔ ملاح خطرات کے دوران جو زبان استعمال کرتے وہ موجودہ دور کی قائم کردہ علامات سے چنداں مشکل نہ تھی۔ اُس کے لیے جھنڈوں کے رنگ مقرر تھے اور دیگر اشارات بھی مروج تھے جو موجودہ دور کے مقابلے میں زیادہ مکمل نہ تھے۔ رات کی تاریکی میں وہ جدید دور کے مطابق ہی کسی کا تعاقب کرتے، دفاع کرتے یا کہیں رک جاتے یا پسپائی اختیار کر لیتے اور روشنی کی مدد سے دوسری کشتیوں کی رہنمائی کرتے۔ خشکی پر سے اشارات کے تکرار کے لیے کوئی پہاڑی منتخب کر لی جاتی۔ جہاں سے دوسری پہاڑی پر بھی اشارات کا انتظام کر لیا جاتا۔ پانچ سو میل کے طویل ساحل پر مختلف مقامات پر آٹھ روشنی گھر تعمیر کر لیے گئے تھے۔ اس کا فائدہ یہ تھا کہ عربوں کی طرف سے طرسوس میں کوئی منصوبہ بندی ہوتی تو چند گھنٹوں میں اُس کی خبر قسطنطنیہ میں ہو جاتی۔ یونانیوں کی قوت کا کسی حد تک اندازہ کیا جا سکتا تھا۔ بازنطینی شہنشاہوں نے ایسا دفاعی انتظام اور اسلحہ تیار کر رکھا تھا کہ کریٹ تک کا علاقے پر اُن کا غلبہ رہتا۔ وہ ہر معاملے کا گہری نظر سے جائزہ لیتے اُن کے بحری بیڑے میں ایک سو دس جہاز تھے، ان کے علاوہ پچھتر ایسے چھوٹے جہاز تھے جو پام فیلیائی نمونے کے تھے۔ انھیں دارالحکومت ہی میں تیار کیا گیا تھا اور یہ بیڑہ دارالحکومت ہی میں اسلحہ سے آراستہ کر لیا گیا تھا تاکہ بحیرۂ ایجیئن کے جزائر تک کے علاقے کی نگہداشت کی جا سکے۔ ایشیا، مقدونیہ اور یونان کی بندرگاہیں، اس کی مار میں ہوتیں۔ چونتیس ہزار ملاح اور سات ہزار تین سو چالیس سپاہی ان پر سوار کیے جا سکتے۔ ان کے آباؤ اجداد کی لیبیانوس کے پہاڑوں سے یہاں منتقل کیا گیا تھا۔ ان میں سات سو روسی بھی شامل تھے اور پانچ ہزار ستاسی مردائطی بھی تھے۔ ان کی غالباً ماہانہ تنخواہ چونتیس سونے کے چھوٹے چھوٹے دانے مقرر تھی۔ ایک دانہ قیراط کے سویں (۱۰۰) حصے کے برابر ہوتا۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دفاع پر کس قدر خرچ ہوتا تھا، کتنے ملبوسات فراہم کیے جاتے تھے کتنی خوراک مہیا کی جاتی تھی۔ کتنے ہتھیار فراہم کیے

جاتے تھے۔ کتنی منجنیقیں تیار کی جاتی تھیں اور کتنے گھوڑوں کو دانہ اور چارا کھلایا جاتا تھا، تو ہم حیران رہ جاتے ہیں کتنے ذخائر درکار ہوتے ہوں گے۔ کتنے برتن مہیا کیے جاتے ہوں گے۔ ایک چھوٹے سے جزیرے کو فتح کرنے پر کتنا خرچ اُٹھتا ہوگا۔ مگر ایک خوشحال آبادی کو یہ سب کچھ برداشت کرنا ہوتا ہوگا۔

یونانیوں نے جو آتشیں اسلحہ تیار کیا تھا، وہ موجودہ بارود کے مطابق نہ تھا۔ اگر چہ اُس کی وجہ سے فن حرب میں ایک مکمل انقلاب آ گیا تھا۔ اس دھماکہ خیز مائع کی وجہ سے قسطنطنیہ اور خود یونانیوں کی آزادی قائم رہی۔ اور بحری جنگوں میں تو خوفناک تبدیلی پیدا ہوگئی یا تو اُنھوں نے سرے سے ترقی ہی نہ کی تھی یا وہ ترقی کرنے کے قابل ہی نہ تھے۔ گوپھن اور دیوار شکن منجنیقیں ابھی تک بہت زیادہ طاقتور اور تباہ کن سمجھے جاتے تھے۔ قلعہ بندیوں پر حملوں اور دفاع دونوں میں استعمال ہوتے تھے۔ ان سے جنگی معرکوں کا بہت جلد فیصلہ نہ ہو جاتا تھا۔ جلد یا سخت شعلہ زنی سے بھی جنگ کا فیصلہ جلد ممکن تھا۔ لوہا اور فولاد ہی ابھی تک دشمن کو تباہ کرنے کا بہترین ذریعہ تھا اور انھیں کے سہارے دفاع کیا جا سکتا تھا۔ خود زرہ بکتر، دسویں اور گیارھویں صدی میں اتنے مفید نہ تھے جس قدر کہ اسکندر اعظم یا اکیلس کے ساتھیوں نے ان سے فائدہ حاصل کیا تھا۔ جدید یونانیوں نے اپنے لشکریوں کو جدید اسلحہ دینے کی بجائے بھاری ہتھیار دینے شروع کر دیے جنھیں سپاہی پہننے کی بجائے رتھوں میں رکھ لیتے اور وہ آگے پیش قدمی کرتے رہتے۔ یہاں تک کہ دشمن کے سامنے آ جاتے۔ اب وہ بددلی سے یا جلد بازی میں اپنا اسلحہ استعمال کرنے کی کوشش کرتے۔ حملہ کے دوران وہ تلوار، جنگی کلہاڑا اور برچھے استعمال کرتے، مگر مقدونیائی برچھے کی طوالت کو انھوں نے ایک چوتھائی تک کم کر دیا تھا۔ جبکہ اس کا صحیح اور آرام دہ طول بارہ ہاتھ یا بارہ فٹ تھا۔ سکاتھی اور عربوں کے تیروں کی تیزی کا بہت جلد احساس ہو جاتا تھا اور یونانی بادشاہ اس پر افسوس کا اظہار کرتے کہ اُن کی شکایت کا باعث اُن کی تیراندازی میں کمزوری ہے اور وہ اس بات کی سفارش کرتے کہ یونانی نوجوانوں کو چالیس سال کی عمر تک تیراندازی کی بھرپور مشق کرنی چاہیے۔ ہر دستے میں تین سو افراد شامل ہوتے۔ لیو اور قسطنطین کے دستوں میں چار اور سولہ کا تناسب تھا۔ اس دور میں یہ تناسب اُن کی اوسط کے حساب سے کر دیا گیا اور یہ تعداد آٹھ مقرر کر دی گئی مگر رسالے میں صرف چار درجے ہوتے اور معقول اُصول یہ تسلیم کیا گیا کہ سب سے آخری گھوڑے پر دباؤ میں اضافہ نہ ہو۔ مگر کبھی یہ ہوتا کہ پیدل فوج اور رسالے کے درجات کو دوگنا کرنا پڑتا تو اس سے یہ ثابت ہوتا کہ عسکریوں میں حوصلے کی کمی ہے جسے وہ خفیہ رکھنا چاہتے ہیں۔ اس صورت میں جب صف بندی ہوتی تو ان کی تعداد معقول معیار سے بہت زیادہ ہوتی۔ ان کا

مقابلہ کرنے کے لیے دشمن کو منتخب عسکری میدان میں لانا پڑتا اور غیر مہذب اقوام کے برچھے اور تلواریں اپنا کام دکھانے سے قاصر رہتیں اور دشمن کو مجبور ہو کر دُہری صف بندی کرنی پڑتی۔ اس لیے اُسے یونانیوں کے خلاف ایک محفوظ کمک بھی رکھنا پڑتی۔ چنانچہ دُہری صف بندی کی وجہ سے یونانیوں کی اُمیدیں برقرار رہتیں۔ جب یہ آگے بڑھ کر دشمن کو پسپائی پر مجبور کر دیتے تو یونانیوں کے حوصلے اور قوت فیصلہ میں کوئی کمی نہ آتی۔ جب دباؤ بڑھتا تو پہلی صف پیچھے ہٹتی اتو اس دوران دوسری صف اور محفوظ کمک مختلف دستوں میں تقسیم ہو جاتے اور میمنہ اور میسرہ کے گرد چکر کاٹ کر یا تو فتح حاصل کر لیتے یا اپنی افواج کو محفوظ پسپائی کا موقع فراہم کر دیتے جس قدر بھی موقع فراہم ہوتا اُس سے فائدہ اُٹھا لیتے اور کم از کم نظریاتی طور پر کامیاب رہتے۔ پڑاؤ اور سفر کے دوران یہ لوگ مشقیں جاری رکھتے اور برابر ترقی کی منزلیں طے کرتے رہتے۔ وہ لوگ جو اس کے عادی ہوتے اور بازنطینی بادشاہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہتے۔ فن کی تخلیق جس قدر بھی ہوتی۔ خواہ وہ کھنڈی، بھٹی یا تجربہ گاہ سے باہر آئے۔ اُس سے بادشاہ کے خزانوں میں اضافہ ہوتا اور صنعتی کارکنوں کو بھی اُن کا حصہ مل جاتا۔ مگر نہ تو مقتدر افراد اور نہ ماہرین فن کوئی نئی مشین ایجاد کر سکتے اور سپاہی بھی بذات خود کچھ نہ کر سکتا اور قسطنطین جب بھی کوئی تقریب منعقد کرتا تو اس کا مطلب صرف اسی قدر ہوتا کہ بادشاہ اپنے سفر سے بخیریت واپس آ گیا ہے۔ اُس کی تدابیر کا مقصد اس سے زیادہ کچھ نہ ہوتا کہ وہ اپنی شکست سے بچ جائے۔ اب جنگ ملتوی کر دی جائے۔ چند عبوری کامیابیوں سے قطع نظر یونانی اپنی اور اپنے ہمسایوں کی تعریف و توصیف میں مستغرق رہتے۔ ایک خنک ہاتھ اور فصیح زبان متعلقہ قوم کی ایک واہیات خصوصیت تھی۔ وہ شخص جو تدابیر تخلیق کرتا رہتا تھا، وہ دارالحکومت میں محصور ہو چکا تھا۔ وہ آخری شخص تھا جو عربوں یا فرینکوں کا نام سنتے ہی کانپ گیا مگر وہ بڑے فخر سے اپنے سونے اور چاندی کے تمغے دکھاتا رہتا جو اُسے قسطنطنیہ کے کمزور بادشاہ کی طرف سے حاصل ہوئے تھے۔ اس حکومت میں کسی حد تک روح یا کردار کی جھلک پیدا ہوئی تھی وہ ان کے مذہب کا کرشمہ تھا ورنہ یونانی اپنے آپ کو صرف یہ درس دے سکتے تھے کہ یا تو تکلیف برداشت کر لیں یا راہ فرار اختیار کر لیں۔ شہنشاہ نائسی فورس جو کبھی کبھی رومیوں کے نام کی لاج رکھنے کی کوشش کرتا تھا، اُس کی خواہش یہ ہوتی کہ عیسائیوں کو شہادت کا درجہ نصیب ہو۔ کیونکہ اُنھوں نے کفار کے خلاف لڑ کر جان دی تھی۔ مذہبی حلقوں سے اُس کی مخالفت کی گئی اور اُس کی سیاسی حکمتِ عملی ناکام ہوگئی۔ بشپ اور مقتدر ارکان مجلس بھی اُس کے خلاف تھے۔ سب نے سینٹ باسل کے قوانین کے حق میں رائے دی کہ وہ تمام لوگ جو خون بہاتے رہے ہیں، تین سال کے لیے

عیسائی قوم کے اجتماعات سے الگ رہیں۔

عیسائیوں کے ان اُصولوں کا ابتدائی مسلمانوں کے خوف سے موازنہ کیا گیا ہے جب کبھی اُنھیں جنگ میں شامل ہونے کا موقع فراہم نہ ہوتا مگر یہاں عربوں کی بلند حوصلگی اور یونانیوں کی انتہائی بُزدلی کا موازنہ کیا جا رہا ہے۔ اس سے دونوں اقوام کے فلسفۂ حیات پر روشنی پڑتی ہے۔ آخری خلیفہ کی افواج اور ساتھیوں میں وہ روح باقی نہ رہی تھی جو صحابہِ رسولؐ میں تھی۔ لیکن اس کے باوجود ابھی تک اُن میں جنگ آزمائی کی قوت باقی تھی۔ ابھی تک اُن کے دل میں شعلۂ ایمانی کی کرن باقی تھی اور وہ صحرانشین جو عیسائی سرحدوں پر آباد تھے، اُن کے دلوں میں تو یہ شعلہ بار بار بھڑک اٹھتا تھا۔ ان کی باقاعدہ افواج میں جو شیلے غلام شامل تھے۔ اُن کو یہی تعلیم دی گئی تھی کہ وہ اپنے آقا کے علم اور ذات کی حفاظت کرتے رہیں اور ہر وقت اُس کے ساتھ رہیں۔ مگر وہ مسلمان جو شام، قلیقیا، افریقہ اور ہسپانیہ میں رہتے تھے وہ جب کبھی جہاد کا طبل بجتا تو وہ اُس میں جوش وخروش سے حصہ لیتے اور کفار کے خلاف ڈٹ جاتے۔ ان کے امرا بھی مرجاتے یا فتح حاصل کرنے کے خواہاں ہوتے اور میدان جنگ میں شہادت کی معراج کے طالب ہوتے۔

ہر فرد خدا کی راہ میں اپنے فرائض ادا کرنے کے لیے مستعد نظر آتا تھا۔ غریبوں میں یہ اُمید پیدا ہوگئی کہ لوٹ مار کے نتیجے میں انھیں بھی شاید کچھ فائدہ حاصل ہو جائے۔ ضعیف اور معذور لوگوں نے اپنی جگہ دوسرے افراد کو بھیج کر اپنا حصہ وصول کرنے کی توقعات قائم کرلیں۔ انھوں نے جو اسلحہ تیار کر لیا تھا وہ اپنی مضبوطی اور دوسری خصوصیات کے لحاظ سے رومیوں کے اسلحے سے مختلف نہ تھا۔ مگر تیراندازی اور شاہسواری میں یہ رومیوں سے بہت بڑھ کر تھے۔ یہ دوسری خوشحال اقوام کے مقابلے میں بھی بہتر تھے اور جنوب کے سیاہ فام تیراندازوں کے علاوہ عرب اپنے آباواجداد کی روایت کے مطابق کھلے عام دلاوری اور مقابلے میں طاق تھے۔ اُن کے پاس گاڑیاں نہ ہوتیں مگر اونٹوں کی لمبی لمبی قطاریں ان کے ہمراہ چلتیں۔ علاوہ ازیں خچر اور گدھے بھی ہوتے۔ اس قدر زیادہ جانوروں کا ایک جگہ جمع ہونا، جن پر یہ جھنڈے باندھ دیتے یا جھالریں لگا دیتے، ان کی شان وشوکت میں اضافہ کرتا۔ دشمن کے گھوڑے جب اونٹوں کی عجیب وغریب صورت دیکھتے اور ان کی ناگوار بو سونگھتے تو وہ پریشان ہو جاتے اور بدنظمی کا مظاہرہ کرتے۔ یہ بڑا صابر جانور ہے۔ پیاس اور گرمی کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ سردیوں کی شدت میں ان کی توانائی میں فرق آجاتا ہے۔ چونکہ یہ رات کو بہت کم سوتے ہیں، لہٰذا عرب ان کی مدد سے راتوں کو شبخون مارتے رہتے۔ جنگ میں ان کی صف

بندی کا طریق یہ تھا کہ یہ لوگ ایک مربع بنا لیتے جس کے اندر دہری صفیں ہوتیں۔ پہلی صف میں تیرانداز ہوتے اور دوسری صف رسالے کی ہوتی۔ یہ بحری اور بری جنگ میں دشمن کے حملے کو بڑے تحمل اور مستقل مزاجی سے روکتے اور اُس وقت تک قطعاً پیش قدمی نہ کرتے جب تک اُنھیں یقین نہ ہو جاتا کہ دشمن کمزور پڑ گیا ہے اور مقابلے کے قابل نہیں رہا۔ اگر اُن کو پیچھے ہٹا دیا جاتا اور اُن کی صفیں ٹوٹ جاتیں تو اس کا اُنھیں علم نہ تھا کہ دوبارہ کس طرح منظم ہو کر حملہ آور ہو سکیں۔ ان پر مایوسی چھا جاتی اور وہ یہ سمجھنے لگتے کہ خدا نے ان کے دشمن کی حمایت کر دی ہے۔ خلفا کا عروج وزوال بھی اسی خوف ناک تصور کے زیر اثر ہوا اور ایسی مثالوں کی بھی کمی نہ تھی کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں کبھی ایک فریق غالب آجاتا اور کبھی دوسرا فتح حاصل کرتا۔ عرب سلطنت کا جب اتحاد ٹوٹ گیا تو بعض قبائل تنہا بھی اس قابل ہو گئے کہ بڑی بڑی حکومتوں سے ٹکر لے سکیں۔ مگر ایسے گروہوں میں تنظیم کی کمی رہ جاتی مثلاً ایلیپو یا تیونس کا امیر اس قابل نہ ہوتا کہ اُس کے پاس دشمن کے مقابلے کے لیے ضروری مہارت یا سرمایہ ہوتا۔ جب کبھی قسطنطنیہ کے بادشاہ ان کے ساتھ کوئی معاہدۂ امن کرتے تو اُنھیں پتا چلتا کہ عرب قبائل کسی لحاظ سے بھی وحشی نہیں ہیں اور ان میں ہر نوع کا نظم وضبط موجود ہے اور اب ان میں وہ تجسس بھی موجود نہیں اور سریع الفہم ذہانت کی بھی کمی ہے جو ان کے آباواجداد کا حصہ تھی۔ یقیناً نقل سے اصل ہمیشہ بہتر ہوتی ہے۔ عربوں نے جو قلعہ بندیاں تعمیر کی تھیں یا منجنیقیں تیار کی تھیں، اُن میں رومیوں جیسی مہارت نہ تھی اور یہ تسلیم کرنے میں اُنھیں کوئی شرم نہ تھی کہ ان کی تعمیر میں یونانی دماغ اور چینی دستکاری کی مہارت سے کام لیا گیا تھا۔

وہ جرمن قبائل جو راین اور ویزر کے درمیان آباد تھے، اُن کا ایک نام بطور فاتح گال کے بہت سے علاقوں میں پھیل گیا تھا۔ یونانی اور عرب ہر اُس شخص کو فرینک کہتے جس کا تعلق عیسائیوں کے لاطینی کلیسا سے ہوتا۔ اس میں وہ تمام مغربی اقوام بھی شامل کر لی جائیں جن کے حقیقی وطن کا علم نہ ہوتا مگر وہ بحراوقیانوس کے ساحلوں تک آباد تھیں۔ اس وسیع خطے کی اقوام محض شارلیمن کی روح کے حوالہ سے باہم متحد تھیں اور اسی حوالے سے اُن میں جوش وجذبہ بھی موجود تھا۔ مگر جب ان میں اختلافات پیدا ہو گئے اور یہ زوال پذیر ہو گئے اور یہ نسل کمزور پڑنے لگی تو ان کی شاہی حیثیت بھی ختم ہو گئی۔ بازنطیوم کے قیصران کو ان سے ایسا کوئی خطرہ باقی نہ رہا کہ کسی وقت یہ قبائل باہم متحد ہو کر ان کے حریف ثابت ہو سکیں گے اور عیسائیت کے نام پر انتقامی کارروائیاں کر سکیں گے۔ نہ ان سے اب کوئی دشمن ڈرتا اور نہ ان پر رعایا اعتماد کرتی۔ نہ یہ کسی پر محصول عائد کر سکتے۔ اب

محنت مزدوری، تجارت، صنعت یا فوجی خدمات کا بھی ان کے لیے کوئی موقع باقی نہ رہا تھا۔ اب ان کے مختلف صوبے بھی ایک دوسرے کی مدد کو نہ آتے تھے۔ اب نہ ان کے پاس سابقہ بری اور بحری قوت تھی۔ نہ وہ باقاعدہ چھاؤنیاں تھیں جو ایلب کے دہانے سے لے کر تا بر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ دسویں صدی کے آغاز میں شارلیمن کا خاندان مکمل طور پر ختم ہو چکا تھا۔ اُس کی سلطنت متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو کر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئی تھی۔ جو سردار زیادہ جاہ پسند تھے اُنھوں نے اپنے آپ کو بادشاہ کہنا شروع کر دیا تھا۔ ان کی تقلید کا رواج عام ہو گیا، جس کی وجہ سے بدنظمی اور اختلافات پیدا ہو گئے۔ ہر صوبے کے شرفا نے اپنے اپنے بادشاہوں کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اپنے ماتحت جاگیرداروں پر ظلم کرنا شروع کر دیا۔ اور اپنے ہمسائیوں اور ہم عصر مساوی حیثیت کے شرفا سے عناد رکھنا شروع کر دیا۔ اُن کی شخصی جنگیں ان اقوام میں جنگی روح بیدار کرنے میں معاون ثابت ہوئیں۔ جدید یورپ کے نظام میں یہ صورت پیدا ہوئی کہ پانچ چھ بڑی بڑی قوتوں میں تلوار کا زور مرتکز ہو گیا اور وہ دور افتادہ ممالک پر حکومت کرنے لگیں اور ان کی رعایا ہمیشہ جنگی نغمے گاتی رہتی اور ان کا معاشرہ جنگ کے حالات میں بھی امن کی سہولیات سے لطف اندوز ہوتا رہتا۔ ان کو مروجہ تبدیلیوں کا اُس وقت پتا چلتا، جب ان پر عائد کردہ محصولات میں کمی کر دی جاتی۔ دسویں اور گیارھویں صدی کے دوران ہر کسان سپاہی ہوتا اور ہر گاؤں قلعہ بند کر دیا جاتا اور قلعے کا مالک لارڈ یا شہزادے کے کردار کا مظاہرہ کرتا اور یہ سب کے سب جنگجو ہوتے اور ان کی ذاتی افواج ہوتیں۔ وہ کسی قانون کی پروا نہ کرتے۔ جاگیردارانہ بدنظمی کے دور میں زراعت اور صنعت کے اوزار اسلحہ میں تبدیل ہو گئے اور خون بہانے کے کام آنے لگے۔ معاشرے کا انتظامی اور کلیسائی ماحول ختم کر دیا گیا، یا اسے خراب کر دیا گیا۔ بشپوں نے اپنی ٹوپیاں اُتار کر خود پہن لیے، یہ اُن کی پیشے کی مجبوری نہ تھی بلکہ اُس دور کا یہی تقاضا تھا۔

فرینکوں میں بھی شعوری طور پر جذبۂ افتخار پیدا ہوا اور اُنھوں نے اسلحہ اور آزادی کی خواہش کو محسوس کیا۔ یونانیوں نے حیران ہو کر ان کا مشاہدہ کیا اور ممکنہ نتائج سے خوفزدہ ہو گئے۔ شہنشاہ قسطنطین کہتا ہے کہ فرینک حوصلہ مند اور بہادر ہیں اور پختگی کے قریب پہنچ گئے ہیں اور اب وہ اتنے نڈر ہو چکے ہیں کہ اُنھیں کسی خطرے بلکہ موت تک کی پروا نہیں رہی۔ وہ بلاخوف و خطر پیش قدمی کرتے ہوئے دشمن کی افواج کے مقابلے میں اُتر آتے ہیں۔ وہ نہ تو دشمن کی تعداد کا شمار کرتے ہیں اور نہ اپنی تعداد کا خیال کرتے ہیں اُن کی صفوں میں ہم آہنگی اور دوستی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اُن کی تمام جنگی کارروائیاں اپنے دوستوں کی مدد اور حوصلہ افزائی کے

لیے کی جاتی ہیں۔ یا وہ جذبۂ انتقام کے زیر اثر میدان جنگ میں کود پڑتے ہیں۔ اُن کی نظر میں پسپائی ایک شرمناک فرار ہے اور فرار سے ماسوائے ندامت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ وہ قوم جس کا عزم اور جذبات اس نوعیت کے ہوں، وہ فتح حاصل کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ مگر اس کے باوجود اُن میں بعض ایسے سخت نقائص تھے کہ وہ اپنے ارادوں میں کامیابی نہ حاصل کر سکتے۔ ان کی بحری قوت کو زوال آ چکا تھا، اس لیے سمندروں پر یونانیوں اور عربوں کا قبضہ تھا۔ اس لیے یہ اقوام ہر قسم کا سامان بسہولت حاصل کر سکتی تھیں اور جب چاہیں فرینکوں کو غصہ دلا سکتی تھیں۔ اُس دور سے قبل جب شجاعت کا آغاز ہوا، فرینک بالعموم گستاخ ہوتے اور رسالے کی نوکری کے قابل نہ ہوتے اور جب کبھی وہ ہنگامی حالات کی زد میں آتے تو اُن کے جنگجوؤں کو اپنی اس کمزوری کا شدت سے احساس ہوتا۔ اس لیے اُنھوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ گھوڑوں سے اُتر کر پیدل جنگ لڑا کریں گے۔ اُنھیں برچھے یا گوپھن کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ البتہ اُنھوں نے اپنی تلواریں طویل بنا رکھی تھیں۔ اُن کے اسلحہ کا وزن بہت زیادہ تھا۔ وہ بڑی بڑی ڈھالیں اُٹھائے پھرتے تھے۔ اگر میں کمزور یونانیوں کے طنز کا تکرار کروں جو وہ اپنے مزاج کی بے لگامی کی وجہ سے دُہرایا کرتے تھے کہ فرینکوں کا مزاج اس قدر آزاد تھا کہ وہ کسی غلامی کا جوا قبول نہ کر سکتے تھے جب چاہتے اپنے سردار کا علم چھوڑ کر الگ ہو جاتے۔ اگر وہ یہ چاہتا کہ ان کے اوقات کار یا شرائط ملازمت میں ردّ و بدل کرے تو یہ اُس کی ملازمت چھوڑ دیتے۔ ان کا دشمن ان پر کسی سمت سے بھی حملہ کر سکتا۔ تو اُسے خالی مقام مل جاتا خواہ وہ ان سے کم بہادر ہوتا مگر اُس کی فن حرب سے واقفیت ضروری تھی۔ یہ رشوت قبول کر لیتے۔ وحشی اقوام کی یہ سب سے بڑی کمزوری تھی۔ رات کو حیران ہوتے کہ اُنھوں نے دشمن کی موجودگی کی بھی کوئی پروا نہیں کی اور محافظین تو ان کے قریب ہی مستعد کھڑے تھے۔ ان کے ہاں سرداری پر مقابلے ہوتے رہتے۔ ان پر ان کا بہت سا وقت اور قوت خرچ ہوتی رہتی۔ اگر انھیں مالِ غنیمت نہ ملتا اور رسد رسانی میں کمی آ جاتی تو یہ مایوس ہو جاتے۔ ان کے ہاں بعض مقامی اور قومی رواجات رہے تھے، جن کا بیان میں حادثات کے زیرِ عنوان کروں گا۔ اس کی ذمہ داری ان کی آب و ہوا پر ہرگز نہ تھی مگر مقامی اور غیر ملکی افراد کو ان کی یہ کمزوریاں صاف صاف نظر آتی تھیں۔ عظیم اوتھو کے ایک سفیر نے قسطنطنیہ کے محل میں یہ بیان کیا کہ سیکسن قلم کے مقابلے میں تلوار سے بہت اچھا لڑ سکتے ہیں اور وہ پسپائی کی بے عزتی کی بجائے عزت سے مر جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ فرانس کے شرفا کا یہ بڑا اعزاز تھا کہ اُن کے گھروں میں جنگ یا مالِ غنیمت کا موضوع ہی سب سے پسندیدہ موضوع گفتگو تھا اور یہی اُن کی تفریح تھی۔ اُن کی زندگی اور معاش کا واحد ذریعہ بھی یہی تھا۔ وہ محلات

اور دعوتوں سے زیادہ خوش نہ ہوتے، نہ اُنھیں اطالویوں کا مہذب اسلوب حیات پسند تھا۔ یونانیوں کا خیال بھی یہی تھا کہ لومبارڈ کی فتوحات کے بعد اطالوی تہذیب کو زوال آ گیا تھا۔ اُس میں لومبارڈوں کی جرأت آزمائی اور جنگی جنون شامل ہو چکا تھا۔

کاراکلا کے مشہور فرمان کے مطابق اُس کی برطانیہ سے لے کر مصر تک کی رعایا کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنے آپ کو رومی کہہ سکے اور اس سے متعلق تمام مراعات حاصل کر سکے اور بادشاہ کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ کسی بھی شخص کی رہائش کسی مقام سے کسی دوسرے مقام میں منتقل کر دے۔ مشرق اور مغرب میں بڑے واضح امتیازات قائم کر دیے گئے تھے اور ان کے قوانین حقوق کے مطابق آرکاڈی اوس اور ہونوری اوس نے یہ اطلاع کر دی کہ وہ ایک ہی قوم کے دو مختلف قبائل ہیں اور رومی دنیا اور شہر روم کے باشندے ہیں اور ان کی حدود ان سے مختلف نہیں۔ جب مغربی سلطنت ختم ہوگئی تو سلطنت کا تمام وقار قسطنطنیہ میں منتقل ہو گیا پھر جسٹینین پہلا شخص تھا جس نے ساٹھ سال کے قطع تعلق کے بعد قدیم رومی سلطنت پر دوبارہ اپنا اقتدار قائم کر لیا اور جنگی فتوحات کے بعد اُس نے دوبارہ شہنشاہِ روم کا خطاب حاصل کر لیا۔ اسی وقار کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے جانشین قسطان دوم نے تحریری باسفورس کو الگ کر دیا اور ٹائبر کا پرانا اعزاز بحال کر دیا۔ یہ ایک بے معنی اقدام تھا (ایک کینہ پرور بازنطینی نے جوش وخروش سے کہا)۔ گویا اُس نے ایک نوجوان دوشیزہ کو تباہ کر کے ایک شکن رسیدہ بڑھیا کی آرائش کا سامان فراہم کر لیا مگر لومبارڈوں نے بزورِ شمشیر اس کی آبادی کے منصوبے کو ناکام بنا دیا اور وہ اٹلی میں قیام نہ کر سکا۔ وہ جب روم میں داخل ہوا تو اُس کی حیثیت ایک فاتح کی بجائے ایک مفرور کی تھی اور بارہ دن کے دورے کے بعد اُس نے لوٹ مار کی اور اس کے بعد قدیم دنیا کے دارالحکومت کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا۔ جسٹینین کی فتح کے دو سو سال بعد اٹلی ہمیشہ کے لیے رومی سلطنت سے الگ ہو گیا اور اس کے عہد حکومت کے حوالے ہی سے ہم لاطینی زبان کے حتمی زوال کا سراغ لگا سکتے ہیں، اُس نے اسی قانون کے حوالے سے اپنے ادارے تشکیل دیے۔ اپنا ضابطہ تیار کیا اور فرامین مرتب کیے۔ اس غرض سے اُس نے جو زبان استعمال کی وہ اُسے عوامی اسلوب اور رومی تخت وتاج کی زبان کا نام دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ زبان محل اور مجلس قانون ساز نیز قسطنطنیہ کے شہر میں رائج ہے۔ مشرق کی چھاؤنیوں اور عدالتوں میں بھی اسی کا چلن ہے۔ اس غیر ملکی زبان سے عوام آشنا نہ تھے جبکہ ایشیائی صوبوں کے فوجی بھی اس سے آشنا نہ تھے۔ ماہرین قانون بھی اس زبان کو کسی حد تک سمجھ سکتے تھے اور وزرائے حکومت بھی کسی حد تک اس سے آشنا تھے۔ اس پر

مختصر نوعیت کا ہلکا سا اختلاف تو ہوا۔ عادت کو ترک کرنا دشوار بھی ہوا مگر انسان کی شعوری قوت ان دشواریوں پر غالب آ گئی، کیونکہ اس میں اس کی رعایا کا مجموعی فائدہ بھی تھا۔ جسٹینین نے اپنی جدید تحریروں کو دو مختلف زبانوں میں منضبط کیا۔ اس کے مبسوط مجموعہ ہائے تشریحِ قانون بتدریج مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوتے رہے۔ لوگ اصل تحریر کو بھول گئے اور یونانی صورت ہی زیرِ مطالعہ رہ گئی۔ فی الحقیقت اسی زبان میں تحریر شدہ متن کو ترجیح دی گئی۔ عوام نے اسے پسند کیا اور بازنطینی حکومت کے دور میں اسے قانونی حیثیت بھی حاصل ہو گئی۔ بعد میں آنے والے شہنشاہ اپنے مقام ولادت اور رہائش کی وجہ سے قدیم لاطینی زبان سے ناآشنا رہے۔ طبریوس کو عرب اور ماؤریق (Mourice) کو اطالوی مؤرخین پہلا یونانی سیزر قرار دیتے ہیں اور اُنھیں نئی سلطنت کا بانی سمجھا جاتا ہے جس کی وجہ سے ایک نیا خاندان اقتدار میں آ گیا۔ یہ خاموش انقلاب ہراکلس کی موت سے قبل ہی وجود میں آ گیا تھا۔ لاطینی زبان کے آثار تشریحِ قانون کے مباحث میں کسی نہ کسی صورت میں باقی رہ گئے یا محلات کی گفت وشنید میں ممکن ہے کہ بعض افراد اسے استعمال کرتے ہوں۔ جب مغربی سلطنت دوبارہ بحال ہوگئی تو شارلیمن اور اوتھو نے اسے بحال کرنے کی کوشش کی ہوگی مگر فرینکوں کی اپنی زبان بھی تھی۔ اس لیے فرینک اور لاطینی کو مساوی درجہ مل گیا۔ از روئے انصاف یہ بھی محسوس کیا گیا کہ روم کی اپنی زبان کو نظرانداز نہ کیا جائے مگر یونانی زبان کا غلبہ اس کے باوجود قائم رہا۔ مگر عوام اور بادشاہوں نے اسے بہت جلد مسترد کر دیا۔ ان کی تائید کے بغیر اس زبان کا اقتدار قائم رہنا مشکل تھا۔ ہر وہ عوامل جو کسی زبان کی تبدیلی کا باعث ہو سکتے ہیں، مروج رہے۔ امتدادِ زمانہ سے آگسٹس اور قسطنطین کے اثرات ختم ہو گئے۔ جب آخری دور آیا تو اُس میں زوال وانحطاط کا غلبہ تھا اور رومی سلطنت قسطنطنیہ کے اقتدار کے سامنے ماند پڑ چکی تھی۔

جب مشرقی حکومت کا کاروبار لاطینی زبان میں چلتا تھا تو اُس وقت بھی ادب اور فلسفے کی زبان یونانی تھی۔ اس زبان کے ماہرین اسے چھوڑ کر کسی مستعار ذریعۂ اظہار کو قبول نہ کر سکتے تھے۔ یہ ایک مکمل اور بھرپور زبان تھی۔ اُن کے رومی شاگرد بھی ان کے ذوق کی تقلید کرتے تھے۔ جب کفر کا زور ٹوٹ گیا۔ شام اور مصر ان کے ہاتھ سے نکل گئے تو اسکندریہ اور ایتھنز کے مدارس فکرمند ہو گئے اور یونانی زبان خانقاہوں میں منتقل ہوگئی اور زیادہ تر قسطنطنیہ کے شاہی مدرسے میں منتقل ہوگئی۔ اسے ایساعوریہ کے بادشاہ لیو کے دور میں جلا دیا گیا تھا۔ اُس عہد کا مخصوص اسلوب تھا۔ اُس ادارے کے صدر کو فن کے سورج کا خطاب دیا گیا۔ اس کے بارہ ساتھی تھے جو مختلف شعبہ ہائے علم میں اُستاد تھے۔ اُنھیں منطقۃ البروج (Zodiac) سے منسوب کر دیا

گیا۔ یہاں ایک کتب خانہ تھا جس میں چھتیس ہزار پانچ سو کتب کا ذخیرہ موجود تھا۔ وہ یہ ان سب کتب کا مطالعہ کر سکتے تھے، ان کے پاس ہومر کا ایک قدیم مخطوطہ تھا جو ایک سو بیس فٹ طویل پارچے پر لکھا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک روایت منسلک تھی کہ ایک مادہ سانپ اس کی حفاظت پر مامور ہے مگر ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی کے دور میں اختلافات اور جہالت کا غلبہ تھا۔ کتب خانے کو جلا دیا گیا۔ مذکورہ بالا مدرسہ منسوخ کر دیا گیا۔ بت شکنوں کو قدامت کا دشمن سمجھا جاتا تھا۔ وحشیانہ جہالت اور علم دشمنی کی وجہ سے ایساعوریہ (Isaurian) اور ہراکلس کے خاندان بدنما ہو چکے تھے۔

نویں صدی عیسوی میں جا کر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ علوم وفنون کی بحالی کا آغاز ہوا۔ جب عربوں کی عصبیت کو قدرے قرار آیا، تو خلفا کے دلوں میں خیال آیا کہ علم کی دُنیا کو بھی فتح کرنا چاہیے اور مملکت کے صوبوں کی فتح پر ہی اکتفا نہ کیا جائے۔ اُن کے فیاضانہ تجسس کی وجہ سے اُنھوں نے یونانی علوم وفنون کی منزل سے بھی آگے نکلنا چاہا۔ یونانیوں میں بھی علم کی چنگاری دوبارہ روشن ہوئی۔ اُنھوں نے بھی اپنی قدیم روشن خیالی پر جما ہوا غبار ایک طرف ہٹا دینے کی کوشش کی۔ اُنھوں نے تعلیم عام کی اور فلسفیوں کو انعام واکرام سے مستفید کیا۔ ورنہ ابھی تک تو اُن کو جس قدر انعام ملتا تھا، وہ صرف علمی ذوق کی تسکین تھی۔ یا حقیقت کی تلاش کا مزہ تھا۔ قیصر بارداس مائیکل سوم کا چچا تھا۔ وہ علم وادب کے تحفظ پر دل کھول کر خرچ کرتا تھا۔ اُس کا خطاب ہی محافظِ علم وفن قرار پایا۔ جس کی وجہ سے اُس کا نام ابھی تک زندہ ہے اور اُس کی حب جاہ کی کمزوری کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اُس کے بھتیجے کے خزانے کا ایک حصہ بُرائی پر خرچ کرنے کی بجائے علم کی سر پرستی پر خرچ کر دیا جاتا۔ میگ ناورا کے محل میں ایک مدرسہ کھول دیا گیا چونکہ بارداس خود اس مدرسے میں موجود رہتا اس لیے اساتذہ اور طلبہ کی حوصلہ افزائی ہوتی رہتی۔ ان سب کا سربراہ پروفیسر لیو تھا جو تھیسالونیکا کا اسقف اعظم تھا۔ وہ علم ہیئت اور ریاضی میں کامل مہارت رکھتا تھا، جس کی مشرقی ممالک میں بھی بہت تعریف کی جاتی تھی اور اس کی علمی حیثیت کو بعض اوقات مبالغہ آرائی سے پیش کیا جاتا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ اُسے ایک جادوگر سمجھنے لگے۔ قیصر نے اس پر بہت زور ڈالا تو اس کا دوست مشہور فوطی اوس مجبور ہوا اور اُس نے اپنی لامذہبیت اور طالب عالمانہ زندگی کو ترک کر دیا اور کلیسائی تخت پر بیٹھ گیا۔ اُسے مشرق اور مغرب کے اجتماعات میں کبھی مجرم قرار دیا جاتا اور کبھی چھوڑ دیا جاتا۔ اس کے باوجود کہ مذہبی دباؤ بہت زیادہ تھا پھر بھی ماسوائے شاعری کے اس مدرسے میں ہر علم وفن کی تعلیم دی جاتی۔ یہ فاضل شخص ہر وقت خیالات میں مستغرق رہتا یا مطالعے میں مصروف

رہتا اور فصاحت وبلاغت اور علم الالفاظ کے موتی پروتا، حالانکہ عہدے کے لحاظ سے وہ محافظ اعلیٰ کے فرائض ادا کرتا، فوطی اوس کو بطور سفیر خلیفہ بغداد کے دربار میں بھیجا گیا۔ اس نے جلد بازی میں ایک کتب خانے کا انتظام کیا جس کی بدولت اسے قید وبند کے مصائب میں سے گزرنا پڑا۔ وہ بھونڈے پن اور تنقید کے امتزاج کی ایک زندہ مثال تھا۔ دوسواتی مصنفین، مؤرخین، واعظین، فلسفی، ماہرین دینیات کا جائزہ لیا جاتا مگر اس کے لیے کوئی طریق کار متعین نہ تھا۔ وہ اُن کے بیانات یا کلیات کی تلخیص پیش کرتا۔ ان کے اسلوب اور کردار کا جائزہ لیتا اور گرجا گھر کے پادریوں کے مکالمات پر بھی بڑی آزادی سے تنقید کرتا جس سے اکثر مروجہ اوہام پرستی کی تردید ہو جاتی۔ شہنشاہ باسل اکثر اپنی تعلیم پر بھی افسوس کا اظہار کرتا تھا اُس نے اپنے بیٹے اور ولی عہد فلسفی لیو کو اس کی حفاظت اور تعلیم کے لیے فوطی اوس کے حوالے کر دیا اور اس شہزادے کا دورِ حکومت اور اس کے بیٹے قسطنطین پورفائرو جینی طوس کا عہد حکومت، بازنطینی سلطنت کا سب سے زیادہ خوشحال اور سنہری زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ ان کی فیاضی کی بدولت ماضی کے تمام خزائن شاہی کتب خانے میں بند تھے، ان کی ذاتی کوشش اور ان کے ساتھیوں کی مدد سے ان کے اقتباسات اور خلاصے تیار کیے گئے تاکہ عوام بغیر سخت مشقت اور محنت کے، ان کے خیالات سے مستفید ہو سکیں باسلیقیوں اور قانونی ضوابط کے علاوہ گلہ بانی اور جنگ کے فنون، انسانی خوراک یا تباہی وغیرہ، سب بڑی محنت سے ان میں شامل کر لیے گئے اور یونان اور روم کی تاریخ ترپن (۵۳) عنوانات کے تحت لکھی گئی۔ ان میں دو (سفارت کاری، خیر وشر) امتدادِ زمانہ سے بچ سکے ہیں۔ ان کتب کے ہر مقام پر قاری کو ماضی کی پوری تصویری جھلک نظر آتی ہے اور ہر صفحے پر کوئی نہ کوئی سبق حاصل ہوتا ہے یا تنبیہ حاصل ہوتی ہے اور اس سے خوشحال ادوار کی نشان دہی بھی ہوتی ہے تاکہ اس کی تقلید کی جا سکے۔ میں بازنطینی یونانیوں کی تصنیفات کی تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا۔ اس سے جدید دور کے افراد کو تجربہ حاصل ہوتا ہے۔ سٹوبائیوس (Stobaeus) کے فلسفے کی کتاب سے دورِ حاضر کے مدارس بھی فیض یاب ہو گئے ہیں۔ سوئیڈاس کی قواعد اور تاریخ کی کتب بھی اسی معیار کی ہیں۔ زیطسیز دکی چلیا چھ سو بیانات اور بارہ ہزار اشعار پر مشتمل ہیں اور یُوسطاتھی اُوس نے جو ہومر کے اشعار پر تبصرہ کیا ہے اور تھیسالونیکا کے بشپ نے جو ایک امیر گھر کا فرزند تھا، چار سو مصنفین کا استناد پیش کیا ہے اور اُن کے نام بھی دیے ہیں۔ اُس نے اس استناد کے علاوہ متعدد نقادوں اور تبصرہ نگاروں کے حوالے بھی دیے ہیں۔ اس سے بارھویں صدی کے علم وفضل کی قدر کا کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔ قسطنطنیہ کو علم کی روشنی ہومر، ڈی موس تھینز، ارسطو اور افلاطون کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ ہم اس سے

لطف اندوز ہوں یا مسترد کر دیں۔ تھیو پومپوس یا ہائپر دیس کے خطبات کا مقام کم نہیں ہوتا۔ می تاندر کی طربیات اور الائی اوس کے خطابات اور سیلونو کی نگارشات کی قدر و قیمت کم نہیں ہوتی۔ وہ جس طرح مثالوں سے اپنی نگارشات کی وضاحت کرتے ہیں یہ یونانیوں کا مخصوص کلاسیکی انداز ہے۔ اُس دور کی علمی حیثیت کی وضاحت کے لیے دو عالم خواتین کی مثال پیش کی جاتی ہے۔ ان میں سے ایک شہزادی یوڈوکیا ہے اور دوسری شہزادی اینا کومنینا ہے۔ ان دونوں نے فصاحت، بلاغت اور فلسفے میں بڑا نام پیدا کیا۔ شہر میں جو علم کلام رائج تھا، اُس کی حیثیت بہت کم تر تھی۔ اُنھوں نے محنتِ شاقہ سے اسے واضح اور سادہ صورت دے کر عام فہم کر دیا۔ کلیسا اور محل میں جن مکالمات کو رواج دیا، وہ قدیم ایتھنز کا خوبصورت نمونہ تھے۔

ہمارے جدید نظام تعلیم میں ہم نے دو زبانوں کو مروج کیا ہے جو کہ وقت طلب ہونے کے باوجود ناگزیر ہیں مگر یہ زندہ زبانیں نہیں ہیں۔ ان پر طلبہ کا وقت ضائع ہوتا ہے اور خواہ مخواہ اُن کے دماغ پر بوجھ پڑتا ہے۔ شعرا اور خطیب طویل عرصے تک اس وحشیانہ تصور میں گرفتار رہے کہ الفاظ کی زیادہ سے زیادہ فضول خرچی کی جائے۔ جیسا کہ ہمارے قدیم ادب میں بھی مروج تھا۔ اُس میں توازن اور وقار کی کمی تھی۔ چونکہ اُن کے سامنے کوئی بلند پایہ ادبی مثال موجود نہ تھی۔ اس لیے وہ مقامی اثرات اور اپنے تخیل کے سہارے اپنی تخلیقی حیات قائم رکھنے کی کوشش کرتے تھے مگر قسطنطنیہ کے یونانیوں نے اپنے وحشیانہ طرز تخاطب سے جلد جان چھڑا لی۔ اُنھوں نے اپنی قدیم زبان کو بڑی آزادی سے استعمال کیا جو انسانی فن کی ایک دل خوش کن صورت تھی۔

یہ یونانیوں کے قدیم علم و فضل کی روایت تھی، جس کی بدولت اُنھوں نے طویل عرصے تک عوام کے اذہان پر حکومت کی تھی۔ اس سے اُس زوال کی تلافی ہو گئی جو علم و فن کی دنیا پر غالب آ چکا تھا۔ اب اُنھوں نے اپنے مردہ ہاتھوں میں اپنے آباواجداد کی دولت سنبھال لی مگر وہ اُس روح کو تازہ نہ کر سکے، جس نے اس مقدس وراثت کی تشکیل اور تخلیق کی تھی، جس کا وہ مطالعہ کرتے تھے اور تعریف میں رطب اللسان ہوتے تھے۔ وہ تالیف و تصنیف تو کر لیتے مگر ان کی روح میں وہ توانائی موجود نہ تھی، جو فکر اور تخلیقی عمل کے لیے موزوں ہوتی ہے۔ ان دس صدیوں کے طویل عرصے میں کوئی بھی ایسی ایجاد سامنے نہ آئی تھی، جس سے انسانی وقار میں اضافہ ہوا ہو یا اُس کی وجہ سے بنی نوع انسان کو کوئی فائدہ پہنچا ہو۔ قدیم فلسفیانہ ذخیرے میں بھی کسی ایک تصور کا اضافہ بھی ممکن نہ ہو سکا۔ صرف یہ ہوتا کہ ہر نسل میں ایک نیا اُستاد پیدا ہو جاتا جو قدیم تصورات کو اگلی نسلوں تک منتقل کرتا رہتا۔ تراجم ہوتے رہے مگر تاریخ فلسفے یا ادب کا کوئی ایک بھی اصل نمونہ باقی نہ رہا، جسے پڑھ کر

دورِ ماضی کے حسنِ تشکیل یا بلندی ذوق کی داد دی جا سکے یا اسلوب کی خوبیوں اور خدمات کی گہرائی کی داد دی جا سکے۔ جہاں تک بازنطینی دور کی نثر نگاری کا تعلق ہے تو یہ لکھاری اپنی واضح اور سادہ تحریروں کی وجہ سے ملامت کے قابل نہیں مگر ان کے خطیب تکلفات کے بہت زیادہ عادی تھے۔ اس وجہ سے ان کی تخلیقات اپنے اُن بزرگوں کے مقابلے میں جن کی وہ نقل کرتے تھے، مزید دور ہو گئی ہیں۔ ہر صفحے پر ہمارے ذوق اور استدلال کو مضرت پہنچتی ہے ہر جگہ متروک اور مشکل الفاظ کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو باہم متضاد اور مبہم ہوتے ہیں۔ غیر معروف الفاظ کے استعمال سے تحریر کو بازیچۂ اطفال بنا دیا جاتا ہے۔ وہ صرف اس تکلیف دہ کوشش میں سرگرداں رہتے ہیں کہ کسی طرح قاری کو مبہوت کیا جا سکے اور ابہام اور مبالغہ آرائی کے انبار میں سے کوئی معمولی نوعیت کے معانی پیدا کیے جا سکیں۔ ان کی نثر، شاعری کے غلط اثرات کی حامل ہے۔ لہٰذا وہ صفائی بیان کی سطح سے نیچے، رزمیہ اور تغزل کی گہرائیوں میں غرق ہو چکی ہے۔ اس دور میں اس نوعیت کی نظم نگاری بھی موجود نہ تھی۔ قسطنطنیہ کے بھانڈ بھی تخلیق کاری سے محروم تھے اور صرف داستان سرائی تک محدود ہو کر رہ گئے تھے وہ علم عروض سے بھی بے بہرہ تھے۔ اگرچہ ہومر کی نغمگی ابھی تک اُن کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ ان کی مرصع اور مسجع تحریروں کو شہری زبان کا نام دیا گیا۔ یونانیوں کے اذہان پر اوہام پرستی کے بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس لیے وہ عام سائنسی اُصولوں کو قبول کرنے کے اہل نہ تھے۔ اس لیے ان کی اکتسابی صلاحیت بھی ان ہی اوہام کا شکار ہو چکی تھی جن کی کوئی علمی بنیاد نہ تھی۔ راہبوں کے حمدیہ ترانوں کی وجہ سے ذوق کا معیار پست ہو گیا تھا اور عہد نامہ قدیم و جدید کی روایات نے اسے مزید خراب کر دیا تھا۔ بلکہ یہاں تک ہو چکا تھا کہ یہ مقدس تعلیم بھی اپنی اہمیت ضائع کر چکی تھی کیونکہ ملک کے بہترین دماغ اس طرح متوجہ نہ ہوتے تھے۔ یونانی کلیسا کے کارکن عاجزانہ انداز میں اسی پر مطمئن تھے کہ وہ قدیم معجزات اور کرامات کے بیانات کی نقل کرتے رہیں کسی مکتب فکر نے اسھناسی اوس اور کرائسوسطوم کے درجے کا فلسفی پیدا نہیں کیا۔

فعال اور فکر انگیز زندگی کی تلاش میں انفرادی کاوشوں کا سرچشمہ ہی سب سے مضبوط ہوتا ہے۔ قدیم یونان کے شہروں میں اتحاد اور آزادی کی ایک عمدہ آمیزش موجود تھی مگر اس کی ترکیب خاصی لچکدار تھی۔ جدید یورپ کی اقوام میں لسانی، مذہبی اور اقدار کا مشترک اسلوب موجود ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اور جائزہ لیتے رہتے ہیں اور اُنھیں ایک دوسرے کے استحقاق کا بھی علم ہوتا رہتا ہے۔ ہر قوم اور ملک کی آزاد حکومت ہوتی ہے جو اپنے اپنے افراد کو دیگر اقوام کے مقابلے میں سبقت لینے

کی جد و جہد میں مصروف رکھتی ہے۔ رُومیوں کے حالات زیادہ موافق نہ تھے۔ لیکن پھر بھی جب جمہوریہ کا ابتدائی دور تھا تو اُس کے نتیجے میں ایک قومی کردار وجود میں آیا اور لاٹیئم اور اٹلی کی ریاستوں میں بھی سبقت لے جانے کا ذوق پیدا ہوا اور یہ بھی اس کوشش میں مصروف ہو گئے کہ اپنے یونانی اساتذہ سے کسی طرح آگے بڑھ جائیں۔ قیصرانِ روم کی حکومت نے بلاشبہ انسانی اذہان کی ترقی پر پابندی عائد کی اور اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالی۔ لیکن اس کی عظمت کی بنا پر یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اس عمل کی داخلی سطح پر حوصلہ افزائی کی ہو اور اس طرح باہمی مقابلے کی صورت بھی پیدا ہو گئی ہو اور کم از کم یونانی اور بازنطینی رعایا ضرور ایک دوسرے سے مقابلے کی کوشش میں مصروف رہی ہو۔ لیکن ان کے مزاج کے لحاظ سے یہ ممکن نہ تھا کہ یہ اقوام باہم مل کر کوئی مربوط کارروائی کرتے۔ اس لیے یہ لوگ الگ الگ اپنے طور پر ہی اپنی بساط کے مطابق کارروائی کرتے رہے۔ شمال کی طرف سے ان پر گمنام وحشی قبائل کا دباؤ پڑتا رہا۔ ان قبائل کو یہ کبھی بھی انسانیت کا سبق سکھانے میں کامیاب نہ ہوئے۔ عربوں کی زبان اور مذہب زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ جس کے نتیجے میں وہ دیگر معاشرتی گروہوں سے زیادہ خلط ملط نہ ہو سکے۔ یورپ کے فاتحین تو ان کے بھائی تھے۔ ان کا عیسائیت پر ایمان تھا۔ مگر فرینکوں یا لاطینیوں کی زبان کو مقامی آبادی سمجھنے سے قاصر تھی۔ یہ اپنے انداز کے لحاظ سے گستاخ تھے اور حالتِ جنگ یا حالتِ امن میں بھی وہ کسی سے کوئی رشتہ استوار نہ کرتے تھے۔ اُنھیں ہرکلس کے جانشینوں سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اس دنیا میں تنہا یونانی اپنے حال میں مست تھے۔ اُنھوں نے کبھی غیر ملکی اقوام سے اپنا موازنہ نہیں کیا اور دوسری اقوام کے استحقاق سے کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ عین دوڑ کے عالم میں بے ہوش ہو گئے۔ کیونکہ کبھی کوئی قوم ان کے مقابلے میں نہیں آئی کہ ان کی رفتار کا کسی سے موازنہ ہو جاتا کوئی ایسا منصف بھی موجود نہ تھا جو انھیں فتح کا تاج پہنا دیتا۔

ایشیا اور یورپ کی اقوام، ارضِ مقدس کی طرف دوڑ میں مصروف ہو گئیں اور کومنینی (Comnenian) خاندان کے دورِ حکومت میں علم و فضل اور فنونِ حرب میں کچھ ترقی ہوئی، اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی گئی اور بازنطینی سلطنت میں علم و فضل اور فنونِ حرب کی شمع دوبارہ روشن ہوئی۔

☆☆☆

(۵۴)

پاؤلیقیوں (Paulicians) کی اصل اور عقائد — یونانی بادشاہوں کی طرف سے ان کو ایذا رسانی — آرمینیا (Armenia) وغیرہ میں بغاوت — تھریس (Thrace) میں آبادی کی منتقلی — مغرب میں اشاعت — اصلاحات کا آغاز اور نتائج۔

پاؤلیقیوں کی اصل اور عقائد — یونانی بادشاہوں کی طرف سے ان کو ایذا رسانی — آرمینیا وغیرہ میں بغاوت — تھریس میں آبادی کی منتقلی — مغرب میں اشاعت — اصلاحات کا آغاز اور نتائج۔

عیسائیت کے عقائد میں متعدد قومی خصوصیات کی واضح نشاندہی کی جا سکتی ہے۔ شام اور مصر کے باشندوں نے اپنے اسلوب حیات کو سست روی اور استغراق کے لیے وقف کر دیا۔ روم کی خواہش یہ رہی کہ عالمی حکومت قائم کر لی جائے اور یونانی تو عادتاً فلسفی تھے اُنھوں نے اپنی فصاحت کو مابعدالطبیعیات اور دینیاتی مباحث میں اُلجھالیا۔ تثلیث اور حیاتِ فانی کے موضوعات کھڑے کر لیے۔ بجائے اس کے کہ مذہبی رہنمائی کو خاموشی سے قبول کر لیتے انھوں نے شدید احتجاج کیا اور یوں شدید اور حساس جذباتی نوعیت کے اختلافات پیدا کر لیے۔ اس سے مذہب کا حلقۂ اثر وسیع ہو گیا۔ غالباً اس کی وجہ ان کی خیرات یا استدلال ہو سکتا ہے۔ نائس کی کونسل سے لے کر ساتویں صدی کے اختتام تک ان کی روحانی جنگوں کی وجہ سے ساتویں صدی عیسوی میں کلیسا کا امن برباد رہا۔ ان کی وجہ سے رومی سلطنت کے انحطاط و زوال پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ اس لیے ہر کلیسائی اجتماع میں مؤرخین شامل ہو کر اس کا مشاہدہ کرتے کہ اس مصروف صدی کی کلیسائی روایات کے مطابق عیسائیت میں فرقوں اور جماعتوں کی تعداد کیا ہے۔ آٹھویں صدی کے آغاز سے لے کر بازنطینی سلطنت کے آخری ادوار تک ان اختلافات کی آواز شاذ ہی سنائی دیتی تھی یا تو تجسس ختم ہو گیا ہو گا، یا جوش ماند پڑ گیا ہو گا۔ گزشتہ چھ اجتماعات میں رومی کیتھولک فرقے کے عقائد کی تمام شقوں کو اچھی طرح سے متعین کر لیا گیا تھا۔ کوئی اختلاف خواہ وہ کتنا ہی معمولی اور ادنی نوعیت کا ہو، اُس کے لیے توانائی اور قوتِ استدلال کی ضرورت ہوتی ہے جسے ذہنی صلاحیت بھی کہا جا سکتا ہے اور مغلوب یونانی تو یا روزے رکھ سکتے تھے یا عبادت میں مشغول رہتے اور گرجے کے پادری اور اُسقف کی فرمانبرداری کرتے رہتے۔ اپنی اوہام پرستی کے طویل خواب میں کنواری ماں اور ولیوں کی بصیرت اور معجزات، آثار اور بُتوں کی پوجا کی راہب تبلیغ کرتے اور عوام اُن کی پرستش کرتے اور عوام کے حلقے میں اوّل درجے کے مہذب معاشرے کو بھی شامل کر لیا جاتا اور اسی

ناخوش گوار دور میں ایسا عوریہ شہنشاہوں نے کسی حد تک بددلی سے عوام کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ ان کے اثرات کے تحت استدلال کو غلبہ حاصل ہوا ہوگا اور کچھ لوگ مرتد ہوگئے ہوں گے۔ مشرقی دُنیا نے اپنے مرئی دیوتاؤں کو یا تو چھوڑ دیا یا بالکل اُن کے پجاری ہو کر رہ گئے اور جب بتوں کی پوجا بحال ہوگئی تو قدیم عیسائیوں نے اسے صحیح العقیدہ گروہ کی فتح قرار دیا اور خوب دعوتیں کیں۔ اس انفعالی متحد ریاست میں کلیسائی حکمرانوں کو محنت و مشقت سے آزاد کر دیا گیا یا اب وہ کسی کو ایذا پہنچا کر لطف اندوز ہونے سے محروم ہوگئے۔ کفار غائب ہوگئے۔ یہود خاموش ہوگئے یا پس پردہ چلے گئے۔ لاطینیوں کے خلاف کوئی اختلاف نہیں تھا یا کم ہوگیا تھا اور قومی دشمنوں کی مخالفت بھی ترک کر دی گئی تھی۔ مصر اور شام کے فرقے ان اقدامات پر ناراض ہوئے کیونکہ وہ عرب خلفا کے زیر سایہ اپنی زندگی بسر کر رہے تھے۔ تقریباً ساتویں صدی کے وسط میں مانیقیوں کی ایک شاخ کو روحانی ایذا رسانی کے مظلوموں کی حیثیت سے منتخب کر لیا گیا۔ بالآخر اُن کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا اور وہ بغاوت پر اُتر آئے۔ اُن کو جلاوطن کر دیا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اصلاحِ کلیسا کہ بیج تمام یورپ میں پھیل گئے۔ ایسے واقعات اس امر کا جواز فراہم کرتے ہیں کہ پاؤلیقیوں اور اُن کے عقائد کے متعلق کسی قدر بیان کر دیا جائے۔ وہ خود تو اب اس حالت میں نہیں کہ اپنی داستان خود سنا سکیں یا اپنے حق میں کچھ کہہ سکیں۔ اگر ہم منصفانہ تنقید کریں تو ہمیں اُن کے خیر و شر کے عقائد سے آگہی حاصل ہو جائے گی اور ہم یہ بھی دیکھ سکیں گے کہ اُن کی بدقسمتی کی اصل وجوہات کیا تھیں؟

وہ غناسطی جو ترکِ سکونت کر کے فرار ہو چکے تھے اور انھیں ان کے دورِ آغاز ہی میں نکال دیا گیا تھا، اُن پر کلیسا کی عظمت اور اقتدار کی طرف سے سخت مظالم کیے گئے۔ وہ کیتھولک کی دولت، علم اور تعداد سے تو آگے نہ بڑھ سکے۔ اس پر مستزاد یہ ہوا کہ انھیں مشرق اور مغرب کے دارالحکومتوں سے زبردستی باہر نکال دیا گیا اور انھیں فرات کے کناروں پر واقع دیہات اور پہاڑی سلسلوں میں رہائش کے لیے پابند کر دیا گیا۔ پانچویں صدی میں بھی ان کے چند باقی ماندہ گروہ کہیں نہ کہیں نظر آ جاتے تھے، مگر ان کے متعدد فرقے اپنی شناخت سے محروم ہو کر مانیقیوں کے ایک عرف کے تحت متحد ہوگئے۔ ان میں سے اکثر نے زرتشت اور حضرت عیسیٰ کی تعلیمات اور عقائد کو متحد کر لیا اور پھر ان دونوں مذاہب سے سخت نفرت کرنے لگے۔ جب حرقل کا پوتا برسرِ اقتدار آیا تو یہ لوگ سموساطا کے قرب و جوار میں آباد تھے۔ لوسیان کی ولادت ان کی شہرت کا زیادہ تر باعث تھی۔ شام کی حکومت ان کی شہرت کا باعث بنی تھی۔ ان میں ان دنوں ہی ایک مصلح پیدا ہوگیا پاؤلیقی اس کی بہت

زیادہ عزت کرتے تھے اور اسے حق و صداقت کا منتخب پیغامبر سمجھتے تھے۔ وہ منالی کے ایک چھوٹے سے گھر میں رہتا تھا، قسطنطین نے ایک مذہبی رہنما کو دعوت پر بلایا، جو شام میں قید کاٹ کر واپس آیا تھا، وہ اپنے ساتھ انجیل کے متعدد نسخے بھی لایا تھا، جن پر یونانی پادریوں یا غناسطیوں کی طرف سے کسی قسم کے تغیر و تبدل کا شبہ نہ ہو سکتا تھا۔ ان کتب کا وہ مطالعہ کرتا اور انھیں اپنے ایمان کا سرچشمہ قرار دیتا اور وہ رومی کیتھولک جو ان کی تشریحات سے اختلاف کرتے ہیں کم از کم اتنا تسلیم کرتے ہیں کہ اس کے پاس جو متن تھا وہ درست اور معتبر تھا۔ مگر وہ خود سینٹ پال کے مرتب کیے ہوئے متن کو درست تسلیم کرتا اور پاؤلیقیوں کا عرف بھی اسی غیر معروف اُستاد کے نام سے وجود میں آیا۔ مگر مجھے یقین ہے کہ وہ کسی غیر یہودی قبیلے سے متاثر تھے (یہ فرقہ شاید عیسائی بھی نہ ہو)۔ اس کے پیروکار طائی طوس، طیموتھی، سلوانوس، طائقی قوس تھے، جن کی نمائندگی قسطنطین اور اُس کے ساتھی مزدور کرتے تھے۔ جب کبھی وہ کوئی اجتماع منعقد کرتے تو اُسے حواریوں اور کلیسا کے نام سے منسوب کرتے اور آرمینیا اور کپاڈوشیا میں ان کا انعقاد کرتے اور ان کی اس معصوم کارروائی سے دورِ اول کی روایت تازہ ہوگئی۔ انجیل مقدس اور سینٹ پال کے مواعظ اور اس کے پیروکاروں نے مل کر قدیم دور کی عیسائیت کی یاد تازہ کر دی۔ ان کی کامیابی کا معیار کوئی بھی ہو، اُسے پروٹسٹنٹ رہنما ان کے تحقیقی کارناموں کی ضرور داد دے گا۔ اگرچہ پاؤلیقیوں کے انجیل کے متن خالص تھے، پھر بھی وہ مکمل نہ تھے۔ ان کے بانیوں نے سینٹ پیٹر سے منسوب دو متن مسترد کر دیے۔ یہ شخص رسمِ ختنہ کا داعی تھا۔ اس نے ہر دلعزیز مروجہ قانون کی مخالفت کی تھی۔ اس لیے اسے معاف نہ کیا جا سکتا تھا۔ وہ اپنے غناسطی بھائیوں سے متفق تھے کہ عہد نامۂ قدیم کی متفقہ طور پر توہین کی جائے۔ حضرت موسیٰ کی کتب اور اُن کے جانشین پیغمبروں کے احکام پر عمل کرنے سے انکار کر دیا جائے۔ جیسا کہ کیتھولک کلیسا نے فیصلہ کر دیا تھا۔ قسطنطین نے اس سے بھی زیادہ جرأت سے کام لیا اور اپنے استدلال میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہ چھوڑی۔ قسطنطین نے جسے نیا سلوانوس قرار دیا گیا، اُن تمام روحانی مشاہدات سے انکار کر دیا جن کا بڑی بڑی موٹی کتب میں ذکر تھا اور مشرقی فرقوں میں ان کی وسیع اشاعت ہو چکی تھی۔ عبرانی زبان میں جن کتب کی تصنیف ہوئی اور مشرقی بزرگوں نے اُن کی پذیرائی کی ایسے بے شمار جعلی انجیلوں کے متن، مکتوب نامے اور قوانین و ضوابط موجود تھے جو دورِ اول میں بکثرت موجود تھے، جنھیں دورِ اول میں ضوابط کی حیثیت حاصل تھی۔ مینز (Manes) کی دینیات، انجیل کے جعلی متون، قدیم دور کے ضوابط، ملحدانہ تصنیفات کے متعدد خالق، تقریباً تین نسلوں تک اس جعل سازی میں مشغول رہے۔ ویلنطین کی ثمر آور

کوششوں نے ان کی تخلیق کی سرپرستی کی۔ پاؤلیقیوں نے مانیتی فرقے کی جہالت اور گمراہی کو بڑے زور شور سے نمایاں کیا اور شکایت کی کہ ان کے ساتھ بے انصافی کی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے حضرت عیسیٰؑ اور سینٹ پال سے بہت زیادتی ہوئی ہے۔

کلیسائی کارکنوں کے سلسلے کی متعدد کڑیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ پاؤلیقی محققین نے اس سلسلے میں بڑی محنت کی۔ انھیں اُس وقت قدرے زیادہ آزادی مل گئی جب اُن لوگوں کی تعداد میں کمی آ گئی یا اُن کی آواز دبا دی گئی جو کرامتوں اور معجزات پر بہت زیادہ یقین رکھتے تھے اور کسی استدلال کا سامنا کرنے سے گریز کرتے تھے۔ غناسطیوں کو بہت پہلے الگ کر دیا گیا تھا، اس کے بعد ہی رومی کیتھولک کی عبادت کے طریق کار کا آغاز ہوا۔ ان کے نظم وضبط اور عقائد میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا وہ ان کی حفاظت بطور عادت کرتے اور اپنے خیال کے مطابق درست روایات کی پیروی کر رہے ہوتے۔ جبکہ سینٹ پال اور حضرت عیسیٰؑ کو نجات دہندہ تسلیم کرنے والا گروہ خاموش رہا۔ وہ مقصد جسے اوہام پرستی نے جادو کی صورت دے دی تھی۔ وہ پاؤلیقیوں کو ایک صاف اور واضح حقیقت کی صورت میں نظر آ رہا تھا۔ جب دعویٰ کیا گیا کہ بغیر انسانی ہاتھ کی مدد کے ایک پیکر تخلیق کر لیا گیا ہے تو اس کی تردید کی گئی اور پاؤلیقیوں نے کہا کہ یہ بلاشبہ کسی ایسے فانی انسان کی تخلیق ہے جو مصور ہے۔ اس کا انعام بس اسی قدر ہے کہ مستعمل لکڑی اور کینوس اس مصور کے شکرگزار ہوں۔ ان کے پاس جس قدر معجزانہ آثار تھے، اُن میں ہڈیوں اور راکھ کے سوا کچھ نہ تھا۔ ان میں نہ زندگی کے آثار تھے اور نہ ان سے کسی بھلائی کی توقع تھی اور جن افراد سے انھیں منسوب کیا جاتا تھا اُن کے ساتھ بھی ان کا کسی قسم کا کوئی تعلق نہ تھا جسے وہ صلیب کہتے تھے۔ وہ صرف اُن کے الفاظ ہی کا مجسمہ تھا، ممکن ہے کوئی گلی سڑی لکڑی بھی موجود ہو۔ وہ یہ دعویٰ بھی کرتے تھے کہ اُن کے پاس حضرت عیسیٰؑ کا جسم اور خون بھی موجود ہے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اُن کے پاس شراب کا ایک پیالہ بھی ہے جو فطرت کا تحفہ اور تقدیس کی علامت ہے مادرِ خدا کو اُس کے کلیسائی مقام سے کم تر کر دیا گیا تھا۔ اب فرشتے اُس کے وجدان و استغراق کو بہشت میں مزید توجہ نہ دیتے تھے اور زمین پر جو خدا کی وزارت قائم ہے وہ بھی مذکورہ خاتون کی طرف متوجہ نہ ہوتی تھی۔ عملاً یا کم از کم نظریاتی طور پر پاؤلیقیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ ہر مادی اور مرئی شے کے تقدس کو منسوخ کر دیا جائے اور اُن کی پوجا نہ کی جائے۔ اُن کے نظریے کے مطابق انجیل کے الفاظ کی حیثیت اصطباغ کی ہے اور یہ انسان کی استغفار اور اجتماعی زندگی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ وہ کتابِ مقدس کی تشریح کے لیے بھی آسان طریقہ اختیار کرتے تھے۔ اگر اُن پر

یہ دباؤ ڈالا جائے کہ وہ انجیل کے لفظی معانی پر عمل کرے تو وہ فوراً اعداد کا کوئی معما تشکیل دے لیتے اور بعض صورتوں کے لیے تمثیلات کا سہارا لیتے۔ اُنھوں نے اس پر بڑی ذہانت سے کام لیا ہوگا یا سخت محنت کی ہوگی کہ وہ عہد نامۂ قدیم اور عہد نامۂ جدید میں موجود رابطہ کسی نہ کسی طرح ختم کر دیں۔ کیونکہ وہ انجیل کو خدا کا معجزہ یا کلام سمجھتے اور اس کے پوشیدہ معانی پر بھی ایمان رکھتے مگر عہد نامۂ قدیم کو وہ فضول روایات کا مجموعہ سمجھتے جو انسانوں اور بھوتوں کی تخلیق ہے ہمیں اس پر حیرت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے کہ اُنھوں نے کتابِ مقدس میں تثلیث کے قدیم عقیدے کے اسرار و رموز کا سراغ لگا لیا تھا مگر اُنھوں نے انسانی فطرت اور حضرت عیسیٰؑ کے مصائب کی حقیقت کے مشاہدے کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ نظریہ پیش کر دیا کہ حضرت عیسیٰؑ کا وجود حضرت مریم کے جسم سے اس طرح گزر گیا، جس طرح پانی ایک نالی میں سے گزر جاتا ہے اور اُن کی صلیب کی صورت ایسی تھی جیسا کہ یہود کی شریانوں میں سے خون بہ کر باہر نکل جائے۔ گویا یہ ایک ایسا فرقہ تھا جس نے اپنے عہد کی ذہانت کے ساتھ چلنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ ایسی صورت میں ان پر حکومت کی غلامی بھی مکمل طور پر مسلط نہ ہوتی اور حضرت عیسیٰؑ اور اُن کے حواریوں کا بوجھ بھی کم سے کم ہوتا اور عام عیسائی بھی ان پر اس لیے ناراض ہوئے کہ پاؤلیقیوں کو اس قدر جرأت کیونکر ہوئی کہ وہ خدا کی توحید کا انکار کر سکیں۔ حالانکہ ایک آسمانی مذہب کا بنیادی عقیدہ ہی توحید ہے۔ اُن کا بنیادی عقیدہ اور اعتماد حضرت عیسیٰؑ کے باپ کی ذات پر تھا۔ وہ انسانی روح اور غیر مرئی دُنیا پر بھی یقین رکھتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ مادے کے دوام کے بھی قائل تھے۔ گویا مادہ قائم بالذات اور ضدی نوعیت کا تھا، فعالیاتی بغاوت میں وہ اول کے بعد دوسری حقیقت تھا اور اسی کی وجہ سے یہ فعال دنیا وجود میں آئی ہے اور اُس وقت تک یہ زندہ رہے گا جب تک موت اور گناہ دونوں فنا نہ ہو جائیں۔ مادی اور مرئی اور طبعی شر نے دنیاوی اخلاقیات سے مل کر قدیم فلسفے اور مشرقی مذہب میں دو اُصول وضع کیے ہیں، وہیں سے یہ اصول باہر نکل کر دُنیا کے تمام مذاہب میں پھیل گئے۔ اہرمن کی فطرت اور کردار کے ہزار روپ ہو سکتے ہیں۔ وہ خدا کا حریف بھی ہو سکتا ہے اور ایک عام شیطان بھی۔ وہ کمزوری کی ایک صورت بھی ہو سکتا ہے اور شر بھی۔ مگر ہماری کاوشوں کے باوجود یزدان کی قوتیں اس خط کے بالکل مخالف سمت میں مستعد رہتی ہیں۔ جب کوئی شخص ان دونوں قوتوں میں کسی ایک کی طرف جتنے قدم چلتا ہے اُتنے قدم وہ مخالف قوت سے دور ہٹ جاتا ہے۔

قسطنطین سلوانوس کی مشقت بالآخر رنگ لائی اور اس کے پیروکاروں کی تعداد میں جلد ہی کئی گنا

اضافہ ہوگیا، اُس نے اپنی خفیہ خواہشات کی خفیہ تلافی کرلی۔ باقی ماندہ غناسطی فرقے اور بالخصوص آرمینیا کے مانتی اس کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے۔ بہت سے عیسائیوں نے اپنا عقیدہ تبدیل کرلیا اور بہت سوں کو ورغلا لیا اور وہ استدلال ہی سے متاثر ہوگئے اور اس نے پونطوس اور کپاڈوشیا میں اپنی تبلیغ جاری رکھی۔ یہ لوگ ابھی تک زرتشت کے مذہب کے پیروکار تھے۔ پاؤلیقی مدرسین کو صرف اُن کے روحانی ناموں سے یاد کیا جاتا اور منکسر المزاج خطاب سے زائرین کو مخاطب کیا جاتا۔ یہ لوگ بڑی سادہ زندگی گزارتے۔ یہ لوگ پُرجوش عالم تھے اور انھیں روح القدس کی طرف سے بعض غیر معمولی انعامات بھی میسر تھے۔ مگر یہ لوگ کیتھولک رہنماؤں کی طرح دولت اور عزت کے حصول میں یا تو ناکام رہے یا وہ اس کے قابل ہی نہ تھے اور وہ کیتھولک کے اس افتخار کو عیسائی مذہب کی تعلیم کے خلاف سمجھتے تھے۔ وہ بزرگوں اور اُسقفوں کے درجات کو بھی یہودیوں کی روایت سمجھ کر نفرت کی نگاہ سے دیکھتے۔ وہ کہتے کہ یہ یہودی عبادت گاہوں کی نقل ہے۔ ان کے ادارے ایشیائے کوچک سے لے کر دریائے فرات تک پھیل چکے تھے۔ چھ ایسے اجتماعات ہوئے تھے جن میں سینٹ پال نے گرجا گھروں میں اپنی تعلیمات کا پرچار کیا تھا۔ اس عقیدے کے بانی نے اپنی رہائش کولونیا میں اختیار کی۔ یہ مقام پونطوس کے اُسی ضلع میں واقع تھا، جو بیلونا کی قربان گاہوں کی وجہ سے مشہور تھا اور گریگوری کے معجزات بھی اسی مقام سے منسلک تھے۔ جب ستائیس سال اسی جدوجہد میں گزر گئے اور سلوانوس عربوں کی فیاض دل حکومت سے سبکدوش ہو چکا تھا۔ رُومیوں کی احتیاط کی قربان گاہ پر چڑھ گیا۔ رومیوں کا قانون اس نوعیت کا تھا کہ ایسے فرقوں کو کچھ نہ کہتے جو ان کی نظر میں زیادہ خطرناک نہ ہوتے۔ اُنھوں نے ان پر کوئی رحم نہ کھایا، اور انھیں ان کی کتب اور سامان کے ساتھ پہاڑوں کی طرف جلاوطن کر دیا اور مانیقیوں کو اُن کی کتابوں سمیت جلا دیا اور وہ تمام افراد جن کو ان کے عقائد سے ہمدردی تھی۔ یا ان کی تحریروں کا مطالعہ کرتے تھے یا اُن کا نقطۂ نظر ان سے ہمدردی کا تھا، اُنھیں ذلیل کر کے مار دیا گیا۔ یونانی وزرا کے پاس قانون اختیارات کے علاوہ انتظامیہ کی قوت بھی تھی۔ وہ کولونیا آگئے۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ وہ گڈریوں پر حملہ کریں، اور اگر اُن کے پاس کوئی بھیڑ باقی ہو تو اُسے قبضے میں لے لیں۔ سائمن نے اپنے ذوق کی عمدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بدقسمت سلوانوس کو اپنی صف کے سامنے کھڑا کیا اور اپنے پیروکاروں سے کہا کہ اپنے روحانی سربراہ کو قتل کر دیں تاکہ وہ اپنی زندگی بچا سکیں اور معافی کے حقدار ٹھہریں۔ ان کے ہاتھوں میں پتھر دے دیے گئے تھے جو اس پر برسائے جانے مقصود تھے مگر اس پورے گروہ میں سے صرف ایک شخص نکلا جو اس فعلِ شنیع پر تیار ہوا۔ کیتھولک نے اُسے جدید

داؤد سے تشبیہ دی۔ جس نے بڑی بہادری سے الحاد کے اس عظیم پیکر کو گرا دیا۔ اس کا نام جسطوس تھا مگر اس کے ساتھ ایک بار پھر دغا ہوا اور اس نے اپنے اُن بھائیوں کو چوٹیں لگائیں جو اس پر اس قسم کا شک نہیں کرتے تھے، لیکن سینٹ پال کو ایک نئی کامیابی نصیب ہوئی اور سائمن بھی اس کے معتقدین میں شامل ہوگیا اُس نے اُس مذہب کو قبول کر لیا جسے دبانے کے لیے اُسے بھیجا گیا تھا۔ اس حصہ سے اس کے تمام اعزازات اور مالی اثاثے ضبط کر لیے گئے۔ اسے شہید کر دیا گیا۔ اسی طرح پاؤلیقیوں کو ایک مشہور مبلغ سے محروم کر دیا گیا۔ یہ لوگ شہادت کے حصول کے لیے زیادہ بے تاب نہ تھے۔ مگر جب ان پر ایک سو پچاس سال سخت مصیبت کے گزرے تو ان کے جذبات ہر ممکن حد تک مشتعل ہوگئے۔ ان کے پاس عصبیت اور استدلال کی بے پناہ قوت تھی۔ اوّلین مظلوموں کے خون اور باقیات سے بار بار باغی گروہ وجود میں آ جاتے۔ خارجی دشمنوں کے مقابلوں میں بھی وہ وقت نکال کر داخلی جھگڑوں میں مصروف ہو جاتے۔ وہ تبلیغ کرتے، وہ مباحثات میں اُلجھتے اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتے اور اپنی خوبیوں یا کم از کم ظاہری خوبیوں میں سرجی اوس کا سفرِ زیارت تھا جو تینتیس سال جاری رہا۔ قدیم مؤرخین اس کا شاذ ہی ذکر کرتے ہیں جسٹینین دوم نے ان سے بہت ظالمانہ سلوک کیا۔ وہ اسے ایک مقدس امر خیال کرتا تھا۔ اُسے یہ ناکام اُمید تھی کہ وہ انھیں ختم کر دے گا اور اس غرض سے صرف ایک ہی حملہ کافی ہوگا اور اسی سے پاؤلیقیوں کا نام و نشان مٹ جائے گا، وہ عیسائیوں کے عام مروجہ عقائد کو ناپسند کرتے تھے۔ ان کے بعض عقائد سے بعض بُت شکن حکمران متفق بھی ہو سکتے تھے۔ مگر یہ تو خود ہی راہبوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے اور اُنھوں نے اپنے لیے یہ انتخاب کر لیا کہ اب وہ خود ہی کسی ظالم کا انتخاب کرلیں، ورنہ اُنھیں مانیقیوں کا ساتھی قرار دے دیا جائے گا۔ ان کے اس اقدام کی وجہ سے نائسی فورس کے رحم و کرم کو داغ دار کر دیا گیا جس نے ان کے حق میں ستر قابلِ تعزیر قوانین کو معطل کر دیا۔ اُس کا کردار اس نوعیت کا تھا کہ وہ مزید رعایت دینے کا متحمل نہ ہو سکتا تھا۔

مائیکل اوّل ایک کمزور شخص تھا مگر لیو بہت ہٹ دھرم تھا۔ دوسری طرف آرمینیائی بھی ان کو سزا دینے پر تلے بیٹھے تھے اور اس دوڑ میں سب سے آگے تھے لیکن اگر کوئی شخصیت قابلِ افتخار سمجھی جا سکتی ہے تو تھیوڈورا کا نام سرفہرست ہوگا۔ اُس کی وجہ سے مشرقی کلیسا کی شان و شوکت میں اضافہ ہوگیا۔ اس نے ایشیائے کوچک کے شہروں اور قصبات کو جائزہ لیا اور تمام گرجا گھروں میں بتوں کو دوبارہ رکھوا دیا۔ اس ملکہ کے خوشامدیوں نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ اس کی مختصر حکومت کے دوران، ایک لاکھ پاؤلیقی تہ تیغ کر دیے

گئے یا اُنھیں زندہ جلا دیا گیا۔ اُس کے اس گناہ یا نیکی کا اس قدر تذکرہ کیا گیا ہے کہ وہ مبالغے کی حدود میں داخل ہوگیا ہے۔ اگر اس کا صحیح حساب کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ متعدد بُت شکنوں کو دوسرے جرائم پر سزائیں دے دی گئیں اور وہ لوگ جنھیں گرجے سے باہر نکال دیا گیا تھا، وہ بے چارے اپنی مرضی کے خلاف الحاد کی پناہ میں داخل ہو گئے۔

بہت زیادہ غضبناک اور مایوس وہ مذہبی فرقہ تھا جسے مدت سے ظلم کا شکار بتایا جا رہا تھا۔ اس لیے وہ فرقہ بالآخر تنگ آ کر مرنے مارنے پر تیار ہوگیا اور اس مقدس کام پر نہ وہ شرمندہ ہے اور نہ متأسف یا اور نہ خوفزدہ ہے۔ اُن کی تلوار میں اتنی قوت ہے کہ وہ انسانیت کے احساس سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔ اُنھوں نے ان ظالموں کے ظلم کا انتقام ان کے بچوں سے لیا۔ یہ بوہیمیا کے ہسی (Hussites) تھے۔ ان میں فرانس کے کلوینی بھی شامل تھے اور آرمینیا اور ملحقہ صوبوں کے پاؤلیقی بھی ان کے ہمراہ شامل ہو گئے۔ یہ پہلی بار ایک گورنر اور بشپ کے قتل پر بیدار ہوئے جو ملحدین کو سزا دینے یا قتل کرنے پر مامور تھے۔ وہ کوہ آرجی اُوس کی نشیبی وادیوں میں رہتے تھے جو ان کے لیے پناہ گاہ کا کام دیتی تھیں۔ جو تاخیر پیدا ہوئی اُس سے تھیوڈورا کو مزید تشدد اور ایذا رسانی کا موقع مل گیا۔ کاربیوں اور بہادر پاؤلیقیوں کی بغاوت جو مشرقی جرنیل کی حفاظت پر مامور تھے، بھی جاری رہی۔ اس کے والد کو کیتھولک فرقے کے تفتیش کرنے والوں نے جسم میں سلاخیں ٹھونک کر ہلاک کر دیا تھا۔ مذہب یا کم از کم انسانی فطرت کا یہ تقاضا تھا کہ وہ موقع سے فرار ہو جائے اور اپنے والد کا انتقام لے۔ اس مقصد کے لیے اس کے پانچ ہزار ہم عقیدہ جمع ہو گئے۔ اُنھوں نے عیسائیت مخالف روم سے اپنا اتحاد منقطع کر لیا۔ ایک عرب امیر نے کاربیوں کو خلیفۂ وقت سے روشناس کرایا۔ امیر المومنین نے یونانیوں کے اس مظلوم دشمن کی مدد کا وعدہ کر لیا۔ سیواس اور طربی زونڈ کی پہاڑیوں کے مابین واقع ایک شہر طفرائق کے نام سے آباد کیا گیا، یا پہلے سے موجود شہر کی قلعہ بندی کر لی گئی۔ یہ شہر ابھی تک خطرناک بے لگام قبیلے کی رہائش گاہ ہے۔ آس پاس کی پہاڑیوں پر مفرور پاؤلیقی آباد تھے۔ انھوں نے اب تک بائبل اور تلوار میں اتحاد قائم کر لیا تھا۔ تیس سال سے زائد عرصے تک ایشیا بیرونی اور داخلی جنگوں میں مصروف رہا تھا۔ سینٹ پال کے پیروکار مسلمانوں کے ساتھ متحد ہو گئے اور امن پسند عیسائی، عمر رسیدہ والدین اور نازک دوشیزائیں، جو اب غیر مہذب اقوام کی خدمت سے آزاد ہو چکے تھے، وہ اسے اپنا استحقاق سمجھتے تھے کہ بادشاہ کے لیے جاسوسی کریں۔ یہ شرارت اتنی تیزی سے ہوئی اور اس قدر ناقابل برداشت حد تک شرم ناک تھی کہ تھیوڈورا کا بدچلن بیٹا بھی

بذاتِ خود پاؤلیقیوں کے خلاف پیش قدمی پر مجبور ہو گیا۔ اسے سموساطا کی فصیلوں کے اندر شکست ہوگئی اور شاہِ روم کو اُس ملحد کے آگے آگے فرار ہونا پڑا، جس کے باپ کو اُس کی ماں نے زندہ جلا دینے کی سزا دی تھی۔ عرب بھی اس جھنڈے کے تحت لڑتے رہے مگر فتح کا سہرا کاربیوں کے سر پر ہی رہا۔ عصبیت کے تحت سو سے زائد قیدیوں کو یا تو خراج لے کر چھوڑ دیا گیا، یا مناسب جسمانی سزا کے بعد آزاد کر دیا گیا۔ کرائسوقیئر کی بہادری یا حُبِ جاہ کا یہ نتیجہ تھا کہ اُس کے جانشینوں نے اپنے انتقام اور مہم جوئی کا دائرہ مزید وسیع کر لیا اور اپنے وفادار مسلمانوں سے اتحاد قائم کر لیا اور دلیری سے ایشیا کے قلب میں داخل ہو گیا۔ سرحدی علاقوں اور ملحقہ محلات کے عسکریوں کو متعدد بار شکست ہوئی اور وہ لوگ جو اپنی طاقت کے نشے میں سرشار تھے، اُنھیں نائس اور نکومیڈیا کی لوٹ مار سے سبق سکھا دیا گیا۔ انکائرہ اور ایفی سوس بھی محفوظ نہ رہے اور سینٹ جان کے پیروکار اپنے شہر اور تخت و تاج کو بھی اس لوٹ مار سے محفوظ نہ رکھ سکے۔ ایفی سوس کے کیتھیڈرل کو اصطبل میں تبدیل کر دیا گیا اور اس میں گھوڑے، گدھے اور خچر باندھ دیے گئے اور پاؤلیقی اپنے عرب اتحادیوں کے ساتھ بت پرستی کے سخت خلاف تھے۔ یہ بیان کرنا قطعاً ناگوار نہیں گزرتا کہ بغاوت اُن مطلق العنان حکمرانوں کے خلاف کامیاب ہوگئی جو معذور افراد کی عبادت کو بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ وہ نہ تو خراج قبول کرنے کو تیار تھے اور نہ غلاموں کو تاوان کے عوض رہا کرتے تھے، اور انکساری کی زبان بھی قبول نہ کرتے تھے، خیرات کا واسطہ بھی اُنھیں منظور نہ تھا۔ کرائسوقیئر اپنے عیسائی ساتھیوں کو آزاد کرنے کے لیے تیار تھا مگر شاہی خاندان سے وہ تاوان وصول کرنا چاہتا تھا جس میں سونا چاندی اور ریشمی ملبوسات شامل ہوتے۔ گستاخ اور متعصب شخص نے یہ جواب دیا کہ اگر شہنشاہ فی الواقع امن کا خواہش مند ہے تو اُسے مشرق کو چھوڑ دینا چاہیے اور مغرب میں بغیر کسی تکلیف کے اپنی حکومت قائم رکھنی چاہیے۔ اگر وہ خدائی خدمتگاروں کی تجویز سے انکار کرتا ہے، پھر اُسے تخت سے محروم کر دیا جائے گا۔ باسل پہلے ہی سے ڈانواڈول تھا، اب اُس نے صلح نامہ ہی معطل کر دیا اور اپنی افواج کو لے کر دشمن کی سرزمین کی طرف چل نکلا اور اس نے آگ اور تلوار سے اُن کے علاقے میں تباہی مچا دی۔ پاؤلیقیوں کا وہ رقبہ جو میدان پر مشتمل تھا، اُس کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جو اُنھوں نے شاہی علاقوں کے ساتھ کیا تھا، مگر جب اُس نے طفرائق کی قوت کا جائزہ لینا چاہا تو اُسے معلوم ہوا کہ یہاں افواج کی تعداد، اسلحہ اور اشیائے خورد و نوش کے انبار لگے ہوئے ہیں پھر اُس نے ایک سرد آہ بھری اور محاصرہ کرنے سے باز رہا۔ جب وہ قسطنطنیہ واپس جا رہا تھا تو اس نے راستے میں خانقاہیں اور گرجا گھر تعمیر کرنے کی کوشش کی تاکہ اپنے

سماوی مربیوں اور ولیوں جیسے فرشتہ اعظم مائیکل اور پیغمبر ایلجاہ (Elijah) کی مدد کو محفوظ کر سکے۔ وہ ہر روز یہ دُعا کرتا رہتا کہ اُسے موقع ملے اور وہ اپنے دشمن کے سر میں سے تین تیر گزار دے۔ اُس کی توقعات کے خلاف اُس کی خواہش پوری ہوگئی۔ کرائسوقیئر اچانک پکڑا گیا اور قتل کر دیا گیا۔ اُس کا سر تخت کے نیچے رکھ کر اُس میں سے تین تیر گزار دیے گئے۔ جب اُسے یہ ٹرانی مل گئی تو اُس نے فوراً کمان لانے کے لیے کہا اور اُس نے بالکل نشانے پر تین تیر چلا دیے۔ تمام درباریوں نے اس کی نشانہ بازی پر دل کھول کر داد دی، جسے اس نے بخوشی قبول کیا۔ شاہی تیرانداز کی فتح پر مسرت کا اظہار کیا گیا۔ کرائسوقیئر کے ساتھ پاؤلیقیوں کی شان و شوکت بھی ختم ہوگئی۔ جیسا کہ بادشاہ نے دوسرا حملہ کیا تو طفرائق بھی خالی کر دیا گیا اور بدعتیوں نے جان و مال کی معافی چاہی اور سرحدوں کی طرف فرار ہوگئے۔ شہر کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا گیا۔ مگر پہاڑوں کی آبادی میں آزادی کی روح بدستور برقرار رہی۔ پاؤلیقی ایک صدی تک اپنا دفاع کرتے رہے۔ رومی حدود میں ان کا مذہب اور آزادی سلب ہوگئی مگر انھوں نے سلطنت اور انجیل کے دشمنوں کے ساتھ اپنا اتحاد برقرار رکھا۔

آٹھویں صدی کے وسط میں قسطنطین نے بت پرستوں کو کروپرونی لوس کا خطاب دے دیا۔ اس نے آرمینیا میں مہم کا آغاز کیا تو اسے معلوم ہوا کہ ملیطین (Melitene) اور تھیوڈو سیو پولس کے شہروں میں پاؤلیقیوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ اُن پر نوازش کی گئی یا بطور سزا اُنھیں فرات کے کناروں سے قسطنطنیہ اور تھریس منتقل کر دیا گیا۔ اس انتقال آبادی کی وجہ سے اان کے عقائد یورپ میں بھی روشناس ہو گئے۔ یہ لوگ دارالحکومت میں جلد ہی عام آبادی کے ساتھ گھل مل گئے۔ دیہاتی آبادی میں یہ غیر ملکی روح بہت جلد سرایت کر گئی اور اس کی جڑیں مضبوط ہوگئیں۔ تھریس نے ظلم اور تشدد کی مزاحمت کی اور آرمینیا کے بھائیوں کے ساتھ خفیہ خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور ان کے مبلغین کی مدد اور حوصلہ افزائی بھی کی اور بلغاریوں کی کمزور عقیدت سے بھی مدد طلب کی جس میں وہ کامیاب رہے۔ دسویں صدی میں انھوں نے اپنی ایک نئی آبادی یہاں منتقل کر لی جو خاصی طاقتور تھی۔ اس آبادی کو جان زیمسکی نے کوہ قالیبیان سے یہاں منتقل کیا تھا۔ اس طرح حمص کے وادی میں ان لوگوں کی مستقل آبادی قائم ہوگئی۔ مشرقی پادری جو ہر وقت تباہی کے درپے رہتے تھے، جب اُنھیں معلوم ہوا کہ اُن کا حریف غیر حاضر ہے تو وہ اپنی بے صبری کی وجہ سے سرد آہ بھر کر رہ گئے۔ مگر مانقیی اُن کے قبضے میں نہ آئے۔ بادشاہ فطرتاً جنگجو تھا۔ وہ اُن کی بہادری کو محسوس کرتا تھا مگر عربوں سے اُن کے تعلقات شرارت سے خالی نہ تھے۔ اس لیے اُس نے سوچا کہ ان لوگوں کو سکاتھیوں کے خلاف

ڈینیوب کے پار بھیج دیا جائے۔ اگر فتح حاصل کر لیں تو بہتر ہوگا اور اگر مر کھپ کر اُدھر ہی رہ جائیں، پھر بھی مناسب ہی ہوگا۔ جب اُنھیں آزادی سے برداشت کیا جانے لگا تو اُن کی جلاوطنی بھی ٹل گئی۔ پاؤلیقیوں کا فلپو پولس شہر پر قبضہ جاری رہا۔ یہ شہر تھریس کی کلید سمجھا جاتا تھا۔ اس میں موجود کیتھولک ان کی رعایا سمجھے جاتے تھے۔ یعقوبی مہاجرین کے ساتھی تھے، مقدونیہ میں دیہات اور قلعوں کی بڑی تعداد ان کے قبضے میں تھی۔ اپی روس میں بھی ان کے دیہات اور قلعے موجود تھے اور بلغاریوں کی ایک بڑی تعداد بھی بدعت اور اسلحہ دونوں میں ان کی شریک کار تھی۔ وہ ان کی قوت سے خائف تھے اور ان کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرتے تھے۔ ان کے رضاکار دستے سلطنت کی افواج میں نمایاں مقام کے حامل تھے۔ یہ دلیر کتوں کی طرح ہر وقت جنگی جنون میں مبتلا رہتے۔ یہ ہمیشہ انسانی خون کے پیاسے رہتے۔ اس پر کوئی حیران رہ جاتا اور ان کی ملامت کرتا اور یونانی تو ان کے سامنے گربہ صفت بُزدلی کا اظہار کرتے اور اسی کے نتیجے میں یہ زیادہ منہ پھٹ اور گستاخ ہوگئے تھے، انھیں بہت جلد غصہ آ جاتا۔ اُس کی وجہ مسرت یا لالچ ہو سکتی تھی اور حکومت اپنی بے اعتمادی اور منافقت کی وجہ سے ان کے استحقاق کا خیال نہ رکھتی۔ یہی حال کلیسا کا تھا۔ جنگِ نارمن کے دوران دو ہزار پانچ سو مانقیی الیکسی اُوس کومی نوس کا علم چھوڑ کر فرار ہوگئے اور اپنے آبائی گھروں میں چلے گئے۔ وہ انھیں انتقامی کارروائی کے لمحۂ آغاز تک دوبارہ جمع ہونے کے لیے کہتا رہا۔ اُس نے ان کے سرداروں کو ایک دوستانہ مجلس کے انعقاد کے لیے طلب کیا پھر گنہگاروں اور بے گناہوں سب کو سزا دے دی۔ کچھ قید کر دیے گئے کچھ جلاوطن ہوگئے اور کچھ کو اصطباغ کے بعد چھوڑ دیا گیا۔ امن کے زمانے میں شہنشاہ نے یہ مناسب سمجھا کہ انھیں کلیسا اور حکومت کے ساتھ منسلک کر دیا جائے۔ اس نے فلپو پولس میں سردیاں گزارنے کا پروگرام بنایا۔ اس کی معصوم بیٹی نے اس کے متعلق کہا کہ یہ تیسواں حواری ہے۔ وہ شب و روز مذہبی اختلافات کے مباحث میں اُلجھا رہتا۔ وہ محفوظ دلائل پیش کرتا، ان کی ضد کو انعام و اکرام سے نرم کر دیا گیا۔ یہ مشہور تائبین کو مالا مال کر دیتا۔ ان کے لیے ایک نیا شہر آباد کیا گیا۔ جس کے گرد محافظین کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ اس بستی کو اس نے اپنے نام پر الیکسی اُوس کے نام سے موسوم کیا اور اس میں اپنے پیروکار آباد کر دیے۔ فلپو پولس کا اہم شہر ایک سال کے اندر اندر بے عزت رہنماؤں کے ہاتھوں سے چھین لیا گیا۔ اُنھیں جیل بھیج دیا گیا یا ملک سے جلاوطن کر دیا گیا۔ اُن کی زندگی رحم و کرم کی بجائے مصلحت کی بنیاد پر چھوڑ دی گئی۔ صرف ایک بدعتی کو زندہ جلا دیا گیا۔ اس غرض کے لیے سینٹ صوفیہ کے سامنے کا میدان منتخب کیا گیا۔ مگر یہ اُمید کہ ملک کے حالات بدل جائیں گے وہ

پاؤلیقیوں کے جوش وخروش کی وجہ سے تشنہ رہ گئی۔ وہ نہ منتشر ہوتے نہ حکم کی تعمیل کرتے، جب الیکسی اوس ملک چھوڑ گیا یا اُس کی موت واقع ہوگئی۔ جلد ہی ان کے معاشرتی اور مذہبی قوانین متعارف ہوگئے، جب تیرھویں صدی کا آغاز ہوا تو ان کی ترقی (مصنف نے یہاں اسقفِ اعظم لکھا ہے) کی تمام اُمیدیں ختم ہوگئیں یا صرف بلغاریہ، کروشیا اور دالماطیا(Dalmatia) تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ ان کی حکومت اٹلی اور فرانس کے کلیسائی رہنماؤں کے ہاتھ میں تھی۔ آخری دور کے اختتام پر یہ فرقہ حمص کے پہاڑی سلسلوں میں آباد تھا۔ یہاں پر ان کی جہالت اور افلاس سے ترک حکومت کی بجائے یونانی پادری بہت زیادہ فائدہ اُٹھاتے تھے۔ جدید پاؤلیقیوں کو اپنی اصلی نوعیت کی یاد تک محو ہو چکی تھی۔ اب اُن کے مذہب کی صلیب اور خونِ شہدا کی پرستش کے رواج سے توہین کی جا چکی تھی۔ ان میں قربانی کا جذبہ بھی بہت زیادہ ہو گیا تھا جو شاید انھوں نے تاتاریوں سے حاصل کر لیا تھا۔

مغرب میں مانئی مبلغین کو عوام نے باہر نکال دیا اور بادشاہوں نے ان پر دباؤ ڈال کر خاموش کر دیا۔ گیارھویں اور بارھویں صدی میں پاؤلیقیوں کو جو حمایت ملی یا کامیابی نصیب ہوئی، وہ ان کی قوت (جو خفیہ ہی رکھی گئی) اور وہ عدم اطمینان تھا جس نے عام عیسائیوں کو کلیسائے روم کے خلاف ہتھیار اُٹھانے پر مجبور کر دیا۔ کلیسا کا لالچ، ایذا رسانی کی صورت اختیار کر گیا تھا اور مطلق العنانیت ناقابلِ برداشت ہوگئی تھی۔ یونانی بتوں اور ولیوں کی پرستش کرتے تھے مگر کلیسائے روم کا طرزِ عمل اُن سے بھی نامناسب تھا۔ یہ تیزی سے مکر و حیلہ میں مبتلا ہو رہا تھا۔ یہ ادارہ قلب ماہیت کے عقیدے کو بڑی تیزی سے پھیلا رہا تھا۔ لاطینی پادریوں کی زندگیوں میں تو بددیانتی کا بہت زیادہ فتور پیدا ہو چکا تھا اور مشرقی پادری غالباً حواریوں کے جانشین ہونے کا دعویٰ کر سکتے تھے ان کے مقابلے میں مغربی اُسقف تخت نشینی کے لیے اپنی باری کے بہانے تراشتے رہتے۔ پاؤلیقیوں کے لیے یورپ کے قلب میں پہنچنے کے لیے متعدد راستے کھل چکے تھے۔ یروشلم سے ڈینیوب کا راستہ بآسانی طے کیا جا سکتا تھا۔ یہاں سے جاتے ہوئے اور واپسی پر بھی وہ فلیپو پولس میں سے گزرتے مگر اس فرقے کے لوگ اپنے نام اور عقائد ظاہر نہ کرتے۔ وہ ہمیشہ جرمن یا فرانسیسی کاروانوں کے ہمراہ اُن کے ملک تک کا سفر کرتے۔ وینس سے وہ تجارت اور حکومت کے کاروبار کے بہانے گزر جاتے اور بحیرۂ ایڈریاٹک کے ساحل تک پہنچ جاتے۔ یہ حکومت بڑی مہمان نواز تھی اور ہر اجنبی کو خواہ اُس کا تعلق کسی ملک یا مذہب سے ہو بخوشی خوش آمدید کہتی تھی۔ پاؤلیقیوں کو بازنطینی جھنڈے کے تحت حکومت اکثر صقلیہ اور اٹلی کے بازنطینی

صوبوں میں بھیجتی رہتی۔ حالتِ جنگ ہو یا امن کا دور ہو، یہ لوگ آزادی سے اجنبیوں سے گفت وشنید میں مصروف رہتے، وہ مقامی آبادی میں بھی گھل مل جاتے، اور اپنے نقطۂ نظر کی روم، میلان اور الپس کی دوسری طرف کی سلطنت کے حصوں میں تبلیغ کرتے رہتے۔ چنانچہ یہ معلوم ہوا کہ ہزاروں کیتھولک مرد و زن مانئی بدعت میں شامل ہو چکے ہیں اور وہ شعلہ جو بارہ صدیوں سے اورلینز میں جل رہا تھا، وہ پہلے قدم اور ایذا رسانی کے پہلے عمل کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ بلغاریوں کا نام اس تحریک میں معصومیت کی علامت ہے مگر اس کی وساطت سے ان کے عقیدہ پرستوں کی شاخیں تمام یورپ میں پھیل گئیں اور یہیں سے رومی بت پرستی کے خلاف نفرت کا آغاز ہوا۔ وہ ایک اُسقف اور پادریوں کے نظام عدالت اور حکومت کے تحت باہم منسلک تھے۔ ان کے متعدد فرقے، بعض عقائد کے چھوٹے چھوٹے اختلافات کی وجہ سے الگ الگ جماعتوں میں منقسم تھے۔ مگر یہ لوگ دو اصولوں پر متفق تھے۔ عہد نامۂ قدیم کی تذلیل اور حضرت عیسیٰؑ کے جسم کا انکار، نہ تو وہ جسم صلیب پر موجود تھا اور نہ عشائے ربانی میں وہ مجسم حالت میں موجود تھے۔ وہ اپنے دشمنوں سے صرف اس قدر توقع رکھتے تھے کہ وہ سادگی سے عبادت کریں اور برائیوں سے پرہیز کریں اور اُن کے نزدیک معیارِ تکمیل اتنا بلند تھا کہ روزمرہ اضافہ پذیر اجتماعات کو پیروکاروں کی دو جماعتوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک وہ فریق جو مذہب کے اصولوں پر عمل کرتے تھے اور دوسری وہ جماعت جو عمل کرنے کی خواہش میں مبتلا تھی۔ یہ صورت فرانس کے جنوبی صوبے البیجوئس کے علاقے میں پائی جاتی تھی۔ اس علاقے میں پاؤلیقیوں کی آبادی بہت زیادہ تھی۔ وہ انتقام لینے اور ایسا انقلاب لانے کے درپے تھے جو ان کی ہمسائیگی میں دریائے فرات کے کنارے تیرھویں صدی میں بار بار وجود میں آیا تھا۔ فریڈرک دوم نے مشرقی سلطنتوں کے قوانین کو دوبارہ بحال کر دیا تھا۔ طفرائق کے باغیوں کی نمائندگی لانگی ڈوک کے شہروں اور اُن کے سرداروں کے ہاتھ میں تھی۔ پوپ انوسینٹ سوم، تھیوڈورا کی خونریز شہرت سے بھی بازی لے گیا۔ یہ صرف ظلم وستم ہی کا میدان تھا جس میں اُس کے صلیبی ہیرو سب پر بازی لے گئے اور سرکاری تحقیقات کا بانی بھی ان سے بہت پیچھے رہ گیا۔ یہ ایک ایسا دفتر تھا جو الزامات کی صرف توثیق ہی کرتا تھا مگر اس کی تردید نہ کر سکتا تھا۔ وہ اسی بُرے اصول کے معتقد تھے اور پاؤلیقیوں کے ظاہری اجتماعات یا البیجوئس کی مجلسوں کو آگ یا تلوار کی قوت سے ختم کر دیا گیا۔ جو زخمی خون آلود حالت میں بچ جاتے وہ بھاگ جاتے یا اپنے آپ کو چھپا لیتے یا کیتھولک عقائد قبول کر لیتے۔ مگر وہ ناقابلِ تسخیر روح جو ایک دفعہ بحال ہو چکی تھی، ختم نہ کی جا سکی اور مغربی دُنیا میں بھی سانس لیتی رہی۔ وہ کبھی ریاست میں

ظاہر ہوتی، کبھی گرجے میں سر نکال لیتی اور کبھی کسی غلام گردش یا گلی میں ظاہر ہونے لگتی۔ سینٹ پال کے دشمنوں نے جو روم کے خلاف احتجاج کر رہے تھے، عہد نامۂ قدیم ہی کو اپنا دستور تسلیم کر لیا اور اپنے آپ کو ہر قسم کی غناسطی دینیات سے پاک کر لیا۔ انگلستان میں وکلف (Wickliff) اور ہس (Huss) نے بوہیمیا میں جو جدوجہد کی، وہ قبل از وقت اور بے فائدہ ثابت ہوئی مگر زنگلی اوس، لوتھر اور کیلوین کے نام، بطور نجات دہندہ قوم، شکر گزاری سے لیے جاتے ہیں۔ ایک فلسفی جوان کے استحقاق کی درجہ بندی کرے گا اوران کی اصلاحات کی قدر و قیمت متعین کرے گا۔ وہ از راہِ دانشمندی یہ سوال اُٹھائے گا، کہ وہ کون سے ایمانی اُصول ہیں، جن کی بنیاد پر انھوں نے عیسائیت سے متعلق عقائد وضع کیے ہیں جو استدلال اور معقولیت کی میزان پر پورے نہیں اُترتے تھے اور اُنھوں نے ایسے مفادات کو کیوں نظر انداز کیا جو تقدیس اور صداقت کے معیار پر پورے اُترتے تھے۔ ایک منصفانہ بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہمارے اولین مصلحین نہ صرف بُزدل تھے بلکہ سازشی بھی تھے۔ یہود کے ساتھ مل کر اُنھوں نے تمام عبرانی متون کا مطالعہ کیا، تورات کو اُس کی تشریحات کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کی اور اُن کے دفاع کی بھی کوشش کی۔ باغ عدن کے ظہور سے قبل دانیال نبی کے دور تک کی تاریخ کا مطالعہ کیا تو یہ ثابت ہوا کہ یہودیوں کی مخالفت اپنی جگہ پر درست ہے مگر اس کے نتیجے میں (یہود کا) دینی قانون منسوخ ہو گیا۔ تثلیث کے عظیم اسرار میں اور بُت شکنی کے معاملات میں مصلحین بہت زیادہ روایت پرست تھے۔ اُنھوں نے چھ کونسلوں میں سے پہلی چار کو آزادی سے تسلیم کر لیا اور اِستھناسی فرقے کے ساتھ ایسے تمام فرقوں سے متفق ہو گئے جو رومی کیتھولک عقائد پر یقین نہ رکھتے تھے۔ قلب ماہیت، روٹی اور شراب کا معجزانہ طور پر حضرت عیسیٰؑ کے جسم اور خون میں تبدیل ہونا، ایسا عقیدہ ہے جو دلچسپ تو ضرور ہے مگر استدلال کی میزان پر پورا نہیں اُترتا۔ کوئی مجسم شے تو سامنے نہیں آ سکتی۔ البتہ اُن کی بصارت اور دیگر حسیات کے پھندے میں پھنس گئے اور اُن الفاظ سے پریشان ہو گئے جو حضرت عیسیٰؑ نے عشائے ربانی کے موقع پر ارشاد فرمائے۔ لوتھر کہتا ہے کہ عشائے ربانی کے موقع پر حضرت عیسیٰؑ مادی شبیہ کی حالت میں موجود تھے، اور کیلوین وہاں پر انھیں فی نفسہٖ موجود سمجھتا ہے اور زواگلی اُوس کی رائے میں یہ تمام معاملہ محض ایک روحانی تجربے سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ جن گرجا گھروں نے اس اصلاح کو قبول کر لیا، وہاں پر بتدریج عقائد میں سادگی آتی گئی۔ اس ایک سربستہ راز کی تلافی کے لیے بنی نوع انسان کے ابتدائی گناہ کا نظریہ پیش کر دیا گیا۔ نجات (شفاعت) ایمان، زیبائی (دُعا) اور تقدیر کے مسائل روشناس کر دیے گئے اور اس طرح وہ سینٹ پال کے گروہ کے عقائد سے کسی

حد تک الگ ہو گئے۔ یہ وہ مسائل ہیں، جن کو مذہبی مفکرین اور رہنماؤں نے ایجاد کیا ہے مگر جہاں تک اُن کی مقبولیت اور حتمی معیار مقرر کرنے کا تعلق ہے تو یہ کہنا بجا ہو گا کہ اس کا سہرا ابتدائی مصلحین ہی کے سر پر ہے کیونکہ اُنھوں نے اصول متعارف کراتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ ان پر عمل کے لیے نجات کا حصول ممکن نہیں۔ اب تک مافوق الفطرت اعتقادات پروٹسٹنٹ فرقے کے خلاف ہی جاتے تھے اور بہت سے معقول عیسائی یہ بھی کہیں گے کہ خدا کی ذات ظالم اور ایذا رساں نہیں بلکہ رحیم و کریم ہے۔

اس کے باوجود لوتھر اور اُس کے حریف کی خدمات پختہ اور اہم ہیں۔ ہر فلسفی کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان نڈر اور پُر جوش مصلحین کی خدمات کا اعتراف کرے۔ ان کے ہاتھوں اوہام پرستی کا عظیم گورکھ دھندا جو حضرت مریم کی شفاعت سے متعلق تھا، زمین کے ساتھ ہموار کر دیا گیا۔ ہزارہا ایسے مرد و زن جو کلیسا کے ساتھ منسلک تھے، اُنھیں آزاد کر کے عملی زندگی میں واپس کر دیا تا کہ وہ محنت مشقت کر کے معاشرے کا حصہ بن سکیں۔ بہت سے لوگ ولی اللہ اور فرشتے بنے بیٹھے تھے، اور دیوتاؤں کے نامکمل خدام کا کردار ادا کر رہے تھے۔ اُن سے مادی اختیارات واپس لے لیے گئے اور اُنھیں کہا گیا کہ وہ اپنی روحانی مسرتوں سے لطف اندوز ہوں۔ ان کے بتوں اور آثار پر پابندی لگا دی گئی اور عوام کو ہر دور کے اصطباغ سے نجات دلا دی گئی اور معجزات اور کشف کے تصورات کو ختم کر دیا گیا۔ بُت پرستی کی بجائے خدا کی عبادت اور شکر گزاری کی ترویج کی گئی جو انسان کی شان کے مطابق ہے اور دیوتاؤں کی شان کے خلاف ہے۔ دیکھنا یہ تھا کہ عقائد کی یہ اصلاح عوام کے دینی رجحان سے متصادم تو نہیں۔ جب دیہاتیوں کو کوئی مرئی شے سامنے نظر نہ آئے گی۔ تو کیا اُن میں اس صورت میں جذباتی ہیجان اور جوش و خروش پیدا نہیں ہو گا۔ لیکن ایسا وقت آ گیا کہ عوام کی کثیر تعداد نے شرک کی ان صورتوں کو ترک کر دیا۔

۲۔ اقتدار کا وہ سلسلہ ٹوٹ گیا، اور منافقت میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ جس کی وجہ سے عوام کو مجبور کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق سوچ بچار بھی نہ کر سکیں اور اُس کا اظہار بھی نہ کر سکیں۔ اب پادری اور کونسل، اس دُنیا میں بھی خطا سے مبرا نہ سمجھے جاتے ہر عیسائی کو یہ تعلیم دی گئی کہ وہ ماسوائے کلامِ الٰہی کے کسی روحانی قانون کا پابند نہیں۔ انجیل کا مفسر بھی خود اُس کے اپنے ضمیر کے سوا کوئی اور نہیں۔ اس آزادی کے لیے مصلحین نے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی تھی، بلکہ اصلاحات کا یہ لازمی نتیجہ تھا۔ محبِ وطن مصلحین یہ چاہتے تھے کہ وہ متعلقہ ظالموں کے جانشین بن جائیں، جنھیں اُنھوں نے اقتدار سے ہٹایا تھا۔ اُنھوں نے بھی اُسی زور و شور سے اپنے عقائد اور خیالات کو مسلط کرنا چاہا۔ اُنھوں نے حاکمانِ اعلیٰ سے کہا کہ بدعتیوں کو سزائے موت دے دی

جائے۔ کیلوین کی مقدس یا ذاتی دشمنی کی وجہ سے سروی طوس کو جلا وطن کر دیا گیا۔ یہ غالباً اُس کے جرم بغاوت کی سزا تھی اور سمتھ فیلڈ کو شعلوں کی نذر کر دیا گیا، جہاں پر وہ جل کر فنا ہو گیا۔ یہ آگ تجدید بپتسمہ کے معتقدین نے لگائی تھی اور اس میں کرانمر کا جوش و خروش بھی شامل تھا۔ چیتے کی خصلت تو وہی رہی لیکن وہ آہستہ آہستہ اپنے پنجوں اور دانتوں سے محروم ہو گیا تھا۔ روی پوپ روحانی اور مادی دونوں حکومتوں پر قابض تھے مگر پروٹسنٹ علما کو ایک عاجزانہ مقام عطا کیا گیا۔ انھیں اپنے حلقہ ہائے اثر سے کوئی محصول نہیں ملتے تھے۔ بلکہ ان کے فیصلوں پر عمل درآمد بھی کیتھولک کلیسا ہی کی معرفت کرایا جاتا تھا۔ ان کا استدلال اور بحث عوام تک پہنچا دی جاتی اور ان کے فیصلوں کی اپیل بھی عام عدالتوں ہی میں ہوتی اور اُس کا فیصلہ ان کی مرضی کے خلاف بھی ہو جاتا اور اس میں عوام کا تجسس اور جوش بھی شامل ہوتا۔ لوتھر اور کیلوین کے ایام ہی سے گرجا گھروں میں ایک خاموش اور خفیہ تحریکِ اصلاح بھی چل رہی تھی۔ عصبیت کی متعدد جڑی بوٹیاں ختم کر دی گئی تھیں۔ آراس موس کے نظم و ضبط اور پیروکاروں کی وجہ سے آزادی اور انکساری کی روح وجود میں آ گئی۔ ضمیر کی آزادی کو اجتماعی حق قرار دیا گیا جس پر کوئی سمجھوتا نہیں کیا جا سکتا۔ ہالینڈ اور انگلستان کی آزاد حکومتوں نے قوتِ برداشت کے اصول کو روشناس کرایا اور قانون میں اتنی وسعت پیدا کر دی کہ وہ زمانے کی ضروریات کے مطابق ہو سکے۔ ہر منصف کے لیے یہ لازمی قرار پایا کہ وہ اپنے اختیارات کی حدود سے تجاوز نہ کرے۔ الفاظ اور اُن کے مختلف معانی کی صورت اس قدر پیچیدہ ہو گئی کہ کوئی بچہ اپنے بزرگوں کو کسی معاملے میں مطمئن نہ کر سکے اور اُن کے استدلال کا جواب نہ دے سکے۔ متعدد ایسی کتب وجود میں آ گئیں جو مکڑی کے جالوں کی صورت میں دلائل سے بھرپور تھیں۔ اس طرح پروٹسنٹ گرجے کے عقائد ایسی صورت اختیار کر گئے جو اس کے عام پیروکاروں کی سمجھ بوجھ سے بالاتر ہوں اور صحیح العقائد تعلیمات جز وایمان قرار دی گئیں۔ جدید پادری تو ان کو سن کر مسکرا دے گا یا ٹھنڈی آہ بھر کر چپ رہ جائے گا۔ اس کے باوجود عیسائیت کے دوست اس قدر تحقیق اور تشکیک سے گھبرا گئے۔ جبکہ کیتھولک جو کچھ کہتے ہیں، اُس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ اہلِ آرمینیا، آریوسیوں اور سوسینیوں (Socinians) میں ایسا کوئی پُراسرار عنکبوت موجود نہیں جس کی ایک بڑی تعداد اُن کے اجتماعات کے فیصلوں کے مخالف ہو اور وحی الٰہی کے ستون وہی لوگ ڈگمگا دیں جو خدا کا نام تو لیتے ہیں مگر کسی مذہب کے معتقد نہیں۔ وہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور اسے کسی فلسفے کے رُوپ میں پیش نہیں کرتے اور مذہب کو فلسفے کا نام دیتے ہیں۔

☆☆☆

(۵۵)

بلغاریہ کے باشندے(Bulgarians) — ہنگری کے باشندوں(Hungrians) کی ابتدا، نقل مکانی اور استقرار — اور مشرق و مغرب میں یلغار — رُوس کی بادشاہت — جغرافیہ اور تجارت — رُوسیوں(Russians) کی یونانی سلطنت کے خلاف جنگ نیم مہذب اقوام کی تبدیلی مذہب — وولوڈومیر (Wolodomir) کا اصطباغ۔

بلغاریہ کے باشندے — ہنگری کے باشندوں کی ابتدا، نقل مکانی اور استقرار — اور مشرق و مغرب میں یلغار — رُوس کی بادشاہت — جغرافیہ اور تجارت — رُوسیوں کی یونانی سلطنت کے خلاف جنگ نیم مہذب اقوام کی تبدیلی مذہب — وولوڈومیر کا اصطباغ۔

ہرکلس کے پوتے قسطنطین کے دورِ حکومت میں ڈینیوب کی رکاوٹ کو متعدد بار توڑا گیا اور ہر بار اسے بحال کر دیا گیا۔ پھر وحشی اقوام کے ایک نئے طوفان نے اُسے مکمل طور پر بہا دیا۔ ان کی ترقی کو خلفا کی تائید حاصل تھی۔ علاوہ ازیں بعض نامعلوم حادثاتی قوتیں بھی انھیں مدد دیتی تھیں۔ رومی لشکر ایشیا میں مصروف تھے۔ شام، مصر اور افریقہ کے نقصان کے بعد قیصرانِ روم، اس ذلت آمیز حالت میں مبتلا ہوئے کہ ان کے لیے اپنا دارالحکومت بچانا بھی مشکل ہو گیا۔ اسے عربوں کی طرف سے خطرہ درپیش تھا۔ ان لوگوں کا حال بیان کرتے ہوئے میں اپنی تصنیف کے مقررہ راستے سے کسی قدر ہٹ گیا ہوں۔ یہ موضوع فی الواقع اتنا اہم ہے کہ میری اس مداخلت کے لیے مجھے کوئی عذر پیش کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ مشرق میں، مغرب میں، جنگ میں، مذہب میں، سائنس میں، ان کی خوشحالی میں، اور ان کے انحطاط و زوال میں ہم جب تجسس کرتے ہیں تو عرب ہمیں کہیں نہ کہیں نظر آ جاتے ہیں۔ سب سے پہلے انھوں نے یونانیوں کے کلیسا اور سلطنت کو برباد کیا۔ یہ ممکن ہے کہ انھوں نے یہ کام اسلحہ کے زور پر ہی کیا ہو لیکن حضرت محمد ﷺ کا مذہب اور اقتدار ابھی تک مشرقی ممالک میں قائم ہے مگر یہ تباہی ٹڈی دَل کی طرح چھا جانے والے وحشی قبائل کی وجہ سے بھی ہوئی جو سکا تھیا کے میدانوں سے ساتویں اور بارھویں صدی کے درمیان مختلف گروہوں میں حملے آور ہوتے رہے یا عارضی طور پر نقل مکانی کر کے آتے رہے، اُن کے نام گنواروں کی طرح کے ہیں۔ اُن کی ابتدا کہاں سے ہوئی یہ بھی مشکوک ہے۔ ان کے اعمال مبہم ہیں، وہ اوہام پرستی کی بصیرت سے محروم تھے، اُن کی ذاتی زندگیوں میں کوئی نرمی نہ تھی، اُن کی بہادری اندھی تھی، اور اُن کی ذاتی اور معاشرتی زندگی میں نرم مزاجی کا کوئی دخل نہ تھا اور نہ اُن کی حکمت عملی کی وجہ سے اُن میں لطافت کا کوئی دخل تھا۔ بازنطینی سلطنت ان کے غیر منظم حملوں کو پسپا کرتی

رہتی۔ ان کی بڑی تعداد اپنا کوئی نام ونشان چھوڑے بغیر ادھر اُدھر منتشر ہوگئی مگر بعض قبائل کی چند باقیات ابھی تک موجود ہیں اور ممکن ہے کہ تادیر جاری رہ سکیں۔ مگر یہ لوگ ایک ظالم غیر ملکی حکومت کے بوجھ کے نیچے تکالیف برداشت کرتے رہے۔ جبکہ (۱) بلغاریوں (۲) اہلِ ہنگری اور (۳) رُوسیوں کے متعلق تحقیق کے دوران، میں اپنے آپ کو صرف ایسے حقائق تک محدود رکھوں گا جو یادر کھنے کے قابل ہوں، نارمن (۴) کی فتوحات (۵) اور ترکوں کا بھی ذکر آئے گا کیونکہ صلیبی جنگوں میں ان کی کارروائیاں نا قابلِ فراموش رہیں۔ یہ جنگیں ارضِ مقدس کے لیے ہوتی ہیں اور ان کے نتیجے میں قسطنطین اور اس کی سلطنت کو زوال آ گیا۔

۱۔ اوسٹروگوتھ کے تھیوڈور نے بلغاریوں کے لشکریوں کو تباہ کر دیا تھا۔ اس شکست کے بعد ڈیڑھ سو سال تک اس قوم کا کہیں نام نہیں سنا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بعض نوآبادیوں میں یہ لوگ یا ان سے ملتے جلتے ناموں کے لوگ دوبارہ اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ عجیب وغریب نوآبادیاں: بورستھینن، طنائس یا وولگا تھیں۔ بلغاریہ کے ایک قدیم بادشاہ نے اپنے پیچھے پانچ بچے چھوڑے وہ انھیں منکسر المزاجی اور بلند حوصلگی کی وصیت کر گیا۔ بچے نوجوان تھے۔ اُنھوں نے اپنے باپ کی عمر اور تجربے سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی۔ پانچوں بھائیوں نے اپنے باپ کو دفن کیا اور اُس کے ترکہ اور مویشیوں کو آپس میں تقسیم کرلیا اور اپنے باپ کی نصیحت کو جلد ہی فراموش کر دیا، ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے اور پانچویں اپنی قسمت آزمائی کے لیے چل نکلے۔ یہاں تک کہ ان کے بڑے مہم جو کو اٹلی کے قلب میں دیکھتے ہیں اور پھر وہ ریونا کے دارالحکومت کے قریب پہنچ گیا۔ جنوبی ڈینیوب کے ساتھ ساتھ واقع علاقے پر اُس نے جس نام کی مہر لگا دی وہ ابھی تک قائم ہے۔ نئے فاتح نے کہیں جنگ کی اور کسی مقام پر صلح نامہ مرتب کیا اور اس سلطنت کے صوبوں دردانیہ اور تھیسالی پر بتدریج قبضہ کرلیا۔ پھر اپی روس پر بھی قابض ہوگیا۔ یہ جسٹنین کا آبائی وطن تھا۔ اپنی خوشحالی کے دور میں لائکنی دوس کا شہر جسے آقریدہ بھی کہا جاتا تھا۔ اسے بادشاہ یا مقامی رئیس کا دارالحکومت بنا دیا گیا۔ ان کی زبان اس امر کی ناقابلِ تردید شہادت مہیا کرتی ہے کہ یہ لوگ سکلاوانی یا صحیح تلفظ کے تحت سکلاوانی نسل سے تھے اور ان میں ان کے رشتہ دار سرویائی، بوسنیائی، رسقیائی، کروشیائی اور ولاکیائی وغیرہ، سب مل کر اپنے سردار قبیلے کے ساتھ متحد تھے یا یا اُن کی مثال پر عمل کرتے تھے۔ ماوراء النہر سے لے کر بحیرۂ ایڈریاٹک تک یہ لوگ رعایا یا غلاموں کی حیثیت سے رہتے تھے۔ وہ لوگ یونانی سلطنت کے یا تو اتحادی تھے یا دشمن۔ بتدریج یہ قوم سلاو کے نام سے ان تمام علاقوں میں منتشر ہوگئی۔ غالباً یہ سلیو (Slave: غلام) ہی کا بگڑا ہوا تلفظ ہے۔ ان آبادیوں میں ہی

کروشیائی یا اہلِ کروشیا بھی شامل تھے۔ ان میں سے متعدد لوگ نقل مکانی کر کے آسٹریا کی افواج میں بھی شامل ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ اُس طاقتور قوم کی اولاد ہیں جو کسی زمانے میں دالماطیا کے حکمران تھے۔ یہ راگوسا کی نئی قائم شدہ حکومت اور ساحلی شہروں کے حکمران تھے مگر ہر وقت بازنطینی حکومت سے امداد اور رہنمائی کے طلب گار رہتے۔ عالی ظرف باسل کی نصیحتوں کے سبب ان کی وفاداری کا رومی شہنشاہوں کو یقین تھا۔ یہ لوگ سالانہ خراج بھی باقاعدگی سے ادا کرتے تھے۔ مگر یہ نا قابلِ تسخیر غیر مہذب قبائل اس کے باوجود سخت غصے میں رہتے تھے۔ کروشیا کی حکومت میں سات قبائل یا اراکین وفاق شامل تھے اور ان کی متحدہ افواج کی تعداد ساٹھ ہزار سواروں اور ایک لاکھ پیدل فوجیوں پر مشتمل تھی۔ ان کے پاس ایک طویل ساحل سمندر تھا، جس میں متعدد بندرگاہیں تھیں۔ ساحل سے ملحق متعدد جزائر تھے جو اطالوی ساحل تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان ساحلوں پر مقامی آبادی اور اجنبی جہاز رانی میں مصروف رہتے۔ کروشیائی جو کشتیاں تیار کرتے وہ قدیم لائبیرنیوں (Liburnians) کے انداز پر بنائی جاتیں۔ اس طرح کہ ان کے پاس ایک سو اسی جہاز تھے جس کی وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کے پاس ایک باوقار بحری فوج تھی مگر دورِ حاضر کے بحری ملاح تو اس پر ہنسی اڑائیں گے کہ اُن کے ایک جنگی جہاز پر دس سے لے کر چالیس تک بحری سپاہی سوار ہوتے۔ انھیں بتدریج زیادہ مفید تجارتی جہازوں میں تبدیل کر دیا گیا مگر سکلاوانی بحری قزاق ابھی تک خطرناک تھے اور بڑی تعداد میں بھی تھے۔ دسویں صدی کے اختتام سے قبل ایسا نہ ہو سکا کہ وینس کی جمہوریہ ان لوگوں کا خاتمہ کر سکتی۔ دالماطیا کے بادشاہوں کے آباواجداد بھی جہاز رانی کے اہل نہ تھے یا دوسروں نے ان کو اس قابل نہ رہنے دیا تھا۔ وہ اپنی رہائش سفید کروشیا، سلیشیا اور چھوٹے پولینڈ کے داخلی علاقوں میں رکھتے تھے۔ یونانیوں کے حساب کے مطابق بحرِ ظلمات سے یہ علاقے تیس دن کے سفر پر واقع تھے۔

بلغاریوں کی شان وشوکت رقبے اور وقت کے لحاظ سے بہت کم اور ایک مختصر علاقے پر مشتمل تھی۔ نویں اور دسویں صدیوں میں وہ ڈینیوب کے جنوب میں حکومت کرتے تھے مگر زیادہ طاقتور اقوام جنھوں نے ان کے بعد نقل مکانی کی، اُنھوں نے انھیں واپس دھکیل دیا اور یہ لوگ شمال مغرب کی طرف واپس ہوگئے اور انھوں نے مغرب کی طرف پیش قدمی جاری رکھی۔ بہر حال ان کی کامیابیوں کی فہرست میں انھوں نے وہ اعزازات حاصل کیے جو دورِ حاضر تک گوتھوں کی فہرست میں ڈال دیے جاتے رہے ہیں۔ جن میں آگسٹس اور قسطنطین کی میدانِ جنگ میں ہلاکت بھی شامل ہے۔ شہنشاہ نائسی فورس کم از کم عربوں میں بہت شہرت کا

حامل تھا۔ وہ سکلوانی کی جنگ میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اپنے پہلے ہی حملے میں وہ بہادری سے آگے بڑھا اور کامیابی سے بلغاریہ کے مرکز تک پہنچ گیا اور شاہی دربار کو جلا دیا۔ یہ عمارت ایک چوبی گھر سے زیادہ کچھ نہ تھی۔ بلکہ ایک گاؤں تھا جس میں تمام گھر لکڑی ہی کے بنے ہوئے تھے۔ پھر اس نے مالِ غنیمت کی تلاش شروع کی اور صلح کی تمام شرائط مسترد کر دیں اس کے دشمنوں نے اپنی تمام قوت اور افواج کو جمع کیا۔ واپسی کے تمام دروازے بند کر دیے اور لرزاں نائسی فورس نے بلند آواز سے کہا کہ کیا ہی اچھا ہوتا ہمارے پاس بھی پرندوں کی طرح پر ہوتے۔ اب اُمید نہیں کہ ہم بچ کر نکل سکیں۔ دو دن وہ عالم یاس میں کچھ نہ کچھ کارروائی کرتا رہا۔ مگر تیسری صبح بلغاریوں نے اس کے پڑاؤ پر اچانک حملہ کر دیا اور رومی شہنشاہ اور اُس کے تمام بڑے بڑے افسر اپنے اپنے خیموں ہی میں قتل کر دیے گئے۔ ویلنز کے جسم کو بے عزتی سے بچا لیا گیا مگر نائسی فورس کا سر نیزے پر علم کر دیا گیا اور اُس کے کلہ سر پر سونے کا پترا چڑھا دیا گیا اور جب کبھی فتح کا جشن منایا جاتا تو اُس کی نمائش کی جاتی۔ یونانی اپنے تخت و تاج کی تذلیل پر ماتم کرتے مگر وہ یہ بھی تسلیم کرتے کہ لالچ اور ظلم کی سزا درست دی گئی ہے۔ یہ وحشیانہ جام سکاتھیوں کے ظلم و تشدد سے لبریز ہو چکا تھا، مگر یہی وحشی درندے ایک صدی کے اندر اس حالت میں پہنچ گئے تھے کہ وہ یونانیوں کے ساتھ امن و صلح کے مذاکرات کریں۔ ان کے قبضے میں ایک بہت بڑا زرخیز علاقہ تھا اور یہ عیسائی مذہب بھی قبول کر چکے تھے۔ بلغاری شرفا کی تعلیم باقاعدہ مدارس اور شاہی محل میں ہوئی تھی اور سائمن کا تعلق بھی ایک شاہی خاندان سے تھا اور اسے ڈیموستھین کے شاہی مدرسے میں فصاحت و بلاغت کی تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا تھا اور اس نے ارسطو کی منطق بھی پڑھی تھی۔ اُس نے راہبانہ زندگی ترک کر کے بادشاہت اور جنگ آزمائی کے پیشے اختیار کیے تھے۔ اس کی حکومت چالیس سال سے زائد عرصے تک قائم رہی۔ اس کی وجہ سے بلغاریہ بھی دنیا کی مہذب اقوام میں شمار ہونے لگا۔ یونانیوں پر اس نے متعدد بار حملہ کیا۔ اُنھوں نے صرف اسی میں اطمینان حاصل کیا کہ اب اُن کی مزید بے حرمتی اور تذلیل نہ ہوگی اور وہ تمام اہم معاملات پر تبادلۂ خیالات کر سکیں گے۔ اُنھوں نے ترکوں سے امداد قیمت ادا کر کے حاصل کی، حالانکہ وہ اُس وقت تک کفر کی حالت میں تھے، مگر سائمن نے جب دوسری بار حملہ کیا تو اُس نے اُس نقصان کی بھی تلافی کر لی، جو اُسے پہلی بار ہوا تھا۔ عین اُس وقت جبکہ اُس کے دشمن فتح کا جشن منا رہے تھے، اُس نے حملہ کر دیا اور مخالف افواج کو شکست دے دی۔ اس طرح ناقابل تسخیر قوم کا بھرم کھل گیا۔ سرویائی باشندوں کو تخت و تاج سے ہٹا دیا گیا۔ اُنھیں غلام بنا لیا گیا اور منتشر کر دیا گیا اور اس کے بعد جو افراد اپنے ملک

واپس گئے، اُنھیں وہاں پچاس آوارہ گردوں کے علاوہ کوئی انسان نہ ملا۔ کوئی عورت یا بچہ باقی نہ بچا تھا۔ تعاقب میں ہر کوئی تباہ ہو چکا تھا۔ اکیلاؤس (Achelous) کے کناروں پر ایک کلاسیکی میدان میں یونانیوں کو شکست ہوگئی۔ وحشی اقوام کے فرد ہرکلس نے اُن کا سینگ توڑ دیا۔ اُس نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا پھر بادشاہ کے ساتھ ایک ذاتی مکالمہ ہوا۔ سائمن نے شرائط صلح مسلط کر دیں۔ اُنھوں نے انتہائی حاسدانہ احتیاط سے سماعت کی۔ شاہی بحری جہاز کو ایک مصنوعی مگر قلعہ بند پشتے کے سامنے کھینچ کر لایا گیا اور شاہی تخت و تاج کا وقار بلغاریوں کی طرف منتقل ہوگیا۔ عاجز رومانوس نے سوال کیا کہ کیا تم ایک عیسائی ہو؟ تمھارا فرض ہے کہ تم ایک عیسائی کا خون بہانے سے احتراز کرو۔ کیا تم امن سے خون کی پیاس بجھا نہیں سکتے؟ اپنی تلوار کو ڈھال میں بند کر دو۔ اپنا ہاتھ کھول دو تو میں اُس میں بے پناہ خزانے ڈال دوں گا۔ دوستی کا پیمانہ خانگی تعلقات اور خواہشات کی تکمیل سے لبریز کیا گیا۔ تجارت کی آزادی کی منظوری دی گئی یا بحال کر دی گئی۔ دربار میں اوّلین مقام بلغاریہ کے دوستوں کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ وہ دشمنوں یا غیر ممالک کے سفیروں کے ہمراہ بیٹھیں گے۔ اور ان کے بادشاہوں کو سب سے اعلیٰ خطاب ''Basileus'' دیا جائے گا یا شہنشاہ کے لقب سے مخاطب کیا جائے گا۔ مگر یہ دوستی جلد ہی عداوت کا شکار ہوگئی۔ سائمن کی موت واقع ہوگئی اور یہ معاہدہ بھی ختم ہوگیا اور گیارھویں صدی کے آغاز میں باسل دوم کو جو شاہی خاندان ہی میں پیدا ہوا تھا، فاتح بلغاریہ کا خطاب کا موزوں حق دار قرار دیا گیا۔ اُس کی ہوس مال کی اس سے ضرور تسکین ہوئی کہ اُسے چار لاکھ پاؤنڈ سٹرلنگ (دس ہزار پاؤنڈ وزنی سونا) حاصل ہوگیا۔ یہ خزانہ اُسے لاکھنی دوس کے محل ہی سے دستیاب ہوگیا۔ اُس نے پندرہ سو قیدیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جن کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ اپنے ملک کے دفاع میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ اسی تعداد میں قیدیوں کی آنکھیں نکال دی گئیں۔ ایک سو افراد ایسے بچ گئے جن کی صرف ایک آنکھ نکالی گئی اور دوسری چھوڑ دی گئی تاکہ وہ لوگ اپنے بادشاہ کے سامنے ایک تاریک صدی کے گزرنے کا تماشا دیکھ لیں۔ کہتے ہیں کہ مفتوح قوم کا بادشاہ اس غم کے صدمے سے ہلاک ہوگیا۔ تمام قوم اس کی مثال کو سامنے دیکھ کر مبہوت رہ گئی۔ بلغاریوں کو اُن کی آبادیوں سے باہر نکال دیا گیا۔ ایک چھوٹے سے صوبے میں اُنھیں محدود کر دیا گیا جو سردار بچ گئے وہ اپنے بچوں کو یہ سبق دیتے رہے کہ صبر کریں اور موقع ملنے پر انتقام لیں۔

۲۔ جب ہنگری کے قبائل کا سیاہ ٹڈی دَل یورپ پر چھا رہا تھا، اُس وقت تقویم عیسوی کی نو صدیاں گزر چکی تھیں۔ اُس وقت لوگ غلطی سے اُنھیں کتاب مقدس کے یاجوج ماجوج سمجھتے رہے اور کہنے

لگے کہ اب دُنیا کے اختتام کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ جب تحریر کا رواج ہوا، تو یہ لوگ بھی اس تحقیق میں مصروف ہو گئے کہ ان کے حقیقی آباواجداد کون تھے اور اس تجسس میں اُنھوں نے قابلِ ذکر جوش وخروش کا مظاہرہ کیا۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُن کا تعلق ہُون یا اٹیلا (Attila) کے قبائل سے تھا۔ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اُن کی قدیم دستاویزات تاتاریوں کی جنگوں میں ضائع ہو چکی ہیں اور یہ کہ اُن کی داستانوں کی حقیقت دُنیا طویل عرصے سے فراموش کر چکی ہے۔ جن کا تذکرہ ان کے فصیح عوامی گیتوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ گیت بھی وقت کے ساتھ ساتھ سے فراموش ہو چکے ہیں۔ ان گیتوں کے ٹکڑوں کو یکجا کر کے کوئی تاریخی مجموعہ ترتیب دیا جا سکتا ہے اور موجودہ دور کے شاہی جغرافیہ دان ان سے کوئی نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔ مشرقی زبانوں میں اور خود ان کی اپنی زبان میں اہالیانِ ہنگری کا نام میگیار (Magiar) بیان کیا جاتا ہے۔ مگر سکائتھی قبائل انھیں تُرک کہتے ہیں جو زمانہ قدیم میں یونانی سلطنت کے ماتحت تھے اور اسی نام کی بدولت انھیں عام یونانیوں سے تمیز کیا جاتا ہے۔ یہ ایک طاقتور قوم تھی جس نے چین سے وولگا تک کا علاقہ فتح کر کے اس پر حکومت کی تھی۔ پنویا نیا کی آبادی میں ایک خط وکتابت موجود ہے جو اُس دور میں اُس تجارتی کاروبار پر روشنی ڈالتی ہے جو ترکوں اور فارس کی مشرقی سرحدی ممالک کے مابین ہوتی تھی۔ پھر یہ لوگ تین سو پچاس سال تک ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ بادشاہ ہنگری نے ایک سفارت روانہ کی جس نے بڑی محنت سے ایسی قوم کی ایک قدیم بستی دریائے وولگا کے کنارے پر تلاش کر لی۔ یہاں پر کافر اور وحشی باشندے آباد تھے، مگر اُنھوں نے ان کا بڑی خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ اس آبادی کے باشندے ابھی تک اپنے آپ کو ہنگری ہی کہتے تھے اور اپنی قدیم زبان بولتے تھے۔ سفارتی گروہ سے بھی انھوں نے اسی زبان میں تبادلۂ خیالات کیا اور قدیم روایات کا باہمی تبادلہ کیا۔ سفارت کاروں نے اس غیر مہذب گروہ کو اپنی خوشحالی اور تبدیلی مذہب کے متعلق بھی آگاہ کیا۔ اور یہ بھی بتایا کہ اُنھوں نے اپنی ایک آزاد حکومت قائم کر لی ہے۔ ان قدیم باشندوں نے بھی مذہب کی تبدیلی میں جوش وخروش کا مظاہرہ کیا۔ ایک پُرجوش شہزادے نے ایک ناکام کوشش بھی کہ تاتارستان کے قلب میں واقع اس بستی کو کسی طرح اپنے ساتھ منسلک کرے۔ یہ ثابت ہو گیا کہ اس قدیم علاقے سے وہ کسی زمانے میں جنگوں اور نقل مکانی کے طوفان میں دیارِ مغرب کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔ ان پر بعض طاقتور قبائل کا بوجھ پڑا تھا جو خود مفرور اور مہاجر تھے اور اسی حالت میں جو علاقے اُن کی زد میں آ جاتے۔ اُنھیں فتح بھی کرتے جاتے۔ ان کی قسمت میں ہی لکھا تھا کہ یہ لوگ اپنا وطن چھوڑ کر رومی سلطنت کی سرحدوں کی طرف منتقل ہو گئے۔ انھوں نے حسب معمول

بڑے بڑے دریاؤں کے کناروں پر قیام کر لیا۔ انھیں ماسکو، کیف اور مالدیویہ (Moldavia) پسند آ گئے۔ ان کی عارضی قیام گاہوں کے بعض آثار دریافت ہوئے ہیں۔ اس طویل دور میں کئی بار ایسا ہوا کہ ان سے مضبوط اور طاقتور اقوام نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا اور اس طرح غیر ملکی اقوام کی آمیزش سے اُن کے خون کی پاکیزگی متاثر ہوئی۔ اس امتزاج کے نتیجے میں خون میں بہتری بھی آئی ہوگی اور کمزوری کا امتزاج بھی ہوا ہوگا۔ یہ عمل رضا کارانہ بھی ہو سکتا ہے اور اس میں جبر کا دخل بھی ناگزیر ہے۔ کوزاروں (Chazars) کے متعدد قبائل اپنے قدیم سرداروں کے علم کے نیچے جمع ہو گئے اور مجبوراً دوسری زبان بھی سیکھنے لگے اور یہ حسب ضرورت جنگوں میں بھی نمایاں مقام حاصل کرنے لگے۔ ترکوں کی افواج پیش قدمی کے وقت سات قدرتی یا خود ساختہ لشکروں میں منقسم ہو گئی۔ ہر لشکر میں تیس ہزار آٹھ سو ستاون لشکری تھے اور اگر ان کے ساتھ ان کے بیوی بچوں کو بھی شمار کر لیا جائے تو ان کی تعداد دس لاکھ کے قریب ہو جاتی ہے۔ ان کے ہمراہ سات قبائلی سردار ہوتے، یہ عہدہ وراثت میں نسل در نسل منتقل ہوتا رہتا۔ چونکہ ان سرداروں کے مابین بعض اوقات اختلافات رونما ہو جاتے اس لیے تجربے نے یہ سبق دیا کہ سردار صرف ایک ہی ہونا چاہیے۔ یہ طریق سادہ بھی ہے اور اس میں توانائی کا ضیاع بھی نہیں ہوتا اور انتظامی امور بھی آسانی سے طے پاتے ہیں۔ لیبی ڈیاس کو شاہی تخت پیش کیا گیا مگر اُس کے انکار پر آلموس اور اُس کے جانشین اور بیٹے آرپاڈ کو یہ اعزاز دے دیا گیا اور کوزارِ اعظم کو تمام اختیارات اور اقتدار منتقل کر دیا گیا۔ شہنشاہ اور عوام کے حقوق وفرائض طے کر لیے گئے۔ عوام اُس کے احکام کی تعمیل کریں گے اور شہنشاہ اُن کی مسرتوں اور کامرانیوں کا خیال رکھے گا اور اُن کا مشورہ حاصل کرتا رہے گا۔

اس بیان کے بعد ہمیں معقول حد تک مطمئن ہو جانا چاہیے۔ ہمیں اس اصول سے یہ فائدہ تو ہو سکتا ہے کہ ہم کئی بڑی بڑی اقوام کی اصل کا کھوج لگا سکیں۔ ہنگری کی زبان اپنی اصل اور مزاج کے لحاظ سے یورپ کی دوسری زبانوں سے مختلف ہے۔ البتہ اس میں سکلاوانی بولیوں سے کچھ ربط ضروری پایا جاتا ہے مگر اپنے محاورے کے لحاظ سے یہ واضح طور پر فینی (Fennic) نسل سے تعلق رکھتی ہے جو ہر طرح سے ایک وحشی نسل تھی۔ زمانۂ قدیم میں ان لوگوں نے شمالی یورپ اور شمالی ایشیا پر قبضہ کر رکھا تھا۔ زمانہ قدیم میں یہ لوگ یوگری (Ugri) یا آئی گور (Igours) کہلاتے تھے اور چین کی مغربی حدود میں پائے جاتے تھے۔ ارطیش کے کناروں پر ان کی نقل مکانی کی تاتاری شہادت سے تصدیق ہوتی ہے اور ایک ایسی ہی نام اور ان کی زبان کے بعض آثار اور نقل مکانی کا جنوبی سائبیریا میں بھی پتا چلتا ہے۔ اس نسل کے باقی ماندہ قبائل ایک بہت بڑے

رقبے پر مگر کم تعداد میں اوبی (Oby) کے منبع سے لے کر لیپ لینڈ کے ساحلوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ہنگری اور لیپ لینڈ کے باشندوں کا باہمی ربط وضبط یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کے آباواجداد تو ایک ہی تھے مگر ان پر شدید آب وہوا کے اثرات بہت زیادہ ہیں۔ یہ اثرات بچے بہت زیادہ قبول کرتے ہیں۔ ان میں سے جو مفرور ڈینیوب کے کنارے پر بس گئے اُنھوں نے اس شدید آب وہوا کا مقابلہ شراب نوشی سے کیا اور جو قطب شمالی کے دروازے پر منتشر ہو گئے اُنھوں نے فطری اصول جہد للبقا کے زیر اثر شدید آب وہوا برداشت کرنے کی قوت پیدا کر لی، اسلحہ اور آزادی کی ہمیشہ حکمرانی رہی ہے مگر جہاں تک ہنگری کے باشندوں کا تعلق ہے یہ ہمیشہ اس مسئلے میں ناکام رہے ہیں۔ حالانکہ فطرت کی طرف سے انھیں مضبوط جسم اور حوصلہ عطا کیا گیا ہے۔ لیپ لینڈ کے باشندوں پر شدید سردی کا اثر یہ ہوا ہے کہ اُن کی جسمانی قد وقامت میں بہت کمی آ گئی اور دائرہ قطب شمالی کے قبائل کے باشندوں میں جنگ وجدل کی صلاحیت ختم ہو گئی ہے اور انھیں انسانی خون بہانے میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی۔ یہ لاعلمی فی الواقع بہت خوش گوار ہے مگر یہ مزید باعثِ مسرت ہوتی اگر یہ لوگ امن اور بہبود کی ضرورت کو بذریعہ استدلال اور فہم ودانش ثابت کر سکتے۔

ایک شاہی مصنف نے ''تدابیر'' (Tactics) کے زیر عنوان ایک کتاب لکھی ہے جس میں یہ تبصرہ بھی شامل ہے کہ سکاتھیوں کے تمام گروہ اپنی فوجی زندگی میں باہم بالکل یکساں تھے۔ اُن کی جنگوں کا انداز یکساں تھا اور وہ اسلحہ بھی ایک ہی طریقے کا استعمال کرتے تھے مگر وہ اس میں مزید یہ اضافہ بھی کرتا ہے کہ بلغاری اور اہالیان ہنگری باہم بالکل یکساں تھے مگر دیگر اقوام کے مقابلے میں برتر تھے۔ اگرچہ وہ اپنی اصلاح میں گستاخی کا مظاہرہ کرتے تھے مگر اپنے نظم وضبط اور انتظامیہ میں بظاہر وہ یکساں نظر آتے تھے۔ جس کی وجہ سے لیو نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ لوگ دشمنی کا دعویٰ کریں یا دوستی کا ان کے ساتھ یکساں سلوک ہی مناسب ہے۔ دسویں صدی عیسوی میں ان کے بعض ہمعصروں نے ان کی جس انداز میں تصویر کشی کی ہے وہ بھی مذکورہ خیال کی تائید کرتی ہے۔ ان کی فوجی اہلیت اور مہارت کے علاوہ ان کی جتنی بھی خصوصیات تھیں اُنھیں وحشی اقوام بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھیں گی۔ انھیں ہر وقت اپنی تعداد کی برتری اور ہر نوع کی معاشرتی پابندی سے آزادی کا خیال رہتا تھا۔ ہنگری کے باشندے اپنے خیمے چمڑے کے بناتے تھے۔ اُن کے لباس سمور کے ہوتے۔ وہ جب ڈاڑھی کے بال صاف کرتے تو اپنا چہرہ بھی مسخ کر لیتے۔ وہ آہستہ آہستہ بولتے۔ مگر عمل میں تیزی بلکہ جلد بازی کا مظاہرہ کرتے۔ وہ بالکل وحشیانہ ملامت کے مستحق تھے۔ وہ سچی بات سمجھنے کے قطعاً قابل نہ تھے۔ وہ

انتہائی پکے وعدے کر کے بھی مکر جاتے اور اس میں فخر محسوس کرتے۔ ان کی سادگی کی تعریف کی جاتی ہے۔ مگر وہ صرف اُس عیش وعشرت سے پرہیز کرتے جس کا اُنھیں علم ہی نہ تھا۔ وہ جو کچھ بھی دیکھتے اُس کو حاصل کرنے کی خواہش کرتے۔ ان کی خواہشات بہت محدود تھیں۔ اُن کی سب سے بڑی صنعت جنگ وجدل اور لُوٹ مار تھی۔ اگر ہم یہ کہیں کہ یہ لوگ گلہ بان تھے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے ہاں معاشی نظام کا کوئی طویل سلسلہ موجود تھا۔ وہ ماہی گیری اور شکار کرتے، اُن کی زندگی کا انحصار اسی خوراک پر تھا۔ اُنھوں نے زمین کبھی کاشت نہیں کی۔ البتہ اپنے نئے وطنوں میں وہ کبھی تھوڑی بہت گلہ بانی کر لیتے جس میں سلیقے یا فن کا کوئی دخل نہ تھا۔ ان کی نقل مکانی غالباً ان کی مہم جوئی ہی تھی۔ ہزارہا بھیڑیں اور بیل ان کے ساتھ ساتھ چلتے جن کی وجہ سے اس قدر گرد اُٹھتی کہ اُس پر قابو نہ پایا جا سکتا۔ ان کی وجہ سے انھیں دودھ اور حیوانی خوراک باقاعدہ دستیاب رہتی۔ جرنیل کا سب سے پہلا حکم یہ ہوتا کہ وافر مقدار میں چارا مہیا کیا جائے۔ اگر گلے اور ریوڑوں کی خوراک کا موزوں انتظام ہوتا، تو توانا اور مضبوط جسم کا جنگجو بھی دلیری سے غنیم کا مقابلہ کر سکتا اور خطرات اور تھکن سے محفوظ رہتا۔ وہ دشمن پر ہمیشہ اچانک حملہ آور ہو جاتے۔ ابھی تک اُنھوں نے اپنے رسالے کا وسیع دائرہ تشکیل نہ دیا تھا۔ وہ ہمیشہ حرکت میں رہتے اور دشمن کی نقل وحرکت پر بھی نظر رکھتے اور اُسے اپنے قریب نہ آنے دیتے۔ رومی تدابیر کے ابتدائی علم کے بعد اُنھوں نے تلوار اور برچھے کا استعمال سیکھ لیا۔ لشکریوں کو خود پہنا دیے اور آہنی زرہ بکتر بھی پہننے لگے۔ مگر اُن کا اپنا آبائی ہتھیار تاتاری کمان ہی تھا۔ بچپن ہی سے ان کی نوجوان نسلیں اور ملازمین تیر اندازی اور شاہسواری کے فنون کی تربیت حاصل کرتے۔ ان کے بازو مضبوط ہوتے۔ ان کا نشانہ یقینی ہوتا۔ جب ضروری ہوتا تو یہ پچھلی طرف جھک جاتے اور فضا میں تیروں کی بوچھاڑ کر دیتے، کھلی جنگ میں یہ حکمت عملی بہت کارگر ثابت ہوتی۔ جب کسی کا تعاقب کرتے یا خود پسپائی اختیار کرتے، تو ان حالتوں میں بھی وہ ناقابل تسخیر ہوتے۔ سب سے اگلی صفوں میں بھی وہ نظم وضبط برقرار رکھتے۔ مگر جب کبھی وہ پیش قدمی کرتے تو اُس میں وہ فوجیوں کی بڑی تعداد جھونک دیتے۔ ان کی پیش قدمی براہِ راست اور جوش وخروش کی تندی اور تیزی کا نظارہ پیش کرتی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بہت زیادہ شور وغل سے بھی کام لیتے۔ جب وہ بھاگتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ وہ بہت زیادہ خوف زدہ ہیں مگر یہ خوف حقیقی بھی ہوتا اور فرضی بھی ہو سکتا تھا۔ یہ پیچھا کرتے ہوئے دشمن کی خوشبو سونگھ لیتے اور انتہائی تیز رفتاری سے مُڑ کر اُس پر ٹوٹ پڑتے۔ جب انھوں نے یورپ پر حملہ کیا تو تباہی مچا دی۔ عرب اور ڈنمارک کے باشندے بھی ان سے محفوظ نہ رہے۔ وہ کبھی کسی سے کچھ دریافت نہ

کرتے۔اور کسی کو بھی نہ بخشتے۔عورتوں یا مردوں کسی صنف پر رحم نہ کھاتے۔وہ کچی مچھلی کھا لیتے۔اس سے یہ افواہ پھیل گئی کہ وہ انسان کا خون پیتے ہیں اور اُس کے دل کی دعوت اُڑاتے ہیں۔اس کے باوجود ہنگری قبائل بھی اُن اوصاف سے محروم نہ تھے جو فطرت نے ہر انسان کے دل میں پیدا کر دیے ہیں۔اجتماعی اور انفرادی مضرات کی سزا اور جرمانے سے حسب قانون تلافی کی جاتی، کھلے پڑاؤ میں چوری کو سب سے بڑا اور خطرناک جرم سمجھا جاتا تھا۔ان وحشی قبائل میں بھی متعدد ایسے افراد موجود تھے جن کو اچانک کوئی بہبود کا کام سوجھ جاتا اور وہ انسان تحفظ کے لیے کوئی قانون تشکیل دے لیتے۔وہ معاشرتی جذبات کا خیال رکھتے اور معاشرتی اقدار کا تحفظ کرتے۔

وہ طویل مدت تک بھاگتے رہے یا فتوحات حاصل کرتے رہے۔پھر ترکوں کے گروہ فرانسیسی اور بازنطینی مشترکہ سرحدوں پر حملے کرنے لگے۔ان کی پہلی فتح اور قیام دیانا سے اوپر اور بلغراد کے زیریں علاقے میں ہوا۔یہ علاقہ روم کے صوبے پنونیا سے کسی قدر آگے تھا۔جسے جدید حکومت ہنگری کہتے ہیں۔اس سے قبل اس خوبصورت خطہ زمین پر موراویوں کا قبضہ تھا جو سکلاونیوں ہی کا ایک قبیلہ تھا اور اسی نام سے مشہور تھا۔اس قبیلے کو حملہ آوروں نے دبا کر ایک چھوٹے سے ملحق صوبے میں دھکیل دیا۔شارلمین نے اپنی حکومت کا دائرہ ٹرانسلوانیا تک بڑھا رکھا تھا۔اگرچہ اس علاقے میں اس کا تسلط تقریباً نہ ہونے کے برابر تھا مگر جب اس کا تسلط مزید کمزور ہو گیا تو موراویا کے نواب بھی اپنا سالانہ خراج ادا کرنا بھول گئے۔حرامی آرنولف کو یہ سوجھی کہ وہ ترکوں سے فوجی امداد حاصل کرے۔انھوں نے تیزی سے شہر کی فصیل عبور کر لی جو اُس نے جان بوجھ کر کھول رکھی تھی۔چنانچہ شاہ جرمنی پر یہ الزام درست ثابت ہو گیا کہ وہ مملکت اور عیسائیت کا غدار ہے۔آرنولف کی زندگی کے دوران ہنگری قبائل کو کچھ دے دلا کر یا خوف زدہ کر کے اپنی حدود کے اندر محبوس رکھا گیا تھا مگر اُس کے بیٹے لیوئیس کے زمانہ طفولیت میں اُنھوں نے بوویریا پر حملہ کر دیا اور اُنھوں نے اس حملے میں سکائتھیوں کی طرح کی تیز رفتاری کا مظاہرہ کیا کہ اُنھوں نے ایک ہی دن میں پچاس میل کا رقبہ عبور کر لیا اور اُس پر قبضہ بھی کر لیا۔جب آگسبرگ کی جنگ ہوئی تو عیسائیوں نے اُس روز کے پہلے سات گھنٹوں میں اپنا غلبہ برقرار رکھا مگر اس کے بعد ترک رسالے نے اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے اُن پر غلبہ پا لیا اور انھیں شکست دے دی۔پھر یہ بدنظمی بوویریا، صوابیہ اور فرانکونیا تک پھیل گئی اور ہنگریوں نے ہر جگہ اپنی قلعہ بندیاں مضبوط کر لیں اور مقامی سرداروں میں نظم و ضبط پیدا کر لیا۔کہتے ہیں کہ اسی فساد اور المیے کی بدولت فصیل بند شہروں کا رواج ہوا۔دشمن

کے سامنے کوئی فاصلہ بھی ناقابلِ عبور نہ رہا۔اُس نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا اور سینٹ گال کی خانقاہ ہیلویطیان اور بریمان کے شہر جو شمالی سمندر کے ساحل پر آباد تھا، جلا کر راکھ کر دیا۔تیس سال سے زائد عرصہ جرمن سلطنت یا بادشاہت، خراج ادا کرتی رہی۔مگر ان کی مزاحمت کو سختی سے کچل دیا گیا۔عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا کر گھسیٹ لیا گیا اور ہر اُس مرد کو جس کی عمر دس سال سے زائد تھی، قتل کر دیا گیا۔میرے پاس نہ تو ایسے ذرائع ہیں اور نہ میں یہ مناسب ہی سمجھتا ہوں کہ ہنگری قبائل کی راہین سے ماورا پیش قدمی کا حال بیان کروں۔مگر میں یہ جان کر حیران ہوتا ہوں کہ فرانس کے جنوبی صوبے بھی اس طوفان کی وجہ سے بھک سے اُڑ گئے اور اہل ہسپانیہ تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ شمال کی طرف سے یہ کون سے اجنبی ہیں جو طوفان کی طرح اُمڈے چلے آتے ہیں۔سب سے پہلے یہ اٹلی کے علاقوں میں داخل ہوئے اور برنطا میں اپنا پڑاؤ قائم کیا۔اب جو ملک اُن کے سامنے آیا اس کی آبادی اور قوت کو دیکھ کر یہ قدرے حیران ہوئے۔انھوں نے بادشاہ سے درخواست کی کہ انھیں واپسی کی اجازت دے دی جائے مگر شاہِ اٹلی نے ان کی درخواست کو نفرت سے مسترد کر دیا۔مگر اس ضد کے نتیجے میں بیس ہزار سپاہیوں کی جان چلی گئی۔مغرب کے شہروں میں پاویا بہت زیادہ خوشحال اور نمایاں تھا اور روم کی شہرت کا تو مذکور ہی فضول ہے، اس میں تو حواریوں کے آثار کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ہنگری کے قبائل میدان میں آ گئے۔ پاویہ کو جلا کر راکھ کر دیا۔تنتالیس گرجا گھر نذرِ آتش ہو گئے اور عوام کے قتل عام کے بعد دو سو ایسے افراد کو برچھوں سے زخمی کر دیا جن کے پاس سونے اور چاندی کے وزنی ذخائر تھے۔(یہ ایک فضول مبالغہ آرائی ہے) یہ لوگ جلتے ہوئے شہر کے دھوئیں کی آڑ میں چھپے ہوئے تھے۔یہ لوگ ہر سال کوہ الپس سے لے کر روم کے قرب و جوار کاپوا تک مہم جوئی کرتے رہتے۔وہ گرجا گھر جو ابھی تک بچ چکے تھے ڈرتے ڈرتے اُنھیں بحال کیا گیا۔
''اے خدا! ہمیں بچا اور ہنگری کے تیراندازوں سے محفوظ رکھ!'' مگر تمام ولی اللہ بہرے ہو چکے تھے اور طوفان آگے ہی بڑھتا گیا۔یہاں تک کہ یہ کالابریہ کی آخری سرحد تک پہنچ گیا۔ہر اطالوی باشندے کے سر کی ایک قیمت لگا دی گئی۔چاندی کے تین بُشل فوراً ترکوں کے پڑاؤ میں پہنچا دیے گئے۔یہ فساد برپا کرنے کی فطری قیمت تھی۔چاندی کے معیار اور وزن دونوں میں بے ایمانی کی گئی۔مشرق میں ہنگری قبائل کو خطرہ تھا کہ وہ بلغاریوں کی مساویانہ قوت سے مقابلہ نہ کر سکیں گے اور اُن کا مذہب کفار سے کسی قسم کے اتحاد کی اجازت بھی نہ دیتا تھا اور وہ ایسے مقام پر تھے کہ بازنطینی سلطنت کی حدود بھی اُن کے بالکل قریب تھیں۔بالآخر حدود کو پھلانگ لیا گیا۔قسطنطنیہ کے شہنشاہ نے دیکھا کہ ترکوں کے جھنڈے لہرا رہے ہیں اور اُن کا ایک بہادر جنگجو اس

پر تیار تھا کہ وہ اپنا جنگی کلہاڑا سنہری دروازے پر دے مارے۔ یونانیوں نے حیلہ جوئی اور خزائن دے کر خطرے کو ٹال دیا۔ مگر اہالیان ہنگری یہ فخر سے کہتے ہیں کہ جب بلغاری واپس ہو رہے تھے تو اُنھوں نے اُن سے بھی خراج وصول کر لیا اور قیصران کی شان و شوکت سے بھی ایسا ہی سلوک کیا۔ اس مہم جوئی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ترکوں کی تعداد اور قوت کس قدر زیادہ تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ اُن کا حوصلہ انتہائی قابل تعریف تھا۔ کیونکہ تھیسالونیکا کے دروازوں پر تو تین چار لاکھ فوجی اکثر دستک دیتے رہتے تھے اور قسطنطنیہ کو بھی اتنی تعداد میں حملہ آوروں سے سابقہ پڑتا ہی رہتا تھا۔ نویں اور دسویں صدی کے اس تباہ کن دور میں یورپ کو شمال، مشرق اور جنوب یعنی تینوں اطراف سے خطرات درپیش تھے۔ نارمن، ہنگری قبائل اور صحرانشین اپنے اپنے راستوں سے حملے کرتے رہے۔ ہومر نے ماضی بعید میں جب اپنا رزمیہ ''جنگی بارہ سنگھے'' لکھا تھا تو اُس کے تصور میں غالباً یہی صورت حال ہوگی۔

سیکسن بادشاہ ہنری فاؤلر نے جرمنی اور عیسائیت کو آزاد کرا لیا تھا اور عظیم اوتھو نے دو یادگار جنگوں میں ہنگری قبائل کی قوت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ بہادر ہنری بیماری کی حالت میں بستر سے اُٹھا اور اُس کی تدابیر کامیاب ہوئیں۔ اُس نے مقابلے کے دوران ایک روز صبح سویرے کہا کہ میرے ساتھیو! اپنے کمر بند باندھ لو، جب کفار پہلا تیر چلائیں تو اپنے نیزوں کی بوچھاڑ کر دو اور اُنھیں دوسرا تیر چلانے کا موقع نہ دو۔ اُنھوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور فتح حاصل کر لی۔ مرس برگ کے قلعے کی تاریخی حیثیت کی قلعی کھل گئی۔ اس سے ہنری کے کردار اور تدابیر کا لوہا مسلمہ ہو گیا اور اُس دورِ جہالت میں بھی اُس کا نام ہمیشہ کے لیے تاریخ کا حصہ بن گیا۔ اس کے بیس سال بعد ترکوں کی اولاد نے اس کے بیٹے کی سلطنت پر حملہ کیا۔ جبکہ اُن کی فوج کا کم از کم تخمینہ یہ لگایا گیا کہ اُس میں ایک لاکھ رسالے کے سوار شامل تھے اور ان میں متعدد مقامی قبائل بھی شامل تھے۔ کسی نے غداری کی اور جرمنی کی سرحدی فصیلوں کے دروازے کھول دیے۔ اس طرح راہین اور می اُوس بلکہ فلانڈرز کی سرحدوں تک پہنچنا آسان ہو گیا۔ مگر اوتھو کی دانش مندی سے یہ سازش ناکام ہو گئی۔ بادشاہوں کو یہ سمجھ آ گئی کہ جب تک وہ ایک دوسرے کے وفادار نہ رہیں گے، ان کا وطن اور مذہب ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے۔ آگس برگ کے مقام پر باہم مشورے سے قومی منصوبہ بندی کا دوبارہ جائزہ لیا گیا۔ اُنھوں نے پیش قدمی کی تو اُنھیں آٹھ لشکر نظر آئے۔ وہ صوبوں اور قبائل کے حوالے سے تقسیم کیے گئے تھے۔ پہلا، دوسرا اور تیسرا باویری قوم کی نمائندگی کرتا تھا۔ چوتھا فرینکونیوں کا تھا۔ پانچویں میں سیکسن تھے اور شہنشاہ بذاتِ خود ان

کی کمان کر رہا تھا۔ ساتواں صوابیوں پر مشتمل تھا اور آٹھویں میں ایک ہزار بوہیمی شامل تھے۔ یہ اُس تمام اجتماع کے عقب کی حفاظت پر مامور تھا۔ ان کے نظم و ضبط اور جرأت کا انحصار ان کی اوہام پرستی پر تھا۔ لشکریوں کو پاک کرنے کے لیے اُن سے روزہ رکھوایا جاتا۔ اس کے لیے شاہی فرمان بھی جاری کیا جاتا اور سخاوت کا مظاہرہ بھی ہوتا۔ فوجی پڑاؤ میں ولیوں اور شہدا کے آثار سے برکت حاصل کی جاتی اور عیسائی ہیرو اپنے پہلو میں قسطنطین کی تلوار باندھتے اور شارلیمین کا ناقابلِ تسخیر نیزہ اپنے ہاتھ میں رکھتے اور سینٹ ماؤریق کا علم لہراتے پھرتے۔ مقدس نیزے پر اُنھیں بہت اعتماد تھا۔ اس کے نوکیلے حصے میں صلیب کے کیل لگائے جاتے۔ یہ کیل اس کے باپ نے برگنڈی کے بادشاہ سے حاصل کیے تھے۔ اس کے لیے جنگ کی دھمکی بھی دی تھی اور ایک صوبہ بطور تحفہ بھی پیش کیا تھا۔ ہنگریوں کے متعلق توقع تھی کہ میدانِ جنگ میں سب سے آگے ہوں گے۔ وہ ہمت کر کے لچ (Lech) سے پار اُتر آئے یہ بویریا کا ایک دریا تھا۔ جو آگے چل کر ڈینیوب میں گر جاتا ہے۔ دریا کو عبور کر کے وہ عیسائی افواج کے عقب میں چلے گئے۔ عسکریوں کا سامان لوٹ لیا اور بوہیمیا اور صوابیہ کے لشکروں کو غیر منظم کر دیا۔ فرینکونیوں نے دوبارہ میدان جنگ جما لیا۔ بہادر کونراڈ ان کا نواب تھا۔ وہ آرام کے لیے میدانِ جنگ سے ایک طرف ہوا ہی تھا کہ اُسے ایک تیر لگا اور وہ اس کے جسم کے پار ہو گیا۔ سیکسن نے اپنے بادشاہ کی زیرِ نگرانی جنگ جاری رکھی اور اس کی فتوحات، اس کی اہلیت اور اہمیت دو سو سال تک مسلمہ رہی۔ ہنگریوں کو فرار کے دوران میدان جنگ کے مقابلے میں بھی زیادہ نقصان پہنچا۔ اُن میں سے اکثر بویریا کے دریاؤں میں ڈوب گئے۔ اُنھوں نے ماضی میں دوسروں پر اتنا ظلم کیا تھا کہ اب وہ کسی سے بھی رحم کی اُمید نہ رکھ سکتے تھے۔ ان کے تین قیدی شہزادے ریٹسبان میں پھانسی پر چڑھا دیے گئے اور قیدیوں کی ایک بڑی تعداد کو غلام بنا لیا گیا یا قتل کر دیا گیا۔ بہت سے اپاہج بنا دیے گئے اور وہ مغرور جو ملک میں کسی مقام پر پکڑے گئے اُنھیں مستقل طور پر مفلس بنا دیا گیا اور ذلت میں مبتلا کر دیے گئے۔ اس کے باوجود پوری قوم کے مزاج کو عاجز کر دیا گیا اور اُن تمام دروں کی قلعہ بندیاں کر دی گئیں اور خندقیں کھود دی گئیں، جہاں سے کہ ہنگری فرار ہو سکتے تھے۔ بعض مقامات پر پشتے بنا دیے گئے۔ ان کی بدقسمتی نے اُنھیں منکسرالمزاجی اور امن کا سبق پڑھا دیا۔ مغرب کے یہ قزاق پُرسکون زندگی کے عادی ہو گئے۔ اگلی نسل صبر اور برداشت کی عادی ہو گئی۔ ان کے سمجھ دار بادشاہ نے اُنھیں پڑھا دیا کہ اگر محنت سے زرخیز زمین پر کاشتکاری کی جائے تو اس سے جو پیداوار حاصل ہو گی اُس سے لوٹ مار سے زیادہ منفعت حاصل ہو گی۔ مقامی آبادی یا تو

ترک تھی یا اُس کا تعلق فینی نسل سے تھا۔ یا تو وہ سکائتھی باقیات سے تھے یا سکلاوانی اصل سے ان کا تعلق تھا۔ یورپی قیدیوں کی ایک بڑی تعداد بھی ان کے قبضے میں تھی جو مضبوط اور توانا جسم کے مالک تھے۔ جب جائیسا کی شادی ایک وحشی شہزادے سے ہوگئی تو اُس نے جرمن عوام کو اراضی اور انعامات سے سرفراز کر دیا۔ جائیسا کے بیٹے کو شاہی خطاب سے سرفراز کیا گیا اور آرپاڈ کی نسل نے ہنگری پر تین سو سال تک حکومت کی۔ مگر وحشی قبائل کسی کی شاہی شان وشوکت سے کسی طرح مطمئن نہ تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ وہ ملک کے خادم کو اپنی مرضی سے منتخب کریں اور جب چاہیں سزا دے سکیں اور تخت سے ہٹا دیں۔

۳۔ شہنشاہ مشرق تھیوفی لوس نے نویں صدی عیسوی میں رُوس کے ملک میں ایک سفارت بھیجی اور اس طرح مہذب دُنیا میں رُوس کا نام روشناس ہوا۔ پھر یہی سفارت کارشارلمین کے بیٹے لیولیس کے دربار میں پہنچے۔ اس بڑے نواب یا خاقان کے ہمراہ کچھ یونانی بھی تھے۔ انھیں زار روس بھی کہا جاتا تھا۔ وہ قسطنطنیہ تک پہنچتے پہنچتے متعدد دشمن اقوام کے ملکوں سے گزر کر آئے تھے۔ اُنھیں اپنے سفرِ مراجعت میں بھی یہی خطرات درپیش تھے۔ لہٰذا اُنھوں نے بادشاہ فرانس سے درخواست کی کہ اُنھیں اپنی بحریہ کی زیرِ نگرانی، اُن کے ملک میں واپس پہنچا دے۔ اُنھیں بڑے غور سے دیکھنے پر اُن کی ابتدا کا پتا چلا۔ یہ لوگ سویڈ اور نارمنوں کی برادری میں سے تھے اور اہلِ فرانس انھیں ایک ناقابلِ تسخیر قوم کی حیثیت سے جانتے تھے۔ روسی اجنبی امن کا پیغام لے کر نہیں آئے تھے، وہ جنگ کے ایلچی تھے، اُنھیں روک لیا گیا جبکہ یونانیوں کو رخصت کر دیا گیا۔ لیولیس چاہتا تھا کہ ان کے متعلق اُسے مزید تفصیلات کا پتا چل سکے تو اُس کے مطابق وہ ان کی مہمان نوازی کا حق ادا کر سکے یا عقل کی رہنمائی پر عمل کرے۔ کیا یہ لوگ ابتدا میں سکینڈے نیویا کے باشندے تھے یا روس کے حکمران، یا ان کی قومی روایات کے متعلق اُسے کچھ زیادہ معلومات حاصل ہو سکیں تو ان سے اُنھیں اُن مدارات کا حق دار ٹھہرایا جائے جو شمالی ملکوں کے سفیروں کے لیے مخصوص تھیں۔ نارمن جو طویل عرصے تک ایسے اندھیرے کے پیچھے اوجھل رہے، اُن کی شناخت مشکل ثابت ہو رہی تھی، اچانک ہی اپنی پیدل اور بحری فوج لے کر باہر آ گئے۔ اُن کے پاس وسیع رقبہ تھا، جس میں ناروے سویڈن اور ڈنمارک شامل تھے۔ ان لوگوں میں قبائلی سرداروں کی ایک بھیڑ تھی ان میں سے اکثر مایوس مہم جو تھے جو امن کی سست روز زندگی میں غیر مطمئن تھے اور موت کے عالم میں بھی مسکرانے کی کوشش کرتے۔ قزاقی ان کا پیشہ تھا۔ اسے وہ تجارت، شان وشوکت اور نیکی کا نام دیتے۔ سکینڈے نیویا کی نوجوان نسل کے مشاغل یہی تھے۔ ان کی آب وہوا انتہائی شدید تھی اور ان کے ملک کا رقبہ بھی

بہت تنگ تھا جس سے یہ بہت پریشان تھے۔ وہ دعوت سے اُٹھے اور اُنھوں نے اسلحہ اُٹھا لیا۔ بگل بجایا اور جہازوں پر سوار ہو گئے۔ اُنھوں نے ہر ساحل کا جائزہ لیا کہ کس مقام پر لوٹ مار کی جا سکتی ہے اور کس پر مستقل آبادکاری کی جا سکتی ہے۔ بحیرۂ بالٹک میں اُنھوں نے اپنی پہلی کامیابیاں حاصل کیں۔ وہ مشرقی ساحلوں پر گئے۔ یہ فینی اور سکلاوانی قبائل کا ٹھکانا تھا۔ جھیل لاڈوگا کے قدامت پسند لوگوں نے اُنھیں خراج ادا کرنے میں ہی عافیت سمجھی، اُنھوں نے ان اجنبیوں کو سفید گلہریوں کی کھالیں دے کر اپنی جان چھڑائی اور اُنھیں ''وارنجیوں'' کے خطاب سے مخاطب کرنے لگے یا انھیں ''کورسائر'' کہتے۔ انھیں اسلحہ اور نظم وضبط میں بالادستی حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مقامی آبادی ان کا احترام کرنے لگی۔ اُنھوں نے ملک کے اندرونی حصوں میں وحشیوں سے متعدد جنگیں لڑیں۔ بالآخر وارنجیوں نے اُنھیں یقین دلا دیا۔ کہ وہ اُن کے دوستوں اور معاونین کی حیثیت سے رہیں گے۔ پھر بتدریج فاتحین کی حیثیت اختیار کر لی۔ اس میں مقامی باشندوں کی رضا شامل تھی یا یہ سب کچھ بزورِ شمشیر حاصل کیا گیا مگر یہی سمجھا گیا کہ وہ مقامی آبادی کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے اہل اور ذمہ دار ہیں۔ اُن کا ظلم وستم تو ختم کر دیا گیا، مگر اُنھیں اپنی بہادری کی دوبارہ ضرورت محسوس ہوئی۔ یہاں تک کہ طویل عرصے بعد رورک (Ruric) نام کا ایک سکینڈے نیویائی سردار اُٹھ کھڑا ہوا اور اُس نے ایک حکمران خاندان کی بنیاد رکھ دی۔ اس خاندان نے سات سو سال تک حکومت کی۔ اس کے بھائیوں نے اس کے اثر ورسوخ کو وسعت دی۔ روس کے جنوبی صوبوں میں بھی ان غیر ملکیوں کی تقلید کی گئی اور خدمت اور تعاون کے وعدوں سے اُن صوبوں کو بھی اس خاندان نے اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ کہیں کہیں جنگ کا بھی سہارا لیا گیا اور اس طرح یہ تمام قبائل ایک طاقتور بادشاہت کا حصہ بن گئے۔

جب تک کہ رورک کے جانشین اجنبی فاتحین سمجھے جاتے رہے تو یہ تلوار ہی سے حکومت کرتے رہے اور وارنجی ان کے معاون رہے۔ ان میں سے جو نائبین وفادار تھے اُنھیں جاگیریں اور ریاستیں عطا کی گئیں اور بالٹک کے ساحلوں سے انھیں بڑی تعداد میں وفادار رعایا کے افراد دستیاب ہوتے رہے۔ مگر جب سکینڈے نیویا کے سرداروں نے مقامی سرزمین پر اپنے پنجے مضبوطی سے گاڑ لیے تو اس کے بعد وہ روسیوں کی مقامی آبادی کے ساتھ خونی، مذہبی اور لسانی رشتوں میں مربوط ہو گئے اور وولوڈ و میر اوّل نے حوصلہ کیا اور اس اہلیت کا مظاہرہ کیا کہ اپنے ملک کو غیر ملکیوں کے اقتدار سے آزاد کرا لے۔ انھوں نے ہی اسے تخت پر بٹھایا تھا۔ مگر اس کے پاس اتنے مالی ذرائع نہ تھے کہ وہ ان کے مطالبات کو پورا کر سکتا۔ مگر وہ اس کے خوشگوار مشوروں پر کان

دھرتے کہ انھیں ایک شکرگزار بادشاہ کی بجائے کسی مال دار بادشاہ کی ضرورت ہے۔ لہٰذا انھیں یونان کی طرف رُخ کرنا چاہیے تاکہ انھیں گلہریوں کے سمور کی بجائے ریشم اور سونا دستیاب ہو اور اس دور میں شاہِ روس نے اپنے بازنطینی اتحادی کو دھمکی دی کہ وہ اُن تمام نقصانات کی تلافی کرے جو اُس کی پابندیوں کی وجہ سے روسیوں کو برداشت کرنے پڑے ہیں اور شمال کے شرارت انگیز نوجوانوں کو اپنے علاقوں سے گزرنے کی اجازت نہ دے۔ معاصر مؤرخین نے وارنجیوں کے تعارف، نام اور کردار کے کوائف تحریر کیے ہیں۔ ہر روز ان کے حوصلوں اور وقار میں اضافہ ہوتا، اس تمام جماعت کو قسطنطنیہ میں جمع کیا گیا اور تھیول کے جزیرے کے متعدد نوجوانوں کو شاہی افواج میں بھرتی کرلیا گیا۔ اس موقع پر تھیول کا جو مبہم نام استعمال ہوا ہے، اُس سے مراد انگلستان ہے اور جدید وارنجی (فرنگی) انگلستان کی ایک نوآبادی کے باشندے تھے اور ڈنمارک کے وہ باشندے جو نارمن فاتحین کی غلامی سے بھاگ کر آئے تھے۔ وہ ان میں شامل تھے۔ تقریباً تمام دُنیا میں ایک رواج ہوگیا تھا کہ زائرین کو بحری قزاق لوٹ لیتے تھے۔ ان جلاوطنوں کو بازنطینی دربار میں دعوت دی گئی۔ انھوں نے عمر بھر اپنی وفاداری قائم رکھی اور وہ انگریزی یا ڈنمارکی زبان بولتے رہے۔ یہ لوگ دُہرے کنارے والا جنگی کلہاڑا اپنے کندھوں پر اُٹھائے رکھتے۔ اُنھوں نے یونانی شہنشاہ کے گرجا گھر، مجلس قانون ساز اور گھڑ دوڑ کے میدان میں بھی حفاظت کی ذمہ داری اُٹھائی۔ وہ ان معتمد محافظین پر بہت اعتماد کرتا اور ان ہی کی زیرِ حفاظت ہوتا اور دعوتوں میں شریک ہوتا۔ محل، خزانے اور شہر کی چابیاں بھی انھیں قابلِ اعتبار وارنجیوں (فرنگیوں) کے ہاتھ میں رہتیں۔

دسویں صدی میں سکاتھیا کی حدود دنیا کے معلومہ جغرافیہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ قسطنطین نے جو دُنیا کا نقشہ تیار کرایا تھا، اُس میں روس کو اہم اور نمایاں مقام حاصل تھا۔ رورک کے بیٹے وولوڈومیر یا ماسکو کے وسیع صوبے کے مالک تھے۔ اگرچہ مشرق کی طاقتیں انھیں اس طرف آگے بڑھنے کی اجازت نہ دیتی تھیں۔ مگر اُن کی مغربی سرحدیں بحیرہ بالٹک اور پروشیاؤں کے ممالک تک وسیع تھیں۔ شمال میں اُن کی حکومت ساٹھ درجے عرض بلد تک وسیع تھی۔ انتہائی شمالی علاقے (جس کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ وہاں جن بھوت رہتے ہیں یا وہاں ہمیشہ اندھیرا چھایا رہتا ہے) اُن کی مملکت کی حدود میں شامل ہیں۔ جنوب میں ان کی سرحد بورستھینز اور اُن دریاؤں کے ساتھ ساتھ چلتی تھی جو بحرۂ اسود میں گرتے ہیں۔ وہ قبائل جو وہاں آباد تھے یا اُس وسیع خطۂ زمین میں اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے تھے۔ وہ بھی ان فاتحین کے زیرِ نگین تھے، بظاہر اسی قوم کا ایک حصہ بن چکے تھے۔ روسیوں کی زبان بھی سکلاوانی ہی کی ایک بولی سے ماخوذ ہے۔ مگر دسویں صدی میں یہ دونوں

لسانی گروہ ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے۔ چونکہ سکلاوانی زبان جنوبی علاقوں میں غالب تھی تو یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ شمال کے روسی باشندے قدیم وارنجیوں کی رعایا تھے اور ان کا تعلق بھی فینی نسل سے تھا۔ نقل مکانی کی وجہ سے ان میں اتحاد پیدا ہوا مگر یہ خانہ بدوش قبائل ہی کا ایک حصہ تھے۔ سکاتھیوں کے صحرا کی جغرافیائی کیفیت ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔ روس کے قدیم نقشے بعض ایسے مقامات کی نشان دہی کرتے ہیں جن کے محلِ وقوع اور نام ابھی تک اپنی اصل حالت میں قائم ہیں۔ دو دارالحکومت نوووگوروڈ اور کیف بادشاہت کے دورِ اوّل میں بھی موجود تھے۔ نوووگوروڈ کی اُس زمانے میں یہ کیفیت نہ تھی کہ اُسے عظیم کہا جائے۔ جب ہانسی (Hanseatic) جماعت سے ان کا اتحاد قائم ہوا تو ان کی قومی شناخت اور آزادی کی روح ختم ہوگئی۔ اُس عہد میں تو کیف میں تین سو گرجا گھر نہ تھے۔ نہ اس قدر آبادی تھی۔ عظمت کی یہ صورت اور شان و شوکت بھی نہ تھی۔ یہ لائق لوگ تھے اور ان کی کسی حد تک عظمت بھی موجود تھی۔ وہ لوگ جنھوں نے قیصرانِ روم کی رہائش گاہوں کو کبھی دیکھا نہ تھا وہ اس شہر کا موازنہ قسطنطنیہ سے کرتے تھے۔ ابتدا میں یہ دونوں شہر فوجی پڑاؤ، میلہ بازار سے زیادہ حیثیت کے مالک نہ تھے۔ وحشی باشندوں کے لیے یہ مقامات کبھی کبھی جنگوں یا تجارتی امور پر صلاح مشورے کے لیے بہت موزوں تھے یا بعض معاشرتی بہبود کے سلیقے کے لیے چند اُصول واضح کرنے کا مقصد کے لیے بھی یہ مقام بہت موزوں تھے۔ جنوبی صوبوں سے نئی نسلوں کے بعض حیوانات خریدے اور منگوائے جاتے تھے۔ بعض بری اور بحری امور کا فیصلہ بھی یہیں پر ہوتا جو بحیرۂ بالٹک سے لے کر بحیرۂ اسود تک محیط ہوتے۔ یا اوڈر کے دہانے سے لے کر قسطنطنیہ تک پھیلے ہوئے ہوتے۔ جب یہ لوگ غیر مہذب اور بُت پرست تھے، اُن دنوں میں نارمن جولین کے سکلاوانی شہر میں اکثر جاتے اور اُس کی امارت میں اضافہ کرتے یہاں پر وہ بے شمار اشیا کی خرید و فروخت بھی کرتے اور بعض اشیا کا تبادلہ بھی کرتے۔ گویا یہ مقام اُن کے لیے آزاد منڈی کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ بندرگاہ اوڈر کے دہانے پر واقع تھی، یہاں سے مسافر یا تاجر تینتالیس یوم تک کشتی میں سفر کرتے تو بالٹک کے مشرقی ساحلوں تک پہنچ جاتے۔ دور افتادہ ممالک کے تصورات یہاں پہنچ کر باہم مربوط ہو جاتے اور ارضِ مقدس کے تصورات یہاں پر سونے اور چاندی کے عوض بک جاتے۔ لیکن پھر موسمِ گرما میں نوووگوروڈ کے مابین ایک نیا راستہ دریافت کرلیا گیا جو خلیج اور ایک دریا میں سے ہو کر گزرتا تھا مگر موسمِ سرما میں خشکی کا راستہ اختیار کیا جاتا جو وسیع میدانوں اور برف پوش علاقوں میں سے ہو کر گزرتا۔ اس شہر کے قرب و جوار میں ایسی ندیاں موجود ہیں جو بورستھینز میں گرتی ہیں۔ ان کی کشتیاں ایک ہی درخت کے تنے سے تیار کی

جاتیں۔ جن میں ہر عمر کے غلام لا دلے جاتے۔ ان میں شہد کے چھتے بھی ہوتے اور ان کے مال مویشیوں کی کھالیں بھی لادلی جاتیں اور شمالی علاقوں کی تمام پیداوار لاد کر کیف میں ذخیرہ کر لی جاتی۔ جون کا مہینہ تجارتی قافلوں میں روانگی کے لیے سب سے موزوں سمجھا جاتا۔ کشتیاں تو انتہائی مضبوط اور بڑے بڑے تنوں سے بنائی جاتیں مگر ان کے چپو اور نشستوں میں ہلکی اور مضبوط لکڑی استعمال ہوتی۔ ان کی کشتیوں میں گنجائش بہت زیادہ ہوتی۔ جہاں تک سات یا تیرہ پتھریلی چٹانوں کا تعلق ہے۔ یہ یا تو دریاؤں کے پانی کی سطح کے نیچے نشیب میں واقع ہوتی ہیں یا کناروں کے ساتھ ساتھ پانی کے اندر سے نکلی ہوئی ہوتی ہیں۔ جب ہلکی آبشاروں کے قریب سے گزرتے تو کشتیوں کا بوجھ ہلکا کر لینا آسان ہوتا ہے مگر گہرے پانی کی چٹانیں ناقابل گزر ہوتیں۔ وہ غلام ملاح جو اپنے غلاموں کی مدد سے کشتیوں کو چھ میل تک خشکی پر سے گھسیٹ کر لے جاتے۔ اُن کو اس تھکا دینے والے سفر کے علاوہ یہ خطرہ بھی ہوتا کہ وہ قزاقوں کا شکار نہ بن جائیں۔ جب روسی اس سفر سے زندہ بچ کر واپس آ جاتے تو وہ اس خوشی میں جشن منعقد کرتے اور دوسرے سفر پر وہ اپنی کشتیوں کی مرمت کرتے اور بحیرۂ اسود کے طویل اور زیادہ مشکل سفر کے لیے تیاری میں مصروف ہو جاتے۔ اگر وہ ساحل کے ساتھ ساتھ کشتی بانی کرتے تو پھر ڈینیوب قابل رسائی ہوتا۔ اگر ہوا موافق ہوتی تو وہ یہ سفر چھتیس یا چالیس گھنٹوں میں طے کر لیتے۔ اناطولیہ کا مخالف ساحل اور قسطنطنیہ ہر سال اجنبیوں کو خوش آمدید کہنے کے لیے تیار ہوتا اور شمال کی طرف سے یہ لوگ ہر سال آتے رہتے اور بہت سا سامان لاد کر یہ اپنے مقررہ موسم میں واپس چلے جاتے، مثلاً غلہ، شراب، تیل اور یونانی مصنوعات اور ہندوستان سے درآمد شدہ گرم مصالحے وغیرہ۔ ان کے کچھ ہم وطن دارالحکومت اور صوبوں میں رہائش پذیر تھے اور ایسے معاہدات کر لیے گئے تھے جن کی وجہ سے روسی باشندوں کی تجارت اور جان و مال کو تحفظ فراہم کیا جاتا تھا۔

مگر وہی ذرائع رسل و رسائل جو باہمی مفاد کے لیے روشناس کرائے گئے تھے۔ بہت جلد اُن سے غلط فائدہ اُٹھاتے ہوئے مسرت رسانی کا سامان پیدا کر لیا گیا۔ ایک سو نوے سال کی مدت میں روسیوں نے چار دفعہ کوشش کی کہ وہ قسطنطنیہ کے خزانوں کو لوٹ سکیں۔ اگرچہ واقعات کی صورت مختلف تھی۔ بحری مہموں کی صورت بھی مختلف تھی۔ مگر مقصد ہمیشہ یکساں تھا۔ روسی تاجروں نے زاروں کی شان و شوکت اور شہر کی عیش و عشرت کو دیکھ لیا۔ یہ ایک عجیب و غریب داستان تھی مگر ذرائع اس قدر موجود نہ تھے کہ وہ دیہاتیوں کی خواہشات کی تکمیل کر سکیں۔ کیونکہ ان وحشی دیہاتیوں کی خواہشات کی کوئی حد ہی نہ تھی۔ وہ ایسی خواہشات کی تکمیل کا تقاضا

کرتے جو اُن کی آب و ہوا اور فطری ماحول میں دستیاب نہ ہو سکتی تھیں۔ وہ ایسے فنی شاہکار تیار کرنا چاہتے جن کی وہ اپنی سست عادات کی وجہ سے نقل کرنے سے بھی قاصر تھے اور اتنے مفلس تھے کہ انھیں خرید بھی نہ سکتے تھے۔ وارنجی بادشاہوں نے اپنے قزاقی کے جھنڈے کھول لیے اور اس مہم جوئی کے لیے انھوں نے اُن اقوام سے افرادی قوت حاصل کر لی جو سمندر کے شمالی ساحل سے پار جزائر میں آباد تھے۔ گزشتہ صدی میں قازق بیڑے کی شمولیت کی وجہ سے ان کی بحری فوج کا تصور ہی بدل گیا تھا۔ یہ لوگ بورستھین کے مقام سے اُسی سمندر میں اور اُسی غرض سے داخل ہوتے۔ ان کی کشتیاں ایک ہی تنے سے تیار کی جاتی تھیں اور وہ اپنی شکل و صورت کے لحاظ سے یونانی کشتیوں سے مشابہ تھیں۔ ان کا زیریں حصہ (بتان یا پیندا) بہت مضبوط ہوتا۔ یہ کشتیاں سفیدے یا بید مجنون کے ایک ہی تنے سے چھید کر بنائی جاتی تھیں مگر ان کے دونوں اطراف میں لکڑی کے تختے لگا کر انھیں کشادہ کر لیا جاتا تھا۔ اس طرح ان کی لمبائی ساٹھ اور بلندی بارہ فٹ تک ہو جاتی۔ ان کشتیوں میں عرشہ تو نہ ہوتا۔ مگر دو چپوؤں اور ایک مستول کا اضافہ کر دیا جاتا تاکہ اسے بانس یا چپوؤں سے دونوں طرح سے حسب ضرورت چلایا جا سکے۔ ان میں چالیس سے ستر افراد تک سوار ہو سکتے۔ وہ اپنا اسلحہ بھی رکھ سکتے اور نمک اور خشک مچھلی کا ذخیرہ بھی کر لیتے۔ روسیوں نے اپنی پہلی آزمائش میں دو سو کشتیاں استعمال کیں۔ اگر جنگ کا قومی سطح پر آغاز ہو جاتا تو وہ ایک ہزار یا بارہ سو کشتیاں جنگ میں شامل کر سکتے تھے۔ ان کا بحری بیڑہ ایگا میمنون کی شاہی بحیریہ سے کسی طرح کم نہ تھا۔ مگر یہ اپنی قوت اور تعداد کے لحاظ سے دس یا بارہ گنا زیادہ خوفناک تھا۔ یہ حملہ کر سکتا تھا اور دفاع بھی کر سکتا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُنھوں نے اپنی بحری قوت کی مدد سے بورستھینز کے دہانے کو بالکل بند کر دیا ہو۔ انھوں نے اپنی آرام طلب عادات کی وجہ سے اناطولیہ کا ساحل خالی چھوڑ رکھا تھا، جہاں پر قزاقی کی اکثر وارداتیں ہوتی رہتی تھیں۔ جو چھ سو سال کے وقفے کے بعد دوبارہ بحیرۂ اسود میں سرگرم ہو گئیں مگر دور افتادہ صوبوں میں جو جرائم ہو رہے تھے، اُن کا نہ تو شہنشاہ کو علم تھا اور مؤرخین بھی اُس سے آگاہ نہ تھے۔ وہ طوفان جو فاسیس اور طربیی زونڈ میں برپا تھا۔ بالآخر اس نے باسفورس کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، اور تھریس بھی اُس کی زد میں آ گیا، اس دریا کا عرض صرف پندرہ میل تھا جس میں قزاقوں کے جہازوں کو روک کر زیادہ ماہر ملاحوں نے تباہ کر دیا۔ اُن کی پہلی مہم جو کیف (Kiow) کے بادشاہ کی زیر نگرانی روبہ عمل لائی گئی۔ یہ بلا مزاحمت آگے بڑھتی گئی اور اس نے قسطنطنیہ کی بندرگاہ پر قبضہ کر لیا۔ شہنشاہ میکائیل غیر حاضر تھا۔ یہ تھیوفی لوس کا بیٹا تھا۔ بے شمار مشکلات سے زور آزمائی کرتے ہوئے یہ اپنے محل کی

دہلیز پر پہنچا اور پھر کنواری مریم (Virgin Mary) کے گرجے میں عبادت کے لیے حاضر ہو گیا۔ اُسقف کی نصیحت کے مطابق ایک انتہائی قیمتی خلعت توشہ خانے سے باہر نکالی گئی اور اُسے سمندر کے پانی میں بھگو دیا گیا۔ اچانک ایک موسمی طوفان اُٹھا جس کی وجہ سے روسی فرار ہو گئے۔ یہ معجزہ مادرِ خدا کے کھاتے میں لکھ دیا گیا۔ یونانی اس معاملے میں بالکل خاموش رہے جس وجہ سے ان پر شک کیا جانے لگا۔ ممکن ہے کہ وہ رورک کے وزیر، الغ (Oleg) کی طرف سے دوسرے حملے کے منتظر ہوں جو بادشاہ کے بیٹوں کا اتالیق اور سربراہ تھا۔ باسفورس کے دفاع کے لیے سخت انتظامات کر دیے گئے۔ اُنھوں نے حسبِ معمول اپنی کشتیاں پانی میں ڈالیں اور استھمس کے مقام سے مہم جوئی کے لیے روانہ ہو گئے۔ اس سادہ مہم کا ذکر تاریخی کتب میں موجود ہے کہ روسی بیڑہ موافق ہوا کے زور سے خشکی پر چڑھ گیا۔ آئی گور جو تیسرے لشکر کا سربراہ تھا اور رورک کا بیٹا تھا۔ اُس نے موقع کی کمزوری سے فائدہ اُٹھایا کیونکہ ان ایام میں شاہی بحری بیڑہ صحرانشینوں کے خلاف جنگی کارروائیوں میں مصروف تھا۔ لیکن اگر حوصلے کی کمی نہ ہو تو دفاع کے لیے مناسب ہدایات دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی جاتی۔ دشمن کے خلاف پندرہ ٹوٹے پھوٹے جہاز مقابلے کے لیے بھیج دیے گئے۔ بالعموم یونانی اس موقع پر تیل کی ایک ہی نال استعمال کرتے تھے اور اُسے جرأت و بہادری کی علامت کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا اور ساحل کے قریبی جہازوں کو یہ مائع ایندھن بڑی مقدار میں مہیا کیا جاتا تھا۔ مہندس صحیح نشانہ بازی کرتے اور موسم بھی موافق ہوتا۔ روسیوں نے ہزاروں کی تعداد میں جل کر مرنے کی بجائے ڈوبنے کو ترجیح دی اور پانی میں چھلانگیں لگا دیں۔ ان میں سے جو روسی بچ کر تھریس کے ساحل تک پہنچ گئے، اُنھیں بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ فوجیوں کے علاوہ کسانوں نے بھی اس کام میں حصہ لیا۔ اس کے باوجود ایک تہائی کشتیاں پایاب پانی میں بچ گئیں۔ آئی گور نے اگلے موسمِ بہار میں اپنے منصوبے پر عمل کرنے کی دوبارہ تیاری کی۔ اُس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ انتقام لے مگر طویل عرصے تک اس طرف سے امن قائم رہا۔ حتیٰ کہ جاروسلا اُوس جو آئی گور کا پوتا تھا، اُس نے پھر بحری مہم کی منصوبہ بندی کی۔ اس کے بیٹے کی کمان میں ایک بحری بیڑہ باسفورس تک پہنچا جسے واپس دھکیل دیا گیا مگر جب یونانی ہراول بیڑہ ان کے تعاقب میں مصروف تھا تو وہ لاتعداد کشتیوں اور ہلکے جہازوں کے گھیرے میں آ گیا، جو ناقابلِ تسخیر ثابت ہوئے۔ یونانیوں کا آتشیں مائع غالباً ختم ہو چکا تھا اور چوبیس جہاز یا تو دشمن کے قبضے میں آ گئے یا ڈوب گئے۔

اس کے باوجود روسیوں کے ساتھ ایک خطرناک جنگ کو معاہدات کے ذریعے مؤخر کیا جاتا رہا اور

اسلحہ اُٹھانے کی نوبت نہ آئی۔ ان بحری جنگوں میں ہر موقع پر یونانیوں کا ہی نقصان ہوا۔ اُن کے وحشی دشمن نے اُن پر کبھی رحم نہیں کیا۔ وہ مفلس تھے مگر اُنھیں مالِ غنیمت حاصل نہ ہو سکا۔ وہ جب کبھی شکست کھا کر پسپائی اختیار کرتے تو اُن کے دشمن میں بدلہ لینے کا حوصلہ پیدا ہوتا۔ اسے سلطنت کی کمزوری کہیں یا افتخار سمجھیں کہ وہ یہ سوچتے کہ وحشی قوم سے مکالمات میں بازنطینی سلطنت کا وقار مجروح نہیں ہوتا۔ آغاز میں تو اُن کے مطالبات بہت زیادہ تھے اور پورے کرنے ممکن نہ تھے۔ وہ کہتے کہ ہر ملاح اور سپاہی کے لیے تین پاؤنڈ سونا دیا جائے۔ روسی جوانوں کا تو ارادہ تھا کہ بازنطینی حکومت کو فتح کر کے شان و شوکت حاصل کی جائے، مگر جب محاصرہ کر لیا گیا تو میانہ روی کی صورت بھی پیدا ہو گئی۔ اُنھوں نے کہا کہ قیصرِ روم جو کچھ اپنی مرضی سے دیتا ہے اُسی پر مطمئن ہو جانا چاہیے۔

کیا یہ بہتر نہیں کہ کسی جنگ کے بغیر سونا، چاندی، ریشم اور ہماری خواہش کے مطابق تمام اشیا دستیاب ہو جائیں۔ کیا ہمیں فتح کا یقین ہے؟ کیا ہم سمندر کے ساتھ بھی کوئی معاہدہ کر سکتے ہیں؟ ہم خشکی کے راستے وہاں پہنچ نہیں سکتے۔ جب ہم بحری سفر کرتے ہیں تو سمندر کی تہ میں غرق ہو جاتے ہیں اور ہم سب پر موت کا بھوت سوار رہتا ہے۔ اُس بحری بیڑے کو یاد کرو، جس کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ وہ دائرۂ قطب شمالی سے اُترا ہے اور شاہی دارالحکومت کے لیے عذاب بن کر نازل ہوا ہے۔ اُس میں ہر رُتبے کے افراد موجود تھے۔ یہ کہا گیا اور اس پر یقین بھی کر لیا گیا کہ طاورس کے وسطی چوک میں ایک بُت نصب ہے جس میں یہ پیش گوئی درج ہے کہ کس طرح اپنے آخری ایام میں روسی قسطنطنیہ کے حاکم بن جائیں گے۔ ہمارے دور میں روسی افواج، بورستھینز سے آغازِ سفر کرنے کی بجائے، براعظم یورپ کی بندرگاہوں میں گھومتی رہی ہیں اور ترکی دارالحکومت کو تو ہر آن مضبوط اور بڑے بڑے جہازوں کی طرف سے خطرہ درپیش رہا ہے۔ ان میں سے ہر ایک ایسا تھا کہ وہ بحری فنون سے بخوبی آشنا تھا اور ہر ایک کے پاس ایک ناقابلِ تسخیر رسالہ موجود تھا۔ وہ سینکڑوں کشتیوں کو بیک وقت تباہ یا غرق کرنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ جیسا کہ ہمارے آباؤ اجداد کے ساتھ ایک دفعہ ہو چکا ہے۔ ممکن ہے کہ موجودہ نسل مذکورہ پیشین گوئی کو پورا ہوتے دیکھ سکے۔ جس کا اسلوبِ بیان واضح ہے اور اُس کی صحت کے متعلق کوئی سوال بھی اُٹھایا نہیں جا سکتا۔

روسی خشکی کے راستے کم ناقابلِ تسخیر تھے اور بحری راستوں میں اُن کی قوت زیادہ تھی۔ مگر چونکہ وہ زیادہ تر پیدل ہی لڑتے تھے، اس لیے ان کی بے قاعدہ فوج کو حسبِ خواہش کسی وقت بھی شکست دی جا سکتی

تھی۔ سکانحی افواج کے رسالے انھیں متعدد بار شکست دے چکے تھے۔ اس کے باوجود ان کے شہر ترقی پذیر تھے، خواہ وہ کتنے ہی نامکمل اور چھوٹے ہوں، لیکن ان کے ترقی پذیر قصبات چھوٹے اور نامکمل ہونے کے باوجود، وہ رعایا کو چھت مہیا کرتے اور دشمنوں کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتے تھے۔ جب تک کہ مہلک تقسیم عمل میں نہ لائی گئی۔ کیف کی حکومت کا شمالی علاقوں پر غلبہ ہی رہا اور سواسطوسلاؤس کے اسلحہ کے زور سے دولگا سے لے کر ڈینیوب تک تمام علاقوں پر روس کا غلبہ ہی رہا۔ یہ آئیگور کا بیٹا تھا جو الغ کا بیٹا تھا اور الغ رورک کا بیٹا تھا۔ ان کے جسم مضبوط اور دماغ چاق و چوبند تھے۔ فوجی اور وحشیانہ زندگی گزارنے کی وجہ سے ان میں مزید مضبوطی آ گئی تھی۔ سواطوسلاؤس ہمیشہ ریچھ کی کھال پہنتا، اور ہمیشہ فرش پر سوتا، وہ سر اپنا گھوڑے کی زین پر رکھ لیتا۔ اُس کی خوراک سخت اور سادہ ہوتی، وہ ہومر کا ہیرو معلوم ہوتا۔ وہ گھوڑے کا گوشت کھاتا، جسے پکا لیا جاتا یا بُھون لیا جاتا۔ کبھی کبھی کوئلوں پر اُس کے تکے بھی بنا لیے جاتے۔ فوجی مشقوں کی وجہ سے اس کی افواج میں نظم و ضبط اور استقلال پیدا ہوتا اور یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ کسی سپاہی کو اجازت نہ تھی کہ وہ اپنے سردار کی عیش و عشرت میں دخل دے یا اُس کی نقل کرے۔ یونانی شہنشاہ نائسی فورس کی سفارت کے ذریعے اُس نے بلغاریہ کو فتح کرنے کے لیے پیش قدمی کی۔ پندرہ سو طلائی پاؤنڈ کی رقم اس کے قدموں پر ڈھیر کر دی گئی تاکہ یہ اس مہم کے اخراجات ادا کر سکے یا یہ ایک انعام تھا یا اس کی اس سلسلے میں محنت مشقت کا ایک صلہ تھا۔ ساٹھ ہزار لشکریوں پر مشتمل ایک فوج جمع کی گئی، جو سفر پر روانہ ہوئی، وہ بورسٹھینز سے ڈینیوب کی طرف روانہ ہوئے اور مائیشیا کے ساحل پر اُتر گئے۔ اہالیان بلغاریہ نے تیر اندازی سے مقابلہ کیا مگر وہ جلد ہی روسیوں کی تلواروں سے مغلوب ہو گئے۔ شکست خوردہ بادشاہ قبر میں دفن ہو گیا۔ اس کے بچوں کو قید کر لیا گیا۔ اُس کی حکومت حمص کے سلسلہ کوہ تک تھی۔ اُس پر قبضہ کر لیا گیا۔ بعض علاقوں کو شمالی سپاہیوں نے تاراج کر دیا، مگر اس نے نہ تو اپنے شکار کو آزاد کیا اور نہ انھیں نقصان پہنچایا کیونکہ وارنجی بادشاہ مزید آگے بڑھ کر فتوحات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس حب جاہ کو کامیابی کا تاج نصیب ہوا۔ مملکت کا دارالحکومت جسے سابقہ دور میں کسی معتدل اور زرخیز مقام پر منتقل کرنے کے لیے سوچا جا رہا تھا۔ سواسطوسلاؤس نے اسے پُرلطف پایا اور اسی کو غنیمت سے سمجھا۔ یہاں پر بیٹھ کر دنیا کی ہر شے خرید سکتا تھا یا مقامی پیداوار کے ساتھ تبدیل کر سکتا تھا۔ وہ یہاں سے روس کا بحری راستہ آسان تھا۔ اس لیے بڑی سہولت سے وہ روسی پیداوار سمور، گوند، موم اور ہائیڈ رول منگا سکتا تھا۔ ہنگری سے اُسے اعلیٰ نسل کے گھوڑے دستیاب ہو گئے اور مغربی مال غنیمت بھی یہیں سے دستیاب ہو گیا۔ یونان میں تو سونے چاندی کے

انبار تھے اور ایسا سامانِ تعیش بھی دستیاب تھا جو اس کے افلاس کی وجہ سے اس کی قوتِ خرید سے باہر تھا، پیٹزینا کیوں (Patzinacites)، قازاروں اور ترکوں کے تعاون سے اس کی فتح کا معیار بلند ہو گیا اور نائسی فورس کے سفیر نے اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی۔ اس نے تخت سنبھالا اور اپنے نئے اتحادیوں سے وعدہ کیا کہ وہ اُن کے ساتھ مشرقی ممالک کی دولت میں اشتراک جاری رکھے گا۔ ڈینیوب کے کناروں سے اس نے اپنی پیش قدمی، ہائیڈریانوپل تک جاری رکھی۔ جب اسے باقاعدہ طور پر تنبیہ کی گئی کہ وہ رومی علاقوں کو خالی کر دے تو اس نے اس مطالبے کو سختی سے مسترد کر دیا اور سختی سے جواب دیا کہ قسطنطین کو علم ہونا چاہیے کہ جلد ہی اس کے سامنے ایک دشمن اور آقا موجود ہوگا۔

نائسی فورس اب اُس شر سے آزادی حاصل کرنے کے قابل نہ تھا جسے اُسے اُس نے خود ہی پیدا کیا تھا۔ مگر اس کا تاج اور بیوی دونوں ترکے میں زیمسکی کے قبضے میں آ گئے۔ اگرچہ اس کا جسم بہت مختصر تھا۔ مگر اُس کا عزم و حوصلہ اور ہمت ایک ہیرو کی طرح تھی۔ جب اُسے پہلی فتح نصیب ہوئی تو روسیوں کو غیر ملکی اتحادیوں کی رفاقت سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ اُن میں سے بیس ہزار سپاہی یا تو قتل ہو گئے یا بھاگ گئے اور یا باغی ہو گئے۔ تھریس بھی آزاد ہو گیا۔ مگر ستر ہزار غیر مہذب افراد کے پاس ابھی تک اسلحہ موجود تھا اور وہ لشکری جو شام سے بلائے گئے تھے، وہ بھی اگلی بہار میں ایک جنگ جو بادشاہ کی زیرِ کمان حملہ آور ہونے کے لیے تیار تھے۔ وہ کہتے تھے کہ وہ زخم خوردہ بلغاریوں کے دوست اور اتحادی تھے۔ سلسلۂ کوہ حمص کے دروں کو بغیر حفاظت کے چھوڑ دیا گیا تھا۔ اُن پر فوری طور پر قبضہ کر لیا گیا۔ رُومیوں کا ہراول دستہ لافانی سپاہ (ایک فارسی اصطلاح کا ترجمہ) پر مشتمل تھا۔ شہنشاہ نے فوج کے اعلیٰ ترین لشکریوں کا دستہ جس میں دس ہزار پانچ سو سپاہی شامل تھے، اپنے ہمراہ لیا۔ اس کی باقی ماندہ فوج اس کے عقب میں مال و اسباب اور منجنیقوں کے ہمراہ آ رہی تھی۔ یہ لوگ نہایت احتیاط سے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ اُس کی پہلی کامیابی یہ تھی کہ زیمسکی نے مارقیانوپولس پر قبضہ کر لیا۔ اسے پرسطلابا (Peristhlaba) کا نام بھی دیا جاتا تھا۔ دو روز طبلِ جنگ بجتا رہا۔ فصلیں منہدم کر دی گئیں۔ ساڑھے آٹھ ہزار روسی تہِ تیغ کر دیے گئے اور شاہِ بلغاریہ کے بیٹے ایک بدنام جیل سے رہا کروا لیے گئے اور اُنھیں ایک برائے نام حکومت عطا کر دی گئی۔ جب بار بار نقصان ہونے لگا تو سواطوسلاؤس نے ایک مضبوط مورچے ڈرسطرا کی طرف پسپائی کا فیصلہ کر لیا جو دریائے ڈینیوب کے کناروں پر واقع تھا۔ مگر ایک دشمن اُس کے تعاقب میں تھا۔ جو کبھی تو پھرتی سے حملہ کر دیتا اور کبھی اپنی کارروائی میں تاخیر کر دیتا۔ بازنطینی بحریہ نے

دریا پار کرلیا اور جہازوں اور پیدل افواج سے دشمن کے گرد گھیرا ڈال دیا، روسی بادشاہ کو گھیرے میں لے لیا گیا اور اُسے شہر کی قلعہ بندیوں کے اندر محصور کر دیا گیا۔ متعدد بہادرانہ کارنامے دکھائے گئے۔ متعدد ناکام حملوں کا سہارا لیا گیا پینسٹھ ایام تک محاصرہ جاری رہا۔ سواطوسلاؤس نے بالآخر ہار مان لی۔ اُسے بہت زیادہ ایذا دی گئی۔ پھر بھی جو فیاضانہ شرائط اسے سنائی گئیں اُن سے فاتح کی دور اندیشی ظاہر ہوتی ہے۔ اُس نے ایک ایسے دماغ کی صلاحیتوں کی داد دی جو فتح نہ کیا جا سکا تھا اور جو فطرتاً ایک بہادر شخص تھا۔ وہ روس کا ایک عظیم نواب تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو اس امر کا پابند کر لیا کہ اب وہ تمام معاندانہ منصوبے ترک کر دے گا۔ اُس کی مراجعت کے لیے اُسے ایک محفوظ راستہ مہیا کر دیا گیا۔ اُس کی تجارت اور جہاز رانی کی آزادی بھی بحال کر دی گئی، اُس کے ہر سپاہی کو اناج کی ایک مقدار مہیا کر دی گئی اور بائیس ہزار پیمانے اناج تمام وحشی لشکریوں کو دیا گیا تاکہ اُن کے نقصان کی تلافی ہو جائے۔ ایک تکلیف دہ سفر کے بعد وہ دوبارہ بورستھین کے دہانے پر پہنچ گئے۔ مگر اُن کا سامان خورد و نوش ختم ہو چکا تھا اور موسم بھی ناموافق تھا۔ وہ یخ بستہ پانی پر سے گزرتے رہے۔ اس سے قبل کہ وہ آئندہ سفر پر روانہ ہوتے سواطوسلاؤس پر ہمسایہ قبائل نے اچانک حملہ کر دیا۔ مگر یونانیوں کے ساتھ اُس کی دائمی اور مفید خط و کتابت جاری تھی۔ زیمسکی کی مراجعت اُس کے معمول سے بہت زیادہ مختلف تھی۔ وہ جب دارالحکومت پہنچا تو اُس کا کامی لوس یا میری اوس کی طرح استقبال کیا گیا۔ وہ قدیم روم کا نجات دہندہ بن چکا تھا، مگر فتح کا تمام کارنامہ بادشاہ نے اور مادرِ خدا کے حوالے کر دیا، یہ کنواری مریم کی تصویر کی برکت تھی۔ یہ وہ تصویر تھی جس میں معصوم عیسیٰ کو اپنی ماں کے بازوؤں میں دکھایا گیا تھا۔ اسی تصویر کو فتح کے جلوس کی گاڑی میں رکھا گیا۔ جنگ کے مالِ غنیمت کے علاوہ بلغاری بادشاہت کے مخصوص نشانات بھی ہمراہ تھے۔ زیمسکی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر جلوس میں شامل ہوا۔ اُس کے سر پر فتح کا تاج تھا اور اُس کے ہاتھوں میں اختیارات کا گلدستہ تھا اور قسطنطنیہ اس کے اس استقبال کی یہ شان و شوکت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ اپنے جنگ آزما شہنشاہ کی بہادری پر فخر کر رہے تھے۔

فوطی اُوس قسطنطنیہ کا اُسقف تھا۔ وہ جاہ پسند بھی تھا اور متجسس بھی۔ اُس نے اس فتح پر اپنے آپ کو اور یونانی کلیسا کو مبارک باد دی۔ اس کے نتیجے میں روسیوں نے عیسائیت قبول کر لی۔ یہ لوگ خونخوار وحشی تھے۔ انھیں استدلال اور مذہبی عقیدت کے جوش سے عیسائیت قبول کرنے پر آمادہ کر لیا گیا تاکہ وہ حضرت عیسیٰ کو خدا تسلیم کر لیں۔ عیسائی مبلغین نے اُن کو تعلیم دینی شروع کر دی۔ روسی اُن کے دوست اور بھائی بن گئے۔

اُسے جو فتح حاصل ہوئی تھی وہ عبوری اور قبل از وقت تھی۔ اُن کی مخصوص مہمات کے دوران بعض روسی سرداروں نے ممکن ہے کہ اصطباغ کے پانی کے چھینٹوں سے برکت حاصل کی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یونانی اُسقف نے کیف پہنچ کر کسی گرجے میں بعض روسی اجتماعات کا اجتماعی اصطباغ بھی کیا ہو۔ اس اجتماع میں غلام اور مقامی آبادی کے لوگ بھی شامل ہوں۔ مگر اس بنجر زمین میں بھی کلامِ الٰہی کے بیج کاشت کر دیے گئے۔ حضرت عیسیٰ کے مرتدین کی تعداد تو بہت زیادہ تھی۔ مگر جو لوگ ایمان لے آئے اُن کی تعداد محدود تھی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اولگا (Olga) کے اصطباغ سے روم میں عیسائیت کا آغاز ہوا۔ ایک خاتون جو نسلی لحاظ سے بہت ہی کم مایہ تھی، وہ اپنے شوہر کی موت کا بدلہ لے سکتی تھی اور آئیگور کے تخت پر قبضہ بھی کر سکتی تھی۔ مگر خداوند کریم نے اُسے بعض ایسی خوبیاں عطا کر رکھی تھیں، جن کے باعث غیر مہذب قوم اُس سے خوف کھاتی تھی اور اُس کے اقتدار کو تسلیم کرتی تھی۔ جب داخلی اور خارجی امن کا دور ہوا تو اُس نے کیف سے لے کر قسطنطنیہ تک کا بحری سفر کیا۔ شہنشاہ قسطنطین پروفائر وجینی طوس نے اُس کے استقبال کے متعلق بڑی تفصیلات فراہم کی ہیں۔ محل اور دارالحکومت دونوں جگہوں میں اُس کی آمد پر پُر جوش استقبال ہوا۔ اقدامات، خطبات، سلامی، دعوت اور تحائف اُس کی شانِ شایان پیش کیے گئے اور اُنھیں موقع محل کے مطابق ترتیب دیا گیا۔ تاکہ اجنبی مہمان کے مزاج سے ہم آہنگ رہیں اور تاجِ شاہی کے حفظِ مراتب کا بھی خیال رہے۔ جب اصطباغ کی رسم ادا کی گئی تو اُسے ملکہ ہیلینا کا خطاب دیا گیا۔ ممکن ہے کہ اس کے چچا نے اس کے بعد عیسائیت بقول کی ہو یا وہ اس سے قبل ہی اس مذہب میں داخل ہو چکا ہو۔ دو ترجمان، سولہ دوشیزگان یا وزرا اور چوالیس روسی تاجر، ملکہ اولگا کے ہم رکاب تھے۔ اُس کی کیف اور نووگورود میں مراجعت کے بعد، اُس نے اپنے نئے مذہب پر سختی سے عمل کیا۔ مگر اُسے انجیل کی تبلیغ کی محنت میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اُس کے خاندان اور قوم دونوں نے سختی سے اس کا انکار کر دیا اور وہ پادریوں کے خدا سے روگردانی پر قائم رہے، اُس کا بیٹا سواطوسلاؤس اس امر سے خائف تھا کہ اُس کے ساتھی اُس کا مذاق اُڑائیں گے اور اُس کا پوتا وولوڈومیر تو ساری عمر اپنے قدیم مذہب کے آثار کے تحفظ ہی میں مصروف رہا۔ شمالی علاقوں کے بُت کدوں میں ابھی تک انسانوں کی قربانی دی جا رہی تھی۔ مظلوموں کے انتخاب میں اجنبی کے مقابلے میں مقامی شہری کو ترجیح دی جاتی تھی۔ ایک بت پرست کے مقابلے میں عیسائی کو بہتر سمجھا جاتا تھا۔ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کو قربان ہونے سے بچانا چاہتا تو عوام کے جوش و غضب کا شکار ہوتا اور قتل کر دیا جاتا۔ اس کے باوجود مقدس اولگا کی تعلیم اور مثال کو پیش نظر رکھتے ہوئے، بادشاہ اور عوام کے دلوں

پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ یونانی مبلغین تبلیغ میں مشغول رہے، وہ اختلافات بھی کرتے اور اصطباغ کا عمل بھی جاری رہا اور رُوس کے تاجر لکڑی سے تیار کردہ بتوں کا قسطنطنیہ کے قیمتی بتوں سے موازنہ کرتے۔ وہ سینٹ صوفیہ کے گنبدوں کو حیران ہو کر دیکھتے۔ وہ ولیوں اور شہدا کی خوبصورت تصاویر کا نظارہ کرتے۔ قربان گاہ کی شان و شوکت کا مشاہدہ کرتے وہ پادریوں کی تعداد اور ملبوسات کا نظارہ کرتے اور عقیدت مندوں کا نظم و ضبط اور شان و شکوہ دیکھتے۔ اجتماعی نغمہ سرائی اور خاموش عبادت کا تماشا دیکھتے، اُن کو یہ تسلیم کرانے میں کوئی مشکل پیش نہ آتی کہ فرشتوں کی ایک جماعت ہر روز اجتماعی حمد میں شامل ہونے کے لیے آسمان سے نازل ہوتی ہے مگر ولوڈومیر کے عیسائیت قبول کرنے کے بعد اُس نے یہ ارادہ کر لیا کہ وہ جلد از جلد ایک رومی دلہن بھی لے آئے، اُسی زمانے میں قرسون شہر میں عیسائی پادری اصطباغ اور شادی کی رسوم ادا کرنے میں مصروف تھے۔ یہ شہر شہنشاہ باسل کو اُس کی بیوی کے بھائی نے عطا کر دیا تھا۔ مگر شہر کے دروازے، جیسا کہ کہا جاتا ہے، نووگوروڈ میں بھیج دیے گئے تھے اور اُس کی فتح کی یادگار کے طور پر پہلے گرجا گھر کے سامنے لگا دیے گئے تھے۔ یہ فتح کے علاوہ اُس کی عیسائیت کے قبول کرنے کی بھی یادگار تھے۔ اُس کے مطلق العنان حکم کے مطابق طوفانوں کے دیوتا پیروأون کو جس کی وہ مدتوں پوجا کرتا رہا تھا، شہر کیف کی گلیوں میں گھسیٹا گیا۔ جب اس بت کی شکل بگڑ گئی تو بارہ تنومند غلاموں سے کہا گیا کہ اس پر ڈنڈے برسائیں۔ اس کے بعد اُسے دریائے بورستھین کے پانی میں بہا دیا گیا۔ ولوڈومیر نے اس کے بعد یہ فرمان جاری کیا کہ ہر وہ شخص جو اصطباغ قبول کرنے سے انکار کرے، اُسے خدا اور بادشاہ کا دشمن سمجھا جائے گا۔ اس کے فوراً بعد دریاؤں کے کناروں پر عوام بڑی تعداد میں جمع ہو گئے، جنھوں نے نئے مذہب کو قبول کر لیا تھا کیونکہ عظیم حاکم اور اُس کے درباریوں نے بھی اسے قبول کر لیا تھا۔ اگلی نسل میں تو کفر کے تمام آثار مٹ چکے تھے، چونکہ ولوڈومیر کے دونوں بھائی اصطباغ کے بغیر ہی مر گئے تھے۔ اُن کی ہڈیاں قبروں سے نکالی گئیں اور انھیں پاک کرنے کے لیے بعد از موت ایک بے قاعدہ رسم اصطباغ دلائی گئی۔

عیسائی تقویم کی نویں، دسویں اور گیارھویں صدیوں میں عیسائی مذہب کی حکومت بلغاریہ بوہیمیا، ہنگری، سیکسنی، ڈنمارک، ناروے، سویڈن، پولینڈ اور روس میں قائم ہو چکی تھی۔ دحات کے زمانے میں عیسائیت میں تبلیغ کے متعلق بہت جوش دکھایا گیا۔ یورپ کے شمالی اور مشرقی علاقوں میں جو مذہب پھیلایا گیا، وہ نظریاتی کے بجائے عملی صورت میں روایتی بت پرستی سے مختلف تھا۔ جرمنی اور یونان دونوں ممالک کے

راہبوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور وہ ان وحشی قبائل کے خیموں اور جھونپڑوں میں باقاعدگی سے جانے لگے۔ وہ مشنری جنھوں نے اوّلین طور پر تبلیغ کا آغاز کیا وہ افلاس، مشکلات اور خطرات سے دوچار ہوئے مگر اُن کا حوصلہ بلند رہا اور وہ صبر سے اپنے کام میں مشغول رہے۔ اُن کے مقاصد نیک تھے اور اُن کا کام قابلِ ستائش تھا۔ اُن کا ضمیر مطمئن تھا اور عوام اُن کی تعریف کرتے تھے۔ مگر اُن کی محنت کا ثمر آئندہ نسلوں کے کام آیا۔ اوّلین مکالمات آزادانہ اور باتکلف ماحول میں ہوئے۔ ان کا واحد ہتھیار ان کی مہذب، فصیح اور مقدس زبان تھی مگر مقامی کفار کی داستان سرائی کو معجزات، بصیرت اور اجنبی کمالات کے حوالے سے غیر مؤثر کر دیا گیا اور بادشاہوں کی دلچسپی اور حمایت سے ان کا کام مزید آسان ہو گیا۔ اقوام کے رہنما جنھیں بادشاہوں اور ولیوں کے خطابات حاصل تھے۔ وہ اسے قانونی لحاظ سے درست سمجھتے کہ اپنی ریاست کے عوام اور ہمسایہ قبائل پر بھی اس عقیدے کو مسلط کر دیں، جسے رومی کیتھولک کا نام دیا جاتا ہے۔ بالٹک کے ساحل پر ہولسٹین سے لے کر فن لینڈ کی خلیج تک کے علاقے پر صلیب کے علم کے زیر سایہ ہی حملہ کیا گیا اور چودھویں صدی میں لیتھونیا کی تبدیلی مذہب کے بعد اس علاقے میں بت پرستی کا خاتمہ ہو گیا لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ شمالی علاقوں میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے جدید اور قدیم عیسائیوں کو طرح طرح کے لالچ دیے گئے۔ جنگ کا غضب انسانی فطرت کا تقاضا ہے، اسے خیرات اور امن کے لیے دھیما نہیں کیا جا سکتا۔ عداوت کا جذبہ ہر دور میں موجود رہا ہے۔ مگر جب کسی معاشرے کو کلیسا اور تہذیب کے حلقے میں شامل کر لیا جائے تو اس کے اپنے فوائد ہیں۔ یورپ میں تہذیب کا درس اسی حوالے سے دیا گیا۔ نارمنوں، ہنگریوں اور روسیوں کو یہ درس دیا گیا کہ وہ اپنے بھائیوں کو آزاد چھوڑ دیں اور اپنی مملوکہ اراضی پر کاشت کاری کریں۔ مذہبی رہنماؤں کے اثرات کے تحت قانون کی پابندی اور نظم و ضبط کا درس کامیاب ہوا اور دنیا کی غیر مہذب اقوام میں علم و دانش کے ابتدائی اصولوں کو روشناس کرایا گیا۔ روسی بادشاہوں نے فیاضی سے کام لیا اور یونانی ماہرین کی خدمات حاصل کیں کہ شہروں کو آراستہ کریں اور شہریوں کو علم سکھائیں۔ قسطنطنیہ کے سینٹ صوفیہ کے گنبدوں اور محرابوں کی کیف اور نووگوروڈ میں بھونڈی نقل کی گئی۔ پادریوں کی تحریروں کا سکلوانی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور تین سو نوجوانوں کو اس غرض سے منتخب کیا گیا کہ وہ یروشلم کے کالج میں جا کر تعلیم حاصل کریں یہ اس معاشرے میں تہذیب کی اشاعت کا اوّلین اور مؤثر اقدام تھا۔ اسی دور میں قسطنطنیہ میں بھی لاطینی زبان کے ترک کرنے کا رواج ہوا۔ جب کیف ہاتھ سے نکل گیا تو بازنطینی حکومت پر بھی زوال کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔ وہ بھول گئے کہ کبھی

بورنتھین میں بھی جہاز رانی ہوتی تھی۔ وولوڈ ومیر اور ماسکو کے بادشاہ سمندر اور عیسائیت دونوں سے الگ تھلک ہو گئے اور اس بے اتفاقی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جاہل اور گنوار تاتاران پر غالب آ گئے، سکلوانی اور سکینڈے نیویا کی حکومتیں جن کو لاطینی مشنریوں نے عیسائیت میں داخل کیا تھا اور وہ پوپ کے مادی مطالبات کے زیر اثر تھے۔ اب وہ مذہب اور زبان دونوں اثرات کے تحت باہم متحد ہو گئے اور روم کے ساتھ بھی اُن کے تعلقات خوشگوار تھے۔ وہ اسے یورپی جمہوریہ کا درجہ دیتے تھے اور بتدریج اُس علم میں بھی حصہ دار بن گئے جو یورپ میں بتدریج وجود میں آیا۔

(۵۶)

اٹلی میں صحرانشین (Saracens)، فرینک (Franks) اور یُونانی (Greeks) — نارمنوں (Normans) کی پہلی مہم اور نوآبادی — رابرٹ گواسکارڈ (Robert Guiscard) کا کردار اور فتوحات — ڈیوک آف اپولیا (Apulia) — برادر روجر (Roger) نے صقلیہ (Sicily) کو آزاد کرالیا — مشرق و مغرب کی ملکہ پر رابرٹ کی فتح — شاہ صقلیہ روجر کا افریقہ اور یُونان پر حملہ — یونانیوں اور شہنشاہ ہنری (Henry) چہارم کے مابین جنگیں — نارمنوں کا خاتمہ۔

اٹلی میں صحرانشین، فرینک اور یُونانی — نارمنوں کی پہلی مہم اور نو آبادی — رابرٹ گواسکارڈ کا کردار اور فتوحات — ڈیوک آف اپولیا — برادر روجر نے صقلیہ کو آزاد کرا لیا — مشرق و مغرب کی ملکہ پر رابرٹ کی فتح — شاہ صقلیہ روجر کا افریقہ اور یُونان پر حملہ — یونانیوں اور شہنشاہ ہنری چہارم کے مابین جنگیں — نارمنوں کا خاتمہ۔

دُنیا کی تین بڑی اقوام، یونانیوں، صحرانشینوں اور فرینکوں کا اٹلی کی سرزمین پر باہم مقابلہ شروع ہو گیا۔ جنوبی صوبے جنھیں دورِ حاضر میں نیپلز کی حکومت کا نام دیا جاتا ہے۔ زیادہ تر علاقے لومبارڈ نوابوں اور بینے ونطیوم کے بادشاہوں کے قبضے میں تھے۔ یہ لوگ میدانِ جنگ میں اس قدر طاقتور تھے کہ ماضی میں انھوں نے کچھ مدت تک شارلیمین کی پیش قدمی کو روکے رکھا تھا اور زمانۂ امن میں یہ لوگ اتنے فیاض تھے کہ انھوں نے اپنے دارالحکومت میں ایک اکادمی کھول رکھی تھی، جس میں بتیس فلسفی اور صرف ونحو کے ماہرین درس دیتے تھے۔ اس خوشحال ریاست کی تقسیم ہوئی تو بینے ونطو، کاپوا اور سلرنو کی حریف جاگیریں وجود میں آ گئیں۔ ان کی احمقانہ جاہ پسندی یا انتقامی جذبات کے تحت، انھوں نے اپنی مشترکہ وراثت کے کھنڈرات پر صحرانشینوں کو حملے کی دعوت دے دی۔ دوسو سال طویل مصیبت کے دور میں اٹلی نے متعدد زخم کھائے۔ حملہ آور نہ تو اس قابل تھے کہ اتحاد اور امن یا مکمل فتح حاصل کرنے کے بعد ان کے زخموں کا علاج کر سکیں یا مکمل اور پائیدار فتح ہی حاصل کر سکیں۔ بلکہ یہ ہوتا کہ ہر سال پلرمو کی بندرگاہ سے نئے دستے حملہ آور ہو جاتے ہیں، جن کی نیپلز کے عیسائی بڑی جانفشانی سے مہمان نوازی کرتے، افریقی ساحل پر ہر سال نئے بحری بیڑے تیار کیے جاتے جو پہلے سے بھی زیادہ ناقابلِ تسخیر ہوتے۔ اندلسیہ کے عرب بھی ان سے تعاون یا مخالفت کی تیاری کرتے رہتے۔ کیونکہ دونوں حکومتوں کا تعلق مخالف فرقوں سے تھا۔ انسانی انقلابات کے اس دور میں ایک اور فوج بھی گھات لگائے بیٹھی تھی اور کاذین کے دورا ہے میں واقع قانائی (Cannae) کے میدان میں مزید ایک دفعہ افریقیوں

کا خون دھرتی کو سیراب کرنے والا تھا اور شہنشاہِ روم نے مزید ایک دفعہ کاپوا اور طرنطیوم کی فصیلوں پر حملہ کیا تھا، یا ان کا دفاع کیا تھا۔ باری میں صحرانشینوں کی ایک نوآبادی کو تاراج کر دیا۔ یہ نوآبادی ایڈریاٹک کے ساحل پر اُس مقام پر آباد تھی جہاں سے کہ قافلے اس جھیل میں داخل ہوتے تھے۔ عرب غیر جانبدار تھے۔ جب اُن سے زیادتی کی گئی تو وہ برافروختہ ہو گئے۔ اس طرح دونوں بادشاہوں میں اتحاد قائم ہو گیا۔ اس اتحاد کا مقصد حملہ کرنا تھا اور اس میں ایک تو مقدونی نسل کا بانی شاہ باسل شامل تھا اور دوسرا لیویس (Lewis) تھا جو عظیم شہنشاہ شارلیمین کا پڑپوتا تھا۔ بازنطینی شہنشاہ کے لیے یہ امر اُس کی دانائی کے خلاف ہوتا کہ اگر وہ اپنی ایشیائی افواج کو جو امن سے بیٹھی تھیں، اٹلی کی جنگ میں روانہ کر دیتا اور ایسی صورت میں کہ اس کی بحریہ خلیج پر اپنا قبضہ نہ کرتی تو اطالوی افواج اپنے دفاع کے لیے ناکافی ہوتیں، فرینکوں کی پیدل افواج نے باری کی قلعہ بندیوں پر حملہ کر دیا، یونانیوں کا رسالہ اور بحری جہاز بھی ان کے ساتھ شامل تھے۔ چار سال کے متواتر دفاع کے بعد عرب امیر نے اپنے آپ کو لیویس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ وہ بذاتِ خود اس محاصرے کی نگرانی کر رہا تھا۔ مشرق اور مغرب کے اتحاد نے یہ ایک اہم کامیابی حاصل کر لی تھی۔ مگر حسد اور رشک یا جذبۂ افتخار کی وجہ سے ان کے اس اتحاد میں جلد ہی تلخی پیدا ہو گئی اور یونانیوں نے جلد ہی اس فتح اور شان و شوکت کا سہرا اپنے سر پر باندھنا شروع کر دیا۔ وہ اپنی قوت کی برتری کے دعوے کرنے لگے، اور فریق ثانی کو وحشیوں کا مٹھی بھر گروہ کہنے لگے۔ حالانکہ وہ کارلووِنجیوں کے علم کے زیرِ سایہ سامنے آئے تھے۔ اس کا جواب صداقت اور فصاحت سے دیا گیا۔ شارلیمین کے پڑپوتے نے کہا کہ "ہم اقرار کرتے ہیں کہ آپ کی تیاری بہت زیادہ تھی، آپ کی فوج کی تعداد بھی موسم گرما کے ٹڈی دل کی طرح بہت زیادہ تھی جس کی وجہ سے دن میں بھی اندھیرا ہو جاتا ہے۔ یہ تھوڑی دیر تو اپنے پر خوب ہلاتے ہیں مگر مختصر پرواز کے بعد تھک کر زمین پر گر پڑتے ہیں۔ تم بھی معمولی سی جدوجہد کے بعد اسی طرح غرق ہو گئے تھے۔ تم نے اپنی بزدلی کی وجہ سے خود ہی شکست کھائی اور سکلوانی (Sclvonian) ساحل کے عیسائیوں کو تنہا اور بے سہارا چھوڑ دیا تاکہ وہ زخم کھائیں۔ ہماری تعداد مختصر تھی اور ہماری تعداد کم کیوں تھی؟ کیونکہ ہم نے تمھاری آمد پر اپنی فوج کم کر دی تھی۔ میں نے اپنے لشکریوں کو واپس کر دیا تھا اور چند منتخب سپاہی رکھ لیے تاکہ وہ شہر کا محاصرہ قائم رکھ سکیں۔ اگر وہ موت و حیات کی کشمکش میں بھی اپنی دعوتیں جاری رکھ سکتے تھے، تو کیا ان دعوتوں کی قوت اور مہم جوئی کی قوت ختم ہو گئی تھی؟ کیا فرینکوں کی تعداد اس لیے کم ہو گئی تھی کہ وہ تھک گئے تھے۔ اُنھوں نے انتہائی طاقتور عرب امیروں کا راستہ روکے رکھا اور اُنھیں شکست دے

دی۔ کیا انھوں نے شہر کی فتح میں کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ باری پر اب ہمارا قبضہ ہو چکا ہے۔ طرنطیوم بھی ہمارے خوف سے لرزاں ہے۔ کالابریہ جلد آزاد کر لیا جائے گا۔ اگر ہم سمندر میں غلبہ حاصل کر لیں تو صقلیہ کا جزیرہ بھی کفار سے چھینا جا سکتا ہے۔ میرے بھائیو! (اس نام سے یاد کرنا یونانیوں کے وقار کو سخت ناگوار گزرتا تھا) اپنی فوجی کمک میں اضافہ کرو! اپنے اتحادیوں کی عزت کرو اور اپنے خوشامدیوں پر اعتماد کرنا بند کر دو۔

لیویس کی موت کے بعد یہ خوش کن امیدیں ختم ہو گئیں اور اس کے ساتھ ہی کارلووِنجی خاندان پر زوال آ گیا۔ اعزاز کا استحقاق خواہ کسی کو بھی ہو، باسل اور اُس کا بیٹا جن کا تعلق یونان سے تھا، باری کی فتح کا مفاد حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ اپولیا اور کالابریہ کے اطالوی، اُن کی برتری کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور ایک مثالی سلسلہ قائم ہو گیا، جو کوہِ گارگانوس سے لے کر سلرنو کی خلیج تک پھیلا ہوا تھا اور نیپلز کی حکومت کا ایک بہت بڑا حصہ مشرقی حکومت کے زیرِ اقتدار چلا گیا۔ امالفی اور نیپلز کے نوابوں نے جنھوں نے کبھی بھی اپنا اختیار اپنے ہاتھ سے نکلنے نہ دیا تھا، وہ اپنے قانونی حکمرانوں کے زیرِ سایہ بے حد مسرور تھے اور امالفی یورپ کو ایشیا کی صنعت و حرفت فراہم کر کے بہت امیر ہو گیا۔ مگر بینے ونطو، اور کاپوا کے لومبارڈ بادشاہ اُن کی مرضی کے خلاف لاطینی امریکہ سے الگ ہو گئے اور متعدد بار اپنی وفاداری اور اطاعت کے حلف سے دست بردار ہو گئے۔ باری کا شہر اپنی دولت اور وقار کی وجہ سے بے مثال ہو گیا اور اس نئی لومبارڈی حکومت کے تحت اُس کے وقار میں اضافہ ہو گیا۔ پہلے تو اس کے سرداروں کو عالی نسب کا خطاب دیا گیا جو بعد میں کاتاپان کے بہت بڑے خطاب میں تبدیل کیا جو صرف گورنر کے عہدے کے لیے مخصوص تھا۔ کلیسا اور حکومت دونوں کی حکمت عملی یہی تھی کہ قسطنطنیہ کے تاج کی پوری طرح سے فرمانبرداری کی جائے۔ جب تک کہ اٹلی کے بادشاہ تخت کے متعلق اختلاف کرتے رہے ان کی جدوجہد بھی کمزور اور ناکام ہی رہی اور یونانی جرمن افواج کے خلاف مزاحمت کرتے رہے یا اُن کے مقابلے سے گریز کرتے رہے۔ جرمنوں نے شمالی طرف سے اوتھوؤں کی زیرِ قیادت حملہ کر دیا تھا۔ سیکسن کے عظیم بادشاہ کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ باری کا محاصرہ ترک کر دے۔ دوسرے درجے کا بشپ بعض مقامی رؤسا کے ہمراہ کرولڈنا کے خونریز مقام سے فرار ہو گیا۔ اس روز کے بعد صحرانشینوں کی بہادری کی وجہ سے جنگ کا پانسہ فرینکوں کے خلاف پلٹ دیا گیا۔ تین بحری حملے تو بازنطینی بیڑے نے اٹلی کے ساحل سے واپس بھگا دیے مگر مزاحمت کی بجائے ان میں ذاتی مفادات کا لالچ زیادہ مروج تھا۔ مصر کے خلیفہ نے اپنے عیسائی اتحادیوں کی حمایت کے لیے چالیس ہزار افراد روانہ کر دیے۔ باسل کے جانشین صرف

اسی خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ باری کی فتح حاصل کر لی گئی ہے اور اس مقام پر ابھی تک ان کا قبضہ برقرار تھا۔ ان کے قوانین انصاف پر مبنی تھے، ان کے وزرا مختلف تھے اور عوام بھی ان کے شکر گزار تھے کیونکہ انھوں نے اُن کو ایک ظالم حکومت سے بچا لیا تھا۔ جب بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تو قسطنطنیہ کے محل میں بھی صحیح اندازہ ہونے لگا اور نارمن مہم جوئی کی وجہ سے محل کے خوشامدیوں کا بھی حال پتلا ہو گیا۔

انسانی معاملات میں اختلافات کی وجہ سے اپولیا اور کالابریہ میں، فیثا غورث کے دور اور مالیخولیائی مناقشات رونما ہو گئے۔ ماضی میں عظیم یونان کے ساحل پر (جیسا کہ اُس دور میں کہا جاتا تھا) متعدد شہر آباد تھے۔ ان میں سپاہی، فنکار اور فلسفی آباد تھے اور طرنطیوم، سائبارس اور کروٹونا میں مجموعی فوجی قوت کسی سلطنت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ جب دوسرا دور شروع ہوا تو یہ خوشحال ترقی پذیر شہر جہالت، افلاس میں مبتلا اور ظلم و ستم کا شکار تھے اور وحشی قبائل سے جنگوں کی وجہ سے یہ غیر آباد ہو گئے تھے۔ بعض لوگ اس معاملے میں اس قدر مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن شہروں کی حالت وہی ہو گئی تھی جو اس کرۂ ارض کی طوفانِ نوح کے بعد ہو گئی تھی۔ عربوں، فرینکوں، یونانیوں اور جنوبی اٹلی میں بہت زیادہ اختلافات پیدا ہو گئے اور اس سلسلے میں، میں صرف دو تین واقعات کا انتخاب کروں گا جن سے ان کے قومی اطوار کا پتا چلتا ہے۔

۱۔ صحرا نشین اس میں بہت دلچسپی لیتے تھے کہ وہ گرجا گھروں کی بے حرمتی کریں اور خانقاہوں سمیت انھیں لوٹ بھی لیں۔ ایک مسلمان سردار نے گرجے کے چبوترے پر اپنا پلنگ بچھا لیا اور اس پر ہر رات وہ ایک عیسائی راہبہ کی عصمت دری کرتا۔ جب وہ ایک دوشیزہ سے زیادتی کرنا چاہتا تھا، جو اس پر راضی نہ تھی، تو اچانک چھت کا ایک شہتیر حادثاتی طور پر یا کسی کی تجویز کے مطابق اُس کے سر پر گرا اور اس شہوت پرست امیر کی موت کو حضرت عیسیٰ کے غضب کا نتیجہ قرار دے دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مستورات جو اپنا دفاع کرنے کے قابل نہ تھیں اُن کے حق میں عوام میں بیداری پیدا ہو گئی۔

۲۔ صحرا نشینوں نے بینے وظیوم اور کاپوا کا محاصرہ کر لیا۔ عوام نے شارلمین کے جانشینوں کے پاس ناکام درخواست کی۔ لومبارڈوں نے یونانیوں کے بادشاہ سے بھی رحم کے نام پر مدد طلب کی۔ ایک نڈر نوجوان نے دیوار سے چھلانگ لگا دی وہ اندرونی دالانوں سے آگے گزرتا گیا۔ اُس نے اپنا مقصد پورا کیا۔ اس کے بعد اُس وقت غیر مہذب افراد کے ہاتھوں میں آ گیا جبکہ وہ اپنی کامیابی خبر لے کر واپس آ رہا تھا۔ اُسے یہ حکم دیا گیا کہ وہ اُن کی مدد کرے اور اپنے ملک کے عوام سے غداری کرے اور اس غرض کے لیے اُس سے انعام

اکرام کا وعدہ کیا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر وہ اپنی ضد پر قائم رہا تو اُسے فوری طور پر سزائے موت دے جائے گی۔ اُس نے وقتی طور پر اُن کی بات مان لی، مگر جونہی وہ ایسے مقام پر پہنچا جہاں سے کہ اُس کی آواز عیسائیوں کے چبوترے پر سنی جا سکتی تھی۔ ''دوستو اور بھائیو!'' اُس نے بلند آواز سے پکار کر کہا۔ ''حوصلہ رکھو اور صبر سے کام لو، اپنے شہر کی حفاظت کرو، تمھارے بادشاہ کو تمھارے مصائب کی اطلاع دے دی گئی ہے۔ تم بہت جلد آزاد ہو جاؤ گے۔ میں اپنے انجام کے متعلق بے خبر نہیں اور میں اپنی بیوی بچوں کو تمھاری حفاظت میں چھوڑتا ہوں۔'' عربوں کے غضب نے اُس کی شہادت کی تائید کر دی اور اُسی وقت ایک برچھا اُس کے جسم سے پار ہو گیا۔ اُس کا حق تھا کہ وہ نیک نامی کی دُنیا میں زندہ رہتا۔ مگر اس داستان کو جس طرح مرچ مصالحہ لگا کر دہرایا گیا ہے، اُس سے اس کی صحت پر شبہ گزرتا ہے۔

۳۔ جنگ کے ہولناک واقعات کے بیان میں یہ تیسرا واقعہ مسکراہٹ کا سامان پیدا کر دے گا۔ کیمرینو اور سپولیطو کے مارکوئیس تھیو بالڈ بینے وینطوم کی بغاوت کی بہت زیادہ مدد کرتے تھے۔ یہ وہ دور تھا جس میں ہر ہیرو کے ساتھ بہت زیادہ ظالمانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ جس میں ہر یونانیوں یا دوسرے افراد کو قید کرتا، اُنھیں بغیر کسی رحم یا استثنا کے آختہ کر دیتا اور اس کے بعد اُن کے ساتھ ایک ظالمانہ مذاق بھی کیا جاتا کہ اُس کی خواہش ہے کہ وہ بادشاہ کو خواجہ سراؤں کی ایک فوج فراہم کرے۔ کیونکہ بازنطینی دربار میں خواجہ سراؤں کی بہت زیادہ اہمیت تھی۔ ایک حملے کے دوران شاہی قلعے کے لشکر کو شکست ہو چکی تھی اور تمام قیدی مروجہ عمل جراحی سے گزرے۔ مگر ایک رحم دل خاتون کی دخل اندازی کی وجہ سے یہ ظالمانہ کارروائی ختم کر دی گئی۔ اُس کے گالوں سے خون بہ رہا تھا اور اُس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ بین بھی کرتی جا رہی تھی۔ مارکوئیس اس کی شکایت سننے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے کہا کہ تم بڑے ہیرو بنے پھرتے ہو، مگر عورتوں کے خلاف جنگ کرتے ہو۔ جن کے پاس چرنے اور نگلنے کے سوا کوئی اور اسلحہ نہیں۔ تھیو بالڈ نے ان الزامات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ اُس نے ایمیزان کی کسی زنانہ جنگ کے متعلق بھی کچھ نہ سنا تھا۔ مگر اُس خاتون نے غصے سے کہا کہ ''کس طرح تم ہم پر براہِ راست حملہ کر سکتے ہو؟ تم ہماری شرمگاہوں پر براہِ راست حملہ تو نہیں کر سکتے، سوائے اس کے کہ تم ہمارے خاوندوں کی وہ شے خراب کر دیتے ہو، جس کی ہمیں خصوصی ضرورت ہوتی ہے۔ وہی ہماری لطف اندوزی کا ذریعہ ہے، اور اُسی پر ہماری آئندہ نسلوں کا انحصار ہے: اپنے گلوں اور ریوڑوں کی لوٹ مار تو میں نے بڑی دلیری سے برداشت کی ہے مگر یہ مہلک زخم، ایک ایسا ناقابلِ تلافی

نقصان ہمارے جذبات ہی کو ختم کر دیتا ہے اور اس کے لیے میں زمین و آسمان کے انصاف کی دہائی دیتی ہوں۔" وہ اس فصیح و بلیغ خطاب پر زور سے ہنسا۔ وحشی فرینک رحم کے قریب قریب سے بھی نہ گزرے تھے۔ مگر اس خاتون کے معقول استدلال کے سامنے عاجز آ گئے۔ جب قیدی آزاد کر دیے تو اُس کا مقصد پورا ہو گیا۔ وہ جب کامیاب ہو کر قلعے میں واپس آئی تو وہ حیران ہوئی کہ تھیوبالڈ کا ایلچی وہاں سے پہلے موجود تھا۔ اگر تمھارا خاوند دوبارہ ہتھیار اُٹھا لے تو اُسے کیا سزا دی جائے؟ مگر اُس نے بے پروائی سے جواب دیا کہ یہی سزا دی جا سکتی ہے۔ اُس کے جسم پر آنکھیں، ناک، ہاتھ اور پاؤں موجود ہیں۔ یہ سب اشیا اُس کی اپنی ہیں۔ جب وہ کوئی جرم کرے گا تو اُس کی ذاتی اشیا اُس سے لی جا سکتی ہیں، مگر اُس سے وہ شے نہ لی جائے جو اُس کی بجائے اُس کی بیوی کی جائیداد ہے۔

نیپلز اور صقلیہ میں نارمن کی حکومت کا قیام یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے رومانی ہے۔ یہ واقعہ اٹلی اور مشرقی سلطنت دونوں کے لیے بہت اہم تھا۔ وہ صوبے جو یونانیوں، عربوں یا لومبارڈوں سے الگ ہو چکے تھے۔ اُن پر ہر طرف سے حملے ہوتے رہتے تھے۔ ان پر سکینڈے نیویا کے قزاق بحری اور بری راستوں سے حملے کرتے رہتے تھے۔ لوٹ مار اور قتل عام کے طویل دور کے بعد، ایک بہت بڑا رقبہ فرانس کے نارمنوں کے قبضے میں آ گیا اُنھوں نے اپنے دیوتاؤں کو چھوڑ دیا اور عیسائیت قبول کر لی۔ نارمنڈی کے نوابوں نے اپنے آپ کو شارلمین اور کاپٹ کے جانشینوں کا باجگزار قبول کر لیا۔ وہ وحشیانہ پن جو وہ اپنے ساتھ ناروے کی برف پوش پہاڑیوں سے لائے تھے، اُس میں اعتدال پیدا ہو گیا۔ گرم موسم کی وجہ سے اُن میں کسی بُرائی کا اضافہ نہیں ہوا۔ البتہ رولو (Rollo) کی بد دیانتی مقامی آبادی میں شامل ہو گئی۔ انھوں نے فرانسیسی قوم کے انداز، زبان اور جرأت میں کوتاہیاں پیدا کر دیں۔ اپنے سنہری دور میں فرانسیسی اپنی ان خوبیوں پر ناز کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے مذہبی اعتقادات کی وجہ سے روم، اٹلی اور ارضِ مقدس کا دورہ کیا۔ ان مشکل مسافتوں کی وجہ سے اُن کے جسموں میں توانائی آ گئی۔ اُن میں ایجادات اور قوت کی بحالی کا ملکہ پیدا ہو گیا۔ جب کوئی نیا اقدام کرتے تو اُس میں عزم و حوصلہ شاملِ حال ہوتا اور جدت کے علاوہ قدامت کا تحفظ بھی شاملِ حال ہوتا۔ سیاحت سے دُنیا کے مستقبل میں بہتری کے آثار پیدا ہوتے اور بلند حوصلگی کی اُمید پیدا ہوتی۔ اُنھوں نے اپنے مشترکہ دفاع کے لیے باہمی تعاون پیدا کر لیا اور الپس کے قزاق جن کو زائرین کو لوٹنے کا چسکا پڑا ہوتا تھا، وہ اکثر جنگجوؤں کے اسلحہ سے ڈر کر بھاگ جاتے۔ غارغانوس، غار کی زیارت کے لیے ایک سفر کے دوران جو

کوہ اپولیا میں واقع ہے، اور جسے اُسقف مائیکل نے تقدیس عطا کر دی تھی، یہ لوگ ایک اجنبی کے اثرات کے بعد یونانیوں کی عادات قبول کر چکے تھے۔ لیکن جلد ہی معلوم ہو گیا کہ وہ شخص ایک باغی اور مفرور ہونے کے علاوہ شاہِ یونان کا دشمن اور مملکت کا غدار بھی تھا۔ اُس کا نام میلو تھا اور وہ باری کا ایک شریف شہری تھا اور ایک ناکام بغاوت کے بعد اُسے نئے اتحادیوں کی ضرورت تھی جو اُس کے ملک سے انتقام لینے کے لیے تیار ہوں۔ نارمن کے جرأت مند عزم و حوصلے سے اُس کی اُمیدوں میں اضافہ ہوا اور اُس کا اعتماد بھی بڑھا۔ وہ لوگ محبِ وطن لوگوں کے وعدوں کی بجائے اس کی شکایتوں پر زیادہ دھیان دینے لگے۔ یہ دولت کے وعدہ کرتا، اس لیے اس کے مقصد کو منصفانہ سمجھا جانے لگا اور وہ سمجھنے لگے کہ یہ زرخیز زمین صرف بہادر افراد ہی کی ملکیت ہے۔ جب وہ نارمنڈی واپس آئے تو اُنھوں نے جرأت کی نئی مشعل روشن کر لی۔ اپولیا کی آزادی کے لیے ایک مختصر سا مگر بہادر افراد پر مشتمل دستہ وجود میں آ گیا۔ اُنھوں نے زائرین کا بھیس بدلا، جب وہ روم کے قرب و جوار میں پہنچے تو باری کے سردار نے اُن کا استقبال کیا۔ اُس نے انھیں اسلحہ اور گھوڑے بھی مہیا کیے۔ ان کی بہادری کا غلبہ حاصل ہوا اور پہلے مقابلے ہی میں اُنھوں نے شہرت حاصل کر لی۔ مگر دوسرے معرکے میں یونانیوں کی زیادہ تعداد اور فوجی اسلحہ کی وجہ سے انھیں شکست ہو گئی۔ انھوں نے پسپائی اختیار کی جس کے دوران وہ دشمن کو دیکھتے رہے۔ نارمنوں کے پیروکاروں کو اُن کے وطن اور موعودہ سرزمین سے محروم کر دیا گیا۔ وہ اٹلی کے پہاڑوں اور وادیوں میں آوارہ گردی کرتے رہے اور اپنی روزمرہ کی ضروریات کے لیے شمشیر زنی کرتے رہے۔ یہ تلوار اتنی تیز اور ناقابلِ تسخیر تھی کہ کاپوا، بنے ونطوم سلرنو، اور نیپلز، کے بعد دیگرے اپنی باہمی ناچاقیوں کی وجہ سے ان سے مدد کی درخواست کرنے لگے اور نارمن ان میں سے جس کا بھی ساتھ دیتے، ان کے نظم و ضبط اور جذبات کی عمدگی کی وجہ سے وہ فتح یاب ہو جاتا۔ وہ اپنی محتاط حکمتِ عملی کی وجہ سے طاقت کے توازن کا ہمیشہ خیال رکھتے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی ریاست ان کی مدد کو کم اہم سمجھے اور اپنے حریف کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ مفادات حاصل کر لے۔ ان کی سب سے زیادہ مضبوط چھاؤنی کمپانیا کے دلدلی علاقوں سے آگے نشیب میں واقع تھی مگر نیپلز کے ڈیوک کی عنایت کی وجہ سے انھیں ایک مضبوط اور وسیع مقام میسر آ گیا۔ اُس کی رہائش سے آٹھ میل دور کاپوا کی مخالف سمت میں آورسا کے نام سے ایک قصبہ آباد کیا گیا اور اُن کے استعمال کے لیے اُس کے گرد قلعہ بندی کر لی گئی۔ یہ ضلع بہت زرخیز تھا لہٰذا یہ لوگ اپنی ضرورت کے لیے پھل اور سبزیاں پیدا کرنے لگے اور اس علاقے کی وادیوں اور جنگلات سے بہرہ مند ہونے لگے۔ جب

اس کامیابی کی خبر عام ہوئی تو زائرین اور فوجیوں کی ایک بڑی تعداد یہاں آنے لگی۔ مفلس لوگ تو اپنی حاجت روائی کے لیے آتے۔ اُمرا نئی اُمیدیں باندھ کر پہنچ جاتے اور نارمنڈی کے لوگ تو اپنی حب جاہ اور بے صبری کے لیے مشہور تھے آورسا کا آزاد علم ہر ایک کو پناہ دیتا اور مختلف صوبوں کے مفروروں کو پناہ مہیا کرتا۔ یہ لوگ اپنے علاقوں کے برتر افراد کی بے انصافی یا انصاف کے نتائج سے بھاگ کر آجاتے، یہ لوگ جلد ہی اس گال کی نوآبادی کی زبان اور انداز حیات کو اپنا لیتے۔ نارمنوں کا پہلا رہنما کاؤنٹ رینولف تھا۔ اس معاشرے کا آغاز ہی یہ ظاہر کرتا ہے کہ معاشرے میں ان کا درجہ بلند تھا اور استحقاق کی برتری حاصل تھی۔

جب سے صقلیہ فتح ہوا تھا عرب اور یونانی شہنشاہ اس قیمتی علاقے کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ خواہ وہ کتنی سخت جد و جہد کرتے۔ سمندر اور فاصلے اُن کی راہ میں حائل ہو جاتے ان لوگوں نے بہت عمدہ اسلحہ بنالیا تھا جس پر لاگت بھی بہت آتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس سے اُمید کی نئی کرن بھی پھوٹی مگر بازنطینی روایات میں اس وجہ سے مصائب ہی کا تذکرہ بڑھ گیا۔ صرف ایک مہم میں ان کے بیس ہزار اعلیٰ درجے کے سپاہی ضائع ہو گئے اور فاتح مسلمانوں نے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ انھوں نے اپنی مستورات کو خواجہ سراؤں کی حفاظت میں دے دیا اور اپنی سپاہ کو بھی اُن ہی کی کمان میں دے دیا۔ صحرا نشینوں نے دو سو سال تک اس جزیرے پر حکومت کی مگر پھر نفاق کا شکار ہو گئے۔ امیر نے تیونس کے اقتدار کا مطالبہ ترک کر دیا۔ مقامی آبادی نے امیر کے خلاف بغاوت کر دی۔ مقامی سرداروں نے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ ہر چھوٹا آدمی بھی اپنے گاؤں اور قلعے میں آزاد ہو گیا۔ دو کمزور بھائی ایسے تھے جنھوں نے عیسائیوں کے ساتھ دوستی کا مطالبہ کیا۔ جہاں کہیں بھی اختلاف ہوتا، نارمن کسی ایک کی حفاظت کے لیے پہنچ جاتے۔ آرڈوئین نے پانچ سو بہادر گھڑ سوار جنگجوؤں کو بھرتی کر لیا۔ یہ شخص یونانیوں کا مختار اور مترجم تھا۔ مانیقیوں کا علم لومبارڈی کے گورنر کے سپرد کر دیا گیا۔ اس سے قبل کہ یہ لوگ خشکی پر اُترتے دونوں بھائیوں میں صلح ہو چکی تھی۔ افریقہ اور صقلیہ کا اتحاد بحال کر دیا گیا اور جزیرے کی حفاظت کا انتظام پانی کے آخری کنارے تک کر دیا گیا۔ نارمنوں نے اپنے ہراول دستے کو آگے بڑھایا۔ میسینا کے عربوں نے دشمن کی متحدہ قوت کو محسوس کیا۔ اس سے قبل ان کا اور عربوں کا کبھی مقابلہ نہیں ہوتا تھا۔ دوسرے معرکے میں سیراکیوز کے امیر کو ہاٹ ولے کے ولیئم نے اپنے اسلحے سے قتل کر کے گھوڑے سے نیچے گرا دیا۔ تیسرے حملے میں انھوں نے ساٹھ ہزار عربوں کے چھکے چھڑا دیے اور یونانیوں کی تو یہ حالت ہوئی کہ وہ اُن کے تعاقب کا تکلف ہی باقی رہ گیا۔ یہ ایک شاندار فتح تھی، مگر مؤرخ اس فتح کا استحقاق پوری طرح

سے نارمنوں کے نیزوں کو دینے کے لیے تیار نہیں۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ انھوں نے لازماً مانیقیوں کی کامیابی میں بہت زیادہ مدد کی۔ جن کو اس جنگ کی وجہ سے صقلیہ کے تیرہ شہر اور رقبے کا بیشتر حصہ حاصل ہو گیا۔ جو اس سے قبل شہنشاہ بازنطین کے قبضے میں تھا۔ مگر مقامی آبادی کی ناشکرگزاری اور بغاوت کی وجہ سے اس کی فوجی شہرت کو بہت نقصان ہوا۔ مالِ غنیمت کی تقسیم اور مہمان لشکریوں کی دعوت کے معاملات کو فراموش کر دیا گیا۔ اس تکلیف دہ سلوک کو نہ تو اُن کا جذبۂ افتخار اور نہ مصلحتِ وقت ہی برداشت کر سکی۔ اُنھوں نے اپنے ترجمان کی وساطت سے اپنی شکایات پیش کیں۔ اُن کی شکایات کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اُن کے ترجمان کی تذلیل کی گئی۔ تمام تکالیف بھی انھوں نے خود برداشت کی تھیں۔ تذلیل اور مزاحمت اُن لوگوں کا حصہ تھا جو اس المیے کا باعث تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے اُس وقت تک اپنے ارادوں کو چھپائے رکھا، تاوقتیکہ اُنھیں اٹلی میں واپسی کا محفوظ راستہ دستیاب نہ ہو سکا۔ آورسا میں اُن کے بھائیوں نے اُن کی تذلیل پر ہمدردی کا اظہار کیا۔ اُنھوں نے اپنا قرضہ چکانے کے لیے اپولیا کے صوبے پر دوبارہ حملہ کر دیا۔ پہلی نقل مکانی کے بیس سال بعد نارمن دوبارہ میدانِ جنگ میں اُتر آئے۔ ان کے پاس سات سو سوار اور پانچ سو پیدل سپاہی تھے اور صقلیہ سے بھی انھوں نے اپنے ساتھیوں کو واپس بلا لیا اور اس طرح اُن کی تعداد ساٹھ ہزار ہو گئی۔ اُن کے نقیب نے سب کو اس کی اجازت دے دی کہ جو لڑنا چاہے وہ لڑے اور جو واپس جانا چاہے وہ مراجعت اختیار کر لے۔ نارمن کا متحدہ نعرہ جنگ کے حق میں تھا۔ ان کے ایک پُر جوش اور بہادر جنگجو نے ایک ہی ضرب سے یونانی ایلچی کے گھوڑے کو نیچے گرا دیا۔ بہر حال اُسے ایک نیا گھوڑا دے کر واپسی کی اجازت دے دی گئی۔ اس تذلیل کو شاہی فوج سے خفیہ رکھا گیا مگر اگلے دو معرکوں میں اُنھیں اس سے بھی زیادہ تذلیل برداشت کرنی پڑی اور دشمن کی قوت سے انھیں مہلک جراحتوں کا تجربہ حاصل ہوا۔ قانائی کے میدانوں میں، فرانس کی مہم جوئی کے سامنے ایشیائی فرار ہونے پر مجبور ہو گئے۔ لومبارڈی کے ڈیوک کو قید کر لیا گیا۔ اپولیا کے باشندوں نے ایک نئی حاکمیت کے ساتھ سمجھوتا کر لیا اور چار مقامات: باری، اوٹرانٹو، برونڈوسیوم اور طارنطیوم، یونانیوں کا بیڑہ غرق ہونے کے باوجود بچا لیے گئے۔ اس روز کے بعد اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نارمن قوت کا وجود قائم ہو گیا۔ جس نے آورسا کی نوزائیدہ نوآبادی کو بھی گہنا دیا۔ انتخاب عامہ کے تحت بارہ کاؤنٹ منتخب کر لیے گئے۔ ان کے انتخاب میں اُن کے خاندانی اور ذاتی استحقاق کا خیال رکھا گیا۔ ان کا جن مخصوص اضلاع پر قبضہ ہو گیا تھا اُن کا خراج اپنی مرضی سے خرچ کیا گیا اور ہر کاؤنٹ نے اپنے مقبوضہ علاقوں کے مرکز میں ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ صوبے کے

مرکزی شہر میں، میلفی آبادی کو بحال رکھا گیا، بعد میں یہی مقام جمہوریہ کے مرکزی دارالحکومت کی صورت اختیار کر گیا۔ بارہ ڈیوک جو منتخب ہوئے تھے اُن میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ رہائش عطا کر دی گئی اور اس فوجی مجلس نے قومی معاملات کے قوانین کو باقاعدہ شکل دے دی۔ ان کا سب سے بڑا حاکم صدر اور جرنیل مقرر ہوا۔ اُسے اپولیا کے کاؤنٹ کا خطاب دیا گیا اور یہ وقار ولیم فولادی پنجہ کو دیا گیا۔ اُس دور کی زبان میں اُسے میدانِ جنگ کا شیر بھی کہا جاتا تھا۔ ایک بھیڑوں کا معاشرہ تھا جس کی نگہبانی کے لیے ایک فرشتہ مقرر تھا، اُس عہد کے ایک ہم عصر مؤرخ نے دیہاتیوں کے اسلوبِ حیات کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ مالاطیرہ (Malaterra) لکھتا ہے کہ "نارمن چالاک ہیں اور بدلہ لینے پر تیار رہتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ فصاحت اور راز داری کی صفات اُنھیں وراثت سے ملی ہیں۔ وہ خوشامد پسند ہیں۔ اگر وہ قانون کے شکنجے میں نہ آئیں تو وہ عیش و عشرت اور بے راہ روی میں مشغول رہتے ہیں اور اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتے۔ اُن کے حکمران یہ چاہتے ہیں کہ رعایا اُن کی تعریف کرتی رہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ عوام اُن کی تعریف و توصیف میں مبالغہ آرائی سے کام لیں۔ وہ دولت اور اقتدار کے حد سے زیادہ بھوکے ہیں۔ جو کچھ اُن کے پاس ہے اُسے وہ بہت کم سمجھتے ہیں اور ہر وہ شے جس کی وہ خواہش رکھتے ہیں اُس کے حصول کی تمنا بھی کرتے ہیں۔ اسلحہ، گھوڑے، عمدہ لباس، شکار کی ورزش اور عقاب اُڑانے کے مشغلے انھیں پسند ہیں۔ جب مجبوری ہو تو یہ انتہائی صبر کا مظاہرہ بھی کر سکتے ہیں۔ ہر قسم کی آب و ہوا کی شدت کو برداشت کر سکتے ہیں اور جب یہ دو سلطنتوں کے دباؤ میں تھے، تو یہ فوجی زندگی کی صعوبتوں کو بھی صبر سے برداشت کرتے رہے۔

اپولیا کے نارمن ایسی جگہ پر مقیم تھے کہ دونوں سلطنتوں کی سرحدیں ان سے ملتی تھیں اور جرمنی اور قسطنطنیہ دونوں سلطنتوں کے شہنشاہوں سے اراضی کے عطیات وصول کر لیتے تھے۔ مگر اس مضبوط قوم کا اعتقاد اسی پر تھا کہ اپنا وہی ہوتا ہے جو فتح کر کے حاصل کیا جائے۔ وہ نہ کسی سے محبت کرتے تھے اور نہ اعتماد کرتے تھے۔ وہ کبھی کسی سے خوفزدہ نہ ہوتے اور اگر وہ کسی قوم سے خوف زدہ ہوتے تو نفرت اور مزاحمت کے جذبات بھی اس میں شامل ہوتے۔ اُن کی عورت اور گھوڑے کی خواہش کبھی ختم نہ ہوتی۔ اگر انھیں باغ بھی میسر آئے تو وہ اجنبی ممالک میں بھی مطمئن ہو جاتے۔ ان کے سرداروں کی سب سے بڑی خواہش یہی ہوتی کہ ان کو شان و شوکت اور امارت کے خطابات سے سرفراز کیا جائے۔ بارہ کاؤنٹ کبھی جمع بھی ہوتے تو کسی بے انصافی کے منصوبے ہی کے متعلق منصوبہ بندی کرتے۔ اُن کے داخلی جھگڑے کبھی ختم نہ ہوتے۔ وہ مالِ غنیمت کی تقسیم

پر ہمیشہ لڑتے جھگڑتے۔ جب ولیم مر گیا تو اُس کی خوبیاں بھی اسے کے ساتھ ہی ختم ہو گئیں۔ ڈروگو جو اُس کا بھائی اور جانشین تھا، وہ اپنی بہادری کی بدولت رہنمائی کا مستحق تھا۔ مگر وہ اپنے ساتھیوں کی تشدد پسندی کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ قسطنطین موناموکس کے دورِ حکومت میں بازنطینی حکومت نے رحم کھا کر یا بطور حکمتِ عملی اس خواہش کا اظہار کیا کہ اٹلی کو اس ناگہانی آفت سے نجات دلائی جائے۔ یہ تو عام وحشیوں سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو رہے تھے اور آرجی رُوس جو میلُو کا بیٹا تھا، اسے اس مقصد کے حصول کے متعلق کہا گیا۔ اُس نے سرداروں میں سونا اور یونان کی مصنوعات تقسیم کیں۔ گویا یہ شاہی عنایات کا پہلا ثمر تھا۔ مگر اس کی تمام فنکاری کو اپولیا کے فاتحین کی دانشمندی نے اچھی طرح سے سمجھ لیا۔ اُس کے تحفے یا کم از کم تجاویز کو مسترد کر دیا گیا۔ اُنھوں نے متحدہ طور پر اپنے دور اُفتادہ ایشیائی مقبوضات کو خالی کرنے سے انکار کر دیا۔ جبکہ اُنھیں رغبت دلانے کے تمام ذرائع ناکام ہو گئے تو آرجی رُوس نے فیصلہ کر لیا کہ انھیں مجبور کیا جائے یا ختم کر دیا جائے۔ مشترکہ دشمن کے خلاف لاطینی قوتوں کو بھی ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی گئی اور ایک جارحانہ اتحاد تشکیل دیا گیا، جس میں پاپائے روم اور مشرق مغرب کے دونوں شہنشاہ شامل تھے۔ سینٹ پیٹر کے تخت پر لیو نہم قابض تھا۔ وہ ایک سادہ لوح پادری تھا جس کا مزاج اس طرح کا تھا کہ وہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو بھی دھوکا دینے کا ماہر تھا۔ اُس کا کاروبار مذہبی نوعیت کا تھا، مگر اُس کے کردار میں تقدیس نام کی کوئی شے موجود نہ تھی۔ اُس کی انسانیت پر بھی بہت زیادہ اعتراضات تھے۔ غالباً عوام اُس کے ہاتھوں بہت تنگ تھے۔ ناپاک نارمن نے عشر کی ادائیگی معطل کر دی تھی۔ اب موقع تھا کہ ان غاصب گنہگاروں کے خلاف تلوار کو میان سے باہر نکال لیا جائے۔ وہ کلیسا کی آواز کو سننے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ لیو نسلی لحاظ سے جرمن تھا اور اُسے شہنشاہ کے دربار میں براہِ راست باریابی حاصل تھی اور شہنشاہ کو اُس پر اعتماد بھی تھا۔ ہنری سوم ان ایام میں تخت نشین تھا۔ اب چونکہ اُسے اسلحہ اور افرادی قوت کی ضرورت تھی۔ اس لیے وہ اپولیا سے سیکسنی روانہ ہو گیا۔ نیز وہ ایلب سے ٹائبر پہنچ گیا۔ ان دشمنانہ تیاریوں کے دوران آرجی رُوس اجتماعی اور انفرادی انتقام میں بھی مصروف رہا۔ اُس نے خفیہ طور پر مجرمانہ اور پوشیدہ اسلحہ بھی استعمال کیا۔ نارمن ایک مقام پر اُسے اکٹھے مل گئے، اُس نے اُن کے خلاف انفرادی اور اجتماعی انتقام کی کارروائی کی اور بہادر ڈروگو کو ایک گرجا گھر میں قتل کر دیا۔ مگر اُس کی روح اُس کے بھائی ہنری کی صورت میں قائم رہی جو اپولیا کا تیسرا کاؤنٹ تھا۔ قاتلوں کا پیچھا کیا گیا اور میلو کے بیٹے کو معزول کر کے زخمی کر دیا گیا اور اس کے بزدل جانشین کا انتظار کیا جانے لگا۔

مگر قسطنطین کی قوت کوئٹر کی کے خلاف جنگ نے ختم کر دیا۔ ہنری کا مزاج کمزور اور غیر مستقبل تھا اور پوپ بجائے اس کے کہ جرمن افواج کے ہمراہ کو واپس پر دباؤ ڈالتا، اُس نے اپنے ہمراہ سات سو سوابی محافظین رکھے۔ علاوہ ازیں لورین کے چند رضا کار تھے، مانطوا سے بینے ونطیوم تک طویل سفر کے دوران اطالوی رضا کاروں کے ایک دستے کو بھرتی کر لیا گیا اور مقدس علم بلند کر لیا گیا۔ پادری اور قزاق سب ایک ہی خیمے میں سونے لگے۔ صلیبیں اور دوسرا چوبی سامان دروازے کے قریب ایک ہی جگہ پڑا رہتا۔ قیام اور سفر کے دوران ایک نوجوان پادری درس دیتا رہتا جس میں وہ اپنی ابتدائی زندگی کے واقعات سناتا رہتا۔ یہ سلسلہ سفر و حضر اور میدانِ جنگ میں بھی جاری رہتا۔ اپولیا کے نارمن اپنے ساتھ صرف تین ہزار گھوڑے اور مٹھی بھر پیدل فوج کے سپاہی لا سکے۔ مقامی افراد ان سے الگ ہو گئے اُنھوں نے ان کی خوراک اور فرار کے راستے بھی مسدود کر دیے اُن کی طبیعت میں خوف کا کوئی وجود نہ تھا، مگر ایک لمحے کے لیے اُنھیں پریشانی ضرور ہوئی اور اُن کا جوش سرد پڑ گیا۔ جب لیو اپنی مخالفانہ کارروائی کے لیے آگے بڑھا تو اُنھوں نے بلا خوف و خطر اپنے روحانی پیشوا کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے۔ مگر پوپ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ مغرور جرمنوں نے دیکھا کہ اُن کے دشمن کی تعداد بہت کم ہے۔ نارمنوں کو بتا دیا گیا کہ اُن کا انجام موت یا جلا وطنی کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔ فرار اُنھیں ناپسند تھا۔ اُن میں سے بیشتر ایسے تھے، جنھوں نے تین دن سے خوراک کا ایک لقمہ بھی نہیں چکھا تھا۔ اُنھوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ مقابلتاً آسان اور باوقار موت قبول کر لیں گے۔ وہ کیوی ٹیلا کی پہاڑی پر چڑھ گئے۔ وہاں سے وہ میدان میں اُترے اور پوپ کی تین لشکروں پر مشتمل فوج پر حملہ کر دیا۔ میمنہ اور مرکز پر آورسا کے کاؤنٹ رچرڈ اور معروف رابرٹ گائیسکارڈ نے علی الترتیب حملہ کر دیا۔ اطالوی اجتماع نے جنگ تو کی مگر اُن میں نظم و ضبط موجود نہ تھا اور انتہائی بے شرمی سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ کاؤنٹ ہنری کے لیے اب ایک سخت آزمائش کا سامنا تھا۔ وہ میمنہ کے رسالے کی رہنمائی کر رہا تھا۔ جرمنوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ رسالے اور برچھے کا مقابلہ کرنے میں کمزور تھے مگر پیدل صف بندی میں وہ جم کر لڑتے اور کوئی اُن کی صفوں کو توڑ نہ سکتا اور کوئی فوج اُن کی دو دھاری تلوار کا مقابلہ نہ کر سکتی۔ ایک سخت مقابلے کے بعد وہ اُن دستوں کے گھیرے میں آ گئے، جو مغروروں کا تعاقب کرنے کے بعد واپس آ رہے تھے مگر اُنھوں نے باوقار انداز میں جان دے دی۔ اُن کے دشمنوں نے بھی اُن کا احترام کیا اور وہ اپنے انتقام کے جذبے سے بھی سرخرو ہوئے۔ کیوی ٹیلا کے دروازے بند کر دیے گئے تاکہ پوپ فرار نہ ہو سکے۔ فاتحین نے اُسے بچا لیا۔ اُس کی قدم بوسی کی اور اُس سے اپنی گناہ

آلود فتح کے لیے معافی کے طالب ہوئے۔ سپاہیوں نے اپنے قیدیوں میں مسیح کے نائب کو دیکھ کر حیرانی کا اظہار کیا۔ اگرچہ ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ یہ سرداروں کی حکمتِ عملی تھی۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں مروج اوہام پرستی کے اثرات بھی شامل ہوں۔ اس موقع پر پوپ نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ دونوں اطراف سے عیسائیوں کا خون بہایا گیا اور اس گناہ کو اس کے حساب ہی میں ڈالا جا سکتا ہے۔ اُس نے محسوس کیا کہ وہ اس گناہ اور بدنامی کا بانی تھا۔ چونکہ اُس کی مہم ناکام ہو چکی تھی۔ چنانچہ اُس کی فوجی مہم جوئی کی حماقت کی ہر طرف سے ملامت کی گئی۔ ان حالات میں اُسے کسی حد تک ایک باوقار معاہدہ قبول کرنا پڑا۔ اب اُس نے خدا کی راہ میں فریق ثانی کو اتحاد کی پیش کش کی اور نارمن کی ماضی اور مستقبل کی تمام فتوحات کی توثیق کر دی۔ غاصب کوئی بھی ہو، مگر اپولیا اور کالابریہ، قسطنطین کی طرف سے عطا کردہ علاقے کا حصہ تھے جو سینٹ پیٹر کی خاندانی وراثت تھے۔ عنایت اور اُس کی قبولیت کی بنیاد پر یہ جائیداد اہلِ کلیسا میں مطالبات اور تنازعات کا موضوع بن گئی۔ بعض مہم جو بھی اس مناقشہ میں شامل ہو گئے۔ وہ ایک دوسرے کے روحانی اور مادی اسلحہ سے مخالفت کرنے لگے۔ اس کے بعد یہ اراضی خراج یا کسانوں کو بٹائی پر دی جانے لگی۔ جب سے یہ یادگار معاملہ طے پا گیا، اُس کے بعد سات سو سال تک اس کلیسائی جائیداد پر حکومتِ نیپلز کا قبضہ رہا۔

رابرٹ گائیسکارڈ کا شجرۂ نسب کسانوں اور نارمنڈی کے نواب سے منسلک کیا جاتا ہے۔ کسان تو اسے یونانی بادشاہ کہتے تھے۔ اس میں ذاتی افتخار اور اپنی کم علمی کا بھی مظاہرہ کرتے۔ اُس کی اطالوی رعایا کچھ تو اپنی جہالت کی بنا پر اور کچھ خوشامد کی عادت کی وجہ سے اُسے نواب کہتی۔ لیکن اس کا حقیقی شجرۂ نسب کسی دوسرے یا تیسرے درجے کے رئیس سے ملتا تھا یا یہ درمیانے درجے کے شرفا کی نسل سے تھا۔ نارمنڈی کے زیریں علاقے میں والواسوروں کی ایک نسل آباد تھی، انھیں بینے کریط بھی کہتے تھے۔ یہ بشپ کاؤٹینسی کا حلقہ تھا۔ یہی وہ علاقہ تھا۔ جہاں سے اس نے اپنی سرگرمیاں کا آغاز کیا۔ ہاٹ ولے کا قلعہ اُن کی آماج گاہ تھا۔ ٹان کریڈ کو ڈیوک کی فوج میں ایک نمایاں مقام حاصل تھا۔ اس کی فوج میں دس سپاہی یا رضا کار شامل تھے۔ اس رُتبے کے لوگ دو شادیاں کر لیتے تھے۔ اس دُوہرے تعلق سے اس کے بارہ بچے تھے۔ ان کی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ اس کی دوسری بیوی جو اس معاملے میں بہت غیر جانبدار تھی وہی ان کی معلمہ بھی تھی۔ مگر اس دلیر اور متعدد افراد پر مشتمل خاندان کے لیے ان کی چھوٹی سی جائیداد ناکافی تھی۔ ان کی ہمسائیگی میں ہمیشہ شرارت اور اختلاف کا مظاہرہ ہوتا رہتا۔ انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر کسی اجنبی قوت سے جنگ آزمائی کی جائے تو اس سے وراثت اور املاک

میں شاندار اضافہ ہوسکتا ہے۔صرف دو بھائیوں کو گھر میں چھوڑا گیا تا کہ وہ خانگی اور نسلی معاملات کی نگرانی کریں۔ان کے دس بھائی جواب جوان ہو چکے تھے اور وہ دُنیاوی امور سے نبرد آزما ہو سکتے تھے۔اُن کے والد کی عمر اُن کی ہمراہی کے قابل نہ تھی لہٰذا ندکورہ دس بھائی ہی اپنے قلعے سے باہر نکلے،انھوں نے دریائے الپس کو پار کیا اور نارمن کے اپولیائی کے پڑاؤ میں شامل ہو گئے۔سب سے بڑے بھائی میں اپنی نسلی روایات کا جذبہ زیادہ مؤثر تھا۔وہ استحقاق میں بھی سب پر فائق تھا۔ولیم،ڈروگو اور ہمفرے،اس قابل تھے کہ اُنھیں قوم کا سردار بنا دیا جائے،اور وہ ایک نئی جمہوریہ کی بنیاد رکھیں۔دوسری بیوی سے سات بچوں میں سے سب سے بڑا اس قابل تھا کہ اُس کے دشمن بھی نیم دلی سے ہی سہی،اُس کی تعریف کرتے تھے اور اُس میں ایک ہیرو کی صفات کی موجودگی کا اعتراف کرتے تھے اور اُسے ایک مدبر بھی تسلیم کرتے تھے۔وہ اتنا طویل قامت تھا کہ فوج کا سب سے اونچا آدمی بھی اُس سے چھوٹا تھا،اُس کے اعضا میں قوت اور موزونیت تھی۔وہ ڈھلتی عمر تک اپنی قوت،طاقت اور پُھرتی کا مظاہرہ کرتا رہا۔اور اُس نے اپنے جسمانی وقار کو بھی قائم رکھا۔اُس کی رنگت سُرخ و سفید تھی۔اُس کے کندھے چوڑے تھے۔اُس کے سر اور ڈاڑھی کے بال طویل تھے جن کا رنگ زردی مائل تھا۔اس کی آنکھیں آگ کی طرح چھلکتی تھیں اور اس کی آواز اکیلس (Achilles) کی طرح تھی۔وہ میدانِ جنگ میں بھی اپنی آواز کا رعب ڈال سکتا تھا۔جب دلاوری کا گستاخ اور بدمغزی کا دور تھا تو اس نوعیت کی صفات شاعروں اور مؤرخوں کی توجہ کو بہت جلد اپنی طرف مبذول کر لیتیں۔وہ کہتے تھے کہ رابرٹ اپنے عزم و ارادے کے تحت دائیں ہاتھ سے تلوار چلا سکتا ہے اور اسی وقت وہ بائیں ہاتھ سے نیزے کا وار بھی کر سکتا تھا اور کیوی نیلا کی جنگ میں اسے تین دفعہ گھوڑے سے اُترنا پڑا۔اس یادگار جنگ کے روز اس نے تین لشکروں کا مقابلہ کیا۔اُس روز اُس کی برتر قدر و قیمت کا صحیح ثبوت مل گیا اور اُس کی برتری کو تسلیم کر لیا گیا۔اُس کی خواہش تھی کہ وہ بڑا مقام حاصل کرے۔وہ کبھی انصاف کی پابندیوں سے خائف نہیں ہوا۔اگرچہ وہ اپنی شہرت سے بے خبر نہ تھا۔مگر اُس کے بلند پایہ یا چالبازی کے ذرائع کا اسی معرکے میں ناقابلِ تردید ثبوت ملا اور اسے گائیسکارڈ کا خطاب مل گیا۔جس کا مطلب ہے کہ وہ ایک دانا سیاسی مدبر ہے۔اسے متعدد مرتبہ اپنے منصوبے خفیہ رکھنے پڑے اور دوسروں کو دھوکا دیتا رہا۔اپولیا کا ایک شاعر اس کی تعریف میں کہتا ہے کہ وہ الیسیز (Ulysses) کی مکاری اور ہوشیاری کے معیار سے بہت بلند ہے،اُس میں سسرو کی فصاحت موجود ہے مگر اُس کی فوجی بے ساختگی کی وجہ سے اُس کے یہ ہنر پوشیدہ ہو گئے تھے،وہ اپنے ساتھی فوجیوں سے ہر وقت

ملاقات کرتا۔اگرچہ وہ اپنی نئی رعایا کے خلاف تعصب کا خُوگر تھا مگر اس کے باوجود وہ اپنے لباس اور انداز میں اپنے ملک کی روایات اور اسلوب حیات کو فراموش نہ کرتا۔وہ امیر لوگوں سے دولت چھین کر غربا میں تقسیم کر دیتا۔مگر زندگی کے تجربات نے اُسے جُزرسی سکھا دی تھی۔وہ تجارت پیشہ افراد کے منافع پر بھی نظر رکھتا اور جو قیدی اُس کے ہاتھ آ جاتے اُن پر وہ بہت زیادہ تشدد کرتا،تا کہ اُسے خفیہ خزائن کا پتا چل جائے۔یونانی روایات کے مطابق وہ نارمنڈی سے صرف پانچ سواروں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوا۔اس کے علاوہ پچاس افراد پیدل تھے۔اس کے باوجود جو کچھ بھی اُس نے حاصل کیا اُس کی مقدار بہت زیادہ تھی۔ہاٹ ویلے کے ٹانکرید کا چھٹا بیٹا بطور زائر الپس کے پار پہنچا۔اُس کا فوجی جینڈا اٹلی میں بہترین سمجھا گیا۔اُس کے بھائیوں اور ہم وطنوں نے اپولیا کی زرخیز اراضی کو آپس میں تقسیم کر لیا۔وہ اپنے اپنے حصے کی حفاظت انتہائی لالچ اور حسد کے جذبے کے تحت کرتے۔وہ نوجوان جو ترقی کرنا چاہتے تھے اُنھیں کالابریہ کی پہاڑیوں کی طرف روانہ کر دیا گیا اور جب اس کا یونانیوں سے پہلا مقابلہ ہوا اور مقامی آبادی بھی اس کے مقابل آ گئی تو ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ ہیرو اور قزاق میں کوئی تمیز باقی نہ رہی۔قلعے پر بھی حملے ہوتے اور راہباؤں کی اقامت گاہ بھی محفوظ نہ رہتی۔اُمرا کو یقین دلا دیا جاتا مگر قرب و جوار کے دیہات پر حملہ کر دیا جاتا،تا کہ خوراک فراہم کی جا سکے۔وہ غیر معروف مزدوروں کو اپنے ساتھ ملا کر اپنے جسم اور ذہن کی قوت میں اضافہ کرتا،نارمنڈی کے رضا کار اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جاتے اور اس کی فرمانبرداری کرتے۔کالابریہ کے کسانوں نے نارمنوں جیسے نام رکھ لیے اور اُن کے کردار کے مطابق عمل کرنے لگے۔

رابرٹ کی قسمت کی بہتری کے ساتھ ساتھ اُس کی فہم و دانش میں بھی اضافہ ہوا۔اُس کا بڑا بھائی اُس سے حسد کرنے لگا۔اُس کے ساتھ ایک عام جھگڑے کے بعد اس کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق ہو گیا۔اس کی آزادی بھی محدود ہو گئی۔ہمفرے کی موت کے بعد اُس کے نابالغ بچے باقی رہ گئے،اُن کی عمر اتنی کم تھی کہ وہ فوج کی کمان نہ کر سکتے تھے۔اُنھیں ایک نجی جائیداد میں منتقل کر دیا گیا۔اُن کے سربراہ کی حبِ جاہ نے اُنھیں اُن کے مستقبل سے محروم کر دیا۔حالانکہ وہ اُن کا چچا تھا۔گائیسکارڈ کو ایک چھوٹی گول ڈھال اُس کے عہدے کی بلندی کی علامت کے طور پر عطا کی گئی۔اُسے اپولیا کے کاؤنٹ کا خطاب اور جمہوریہ کی فوج کے جرنیل کا عہدہ تفویض کر دیا گیا۔اُس کے اختیارات اور فوج کی تعداد میں بھی اضافہ کر دیا گیا۔اُس نے کالابریہ کی فتح کا دوبارہ ارادہ کر لیا اور اب وہ ایسے مرتبے کی خواہش کرنے لگا،جس کی وجہ سے وہ بہت جلد اپنے تمام ساتھیوں

سے بلند تر ہو جائے۔ اس نے کوئی دینی تذلیل کی تھی، جس کی وجہ سے پوپ نے اس کے مقاطع کا حکم دے رکھا تھا، مگر نکولس دوم کو بآسانی منوالیا گیا کہ دوستوں سے تعلقات صرف اُسی صورت میں منقطع ہوتے ہیں، جب دونوں طرف دل میں عصبیت کا میل موجود ہو۔ نارمن مقدس پوپ کے وفادار عقیدت مند تھے اور کسی خاندانی امیر کے حرص و لالچ کے مقابلے میں کسی بادشاہ سے اتحاد زیادہ محفوظ ہو سکتا ہے۔ میلفی کے مقام پر ایک سو بشپوں کا ایک اجتماع بلوالیا گیا اور کاؤنٹ نے اپنی بعض اہم مصروفیات کو ترک کر کے پاپائے روم کی ذاتی حفاظت اور اُس کے احکام کی تعمیل کے فرائض ادا کیے۔ اس سے خوش ہو کر پوپ نے رابرٹ اور اس کی آئندہ نسلوں کو ایک دُہرے خطاب سے سرفراز کیا۔ اپولیا، کالابریہ مع وہ اراضی جو اٹلی اور صقلیہ میں اُن کے لیے مخصوص تھی اور وہ اُسے بزورِ شمشیر یونانی شہنشاہوں سے حاصل کر سکتا تھا، یا صحرانشینوں سے چھین سکتا تھا، سب اُس کی ملکیت ہوگی۔ پوپ کی طرف سے یہ منظوری اُس کی جنگ آزمائی کے لیے جواز تو مہیا کرتی تھی مگر آزاد اور فاتح اقوام کی ماتحتی اُن کی رضامندی کے بغیر حاصل نہ کی جا سکتی تھی۔ مگر گائیسکارڈ نے اپنے تمام ارادوں کو اُس وقت تک صیغہ راز میں رکھا، جب کہ وہ اُس وقت جاری معرکوں میں کون سینزا اور ریگیو پر قبضہ نہ کر لے۔ جب اُسے فتح حاصل ہوگئی، اُس نے اپنی افواج کو جمع کیا، اور نارمن سے کہا کہ وہ متفقہ آراسے پوپ کے حکم کو عملی صورت دینے کے لیے رہنمائی کا فریضہ ادا کریں۔ لشکریوں نے اپنے فاتح جرنیل کی رائے پر خوشی کے نعرے بلند کیے۔ اُس کے سابقہ ہم مرتبہ افراد نے اب وفاداری کا حلف اُٹھالیا۔ وہ بظاہر مسکراتے رہے مگر دل میں انھوں نے اس کے خلاف غداری کا ارادہ پختہ کر لیا۔ اس تقریب کے آغاز کے بعد رابرٹ نے کہا کہ خدا اور سینٹ پیٹر کی مہربانی اور عنایت سے میں اپولیا، کالابریہ، کا ڈیوک منتخب ہو گیا ہوں اور اس کے بعد صقلیہ کا بھی حکمران بن جاؤں گا۔ اُس نے بیس سال تک مسلسل محنت کی، جس کے بعد وہ ان اعزازات کو حسب منشا حاصل کر سکا۔ یہ معمولی اقتدار جو اُسے تھوڑی سی سرزمین پر حاصل ہوا، اگر اس سردار کی اہلیت اور اس کی قوم کی صلاحیت کو مدنظر رکھیں تو یہ معمولی سی کامیابی درخور اعتنا نہیں سمجھی جا سکتی۔ مگر نارمنوں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ کئی مقامات پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ تمام خدمات رضاکارانہ طور پر انجام دیتے۔ جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے سخت مشکل تھیں۔ سرداروں کی مجلس اپنی آزادانہ مرضی سے اس کے بعض احکامات اور تجاویز کو مسترد کر دیتی۔ دوبارہ کاؤنٹ جو آزادرائے دہی کی بنیاد پر منتخب ہوئے تھے، اُنھوں نے اس کے خلاف سازش کی، ہمفرے کے بیٹوں نے انصاف اور انتقام کا تقاضا کیا۔ اس کی حکمت عملی اور قوت کی وجہ سے گائیسکارڈ کو اپنے خلاف

سازش کا اندازہ ہو گیا۔ اس نے مجرموں کو موت یا جلاوطنی کی سزا دے دی۔ مگر ان خاندانی تنازعات میں اس کی عمر کے بہت سے سال اور قوم کی بہت سی قوت ضائع ہوگئی۔ اُس کے بعد جب اس کے غیر ملکی دشمن شکست سے دوچار ہو چکے تو یونانی، لومبارڈ اور صحرانشین اپنی فوجوں کو لے کر ساحل پر آباد شہروں میں منتقل ہو گئے۔ وہ قلعہ بندیوں اور دفاع کے فنون میں ماہر تھے۔ نارمن صرف گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑنے کے عادی تھے اور کھلے میدانوں میں جنگ کر سکتے تھے۔ وہ صرف اپنے بلند حوصلے کی بنا پر کامیاب ہوتے۔ سلرنو کی مزاحمت آٹھ ماہ تک جاری رہی۔ جبکہ باری کا محاصرہ یا بیرونی دُنیا سے قطع تعلق چار سال تک جاری رہا۔ ان تمام معرکوں میں نارمن سردار ہر خطرے سے دچار ہوا۔ ہر ایسے موقع پر جب تکان کا غلبہ ہوتا، تو یہ سب سے آخر میں آرام کرتا اور سب سے زیادہ صبر کرتا۔ جب وہ سلرنو کے چبوترے پر دباؤ ڈال رہا تھا تو اوپر سے ایک بہت بڑا پتھر گرا، جس کے نتیجے میں اس کی منجنیق ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اُسی کے ایک ٹکڑے سے اس کے سینے پر بھی زخم آیا۔ باری کے دروازے کے سامنے یہ کسی جھونپڑے یا فوجی بیرک میں پڑا ہوا تھا۔ یہ عمارت خشک شاخوں اور گھاس سے تیار کی گئی تھی۔ یہ ایک ایسا کھلا مقام تھا، جس میں ہر طرف سے سردی داخل ہو سکتی تھی اور کسی وقت بھی دشمن کا نیزہ کام تمام کر سکتا تھا۔

جس اطالوی علاقے کو رابرٹ نے فتح کیا وہ موجودہ نیپلز کی سرحدوں سے منطبق ہوتا ہے اور وہ علاقے جو اُس کی وجہ سے متحد ہو گئے وہ سات سو سال کے انقلابات کے باوجود ابھی تک علیحدہ نہیں ہوئے۔ اس کی بادشاہت میں کالابریہ اور اپولیا شامل تھے۔ جبکہ لومبارڈ کا مخصوص علاقہ سلرنو، جمہوریہ امالفی اور ملک کے اندرونی علاقے جو رقبے میں بڑے اور تاریخی لحاظ سے قدیم ہیں، اور بینے وظیوم کی جاگیر لومبارڈ کے قبضے میں تھی۔ صرف تین اضلاع ایسے تھے جن پر کسی حکومت کی اجارہ داری نہ تھی۔ ان میں سے ایک تو ہمیشہ ہی آزاد رہا اور باقی دو آئندہ صدی کے نصف تک آزاد رہے۔ شہر یا اس سے ملحق بینے ونطو کا علاقہ تحفتاً یا بدل کی وجہ سے جرمن شہنشاہ سے پاپائے روم کے نام پر منتقل ہو گیا تھا۔ اگرچہ اس مقدس سرزمین پر بھی حملے ہوتے رہتے تھے۔ اس کے باوجود سینٹ پیٹر کا نام نارمنوں کی تلوار کے مقابلے میں زیادہ طاقتور تھا۔ اُن کی پہلی نوآبادی آورسا پر قبضہ کر لیا گیا مگر کاپوا کی ریاست ان کے قبضے میں رہی اور اس کے شاہزادوں کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ وہ اپنے باپ کے محل کے سامنے روٹی کی بھیک مانگا کرتے تھے۔ نیپلز کے ڈیوک جو موجودہ حکومت کا دارالخلافہ ہے، (یہ شہر موجودہ دور میں) اٹلی کا دارالحکومت ہے۔ نیپلز کا ڈیوک بازنطینی حکومت کے زیرِ سایہ اپنی

آزادی کو برقرار رکھ سکا۔ اس کے مقابلے میں گائیسکارڈ نے جونئی فتوحات حاصل کیں، ان میں سلرنو سائنس کے لحاظ سے اور امالفی تجارت کے لحاظ سے بہت آگے نکل گئے۔ کوئی بھی قاری جب اس کا مطالعہ کرے گا تو اس ترقی کی صورت کو قدرے توقف کر کے سوچے گا۔

۱۔ وہ لوگ جو تشریحِ قانون کا مطالعہ کرتے تھے، وہ قدیم دور کے جرم وسزا اور جائیداد کے قوانین کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ مگر دینیات کا علم، مذہب کی مکمل واقفیت اور استدلال پر حاوی تھا۔ مگر وحشی اور دانا دونوں کے لیے طبی علوم کا جاننا بہت ضروری ہے۔ اگر ہماری بیماریاں عیاشی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہوں تو عیش و عشرت کے زمانے میں کسی حد تک ٹھوکر اور بدنی سزا کی ضرورت بھی پیش آ سکتی ہے۔ یونانیوں کا علم الادویہ تو عربوں کو منتقل ہو گیا اور ان کی افریقی، ہسپانوی اور صقلیہ کی نوآبادیوں تک پھیل گیا۔ جب کبھی جنگ دامن کی بات چیت ہوتی تو اُس کے ساتھ علم وفضل کی چنگاریوں کا بھی تبادلہ ہو جاتا اور سلرنو میں بھی اس کا عام چرچا تھا۔ یہ ایک فقید المثال شہر تھا۔ اس کے مرد دیانت دار اور خواتین خوبصورت تھیں۔ یہاں ایک مدرسہ بھی قائم تھا جو یورپ کے عہد ظلمات میں روشنی کی پہلی کرن تھی۔ اس میں علم العلاج کی تعلیم دی جاتی تھی۔ راہبوں اور بشپوں کے ضمیر کو اُن کے پیشے کی ضروریات کے مطابق مصفّیٰ کیا جاتا، اعلیٰ خاندانوں اور دور افتادہ ممالک کے مریض سلرنو کے شفا خانے میں علاج کے لیے آتے بعض کو اس غرض کے لیے دعوت بھی دی جاتی، نارمن فاتحین ان کے تحفظ کا بہت خیال رکھتے۔ گائیسکارڈ کی تعلیم اگرچہ فوجی ماحول میں ہوئی تھی مگر وہ اپنے مزاج کے لحاظ سے ایک فلسفی تھا۔ قسطنطین نے اُنتالیس سال کی عمر میں مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کی اور افریقی عیسائیوں سے خطاب کیا جو اُسی دور میں بغداد سے افریقہ واپس آئے تھے۔ ان میں ایک شخص ایسا تھا جو عربی علوم اور زبان کا ماہر تھا اور سلرنو کے مقام پر تو ایسے بے شمار اشخاص موجود تھے جو ابنِ سینا کی تصنیفات پر مہارت تامہ رکھتے تھے۔ یہ مدرسۂ طب طویل عرصے تک ایک عام جامعہ سمجھا جاتا رہا۔ مگر اب لاطینی زبان کی ایک منظوم کتاب دستیاب ہوئی ہے جس میں اس کی تفصیلات درج ہیں۔ یہ کتاب بارھویں صدی میں لکھی گئی تھی۔

۲۔ سلرنو سے سات میل کے فاصلے پر مغرب میں اور نیپلز سے جنوب کی طرف تیس میل کے فاصلے پر امالفی کے نام کا ایک غیر معروف قصبہ تھا۔ اس میں قوت کے علاوہ صنعت وحرفت بھی تھی، جس کا انعام ملتا تھا۔ اس میں جو زرخیز اراضی تھی اُس کا عرض بہت تنگ تھا۔ مگر یہاں سے سمندر قریب تھا اور اُس کی طرف راستہ بھی کھلا تھا۔ اس کے باشندوں نے پہلا پیشہ یہ اختیار کیا کہ مغربی دُنیا کو وہ مشرقی صنعت وحرفت کی

پیداوار فراہم کریں اور یہی سفر اُن کی آزادی اور جمہوریت کا پتا دیتا تھا۔ اس علاقے کی حکومت ایک ڈیوک کی زیرِ نگرانی عوام میں مقبول تھی۔ اگرچہ یونانی بادشاہوں کو اس علاقے پر بھی بالادستی حاصل تھی۔ امالفی کی دیواروں کے اندر رہنے والے افراد کی باقاعدہ مردم شماری ہوتی تھی۔ اس شہر میں سونا چاندی اور سامانِ تعیش بڑی افراط سے دستیاب تھا۔ وہ ملاح جو اس بندرگاہ پر آتے وہ فنِ ملاحی میں طاق ہوتے اور علم فلکیات بھی خوب جانتے، قطب نما بھی ان ہی کی ایجاد ہے۔ اس ایجاد کی وجہ سے کرۂ ارض کے راستے کھل گئے اور آبادرقبہ وسیع ہو گیا۔ یہ اُن کے تخیل اور خوش بختی کی علامت ہے۔ اُن کی تجارت ساحلی شہروں تک محدود تھی اور اُن کے سامان میں افریقہ، عرب اور ہندوستان کا سامان موجود ہوتا۔ ان کی آبادی قسطنطنیہ میں بھی تھی۔ انتاخ اور یروشلم میں بھی یہ لوگ مل جاتے تھے۔ اسکندریہ کو یہ فخر حاصل تھا کہ وہ ایک آزاد نوآبادی تھی۔ تین سو سال کی خوشحالی کے بعد نارمنوں نے امالفی کو دبا دیا اور پیسا (Pisa) کے حسد کی وجہ سے اسے تباہ کر دیا۔ اس شہر کی آبادی ایک ہزار مچھیروں پر مشتمل تھی۔ مگر ان کے علاوہ شاہی تاجر بھی یہاں آباد تھے۔ ایک شاہی گرجا اور عظیم اسلحہ خانہ بھی یہاں موجود تھا۔

ٹانکریڈ کا آخری بیٹا روجر دوازدہم (۱۲) تھا۔ یہ اپنے عہد میں اور اپنے باپ کے دور میں بھی طویل مدت تک نارمنڈی ہی میں پابند رہا تھا۔ اُسے جب یہ مسرور کن دعوت ملی تو وہ سرعت سے اپولیا کے پڑاؤ کی طرف روانہ ہو گیا۔ سب سے پہلے اُس کے استحقاق کے مطابق اُس کی تعظیم کی گئی۔ پھر اُس کے بڑے بھائی نے اُس سے حسد شروع کر دیا۔ دونوں میں جب اقتدار کے جذبات اور بہادری کے آثار یکساں تھے، مگر چھوٹا خوبرو بھی تھا اور اُس کے انداز بھی دلکش تھے۔ روجر نے اپنی افواج اور رعایا سے کسی لالچ کے بغیر محبت کا مظاہرہ کیا۔ اُس نے اپنے لیے اور اپنے چالیس ساتھیوں کے لیے اس قدر کم معاوضہ مقرر کیا کہ اُس نے ملک گیری کا مرتبہ چھوڑ کر قزاقی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ پھر قزاقی کی بجائے لوگوں کے گھروں میں چوری کا آغاز کر دیا۔ اس کے جائیداد کے متعلق تصورات اس قدر غیر یقینی تھے کہ اُس کے مؤرخین کے بیان کے مطابق اُس کے حکم سے میلفی میں لوگوں کے اصطبلوں سے گھوڑے چوری کر لیے جاتے تھے۔ افلاس اور ذلت کی زندگی میں اُس کے مزاج کی پرورش ہوئی تھی۔ ان کمینہ خصائل اور اعمال کے بعد اُس نے مقدس جنگوں کی طرف رجوع کر لیا۔ اس کے بھائی گائیسکارڈ نے اُسے یہ مشورہ دیا کہ اس معرکہ آرائی کی ابتدا صقلیہ پر حملے سے کی جائے۔ جب یونانیوں نے مراجعت اختیار کی تو بت پرستوں کی جگہ رومی کیتھولک فرقے کے عیسائیوں نے لے

ل۔اس طرح اُن کے نقصانات کی تلافی بھی ہوگئی اور اُن کے کھوئے ہوئے بعض مقامات بھی اُنھیں واپس مل گئے مگر اس جزیرے کی آزادی کے لیے ایک ناکام کوشش بازنطینی حکومت نے بھی کی۔ جسے اُس دور میں مشرقی سلطنت کا نام دیا جاتا تھا۔مگر کامیابی مہم جوؤں کے ایک چھوٹے سے دستے کو ہوئی۔اپنی پہلی کوشش میں روجر نے ایک کھلی کشتی میں بہادری کے جوہر دکھائے جہاں اسے سکائکلا اور کربیدیس کی طرف سے واضح خطرات کا سامنا تھا۔ایک دشمن ملک میں صرف چالیس سپاہیوں کے ساتھ یہ دشمن کے ساحل پر اُتر گیا اور اس نے عربوں کو میسینا کے دروازوں تک پیچھے ہٹا دیا اور پھر ملحقہ علاقوں سے مالِ غنیمت اکٹھا کر کے واپس آ گیا۔ترانی کے قلعے میں اس کے حوصلے، صبر اور فعالیت کا نمایاں مظاہرہ ہوا۔وہ اپنی پیرانہ سالی میں یہ کہانیاں مزے لے لے کر بیان کیا کرتا تھا کہ محاصرے سے تنگ آ کر وہ خود اور اُس کی بیوی کاؤنٹس کے پاس صرف ایک کپڑا اوڑھنے کے لیے باقی رہ گیا تھا۔ جسے وہ لبادہ بھی کہتا تھا جسے وہ باری باری اوڑھتے تھے۔ایک جنگ میں اُس کا گھوڑا مارا گیا تھا اور خود اُسے عرب دھکیل کر اپنے ہمراہ لے گئے تھے، اُس کے بعد اُس نے اپنی تلوار کے زور سے رہائی حاصل کی اور اپنے گھوڑے کی زین اپنی پشت پر اُٹھا کر لے آیا۔اس قسم کا انعام ایسے بدچلن شخص کے قبضے میں اچھا نہیں لگتا تھا۔ترانی کے محاصرے میں تین سو نارمنوں نے جزیرے کی تمام فوج کا مقابلہ کیا اور اسے پیچھے ہٹا دیا۔قرامیو (Ceramio) کے میدانِ جنگ میں پچاس ہزار رسالے اور پیدل افواج کو ایک سو تیس عیسائیوں نے پسپا کر دیا لیکن انھوں نے سینٹ جارج کو شناخت نہ کیا جو گھوڑے پر سوار ہو کر پہلی صف میں لڑ رہا تھا۔دشمن کے جو جھنڈے چھین لیے گئے تھے وہ چار اُونٹوں کے ہمراہ سینٹ پیٹر کی نذر کر دیے گئے جو اُس کے جانشینوں کے کام آئے۔اگر ان کی وحشیانہ عادات کا ہر جگہ اور بالخصوص ویٹی کن میں مظاہرہ نہ ہوتا اور صرف مجلس گاہ تک محدود رہتے تو پیونی جنگ اور فتوحات کی یاد تازہ ہو جاتی مگر نارمن کی یہ تعداد ناکافی ثابت ہوئی۔غالباً اُنھوں نے اپنے سرداروں کی برتری کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔سپاہی معزز اور شاہسوار تھے۔وہ جب میدانِ جنگ میں جاتے تو ان میں سے ہر ایک کے ہمراہ پانچ یا چھ خادم ہوتے۔قاری ترجمانوں کی مدد سے ان کی بہادری کو تسلیم کرنے کے بعد، اور ان کے ہزارہا کی تعداد میں ہونے کے باوجود ان بے سروپا بیانات کو معجزہ قرار دے گا یا ایک بے معنی داستان سمجھے گا۔صقلیہ کے عرب اپنے لیے افریقہ سے طاقتور کمک حاصل کرتے رہتے تھے۔ جب پلرمو کا محاصرہ ہوا تو نارمن رسالے کو پیسا کی طرف سے حملہ آوروں کا تعاون حاصل تھا۔عین جنگ کے موقع پر دونوں بھائیوں کی باہمی رقابت کچھ مدت کے لیے ماند پڑ گئی اور اُن میں گہرا اتحاد پیدا ہو گیا۔تیس سال

کی جنگ کے بعد روجر نے عظیم کاؤنٹ کا خطاب حاصل کر لیا اور بحیرۂ روم کے سب سے بڑے اور زرخیز جزیرے کا اقتدار سنبھال لیا۔اُس کا دماغ اپنی عمر اور علم سے کہیں بڑھ کر روشن تھا۔مسلمانوں کو آزادی سے اپنے مذہب پر عمل کرنے اور جائیداد سے فائدہ اُٹھانے کا حق حاصل تھا۔ایک مسلمان فلسفی اور طبیب جو مزارہ (Mazara) میں مقیم تھا۔اُس نے فاتح کے خلاف تقریر کی۔اُسے دربار میں طلب کر لیا گیا۔اُس کی جغرافیہ کی کتاب کا لاطینی میں ترجمہ کر لیا گیا۔اس کتاب کا موضوع ''کرۂ ارض کی تقسیم بلحاظ ہفت آب و ہوا'' تھا۔اس پر دقتِ نظر سے غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ کتاب بطلیموس کے جغرافیے سے زیادہ معلومات افزا ہے، مقامی عیسائی آبادی نے نارمن کی مدد کی اور اس وجہ سے انھیں کامیابی حاصل ہوئی۔یہ جزیرہ دوبارہ پاپائے روم کی تحویل میں دے دیا گیا۔ بڑے بڑے شہروں میں نئے بشپ متعین کر دیے گئے۔پادری طبقہ اس پر خوش ہو گیا کہ گرجاؤں اور خانقاہوں کو آزادی سے مالی مدد مل رہی ہے۔اس کے باوجود عیسائی ہیرو نے انتظامی افسران کے حقوق کا بھی بہت خیال رکھا اور پوپ کے مطالبات پورے کرنے کی بجائے اُس نے اپنے ذاتی مقاصد کو ترجیح دینے کو مقصد بنا لیا۔بادشاہ کی برتر قوت کو تسلیم کر لیا گیا بلکہ اختیارات میں اضافہ کر لیا گیا۔صرف ایک ہی قانون وضع کیا گیا جس کی رو سے صقلیہ کی بادشاہت موروثی قرار دے دی گئی اور کلیسا کو ایک ادنیٰ درجے کا سفارت خانہ قائم رکھنے کا دائمی حق مل گیا۔

رابرٹ گائیسکارڈ کے لیے صقلیہ (سسلی) کی حکومت بہت بڑا اعزاز تھا اور اس کا اُسے فائدہ بھی بہت تھا۔اپولیا اور کالابریہ پر قبضہ ناکافی تھا اور اس سے اُس کی حبِّ جاہ کی تکمیل نہ ہوتی تھی۔اُس نے اپنے ذہن میں یہ منصوبہ بندی کر لی کہ وہ کسی طرح مشرقی سلطنت روم پر قبضہ کر لے۔اس کی پہلی بیوی سے اس کا ایک کمزور وارث تھا۔اس نے اپنی پہلی بیوی کو ہم جد ہونے کا بہانہ بنا کر طلاق دے دی تھی۔مگر اس کے بطن سے پیدا ہونے والے بچے کی قسمت میں یہ لکھا تھا کہ وہ نہ صرف اپنے باپ کی نقل کرے بلکہ اُس کا جانشین بھی ہو۔گائیسکارڈ کی دوسری بیوی سلرنو کے بادشاہ کی بیٹی تھی۔لومبارڈ سے اُس کا شجرۂ نسب روجر کی وساطت سے مل جاتا تھا۔اس کی پانچوں بیٹیاں انتہائی معزز خاندانوں میں بیاہی گئی تھیں۔اُن میں سے ایک کی شادی کم سنی ہی میں قسطنطین سے ہو گئی تھی۔یہ شخص بہت خوبرو تھا اور شہنشاہ میکائیل کا ولی عہد تھا، مگر قسطنطنیہ میں ایک ایسا انقلاب رونما ہوا کہ حکومت ڈگمگا گئی۔ڈوکاس (Ducas) کا شاہی خاندان قلعے کی چار دیواری کے اندر مقید ہو کر رہ گیا۔رابرٹ نے اس پر افسوس کا اظہار کیا اور اس کے خلاف مزاحمت کا اظہار بھی کیا۔کیونکہ اُس کی بیٹی

اور ایک اتحادی کی تذلیل ہوئی تھی ایک یونانی جو اپنے آپ کو قسطنطین کا والد کہتا تھا۔ وہ سلرنو پہنچ گیا اور اپنی شکست اور فرار کی کیفیت بیان کی۔ ڈیوک نے اپنے بدقسمت دوست کی کہانی کو تسلیم کر لیا اور شاہی شان و شوکت کے مطابق خطابات عنایت کیے۔ جب میکائیل اپنی ظفریاب مسافت کے دوران اپولیا اور کالابریہ میں سے گزرا تو عوام نے اُسے سلامیاں پیش کیں اور اُس کے شکست خوردہ رشتہ داروں کے لیے اشک باری کی۔ پاپائے روم گریگوری ہفتم نے بشپوں سے کہا کہ وہ عوام کو جنگ کی تلقین کریں تا کہ بحالی کا مقدس کام مکمل ہو سکے۔ اُس کی رابرٹ سے متعدد بار ملاقاتیں ہوئیں۔ جن کا موضوع یکساں اور واضح تھا اور وہ وعدے جو وہ باہم کرتے رہے اُنھیں نارمنوں کی جرأت نے سچ کر دکھایا۔ اگرچہ اس پر سلطنتِ مشرق کے خزانے بھی صرف ہو گئے تھے، مگر اس کے باوجود رُومیوں اور یونانیوں کے خیال کے مطابق میکائیل، نقلی یا بہروپیا تھا۔ یہ ایک راہب تھا جو اپنی خانقاہ سے فرار ہو کر آیا تھا، یا ایک شاہی ملازم تھا جو فرار ہو کر آیا تھا۔ گائیسکارڈ نے اپنی دانش مندی سے اس فریب کا سراغ لگانے کی ترکیب نکالی اور جب اُس شخص نے اپنے محل کے صحیح رنگ و نقش کی تصاویر کی نشان دہی کی تو اُس نے اُس کے بیان کو درست تسلیم کر لیا۔ وہ فاتح کے اشارے پر اپنی جان دے دے گا یا اپنی قدیم گم نامی میں واپس غرق ہو جائے گا۔ لیکن اصل حقیقت تو صرف فتح ہی تھی، جسے رومی اور یونانی تسلیم کرتے تھے اور جو کچھ اطالوی بیان کرتے تھے، وہ تو ہرگز قابلِ اعتبار نہ تھا۔ تجربہ کار نارمنوں کی تو یہ خواہش تھی کہ اب وقت آ گیا ہے کہ وہ اپنی محنت کے ثمر سے بہرہ یاب ہوں اور اطالوی تو انتہائی امن پسند تھے، وہ مہم جوئی کے معلوم اور غیر معلوم نتائج سے خوف زدہ تھے۔ رابرٹ نے اپنی جدید افواج میں تحفے تقسیم کیے اور مزید وعدے کے لیے جس کی بدولت اُس کے اثرات میں اضافہ ہو گیا اور انتظامیہ اور کلیسا کا اقتدار واضح ہو گیا۔ اُس عہد کا دستور تھا کہ جبری بھرتی کے سلسلے میں عمر یا کسی اور معیار کا خیال نہ رکھا جائے۔ کیونکہ بادشاہ کسی صورت میں بھی شکست تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے۔ دو سال کی محنتِ شاقہ اور تیاری کے بعد بحری اور بری افواج کو اورانطو میں جمع کیا گیا۔ یہ اٹلی کے سمندر میں داخل راسی چٹان تھی، رابرٹ کے ہمراہ اُس کی بیوی بھی تھی، جو اُس کے پہلو بہ پہلو جنگ میں مصروف رہتی۔ اُس کا بیٹا بوہی مانڈ بھی ہمراہ رہتا۔ اس کے علاوہ بادشاہ میکائیل کا ایک نمائندہ بھی ان کا ساتھ دیتا۔ فوج میں تیرہ سو افراد ایسے تھے جن کا تعلق نارمن نسل سے تھا۔ فوجی نظم و ضبط اُن کے خون میں شامل ہو چکا تھا۔ ان کے پاس ایسے ذرائع موجود تھے کہ فوج کی تعداد تیس ہزار تک بڑھائی جا سکتی تھی۔ ان کے پاس منجنیقیں بھی تھیں اور لکڑی سے تیار کردہ مینار بھی تھے۔ ان پر کچا چمڑا

چڑھا دیا جاتا۔ ایک سو پچاس بحری جہاز تھے، نقل و حمل کے اس ذریعے کو اٹلی کی بندرگاہوں میں تیار کیا گیا تھا اور جمہوریہ راگوسا کے اتحاد سے چھوٹے جہاز تیار کیے جاتے تھے۔

ایڈریاٹک خلیج کے دہانے پر اٹلی اور اپی روس کے ساحل ایک دوسرے کی طرف جھکے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ خالی جگہ جو برونڈوسی اُدم اور دورازو کے مابین واقع تھی، وہ روم کی طرف جانے کے راستے کا کام دیتی تھی۔ اس کا طول سو میل سے زیادہ نہیں۔ اورانطو کا آخری مقام صرف پچاس میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ فاصلہ اتنا کم تھا کہ پائرہوس، اور پومپی یاد آ جاتے۔ البتہ ان کے مابین پُل تیار کرنے کا تصور بے فائدہ معلوم ہوتا تھا۔ اس سے قبل کہ عام سفر کا آغاز ہوتا، نارمنوں نے بوہی مونڈ کے زیرِ کمان پندرہ بحری جہاز ارسال کر دیے تا کہ وہ کورفو کے جزیرے پر قبضہ کر لیں اور بالمقابل ساحل کا بھی خیال رکھیں۔ وہ اُس کا باقاعدہ جائزہ لیتے رہیں اور دلونا کے قرب و جوار میں کوئی بندرگاہ قبضے میں لے لیں جہاں پر کہ افواج کو اُتارا جا سکے۔ وہ اس آبنائے میں سے گزر گئے اور خشکی پر جا اُترے مگر اُنھیں کوئی دشمن نظر نہیں آیا۔ اس واقعے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یونانیوں کی بحریہ نہ صرف بے پروائی بلکہ زوال کا شکار بھی ہو چکی تھی۔ اپی روس کا جزیرہ اور بعض تجارتی شہر بزورِ شمشیر یا صرف رابرٹ کے نام پر مطیع ہو گئے۔ وہ اپنی فوج کورفو (میں اس مقام کا جدید نام استعمال کر رہا ہوں) سے لے کر روانہ ہوا اور آگے بڑھ کر دورازو کا محاصرہ کر لیا۔ یہ شہر جو سلطنت کی مغربی کلید کی حیثیت کا حامل تھا۔ زمانۂ قدیم میں بھی اس کی نگہبانی کی جاتی تھی اور دورِ جدید میں تو اس پر بڑی تعداد میں قلعہ بندیاں بنا دی گئی ہیں۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری جارج پلائی اولوگوس کو تفویض کی گئی تھی جو ایک عالی نسب شخص تھا اور مشرقی جنگوں میں متعدد فتوحات حاصل کر چکا تھا۔ اس کی کمان میں البانیہ اور مقدونیہ کے بڑی تعداد میں لشکری موجود تھے جو ہر دور میں فوج کا کردار ادا کرتے رہے تھے۔ اپنی مہم کی کارروائی کے دوران اُسے متعدد خطرات اور بدشگونیوں کا سامنا کرنا پڑا مگر گائیسکارڈ کا عزم بہت بلند رہا۔ اس کے باوجود کہ یہ سال کا سب سے موزوں موسم تھا۔ ایسا ہوا کہ جب اس کا بیڑہ ساحل کے قریب سے گزر رہا تھا، ہوا اور برف کا ایک غیر متوقع طوفان اُٹھ کھڑا ہوا، ایڈریاٹک جنوب کے اُٹھتے ہوئے طوفان کی وجہ سے بپھر گیا۔ اُونچی لہریں بلند ہونے لگیں۔ ایک اور جہاز غرق ہو گیا اور اس کی تصدیق ہو گئی کہ اس ساحل کے قریب پتھریلی چٹانیں ہیں۔ جہاز کے بادبان، مستول اور چپو ٹوٹ گئے۔ سمندر اور ساحل دونوں پر ٹوٹے پھوٹے جہازوں کے ٹکڑے پھیلے ہوئے تھے، جن کے ساتھ اسلحہ اور لاشوں کی بڑی تعداد تیر رہی تھی اور اشیائے صرف کا بیشتر حصہ یا تو ڈوب گیا، یا خراب ہو گیا۔

وہ جہاز جس پر کہ ڈیوک سوار تھا، اُسے بڑی مشکل سے غرق ہونے سے بچایا گیا اور لہروں سے باہر نکالا گیا اور رابرٹ نے سات یوم قریبی خاکنائے پر قیام کیا، تاکہ مذکورہ نقصان نے بچی کچھی اشیا جمع کر سکے اور اپنے فوجیوں کے کھوئے ہوئے اعتماد کو بحال کر سکے۔ نارمن اب تجربہ کار اور بہادر ملاح نہیں رہے تھے جو کسی دور میں گرین لینڈ سے لے کر کوہ اطلس تک سمندر کی سیاحی کرتے پھرتے تھے اور بحیرۂ روم کی کم مائیگی پر مسکرایا کرتے تھے۔ وہ طوفان کے دوران روتے رہے۔ وہ جب مغرور دشمنوں کا چہرہ دیکھتے تو پریشان ہو جاتے۔ یہ وہ لوگ تھے، جن کو بازنطینی دربار نے اس غرض کے لیے خاص طور پر طلب کیا ہوا تھا۔ پہلے دن کا معرکہ بوہی مانڈ کے لیے کچھ زیادہ خوشگوار نہ رہا۔ یہ ایک نوجوان تھا، جس کی ابھی تک ڈاڑھی بھی نہیں آئی تھی۔ وہ اپنے باپ کی بحری قوت کی رہنمائی کرتا رہا تھا۔ تمام رات سارے جہاز ہلال کی شکل میں سمندر میں لنگر انداز رہے اور دوسرے دن کی فتح صرف ان کے ارتقا ہی کی مرہون منت رہی۔ ان کے تیر اندازوں کا مقام اور ان کے برچھوں کا وزن اور یونانی آتش کو بھی انھوں نے مستعار لے لیا تھا۔ اپولیائی اور راگوسی، جہاز سمندر میں بھاگ گئے، بہت سے جہازوں کی زنجیریں کاٹ کر فاتحین اُنھیں ہمراہ لے گئے۔ جب شہر کی سمت سے حملہ کیا گیا تو نارمن کے خیموں میں سراسیمگی پھیل گئی اور متعدد افراد قتل ہو گئے۔ دورازو میں اُس وقت کسی قدر سکون پیدا ہوا، جب کہ محاصرین کے ہاتھ سے بحری اقتدار نکل گیا۔ جزائر اور تجارتی شہر دشمن کے پڑاؤ سے آزاد ہو گئے اور شہروں میں اشیائے صرف کی آمد بحال ہو گئی۔ اس کے جلد بعد اس شہر میں وبا پھوٹ پڑی اور قبروں کی تعداد (اگر ہر شخص کو کوئی عمدہ قبر نصیب بھی ہوئی) دس ہزار تک پہنچ گئی۔ ان مصائب کے تحت صرف گائیسکارڈ کا ذہن ہی مضبوط اور ناقابلِ تسخیر تھا۔ جبکہ اس نے اپولیا اور صقلیہ سے نئی افواج بھرتی کر لیں اور دوبارہ اس نے دورازو کی فصیلوں پر بلہ بول دیا۔ فصیلیں توڑیں اور اُنھیں نقصان پہنچایا۔ مگر اس کے تمام فن اور حوصلے کا مقابلہ اس سے بھی بہتر انداز میں کیا گیا۔ ایک متحرک مینار بنایا گیا جس میں پانچ سو سپاہی بٹھا دیے گئے۔ اُسے آہستہ آہستہ آگے چلایا گیا۔ یہاں تک کہ وہ ان کے پشتے کے قریب پہنچ گیا مگر اُنھوں نے ایک بہت بڑے شہتیر کی مدد سے پل کا دروازہ بند کر دیا تھا اور مصنوعی آگ پیدا کر کے مصنوعی چوبی ڈھانچے کو جلا دیا گیا۔

جبکہ رومی سلطنت پر مشرق کی طرف سے ترکوں نے حملہ کر دیا تھا اور مغرب کی طرف سے نارمن حملہ آور ہو گئے تھے۔ میکائیل کے عمر رسیدہ جانشینوں نے تخت و تاج الیکسی اوس کے حوالے کر دیا۔ یہ ایک فقید المثال کپتان تھا اور کومنینی خاندان کا بانی تھا۔ شہزادی اینا اس کی دختر اور مؤرخ تھی۔ وہ اپنے مخصوص اسلوب

بیان میں کہتی ہے کہ دو دھاری تلوار میں ہرقل بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا اور اسی اصول کے تحت وہ اس کے ترکوں کے ساتھ صلح کے معاہدے کی تصدیق کرتی ہے۔ اس سے اُس کے باپ کو یہ موقع مل گیا کہ وہ دورازو کے مظلوموں کی مدد کو پہنچ سکے۔ جب الیکسی اوس وہاں پہنچا تو پڑاؤ میں کوئی سپاہی موجود نہ تھا اور خزانے میں بھی ایک پیسہ تک نہ تھا۔ اس کی ہمت اور خوش تدبیری کا یہ حال تھا کہ چھ ماہ کے عرصے میں اُس نے ستر ہزار افراد پر مشتمل ایک فوج تیار کر لی اور پانچ سو میل کا سفر طے کر لیا۔ اس کی افواج یورپ اور ایشیا میں جمع تھیں۔ وہ پیلوپونی سوس سے بحیرۂ اسود تک پھیلی ہوئی تھیں، اس کی شان و شوکت کے اظہار کے لیے ہر شے پر چاندی مڑھ دی گئی تھی۔ ان میں گھوڑے اور محافظین بھی شامل تھے اور خود شہنشاہ کی جلو میں شاہزادے اور شرفا ہر وقت موجود رہتے تھے۔ ان میں سے متعدد ایسے تھے جن کو ریشمی ملبوسات پہنا دیے گئے تھے اور وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے تھے، وہ نوجوان تھے اور دشمن کی بڑی تعداد پر بھی حاوی ہو سکتے تھے اُنھیں عیش و عشرت سے محبت تھی، اور کسی کی ماتحتی قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے اور شرارت سے بھی باز نہ آتے تھے۔ انھوں نے غل مچا رکھا تھا کہ دشمن کے خلاف فوری اور فیصلہ کن کارروائی کی جائے۔ اس کا الیکسی اوس کی دانش مندی پر بھی بُرا اثر پڑا۔ ممکن تھا کہ وہ محاصرہ اُٹھا لیتا اور حملہ آور محاصرین کی رسد روک لیتا، صدیوں سے جو اطلاعات موصول ہو رہی تھیں اُن کے مطابق ماضی اور حال میں رعایا کی خوشحالی میں بہت فرق آ گیا تھا۔ نوجوان فوجی جلدی میں دشمن کے خوف کی وجہ سے بھرتی کر لیے گئے تھے اور اناطولیہ اور ایشیائے کوچک کے شہروں کو خالی کرا کے لشکر جمع کر لیے گئے تھے۔ ان شہروں کے خالی ہونے پر ترکوں نے ان پر فی الفور قبضہ کر لیا۔ یونانی افواج کی قوت محض وارنجیوں تک محدود تھی۔ جو سکینڈے نیویا سے حاصل کردہ محافظین پر مشتمل تھے۔ ان کی تعداد میں حال ہی اضافہ کیا گیا تھا۔ ان میں کچھ تو جلاوطن شامل تھے اور کچھ برطانوی جزائر کے ایسے رضا کار بھی شامل کر لیے گئے تھے۔ جو تھیول کے علاقے سے لیے گئے تھے۔ نارمن قوم کی غلامی میں ڈنمارک اور انگلستان کے باشندوں پر بہت تشدد ہو رہا تھا۔ اس لیے وہ متحد ہو گئے۔ مہم جو نوجوانوں کے ایک دستے نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اس غلامی سے فرار کی راہ اختیار کریں۔ فرار کے لیے سمندر کے راستے کھلے تھے۔ ایک طویل سفر کے دوران وہ ہر ایسے ساحل پر اُترے جہاں سے اُنھیں آزادی اور انتقام کے لیے مدد کی اُمید تھی۔ اُنھیں یونانی دربار میں شرف باریابی حاصل ہوا۔ اُن کا پہلا ٹھکانا ایشیائی ساحل پر آباد ایک نیا شہر تھا مگر الیکسی اوس نے اُنھیں جلد بلا لیا کہ اُس کی ذات اور محل کی حفاظت کا فرض ادا کریں اور اپنے جانشینوں کو بھی نصیحت کی کہ ان کی وفا، دیانت اور

بہادری پر اعتماد کریں۔ نارمن حملہ آوروں کا نام آتے ہی اُن کی طرف سے نقصانات پہنچنے کی یاد تازہ ہوگئی۔ اُنھوں نے اپنی پیش قدمی سرعت رفتاری سے جاری رکھی اور دُشمنِ قوم کے مقابلے کے لیے تیار ہوگئے۔ اُنھوں نے فیصلہ کرلیا کہ وہ اپی رُوس پر دوبارہ قبضہ حاصل کرلیں گے۔ یہ ایک ایسا اعزاز تھا جو ہیسٹنگز کی جنگ میں اُن کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ وارنجیوں کے ہمراہ فرینک یا لاطینیوں کے چند دستے بھی تھے۔ اور وہ باغی بھی تھے جو گائیسکارڈ کے مظالم سے بھاگ کر قسطنطنیہ پہنچ گئے تھے۔ وہ اپنے جوش و خروش کا مظاہرہ کرنا چاہتے تھے اور اپنا انتقام بھی لینا چاہتے تھے۔ ان ہنگامی حالات میں شہنشاہ نے تھریس اور بلغاریہ کے پاؤلیقیوں اور مانیقیوں اور بلغاریوں کی ناجائز امداد کو قبول کرنے سے انکار نہ کیا۔ یہ لوگ باہم متحد ہوگئے اور نظم و ضبط اور حقیقی جرأت کا مظاہرہ کرکے اپنے اتحاد کا ثبوت فراہم کیا۔ سلطان کے ساتھ عہد نامے کی وجہ سے چند ہزار ترکوں کی خدمات بھی حاصل ہوگئیں۔ نارمن رسالہ سکاتھیوں کی تیز اندازی کا مقابلہ اپنے نیزوں سے کرتا۔ جب رابرٹ کو یہ اطلاع ملی کہ اُس کے خلاف دُشمنوں کی ایک بڑی ناقابلِ تسخیر تعداد جمع ہوگئی ہے تو اُس نے اپنے افسران کی ایک مجلس منعقد کی۔ اُس نے اُن سے کہا کہ آپ لوگ اپنے خطرناک حالات کا مشاہدہ کرلیں۔ اب ہمارے لیے سرعت سے کام لینا ناگزیر ہوگیا ہے۔ تمام پہاڑیوں پر فوجی اور علم چھائے ہوئے ہیں اور شاہِ یونان کو جنگوں میں فتح حاصل کرنے کا تجربہ حاصل ہے۔ ہمارا تحفظ صرف تعمیل حکم اور اتحاد میں پوشیدہ ہے اور میں اس کے لیے تیار ہوں کہ اگر کوئی مجھ سے بہتر رہنما موجود ہو، تو اُس کے حق میں دست بردار ہو جاؤں، اسے اعتماد کا ووٹ مل گیا اور اس کے خفیہ دشمنوں نے بھی اس کا ساتھ دیا اور یقین دلایا کہ اس نازک موقع پر بھی وہ اُس کے وفادار رہیں گے اور احترام کرتے رہیں گے اور اُس پر اعتماد کریں گے۔ ڈیوک نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ہمیں فتح کے انعامات کا یقین رکھنا چاہیے اور بُزدلی سے فرار نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں اپنی کشتیاں جلا دینی چاہئیں اور اپنا سامان بھی تباہ کر دینا چاہیے اور اسی مقام پر دشمن سے جنگ کرنی چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ یہی ہمارا وطن ہے۔ اس تجویز کو متحدہ طور پر منظور کرلیا گیا اور اُس نے اپنے آپ کو محض صف بندی تک محدود نہ رکھا۔ گائیسکارڈ اس کا انتظار کرتا رہا کہ دشمن کون سے نزدیک ترین مقام سے حملہ آور ہوتا ہے۔ اُس کا میمنہ سمندر تک پھیلا ہوا تھا اور اس کا میسرہ پہاڑیوں تک چلا گیا۔ غالباً اُسے یہ یاد نہیں تھا کہ اسی مقام پر سیزر اور پومپی نے عالمی سلطنت کے جغرافیے پر اختلاف کیا تھا۔

اپنے مشیروں کی رائے کے برعکس الیکسی اُوس نے فیصلہ کرلیا کہ اسی مقام پر ایک عام جنگی کارروائی

کی جائے اور ہر قسم کے خطرے کا مقابلہ کیا جائے اور دورازو کے لشکر سے کہا گیا کہ وہ اسی وقت شہر کی طرف سے حملہ کرکے اپنی آزادی حاصل کرلے۔ اس نے نارمن کو بے خبر رکھنے کے لیے دو مختلف قطاروں میں اور سورج نکلنے سے قبل ہی دو مختلف مقامات پر مختلف اطراف سے حملہ کردیا۔ اس جنگ کے دوران رسالہ میدان میں پھیل گیا۔ تیر اندازوں کو دوسری صف میں رکھا گیا۔ وارنجیوں کو مرکز سنبھالنے کا اعزاز عطا کیا گیا۔ اجنبی سپاہ کے جنگی کلہاڑوں نے ہراول دستے کو بہت نقصان پہنچایا اور کثرت سے خون بہ گیا اور اس کی تعداد کم ہوکر صرف پندرہ ہزار رہ گئی۔ لومبارڈ اور کالابریہ کے باشندے اپنی بزدلی کی وجہ سے پشت دکھا گئے۔ وہ دریا اور سمندر کی جانب فرار ہوگئے مگر لشکر کے حملے سے بچنے کے لیے پل کو پہلے ہی توڑ دیا گیا تھا اور ساحل پر وینس کا بحری بیڑا کھڑا کر دیا گیا تھا۔ اُنھوں نے ان غیر منظم بھگوڑوں پر منجنیقیں کھول دیں۔ ابھی وہ تباہی کے کنارے پر پہنچے ہی تھے تو اُن کے سرداروں نے اُنھیں مکمل تباہی سے بچالیا۔ رابرٹ کی بیوی گائتا جسے یونانی مؤرخین نے ایک جنگ جو اور دیو قامت خاتون قرار دیا ہے۔ وہ دوسری پالاس تھی۔ اگرچہ وہ فنونِ جنگ سے بے بہرہ تھی مگر اسلحہ کے استعمال میں انتہائی خوفناک تھی اور اس طرح ایتھنز کی دیوی معلوم ہوتی تھی اگرچہ اُسے تیر کا ایک زخم آچکا تھا۔ وہ میدانِ جنگ میں ڈٹی رہی اور اُس کی وجہ سے بھاگتے ہوئے سپاہی بھی اُس کے گرد جمع ہوگئے۔ اُس کی زنانہ آواز کی، ایک زیادہ مضبوط مردانہ آواز یعنی ڈیوک نے تائید کی وہ بالعموم حالتِ جنگ میں خاموشی سے اپنے فرائض ادا کرتا تھا۔ اُس نے بلند آواز سے چلا کر کہا کہ ”تم کس کس سمت بھاگ رہے ہو؟ تمھارا دشمن ہر طرف موجود ہے اور ایسی حالت میں موت زیادہ باوقار ہے اور غلامی میں ذلت کے سوا کچھ نہیں۔“ یہ لمحات فیصلہ کن تھے اور وارنجی اپنی صفوں سے آگے نکل پڑے۔ اُنھیں معلوم ہوا کہ اُن کی اطراف خالی ہیں اور میدانِ جنگ میں ڈیوک کے آٹھ سو لشکری محفوظ اور ثابت قدم کھڑے تھے۔ اُنھوں نے اپنے نیزے چلانے شروع کردیے اور یونانی اس پر تأسف کا اظہار کرنے لگے کہ فرانسیسی رسالہ اُن کے لیے ناقابلِ تسخیر محسوس ہو رہا تھا۔ الیکسی اُوس ایک سپاہی یا جرنیل کی حیثیت سے ادائیگی فرائض میں کسی سے کم نہ تھا۔ مگر جب اُس نے دیکھا کہ وارنجی قتل ہو رہے ہیں اور ترک فرار ہو رہے ہیں تو پھر اُس نے مناسب سمجھا کہ رعایا کی جان بچالی جائے اور اور اپنی قسمت کو قبول کرلیا جائے۔ شہزادی اینا نے اس مالیخولیائی فیصلے پر اشک باری کی ہے۔ اُس نے اپنے باپ کے گھوڑے کی قوت اور تیزی کی تعریف کی ہے اور اپنے باپ کی قوتِ برداشت کی بھی تعریف کی ہے کیونکہ وہ ایک دفعہ کسی دشمن فوجی کے نیزے کے وار سے گھوڑے سے گرتا گرتا بچا۔ اس سے شاہی خود

بھی اپنے مقام سے ہل گیا تھا۔ وہ بہادری سے فرینکوں کے ایک دستے سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ حالانکہ اُنھوں نے اس کے راستے میں حائل ہونے کی کوشش کی تھی۔ ایسے موقع پر دماغی قوت سے زیادہ اُس کی جسمانی قوت کام آئی اور وہ لاکتنی دوس کی فصیلوں کے اندر پہنچ گیا۔ رابرٹ نے کمزور تعاقب کو نظرانداز کردیا۔ کیونکہ فقید المثال انعام اُن کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اُس نے اپنی مایوسی کا علاج فتح کے انعام اور جنگی علم کے حصول میں تلاش کرلیا اور اُسے یہ احساس بھی ہوا کہ بازنطینی چھاؤنیوں میں دولت اور عیش کوشی زوروں پر ہے۔ اُس نے ایک ایسی فوج کو شکست دی ہے جو اُس کی فوج کی تعداد سے پانچ گنا زیادہ ہے۔ اہلِ اٹلی کی ایک بڑی تعداد خود اپنے خوف کی وجہ سے ناکام رہی مگر اس یادگار روز اس کے صرف تیس جنگجو مارے گئے تھے۔ اس رومی لشکر کے مقابلے میں یونانیوں، ترکوں اور انگریزوں کا نقصان پانچ چھ ہزار سے کم نہ تھا۔ دورازو کا میدان شرفا اور اُمرا کے خون سے بھرا ہوا تھا۔ میکائیل کا انجام اُس کی زندگی کے مقابلے میں زیادہ باوقار تھا۔

یہ گمان غالب ہے کہ یہ معرکہ گائیسکارڈ کے لیے کچھ زیادہ اہم نہ تھا۔ اس سے صرف یونانیوں کی تذلیل ہوئی تھی۔ اس شکست کے بعد بھی وہ دورازو کی مدافعت کرتے رہے۔ وہاں پر جارج پیلا ئیولوگوس کو متعین کردیا گیا۔ جسے اپنے مقام سے ہٹانے کی احمقانہ کوشش کی گئی تھی۔ محاصرین کے خیمے بیرکوں میں تبدیل ہوگئے تھے تاکہ وہ سردیوں کی شدت سے محفوظ رہیں۔ اپنے لشکر کے دفاع کے سوال کا جواب دیتے ہوئے، رابرٹ نے جواب دیا کہ اُس کے صبر کا پیمانہ اُن کے ضد کے برابر ہے۔ غالبًا اُسے وینس کے ایک جرنیل سے خفیہ خط و کتابت کے نتائج پر بہت اعتماد تھا جس نے اپنی معزز شادی کے بدلے میں شہر بیچ دیا تھا۔ گہری رات کے وقت رسوں کی متعدد سیڑھیاں فصیلوں پر سے شہر کے اندر پھینکی گئیں۔ ہلکے جسم کے کالابری ان کے ذریعے خاموشی سے اُتر گئے جب یونانی جاگے تو شہر میں فاتحین کا طبل بج رہا تھا۔ پھر بھی اُنھوں نے تین یوم اپنی گلیوں کا دفاع جاری رکھا، حالانکہ باہر پشتے پر دشمن کا قبضہ تھا اور پہلی فتح اور حتمی شکست کے درمیان سات ماہ کا عرصہ بیت چکا تھا۔ دورازو سے نارمن سردار پیش قدمی کرتا ہوا، اپی روس یا البانیہ کے قلب تک پہنچ گیا اور تھیسالی کے قدیم آثار تباہ کردیے اور کستوریہ کے شہر میں آباد تین سو انگریز شہریوں کو اچانک جالیا۔ اس کے بعد تھیسالونیکا پہنچ گیا جس کے نتیجے میں خود قسطنطنیہ پر لرزہ طاری ہوگیا۔ اس دوران اسے ایک اور ضروری کام پڑ گیا اور یہ مزید پیش قدمی کے منصوبے کو جاری نہ رکھ سکا۔ اس کے بعض جہاز ڈوب گئے۔ لشکریوں میں وبا پھوٹ پڑی اور بعض فوجی جنگوں میں بھی مارے گئے۔ اب اس کی فوج کی تعداد صرف ایک تہائی رہ گئی تھی اس کی بجائے کہ

یہ اٹلی سے ہی نئی فوج بھرتی کرلیتا۔ اسے اطلاع ملی کہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے خلاف سازشیں ہوتی رہی ہیں۔ اپولیا کے شہر میں بغاوت ہوئی ہے اور متعدد سردار باغی ہوچکے ہیں۔ پوپ بھی اس سے مایوس ہوگیا ہے اور جرمنی کا بادشاہ ہنری بھی اس پر حملہ کرنے والا ہے۔ اُس نے اپنے ذہن میں یہ فرض کررکھا تھا کہ وہ تنہا تحفظِ عامہ کے لیے کافی ہے، اُس نے صرف ایک جہاز لیا اور سمندر کو دوبارہ عبور کرگیا اور باقی ماندہ افواج کو اپنے بیٹے اور نارمن افواج کے ذمے کرگیا۔ اُس نے بوہی مونڈ کو ہدایت کی کہ وہ اپنے ساتھیوں کا احترام کرتا رہے اور سرداروں سے کہا کہ وہ اپنے لیڈر کے احکام کی تعمیل کرتے رہیں۔ گائیسکارڈ کا بیٹا اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلتا رہا۔ ان دونوں تباہ کاروں کا یونانیوں نے موازنہ کیا ہے۔ وہ ایک کو ٹِڈا اور دوسرے کو ٹِڈی دل کا نام دیتے ہیں۔ ثانی الذکر ہر اُس شے کو کھا جاتا ہے جو پہلے کے منہ سے بچ گئی ہو۔ اس نے شہنشاہ سے دو فتوحات حاصل کرنے کے بعد تھیسالی کے میدانوں کا رُخ کیا اور لاریسہ کا محاصرہ کرلیا جو ایک بہت بڑی چھاؤنی تھی اور اکیلس کی سلطنت بھی یہیں تھی۔ اس بازنطینی چھاؤنی میں خزانوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی۔ الیکسی اُوس کی ہمت اور حوصلہ تھا کہ وہ اپنے دور کے تمام مصائب سے عہدہ برآ ہورہا تھا۔ جب ریاست افلاس کا شکار ہوگئی تو اُس نے گرجا گھروں سے فالتو دولت جمع کرلی۔ مانیقیوں کی مرضی کے مطابق مالدیویا (Moldavia) نے سات ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر مہیا کردیا جس سے ان کے بھائیوں کا نقصان پورا ہوگیا اور انتقام کی صورت بھی پیدا ہوئی۔ اس دوران یونانی افواج کو تیراندازی کی تربیت دی گئی اور یہ بھی بتایا گیا کہ بغاوتوں کو کچلنے کا طریقہ کیا ہے۔ الیکسی اُوس کو تجربہ ہوگیا تھا کہ فرینکوں کا رسالہ اور پیدل افواج میدانِ کارزار میں بے فائدہ ثابت ہوئی ہیں اور وہ نقل و حرکت کے قطعاً اہل نہیں اور وہ ان کے تیرانداز فوجیوں کو نشانہ بنانے کے بجائے اُن کے گھوڑوں کا نشانہ لیتے تھے اور ان کے آتشیں شعلے اُس میدان پر گرتے جہاں سے وہ خود حملہ کرنا چاہتا تھا۔ لاریسہ کے قرب و جوار میں دفاع کا انتظام یکساں تھا اور ہر مقام کی حفاظت کا انتظام موجود تھا۔ ہر مقام پر بوہی مونڈ کا بلند حوصلہ نظر آتا ہے اور وہ اکثر کامیاب بھی رہتا۔ مگر یونانیوں نے اچانک حملہ کرکے اُس کے پڑاؤ کو لُوٹ لیا تھا۔ وہ شہر تو ناقابلِ تسخیر تھا اور بعض کمزور اور غیر مطمئن شرفا اُس کا علم چھوڑ کر بھاگ چکے تھے۔ وہ اپنا اعتماد کھو چکے تھے۔ اور شہنشاہ کو اپنی خدمات پیش کرچکے تھے۔ الیکسی اُوس قسطنطنیہ واپس آگیا۔ اب حالات اُس کے موافق تھے اگرچہ سابقہ عزت کو نقصان پہنچ چکا تھا اور وہ فتح حاصل نہ کرسکا تھا۔ اُس نے ایسے مفتوحہ علاقے چھوڑ دیے جن کا وہ ان حالات میں دفاع کرنے سے قاصر تھا۔ گائیسکارڈ کا بیٹا اٹلی کی

طرف روانہ ہوگیا۔ اُس کا باپ اُس سے بغل گیر ہوا اور اُس کی اہلیت کی داد دی اور بدقسمتی پر افسوس کا اظہار کیا۔

لاطینی شرفا میں الیکسی اُوس کے دوست اور رابرٹ کے دشمن بھی موجود تھے۔ ان میں سے ہنری سوم یا چہارم بہت منظم اور مضبوط تھا جس کی حکومت میں جرمنی اور اٹلی دونوں شامل تھے۔ اسی شخص کے مقدر میں لکھا تھا کہ وہ آئندہ زمانے میں مغرب کا شہنشاہ ہو۔ اس کے نام الیکسی اُوس نے جو مکتوب روانہ کیا تھا، اُس میں جذباتِ محبت کا اظہار کیا گیا تھا اور دوستی کو مزید مستحکم بنانے کے ارادے کا اظہار تھا اور اس میں ہر نوعیت کے نجی اور اجتماعی تعلقات کو مضبوط بنانے کی خواہش بھی تھی۔ اُس نے ہنری کو ایک مقدس اور منصفانہ جنگ میں کامیابی کی مبارک باد بھی دی تھی اور اُس کے ساتھ ایک ہلکی سی شکایت بھی تھی کہ نارمن رابرٹ کی گستاخیوں کی وجہ سے خود اُس کی اپنی سلطنت میں بدامنی اور بے چینی پیدا ہوئی تھی۔ اس کے ہمراہ اُس نے جو تحائف ارسال کیے تھے اُن سے اُس دور کے انداز کا پتا چلتا ہے۔ ایک تو سونے کا چمکدار تاج تھا۔ ایک مروارید کا ہار تھا جو سینے پر لٹکا رہتا۔ ایک صلیب تھی جس پر حواریوں اور ولیوں کے نام کندہ تھے۔ ایک عقیق سلیمانی کی ڈبیا تھی۔ کچھ مرہم تھا جو مکہ سے آیا تھا اور کئی سور یشمی تھان تھے اس کے ساتھ اُس نے ایک زیادہ پختہ تحفے کا اضافہ کیا جس میں ایک لاکھ چالیس ہزار بازنطینی طلائی سکے نقد موجود تھے اور دو لاکھ چالیس ہزار کی مزید یقین دہانی بھی کروا دی گئی تھی۔ جونہی ہنری معہ افواج اپولیائی کے علاقے میں داخل ہوتا، مشترکہ دشمن کے خلاف جدوجہد کا حلف لے لیا گیا۔ جرمن بادشاہ تو اس سے قبل ہی لومبارڈی میں موجود تھا اور اُس کے ہمراہ خاطر خواہ فوج بھی موجود تھی اُس نے اس فیاضانہ پیشکش کو قبول کر لیا اور جنوب کی طرف روانہ ہوگیا۔ مگر جب اُسے دور از دکی جنگ کی آواز آئی تو اُس کی رفتار مدہم ہوگئی۔ یہ اُس کی فوج کے اثرات تھے یا اُس کے نام کی شہرت کی وجہ سے تھا کہ یا رابرٹ کی جلد واپسی کا نتیجہ تھا کہ اُسے یونانی رشوت کے مساوی پیشکش موصول ہوگئی۔ ہنری نارمنوں کا سخت دشمن تھا۔ وہ گریگوری ہفتم کے اتحادی تھے۔ اس لحاظ سے وہ بھی ایک سنگدل دشمن کی حیثیت کا حامل تھا۔ کلیسا اور بادشاہت کے تنازعات تو عرصے سے جاری تھے مگر اس مغرور پوپ کی وجہ سے ان حالات میں مزید اضافہ ہوگیا۔ یہ دونوں ادارے ایک دوسرے کے دشمن بن چکے تھے اور دُنیاوی اور دینی معاملات میں باہم حلیف کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ اس کے صوابی حریف کی شکست اور موت کے بعد ہنری اٹلی میں داخل ہوگیا تاکہ شاہی تاج و تخت پر قبضہ کر لے اور کلیسا کے ظالم پوپ کو ویٹی کن سے نکال باہر کر لے۔ مگر اہالیانِ روم گریگوری کے حامی تھے اور ان کی حمایت میں پختگی تھی۔ وہ رضا کار اور مال و دولت دونوں مہیا کرنے پر آمادہ تھے۔ اپولیا

کے مقام سے نکل کر شاہِ جرمنی نے اس شہر کا تین دفعہ محاصرہ کیا۔ جیسا کہ بالعموم کہا جاتا ہے کہ چوتھے سال اس نے رشوت سے کام لیا اور روم کے شرفا میں بازنطینی سونا تقسیم کیا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے قلعے اور جائیدادیں جنگ کی وجہ سے تباہ ہو چکے تھے۔ دروازے، پُل اور پچاس یرغمال اس کے حوالے کر دیے گئے اور لیطران میں پوپ کا ایک مخالف کلیمنٹ سوم منتخب کر لیا گیا۔ شکر گزار پوپ نے اپنے محسن کی تاج پوشی کی رسم ادا کر دی اور ہنری نے اپنی رہائش مستقل طور پر روم کی مجلس گاہ میں منتقل کر لی اور اپنے آپ کو آگسٹس اور شارلیمن کا قانونی وارث قرار دے لیا۔ سپٹی زونی اُوم کے کھنڈرات کا دفاع ابھی تک گریگوری کا ایک بھتیجا کر رہا تھا۔ وہ خود سینٹ اینجیلو کے قلعے میں مقیم تھا۔ اُس کی اُمید کا واحد اور آخری سہارا نارمن رہ گئے تھے مگر اُن کی دوستی باہم منفرت رسانی کے نتیجے میں ختم ہو چکی تھی۔ انھیں ایک دوسرے سے شکایات بھی تھیں۔ مگر اس مجبوری کی حالت میں گائیسکارڈ کو اُس کے حلف کا واسطہ دے کر مدد کی درخواست کی گئی۔ مگر اُس کی ذاتی دلچسپی اُس کے لیے اس حلف سے بھی زیادہ اہم تھی۔ اُسے شہرت سے بھی محبت تھی اور دونوں شہنشاہوں سے بھی عداوت تھی۔ اُس نے مقدس جھنڈا لہرایا اور پوپ کے جانشین کی مدد کے لیے اُڑ کر پہنچا۔ اس کی افواج کی کثیر تعداد میں چھ ہزار رسالے کے سوار اور تیس ہزار پیدل سپاہی شامل تھے۔ انھیں فوراً جمع کر لیا گیا اور جب یہ سلرنو سے روم کی جانب روانہ ہوا تو عوام نے اسے دُعائیں دیں اور خوشی کا اظہار کیا۔ ہنری گزشتہ چھیاسٹھ جنگوں میں ناقابلِ تسخیر رہ چکا تھا۔ وہ اس کی آمد پر کانپ اُٹھا۔ اُسے اچانک یاد آ گیا کہ ان ایام میں اس کا لومبارڈی میں قیام ناگزیر ہے۔ اُس نے اہلِ روم کو وفاداری کی تلقین کی اور نارمن کی پیش قدمی سے تین روز قبل جلدی سے روانہ ہوگیا۔ تین سال کے کم عرصے میں ہاٹ وِلے کے ٹانکریڈ کے بیٹے نے ایک تو پوپ کو آزادی دلائی، دوسرے مشرق اور مغرب کے دونوں بادشاہوں کو اپنے سامنے فرار ہونے پر مجبور کیا، مگر گریگوری کے دوستوں کی مدد حاصل کرنے کے لیے شہر کی فصیلوں میں سوراخ کر دیے گئے تھے یا بعض مقامات پر اُنھیں گرا دیا گیا تھا یا پھر سیڑھیاں لگا کر ان کو عبور کیا گیا تھا مگر شہنشاہ کی حامی جماعت ابھی تک طاقتور اور فعال تھی۔ تیسرے روز ہی عوام نے سخت بغاوت کر دی اور فاتح نے بھی بدلہ لینے یا اپنے دفاع کے لیے تیزی سے احکام جاری کر دیے۔ اُس نے اشارہ دے دیا کہ شہر کو لوٹ لو یا آگ لگا دو۔ صقلیہ میں مقیم عرب روجر کی رعایا تھے اور اس کے بھائی کی اضافی فوج کے رُکن تھے۔ اُنھوں نے فیصلہ کر لیا کہ عیسائیوں کے مقدس شہر کی بے حرمتی کی جائے۔ اس شہر کے ہزارہا افراد اور اُن کے روحانی پیشوا گرفتار کر لیے گئے یا اُنھیں سزا دے دی گئی اور لیطران سے کولی سیوم (Coliseum)

تک کا ایک بڑا حصہ جلا دیا گیا اور ہمیشہ کے لیے تباہ کر دیا گیا۔ ایک ایسے شہر میں جس میں کہ جنگ سے نفرت کی جاتی تھی اور ممکن ہے کہ دوبارہ کبھی بھی یہاں اس کا نظارہ دیکھنے میں نہ آئے۔ گریگوری واپس آ گیا مگر اُس کی زندگی کے باقی ایام سلرنو کے محل میں گزر گئے۔ یہ مکار پوپ ممکن ہے کہ گائیسکارڈ کی خوشامد میں خوشی محسوس کرتا ہو اور اُسے اُمید ہو کہ اُسے روم کا تخت و تاج حاصل ہو جائے گا مگر اُس نے جو خطرناک اقدامات کیے تھے اور جن کی بدولت اُس نے نارمن کے حوصلے بڑھائے تھے اور اُن کے جذبات میں جوش پیدا کیا تھا، اُن کی وجہ سے اُس نے جرمنی کے وفادار اتحادیوں سے ہمیشہ کے لیے تعلقات خراب کر لیے تھے۔

روم کی آزادی اور تباہی کے نتیجے میں غالباً اُسے پشیمانی ہوئی ہوگی اور اُس کے ضمیر نے بھی اُس کی ملامت کی ہوگی۔ مگر کم از کم وہ غور و فکر میں ضرور مبتلا ہو گیا مگر اُسی سال کے دوران جبکہ جرمن فرار ہوئے تھے، اَنتھک رابرٹ نے یہ منصوبہ بندی کر لی کہ وہ مشرقی سلطنت پر قبضہ کر لے۔ گریگوری ایک پُر جوش شکر گزار تھا، اُس نے اس کے ساتھ وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ اسے یونان اور ایشیا کی حکومت کے حصول میں مدد دے گا۔ اس نے اپنی افواج کو اسلحہ بند کیا۔ وہ پہلے ہی اپنی کامرانیوں کے جوش سے سرشار تھے اور میدان جنگ میں اُترنے کے لیے بے تاب تھے۔ اُن کی تعداد کے بیان کے لیے اگر ہومر کی زبان استعمال کی جائے اور اینا (Anna) نے ایسا ہی کیا اور اُن کو ٹڈی دل سے تشبیہ دی۔ لیکن پھر بھی کسی قدر احتیاط سے کام لیتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی تعداد شہد کی مکھیوں کے چھتے کی طرح تھی۔ مگر ہم اس سے پیشتر بھی گائیسکارڈ کی فوج کا جائزہ لے چکے ہیں۔ اس زمانے میں اس کے پاس ایک سو بیس جہاز تھے چونکہ جہاز رانی کا موزوں موسم ابھی دور تھا۔ برونڈوسی ادم کی بندرگاہ پر اوٹرانطو کی خشک شاہراہ کو ترجیح دی گئی تھی۔ الیکسی اُوس کو دوسرے حملے کا زبردست خطرہ تھا۔ اُس نے بڑی محنت سے مملکت کی بحری افواج کو نئے سرے سے بحال کیا تھا اور اُس نے وینس کی دوستانہ ریاست سے چھتیس سامان بردار جہاز، چودہ جنگی جہاز اور چھ ایسے جہاز خریدے تھے جو طاقت اور حجم کے لحاظ سے غیر معمولی طور پر بڑے تھے۔ ان تمام خدمات اور سامان کا باقاعدہ معاوضہ ادا کیا گیا اور قسطنطنیہ کی بندرگاہ میں ان کے عوض متعدد مکانات اور منفعت بخش دکانیں دے دی گئیں اور ایک اور سینٹ مارک کو بھی ایک خراج ادا کیا گیا۔ یہ اُنھیں سب سے زیادہ قابلِ قبول تھا، کیونکہ یہ امالفی کے باشندوں کے محاصلات سے حاصل کیے گئے تھے، جو اب ان کے حریف تھے۔ جب یونانیوں اور وینس کے باشندوں کا اتحاد ہوا، تو ایڈریاٹک پر دشمن کا بحری بیڑہ چھایا ہوا تھا۔ مگر رابرٹ نے نگرانی کے سلسلے میں خود ہی کوتاہی کی یا ہوا کا رُخ

تبدیل ہو گیا یا دھند کا پردہ پڑ گیا۔ جس کی وجہ سے دشمن کو کھلا راستہ مل گیا اور نارمن افواج آزادی سے اپی رُوس کے ساحل پر اُتر گئیں۔ اُن کے پاس بیس مضبوط اور اچھی طرح سے منظم وسیع جنگی جہاز تھے۔ ان کے ہوشیار سردار نے فوری طور پر دشمن سے جنگ شروع کر دی، اگرچہ یہ گھوڑے کی پشت پر سوار ہو کر لڑنے کے عادی تھے۔ اُس نے اپنی زندگی پر اعتماد کیا اور اپنے بھائی اور دو بیٹوں کی زندگی بھی داؤ پر لگا دی جبکہ ایک بحری جنگ جاری تھی۔ تین بحری مہمات کے بعد بحری غلبے کا دعویٰ متنازع ہو گیا۔ کورفو کے جزیرے کے بالکل سامنے اتحادیوں کی تعداد اور فن جنگ میں مہارت کو برتری حاصل تھی۔ مگر تیسری مہم میں نارمن کو مکمل اور حتمی فتح حاصل ہو گئی۔ یونانیوں کے بڑے بڑے جنگی جہاز اس بدنظمی سے بھاگے کہ سمندر میں منتشر ہو گئے۔ اہالیان وینس کے نو قلعہ نما جہازوں میں ایک سخت اور طویل جنگ لڑی گئی۔ ان میں سے سات جہاز ڈوب گئے، دو پر قبضہ کر لیا گیا۔ دو ہزار پانچ سو قیدی پکڑے گئے جنھوں نے فاتح سے ناکام معافی مانگنے کی کوشش کی اور الیکسی اُوس کی مؤرخ بیٹی نے تیرہ ہزار افراد کی موت پر سخت افسوس کا اظہار کیا ہے۔ ان میں ان کی رعایا کے افراد کے علاوہ اتحادی بھی شامل تھے۔ یہ ثابت ہوا کہ گائیسکارڈ میں تجربے کی کمی ہے اور ہر شام جب وہ پسپائی کا اعلان کرتا، تو وہ سنجیدگی سے اس پر غور کرتا کہ اس کی ناکامی کے اسباب کیا ہیں اور پھر کوئی نیا نتیجہ تلاش کرتا کہ اُس کی اپنی کمزوری کا سبب کیا اور اسے کس طرح دور کیا جا سکتا ہے اور دشمن کے مفاد کے خلاف کس طرح جنگ کی جا سکتی ہے۔ موسم سرما میں اس کی پیش قدمی رُک گئی جب بہار آئی تو اُس نے دوبارہ قسطنطنیہ کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ مگر اپی رُوس کی پہاڑیوں کو عبور کرنے کی بجائے اس نے اپنی افواج کا رخ یونانیوں کی طرف کر لیا، جہاں سے اتنا مال غنیمت مل سکتا تھا کہ اُس کی محنت کا اُسے بدلہ مل جائے اور یہاں بحری اور بری افواج باہم مل کر کارروائی کر سکتی تھیں اور مؤثر قوت کا مظاہرہ کر سکتی تھیں۔ قیفالونیہ کے جزیرے میں اس کی تمام منصوبہ بندی ایک چھوت کی وبائی بیماری کی وجہ سے تباہ ہو گئی۔ رابرٹ بھی ستر سال کی عمر میں اپنے خیمے ہی میں فوت ہو گیا۔ بعض افراد نے اس شک کا اظہار کیا کہ اُسے زہر دے دیا گیا تھا۔ عوام میں یہ مشہور ہو گیا کہ اس کی بیوی یا شہنشاہ یونان نے اس سازش میں حصہ لیا۔ اگر کوئی موت قبل از وقت ہو جائے تو اُس متوفی کی آئندہ منصوبہ بندیوں کے متعلق متعدد افواہیں پھیل جاتی ہیں۔ اگر واقعات کا جائزہ لیا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ نارمن کی عظمت صرف اس کے دم سے قائم ہوئی۔ جب دشمن سامنے نظر نہ آیا تو فاتح افواج بدنظمی سے منتشر ہو گئیں یا اُنھوں نے مراجعت اختیار کر لی اور الیکسی اُوس جو اپنی سلطنت کی بقا کے لیے لرزیدہ تھا، اُس نے اپنی آزادی کے لیے

اطمینان کا اظہار کیا، وہ جہاز جس میں کہ گائیسکارڈ کی باقیات کو روانہ کیا گیا۔ اُسے اطالوی ساحل پر حادثہ پیش آ گیا۔ ڈیوک کی لاش سمندر سے برآمد کی گئی اور وینوشیا (Venusia) کے تخت پر رکھ دی گئی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ہوریس کی ولادت ہوئی تھی اور اس دور میں یہاں نارمن بہادروں کا قبرستان تھا۔ روجر اس کا دوسرا بیٹا اور جانشین تھا۔ اسے فوری طور پر تنزلی کا سامنا کرنا پڑا اور اسے اپولیا کا ڈیوک بنا دیا گیا۔ اس کا باپ غالبًا بوہی مونڈ کو زیادہ پسند کرتا تھا، یا اس کے خلاف متعصب تھا، اُس نے اپنا تمام ترکہ بوہی مونڈ ہی کے حوالے کر دیا اور اُسی کو اپنا جانشین بھی نامزد کر دیا، دونوں طرف سے مطالبات اور دعووٗں کی وجہ سے قومی سکون میں خلل پیدا ہوا۔ یہاں تک مشرق کے خلاف صلیبی جنگوں کا آغاز ہو گیا، جس کے باعث کامیابیوں اور فتوحات کے لیے ایک نیا میدان پیدا ہو گیا۔

انسانی حیات کے لیے شاندار کامیاں یا عاجزانہ مستقبل کے احتمالات دونوں برابر ہیں۔ اقتدار بہت جلد ایک ہاتھ سے دوسرے میں منتقل ہو جاتا ہے۔ رابرٹ گائیسکارڈ کی مردانہ نسل بہت جلد ختم ہو گئی۔ دوسری نسل میں اپولیا اور انتاخ بھی ہاتھ سے نکل گئے۔ اب اُس کا چھوٹا بھائی ایک شاہی سلسلے کے باپ کی صورت میں وجود میں آ گیا اور اس عظیم کاؤنٹ کے بیٹے کا نام متعدد فتوحات کے حوالے سے زندہ ہے۔ اُس میں روجر اوّل کی روح بھی موجود تھی۔ عظیم نارمن کا وارث صقلیہ میں پیدا ہوا تھا۔ ابھی وہ چار سال ہی کا تھا کہ اُسے جزیرے کی مسندِ حکومت پر بٹھا دیا گیا۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ استدلال کی کوئی صورت بھی اُسے جائز قرار نہیں دے سکتی۔ کیا کبھی بھی یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ اس عمر کا بچہ اپنی رعایا کی بہبود کے لیے کچھ سوچ سکا ہو۔ اگر روجر اپنی ثمر بار وراثت پر ہی مطمئن رہا ہوتا تو خوشحال رعایا اپنے مربی بادشاہ کی درازیٔ عمر اور صحت کے لیے دُعا گو رہتی اور اگر یونانی اپنی نو آبادیوں کے حسنِ انتظام پر دھیان دیتے تو اُس کا ان نو آبادیوں پر اقتدار طویل عرصے تک قائم رہتا اور صقلیہ میں ان کے اقتدار کا یہ حشر نہ ہوتا کہ اُسے بزورِ شمشیر فتح کر کے تقسیم کر لیا گیا مگر عظیم ڈیوک کی جاہ پسندی اس سے ناواقف تھی کہ شریفانہ کردار کا کیا فائدہ ہوتا ہے۔ یہ صرف وحشیانہ جرأت آزمائی کے ہی شائق تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ پلرمو کی غیر منقسم حکومت اُسے مل جائے، اس کا صرف ایک معمولی سا حصہ بڑے بھائی کی نسل میں منتقل ہو گیا تھا۔ وہ کالابریہ کی حدود کو اتنا وسیع کرنا چاہتا تھا کہ تمام سابقہ معاہدے کالعدم ہو جاتے۔ وہ اپنے عمزاد کی گرتی ہوئی صحت پر دھیان رکھتا۔ جس کا نام ولیم تھا اور وہ اپولیا میں مقیم تھا اور رابرٹ کا پوتا تھا۔ جب اُسے اُس کی قبل از وقت موت کی پہلی اطلاع ملی تو روجر اپنے ساتھ سات جہاز لے کر

پلرمو سے روانہ ہو گیا اور سلرمو کی خلیج میں جا کر لنگر انداز ہو گیا اور دس دن کی گفت و شنید کے بعد نارمن دارالحکومت سے حلفِ وفاداری لینے میں کامیاب ہو گیا۔ سرداروں کی اطاعت حاصل کی اور اُسقف اگرچہ اس پر راضی نہ تھے پھر بھی اُن کی حمایت حاصل کر لی، وہ کسی طاقتور حکمران کی عنایات یا مزاحمت کے طویل عرصے تک متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ بینے ونطو کا مقدس مقام اس وجہ سے محفوظ رہا کہ وہ سینٹ پیٹر کے نام وقف تھا، مگر اُس نے کاپوا اور نیپلز پر مکمل فتح حاصل کر لی اور اس طرح اپنے چچا گائیسکارڈ کے منصوبوں کی تکمیل کر لی۔ اس طرح فاتح روجر کے ہاتھ میں نارمن کی تمام وراثت آ گئی۔ اب اُس کا اعتماد اور استحقاق بڑھ گیا اور اُس نے ڈیوک اور کاؤنٹ کے خطابات اپنے لیے کافی نہ سمجھے اور صقلیہ کا جزیرہ جو اٹلی کے ملک کا تقریباً تیسرا حصہ ہے، اُس کی وسیع سلطنت کی بنیاد بن سکتا تھا اور وہ صرف فرانس اور انگلستان کی سلطنتوں ہی سے شکست کھا سکتا تھا۔ قوم کے وہ سردار جو اس کی تاجپوشی میں شامل ہوئے تھے۔ انھیں بھی اس پر شک تھا کہ یہ شخص اُن پر کس لقب کے ساتھ حکومت کرے۔ یونانیوں کا شہنشاہ یا عربوں کا امیر المومنین اس کے لیے موزوں مثال پیش نہیں کرتے تھے اور اس کے شاہی کردار کا تعین بھی اُن کی طرح ممکن نہ تھا۔ اٹلی میں اُس دور میں نو بادشاہ تھے اُن میں سے کوئی ایک بھی اسے اپنا ساتھی بنانے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ پاپائے رُوم خود اسے اُن کے برابر درجہ عطا کرے۔ مگر اناقلیطوس کا جذبۂ افتخار اسے وہ خطاب دینے پر مائل تھا جو ابھی کسی نارمن نے طلب نہیں کیا تھا مگر اس کا اپنا استحقاق اُس وقت ختم ہو گیا، جب انوسینٹ (Innocent) دوم کو بطور پوپ منتخب کر لیا گیا۔ اس کے باوجود اناقلیطوس ابھی تک روم میں برابر بیٹھا ہوا تھا۔ مگر کامیاب مغرور کو یورپ کی تمام اقوام کی تائید حاصل ہو گئی۔ روجر کی بادشاہت ابتدا ہی میں متزلزل ہو گئی اور ایک کلیسائی حاکم نے اسے معزول کر دیا۔ اس میں اُسے جرمنی کے لوتھائر دوم کی تلوار اور انوسینٹ کی تائید حاصل تھی۔ جس کا پیسا سے تعلق تھا، وہ صقلیہ کے ڈاکو کو ناپسند کرتا تھا۔ زبردست مزاحمت کے بعد بہادر نارمن اٹلی کے ملک سے باہر نکال دیا گیا۔ پوپ اور شہنشاہ نے اس کی جگہ ایک نیا ڈیوک منتخب کر لیا جسے اپولیا کا حکمران تسلیم کر لیا گیا۔ ان میں سے ہر ایک گون فانون (Gonfanon) کے مخالف کنارے پر بیٹھا تھا۔ اسے وہ فلیگ سٹاف بھی کہہ لیتے۔ یہ وہ میانہ راستہ تھا، جس پر وہ متفق ہو گئے اور اس طرح اُن میں اتفاق رائے ہو گیا اور اُن کا تنازع ختم ہو گیا۔ مگر اُن کی یہ دوستی بھی مختصر تھی اور متزلزل نوعیت کی تھی۔ جرمن افواج جلد ہی بیماریوں اور فرار کی وجہ سے ختم ہو گئیں اور اپولیا کے ڈیوک کو ایک فاتح نے اپنے تمام مددگاروں کے ہمراہ معزول کر دیا۔ وہ کسی زندہ یا مردہ کو بھی شاذ ہی

فراموش کرتا تھا۔ اپنے پیشروؤں کی طرح لیوتھم جو کمزور مگر شرارتی شخص تھا، جلد ہی نارمنوں کی قید میں آ گیا اور ان سے دوستی کرلی اور برنارڈ کی فصاحت نے ان دونوں کی صلح پر شادیانے بجائے۔ اب وہ اپنے آپ کو صقلیہ کا بادشاہ کہنے لگا تھا۔

یہ شخص سینٹ پیٹر کے جانشین کے خلاف جنگ کر چکا تھا، اب اُس سے تائب ہوا اور ندامت کا اظہار کیا۔ بادشاہ کو اجازت مل گئی کہ وہ اپنے جھنڈے پر صلیب کا نشان بنا سکے۔ لیکن اس کے اعمال ایسے تھے کہ وہ اپنی مخالفت پر قائم تھا اور انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔ صقلیہ میں ناکامیوں کا صدمہ ابھی تک صحرانشینوں کے سروں پر بھی سوار تھا اور وہ جوابی کارروائی کرنا چاہتے تھے۔ نارمنوں کے خون میں اب تک متعدد ماتحت نسلوں کا خون شامل ہو چکا تھا۔ ان کی حوصلہ افزائی ہو چکی تھی کہ وہ اپنے آباؤاجداد کی بحری کامیابیوں کی روایت کو قائم رکھ سکیں۔ اب اُن کی قوت اپنی عمر کی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اس وجہ سے ان کے افریقی اقتدار کو بھی زوال آ گیا۔ جب فاطمی خلیفہ مصر کی فتح کے لیے روانہ ہوا تو اُس نے جوزف کو اپنا نائب مقرر کر دیا اور چالیس عربی گھوڑے بھی عنایت کر دیے وہ اُس کی وفاداری سے بہت زیادہ مطمئن تھا۔ اپنا محل اور قیمتی ساز و سامان بھی اُس کے حوالے کر دیا۔ اس کے ساتھ تیونس اور الجیریا کی حکومت بھی اُسی کے حوالے کر دی۔ مگر جوزف کا جانشین زیری دیس اپنی وفاداری اور نیابت کو بھول گیا۔ وہ اُس کرم فرما کو فراموش کر گیا جواب دور فاصلے پر مقیم تھا۔ اُس نے حکومت پر قبضہ کرلیا اور خوش حالی کے ثمرات سے مستفید ہونے لگا۔ اب اس مشرقی خاندان کی حکومت اس کی اپنی کمزوری میں ڈوب رہی تھی۔ المحد ث نے اس پر دباؤ ڈالا۔ جومرا کو کا ایک متعصب حکمران تھا۔ فرنگیوں اور یونانیوں کے لیے سمندر کے ساحل کھلے تھے وہ کہیں سے بھی مہم جوئی کا آغاز کر سکتے تھے۔ کوئی رکاوٹ موجود نہ تھی۔ یہ لوگ گیارھویں صدی کے آخر تک سونے کے دو لاکھ ٹکڑے بطور تاوان وصول کر چکے تھے۔ روجر کے پہلے فوجی دستے جزائر مالٹا کی چٹانوں پر قابض ہو گئے، یہاں کے باشندے اپنے مذہب کی بنیاد پر صقلیہ کے بادشاہ سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے۔ طرابلس اُس دور میں ایک مضبوط اور تجارتی شہر تھا۔ اُس کے حملے کا دوسرا نشانہ یہی شہر تھا۔ اس نے مردوں کو ذبح کر دیا اور عورتوں کو قیدی بنا لیا۔ وہ کہتا تھا کہ مسلمانوں نے بھی ان کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔ زیری دیس کو افریقہ کا دارالحکومت منتخب کر لیا گیا۔ یہ اُس کا ملکی نام تھا مگر اس کے عرب بانی کے نام پر اسے مہدیہ بھی کہا جاتا تھا۔ اسے ایک پتھریلی چٹان پر مضبوطی سے بنایا گیا ہے۔ اگرچہ اس کے قرب و جوار کے میدان بہت زرخیز ہیں پھر بھی بندرگاہ کی عدم تکمیل ان کی تلافی

نہیں کرتی۔ صقلیہ کے امیر البحر جارج نے مہدیہ کا محاصرہ کرلیا۔ اس کے پاس ایک سو پچاس جہازوں کا ایک بیڑہ تھا۔ اس میں فوجیوں کی بڑی تعداد کے علاوہ شرارت کے سارے سامان بھی موجود تھے۔ بادشاہ فرار ہو چکا تھا مگر مُور گورنر نے اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ شہر کے مسلمانوں کو رازداری سے نکال کر لے گیا اور شاہی خزانے فرنگیوں کے لیے وہیں چھوڑ گیا۔ صقلیہ کے بادشاہ اور اُس کے نائبوں نے متعدد حملے کیے اور یکے بعد دیگرے تیونس کے متعدد شہروں پر قبضہ کرلیا، سیفیکس، کاپسیا، بونا اور ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ واقع ایک طویل قطعۂ زمین کی اکثر قلعہ بندیوں میں اپنی افواج کو بٹھا دیا۔ یہ ملک باجگزار بن گیا۔ جس پر وہ فخر سے کہنے لگا کہ اُس نے سارا افریقہ فتح کرلیا ہے۔ اسے روجر کی شمشیرزنی کی خوشامد بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ اُس کی موت کے بعد یہ تلوار بھی ٹوٹ گئی اور سمندر پار کے ان علاقوں کی فتوحات کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ بعض مقامات خالی کر دیے گئے، بعض سے غفلت برتی گئی۔ سکیپیو اور بیلی ساری اوس کی فتوحات سے یہ ثابت ہو گیا کہ افریقی براعظم نہ تو ناقابل رسائی ہے اور نہ ناقابلِ تسخیر ہے مگر اس کے باوجود عظیم عیسائی قومیں موروں کے خلاف ہمیشہ ناکام رہیں۔ اُنھیں فخر تھا کہ اُنھوں نے ہسپانیہ کو بآسانی فتح کر لیا تھا اور طویل عرصے تک اُس پر حکومت قائم رکھی۔

رابرٹ گائیسکارڈ کی موت کے بعد نارمن تقریباً ساٹھ سال سے زائد عرصے تک اپنی حالت پر قائم نہ رہ سکے اور مشرقی سلطنت کے خلاف معاندانہ منصوبہ بندی سے دست بردار ہو گئے، بلکہ یونانی بادشاہوں سے نجی اتحاد قائم کرتے رہے۔ اُس سے شاہِ یونان کی شان و شوکت میں کسی حد تک اضافہ ہو جاتا، اُس نے کومنینی (Comnenian) خاندان کی ایک دوشیزہ سے شادی کا ارادہ کرلیا۔ یہ تعلق کسی مستقل معاہدے کی طرف پہلے اقدام کی حیثیت رکھتا تھا اور یہ ایک مفید عمل تھا۔ مگر اس کے سفیروں کے ساتھ توہین آمیز سلوک روا رکھا گیا۔ جس کے نتیجے میں اشتعال کی صورت پیدا ہو گئی۔ اسی سے بازنطینی دربار کی تذلیل کی بھی کسی حد تک تلافی ہو گئی۔ بین الاقوامی قانون کے تحت عوام کی تکالیف کو کبھی جائز نہیں سمجھا جاتا۔ اپنے ساتھ ستر جہازوں کا بیڑہ لے کر صقلیہ کا امیر البحر جارج کورفو کے قریب پہنچ گیا۔ یہ جزیرہ اور شہر دونوں ہی مقامی باشندوں نے حملہ آور کے حوالے کر دیے۔ وہ یہ جان چکے تھے کہ محاصرہ تاوان کی ادائیگی سے زیادہ باعث تکلیف ہے۔ اس مہم کے دوران نارمن تاجروں کے بھیس میں یونان کے سمندروں اور صوبوں میں پھیل گئے۔ ایتھنز، تھیبس اور کورنتھ کو ان کی کمزوری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے لوٹ لیا اور بے حد ظلم کیا۔ ایتھنز میں اتنی تباہی

ہوئی کہ کوئی قدیم یادگار باقی نہ بچی۔ قدیم فصیلیں جن پر کوئی محافظ متعین نہ تھا، تباہ ہوگئیں۔ تھیبس کی امارت، لاطینی عیسائیوں کے ہاتھ چڑھ گئی۔ مگر جب اُنھوں نے کتابِ مقدس کا حوالہ دیا تو اُن سے یہ وعدہ کیا گیا کہ اگر کسی کے پاس کوئی ایسا قدیم فن پارہ ہے جو اُسے وراثت میں ملا ہو، یا اس کی اپنی صناعی کا نتیجہ ہو تو اُسے نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ جب نارمن قریب پہنچے تو کورنتھ کا زیریں قصبہ خالی ہوگیا اور یونانی شہر کے بالائی حصے میں منتقل ہوگئے۔ وہاں پر پانی بھی کثیر مقدار میں موجود تھا۔ پائیرین کے قدیم چشمے اس علاقے کو سیراب کرتے تھے۔ وہاں پر نا قابلِ رسائی ایک قلعہ بندی بھی تھی۔ یہاں پر ایسی سہولتیں موجود تھیں اور فطری ماحول بھی ایسا تھا کہ اگر ان میں حوصلہ ہوتا تو یہ ہر طرح سے غالب رہتے۔ جونہی محاصرین نے گھیرا تنگ کیا (یہی محنت کا کام تھا، جو اُنھوں نے سرانجام دیا) اور پہاڑیوں پر چڑھے، اُن کا جرنیل جو اپنے فن میں بہت شہرت کا حامل تھا، اُس نے خود اپنی فتح کی تعریف کرنی شروع کردی۔ اُس کے بعد اُس نے تھیوڈور کا بت توڑ دیا۔ یہ اُن کا رہنما ولی تھا۔ اس شہر میں مرد و زن ریشمی کپڑا بننے کا کام کرتے تھے۔ جارج نے دونوں اصناف کے افراد کو صقلیہ میں منتقل کردیا۔ اسے مالِ غنیمت میں سب سے زیادہ قیمتی مال تصور کیا۔ اگر صناعوں کی صنعت کا سپاہ کی بزدلی سے مقابلہ کیا جائے تو اُس نے اس رائے کا اظہار کیا کہ چرخہ اور کھڈی دو ہی ایسے ہتھیار ہیں، جنھیں یونانی مہارت سے استعمال کرنے کے اہل ہیں اور یہ قوم بنیادی طور پر اس کی اہل نہیں کہ کسی کا احترام کرسکے، یا کسی مذہب پر عمل کرسکے۔ نارمن بیڑے کے بدقسمت مقابلے میں شاہی قیدی رہا ہوگئے۔ ایک آزادانہ اور باوقار تفریح کے بعد جو صقلیہ کے دربار میں وقوع پذیر ہوئی۔ لوئیس (Louis) نے روم اور فارس کی سمت اپنا سفر جاری رکھا۔ دردانیال کا کوئی دفاع موجود نہ تھا۔ بازنطینی حکومت کا خیال تھا کہ کوئی حملہ آور ادھر کا رُخ نہیں کرے گا۔ پادری، عوام اور لشکری، مینؤ ال کے جھنڈے کے پیچھے چلتے رہے اور جب اُنھوں نے دیکھا کہ بحری جہازوں کی ایک قطار اُن کی سمت آرہی ہے اور بڑی جرأت سے آگے بڑھ کر دارالحکومت کے عین سامنے لنگر انداز ہوگئی ہے تو وہ حیران رہ گئے۔ صقلیہ کی افواج کی تعداد اس قدر نہ تھی کہ وہ اتنے بڑے اور وسیع آبادی کے شہر کا محاصرہ کرسکیں۔ مگر جارج کو یونانیوں کے غرور کو توڑنے میں مزہ آتا تھا اور یہی راستہ تھا جس سے آگے بڑھ کر وہ یورپ پر قبضہ کرسکتا تھا۔ اُس نے اپنے فوجیوں سے کہا کہ وہ اُتر کر شہر کے چند باغات سے پھل لے آئیں اور اُس نے ایک تیر قیصر کے محل کی طرف چلایا جو غالباً چاندی کا تھا، یا جلتا ہوا آتش بردار تھا۔ صقلیہ کے قزاق اپنے کھیل میں مشغول تھے۔ اُنھوں نے ایسے وقت اچانک حملہ کیا تھا، جبکہ وہاں پر کوئی محافظ موجود نہ تھا۔ اب

جب یونانی بیدار ہوئے تو اُنھوں نے ارادہ کرلیا کہ وہ مقابلہ کرکے انتقام لیں گے۔ جزیرہ نما اور بحیرۂ یونان مینؤ ال کے زیرکمان جہازوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ وینس کے جہاز بھی شامل تھے۔ ایک بازنطینی مؤرخ یہ کہتا ہے کہ حکومت کے پاس پندرہ سو بحری جہازوں کا بیڑہ تھا۔ ہم اس پر کس طرح اعتماد کرلیں۔ ہمارے تو تصور میں بھی نہیں آتا کہ کسی مقام پر اس قدر جہاز جمع کیے جاسکتے ہیں۔ یہ معرکہ عقل مندی اور دلیری سے لڑا گیا۔ جب جارج سفرِ مراجعت پر تھا تو اُس کے پندرہ جہاز تباہ ہوگئے۔ یہ باقی ماندہ بیڑے سے علیحدہ ہوگئے تھے اور دشمن کے قبضے میں آگئے۔ ایک شاندار دفاع پیش کیا گیا۔ کورفو نے اپنے حقیقی شہنشاہ سے معافی طلب کی مگر مشرقی سلطنت کے سمندروں میں نارمن کا ایک بھی قیدی جہاز نظر نہ آیا۔ روجر کی قوت اور صحت اس سے قبل ہی زوال پذیر تھی۔ وہ اپنے پلرمو کے محل میں فتح یا شکست کی خبر سننے کا منتظر تھا۔ مینوأل جو ناقابلِ شکست اور مشہور فاتح تھا، اب اہلِ یونان اور اہلِ روم نے اُسے اسکندرِ اعظم یا ہرکلس کا خطاب دے دیا۔

اس مرتبے کا بادشاہ یہ پسند نہ کرسکتا تھا کہ دشمن کو اُس کی مکمل فتح کے بغیر چھوڑ دیا جائے۔ یہ حق بھی تھا اور فرض بھی کہ مینوأل اپنی سلطنت کی سابقہ شان و شوکت کو بحال کرے اور اٹلی اور صقلیہ کے صوبوں کو بازیاب کرے اور ایک خود ساختہ بادشاہ کا تعاقب کرے جو فی الواقع ایک نارمن باجگزار کا پوتا تھا۔ کالابریہ کے باشندے ابھی تک یونانی زبان بول رہے تھے۔ مگر عبادت میں وہ لاطینی پادری کا طریقہ تسلیم کرتے تھے۔ جب ان کے نواب کا خاتمہ ہوگیا تو اپولیا کو صلقیہ کے ساتھ بطور تتمہ جکڑ لیا گیا۔ اس بادشاہت کے بانی نے تلوار کے زور پر حکومت کی تھی۔ اب جبکہ وہ مرچکا تھا تو اُس کا خوف بھی ختم ہوگیا تھا مگر اُس کی رعایا کے زخم ابھی تک مندمل نہ ہوئے تھے۔ مرکزی حکومت میں ابھی تک بغاوت کے بیج موجود تھے اور روجر کے بھتیجے نے خود ہی اپنے خاندان اور قوم کے دشمنوں کو بلا لیا۔ اُسے اپنی حکمرانی پر بڑا فخر تھا، جبکہ ہنگری اور ترکی جنگوں کے سلسلے نے مینوأل کے لیے یہ ناممکن بنادیا کہ وہ اطالوی مہارت کی طرف توجہ دے سکتے۔ بہادر اور شریف النسل پلائیولوگوس کو جو اُس کا نائب تھا، شہنشاہ یونان نے ایک بحری بیڑہ اور فوج اُس کے حوالے کی۔ اُس کا پہلا ہدف باری کا محاصرہ تھا اور ہر معرکے میں سونا یا فولاد فتح کا ہتھیار ثابت ہوئے۔ سلرنو اور مغربی ساحل کے بعض مزید مقامات نے نارمن کے ساتھ اپنی وفاداری برقرار رکھی مگر اس کی یورپ میں فتوحات کا باقی ماندہ بہت بڑا حصہ اُس کے ہاتھ سے نکل گیا اور وہ بھی صرف دو معرکوں ہی میں فیصلہ ہوگیا اور منکسر المزاج بادشاہ کی تمام خوشامد اور غلط بیانیوں کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ اب وہ صرف اپولیا اور کالابریہ کے تین سو دیہات کی حکومت پر ہی مطمئن

ہوگیا۔ اُس کے نام اور خطابات کو اُس کے محل کی تمام دیواروں پر کندہ کرا دیا گیا۔ لاطینی زبان کی عصبیت کی شکرگزاری کے لیے ایک حقیقی یا فرضی عطیہ دیا گیا جو جرمنی کے قیصران (سیزر) کی طرف سے تھا۔ کیونکہ دستاویز پر اسی کی مہر تھی۔ مگر قسطنطین کے جانشین جلد ہی اپنی بہانہ سازی کی وجہ سے بدنام ہوگئے۔ اُنھوں نے اٹلی کو بھی اپنے حلقۂ اقتدار میں شامل رکھنے کا مطالبہ کیا جو ہر طرح سے ناجائز تھا اور اس منصوبے کا بھی اظہار کیا کہ وہ اس غیر مہذب قوم کو کوہِ الپس کے پار دھکیلنا چاہتا ہے۔ ان کا مشرقی اتحادی غلط بیانی پر مبنی تقاریر کرتا، فیاضانہ تحائف عطا کرنے کا وعدہ کرتا اور ایسے وعدے کرتا جو بے شمار اور بے حساب ہوتے مگر اُنھیں کا کبھی بھی پورا نہ کیا جا سکتا۔ وہ شہر جو آزاد ہو چکے تھے، اُنھیں کہا جاتا کہ فریڈرک بار بروسا کے خلاف اپنی جنگ جاری رکھیں اور اپنی آزادی کی حفاظت کریں۔ مینوأل کی کوشش سے میلان کی فصیلوں کو دوبارہ تعمیر کر دیا گیا اور مؤرخ لکھتا ہے اُس نے انکونا کی آغوش میں سونے کا ایک دریا بہا دیا۔ چونکہ وہ وینس کے باشندوں (Venetians) کا دشمن تھا اس لیے فطری طور پر وہ اہلِ یونان کا دوست سمجھ لیا گیا۔ انکونا کی تجارتی کامرانیاں اتنی زیادہ تھیں، اس لیے یونانیوں سے اُس کی دوستی پکی ہوگئی۔ اس کی تجارتی کامیابیوں کی وجہ سے اس کا حلقۂ اثر اٹلی کے قلب تک بڑھ گیا۔ فریڈرک کی افواج نے اس کا دو دفعہ محاصرہ کیا۔ شاہی افواج کو دونوں دفعہ پسپائی پر مجبور کر دیا گیا۔ قسطنطنیہ کی سفارت نے اس سے دو دفعہ ملاقات کی۔ بازنطینی دربار سے اسے دو دو دفعہ انعامات اور اکرام ملے۔ مینوأل کا مزاج یہ مناسب نہ سمجھتا کہ کوئی وحشی قبیلہ اُس کا ساتھی ہو۔ اُس کی تمنا صرف اسی سے مطمئن ہوتی کہ جرمن غاصب کے سر سے تاج اُتار لیا جائے، اور اُسے مشرق و مغرب دونوں میں دستوری بادشاہ تسلیم کر لیا جائے۔ تمام رُومیوں کے لیے صرف ایک بادشاہ ہی قرینِ مصلحت ہے۔ اس غرض کے لیے اُس نے اسقفِ اعظم روم سے بھی گفت و شنید ضروری سمجھی۔ شرفائے روم نے یونانی شہنشاہ کے مقصد کی حفاظت کی۔ اُس نے اپنی بھتیجی اوڈو فرنگی پانی سے بیاہ دی۔ اس طرح اس مضبوط خاندان کی مدد بھی حاصل کر لی۔ اس طرح قدیم دارالحکومت میں بھی اُسے مناسب احترام حاصل ہوگیا۔ قسطنطنیہ کے سفیروں کو پاپائے روم نے دو دفعہ شرفِ باریابی بخشا۔ اُس کی خواہش تھی کہ دونوں کلیسا باہم یکجا ہو جائیں۔ ایک تو وہ کلیسا جو اُس کی ذاتی اغراض کی تکمیل کرتا تھا اور دوسرا وہ جو قسطنطنیہ میں واقع تھا۔ جب اس سے دونوں کلیساؤں کے اتحاد کا وعدہ کیا گیا تو پاپائے روم کی حرص و ہوا میں مزید اضافہ ہوگیا اور اُس نے آلمانوی (جرمن) وحشیوں کے کلیسا کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی خواہش کا اظہار کیا اور اُس نے قسطنطین اور آگسٹس کا حقیقی نمائندہ ہونے کا اعلان کر دیا۔

مگر یہ اطالوی فتوحات جن کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو عالمی حکومت کا فرمانروا ہونے کا اعلان کرتا تھا، جلد ہی اس کے ہاتھ سے نکل گئیں۔ اس کا پہلا مطالبہ تو سکندر سوم ہی نے نامنظور کر دیا۔ اُس نے اس گہرے مگر عارضی انقلاب پر توقف کر کے غور کیا۔ کیا پوپ اس پر متفق ہو جائے گا کہ وہ ہمیشہ کے لیے لاطینی نام کو ختم کر دے۔ فریڈرک سے دوبارہ اتحاد کے بعد اُس نے زیادہ واضح الفاظ میں اظہارِ خیال کیا اور اپنے پیش رو کی کارروائی کی توثیق کر دی اور مینوأل کے پیروکاروں سے قطع تعلق کا اعلان کر دیا اور اُس نے قسطنطنیہ اور روم کے لیے علیحدہ علیحدہ کلیسا یا کم از کم دو متوازی حکومتوں کا اعلان کر دیا۔ لومبارڈی کے آزاد شہر نے اپنے غیر ملکی آقاؤں کو فراموش کر دیا اور جلد ہی وینس کی دُشمنی خرید لی اور انکونا کے ساتھ بھی محبت کا سلسلہ توڑ دیا۔ یا تو اس کے ذاتی لالچ کا نتیجہ تھا یا اس کی رعایا نے شکایت کی کہ یونانی بادشاہ برہم ہوگیا اور اُس نے لوگوں کو گرفتار کرنا اور اُن کی جائیدادوں کو ضبط کرنا شروع کر دیا۔ وینس کے تاجروں کو نقصان پہنچایا۔ یہ لوگوں اور عوام کی تجارت کی آزادی کو ختم کرنے کی صورت تھی۔ ایک سو بحری جہاز تیار کیے گئے اور اتنے ہی ایام میں اُنھیں اسلحہ سے لیس کیا گیا۔ اُنھوں نے دالماطیا (Dalmatia) اور یونان کے ساحلوں کو تاراج کر دیا مگر ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے بعد ایک معاہدے کے ذریعے جنگ ختم کر دی گئی۔ یہ معاہدہ شہنشاہ کی تذلیل کا باعث تھا اور جمہوریہ کے لیے ناکافی تھا اور اس میں موجودہ یا سابقہ مضرت رسانیوں کی کوئی تلافی نہ کی گئی اور اس مسئلے کو آئندہ نسلوں کے لیے باقی چھوڑ دیا گیا۔ مینوأل کے نائب نے اپنے شہنشاہ کو اطلاع دی کہ وہ ہر مقامی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے کافی مضبوط ہے۔ اپولیا اور کالابریہ کی بغاوتوں پر قابو پا لیا جائے گا۔ مگر اس کی افواج شاہِ صقلیہ کی طرف سے متوقع حملے سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کافی نہیں اس کی پیش گوئی کی جلد ہی توثیق ہوگئی۔ پلائیولوگوس کی موت کی وجہ سے فوجی کمان متعدد سرداروں کے ہاتھوں میں تقسیم ہوگئی۔ سب کے سب اس معاملے میں یکساں اہمیت کے حامل تھے۔ یونانیوں کی بحری اور بری دونوں راستوں میں مزاحمت کی گئی۔ ایک قیدی جو بچ گیا تھا، وہ نہ صرف نارمنوں کی تلوار سے بچ گیا ہے، بلکہ صحرا نشین بھی اس کے لیے خطرات پیدا کر رہے تھے اور اُس نے منع کیا کہ فاتحین کے خلاف انفرادی یا اجتماعی کوئی بھی کارروائی نہ کی جائے۔ اس کے باوجود شاہِ صقلیہ کو دوسری معرکہ آرائی کے لیے تیار ہونا پڑا۔ کیونکہ مینوأل نے دوبارہ اٹلی میں فوج اُتار دی تھی۔ اُس نے نئے جسٹینین کو ایک مؤدبانہ مکتوب لکھا اور درخواست کی کہ امن کا معاہدہ کر لیا جائے یا تیس سال کے لیے جنگ بندی کا عہد نامہ قبول کر لیا جائے۔ اُس نے اپنے لیے بادشاہی کا خطاب طلب کیا اور یہ اقرار کیا کہ

وہ شاہِ روم کا باجگزار رہے گا۔ بازنطینی قیصران نے ان تجاویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ غالباً اُسے نارمن افواج کی قوت کا صحیح اندازہ نہ تھا مگر تیس سالہ صلح نامہ قبول کر لیا گیا۔ فریقین میں سے کسی نے اس کی خلاف ورزی نہ کی۔ اگر چہ قسطنطنیہ اور صقلیہ کے مابین باہمی عناد کو فراموش نہ کیا جاسکا۔ جب اس میعاد کا خاتمہ قریب تھا تو مینوأل کا تخت ایک ظالم سازشی باغی نے غصب کر لیا، اس سے نہ صرف اس کا ملک بلکہ باقی دُنیا بھی نفرت کرتی تھی۔ روجر کے پوتے، ولیم دوم نے تلوار اُٹھائی، جو کومنینی نسل کا ایک مفرور تھا۔ انڈ ورونی کوس کی رعایا غیروں کو بھی دوست سمجھ کر سلام کرتی تھی۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے بادشاہ کو ناپسند کرتے تھے اور اُسے اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے۔ لاطینی مؤرخین چار حکمرانوں کے دور میں تیز رفتار ترقی پر بہت زور دیتے تھے جنھوں نے رومانیہ پر بحری اور بری حملے کیے اور اُن کی وجہ سے بہت سے قلعے اور شہر صقلیہ کی قلمرو میں شامل ہو گئے۔ یونانی ان کے ظالمانہ استبداد کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں، بالخصوص تھیسالونیکا کی تباہی کا بڑی مبالغہ آرائی سے ذکر کرتے ہیں جو کہ اُن کی مملکت کا دوسرا سب سے بڑا شہر تھا اور اوّل الذکر اُن ناقابلِ تسخیر مگر صاف دل جنگ آزماؤں کے انجام پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں جنھیں شکست خوردہ دشمن نے مکاری سے تباہ کر دیا۔ لیکن ثانی الذکر اپنے گانوں میں اُن کے کارنامے گاتے ہیں اور مارمورا یا پروپونطوس کے سمندر میں اُن کے کارناموں کا ذکر کرتے ہیں، یا سٹرائی مون کے ساحلوں پر اُن کی جائیدادوں کا حال بیان کرتے ہیں اور دورازو کی فصیلوں کے اندر اُن کے کارناموں کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک عزم جس کی رو سے اینڈرونی کوس کو اُس کے جرائم کی سزا دی گئی۔ اُس کی وجہ سے ایک جوش اور ولولہ پیدا ہوا اور حملہ آور کامیاب ہو گئے۔ میدانِ جنگ میں دس ہزار افراد مارے گئے اور آئزک اینجیلوس نیا شہنشاہ قرار پایا۔ چار ہزار افراد اس کی قید میں آگئے۔ یہ معلوم نہیں کہ اُس نے اُن پر اپنا غصہ اُتارا یا ظلم کیا۔ یونانیوں اور نارمنوں کے آخری معرکے کا انجام اس طرح ہوا کہ بیس سال کی مدت کے بعد یہ دونوں اقوام یا تو ختم ہو گئیں یا دوسروں کی غلام بن گئیں۔ قسطنطین کے جانشین بھی اس قابل نہ رہے کہ وہ اہلِ صقلیہ سے اپنی توہین کا بدلہ لے سکیں۔

روجر کا تخت پہلے اُس کے بیٹے کو ملا پھر اُس کے پوتے کو منتقل ہو گیا وہ بھی ولیم کے نام سے ہی مطمئن رہے۔ مگر دونوں میں نیک اور بد کا امتیاز قائم رہا اور یہ امتیاز جو خیر و شر کی تقسیم کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے۔ اس کا اطلاق ان دونوں نارمن باپ بیٹے پر واضح طور پر ممکن نہیں۔ ولیم اوّل جب خطرے اور شرم کے پیش نظر اسلحہ لے کر اُٹھ کھڑا ہوا تو اُس وقت تک اُس کی نسلی بہادری میں کمی نہ آئی تھی۔ مگر اُس کا مزاج دھبوں سے

صاف نہ تھا۔ اس کے انداز شرمناک تھے۔ اس کے جذبات گستاخانہ اور شرارت آمیز تھے۔ اگر چہ بادشاہ اپنی ذاتی برائیوں کا خود ہی ذمہ دار رہا ہے، مگر جہاں تک ماجو کا تعلق ہے، ایک بڑا امیر البحر ہونے کے باوجود اُس نے نہ صرف اعتماد کو ٹھیس پہنچائی بلکہ اپنے کرم فرما کی زندگی کے خلاف سازش بھی کی۔ عربوں کے زیرِ نگین رہنے کی وجہ سے صقلیہ پر مشرقی تہذیب کا بہت بڑا اثر تھا۔ مطلق العنانیت، فخر و مباہات، بلکہ حرم بھی اور سلطان کا ڈیرہ بھی موجود تھا۔ عام آبادی کی خواجہ سرا بے عزتی کر دیتے تھے۔ یہ لوگ کھلم کھلا مسلمان تھے یا خفیہ طور پر اسلامی عقائد پر قائم تھے۔ اُس عہد کے ایک مؤرخ نے بڑی تفصیل سے اس ملک کی بدقسمتی پر روشنی ڈالی ہے۔ اس میں ناشکر گزار اور جاہ پسند ماجو کے کردار پر روشنی ڈالی ہے۔ اس نے اُس کے قاتلوں کی بغاوت اور سزا کا بھی ذکر کیا ہے۔ خود بادشاہ بھی قید ہو گیا تھا، جسے بعد میں آزاد کرا لیا گیا۔ جب رعایا میں ابتری پھیلی تو متعدد فسادات بھی رونما ہوئے۔ مختلف نوعیت کے مصائب پیدا ہوئے، جس کے پلرمو پر اثرات رونما ہوئے، ولیم اوّل کے دورِ حکومت میں جزیرہ اور یورپی خطہ دونوں ان اثرات سے محفوظ نہ رہے۔ اس دور میں اس کا بیٹا ابھی نابالغ تھا۔ ولیم ثانی کی نوجوانی اور ظاہری حسن نے اُسے قوم کے دلوں میں جگہ دے دی۔ تمام گروہ متفق ہو گئے۔ قوانین دوبارہ رائج ہو گئے۔ اس کے بچپن سے لے کر بادشاہ کی قبل از وقت موت تک، صقلیہ میں امن وامان کا مختصر دور رہا، انصاف بھی رہا اور خوشحالی بھی رہی۔ اس دور کی قدر و قیمت اس لحاظ سے بہت زیادہ ہے کہ ماضی اور مستقبل دونوں میں حالات بہت ناخوشگوار رہے۔ ہاٹ ولے کے ٹانکریڈ کا جائز وارث جو اُس کی مردانہ نسل سے منسلک تھا، اُس کا آخری فرد ولیم دوم تھا۔ اس کے بعد یہ نسل ہی ختم ہو گئی۔ مگر اس کی پھوپھی نے جو روجر کی بیوی تھی، اُس دور کے سب سے طاقتور بادشاہ کے ساتھ شادی کر لی تھی اور ہنری ششم جو فریڈرک باربروسا کا بیٹا تھا۔ وہ کوہِ الپس سے اُتر کر آ گیا تاکہ وہ اپنی بیوی کے حوالے سے تاج و تخت کا مطالبہ کرے۔ حالانکہ اس ملک کے آزاد منش لوگ متحدہ طور پر اس پر راضی نہ تھے۔ آبادی پر قابو صرف فوج کی قوت ہی سے پیدا کیا جا سکتا تھا اور مجھے یہاں پر مؤرخ فالکندوس کے اسلوبِ بیان کی ترجمانی کر کے خوشی محسوس ہو رہی ہے جو کہ اُس دور میں موقع پر موجود تھا اور خود بھی جذباتی طور پر محبِ وطن تھا اور وہ ایک مدبر کی پیش بینی کی صلاحیت سے سرفراز تھا۔ قسطانطیا جو صقلیہ کی بہن تھی۔ اس جزیرے کی خوبیاں اور پیداوار کی بہتات اُس کی رگ رگ میں موجود تھی۔ اُس کی تعلیم بھی اسی خوش قسمت جزیرے کے ماحول میں ہوئی تھی۔ اُس نے ایسے وحشیوں کو تعلیم و ہنر سے بہرہ ور کیا تھا، جن کے پاس مال و دولت کے خزائن موجود نہ تھے۔ وہ طویل مدت اُن کے درمیان رہی

تھی۔اب وہ ایک جنگلی اتحادی کو اپنے ہمراہ لے کر آئی تھی، جس کی وجہ سے اُس کے والدین کے حسن وخوبی میں آلودگی پیدا ہو سکتی تھی۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس سے پہلے ہی وہاں وحشی اقوام کے دل گھومتے پھرتے نظر آ رہے تھے مگر اکثر شہر طویل امن وسکون کی وجہ سے خوشحال تھے۔اب وہ ممکنہ خوف کی وجہ سے ڈرے ہوئے تھے۔ وہ ممکنہ قتل عام اور لوٹ مار سے خائف تھے۔ وہ وحشی اقوام کی حرص و ہوا اور ناجائز خواہشات سے بھی ڈرتے تھے۔ وہ مؤرخ مزید کہتا ہے کہ میں اپنے لوگوں کو قید ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں اور مستورات سے زیادتی کا مشاہدہ کرتا ہوں۔ جن میں دوشیزگان اور خواتین کی بھی کوئی تمیز نہیں۔ان حد سے بڑھے ہوئے حالات میں (وہ اپنے ایک دوست سے سوال کرتا ہے)صقلیہ کے لوگوں کو کیا کرنا چاہیے؟ متحدہ انتخاب سے ایک بہادر اور دانا شخص کو بادشاہ منتخب کر لینا چاہیے۔کالابریہ اور صقلیہ ان حالات میں بھی قائم رہیں گے۔اپولیائی باشندے تو ایک نئے انقلاب کے لیے ہمیشہ خواہش مند رہے ہیں۔ان پر نہ تو میں اعتماد کر سکتا ہوں اور نہ یہ اس قابل ہیں کہ ان پر انحصار کیا جائے۔ان سے کسی بہتری کی اُمید نہیں۔اگر کالابریہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے؟ تو یہ بڑے بڑے مینار اور بہادر تنومند نوجوان ہمارے کس کام آئیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میسینا کی بحری قوت ہی حملہ آور اغیار کے کام آ جائے۔اگر وحشی جرمن وحشی میسینا کے ساتھ متحد ہو جائیں۔اگر وہ زرخیز کھیتوں کو آگ سے راکھ کر دیں، جو اس سے پہلے بھی کوہ ایٹنا کی آگ سے متعدد بار جل چکے ہیں تو اس کے بعد جزیرے کے اندرونی علاقوں کے لیے کیا باقی رہ جائے گا؟ اور یہ وحشی حملہ آور ہمارے لیے کیا باقی چھوڑیں گے؟ کیا ایک وحشی دشمن کی پیش قدمی کو روکا جا سکتا ہے؟ اس کے بعد ایک زلزلہ آیا اور کاتانہ نئے سرے سے مغلوب ہو گیا۔ میراکیوز مدت سے خوشحال اور اصول پسند تھا۔اب افلاس اور تنہائی نے اُس کی ان اقدار کو تباہ کر دیا۔ مگر پلرمو میں ابھی تک اپنی حکومت موجود ہے اور اس میں سہ گونہ فصیلیں بھی ہیں جو عیسائیوں اور مسلمانوں کی حفاظت کرتی ہیں۔اگر یہ دونوں اقوام اپنے مشترکہ تحفظ کے لیے کسی ایک بادشاہ کے زیر سایہ متحدہ ہو جائیں تو وہ اس قابل ہو سکیں گے کہ جب چاہیں وہ وحشی اقوام پر اپنے اسلحہ کی قوت سے ہلّہ بول دیں۔لیکن ایسی صورت میں کہ صحرانشین بار بار کی جنگ آزمائی کی وجہ سے تھک چکے ہوں، اب دستبردار ہو جائیں اور بغاوت کر دیں تو وہ پہاڑی قلعوں اور سمندری ساحلوں پر قبضہ کر سکتے ہیں۔اس سے بدقسمت عیسائی ایک دوطرفہ حملے کا شکار ہو جائیں گے اور اس کے نتیجے وہ سندان اور ہتھوڑے کے مابین کچل دیے جائیں گے۔اُن کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ اس یاس انگیز اور ناگزیر صورت حالات سے کس طرح بچ سکتے ہیں۔ہمیں یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اس ملک

میں ایک پادری بھی اپنے ملک کو اپنے مذہب پر ترجیح دیتا ہے اور وہ مسلمان جن سے وہ اتحاد کا طالب ہے، صقلیہ میں اُن کی ایک بڑی تعداد موجود ہے اور وہ بہت مضبوط ہیں۔

فالکندوس کی اُمیدیں یا کم از کم خواہشات، ٹانکریڈ کے آزادانہ انتخاب کی وجہ سے پایۂ تکمیل کو پہنچ گئیں۔ یہ پہلے بادشاہ کا پوتا تھا۔اس کی ولادت جائز نہ تھی مگر اس کی انتظامی اور فوجی اہلیتوں پر کوئی داغ نہ تھا۔ وہ اپولیا کی سرحد پر مضبوطی سے ڈٹا رہا اور جرمنوں کی قوت کا مقابلہ کرتا رہا اور قسطانیا کے اس قیدی کی شہرت کو وہ خود بھی تسلیم کرتی تھی اور وہ عام معقولیت سے بھی اُس پر کچھ زیادہ ہی مہربان تھی۔ جب وہ فوت ہو گیا تو اس کی بیوہ اور یتیم بچے کی حکومت بلا مزاحمت ختم ہو گئی اور ہنری نے کاپوا سے لے کر پلرمو تک بلا مزاحمت پیش قدمی کر لی۔اس کی کامیابی سے اٹلی کا سیاسی توازن بگڑ گیا۔اگر پوپ اور دیگر آزاد شہریوں نے اپنے حقیقی مفادات پر غور کیا ہوتا اور دینی اور دُنیاوی دونوں حکومتوں کا اٹلی میں اتحاد ہو جاتا تو وہ اُس خطرناک اتحاد سے محفوظ ہو جاتے جو جرمنوں اور صقلیہ کی حکومت کے مابین عمل میں آ گیا۔مگر وہ عمدہ حکمت عملی جس کے لیے ویٹی کن کی ہمیشہ تعریف کی جاتی ہے وہ اس موقع پر اندھی اور غیر فعال رہی۔ یہ درست ہے کہ قلسطین (Celestine) سوم نے ہنری کے سر پر سے تاجِ حکومت ٹھوکر مار کر اُتار لیا مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جذباتِ افتخار کے تحت اُٹھایا گیا یہ اقدام صرف دشمن کو جوش اور طیش دلانے کا باعث ثابت ہوا۔ یونان صقلیہ سے بڑی مقدار میں تجارت کرتا تھا اور اُس کے کئی مختار بھی اس جزیرے میں موجود تھے۔ وہ اس کے نتیجے میں متعدد خوش کن مراعات کو سُن کر شکریہ ادا کر کے واپس چلے گئے اور اپنے بحری بیڑے کو میسینا کی رودبار کی طرف روانہ کر دیا اور پلرمو کی بندرگاہ کو کھول دیا۔ سلطنت نے پہلا کام یہ کیا کہ تمام مراعات واپس لے لیں اور اس ناقابلِ اعتماد اتحادی کی تمام املاک پر قبضہ کر لیا۔ فالکندوس کی تمام خواہشات پر پانی پھر گیا۔ کیونکہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ وہ دارالحکومت کے اندر ہی جنگ میں مصروف رہا اور ہزار ہا افراد قتل ہو گئے اور بچ جانے والے افراد پہاڑوں میں منتقل ہو گئے اور وہاں پر قلعہ بندیاں قائم کر لیں اور تیس سال قبل قائم کردہ معاہدۂ امن ختم ہو گیا اور جزیرہ باہمی عناد کا شکار ہو گیا۔ فریڈرک دوم کی حکمت عملی کی وجہ سے ساٹھ ہزار صحرانشین نوکیرا (Nocera) سے اپولیا میں منتقل ہو گئے۔ رومی کلیسا کے ساتھ جنگ میں شہنشاہ اور اُس کا بیٹا مائین فرائے کی حد تک پہلے سے زیادہ طاقتور ہو گئے۔ مگر حضرت عیسیٰؑ کے دشمنوں کے ہاتھوں ذلیل ہوئے اور اٹلی کے قلب میں واقع اس نو آبادی نے اپنے مذہب اور اسلوب حیات کو قائم رکھا۔ یہاں تک کہ تیرھویں صدی کے

اختتام تک انھیں ملک چھوڑنا پڑا۔ کیونکہ یہ لوگ آنجو (Anjou) کے خاندان کے جوش وخروش کا یہ لوگ مقابلہ نہ کر سکے۔ وہ تمام مصائب جن کا ذکر پیغمبرانہ انداز میں مذکورہ مقرر نے کیا تھا، وہ جرمن فاتحین کے ہاتھوں مذکورہ حدود کو بھی پار کر گئے۔ اُس نے شاہی تخت وتاج سے بغاوت کی اور محل کے خفیہ خزانوں کا جائزہ لیا جو پلرمو بلکہ تمام ملک میں منتشر تھے۔ مروارید اور ہیرے خواہ کتنے ہی قیمتی تھے۔ انھیں بآسانی منتقل کیا جا سکتا تھا مگر ایک سو ساٹھ گھوڑے سونے اور چاندی سے لاکر صقلیہ سے باہر لے جائے گئے۔ نوجوان بادشاہ اور اُس کی ماں اور بہن اور مرد وزن شرفا کو علیحدہ علیحدہ قید کر دیا گیا تاکہ اُنھیں الپس کی قلعہ بندیوں میں منتقل کر دیا جائے۔ اگر کہیں پر بغاوت کی ذرا سی افواہ بھی سنائی دیتی تو قیدیوں کو زندگی سے محروم کر دیا جاتا یا اُن کی آنکھیں نکال دی جاتیں یا اُنھیں آختہ کر دیا جاتا۔ قسطانطیا کو بھی اپنے ملک کے مصائب پر بہت دُکھ ہوا اور نارمن سلسلے کی وارث یہ ضرور چاہتی ہوگی کہ وہ اپنے خاوند پر کسی حد تک روک لگائے اور اپنے نومولود بیٹے کی جان بچالے جو آگے چل کر ایک مشہور بادشاہ بنا اور فریڈرک دوم کے نام سے شہرت حاصل کی۔ اس انقلاب کے دس سال بعد شہنشاہ فرانس نے ان کی جاگیر کو بھی اپنے حق میں ضبط کر لیا۔ جو نارمنڈی کی جاگیر کے نام سے مشہور تھی۔ مگر اس کے قدیم آباواجداد کی وراثت میں اسے حاصل ہونے والے تخت وتاج کو فاتح ولیم نے اپنے تصرف میں لے لیا۔ پلانتاجینوں کا خاندان اور نارمن فاتحین، جنھوں نے فرانس، انگلستان، آئرلینڈ اور اپولیا، صقلیہ اور مشرق میں بہت سی کامرانیاں حاصل کی تھیں، وہ سب کچھ کھو بیٹھے یا تو انْ سے فتح کر کے حاصل کر لی گئیں یا یہ خود ہی ان سے دستبردار ہو گئے اور شکست خوردہ اقوام اور غلاموں کی فہرست میں شامل ہو گئے۔

☆☆☆
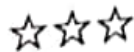
(۵۷)

سلجوق(Seljuk) نسل کے تُرک(Turks) — فاتح ہند
سلطان محمود(Mahmud) کے خلاف اُن کی بغاوت طغرل
(Togrul) نے ایران کو فتح کرلیا — خلفا کو تحفظ فراہم
کیا — الپ ارسلان(Alp Arslan) نے شہنشاہ رومانوس
ڈائیوجینس(Romanus Diogenes) کو شکست دے کر قید کر
لیا — شہنشاہ مذکور کی موت — ملک شاہ(Malekshah) کی
قوت اور شان وشکوہ — ایشیائے کوچک اور شام کی فتح —
یروشلم کی فتح اور استبداد — مقدس مرقدِ مسیح کی زیارت۔

سلجوق نسل کے تُرک — فاتح ہند سلطان محمود کے خلاف اُن کی بغاوت طغرل نے ایران کو فتح کرلیا — خلفا کو تحفظ فراہم کیا — الپ ارسلان نے شہنشاہ رومانوس ڈائیوجینس کو شکست دے کر قید کرلیا — شہنشاہ مذکور کی موت — ملک شاہ کی قوت اور شان وشکوہ — ایشیائے کوچک اور شام کی فتح — یروشلم کی فتح اور استبداد — مقدس مرقدِ مسیح کی زیارت۔

قاری کے لیے ضروری ہے کہ وہ جزیرۂ صقلیہ سے اپنے آپ کو بحیرۂ خزر کی دوسری سمت منتقل کر لے۔ یہ علاقہ ترکوں یا ترکمانوں کا اصل مولد ہے۔ پہلی صلیبی جنگ انھیں قبائل کے خلاف ہوئی تھی۔ چھٹی صدی عیسوی میں ان کی سکا تھی سلطنت قائم ہوئی جو مدت ہوئی کہ ختم ہوچکی تھی۔ مگر یونانیوں اور اقوامِ مشرق میں ان کا نام ابھی تک مشہور تھا۔ یہ قوم مختلف حصوں میں تقسیم ہوچکی تھی۔ ان میں سے ہر ایک آزاد اور طاقتور تھا یہ لوگ چین سے لے کر ماوراء النہر کے صحرائی علاقوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ دوسری طرف ڈینیوب تک کا علاقہ ان کے قبضے میں تھا۔ اہل ہنگری کی نوآبادی کو یورپی جمہوریہ میں شامل کرلیا گیا تھا اور ایشیا کے بہت سے ممالک کے تخت ان کے غلاموں یا نائبین کے قبضے میں تھے۔ جبکہ اپولیا اور صقلیہ پر نارمن نیزہ برداروں نے قبضہ کرلیا تھا۔ ان شمالی گڈریوں کا ایک ٹڈی دل فارس پر قابض ہوگیا۔ سلجوق نسل کے بادشاہوں نے سمرقند سے لے کر یونان کی سرحدوں تک ایک مضبوط حکومت قائم کر لی جس کی حدود میں مصر بھی شامل ہوگیا تھا۔ ایشیائے کوچک میں ان کا مرکز برقرار رہا اور حکومت ہلال کی صورت میں ہر طرف بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ سینٹ صوفیہ کے گنبد پر بھی انھوں نے اپنا علَم لہرا دیا۔

ترک بادشاہوں میں سب سے عظیم محمود غزنوی تھا جو فارس کے مشرقی صوبوں پر ایک ہزار عیسوی میں حکومت کرتا تھا۔ اس کا والد سبکتگین امیر المومنین کا غلام یا اُس کے کسی غلام کا غلام تھا مگر اس غلاموں کے نسب نامے میں اوّل درجہ اتالیقوں کو حاصل تھا۔ ان میں سے بعض باجگزار تھے اور ابھی تک وہ خلیفۂ بغداد کو

قلیل مقدار میں خراج ادا کرتے تھے اور برائے نام وفاداری کا بھی اظہار کرتے تھے۔ رُتبے کے لحاظ سے دوسرا عہدہ دار وزیرِ مملکت تھا جس کا تعلق سامانی نسل سے ہوتا۔ اس نے بغاوت کر کے سیاسی غلامی سے نجات حاصل کر لی مگر اس کی تیسری صورت یہ تھی کہ خانہ زاد غلام جسے سبکتگی (Sebectagi) کہا جاتا تھا۔ اپنے عزم و حوصلے اور مہارت کی بنیاد پر کسی شہر یا صوبے کا حاکمِ اعلیٰ بن جاتا۔ غزنی کے صوبے پر بھی اسی نوعیت کی حکمرانی قائم ہوگئی۔ محمود اس حاکمِ اعلیٰ کا داماد اور جانشین بھی تھا۔ رو بہ زوال سامانی خاندان کو پہلے تحفظ فراہم کیا گیا، پھر اسی خاندان کے غلاموں نے اس خاندان کے سربراہ کو معزول کر دیا اور جب عوام میں بدنظمی پیدا ہوئی تو محمود کی خوش قسمتی میں بتدریج اضافہ ہونے لگا۔ سلطان کا لقب سب سے پہلے اسی کے لیے ایجاد کیا گیا اور اس کی حکومت ماوراء النہر سے لے کر اصفہان کے قریبی علاقے تک پھیل گئی۔ دوسری طرف بحیرۂ خزر سے لے کر دریائے سندھ تک کا علاقہ اس کے زیرِنگیں تھا۔ مگر اس کی شہرت کی سب سے بڑی وجہ اور اس کی دولت مندی کا سب سے بڑا سبب وہ جہاد تھا، جو اُس نے ہندوستان کے بت پرستوں کے خلاف کیا۔ اس کی بیرونی فتوحات کے لیے میں ایک صفحے سے زیادہ خرچ نہ کروں گا۔ جبکہ ایک پوری کتاب بھی اس کے لیے ناکافی ہوگی۔ اگر اس کے بارہ حملوں کا تفصیلی بیان کیا جائے، جن میں متعدد محاصرے اور مہمات شامل ہیں۔ یہ مسلمان ہیرو کبھی بھی موسموں کی شدت سے نہیں گھبرایا۔ پہاڑوں کی بلندیاں، دریاؤں کا عرض، صحراؤں کی ویرانی، دشمنوں کے لشکروں کی بڑی تعداد، اور اُن کے جنگی ہاتھیوں کی ناقابلِ تسخیر قطاریں کبھی اُس کی ہمت پر اثر انداز نہیں ہو سکیں۔ غزنوی سلطان نے سکندرِ اعظم کی فتوحات سے بھی زیادہ فتوحات حاصل کیں۔ وہ تبت اور کشمیر کے پہاڑوں کو عبور کرتا ہوا قنوج کے مشہور شہر تک پہنچ گیا۔ دریائے گنگا کا بالائی حصہ فتح کر لیا اور دریائے سندھ کے معاونین میں سے بھی ایک پر دریائی جنگ لڑی اور فتح حاصل کی اور مقامی افواج کی چار ہزار کشتیاں تباہ کر دیں۔ دہلی، لاہور اور ملتان کو مجبور کیا کہ وہ اپنے دروازے کھول دیں۔ گجرات (کاٹھیاواڑ) کی زرخیز زمین اس کی جاہ پسند طبیعت کو بہت پسند آئی۔ وہاں پر اس نے قیام کا ارادہ کر لیا اور یہ بھی سوچا کہ اُن جنوبی جزائر پر بھی قبضہ کر لیا جائے جہاں سے کہ سونا نکلتا ہے۔ ہندوستان کے راجاؤں نے خراج ادا کر کے اپنی حکومتیں برقرار رکھیں۔ مگر وہ ہندو مذہب کو ناپسند کرتا تھا، اُس نے کئی سو مندروں کو گرا کر زمین بوس کیا اور متعدد پیگوڈا بھی مسمار کر دیے۔ کئی ہزار بُت توڑ دیے اور ان سے حاصل ہونے والی قیمتی دھاتیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ سومنات کا مندر گجرات (کاٹھیاواڑ) کی سرحد پر واقع تھا جو دیو (Diu) کے قرب و جوار میں ہے۔

جس پر پرتگالیوں کا قبضہ (آزادی کے بعد بھی) کئی سال تک قائم رہا۔ اس مندر کے اخراجات پورے کرنے کے لیے دو ہزار دیہات کا مالیہ مخصوص کر دیا گیا تھا اور سومنات کے دیوتا کی خدمت کے لیے دو ہزار برہمن وہاں پر مستقل طور پر موجود رہتے تھے۔ صبح شام ہر روز دو دفعہ دور افتادہ دریائے گنگا سے پانی لا کر اسے نہلایا جاتا۔ ان برہمنوں کے ماتحت مزید پجاری بھی موجود تھے، جن میں تین سو گویّے تھے۔ تین سو حجام تھے اور پانچ سو رقاصائیں تھیں جو اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھنے کے علاوہ ذاتی حسن میں بھی شاہکار تھیں۔ اس مندر کی ایک طرف سمندر تھا جو اس کا دفاع کرتا تھا۔ ایک تنگ خاکنائے جو ایک فطری یا مصنوعی کھڑی چٹان کی قلعہ بندی سے محفوظ کر لی گئی تھی۔ اس سے ملحقہ شہر اور بیرونی آبادی متعصب اوہام پرستوں پر مشتمل تھی۔ قنوج اور دہلی کے راجا، مہاراجا بھی یہاں پر آتے اور آ کر اپنے گناہوں سے تائب ہوتے اور یہاں کے پروہتوں کی طرف سے دی گئی سزا کو برداشت کرتے۔ اگر کوئی اچھوت یا اجنبی ان کے اس پاکیزہ مندر کی طرف آنے کی جرأت کرتا تو اُس پر دیوتاؤں کا غضب نازل ہوتا۔ محمود کو جب ان کے اس عقیدے کا پتا چلا تو اُس میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ان کے دیوتا کی قوت کو آزمایا جائے۔ اُس کی فوج نے اس دیوتا کے پچاس ہزار پجاریوں کو نیزوں سے چھلنی کر دیا۔ مندر کی فصیلیں عبور کر لی گئیں۔ پناہ گاہ توڑ دی گئی اور فاتح نے اپنا فولادی گرز اُٹھا کر بُت کے سر پر دے مارا۔ لرزاں برہمنوں نے اس بُت کے خراج کے طور پر ایک سو اشرفیاں ادا کرنے کی پیشکش کی۔ اُس کے مشیروں نے اُسے مشورہ دیا کہ ایک پتھر کے بُت توڑ دینے سے کفار کے عقائد تبدیل نہیں ہوں گے اور یہ کہ اس طرح سے حاصل شدہ رقم اہلِ ایمان کی کفالت کے لیے دی جا سکتی ہے۔ سلطان نے جواب دیا کہ تمھارا استدلال بہت مفید اور قیمتی ہے مگر محمود یہ نہیں چاہتا کہ آئندہ نسلیں اُسے بُت فروش کے نام سے یاد کریں۔ وہ اپنے گرز کے وار کرتا رہا اور بُت کے پیٹ سے قیمتی موتیوں کی ایک بڑی مقدار برآمد ہوئی جس سے برہمنوں کی نیت کا پتا چل گیا اور اس پتھر کے ٹکڑے واپس غزنی بھیج دیے گئے۔ کچھ مکہ، مدینہ اور بغداد میں ارسال کر دیے گئے اور یہ داستان بھی ہر جگہ سنا دی گئی اور سلطان محمود کو محافظ اسلام اور قوت الایمان کے خطابات عنایت کیے گئے۔

اقوام کی تاریخ یہی ہے کہ خون کے راستوں سے گزرنا پڑتا ہے مگر میں ان راہوں سے ہٹ کر اُن پھولوں کو چننا چاہتا ہوں، جو سائنس اور نیکی سے متعلق ہیں۔ مشرق میں محمود غزنوی کا نام ابھی تک قابلِ احترام ہے۔ اُس کی رعایا امن و سکون کی زندگی سے مستفید ہوتی رہی۔ اُس کی تمام کوتاہیاں اُس کے مذہبی نقاب کے

پردے میں اوجھل رہیں۔ دو مثالیں ایسی موجود ہیں جو اُس کے انصاف اور شان و شوکت کی گواہی دیتی ہیں۔

ا۔ ایک روز وہ اپنے دیوان میں بیٹھا تھا۔ ایک فریادی دربار میں حاضر ہوا اور اُس نے ایک ترک فوجی کے خلاف شکایت کی جس نے اُسے اس کے گھر سے باہر نکال دیا ہے اور اُس کے گھر پر قبضہ کرلیا ہے۔ اپنی فریاد بند کرو! بادشاہ نے حکم دیا، جب وہ دوبارہ آئے تو مجھے مطلع کرو اور ہم بذاتِ خود اُس کو پکڑ کر انصاف کریں گے۔ پھر اُس نے چراغ بجھا دیے اور مجرم کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ وہ لوٹ مار اور زنا کے جرم میں پکڑا گیا تھا۔ اُس کی سزا کے عمل کی تکمیل کے بعد شمعیں دوبارہ روشن کردی گئیں۔ محمود فوراً سجدے میں گر گیا اور اس سے فارغ ہونے کے بعد اُس نے کھانا اور پانی طلب کیا۔ وہ غریب شخص جس کے ساتھ کی گئی زیادتی کا بدلہ لے لیا گیا تھا۔ وہ حیران اور متجسس تھا۔ بادشاہ نے اُس کے تجسس کو محسوس کرتے ہوئے اپنے غیر معمولی کردار کی وضاحت کی۔ مجھے شک تھا کہ میرے بیٹوں کے سوا کسی اور شخص کی مجال نہیں کہ وہ اس قدر دلیرانہ جرم کا ارتکاب کرے۔ میں نے روشنی بجھا دی۔ تاکہ میرا انصاف اندھا ہی رہے، میں نے یہ جان کر نمازِ شکرانہ ادا کی کہ وہ میرا بیٹا نہ تھا اور میری تشویش اتنی زیادہ تھی کہ میں نے تین دن بغیر خوراک کے گزار دیے۔ میں نے جب سے تمھاری فریاد سنی فاقہ کشی اختیار کرلی۔

۲۔ سلطان محمود نے بویہ خاندان کے خلاف اعلانِ جنگ کیا ہوا تھا۔ یہ لوگ مغربی فارس کے حکمران تھے، اسی دوران مادرِ ملکہ کی طرف سے اسے ایک مکتوب موصول ہوا اور اُس نے ہتھیار اُتار دیے اور اُس وقت تک حملہ معطل کردیا جب تک کہ اُس کا بیٹا بالغ نہ ہوگیا۔ اس ہوشیار خاتون نے یہ تحریر کیا تھا کہ میرے خاوند کی زندگی میں وہ تمھاری حب جاہ سے آگاہ تھا۔ مگر وہ ایک بہادر بادشاہ تھا اور اچھا سپاہی تھا اور اس قابل تھا کہ تمھارا مقابلہ کرسکے۔ مگر اب وہ اس دُنیا میں موجود نہیں۔ اب یہ تخت ایک عورت اور ایک یتیم بچے کی ملکیت میں ہے۔ اب تمھاری مردانگی (دلیری) کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ایک بیوہ اور یتیم بچے پر حملہ کرو۔ اگر تم جیت گئے تو اس فتح کو ظلم سمجھا جائے گا اور اگر ہار گئے تو تمھارے لیے یہ باعثِ شرم ہوگا اور ہر جنگ کا نتیجہ خدا کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ محمود کے کردار پر صرف ایک داغ ہے کہ اُسے دولت کا حریص کہا جاتا ہے اور اُس کی اس خواہش کی کبھی بھی تکمیل نہیں ہوئی۔ بعض مشرقی مؤرخ اُس کے خزانوں میں سونے اور چاندی کے بیان میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں۔ انسانی طمع کو تو کبھی جمع نہیں کیا جاسکتا کہ اُس کا اندازہ الماس یاقوت اور مروارید کی مقدار سے لگالیا جائے، کیونکہ یہ اشیا انسان کی صنعت میں شامل نہیں انھیں صرف فطرت ہی تخلیق کرتی ہے مگر ہندوستان

میں ان اشیا کی قیمتی کانیں موجود ہیں۔ اس ملک کی تجارت میں اسلام نے ہمیشہ ایک بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اس کی زندگی کے آخری ایام میں اس کا کردار یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُسے ان اشیا کو جمع کرنے کا شوق تھا، جو بڑی محنت سے حاصل کی جاتی ہیں اور خطرناک حالات میں ذخیرہ کی جاسکتی ہیں اور پھر ناگزیر حالات میں یہ ضائع بھی ہوجاتی ہیں۔ اُس نے غزنی کے وسیع خزائن کا جائزہ لیا، پھر اُس کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور دروازوں کو دوبارہ بند کرادیا۔ اُس نے اس دولت میں سے کسی کو کچھ نہیں دیا۔ اسے قطعاً اُمید نہ تھی کہ وہ اس کی بدستور حفاظت کرتا رہے گا۔ دوسرے روز اُس نے اپنی افواج کا معائنہ کیا اور اپنی فوجی قوت کا جائزہ لیا۔ اس میں ایک لاکھ پیدل فوج تھی اور پچاس ہزار رسالے کے سوار تھے اور تیرہ ہزار جنگی ہاتھی تھے۔ وہ پھر رو پڑا۔ اُسے انسانی زندگی کی ناپائیداری کا احساس ہوا۔ انسانی عظمت بے معنی نظر آئی۔ اُسے یہ بھی محسوس ہوا کہ وہی لوگ اب قوت حاصل کررہے ہیں، جن کو اُس نے فارس کی حکومت کے قلب میں قوت بخشی تھی۔

ایشیا جس کی آبادی میں اب اہم تغیرات ہورہے ہیں اُس وقت حکومت اور زراعت صرف شہروں کے قرب و جوار ہی میں قائم تھی اور دور افتادہ علاقوں کو عربوں کی گلہ بانی کے لیے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ کرد اور ترکمان بھی اسی پیشے سے منسلک تھے۔ باقی ماندہ بنی نوعِ انسانی دو اہم طبقات میں بٹی ہوئی تھی اور بحیرہ خزر کے دونوں اطراف یکساں صورتِ حال تھی۔ مغربی نو آبادی میں چالیس ہزار فوجی قیام کرسکتے تھے مگر ظاہر ہے کہ مشرقی نو آبادی میں مقیم باشندوں کی تعداد مقابلتاً زیادہ ہوگی۔ مگر یہ آبادی بہت مضبوط تھی اور گنجان آباد بھی تھی اور بتدریج اس کی آبادی میں اتنا اضافہ ہوا کہ اس میں ایک لاکھ خاندان آباد ہوگئے۔ یہ آبادی مہذب دُنیا کے درمیان واقع تھی۔ ان کے اسلوبِ حیات میں سکاتھی اور صحرائی زندگی کے آثار موجود تھے۔ یہ موسم کے بدلنے کے ساتھ اپنی رہائش بھی بدل لیتے تھے اور محلات اور عبادت گاہوں کے کھنڈرات میں اپنے مویشی چراتے ہیں۔ اُن کے ریوڑ اور گلے ہی اُن کی دولت ہیں۔ اُن کے خیمے یا تو سیاہ ہوتے ہیں یا سفید۔ یہ اُن کے جھنڈوں کے رنگ کے مطابق ہوتے ہیں۔ یہ خیمے نمدوں سے ڈھانپ دیے جاتے ہیں۔ ان کا لباس بھیڑوں کے چمڑے سے تیار کیا جاتا ہے۔ اس کے ہمراہ سوتی اور اُونی کپڑے بھی ہوتے ہیں جو وہ موسم گرما میں پہنتے ہیں۔ ان کے مردوں کے نقوش درشت اور خوفناک ہوتے ہیں جبکہ ان کی مستورات نرم رُو اور دلآویز نظر آتی ہیں۔ ان کی خانہ بدوشی کی زندگی انھیں مجبور کرتی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے ہمراہ اسلحہ رکھیں۔ وہ ہمیشہ گھوڑے پر سوار ہوکر جنگ کرتے ہیں۔ وہ باہم دگر مقابلے کرکے اپنے حوصلوں کی آزمائش کرتے رہتے ہیں۔ اپنے ہمسایوں

سے بھی وہ یہ شغل جاری رکھتے ہیں۔ وہ جس کی زمین پر مویشی چرائیں، اُسے کسی حد تک معاوضہ بھی ادا کر دیتے ہیں۔ مگر جہاں تک ان کے خاندانی یا قبائلی معاملات کا تعلق ہے، اُس کا اختیار ان کے سرداروں اور بزرگوں کے ہاتھ ہی میں ہوتا ہے۔ ترکمان اس نسل کے سب سے قدیم نمائندہ ہیں، اُن کی پہلی نقل مکانی عیسائی تقویم کی دسویں صدی میں ہوئی۔ کیونکہ اس عہد میں خلفا کی قوت میں فرق آ گیا تھا اور اُن کے نائبین بھی کمزور ہو گئے تھے۔ وہ دریائے جیحوں کی حدود کی اکثر خلاف ورزی کرتے رہتے۔ وہ ہر حملے کے بعد خواہ اُنھیں فتح نصیب ہو یا شکست، اُن میں سے کچھ قبائلی اسلام میں داخل ہو جاتے۔ اس طرح انھیں ماوراء النہر کے وسیع، زرخیز اور خوشگوار علاقوں میں آزادانہ نقل و حرکت کا موقع مل جاتا اور وہ خوارزم تک جہاں چاہتے جا سکتے تھے۔ ترک غلام جواب تخت نشینی کی خواہش کرنے لگے تھے، وہ ان کی نقل مکانی کی حوصلہ افزائی کرنے لگے تھے۔ وہ ان کو فوج میں بھرتی کر لیتے۔ اپنی رعایا اور مریضوں کو ڈراتے رہتے اور ترکی کے دفاع میں حصہ لیتے اور ترکمانستان کے غیر مہذب انسانوں سے اسے بچائے رکھتے۔ اس حکمتِ عملی سے محمود غزنوی نے ناجائز فائدہ اُٹھایا۔ اُسے اُس کی اس حرکت پر سلجوق کے ایک سردار نے سرزنش کی جو بخارا کے علاقے میں رہائش پذیر تھا۔ سلطان نے اُس سے یہ دریافت کیا تھا کہ وہ فوجی بھرتی کے لیے کس قدر فوج فراہم کر سکتا ہے۔ اسمٰعیل نے جواب دیا کہ اگر تم ایک تیر بھی ہمارے پڑاؤ میں پھینکو تو اُس کے جواب میں پچاس ہزار سوار میدانِ جنگ میں نکل آئیں گے۔ محمود نے کہا کہ اگر یہ تعداد کافی نہ ہوئی؟ تو پھر دوسرا تیر میری طرف پھینک دو تو بلخ کے علاقے سے مزید پچاس ہزار سوار تمھارے پاس پہنچ جائیں گے۔ اس پر محمود نے کسی قدر تشویش سے جواب دیا کہ اگر مجھے آپ کے قبیلے کی تمام فوج کی ضرورت پڑ جائے؟ پھر میری کمان مجھے واپس ارسال کر دو۔ یہ اسمٰعیل کا آخری جواب تھا اور جیسا کہ بتایا جاتا ہے اس کے بعد دو لاکھ سوار ارسال کر دیے گئے۔ محمود اس قدر تعداد کو دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہو گیا اور اُس نے ان میں سے بیشتر افراد کو خراسان میں بھیج دیا۔ جہاں پر وہ دریائے آمو کی وجہ سے اپنے دوسرے بھائی بندوں سے الگ تھلگ رہ سکیں گے۔ ان کے چاروں طرف وفادار اور فرمانبردار شہر بھی موجود تھے۔ لیکن ملک پر خوف کی بجائے لالچ کے سائے مسلط تھے اور سلطان غزنوی کی غیر حاضری اور موت کی وجہ سے حکومت کی قوت میں کمی آ چکی تھی۔ گڈریے قزاق بن چکے تھے۔ قزاقوں کے جتھے جمع ہو کر فاتحین کا روپ دھار چکے تھے۔ اصفہان اور دجلہ کی حدود تک فارس پر بیرونی قوتیں حملہ آور ہو رہی تھیں۔ ترکمان کو اپنے حوصلے کا جائزہ لینے میں نہ تو کوئی شرم تھی اور نہ خوف تھا۔ اُن کی تعداد ایشیا کے عظیم ترین شہنشاہ کی

افواج کے برابر ہو چکی تھی۔ محمود کے بیٹے اور جانشین نے اپنے دانا وزرا کے مشورے کو طویل عرصے تک نظر انداز نہ کیا۔ اُنھوں نے بار بار تاکید کی کہ تمھارے دشمن فی الحقیقت چیونٹیوں کی قطار سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ اب چھوٹے چھوٹے سانپوں کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ اگر اُنھیں فوری طور پر تباہ نہ کیا گیا تو ان میں زہر بھی پیدا ہو جائے گا اور یہ بڑے بڑے سانپوں کی صورت اختیار کر لیں گے۔ نائبین نے اُن سے باری باری صلح اور جنگ کے حیلے آزمائے، اس کے بعد سلطان نے ذاتی طور پر اُن کے خلاف پیش قدمی کی۔ لیکن ترکمانوں نے اُلٹا اُس پر ہر سمت سے حملہ کر دیا۔ نعرے لگائے اور بے قاعدہ جنگ آزمائی شروع کر دی۔ ایک فارسی مؤرخ کہتا ہے کہ مسعود تنہا ان کے چمکدار ہتھیاروں کے طوفان کو روکنے کی کوشش کرتا رہا۔ اُس نے اس قدر مردانگی اور قوت کا مظاہرہ کیا کہ اس سے پہلے کسی بادشاہ نے ایسا نہیں کیا ہوگا۔ اُس کے دوستوں میں سے بہت کم نے اُس کے الفاظ پر کان دھرے۔ اُس نے اپنے وقار کا خاص خیال رکھا۔ یہی وہ جذبہ ہے جو بہادروں کو مہیج فراہم کرتا ہے۔ بعض اتحادیوں نے ہر جگہ اس کا ساتھ دیا۔ جہاں کہیں بھی یہ اپنی تلوار لے کر پہنچا وہ اس کے ساتھ رہے۔ اس کے دشمن آگے سے ہٹتے جاتے تھے یا پسپائی اختیار کرتے رہے یا کاٹ کر پھینک دیے گئے۔ مگر اب جبکہ یہ فتح کا جھنڈا لہرانے والا تھا۔ اس کی بدقسمتی غالب آ گئی جب اس نے اپنے گرد و پیش دیکھا، تو اسے معلوم ہوا کہ وہ تمام فوج جو اس کے ماتحت لڑ رہی تھی، بھاگ رہی ہے۔ ترک قوم کے بعض جرنیلوں نے اپنی بُزدلی یا غداری کی وجہ سے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور زندیہ کے اس یادگار روز، ایران میں گذریوں کے ایک نئے خاندان کی حکومت قائم ہو گئی۔

فاتح تُرکمانوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اُنہوں نے اپنے ایک نئے بادشاہ کا انتخاب کر لیا۔ اگر ایک لاطینی مؤرخ کی بیان کردہ امکانی حکایت کا کسی حد تک اعتبار کیا جا سکتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اپنا ایک نیا آقا تلاش کرنے کا پختہ ارادہ کر رکھا تھا۔ متعدد تیر جمع کر لیے گئے۔ ہر قبیلے کے نام پر ایک ایک تیر مخصوص کر دیا گیا اور تیروں کا مُٹھا کسی ایک بچے کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ اُس بچے نے اس مُٹھے میں سے ایک تیر نکالا اور اہم انعام ایک شخص طغرل بیگ کے نام پر نکلا جو میکائیل کا فرزند تھا جو سلجوق کا بیٹا تھا اور اس کا لقب تاریخ کے مابعد ادوار میں لافانی حیثیت اختیار کر گیا۔ سلطان محمود جو اپنے آپ کو قومی نسب نامے میں سب سے برتر قرار دیتا تھا اور اپنے آپ کو فنونِ حرب کا ماہر قرار دیتا تھا۔ وہ ہمیشہ یہ کہتا تھا کہ اُسے خاندانِ سلجوق کے متعلق کوئی علم نہیں۔ مگر اس قبیلے کا جدِ اعلیٰ ایک طاقتور اور مشہور سردار تھا۔ کیونکہ وہ شاہِ سلجوق کے حرم

میں پرورش پانے والا سب سے دلیر نوجوان تھا۔ اسے ترکستان سے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ اس کے دوست قبائل اور ماتحت سردار بھی اس کے ہمراہ تھے۔ اس نے دریائے جیحوں پار کیا اور سمرقند کے قریب اپنا پڑاؤ قائم کرایا۔ اس نے اسلام قبول کر لیا اور کفار کے خلاف لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ اس کی عمر ایک سو سات سال تھی۔ اس لیے اس کا بیٹا اس کی زندگی ہی میں مر گیا اور سلجوق نے اپنے دو پوتوں کو گود میں لے لیا۔ ان میں سے ایک کا نام طغرل تھا اور دوسرے کا جعفر۔ بڑے کی عمر سینتالیس سال تھی۔ اُسے سلطان کا خطاب دیا گیا اور نیشاپور کو اس نے اپنا دارالحکومت بنا لیا۔ اگرچہ اس پر نادیدہ اعتماد کیا گیا تھا مگر اس کی خوبیوں نے اس اعتماد کو درست ثابت کر دکھایا اور وہ ایک کامیاب اُمیدوار ثابت ہوا۔ کسی ترک کی بہادری کی تعریف کی کوئی ضرورت نہیں اور طغرل کی حب جاہ اُس کی بہادری سے کچھ کم نہ تھی۔ اُس نے اپنی تلوار کے زور سے غزنویوں کو فارس کے مشرقی صوبوں سے باہر نکال دیا اور بتدریج اُن کو دریائے سندھ کے کناروں تک مار بھگایا تا کہ وہ نسبتاً کمزور اور امیر علاقوں پر قبضہ کر سکیں۔ مغرب میں آلِ بویہ کی حکومت تھی اور اہلِ عراق فارس کی اطاعت ترک کر کے ترکوں کے مطیع ہو گئے۔ وہ بادشاہ جنھوں نے سلجوقیوں کے تیر کھائے تھے یا اس تجربے کے بغیر ہی ان سے خائف تھے، اُن کے سر خاک میں ملا دیے گئے۔ آذر بائیجان فتح کر لیا گیا جسے مادیہ/میڈیا (Media) بھی کہا جاتا تھا۔ یہ رومی سرحدوں تک پہنچ گیا اور اس جاہ پسند شخص نے مشرقی شاہِ روم سے مطالبہ کیا کہ وہ اسے خراج ادا کرے یا اُس کی سلطنت میں ایک باجگزار کی حیثیت سے شامل ہو جائے۔ اپنی سلطنت میں طغرل کو افواج اور عوام کے والد کی حیثیت حاصل تھی۔ اس کے حُسنِ انتظام اور سخت گیری کی وجہ سے فارس کو بدانتظامی سے نجات حاصل ہوگئی اور وہی ہاتھ جو خون آلودہ تھے اب انصاف اور بقائے امن کے لیے کوشاں ہو گئے۔ ترکمانوں کا دانا ترین طبقہ بزرگوں کے خیموں ہی میں بدستور رہائش پذیر رہا۔ اور دریائے آمو سے فرات تک متعدد فوجی نوآبادیاں قائم کر لی گئیں، جن کی آبادی میں ان کا قومی بادشاہ مدد دیتا رہا۔ مگر وہ ترک جن کا دربار سے تعلق تھا، وہ اپنے کاروبار میں مصروف رہے اور دُنیاوی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ اُنھوں نے اہلِ فارس کے لباس، زبان اور اسلوبِ حیات کو اختیار کر لیا اور نیشاپور اور رے کے محلات ان امیر شہروں کی عزت و حشمت کا نظارہ پیش کرتے تھے۔ عرب اور اہلِ فارس کے مستحق افراد کو ریاست کے بڑے بڑے عہدوں پر مامور کیا گیا اور ترکوں کی تمام آبادی نے بڑے جوش و خروش سے اسلام قبول کر لیا۔ شمالی اقوام کے دل جو یورپ اور ایشیا میں ہر جگہ پھیل گئے تھے۔ اُنھوں نے بھی اپنے جیسی قوم کے کردار کو دیکھ کر خود

ہی علیحدگی اختیار کر لی۔ مسلمانوں میں بھی عیسائیوں ہی کی طرح مقامی روایات، رواجات اور قانون کی معروف صورتیں مروج ہو گئیں۔ ان اقوام کے تہذیب و تمدن کی قدیم دور ہی سے شہرت تھی۔ مگر قرآن کی فتح بالکل یکتا اور خالص تھی۔ کیونکہ قرآن کسی مرئی دیوی، دیوتا یا عناصر فطرت کی تبلیغ نہیں کرتا جس کی وہ اپنے کسی معبود سے مثال دے سکیں اور کسی نوعیت کی بُت پرستی کی حوصلہ افزائی ہو سکے۔ سلجوقی سلاطین کا پہلا سلطان اپنے ایمان اور عقیدے پر عمل کے لحاظ سے بہت نمایاں تھا۔ وہ ایک پکے مومن کی طرح ہر روز پنجگانہ نماز ادا کرتا تھا۔ ہر ہفتے کے پہلے دو ایام وہ غیر معمولی (نفلی) روزے رکھتا تھا۔ اُس نے ہر شہر میں مساجد تعمیر کرائیں اور مساجد کی تعمیر کے بعد اُس نے اپنے محل کی بنیاد رکھی۔

قرآن پر ایمان کے بعد ابنِ سلجوق نے حضرت رسول اکرم ﷺ سے محبت کا بڑے جوش و خروش سے اظہار کیا مگر خلیفۂ بغداد ابھی تک اس کے کردار پر اعتراض کرتا تھا۔ یہی حال مصر کے فاطمی خلیفہ کا تھا۔ وہ دونوں اسے ایک مضبوط حکمران سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ اس کی تائید اپنے اپنے حق میں حاصل کر لیں، اگرچہ اُن کی نظر میں یہ شخص وحشی اور ان پڑھ تھا، محمود غزنوی نے اپنے آپ کو سلطنتِ عباسیہ کے حمایتی کی حیثیت سے پیش کیا تھا اور اُس خلعت کو بھی احترام سے محفوظ کر لیا جو اُسے فاطمی خلیفہ کے سفیر کی طرف سے ملی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس ہاشمی خلیفہ نے محمود کے خلاف عناد کا مظاہرہ کیا اور اُس پر وفاداری کی تبدیلی کا الزام عائد کیا، اُس نے زندیوں کی فتح کی تعریف کی اور طغرل کے متعلق اعلان کیا کہ وہ دُنیا میں اُس کے اقتدارِ خلافت کا نائب ہے اور طغرل نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ وہ اس کے اعتماد پر پورا اُترے نیز اُس نے اپنی وفاداری کے مظاہرے میں بھی مبالغے سے کام لیا۔ اُسے کہا گیا کہ وہ خلیفہ قائم کو رہا کر دے۔ اُس نے مقدس احکامات کی تعمیل کی جس کے نتیجے میں مزید علاقے اُس کے زیرِ نگیں آ گئے۔ بغداد کے محل میں خلیفۂ وقت ابھی تک ایک جن کی طرح سو رہا تھا۔ اُس کا قائم کردہ آلِ بویہ کا بادشاہ اُسے اب دشمنوں سے زیادہ دیر تک بچانے سے قاصر تھا اور دجلہ و فرات کی وادیوں میں عرب اور ترک اُس کے خلاف بغاوت کر رہے تھے۔ ایک فاتح کی موجودگی کو ایک نیک فال سمجھا گیا تھا اور آگ اور تلوار کے کھیل کو وقتی نوعیت کے حادثات قرار دے کر نظرانداز کر دیا گیا تھا۔ اب جمہوریہ کی حالت ان کے تعاون ہی سے سنبھل سکتی تھی۔ ایک ناقابلِ تسخیر فوج کے سربراہ کی حیثیت سے شاہِ فارس نے ہمدان سے پیش قدمی اختیار کی۔ مفروروں کو ٹھکانے لگا دیا گیا۔ شرارتیوں کو معافی مانگنے پر چھوڑ دیا گیا۔ آلِ بویہ کا بادشاہ میدان سے غائب ہو گیا اور سب سے زیادہ مغرور

باغیوں کو پکڑ کر طغرل کے قدموں میں ڈال دیا گیا اور موصل اور بغداد کی آبادی کو یہ سبق سکھا دیا گیا کہ وہ آئندہ سکون سے رہیں۔ مجرموں کا تعاقب کیا گیا اور امن بحال کر دیا گیا۔ شاہی گڈریئے نے اپنی محنتوں کا ثمر حاصل کر لیا۔ وحشی قوتوں پر مذہبی قوت کو غلبہ حاصل ہو گیا۔ ترک بادشاہ دریائے دجلہ میں کشتی پر سوار ہو گیا اور رقا(Racca) کے دروازے پر جا اُترا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر شہر میں داخل ہوا اور بغیر اسلحہ کے اپنے امیر سے آگے نکل گیا۔ خلیفہ اس کے پیچھے سیاہ نقاب اوڑھے بیٹھا تھا۔ اُس کے کندھوں پر عباسیوں کی مخصوص سیاہ شال ڈال دی گئی تھی اور اُس کے ہاتھ میں عصا تھا، جس کی نسبت جناب رسالت مآب سے تھی۔ شہنشاہ اور فاتح مشرق نے تعظیمی سجدہ کیا اور پھر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور نہایت ادب سے جھکا رہا، ایک وزیر اسے ایک تخت تک لے گیا۔ یہی وزیر ترجمان کا فرض بھی ادا کر رہا تھا۔ اُس کا حکم برسرِ عام پڑھ کر سنایا گیا جس کے مطابق اُسے خلیفۂ وقت کا نائب/ قائم مقام اور خاتم المرسلین کا خادم قرار دیا گیا تھا۔ اسے یکے بعد دیگرے سات خلعت بطور انعام عطا کیے گئے۔ جب طغرل دوسرے تخت پر بیٹھ گیا تو مذکورہ حکم پڑھ کر سنایا گیا۔ اسے سات خلعتوں کے علاوہ سات غلام بھی عطا کیے گئے۔ جن کا تعلق عرب کے ماتحت سات مختلف علاقوں سے تھا، جن کی آب وہوا مختلف تھی۔ اُس کے صوفیانہ نقاب پر خوشبو لگائی گئی جو کستوری تھی۔ اُس کے سر پر دو تاج رکھے گئے اور اُس کے پہلوؤں میں دو خنجر باندھ دیے گئے۔ یہ اس امر کی علامت تھی کہ اُس کی حکومت مشرق اور مغرب دونوں میں قائم رہے گی۔ اس کے بعد سلطان کی خواہش نہ تھی کہ وہ دوسری دفعہ بھی دربار میں پیش کیا جائے۔ اُس نے امیر المومنین کے ہاتھوں کو دو دفعہ چوما، اس کے خطبات کا دوبارہ اعلان کیا گیا جس کا عامۃ المسلمین نے بھی ساتھ دیا۔ جب اُس نے دارالحکومت کا دوبارہ دورہ کیا تو اس دوران بھی اُس نے امیر المومنین کو ایک دفعہ پھر دشمنوں کے نرغے سے نجات دلائی اور نہایت ادب سے ننگے پاؤں خلیفہ کے خچر کو ہاتھ میں لگام پکڑ کر قید خانے سے محل تک پہنچایا۔ ان کے رشتے کو مزید پختہ کرنے کے لیے طغرل کی بہن کی شادی نائب رسول سے کر دی گئی۔ ایک ترکی دوشیزہ کو امیر المومنین نے بلا پس وپیش اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ مگر قائم (خلیفہ) نے ازراہِ افتخار اپنی بیٹی کو سلطان کے نکاح میں دینے سے انکار کر دیا۔ وہ خاندانِ رسول کا خون سیتھی گڈریوں کے خون میں مخلوط نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ سلسلہ مکالمات کئی ماہ تک جاری رہا تاوقتیکہ اس کے وظائف میں بتدریج کمی کر دی گئی اور اسے احساس دلایا گیا کہ وہ ابھی تک ایک آقا کا غلام ہے۔ شاہی کتخدائی کے بعد طغرل کی موت واقع ہو گئی۔ اس کے بعد الپ ارسلان کو سلطان کا خطاب عطا کر دیا گیا اور اس کا نام بھی خطبات میں بادشاہ کے نام

کے ساتھ لیا جانے لگا۔ لیکن اس انقلاب کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ عباسیوں کو پہلے سے زیادہ آزادی اور اقتدار مل گیا، ایشیائی ترک اب بغداد کی داخلی خودمختاری سے کوئی حسد نہ کرتے تھے اور اُس بے عزتی سے بچ گئے جس میں انھیں شاہانِ فارس نے مبتلا کر رکھا تھا۔

جب خلافت کو زوال آ گیا تو عربوں نے روم کے ایشیائی صوبوں کا احترام کرنا شروع کر دیا جو کہ نائسی فورس زیمسکی کی فتوحات کے بعد باسل نے انھیں انتاخ اور مصر تک وسیع کر دیا۔ باسل کی موت کے پچیس سال بعد تک کسی ایک غیر معروف غیر مہذب نسل کے قبائل نے اس کے جانشینوں پر حملہ کر دیا۔ یہ لوگ ترکوں کی بہادر افواج اور ایک طاقتور بادشاہت کے ساتھ متحد ہو گئے۔ یہ نیم وحشی قبائل بھی اس کے بعد مسلمان ہو گئے۔ چھ سو میل طویل سرحد پر ارض روم تک ہزاروں ترکی گھڑ سوار چھا گئے۔ اس معرکہ آرائی میں ایک لاکھ عیسائیوں کا خون بہ گیا اس کے باوجود طغرل کی تلواروں نے یونانی سلطنت پر کوئی گہرا یا مستقل اثر پیدا نہیں کیا۔ کھلے میدانوں میں سے طوفان مسلسل آگے بڑھتا گیا۔ سلطان کو ایک آرمینیائی شہر کے محاصرے سے فتح حاصل کیے بغیر پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ حالات کی تبدیلی کی وجہ سے عناد میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اگرچہ جنگ وجدل میں تعطل پیدا ہو گیا۔ مقدونیائی لشکر نے ایشیا کے فاتح کی یاد کو تازہ کر دیا۔ الپ ارسلان کا نام ایک فاتح اور مکمل انسان کی حیثیت سے نقش فی البحر کی صورت اختیار کر گیا۔ طغرل کے جانشین نے بادشاہوں کی فیاضی اور دلاوری دونوں کا مظاہرہ کیا۔ وہ ترکوں کو لے کر دریائے فرات عبور کر کے قیصریہ میں پہنچ گیا جو کپاڈوشیا کا دارالحکومت تھا اور سینٹ باسل کا مقبرہ بھی اسی مقام پر تھا۔ یہاں کی عمارات بہت پختہ تھیں۔ اس لیے ان کی تباہی کے عمل کے خلاف مزاحمت بھی کی گئی۔ اس خانقاہ میں دولت بھی بہت تھی اور اس کی شہرت بھی تھی۔ مگر خانقاہ کے دروازے کھل گئے اور سونا اور موتی قبضے میں لے لیے گئے اور اس اتالیق بزرگ کے تمام آثار بھی لوٹ لیے گئے۔ اس کی فانی باقیات تو اب تک خاک میں مل چکی تھیں۔ آرمینیا اور جارجیا کی حتمی فتح الپ ارسلان کے نصیب میں ہوئی۔ آرمینیا میں قدیم سلطنت کا نام ونشان مٹ گیا۔ قسطنطنیہ کے رضا کاروں کی مدد سے مصنوعی رکاوٹیں تباہ کر دی گئیں۔ بعض سابقہ فوجی بلا تنخواہ اور اعزازی طور پر حاصل کر لیے گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان میں کوئی نظم وضبط بھی باقی نہ تھا۔ اس قدیم سرحد کا ہاتھ سے نکل جانا اُس عہد کا ایک اہم واقعہ تھا۔ رومی کیتھولک اس پر بہت خوش تھے کہ نسطوری بالآخر اپنے انجام کو پہنچ گئے اور مسلمان ترکوں کے ہاتھوں شکست کھا گئے۔ اُن کی غلطیوں کی اُنھیں سزا مل گئی ہے۔ قازقستان کے جنگلات اور وادیوں کا بہت

جوش وخروش سے دفاع کیا گیا۔ اس مقدس جنگ میں سلطان اور اُس کا بیٹا ملک ان تھک رہے۔ اُنھوں نے مفتوحوں سے کہا کہ وہ مذہبی اور دنیاوی دونوں لحاظ سے اطاعت قبول کرلیں اور ایسے کفار پر جو اپنی ضد پر قائم رہے۔ انھیں ان کے کمر بند اور سینہ بند کی جگہ لوہے کی فتوحیاں پہنا دی گئیں اور اُن پر تذلیل کے نشانات بنا دیے گئے اور اُنھیں اپنے آبا و اجداد کی طرح کی عبادت سے منع کر دیا گیا۔ یہ تبدیلی نہ تو دائمی تھی نہ اس پر سختی سے عمل کیا گیا۔ جارجیا کے باشندوں نے تو اپنا بادشاہ اور بشپ برقرار رکھے۔ مگر بنی نوع انسان کی ایک نسل جسے فطرت نے ایک مکمل صورت میں تخلیق کیا ہے۔ وہ مفلسی، جہالت اور برائیوں میں مبتلا ہوگئی۔ صرف اُن کا نام رہ گیا اور وہ کفر کی حالت سے تو باہر نکل آئے مگر اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ مابعد الطبیعیاتی عقائد اور اصولوں کو سمجھنے کی اہلیت سے محروم ہیں۔

یہ صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی، مگر کہتے ہیں کہ الپ ارسلان محمود غزنوی کی شان وشوکت اور عظمت کی تقلید نہیں کر سکا اور اُس نے بغیر غور کیے یونان کی بیوہ ملکہ یوڈوقیا اور اُس کے یتیم بچوں پر حملہ کر دیا۔ جب ملکہ کو اپنی مجبوری کا احساس ہوا تو اُس نے اپنی ذات اور تاج وتخت کو ایک سپاہی کے حوالے کر دیا اور رومانوس ڈائیوجینس کو شہنشاہی کا تخت مل گیا۔ اُس کی حب الوطنی اور جذبۂ افتخار نے اُسے مجبور کیا کہ وہ تخت نشینی کے صرف دو ماہ بعد قسطنطنیہ سے باہر نکل آئے اور ایسٹر کے مقدس ایام ہی میں اُس نے دوسری مہم کا آغاز کر دیا۔ اسے اس کی مکارانہ چال بھی کہا جا سکتا ہے۔ محل میں ڈائیوجینس کی حیثیت یوڈوقیا کے خاوند سے زیادہ کچھ نہ تھی مگر باہر فوجی پڑاؤ میں وہ رومیوں کا شہنشاہ تھا اور اُس نے اپنی اس حیثیت کو اپنے کمزور ذرائع اور ناقابلِ تسخیر حوصلے کی بنیاد پر قائم رکھا۔ اسے کامیابی بھی ہوئی اور اس نے عزم وحوصلے کا مظاہرہ بھی کیا جس کے نتیجے میں سپاہ میں عمل کی تحریک پیدا ہوئی اور رعایا کے دلوں میں اُمید کی کرن روشن ہوئی اور دشمنوں کے دلوں میں خوف پیدا ہوا۔ ترک فریجیا کے قلب تک پہنچ چکے تھے مگر سلطان نے یہ فیصلہ کرلیا کہ امیر بذاتِ خود اس مہم کی رہنمائی کرے۔ اُن کی افواج کے دستے اُس وقت تمام ایشیا میں منتشر تھے تاکہ مفتوحہ علاقوں کی نگرانی کر سکیں اور ان میں نظم وضبط بھی مفقود تھا اس لیے یونانیوں نے ان کو آسانی ہرا دیا۔ شہنشاہ کی فعالیت نے اُس کی حاضری میں اضافہ کر دیا اور جب اُنھوں نے یہ سنا کہ وہ اناتاخ پر حملہ کرنا چاہتا تھا اور دشمن نے محسوس کرلیا کہ اُس کی تلوار طربی زونڈ کی پہاڑیوں پر چمک رہی ہے۔ اُس نے تین مشقت آمیز مہمات کے بعد ترکوں کو فرات کے پار دھکیل دیا۔ رومیوں کی آخری کوشش یہ تھی کہ ترکوں کو رومانیہ سے بھی باہر نکال دیا جائے۔ حالات نے اُسے مجبور

کیا کہ وہ دو ماہ کے اشیائے صرف محاذ پر ارسال کر دے اور اس نے ملازکرڈ کا محاصرہ کرلیا۔ یہ ایک اہم قلعہ تھا۔ یہ مقام موجودہ شہروں، ارضِ روم اور وان کے عین درمیان تھا۔ اس کی فوج کی کم از کم تعداد ایک لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔ قسطنطنیہ کی افواج میں ایک غیر منظم لشکر کا اضافہ کیا گیا جس کا تعلق فریجیا اور کپاڈوشیا سے تھا۔ مگر اس لشکر کی بنیادی تعداد یورپی باشندوں پر مشتمل تھی۔ ان میں مقدونیائی لشکر بھی شامل تھے اور بلغاریہ کے دستے بھی شامل تھے۔ ان میں مولداویہ کے اوزی بھی تھے، یہ قبیلہ فی الحقیقت ترک نسل ہی سے متعلق تھا۔ ان میں فرانسیسی اور نارمن بھی تھے، ان کے نیزہ بردار لشکریوں کی کمان بالیال کے ارسل کے ہاتھ میں تھی جو سکاٹ لینڈ کے بادشاہ کا رشتہ دار یا والد تھا۔ یہ لوگ اسلحہ کے استعمال کے بڑے ماہر تھے یا یونانیوں کی روایت کے مطابق یہ کئی قسم کے اسلحہ کے موجد تھے۔ پائرِک (Pyrrhic) رقص بھی ان کے ساتھ ہی مخصوص کیا جاتا ہے۔

جب اُسے اس ناشائستہ دلیری کی اطلاع ملی، جس سے اُس کی خاندانی وراثت کو خطرہ لاحق ہوگیا تھا، تو الپ ارسلان اپنے ہمراہ چالیس ہزار سوار لے کر خود موقع پر پہنچ گیا۔ اُس نے اس ہوشیاری سے معرکہ آرائی کی کہ یونانیوں کی کثیر تعداد مایوس ہوگئی۔ جب باسلاقی اُوس کو شکست ہوئی تو ان کے ایک نامور جرنیل نے اپنی بہادری کی ایک اعلیٰ مثال قائم کی۔ جس میں رحم دلی کا عنصر بھی موجود تھا۔ بادشاہ نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے ملازکرڈ کی فتح کے بعد اپنی افواج کو علیحدہ کرلیا تھا۔ مگر اُسے فرینک رضا کاروں کو واپس بلانے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے اس کی دعوت کو رد کر دیا۔ اب اُس کے ذہن میں اوزی قبائل کے متعلق بھی شک پیدا ہوگیا کہ وہ کسی وقت بھی فرار ہو سکتے ہیں۔ اس سے اُسے تشویش بھی لاحق ہوئی۔ چنانچہ وہ ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے جلد ہی آگے بڑھ گیا۔ اگر وہ سلطان کی ایک معقول تجویز کو غور سے سُن لیتا تو ممکن تھا کہ رومانوس کو محفوظ مراجعت کا موقع مل جاتا مگر شاہ یونان نے یہ مطالبہ پیش کر دیا کہ الپ ارسلان وہ میدان خالی کر دے جو اس نے رومی افواج کے پڑاؤ کے لیے مخصوص کر رکھا تھا اور رے (Rei) کے شہر اور محل کو خالی کر کے اپنے خلوص کا ثبوت فراہم کرنا تھا۔ الپ ارسلان اس کی بدمزاجی اور مطالبات کی نامعقولیت پر مسکرایا، مگر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد شہید ہو چکی تھی۔ اس پر اُس نے ماتم بھی کیا۔ اس کے بعد اُس نے نماز ادا کی اور پھر لشکریوں کو عام اجازت دے دی کہ جو شخص میدان جنگ چھوڑ کر جانا چاہے وہ چلا جائے۔ پھر اُس نے اپنے ہاتھ سے اپنے گھوڑے کی دُم باندھ دی اور اپنے ہاتھ میں وہ کمان لے لی جو سکاتھیوں کا مشہور اسلحہ ہے اور پھر اعلان کر دیا کہ اگر اُسے شکست ہو جائے تو اُسے اسی مقام پر دفن کر دیا جائے۔ سلطان نے خود بھی اپنی گوچھن کو

علیحدہ کر دیا۔ مگر اُس کی فتح کا سارا انحصار ترک رسالے کے تیراندازوں پر تھا۔ اُن کو ہلال کی شکل میں میدانِ جنگ میں پھیلا دیا گیا تھا۔ اُس نے اپنی فوج کی صف بندی کی بجائے یہ حکم دیا کہ بیک وقت حملہ کر کے دشمن پر دباؤ ڈال کر اُسے پسپائی پر مجبور کر دیا جائے۔ اس لایعنی جنگ میں موسم گرما کا بیشتر حصہ ضائع ہو گیا۔ عقل مندی اور تکان نے اُسے مجبور کیا کہ وہ اپنے خیموں میں واپس چلا جائے۔ لیکن جب دشمن سامنے ہو تو ایسی حالت میں پسپائی ہمیشہ خطرناک ہوتی ہے۔ جونہی جھنڈے کا رُخ واپسی کی طرف موڑا گیا تو اطراف میں شگاف پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ اس کے ایک حریف اینڈ رونی کوس نے حسد اور کمینگی کا مظاہرہ کیا۔ اُس نے اپنی ولادت کی کم مائیگی اور قیصران کے تخت کی بے عزتی کو ظاہر کر دیا۔ جب افواج میں افراتفری پیدا ہوئی تو ترکوں نے تیروں کی بوچھاڑ کر دی اور الپ ارسلان نے اپنے تیراندازوں کو ہلال کی شکل میں کھڑا کر رکھا تھا۔ اب دونوں طرفوں سے تیرانداز یونانی افواج کے عقب میں پہنچ گئے اور ان کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ یونانی فوج تباہ ہو گئی۔ ان کا پڑاؤ لوٹ لیا گیا۔ اب مارے جانے والوں یا قیدیوں کی تعداد کا بیان غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یونانی مؤرخ تو صرف مروارید کے نقصان کا ذکر کرتے ہیں جو اندازے سے بھی زیادہ ہوا۔ وہ یہ بتانا بھول گئے کہ اس تباہ کن روز یونانی حکومت کے تمام ایشیائی صوبے ہمیشہ کے لیے یونانیوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

جب تک کہ اُمید قائم رہی رومانوس حملے کرنے کی کوشش کرتا رہا اور اپنی باقی ماندہ فوج کو جمع کرنے میں مشغول رہا۔ جب اُس نے شاہی مقام کو ہر طرف سے خالی کر کے فاتح ترکوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا، اُس وقت بھی وہ اپنے یاس انگیز حوصلے کے ساتھ جنگ میں مصروف رہا۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی اُس کے وفادار ساتھی اُس کا ساتھ دیتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اُس کے چاروں طرف قتل ہو کر گر گئے۔ اُس کا گھوڑا بھی مارا گیا۔ شہنشاہ زخمی ہو گیا۔ اس کے باوجود وہ تنہا کھڑا رہا۔ اُس کا عزم پختہ تھا۔ اب وہ چاروں طرف سے دشمن کے گھیرے میں آ گیا تھا۔ دو شخص اُسے گرفتار کر کے انعام حاصل کرنے کے دعویدار تھے۔ ایک غلام تھا، جس نے اُسے قسطنطنیہ کے تخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا تھا اور ایک سپاہی تھا، جسے کبھی اس شرط پر معافی ملی تھی کہ وہ آئندہ زندگی میں کوئی نہ کوئی قابلِ فخر کارنامہ انجام دے گا۔ اُس کے ہتھیار رکھوا لیے گئے۔ اُس کے جواہرات اُتروا لیے گئے اور اُس کا شاہی لباس بھی چھین لیا گیا اور وہ کمینے دیہاتیوں کے ایک غیر منظم ہجوم میں گھر گیا۔ دوسری صبح اُسے شاہی دربار میں پیش کیا گیا۔ اُسے اس کی قسمت پر یقین نہ آیا۔ یہاں تک کہ الپ ارسلان کے سفیر نے اس کی شناخت کی تصدیق کر دی۔ باسلاقی اوس کی شہادت تو اس کے لیے فی الواقع باعثِ عذاب تھی۔ وہ اپنی اشک بار آنکھوں سے اپنے بدقسمت بادشاہ کے قدموں میں گر گیا۔ قسطنطین کا جانشین جو ایک کسان کے لباس میں تھا، ترکی کے دربار میں لے جایا گیا۔ اُسے حکم دیا گیا کہ ایشیائی حاکم کے سامنے سجدہ کرے۔ اُس نے نہ چاہتے ہوئے بھی حکم کی تعمیل کی۔ الپ ارسلان اپنے تخت سے اُترا اور ذرا آگے بڑھ کر اپنا پاؤں یونانی بادشاہ کی گردن پر رکھ دیا۔ مگر یہ کہانی غلط معلوم ہوتی ہے۔ ایک تو یہ عمل ترکوں کی روایت کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ الپ ارسلان نے اپنی ساری عمر میں کبھی کسی سے ایسا سلوک نہیں کیا۔ اس نے اپنے مفتوح دشمنوں سے ہمیشہ اچھا سلوک کیا اور سب نے ہمیشہ اُس کے حسن سلوک کی تعریف ہی کی ہے بلکہ اُس نے تو ایک ایسا سبق سکھایا کہ اس مہذب زمانے میں بھی قابلِ تقلید ہے۔ اُس نے مفتوح بادشاہ کو فوراً زمین پر سے اُٹھا لیا اور تین دفعہ بڑی مہربانی سے اُس کے جسم کو اپنے ہاتھ سے تھپتھپایا اور اُسے یقین دلایا کہ ایک رحمدل بادشاہ کے ہاتھ میں اُس کی جان اور عزت دونوں محفوظ ہیں۔ اُس نے یہ سبق حاصل کر رکھا ہے کہ اپنے مساوی بادشاہوں سے اُن کے رتبے کے مطابق سلوک کرے۔ دیوان خانے سے رومانوس کو ملحقہ خیمے میں لے جایا گیا۔ جہاں پر سلطان کے خدام اُس کے ساتھ نہایت احترام سے پیش آئے۔ وہ اُسے دن میں دو دفعہ نہایت ادب سے اپنے دسترخوان پر بیٹھنے کا موقع فراہم کرتے۔ آٹھ دن اُسے بادشاہ سے آزادانہ اور حسبِ منشا گفتگو کا موقع ملتا رہا۔ فاتح کی منہ سے یا آنکھوں سے حقارت کا کبھی ایک جملہ یا نگاہ سے اشارہ تک ظاہر نہیں ہوا جس سے مفتوح کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہو۔ مگر وہ خود ہر وقت اُن ساتھیوں کا گلہ کرتا رہتا جو ضرورت کے وقت اُس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے اور اپنے آپ کو بھی اُن غلطیوں کی بنیاد پر ملامت کرتا رہتا جو جنگ کے دوران اُس سے سرزد ہوئی تھیں۔ جب مکالمات کا سلسلہ شروع ہوا تو الپ ارسلان نے اُس سے دریافت کیا کہ اُسے سلطان سے کس نوعیت کے سلوک کی توقع ہے مگر شہنشاہ بالکل سنجیدہ رہا اور اُس نے اس سوال کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور پھر آزادی سے کہا۔ وہ اگر تم ظالم ہو تو میری جان لے لو۔ اگر تم فخر کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہو تو مجھے اپنی رتھ کے ساتھ باندھ کر گھسیٹ لو، اگر تم لالچی ہو تو تاوان قبول کر لو اور اُس کے بعد مجھے اپنے ملک میں بحال کر دو۔ اپنے مفاد کا خیال کرو۔ الپ ارسلان نے سوال کیا کہ اگر یہ جنگ تم جیت جاتے تو تمھارا ردِعمل کیا ہوتا؟ یونانی شہنشاہ نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہنا چاہا مگر پھر وہ اپنے جذبات پر قابو پا گیا مگر پھر بھی کہہ دیا کہ میں تمھارے جسم پر بید کی متعدد ضربات لگاتا۔ مگر عیسائی قانون یہ نہیں سکھاتا اُس کے مطابق مظلوموں پر رحم کھانا اور معاف کر دینا ہی افضل ہے، بہت غور و فکر کے بعد الپ ارسلان نے صلح نامے اور امن کی شرائط لکھوا دیں۔

فوری تاوان دس لاکھ، سالانہ خراج تین لاکھ ساٹھ ہزار اشرفیاں، بچوں کی شادیاں اور اُن تمام مسلمان قیدیوں کی آزادی جو یونانیوں کی قید میں تھے۔ رومانوس نے ٹھنڈی آہ بھری اور اس معاہدے پر دستخط کر دیے۔ یہ شرائط اُس کی سلطنت کے لیے انتہائی ذلت آمیز تھیں۔ اُسے فوراً تر کی خلعت پیش کی گئی۔ اُس کے امرا اور ساتھی بحال کر دیے گئے اور شہنشاہ کے حوالے کر دیے گئے اور شہنشاہ نے بغل گیری کے بعد اُسے مراجعت کی اجازت دے دی۔ تحائف اور فوجی محافظ کا اہتمام کیا گیا۔ مگر وہ جونہی اپنے دارالحکومت میں واپس پہنچا اُسے اطلاع ملی کہ محل اور صوبوں نے ایک قیدی سے اپنی وفاداری کا ناطہ توڑ لیا ہے۔ دو لاکھ اشرفی کی رقم انتہائی تکلیف سے جمع کی گئی جس سے خود بادشاہ کا تاوان جزوی طور پر ادا کر دیا گیا۔ اُس نے اپنی بُزدلی اور ذلت کا اعتراف کیا۔ سلطان نے اپنی فیاضی یا ضرورت کے مطابق اپنے اتحادی کے مفاد کے لیے کارروائی کا ارادہ کیا مگر اُس کے منصوبوں کی تکمیل نہ ہو سکی کیونکہ ڈائیوجنیس کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔

امن کے صلح نامے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ الپ ارسلان نے اپنے قیدی شہنشاہ سے کوئی علاقہ یا صوبہ جبراً ہتھیا لیا ہو۔ وہ صرف فتح کے اعزاز ہی سے مطمئن ہو گیا تھا اور اناطولیہ اور اناتاخ سے لے کر بحیرۂ اسود تک کے علاقوں کا مالِ غنیمت بھی بہت تھا۔ ایشیا کا بہت بڑا علاقہ پہلے ہی اُس کے ماتحت تھا۔ بارہ سو بادشاہ یا شاہزادے اُس کے تخت کے سامنے کھڑے رہتے تھے اور دو لاکھ لشکری اُس کے علم کے نیچے محوِ سفر رہتے تھے۔ سلطان نے کوشش کی کہ یونانی مفروروں کا پیچھا کرے۔ مگر وہ ترکستان کی فتح کو اس سے بھی زیادہ قابلِ فخر سمجھتا تھا۔ کیونکہ سلجوقیوں کا اصل گھر تو وہی تھا۔ وہ فرات سے دریائے آمو کے کنارے پر پہنچ گیا۔ دریا پر اایک پل تعمیر کر دیا گیا۔ اس کی افواج کے اس پل پر سے گزرنے میں بیس روز لگ گئے مگر برظیم (Berzem) کے گورنر نے اس کے سارے عمل میں رکاوٹ کھڑی کر دی اور خوارزم کے جوزف نے بھی ارادہ کر لیا کہ وہ شاہِ مشرق کے خلاف دفاع کا اہتمام کرے جب ایک قیدی کو شاہی دربار میں پیش کیا گیا تو بادشاہ نے بجائے اس کے کہ پیش کرنے والے کی جرأت کی داد دیتا، اُسے اُس کی غلطی پر سخت انتباہ کیا اور باغی کے گستاخانہ الفاظ پر اسے سخت غصہ آیا اور کہا کہ اسے چار ستونوں سے باندھ دیا جائے اور اسی حال میں مرنے دیا جائے۔ وہ خوارزمی جان سے تو مایوس ہو چکا تھا اُس نے اسی عالم میں اپنا خنجر میان سے نکالا، اور تیزی سے تخت کی طرف بڑھا۔ محافظوں نے جنگی کلہاڑے اُٹھا لیے۔ الپ ارسلان نے اُن کا غصہ ٹھنڈا کیا۔ وہ اپنے عہد کا سب سے بڑا تیر انداز تھا۔ اُس نے اپنی کمان اُٹھائی مگر اُس کا پاؤں پھسل گیا اور تیر ایک طرف ہو گیا اس دوران جوزف کا خنجر

اس کے سینے میں اُتر چکا تھا۔ اُسے بھی موقع پر ہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ زخم مہلک ثابت ہوا اور بادشاہ نے مرتے مرتے بھی شاہانہ غرور کو ایک غلط عمل اور جذبہ قرار دیا۔ الپ ارسلان نے کہا کہ اپنی جوانی میں مجھے ایک بزرگ نے نصیحت کی تھی کہ خدا کے سامنے ہمیشہ عاجزی سے پیش آؤ اور اپنی قوت پر کبھی اعتماد نہ کرو، اور اپنی جان کے دشمن کو وار کرنے کا موقع فراہم نہ کرو۔ میں نے اس سبق کو فراموش کر دیا اور اس کے نتیجے میں مجھے جو سزا ملی ہے میں اس کا مستحق تھا۔ کل میں نے اپنی افواج کی تعداد اور نظم و ضبط کا مشاہدہ کیا تھا اور میں نے اپنے دل سے کہا تھا کہ تم یقیناً دُنیا کے بادشاہ ہو، تو ایک عظیم جنگجو اور فاتح ہو اور مجھے اپنی قوت پر بہت بھروسا تھا اور اب میں ایک قاتل کے ہاتھوں جان دے رہا ہوں۔ الپ ارسلان میں ایک ترک مسلمان کی تمام خوبیاں موجود تھیں۔ اُس کی آواز اور قد و قامت دُنیا پر چھا جاتی تھی۔ اُس کے چہرے پر کنپٹی کے طویل بال چھائے رہتے تھے۔ وہ بہت بڑا عمامہ پہنتا تھا، جو تاج کی شکل کا ہوتا۔ اُس کی لاش کو سلجوقیوں کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ اس کی قبر پر جو کتبہ لگا ہوا ہے اُسے پڑھ کر سیاح استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔ ''اے وہ شخص! جس نے الپ ارسلان کی شان و شوکت کا مشاہدہ کر رکھا ہے۔ اب وہ تو عالم بالا پر ہے اور اُس کا جسد خاکی مَرو میں دفن ہے اور خاک کے ساتھ خاک ہو چکا ہے۔'' یہ قبر اور صاحب قبر دونوں اس عالم فانی کی ناپائیداری کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

الپ ارسلان کی زندگی میں ہی اُس کے بڑے بیٹے کوترکی کی سلطنت کا جانشین تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اپنے باپ کی موت پر اس کے ایک چچا، ایک عمزاد اور ایک بھائی نے اس کی جانشینی پر اعتراض کیا۔ انھوں نے اپنی تلواریں جمع کیں اور اپنے اپنے حامیوں کو جمع کیا اور ملک شاہ کو ان تینوں پر فتح حاصل ہوئی اور اس طرح اس نے اپنی حکومت کا حق تسلیم کرا لیا۔ ہر دور میں اور بالخصوص ایشیا میں طاقت کی خواہش اسی نوعیت کے واقعات کی تکرار کرتی رہتی ہے مگر خانہ جنگیوں کے طویل سلسلے میں، ہمیں کوئی اور ایسا راستہ نظر نہیں آتا جو اس سے زیادہ درست اور شاندار ہو، تمام ترک بادشاہ اس کی تائید کرتے ہیں۔ میدانِ جنگ کے موقع پر بھی وہ اپنی مذہبی عقیدت کا اظہار کرتا رہتا اور امام رضاؒ کے مقبرے پر بھی ضرور حاضری دیتا۔ جب سلطان فرش پر سے اُٹھا تو اُس نے اپنے وزیر نظام سے دریافت کیا جو اُس کے سامنے گھٹنوں کے بل پر بیٹھا تھا کہ اس کی رازدارانہ درخواست کا مضمون کیا تھا۔ اُس نے جواب دیا کہ ''آپ کی افواج کو ہمیشہ فتح حاصل ہو'' وزیر کا جواب درست اور مخلصانہ تھا۔ فیاض اور خوش خلق ملک شاہ نے جواب دیا کہ ''میں تو خداوند کریم سے یہی دُعا کرتا ہوں کہ اگر

میرا بھائی عالم اسلام پر حکومت کرنے میں مجھ سے زیادہ اہل ہو تو اللہ تعالیٰ مجھ سے میری زندگی اور تاج واپس لے لے!'' مگر وقت نے وہ فیصلہ کر دیا جو قدرت کو منظور تھا اور یہ پہلا موقع تھا کہ کسی غیر عرب کو امیر المومنین کا خطاب حاصل ہوا۔ اُس کے ذاتی استحقاق اور حکومت کی وسعت کے حوالے سے وہ اپنے دور کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ فارس اور شام کے حالات کی بحالی کے بعد اُس نے اپنے ہمراہ ایک بہت بڑی فوج لی اور ترکستان کی فتح کے لیے روانہ ہو گیا۔ اس مہم کا آغاز اس کے والد نے کیا تھا۔ جب اُس نے دریائے آمو کو عبور کیا تو چند کشتی بان جو سپاہ کی نقل و حمل کے لیے رکھے گئے تھے۔ اُنھوں نے شکایت کی کہ اُن کا معاوضہ انتاخ کے محاصلات کی مد سے ادا کیا جاتا ہے۔ سلطان کو اس غلط طریق کار کے انتخاب پر غصہ آیا۔ مگر وہ اپنے ہوشیار وزیر کے مکارانہ جواب پر مسکرا کر رہ گیا۔ میں نے یہ دور اُفتادہ ممالک اس لیے فتح نہیں کیے کہ لوگوں کے معاوضے کو التوا میں رکھا جائے۔ بلکہ میں آئندہ نسلوں کے لیے ایک مثال قائم کرنا چاہتا ہوں کہ تمھاری حکومت میں انتاخ اور ماوراءالنہر کے عوام ایک ہی شہنشاہ کی رعایا ہیں مگر حدود کا یہ تعین غیر منصفانہ اور فرضی تھا۔ ماوراءالنہر کے آگے کا علاقہ بھی اس نے فتح کر لیا۔ بخارا، خوارزم اور سمرقند کے شہر بھی اُس نے فتح کر لیے اور اُس نے ہر بغاوت کو دبا دیا اور متعدد آزاد علاقے بھی فتح کر لیے۔ جس کسی نے مزاحمت کی اُس کی سرکوبی کر دی گئی۔ ملک شاہ نے جیجوں اور سیبوں کو بھی فتح کر لیا۔ یہ فارس کی تہذیب سے متاثر آخری شہر تھے اور سرحد کا کام دیتے تھے۔ ترکستان کے حکمرانوں نے اس کی برتری کو تسلیم کر لیا اور اس کا نام کاشغر کے سکوں پر نقش ہوا اور جمعہ کے خطبات میں دُہرایا جانے لگا۔ یہ حکومت تاتاریوں کے پاس تھی اور چین کی آخری سرحد تھی۔ اس کے فوراً بعد اُس نے اپنے حلقۂ اقتدار کو مغرب اور جنوب کی طرف وسعت دی۔ جارجیا کا سلسلۂ کوہ اور قسطنطنیہ کے قرب و جوار تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ یروشلم کا مقدس شہر اور شط العرب کے جنگلات پر بھی قبضہ کر لیا۔ بجائے اس کے کہ اتنی بڑی سلطنت قائم کرنے کے بعد وہ اپنے محل اور حرم کی چار دیواری میں دادِ عیش دیتا۔ وہ ہمیشہ میدانِ جنگ کی فعال زندگی ہی کو ترجیح دیتا رہا۔ خواہ جنگ ہو یا امن، وہ میدان ہی میں زندگی بسر کرنے کو ترجیح دیتا۔ اُس کے پڑاؤ کا مقام ہمیشہ بدلتا رہتا۔ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی صوبے میں موجود رہتا۔ اُس نے غالباً بارہ دفعہ اپنی وسیع حکومت کا دورہ کیا۔ اس کی سلطنت کی وسعت سائرس اور خلفا سے بھی زیادہ تھی۔ ان طویل مہمات میں سے سب سے اہم اس کا سفرِ حج تھا۔ اس نے مکہ تک کے علاقے میں کاروانوں کے محفوظ اور آزادانہ سفر کا اہتمام کیا۔ اس کی فوج اس امر کی ذمہ دار تھی کہ قافلوں کو ہر نوعیت کا تحفظ حاصل رہے۔ اس نے اس قدر خیرات کی

کہ اس سفر کے راستے میں آنے والے زائرین اور مقامی آبادی کی حالت بہتر ہو گئی۔ اور صحراؤں میں ایسے مقامات کا تعین کر دیا گیا، جہاں پر تازہ دم ہونے اور امداد حاصل کرنے کے مواقع پیدا کر دیے گئے تھے۔ یہ سہولیات تمام مسلمانوں کو حاصل تھیں۔ کسی کے ساتھ امتیاز نہ برتا جاتا تھا۔ شکار سے وہ لطف اندوز ہوتا تھا بلکہ اس کے بغیر رہ ہی نہ سکتا تھا۔ اس کے سفر میں اس کے ساتھ سینتالیس ہزار گھوڑوں کی قطار ہوتی۔ ترکستان میں ایک تعاقب کے دوران ہر جانور کے شکار پر اس نے سونے کا ایک ٹکڑا عنایت فرمایا۔ یہ رقم غربا میں تقسیم کی گئی۔ عوام بادشاہ کی عادات و اطوار کے اس پہلو کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اس کے دور میں امن اور خوشحالی قائم رہی۔ ایشیا کے شہروں میں اس نے شفا خانے اور محلات تعمیر کرائے، مسجدیں تعمیر کرائیں، جن میں اعلیٰ تعلیم کی سہولتیں بھی فراہم کی گئیں۔ اس کے دیوان سے کوئی شخص انعام حاصل کیے بغیر نہ جاتا اور ہر شخص سے انصاف کیا جاتا۔ سلجوق کے عہد میں فارسی زبان اور ادب دوبارہ بحال ہو گیا۔ اگر ملک شاہ کبھی جود و سخا میں کوتاہی کا مرتکب ہوتا تو اُس کے محل میں ہزاروں شاعر اور مغنی موجود ہو جاتے۔ سلطان نے تقویم کی اصلاح پر بڑی رقم خرچ کی۔ اس غرض کے لیے اُس نے مشرق کے ماہرین فلکیات کی ایک مجلس منعقد کی۔ جناب رسالت مآبؐ کے عمل کے مطابق مسلمان قمری تقویم پر عمل کرتے ہیں جو کئی لحاظ سے بے قاعدہ ہے اور اس کی موسموں پر تطبیق نہیں ہوتی۔ فارس میں زرتشت کے دور سے لے کر شمسی تقویم جاری رہی ہے اور اسی پر سالانہ تہوار منعقد کیے جاتے رہے ہیں مگر مجوسیوں کی سلطنت کے اختتام کے بعد شمسی تقویم کو نظر انداز کر دیا گیا۔ منٹوں کو لمحات میں تقسیم کیا گیا۔ پھر ساعت (گھنٹے) کا تعین کیا گیا۔ ان کو ضرب دے کر، روز متعین کیا گیا، پھر نوروز کے دن کو یعنی موسم بہار کے تعین کی رسم کو برج حمل سے برج حوت سے ختم کر دیا گیا۔ ملک شاہ کی حکومت کو گلیلی دور (تقویم) کے حساب سے منضبط کیا گیا۔ پھر زمانی لحاظ سے ماضی اور مستقبل کی تمام اغلاط کو درست کر دیا گیا۔ اس کی قائم کردہ شمسی تقویم جولین کی تقویم سے بھی بہتر ہے اور گریگوری کے اسلوب کے مطابق ہے۔

اُس دور میں جبکہ یورپ ابھی تک جہالت کے ظلمات میں گھرا ہوا تھا۔ ایشیا میں علم و فن کی لہریں رواں تھیں اور تُرک سب سے آگے تھے، پوری سلطنت اُن کے علم اور خوبیوں کی حصہ دار تھی۔ یہ سب ایک فارسی وزیر کی بدولت تھا، جس نے الپ ارسلان اور اُس کے فرزند کے زمانۂ حکومت میں فی الواقع علمی دُنیا پر اپنا سکہ چلایا۔ نظام مشرقی دُنیا کا سب سے زیادہ مشہور اور اہل وزیر گزرا ہے۔ اسے شہنشاہ اپنے عہد کا مجدد اور علم و فن کا مجتہد قرار دیتا تھا۔ سلطان نے اسے اپنے تمام اختیارات تفویض کر دیے تھے اور انصاف کا نظام بھی

اسی کے حوالے کر دیا تھا۔ تیس سال کے انتظامی امور بجالانے کے بعد وزیر کی شہرت، دولت، بلکہ اس کی خدمات کو بھی مجرمانہ قرار دیا گیا۔ اسے ایک عورت کی مکارانہ چالوں اور ایک حریف کی سازشوں کی وجہ سے اقتدار سے ہٹا دیا گیا۔ اس کے زوال پر فوری عمل درآمد کے لیے ایک اعلان کر دیا گیا۔ اس کا کلاہ اور روشنائی و قلم، اور اس کے تمام دفتری نشانات، تخت کے ساتھ حکم الٰہی کی وجہ سے منسلک تھے اور یہ سلطان کی رضا پر منحصر تھا کہ اسے کب تک قائم رکھے۔ جب اس کی عمر ترانوے سال ہوگئی تو اس کے آقا نے اسے تمام سرکاری مناصب سے معزول کر دیا۔ اس کے دشمنوں نے اس پر الزامات عائد کیے اور اسے ایک متعصب شخص نے قتل کر دیا۔ نظام کے آخری الفاظ اُس کی بے گناہی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ مگر اس کے بعد ملک شاہ کی زندگی بھی مختصر ہوگئی اور اُس میں بھی کوئی شاندار کارنامہ نہ انجام دیا جا سکا اور وہ اس تذلیل آمیز واقعہ کے بعد اصفہان سے بغداد منتقل ہوگیا۔ اُس کا منصوبہ یہ تھا کہ خلیفہ کو وہاں سے کہیں اور منتقل کر دیا جائے اور وہ خود مرکز اسلام یعنی بغداد میں مستقل رہائش اختیار کر لے۔ محمد کا کمزور جانشین صرف دس روز زندہ رہا اور اس سے قبل کہ معاہدے کی شرائط طے کی جاتیں۔ اسے فرشتۂ اجل نے اس دُنیا سے واپس اُٹھا لیا۔ قسطنطنیہ میں اس کے سفیر نے ایک رومی شہزادی سے شادی کی درخواست کی تھی، ممکن ہے کہ یہ شادی ہو جاتی اور شہزادی چند ایام کے بعد مشکلات میں مبتلا ہو جاتی مگر مذکورہ شہزادی (یعنی الیکسی اوس کی بیٹی) نے خود ہی اس غیر فطری ازدواجی تعلق سے انکار کر دیا۔ سلطان کی بیٹی کی شادی خلیفہ مقتدی کے ساتھ ہوئی تھی۔ اُس میں یہ شرط بھی عائد تھی کہ اس کے بعد خلیفہ اپنے کسی دوسرے حرم اور کنیز سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھے گا اور ہمیشہ کے لیے اپنے آپ کو اس بیوی کا پابند رکھے گا۔

ملک شاہ کی ذات کے ساتھ ہی ترکی کی سلطنت کی عظمت اور اتحاد کا خاتمہ ہوگیا۔ اُس کے خالی تخت پر اُس کے بھائی اور بیٹوں میں تنازع اُٹھ کھڑا ہوا۔ خانہ جنگیوں کے ایک طویل سلسلے کے بعد باقی ماندہ اُمیدواروں میں جو عہد نامہ مرتب ہوا، اُس کی بنیاد اس سلطنتِ فارس کی تقسیم پر قائم ہوئی۔ بلکہ طویل عرصے کے لیے اس کی توثیق کر دی گئی۔ سب سے بڑا بھائی جو سب سے زیادہ اہل تھا۔ وہ فارس کا حکمران مقرر کیا گیا۔ تین چھوٹے خاندان کرمان، شام اور روم کے حاکم مقرر ہوئے۔ ان میں سے اوّل نے بحر ہند کے ساحلوں تک اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ دوسرے نے ایلیپو کے عرب حکمرانوں کو باہر نکال دیا اور دمشق بھی خالی کرا لیا اور تیسرے ایشیائے کوچک کے صوبوں پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ انھوں نے بھی ملک شاہ کی فیاضانہ حکمت عملی پر عمل جاری رکھا۔ انھوں نے اُن لوگوں کو بھی اپنے خون سے سینچا، جنھوں نے میدانِ جنگ میں ان کی مخالفت کی تھی

تاکہ اُن کی شان و شوکت کے مطابق اُن کے لیے نئی حکومتیں حاصل کر سکیں۔ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ اُس عنصر کو اپنے علاقوں سے باہر نکال دے جو کسی وقت امن و سکون کو تباہ کر سکتا ہو۔ وہ اپنے آپ کو اپنے خاندان اور قوم کا سربراہِ اعلیٰ کہتا تھا۔ شہنشاہِ ایران نے اپنے بھائیوں کو بھی اپنا جگزار بنا لیا، فارس کے عظیم شہنشاہ نے کرمان، نائس، ایلیپو اور دمشق کو زیر نگین کر لیا۔ اتابکوں اور میسوپوٹیمیا کے امیروں نے اپنا آزاد علم بلند کر لیا اور اس کے تاج کے زیر سایہ ترکمانوں کے بڑے بڑے لشکر، مغربی ایشیا کے میدانوں پر چھا گئے۔ اُن کی فرمانبرداری میں کچھ نرمی پیدا ہوئی جو بعد میں بالکل ختم ہوگئی۔ خاندان سلجوق نے اپنے غلاموں کو اپنی نسلوں میں حکومت منتقل کرنے کا حق دے دیا اور اس طرح اُن کے زیر قدم خاک میں سے بادشاہوں کی ایک بڑی تعداد اُبھر کر باہر آ گئی۔

اسی شاہی خاندان کا ایک فرد قتلمش، بن اسرائیل بن سلجوق، الپ ارسلان کے خلاف ایک جنگ میں مارا گیا اور انسان دوست فاتح نے اس کی قبر پر آنسو بہائے۔ اس کے پانچ بیٹے بھی اسلحہ میں بہت مہارت رکھتے تھے اور جاہ پسند تھے اور اُنھوں نے جذبۂ انتقام کے تحت اپنی تلواری نیاموں سے باہر نکال لیں اور الپ ارسلان کے بیٹے کے خلاف جنگ پر کمربستہ ہوگئے۔ یہ دونوں فریق شمشیر زنی کے اشارے کے منتظر تھے جبکہ خلیفہ نے جو صحیح صورت حال سے قطعاً بے خبر تھا۔ یہ مناسب سمجھا کہ فریقین کے مابین صلح کرادے اور ثالثی کی کارروائی کا آغاز کر دیا۔ خلیفہ نے کہا کہ اس کی بجائے کہ دونوں بھائی ایک دوسرے کا خون بہائیں یہ مناسب ہوگا کہ دونوں بھائی متفق ہو جائیں اور مل کر یونانیوں پر حملہ کر دو جو دشمنانِ خدا اور رسول ہیں۔ اُنھوں نے اُس کی بات کو غور سے سنا اور ایک دوسرے سے بغل گیر ہوگئے۔ ان میں سے جو سب سے بڑا تھا، اُس کا نام سلجوق تھا۔ اُس نے شاہی اطاعت قبول کر لی، اُس کو شاہی علم نصیب ہوا اور یونانی صوبوں پر نسلی حکومت قائم کرنے کا اختیار مل گیا۔ ارضِ روم سے قسطنطنیہ تک اور مغرب کے وہ علاقے بھی جن کے متعلق ابھی تک کوئی صحیح علم ترکوں کو حاصل نہ تھا۔ اس نے اپنے چاروں بھائیوں کو ساتھ لیا اور فرات عبور کر گیا۔ ترکی پڑاؤ ہوتاہیہ (Hutaich) کے قریب فریجیا میں قائم کر دیا گیا، اور ان کے تیز رفتار رسالے نے دردانیال اور بحیرۂ اسود تک کا علاقہ پامال کر دیا گیا۔ جب سے سلطنت کو زوال آیا تھا، ایشیائے کوچک کا جزیرہ نما علاقہ اہلِ فارس اور عربوں کی دست درازیوں کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ مگر اس کی حقیقی فتح کا ثمر ترکی کے سلطان ہی کی قسمت میں لکھا تھا۔ اس کی فوج کی رہنمائی اُن یونانیوں نے کی تھی جن کی خواہش تھی کہ وہ اب اپنے ملک کے کھنڈرات پر اپنی

حکومت قائم کرلیں، جب سے رومانوس قید ہوا تھا۔ یوڈوقیا کا نابالغ بچہ تاج کے وزن کے نیچے لرزہ براندام تھا۔ چونکہ مشرق اور مغرب کے تمام صوبے اسی بغاوت کے زیر اثر ضائع ہو گئے تھے۔ یہ بغاوت بیک وقت دو مختلف علاقوں میں برپا تھی۔ مشرق اور مغرب کے صوبے اس کا شکار تھے۔ برائی اوس اور بوطونیا طیس علی الترتیب یورپی اور ایشیائی صوبوں کی حکمرانی کے اُمیدوار تھے، کچھ پس و پیش کے بعد سلیمان نے اپنے آپ کو بوطونیا طیس کی حمایت پر آمادہ کرلیا۔ اُس نے جواب میں اناخ سے لے نائس تک کے علاقے میں سے اُسے آزادانہ پیش قدمی کا حق دے دیا۔ اس طرح صلیبی جھنڈے کے ساتھ ساتھ ہلالی پرچم بھی بلند ہو گیا۔ جب اُس کا اتحادی قسطنطنیہ کے تخت پر بیٹھ گیا تو سلطان کو کرائسو پولس کے مقام پر دعوت دے دی گئی یا دوسری روایت کے مطابق یہ دعوت ستوطری کے مقام پر ہوئی۔ دو ہزار ترکوں کا ایک دستہ یورپ میں منتقل کر دیا گیا۔ بادشاہ اس پر بہت خوش ہوا کیونکہ اسی دستے کی مدد سے اُس نے اپنے حریفوں کا مقابلہ کیا اور فتح حاصل کی اور اُس کے حریف برائی اُوس کو قیدی بنالیا گیا۔ مگر یورپ کی فتح کی بہت زیادہ قیمت ادا کرنی پڑی کیونکہ اس کی وجہ سے ایشیائی مقبوضات اُس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ قسطنطنیہ کو باسفورس اور دردانیال سے آگے کے علاقوں سے محصولات ملنے ختم ہو گئے اور ترکوں کی باقاعدہ پیش قدمی کی وجہ سے دریاؤں اور پہاڑوں کے دروں کو بند کر دیا۔ اس لیے اُن کی پسپائی یا فرار کے تمام راستے بند ہو گئے اور نہ وہ کسی مخالف کو ان راستوں سے باہر نکال سکتے تھے۔ ایک اور اُمیدوار نے سلطان کی مدد طلب کی۔ میلیسی نُوس نے شاہی لباس پہن رکھا تھا اور سرخ خلعت میں ملبوس تھا، اُس نے ترکوں کی چھاؤنی کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیا۔ اُس نے قرب و جوار کے عوام کو جمع کیا اور انھیں کہا کہ وہ فوراً سلطان کی اطاعت قبول کرلیں۔ شہنشاہ الیکسی اُوس کے ساتھ ایک معاہدۂ امن طے ہو گیا۔ چونکہ وہ رابرٹ سے خوف زدہ تھے، اس لیے اُس نے سلطان سے معاہدہ کرنے میں ہی عافیت سمجھی۔ سلطان کی زندگی میں پیش قدمی جاری رہی اور وہ نکومیڈیا تک پہنچ گیا۔ جو قسطنطنیہ سے بھی ساٹھ میل آگے تھا۔ رومی دُنیا کی حداب اسی مقام پر ختم ہو جاتی تھی۔ طربی زونڈ نے سمندر اور خشکی دونوں اطراف سے اپنا دفاع کیا اور بحیرۂ اسود تک اپنی قدیم سرحدوں کی حفاظت جاری رکھی۔ اسی کی بدولت عیسائیت کی مستقل سرحدیں قائم رہیں۔

جب سے خلفا کی فتوحات کا سلسلہ جاری ہوا تھا۔ ترکوں کا اناطولیہ اور ایشائے کوچک پر حملہ اور قبضہ سب سے بڑا اور قابلِ افسوس نقصان تھا اور کلیسا اور سلطنت کے لیے ایک سخت حادثہ تھا۔ چونکہ سلیمان نے

اسلام کی تبلیغ کی، اس لیے وہ غازی کے لقب کا مستحق قرار دیا گیا اور جغرافیہ میں ایک نئی مسلمان حکومت کا اضافہ ہوا، جس کا نام رومن (Romans) یا روم (Roum) رکھا گیا۔ اس کی سرحدیں فرات سے لے کر قسطنطنیہ تک تھیں۔ دوسری طرف یہ بحیرہ اسود سے لے کر شام تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں چاندی، لوہے، پھٹکری اور تانبے کی بہت سی کانیں تھیں۔ اس میں اناج اور انگور بھی بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ اس میں مویشی اور عمدہ گھوڑوں کی بھی کثرت تھی۔ لیڈیا کی دولت اور یونانی فنون اور آگسٹس کے عہد کی شان و شوکت کے نشانات موجود تھے ان کے نشانات صرف کتابوں اور کھنڈرات میں دیکھے جاسکتے تھے۔ مگر سکاتھی فاتحین کی نظروں سے ان کی حقیقت ابھی تک اوجھل تھی۔ اس زوال کی حالت میں بھی اناطولیہ میں بعض امیر اور گنجان آباد شہر موجود تھے جو بازنطینی شہنشاہ کے سیاسی اقتدار میں قائم تھے، وہ اپنے رقبے، آبادی اور خوشحالی کے لحاظ سے بہت زیادہ نمایاں تھے۔ سلطان کے انتخاب کے مطابق جو بائتھینیا کا دارالحکومت تھا۔ شاہی محل کی تعمیر کے لیے موزوں قرار دیا گیا اور یہاں پر ایک قلعہ بھی تعمیر کیا گیا۔ یہ مقام قسطنطنیہ سے ایک سو میل دور تھا۔ یہ محل اُسی مقام پر تعمیر کیا گیا، جہاں کبھی کیتھولک عیسائیوں کا ایک اجتماع عام ہوا تھا۔ مسجد میں خدائے واحد کی توحید اور حضورؐ کی رسالت کی تبلیغ کی جانے لگی۔ مدارس میں عربی علوم کی تعلیم دی جانے لگی اور قرآن شریف کا قانون پڑھایا جانے لگا اور قاضی قرآنی احکام کے تحت فیصلے کرنے لگے۔ شہروں میں ترکی زبان اور اندازِ حیات رواج پانے لگے اور اناطولیہ کے پہاڑوں اور میدانوں میں تُرک چھاؤنیاں قائم ہونے لگیں۔ یونانیوں کو حسب شرائط جزیہ ادا کرنے پر اپنی مذہبی آزادی قائم رکھنے کی اجازت مل گئی۔ اُن کے مقدس گرجوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ بشپوں کی البتہ تحقیر کی جاتی۔ اُن کو مجبور کیا جاتا کہ وہ شرک کو ترک کریں اور دوسروں کو بھی خدا کی توحید کی تعلیم دیں۔ بہت سے بچوں کا ختنہ کیا گیا۔ کئی ہزار لوگ اُس زمانے کے دستور کے مطابق غلام بنالیے گئے۔ جب ایشیا ہاتھ سے نکل گیا، پھر بھی اس علاقے کی آبادی کو اپنے عیسائی مذہب پر قائم رہنے کی آزادی حاصل رہی اور وہ اپنے قیصر کے بھی وفادار رہے۔ یہ صوبہ ویسے بھی باقی صوبوں سے الگ تھلگ واقع تھا۔ اب اس کی صورت یہ ہو گئی کہ یہ چاروں طرف سے مسلمان علاقوں سے گھر گیا۔ فلاری طوس جو اس علاقے کا گورنر تھا، وہ مایوس ہو گیا اور اُس نے اپنا مذہب تبدیل کرنے کا ارادہ کرلیا اور اپنی وفاداری بھی تبدیل کرلی۔ مگر اُس کے بیٹے نے اُسے اس جرم کے ارتکاب سے منع کر دیا اور کہا کہ وہ کوئی بہت قیمتی تحفہ سلیمان کو پیش کر دے۔ طالب اقتدار سلطان گھوڑے پر سوار ہوا اور بارہ راتوں بعد (کیونکہ وہ دن کو آرام کرتا تھا) اُس نے چھ سو میل کا فاصلہ

طے کرلیا۔ اُس نے انتہائی رازداری سے اچانک حملہ کیا۔ جس کے نتیجہ کے طور پر انتاخ پر اس کا دباؤ بڑھ گیا اور لاوڈیقیا سے لے کر ایلیپو کی سرحدوں تک کا علاقہ بھی دارالحکومت کی تقلید پر آمادہ ہوگیا۔ لاوڈیقیا کے علاقے سے لے کر تھریسی باسفورس تک، جو سینٹ جارج کے پیروکاروں کا علاقہ تھا، یہ سب سلیمان کے ہاتھ آ گیا۔ اس علاقہ کا طول تیس دن کی مسافت اور عرض دس یا پندرہ دن کے سفر کے برابر تھا اور لائسیا کی چٹانوں سے لے کر بحیرۂ اسود تک کا تمام علاقے اس میں شامل تھا، چونکہ ترک جہاز رانی سے نا آشنا تھا۔ اس وجہ سے اس علاقے کو قدرے تحفظ حاصل ہوگیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یونانی قیدیوں کی مدد سے چار سو جہازوں کا ایک بڑا بیڑہ تیار کرلیا گیا تھا۔ اس وجہ سے ایلکسی اُوس اپنے قلعے کی دیواروں کی اوٹ میں لرزاں رہتا تھا۔ اس نے ایک شکایتی مراسلہ یورپ کے تمام بادشاہوں کو لکھا تا کہ اُسے کسی نہ کسی سمت سے مطلوبہ مدد حاصل ہو سکے اور لاطینیوں سے بھی درخواست کی کہ وہ قسطنطنیہ کے خطرات، کمزوری اور شہر کی مرفع حالی سے آگاہ ہوسکیں۔

سلجوقی ترکوں کی سب سے دلچسپ فتح یروشلم سے متعلق تھی جو بہت جلد اقوام عالم کے مابین ایک بازی گاہ کی صورت اختیار کرگئی۔ جب حضرت عمرؓ وہاں تشریف لے گئے تھے تو اُنھوں نے مقامی آبادی کو اُن کے مذہب اور جائیداد کے تحفظ کا یقین دلایا تھا۔ مگر ایک بادشاہ نے اس معاہدے کی شرائط کی مختلف تعبیر کی۔ بادشاہ کی قوت کے سامنے اُس سے اختلاف کرنا بہت مشکل تھا اور خطرناک بھی ہوسکتا تھا۔ خلفا کی چار سو سالہ حکومت کے دوران یروشلم کا سیاسی موسم دھوپ چھاؤں کا شکار ہوتا رہا تھا۔ آبادی بھی بڑھ گئی اور لوگ مذہب بھی تبدیل کرتے رہے تو مسلمانوں کا اپنی آبادی کے لحاظ سے یہ حق بن گیا تھا کہ وہ شہر کے تین چوتھائی حصے پر قبضہ کرلیں مگر ایک خاص مقام اسقف اور اُس کے پادری کے لیے مخصوص تھا اور ان کے ہمراہ وہ مقامی افراد بھی شامل تھے جو عیسائیت میں شامل نہ ہوئے تھے۔ اس تحفظ کی قیمت یہ تھی کہ ہر شخص دو طلائی سکے بطور جزیہ ادا کرتا تھا اور حضرت عیسیٰؑ کا کلیسا اور مقام حیاتِ نو ابھی تک عیسائیوں کے قبضے میں تھا۔ عیسائی زائرین بھی بڑی تعداد میں یروشلم آتے رہتے تھے۔ عربوں کی فتح کے بعد زائرین کی آمد کم ہونے کی بجائے پہلے سے زیادہ ہوگئی تھی۔ سفر کی صعوبتوں اور مسافت کی وجہ سے شوق زیارت میں کمی کی بجائے جذبات میں ہیجان کی زیادتی محسوس ہونے لگی تھی۔ مشرق اور مغرب کی طرف زائرین کی ایک بھیڑ مقاماتِ مقدسہ میں وارد ہوتی رہتی تھی اور ملحقہ خانقاہوں کی زیارت بھی ہو جاتی۔ ایسٹر کے تہوار کے موقع پر مقامی آبادی کے علاوہ یونانی، لاطینی، نسطوری، یعقوبی، قبطی، حبشی، آرمینیائی اور جارجیائی، پادری، پجاری، اپنے اپنے پیروکاروں کے ہمراہ یہاں

حاضری دیتے۔ ان اجتماعات کی وجہ سے بادشاہ اور امیر کے خزانوں میں ہر سال اضافہ ہوتا رہتا اور خوب رونق ہوتی۔ ہر زائر محصول بھی ادا کرتا اور خرید و فروخت بھی کرتا۔

جب یہ انقلاب آیا کہ عباسیوں کے ہاتھ سے اقتدار نکل کر، فاطمیوں کو منتقل ہوگیا تو یروشلم کے عیسائیوں کو اس میں نقصان کی بجائے فائدہ ہوا۔ ایک ایسا شہنشاہ جو مصر میں مقیم تھا، اُسے عیسائیوں سے تجارت کی اہمیت کا بہت زیادہ احساس تھا اور فلسطین میں متعین امیر خلیفہ کے اقتدار اور مفادات کا بہت زیادہ خیال نہیں رکھتے تھے۔ مگر فاطمی سلسلے کا تیسرا خلیفہ حاکم مشہور متعصب نوجوان تھا۔ اُس میں مطلق العنانیت اتنی زیادہ تھی کہ وہ خدا یا انسان کسی سے بھی خائف نہ تھا اور اُس کا دورِ حکومت کوتاہیوں اور غلطیوں کا مرکب تھا۔ وہ مصر کے قدیم رواجات کی پروا بھی نہ کرتا تھا، مرد و زن اُس کے خلاف احتجاج کی آواز بلند کرتے تھے۔ اس سے اُس کے غصے میں مزید اضافہ ہوجاتا۔ اُس نے قدیم قاہرہ کے ایک حصے کو نذرِ آتش کردیا اور شہر کے محافظین اور عوام متواتر کئی روز تک آپس میں جنگ لڑتے رہے۔ آغاز میں خلیفہ نے اپنے آپ کو ایک پُرجوش مسلمان کہا۔ اُس نے مساجد کے تعمیر کرنے اور مدارس بنانے کا دعویٰ بھی کیا۔ اُس نے قرآن شریف کے بارہ سو نوے نسخے طلائی حروف میں تحریر کرائے اور اُن کا خرچ اپنے مخصوص خزانے سے ادا کیا۔ اُس نے شمالی مصر میں انگور کی فصل تباہ کرادی تا کہ شراب کشید نہ کی جاسکے۔ لیکن بعد میں اچانک اُس کا سارا خلوص ختم ہوگیا اور وہ ایک نیا مذہب ایجاد کرنے میں مصروف ہوگیا۔ اُس نے دعویٰ کیا کہ وہ (نعوذ باللہ) پیغمبروں سے بھی برتر ہے اور خود ہی خدا ہے۔ وہ نو دفعہ اس دنیا میں پیدا ہو چکا ہے اور اب ایک بادشاہ کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ اُس نے حاکم کا نام اختیار کیا ہے اور وہ زندہ اور مردہ انسانوں کا خدا ہے۔ ہر گھٹنا اُس کے سامنے جھک جانا چاہیے اور سب کو اُس پر ایمان لانا چاہیے۔ قاہرہ کے نزدیک ایک پہاڑی پر وہ اپنے رازہائے سربستہ افشا کرتا۔ سولہ سو اشخاص اُس کے حلقے میں شامل ہوگئے۔ دورِ جدید میں ایک آزاد اور جنگجو قوم دروس (Druses) کوہِ لبنان کے اس ظالم پاگل شخص کی باتوں پر دھیان دینے کے لیے موجود ہیں۔ حاکم عیسائیوں اور یہودیوں سے نفرت کرتا تھا۔ وہ انھیں اپنے حریفوں کا خادم کہتا۔ مگر اس تمام عصبیت کے باوجود وہ اسلامی فقہ کے حق میں بات کرتا۔ اس کے ظلم وستم کی وجہ سے مصر اور فلسطین میں بہت سے لوگ مارے گئے اور بہت سے مرتد بھی ہوگئے۔ مساوات کے تمام متفقہ اصولوں کو بھی اس نے پس پشت ڈال دیا۔ یہاں کی مقامی آبادی اور زائرین پر پابندی عائد کر دی۔ بیشتر گرجے گرادیے اور حیاتِ نو کے گرجے کی تو بنیادیں بھی اُکھاڑ دیں۔ ایسٹر کے تہوار پر شمعیں روشن

کرنے کو ممنوع قرار دے دیا اور اُس سنگی غار کو تباہ کرنے کی کوشش کی۔ جب یورپی اقوام کو اس کی بیہودگیوں کی اطلاع ملی تو وہ اسے برداشت نہ کر سکے اور اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر بجائے اس کے کہ وہ ارضِ مقدس کا دفاع کریں۔ اُنھوں نے یہودیوں کو جلانا یا جلاوطن کرنا شروع کر دیا۔ ان کے خیال میں وہ اس وحشی کے خفیہ صلاح کار تھے۔ اس کے باوجود یروشلم کے مصائب کچھ کم ہو گئے، کیونکہ حاکم غیر مستقل مزاج تھا اور تائب بھی ہو گیا اور ایک ایسے شاہی حکم پر جو گرجا گھروں کے متعلق تھا۔ بالآخر اس کے دین کے پیروکاروں نے اس ظالم کو قتل کر دیا۔

اس کے جانشین خلیفہ نے اپنی خلافت کے دور میں مذہب اور حکمتِ عملی کو اُصول کے تحت منظم کیا۔ ایک آزادانہ بقائے باہمی اور اختلافات کو برداشت کرنے کے اُصول پر عمل کیا اور قسطنطنیہ کے شہنشاہ سے بھی اس سلسلے میں مدد لی۔ کھنڈرات میں سے مقدس مرقد مسیح دوبارہ اُبھر آیا۔ کسی قدر مختصر تعطل کے بعد زائرین دوبارہ روحانی دعوت پر جمع ہونے شروع ہو گئے۔ بیت المقدس کے بحری سفر کے دوران بالعموم خطرات کا سامنا کرنا پڑتا اور اس کے مواقع بھی شاذ ہی نصیب ہوتے۔ مگر جب ہنگری کے باشندوں نے بھی عیسائیت قبول کر لی تو جرمنی اور یونان کے مابین ذرائع نقل و حمل میں سہولت پیدا ہوئی۔ سینٹ سٹیفن کی فیاضی سے (جو اس دور کا ایک مشہور اسقف اور حواری تھا) اپنے عیسائی بھائیوں کی بہت مدد کی۔ بغداد سے لے کر انتاخ کا فاصلہ پندرہ سو میل تھا۔ یہ علاقہ کسی دور میں ایک عیسائی سلطنت کا بہت بڑا حصہ تھا۔ جہاں تک فرینکوں کا تعلق ہے، تو ان میں زیارت کا شوق زمانہ ماضی کے مقابلے میں بہت بڑھ گیا تھا اور سڑکیں ان لوگوں کی وجہ سے آباد رہتیں۔ ان میں عورتیں ہوتیں، مرد بھی ہوتے۔ ہر مرتبے اور ہر درجے کے لوگ ہوتے۔ وہ اپنی زندگی کی کم مائیگی کا اقرار کرتے اور وہ اپنے نجات دہندہ کی قبر پر بوسہ دیتے۔ بادشاہ اور نو عیسائی اپنی حکومتوں کا کاروبار ترک کر کے زیارت کا وقت نکال لیتے اور ان کاروانوں کی تعداد افواج سے بھی زائد ہوتی جو اس دور میں بھی صلیب کے جھنڈوں کے سایہ تلے محوِ سفر رہتے۔ پہلی صلیبی جنگ سے تیس سال قبل اور مینٹز (Mentz) کے اسقفِ اعظم سے بھی اتنی ہی مدت پہلے، جبکہ بشپ اتریکٹ، بمبارگ اور ریٹسبان نے اس دشوار گزار سفر کا ارادہ کر لیا اور راین سے اُردن کے شرق کی طرف روانہ ہو گئے تو اُن کے ہمراہ کاروانوں کی تعداد سات ہزار افراد تھی۔ جب وہ قسطنطنیہ پہنچے تو شہنشاہ نے ان کی بہت خاطر مدارات کی مگر اُن کے پاس اس قدر مال و متاع تھا جس نے عربوں کے جذبات میں ہیجان پیدا کر دیا۔ انھوں نے اپنی تلواریں نکال لیں اور کا پرنا اُدم کے

گاؤں میں محصور ہو گئے۔ یہاں تک کہ فاطمی امیر نے انھیں تحفظ فراہم کیا۔ مقدس مقامات کی زیارت کے بعد یہ لوگ اٹلی کی طرف روانہ ہو گئے مگر دو ہزار افراد کے ایک قافلے میں سے صرف چند سو افراد بحفاظت منزلِ مقصود پر پہنچ سکے۔ فاتح ولیم کا ایک وزیر انگل فوس بھی ان زائرین میں شامل تھا۔ اُس نے بیان کیا کہ وہ تیس مضبوط جسم کے گھڑ سواروں کے ہمراہ نارمنڈی سے روانہ ہوا۔ مگر جب وہ الپس کو عبور کرنے کے لیے پہنچے تو ان کے پاس صرف لاٹھیاں تھیں جن کے سہارے وہ پہاڑیوں پر چڑھتے۔ جبکہ اُنھوں نے ذاتی سامان کی گٹھریاں اپنے کندھوں پر اُٹھا رکھی تھیں۔

رُومیوں کی شکست کے بعد ترکوں نے فاطمی خلفا کے امن و سکون پر حملہ کر دیا۔ ملک شاہ کے نائبوں میں ایک شخص عطسیز (Atsiz) خوارزمی تھا۔ وہ ایک مضبوط فوج لے کر شام میں داخل ہو گیا اور دمشق پر بزور شمشیر قبضہ کر لیا، یہ شہر پہلے ہی سے قحط کا شکار تھا۔ حمص اور دوسرے شہر خلیفۂ بغداد اور شاہ فارس کے زیر اقتدار تھے۔ فاتح امیر بغیر کسی مزاحمت کے دریائے نیل کے کناروں تک پہنچ گیا جبکہ فاطمی افریقہ کے قلب میں جا پہنچنے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ مگر اس کے ملازم حبشی محافظین اور قاہرہ کے باشندوں نے ایک اضطراری حملہ کیا اور ترکوں کو مصر کی سرحدوں سے باہر نکال دیا۔ جب یہ واپس آیا تو اس نے قتل عام اور لوٹ مار کا حکم دے دیا اور مجرموں کے قتل کے بعد تین ہزار عام شہری بھی ہلاک کر دیے گئے۔ عطسیز کے مظالم پر اُسے سلطان طاؤکش نے سخت سزا دے دی۔ جو ملک شاہ کا بھائی تھا۔ اسے بلند اعزازات حاصل ہونے کے علاوہ اختیارات بھی تفویض کیے گئے تھے جو اس نے شام اور فلسطین کے صوبوں میں بلا دریغ استعمال کیے۔ خاندان سلجوق کی یروشلم پر حکومت بیس سال قائم رہی۔ مگر ارضِ مقدس کے متعلق اختیارات نسلاً بعد نسل امیر اورطوق کو تفویض کر دیے گئے جو کہ ترکستان کے ایک قبیلے کا سردار تھا۔ اس کا خاندان گزشتہ دو نسلوں سے آرمینیا کی سرحدوں پر رہ رہا تھا۔ آشور کی سرحد بھی اس سے متصل تھی۔ مشرقی صوبوں کے عیسائی اور لاطینی زائرین، اس انقلاب کو سخت ناپسند کرتے تھے، جس کی وجہ سے خلیفہ کی حکومت اور اُس کے ساتھ طے کردہ معاہدات اور قدیم اتحاد ختم ہو گیا تھا اور اُن کے گلے میں شمالی قبائل کی غلامی کا طوق ڈال دیا تھا۔ اپنے دربار میں عظیم سلطان نے اہلِ فارس کے طریق کار اور انداز کو رائج کرنے کی کوشش کی۔ گلہ بانوں کو ابھی تک صحرائی زندگی کی آزادی حاصل تھی۔ نائس سے لے کر یروشلم تک ایشیا کے مغربی ممالک باہمی جنگ و جدل میں مصروف تھے اور فلسطین کے گڈریے اس مشکوک حد بندی پر راضی نہ تھے۔ وہ اس قابل نہ تھے کہ اپنی معاشرتی اور مذہبی آزادی اور روایات کو قائم رکھ

سکیں۔ زائرین کو بے شمار مسائل درپیش تھے۔ اُنھوں نے یروشلم کے دروازے بند کر دیے۔ ڈاکو اُن کو لوٹ لیتے اور عوامی طبقے اُن پر تشدد کرتے۔ یہ سب کچھ قحط اور وباؤں کے ساتھ ساتھ پھیل رہا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ مقدس تاج و تخت اور قبر مسیح کا احترام کرتے اور قبر مسیح کی زیارت کرتے مگر اُن کے آقاؤں نے ان کی گستاخی کو بہت زیادہ محسوس کیا۔ اس پر مغرب کے عیسائیوں نے لاکھوں کی تعداد میں عربوں کی سرکوبی کے لیے متعدد جھنڈوں کے تحت یروشلم کی طرف سفر کا آغاز کر دیا۔ اس کے باوجود بھی اُس عہد میں بہت سی برائیاں مروج تھیں۔ ابھی تک لاطینی عیسائی اس صورت حال کو بڑے صبر سے برداشت کرتے آئے تھے۔ مگر اب ذرا سے معاملے نے نوجوان نسلوں کے جذبات کو بہت زیادہ برافروختہ کر دیا۔ اُن کے مذہبی جذبات برافروختہ ہو گئے اور معاملہ اہلِ کلیسا کے ہاتھوں میں منتقل ہو گیا۔ جذبات غیر معمولی طور پر مشتعل ہو گئے اور مذہبی جوش و خروش نے انھیں جنگ آزمائی پر آمادہ کر دیا اور اہلِ یورپ کے دلوں میں ہیجان پیدا ہو گیا۔

☆☆☆

(۵۸)

پہلی صلیبی (Crusade) جنگ کی اصل اور تعداد — لاطینی
بادشاہوں کا کردار — اُن کی قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی —
یونانی شہنشاہ الیکسی اُوس (Alexius) کی حکمتِ عملی —
نائس (Nice)، انتاخ اور یروشلم (Jerusalem) پر
فرینکوں (Franks) کی فتح — مقدس قبر کی آزادی —
بوئی لون (Bouillon) کا گاڈفرے (Godfrey) —
یروشلم کا پہلا بادشاہ — فرانسیسی یا لاطینی حکومت۔

پہلی صلیبی جنگ کی اصل اور تعداد — لاطینی بادشاہوں کا کردار — اُن کی قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی — یونانی شہنشاہ الیکسی اُوس کی حکمتِ عملی — نائس، انتاخ اور یروشلم پر فرینکوں کی فتح — مقدس قبر کی آزادی — بوئی لون کا گاڈ فرے — یروشلم کا پہلا بادشاہ — فرانسیسی یا لاطینی حکومت۔

تُرکوں کے یروشلم کو فتح کرنے کے دس سال بعد ایک گوشہ نشین زاہد مقدس مجسمے کی زیارت کے لیے آیا۔ اس کا نام پیٹر تھا۔ یہ آمائین کا رہائشی تھا جو فرانس کے صوبے پیکارڈی میں واقع تھا۔ اسے ذاتی طور پر تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ عیسائیوں پر بھی تشدد ہو رہا ہے اور اُس کے عیسائی نام کو بھی ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اُس نے مقامی اُسقف کے ساتھ مل کر اشک بہائے۔ اُسے یقین ہو گیا کہ شاہانِ مشرق کی طرف سے کسی بہتری کی توقع نہیں۔ اُس نے قسطنطین کے جانشینوں کی بُرائیاں اور کوتاہیاں کھل کر بیان کیں۔ زاہد نے بآوازِ بلند کہا کہ میں اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے کھڑا ہو جاؤں گا اور یورپ کی جنگجو اقوام کو بھی تمھارے مقاصد کی تکمیل کے لیے تیار کرا دوں گا اور یورپ نے اس زاہد کی آواز پر لبیک کہا۔ مقامی راہب نے اسے ایک مکتوب اور شکایت نامہ دے کر جانے کی اجازت دے دی۔ جونہی وہ باری کے مقام پر جہاز سے اُترا۔ اُس نے سب سے پہلے پاپائے روم کی قدم بوسی کی۔ اس کا قد بہت چھوٹا تھا اور شکل وصورت بھی ایسی تھی کہ دیکھ کر نفرت پیدا ہو۔ مگر اس کی آنکھیں بہت تیز تھیں اور اس کے اندازِ گفتگو میں ایک ایسا جوش تھا جو کہ دوسرے کی روح تک کو متاثر کر سکتا تھا۔ اُس کا تعلق ایک شرفا کے خاندان سے تھا۔ ہم اس موقع پر جدید محاورے کے مطابق بات کر رہے ہیں۔ وہ بولون کے قریب ایک کاؤنٹ کی فوج میں خدمات بجا لاتا تھا۔ پہلی صلیبی جنگ کے خطرناک عذاب اور تکالیف کا باعث یہی شخص تھا۔ لیکن جلد ہی وہ مر گیا اور اُس کی تلوار بھی اُس کے ہمراہ نیام میں چلی گئی۔ اگر چہ یہ درست ہے کہ اُس کی بیوی کا تعلق ایک شریف خاندان سے تھا۔ وہ اُس سے عمر میں بڑی بھی تھی اور بدصورت بھی تھی۔ وہ اس سے تعلقات منقطع کر کے راہبوں کی قیام گاہ میں چلا گیا تھا اور پھر یہ راہبوں کے اقامت خانے کا مستقل رہائشی بن گیا۔ افلاس کے علاوہ وہ تنہائی کی مصیبت

میں بھی مبتلا تھا، اس کا جسم بے ڈھنگا تھا۔ اس کا ذہن ہمیشہ اشتعال کا شکار رہتا۔ وہ جو خواہش بھی کرتا اُسے اپنے اعتقاد کا حصہ بنالیتا اور جس شے پر اعتقاد کرتا وہ اسے خوابوں میں نظر آنے لگتا اور اُسے یہ الہام سمجھنے لگتا۔ یروشلم کی زیارت کے بعد زائرین اپنے مقاصد کی تکمیل کے بعد گھروں میں واپس آ گئے مگر وہ ایک متعصب شخص کی صحبت سے بھی بہرہ یاب ہوئے۔ مگر یہ شخص اُس دور کے دیوانہ پن میں سب پر فوقیت رکھتا تھا۔ پوپ اُربان دوم نے اُسے ایک پیغمبر کی حیثیت دے کر خوش آمدید کہا۔ اُس کے شاندار منصوبوں کی تعریف کی اور اجتماع عام میں اس کی مدد کرنے کا وعدہ کیا اور ارض مقدس کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ جب اُسے اُسقفِ اعظم کی تائید حاصل ہوگئی تو یہ جوشیلا مبلغ برق رفتاری سے اور فرانس کے صوبوں میں گھوم گیا۔ وہ سادہ غذا کھاتا اور طویل وقت عبادت میں صرف کرتا جو خیرات اُسے ملتی وہ دوسروں میں تقسیم کر دیتا۔ وہ سر سے ننگا رہتا۔ اُس کے پاؤں میں جوتا نہ ہوتا۔ اُس کا منحنی جسم ایک کھردرے کپڑے کے ملبوس میں لپٹا رہتا۔ وہ ہر وقت ایک وزنی صلیب اُٹھائے پھرتا۔ جس گدھے پر وہ سفر کرتا، عوام کی نظروں میں وہ ایک صلیبی کا گدھا ہونے کی وجہ سے مقدس ہو گیا تھا۔ یہ بڑے مجمعوں میں تبلیغ کرتا، جو شاہراہوں اور گرجا گھروں میں اسے سننے کے لیے جمع ہو جاتے۔ وہ کسی بھی محل یا جھونپڑے میں یکساں اعتماد سے داخل ہو جاتا۔ کیونکہ ہر جگہ ایک ہی قسم کے انسان بستے تھے جو تائب ہوتے اور ارض مقدس کے لیے جہاد کرنے پر تیار ہوتے۔ جب اُس نے فلسطین میں آباد باشندوں اور زائرین کے معاملات کی نشاندہی کی تو ہر دل پگھل گیا اور ہر شخص بدلہ لینے پر تیار ہو گیا اور ہر سینہ جوش سے بے تاب ہو گیا۔ اُس نے جنگجو اقوام سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے مذہبی بھائیوں کی مدد کو پہنچیں اور اپنے نجات دہندہ کو بچائیں۔ اپنے زبان و بیان کے ہنر کی کوتاہیوں کو سسکیاں اور آہیں بھر کر پورا کر لیتا۔ اپنے خیالات کو بے ساختگی سے بیان کر دیتا۔ وہ کوئی استدلال تو پیش نہ کر سکتا تھا لیکن وہ حضرت عیسیٰ" اور حضرت مریم کے نام کی دہائی دیتا رہتا اور بلند آواز کا سہارا لیتا۔ وہ یہ دعویٰ بھی کرتا کہ وہ ولیوں اور فرشتوں سے ہمکلام ہو چکا ہے۔ یونان کے مشہور فصحا بھی اس کے بیان کی تاثیر پر رشک کرتے اور اس کی کامیابیوں پر حسد کرتے۔ اس کا بے تکا جوش خروش عوام کے دلوں میں ہیجان پیدا کر دیتا۔ وہ اپنی کامیابی کے اثرات کو خود بھی محسوس کرتا اور عالم عیسائیت میں اسے ایک عظیم مذہبی رہنما تسلیم کر لیا گیا اور لوگ اس کی نصیحتوں اور فیصلوں کو درست سمجھنے لگے۔

گریگوری ہفتم اس سے قبل ہی یہ کہہ چکا تھا کہ یورپ کو ایشیا کے مقابلے میں اسلحہ بند کر دیا جائے۔

اُس کے کئی ایسے مکتوب موجود تھے جو ایشیا کے خلاف جنگ کا پیغام دیتے تھے۔ کوہ الپس کی دوسری سمت پچاس ہزار رضا کاروں نے صلیبی جنگوں میں شمولیت کے لیے سینٹ پیٹر کے علم تلے اپنے نام لکھوا دیے تھے۔ اس کا جانشین اس غرض کے لیے مسلمانوں کے خلاف افواج کی رہنمائی کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ اس مہم میں فتح تو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اگرچہ بذات خود اس میں شمولیت کے لیے تیار نہ تھا۔ یہ مہم اُربان دوم کی قسمت میں لکھی تھی۔ وہ اُس کے چیلوں میں سے سب سے زیادہ لائق تھا۔ وہ مشرق پر فتوحات کے لیے تیار ہو گیا جبکہ روم کا نصف سے زائد علاقہ اُس کے حریف کے قبضے میں تھا اور اُس نے محفوظ قلعہ بندیاں کر رکھی تھیں۔ ریونا کا گیوبرٹ صرف اُربان دوم کا نام استعمال کرنے پر قانع تھا۔ اُس نے کوشش کی کہ وہ تمام مغربی قوتوں کو متحد کر لے۔ یہ ایسا وقت تھا کہ بادشاہوں نے اپنے آپ کو کلیسا سے الگ کر رکھا تھا اور عوام سے بھی ان کا جذباتی تعلق ختم ہو چکا تھا بلکہ انقطاع کی ایک ایسی صورت پیدا ہو چکی تھی کہ جو اس نے بذات خود اور اس کے پیشرو حکمرانوں کی حکمت عملی کا شاخسانہ تھی۔ اس نے شاہ فرانس کے خلاف گرجدار الفاظ میں اس کا اظہار کر رکھا تھا۔ فرانس کا بادشاہ فلپ اوّل اُن الزامات کو بھی حوصلہ مندی سے برداشت کرتا رہا جو اس نے اُس کی معمول کی زندگی پر بے راہ روی اور ناجائز ازدواجی تعلقات کے سلسلے میں عائد کیے تھے۔ جرمنی کے ہنری چہارم نے اپنی آئینی جانشینی کے حق کا دعویٰ کیا اور اُس نے یہ اختیارات حاصل کرنے کی کوشش بھی کی کہ بشپوں کی تقرری کے لیے اُس کی منظوری حاصل کی جائے اور تقرر نامے پر اُس کی مُہر ہو اور وہ اُس کے عہدے کا عصا بھی خود عنایت کرے۔ مگر شہنشاہ کی جماعت کو نارمنوں نے اٹلی میں تباہ کر دیا تھا۔ نارمنوں کو شہزادی مطیلدہ کی مدد بھی حاصل تھی۔ اس طویل فساد کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُس کے بیٹے کونراڈ نے بھی اُس کے خلاف بغاوت کر دی اور اس کی بیوی نے قونسطانسے اور پلاقنطیا عام اجتماعات میں شرمناک بیانات دیے کہ اُس کا خاوند اُسے غیر مردوں سے ناجائز تعلقات پر مجبور کرتا رہا ہے اور اس نے اس فعل میں اُس کی اور اپنی ذاتی عزت کا بھی کوئی خیال نہیں رکھا۔ اُربان کا استدلال اتنا مضبوط تھا اور اُس کا مقصد بھی عوام میں اتنا زیادہ مقبول تھا اور اُس کے اثرات بھی اتنے ہی زیادہ تھے کہ پلاقنطیا کے میں اُس نے جس کونسل کا اجلاس طلب کیا۔ اُس میں دو سو بشپ شامل ہوئے، جن کا تعلق اٹلی، فرانس، برگنڈی، صوابیہ اور بوریا سے تھا۔ اس میں چار ہزار پجاری شامل ہوئے اور تیس ہزار عام آدمی شامل تھے۔ اگرچہ ایک وسیع گرجا موجود تھا مگر وہ اتنے بڑے ہجوم کے لیے کافی نہ تھا۔ شہر کے قریب ایک وسیع میدان میں اجلاس منعقد ہوتا رہا۔ شہنشاہِ یونان الیکسی اوس کومنی نُوس کے سفیروں سے تعارف کرایا، اُنھوں

نے اپنی مجبوریوں اور مایوسیوں کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ قسطنطنیہ سخت خطرے میں ہے۔ فاتح ترکوں اور اس شہر میں اب صرف ایک تنگ سمندر رہ گیا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو کہ تمام عالمِ عیسائیت کے مشترکہ دشمن ہیں۔ ان کی تقریر کی وجہ سے انھیں یہ خوشی ہوئی کہ اُنھیں لاطینی دُنیا کے تمام بادشاہوں کی حمایت حاصل ہوگئی۔ اُنھوں نے اُن کی حکمت عملی اور مذہب کا واسطہ دیا اور انھیں اس پر آمادہ کرلیا کہ وہ ان کو ایشیا کی سرحدوں کی طرف دھکیل دیں اور اس امر کی اجازت نہ دیں کہ وہ یورپ کے قلب میں داخل ہو جائیں۔ مصائب اور مشکلات کی الم ناک داستان بیان کی گئی اور درخواست کی گئی کہ اُن کے مشرقی عیسائی بھائیوں کو اُن کی مدد کی ضرورت ہے۔ ایسے الم ناک انداز میں یہ داستان بیان کی گئی کہ تمام اجتماع کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ جو لوگ سب سے زیادہ پُر جوش تھے اُنھوں نے فوری طور پر جنگ کے لیے روانہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ یونانی سفیروں کو واپس جانے کی اجازت دے دی گئی اور اُنھیں یقین دلا دیا گیا کہ بہت جلد اُن کو مؤثر اور طاقتور مدد مہیا کر دی جائے گی۔ قسطنطنیہ کی مدد کا مطلب یہ تھا کہ بہت بڑی منصوبہ بندی کی جائے اور یروشلم کا علاقہ رہا کرا لیا جائے مگر عقل مند اُربان نے یہ فیصلہ کیا کہ فی الحال یہ معاملہ دوسرے اجتماع تک ملتوی کر دیا جائے جو فرانس کے کسی مقام پر اسی سال موسم خزاں کے دوران منعقد کیا جائے گا جو تھوڑا سا وقت مل جائے گا اُس میں جذبات کے شعلوں کو بھڑکانے کا حق مل جائے گا۔ اس سپاہیوں کی سرزمین سے مدد کی خاصی توقع تھی۔ یہ لوگ اپنے ہیرو شارلمین کی روایات پر ابھی تک قائم ہیں۔ اُس نے ترپین کی محبت کے لیے ارضِ مقدس کو فتح کر لیا تھا۔ اُربان کا خیال تھا کہ فرانس پر اُس کا اثر و رسوخ بہت زیادہ ہے، وہ خود بھی ایک فرانسیسی تھا اور کلوگنی کا ایک راہب تھا۔ وہ فرانس کا پہلا شخص تھا جو سینٹ پیٹر کے تخت پر براجمان ہوا تھا۔ پوپ نے اپنے خاندانی اور صوبائی حالات بیان کیے اُس کے لیے اس سے زیادہ باعثِ فخر کوئی اور بات نہ تھی کہ وہ موجودہ عروج کے دور میں اپنے وطن میں جائے جہاں پر کہ اُس نے اپنی جوانی انتہائی عُسرت میں بسر کی تھی۔

یہ بات باعثِ حیرت معلوم ہوتی ہے کہ پاپائے روم فرانس سے قلب میں جا کر ایک معدلہ تعمیر کرے اور وہاں بیٹھ کر بادشاہوں کے لیے لعنت ملامت کا سلسلہ جاری کر دے۔ مگر ہماری یہ حیرت اُس وقت ختم ہو جائے گی جب گیارھویں صدی کے شاہانِ فرانس کے کردار کا مطالعہ کریں گے۔ فلپ اوّل، ہاؤ قاپط کا پڑپوتا تھا۔ وہ اُس موجودہ نسل کا بانی تھا جس نے شارلمین کے خاندان کے زوال کے بعد پیرس اور اور لینز کی اپنی وراثتی جائیداد میں اپنے لیے بادشاہی کے خطاب کا اعلان کر دیا۔ اگرچہ یہ علاقہ رقبے میں بہت کم تھا، مگر

اس کے پاس دولت اور اقتدار کی بہتات تھی۔ مگر فرانس کے دوسرے علاقوں میں ہاؤ اور اُس کی نسل کے دوسرے افراد محض جاگیرداروں کی حیثیت کے مالک تھے۔ ان میں ساٹھ کے قریب ڈیوک اور کاؤنٹ شامل تھے، یہ لوگ آزاد تھے اور ان کے پاس بعض اختیارات بھی تھے جو نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے تھے۔ وہ قانون اور قانونی اجتماعات کی پروا نہ کرتے تھے، اس گستاخی کا بدلہ اس طرح لیا جاتا تھا کہ ان کے طفیلی زمیندار بھی ان کی پروا نہ کرتے تھے۔ اور ان کا حکم ماننے سے گریز کرتے تھے۔ کاؤنٹ آورگنے کے علاقے میں کلرمونٹ کے مقام پر پوپ کو اس امر سے مامونیت تھی کہ وہ فلپ کی ناراضگی کا مقابلہ کر سکتا اور اس شہر میں اُس نے کونسل کا جو اجلاس طلب کیا تھا، اُس کی تعداد بھی کسی طرح سے کم نہ تھی اور اُن کا معاشرتی مقام بھی بلند تھا۔ پلا قنطیا کے اجلاس عام کے مقابلے میں اس کی ظاہری شان و شوکت بھی بہت زیادہ تھی۔ اس کے اپنے دربار کے ارکان کے علاوہ دیگر رومی اُسقفوں کی تعداد بھی خاصی زیادہ تھی۔ مزید برآں اُسے تیرہ اُسقفوں کی تائید بھی حاصل تھی۔ دو سو پچیس بشپوں نے بھی اس کی تائید کی۔ دوسرے کلیسائی اراکین کی تعداد کا اندازہ چار سو لگایا گیا تھا اور گرجا گھروں کے پادریوں کو ولیوں نے برکت دی اور اُس زمانے کے علمائے کرام کی طرف سے اُنھیں علمی روشنی سے بہرہ ور کیا گیا۔ ملحقہ حکومتوں کے بادشاہوں، لارڈوں کے سلسلے اور مقتدر سرداروں نے بھی اس مجلس میں شرکت کی۔ اُن کا خیال تھا کہ اس مجلس میں بہت اعلیٰ درجے کے فیصلے کیے جائیں گے۔ اس مجلس میں شمولیت کے لیے اس قدر زیادہ جوش و خروش تھا کہ تمام شہر بھر گیا اور ہزار ہا افراد نے پہاڑیوں پر اور میدانوں میں خیمے گاڑ لیے یا جھونپڑیاں بنا لیں حالانکہ موسم بہت سرد تھا۔ آٹھ دن مجلس جاری رہی اور اس میں بعض مفید قوانین بنانے گئے۔ نجی جنگوں کی پُرزور ملامت کی گئی۔ خدا کی طرف سے عائد کردہ معاہدے کی توثیق کر دی گئی۔ ہر ہفتے میں چار دن مقرر کر دیے گئے جن میں جنگ کا معطل رہنا ضروری تھا۔ عورتوں اور پادریوں کا تحفظ کلیسا کے حوالے کر دیا گیا۔ کاشتکاروں اور تاجروں کو تین سال کے لیے تحفظ فراہم کر دیا گیا۔ کیونکہ یہ افرادِ فوج کے مظالم کے خلاف کسی قسم کا دفاع نہ کر سکتے تھے۔ کوئی قانون خواہ وہ کتنا بھی عمدہ ہے، اُسے اس قدر کم عرصے میں نافذ نہیں کیا جا سکتا اور وہ وقت کے مزاج کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ اس طرح اُربان کی فلاحی کوششیں قابلِ تعریف نہیں رہیں۔ اس نے کوشش کی کہ بعض داخلی تنازعات ختم ہو جائیں اور وہ بحرِ اوقیانوس سے لے کر فرات تک کے علاقے میں مکمل امن قائم کر دے۔ مگر پلا قنطیا کے اجتماع کے نتیجے میں، اُس کی عظیم منصوبہ بندی کی افواہ ختم ہوگئی۔ اقوام، پادری ہر مقام پر صرف ایک ہی تبلیغ کرتے رہے کہ مقاماتِ مقدسہ کو ہر

صورت میں آزاد کرایا جائے اور کلرمونٹ کے تجارتی مقامات پر اُس نے جس اجتماع کو خطاب کیا اس میں
شامل لوگ پہلے ہی سے اس پیغام کو تسلیم کرنے پر تیار تھے اور اس پر عمل کے لیے بے صبر تھے۔ مقررین کی تقاریر
میں سامعین کی طرف سے پُر جوش نعرہ بازی کی وجہ سے بار بار خلل پیدا ہوا۔ جو اپنی دیہاتی غیر مہذب زبان
میں بار بار نعرے لگا رہے تھے۔ ''خدا کی مرضی یہی ہے! خدا کی مرضی یہی ہے!'' پوپ نے جواب دیا کہ اور
اُس کے الفاظ یادگار بن کر رہ گئے۔ ''یہ درست ہے کہ اس میں روح القدس کی حوصلہ افزائی شامل ہے اور یہی
وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے نام لیواؤں میں اس قدر جوش و خروش پایا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی صلیب
تمھاری نجات کی علامت ہے۔ صلیب کو پہن لو۔ تمھارا سینہ اور کندھے بھی صلیب کی علامت ہیں۔ اب یہ عمل
ایسا ہے، جسے روکا نہیں کیا جا سکتا۔'' پوپ سے درخواست کی گئی کہ وہ اُن کے سرپرست کی حیثیت سے اُن کے
ہمراہ سفر پر روانہ ہو۔ گریگوری کے جانشین اُن سے زیادہ خطرناک تھے۔ اُنھوں نے کمال فنکاری اور حیلہ جوئی
سے اس خطرناک ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اُنھیں کلیسا کی ذمہ اوری کو پورا کرنا تھا اور دینی
عہدوں کی ذمہ داریوں کو بھی نبھانا تھا۔ بعض ایسے سپاہیوں کو اس میں حصہ لینے سے باز رہنے کا حکم دیا، جنھیں
اپنی ذمہ داریوں سے فارغ نہیں کیا جا سکتا تھا اور بعض کو صنفی (عورتوں) مجبوریوں کی بنا پر مستثنیٰ قرار دے دیا
گیا۔ بعض کی عمر موزوں نہ تھی اور بعض معذور تھے۔ اُن کی عبادت اور مفلسی کی وجہ سے بذریعہ خیرات مدد کی
گئی۔ اُن کے لیے یہ خدمت متعین کر دی گئی کہ وہ تندرست و توانا افراد کی نگہداشت کریں۔ اُس نے پوئی
(Puy) کے بشپ ایڈہیمر کو اپنا نائب مقرر کر دیا۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے پوپ کے ہاتھ سے صلیب وصول
کی۔ دُنیاوی سردار کی حیثیت سے ریمانڈ کا تقرر کیا گیا جو طاؤلوس کا کاؤنٹ تھا۔ کونسل میں وہ خود موجود نہ
تھا۔ مگر اُس کے سفیروں نے اُس کی طرف سے وفاداری کا وعدہ نبھانے کا یقین دلایا۔ اُس کے بعد اُنھوں نے
اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کا اعتراف کیا۔ پھر ان صلیبی رضاکاروں کو جانے کی اجازت دے دی گئی اور اُنھیں کہا
گیا کہ وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو بھی اس کارِ خیر میں شامل ہونے کی ترغیب دیں اور جنگ پر جانے
کے لیے ایک میلہ کے انعقاد کا فیصلہ کر لیا گیا اور اگلے سال کی پندرہ اگست کی تاریخ طے کر دی گئی۔
یہ امر ہر شخص کی عادت کے مطابق تھا۔ انسانی جنگ و جدل کا عمل فطری رجحان کا نتیجہ ہوتا ہے کہ
معمولی سے ہیجان کی وجہ سے بھی لوگ اس شغل میں شامل ہو جاتے ہیں یہ ایسا حق ہے جس کے ساتھ بہت
زیادہ اختلاف کیا جا سکتا ہے اور بعض اوقات تو اسے قومی فساد کا بہانہ بنا لیا جاتا ہے مگر جب آپ کسی جنگ کو

مقدس عمل کا نام عطا کرتے ہیں تو آپ کے اس عمل کی خاطر خواہ چھان بین بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ہم
اس پر بہت اعتماد کر لیتے ہیں کہ کسی بادشاہ کے ملازمین، جن کا فرض امن کا قیام ہے بہت جلد اپنی تلواریں میان
سے باہر نکال لیتے ہیں اور تباہی شروع کر دیتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اُن کے مقاصد نیک ہیں اور اُن کا فساد
جائز ہے اور یہ عمل اُن کے لیے ناگزیر تھا۔ کسی حکمت عملی کا جواز تجربے کے نتائج کی بنیاد پر تلاش کرنا چاہیے۔
مگر اس سے قبل کہ ہم عمل کریں، اپنی مہم جوئی کے جواز کو ثابت کرنے کے لیے اپنے ضمیر کو مطمئن کر لینا چاہیے۔
کیا ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ از روئے انصاف درست ہے؟ صلیبی جنگوں کے دور میں مشرق اور مغرب کے
عیسائیوں کو ان کے اپنے قانونی استحقاق کے متعلق آگاہ کیا جاتا تھا۔ وہ جتنا استدلال بھی پیش کرتے وہ کتاب
مقدس اور منطق کے خلاف ہوتا۔ مگر وہ ہمیشہ فطری اور مذہبی دفاع کا سہارا لیتے اور اس پر بضد رہتے۔ اور وہ
خصوصی طور پر یہ دعویٰ کرتے کہ ارض مقدس ان کی ملکیت ہے اور وہ کفار اور مسلمانوں کو ناپاک کہتے۔

ا۔ جب ہم یہ دعویٰ کریں کہ ہمیں اپنے دفاع کا حق حاصل ہے تو اُس میں ہمارے دنیاوی، روحانی
اتحادی بھی شامل ہوتے ہیں۔ اس کا انحصار تو خطرے کے وجود پر ہوتا ہے اور اس خطرے کا انحصار دو عوامل پر
ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ دشمن ہم سے کتنی نفرت کرتا ہے اور دوسرے یہ کہ اُس کے پاس کس قدر قوت ہے۔
مسلمانوں پر ایک شدید جذباتی الزام عائد کیا گیا۔ مگر قرآن اور تاریخ اسلام دونوں نے اس جہالت اور
منافقت کے الزام سے انکار کیا ہے، اگرچہ مسلمانوں نے فتوحات حاصل کیں۔ اُنھوں نے ہمیشہ عیسائیوں کی
آزادی اور عبادت میں کبھی کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی اور اسے خوشی سے برداشت کیا۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جا
سکتا کہ مشرقی ممالک میں کلیسا کو سیاسی غلامی کے باعث کس حد تک تکلیف پہنچی، اور وہ حالت امن اور جنگ
میں اپنا حق سمجھتے ہیں کہ وہ تمام دنیا پر حکومت کریں۔ اور یہ کہ اُن کے بعض قدامت پسند فرقے، اپنے محکوم
علاقوں میں تبلیغ بھی کرتے ہیں اور اُن میں دوسرے مذہب کے افراد کی تعداد بتدریج کم ہوتی رہتی ہے۔
گیارھویں صدی عیسوی میں جب ترک فتوحات حاصل کر رہے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ نقصان نہ صرف
حقیقی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے بلکہ اس پر سرعت سے عمل ہو رہا ہے۔ اُنھوں نے تیس سال سے کم عرصے
میں ایشیائی حکومتوں کو شکست دے دی۔ یروشلم سے دردانیال کا تمام علاقہ فتح کر لیا اور یونانی سلطنت ٹوٹ کر
فنا ہونے کے قریب پہنچ گئی تھی۔ وہ اپنے بھائیوں سے دیانت دارانہ ہمدردی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اسی لیے
رومیوں کا یہ حق بھی تھا اور اُن کا اس سے مفاد بھی وابستہ تھا کہ وہ قسطنطنیہ کی حمایت کریں۔ یہ علاقہ اہلِ مغرب

کی دفاعی سرحد بھی تھا۔ اس لیے اس پر حملے کے دفاع اور حملہ آور کو پسپائی پر مجبور کرنا، ان کے لیے ضروری تھا۔ مگر یہ مقصد تو عام کمک بھیج کر بھی پورا کیا جا سکتا تھا۔ مگر ہم نے جس قدر شور مچایا اور دُور اُفتادہ ممالک پر حملے کیے، اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہم اہلِ اطالیہ کی قوت میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں اور صرف عصبیت میں یہ ثابت کر سکتی ہے کہ دور افتادہ ممالک اور چھوٹے چھوٹے علاقوں کو فتح کرنے کا کوئی جواز موجود تھا۔ عیسائی اس کی توثیق کرتے ہیں کہ ارضِ مقدس پر اُن کا استحقاق اُن کے نجات دہندہ کے خون کے بہانے کی وجہ سے مُہر بند ہو چکا ہے۔ یہ اُن کا حق اور فرض تھا کہ وہ اس سرزمین کو غیر منصفانہ قبضے سے آزاد کرائیں۔ اُنھوں نے قبرِ مسیح کی بے حرمتی کی ہے اور زائرین کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ یہ الزام بھی درست ثابت نہیں ہوتا۔

۲۔ کہ یروشلم اور فلسطین کے تقدس کو موسوی قانون کی وجہ سے کبھی کوئی نقصان پہنچا ہے۔ عیسائیوں کا خدا کوئی مقامی دیوتا نہ تھا اور بیت اللحم کی بازیافت یا کالابریہ پر قبضہ کر لینے کا حکم انجیل میں موجود نہیں۔ اس نوعیت کے مقاصد کا تعین محض اوہام پرستی کا شاخسانہ ہے اور وہ دماغ جو مذہبی رجحان پر فریفتہ رہتے ہیں وہ ان آثار کی توہین کو کسی صورت میں بھی قبول نہیں کر سکتے۔

۳۔ مگر صلیبی جنگیں جو دُنیا کے ہر خطے میں لڑی گئی ہیں۔ مصر سے لیوونیا تک اور پیرو سے ہندوستان تک ان کا جواز ثابت کرنے کے لیے موجودہ استدلال سے زیادہ وقیع دلائل کی ضرورت ہے۔ یہ ہمیشہ فرض کر لیا جاتا ہے اور پھر کبھی کبھی اس کی توثیق بھی کر لی جاتی ہے کہ مذہب کا اختلاف بھی جنگ کے لیے کافی ہے اور صلیب کے پیروکاروں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دُنیا کے دیگر تمام مذاہب کے ماننے والوں کو قتل کر دیں یا اُن کو عیسائی بنا لیں اور یہی عمل ہے جس کی بدولت کسی پر رحم کھایا جا سکتا ہے یا اُس کی مدد کی جا سکتی ہے۔ پہلی صلیبی جنگ سے چار سو سال قبل روم کے مشرقی اور مغربی صوبے طویل مدت سے سلطنت میں شامل تھے۔ جرمنوں اور عربوں نے ان پر بیک وقت اور بیک انداز قبضہ کر لیا۔ چونکہ وقت اور معاہدے یکساں تھے اس لیے عیسائیوں کو بھی اس کا جواز مل گیا کہ وہ ان سے جنگ کریں اور ان کو آزاد کرا لیں۔ فرینک باشندے عیسائی تھے اس لیے وہ جنگ میں کود پڑے۔ مگر ان کی رعایا اور ہمسایوں کی نظر میں مسلمان بادشاہ اس وقت بھی ظالم اور غاصب تھے۔ جنھوں نے بزورِ شمشیر یا بذریعۂ بغاوت، اُن کے مقبوضات سے اُنھیں باہر نکال دیا گیا۔

چونکہ گرجا گھروں کے انداز میں نرمی پیدا ہو گئی تھی۔ اس لیے ملامت اور توبہ کا طریق نافذ کیا گیا اور گناہوں کی مقدار میں کئی گنا اضافے کی وجہ سے علاج بھی بہت زیادہ کیے گئے۔ قدیم کلیسا میں یہ رواج تھا کہ

تمام افراد بیک وقت جمع ہو جاتے اور اپنے گناہوں کا برسرِ عام اعتراف کرتے اور استغفار کرتے۔ ازمنۂ وسطیٰ میں بشپ مجرموں پر جرح کرتے اور انھیں اُسے مجبور کرتے کہ وہ اپنے خیالات کی تفصیل بیان کریں۔ اپنے تخیلات، الفاظ اور اعمال اُن کے روبرو افشا کریں اور خدا کے ساتھ اُس کے تعلقات کی بحالی کے معاہدہ کی شرائط طے کرتے۔ مگر جیسا کہ ان صوابدیدی اختیارات سے ناجائز فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے اور انھیں ظلم کی بنیاد بھی بنایا جا سکتا ہے اس لیے نظم و ضبط کا ایک قانون بھی وضع کیا گیا تاکہ روحانی منصفین کا کردار منضبط کیا جا سکے۔ قانون سازی کی یہ صورت یونانیوں نے ایجاد کی۔ اُنھوں نے جو قواعد وضع کیے دوسرے ممالک میں اُن کی نقل کی گئی اور بعض صورتوں میں اُن کی شکل ہی بگاڑ دی گئی۔ پھر لاطینی گرجا گھروں میں بھی ان کو مروج کر دیا گیا اور شارلیمن کے دور میں ہر علاقے کے پادریوں کو ایک ضابطۂ اخلاق دے دیا گیا۔ وہ یہ عقل مندی کرتے کہ آوارہ مزاج افراد سے اسے خفیہ رکھتے۔ جرم و سزا کے اس خطرناک عمل میں ہر معاملے کا مفروضہ قائم کر لیا جاتا۔ ہر اختلاف کی نشان دہی کی جاتی اور راہبوں کے ایک گروہ کے تجربات سے اس معاملے میں استفادہ کیا جاتا۔ ہر گناہ کا شمار کیا جاتا اور بعض اوقات معصومیت گناہوں کی اس تعداد کے ساتھ موازنہ کرنے سے قاصر رہتی۔ بعض ایسے شکوک بھی لاحق ہو جاتے کہ کوئی استدلال اُن کا جواب نہ دے سکتا۔ بعض ایسے عام جرائم، مثلاً بے حیائی، زنا، دروغ حلفی، بددیانتی، لالچ یا قتل، بھی توبہ سے معاف کر دیے جاتے جو کہ مختلف حالات کے تحت چالیس دن سے لے کر سات سال تک زیرِ غور رہتے یا معرضِ التوا میں ڈال دیے جاتے۔ اس التوا کے دور میں مریض خود بھی شفایاب ہو جاتا۔ مجرم بری ہو جاتا، اُسے طویل عرصے تک روزے رکھوائے جاتے اور طویل عبادت میں مبتلا رکھا جاتا۔ اس کا لباس اس قدر غیر منظم ہوتا کہ اُس کی توبہ کی نشاندہی ہوتی، وہ معاشرتی زندگی کی لطف اندوزی اور کاروبار سے عاجزانہ انداز میں حذر کرتا، مگر نظم و ضبط کی اس بے لچک صورت میں ہر نوع اور ہر رُتبے کے اشخاص ان سخت شرائط کو بھی صدقِ دل سے قبول کر لیتے۔ کوئی شخص بھی بے گناہ نہ ہوتا اور کوئی شخص بھی اپنے جرائم یا گناہوں کی سزا سے نہ بچ سکتا۔ وہ لوگ خدا کی طرف سے نازل کردہ عتاب سے بچ بھی جاتے، کلیسا کی نظر میں اور کلیسا بھی اُنھیں بے گناہ قرار دے دیتا۔ وہ ہر قسم کے دُنیاوی انعام و اکرام کے حقدار ہوتے اور اُن کے مقدس عزم کی تعریف و توصیف کی جاتی۔ اگر وہ لاطینی پادری کے ہاتھوں مارے جاتے تو وہ بلا تکلف اُنھیں شہید قرار دے کر اُن کی قبر پختہ کرا دیتا۔ اور اگر وہ بچ جاتے تو اُنھیں یقین ہو جاتا کہ اُنھیں عالمِ بالا کی طرف سے انعام و اکرام کے حصول میں تاخیر ہو گئی ہے تو وہ اپنا خون خدا کے بیٹے کی خدمت

میں پیش کر دیتے۔ کیونکہ اُن کی نجات کے لیے اس نے اپنی جان قربان کر دی تھی۔ ان لوگوں نے صلیب اُٹھائی اور خدا کی راہ میں اعتماد سے روانہ ہو گئے۔ اُس کی مشیت اُن کے تحفظ کا خیال رکھتی۔ اور اُس کا فضل و کرم اُن کے مقدس فرض کی ادائیگی میں درپیش مشکلات کا خیال رکھتا۔ جو کبھی تو صاف نظر آتا اور بعض حالات میں اُن کی صورت معجزانہ ہوتی۔ بنی اسرائیل کے سامنے یہووہ بادل اور مینار کی شکل میں گامزن رہتا اور وہ ارض موعود کی طرف محوِ سفر رہتے۔ تو کیا عیسائیوں کو یہ اُمید رکھنی چاہیے تھی کہ اُن کے سامنے دریا کھل جائیں گے اور اُنھیں راستہ دے دیں گے؟ اور اُن کے طبلِ جنگ کی آواز پر بڑے بڑے مضبوط شہروں کی فصلیں دھڑام سے زمین پر گر جائیں گی اور سورج کی رفتار رُک جائے گی تاکہ عیسائیوں کو دُشمن کی تباہی کے لیے وقت مل جائے۔

وہ تمام سردار اور سپاہی جو مرقد مسیح کے تحفظ کے لیے ارضِ فلسطین کی طرف روانہ ہوئے۔ میں یقین سے توثیق کر سکتا ہوں کہ اُن سب میں جوش و خروش موجود تھا، اُنھیں اپنے اس فعل کی درستی پر یقین تھا، اُنھیں اس پر اجر کی اُمید تھی اور اُنھیں یہ توقع بھی تھی کہ اُنھیں روحانی مدد حاصل ہوگی اور مجھے اس کا بھی یقین ہے کہ سب لوگوں کا مقصد یہ نہ تھا اور ایسے لوگ بھی تھے جن کا بنیادی مقصد اس اصول سے مختلف تھا۔ مذہب کا صحیح یا غلط استعمال بڑے ہی نازک تنے پر ایستادہ ہوتا ہے۔ قومی انداز کی ندی کے سامنے بند باندھنا ایک مشکل کام ہے۔ جب وحشی اقوام کے خلاف نجی جنگوں کا آغاز ہو جاتا ہے تو یہ عمل ایک خونی کھیل میں منتقل ہو جاتا ہے۔ بے ہودہ مجبتیں اور عدالتی مقابلے رونما ہو جاتے ہیں۔ اُسقف اور اجتماعات اپنے مقاصد کے حق میں نعرہ بازی کرتے رہتے ہیں۔ یہ انتہائی آسان ہے کہ یونانی مابعد الطبیعیاتی مسائل کو زیر بحث لا کر اختلافات کو ہوا دے لی جائے اور اس طرح بدنظمی کے مرتکب افراد کو شکنجے میں جکڑ لیا جائے یا مطلق العنانیت کے سہارے من موجی اختیارات کا استعمال کر لیا جائے۔ اس سے غلاموں اور بزدلوں کے اعمال کا جواز پیدا کر لیا جائے اور اُسے جدید عہد کے عیسائیوں کے جذبۂ رحم اور نیکوکاری کے جذبات کے معیار کے مطابق قرار دے لیا جائے۔ اُنھیں فرینک اور لاطینی جنگجوئی کے عادی تھے، اُن کے شرانگیز جذبات اور خونریزی کو جائز قرار دے دیا جائے۔ یہ حق فراہم کیا جائے کہ وہ دور اُفتادہ ممالک میں جا کر بھی لوگوں کا خون بہائیں اور اقوام مشرق کے بے گناہ افراد پر جا کر اُن کے گھروں میں تلواریں چلائیں اور ان کی فتوحات کو صلیبی مقاصد کی تکمیل کا نام دیا جائے۔ اس سلسلے میں جس قدر کامیابیاں بھی حاصل کر لی جائیں نہ وہ نیکی کے ضمن میں آتی ہیں اور نہ اخلاقی بنیادوں پر اُن کی تعریف کی جاسکتی ہے۔ وہ اپنے دوستوں اور ہم وطنوں کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ کیونکہ

اس کے نتیجے میں اُنھیں ایک قلعہ یا گاؤں مل جاتا ہے۔ وہ سرعت رفتاری سے ایسی اقوام کے مقابلے میں پسپائی اختیار کر لیتے ہیں، جو اپنے اسلحہ کے استعمال پر بخوبی قادر ہوتی ہیں، ان کے تخیل نے ایشیا کے امیر ملکوں کی حکومتوں پر قبضے کا منصوبہ تیار کر رکھا تھا، نارمنوں نے صقلیہ اور اپولیا کو فتح کر لیا، نارمنوں کا تعلق کسی شاہی خاندان سے نہ تھا اور نہ ہی ان غریب اور کمزور ممالک نے کبھی ان کی شان میں کوئی گستاخی کی تھی۔ نارمنوں کا یہ فعل مہم جوئی کے علاوہ کچھ اور نہ تھا۔ عیسائیت کے انتہائی گستاخانہ یا ظالمانہ دور میں بھی مسلمانوں کی بعض حکومتوں سے شکست بھی کھائی ہوگی اور ان کے بعض زرخیز علاقے بھی ان کے ہاتھ سے نکل گئے ہوں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض زائرین نے واپسی پر عرب ممالک کی دولت اور تجارت کی غلط خبریں بھی سنائی ہوں اور ہر چھوٹا بڑا ان فرضی افسانوں پر اعتماد بھی کرنے لگ گیا ہو کہ عربوں کی زمینوں پر دودھ اور شہد کی نہریں رواں دواں ہیں اور اُن کے علاقوں میں سونے اور چاندی کی کانیں ہیں اور بے شمار مدفون خزانے ہیں۔ سنگِ مرمر اور دیگر قیمتی پتھروں کے محل ہیں اور صندل اور دارچینی کے جنگلات ہیں۔ ہر جنگجو یہ سوچنے لگا کہ وہ اپنی تلوار کے زور سے اپنی قسمت بدل سکتا ہے اور اپنی تمام خواہشات کی تکمیل کر سکتا ہے۔ ان کے جاگیرداروں اور فوجیوں نے خداوند کریم کی عنایات کی توقع پیدا کر لی کہ ترک بادشاہ کے جمع کردہ خزانے اُسی کے ہاتھ لگ جائیں گے۔ اُسے خیال ہی خیال میں شراب کی خوشبو بھی آنے لگی اور یونانی حسن کے شاہکار بھی اُس کی نظروں میں پھرنے لگے۔ یہ انسان کی فطری خواہشات ہیں اور صلیبی جنگوں کے رضاکار بھی ان خواہشات سے عاری نہ تھے وہ لوگ جو جاگیرداروں یا کلیسائی حکام کے مظالم سے تنگ تھے، اُن کے لیے آزادی کا احتمال بھی ایک بہت بڑا مہیج تھا۔ چنانچہ اس مقدس جنگ میں شمولیت کے لیے کسان اور مزدور بھی تیار ہو گئے۔ یہ لوگ جو جاگیرداروں کے مظالم سے تنگ تھے، سوچنے لگے کہ شاید اس بہانے سے وہ آزادی حاصل کر سکیں اور ظالم جاگیردار کی سختیوں سے بچ سکیں اور اپنے خاندانوں کو لے کر کسی آزاد ملک میں منتقل ہو سکیں اور راہب یہ سوچنے لگا کہ وہ بھی شاید اپنے دارالاقامہ کے سخت نظم و ضبط سے نجات حاصل کر سکے۔ مقروض یہ سوچنے لگے کہ وہ اس حملے سے ساہوکار کے سود اور قسطوں کی ادائیگی سے نجات حاصل کر لیں گے اور جرائم پیشہ لوگ یہ سوچنے لگے کہ ایک دفعہ اس بہانے وہ قانون کے شکنجے سے باہر نکل سکیں گے اور دوبارہ کبھی ان کے ہاتھ نہ لگیں گے۔

یہ مقاصد متنوع اور جاندار تھے۔ ہم ہر فرد کے دماغ اور سوچ کا تجزیہ کریں تو ان میں ہمیں خاصی جان نظر آئے گی۔ ہم لامحدود سلسلے قائم کر سکتے ہیں۔ ہم دیکھیں گے کہ اکثر لوگ دیکھا دیکھی اور دوسروں کی

تقلید میں اس تحریک میں شامل ہوتے چلے گئے۔ وہ لوگ جو عیسائیت میں نئے نئے داخل ہوئے تھے، وہی اس کے سب سے زیادہ پُرجوش مبلغ اور مداح تھے۔ وہ اپنے ہم وطنوں اور دوستوں میں اُن پر عائد شدہ فرائض کی تبلیغ کرتے رہتے اور اُنھیں یاد دلاتے رہتے کہ اُنھوں نے اپنے مذہب کی برتری کے لیے کیا کیا ارادے قائم کر رکھے ہیں اور جو افراد جوان کے ساتھ شمولیت کے لیے آمادہ نہ ہوتے اُنھیں ترغیب کے علاوہ کلیسائی اختیارات سے بھی ڈرایا جاتا۔ نوجوانوں کو بزدلی کے طعنے دیے جاتے اور اُن کی وفاداری پر شک کیا جاتا۔ اُنھیں کہا جاتا کہ یہ ایک نادر موقع ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کی آخری آرام گاہ کی زیارت بھی کر لیں گے اور فوج کے ساتھ شمولیت کا اعزاز بھی حاصل کر سکیں گے۔ ہر بچہ، بوڑھا، عورت مرد مرقدِ مسیح کو چومنا چاہتا، اُن میں اس سفر کی ہمت نہ ہوتی مگر پھر بھی جوش کی کمی نہ تھی۔ وہ لوگ جن کی زندگی کی دوپہر ڈھل چکی تھی اور غروب کا وقت قریب آ چکا تھا اُنھیں مرقدِ مسیح کی زیارت کا سب سے زیادہ شوق ہوتا تاکہ اگلی نسلیں اُن کے قدموں کے نشان کی پیروی کر سکیں۔ جہالت، اُمیدوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتی ہے۔ مشکلات کو کم کر کے پیش کرتی ہے اور مہم جوئی پر آمادہ کر دیتی جب سے کہ ترکوں نے فتوحات حاصل کی تھیں، زیارت کے راستے خطرناک ہو گئے تھے۔ سردار بھی اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ مسافت طویل ہے اور حالات بھی سازگار نہیں اور دشمن بھی خاصا زبردست ہے اور یہ لوگ اس قدر بے خبر تھے کہ جونہی وہ اپنی سرحدوں سے باہر نکلتے اور پہلا قلعہ یا شہر دیکھتے تو سوال کرنے لگتے کہ کیا یہی یروشلم ہے؟ کیونکہ اُن کی منزلِ مقصود یروشلم ہی ہوتی۔ لیکن وہ لوگ فی الواقع سپاہی ہوتے اور صلیبیں جنگوں میں شامل ہونے کے لیے گھر سے نکلتے۔ وہ جانتے تھے کہ ہمارے لیے من وسلویٰ نازل نہیں ہوگا۔ وہ اپنے ساتھ ایسی قیمتی دھاتیں رکھتے جن کے بدلے میں ہر ملک میں ہر شے دستیاب ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے مرتبے کے مطابق خرچ کرتے، وہ زادِ راہ اپنے پاس رکھتے۔ بادشاہ اپنے صوبوں سے مدد حاصل کرتے اور شرفا اپنے قلعوں اور اراضی سے اپنے اخراجات پورے کرتے۔ اور کسان اپنے مویشی اور گلے بیچ کر اپنے اخراجات پورے کرتے۔ جب بہت سے افراد اپنی جائیدادیں فروخت کرنا شروع کر دیتے تو ان کی قیمت کم ہو جاتی۔ جبکہ اسلحہ اور گھوڑوں کی قیمت ناقابلِ برداشت حد تک زیادہ ہو جاتی۔ کیونکہ ان کی طلب زیادہ ہو جاتی اور خریداروں کی تعداد میں بھی بہت اضافہ ہو جاتا۔ وہ لوگ جو اپنے گھروں میں باقی رہ جاتے، وہ اپنی عقل مندی سے بہت سی رقم بچا لیتے۔ مگر وہ وبائی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے۔ بادشاہ سستے داموں پر جاگیرداروں سے اُن کی جاگیریں خرید لیتے اور کلیسائی حکام تو جائیداد کی قیمت بھی ادا نہ کرتے اور یہ یقین دہانی

کرا دیتے کہ اُن کی دعائیں اور عبادات قبول ہوں گی۔ صلیب جو بالعموم لباس ہی پر سی جاتی خواہ وہ ریشمی ہو یا سوتی۔ مگر بعض پُرجوش ایسے بھی ہوتے جو اسے اپنے جسم پر کھدوا لیتے۔ اس کے لیے وہ گرم لوہا یا انمٹ پکا رنگین محلول استعمال کرتے۔ اس سے ایک مستقل نشان کھد جاتا۔ بعض مکار راہب اسے اپنے سینے پر کھدوا لیتے اور لوگوں سے ہدیہ وصول کر کے یہ نشان دکھاتے جو اُنھوں نے یروشلم میں کھدوایا تھا۔ وہ کہتے کہ یہ فلسطین کی یادگار ہے۔

زائرین کی روانگی کے لیے کلرمونٹ کی کونسل میں پندرہ اگست کی تاریخ مقرر کر دی گئی تھی مگر یہ دن کسانوں اور بے عقل دیہاتیوں کی سمجھ میں نہیں آیا اور میں اُن مشکلات کا مختصر طور پر ذکر کروں گا اس سے قبل کہ میں ان کے سرداروں کی زیادہ سنجیدہ اور کامیاب مہمات کا ذکر کروں، فرانس اور لورین کی حدود سے موسم بہار کے آغاز ہی میں تقریباً ساٹھ ہزار مرد و زن، صلیبی جنگ کے اولین مبلغ کے گرد جمع ہو گئے اور اُس پر بلند آواز سے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ زیارت کے لیے اُن کی رہنمائی کرے مگر اس بچارے میں نہ تو جنگی اہلیت تھی اور نہ وہ کوئی فوجی جرنیل تھا۔ نہ اُس کے پاس اس سلسلے میں کوئی اختیارات تھے، اُس نے اپنے حلقے کے افراد سے یہ کہا کہ وہ پہلے رائن کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلیں پھر دریائے ڈینیوب کے کناروں کا سہارا لیں۔ اُن کی ضروریات اور تعداد نے اُنھیں جلد مجبور کر دیا کہ وہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو کر علیحدہ علیحدہ ہو جائیں۔ اُس کا نائب والٹر تھا جو بے دام کے نام سے مشہور تھا۔ اگرچہ وہ بہادر تھا مگر ایک محتاج سپاہی تھا، وہ اپنے علاقے کے ہراول دستے کو لے کر آگے بڑھا۔ یہ سب کے سب زائرین تھے۔ ان کی حالت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان میں شامل آٹھ گھڑسواروں کے مقابلے میں پندرہ سو پیدل تھے۔ ایک متعصب راہب گوڈزکال نے پیٹر کے قدموں کے نشانات اور راستے کی پابندی سے تقلید کی۔ اس شخص کے واعظ نے پندرہ سے بیس ہزار تک افراد کو جرمنی کے دیہات سے اکٹھا کر لیا تھا۔ اب ان افراد کی تعداد دو لاکھ ہو چکی تھی۔ یہ لوگ بہت ہی قابلِ نفرت گروہوں پر مشتمل تھے۔ اگرچہ اُن کا سفر ایک پاکیزہ مقصد کے لیے تھا۔ مگر اُنھوں نے بعض انتہائی وحشیانہ پیشے بھی اختیار کر رکھے تھے، جن میں لالچ، جسم فروشی اور شراب نوشی بہت نمایاں تھے۔ ان کے ہمراہ تین ہزار سردار تھے جو گھوڑوں پر سوار تھے اور ان کی نگرانی رکھتے اور مالِ غنیمت میں اپنا حصہ وصول کر لیتے مگر ان کے حقیقی رہنما (ممکن ہے کہ ہم غلطی پر ہوں) ایک بطخ اور ایک بکرا تھے۔ ان کو سب سے آگے رکھا جاتا اور یہ عیسائی ان کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے کہ ان میں روحانی قوت موجود ہے۔ پُرجوش افراد پر مشتمل یہ جس قدر گروہ تھے، ان میں پہلا مقصد یہ تھا کہ یہودیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ کیونکہ اُنھوں نے ہی

خدا کے بیٹے کو قتل کرایا تھا۔ موصل اور راہین کے تجارتی شہروں میں آبادی بہت زیادہ تھی اور یہ آبادی امیر تھی۔ یہ لوگ شہنشاہ اور بشپوں کی زیرِ نگرانی امن چین سے زندگی بسر کر رہے تھے اور اپنے اپنے مذہب پر بلا روک ٹوک عمل کر رہے تے۔ ورڈون، ٹریویز، میٹز، سپائیریس، وورمس میں ہزار ہا بے گناہ افراد کو لوٹ کر قتل کر دیا۔ ہیڈریان کے قتلِ عام کے بعد اس نوعیت کی مصیبت اُنھوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اُن کے بشپوں کی مستقل مزاجی کی وجہ سے اس آبادی کا کچھ حصہ محفوظ رہ گیا۔ جنھوں نے بعض افراد کو عبوری طور پر عیسائیت میں داخل کر لیا مگر بعض متعصب یہودیوں نے اپنی عصبیت کو عیسائیوں کی عصبیت پر ترجیح دی۔ اُنھوں نے اپنے مکانوں کے آگے رکاوٹیں کھڑی کر دیں اور اپنے آپ کو اپنے افراد خاندان کو اور مال و منال کو دریا میں پھینک دیا یا نذرِ آتش کر دیا اور اس طرح اپنے دشمنوں کے لالچ، بدنیتی کی تسکین نہ ہونے دی۔

آسٹریا کی سرحدوں سے لے کر بازنطین کے مرکزی مقام تک چھ سو میل طویل راستے پر شہنشاہ نے فساد برپا کرنے کا موقع نہ دیا۔ البتہ ہنگری اور بلغاریہ میں انھوں نے تباہی مچادی۔ ان علاقوں کی زمین زرخیز ہے اور دریاؤں کی گزرگاہوں کی وجہ سے مختلف قطعات میں منقسم ہے۔ مگر یہ دلدلوں اور جنگلات سے ڈھکی ہوئی ہے اور ماسوائے اُن علاقوں کے جہاں انسان نے کچھ تدارک کر لیا ہے، باقی تمام وسیع رقبے دلدل کی زد میں ہیں یا ان پر جنگلات کا سایہ ہے۔ یہ دونوں اقوام عیسائیت کے بعض بنیادی اُصولوں سے واقف تھیں۔ ہنگری پر ان کے ہم وطن بادشاہوں کا قبضہ تھا اور بلغاریہ پر شہنشاہ یونان کا ایک نائب حکمرانی کا فرض سرانجام دے رہا تھا مگر ذرا سے ہیجان پر اُن لوگوں کی وحشیانہ خصلت عود کر آئی اور جب اُنھیں کسی قدر زیادہ غصہ دلایا گیا تو زائرین بدنظمی میں مبتلا ہو گئے۔ جن شہروں میں مکانات نرسل اور عمارتی لکڑی سے تیار کیے گئے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے قرب و جوار میں زراعت سے خاصا فائدہ اُٹھایا جا رہا تھا۔ ان شہروں کو موسم گرما میں خالی کر دیا جاتا تھا اور لوگ خیموں اور گڈریوں کے جھونپڑوں میں منتقل ہو جاتے۔ انتہائی گستاخی سے ان افراد سے اشیائے صرف کی قلیل مقدار طلب کی گئی۔ پھر چھین لی گئی اور تیزی سے ہڑپ کر لی گئی اور اپنے پہلے معرکے میں صلیبی جنگ بازوں نے ہر قسم کے اصول کو بالائے طاق رکھ کر انتقامی کارروائی کا آغاز کر دیا۔ مگر ان کی بدتمیزی کی وجہ سے یہ لوگ بہت بدنام ہو گئے۔ انھوں نے ایک عیسائی ملک کے خلاف ہی جنگ چھیڑ دی، بلغاریہ کے یونانی محافظِ اعلیٰ کے پاس ایک باقاعدہ فوج موجود تھی۔ جب ہنگری کی طرف سے طبلِ جنگ بجایا گیا تو اُس بادشاہ کی جنگجو رعایا کا آٹھواں یا دسواں حصہ گھوڑوں کی پشت پر سوار ہو گیا۔ ان کی حکمتِ عملی جارحانہ تھی اور ان

وحشی صلیبیوں کے خلاف اُن کی کارروائی ردِعمل کا نتیجہ تھی۔ وہ بغیر وقفے کے خون بہاتے رہے۔ ان مفروروں کا تیسرا حصہ، راہب پیٹر کے ہمراہ تھریسی پہاڑیوں میں رُوپوش ہو گیا۔ شہنشاہ جو زائرین کا احترام کرتا تھا، اُس نے اطالوی مدد کے ساتھ انھیں فوج کی نگرانی میں بحفاظت قسطنطنیہ کے راستے پر ڈال دیا اور اُنھیں کہا کہ وہاں پہنچ کر اپنے بھائی بندوں کی آمد کا انتظار کریں۔ کچھ مدت تو اُنھیں اپنی غلطیاں اور نقصانات یاد رہے مگر جونہی اُن کی مہمان نوازی ہوئی، ان کا زہر دوبارہ باہر نکل آیا۔ انھوں نے اپنے کرم فرما پر ہی ڈنک چلا دیا۔ اب اُن کی شرارتوں سے کوئی کھیت یا باغ یا گرجا گھر یا محل کوئی شے بھی محفوظ نہ رہی۔ اپنے تحفظ کے لیے الیکسی اُوس نے اُن کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ باسفورس کی ایشیائی سمت میں چلے جائیں اور مذکورہ آبنائے کو پار کر جائیں، مگر اُن کی بیہودگی نے اُنھیں مجبور کر دیا کہ وہ اُس مقام کو بھی چھوڑ دیں جو بادشاہ نے اُن کے لیے مخصوص کر دیا تھا اور براہِ راست ترکوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں کیونکہ یروشلم کی شاہراہ انھیں کے قبضے میں تھی۔ راہب کو پہلے ہی شرمندگی کا احساس تھا۔ وہ پڑاؤ چھوڑ کر قسطنطنیہ واپس چلا آیا اور اُس کا نائب والٹر بے دام، جو کسی حد تک بہتر کمان کر سکتا تھا، اُس نے کوشش کی کہ وہ کسی طرح اس بدنظم اجتماع میں نظم و ضبط کی کوشش کرے مگر اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ وہ علیحدہ علیحدہ گروہوں میں تقسیم ہو گئے تا کہ شکار کریں اور اس کے نتیجے میں خود ہی شکار ہو گئے اور سلطان نے انھیں گھیرے میں لے لیا۔ پھر یہ افواہ گرم ہو گئی کہ ان کے ساتھی دارالحکومت میں فساد پیدا کر رہے ہیں تو سلیمان نے یہ کوشش کی کہ نائس کے میدان میں ان کے مرکزی گروہوں پر حملہ کر دے۔ ان ترکوں کے تیر غالب آ گئے جہاں انھیں شکست ہوئی تھی وہاں پر ان کی ہڈیوں کا مینار بنا دیا گیا۔ صلیبیوں کے پہلے لشکر میں سے تین لاکھ اب تک ختم ہو چکے تھے اور ابھی تک کفار سے ایک شہر بھی خالی نہ کرایا جا سکا اور ابھی تک ان کے شریف بھائی بندوں کی طرف سے جنگی منصوبوں کے لیے تیاری بھی نہیں کی تھی۔

یورپ کے بڑے بادشاہوں میں سے کوئی ایک بھی ذاتی طور پر صلیبی جنگ میں شامل نہیں ہوا۔ شہنشاہ ہنری چہارم نے تو پوپ کا پیغام بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ فرانس کا فلپ اول، تو دادِ عیش دینے میں مصروف تھا۔ انگلستان کا ولیم روفوس حال ہی میں ایک فتح یابی سے فارغ ہوا تھا۔ ہسپانیہ کے بادشاہ ایک خانہ جنگی میں مصروف تھے جو موروں کے خلاف جاری تھی۔ شمالی سکاٹ لینڈ، ڈنمارک، سویڈن اور پولینڈ کے بادشاہ جنوب کے معاملات سے ابھی تک آگاہ نہ تھے اور اُنھیں ان معاملات میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ البتہ دوسرے درجے کے بادشاہوں میں مذہبی تنظیم کا احساس سختی سے محسوس کیا جا رہا تھا۔ ان کی جاگیردارانہ نظام میں اہمیت بھی بہت زیادہ

تھی۔ اُن کی کیفیت کو چار عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے مگر میں بے معنی تکرار سے پرہیز کروں گا اور صرف یہ تبصرہ کروں گا کہ ان عیسائی مہم بازوں میں نہ تو حوصلہ تھا اور نہ یہ اسلحہ کے استعمال ہی سے آشنا تھے۔

ا۔ بوئی لون (Bouillon) کے گاڈفرے کو جنگ اور مشاورت میں بلاشبہ پہلا مقام دیا جا سکتا ہے اور صلیبیوں کے لیے یہ انتہائی خوش کن ہوتا، مگر وہ اس ماہر ہیرو ہی پر اعتماد کرتے اور سارا معاملہ اُسی کے سپرد کر دیتے۔ وہ شارلیمن کا جانشین کہلانے کا مستحق تھا۔ زنانہ رشتے سے وہ شارلیمن سے رشتہ داری میں بھی منسلک تھا۔ اس کا باپ بولون (Boulogne) کا کاؤنٹ تھا اور اُس کا تعلق بھی شرفا کے خاندان سے تھا۔ براہانٹ بولون کا زیریں صوبہ تھا۔ یہ اس کی ماں کی جاگیر تھی اور شہنشاہ کی عنایت سے اسے بھی جاگیردار کا مقام حاصل تھا۔ جولارڈ کے خطاب کے ساتھ آردینس کے علاقے بوئی لون میں اس کے نام پر منتقل کر دیا گیا تھا۔ ہنری چہارم کے دور میں اسے سلطنت میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ ایک باغی بادشاہ روڈولف بھی اسی کے نیزے سے زخمی ہوا تھا۔ گاڈفرے پہلا بادشاہ تھا، جو روم کی دیواروں پر سے بذاتِ خود اُترا تھا۔ اس کے بعد یہ بیماری ہو گیا۔ پھر متاسف بھی ہوا اور اس نے اس پر توبہ بھی کی کہ اُس نے پوپ کے خلاف حملہ کر دیا۔ پھر اُس نے قسم بھی کھائی کہ وہ مقدس مرقدِ مسیح کی زیارت بھی کرے گا اور وہ یہ سفر بطور زائر اختیار نہیں کرے گا بلکہ اہلِ فلسطین کو آزادی بھی دلائے گا۔ وہ بہادر بھی تھا مگر تجربے نے اُسے پختہ کار بھی بنا دیا تھا۔ اُس کے تقدس میں اگرچہ بصیرت کی کمی تھی۔ اگرچہ چھاؤنی میں قیام کے دوران بھی وہ ایک راہب کی حیثیت سے فرضی راہب خانے کے تمام آداب کو ملحوظ خاطر رکھتا۔ وہ عام سرداروں کے نجی اوصاف سے بہت برتر تھا۔ وہ اپنی دشمنی صرف دشمنانِ مسیح تک محدود رکھتا۔ اگرچہ اُسے اُس کی کوشش کے صلے میں حکومت ملی تھی مگر اس کے حریف بھی اس کے صبر و تحمل اور جذبے کی تعریف کرتے تھے۔ بوئی لون کے گاڈفرے کے ہمراہ اس کے دو بھائی بھی ہوتے۔ بڑے کا نام یوسطاقی تھا۔ جو بوئی لون کی کاؤنٹی کا بھی سربراہ تھا۔ چھوٹے کا نام بالڈون (Baldwin) تھا۔ اس کے کردار کی صفات بہت زیادہ مبہم تھیں۔ لورین کا ڈیوک راہین کی دونوں اطراف قابلِ احترام سمجھا جاتا تھا۔ اپنی ولادت اور تعلیم کی بنا پر وہ فرانسیسی اور ٹیوٹانی (Tutonic) دونوں زبانوں میں کامل مہارت رکھتا تھا۔ فرانس، جرمنی اور لورین کے سرداروں نے اپنے اپنے جاگیرداروں کو جمع کیا اور ایک فوج ترتیب دی گئی جس میں اسی ہزار پیدل فوجی تھے اور دس ہزار رسالے کے سوار تھے اور اسے ان سب کا سربراہ مقرر کر دیا گیا۔

۲۔ ایک مجلس جس کا اجلاس پیرس میں ہوا۔ اس میں بادشاہ ذاتی طور پر موجود رہا۔ یہ اجلاس

کلرمانٹ کی کونسل کے دو ماہ بعد منعقد ہوا۔ ورمانڈ وئیس کا کاؤنٹ ہاؤ بادشاہوں میں سے بہت نمایاں سمجھا گیا کیونکہ اُس نے سب سے پہلے تلوار اُٹھائی۔ مگر اُسے عظیم کا خطاب بلا استحقاق دیا گیا۔ اُس کے مقبوضہ علاقے بھی زیادہ وسیع نہ تھے۔ (دونوں حیثیتوں میں اُس کا استحقاق بلا مقابلہ نہ تھا)۔ اُس کا تعلق شاہی خاندان سے ضرور تھا کیونکہ وہ بادشاہ فرانس کا حقیقی بھائی تھا۔ رابرٹ، نارمنڈی کا ڈیوک تھا اور فاتح ولیم کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ مگر اس کے باپ کی وفات کے بعد اسے انگلستان کی حکومت سے، اس کی اپنی شفقت اور اس کے بھائی روفوس کی ہوشیاری کی بنا پر محروم کر دیا گیا تھا۔ رابرٹ کی زندگی کا معیار عامیانہ پن اور آرام طلبی کی وجہ سے بہت پست ہو گیا تھا۔ اُس کی خوش مزاجی اُسے ہر وقت عیش کوشی میں مصروف رکھتی۔ وہ حد سے زیادہ فیاضی سے کام لیتا، جس کی بنا پر بادشاہ اور عوام مفلس ہو گئے۔ وہ ملزموں پر بھی دیکھے بنے بغیر رحم کرتا، جس کی وجہ سے جرائم پیشہ افراد کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ یہ خوبیاں اگر کسی عام آدمی میں ہوتیں تو اُسے اچھی لگتیں، مگر ایک بادشاہ کی شخصیت کے لیے عیب بن گئیں۔ دس ہزار مارک کی معمولی رقم کے لیے، ایک انگریز غاصب کے ہاتھوں اُس کی غیر حاضری میں نارمنڈی کو رہن رکھ دیا گیا۔ مگر صلیبی جنگوں میں اس کا کردار اور مصروفیات سے رابرٹ کے انداز میں بھی تبدیلی آ گئی اور عوام میں بھی اس کی عزت میں اضافہ ہو گیا۔ فلانڈرز ایک شاہی صوبہ تھا۔ اُس میں بھی ایک رابرٹ موجود تھا۔ اس نے انگلستان، فرانس اور ڈنمارک کے ممالک کو تین شہزادیاں عطا کیں۔ اسے عیسائیت کی تلوار اور نیزے کا خطاب حاصل تھا۔ مگر جب لُوٹ مار کا موقع ہوتا تو وہ ایک جرنیل کی صفات کو فراموش کر دیتا۔ بلوایس، چارٹریس اور ٹرائے کا کاؤنٹ سٹیفن، اُس عہد کا امیر ترین شہزادہ تھا۔ اُس کے پاس تین سو پینسٹھ قلعے تھے یعنی وہ سال بھر ہر روز ایک نئے قلعے میں قیام کر سکتا تھا۔ ادبیات کے مطالعے کے باعث اس کا ذہن ارتقا یافتہ تھا اور سرداروں کی انجمن میں اس کی فصاحت کی وجہ سے اسے صدر چن لیا گیا تھا۔ یہ چاروں افراد فرانسیسیوں کے اہم رہنما تھے۔ نارمن اور انگلستان کے زائرین بھی ان کی حیثیت کو تسلیم کرتے تھے۔ مگر اُن جاگیرداروں کی فہرست جو تین یا چار دیہات کے مالک تھے، اُن کی تعداد ایک ہمعصر فہرست کے مطابق، ٹروجن کی جنگ میں شامل جاگیرداروں سے بھی بڑی تھی۔

۳۔ فرانس کے جنوب میں ایڈہیمر نے کمان سنبھال لی تھی جو پوئی کا بشپ تھا اور پاپائے روم کا سفیر تھا اور ان کے ہمراہ ریمانڈ بھی شامل تھا جو سینٹ گائلز (Giles) کا کاؤنٹ تھا۔ علاوہ ازیں طاؤلوس جو اپنے آپ کو ڈیوک آف ناربونی اور پروونس (Provence) نواب کہلا کر فخر محسوس کرتا تھا۔ اوّل الذکر ایک معزز

کلیسائی عہدہ دار تھا اور دینی اور دُنیاوی مشاغل میں یکساں مہارت کا حامل تھا۔ ثانی الذکر ایک تجربہ کار جنگجو تھا۔ وہ ہسپانیہ کے صحرانشینوں کے خلاف لڑ چکا تھا۔ اُس نے اپنی باقی ماندہ زندگی مرقدِ مسیح کو آزاد کرانے اور اُس کی خدمت گزاری میں صرف کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ اُس کے ذاتی تجربات کی وجہ سے اُسے عیسائی پڑاؤ میں انتہائی احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ ہر وقت یہ چاہتا تھا کہ ان لوگوں کی مایوسی کا علاج کر سکے اور اکثر اسی کوشش میں لگا رہتا، لیکن اُس کے لیے ان لوگوں کی محبت کا حصول ممکن نہ ہوسکا البتہ اس کے دشمنوں کی نظر میں اس کا احترام بڑھ گیا۔ وہ مزاج کے لحاظ سے گرم، حاسد اور مغرور تھا۔ اس لیے اس کی اچھی صفات کو بھی بہت نقصان پہنچا۔ اگرچہ خدا کے مقاصد کی تکمیل کے لیے اُس نے حتمی فیصلہ کر رکھا تھا مگر عوام کی نظروں میں اس کا سارا تقدس لالچ اور حبِ جاہ پر مبنی تھا۔ اُس کی ساری جدوجہد تجارتی اغراض کے لیے تھی۔ جس میں دینی اور صوبائی تعصب بھی تھا، جس کے لیے آورگنے اور لانگی ڈوک کے باشندے بہت بدنام ہیں۔ برگنڈی اور آرلیز کی حکومتوں کے باشندوں میں یہ عصبیت موجود ہے۔ ملحقہ ہسپانیہ کی آبادیوں میں سے اُس نے مضبوط مہم جوؤں کے کئی دستے طلب کرلیے۔ جب وہ لمبارڈی کے علاقے سے گزرا تو لاطینیوں کا ایک گروہ اُس کے علم کے اردگرد جمع ہوگیا۔ اس گروہ کی مجموعی تعداد پیدل اور رسالے سمیت ایک لاکھ افراد کے لگ بھگ تھی۔ اگرچہ ریمانڈ پہلا شخص تھا، جس نے اس فہرست میں اپنا نام لکھوایا تو وہی آخری شخص بھی تھا جس نے اس مہم کو ترک کردیا۔ اس سے اُس کی تیاریوں اور آخر کار اس عمل کو ترک کردینے سے متعلق اُس کے جوش وخروش کا ثبوت ملتا ہے۔

۴۔ رابرٹ گائیسکارڈ کے بیٹے بوہی مانڈ کا نام تو شاہِ یونان پر دو فتوحات حاصل کرنے کی وجہ سے پہلے ہی مشہور ہوچکا تھا۔ مگر اُس کے باپ کی وصیت کی وجہ سے اُس کا دائرہ حکومت طرنطوم کے علاقے تک محدود ہوکر رہ گیا تھا۔ صرف اُس کی مشرقی کامیابیاں ہی لوگوں کے ذہنوں میں رہ گئی تھیں۔ فرانسیسی زائرین کی بدولت اُن کی یاد تازہ ہوگئی جب اس کے علاقے سے فرانسیسی زائرین کے گروہ گزرنے شروع ہوئے اور طرح طرح کی افواہیں پھیلنی شروع ہوئیں تو یہ بھی اپنے خواب سے بیدار ہوا۔ یہ اس نارمن سردار کی ذات سے مخصوص تھا کہ ہمیں کسی ٹھنڈے دل سے ترتیب دی گئی حکمتِ عملی کا پتا چل سکا۔ جس میں مذہب کی عصبیت کا بھی ہلکا سا یا برائے نام عنصر موجود تھا۔ اس کے کردار سے اس اعتقاد کا پتا چلتا ہے کہ اس نے رازداری سے پوپ کی منصوبہ بندی کو بھی مکمل کرنے کی کوشش کی۔ اس نے اس کے خیالات کی تائید بھی کی اور حیرانی کے باوجود جوش وخروش کا اظہار بھی کیا۔ جب امالفی کا محاصرہ کیا گیا تو اس کی گفتگو اور طریق عمل سے متحدہ فوج

کے جذبات میں اشتعال پیدا ہوگیا تھا۔ اس نے اُسی وقت اپنے کپڑے پھاڑ دیے تاکہ لاتعداد اُمیدواروں کے لیے صلیبیں تیار کرلی جائیں اور پھر قسطنطنیہ جانے کی تیاری کرلی۔ اُس کے ہمراہ بیس ہزار پیدل سپاہی اور دس ہزار سوار تھے۔ نارمن نسل کے متعدد شہزادے بھی اس کے ہم رکاب تھے اور اس کا عمزاد ٹان کریڈ، اس جنگ میں ملازم ہونے کی بجائے اس کا مساوی شریک کار تھا۔ ہم اس سردار کی تمام خوبیوں سے آشنا ہیں۔ اس میں شجاعت کی تمام صفات موجود تھیں۔ اس میں معاشرتی خوبیوں کا عمدہ امتزاج موجود تھا جو گھٹیا فلسفے اور اُس عہد کے گھٹیا ترین مذہب کے اُصولوں کے مقابلے میں نہایت اعلیٰ تھا۔

شارلیمن کے عہد اور صلیبی جنگوں کے زمانے کے درمیان، اہلِ ہسپانیہ میں ایک انقلاب رونما ہوچکا تھا۔ نارمن اور فرانسیسی بتدریج تمام یورپ میں پھیل چکے تھے۔ پیدل فوج کا پیشہ صرف عام لوگوں کے لیے رہ گیا تھا۔ افواج کی قوت کا معیار رسالے تک محدود ہوکر رہ گیا اور سپاہی کا نام بھی صرف طبقۂ شرفا تک ہی محدود کردیا گیا جو صرف گھوڑوں پر سوار ہوکر ہی لڑتے اور بعد میں سرداری کا خطاب بھی صرف ان کو ہی عنایت ہوتا۔ نوابوں اور کاؤنٹوں نے بادشاہی حقوق کو غصب کرلیا تھا۔ اُنھوں نے صوبوں کو اپنے وفادار جاگیرداروں میں تقسیم کردیا تھا اور ان جاگیرداروں نے اراضی کو بڑے بڑے زمینداروں میں تقسیم کردیا تھا، جس سے ایک جاگیردارانہ نظام وجود میں آگیا تھا۔ یہ لوگ اپنے اپنے ڈیوک (نواب) اور کاؤنٹ کے وفادار ہوتے اور بوقتِ ضرورت اُن کو فوجی خدمات فراہم کرتے۔ وہ اپنے جاگیردار کے علاوہ ایک دوسرے کے بھی وفادار ہوتے اور مشترکہ مفادات کا خیال رکھتے۔ انھیں کے سہارے یہ نظام قائم رہتا۔ بہرحال اتنا ہوگیا کہ کاشتکاروں اور ہاریوں کو بھی مناسب انسانی حقوق ملنے لگے اور اُنھیں انسان سمجھا جانے لگا۔

جب اس نوعیت کے اتحاد قائم ہونے لگے تو برتر نسلوں کے افراد کا وقار بھی محفوظ ہوگیا۔ صرف ان کے بیٹوں ہی میں خاندانی حقوق منتقل ہوتے اور جنگجو کا خطاب عنایت ہوتا۔ اس میں خاندانی نسبت کے علاوہ ذاتی خوبیوں کا بھی خیال رکھا جاتا۔ اس تقریب کے بعض آثار طاسی طوس اور جرمنی کے جنگلات میں ملتے ہیں۔ آغاز میں یہ سادہ اور بلاتکلف منعقد کی جاتی۔ ہر اُمیدوار کو کسی سابقہ آزمائش میں سے گزرنا پڑتا۔ اس تقریب میں اُسے ایک تلوار اور مہمیز عطا کیے جاتے۔ اُس کے گالوں اور شانوں کو تھپتھپا دیا جاتا۔ یہ اس امر کی علامت ہوتی کہ اُسے بھی اس قدر آزادی کی اجازت ہے اور خود اُسے بھی اس حد تک برداشت کرنا مناسب رہے گا۔ مگر اسلحہ کے پیشے کے ہر شعبے میں اوہام پرستی کا کسی حد تک دخل ہوجاتا ہے۔ جنگجوئی کا خطاب بھی کسی حد

Scanned with CamScanner

تک مذہبی خطابات سے منسلک کر دیا گیا۔ اس میں سفید لباس بھی شامل کر لیا گیا جو ایک حد تک اصطباغ کی
علامت ہے۔ وہ اپنی تلوار کو گرجے کی قربان گاہ پر پیش کرتا۔ اُسے پجاری برکت عطا کرتے۔ وہ اسے سنجیدگی
سے وصول کرتا اور اس سے پہلے روزے رکھتا اور شب بیداری کرتا اور اس کے بعد اُسے ''خدا کی راہ میں جنگجو''
کا خطاب حاصل ہوتا۔ سینٹ گریگوری اور سینٹ مائیکل کی برکت بھی اس میں شامل سمجھی جاتی۔ اُسے اپنے پیشے
کے فرائض انجام دینے کا حلف اُٹھانا ہوتا اور عیسائیت کی تعلیم پر عمل کرنا ہوتا۔ عوام اس امر کا خیال رکھتے کہ وہ
اپنے حلف کی کماحقہٗ پاسداری کرے۔ خدا اور خواتین (مجھے اس نوعیت کے ناموں کے بیان میں شرم محسوس
ہوتی ہے جواب متروک ہو چکے ہیں) کا بھی وہ محافظ ہوگا۔ اس کے بعد وہ صرف سچ بولے گا۔ ہر شخص کے حق کا
خیال رکھے گا۔ لوگوں کی مصائب کے اوقات میں حفاظت کرے گا، اور ہر ایک سے خوش اخلاقی سے پیش آئے
گا۔ قدیم دور میں یہ خوبی شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی تھی۔ وہ کفار کو سزا دے گا اور کبھی لالچ میں نہیں آئے گا۔
خواہ حالات کیسے بھی مشکل ہوں اپنے ذاتی احترام اور وقار کا خیال رکھے گا۔ پھر اَن پڑھ اور جاہل افراد کو بھی یہ
خطاب ملنے لگا اور ظاہر ہے کہ وہ اس سے منسلک شرائط پر عمل کرنے کی بجائے ان سے ناجائز فائدہ اُٹھانے
لگے۔ ہر شخص ان کی تشریح اپنی مرضی سے کرنے لگا اور ان پر عمل بھی اپنی خواہش کے مطابق ہی کرتا۔ بہرحال
اس ادارے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مستحق افراد کو تہذیب کی راہ پر ڈالا جائے اور جہالت کے اثرات کو ختم کیا
جائے اور اُن میں ایمان کے بعض اُصولوں کو زیرِ عمل لانے کی توفیق پیدا کی جائے۔ اس کے نتیجے میں ایمان،
انصاف اور انسانیت نوازی کے اُصول شدت سے محسوس کیے جانے لگے اور اکثر ان پر عمل بھی کیا جانے لگا۔
قومی عصبیت کی شدت میں نرمی پیدا ہوگئی اور فوج اور کلیسا کا اخلاقی مزاج یکسانیت کی علامات کا مظاہرہ کرنے
لگا اور عام عیسائی بھی اخلاقی اصولوں پر عمل کا مظاہرہ کرنے لگے۔ جب کوئی مہم جوئی ہوتی یا زیارت کے لیے
سفر کیا جاتا، یا اپنے وطن میں کسی جنگی مشق میں حصہ لیا جاتا تو اس مشق میں ہر ملک کے جنگجو افراد کو حصہ لینے کی
اجازت ہوتی۔ گوتھ کی مشقوں یا یونانیوں کے اولمپک کھیلوں میں جن کا تعلق قدیم روایات سے تھا، ان میں یہ
جدید اصول بھی شامل کر لیے گئے۔ اب وہ عریاں نظارے دیکھنے میں نہ آتے جن کی وجہ سے یونانیوں کے
اخلاق تباہ ہو گئے تھے اور خواتین اور دوشیزاؤں کو کھیل کے میدانوں سے باہر نکال دیا۔ البتہ بلند مرتبہ
خاندانوں کی خوش کردار خواتین کو دعوت دی جاتی جو مجلس میں آ کر جیتنے والے کھلاڑیوں کو انعام دے کر اُن کی
حوصلہ افزائی کرتیں۔ کشتی اور مکا بازی میں جو تکلیف برداشت کی جاتی ہے یا طاقت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اُس

کا فنونِ حرب سے کوئی تعلق نہیں مگر مقابلے کے لیے جو کھیل ایجاد کیے گئے ہیں وہ صرف عوام کی تفریح کے لیے
ہوتے ہیں اور مشرق و مغرب میں یکساں مروج ہیں اور عوام انھیں شوق سے دیکھتے ہیں۔ ان میں سے متعدد
کھیل فرانس میں ایجاد کیے گئے۔ انفرادی مقابلے یا عام کھیل کود، کسی درے یا قلعے کا دفاع وغیرہ کی مشق بھی
کھیل کے میدانوں میں کی جاتی۔ کبھی تو یہ حقیقی جنگ ہوتی اور کبھی فرضی جنگ سے ہی فوج کی تربیت کا سامان
پیدا کر لیا جاتا۔ یہ دیکھا جاتا کہ گھوڑے اور نیزے پر بہتر انداز میں کون قابو پا سکتا ہے۔ برچھا جنگجوؤں کا سب
سے بڑا اور مؤثر ہتھیار تھا۔ ان کے گھوڑے بھی بہت بڑے اور وزنی ہوتے۔ گھوڑوں کی نسل کا بہت خیال رکھا
جاتا۔ مگر جنگ میں خطرات سے بچنے کی مشق کے لیے ایک سائیس بھی ہمراہ رکھا جاتا۔ اُس کے پاس ایک ایسا
گھوڑا ہوتا جسے سنبھالنا زیادہ مشکل نہ ہوتا۔ اُس کا خود، تلوار، پیٹی، بکسوا وغیرہ کی تفصیل مہیا کرنا بے فائدہ ہوگا۔
کیونکہ صلیبی جنگوں کے زمانے میں اسلحہ اُتنا عمدہ نہ تھا جتنا کہ زمانہ مابعد میں تیار کیا گیا۔ ایک وزنی زرہ بکتر کی
سینے کو بچانے کے لیے پوستین کا کوٹ پہن لیا جاتا۔ اپنے نیزے ہاتھ میں پکڑ کر جنگجو تیزی سے دشمن پر حملہ آور
ہو جاتے۔ عربوں اور ترکوں کا رسالہ ان کے مقابلے میں ہلکا ہوتا اور مغرب کے وزنی ہتھیاروں کا مقابلہ کرنے
سے قاصر رہتے۔ ہر جنگجو کے ساتھ میدانِ جنگ میں ایک وفادار خادم بھی موجود رہتا۔ وہ نوجوان بھی ہوتا اور
اُس کا تعلق بھی اُس کے قبیلے ہی سے ہوتا اور اُس کی اُمیدیں یکساں ہی ہوتیں۔ اس کے عقب میں اس کے تیر
انداز اور اسلحہ بردار سپاہی ہوتے، جن کی تعداد چار، پانچ یا چھ ہوتی۔ اس طرح ایک جنگجو دستہ مکمل ہو جاتا۔ جب
یہ کبھی کسی ہمسایہ ملک سے جنگ آزما ہوتے یا صلیبی جنگوں پر روانہ ہوتے، جاگیردارانہ نظام کے فرائض میں
کوئی تعطل پیدا نہ ہوتا۔ ایک جنگجو کی خدمات یا تو رضاکارانہ جوش و خروش کا نتیجہ ہوتیں یا انھیں انعام کے وعدوں
کے عوض حاصل کیا جاتا اور ہر دستے کی قوت کا معیار اُن میں شامل افراد پر ہوتا۔ اس میں ہر سردار کی شہرت اور
دولت کو بھی خیال میں رکھا جاتا۔ اُس کی شناخت اس کے جھنڈے سے کی جاتی۔ اس کا اسلحہ، جامہ اور جنگی نعرہ
بھی اس کے امتیاز کی نشاندہی کرتا۔ یورپ کے قدیم خاندان ان مخصوص نشانات کی بنیاد پر اپنی شرافت کا ثبوت
پیش کرتے۔ میں نے اس جنگجوئی کی عجلت میں تصویر کشی کی ہے۔ کیونکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ صلیبی جنگوں کے
حالات بیان کروں جس کے لیے ضروری تھا کہ ضمناً یہ تفصیلات بھی مہیا کر دی جائیں۔ کیونکہ اس یادگار
ادارے کی تفصیل بتائے بغیر یہ بیان مکمل نہ ہوتا۔
فوج کی حالت مذکورہ بیان کے مطابق تھی۔ ان کے رہنماؤں کے متعلق بھی کوائف بیان کر دیے

گئے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے، جنھوں نے صلیب کو اپنے ہاتھ میں اس لیے اُٹھالیا کہ وہ مرقدِ مسیح کو آزاد کرا سکیں۔ جونہی دیہاتی گروہ ان سے الگ ہوئے اور انھیں منصوبے کی تکمیل کی آزادی ملی تو ان کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ اُنھوں نے ایک دوسرے سے گفت وشنید کی اور موصولہ پیغامات سے ایک دوسرے کو آگاہ کیا۔ اپنا مقصد پورا کرنے کے عہد کیے اور جلدی سے آگے روانہ ہو گئے۔ ان کی بیویاں اور بہنیں بھی اس کی خواہش مند تھیں کہ وہ ان کے خطرات میں شریک ہوں اور زیارت کا ثواب بھی حاصل کریں۔ انھوں نے اپنا زادِراہ سونے اور چاندی کی سلاخوں میں منتقل کرلیا تھا اور شہزادوں نے اپنے ہمراہ شکاری کتے اور عقاب بھی لے رکھے تھے تاکہ شکار کی تفریح کے ساتھ ساتھ خوردونوش کا سامان بھی فراہم ہوتا رہے۔ اس تعداد میں انسانوں، گھوڑوں اور دوسرے حیوانات کے سامانِ خوردونوش کی فراہمی بھی ایک مسئلہ تھا۔ اس لیے انھوں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ گروہوں میں منقسم ہوکر علیحدہ علیحدہ ہو جائیں۔ ہر گروہ کی اپنی مرضی پر تھا کہ وہ اپنے لیے راستے کا انتخاب کرلے۔ البتہ یہ فیصلہ کرلیا گیا کہ قسطنطنیہ کے قرب وجوار میں پہنچ کر دوبارہ اکٹھے ہو جائیں اور اس کے بعد ترکوں کے خلاف جنگ کا آغاز کردیں۔ میوز کے کناروں سے لے کر موسیلی (Moselle) تک بوئی لون کے گاڈفرے نے جرمنی کا براہِ راست راستہ اختیار کیا۔ جرمنی سے بلغاریہ پہنچا۔ اُس کا ہر اقدام اُس کی دانش مندی کا ثبوت فراہم کرتا اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ متعدد خوبیوں کا مالک تھا۔ ہنگری کی سرحد پر عیسائی آبادی نے تین ہفتے کے لیے اسے روک لیا۔ صلیب کے نام یا اغراض سے مکمل واقفیت سے عاری تھے۔ ہنگری کے لوگ ابھی تک ان زخموں کو چاٹ رہے تھے جو انھیں زائرین کی پہلی مہم کے ہاتھوں آئے تھے۔ اُس کے بدلے میں وہ حق دفاع کے بہانے ناجائز فوائد حاصل کرتے رہے۔ اب اُنھیں موقع مل گیا تھا کہ اُسی قوم کے ایک فرد سے اپنا انتقام لے لیں اور مزید برآں یہ بھی اُسی مقصد کے لیے سفر کررہا تھا۔ مگر اپنے مقاصد اور پیش آنے والے واقعات کے بیان کے بعد کاؤنٹ نے اُن لوگوں سے ہمدردی کا اظہار کیا اور اپنے کم مایہ نسلی بھائیوں غلط رویے کی ملامت کی اور اس کے بارہ نائبوں نے جو امن کے پیغامبر تھے، کی جانب سے آزاد راہگزر کی درخواست کی اور ضروریات کی خرید کا اجازت نامہ بھی چاہا۔ اُن کے شکوک کے ازالے کے لیے، گاڈفرے نے اپنے آپ کو بطور یرغمال پیش کیا اور اپنے بعد اپنے بھائی کو اُن کے حوالے کرنے کا وعدہ کیا۔ ہنگری کے بادشاہ نے اُنھیں سادہ مگر مہمان نوازی کے انداز میں دعوت دی۔ اس لیے انجیل مقدس کو سامنے رکھ کر ایک عہدنامے پر دستخط کر لیے گئے اور اس معاہدے کی خلاف ورزی پر سزائے موت کا وعدہ کرلیا گیا تاکہ

اُن کے فوجی کسی نوعیت کی شرارت نہ کرسکیں۔ آسٹریا سے بلغاریہ تک یہ لوگ ہنگری کے علاقوں میں سے ہی گزرتے رہے اور اس دوران انھیں کسی نوعیت کی مضرت سے کوئی تکلیف نہ پہنچی اور کارلومان مقابلتاً بڑے رسالے کو لے کر ان کے اردگرد چکر کاٹتا رہا۔ حتیٰ کہ یہ لوگ دریائے ساوے (Save) کے کناروں پر پہنچ گئے اور جونہی انھوں نے دریا عبور کیا، ہنگری کے بادشاہ نے ان کے یرغمال واپس کردیے اور انھیں الوداع کیا اور ان کے مقاصد کی تکمیل کے لیے دُعا کی۔ اسی کردار اور نظم وضبط کا مظاہرہ کیا گیا۔ یہاں تک کہ تھریس کی سرحد پر پہنچ گئے اور اپنے آپ کو مبارک باد دی کہ اُنھوں نے اپنے سفر کی پہلی منزل طے کرلی اور اس دوران اُنھیں کسی عیسائی کے خلاف اپنی تلوار ننگی کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ایک آسان اور آرام دہ سفر کے بعد جو لمبارڈی سے شروع ہوا، وہ طیورین سے ایکویلیا پہنچا۔ ریمانڈ اور اس کے قبیلے کے افراد نے چالیس یوم تک دالماطیہ اور سکلوانیہ کی وحشی اقوام کے راستوں پر سفر کیا۔ موسم ایسا تھا کہ متواتر دھند چھائی رہی۔ سارا علاقہ غیرآباد پہاڑی تھا۔ صرف مغرور یا دشمن قبائل کے افراد یہاں آباد تھے۔ نہ یہ مذہب کے پابند تھے اور نہ ان کی کوئی منظم حکومت تھی۔ اُنھوں نے اشیائے ضرورت اور رہنما مہیا کرنے سے بھی انکار کردیا جو لوگ کوشش کرتے، وہ انھیں قتل کردیتے۔ وہ کاؤنٹ کی شب وروز نگرانی کرتے رہتے۔ وہ اپنے تحفظ کے لیے بعض شرپسندوں کو سزا دے دیتا اور بعض قیدی قزاقوں کو قتل کردیا۔ بادشاہ سکودرا کے ساتھ معاہدات اور سلسلۂ کلام کے مقابلے میں وہ زورِ بازو سے اپنا تحفظ زیادہ بہتر طور پر حاصل کرتا۔ اس کا دورازو سے لے کر قسطنطنیہ کا سفر باعث آزار تو تھا مگر اسے کہیں رُکنا نہیں پڑا۔ شہنشاہ یونان کے کسان اور فوجی باقی سرداروں کے لیے پہلے کی طرح ہی عناد کا مظاہرہ کرتے رہے جو ایڈریاٹک کو اٹلی جانے کے لیے عبور کررہے تھے۔ بوہی مانڈ کے پاس اسلحہ بھی تھا اور افرادی قوت بھی تھی۔ اس میں پیش بینی اور نظم وضبط قائم رکھنے کی صلاحیت بھی تھی اور اپی روس کے صوبوں میں ابھی تک اس کے نام کو فراموش نہیں کیا گیا تھا۔ تھیسالی میں ابھی تک وہ لوگوں کے اذہان میں تھا۔ اسے جس قدر مشکلات بھی پیش آئیں، اُن پر اس نے اپنی فوجی قوت سے قابو پالیا۔ اس میں ٹانکریڈ کی جرأت نے بھی بڑا کام کیا مگر اُس نے عام یونانیوں کو تو اپنے حال پر چھوڑ دیا مگر ایک محفوظ قلعے کو لوٹ لیا۔ یونانی شرفا نے بلاوجہ کہیں کہیں مخالفانہ رویہ اختیار کیا جس کے لیے یونانیوں پر اکثر الزام عائد کیا جاتا تھا۔ کو واپس سے لے کر اپولیا تک عظیم ہاؤ کا سفر اپنے دو ہمراہیوں رابرٹ اور سٹیفن سمیت خوشگوار گزرا۔ چارٹریس کا سٹیفن اگرچہ ایک مالدار شخص تھا اور کیتھولک فرقے کی اکثریت والے علاقے سے اس کا تعلق تھا۔

اس لیے مذہبی حلقوں میں بھی اس کے پیروکاروں کی کمی نہ تھی۔ وہ اس رومی پادری کے پاؤں چومتے فرانسیسی شہنشاہ کے بھائی کو سینٹ پیٹر سنہری جھنڈا دے دیا گیا۔ مگر وہ تقدس اور تفریح کے سفر کے لیے زادِراہ جمع کرنا بھول گئے اور بحری سفر کے لیے اشیائے ضرورت کا انتظام نہ کیا۔ ان کا موسم سرما بے مقصد گزر گیا۔ ان کی افواج اٹلی میں منتشر ہو گئیں اور اپنا چال چلن خراب کر لیا۔ اُنھوں نے علیحدہ علیحدہ راستے اختیار کر لیے۔ اُنھوں نے اپنے تحفظ اور وقار کی بھی کوئی پروا نہ کی اور اسی تگ و دو میں ان کے نو ماہ ضائع ہو گئے۔ اُربان نے اُن کے لیے مقام اتصال پر پہنچنے کے لیے یوم تاسیس کی حد مقرر کی تھی۔ تمام لاطینی بادشاہ قسطنطنیہ پہنچ گئے تھے مگر ورمانڈ ویس کے کاؤنٹ کو ایک قیدی کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ اُس کے بہت سے نائب ایک طوفان کی وجہ سے منتشر ہو چکے تھے۔ اُس کی ذات کو بین الاقوامی قانون کا مجرم قرار دے کر گرفتار کر لیا گیا تھا۔ الیکسی اُوس کے نائبین نے اُسے قید کر لیا۔ مگر ہاؤ کی آمد کا اعلان چوبیس شہزادوں نے کیا۔ اُسے سنہری علم عطا کیا جا چکا تھا۔ اُس نے شہنشاہ کو حکم دیا کہ لاطینی جرنیل کو رہا کر دیا جائے جو کہ ایک شہنشاہ کا بھائی تھا۔

بعض مشرقی حکایات میں، میں نے ایک گڈریے کی داستان پڑھی ہے۔ جو محض اپنی خواہشات کی تکمیل کی وجہ سے تباہ ہو گیا۔ اُس نے پانی کے لیے دعا کی تو دریائے گنگا اُس کے کھیتوں میں داخل ہو گیا۔ اُس کی بھیڑ بکریاں اور جھونپڑا سیلاب میں بہہ گئے۔ اُس کی قسمت یا ادراک کی صورت یہ تھی کہ وہ اپنی خواہش کی تکمیل پر تباہ ہو گیا۔ ایسی ہی صورت یونان کے شہنشاہ کی تھی۔ الیکسی اُوس کومنی نُوس، جس کا نام اس تاریخ میں قبل ازیں بھی آ چکا ہے اور اس کے کردار کو اس کی بیٹی اینا (Anna) نے بہت مختلف صورت میں پیش کیا ہے اور لاطینی مؤرخین بھی اس کا ذکر کرتے ہیں۔ پلاسنطیا کی کونسل میں اس کے سفیروں نے ایک معمولی کمک کا مطالبہ کیا تھا جو غالباً دس ہزار فوجیوں کے مساوی تھی۔ مگر اب اُس نے دیکھا کہ راہبوں، سرداروں اور متعصب زائرین کے لاتعداد لشکر جمع ہو گئے ہیں۔ شہنشاہ خوف اور اُمید کے مابین جھولنے لگا۔ کبھی وہ بُزدلی کا مظاہرہ کرتا اور کبھی حوصلہ مندی کا اظہار کرتا۔ یہ ایک مکارانہ چال تھی جسے وہ دانائی کا نام دیتا تھا۔ میں اس سلسلے میں کوئی حتمی رائے نہیں دے سکتا کہ اُس نے فرانسیسی مردانِ میدان کے خلاف بدنیتی سے کوئی سازش تیار کی اور اُن کی عزت اور سلامتی کے لیے خطرہ پیدا کیا، راہب پیٹر جس نے انسانوں کے کثیر اجتماعات اکٹھے کر لیے تھے اُن میں زیادہ تر تعداد وحشی قبائل کی تھی جن میں نہ تو انسانیت تھی نہ وہ کسی معقول استدلال کو تسلیم کرتے تھے اور الیکسی اُوس کے لیے تو یہ کسی طرح بھی ممکن نہ تھا کہ وہ قوم کو ان گروہوں کی پیدا کردہ یا امکانی تباہی سے بچا

سکے۔ گاڈفرے اور اُس کے ساتھیوں کے فوجی سخت مقابلے کے قابل نہ تھے مگر اُن میں شکی مزاج افراد کی کثرت تھی۔ وہ شہنشاہِ یونان پر اعتماد نہ کرتے تھے۔ اُن کے مقاصد خلوص اور نیک نیتی پر مبنی ہو سکتے ہیں مگر اُسے خود بھی ان پر اعتماد نہ تھا۔ اُسے بوہی مانڈ اور اُس کے جاہل اور اکھڑ ساتھیوں کی حبِ جاہ کا بھی علم تھا۔ فرانسیسیوں کا عزم بصارت سے عاری تھا، وہ ہر سمت بلا سوچے سمجھے حملے کر دیتے تھے۔ وہ یونانی دولت اور عیش و عشرت کو دیکھ کر بھی لالچ میں آ سکتے تھے اور اُنھیں اپنی ناقابلِ تسخیر قوت پر بھی ناز تھا اور وہ لوگ یروشلم کو بھول کر قسطنطنیہ پر بھی حملہ کر سکتے تھے۔ طویل مسافت اور تکلیف دہ ضد کے بعد گاڈفرے کے فوجیوں نے تھریس کے میدان میں اپنا پڑاؤ قائم کیا۔ اُنھوں نے انتہائی دکھ سے یہ خبر سنی کہ اُن کا بھائی کاؤنٹ ورمانڈ ویس اب یونانیوں کی قید میں ہے۔ اگرچہ اُن کا ڈیوک اس پر راضی نہ تھا مگر اس کے باوجود وہ اسے مجبور کر رہے تھے کہ اُس کی آزادی کے لیے وہ کوئی کارروائی کرے۔ وہ انتقام بھی لینا چاہتے تھے اور اُنھیں مالِ غنیمت کی بھی ہوس تھی۔ جب الیکسی اُوس نے اُن کی بات مان لی تو وہ مطمئن ہو گئے اور اُس نے وعدہ کیا کہ وہ ان کے پڑاؤ کو رسد مہیا کرتا رہے گا اور جب اُنھوں نے انکار کر دیا کہ وہ موسم سرما کے درمیان باسفورس کو عبور کر لیں تو اُنھیں جو مکانات اس تنگ سمندر کے ساحل پر دیے گئے تھے، اُنھیں محافظین نے ضبط کر لیا۔ ان دونوں اقوام کے اذہان میں ابھی تک ایک ناقابلِ اصلاح حسد کی لہر موجود تھی جو ایک دوسرے کو غلام اور وحشی کا خطاب دیتے تھے۔ شک کی بنیاد ہمیشہ لاعلمی پر ہوتی ہے۔ شک بتدریج روزانہ اشتعال انگیزی کی صورت اختیار کر گیا۔ عصبیت ہمیشہ بے بصر ہوتی ہے اور بھوک میں کچھ سنائی نہیں دیتا اور الیکسی اُوس پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ لاطینیوں کو ایک خطرناک اجاڑ مقام پر فاقوں سے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ گاڈفرے نے طبلِ جنگ بجا دیا۔ میدانوں پر جال بچھا دیا گیا۔ قرب و جوار کی بستیوں پر حملے کیے گئے مگر قسطنطنیہ کے دروازوں کی مضبوط قلعہ بندی کر دی گئی۔ پشتوں پر تیرانداز بٹھا دیے گئے تھے۔ ایک مشکوک مقابلے کے بعد دونوں فریق امن اور مذہب کی آواز کو سننے کے لیے تیار ہو گئے۔ بادشاہ نے کچھ تحائف دیے۔ مزید کے لیے وعدے ہوئے اور مغربی وحشیوں کے اکھڑ مزاج کو اس طرح قدرے رام کر لیا گیا۔ بطور عیسائی جنگجو اُس نے اُن کی مقدس مہم کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کا وعدہ کیا۔ اُنھوں نے اس کے جواب میں شہنشاہِ یونان کی تعریف کی۔ اُس نے اُنھیں افواج اور خزائن مہیا کرنے کی بھی یقین دہانی کرائی۔ جب موسم بہار کا آغاز ہوا تو گاڈفرے نے ایشیا میں ایک خوشگوار مقام پر جہاں ہر شے بافراط موجود تھی اپنا پڑاؤ قائم کر لیا اور جونہی اُس نے باسفورس کو عبور کیا تو مخالف سمت کے ساحل پر

یونانی جہاز جمع کر دیے گئے۔ ان کے بعد میں روانہ ہونے والے سرداروں کے ساتھ بھی یہی حکمت عملی اختیار کی گئی کیونکہ انھیں اپنے سے قبل روانہ ہونے والے گروہوں کے حالات اور کمزوریوں کا علم ہو چکا تھا۔ الیکسی اُوس نے اپنی دانش مندی کسی سے بھی دو گروہوں کو اکٹھا نہیں ہونے دیا اور انھیں بیک وقت باسفورس میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی اور عشائے ربانی کی دعوت سے قبل ایک اطالوی بھی یورپی ساحل سے روانہ نہ ہوسکا۔

وہی افواج جو یورپ کے لیے باعثِ خطر بنی ہوئی تھیں ممکن ہے کہ ایشیا کی آزادی کے حصول میں ممد ثابت ہوتیں اور ہمسایہ ترکوں کو باسفورس کے ساحل سے دور ہٹا دیں اور دردانیال کو بھی محفوظ بنا لیں۔ نائس سے انتاخ تک کے تمام صوبے انتہائی خوبصورت تھے۔ روم کی جدید نسلوں کا بھی یہ مطالبہ تھا کہ شام اور مصر اُن کے آباواجداد کے مقبوضات میں شامل تھے اور ان پر ان کا حق بدستور موجود ہے۔ الیکسی اُوس جو حبِ اقتدار کا مریض تھا، اُس نے دوبارہ یہ اُمید قائم کر لی کہ وہ اپنے نئے اتحادیوں کی مدد سے مشرق کے تخت پر قبضہ کر سکے گا۔ مگر وہ سنجیدگی سے مدلل بات کرتا تھا جسے اس کے جاہل اور غیر مہذب اتحادی سمجھنے سے قاصر رہے اس طرح اُس کی کم عقلی کی وجہ سے اُس کی خاصی تذلیل ہوگئی۔ اُس کی عقل مندی کہیں یا جذبۂ افتخار کا نام دیں کہ اُس نے فرانسیسی بادشاہوں سے اتحاد یا وفاداری کے معاہدوں سے اپنے آپ کو آزاد کرا لیا اور اُن سے طے کر لیا کہ وہ آئندہ جو بھی ایشیائی علاقے یا صوبے فتح کریں گے وہ رومی حکومت کے باجگزاروں کی حیثیت سے کریں گے اور رومی سلطنت کے وفادار ہوں گے۔ یہ آزاد مزاج لوگ تھے وہ کسی غیر ملکی قوت کی نیابت کو قبول کرنے سے قاصر تھے۔ خواہ وہ رضا کارانہ ہی کیوں نہ ہو۔ آغاز میں تو وہ تحائف قبول کرنے اور خوشامدی انداز کلام پر راضی ہوگئے اور فصاحت و بلاغت سے مرصع کلام کے اثر میں آ گئے مگر جب اُنھوں نے اپنی قوت اور تعداد کا اندازہ کیا تو وہ شرمندہ ہو گئے۔ ورماندوئیس کے ہاؤ کے جذبۂ افتخار کو اُس کی قید کے حوالے سے اعزاز دے کر مطمئن کر لیا گیا۔ چونکہ وہ شاہِ فرانس کا بھائی تھا۔ اس لیے اس کی مثال دوسروں کے لیے بھی قابلِ تسلیم ثابت ہوئی۔ گاڈفرے کے ذہن میں ہر انسانی مسئلہ خدا کی رضا کے تحت ہی حل کیا جا سکتا ہے اور اُس کا مقصد صرف ایک ہی تھا کہ صلیبی جنگوں میں فتوحات حاصل کی جائیں۔ اُس نے بوہی مانڈ اور ریمانڈ کی ترغیبات کی سختی سے مزاحمت کی۔ جو اُسے قسطنطنیہ پر حملہ کر کے فتح حاصل کرنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ الیکسی اُوس کی خوبیاں قابلِ تعریف تھیں۔ اُس نے اس شخص کو فوراً سلطنت کا لائق ترین فرد قرار دے دیا اور اُس کے نام کو لافانی قرار دے کر اُس کے اعزاز میں اضافہ کر دیا۔ قابلِ نفرت بوہی مانڈ کا جب استقبال کیا گیا تو اُسے سچا اور

قابلِ اعتبار اتحادی کہا گیا اور اگر شہنشاہ اُسے سابقہ دشمنی کی یاد بھی دلاتا تو اس کے ساتھ اُس کے اُن بہادرانہ کارناموں کا ذکر بھی کر دیتا جو اُس نے انجام دیے تھے اور وہ شان و شوکت جو اُسے دورازو اور لاریسا کے میدان ہائے جنگ میں اُس کی حاصل ہوئی۔ گائیسکارڈ کے بیٹے کو عمدہ خوراک اور رہائش مہیا کی گئی اور اُس کی مہمان نوازی کا بہت خیال رکھا گیا۔ ایک دن جبکہ وہ ایک غلام گردش میں سے گزر رہا تھا تو ایک کمرے کا دروازہ بے پروائی سے کھلا چھوڑ دیا گیا تھا جو سونے اور چاندی، ریشم، جواہرات، عجائبات کے ڈھیروں اور عمدہ فرنیچر سے بھرا ہوا تھا۔ ان ذخائر کی کوئی ترتیب نہ تھی۔ فرش سے لے کر چھت تک بے ترتیبی سے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ جاہ پسند کنجوس نے تعجب سے کہا کہ یہ کیسی فتوحات ہیں۔ یہ ذخائر آسانی تو حاصل نہیں ہوسکتے۔ یونانی خادم نے کہا ”یہ سب آپ کی دولت ہیں۔“ یونانی خادم مہمان کی ہر سانس پر نگاہ رکھے ہوئے تھا اور اُس کی ہر حرکت کو دیکھ رہا تھا۔ بوہی مانڈ نے قدرے توقف کے بعد ان قیمتی تحائف کو قبول کر لیا۔ نارمن کو ازراہِ خوشامد ایک آزاد ریاست دینے کا وعدہ بھی کیا گیا۔ نارمن نے مشرقی جرنیل کے عہدے کا بھی مطالبہ کر دیا جس میں لیکسی اوس نے بجائے انکار کرنے کے اُس کی حوصلہ افزائی سے کام لیا۔ دونوں رابرٹ، فاتح انگلستان کا بیٹا، اور تینوں شہزادیوں کے رشتہ دار بازنطینی تخت کے سامنے باری باری جھک کر آداب بجا لائے۔ چارٹریس کے سٹیفن نے اپنے ایک نجی مراسلے میں الیکسی اُوس کی بہت تعریف کی ہے اور کہا کہ وہ ایک آزاد منش اور فیاض انسان ہے۔ اُس نے مجھے تسلیم کرنے کا سبق دیا کہ وہ اُس کا خاص پسندیدہ فرد ہے اور یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ میرے بیٹے کی پرورش اور تعلیم کی ذمہ داری بھی قبول کرے گا۔ اس کے جنوبی صوبوں میں سینٹ گائلز کے کاؤنٹ اور طاؤلوس نے شاہِ فرانس کی برتری کو کسی حد تک قبول کر لیا۔ وہ ایک غیر ملکی قوم کا بادشاہ تھا اور مختلف زبان بولتا تھا۔ اس کے پاس ایک لاکھ فوج تھی۔ وہ اپنے آپ کو صرف حضرت عیسیٰ کا سپاہی اور غلام سمجھتا تھا اور یونانی اس کے ساتھ بھی مساوی بنیادوں پر معاہدہ کرنے اور دوستانہ تعلقات قائم کرنے میں ہی مطمئن ہو جائیں گے۔ اس کی سخت مزاحمت کی وجہ سے اس کی اطاعت کی قیمت میں اضافہ ہوگیا۔ شہزادی اینا (Anne) لکھتی ہے کہ یہ وحشی شہزادہ دوسرے شہزادوں کے مقابلے میں اس طرح روشن تھا جس طرح کہ سورج ستاروں کے مقابلے میں زیادہ چمکدار ہوتا ہے۔ وہ فرانسیسیوں کے شور و غل اور گستاخانہ رویے سے پریشان تھا۔ وہ بوہی مانڈ کے رویے کا شاکی تھا۔ شہنشاہ اپنے وفادار ریمانڈ کو بہرہ مند کرتا تھا۔ ضعیف العمر مدبر شہنشاہ کو اس پر اعتماد نہ تھا اور اپنی دوستی میں خواہ وہ کتنا مشکوک ہو مگر دشمنی کے معاملے میں سخت پختہ تھا۔ ٹانکریڈ

کے رویے میں مبارزت کا جذبہ بتدریج کم ہوگیا۔ اس بہادر شہزادے کا اس معاملے میں کوئی ثانی نہ تھا۔ یونانی بادشاہ کا سونا اور خوشامد اُسے رام نہ کر سکے۔ اُس نے ایک دن اُس کے سامنے اُس کی تذلیل کی اور ایشیا کی طرف فرار ہوگیا۔ اُس نے ایک صوبائی سپاہی کا حلیہ بنالیا۔ وہ بوہی مانڈ کے روبرو پیش ہوگیا۔ اس نے اُس کی اطاعت اور عیسائیت کی مذمت کو اپنا شعار بنالیا۔ اس کے خیالات کی تبدیلی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ وہ سمندر کو عبور نہ کرسکتا تھا، نیز اس مہم کا اصل مقصد بھی ابھی تک پورا نہ ہوا تھا۔ یہ کام الیکسی اُوس کی مدد کے بغیر ممکن نہ تھا۔ مگر اُن کے دل میں یہ اُمید موجود تھی کہ جب تک وہ براعظم ایشیا میں گھومتے پھرتے رہیں گے۔ اُن کی تلوار اُن کی شرم کو دھوتی رہے گی اور اگر اپنے وطن پہنچ گئے تو وہ اس فرض کو انجام نہ دے سکیں گے۔ اُن کی کامیابی کی رسم ایسے افراد کی مہربانی سے ادا ہوئی، جو یہ سمجھتے تھے کہ افتخار بھی اقتدار کا نعم البدل ہے۔ شہنشاہ اپنے تخت کی بلندی پر بیٹھا تھا۔ وہ خاموش اور بے حس و حرکت تھا۔ لاطینی بادشاہ اس کے احترام میں اس کے پاؤں یا گھٹنوں پر بوسہ دیتے تھے۔ اُس کی جو تذلیل ہوئی تھی، اُس کا ذکر صرف لاطینی مؤرخین نے کیا ہے۔ یونانی مؤرخ اسے تسلیم کرنے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔ لیکن اُنھیں اس سے انکار کی جرأت نہیں۔

یہ کھلے عام ہوا ہو، یا ہر ایک سے فرداً فرداً سلوک کیا گیا ہو مگر ایسے متعدد ڈیوک اور کاؤنٹ تھے جن کو دبا کر رکھا گیا اور وہ زیر لب شکایات کرتے رہے مگر ایک فرانسیسی نواب (بالعموم اسے رابرٹ سمجھا جاتا ہے جس کا تعلق پیرس سے تھا) تخت پر چڑھ کر الیکسی اُوس کے برابر بیٹھ گیا۔ ایک بزرگ بالڈون نے اُس کی سرزنش کی۔ اس پر وہ مشتعل ہوگیا اور اُس نے اپنی وحشیانہ زبان میں بلند آواز سے کہا کہ یہ بدتمیز کون ہے؟ جو کہ ابھی تک اپنی نشست پر بیٹھا ہوا ہے۔ جبکہ متعدد بدمعاش نائبین اس کے اردگرد کھڑے ہیں۔'' بادشاہ خاموش رہا، اپنی بے عزتی کو برداشت کرتا رہا اور اپنے ترجمان سے دریافت کیا کہ اس کے الفاظ کا مطلب کیا ہے؟ بادشاہ اُس کے انداز اور اشارات سے کسی حد تک ان الفاظ کا مطلب سمجھ چکا تھا۔ جب زائرین چلے گئے تو بادشاہ نے اس گستاخ شخص کا نام اور دیگر کوائف معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اُس نے جواب دیا کہ میں ایک فرانسیسی ہوں اور اپنے ملک کے شرفا کے خاندان سے میرا تعلق ہے۔ میں صرف اسی قدر جانتا ہوں کہ میرے مکان کے قریب ایک گرجا گھر ہے اور ایک میدان بھی ہے جہاں پر ہر شخص انفرادی مبارزت کا مظاہرہ کرسکتا ہے۔ جب تک کہ کوئی دشمن آ جائے وہ اُس وقت تک خدا کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور اُس کے ولیوں کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ میں اُس گرجے میں متعدد بار گیا ہوں، مگر میں نے وہاں کبھی کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا،

جس میں اتنی دلیری ہو کہ میری بات کی مخالفت کر سکے۔ الیکسی اُوس نے اُسے جانے کی اجازت دے دی اور بعض نصیحتیں بھی کیں جو اُسے ترکوں کے خلاف جنگ میں کام آ سکتی تھیں۔ تاریخ اس واقعے کی تکرار سے خوشی محسوس کرتی ہے کیونکہ اس سے اُس عہد کے کردار اور انسانی تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔

اسکندر نے ایشیا کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اُس کے ہمراہ پینتیس ہزار مقدونیا کے لوگ تھے۔ ان میں کچھ یونانی بھی شامل تھے۔ اُس کی پیدل افواج بہت مضبوط تھیں مگر صلیبیوں کی حقیقی قوت ان کا رسالہ تھا اور جب بائتھینا کے میدانوں میں یہ فوج آگے بڑھی تو اُس وقت اس کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ تمام فوج نے زرہ بکتر پہن رکھا تھا اور سب کے سر پر خود بھی تھے۔ اسلحہ بھی مکمل تھا۔ ان فوجیوں کے متعلق میرا خیال ہے کہ پوری تفصیل فراہم کی جائے۔ ان میں یورپ کے منتخب بہادر افراد شامل تھے۔ یہ ناقابلِ تسخیر فوج یورپی مبارزت کا نہایت اہم نمونہ تھی۔ ان کے ہمراہ پیدل فوج بھی ہوگی، جو ان کی خدمت گزاری کے علاوہ رہنمائی اور تیراندازی کی خدمات انجام دیتی ہوگی۔ مگر یہ اتنا بڑا ہجوم خود اپنی بدنظمی میں گم ہوگیا اور ہم صرف مشاہدے اور علم پر ہی اعتماد نہیں کرتے کہ سردار بالڈون کا پادری چھ لاکھ زائرین کا ذکر کرتا ہے جو ہتھیار اُٹھا سکتے تھے۔ علاوہ ازیں پجاری اور راہب بھی تھے اور لاطینی چھاؤنی کی عورتیں اور بچے بھی تھے۔ قاری مطالعے کا آغاز کرتا ہے اور اس سے قبل کہ وہ اپنی حیرانی کو رفع کر سکے۔ اُسے معلوم ہوگا کہ وہ شخص جو صلیب کو اُٹھا سکتا تھا، اُس کے مقاصد پورے ہوگئے۔ ساٹھ لاکھ سے زائد افراد یورپ سے ایشیا میں منتقل ہوگئے۔ مذہب پر اعتقاد کے دباؤ کے تحت میں ایک فلسفی اور مفکر کے خیالات کی ترجمانی کرتا ہوں۔ جس نے رسالے کی اس تعداد کا جائزہ لینے کے بعد تحریر کیا کہ اس منشور کے بانی چارٹریس کے پادری کی نیت صاف نہ تھی۔ بلکہ اُسے یہ بھی شک ہے کہ سسل پین (Cisalpine) کے علاقے (جن کا فرانسیسی جغرافیے میں ذکر ہے) اپنی آبادی کے حوالے سے اس قابل بھی تھے کہ زائرین کی اتنی بڑی تعداد فراہم کر سکتے۔ وہ شخص جو قدرے تشکیک سے کام لے وہ سوچ سکتا ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں مذہبی رضاکاروں کو قسطنطنیہ اور نائس میں رہائش مہیا کرنا ممکن ہی نہیں۔ جوش و خروش کا دباؤ بے قاعدہ ہوتا ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ بیمار، ضعیف اور معذور بھی پردیس کے سفر پر روانہ ہو جائیں۔ کچھ لوگ بزدلی کی وجہ سے بھی گھروں میں رہ گئے ہوں گے۔ کچھ افلاس یا کمزوری کی وجہ سے بھی سفر اختیار نہ کر سکے ہوں گے۔ ان جاہل متعصبین میں سے بیشتر ایسے بھی ہوں گے جو ان علاقوں سے شناسا ہی نہیں ہوں گے۔ کہا جاتا ہے کہ ہنگری اور بلغاریہ کے وحشی ممالک ان کی ہڈیوں سے سفید ہوگئے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے

کہ ان کا ہراول دستہ ترکی کے سلطان کے حکم سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا تھا۔ پہلی مہم کا نقصان جو سفر، بیماری یا تکان کی وجہ سے ہوا، اس کا بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔ جس میں کہا گیا تھا کہ تین لاکھ افراد مارے گئے۔ مگر وہ ہزار ہا افراد جو بچ گئے پھر بھی اتنی بڑی تعداد منزل مقصود پر پہنچ گئی کہ اس میں شامل افراد خود بھی حیران تھے اور خود یونانی بھی اس پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔ شہزادی این جب اس تعداد کا ذکر کرتی ہے تو اس کے پاس بیان کے لیے الفاظ نہیں ہوتے۔ وہ ٹڈی دل، پتوں اور پھولوں، ریت کے ذروں وغیرہ کا سہارا لیتی ہے۔ کبھی آسمان پر ستاروں کی تعداد سے تشبیہ دیتی ہے جو کچھ اُس نے دیکھا یا سنا ہے، اُس سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتی ہے کہ یورپ تو اپنی بنیادوں تک ہل گیا ہوگا اور ساری آبادی ایشیا میں منتقل ہو گئی ہوگی۔ دارا اور کخسرو (Xerxes) کے قدیم گروہ کا ذکر بھی اسی طرح کیا جاتا ہے کہ افراد کی بھیڑ کی تعداد نہیں بتائی جاتی، مگر میں یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوں کہ جب صفیں پیش قدمی یا سفر اختیار کرتی ہیں تو اُن کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہوتی البتہ محاصرے کے دوران تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے، جیسا کہ نائس کے محاصرے میں ہو گیا تھا۔ یہ ایک لاطینی بادشاہ کی پہلی مہم تھی۔ ان کے مقاصد، ان کا کردار اور ان کے اسلحے کے متعلق تفاصیل اس سے قبل دی جا چکی ہیں۔ ان میں شامل بڑی تعداد کا تعلق فرانس سے تھا۔ زیریں ممالک، رائن کے کناروں پر آباد علاقوں اور اپولیا وغیرہ نے بڑی مقدار میں کمک روانہ کی۔ بہت سے رضا کار ہسپانیہ، لمبارڈی اور انگلینڈ سے بھیجے گئے۔ مہم بازوں کے کچھ دستے آئرلینڈ اور سکاٹ لینڈ سے بھی گئے۔ ان میں بعض عریاں اور وحشی قبائل بھی شامل ہو گئے۔ غریب ترین افلاس زدہ آبادی سے جان چھڑانے کے لیے حکومتوں نے انھیں زیارت کے لیے روانہ کر دیا۔ یہ ایک بے فائدہ ہجوم تھا۔ ان کے منہ تو تھے جن کو کھانے کی طلب ہوتی مگر ہاتھ نہ تھے جو کما سکتے۔ یہ لوگ اُس وقت تک یونانی سلطنت ہی میں قیام پذیر رہے ہوں گے۔ جب تک کہ ان کے ساتھیوں نے بیت المقدس تک کا راستہ تمام رکاوٹوں سے پاک نہ کر لیا ہو۔ اُن تمام زائرین میں سے جو باسفورس سے روانہ ہوئے صرف محدود افراد ہی مرقدِ مسیح کی زیارت کر سکے ہوں گے۔ وہ لوگ جن کا شمالی سرد علاقوں سے تعلق تھا وہ تو صحرائی آب و ہوا کی حدت سے جھلس گئے ہوں گے اور کچھ لوگوں کے جسم کی رطوبت ہی شام کی آب و ہوا میں تحلیل ہو گئی ہوگی۔ اُنھوں نے اپنی خوراک اور پانی کے ذخائر کو بے احتیاطی سے استعمال کر لیا۔ حالانکہ ابھی تک اُن کا خشکی کا سفر بھی ختم نہ ہوا تھا۔ سمندر تو ابھی بہت دور تھا۔ یونانیوں کا رویہ غیر دوستانہ تھا۔ ہر فرقے کے عیسائی اپنے ہم مذہب بھائیوں سے حریصانہ اور ظالمانہ سلوک کرتے تھے۔ قحط کے سخت ترین ایام میں وہ اپنے بچوں اور

غلاموں کو چیر پھاڑ کر اور آگ پر بھون کر کھا جاتے۔ ترکوں اور صحرا نشینوں کے علاقے میں یورپ کے ان بت پرستوں کو آدم خور کہا جاتا تھا۔ وہ جاسوس جو بوہی مانڈ کے باورچی خانوں میں گھس جاتے اور یہ خبریں پھیلاتے کہ اکثر انسانوں کی لاشوں کو اُنھوں نے پکتے دیکھا ہے اور مکار نارمن ایسی افواہوں کی حوصلہ افزائی کرتے۔ کیونکہ ایسی افواہیں سن کر اُن کے دشمنوں کے دلوں میں دہشت پیدا ہوتی اور نفرت پھیلتی۔

میں نے ان صلیبی جنگ بازوں کے ہر اقدام کو بڑی دلچسپی سے بیان کیا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اُس دور کے یورپ کا کردار اور انداز کیا تھا اور اب میں کچھ دقیق اور ان سب میں مشترک اطوار کا بیان کروں گا، جس کی وجہ سے ان کی اندھی کارروائیوں میں انھیں بعض کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ یہ معرکے جن میں قوت کا بے دریغ استعمال کیا گیا مگر اُن کے بیان میں احتیاط سے کام نہیں لیا گیا۔ اپنی پہلی منزل ہی سے جو اُنھوں نے نکومیڈیا کے قرب و جوار میں قائم کی تھی، وہ مختلف حصوں میں گروہ در گروہ اپنی مسافت پر روانہ ہوتے رہے۔ پھر یونان کی مقررہ حدیں عبور کر گئے اور ایک پہاڑی سڑک پر چڑھ گئے اور پھر اس علاقے کا محاصرہ کر لیا، اُن کی یہ جنگ ترکی کے سلطان کے خلاف تھی۔ اُس کی سلطنت کی حدود روم سے لے کر شام کی سرحد تک تھیں۔ اُس نے یروشلم کی زیارت پر پابندی عائد کر دی۔ اُس کا نام قلیج ارسلان یا سلیمان تھا۔ اس کا تعلق آل سلجوق سے تھا۔ وہ فاتح اوّل کا بیٹا تھا۔ وہ ایک ایسی سرزمین کا دفاع کر رہا تھا۔ جسے ترک اپنی ملکیت سمجھتے تھے۔ اُس کے دشمن بھی اُس کی عزت کرتے تھے۔ بلکہ آئندہ نسلوں کے لیے اُس کا نام، اس کے دشمنوں کی تعریف کی بدولت ہی زندہ رہا۔ اُس نے اس پہلے ہنگامے سے پریشان ہو کر اپنا خاندان اور خزانے نائس میں منتقل کر دیے۔ اُس نے اپنے ساتھ پچاس ہزار سوار اور ایک لاکھ پیدل فوج لی اور پہاڑوں پر چڑھ گیا تاکہ محاصرین سے اپنے نقصان کا انتقام لے اور محاصرین عیسائیوں کے پڑاؤ اور بیرکوں پر حملہ کر سکے۔ اُنھوں نے بلند مقامات پر چھ میل محیط کا ایک نامکمل دائرہ بنا رکھا تھا۔ نائس کی فصیلیں بلند اور مضبوط تھیں۔ نیز اُن کے گرد ایک کھائی بھی کھودی گئی تھی جو خاصی گہری تھی۔ علاوہ ازیں تین سو ساٹھ مینار بھی تعمیر کر لیے گئے تھے۔ جب اس علاقے میں عیسائیوں نے اپنا عمل دخل شروع کر دیا تو مسلمان بھی اسلحہ کی تربیت کے حصول میں مشغول ہو گئے اور اُن کے مذہبی جذبات بھی بیدار ہو گئے۔ شہر میں رسائی حاصل کرنے سے قبل فرانسیسی بادشاہ نے مضافات پر قبضہ کر لیا اور اپنے حملے تیز کر دیے۔ اُس نے اس سلسلے میں نہ تو کسی قسم کا رابطہ قائم کیا اور نہ اُنھیں ہار تسلیم کرنے کا موقع فراہم کیا۔ برابری کی بنیادوں پر اُن میں بھی حوصلہ پیدا ہو گیا۔ مگر اُن کے حوصلے کو ظلم کے

سہارے دبا دیا گیا مگر وہ دوبارہ منظم ہو کر عدم تعاون کے راستے پر چل نکلے۔ لاطینیوں نے نائس کے محاصرے کے دوران تمام فن اور آلات استعمال کیے جو اُس دور میں مروج تھے۔ جن میں منجنیقیں اور خندقیں شامل تھیں۔ ان میں مصنوعی مینار، مصنوعی آتشیں گولہ باری، متحرک پانی کی دھار، فصیلیں توڑنے کا سامان، گوپنیں اور اس نوعیت کا تمام مروج اسلحہ شامل تھا جو استعمال کیا گیا۔ یہ مقابلہ سات ہفتے مسلسل جاری رہا۔ بے حد خون بہا اور بے شمار جانیں ضائع ہوئیں۔ حملہ آور جماعت کی طرف سے کاؤنٹ ریمانڈ کو کسی حد تک کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر ترکوں نے اپنا دفاع قائم رکھا اور فرار کا راستہ بھی بنالیا۔ کیونکہ اسکانی اوس کی جھیل پر بدستور اُن کا قبضہ تھا۔ جو شہر کے مغرب میں کئی میل تک چلی گئی ہے۔ الیکسی اُوس نے اپنی عقل مندی اور محنت سے فتح کا سامان فراہم کر دیا۔ سمندر کے راستے جھیل میں بہت بڑی تعداد میں کشتیاں فراہم کر دی گئیں اور ان کے ذریعے بڑی تعداد میں ماہر تیر انداز روانہ کر دیے گئے۔ سلطانہ کے فرار میں رکاوٹ پیدا کر دی گئی۔ نائس میں پانی اور خشک زمین دونوں وافر مقدار میں موجود تھے۔ یونان کے بادشاہ نے مقامی آبادی کو مشورہ دیا کہ اُس کا تحفظ قبول کر لیں اور اس طرح وحشیوں کے استبداد سے محفوظ ہو جائیں۔ اگر صلیبی جنگ میں فتح یاب ہو گئے یا انھیں فتح کی اُمید بھی نظر آئی تو وہ عوام کا خون پی لیں گے اور لوٹ مار سے تو وہ قطعاً گریز نہ کریں گے۔ اُس نے اپنا جھنڈا شہر کے دروازے پر نصب کر دیا اور الیکسی اوس نے اس موقع کو غنیمت سمجھا کہ وہ اس فتح میں شریک ہو جائے۔ سرداروں نے اس پر زیرِ لب احتجاج کیا۔ یہاں پر نو دن کے قیام کے بعد انھوں نے اپنے آقا کو مجبور کیا کہ وہ فریجیا کے علاقے کی طرف پیش قدمی اختیار کرے۔ اس کے لیے ایک یونانی جرنیل کی رہنمائی حاصل کی گئی۔ لیکن انھیں شک تھا کہ جرنیل مذکور کے سلطان کے ساتھ خفیہ مراسم ہیں۔ سلطان کی ملکہ اور خاص خدام احترام کے ساتھ سلطان کی خدمت میں روانہ کر دیے گئے اور بادشاہ نے مجرموں کے ساتھ جو فیاضی کا مظاہرہ کیا اُسے عیسائیوں کے مقاصد کے خلاف غداری کا نام دیا گیا۔

سلیمان اپنے دارالحکومت کے نقصان پر مایوس تو نہیں ہوا بلکہ مشتعل ہوا۔ اُس نے اپنے جرنیلوں اور اتحادیوں کی ملامت کی کہ مغربی وحشیوں کا وہ ڈٹ کر مقابلہ نہیں کر سکے۔ ترکی امیروں نے سلطان یا مذہب کی وفاداری کا اعلان کیا اور ہر قسم کی فرمانبرداری کا یقین دلایا۔ ترکمان قبائل بڑی تعداد میں اُس کے جھنڈے کے گرد جمع ہو گئے اور عیسائی راوی اس کی افواج کی تعداد کا جو سرسری سا اندازہ پیش کرتے ہیں، اُس کے مطابق اس کے پاس دو یا تین لاکھ فوج ہوگی۔ بلکہ تین لاکھ ساٹھ ہزار گھڑ سوار شمار کیے گئے۔ لیکن وہ سکون

سے اُس وقت تک صبر کرتا رہا کہ وہ یونان کا علاقہ اور سمندر پار کر جائیں۔ وہ اُن کے گرد چکر لگاتا رہا اور دیکھتا رہا کہ اُنھوں نے احتیاط ترک کر دی ہے اور وہ غیر منظم ہو گئے ہیں۔ وہ اُن سے اس قدر ہٹ کر رہا کہ دونوں فریق ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکیں۔ چند میل اس سے قبل کہ وہ ڈوری لائی سوم پہنچ سکیں اور فریجیا کی حدود میں داخل ہوں۔ ترکی رسالے نے اُن پر اچانک حملہ کر دیا اور کسی حد تک دباؤ میں لے لیا۔ موسم کی گرمی اور تیروں کے بادل، صلیبی جنگ بازوں پر غالب آ گئے۔ ان کا نظم وضبط اور اعتماد ختم ہو گیا اور اس ہاری ہوئی جنگ کو فوج کی بجائے بوہی مانڈ، ٹانکریڈ اور نارمنڈی کے رابرٹ کی ذاتی بہادری اور جرأت نے سنبھالا دیا۔ ڈیوک گاڈفرے کا جھنڈا بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ وہ ڈیوک ورمانڈ ویئس کو ہمراہ لے کر ان کی کمک کو پہنچ گیا تھا۔ طاؤلوس کا ریمانڈ بھی ان کے پیچھے پیچھے آ گیا۔ پوئی کا بشپ اور باقی ماندہ افواج بھی وہاں پر پہنچ گئیں۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر انھوں نے نئی تنظیم قائم کر لی اور دوسری جنگ کے لیے آگے بڑھے اور اپنا عزم وحوصلہ قائم رکھا۔ ان کا مقابلہ بھی اسی انداز سے کیا گیا یونان اور ایشیا کے باشندے جنگی نظم وضبط کے بغیر رہنے کے عادی تھے۔ یہ دونوں فریقوں نے تسلیم کر لیا کہ تُرک اور فرینک ہی دو ایسی اقوام تھیں جنھیں سپاہی کا خطاب دیا جا سکتا تھا۔ وہ جب بھی حملہ کرتے، نظم وضبط کا توازن ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور اسلحہ کو مہارت سے استعمال کرتے۔ وہ پھرتی سے چکر کاٹتے اور اپنے برچھوں اور نیزوں کو مہارت سے استعمال کرتے۔ ان کی تلوار چوڑی اور وزنی ہوتی، اور اُن کے پاس خمدار خنجر بھی ہوتے۔ ان کا اسلحہ وزنی ہوتا مگر لباس باریک، مہین اور آرام دہ ہوتا جس کی بدولت وہ تیزی سے حرکت کر سکتے۔ ان کے پاس تاتاری یا عربوں کے انداز کی کمان ہوتی۔ یہ ایک مہلک ہتھیار تھا مگر مشرقی اقوام ابھی تک اس سے بے خبر تھیں۔ جب تک کہ گھوڑے تازہ دم ہوتے اور تیروں کے بھرے ہوئے ہوتے۔ سلیمان دن بھر فائدے میں رہا اور ترک تیر اندازوں نے چار ہزار عیسائیوں کے جسموں کو چھید ڈالا۔ مگر جب شام ڈھلی تو طاقت کا پانسا ایک دوسرے کے خلاف پلٹتا رہا اور دونوں فریق برابر رہے۔ ہر جرنیل اپنے قدموں پر مضبوطی سے ڈٹا رہا اور ریمانڈ اور اُس کے ساتھی پہاڑیوں کو بے قاعدہ ہلال کی صورت میں اپنے قبضے میں لیے رہے۔ وہ اپنی صوبائی افواج کو غالباً کسی منصوبہ بندی کے خلاف ہی لڑاتا رہا۔ وہ انھیں تھکے ہارے دشمن کے عقب میں لے گیا اور اس طرح ایک طویل مقابلہ شروع ہو گیا۔ ایک طرف تو گمنام افراد پر مشتمل ایک غیر منظم اجتماع تھا۔ اس جنگ میں تین ہزار مبارز ہلاک ہو گئے۔ سلیمان کے پڑاؤ کو لوٹ لیا گیا۔ جرمن سپاہیوں کے ہاتھ قیمتی اشیا لگیں۔ اُن میں غیر ملکی اسلحہ اور ملبوسات بھی شامل تھے۔ جن کو

دیکھ کر وہ سخت متعجب ہوئے۔ انھیں ڈاچیاں اور اونٹ بھی دستیاب ہوئے۔ اس فتح کا کفار کو یہ فائدہ ہوا کہ سلطان جلدی سے مراجعت اختیار کر گیا۔ سلیمان نے اپنی فوج کے آثار کی حفاظت کے لیے دس ہزار محافظ مقرر کر دیے۔ اُس نے سلطنت روم کے علاقے خالی کر دیے اور جلدی سے مدد اکٹھی کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہو گیا تاکہ جہاد کی شمع کو روشن رکھا جا سکے۔ وہ اپنے ہم عقیدہ مشرقی بھائیوں سے اعانت کا خواستگار ہوا۔ اُس نے پانچ سو میل طویل مسافت طے کی اور اس اثنا میں صلیبی جنگ آزما ایشیائے کوچک کو عبور کر گئے۔ وہ جس علاقے سے بھی گزرے وہ تباہ شدہ تھے اور شہر غیر آباد تھے۔ اس سارے سفر میں نہ تو اُن کی کسی دوست سے ملاقات ہوئی اور نہ کسی دشمن سے۔ جغرافیہ دان غالباً یہ سوال کریں گے کہ ڈوری لائی اوم کہاں واقع تھا۔ علاوہ ازیں انتاخ پسیڈیا، آئی قونی اوم، ارقی لائیس اور جرمانی قوم کا محل وقوع کیا تھا؟ ان کلاسیکی مقامات کا بعض جدید شہروں سے موازنہ کرنا ہو تو جدید شہر اشک شہر، یا قدیم شہر آک شہر، یا سفید شہر کوگنی، ایریکلی اور مراش کے ناموں سے موازنہ کرنا چاہیے۔ چونکہ زائرین صحرا میں سے گزرے تھے۔ جہاں پر پانی خشک ہو کر چاندی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ وہ پیاس کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے ہوں گے۔ جب کہیں اُنھیں کسی ندی کے کنارے نظر آ جاتے تو پھر بھی فوری طور پر کوئی فائدہ نہ حاصل کر سکتے۔ کیونکہ یہ لوگ انتہائی غیر منظم تھے۔ وہ کوہ طاؤروس کی چوٹیوں پر چڑھے۔ ڈھلوان سخت پھسلواں تھی۔ بہت سے سپاہیوں نے اپنا اسلحہ پھینک دیا کہ وہ اپنے پاؤں جما سکیں۔ اگر اُن کے سامنے خطرہ نہ منڈلا رہا ہوتا تو ان طویل قطاروں کو کسی مقام پر بھی دشمن کے چند سپاہی بھی کاٹ کر پھینک دیتے۔ اُن کے سرداروں میں دو انتہائی معزز انسان تھے۔ لورین کا ڈیوک اور طاؤلوس کا کاؤنٹ۔ ان کے لباس پھٹ کر تار تار ہو چکے تھے۔ ریمانڈ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک مصیبت سے معجزانہ طور پر بچ گیا تھا۔ کیونکہ اُس نے پسیڈیا کے پہاڑیوں میں ایک انتہائی خطرناک تعاقب میں حصہ لیا تھا۔

عام یاس کے علاج کے لیے بوہی مانڈ کے عمزاد اور گاڈفرے کے بھائی نے اپنے آپ کو اصل فوج سے علیحدہ کر لیا اور اپنے اپنے مخصوص دستے بھی ہمراہ لے لیے جن میں سے ہر ایک میں پانچ یا سات سو مبارز تھے۔ وہ قلیقیا کی پہاڑیوں اور ساحلوں پر تیزی سے سفر کرتے رہتے۔ کوگنی سے لے کر شام کے دروازوں تک اُنھوں نے یہی طریق اختیار رکھا۔ اُنھوں نے طرسوس اور مال مسطرا پر سب سے پہلے نارمن جھنڈا لہرایا۔ مگر بالڈون کے گستاخانہ اور غیر منصفانہ رویے نے آخر کار اطالوی دستوں کو مشتعل کر دیا۔ اُنھوں نے ایک دوسرے کے خلاف ایک ناپسندیدہ اور ذاتی عناد کی بنیاد پر تلواریں نیام سے باہر نکال لیں۔ اس جنگ کا مقصد

اپنی عزت کی بحالی تھا اور یہی اس کا انعام بھی تھا، جو ٹانکریڈ کو حاصل ہوا۔ مگر اس کے حریف کی قسمت زیادہ چمک رہی تھی۔ اُسے یونانیوں کے ایک آرمینی ظالم کی اصلاح کے لیے طلب کر لیا۔ وہ خود ترکوں کا غلام تھا مگر ایڈیسا پر بھی حکمرانی کرتا تھا۔ بالڈون نے اپنے بیٹے کے لیے یہ کردار قبول کر لیا۔ جو اُس دور میں ایک سپاہی کی حیثیت سے کامیاب تھا۔ مگر جونہی اُسے شہر میں متعارف کرایا گیا تو اُس نے اپنے باپ کو قتل کر کے سارے شہر کو اپنے خلاف کر لیا۔ اُس نے تخت و تاج اور خزائن پر قبضہ کر لیا اور اپنی حکومت کو آرمینیا کی پہاڑیوں تک وسیع کر لیا۔ میسوپوٹیمیا کے میدان بھی اس کے قبضے میں آ گئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اُس نے فرینکوں یا لاطینیوں کی یورپ سے باہر حکومت قائم کر لی۔ فرات کے پار یہ حکومت چون (۵۴) سال تک قائم رہی۔

اس سے قبل کہ فرینک شام میں داخل ہو سکیں، موسم گرما بلکہ خزاں بھی مکمل طور پر ضائع ہو چکے تھے۔ انتاخ کا محاصرے یا فوجی دستوں کی علیحدگی کے متعلق ان کی مجلس مشاورت میں سخت اختلاف تھا۔ اسلحہ سے محبت اور مرقد مسیح کی زیارت کا جذبہ اُنھیں آگے بڑھنے پر مجبور کرتا تھا۔ غالباً اسی تجویز کو معقول بھی سمجھا گیا۔ کیونکہ ہر ساعت جو گزرتی تھی وہ حملہ آوروں کے خوف کو کم کر دیتی اور دفاعی جنگ کے ذرائع میں اضافے کا باعث ہوتی۔

شام کے دارالحکومت کو دریائے اورنطوس کا دفاع حاصل تھا۔ اس پر ایک فولادی پل تعمیر تھا جو نو محرابوں پر قائم تھا، دونوں طرف دو بڑے بڑے مینار تھے جو دروازوں پر بنے ہوئے تھے۔ انھیں نارمنڈی کے ڈیوک نے بزور شمشیر کھلوا لیا۔ اس فتح کے نتیجے میں تقریباً ایک لاکھ صلیبی شہر میں داخل ہو گئے۔ اس شمار میں وہ لوگ بھی شامل ہوں گے جو مارے گئے یا فرار ہو گئے تھے۔ مگر جو صاف صاف نظر آتا ہے اُس کے مطابق اُس کے حالات کے بیان میں بہت زیادہ مبالغہ آرائی معلوم ہوتی ہے۔ انتاخ کے متعلق درست حالات کا تعین آسان نہیں، کیونکہ یہ شہر شروع ہی سے بڑی شہرت کا حامل رہا ہے۔ الیگزانڈر (رومی) اور آگسٹس کے ادوار میں بھی اس کی بڑی شان و شوکت تھی اور دورِ جدید میں ترکی عہد میں بھی اس کی عظمت میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ ٹیٹراپولس یا اس کے قرب و جوار میں چار مزید شہر اگر وہ اب تک قائم رہیں یا اُن کے نشانات باقی ہیں تو یہ شہری آبادی بارہ میل کے علاقے میں شامل تھی۔ اس میں بارہ سو میناروں کے وجود کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ یہ تعداد پانچ دروازوں سے کسی طرح منطبق کی جا سکتی ہے۔ محاصرے کی تاریخ میں ان کا بار بار ذکر کیا جاتا ہے۔ اس وقت تک ضروری احتمال ہے کہ یہ شہر بارونق، آباد، خوشحال اور دارالخلافے کی حیثیت سے اپنی جگہ پر قائم ہوگا۔ ترکوں کے دور امارت میں باغیسیان (Baghisian) اس کا گورنر تھا جو ایک مشہور شخصیت کا حامل تھا۔ وہ

افواج کا سپہ سالار تھا۔ اس کے پاس چھ یا سات ہزار گھڑ سوار رسالے کے سپاہی تھے اور بیس ہزار پیدل فوج تھی۔ کہتے ہیں کہ یہاں پر مقابلے میں ایک لاکھ مسلمان شہید ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ یونانی ہلاکتوں کی تعداد اس سے زیادہ تھی۔ آرمینیائی اور شامی بھی بہت زیادہ قتل ہوئے۔ چودہ سال سے زائد عمر کا کوئی شامی زندہ نہ بچا۔ خاندانِ سلجوق کے غلام بھی قتل کر دیے گئے۔ ایک دیوار کے آثار بچ گئے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی بلندی ساٹھ فٹ تھی۔ وہ مقامات جہاں پر دفاع کا خصوصی انتظام نہ کیا گیا تھا، کہا جاتا ہے کہ وہاں پر دریا سے یہ کام لیا گیا تھا۔ پہاڑیاں اور دلدل بھی کامیاب ثابت ہوئی۔ ان قلعہ بندیوں سے قطع نظر، اس شہر پر بار بار حملہ آوروں کا قبضہ ہوتا رہا ہے (رومیوں کے علاوہ)۔ اہل فارس، یونانی عرب اور ترک اس پر قبضہ کرتے رہے ہیں۔ اس کا وسیع دائرہ اُن نشانات کو ظاہر کرتا تھا جو مختلف حملوں کے دوران اس کی دیواروں پر پڑے تھے۔ محاصرہ اکتوبر کے وسط میں کیا گیا۔ اس قدر زیادہ قوت استعمال کی گئی جس سے حملہ آوروں کی جرأت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ جس قدر زیادہ قوت انسان کے قبضے میں تھی، اُس دور میں صلیبی جنگ آزماؤں نے صرف کر دی۔ حملوں کی تعداد اور دفاع کی شدت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حملہ آور اکثر کامیاب رہے۔ ہم صرف یہ شکایت کر سکتے ہیں کہ ان حملوں کی تفصیل کے بیان میں اکثر مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہے اور صداقت کا عنصر غائب ہوتا جاتا رہا ہے۔ گاڈفرے نے ایک ترک کے کندھے پر وار کیا اور تلوار اُس کی کمر تک چلی گئی اور اُس کے جسم کا ایک نصف حصہ زمین پر گر گیا۔ جبکہ دوسرے حصے کو اُس کا گھوڑا شہر کے دروازوں پر لے گیا۔ نارمنڈی کا رابرٹ اپنے دشمنوں کے خلاف گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا۔ اُس نے کہا کہ میں اپنا سر دوزخ کے شیاطین کے حوالے کرتا ہوں اور اُسی وقت اُس کا سر قلم کر کے اُس کے ورثا کے حوالے کر دیا گیا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو یہ سبق سکھا دیا گیا کہ اُنھیں اپنی دیواروں کے اندر ہی رہنا مناسب ہوگا۔ وہ دیواریں مٹی کی ہوں یا پتھروں کی محض تلوار سے اُن کا دفاع نہیں کیا جا سکتا۔ محاصرے کی سست اور تدریجی کامیابی کے اسباب یا وجوہات کے متعلق خود صلیبی بھی پوری طرح آگاہ نہ تھے۔ اُن کے پاس اتنا پیسہ بھی نہ تھا کہ وہ مقامی آبادی کو خرید سکیں اور وہ فنونِ حرب کے ماہر بھی نہ تھے کہ دشمن کو فوری طور پر شکست تسلیم کرنے پر مجبور کر سکیں۔ اُن کے پاس وہ اوزار بھی نہ تھے کہ دیواریں توڑ سکیں۔ نائس کی فتح کے دوران اُنھیں یونانیوں کی مالی اور فنی مدد حاصل تھی جبکہ اس موقع پر شہنشاہ یونان غیر حاضر تھا تو اُس کے نائبوں اور اتحادیوں، جنیوا اور پیسا کے باشندوں نے وہ مدد فراہم نہ کی۔ جن کو یہ فرض تفویض کیا گیا تھا، وہ بجائے اپنے فرائض کی انجام دہی کے، مقامی مذہب اور

تجارت میں زیادہ دلچسپی لینے لگے۔ کیونکہ شام کے ساحل پر تجارتی مواقع کی کثرت تھی مگر ذخائر بہت کم تھے اور پانی اور بھی زیادہ محدود تھی۔ عام آبادی سے میل جول مشکل اور خطرناک تھا۔ فرینک تھکے اور کمزور تھے۔ اس لیے وہ تمام حلقے پر قابو نہ پا سکے۔ چونکہ دونوں دروازے کھلے رہتے تھے۔ اس لیے ضروریاتِ زندگی پوری ہوتی رہتیں۔ یہاں تک کہ مقامی آبادی کو فوج میں بھرتی کر لیا گیا۔ جب سات ماہ گزر گئے تو اس دوران ان کے رسالے کے گھوڑے بھی مر گئے۔ قحط، فرار اور تکان سے افواج میں کمی آ گئی۔ صلیبیوں کو کامرانی کی کوئی بہتر صورت نظر نہ آتی تھی، بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے مقاصد کی تکمیل سے ابھی منزلوں دور ہیں۔ اگر لاطینی اولیسی (Ulysses) اُسے اس راہ پر نہ ڈالتے تو بوہی مانڈ مقامی دھوکا بازوں کو اپنی افواج میں کبھی شامل نہ کرتا۔ انتاخ کے عیسائیوں کی تعداد تو بہت زیادہ تھی، مگر وہ غیر مطمئن تھے۔ فیروز جو ایک شامی غدار تھا۔ وہ امیر کے بہت زیادہ قریب تھا۔ وہ تینوں میناروں کا نگران تھا۔ اُس نے توبہ کر لی تھی۔ اس لیے اطالوی اُس کی اصل حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ اُس کی غداری اور بے وفائی اُس کی ذات تک ہی محدود رہی۔ بہت جلد محسوس ہو گیا کہ ٹارنٹو کے بادشاہ اور فیروز کے مابین خفیہ خط و کتابت بھی ہے اور اُن کے مفادات میں ہم آہنگی بھی موجود ہے اور بوہی مانڈ نے ان کی مجلس میں بذاتِ خود یہ اعلان کر دیا کہ وہ اس شہر کو اُن کے حوالے کر دے گا۔ مگر اس کے ساتھ اُس نے یہ مطالبہ بھی کر دیا کہ اُس کی محنت کے صلے میں اُسے انتاخ کا بادشاہ تسلیم کر لیا جائے۔ یہ تجویز محض حسد کی بنا پر مسترد کر دی گئی مگر پھر اُس کے ہم پایہ تمام افراد نے اذیت کے عالم میں اسے منظور کرا لیا۔ فرانسیسی اور نارمن بادشاہوں نے رات میں ملاقات کی اور یہ حیرت انگیز کارنامہ کر دکھایا۔ اُنھوں نے رسوں سے تیار شدہ سیڑھیاں دیوار پر سے اندر پھینک دیں۔ بہت سے نئے افراد نے عیسائیت قبول کر لی اور حضرت عیسیٰؑ کی غلامی قبول کر لی۔ دروازوں کے راستے فوج تیزی سے شہر میں داخل ہو گئی۔ اگرچہ رحم تو بالکل نہیں کیا گیا، مگر مزاحمت بہت کم ہوئی۔ مگر وہ لوگ جو پشتوں پر قابض تھے اُنھوں نے شکست تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور فاتحین بھی جلد ہی کربوگا کی افواج کے گھیرے میں آ گئے۔ ان افواج کا تعلق موصل کے بادشاہوں سے تھا۔ یہ لوگ اٹھائیس ترک امیروں کے ہمراہ انتاخ کو آزاد کرانے کے لیے پیش قدمی کر رہے تھے۔ پچیس دن ایسے گزرے کہ اُن میں عیسائی تباہی کے بالکل قریب رہے اور اس دوران خلیفہ اور ترک سلطان نے اُنھیں ایسے حالات میں مبتلا رکھا کہ وہ موت اور شکست دونوں میں سے کوئی ایک صورت قبول کر لیں۔ اس مایوسی کے عالم میں اُنھوں نے باقی ماندہ فوجی ذرائع کو جمع کیا اور شہر کے اندر سے حملہ کر دیا اور ایک ہی

یادگار دن میں ترکوں اور عربوں کے جمِ غفیر کو ختم کر دیا۔ حالانکہ ان کی تعداد چھ لاکھ سے کم نہ تھی۔ مگر ان کا سارا اتحاد غیر فطری عناصر پر مبنی تھا۔ میں ان کی حیرت کے انسانی اسباب کو بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ انتاخ پر فتح فرینکوں کی بے خوف جرأت کا نتیجہ تھی۔ جس کا اچانک مظاہرہ کیا گیا۔ دوسری وجہ ان کے دشمنوں کی ناتجربہ کاری اور غلطیوں کا ارتکاب تھا۔ اس جنگ کا بیان مختلف انداز میں کیا گیا ہے۔ اس میں جنگ کے عمل کی متضاد کیفیات بیان کی گئی ہیں۔ مگر ہمیں سب سے پہلے کربوگا کے ایک خیمے کا مشاہدہ کرنا ہوگا۔ یہ تو ایک متحرک اور وسیع محل کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ اس میں ایشیائی عیش وعشرت کا تمام سامان موجود ہے اور وہ اتنا وسیع ہے کہ اس میں بیک وقت دو ہزار افراد قیام کر سکیں۔ ہم پہلے تین ہزار محافظین کا ذکر کریں گے۔ وہ خود اور ان کے گھوڑے بھی فولادی زرہ بکتر میں لپٹے ہوئے تھے۔

جب انتاخ کا محاصرہ اور دفاع کا عمل جاری تھا تو صلیبیوں کی صورت یہ تھی کہ کبھی تو فتح کے بالکل قریب پہنچ جاتے اور کبھی تباہی کے کناروں پر غرق ہونے کے قریب پہنچ جاتے۔ کبھی اُن کے پاس وافر مقدار میں سامان خورد ونوش جمع ہوتا اور کبھی وہ بھوکوں مرنے لگتے۔ اُن کے عمل میں اُن کے مذہبی عقائد کے بہت گہرے اثرات تھے اور صلیبی سپاہی، مرقدِ مسیح کو آزاد کرانے کے لیے گئے تھے اور وہ اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار تھے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مقاصد کو نیک سمجھتا ہے تو کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس دور میں انتاخ کے باشندوں کی اخلاقی حالت قابلِ رشک نہ تھی۔ وہ عیاشی اور قحبہ گری جیسی بے راہ روی میں مبتلا تھے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ایسی اقوام کبھی بھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوتیں۔ ڈیفنے کے جنگلات سرسبز نہ رہے تھے۔ مگر شامی فضا میں قدیم بیماریاں بدستور موجود تھیں، مقامی آبادی اپنی قدیم خباثتوں میں مبتلا تھی۔ جبکہ عیسائی بھی ہر نوع کے لالچ اور ترغیب سے متاثر ہو رہے تھے۔ سرداروں کے اختیارات کو تسلیم کرنے میں بے پروائی کی جاتی۔ مواعظ اور احکام دونوں بے اثر رہتے۔ اس بدنظمی اور طوفان بدتمیزی میں فوجی نظم وضبط کی ترویج ممکن نہیں رہتی۔ فرشتوں جیسی معصومیت کا ایسے ماحول میں کیا دخل تھا؟ محاصرے کے پہلے روز اور انتاخ پر قبضہ کر لینے کے بعد بھی فرینک اشیائے صرف کو اس طرح بے پروائی سے استعمال کرتے کہ ہفتوں اور مہینوں کے لیے جمع شدہ ذخائر دنوں میں ختم ہو جاتے۔ ملک ویران ہو چکا تھا اور حسب سابق رسد مہیا کرنے سے قاصر تھا اور ترکوں نے ان کے گرد محاصرہ کر کے باہر سے رسد حاصل کرنے سے محروم کر دیا تھا۔ ان کے ہم مذہب ساتھی بھی ان کی مدد سے قاصر تھے کیونکہ موسم سرما کی برسات کا آغاز ہو چکا تھا۔ جب موسم گرما ہوتا تو

اس کی حدت شمالی ٹھنڈے علاقوں کے باشندوں کے لیے قابلِ برداشت نہ رہتی۔ خوراک ناکافی اور غذائیت سے خالی ہوتی اور مخالف ہجوم اتنی بڑی تعداد میں ان کے گرد جمع تھا کہ گویا وہ قید کی حالت میں تھے۔ ایسے حالات میں قحط اور وباؤں کی صورت ہر موقع محل پر یکساں ہوتی ہے اور ہمیشہ بے عزتی کا باعث بھی ہوتی ہے۔ خزانوں اور مالِ غنیمت میں سے جو کچھ بچ چکا تھا، اُسے ہر شخص لالچ سے قابو کرنا چاہتا تھا۔ اناج کو ہر قیمت پر خریدنا چاہتا تھا تاکہ غذا کی ضروریات پوری کی جاسکیں۔ سارا عذاب تو معاشرے میں غربا کے طبقے پر پڑتا ہے۔ ایک بکری کے لیے تین مارک ادا کرنے پڑتے تھے۔ جبکہ ایک دُبلا اُونٹ پندرہ مارک میں ملتا تھا۔ فلانڈرز کے کاؤنٹ کی حالت ایسی ہو چکی تھی کہ وہ ایک وقت کے کھانے کے لیے گداگری پر مجبور تھا اور نواب گاڈفرے نے ایک گھوڑا کسی سے مانگ کر لیا تھا۔ پڑاؤ میں ساٹھ ہزار گھوڑوں کا جائزہ لیا گیا جب محاصرہ ختم ہوا تو ان کی تعداد دو ہزار رہ گئی تھی۔ جس روز جنگ ہوئی اُس روز صرف دو سو گھوڑے ایسے تھے جو کام میں لائے جا سکتے تھے۔ لوگوں کے جسم کمزور ہو چکے تھے اور اذہان پر خوف طاری تھا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ زیارت کے شوق کا انجام کیا ہوا۔ صرف زندگی بچانا ایک مقصد رہ گیا تھا۔ اس کے لیے عزت تک کی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا جاتا۔ مذہب اور احترام ذات کی کوئی حیثیت باقی نہ رہی تھی۔ سرداروں کی کثیر تعداد میں سے صرف تین ہیرو باقی رہ گئے تھے جو ابھی تک خوف اور ندامت سے آزاد تھے۔ بوئی لون کا گاڈفرے اپنی نیکو کاری کی وجہ سے قابلِ احترام تھا۔ بوہی مانڈ حبّ جاہ اور دلچسپی کی وجہ سے جانا جاتا تھا اور ٹانکریڈ نے آزادی کی صحیح جذباتی کیفیت مبارزت میں کہا کہ جب تک چالیس جنگجو اُس کے ساتھ ہیں اُس وقت تک وہ فلسطین کی مہم سے کبھی باز نہیں رہے گا۔ مگر طاؤلوس پرووینس کا کاؤنٹ رضا کارانہ طور پر اس مہم سے الگ ہو جانا چاہتا تھا۔ نارمنڈی کے ڈیوک کو کلیسا کی طرف سے کئی بار تنبیہ کی گئی اور بالآخر اُسے ساحلی علاقوں سے واپس بلا لیا گیا۔ عظیم ہاؤ نے اگرچہ جنگ میں ہراول دستے کی رہنمائی کی تھی۔ اُس کی فرانس میں واپسی کی وجوہات واضح نہ ہو سکیں اور چارٹریس کا کاؤنٹ سٹیفن تو ولیم کے ہمراہ صلیبی جھنڈے کو چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ ولیم میلون (Melun) کا نواب تھا، اسے چوب گر کا خطاب حاصل تھا۔ کیونکہ وہ اپنے کلہاڑے سے بہت کاری ضربات لگانے کا ماہر تھا۔ یہ خود بھی اور اس کے ہمراہ دیگر کلیسائی کارکن، راہب پیٹر کے زوال کے بعد، ایک ضروری روزہ داری کی تقریب سے الگ ہو گئے۔ اُس دور کے جنگجوؤں کے ہجوم میں (ایک مؤرخ کہتا ہے) کہ متعدد ایسے نام ہیں، جن پر زندگی بھر کے لیے بدنامی کے داغ لگ گئے، جو لوگ فرار ہو گئے انھیں رسوں پر ناچنے والے بازیگر کہا گیا۔ یہ

لوگ انتاخ کے قرب و جوار سے رات کو فرار ہو گئے۔ شہنشاہ الیکسی اوس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُس نے عوام کو بغیر فوجی تربیت کے آگے دھکیل دیا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ یہ لوگ سخت تکلیف میں ہیں تو اُس نے صرف تأسف کا اظہار کر دیا۔ یہ لوگ مایوسی کے عالم میں موت کے منتظر تھے، لیکن بغیر کسی مقصد کے حصول کے بلاوجہ سزایاب ہوئے۔ بلا مقصد انھیں عذاب میں ڈالا گیا اور سپاہیوں کو ایسی دیواروں کے دفاع کے لیے کہا گیا جو بعد میں ملحقہ مکانات کے ہمراہ نذرِ آتش کر دی گئیں۔

ان کی آزادی اور نجات میں وہی عصبیت کارگر ثابت ہوئی، جس کی بنا پر ان لوگوں نے اپنے آپ کو اس عذاب میں مبتلا کر لیا تھا۔ ایسے مقصد کی خاطر اور اس فوج کے باعث فرضی بصیرت اور پیش گوئیوں کا سہارا لیا گیا۔ بار بار معجزات کا ذکر کیا گیا، جن کا بظاہر کوئی وجود نہ تھا۔ جب انتاخ میں مایوسی کا عالم طاری ہوا تو انھیں بڑے زور شور سے پوری توانائی کے ساتھ بتایا گیا کہ سینٹ ایمبروز نے یقین دلا دیا ہے کہ انھیں کامیابی ضرور حاصل ہوگی مگر عزت کی بحالی اور حصولِ آزادی کا مقصد حاصل کرنے میں ابھی مزید دو سال کا عرصہ درکار ہوگا۔ مفروروں کو روکنے کے لیے کہا جاتا کہ حضرت عیسیٰؑ تمھیں فرار ہوتے ہوئے خود دیکھ رہے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ مُردے زندہ ہو جائیں گے اور اپنے بھائیوں کے ہمراہ جنگ میں شریک ہوں گے۔ نیز یہ کہ کنواری ماں نے خود اُن کے گناہوں کی معافی حاصل کر لی ہے۔ اُن کے اعتماد کو بحال کرنے کے لیے ایک مرئی علامت پیش کی گئی کہ کہیں سے وہ نیزہ دستیاب ہو گیا تھا جو کسی دور میں حضرت عیسیٰؑ کے استعمال میں رہ چکا تھا۔ لوگوں نے سرداروں کی ایسی حکمت عملی کی تعریف کی ہے اور کہا ہے کہ اُن حالات میں ایسی فرضی کہانی ناگزیر تھی اور یقیناً اس پر اعتراض کرنا مناسب نہ ہوگا۔ کسی مقدس فراڈ کو بھی ٹھنڈے دل سے معقولیت کے معیار پر پرکھنا مناسب نہیں، ایسے حیلوں پر اعتماد سادہ دل گروہ ہی کرتے ہیں۔ مارسیلس کے کلیسائی حلقے میں ایک ایسا پجاری تھا جو ذہنی لحاظ سے کمزور تھا اور اُس کے انداز میں بھی سادگی کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ اُس کا نام پیٹر بارتھولمی تھا۔ وہ کونسل کے ایوان کے دروازے پر جا نکلا۔ وہ سینٹ اینڈریو کا ایک راز افشا کرنا چاہتا تھا جو خواب میں اسے تین دفعہ بتایا جا چکا تھا۔ جس سے اُسے بہت خوف بھی آیا تھا کہ اگر اُس نے عالم بالا کے احکام کو دبانے کی کوشش کی تو اس سے انتہائی شرمناک فساد پیدا ہوگا۔ جواری نے مزید کہا کہ انتاخ میں، میرے بھائی سینٹ پیٹر کے گرجے میں، جو ایک بلند مقام پر واقع ہے۔ ایک برچھے کا فولادی سرا رکھا ہوا ہے اُسی برچھے سے ہمارے نجات دہندہ کے پہلو میں سوراخ کیا گیا تھا۔ وہ اُس کے پیروکاروں کے لیے بہت مفید ثابت

ہوگا۔ اُسے تلاش کرو، وہ تمھیں دستیاب ہو جائے گا۔ اسے میدانِ جنگ میں بلند رکھو۔ وہ غلط کاروں کی روح تک کو فنا کر دے گا۔ پُوئی کا بشپ، پوپ کا نمائندہ تھا۔ اُس نے اس بات کو بیدلی سے سنا اور اس پر اعتماد نہ کیا۔ مگر کاؤنٹ ریمانڈ نے اس القا کو بڑے اعتقاد سے تسلیم کر لیا۔ اُس نے مان لیا کہ خدا نے اُسی کو ایک مقدس شے کے امین کی حیثیت سے منتخب کر لیا ہے۔ اس تجربے کو حل کر لیا گیا۔ تین دن کے بعد پہلے عبادت کی گئی۔ پھر دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ پھر مارسیلیس کے بارہ معتبر گواہ پیش کیے، جنھوں نے نیزے کی اس قدیم انی کو دیکھا تھا۔ ان میں مذکورہ کاؤنٹ اور پادری بھی شامل تھے۔ عوام کے ہجوم کو روکنے کے لیے گرجے کے دروازے بند کر دیے گئے۔ ایک مخصوص مقام پر زمین کھودی گئی۔ مگر مزدور بارہ فٹ گہرا گڑھا کھودنے پر بھی متعلقہ شے کو پانے میں ناکام رہے۔ مغرب کے وقت، جب کاؤنٹ ریمانڈ اپنی پناہ گاہ پر واپس چلا گیا۔ تھکے ہارے افراد نے زیرِ لب بڑبڑانا شروع کر دیا۔ بارتھولمی نے اپنی قمیص تو پہن رکھی تھی مگر پاؤں میں جوتے نہ تھے۔ بڑی دلیری سے مذکورہ گڑھے میں اُتر گیا۔ اس کے باوجود کہ اندھیرا چھا گیا تھا اور اس قدر گہری کھائی میں اندھیرا کچھ زیادہ ہی تھا۔ اس شخص کو ایک عربی نیزے کا سرا مل گیا۔ یہ پہلی آواز تھی اور اس کی وجہ سے پہلی چمک پیدا ہوئی۔ اس آہنی ٹکڑے کا عقیدت اور احترام سے نظارہ کیا گیا۔ اس مقدس نیزے کو اس کی آرام گاہ سے نکال لیا گیا۔ اسے ایک ریشمی زربفت میں لپیٹ لیا گیا اور صلیبیوں کے احترام کے لیے اُسے عام نظارے کے لیے پیش کر دیا گیا۔ وہ اب تک تشویش اور انتظار کی کیفیت میں تھے۔ یہ خوشخبری سننے کے بعد بڑی عقیدت سے نعرہ بازی کرنے لگے۔ تھکے ہارے فوجیوں میں دوبارہ ہمت اور جوش پیدا ہو گیا۔ فن کاری کا سلسلہ کس قدر چالاکی سے مکمل ہوا اور اس کے نتیجے میں سپاہ میں کتنا جوش و خروش پیدا ہوا۔ انھوں نے اپنا مطلب حاصل کر لیا۔ فوج میں نظم و ضبط پیدا ہوا اور اُن کے اعتقاد میں بھی پختگی آئی۔ فوجیوں کو اپنی قیام گاہ میں جانے کی اجازت دے دی گئی۔ وہ آئندہ جنگ کے لیے ذہنی اور جسمانی طور پر مضبوط ہو گئے۔ اُن میں اور اُن کے گھوڑوں میں حوصلہ پیدا کرنے کا یہ آخری حربہ تھا اور وہ یہ توقع رکھتا تھا کہ طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی مژدہ فتح بھی سنائی دے گا۔ جب سینٹ پیٹر اور سینٹ پال کا تہوار منایا جاتا، تو انتاخ کے تمام دروازے سب لوگوں کے لیے کھول دیے جاتے اور رزمیہ ترانے گائے جاتے۔ ''خدا کی عظمت بلند ہو اور دشمن منتشر ہو جائیں۔'' پجاری اور راہب ایک جلوس میں چلتے ہوئے یہ نغمہ گاتے رہے۔ اس جلوس میں بارہ قطاریں ہوتیں اور ہر قطار ایک حواری سے منسلک ہوتی۔ جب ریمانڈ خود موجود نہ ہوتا تو مقدس نیزہ پادری کی تحویل میں دے دیا جاتا۔ جنگ کا نتیجہ کبھی تو

ان کے حق میں نکلتا اور کبھی دشمنانِ مسیح بھی جیت جاتے اور ان کی توانائی میں بلاشبہ اُس صورت میں اضافہ ہو جاتا۔ جب کوئی ایسا حادثہ ہو جاتا یا کوئی خوش کن افواہ پھیل جاتی۔ یا کوئی معجزانہ صورت پیدا ہو جاتی۔ تینوں جنگجو سفید لباس پہنتے۔ پہاڑیوں سے باہر نکلتے یا ایسا محسوس ہوتا کہ پہاڑیوں سے باہر نکل رہے ہیں۔ پوپ کے نمائندے ایڈ ہیمر کی آواز بلند ہوتی۔ وہ اعلان کرتا کہ یہ سب لوگ شہید ہیں: سینٹ جارج، سینٹ تھیوڈر اور سینٹ ماؤریق۔ جب طبلِ جنگ بجتا تو شک یا پڑتال کے لیے کوئی وقت باقی نہ بچتا اور متعصب فوج کے جوانوں کی آنکھیں چندھیا جاتیں۔ جب خطرے یا فتح کا وقت آتا تو ماضی کی پیشین گوئیوں میں سے موقع کی مناسبت کے حوالے تلاش کیے جاتے۔ مگر جونہی عارضی خدمت میں کامیابی حاصل کی جاتی تو پھر طاؤلوس کا کاؤنٹ مقدس نیزے کی انی سے ایک بڑی مقدار میں دولت حاصل کر کے پیش کرتا۔ اس سے اس کے اپنے فریق کے حوصلوں اور جرأت میں اضافہ ہوتا اور فریقِ ثانی پر خوف طاری ہوتا۔ مقدس انی پر قبضے کے معاملے میں بھی باہمی حسد رونما ہوتا۔ اور حریف اپنے استحقاق کے لیے دلائل پیش کرنے لگتے۔ ایک نارمن منشی نے اپنے استحقاق کو ثابت کرنے کے لیے اس داستان کی اصل حقیقت کو واشگاف کیا۔ وہ حالات بیان کیے جن میں انی دستیاب ہوئی۔ اور بوہی مانڈ کا کردار بیان کرنے کے بعد اُس نے کہا کہ یہ سب کچھ عیسائیت کے مفاد کے لیے کیا گیا۔ کچھ دیر کے لیے اس قومی دولت کے شور و غل، ہنگامہ آرائی اور اسلحے کی طاقت کے حوالے سے حفاظت کی اور ایسے شکی مزاج لوگوں کے لیے جو اس کی مخالفت کرتے۔ انھیں عمر قید یا موت کی سزا دی جاتی۔ اس کے باوجود لوگ اس دریافت کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرتے رہتے اور داستان کے مصنف یہ کہہ دیتے کہ زیادہ کھوج لگانے کی بجائے اس کی حقیقت کو خدا پر چھوڑ دیا جائے۔ پڑاؤ کے درمیان میں چار فٹ چوڑا اور چودہ فٹ لمبا چبوترا سا بنا دیا گیا۔ اس کی اونچائی بھی چار فٹ تھی۔ اس پر آگ جلائی جاتی جو تیس ہاتھ بلند ہوتی۔ پھر اس افسانے کی تحقیق کے لیے بارہ انچ اونچے جلتے کوئلوں کا ڈھیر چھوڑ دیا گیا۔ بدقسمت پادری کو اس آگ پر چلنے کے لیے کہا گیا مگر اُس کے پاؤں اور پیٹ اس کی حدت کی وجہ سے جھلس گئے۔ دوسرے دن اُس کی موت واقع ہو گئی۔ وہ مرتے دم تک احتجاج کرتا رہا اور اصل حقیقت بیان کرتا رہا۔ دوسرے روز مقدس نیزے کی بجائے ایک صلیب اور گول چکر ایجاد کر لیے گئے۔ مگر ان کا بھی کسی نے احترام نہ کیا اور جلد ہی وہ بھی گمنامی کی آغوش میں چلے گئے۔ مگر بعد میں آنے والے مؤرخین نے انتاخ کی اس ایجاد کو بار بار عقیدت سے بیان کیا ہے اور معجزات پر ایمان لانے کی اصل حقیقت اسی قدر ہے۔ جب زمانہ گزر جاتا ہے یا کوئی واقعہ کسی

دور افتادہ علاقے میں پیش آتا ہے تو اُسے تسلیم کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

فرنگیوں نے عقل مندی سے کام لیا اور جب تک ترک زوال پذیر نہ ہوئے، انھوں نے جنگ نہ چھیڑی۔ جب تک پہلے تین سلاطین زندہ رہے وہ بہت دلاور تھے اور اُنھیں شکست دینا آسان نہ تھا۔ ایشیا کی حکومتیں زمانہ امن و انصاف میں متحد ہو جاتیں۔ ان سب میں یکساں عزم و حوصلہ ہوتا۔ نظم و ضبط میں بھی یہ لوگ بے مثل تھے۔ مغرب کی وحشی اقوام ان کی ہم پلہ نہ تھیں۔ مگر صلیبی جنگوں کے دور میں ملک شاہ کی وراثت پر اس کے چار بیٹوں میں تنازع جاری تھا۔ اگرچہ یہ ایک نجی فساد تھا مگر اس سے بہت زیادہ قومی نقصان ہوا۔ جب یہ فساد برپا تھا تو ان کے باجگزاروں یہ علم نہ تھا کہ وہ کس کی فرمانبرداری کریں۔ وہ اٹھائیس امرا جو کربوگا کے ہمراہ لڑنے کے لیے آئے تھے وہ اُس کے حریف یا دشمن تھے۔ ان کی افواج عراقی یا شامی خیموں سے جمع کی گئی تھیں اور ترک تجربہ کار فوجی دجلہ کے دوسری طرف یا تو خانہ جنگی میں مصروف تھے یا ختم ہو چکے تھے۔ خلیفۂ مصر نے اس کمزوری سے فائدہ اُٹھایا اور اپنے کھوئے ہوئے علاقے بازیاب کرا لیے اور اس کے سلطان افضال نے یروشلم اور ٹائر کا محاصرہ کر لیا اور وہاں سے اورتک (Ortok) کے بیٹوں کو باہر نکال دیا اور فلسطین میں فاطمی خلفا کے فوجی اور انتظامی اختیارات بحال کر دیے۔ اس اثنا میں انھوں نے حیرت سے یہ خبر سنی کہ عیسائی افواج بہت بڑی تعداد میں یورپ سے ایشیا میں داخل ہو رہی ہیں۔ اُنھیں اس پر مزید خوشی ہوئی کہ ان افواج نے متعدد مقامات پر محاصرے کر کے اور فتوحات حاصل کر کے ترکی کی قوت کو ختم کر دیا ہے۔ وہ لوگ (ترک) خلفائے مصر کے دشمن اور عقیدے کے لحاظ سے بھی مختلف تھے۔ مگر عیسائی تو رسولِ خدا ہی کے دشمن تھے۔ وہ نائس اور انتاخ پر قبضہ کر چکے تھے۔ جس سے اُن کی مہم کے مقاصد عیاں تھے کہ وہ دریائے اردن بلکہ دریائے نیل کے کناروں تک جلد ہی پہنچ جائیں گے۔ بعض سفارتی مکالمات کیے گئے مگر جنگ کے دوران ہی وہ سب معطل ہو گئے۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح یہ سلسلہ بھی سلطنتِ مصر (قاہرہ) اور لاطینیوں کے پڑاؤ کے مابین چلتا رہا اور جلد ہی اُنھیں احساس ہو گیا کہ ترکوں کی شکست پر اُن کا بغلیں بجانا اُن کی جہالت کا نتیجہ تھا اور اُن کا جوش و خروش بے معنی تھا۔ مصر کی حکومت کے وزرا نے اعلان کر دیا۔ اگرچہ وہ دبی زبان ہی استعمال کرتے تھے کہ اُن کا خلیفہ ہی قانون اور اسلام کی تعلیمات کے رُو سے جائز امیر المومنین ہے۔ اُس نے یروشلم کو ترکوں کی غلامی سے آزاد کرا لیا تھا۔ صلیبی زائرین کے متعلق اُن کا خیال تھا کہ اگر وہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جائیں اور اپنا اسلحہ اُتار کر رکھ دیں تو فاطمی خلفائے مصر اُن کی کھلے دل سے مہمان نوازی کریں گے اور مرقدِ مسیح

کی زیارت کی راہ میں اُنھیں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ زائرین کی حالت خراب ہے۔ خلیفہ مستعلی نے اُن کے اسلحہ کو قابلِ اعتنا نہ سمجھا اور اُن کے سفیروں کو قید کرلیا۔ مگر جونہی اُنھیں انطاکیہ پر فتح حاصل ہوگئی تو وہ ان ناقابلِ تسخیر بہادر افواج سے تعلقات کی بہتری کا خواہاں ہوا، اُس نے اُنھیں گھوڑے، ریشم اور سونے چاندی کے جزدان پیش کرنے شروع کردیے۔ اُس کے اندازے کے مطابق ان کی قوت میں پہلا درجہ بوہی مانڈ کو اور دوسرا گاڈ فرے کو حاصل تھا۔ ہر حال میں صلیبیوں کا مقصد پورا ہوچکا تھا اور وہ اپنے ارادوں پر قائم تھے۔ وہ مسلمانوں کے کسی مطالبے کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ یروشلم کے غاصب کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ اب وہ ایسی شرائط طے کرنے کے لیے تیار نہ تھے کہ اُنھیں زیارت کا موقع فراہم کیا جائے۔ وہ تو صرف مکمل شکست تسلیم کرنے کا مطالبہ کررہے تھے کہ مقدس مقامات اور شہر اُن کے قبضے میں دے دیا جائے۔ بلکہ وہ سارے صوبے پر اپنے حقوق کی بحالی کا مطالبہ کررہے تھے۔ وہ اس قابل نہ تھے کہ حملہ آوروں کی ناقابلِ تسخیر قوت کا مقابلہ کرسکیں۔

اس کے باوجود یہ حملہ اتنا کامیاب تھا کہ ہر شے اور ہر مقام اُن کی رسائی میں تھا۔ اس کے باوجود کربوگا کی شکست کے بعد اُنھوں نے اپنی کارروائی دس ماہ تک معطل رکھی۔ مگر اس دوران صلیبی جنگ بازوں کے حوصلے اور جوش وخروش میں خنکی پیدا ہوگئی۔ فتح حاصل کرنے کے بعد بجائے اس کے کہ وہ مزید پیش قدمی کرتے اور اپنی حالت کو بہتر بناتے وہ فوراً عیش کوشی کے لیے شام میں اِدھر اُدھر منتشر ہوگئے۔ اس کے اسباب میں توانائی کا حصول اور مقامی رعایا کی فرمانبرداری کو یقینی بنانا شامل ہوگا۔ ان کی بہت سی توانائی قحط، بیماریوں اور فرار کی وجہ سے ضائع ہوچکی تھی۔ مایوسی کی وجہ سے بھی ایک عارضہ لاحق ہوگیا تھا۔ جس کی وجہ سے تیس ہزار سے زائد زائرین ضائع ہوچکے تھے۔ بہت تھوڑے ایسے لوگ بچے تھے جو فرمانروائی کا فرض ادا کرسکیں مگر فرمانبرداری کے لیے تو ایک فرد بھی باقی نہ رہا تھا۔ داخلی فسادات جس سے ہر شخص خوف زدہ ہوگیا تھا، ان میں اضافہ ہوگیا جو مشترکہ حرف کی وجہ سے مزید شدت اختیار کرگیا۔ کم از کم عناد کے جذبات کا مظاہرہ ہونے لگا۔ بالڈون اور بوہی مانڈ کے مستقبل کے امکانات کی وجہ سے اُن کے ساتھی اُن کا حسد کرنے لگے۔ اُنھوں نے اپنے مفتوحہ علاقوں کے تحفظ کے لیے نئے جنگجو بھرتی کرلیے۔ کاؤنٹ ریمانڈ نے شام کے وسطی علاقوں پر یلغار کردی جس کی وجہ سے اُس کی افرادی قوت اور خزانے خالی ہوگئے۔ سارا موسم سرما اختلافات اور بدنظمی کی نذر ہوگیا۔ موسم بہار آیا تو اپنے وقار اور مذہب کے متعلق ان کے جذبات دوبارہ بھڑک اُٹھے۔ نچلی سپاہیوں

میں نہ تو جوش وخروش تھا اور نہ زائرین کے مقاصد سے اُنھیں ہمدردی تھی۔ وہ اپنے سرداروں کی بحث کے خلاف برافروختہ ہوگئے۔ مئی کے ماہ میں یہ فوجی بڑی تعداد میں انطاکیہ سے لاؤڈیقیا کی سمت روانہ ہوگئے۔ ان میں چالیس ہزار لاطینی شامل تھے۔ ان میں شامل پندرہ سو گھوڑے اور بیس ہزار پیدل سپاہی ایسی حالت میں تھے کہ جنگ میں حصہ لے سکیں۔ ان کا سفر بہت آسان تھا جو لیبانوس کی پہاڑیوں، ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ جاری رہا۔ ان کی ضروریات کو پیسا اور جینوا کے بحری سوداگر بہت آسانی سے پورا کرتے رہے۔ ان کے اخراجات کا بڑا حصہ طرابلس، ٹائر، سیڈون، ایکرے اور قیصریہ کے امیر برداشت کرتے رہے۔ انھوں نے صرف انھیں آزادانہ راستہ فراہم کیا، بلکہ وعدہ کیا کہ وہ یروشلم کے امیر کی مثال پر عمل کرتے رہیں گے۔ قیصریہ سے وہ ملک کے اندرونی حصے میں داخل ہوگئے۔ ان کے پادریوں نے لائیڈا کے مقدس مقامات کی شناخت کرلی۔ راملہ، ایماؤس اور بیت اللحم سے گزرتے ہوئے یہ مقدس شہر میں داخل ہوگئے۔ جب پادریوں نے اس کا اعلان کیا تو یہ لوگ سارے مصائب بھول گئے اور خوشی سے نعرے لگانے لگے۔ سفر کی تمام صعوبتوں کا یہی انعام تھا۔

یروشلم کو اس معاملے میں خصوصی شہرت حاصل ہے کہ اس شہر کے طویل اور یادگار محاصرے متعدد بار عمل میں آئے۔ یہ طویل اور سخت مقابلوں کے بعد ہی ممکن ہوسکا کہ بابل اور روم کی افواج اس شہر کو تسخیر کرسکیں۔ اس شہر کا محل وقوع اور سطح زمین کچھ اس نوعیت کی ہے کہ اسے قلعہ بندیوں کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اس کے گرد نہ فصیل ہے اور نہ کوئی مینار تعمیر کیے گئے ہیں۔ صلیبی جنگوں کے دوران ہر نوعیت کے دفاعی نظام تباہ کردیا گیا۔ مگر جب انھیں دوبارہ بحال کرنے کی کوشش کی گئی تو یہ کسی صورت میں بھی مکمل نہ کیے جاسکے۔ یہود کا مذہب اور طریق عبادت اس شہر میں ہمیشہ کے لیے ممنوع قرار دے دیا گیا۔ مگر انسان کے مقابلے میں فطرت کم تغیر پذیر ہے۔ اگرچہ یروشلم کی زمین کو کسی حد تک نرم کرلیا گیا ہے اور ٹیلوں اور نشیب وفراز کو کسی حد تک ہموار کردیا گیا لیکن اُس دور تک دشمن کی اس شہر میں رسائی آسان نہ تھی۔ اس محاصرے اور تین سالہ قبضے کے بعد مصر کے صحرانشین یہ سبق حاصل کرچکے تھے کہ وہ عیسائی حملہ آوروں سے دور رہیں اور مذہب اور ذاتی وقار کا کسی حد تک خیال رکھیں۔ لیکن یہی عوامل اُنھیں مجبور کرتے تھے کہ وہ حتمی طور پر حالات کو قبول کرلیں۔ خلیفہ کا ایک نائب جس کا نام اللہ دین یا افتخار تھا۔ اُسے اس حکمت عملی کے دفاع کا فرض تفویض کیا گیا۔ اُس نے مقامی عیسائیوں کو غیر ملکیوں سے اتحاد قائم کرنے سے منع کردیا اور کہا کہ وہ اپنی تباہی کا سامان پیدا نہ کریں اور مسلمانوں کو یہ یقین دہانی کرادی کہ اُنھیں دنیا اور عقبیٰ دونوں میں انعام ملے گا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے لشکر میں

چالیس ہزار ترک اور عرب شامل تھے اور اگر وہ بیس ہزار مقامی باشندوں کو بھی ساتھ ملا لیں تو اس کی تصدیق ہو جائے گی کہ محصورین کی تعداد محاصرین سے زائد ہے۔ اس شہر کا کل رقبہ چار ہزار گز ہے (جواڑھائی برطانوی میل کے برابر ہے)۔ بن ہنوں (Ben Hinnon) کی وادی میں بلاضرورت اُن کے داخلے سے اُنھیں کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ یہاں قدرون کے نالے کے علاوہ اور کیا ہے؟ اُنھیں یہاں نہ تو کوئی فائدہ ہے اور نہ کوئی خوف ہے۔ اُن کا محاصرہ بنیادی طور پر شمالی اور مغربی علاقوں کی طرف تھا۔ بوئی لون کے گاڈفرے نے اپنا علم کووِکلواری کی پہلی چوٹی پر نصب کر لیا تھا۔ یہ اس قدر بائیں طرف تھا کہ سینٹ سٹیفن کا دروازہ اس سے بالکل ملحق تھا۔ حملے کا عمل ٹانکریڈ اور دونوں رابرٹوں کے ذمے عائد کر دیا گیا تھا جو مسلسل جاری رہا۔ ریمانڈ نے اپنا مقام شہر کے چبوترے سے کوہِ سی اون کے دامن میں منتقل کر لیا تھا۔ یہ علاقہ اب شہری حدود میں شامل نہ تھا۔ پانچویں روز، صلیبیوں نے عام حملہ کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ شہر کی دیواروں کو منجنیقوں کے بغیر گرا لیں گے اور بغیر سیڑھیوں کے ان پر چڑھ کر دوسری طرف اُتر جائیں گے۔ پوری قوت کو استعمال کر کے اُنھوں نے پہلی منزل تو سر کر لی۔ مگر جلد ہی مار کھا کر اور خون دے کر وہ اپنے پڑاؤ میں واپس ہو گئے۔ اُنھیں بہت زیادہ شرمندگی اُٹھانی پڑی۔ یہ کہا گیا کہ اس شکست اور ندامت کی پیش گوئی موجود تھی۔ وقت اور محنت ہی دو ایسے ذرائع تھے، جن سے فتح حاصل کی جا سکتی تھی۔ محاصرہ چالیس روز تک جاری رہا۔ پھر قحط کی مصیبت شروع ہو گئی اور فرینک لوگ بھوک سے مرنے لگے۔ یروشلم کی پتھریلی سرزمین پانی سے بالکل محروم ہے۔ بہت تھوڑے چشمے ہیں اور ندی نالوں کا برساتی پانی جلد ہی بہ جاتا ہے اور موسم گرما میں تو یہ بالکل خشک ہو جاتے ہیں۔ شہر کے اندرونی حصوں میں مصنوعی ذخائر آب اور تالابوں کی وجہ سے محاصرین کی پیاس کا تو علاج ہو گیا۔ شہر کے قرب وجوار کی سرزمین پر کوئی درخت نہیں اُگتا۔ جس سے سایہ حاصل ہو سکے یا عمارتی لکڑی دستیاب ہو۔ مگر صلیبیوں کو ایک غار میں پڑے ہوئے بڑے بڑے شہتیر مل گئے۔ سیقیم کے قریب ایک جنگل واقع ہے جسے طاسو کے جنگل کا نام دیا جاتا ہے۔ اسے کاٹ کر حسبِ ضرورت عمارتی لکڑی پڑاؤ میں منتقل کر دی گئی۔ اس سارے عمل میں ٹانکریڈ نے اپنے دستے کی محنت اور قوت سے کام لیا۔ جینوا کے بعض مہندسوں نے منجنیقیں بھی تیار کر دیں۔ یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے جافا کی بندرگاہ تعمیر کی تھی۔ لورین کے ڈیوک کے اخراجات پر اور اُسی کے علاقے میں دو بُرجیاں تعمیر کی گئیں۔ اس میں طاؤلوس کے کاؤنٹ نے بھی حصہ ادا کیا اور اُنھیں ایسے مقامات پر رکھا گیا جہاں پر قلعہ بندیوں کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ ریمانڈ نے جو مینار بنایا تھا اُسے آگ لگ گئی

اور وہ تباہ ہو گیا۔ یہ آگ محصورین نے لگائی تھی۔ مگر اس کا حلیف زیادہ ہوشیار تھا اور کامیاب بھی رہا۔ اُسی کے تیر اندازوں نے دشمنوں کو چبوترے پر سے بھگا دیا۔ چوبی پُل گرا دیا گیا۔ ایک ہفتے کے روز پچھلے پہر گاڈفرے فصیل پر بطور فاتح کھڑا ہو گیا۔ اس کی مثال پر شہر کے ہر طرف یہی عمل کیا گیا اور حضرت عمرؓ کی فتح کے چار سو ساٹھ سال بعد اس مقدس شہر کو مسلمانوں سے آزاد کرا لیا گیا۔ سرکاری اور نجی املاک کو لوٹ لیا گیا۔ مہم بازوں نے اُن لوگوں کو چھوڑ دیا جو روزِ اوّل ہی سے ان املاک پر قابض تھے اور مسجد اقصیٰ کے ستر چراغ اور ایک بڑا سنہری طشت ٹانکریڈ نے لوٹ کر سپاہیوں میں تقسیم کر دیے۔ مسلمانوں نے مسجد کی حفاظت کے لیے حد سے زیادہ خون کا نذرانہ پیش کیا۔ مزاحمت سے فاتحین کو مزید طیش آیا اور ہر عمر کے مرد و زن، بچے بوڑھے سب کو قتل کر دیا گیا۔ قتلِ عام کا سلسلہ تین روز تک جاری رہا۔ مردہ لاشوں کے تعفن کی وجہ سے وبا پھیل گئی۔ ستر ہزار مسلمانوں کو تہِ تیغ کیا گیا اور یہودیوں نے اگرچہ کسی ضرر رسانی میں حصہ نہ لیا تھا، لیکن اُن کو بھی وہ جہاں کہیں ملے قتل کر دیا گیا۔ جو لوگ قیدی بنا لیے گئے اُن کو موت سے بچا لیا گیا۔ صلیب کے پیروکاروں کے اس وحشیانہ عمل کے بعد ٹانکریڈ نے بذاتِ خود بے وفائی کے جذبات کا مظاہرہ کیا اور قتلِ عام میں حصہ لیا۔ ریمانڈ کے کردار کی کسی حد تک تعریف جائز ہے جس نے مقدس مقامات پر متعین کردہ لشکر کو رحم اور حلم سے کام لینے کا حکم دیا۔ مرقدِ مسیح اب آزاد تھا اور وہ لوگ جو کبھی مظلوم تھے اپنا انتقام لے چکے تھے۔ اب یہ لوگ ننگے سر اور ننگے پاؤں کلواری کی پہاڑی پر گئے۔ پادری بلند آواز سے نغمہ سرائی کرتے رہے۔ اُس پتھر کو بوسے دیے جس نے مسیحا کو کچھ مدت ڈھانپ کر رکھا تھا اور آنسو بہا بہا کر اُسے نمناک کر دیا۔ بیک وقت ظلم و ستم اور اُس کے ساتھ غمناک اور ترحم انگیز جذبات دو مختلف فلسفہ ہائے حیات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ایک عمل تو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اور دوسرا بھی اسی عمل ہی کا مخالفانہ پہلو ہے۔ اس کی تائید میں گاڈفرے کی مثال دی جا سکتی ہے جس نے بعض افراد کے جسم دھوئے اور راز ہاں بھی صاف کیے۔ وہی لوگ جنھوں نے بڑے زور و شور سے قتل کیے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کی قبر کی زیارت کے لیے بھی وہی سب سے آگے تھے۔

اس یادگار واقعے کے آٹھ دن بعد، جبکہ پوپ اُربان اس خوشخبری کو سننے کے لیے زندہ نہ رہا تھا۔ بہت سے لاطینی سردار یروشلم کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ وہ نئے بادشاہ کا انتخاب کر سکیں، جو فلسطین کی نہ صرف حفاظت کرے بلکہ کاروبارِ حکومت بھی چلائے۔ عظیم ہاؤ اور چارٹریس کا سٹیفن، اپنی شہرت کے داغ دار ہونے کے بعد حکومت کے کاروبار سے دستبردار ہو گئے۔ اُنھوں نے دوسری صلیبی جنگ میں اس کی تلافی کی کوشش کی

مگر عزت کی موت مر گئے۔ بالڈون کو اڈیسا کی حکمرانی مل گئی اور بوہی مانڈ کے حصے انتاخ آیا اور دونوں رابرٹ، نارمنڈی کا کاؤنٹ اور فلانڈرز کے کاؤنٹ نے مغرب میں اپنی آبادی، اعزازات اور املاک کی حفاظت کو ترجیح دی۔ اُنھیں اس مشکوک فرمانروائی اور مرقدِ مسیح کے قرب و جوار کی بنجر اراضی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ریمانڈ کے جذبۂ حسد اور حُبِ جاہ کی خود اُس کے ساتھیوں نے مذمت کی اور بوئی لون کے گاڈفرے کو افواج سے آزادانہ عیسائیوں پر حکومت کا حق دار قرار دیا۔ اُس کی عظمت اس میں تھی کہ اس نے اس خطرناک ذمہ داری کو قبول کر لیا اور اسے شان و شوکت کا مظہر قرار دیا مگر یہ وہی شہر تھا جہاں اس کے مسیحا کو کانٹوں کا تاج پہنایا گیا تھا۔ وہ ایک عقیدت مند شخص تھا، اُس نے شاہانہ القاب قبول کرنے سے گریز کیا اور اس نے اپنے لیے عاجزانہ خطاب قبول کیا۔ یعنی خادمِ مرقدِ مسیح۔ اُس کی حکومت کی طرف ایک سال قائم رہی۔ اس لیے وہ عوام کو کوئی خوشی فراہم نہ کر سکا۔ اُسے پہلے پندرھواڑے میں میدانِ جنگ سے بلاوا آ گیا۔ خلیفہ مصر کا سفیر اُس کی ملاقات کو آئے۔ وہ اتنا آہستہ آہستہ آیا کہ وہ اس حادثے کو تو ٹال نہ سکا مگر انتقام لینے کے لیے بالکل تیار تھا۔ مسلمانوں کے لیے یروشلم کا نقصان ناقابلِ برداشت تھا۔ جنگ عسقلان میں اس نے مکمل فتح حاصل کر لی اور شام میں لاطینیوں کی قسمت پر مُہر لگا دی۔ فرانس کے شاہزادے بھی چلے گئے اور پھر طویل مدت تک صلیبی جنگوں میں شامل نہ ہوئے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس موقع پر دونوں فریقوں کی تعداد مساوی نہ تھی۔ اگرچہ میں اس کی تعداد پیش نہیں کر سکتا کہ فاطمیوں کے کس قدر سوار اور پیدل سپاہی ہلاک ہوئے۔ مگر اس میں تین ہزار حبشی ضرور شہید ہوئے جو تمام کے تمام زرہ بکتر میں ملبوس تھے اور جنوب کے وحشی تو پہلے حملے ہی میں فرار ہو گئے۔ اگر موازنہ کیا جائے تو ترکوں کی مردانگی کے مقابلے میں مصریوں کا زنانہ پن ضرور آشکار ہوگا۔ اُنھوں نے مرقدِ مسیح کے سامنے اپنا علم اور اسلحہ اُتار کر پھینک دیا تھا، نیا بادشاہ (یہ اس خطاب کا مستحق ہے) اپنے ساتھیوں سے بغل گیر ہوا، اُس کے پاس دشمن سے مقابلے کے لیے صف تین سو جنگجو تھے اور دو ہزار پیدل فوجی تھے اور وہ ان کے ہمراہ فلسطین کے دفاع کے لیے تیار ہو گیا۔ دشمن گاڈفرے کو بُزدل ہونے کا طعنہ دیتا تھا۔ پوئی کا بشپ ایڈہیمر جو مشاورت اور میدانِ جنگ دونوں میں نمایاں تھا۔ وہ انتاخ میں پھیلنے والے طاعون میں مارا گیا تھا۔ اُس کے علاوہ دیگر لاطینی کلیسائی صرف اپنے لالچ کے کردار کا مظاہرہ کرتے رہے اُن کی نعرہ بازی کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ بادشاہ کے انتخاب سے قبل ایک بشپ کا انتخاب کر لیا جائے۔ حسب قانون قائم شدہ بشپ کے محصولات کی فراہمی کے اختیارات پاپائے روم نے غصب کر رکھے تھے۔ شامیوں اور یونانیوں کا اس

سلسلے میں اخراج کفر اور بدعت کا درجہ رکھتا تھا۔ کیونکہ موجودہ حالات میں وہ اپنے نجات دہندہ کے آہنی پنجے میں جکڑے ہوئے تھے۔ مشرقی ممالک کے عیسائی یہ شکایت کرتے تھے کہ عرب خلفا کو برداشت کرنا قابلِ افسوس ہے۔ پیسا کے اُسقفِ اعظم ڈائم برٹ کو طویل عرصے سے روم کی حکمتِ عملی کی خصوصی تربیت دی جا رہی تھی۔ وہ ارضِ مقدس میں کمک فراہم کرنے کے لیے ایک بہت بڑا بحری بیڑہ لے کر آیا اور بلا مقابلہ اپنے عہدے پر سرفراز کر دیا گیا۔ وہ کلیسا کا روحانی اور انتظامی سربراہ مقرر کر دیا گیا اور فی الفور اُس تخت پر بھی قابض ہو گیا جو کہ زائرین کی محنت اور خون بہانے سے حاصل ہوا تھا۔ گاڈفرے اور بوہی مانڈ کو اس نے جو جاگیریں عطا کیں وہ انھوں نے فی الفور قبول کر لیں۔ مگر اُس کے لیے ایسی قدر کافی نہ تھا۔ ڈائم برٹ نے فوری طور پر یروشلم اور جافا کی املاک پر قبضے کا دعویٰ پیش کر دیا۔ سختی سے یا حتمی طور پر تو اس کا انکار نہ کیا گیا۔ مگر ہیرو نے اس کے ساتھ مصالحت کر کے ہر شہر کا چوتھا حصہ مذکورہ پادری کے حوالے کر دیا اور پادری اس پر مطمئن ہو گیا اور باقی ماندہ جائیداد واپس کر دی۔ اس کے بعد گاڈفرے مر گیا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی اور نہ ہی اسے قاہرہ اور دمشق میں کوئی نیا عہدہ تفویض کیا گیا تھا۔

اگر کسی فاتح کی حکومت صرف یروشلم تک محدود رہتی تو یہ اکثر ہوتا آغاز ہی میں اس سے چھین لی جاتی۔ کیونکہ اس کے علاوہ اُس کے زیرِ فرمان صرف بیس دیہات اور قصبے رہ جاتے۔ اس تنگ علاقے میں بھی مسلمانوں کی ملکیت میں متعدد قلعے تھے۔ جن میں سے بعض ناقابلِ تسخیر تھے۔ گڈریے اور زائرین ہر روز ان کے عناد کا شکار ہوتے۔ تاجر بھی محفوظ نہ تھے۔ گاڈفرے بذاتِ خود بھی ان کے خلاف اپنے فوجی دستے استعمال کرتا رہتا۔ اس کے ہمراہ دو بالڈون بھی تھے۔ جن میں سے ایک اس کا بھائی تھا اور دوسرا اس کا عمزاد تھا، جو اس کے بعد تخت نشین ہوا۔ جس کے نتیجے میں لاطینیوں نے سکھ کا سانس لیا اور اپنے آپ کو محفوظ محسوس کیا اور بالآخر اُنھوں نے دوسرے گروہوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اگرچہ یہ غلبہ اُن کی لاکھوں کی تعداد کی رعایا پر نہ تھا۔ اور یہودہ اور بنی اسرائیل کے قدیم بادشاہ ابھی تک آزاد تھے جب لاؤدیقیا کے تجارتی شہروں پر بھی قبضہ ہو گیا جن میں طرابلس، ٹائر اور عسقلان شامل تھے۔ انھیں وینس، جینوا اور پیسا کے طاقتور بحری بیڑوں کی مدد حاصل تھی۔ اب ساحل سمندر کا ایک طویل علاقہ جو سکندرون سے لے کر مصر کی سرحدوں تک پھیلا ہوا تھا۔ وہ عیسائی زائرین کے قبضے میں آ گیا۔ مگر انتاخ کے بادشاہ نے اپنی برتری سے دستبرداری اختیار کر لی تو اڈیسا اور طرابلس کے نواب یروشلم کی حکومت کے باجگزار بن گئے۔ لاطینیوں کی حکومت فرات کے پار تک پھیل گئی اور حمص،

حماۃ(Hamah)، دمشق اور ایلیپو کے چار ہی شہر جو شام میں واقع تھے، مسلمانوں کے پاس رہ گئے۔ قانون اور زبان دونوں فرانسیسی قوم کے مسلط کیے گئے اور لاطینی ثقافت کو ترویج دینے کی کوشش کی گئی۔ تشریح قانون جاگیردارانہ انداز میں کی گئی جس میں حقِ وراثت مرد وزن دونوں کو حاصل تھا۔ مگر زائرین کی پہلی نسل تو آب وہوا کی تبدیلی کی وجہ سے تقریباً ضائع ہوگئی ایک مخلوط اور شرافت سے محروم نسل جو اس آب وہوا کی آرام طلبی کی وجہ سے تقریباً اب ختم ہوگئی۔ اب یورپ سے نئے مہاجرین یا زائرین کی آمد ایک مشکوک امر تھا۔ اگر کچھ زائرین آ بھی جاتے تو وہ مختصر تعداد میں ہوتے اور وہ بھی کبھی کبھار آتے۔ سو چھیاسٹھ جنگجو باقی رہ گئے تھے۔ یہی لوگ اب جاگیرداروں کی صورت اختیار کر گئے تھے۔ وہ دو سو مزید جنگجوؤں کی مدد کے امیدوار رہتے جو طرابلس کے ڈیوک کی نگرانی میں خدمات انجام دے رہے تھے۔ ہر جنگجو کے پاس چار مزید نائب ہوتے جو گھوڑوں پر سوار ہو کر تیر اندازی کرتے۔ ان میں پانچ سو چھتر سارجنٹ بھی ہوتے۔ غالباً یہ لوگ پیدل افواج کے سپاہی تھے جن کو مختلف شہروں اور گرجا گھروں سے حاصل کیا جاتا۔ گویا تمام مملکت کی قانونی رضاکار فوج گیارہ ہزار افراد سے زائد نہ تھی۔ جبکہ یہ لوگ ہزار ہا عرب باشندوں کے مابین گھرے ہوئے تھے۔ جن میں ترک بھی شامل تھے۔ مگر یروشلم کی قوت کا مرکزی مقام سینٹ جون کا شفاخانہ اور سلیمان کا مندر تھے۔ مذہبی اور فوجی زندگی کا یہ ایک عجیب وغریب اتحاد تھا۔ جسے حکومت کی حکمتِ عملی کی منظوری حاصل تھی۔ یورپ کے شرفا کی نئی نسل اس پر آمادہ ہوگئی تھی کہ وہ صلیب پہن لے اور اپنے اجتماعی مقاصد کے حصول پر تیار ہو جائے۔ تاکہ اجتماعی عہد کو پورا کیا جائے۔ ان میں نظم وضبط بھی تھا اور ان کے مزاج میں استقلال بھی تھا۔ لوگوں کو اٹھائیس ہزار کھیت فوری طور پر عطا کر دیے گئے تاکہ فلسطین کے دفاع کے لیے پیدل اور رسالے کی افواج جلد از جلد تیار کی جاسکیں۔ فوجی نظام میں راہبانہ قیام گاہوں کی سادگی ختم ہوگئی۔ اب فخر بھی تھا اور اس کے ہمراہ بدنام مشاغل بھی موجود تھے۔ یہ عیسائی سپاہی عیش کوشی میں مصروف ہوگئے۔ اختیارات کے رد وبدل سے کلیسا اور ریاست کے اتحاد میں خلل پیدا ہوگیا اور ایک دوسرے کے حسد کی وجہ سے عوامی امن کی صورت بھی خراب ہوگئی۔ مگر اس کے باوجود ہسپتال کے مبارزوں نے اپنا نڈر اور متعصب کردار قائم رکھا۔ انھیں زندگی کی خواہش نہ تھی۔ وہ عیسائیت کی خدمت میں اپنی جان قربان کرنے پر آمادہ تھے۔ اُن میں مبارزت طلبی کی روح ابھی تک زندہ تھی۔ پھر یہ ہوا کہ صلیبی زائرین کی روح مرقدِ مسیح سے جزائر مالٹا میں منتقل ہوگئی۔

آزادی کا جذبہ جو جاگیردارانہ اداروں میں زندہ رہتا ہے۔ وہ صلیبی رضاکاروں میں بھی بدرجۂ اتم

موجود تھا۔ وہ اپنے سرداروں کے لیے مستحق ترین افراد کا انتخاب کرتے۔ ایشیا کے غلاموں میں بھی جو اس مثال سے حاصل شدہ اسباق سے لاعلم تھے، سیاسی آزادی کا ایک نمونہ روشناس کرادیا گیا اور فرانسیسی حکومت کے قوانین جو یہاں نافذ کر دیے گئے تھے وہ مساوات اور عدل کے اصولوں پر قائم تھے۔ ان قوانین کی اولین شرط یہ ہے کہ عوام ان کی پیروی کریں کیونکہ یہ اُن کے مفاد ہی کے لیے تشکیل دیے گئے ہیں۔ جونہی گاڈفرے نے سب سے اعلیٰ مقام کو قبول کیا تھا اور اُسے حاکم اعلیٰ مقرر کیا گیا تھا تو اُس نے فوراً ہی لاطینی زائرین کو ملازم رکھ لیا جو قانون فہمی میں بلند مقام کے حامل تھے اور وہ یورپ کے رواجات سے بھی کماحقہٗ آگاہ تھے۔ گاڈفرے نے یروشلم کی عدالتوں کے قیام کے لیے قونصلوں، کلیسا، جاگیرداروں اور نوابوں، الغرض ہر طبقے سے اہل افراد منتخب کر لیے۔ یہ عدالتیں زیادہ تر جاگیردارانہ اصولوں پر کام کرتی تھیں۔ نئے ضوابط پر بادشاہ کی مہر کا ہونا لازم تھا۔ بعد ازاں اسے مرقدِ مسیح میں جمع کر دیا جاتا۔ آئندہ ادوار میں ان ضوابط میں اصلاحات کر کے انھیں بہتر بنا دیا گیا۔ جب کبھی کوئی اختلاف رونما ہوتا تو ان کی طرف احتراماً رجوع کیا جاتا۔ فلسطین کی عدالتوں میں ان کی حیثیت سند کی تھی۔ جن پر حکومت اور شہر دونوں فخر کر سکتے تھے۔ قوانین کے یہ منتشر اوراق، روایات کی حیثیت سے محفوظ کر لیے گئے تھے۔ تیرھویں صدی کے وسط تک یہ اصل حالت میں موجود تھے۔ انھیں اس عہد میں جافا کے کاؤنٹ جون ڈی ابی لین (John d'lbelin) نے اپنے قلم سے مرتب کیا۔ یہ شخص جافا کی سب سے بڑی جاگیر کا مالک تھا۔ ان قوانین پر حتمی نظر ثانی ۱۳۶۹ء میں کی گئی تاکہ قبرص کی لاطینی حکومت ان کو استعمال کر سکے۔

گاڈفرے جب تک برسرِ اقتدار رہا۔ اُس نے آزادی اور انصاف پر پورا پورا عمل کیا۔ اُس نے دستور کو قائم رکھا۔ اُس نے دو معدلات قائم کیے جن کا رتبہ اور وقار باہم مساوی تھا۔ ان کا قیام یروشلم کی فتح کے بعد ہی عمل میں آگیا تھا۔ بادشاہ اعلیٰ عدالت کی خود صدارت کرتا۔ اسے جاگیرداروں کی عدالت کا نام بھی دیا جاتا۔ اس عدالت میں شامل چار مزید ارکان تھے جن میں سب سے نمایاں گیلیلی کا حکمران تھا۔ علاوہ ازیں قیصریہ سیڈون کا حکمران بھی۔ اس عدالت کا رکن تھا۔ جافا اور طرابلس کے جاگیردار بھی اس عدالت کے اراکین میں شامل تھے۔ اس عدالت کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس کے اراکین ایک دوسرے کے بھی جج ہو سکتے تھے۔ مگر اراکین کے طبقہ کا شرفا سے تعلق ہونا ضروری تھا۔ ایسے افراد جن کو براہِ راست بادشاہ کی طرف سے جاگیریں عطا کی گئی ہوں، ان سب کو یہ حق بھی حاصل تھا کہ خود بادشاہ کی عدالت میں بھی پیش ہوسکیں۔ ان میں سے ہر ایک کو یکساں اختیارات حاصل تھے جو یہ اپنی جاگیروں میں قائم مجالس کی معیت میں استعمال

کر سکتے تھے۔ آقا اور باجگزار کے تعلقات رضا کارانہ اور باوقار تھے جو فائدہ پہنچاتا، اُس کا احترام کیا جاتا، جن کا انحصار دوسروں پر ہوتا اور اُن کو تحفظ بھی فراہم کیا جاتا۔ مگر وہ باہمی اعتماد کامل کر وعدہ کرتے۔ مگر اس معاہدے کی پابندی بداعتمادی کی صورت میں ختم کردی جاتی یا کوئی اعلیٰ عدالت اسے منسوخ کرسکتی یا کسی فریق کی طرف سے منفرت رسانی کی وجہ سے بھی اسے ختم کردیا جاتا۔ وصایا اور شادی کے معاملات مذہب کی حدود میں شامل تھے جن پر پادریوں نے قبضہ کر رکھا تھا مگر شرفا کے دیوانی اور فوجداری دعاوی، اُن کی جاگیروں اور وراثت کے معاملات عدالتِ عظمٰی کے اختیار میں تھے۔ ہر جج کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ عوام کے نجی اور اجتماعی حقوق کی حفاظت کرے۔ یہ بھی اُن کے فرائض میں شامل تھا کہ وہ خدا کے قانونی احکام کی پابندی کرائیں اور مذہبی مطالبات کی تکمیل کرائیں۔ مگر ایسی صورت میں یہ وقت پیش آتی کہ کوئی بارسوخ شخص بھی نجی املاک کے حقوق کی خلاف ورزی کرلیتا۔ جاگیرداروں کی عدالت اس معاملے میں فی الفور دخل دیتی اور عملی اقدامات کرتی۔ وہ اس کی معصومیت اور منفرت دونوں کا دلیری سے جائزہ لیتے اور وہ دعویدار کی جائیداد یا آزادی کی بحالی کے لیے کارروائی کرتے۔ اس کے لیے اپنی ذاتی خدمات فراہم کرتے۔ اپنے بھائیوں کو قید سے رہائی دلاتے اور خدا کی نافرمانی اور ہنگامہ آرائی کا تدارک کرتے۔ اُن کی نظروں میں یہ عمل ہمیشہ مقدس سمجھا جاتا۔ یہ اپنی وکالت، جواب دعویٰ اور جواب الجواب دعوے میں، عدالتوں کے وکیل بہت دقیقہ سنج ہوتے اور کثرتِ استدلال سے کام لیتے۔ مگر یہ سارا عمل عدالتی مباحث سے آگے نہ بڑھتا اور یروشلم کی عدالتوں کے متعلق تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ غیر مہذب عوام کی مثال پیش کرتیں اور ایسے معاملات بھی سماعت کے لیے منظور کرلیتیں جو مہذب یورپی اقوام نے مدت سے ترک کر رکھے تھے۔

تمام فوجداری معاملات میں جنگی کارروائی کی اجازت تھی جس میں کسی فرد کی جان بھی جاسکتی تھی، اُس کا کوئی عضو بھی کٹ سکتا تھا یا اُس کے ذاتی وقار میں کمی آسکتی تھی اور دیوانی معاملات میں چاندی کے ایک مارک سے زائد معاملات کو بھی سماعت کے لیے قبول کرلیا جاتا۔ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فوجداری معاملات میں مدعی کو استحقاق تھا کہ وہ جنگ آزمائی سے مقدمے کا فیصلہ کرالے۔ جو ماسوائے بغاوت اور غداری کے معاملات کے صرف اپنی منفرت کا بدلہ لینے کا خواہاں ہوتا یا وہ اُن لوگوں کی موت کا انتقام لینا چاہتا، جن کے لیے اُسے مقدمہ دائر کرنے کا حق حاصل ہوتا۔ الزام کی نوعیت کے لحاظ سے شہادت حاصل کی جاسکتی تھی۔ اُس کے لیے ضروری تھا کہ حقائق کے مطابق شہادت پیش کرے۔ دیوانی مقدمات میں مدعی کے مطالبے کو درست ثابت

کرنے کے لیے مقابلے کی اجازت نہ تھی۔ مگر اُس کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ ایسے گواہ پیش کرے جنھیں اصل واقعے کا پوری طرح سے علم ہو۔ ایسی صورت میں مدعا علیہ کو یہ استحقاق حاصل ہو جاتا کہ وہ مبارزت (مقابلے) کے ذریعے فیصلہ کرالے۔ کیونکہ ایسی صورت میں گواہ پر یہ الزام عائد کیا جاتا کہ اس نے دروغ حلفی سے کام لیا ہے جس سے مدعا علیہ کی حق تلفی ہوئی ہے۔ اس لیے اس کو وہی حقوق مل گئے جو مدعی کو ایک فوجداری مقدمے میں حاصل ہوتے ہیں۔ مگر اس مقابلے کا مقصد یہ نہ ہوتا کہ شہادت غلط ہے (مونٹس کیو (Montesquieu) نے یہی فرض کیا ہے) بلکہ یہ ایک اُصول بن گیا کہ ہر معاملے میں مبارزت سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے اور ہر منفرت کی تلافی کی جاسکتی ہے۔ یہ لڑائی ہر معاملے میں صرف ایک طرح سے لڑی جاتی اور اس کا مقصد بھی یکساں ہوتا۔ جب نجی مبارزت کا مسئلہ درپیش ہوتا تو عمر کا لحاظ رکھا جاتا۔ ساٹھ سال سے زائد مردوں کو اور عورتوں کو انصاف کے حصول کے لیے یہ طریق استعمال کرنے کی اجازت نہ ہوتی۔ کسی ملزم کے لیے ہار جانے کا مطلب یہ ہوتا کہ اُسے موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا ہے۔ اس میں مدعی، مدعا علیہ اور گواہ کسی کی کوئی تمیز نہ تھی۔ یعنی خود مدعی کو بھی سزا مل جانے کا احتمال تھا۔ مقدمہ بھی ہار جاتا۔ شہرت کا بھی نقصان ہوتا۔ جبکہ اس کا گواہ اور حمایتی بھی ذلت کی موت مارا جاتا۔ یہ جج کی مرضی پر تھا کہ وہ مبارزت کی اجازت دے یا انکار کردے۔ پھر یہ ہوتا کہ جج کے فیصلے کے خلاف بھی مرافعہ دائر کیا جاسکتا۔ اگر کوئی قانونی مزارع یا موروث اپنے آقا کے خلاف جان بوجھ کر غلط الزام عائد کرتا مگر اس سلسلے میں مقررہ شرائط اتنی سخت تھیں کہ اُسے ایک ہی دن میں یکے بعد دیگرے معدلہ کے ہر رکن کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑتا۔ اس تعداد میں وہ ارکان بھی شامل ہوتے جو موقع پر موجود نہ ہوتے اور ان تمام مجادلوں میں وہ مکمل طور پر کامیاب رہتا اور اُسے ایک بھی شکست نہ ہوتی۔ اس امر کا بہت امکان ہے کہ یروشلم کی عدالتوں میں کوئی شخص بھی مقدمہ دائر نہ کرتا۔ جافا کے کاؤنٹ کو قانون کی اعلیٰ تعلیم حاصل تھی۔ اس نے بڑی محنت سے کوشش کی کہ مبارزت کا سلسلہ عدالتوں میں نہ ہونے دیا جائے اور اسے اوہام پرستی کی بجائے صرف ذاتی وقار کے سلسلے میں استعمال کیا جائے۔

جاگیردارانہ ظلم سے عوام کو نجات دلانے کے لیے جو اسباب ظہور میں آئے، ان میں اُن دیہاتی دہقانوں کو جاگیرداروں کی غلامی سے آزاد کرانے کا مسئلہ سب سے اہم تھا۔ شہروں کے بلدیاتی ادارے سب سے اہم تھے۔ اگر فلسطین کے ادارے صلیبی زائرین کے زیر اثر تھے، تو ان کا مرتبہ لاطینی دُنیا کے قدیم ترین اداروں کے برابر ہوتا۔ بہت سے زائرین اپنے آقاؤں کے چُنگل سے فرار ہو چکے تھے۔ صلیب اور علم کو

اُنھوں نے اپنا سہارا بنالیا تھا۔فرانسیسی بادشاہوں کی حکمت عملی یہ تھی کہ ان کوروکنے کے لیے ان کوآزادافراد کے سارے حقوق اور استحقاق ادا کر دیے جائیں۔یروشلم کی عدالتوں میں یہ بڑے زورشور سے کہا گیا کہ عدالتِ زعما جب کوئی جاگیردار ایک دفعہ بطور رُکن شامل ہوجائے تو وہ عدالت جس کی گاڈفرے بذاتِ خود صدارت کرے اور پھر کوئی دوسری عدالت قائم کی جائے جس میں اُس کی نمائندگی اُس کا کوئی نائب کرے تو یہ دوسری عدالت بادشاہ کی شہری (عوامی) عدالت پر مقدم ہوگی۔مگر اس کے ارکان مملکت کے افراد میں سے ہی منتخب کیے جاسکیں گے۔یہ ارکان اپنے ہم مرتبہ افراد میں سے قانون کے علم، تجربے اور شرافت میں ممتاز افراد میں سے منتخب کیے جائیں گے۔نئے شہروں کی فتح اور آبادی کے بعد ہر شہر کو یروشلم کے نمونے پر ہی تعمیر کیا جاتا۔اس سے قبل کہ یروشلم ہاتھ سے نکلتا، تیس ایسے مزید شہر آباد کر لیے گئے تھے جن میں بلدیاتی ادارے موجود تھے۔رعایا میں ایک دوسری جماعت بھی موجود تھی جو شامی الاصل تھے، یا انھیں مشرقی عیسائی کہا جاسکتا ہے۔یہ لوگ کلیسائی اراکین کے ظلم وستم کے ہاتھوں پس چکے تھے مگر ریاست ان کا تحفظ کرتی اور انھیں برداشت کرتی۔گاڈفرے نے ان کے معقول مطالبات کو فوراً تسلیم کر لیا اور اُن کے قومی قوانین بھی تسلیم کر لیے۔اُن کے معاملات کو طے کرنے کے لیے ایک تیسری عدالت بھی قائم کر دی گئی۔اس کا دائرہ کار صرف ان افراد تک ہی محدود تھا۔اس کے اراکین بھی شامی ہی تھے۔وہ نہ صرف شامی نسل سے تھے بلکہ مقامی زبان سے بھی بخوبی آشنا تھے اور مذہبی بھائی بھی تھے۔مگر صدر کی (عربی زبان میں صدر کے عہدے کے لیے رئیس کی اصطلاح مروج ہے) ذمہ داریاں رئیس بلدیہ کو عطا کر دی جاتیں۔ان عدالتوں کے رُتبے سے کسی حد تک کم مرتبے کی حامل بورجیسی عدالتیں تھیں اور اجنبی افراد، یروشلم کی عدالتوں کے مطابق غلام اور غلط کار تھے۔دہقان اور جنگی قیدی جنھیں بالعموم نجی جائیداد ہی سمجھا جاتا، کوئی قانون ساز ادارہ انھیں مساوات انسانی فراہم کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔حالانکہ انھیں صحیح معنوں میں بحالی کی ضرورت تھی۔یہ مفرور نہ تھے اور انھیں اس جُرم میں سزا بھی نہ دی جاسکتی تھی۔یہ نہ شکاری کتے تھے اور نہ عقاب تھے کہ ہاتھ سے نکل جاتے۔اور اگر کھو جاتے تو ان پر دوبارہ قابو پالیا جاتا۔اگر آپ کے پاس ایک شہباز یا ایک غلام ہے تو دونوں کی قیمت برابر ہوگی۔مگر تین غلاموں کو بارہ بیلوں کے برابر سمجھا جاتا اور ان سب کی مجموعی قیمت ایک جنگی گھوڑے کے برابر ہوتی جو تین سو طلائی ٹکڑوں پر مل جاتا۔مبارزت کے اس دور میں یہی قیمت مقرر تھی یعنی ایک شریف حیوان کے مساوی۔

☆☆☆

(۵۹)

یونانی سلطنت محفوظ رہی — دوسری اور تیسری صلیبی جنگوں میں شامل تعداد — راستہ اور واقعات، سینٹ برنارڈ (St.Bernard) — مصر اور شام پر صلاح الدین کی حکومت — یروشلم کی فتح —شہنشاہ فریڈرک (Fredric) دوم فرانس کا لوئیس (Louis) نہم اور دو آخری صلیبی جنگیں — مملوک نے فرینکوں (Franks) کو باہر نکال دیا۔

یونانی سلطنت محفوظ رہی — دوسری اور تیسری صلیبی جنگوں میں شامل تعداد — راستہ اور واقعات، سینٹ برنارڈ — مصر اور شام پر صلاح الدین کی حکومت — یروشلم کی فتح —شہنشاہ فریڈرک دوم فرانس کا لوئیس نہم اور دو آخری صلیبی جنگیں — مملوک نے فرینکوں کو باہر نکال دیا۔

تاریخی اسلوب بیان کے مقابلے میں، ذرا کم سنجیدہ انداز میں، میں الیکسی اوس کا موازنہ اس گیدڑ سے کروں گا جو شیر کے پیچھے پھرتا رہتا ہے اور جہاں کہیں اسے بچا کھچا مل جائے، کھا لیتا ہے۔ پہلی صلیبی جنگ کے دوران راستہ فراہم کرنے میں وہ جس خوف میں مبتلا تھا، اور جن خطرات سے بچنے کے لیے وہ جو مشقیں کرتا رہا تھا۔ ان کی، مابعد کے واقعات اور فرانک کی کامیابیوں کی وجہ سے کماحقہ تلافی ہو گئی۔ نائس کی پہلی فتح میں تو اس کی چابکدستی اور احتیاطی تدابیر کا خاصا دخل تھا۔ جب ترک اس خطرناک مقام کو چھوڑ گئے تو انھیں قسطنطنیہ کے قرب و جوار کا علاقہ بھی خالی کرنا پڑا، جبکہ صلیبی اپنی بے بصارت اور احمقانہ جرأت کے باعث ایشیا کے اندرونی ممالک میں گھس گئے۔ جب ساحلی علاقوں کے امیروں کو سلطان نے اپنے پاس بلا لیا تو یونانیوں کو موقع مل گیا کہ وہ اپنی حالت بہتر بنا لیں، ترکوں کو رہوڈز اور تی اوز (Ctios) کے جزائر سے باہر نکال دیا گیا۔ فرات کے شہر اور سمرنا، سردیس، فلاڈلفیا کے علاوہ لاؤدیقیا پر بھی سلطنت یونان کا قبضہ بحال ہو گیا اور الیکسی اوس نے اپنے علاقوں کو دردانیال سے لے کر مائی اینڈر اور پمفائکیا کی پتھریلی چٹانوں تک وسیع کر لیا۔ گرجا گھروں کی شان و شوکت بحال ہو گئی۔ قصبوں کو دوبارہ تعمیر کر کے قلعہ بند کر دیا گیا۔ اور صحرائی علاقوں میں عیسائیوں کی نو آبادیاں قائم ہو گئیں اور انھیں آباد کر دیا گیا۔ ان کو بتدریج سرحدی اور دور افتادہ علاقوں تک پھیلا دیا گیا۔ اسے اپنے ملک کا اتنا خیال تھا کہ اسے یہ یاد نہ رہا اسے مرقد مسیح کو بھی آزاد کرانا چاہیے تھا۔ مگر لاطینی اس پر یہ الزام عائد کرتے تھے کہ اس نے ان سے ہمیشہ غداری کی ہے اور دھوکا دیا ہے اور ہر موقع پر راہ فرار اختیار کی ہے وہ ہمیشہ اس کے تخت کے وفادار رہے تھے۔ اگر چہ اس نے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ ان کی مدد کرے گا۔ وہ خود بھی ان کی مہم میں شامل ہو گا، یا اپنی افواج اور خزائن سے مدد فراہم کرے گا۔ اس کی کمینہ

پسپائی کی وجہ سے ان پر بھی اس کے متعلق کوئی ذمہ داری باقی نہ رہی۔ اور وہ تلوار جوان کی فتح کی وجہ ثابت ہوئی تھی، اب از روئے انصاف ان کی آزادی کا سہارا بن گئی۔ یہ تو ظاہر نہیں ہوتا کہ شہنشاہ نے یروشلم پر اپنی حکومت کی بحالی کا کبھی دعویٰ کیا ہو، مگر قلیقیا اور شام کے سرحدی علاقوں پر اس نے قبضہ کرلیا۔ کیونکہ یہ علاقے اس کی افواج کی باسہولت رسائی میں تھے۔ صلیبیوں کی عظیم فوج یا تو ختم کر دی گئی یا منتشر کر دی گئی۔ انتاخ کے بڑے بڑے علاقے سے تو یہ لوگ آخری شخص تک چلے گئے۔ ایک تو یہ بوہی مانڈ کے گرفتار ہو جانے کی وجہ سے پشیمان ہو گئے اس کا تاوان اتنا زیادہ مقرر کیا گیا تھا کہ وہ مقروض ہو گیا اور اس قرضے کے دباؤ میں آ گیا۔ اور اس کے نارمن ساتھی یونانیوں اور ترکوں کی دشمنی کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس مایوسی کے عالم میں بوہی مانڈ نے ایک عظیم الشان تدبیر اختیار کی۔ انتاخ کا دفاع تو اس نے اپنے متعلقین کے حوالے کیا۔ اور وفادار ٹانکریڈ کو وہاں چھوڑ کر خود مغرب میں چلا گیا، تاکہ بازنطینی حکومت کیخلاف راہ ہموار کرے۔ یہ وہ منصوبہ تھا جو اس نے اپنے باپ گائسکارڈ سے وراثت میں حاصل کیا تھا اور اس کے متعلق سبق بھی پڑھے تھے اس کی وہاں سے روانگی بھی ایک چالبازی کا نتیجہ تھی اور اگر ہم شہزادی این (Anne) کی ایک داستان پر اعتماد کر سکیں تو اس نے یہ سفر اپنے آپ کو ایک کفن میں لپیٹ کر طے کیا۔ مگر جب یہ فرانس پہنچا تو عوام نے اس کے استقبال کے دوران جوش و خروش سے نعرے لگائے اور بادشاہ کی بیٹی سے اس کی شادی کر دی گئی۔ اس کی واپسی بہت شاندار رہی۔ اس عہد کے پادریوں کی اسامیوں کو پُر کرنے کا فرض اس کے ذمے عائد کر دیا گیا۔ جب اس نے دوبارہ ایڈریاٹک عبور کیا تو اس کے ہمراہ پانچ ہزار رسالے کے سوار، اور چالیس ہزار پیدل فوجی تھے جو یورپ کے ان حصوں سے آئے تھے، جہاں کا موسم بہت سرد تھا۔ دورازو کی قوت اور الیکسی اوس کی ہوشیاری، قحط کے مصائب اور موسم سرما کی آمد نے مل کر اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور اس کے متعدد اتحادی اور ساتھی اس کے علم سے الگ ہو گئے۔ یونانیوں کے خوف کو ایک معاہدۂ امن کے سہارے ٹال دیا گیا مگر جلد ہی اہل یونان کو ایک شخص کی موت نے ایسے دشمن سے نجات دلا دی جو نہ کسی حلف پر قائم رہتا تھا نہ کسی خطرے سے ڈرتا تھا اور نہ دولت اسے مطمئن کر سکتی تھی۔ اس کی اولاد انتاخ کے بڑے شہر میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔ مگر اب حدود کا سختی سے تعین کر دیا گیا تھا۔ اگرچہ ان کا شاندار استقبال ہوا اور طرسوس اور مال سطرہ کے شہر بازنطینی سلطنت کو واپس مل چکے تھے۔ اناطولیہ کے ساحل سے آگے تمام وسیع علاقہ ان کے قبضے میں تھا جو طربی زونڈ سے لے کر شام کے دروازوں تک پھیلا ہوا تھا۔ روم (Roum) کا خاندان سلجوق سمندر کے تمام اطراف میں بکھرا ہوا تھا، جہاں

تک ان کے مسلمان بھائیوں یعنی سلاطین کی قوت کا تعلق تھا اسے فرنگیوں کی فتوحات اور بعد کی شکستوں نے ہلا کر رکھ دیا تھا اور جب نائس بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا تو انھوں نے اپنا پایۂ تخت کوگنی میں منتقل کر لیا تھا۔ جو ساحل سمندر پر واقع قسطنطنیہ سے تین سو میل خشکی کے اندر واقع تھا۔ اب وہ اپنے دارالحکومت کے لیے لرزہ براندام نہ تھے۔ کومنینی بادشاہوں نے ترکوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی، دوسری طرف پہلی صلیبی جنگ کا آغاز ہو گیا۔ اس کی وجہ سے ان کی لرزیدہ حکومت کی دیوار مکمل تباہی سے بچ گئی۔

بارھویں صدی عیسوی میں تین بہت بڑی جماعتیں نقل مکانی کر کے یورپ سے بذریعۂ خشکی فلسطین کی مدد کے لیے آئیں۔ ان میں لومبارڈی، فرانس اور جرمنی کے سپاہی اور زائرین شامل تھے۔ انھوں نے پہلے صلیبی جنگ بازوں کی نقل کی اور وہ ان کی کامیابیوں سے متاثر بھی تھے۔ مرقد مسیح کی آزادی کے اڑتالیس سال بعد شہنشاہ اور شاہ فرانس کونراڈ سوم اور اور لوئیس ہفتم نے دوسری صلیبی جنگ کی تیاری کا آغاز کیا تاکہ لاطینیوں کی گرتی ہوئی قسمت کو سہارا دیا جائے۔ تیسری صلیبی جنگ کے لیے ایک بہت بڑا لشکر شہنشاہ فریڈرک باربروسا کی زیر نگرانی روانہ ہوا۔ اس کے دل میں اپنے فرانسیسی اور انگریز بھائیوں کے لیے ہمدردی پیدا ہوئی۔ یروشلم کا نقصان تمام یورپ کے لیے یکساں تھا۔ ان تینوں مہمات میں ایک شے یکساں تھی وہ یہ کہ ان سب میں شامل افراد کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ پھر یہ تینوں مہمات یونان کے راستے آئیں اور تینوں کا پہلا مقابلہ ترکوں سے ہوا۔ اگر اس موازنے کا بیان اختصار سے کیا جائے تو یہ امر بہت مشکل ہوگا بہرحال اسے جس قدر بھی شاندار سمجھا جائے آپ جتنا بھی مغز کھپائیں ایک امر تو یکساں ہی رہے گا۔ اسباب بھی یکساں ہوں گے اور نتائج بھی یکساں برآمد ہوں گے۔ ہر دفعہ آپ کو ارض مقدس کی آزادی کا مقصد دکھائی دے گا اور معلوم ہوگا کہ آپ پہلے بیان کی دوبارہ یا سہ بارہ نقل کرتے جا رہے ہیں۔

۱۔ انسانوں کا وہ ٹڈی دل جو پہلے زائرین کے نقوش پا پر چلتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کے تمام سرداروں کا رتبہ باہم مساوی تھا۔ اگرچہ ان کی شہرت اور استحقاق مساوی نہ تھے۔ یہ بوئی لون کے گاڈفرے کا رتبہ حاصل کرنے کے اہل نہ تھے بلکہ اس کے ساتھی مہم جوؤں کے برابر بھی نہ تھے۔ ان کے علم بردار برگنڈی، بولریا یا اور ایکوئٹین کے ڈیوک تھے، ان میں سے اول تو ہاؤ قاپیط کی نسل سے تھا، اور دوسرا برونس وک کے سلسلے کا والد تھا۔ میلان کا اسقف اعظم جو ایک دنیا دار شہزادہ تھا، اس کے گرجے کے تمام خزانے اور آرائشی سامان ترکوں کے مفاد میں خرچ ہو چکا تھا اور تجربہ کار سفیر، عظیم ہاؤ، اور چارٹریس کا سٹیفن بھی واپس آ گئے تا کہ اپنی نارسیدہ قسم کی

تکمیل کرلیں۔ان کے ہمراہ ہراول دستے کے افراد کے جسم بہت موٹے تازے تھے اور ان کا قد و قامت بھی غیر معمولی طور پر بلند تھا۔ان کی دو صفیں ترتیب دی گئی تھیں۔ پہلے حصے میں دو لاکھ ساٹھ ہزار افراد شامل تھے۔ اور دوسرے میں غالباً ساٹھ ہزار سوار اور ایک لاکھ پیدل افراد شامل تھے۔دوسری صلیبی جنگ میں شامل افواج غالباً پورا ایشیا فتح کر سکتی تھیں۔مگر جرمنی اور فرانس کے شرفا اپنے بادشاہوں کی موجودگی کی وجہ سے جذباتی ہو رہے تھے۔کونراڈ اور لوئیس کا ذاتی کردار اور مرتبہ، افواج میں نظم و ضبط پیدا کرنے کا دوسرا بڑا سبب تھا۔ جاگیرداروں کی موقع پر موجودگی کا یہ بھی ایک بڑا سبب تھا۔شہنشاہ کا رسالہ جس کے ساتھ بادشاہ کا رسالہ بھی شامل تھا۔ ہر دو میں ستر، ستر ہزار مبارز شامل تھے اور ان کے ہمراہ وہ محافظین بھی تھے جن کی موجودگی میدان جنگ میں لازمی ہوتی ہے،اور اگر ہلکے اسلحہ کے سپاہی، کسان اور پیدل افواج کی تعداد کو حذف بھی کر دیا جائے۔ بچوں،عورتوں اور راہبوں کی تعداد کو بھی سختی سے شامل نہ کیا جائے،تو مجموعی تعداد پھر بھی چار لاکھ نفوس سے کسی طرح کم نہ ہوتی۔مغربی دنیا روم سے لے کر برطانیہ تک،تمام اس حملے میں شامل ہوگئی تھی۔پولینڈ اور بوہیمیا کے بادشاہوں نے بھی شمولیت کی دعوت کو قبول کرلیا۔اور یونانی اور لاطینی اس کی تائید کرتے ہیں، کہ دریاؤں اور آبناؤں کی گزرگاہوں میں بازنطینی مختار نو ہزار کی تعداد میں نگرانی کے لیے موجود تھے۔ان سب کو اگر شمار کرلیا جائے تو یہ بے انتہا اور ناقابل تسخیر تعداد بن جاتی تھی۔تیسری صلیبی جنگ میں، جبکہ فرانسیسیوں نے بحیرۂ روم کے راستے کو بحری سفر کے لیے ترجیح دی،تو فریڈرک باربروسا کے پاس فوج اتنی بڑی تعداد میں نہ تھی۔پندرہ ہزار جنگجو تھے اور اسی تعداد میں ان کے نائب بھی تھے۔یہ تمام جرمنی کے چنے ہوئے سپاہی تھے۔ان میں شامل ساٹھ ہزار سوار اور ایک لاکھ پیدل فوجیوں کو دو دفعہ شمار کرلیا گیا تھا۔اس لیے ہمیں چھ لاکھ کی تعداد پر متعجب نہیں ہونا چاہیے۔آخری نقل مکانی کے سلسلے میں یہی تعداد بیان کی جاتی ہے اس حیرت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اس انبوہِ کثیر کو کسی نے کبھی شمار ہی نہیں کیا جو زائرین کی صورت میں اس مجموعی تعداد میں شامل ہوگیا تھا۔یونانیوں کو اپنے علوم اور فنونِ حرب پر بہت ناز تھا۔مگر وہ تسلیم کرتے ہیں کہ فرانسیسی رسالے اور جرمن پیدل فوج کی قوت بہت زیادہ تھی اور ان اجنبیوں کو ان کے جسم و جثے کے حوالے سے فولادی نسل کا نام دیا جاتا ہے ان کی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں۔جن کی وجہ سے خون آلود محلول زمین پر گرتا رہتا ہے۔کونراڈ کے زیرکمان ایک زنانہ لشکر بھی تھا۔جو مردانہ انداز میں سواری کرتا اور مردانہ اسلحہ بھی استعمال کرتا۔اور اس زنانہ لشکر کی سردار اپنی وردی مہمیز اور رکابوں کی وجہ سے ایسی نظر آتی تھی کہ اس کے پاؤں سونے کے ہیں۔

۲۔یونانی فوجی کردار کے لحاظ سے زنانہ بن چکے تھے اور اس خوف کی وجہ سے ان کے اندر نفرت کے جذبات بھی پیدا ہو چکے تھے۔ترکوں کی طاقت کو یہ احتمال موجود تھا۔وہ یہ خیال بھی کرتے تھے کہ شاہ یونان الیکسی اوس،ان کی گستاخی کو برداشت نہیں کرے گا۔مگر ان کی مخالفت بھی مول نہیں لے گا اور انھیں راستہ دے دے گا۔کہ وہ زیارت اور فتوحات کے لیے اپنا سفر جاری رکھ سکیں۔جب ترکوں کو نائس اور ساحلی علاقوں سے باہر نکال دیا گیا تھا۔اس کے بعد یونانی کوگنی کے دور افتادہ سلطان سے بےخوف ہو چکے تھے۔البتہ وہ مغربی وحشیوں کی اس جسارت پر نالاں تھے کہ وہ جب چاہیں، اپنی مرضی کے مطابق تعداد جمع کر کے اپنا راستہ خود مقرر کر لیتے ہیں۔اس سے شہنشاہ کا وقار اور ملک کی سلامتی داؤں پر لگ جاتی ہے۔دوسری اور تیسری صلیبی جنگ،مینوئل کومنی نوس اور آئزک اینجیلوس کے دورِ حکومت میں پیش آئی۔اول الذکر میں تو جذبات ہمیشہ بے قابو اور اندھے ہو گئے۔اس میں شرارت اور غضب دونوں کا امتزاج مل کر ایک برا نمونہ وجود میں آ جاتا۔جس میں نہ استحقاق ہوتا نہ اس کے لیے رحم کی گنجائش ہوتی۔ظالم کے لیے سزا ناگزیر ہو جاتی۔لہٰذا اس کے تحت پھر بھی قبضہ کر لیا جاتا۔یہ معاملہ باشادہ نے رازداری سے یا غالباً خاموشی سے حل کرلیا اور اپنے خلاف شواہد کو ضائع کر دیا یا ان کی حوصلہ شکنی کر دی گئی۔نقل مکانی کر کے آنے والے زائرین خواہ ان کا تعلق کسی بھی نسل سے ہوتا انھیں جراحت یا تشدد سے محفوظ کر دیا گیا اور حصول مواقع کے امکانات کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا۔ مغربی حکمرانوں کو یہ توقع تھی کہ زائرین اور صلیبی جنگ بازوں کو ہر عیسائی ملک میں آزادانہ سفر اور اشیائے صرف کی خرید کے لیے کھلی اجازت ہوگی۔حلفیہ معاہدوں پر دستخط کرا لیے گئے تھے۔اور فریڈرک کی فوج کے مفلس سپاہیوں کو چاندی کے تین سکے فی کس دے دیے گئے تھے تاکہ دوران مسافت ضروریات زندگی خرید سکیں۔یونانی مؤرخین لاطینیوں کی شکایات کی تصدیق کرتے ہیں۔یہ ایسے لوگ ہیں کہ انھوں نے ملکی مفاد پر صداقت کو ترجیح دی۔مہمان نوازانہ خوش آمدید کی بجائے، یورپ اور ایشیا دونوں میں ان کے لیے شہروں کے دروازے بند کر دیے گئے۔صلیبیوں کو ان میں داخلے کی سہولت قطعاً بند کر دی گئی۔اور شہر کی فصیلوں پر سے خوراک ٹوکریوں میں ڈال کر نیچے لٹکا دی جاتی۔یہ تجربے کی بنا پر ہوگا یا خوف نے بزدلانہ حسد پیدا کر دیا ہوگا لیکن انسانیت کے تقاضے کی وجہ سے خوراک میں کھریا مٹی یا دیگر زہریلی اشیا کی ملاوٹ کی اجازت نہ تھی۔ روٹی بھی ملاوٹ سے محفوظ رہی۔مینوئل پر اس نوعیت کی سازش کا قطعاً کوئی الزام عائد نہیں کیا جا سکتا کہ وہ زائرین کے ساتھ تجارت کے لیے کھوٹے سکے تیار کیا کرتا تھا۔اپنی مسافت کے ہر قدم پر انھیں روک لیا جاتا یا

غلط راہ پر ڈال دیا جاتا۔ گورنر کو خفیہ احکام مل چکے تھے کہ تمام دروں کی قلعہ بندی کر دی جائے۔ اور ان کے راستوں میں پڑنے والے پل توڑ دیے جائیں جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرتا، جو اس کے خلاف جدو جہد کرتا، اسے لوٹ لیا جاتا، یا قتل کر دیا جاتا۔ جنگلات میں سفر کے دوران گھوڑوں اور سپاہیوں کو تیر مارے جاتے۔ یہ معلوم نہ کیا جا سکتا کہ تیرانداز کون ہیں۔ جو بیمار ہو جاتے ان کو ان کے بستروں ہی میں جلا دیا جاتا اور مردوں کے ساتھ ساتھ سولیوں پر لٹکا دیا جاتا۔ یہ مظالم ان کی طرف سے ڈھائے جاتے جو اپنے آپ کو صلیب کے حامی کہتے۔ مگر ان میں مذہبی نیکوکاری، کوئی خوبی یا نیکی موجود نہ تھی۔ نہ ہی مذہب پر عمل کا حوصلہ تھا۔ بازنطینی حکمرانوں نے ایک غیر مساوی اختلاف کا آغاز کر دیا تھا اور ان ناقابل تسخیر مہمانوں کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ جلد از جلد ان کی مملکت سے باہر نکل جائیں۔ جب وہ ترک ممالک کی سرحدوں پر پہنچے تو باربروسا نے مجرم فلاڈلفیا کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔ البتہ لاؤڈیقیا کی مہمان نوازی کا انعام ضرور عطا کیا اور اس پر تأسف کا اظہار کیا کہ اسے سخت مجبوری کے تحت بعض مواقع پر عیسائیوں کا خون بہانا پڑا۔ اور اس کی تلوار آلودہ ہوئی۔ جرمنی اور فرانس کے بادشاہوں سے مکالمات کے دوران، یونانیوں کے فخر کو ایک کڑے امتحان سے گزرنا پڑا۔ وہ فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ پہلی ملاقات میں کہ لوئیس کو مینوآل کے تحت کے قریب ایک چھوٹی تختی پر بٹھایا گیا۔ مگر جونہی اس کو ایک دوسری مجلس کے لیے پیش کش کی گئی۔ تو اس نے شمولیت کے لیے یہ شرط عائد کر دی کہ ایک بھائی کو دوسرے سے برابر بنیادوں پر ملاقات کرنی ہوگی۔ یہ ملاقات سمندر یا خشکی پر حسب ضرورت ہو سکتی ہے۔ جبکہ کونراڈ اور فریڈرک کے ساتھ ملاقات میں گرم جوشی اور رسمی لحاظ سے عمدہ ماحول قائم تھا۔ قسطنطین کے جانشینوں کی طرح وہ اپنے آپ کو یورپی یا رومی کہتے تھے اور اپنے اس خطاب نے خالص ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور اپنے وقار کا بھی خاص خیال رکھتے تھے۔ شارلمین کے پہلے نمائندے کو صرف اس قدر اجازت ملی کہ وہ کھلے میدان میں مینوآل کے گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر ملاقات کر سکا۔ اور دوسرا دردانیال میں دوران سفر مل سکا مگر آبنائے باسفورس میں اسے ملاقات کی اجازت نہ ملی۔ اس نے قسطنطنیہ اور اس کے بادشاہ کی شکل دیکھنے سے انکار کر دیا۔ وہ شہنشاہ جس کی روم میں تاجپوشی ہوئی تھی وہ یونانی مکتوبات میں ایک عام بادشاہ کے خطاب سے مخاطب کیا جانے لگا یا اسے شاہ آلمانی (جرمن) لکھا جانے لگا۔ یہاں تک کہ عاجز اینجیلوس کو تو یہ علم بھی نہ تھا کہ اس دور کے سب سے بڑے شہنشاہ کا نام کیا ہے۔ اگرچہ وہ لاطینی زائرین کو نفرت اور شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یونانی بادشاہ ترکوں اور عربوں سے مخلصانہ اتحاد اور دوستانہ تعلقات قائم رکھتے تھے

آئزک اینجیلوس نے شکایت کی کہ اس کی عظیم صلاح الدین کی دوستی کی وجہ سے فرینک اس کے دشمن ہو گئے تھے۔ انہی ایام میں قسطنطنیہ میں ایک مسجد کی بنیاد بھی رکھ دی گئی۔ تاکہ مسلمان اس میں جمعہ کی نماز ادا کر سکیں۔

۳۔ وہ زائرین کے ٹڈی دل جو پہلی صلیبی جنگ کے بعد آنے شروع ہوئے، انھیں اناطولیا میں قحط، بیماریوں اور ترکوں کے تیراندازوں نے ختم کر دیا۔ اور بادشاہ اپنے چند سواروں کے ہمراہ اس عذاب سے بچ کر نکلے تاکہ وہ زیارت کا فرض پورا کر سکیں۔ ان کے علم اور انسانیت کے متعلق ایک منصفانہ اندازہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ ان کا ارادہ تھا کہ یروشلم جاتے جاتے یہ راستے میں فارس اور خراسان پر بھی قبضہ کر لیں گے تاکہ وہ عیسائیوں کے قتل عام کا بدلہ لے سکیں۔ صرف ایک ہی دوست شہر جوان کے راستے میں آیا جہاں سے انھیں کھجوریں دستیاب ہوئیں۔ جتنے لوگ ان سے ملنے آئے سب کے ہاتھ میں صلیبیں تھیں۔ باقی تمام علاقہ ان کے دشمنوں کا حامی تھا۔ کونراڈ اور لوئیس نے بہت زیادہ ظلم نہیں کیا اور عقل مندی سے کام لیا۔ مگر دوسری صلیبی جنگ میں جو واقعات پیش آئے ان میں عیسائیوں کا بہت نقصان ہوا۔ شاہ یونان مینوآل پر خود یونانی یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ ترکوں کو انتہائی مفید اطلاعات فراہم کرتا رہتا تھا۔ اور لاطینی شہنشاہ کی حفاظت میں غداری سے کام لیتا تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ مشترکہ دشمن کو تباہ کرتا اور بیک وقت دونوں اطراف سے حملہ کیا جا سکتا۔ جرمن اپنے اقتدار کے لیے لڑتے رہے اور فرانس اپنے حسد کی وجہ سے مات کھا گئے۔ لوئیس ابھی باسفورس سے باہر نکلا ہی تھا کہ اس نے بادشاہ کی مراجعت کے دوران اس سے ملاقات کر لی۔ وہ ایک شاندار جنگ لڑ کر واپس آ رہا تھا۔ جس میں اس کی فوج کا بڑا حصہ مائی اینڈر کے ساحلوں پر ضائع ہو گیا۔ جب کونرڈ نے اپنے حریف کی شان و شوکت ملاحظہ کی تو وہ مراجعت پر مجبور ہو گیا۔ اس کے آزاد اتحادی اسے چھوڑ کر فرار ہو گئے اب اس کے پاس وہ فوجی رہ گئے تھے جو ماضی سے اس کے خاندان کے ساتھ منسلک رہے تھے۔ اس نے یونانیوں سے مدد حاصل کی تاکہ وہ فلسطین کی زیارت سے مستفید ہو سکے۔ اس نے نہ تو سابقہ تجربات سے فائدہ اٹھایا اور نہ جنگ کی نوعیت پر غور کیا۔ شاہ فرانس بھی اس ملک سے اسی نوعیت کے انجام کے ساتھ واپس فرار ہو گیا۔ وہ ہراول دستے جن کے پاس فوج کا علم تھا اور وہ سینٹ ڈینیز کی یاد میں عیسائیت کی مدد کر رہے تھے۔ انھوں نے بغیر سوچے سمجھے اپنی پیش قدمی میں تیزی اختیار کر لی اور عقب کی کمان بادشاہ خود کر رہا تھا۔ وہ اپنے تمام ساتھیوں سے محروم ہو گیا اور رات کے پڑاؤ میں وہ بے یار و مددگار رہ گیا۔ رات کے اندھیرے میں بغیر کسی نظم و ضبط کے یہ گھیرے میں آ گئے اور ان پر حملہ کر دیا گیا۔ اور بارھویں صدی میں جس قدر بڑا اجتماع

ممکن تھا وہ ان پر ٹوٹ پڑا۔ اسی اثنا میں یہ انتہائی تکلیف دہ حالت میں ایک درخت پر چڑھ گیا۔ اس کے مخالفین کو اس کے متعلق کچھ پتا نہ چلا اور یہ اپنی بہادری کے بل بوتے بچ کر نکل گیا۔ جب صبح ہوئی تو وہ زندہ تھا مگر اب وہ خشکی کے راستے اپنی مہم سر کرنے کی بجائے ایک دوستانہ بندرگاہ سطالیہ کی طرف بچ کر نکل گیا۔ وہاں سے یہ انتاخ کے لیے بحری راستے پر روانہ ہوگیا۔ مگر یونانی جہازوں کی حالت ایسی تھی کہ وہ اسے اس کے شرفا اور فوجی افسروں تک ہی لے جاسکے۔ اس کے ہمراہ جو دیہاتی آبادی کا ہجوم تھا وہ پامفیلیا کی پہاڑوں کے دامن میں فنا ہوگیا یروشلم میں بادشاہ اور شہنشاہ کی ملاقات ہوئی اور یہ دونوں گلے مل کر خوب روئے۔ ان کے جنگجوؤں کا سلسلہ جو ان کی افواج کے باقی ماندہ حصے کی باقیات پر مشتمل تھا، یہ لشکر شام کی عیسائی قوتوں کے ساتھ شامل ہوگیا۔ دمشق کا ایک ناکام محاصرہ عمل میں لایا گیا۔ دوسری صلیبی جنگ کا یہی ماحصل تھا۔ کونراڈ اور لوئیس یورپ کی سمت روانہ ہوگئے۔ ان کے ذاتی حوصلے اور نیکی کی بہت زیادہ تعریف کی گئی مگر فرینکوں نے جو لمحات مشرق میں گزارے، مقامی آبادی کے لیے انھیں برداشت کرنا انتہائی کٹھن تھا۔ وہ اپنی افواج اور نام کے باعث ہمیشہ خوف ناک نظر آئے اہل مشرق کو غالبًا ابھی فریڈرک اول کی صورت میں ایک اور خوفناک عفریت کو برداشت کرنا تھا۔ یہ شخص اپنے عہد شباب میں اپنے چچا کونراڈ کے ہمراہ مشرق میں خدمات بجالاتا رہا تھا۔ اٹلی اور جرمنی میں چالیس مہمات ہوچکی تھیں، جن کے نتیجے میں ان وحشی اقوام کو لڑنے کی صلاحیت حاصل ہوچکی تھی اور اس کے لشکری لڑنے کے عادی ہوچکے تھے اور باربروسا کو لشکریوں کی کمان کی مہارت حاصل ہوچکی تھی۔ اس دور کے فرمانروا بھی اس کا حکم ماننے لگے تھے۔ جونہی یہ فلاڈلفیا اور لاؤدیقیا سے اوجھل ہوا، یہ دونوں شہر یونانیوں کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ اس کے بعد اسے تھورزدہ صحرا میں داخل ہونا پڑا (مؤرخین کا کہنا ہے) کہ یہ ایک ایسی سرزمین تھی، جو انتہائی خوفناک تھی اور اس میں فسادات بھی برپا ہوتے رہتے تھے اور وہ یہاں بیس ایام سفر کرتا رہا۔ ہر ہر قدم پر ترکمانوں نے اس کا محاصرہ کیا۔ ان کو جب بھی شکست ہوئی ان کے غضب میں اسی قدر اضافہ ہوجاتا۔ مگر دشمن بھی نقصان اٹھانے کے باوجود اپنی کوشش جاری رکھتا۔ اس کی مشکلات کا معیار یہ تھا کہ جب وہ آئی کونی اوم کے دروازہ پر پہنچا تو اس کے ہمراہ ایک ہزار مبارز گھوڑوں پر سوار موجود تھے۔ ایک اچانک اور بھرپور حملہ کیا گیا۔ اور اس نے محافظین کو قتل کردیا اور شہر پر طوفان کی طرح مسلط ہوگیا۔ یہ شہر سلطان کا دارالحکومت تھا۔ سلطان نے عاجزی سے معافی وامن کی درخواست کی۔ اب شاہراہ کھل چکی تھی۔ اور فریڈرک نے فتح یاب ہوکر پیش قدمی شروع کردی۔ یہاں تک کہ وہ قلیقیا کے ایک چھوٹے سے نالے میں گر کر ڈوب

گیا۔ جرمن قوم کی باقیات یا تو بیمار ہوکر مرگئیں یا وہ لوگ فرار ہوگئے۔ شہنشاہ کا بیٹا اپنے ہمراہی صوابیوں کے ساتھ ایکرے کے محاصرے میں کام آگیا لاطینی بطال ان میں سے بوئی لون کا گاڈفرے اور فریڈرک باربروسا دو اشخاص ہی ایشیائے کوچک کے راستے پر جانے کے قابل ہوسکے۔ اس کے باوجود ان کی کامیابی میں ابھی ایک انتباہ موجود تھا۔ ازمنۂ اُخریٰ میں جبکہ تجربے میں اضافہ ہوچکا تھا۔ تمام صلیبی گروہوں نے سمندر کے سفر پر خشکی کے سفر کو ترجیح دی۔

پہلی صلیبی جنگ میں جو جوش وخروش پیدا ہوا۔ وہ ایک سادہ اور فطری امر تھا۔ امیدیں تازہ تھیں۔ مگر خطرات کا تجربہ نہیں ہوا تھا اور مہم جوئی اس عہد کے رواج کا ایک لازمی حصہ تھا۔ مگر جس انداز میں یورپ اس مقصد پر ڈٹا رہا اس پر ہمیں ان پر رحم بھی آتا ہے اور کسی حد تک تعریف بھی کرنی پڑتی ہے مگر انھوں نے اپنے سابقہ تجربات سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ ایک ہی نوعیت کی ناکامیاں ہوئیں اور اسی نوعیت کا اعتماد دوبارہ محرک ثابت ہوا۔ یہ عجیب معلوم ہوتا ہے کہ متواتر چھ نسلیں ایک ہی نوعیت کی سیدھی ڈھلوان سے پھسلنے کی کوشش میں مصروف رہیں۔ راستہ تو ان کے لیے ہمیشہ کھلا تھا۔ مگر جو مسئلہ ہمیشہ ان کی سمجھ سے بالاتر رہا وہ یہ تھا کہ اس عمل میں تمام ایسی مشکلات شامل تھیں کہ ہر مرتبے کے لوگ اپنی نجی اور اجتماعی دولت کو ایک ایسے معاملے میں خطرات میں ڈال رہے تھے، جہاں انھیں کچھ بھی حاصل ہونے کی توقع نہ تھی۔ وہ ایک سنگ مزار پر قبضہ کرنا چاہتے تھے، جو ان کے وطن سے دو ہزار میل دور واقع تھا۔ کلرمونٹ کی کونسل کے بعد دو صدیاں اسی میں بیت گئیں کہ موسم گرما اور بہار میں زائرین جنگ آزماؤں کا گروہ اس سفر پر روانہ ہوجاتا اور ارض مقدس کے دفاع کے لیے مستعد ہوجاتا۔ اور طویل عمل کے دوران کم از کم سات بڑی صلیبی جنگیں وقوع پذیر ہوئیں۔ ان سب کا مقصد ارض مقدس کا دفاع تھا۔ کوئی نہ کوئی بہانہ مل جاتا یا سابقہ مصائب ہی کو دہرا کر نئی مہم کے لیے جوش وخروش پیدا کردیا جاتا۔ اقوام اپنے مذہبی رہنماؤں کے کہنے پر حرکت میں آجاتیں یا اپنے حکمرانوں کی مثال پر عمل کرتیں۔ ان کا جوش دوبارہ بھڑک اٹھتا۔ اور ان کی قوت استدلال ختم ہوجاتی۔ پادریوں کی تقاریر ان کے ہوش وحواس پر غالب آجاتیں۔ ان میں شامل ایک شخص برنارڈ بھی تھا اسے راہب یا ولی کہا جاتا تھا۔ اور لوگ اس کا بڑا احترام کرتے تھے۔ یروشلم کی فتح کے تقریبًا آٹھ سال قبل یہ شخص ایک شریف خاندان میں پیدا ہوا۔ یہ خاندان برگنڈی میں رہائش پذیر تھا۔ جب اس کی عمر تیس سال ہوئی۔ اس نے سٹی اوکس کی خانقاہ میں چلہ کشی شروع کردی۔ یہ بھی قدیم دور کا ایک طریق عبادت تھا۔ دو سال بعد اس نے اسی نوعیت کی ایک تیسری آبادی قائم کر

لی۔ گویا کلیئراؤکس کی وادی میں یہ آبادی اس کی تیسری روحانی بیٹی تھی مگر یہ شیمپیئن ہی میں مطمئن زندگی بسر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہوگئی۔ یہ اپنے ہی قبیلے میں بطور نائب پادری خدمات انجام دیتا رہا۔ فلسفیانہ اسلوب حیات نے ان روحانی بطلان کے اسلوب حیات کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اب تو ان کی ادنیٰ مثالوں کو بعض دماغی توانائیوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بہرحال ان لوگوں کی یہ توانائی ان کے مریدوں اور گروہ کے دوسرے ارکان کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ اوہام پرستی کے اس دور میں یہ لوگ اپنے اپنے طریق کار میں کامیاب رہتے۔ اپنی تحریر و تقریر میں یہ شخص فصاحت و بلاغت میں کسی سے کم نہیں تھا۔ بلکہ برنارڈ کا مقام اپنے ہمعصر میں انتہائی بلند ہے۔ اس کی تحریروں میں مزاح اور فصاحت کا امتزاج ہے۔ اس میں انسانیت نوازی اور راہبانہ انداز بیک وقت موجود ہیں۔ یہ چیزیں غالباً اسے وراثت میں ملی تھیں۔ یہ اپنی زندگی میں مصائب اور افلاس کا شکار رہا اور اپنے سامنے کھلی ہوئی دنیا کے لطائف کو نہ دیکھ سکا۔ اس نے اپنے تمام کلیسائی وقار کو تیاگ دیا۔ اس کے لیے کلیئراؤکس ایک رکاوٹ کی صورت اختیار کر گیا۔ اور اس نے یورپ میں ایک سو ساٹھ خانقاہیں تعمیر کیں۔ یہ عیسائی راہبوں کی آزادی پر جس سختی سے تنقید کرتا ہے۔ کلیسائی کارکن اس سے لرزہ براندام ہو جاتے ہیں۔ فرانس، انگلستان اور میلان کے شہری، اس سے گرجوں اور الحاد کے متعلق دریافت کرتے اور اس کے فتاوی پر اعتماد کرتے۔ اس کے قرضوں کو انوسینٹ دوم کی مہربانی سے ادا کر دیا گیا۔ یہ پوپ کا ذاتی دوست تھا اور وہ اس کا عقیدت مند بھی تھا۔ جب دوسری صلیبی جنگ کا آغاز ہوا تو اسے مبلغ اور خدا کے پیغامبر کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ ارض مقدس اور مرقدِ مسیح کی حفاظت کی جائے۔ اس نے بادشاہ کے سامنے وضیلے (Vezelay) کی مجلس میں تقریر کی۔ اس نے بادشاہ اور لوئیس ہفتم کو بھی مخاطب کیا اور انھیں اپنے ہاتھ سے صلیبیں عطا کیں۔ اس کے بعد کلیئراؤکس ایک آسان مہم پر روانہ ہو گیا یعنی شہنشاہ کونزڈ کو اپنا ہم خیال بنانے کا عزم کر لیا۔ اس کا انداز کلام اور اشارات مؤثر ثابت ہوئے اور قسطانسے سے کولون تک ہر جگہ اسے کامیابی نصیب ہوئی۔ اس کی فصاحت اور ذہانت ہر جگہ کامیاب رہی۔ برنارڈ خود بھی اپنی تعریف کرتا ہے اور وہ مزید کہتا ہے کہ اس نے یورپ کو آبادی سے خالی کرنے میں بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ قلعے اور شہر آبادی سے خالی ہو گئے۔ اور وہ مزید کہتا ہے کہ سات بیوہ عورتوں کی نگہداشت کے لیے صرف ایک فرد باقی رہ گیا۔ اندھے متعصب تو اسے اپنا جرنیل بنانے کے لیے بھی تیار تھے۔ مگر راہب پیٹر کی مثال اس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ وہ اگرچہ صلیبی جنگ آزماؤں کی مدد کرتا رہا۔ اور انھیں دعائیں دیتا رہا،

مگر اس نے نہایت عقل مندی سے فوجی کمان قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کام میں اگر وہ ناکام ہو جاتا تو اس کی بہت بدنامی ہوتی۔ اور اس کے کردار پر حرف آتا۔ اس کے باوجود اس نے اس شور و شغب کے دور میں کلیئراؤکس کے ایبٹ کو کاذب نبی قرار دے دیا۔ اس شخص نے انفرادی اور اجتماعی گریہ زاری کی رسم کو رواج دیا تھا۔ اس کے دشمن اس کی شرمندگی پر خوش ہوئے۔ اس نے تاخیر سے معافی مانگی اور وہ بھی تسلی بخش نہ تھی۔ وہ پوپ کی تابع فرمانی اختیار کرنے اور اس کے احکام کی تعمیل کو حق بجانب قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تقدیر کے پراسرار انداز کی نوعیت یہی ہے اور زائرین کے انجام کو ان کے گناہوں کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ اور میانہ روی اس کی تائید کرتی ہے کہ اس کا مشن حیران کن حد تک مقبول ہو گیا۔ اگر تمام حقائق یقینی ہوتے تو تمام استدلال بھی فیصلہ کن ہوتے۔ اور اس کے وفادار شاگرد اس کے بیس یا تیس معجزات کا ذکر کرتے ہیں۔ جو ہر روز اس سے ظہور پذیر ہوتے تھے۔ ان کا ذکر فرانس اور جرمنی کے اجتماعات میں کیا جاتا ہے۔ اور یہ معجزات ان اجتماعات کے دوران ہی وقوع پذیر ہوئے۔ لیکن دور حاضر کے افراد ان واقعات کو درست تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ البتہ وہ کلیئراؤکس کے معاملات پر یقین کر لیں گے۔ مگر بعض ایسے معاملات میں جن میں اندھے، گنجے یا مریض جو اس بندہ خدا کے سامنے پیش کیے گئے۔ ان کا کیا نتیجہ برآمد ہوا۔ ان میں سے کتنے بیانات فرضی اور جعلی ہیں اور کتنے درست ہیں۔ موجودہ حالات میں ان کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

وہ خدا جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے وہ بھی انسانوں کی تنقید سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ وہی جذبہ جو یورپ میں قابل تعریف سمجھا جاتا اور لوگوں کو طویل مسافت پر آمادہ کرتا۔ وہ ایشیا کے لیے باعث مصیبت تھا اور ایک شدید اختلافی بحث کا موضوع تھا۔ جب یروشلم ہاتھ سے نکل گیا تو شامی مفرور جہاں جہاں گئے، وہاں پر اختلافات کے شعلے بھڑکاتے گئے اور المناک داستانیں دہراتے گئے۔ بغداد پر تو دھول کے بادل چھا گئے۔ دمشق کے قاضی زین العابدین نے خلیفہ کے دربار میں اپنی داڑھی نوچ لی اور یہ اندوہناک داستان سننے کے بعد تمام حاضرین دربار کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور امیر المومنین بھی رو پڑا۔ وہ اس وقت خود بھی ترکوں کے غلام تھے عباسیوں کے آخری دور میں خلفا کے پاس صرف محدود مالی اختیارات تھے۔ اور انھیں جو بھی اختیارات حاصل تھے وہ بغداد اور ملحقہ صوبے تک محدود تھے۔ ان کے غاصب حاکم، سلجوق ایشیائی حکومتوں کے قوانین پر عمل کرتے تھے جس میں بہادری، عظمت، اختلافات، انحطاط اور زوال کے ختم ہونے والے چکر ہمیشہ چلتے رہتے تھے۔ ان کا جذبہ اور قوت دونوں دفاع اسلام کی ضروریات کو پورا کرنے کے اہل نہ تھے۔

انھوں نے اپنا دارالحکومت فارس کے دور افتادہ علاقوں میں بنا رکھا تھا۔ عیسائیوں نے اس سے قبل کبھی سنجر کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ وہ اس کی افواج اور اسلحہ کی نوعیت سے بھی ناواقف تھے۔ جو اپنی نسل کا آخری ہیرو شمار ہوتا ہے۔ سلطان خود تو حرم کے ریشمی جالے میں پھنسا ہوا تھا۔ مقدس ذمہ داریاں ان کے غلاموں کے ذمے تھیں۔ اتابک ایک ترک نام ہے۔ یہ نام بھی بازنطینی انداز میں پدر شاہ کے معانی ہی میں آتا ہے۔ اسکندر ایک بہادر ترک تھا اور ملک شاہ کا منظور نظر تھا۔ اس نے اسے یہ اعزاز دیا ہوا تھا کہ یہ تخت کے دائیں جانب کھڑا ہو سکتا ہے۔ لیکن خانہ جنگیاں، جو بادشاہ کی وفات کے بعد شروع ہو گئیں، ان کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے ہاتھ سے ایلیپو کی حکومت بھی نکل گئی اور وہ قتل بھی ہو گیا۔ اس کے خانہ زاد ملازمین اور جاگیرداروں نے اس کے بیٹے زنگی سے وفاداری قائم رکھی۔ اس نے اتتاخ کا دفاع کیا اور اپنے اسلحہ اور فوج کی برتری کا پہلا ثبوت مہیا کر دیا۔ فرنگیوں کو شکست ہوئی۔ اس نے خلیفہ اور سلطان کے حق میں تیس مہمیں سر کیں، اور اپنی افواج کی برتری کا ثبوت فراہم کیا۔ انہی ایام میں اسے موصل کی کمان سپرد کر دی گئی۔ اسی کو اس بہادری کے کام کا اہل سمجھا گیا کہ وہ اسلام کے اقبال کو بحال کر سکے گا۔ اس نے قوم کی امیدوں کو مایوس نہیں کیا۔ پچیس دن کے محاصرے کے بعد یہ ایڈیسا کے شہر پر چھا گیا۔ اور فرات کے پار کے سارے علاقے فرنگیوں سے بازیاب کرا لیے۔ موصل اور ایلیپو کے حکمران نے کردستان کے قبائل کو مطیع کر لیا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو سکھا دیا کہ ان کا وطن صرف ان کا پڑاؤ ہے۔ وہ انھیں فیاضی سے انعام و اکرام بخشتا۔ فوجی جب غیر حاضر ہوتے تو زنگی خود ان کی حفاظت کرتا۔ تجربہ کار فوجیوں کی سربراہی کے لیے اس کا بیٹا نورالدین زنگی سرگرم رہتا۔ اس نے بتدریج مسلمانوں کی قوت کو متحد کر لیا اور دمشق کی قوت کو بھی ایلیپو میں شامل کر لیا۔ پھر اس نے شامی عیسائیوں کے خلاف طویل اور کامیاب جنگ چھیڑ دی۔ اس نے جلد ہی دجلہ سے نیل تک اپنی وسیع حکومت قائم کر لی۔ عباسیوں نے حکومت کے تمام اختیارات اسے سونپ دیے۔ اور اسے بادشاہ تسلیم کر لیا۔ خود اطالوی بھی مجبور ہو گئے کہ وہ اس کی قوت، ذہانت، عزم و حوصلے عزم بلکہ انصاف کی صفات کو تسلیم کر لیں۔ اس مقدس جنگجو نے قدیم جوش، سادگی اور دور اول کی تمام صفات کو بحال کر دیا۔ سونا اور ریشم کو اس نے اپنے محل سے باہر نکال دیا۔ تمام سلطنت میں شراب کا خاتمہ کر دیا۔ سرکاری محاصلات کو نہایت احتیاط سے عوامی بہبود کے لیے صرف کیا۔ صلاح الدین کے سادہ گھریلو اختیارات مال غنیمت کے جائز حصے کے سہارے چلتے۔ ان اموال کو اس نے ایک جائز نجی جائیداد کی صورت میں صرف کر رکھا تھا۔ اس کی پسندیدہ سلطانہ نے اپنے حرم کے لیے چند درکار اشیا کا مطالبہ

کیا، بادشاہ نے جواب دیا۔ ''مجھے افسوس ہے، مجھے خدا کا خوف ہے اور میری حیثیت صرف اسی قدر ہے کہ میں مسلمانوں کا خزانچی ہوں۔ میں ان کی جائیداد کو اپنی مرضی سے خرچ نہیں کر سکتا۔ میرے پاس ابھی تک حمص کے شہر میں تین دکانیں ہیں۔ اور وہ تم لے سکتے ہو۔ اور میں صرف تمھیں اسی قدر دے سکتا ہوں۔ اس کا ایوان عدل بڑے آدمیوں کے لیے خوف اور مفلسوں کی آماجگاہ تھا۔ سلطان کی موت کے چند سال بعد، دمشق کا ایک مظلوم شخص دمشق کی گلیوں میں بلند آواز سے پکار رہا تھا'' اے نورالدین! اب تم کہاں ہو؟ اٹھو! اٹھو! ہم پر رحم کھاؤ اور ہمارا تحفظ کرو کیونکہ کہ شہر میں ہنگامہ ہونے کا خطرہ تھا اور مرحوم سلطان کے نام سے بھی لوگ کانپنے لگتے تھے۔

ترکوں اور فرنگیوں کی افواج نے مصر کے فاطمیوں سے شام چھین لیا تھا۔ مصریوں کے کردار اور اثرات ابھی تک قوم کے لیے ناگزیر تھے۔ انھیں ابھی تک رسالت مآب کی اولاد اور وارث سمجھا جاتا تھا۔ قاہرہ میں ابھی تک وہ موجود نظر آتے تھے۔ ان کی ذات کو کبھی بھی اجنبیوں اور رعایا کی نگاہیں گستاخانہ انداز میں نہیں دیکھتی تھیں۔ لاطینی سفیروں نے ان کی حیثیت کو بیان کیا جو ان کے پریشان مکتوبات میں موجود ہے۔ وہ ان کی اندوہناک غلام گردشوں اور چمکتے ہوئے ایوانوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے خاموش محلات میں کبھی کسی پرندے کے چہچہانے کی آواز آ جاتی اور کبھی کسی چشمے کی روانی کی آواز آ جاتی۔ ان محلات میں عمدہ فرنیچر، اور نایاب جانور موجود تھے۔ شاہی خزانے بھی تھے۔ بہت کچھ آ جاتا تھا اور باقی کے متعلق لوگ صرف اندازہ کر لیتے تھے۔ اور دروازوں کا طویل سلسلہ کھلا رہتا مگر ان پر حبشی محافظ ہر وقت کھڑے رہتے۔ محل کے خواجہ سراؤں کی بھی ایک تعداد موجود رہتی۔ دیوان پر پردے لٹکا دیے گئے تھے۔ وہ وزیر جو سفیروں کو لے کر اندر جاتا، وہ اپنی تلوار کو اتار کر رکھ دیتا، اور تین سجدے بجا لاتا، پھر پردہ سرکا دیا جاتا، اور لوگ امیر المومنین کے روبرو پیش ہو جاتے۔ جو دربار کے غلام اول کو اپنی خوشنودی کا اشارہ کرتا مگر فی الواقع یہ غلام اس کا آقا ہوتا۔ سلطانوں یا وزیروں نے مصر کی انتظامیہ پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ اور حریف دعویداروں کے مطالبات کا صرف فوجی طاقت سے فیصلہ کیا جاتا اور طاقتور ترین کو ہی مستحق ترین سمجھا جاتا۔ اور اسی کو بادشاہ بھی تسلیم کر لیا جاتا۔ ضرغم اور شاور نے یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کو شہر سے باہر نکال دیا، بلکہ ملک بدر کر دیا، جو فریق کمزور تھا اس نے دمشق سے بادشاہ سے مدد کی درخواست کی یا پھر یروشلم کے بادشاہ سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ان دونوں حکومتوں کا تعلق اس فرقے سے تھا جو فاطمیوں کی حکومت کے عرصے سے دشمن چلے آ رہے تھے اور ان کا

تعلق بھی مسلمانوں کے الگ فرقے سے تھا مگر ان کے مقابلے میں ترکوں کی فوج زیادہ ناقابل تسخیر تھی مگر فرینک غزہ میں مقیم تھے جہاں سے براہ راست نیل (مصر) کی طرف پیش قدمی کر سکتے تھے جبکہ نورالدین کی افواج ایسے درمیانی علاقے میں مقیم تھیں کہ اسے سارے عرب کا چکر کاٹ کر منزل مقصود پر پہنچنا پڑتا۔ اسی اثنا میں انھیں پیاس، تھکان اور صحرا کی جلتی ہوئی گرم ہواؤں کا سامنا کرنا پڑتا۔ ترک بادشاہ کو یہ سوجھی کہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مصر پر قبضہ کر لے اور عباسیوں کے نام پر اپنی حکومت قائم کر لے۔ مگر شاہ ور کی بحالی میں ایک بہت بڑی رکاوٹ تھی اور اس اولین مہم کا اصل مقصد تو کامیابی کا حصول تھا۔ اور یہ فرض امیر شیرا کوہ کو تفویض کر دیا گیا۔ جو فرغم کا ایک قدیم تجربہ کار سالار تھا۔ مگر ناشکر گزاری، حسد کے علاوہ اسے اپنے سب سے بڑے حریف کا بھی خوف تھا۔ اس نے جلد ہی یروشلم کے امیر کو طلب کر لیا کہ وہ مصر کو مسلمانوں سے آزاد کرانے میں اس کی مدد کرے۔ وہ مسلمانوں کے تمام احسانات کو فراموش کر چکا تھا۔ شیرا کوہ کی افواج اس اتحاد کی برابری نہ کر سکتی تھیں۔ اس نے اپنی حالیہ قابل از وقت فتح سے درگزر کیا۔ اس مراجعت کی اجازت اس شرط پر دی گئی کہ وہ بیل بیس یا پلوسی اوم کو بھی خالی کر دے۔ چونکہ ترک دشمن کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے اور ان کے جرنیل نے، اپنے عقب کی ہوشیاری سے حفاظت کر رکھی تھی۔ اور اس کے ہاتھ میں ایک جنگلی کلہاڑا بھی تھا۔ ایک فرینک نے اس سے یہ دریافت کرنے کی جرأت کی کہ کیا وہ خوف زدہ نہیں کہ اس پر حملہ کر دیا جائے گا؟ اس نے جواب دیا کہ بلاشبہ یہ آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہے کہ حملے کا آغاز کر دیں۔ اس امر کا یقین رکھیں کہ میرا ایک سپاہی بھی اس وقت تک جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ وہ ایک ایک کافر کو جہنم رسید نہ کر لے جب نورالدین کو یہ اطلاعات ملیں کہ اس علاقے کی زمین زرخیز ہے، مقامی آبادی زنخوں کی طرح بزدل ہے، اور حکومت بدنظمی کا شکار ہے تو اس کے دل میں اس علاقے کو فتح کرنے کی امید تازہ ہو گئی۔ خلیفۂ بغداد کو اس منصوبے کی کامیابی کا یقین نہ تھا اور شیراہ کوہ دوبارہ مصر میں داخل ہو گیا۔ اس کے ساتھ بارہ ہزار ترک تھے اور گیارہ ہزار عرب تھے۔ فرینکوں اور صحرانشینوں کی متحدہ قوت کے مقابلے میں اس کی فوجی قوت کمزور تھی۔ میں اس معاملے میں حریف کے دریائے نیل عبور کرتے وقت ایک بصیرت افروز فوجی کارروائی کر سکتا ہوں۔ وہ پہلے تھبائس میں پسپا ہو گیا، بابین کی جنگ میں اس نے انتہائی چابکدستی سے کارروائی کی۔ پھر اسکندریہ پر اچانک حملہ کر دیا۔ پھر وہ مصر کی وادیوں میں کبھی پیش قدمی کرتا کبھی پسپائی اختیار کر لیتا۔ کبھی خشکی پر ہوتا پھر سمندر میں اتر جاتا۔ اس کی افواج نے اس عمل میں اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ اور جب معرکہ آرائی کا وقت آیا تو

ملوک نے بلند آواز سے کہا، کہ اگر ہم عیسائی کتوں سے مصر نہیں چھین سکتے تو پھر ہمیں سلطانی کا اعزاز قائم رکھنے کا کوئی حق نہیں یا پھر کسی حرم میں داخل ہو کر عورتوں کے ساتھ چرخہ کیوں نہ چلائیں؟ یا پھر کھیتوں میں دہقانوں کے ہمراہ مزدوری کیوں نہ کریں؟ اسکندریہ کا دفاع بہت مشکل تھا۔ مگر اس کے بعد اس کے برادر زادہ صلاح الدین کے کردار کے باعث شیرہ کوہ نے ایک اور مہم سر کر لی۔ نورالدین نے اپنی تمام صلاحیتوں کو ایک تیسری اور حتمی مہم کے لیے محفوظ رکھا۔ اس کا بھی جلد ہی امالرک یا اماوری نے آغاز کر دیا۔ جو یروشلم کا بادشاہ تھا۔ جس کی زندگی کا بدنام اصول یہ تھا کہ کوئی بھی مذہب اختیار کر کے خدا کے دشمنوں کا ساتھ دیا جا سکتا ہے۔ ایک مذہبی جنگجو یا کسی شفا خانے کا مالک اس کی حوصلہ افزائی کرتا تھا اور پیش قدمی کرنے کے لیے اکساتا تھا۔ قسطنطنیہ کے بادشاہ نے یا تو اپنا بحری بیڑہ اس کے حوالے کر دیا تھا یا اس کے دینے کا وعدہ کر لیا تھا، اور حریص عیسائی تو مالِ غنیمت یا لوٹ مار سے مطمئن نہ تھے وہ چاہتے تھے کہ مصر کو فتح کر کے مال حاصل کر لیا جائے اور لوٹ مار کی جائے۔ اسی عالم مایوسی میں مسلمان شاہ دمشق کی طرف دیکھنے لگے۔ اسے تو خود ہر طرف خطرہ درپیش تھا۔ اس نے مجبور ہو کر مسلمانوں کے مطالبے سے اتفاق کر لیا اور نورالدین صرف اس پر مطمئن تھا کہ اسے ملک کے ایک تہائی مالیات کی پیش کش کی گئی تھی۔ فرینک تو پہلے ہی سے قاہرہ کے دروازے پر بیٹھے تھے۔ مگر مضافات میں جو قدیم شہر کا حصہ تھا، اسے آگ لگا دی گئی تھی۔ ان کے ساتھ ایک بے مقصد گفتگو کرکے انھیں الجھا دیا گیا تھا اور ان کے جہاز اس قابل نہ تھے کہ دریائے نیل کی رکاوٹوں کو پار کر سکیں۔ انھوں نے کمال ہوشیاری سے ان متخالف ممالک کو ترکوں کی فوج سے الجھا دیا۔ اماوری فلسطین واپس چلا گیا۔ وہ اپنی ناکامیوں پر شرمندہ تھا اور بے انصافی سے پریشان تھا۔ شرمندگی ہمیشہ ناکامیوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ آزادی کے بعد شیراہ کوہ کو خلعت عطا کی گئی اس نے جلد ہی اسے بدقسمت شاہ ور کے خون سے داغدار کر دیا۔ کچھ مدت کے لیے ترک امرا اس پر راضی ہو گئے کہ انھیں وزیر کا عہدہ دے دیا جائے مگر غیر ملکی فاتحین کی وجہ سے خود فاطمیوں کا اقتدار بھی ختم ہو گیا۔ اور صرف ایک پیغام اور ایک لفظ کی بنیاد پر تبدیلی آ گئی جس میں خون کا ایک قطرہ بھی ضائع نہ ہوا۔ خلفا کا ان کے اپنے اعمال کی وجہ سے تنزل عمل میں آیا۔ وہ کمزور تھے اور وزرا ان کے خلاف تھے۔ ان کی رعایا شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ جب خلیفہ نے اپنا خالی ہاتھ لاطینی سفیر کے سامنے پھیلا دیا۔ یہ نہ صرف رسالت مآب کا جانشین تھا بلکہ آپ کے چچا کی نسل سے بھی تھا۔ جب خلیفہ نے اپنے حرم کے بال شاہ دمشق کی طرف ارسال کیے کہ اس پر ترس کھائے اور وہ اس کی مدد کو پہنچے تو تمام درباری رو پڑے۔ نورالدین نے حکم دیا اور علما نے فتویٰ

صادر کیا کہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے پاکیزہ ناموں کے صدقے خلیفہ کو بحال کر دیا جائے۔ خلیفۂ بغداد مستضی کا امیر المومنین کی حیثیت سے خطابات میں اعلان کر دیا گیا۔ اس کے بعد عباسیوں کے سیاہ جھنڈے کو حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے سبز رنگ سے تبدیل کر دیا گیا۔ اس سلسلے کا آخری خلیفہ المستعصم تھا (العاضد فاطمی سلسلے کا آخری خلیفہ تھا، اس کا عباسی خلفا سے کوئی تعلق نہیں۔ آخری عباسی خلیفہ المستعصم تھا۔ مترجم) وہ صرف دس دن اس عہدے پر قائم رہا اور اس کے بعد فوت ہو گیا اسے اپنے انجام کے متعلق کوئی خبر نہ تھی اس لیے مرتے دم تک خوش رہا۔ اس نے دولت تقسیم کر کے افواج کی وفاداری خریدی۔ اور مختلف فرقوں کے افراد کے احتجاج کو خاموش کیا۔ اس کے بعد مصر میں مسلمان ہمیشہ قدیم راسخ عقائد پر قائم رہے۔

دجلہ کے پار کوہستانی علاقہ کردوں کے خانہ بدوش قبائل کے قبضے میں تھا۔ یہ سخت جان لوگ تھے۔ مضبوط جسم کے مالک، وحشی اور بے صبر تھے۔ یہ لوگ اپنے قبائل کی حکومت جمہوری انداز میں چلاتے تھے۔ یہ کسی کی غلامی قبول نہ کرتے تھے اور لوٹ مار کے عادی تھے۔ ان کے نام اور انداز یونان کے کارڈوچیون سے مشابہ ہیں۔ اپنی قدیم آزادی کی ابھی تک حفاظت کر رہے تھے۔ ان کے قبضے میں بعض بندرگاہیں بھی تھیں۔ ان کے متعلق ان کا دعویٰ تھا کہ وہ سائرس کے دور سے ان کے قبضے میں تھیں وہ افلاس کے ہاتھ مجبور ہو کر کرائے کے سپاہی بن گئے۔ اس کے والد اور چچا کی خدمات کی وجہ سے ایک حکمران خاندان کی بنیاد پڑ گئی۔ اس طرح سے صلاح الدین دنیا میں روشناس ہوا۔ اس کے والد کا نام یاب یا ایوب تھا۔ جو ایک سادہ مزاج کرد تھا۔ مگر خوش قسمتی اور عظمت اس کی اولاد کے لیے مسکرا رہی تھی۔ عرب خلفا اس کی خوشامد کرنے پر مجبور ہو گئے۔ نورالدین کو ہرگز اس کا احساس نہ تھا کہ اس کے خاندان پر تباہی آنے والی ہے۔ اس نے اس شرمیلے نوجوان کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ بھی اپنے چچا شیراہ کوہ کی مدد کے لیے مصر چلا جائے۔ اس نے اسکندریہ کا دفاع کیا جس وجہ سے اس کے فوجی کردار کو تسلیم کر لیا گیا۔ اگر ہم لاطینی مؤرخین کے بیان پر اعتماد کریں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے عیسائی جرنیلوں سے مبارزت کا خطاب طلب کیا جو اسے مل گیا۔ شیراہ کوہ کی وفات پر وزیر کا قابل احترام عہدہ صلاح الدین کو عنایت کر دیا گیا۔ یہ تمام امیروں کے مقابلے میں کم طاقتور اور کمزور تھا۔ مگر اپنے باپ کی نصیحت کے مطابق، جسے اس نے قاہرہ میں ہی بلا لیا تھا، عمل کرتا رہا اور جلد ہی اپنے معاصرین کے مقابلے میں بہت آگے نکل گیا۔ اس نے فوج کو اپنے گرد جمع کر لیا اور اپنے مفادات کے مطابق ان سے کام لینے لگا، یہ ترک کرد تو اس کے غلاموں کی طرح عاجزی کا اظہار کرتے تھے۔ دیوان کا زیر لب احتجاج بھی

خاموش کر دیا گیا۔ دانش مند ایوب نے اسے شکایت کا موقع نہ دیا۔ اس نے کہا کہ میں اس کے پاؤں میں زنجیریں پہنچا کر بذات خود اپنے بیٹے کو شاہی تخت کے سامنے لے جاؤں گا۔ مگر اس نے علیحدگی میں کہا کہ ایسی زبان ہی اپنے حریفوں کی موجودگی میں مناسب ہے۔ مگر اب ہم نے اتنا مرتبہ حاصل کر لیا ہے کہ ہمیں خوف اور فرمانبرداری کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ صلاح الدین اس کے بعد گنے پر محصول عائد نہیں کرے گا۔ یہ اپنی عمر پوری کر کے فوت ہو گیا۔ اب اس کا خوف اور کسی سے مقابلے کا احتمال بھی ختم ہو گیا تھا۔ اس کا بیٹا نابالغ تھا اور اس کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔ وہ محل کے امرا کی تحویل میں بغرض پرورش دے دیا گیا۔ مصر کے نئے سلطان کو خلیفہ نے تمام مناسب القابات عطا کر دیے۔ مگر عوام کی نظروں میں اسے اختیارات کے عقب کے نام ہی سے موسوم کیا گیا۔ اور خود صلاح الدین بھی صرف مصر کی حکومت پر مطمئن نہ تھا۔ اس نے یروشلم کے عیسائیوں سے اور دمشق کے اتابک سے مقابلے کی ٹھان لی۔ ایلیپو، دیار بکر، مکہ اور مدینہ کے شہروں نے اسے اپنا دنیوی سرپرست و رہنما تسلیم کر لیا۔ اس کے بھائی نے دور افتادہ یمن کا علاقہ فتح کر لیا، جسے خوشحال عرب کا نام دیا جاتا تھا۔ جب یہ فوت ہوا تو اس کی سلطنت افریقی طرابلس سے لے کر دجلہ تک اور بحر ہند سے لے کر آرمینیا تک وسیع ہو چکی تھی۔ اگر اس کے کردار پر منصفانہ نگاہ ڈالی جائے تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ بغاوت اور ناشکر گزاری کے عوال سے یہ مبرا نہ تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تجربے نے اسے سکھا دیا تھا کہ قانون کی پابندی اور وفاداری حسب ضرورت لازمی ہے۔ مگر جب ایشیا میں بار بار انقلاب آنے لگے تو اسے مختلف نوعیت کے اقدامات کرنے پڑے جو قابل معافی تھے۔ ایسی صورت پیدا ہو گئی تھی کہ جائز وراثت کا وجود ہی ختم ہو گیا تھا۔ اتابک نے خود کیا کیا تھا کہ اپنے کرم فرما کے بیٹے کو محروم کر دیا تھا۔ اور اس کے انسانی اور فیاضانہ سلوک اور ہم جد شاخوں کی کوئی پروا نہ کی۔ ان کی نااہلی اور اس کے استحقاق کی وجہ سے اور خلیفہ کی پسندیدگی کے باعث، ایسا معلوم ہونے لگا تھا ایک ہیرو اور ولی کی شخصیتوں کا اس کی ذات میں اتحاد ہو گیا ہے کیونکہ نورالدین اور صلاح الدین دونوں کو مسلمان ولی اللہ سمجھتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ صلیبی جنگوں کی طوالت اور تواتر نے ان کی زندگیوں میں ایک نیا رنگ پیدا کر دیا، مؤخر الذکر اپنی جوانی میں شراب اور عورتوں کا رسیا تھا۔ مگر اس جاہ پسند شخصیت نے بہت جلد عیش و عشرت کو ترک کر دیا۔ اب اسے شہرت اور اقتدار کا چسکا پڑ چکا تھا صلاح الدین کھردری اون کا تیار کردہ لباس پہنتا تھا۔ وہ صرف پانی پیتا تھا اور جب اس کے پاس مال و دولت ہوتی تو وہ خیرات کے عمل میں جناب رسالت مآبؐ کی تقلید کرتا۔ وہ اپنے ایمان اور عمل میں پکا مسلمان تھا۔ وہ ہمیشہ اس پر افسوس کرتا کہ وہ

دفاع اسلام میں اتنا مصروف رہا ہے کہ وہ حج بیت اللہ کے لیے وقت نہیں نکال سکا۔ مگر وہ ہر روز بروقت نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرتا۔ اگر روزے کسی وجہ سے قضا ہو جاتے تو وہ مناسب وقت پر پورے کر لیتا۔ وہ گھوڑے پر بیٹھے ہوئے بھی تلاوت قرآن کرتا رہتا۔ اور جب غنیم مدمقابل ہوتا، اس وقت بھی تلاوت ترک نہ کرتا۔ وہ شافعی فقہ کا پیروکار تھا اور اسی عقیدے کی تبلیغ بھی کرتا اور اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتا۔ وہ شعرا جو اس کی ہجو بھی کرتے ان کے خلاف بھی وہ کوئی کارروائی نہ کرتا۔ مگر وہ ایسے علوم سے نفرت کرتا جن سے دین کی بے حرمتی ہوتی اور ایک فلسفی جس نے بعض نئے تصورات پیش کیے تھے۔ اسے گرفتار کر لیا گیا اور شاہی حکم کے مطابق اس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ اس کے ایوان عدالت میں اس کے امرا، وزرا اور خود اس کے خلاف بھی کارروائی کی جا سکتی تھی وہ ماسوائے مفادِ حکومت کے ہر معاملے میں اصول نصفت کا قائل تھا۔ اگرچہ سلجوقوں اور زنگیوں نے شاہی لباس پہن لیے تھے اور شاہانہ زندگی اختیار کر لی تھی مگر صلاح الدین نے ایک عام آدمی کی سادہ زندگی سے کبھی انحراف نہیں کیا۔ وہ ادنیٰ ملازمین سے بھی بے تکلفی سے ملتا۔ اس کی فیاضی اتنی غیر محدود تھی کہ اس نے ایکرے کے محاصرے کے موقع پر بارہ ہزار گھوڑے تقسیم کر دیے جب اس کی وفات ہوئی تو خزانے میں صرف چاندی کے چالیس درہم اور سونے کا ایک سکہ برآمد ہوا۔ اس کی جنگوں سے بھرپور زندگی میں محصولات میں بہت کمی آ گئی اور امیر شہریوں کو نہ تو کوئی خوف تھا نہ خطرہ کہ ان کی محنت کا ثمر ان کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ مصر، شام اور عرب میں ہسپتال، مدارس اور مساجد تعمیر کرائی گئیں اور قاہرہ کے گرد فصلیں، پشتے اور قلعہ بندیاں تعمیر کرائی گئیں۔ اس نے جس قدر تعمیرات کرائیں وہ مفاد عامہ کے پیش نظر تھیں۔ اس نے ذاتی عیش و عشرت کے لیے نہ کوئی باغ لگوایا نہ محل تعمیر کرایا۔ وہ عصبیت کا دور تھا، ممکن ہے کہ اس پر بھی اثر ہو مگر اس میں ذاتی خوبیاں اس قدر تھیں کہ عیسائی بھی اس کی عزت کرتے تھے۔ جرمنی کا شہنشاہ اس سے دوستی پر فخر محسوس کرتا۔ شہنشاہ یونان کو اس کی دوستی کی تمنا تھی۔ اور جب اس نے فلسطین کو فتح کر لیا تو مشرق و مغرب دونوں میں اس کی شہرت پھیل گئی۔

اگرچہ اس کا عہد مختصر تھا، یروشلم کی حکومت کے متعلق ترکوں اور عربوں کو اس سے اختلاف رہا۔ فاطمی خلفا اور دمشق کے سلطان دونوں یہ چاہتے تھے کہ وہ اسلام کے اجتماعی مفاد کو نظر انداز کر کے اپنے ذاتی مفادات حاصل کریں۔ مگر مصر، شام اور عرب کا اقتدار متحدہ طور پر اس ہیرو کے ہاتھ میں تھا۔ اس کی فطرت اور تقدیر نے اسے عیسائیوں کے مقابلے پر کھڑا کیا ہوا تھا۔ یہ ان تمام خطرات کے مختلف پہلوؤں کو محسوس کرتا اور

برداشت کرتا۔ یروشلم کے تمام داخلی معاملات کمزور اور کھوکھلے تھے۔ پہلے دونوں بالڈونوں کے بعد جو بوئی لون کے گاڈفرے کے بھائی اور عمزاد تھے، فوت ہو گئے تو ان کا تخت ایک ملکہ کے قبضے میں آ گیا۔ اس کا نام میلی سینڈرا تھا یہ دوسرے بالڈون کی بیٹی تھی۔ فولک نام کا ایک شخص جو آنجو کا کاؤنٹ تھا، وہ اس کا خاوند تھا اور اس کی پہلی شادی ایک انگریز پلانٹاجینٹ سے ہوئی تھی۔ ان کے دو بیٹے ہوئے، بالڈون سوم اور اماوری۔ انھوں نے دوسرے مذاہب کے لوگوں سے سخت مگر ناکام جنگ لڑی۔ مگر اماوری کا بیٹا بالڈون چہارم، کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہو گیا۔ یہ تحفہ اسے صلیبی جنگوں میں حاصل ہوا تھا۔ کیونکہ اس کی ذہنی اور جسمانی بے راہ روی اسی امر کی مستحق تھی۔ اس کی بہن سبیلا، جو بالڈون پنجم کی ماں تھی، وہ اس کی قانونی وارث تھی۔ جب اس کے بیٹے کی مشکوک حالات میں موت واقع ہو گئی تو اس نے اپنے خاوند کو تخت نشین کر دیا جو لوسگنان کا شہری تھا اور ایک خوبصورت شہزادہ تھا۔ مگر اپنے بھائی جیفری کے مقابلے میں انتہائی کمینہ تھا۔ اس کے متعلق سنا گیا کہ وہ کہتا ہے کہ چونکہ انھوں نے اسے بادشاہ بنا لیا ہے تو یقیناً مجھے وہ ایک دیوتا بنا لیں گے۔ اس انتخاب کو بالعموم غلط قرار دیا گیا۔ اور سب نے طاقت ور باجگزار ریمانڈ کو جو طرابلس کا کاؤنٹ تھا، اسے طبقۂ امرا سے خارج کر دیا گیا۔ وہ بادشاہ کی کامیابیوں پر نفرت کا مظاہرہ کرتا تھا۔ اس کی عزت و احترام بادشاہ کی نظروں میں کم ہو گیا۔ مقدس شہر کے محافظین کی اصل حقیقت کچھ اسی نوعیت کی تھی۔ ایک کوڑھی تھا، ایک بچہ تھا، ایک عورت تھی اور ایک باغی تھا۔ پھر بھی یورپ سے بعض نئی امداد کی وجہ سے اس کی قسمت کا فیصلہ بارہ سال تک مؤخر ہوتا رہا۔ اور فوجی نظم بدستور قائم رہا۔ دوسری طرف ان کا سب سے بڑا دشمن بھی دور فاصلے پر بیٹھا تھا۔ بالآخر ایسا وقت آ گیا کہ یہ ڈوبتی ہوئی ریاست چاروں اطراف سے گھیرے میں آ گئی۔ اور ایک دشمن قوت نے اس پر دباؤ بھی ڈال دیا۔ اور خود فرنگیوں نے اپنا معاہدہ توڑ لیا۔ حالانکہ ان کے وجود کو اسی حکومت کی وجہ سے تحفظ حاصل تھا۔ ایک قسمت کا دھنی سپاہی ریجی نالڈ جس کا تعلق قاطیلون سے تھا۔ اس نے صحرا کے کنارے پر واقع ایک قلعے پر قبضہ کر لیا۔ وہاں پر بیٹھ کر اس نے کارواں لوٹنے شروع کر دیے۔ وہ جناب رسالت پناہ کی شان میں گستاخی کرتا اور مکہ اور مدینہ کے شہروں کے لیے خطرہ پیدا کرتا۔ صلاح الدین کے پاس جب اس کی شکایت پہنچی تو اس نے اس طرف توجہ کی۔ وہ انصاف کے تقاضے پورے نہ ہونے پر برافروختہ ہوا۔ اس نے اپنے ہمراہ اسی ہزار رسالے کے سوار لیے۔ پیدل فوج اس کے علاوہ تھی۔ اور بیت المقدس پر حملہ کر دیا۔ فی الحقیقت طبریاس کا پہلا ہدف طرابلس تھا۔ یہاں کا آبائی وطن بھی تھا۔ یروشلم کے بادشاہ پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ حملہ آور لشکر کو باہر نکال دے اور اپنے عوام کو اسلحہ مہیا

کرے۔اور اس اہم مقام کی سہولت کے لیے کارروائی کرے۔غدار ریمانڈ کی رائے کے مطابق عیسائیوں کو ایک ایسے پڑاؤ میں بھیج دیا گیا جہاں پانی کا کوئی انتظام نہ تھا اور دونوں اقوام اسے بددعائیں دینے لگیں۔لوسگنان کے تیس ہزار افراد مارے گئے اور اسے تخت سے معزول کر دیا گیا۔اور اصلی صلیب کی لکڑی بدقسمتی سے مخالف مذہب کی تحویل میں دے دی گئی۔مقید شہنشاہ کو صلاح الدین کے خیمے میں پہنچا دیا گیا۔وہ پیاس کی شدت اور سلطان کے خوف کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا۔فیاض بادشاہ نے اسے برف آلودہ ٹھنڈا شربت پلایا۔قاطیلون کے ریجی نالڈ نے اپنے ساتھیوں سے بھی مشورہ نہ کیا اور سلطان کی مہمان نوازی اور معافی سے بہرہ یاب ہوا۔بادشاہ کی ذات اور وقار نے اسے مجبور کیا اور اس نے سلطان کی خدمت میں عرض کیا۔''حضرت مسیح کا مرقد اور دیگر آثار عیسائیوں کے لیے تو مقدس ہیں، مگر مسلمان بھی انھیں پیغمبر تسلیم کرتے ہیں۔اس لیے اس غدار سے بھی ایسے ہی عمل کے لیے کہا جائے یا اسے سزائے موت دے دی جائے۔ریجی نالڈ نے حضرت عیسیٰ کو نبی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اس پر غازی صلاح الدین نے اپنا گرز اس کے سر پر دے مارا اور وہ اسی مقام پر مر گیا۔اس کے بعد محافظین نے اس کی لاش ٹھکانے لگا دی۔لرزاں اور لوسگنان کو دمشق بھیج دیا گیا، اسے ایک باوقار جیل میں قید کر دیا گیا بعد میں زرفدیہ کی ادائیگی پر چھوڑ دیا گیا۔مگر اس فتح کے دامن پر یہ داغ رہ گیا کہ دوسوتیں مبارز مارے گئے۔ان کا تعلق ہاسپٹل (Hospital) سے تھا۔اور اسلام کے مطابق ان کو درجۂ شہادت نصیب ہوا، حکومت کا کوئی سربراہ باقی نہ رہا تھا۔اور فوجی نظام کے دونوں سرداروں میں سے ایک قتل کر دیا گیا تھا۔اور دوسرا قید کر دیا گیا تھا۔تمام شہروں میں سے خواہ وہ ساحلی تھے یا ان کا تعلق اندرونی حصے سے تھا، لشکروں کو اس مہلک میدان جنگ میں جمع کر لیا گیا تھا۔صرف ٹائر اور طرابلس میں صلاح الدین کا سلسلہ فتوحات تیزی سے داخل نہ ہو سکا۔اور طبریاس کی جنگ کے تین ماہ بعد وہ اپنی افواج کے ہمراہ یروشلم کے دروازوں پر ظاہر ہوا۔

غالباً وہ سمجھتا تھا کہ اس شہر کا محاصرہ خشکی پر اور عالم بالا میں آسمان لکھ دیا گیا ہوگا۔یہ مسئلہ یورپ اور ایشیا دونوں کے لیے دلچسپ ہے کہ اس موقع پر جوش و خروش کی چنگاری دوبارہ بھڑک اٹھی۔یہاں پر ساٹھ ہزار ایسے عیسائی آباد تھے جن میں سے ہر ایک سپاہی تھا اور ہر سپاہی اپنی جان دینا چاہتا تھا۔ملکہ سبیلا، اپنی جان اور اپنے قیدی خاوند کے لیے لرزہ براندام تھی۔اور فوجی افسر اور مبارز جو ترکوں کی تلوار سے بچ گئے تھے، یا قید نہ کیے جا سکے تھے وہ بھی ایسے انداز اختیار کر رہے تھے جن سے عوام تباہی کا شکار ہوں، اس شہر کی آبادی کا بیشتر حصہ یونانیوں اور مشرقی عیسائیوں پر مشتمل تھا۔ان کو تجربے نے سکھا دیا تھا کہ لاطینی غلامی کے مقابلے میں مسلمانوں

سے اتحاد کو ترجیح دی جانی چاہیے۔مقدس مرقد مسیح کی وجہ سے یہاں پر ادنیٰ درجے کے افراد کا اجتماع ہو گیا تھا۔ان میں سے بیشتر محتاج تھے۔ان کے پاس نہ تو اسلحہ تھا، اور نہ حوصلہ۔یہ لوگ صرف زائرین کی خیرات پر زندہ تھے۔یروشلم کے دفاع کے لیے بعض کمزور فیصلے جلد بازی میں کیے گئے۔مگر چودہ دن کے بعد ایک فاتح فوج نے محصورین کے حملوں کو پسپا کر دیا۔انھوں نے منجنیقیں نصب کر دیں اور فصیل میں پندرہ ہاتھ کے برابر سوراخ کر لیا۔انھوں نے داخل ہونے کے لیے سیڑھیاں بھی استعمال کیں۔اور بارہ مختلف مقام پر اسلام اور سلطان کے علم نصب کر دیے۔ملکہ نے اپنے ساتھ پندرہ ہزار عورتوں اور بچوں کو لے کر ایک جلوس نکالا اور خدا سے التجا کی کہ مرقد مسیح کو بچا لیا جائے مگر اس میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔اور ناجائز تشدد تو ان کی قسمت میں لکھا تھا، جو کئی پشتوں سے جاری تھا۔ان کی واحد امید یہی تھی کہ فاتح ان پر رحم کرے۔مگر جب پہلا وفد سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا تو رحم کی درخواست نامنظور کر دی گئی اس نے قسم کھا رکھی تھی کہ اس شہر میں مسلمانوں پر جو مظالم ہوئے تھے ان کا بدلہ لیا جائے اب وہ لمحہ آ چکا تھا کہ خون کا انتقام لیا جائے۔گاڈفرے نے بڑی مقدار میں معصوم خون بہایا تھا۔یہی عمل اولین صلیبی جنگ بازوں نے کیا تھا مگر فرینکوں نے آخری وقت میں ایک اضطراری کوشش کی اور سلطان کو باور کرا دیا کہ ابھی اس کی فتح مکمل نہیں ہوئی اور وہ غیر محفوظ ہے۔اس نے حضرت آدم علیہ السلام کے نام سے قتل عام کے تعطل کی تجویز مان لی۔عصبیت اور سخت گیری کو کچھ وقت کے لیے ترک کر دیا گیا۔اس نے تسلیم کر لیا کہ وہ شہر پر تو قبضہ کر لے مگر شہریوں کی جان بخشی کر دے۔یونانیوں اور مشرقی عیسائیوں کو سلطان کی رعایا کی حیثیت سے شہر میں رہنے کی اجازت مل گئی۔مگر یہ بھی وعدہ ہو گیا کہ چالیس یوم کے اندر اندر فرینک اور لاطینی یہ شہر چھوڑ کر چلے جائیں گے۔اور شام کی بندرگاہوں تک انھیں بحفاظت پہنچا دیا جائے گا۔یا مصر کی طرف رخ کر سکیں گے۔ہر مرد کے لیے سونے کے دس سکے، ہر عورت کے لیے پانچ سکے اور ہر بچے کے لیے ایک طلائی سکہ ادا کیا جائے گا۔اور وہ لوگ جو اپنی آزادی خریدنے کے قابل نہ ہوں گے انھیں ہمیشہ کے لیے غلام بنا لیا جائے گا۔بعض مؤرخین کے لیے یہ موضوع بہت پسندیدہ ہے کہ وہ پہلے صلیبیوں کے مظالم کا صلاح الدین کے فیاضانہ احکام کے ساتھ موازنہ کریں مگر ہمیں یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ عیسائیوں نے بھی شرائط صلح کا موقع فراہم کیا تھا۔مگر مسلمانوں نے آخری سانس تک لڑنے کو ترجیح دی۔اور یروشلم میں آخری لمحے تک جنگ جاری رکھی۔انصاف کا انحصار اس وفاداری پر ہے جو ترک سلاطین نے آخری دم تک قائم رکھی۔اور شرائط صلح پر عمل کیا۔صلاح الدین کا قابل تعریف فعل یہ ہے کہ جب اس نے

شہریوں کے مصائب کی طرف دیکھا تو فوراً رحم کا حکم دے دیا۔ اس نے اپنا قرض وصول کرنے کے لیے سختی نہیں کی۔ اس نے تیس ہزار بازنطینی اشرفیاں قبول کر لیں، سات ہزار غریب قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ ان کے علاوہ بھی دو تین ہزار افراد کو بلا فدیہ جانے کی اجازت دے دی۔ غلاموں کی تعداد کم ہو کر بارہ یا چودہ ہزار رہ گئی۔ ملکہ سے ملاقات میں اس نے ہمدردانہ الفاظ کہے۔ بلکہ آنسو بھی بہائے اور اس کی دلجوئی کی کوشش کی۔ یتیموں اور بیواؤں میں فیاضی سے خیرات تقسیم کی۔ جب ہاسپٹل کے مبارز اس کے خلاف ہتھیار اٹھاتے پھر رہے تھے تو اس نے اس کے جواب میں اپنے ہمرائیوں سے کہا کہ وہ بھی ایک سال کے لیے اس عمل کو جاری رکھیں اور ضعیفوں، معذوروں اور بیماروں کی خدمت جاری رکھیں۔ صلاح الدین کی یہ رحم دلانہ صفت ہماری تعریف اور محبت کی مستحق ہے۔ وہ انتقام کے جذبات سے بالاتر تھا وہ اسلام اور قرآن کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا اور ان کی توہین اس کے لیے ناقابل برداشت ہوتی۔ جب یروشلم کو اجنبی ممالک کے افراد سے آزاد کرا لیا گیا، تو سلطان خود اس شہر میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوا۔ اس کے جھنڈے ہوا میں لہرا رہے جن کے ساتھ ساتھ جنگی موسیقی بھی بج رہی تھی۔ حضرت عمرؓ کی عظیم مسجد جسے گرجا گھر میں تبدیل کر لیا گیا تھا اسے دوبارہ مسجد میں تبدیل کر دیا گیا اور اس میں خدائے واحد کی عبادت ہونے لگی۔ اس کی دیواروں اور راہداریوں کو عرق گلاب سے دھولیا گیا اور اس میں وہ منبر بھی بحال کر دیا گیا جو نورالدین کی محنت سے تیار کیا گیا تھا۔ عیسائیوں نے اس کے گنبد پر ایک سنہری صلیب آویزاں کر دی تھی۔ جب اسے گرایا گیا اور گلیوں میں گھسیٹا گیا تو ہر فرقے کے عیسائی کے حلق سے چیخیں نکل گئیں، مسلمانوں نے خوشی کے نعرے لگا کر ان کا جواب دیا۔ ہاتھی دانت سے تیار کردہ چار صندوق تھے اور برتن تھے جن میں عیسائی پادریوں نے صلیبیں اور متعدد نوادرات جمع کر رکھے تھے، ان میں بت تھے اور مقدس مقامات کے بعض آثار بھی تھے۔ فاتح یروشلم نے انھیں قبضے میں لے لیا۔ وہ خلیفہ کی خدمت میں یہ اشیا پیش کرنا چاہتا تھا، تاکہ ثابت ہو جائے کہ عیسائی بت پرستی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ بہر حال اسے مجبور کیا گیا کہ وہ ان اشیا کو اسقف اور انتاخ کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دے۔ رچرڈ شاہ انگلستان نے باون ہزار یونانی طلائی سکے ادا کر کے ان نوادرات کو خرید لیا۔

قوم کو غالباً یہ خوف اور یہ امید تھی کہ لاطینی جلد ہی شام سے حتمی طور پر نکل جائیں گے مگر صلاح الدین کی وفات کے بعد بھی وہ ایک سو سال تک یہاں بیٹھے رہے۔ فتوحات کے دور میں سب سے پہلے اسے ٹائر میں رکاوٹ پیش آئی۔ وہ لشکری جو فتح یاب ہو رہے تھے کم عقلی کی وجہ سے اسی بندرگاہ کی طرف روانہ کر دیے گئے۔

وہ اس مقام کے دفاع کے لیے کافی تھے۔ مونٹ فراٹ کے کونراڈ نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور انھیں منظم کر دیا، اس کا باپ ایک محترم زائر تھا، طبریاس کی جنگ میں اسے قیدی بنا لیا گیا تھا، مگر اٹلی اور یونان میں کسی کو اس حادثے کا علم نہ تھا۔ جب اس کا بیٹا اپنے مذہبی جذبات کے تحت اور اپنے بھتیجے کی جائیداد دیکھنے کے لیے وہاں پہنچا، تو اپنے نابالغ بھتیجے بالڈون سے ملا۔ جافا میں مخالف ترکوں کے اتنے جھنڈے لہرا رہے تھے کہ اس کے دل میں خوف پیدا ہو گیا، لوگوں نے اسے ٹائر کے بادشاہ اور ان کے حامی کی حیثیت سے اس کا استقبال کیا۔ یروشلم کی فتح کے بعد یہ شہر پہلے ہی زیر محاصرہ تھا۔ اس کا جوش بہت زیادہ تھا۔ غالباً وہ بھی جانتا تھا کہ اس کا دشمن بہت فیاض ہے۔ وہ سلطان کی تنبیہ کے باوجود ہمت کر کے آگے بڑھ گیا اور بلند آواز سے کہا کہ اسے اس کا بوڑھا باپ دکھا دیا جائے۔ تو میں خود ہی اس پر پہلا تیر چلا دوں گا اور اس کے نام پر عیسائی شہید کے لقب کا اضافہ کر دوں گا۔ مصری بحری بیڑے کو ٹائر کی بندرگاہ میں داخلے کی اجازت مل گئی۔ مگر جلد ہی زنجیر کھینچ دی گئی اور پانچ بحری جہاز یا تو ڈوب گئے یا قبضے میں لے لیے گئے۔ ایک حملے کے دوران ایک ہزار ترک قتل کر دیے گئے۔ صلاح الدین نے اپنی منجنیقیں جلا دیں اور خود دمشق کی طرف مراجعت کر گیا۔ اس کے بعد جلد ہی اسے ایک اور ناقابل تسخیر طوفان کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے ہمدرد مؤرخین کے بیانات کی روشنی میں نیز بعض رنگین تصاویر کے مطابق یروشلم کی غلام قوم بیدار ہو گئی، اور اس کے حق میں یورپ کی ہمدردیاں بھی عمل میں آ گئیں۔ فریڈرک باربروسا اور انگلستان اور فرانس کے بادشاہوں نے صلیب اٹھالی۔ ان کی کمزور افواج نے جلد ہی بحیرۂ روم اور بحراوقیانوس کی بندرگاہوں میں جمع ہونا شروع کر دیا۔ رومی اور اطالوی تو خاصے تجربہ کار ہو چکے تھے۔ وہ جینوا، پیسا اور وینس کی بندرگاہوں سے اپنے جہازوں پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ فرانس، نارمنڈی اور شمالی جزائر کے بے تاب زائرین تیزی سے ان کے عقب میں روانہ ہو گئے۔ فلانڈرز فرائز اور ڈنمارک کے سو جہازوں نے رہی سہی کمی بھی پوری کر دی، شمالی علاقوں کے جنگجو جو اپنی طویل قامت اور بڑے بڑے جنگی کلہاڑوں کی وجہ سے بہت نمایاں نظر آتے تھے۔ ان افواج کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ یہ کسی شہر کی دیواروں کے اندر نہیں سما سکتے تھے۔ خواہ وہ ٹائر ہی کیوں نہ ہو۔ انھوں نے اپنی بدقسمتی سے نجات حاصل کی اور لوسگنان کے وقار کو اپنا لیا۔ وہ قید سے رہا ہو چکا تھا۔ غالباً اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ فرینکوں کی افواج کو دو حصوں میں تقسیم کر دے۔ اس نے تجویز پیش کی کہ پول مائس یعنی ایکرے کو آزاد کرا لیا جائے، یہ مقام ٹائر سے تیس میل جنوب میں واقع تھا۔ دو سو گھڑ سوار اور تیس ہزار پیدل فوج اس کی برائے نام کمان میں دے دی گئی۔ میں اس یادگار داستان پر کوئی

تبصرہ نہ کروں گا۔ کیونکہ یہ سانحہ دو سال تک جاری رہا۔ اور اس چھوٹے سے علاقے میں یورپ اور ایشیا کی تمام افواج ختم ہو گئیں۔ جنگ کے شعلوں کے غضب اور جوش نے اتنی تباہ کاری کا نظارہ کبھی پیش نہیں کیا۔ اس سے قبل مومنین نے اپنے حریف کی ہمت اور حوصلے کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ جب بھی مقدس طبل جنگ کی آواز آتی، مسلمان جن میں مصری، شامی، عرب اور مشرقی اقوام کے لاتعداد افراد شامل تھے۔ خادم رسالت مآب کے علم کے نیچے جمع ہو جاتے، اس کا پڑاؤ ایکرے سے صرف چند میل دور قائم کیا گیا تھا۔ اس نے شب و روز محنت کی تاکہ اپنے بھائیوں کو بچا سکے۔ فرینک اس سے ناراض تھے، نو بڑی بڑی جنگیں لڑی گئیں، یہ تمام کی تمام کوہ قارمل کے قرب و جوار میں وقوع پذیر ہوئیں۔ ان میں ہر آن قسمت بدلتی رہی۔ ایک حملے میں تو سلطان شہر کے اندر داخل ہو گیا اور ایک حملے میں وہ عیسائیوں کے خیموں کے قریب پہنچ گئے۔ محصورین کے ساتھ باقاعدہ خط و کتابت بھی جاری رہی۔ سمندر سب کے لیے کھلا رہا، جب کوئی لشکر تھک جاتا تو اسے واپس بلا لیا جاتا، اور اس کی جگہ تازہ دم لشکر میدان میں پہنچ جاتا، لاطینی پڑاؤ، موت، قحط اور مایوسی کی وجہ سے بہت کم رہ گیا۔ مگر جتنے لوگ مر جاتے اسی تعداد میں نئے زائرین آ جاتے۔ انھوں نے مبالغہ آمیز بیان دیا کہ ان کے بے شمار ساتھی تیز رفتاری سے ان کے پیچھے آ رہے ہیں۔ اس خبر پر تو دہقان حیران رہ گئے کہ پاپائے روم بذات خود آنے والا ہے۔ اور اس کے ہمراہ ایک بڑی تعداد میں صلیبی جنگجو آ رہے ہیں۔ وہ صرف قسطنطنیہ تک پہنچا۔ خود بادشاہ کی آمد کی وجہ سے بھی خطرے کا امکان محسوس ہونے لگا۔ ایشیا میں اسے متعدد مشکلات پیش آئیں اور صلاح الدین کی حکمتِ عملی کی وجہ سے اسے یونان میں تلخ تجربات ہوئے۔ جب باربروسا کی موت واقع ہوئی، تو اس نے اس کی تعریف کی۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس سانحے پر اسے شاید خوشی ہوئی ہو، مگر جب عیسائیوں نے صوابیہ کے کاؤنٹ اور اس کے پانچ سو باقی ماندہ سپاہیوں کو دیکھا تو انھیں کو قدرے افسوس ہوا، بالآخر اگلے سال کے موسم بہار میں، فرانس اور انگلستان کے شاہی بیڑے ایکرے کے ساحل پر لنگر انداز ہو گئے۔ دونوں بادشاہ نوجوان تھے، انھوں نے محاصرے میں مزید سختی پیدا کر دی۔ وہ فلپ آگسٹس اور رچرڈ پلانٹا جینٹ (Plantagenet) کے ناموں سے موسوم تھے۔ محصورین نے اپنا ہر حیلہ آزمایا اور ان کی ہر امید منقطع ہو گئی تو انھوں نے اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیا۔ مشروط اطاعت منظور کر لی گئی۔ مگر ان کی زندگی اور آزادی کے لیے سخت شرائط پیش کی گئیں۔ دو لاکھ سونے کے ٹکڑے بطور تاوان طلب کیے گئے۔ اس کے بدلے میں ایک سو شرفا اور پندرہ ہزار عام لوگ آزاد کیے جا سکتے تھے۔ ان سے مقدس صلیب کی لکڑی کی واپسی کا بھی

مطالبہ کیا گیا۔ معاہدے میں بعض مشکوک عبارتیں بھی شامل تھیں۔ اس لیے اس کے عمل درآمد میں تاخیر بھی ہوئی۔ اس سے فرینک مشتعل ہو گئے اور انھوں نے سلطان کی آنکھوں کے سامنے تین ہزار مسلمان قتل کر دیے۔ اس فعل شنیع کا حکم شاہ انگلستان رچرڈ نے دیا تھا۔ ایکرے کی فتح کے نتیجے میں رومیوں کو ایک بارونق شہر اور ایک عمدہ بندرگاہ مل گئی۔ مگر یہ مفاد حاصل کرنے کے لیے بہت بڑی قربانی دی گئی۔ صلاح الدین کا ایک وزیر اور مؤرخ جو حساب لگاتا ہے، اس کے مطابق دشمن کے پانچ سے چھ لاکھ افراد مختلف مقامات پر ضائع ہو گئے۔ ان میں سے ایک لاکھ قتل ہوئے اور بہت بڑی تعداد میں بیماریوں سے ہلاک ہو گئے۔ کچھ جہازوں کے ساتھ غرق ہوئے اور ان کی ایک بڑی تعداد اپنے ممالک میں بخیریت واپس چلی گئی۔

شاہ فرانس فلپ آگسٹس اور انگلستان کا بادشاہ رچرڈ اول یہی دو ایسے حکمران تھے جو ایک ہی جھنڈے تلے جنگ میں شریک ہوئے۔ مگر ان کے مابین جو قومی حسد تھا، اس کی وجہ سے وہ مقدس فرض جس کے لیے وہ لڑ رہے تھے ناکام ہو گیا۔ اور وہ دو گروہ جن کا وہ فلسطین میں تحفظ کر رہے تھے، وہ مشترکہ دشمن کے مقابلے میں ایک دوسرے کے زیادہ مخالف تھے۔ مشرقی اقوام کی نظروں میں شاہ فرانس وقار اور قوت میں برتر تھا۔ اور جب وہ غیر حاضر بھی ہوتا، اس وقت بھی رومی اسے اپنا دنیاوی بادشاہ تسلیم کرتے۔ مگر جو کچھ اس نے حاصل کیا وہ اس کی شہرت کے مقابلے میں بہت کم تھا۔ وہ جلد ہی تھک گیا اور اپنی صحت کی قربانی دینے سے باز آ گیا۔ اسے ایک بنجر ساحل پر وقت ضائع کرنے میں کسی مفاد کا یقین نہ رہا۔ جونہی ایکرے میں شکست تسلیم کر لی گئی، اس کی طرف سے مراجعت کا اشارہ مل گیا۔ اس نے فرار ہونا تو پسند نہ کیا بلکہ اپنے پیچھے برگنڈی کا ڈیوک چھوڑ گیا اس کے ہمراہ پانچ سو مبارز اور دس ہزار پیدل فوجی بھی چھوڑ گیا تاکہ وہ ارض مقدس کی حفاظت کرتے رہیں۔ شاہِ انگلستان اگرچہ وقار کے لحاظ سے کم تر تھا، مگر دولت کے حساب سے اپنے حریف سے بڑھ کر تھا۔ اور اگر ظلم اور بربریت ہی کو ہمت اور جواں مردی سمجھا جائے، تو رچرڈ پلانٹاجینٹ کو اس دور کا سب سے بڑا ہیرو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ بھی شیر دل کی طرح رچرڈ شیر دل کہلانے کا اہل ہے۔ البتہ انگلستان میں اس کی موت کے ساٹھ سال بعد بھی ترکوں اور عربوں میں اس کی یاد باقی تھی۔ ان کی تیسری نسل بھی اپنے محاورات میں اسے یاد کرتی تھی۔ حالانکہ یہ ان کے دادا کی نسل سے لڑا تھا۔ شام میں مائیں اپنے بچوں کو ڈرا کر چپ کرانے کے لیے اس کا نام لیا کرتی تھیں۔ اگر کوئی گھوڑا راہ چلتے بدک جاتا تو اس کا سوار کہتا کہ "کیا تم سمجھتے ہو کہ بادشاہ رچرڈ جھاڑیوں میں چھپا بیٹھا ہے"؟ مسلمانوں پر ظلم ڈھانا اس کے مزاج کا حصہ تھا، لیکن میں نہیں

سمجھتا کہ کوئی اور سپاہی ایسا ہوگا جو اس کی طرح آزادی سے نیزہ چلا سکے۔ وہ اپنے بھائی مونٹ فراٹ کے کونزڈ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے گھوڑے سے اتر کر تلوار سے لڑسکتا تھا۔ مذکورہ شخص ٹائر میں کسی گمنام شخص کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا۔ جب ایکرے فتح ہوگیا اور شاہ فرانس فلپ واپس روانہ ہوگیا تو اس نے ساحل سمندر پر واقع شہروں کی بازیابی کے لیے کوششیں شروع کردیں اور لوسگنان کی حکومت میں قیصریہ اور جافا کے شہروں کا اضافہ کردیا۔ اس نے جب ایکرے سے عسقلان کی طرف پیش قدمی کی تو یہ سو میل کا فاصلہ گیارہ دن میں طے ہوا۔ اگرچہ صلاح الدین کی افواج میں بدنظمی پیدا ہو چکی تھی اس کے باوجود اس نے نہ صرف اپنا جھنڈا بلند رکھا بلکہ طبل جنگ بھی متواتر بجتا رہا۔ اس نے دوبارہ صف بندی کی اور مڑ کر حملہ کردیا۔ اس کے نقیبوں نے بآواز بلند پکارنا شروع کردیا کہ اپنی جگہ پر ڈٹ جاؤ اور جم کر عیسائی بت پرستوں کا مقابلہ کرو، مگر یہ بت پرست اتنے آگے بڑھ چکے تھے کہ ناقابل مزاحمت تھے اور سلطان نے عسقلان کی فصیلیں گرا کر عسقلان کا قلعہ بچالیا جو مصر کی سرحد پر واقع تھا۔ موسم سرما میں اس کی افواج نے آرام کیا مگر موسم بہار میں فرینک پیش قدمی کر کے یروشلم سے ایک یوم کے فاصلے پر پہنچ گئے۔ یہ بھی شاہ انگلستان کے پرچم تلے لڑ رہے تھے۔ اس نے ایک قافلے کو روک لیا جس میں سات ہزار اونٹ شامل تھے۔ صلاح الدین نے اپنا پرچم بیت المقدس میں گاڑ رکھا تھا۔ مگر شہر میں اچانک بدنظمی پیدا ہوگئی۔ سلطان روزے سے تھا، اس نے نماز ادا کی، مگر مملوک جن کے ساتھی ایکرے میں ایک برے انجام سے گزر چکے تھے۔ انھوں نے شور مچانا شروع کردیا کہ سلطان اپنی ذات کی حفاظت کرے اور اپنی فوج کو بھی مستقبل کے دفاع کے لیے باقی رہنے دے تاکہ مذہب اور سلطنت کے دفاع کا عمل جاری رہ سکے۔ مگر عیسائی اچانک ہی یا جیسا کہ کہا جاتا ہے، معجزانہ طور پر واپسی پر آمادہ ہوگئے تھے۔ رچرڈ کی عقل مندی تھی یا اس کے حریفوں کا حسد تھا کہ اس کی شان و شوکت کی اچانک ہوا نکل گئی۔ وہ ایک پہاڑی پر چڑھ رہا تھا، اس نے اپنا منہ فضا میں بلند کیا اور اونچی آواز میں کہا کہ وہ لوگ جو مرقد مسیح کی حفاظت نہیں کرسکتے وہ اس قابل بھی نہیں کہ اس کی زیارت کرسکیں جب وہ ایکرے واپس پہنچا تو اسے خبر ملی کہ سلطان نے جافا پر اچانک حملہ کردیا وہ جہاز میں بیٹھا اور عازم انگلستان ہوگیا۔ اسے ایک تجارتی جہاز مل گیا جو اسی سمت جا رہا تھا مگر اس نے اچانک ساحل سمندر پر چھلانگ لگا دی اس کی موجودگی کی وجہ سے قلعہ آزاد کرالیا گیا اور ساٹھ ہزار ترک اور عرب اس کی فوج کے مقابلے سے فرار ہوگئے جب اس کی کمزوری کا انھیں علم ہوا، تو وہ اگلی صبح دوبارہ آگئے اور انھوں نے دیکھا کہ وہ سترہ مبارزوں کے ساتھ قلعے کے دروازے میں تنہا کھڑا ہوا اور اس کے ہمراہ

صرف تین سو تیر انداز ہیں۔ اس نے ان کی تعداد کا اندازہ نہیں کیا اور ان کے مقابلے میں ڈٹ گیا۔ اس کی روایات کی شہادت سے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس نے اپنا نیزہ پکڑا اور گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ وہ دائیں جانب سے بائیں سمت چلا گیا اور اسے کوئی مدمقابل نہ ملا جو اس کے مقابلے میں قسمت آزمائی کرے اور اس کے مقابلے پر اتر آئے۔ کیا میں تاریخ لکھ رہا ہوں یا قصائد اور الف لیلیٰ کے قصے بیان کر رہا ہوں؟

ان جنگوں کے دوران مسلمانوں اور فرینکوں کے درمیان ایک مشکل اور طویل گفتگو کا آغاز ہوگیا۔ جو طویل عرصے تک مسلسل جاری رہی۔ کبھی ٹوٹ جاتی، پھر دوبارہ شروع ہو جاتی اور پھر ٹوٹ جاتی۔ بعض شاہانہ کام بھی کرلیے جاتے مثلاً برف اور میوہ جات کے تحائف ارسال کردیے جاتے، ناروے کے عقاب بھیج دیے جاتے، گویا بادشاہ ایک دوسرے کو سمجھاتے کہ خدا کی ذات سب کے لیے یکساں اور غیر جانبدار ہے۔ جب ایک دوسرے کی قوت کو آزما لیتے تو پھر فیصلہ کن جنگ کی امید قائم کرلیتے۔ رچرڈ اور صلاح الدین کی صحت مائل بزوال تھی اور یہ ان دونوں کو داخلی اور دور افتادہ جنگوں کا تجربہ ہو چکا تھا۔ رچرڈ کو یہ دھن سوار تھی کہ وہ اپنے اس حریف کو سزا دے جس نے اس کی عدم موجودگی میں نارمنڈی پر حملہ کردیا تھا، اور ان تھک سلطان اس لیے تنگ ہو رہا تھا کہ اس کی رعایا بے صبر اور بے قرار ہو رہی تھی۔ رعایا کے علاوہ افواج بھی تھک چکی تھیں اور بغیر فوجی تائید کے یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکتا تھا۔ انگلستان کے بادشاہ کا پہلا مطالبہ یہ تھا کہ یروشلم واپس کردیا جائے۔ فلسطین اور اصلی صلیب بھی عیسائیوں کے حوالے کردی جائے، اور اس کے صلیبی بھائی اس جدوجہد میں اپنی جان قربان کردیں گے مگر وہ ناکام واپس نہیں آئیں گے۔ مگر سلطان کا ضمیر ان شرائط کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ اس کے بدلے میں مناسب تلافی کا خواہش مند تھا۔ بتوں اور بت پرستی کی بحالی اس کے ضمیر کے خلاف تھی، اور عیسائی مذہب میں بت پرستی شامل ہو چکی تھی۔ اس نے بھی فلسطین پر مسلمانوں اور اسلام کے حقوق پر زور دیا۔ اور یروشلم کے احترام کا اعادہ کیا، اور اس شہر کی اہمیت کی وضاحت کی۔ اور اس سلسلے میں مصالحت کے لیے کسی قسم کی شرائط قبول کرنے سے انکار کردیا، یا لاطینیوں کے ساتھ اس علاقے کی تقسیم کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ رچرڈ نے سلطان کے بھائی کے ساتھ اپنی بہن کی شادی کی تجویز پیش کی تھی۔ یہ مذہبی افتراق کے باعث نامنظور کردی گئی خود شہزادی بھی کسی ترک کی بغل گیری پر راضی نہ تھی اور عدل اور سفارتی تعدد ازواج کی اجازت نہ دیتے تھے۔ صلاح الدین نے ذاتی ملاقات سے بھی انکار کردیا۔ اس نے کہا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کی زبان سے ناآشنا ہیں اور مکالمات صرف ترجمانوں اور سفارت کاروں کی

وساطت سے ہو سکتے ہیں۔ جن میں بہت دیر لگ سکتی ہے۔ دونوں فریقوں نے کسی حتمی فیصلے پر پہنچنے سے بھی انکار کر دیا۔ رومی اسقف اور خلیفۂ بغداد نے بھی ایسے معاہدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ تجویز کیا گیا کہ یروشلم اور مرقد مسیح ہر شخص کے لیے کھلا ہوا ہے اور لاطینی زائرین سے کسی قسم کا محصول وصول نہ کیا جائے اور عسقلان کی تباہی کے بعد تمام ساحل سمندر جافا سے ٹائر تک عیسائیوں کے قبضے میں دے دیا جائے۔ طرابلس کا کاؤنٹ اور انساخ کا بادشاہ بھی اس معاہدے میں شامل کر لیے جائیں، اور اگلے تین سال اور تین ماہ میں تمام جنگیں ختم کر دی جائیں۔ دونوں اطراف کے سپہ سالاران معاہدات کی پابندی پر عمل کرنے کا وعدہ کریں۔ وہ زبانی بھی اقرار کریں اور دائیں ہاتھ سے مصافحہ بھی کریں۔ مگر خود شہنشاہ کوئی حلف نہیں اٹھائیں گے کیونکہ ایسے معاملات میں کسی حد تک غلط بیانی، شک اور تذلیل کی گنجائش موجود رہتی ہے۔ رچرڈ یورپ کے لیے روانہ ہو گیا اور وہ طویل عرصہ تک قید میں رہ کر مر گیا۔ اس کے بعد صلاح الدین بھی چند ماہ زندہ رہا، مؤرخین اس کی یادگار موت کا ذکر کرتے ہیں جو دمشق میں واقع ہوئی۔ مگر وہ یہ بیان کرنا بھول جاتے ہیں کہ اس نے ہمیشہ خیرات تینوں مذاہب میں مساوی تقسیم کر دی۔ اس نے کفن کے بجائے اپنے جھنڈے کو استعمال کرنے کی ہدایت کی۔ مشرق میں دنیائے فانی کا تصور پہلے ہی سے مرقوم ہے اس کی موت سے سلطنت کا اتحاد بھی ختم ہو گیا۔ اس کے بیٹوں کو ان کے چچا نے زیر کر لیا۔ اس کا نام سفاح الدین تھا۔ مصر، دمشق اور ایلیپو کے سلطان دوبارہ بحال ہو گئے اور فرینک اور لاطینی کچھ وقت کے لیے اٹھے اور شامی ساحلوں کے ساتھ ساتھ کچھ مدت سانس لے کر ختم ہو گئے۔

فاتح کا ایک شریفانہ عمل جو ہمیشہ یاد رہے گا وہ عُشر ہے جو اس نے عائد کیا، یہ محصول ہر شخص پر حسب قانون عائد تھا اور لاطینی کلیسا کے پادری بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔ یہ عمل اس کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ یہی عُشر کا نظام تھا جو رومی کیتھولک کلیسا نے بھی عائد کر رکھا تھا۔ اس طرح بادشاہ اور کلیسا دونوں ایک دوسرے کے حریف تصور ہونے لگے تھے۔ اس مالی مفاد کی وجہ سے پوپ بھی فلسطین کو اپنے حلقۂ اطاعت میں رکھنا چاہتا تھا۔ صلاح الدین کی موت کے بعد بھی انھوں نے صلیبی جنگ جاری رکھی، ان کے چیلے چانٹے، مرید اور مبلغین اس کام میں مصروف رہے۔ اس مقدس کام کی تکمیل کی توقع شاید پوپ انوسینٹ سوم سے کی جا سکتی تھی اس نوجوان پادری کے دور میں سینٹ پیٹر کے جانشین اپنی عظمت کے بام عروج پر تھے۔ اپنے اٹھارہ سالہ دورِ اقتدار میں اس نے بادشاہوں اور فوجیوں پر اپنا پورا تسلط حاصل کر لیا۔ وہ جس کو چاہتا تخت پر بٹھا دیتا اور جسے چاہتا ہٹا دیتا، اگر کوئی حکمران کسی جرم کا ارتکاب کرتا، یا عیسائی عبادت میں کوتاہی کرتا تو یہ اسے سزا دے

دیتا۔ لیطرانوں کی کونسل میں، تو اس نے نہ صرف کلیسائی اسقف بلکہ شرق و غرب کے بادشاہ کا بھی کردار ادا کیا۔ یہ اسی کے حکم کا نتیجہ تھا کہ انگلستان کا جان اپنے تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا اور پوپ انوسینٹ اس پر فخر کر سکتا ہے کہ وہ بیک وقت دینی اور دنیاوی بادشاہ تھا۔ اس کے کہنے پر دو صلیبی جنگیں چہارم اور پنجم لڑی گئیں۔ مگر ماسوائے شاہ ہنگری کے درجہ دوم کے حکمران ہی صلیبیوں کے ہمراہ آ سکے۔ افواج اس کے منصوبے کے لیے بہت کم تھیں۔ ان کے اثرات بھی عوام اور پوپ کی توقعات کے مطابق رونما نہ ہوئے۔ چوتھی صلیبی جنگ شام سے قسطنطنیہ کی طرف منتقل کر دی گئی۔ اس میں رومیوں یا یونانیوں کو جو کامیابیاں نصیب ہوئیں، اس کا تذکرہ ہم اگلے باب میں کریں گے۔ کیونکہ یہ ایک نہایت اہم موضوع ہے۔ پانچویں جنگ میں دولاکھ فرینک نیل کے مشرقی دہانے پر اتر آئے ان کو قوی امید تھی کہ فلسطین پر قبضہ مصر ہی میں گزر کر کیا جا سکتا ہے کیونکہ سلطان کے ذخائر اور دارالحکومت اسی ملک میں تھا، سولہ ماہ کی طویل جنگ میں مسلمانوں کو دامیطہ کا نقصان برداشت کرنا پڑا، لیکن اس دوران پادری پلاجی اوس نے پوپ کی طرف سے افواج کی کمان سنبھال لی اور تھکے ہارے فرینکوں کو دامیطہ خالی کرنا پڑا۔ انھوں نے زائرین کے لیے چند مراعات حاصل کر لیں اور ایک شکستہ صلیب کا ڈھانچا بھی انھیں مل گیا۔ جس کی حیثیت مشکوک تھی۔ اس ناکامی کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ زائرین کی تعداد بہت زیادہ تھی اور وہ پوری طرح سے منظم بھی نہ تھے اور انھوں نے صلیبی جنگ سے غلط مفادات حاصل کرنے کی کوشش بھی کی۔ اسی زمانے میں لیوونیا کے کفار کے خلاف تبلیغ کا فرض ادا کرنا شروع کر دیا گیا۔ ہسپانیہ میں موروں، فرانس میں ایلیجیو اور صقلیہ کے بادشاہوں کے شاہی خاندان کے خلاف کارروائی کا آغاز ہو گیا۔ ان مذہبی خدمات کے لیے رضا کار جمع ہو کر اپنے ممالک میں وہی مراعات طلب کرنے لگے جو نقل مکانی میں متوقع تھی اور وہ اس دنیا میں بھی بڑے بڑے انعامات کا مطالبہ کرنے لگے۔ اس سے ان کے شامی بھائی ان کی طرف سے ملنے والی کسی متوقع مدد سے مایوس ہو گئے کیونکہ یہ لوگ تو ان کے مصائب ہی کو فراموش کر چکے تھے۔ صلیبی جنگوں کے آخری ایام میں نہ ان کے پاس فوج تھی اور نہ ہی محاصلات کے ذرائع باقی تھے اور بعض گہرے استدلالی مفکرین تو اس میں شک کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پلاقسطیا کے اجتماع کا آغاز ہی سے یہ مقصد تھا کہ مسلمانوں کے خلاف جنگی کارروائی کی جائے اور روم کی حکمت عملی کو کامیاب بنایا جائے۔ مگر اس شک کی بنیاد نہ تو حقائق پر مبنی ہے اور نہ مذکورہ اجتماع کی نوعیت پر ہے بلکہ بعض نکات اور انداز فکر پر ہے جو سینٹ پیٹر کے جانشینوں میں زمانہ مابعد میں پیدا ہو گئے تھے۔ انھیں نہ تو موسموں

کے تغیر وتبدل کا علم تھا اور نہ انھیں زراعت کے عمل سے ہی آشنائی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے پکی ہوئی فصل اٹھا کر استفادہ حاصل کرلیا۔ انھیں اس کے لیے نہ تو محنت کرنی پڑی نہ اس کے لیے خطرات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کا صلیبی جنگوں کا تصور بھی مبہم تھا، مگر جو شخص جہاز چلاتا ہے وہ اس کے اقتدار کو اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ نیز فلسطین کو بھی پاپائے روم کی موجودگی سے کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا تھا۔

اشخاص، خاندان اور زائرین کی حالت ہر لحاظ سے پوپ کے براہ راست تحفظ میں تھی اور ان روحانی پیشواؤں نے جلد ہی فوجوں کی رہنمائی کے اختیارات بھی حاصل کر لیے۔ نہ صرف انھوں نے کمان اپنے ہاتھ میں لے لی بلکہ وہ اپنے مقاصد کی عدم تکمیل کی صورت میں ملامت بھی کرنے لگے۔ باربروسا کا پوتا فریڈرک دوم اہل کلیسا کا شاگرد بھی تھا، پھر دشمن بن گیا، اور کلیسا نے اس پر ظلم بھی کیا تھا۔ جب یہ اکیس سال کا نوجوان تھا اور انوسینٹ سوم کی زیر کفالت تھا تو اس نے صلیب کی فرمانبرداری کو اپنایا۔ جب اس کی شاہانہ تاج پوشی ہوئی تو دوبارہ اسی مقصد کے لیے حلف لیا۔ پھر یروشلم کی وارثہ سے اس کی شادی ہوئی تو اس کا سب سے اہم فرض یہی قرار پایا کہ وہ اپنے بیٹے کونراڈ کی حکومت کی حفاظت کرے۔ اب یہ فرض اس کی زندگی بھر کا مقصد بن گیا تھا۔ مگر جوں جوں اس کی عمر بڑھتی گئی اور اس کے اختیارات میں اضافہ ہوتا گیا تو اس نے اپنی جوانی کے تمام بندھنوں کو توڑ دیا۔ اس کی آزاد خیالی اور علم نے اسے اوہام پرستی کے بھوتوں اور ایشیا کے تخت و تاج کے حصول کے خیال سے آزاد کرا دیا۔ اب اس کی نظر میں انوسینٹ سوم کی کوئی عزت باقی نہ رہی تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنی حکومت صقلیہ سے لے کر الپس تک قائم کر لے۔ اگر یہ جہاز اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاتا تو پوپ کو بھی اپنی اصل سادگی میں منتقل ہونا پڑتا۔ اس نے حیلوں بہانوں سے بارہ سال کی طویل تاخیر کر دی اس کے بعد پوپ نے زبانی گزارش بھی کی اور انتباہ بھی کیا کہ وہ فلسطین پر حملے کی تاریخ اور مقام کا تعین کر دے۔ صقلیہ اور اپولیا کی بندرگاہوں میں اس نے سو جہازوں کا بیڑہ تیار کیا۔ یہ جہاز اتنے بڑے بڑے تھے کہ ان میں دو ہزار پانچ سو مبارز لادے جا سکتے تھے۔ ان کے گھوڑوں اور خدام کی بھی ان میں گنجائش تھی۔ اس کے جرمنی اور نیپلز کے باجگزار اس کے ہمراہ شامل ہو کر ایک زبردست فوج تشکیل دے سکتے تھے۔ اس کے علاوہ انگلستان کے رضا کاروں کی تعداد بھی ساٹھ ہزار تھی جو اس کی شہرت کی وجہ سے تیار ہو گئے تھے، مگر اس کی تاخیر کی وجہ سے بہت اشیائے صرف کی بڑی مقدار اور رضا کاروں کی ایک تعداد بھی ختم ہو گئی اور یہ اجتماع بیماریوں اور فرار کی وجہ سے کم ہو گیا۔ کالابریہ کے حبس اور گرمی کی وجہ سے شام پر معرکہ آرائی کی افواہیں گردش

کرنے لگیں بالآخر بروندوسی اوم کے مقام پر بادشاہ نے بادبان اٹھا لیے۔ اس کے ہمراہ چالیس ہزار فوجی سپاہی تھے مگر وہ سمندر میں تین یوم سے زائد نہ رہا۔ اور جلدی سے مراجعت اختیار کر لی۔ اس کے دوستوں کا کہنا ہے کہ وہ سخت بیمار ہو گیا تھا۔ اس کے دشمنوں کا خیال تھا کہ اس نے اپنی مرضی سے پوپ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا ہے اور وہ وعدہ خلافی کا مرتکب ہوا ہے۔ گریگوری نہم نے فریڈرک کا مقاطع کر دیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اگلے سال یہ اپنا وعدہ پورا کر دے گا اسی پوپ نے اس کا دوبارہ مقاطع کر دیا، جبکہ یہ خود بھی صلیب کے جھنڈے تلے خدمات بجا لا رہا تھا۔ اس کے باوجود اٹلی میں اسی کے خلاف ایک صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا گیا۔ واپسی پر اسے معافی مانگنی پڑی اور ان زخموں کا ذکر کیا جو اس نے کھائے تھے۔ یہ سابقہ احکام کے مطابق فلسطین جانے سے باز رہا تھا، اس لیے اس پر مزید اعتماد کرنے سے گریز کیا گیا اور اس کی کمان تبدیل کر دی گئی۔ اس کی اپنی حکومت میں اس کی حالت یہ تھی کہ اس کی چھاؤنی میں بھی جو احکام جاری کیے جاتے وہ خدا کی طرف سے ہوتے یا عیسائی جمہوریہ کے نام سے ہوتے۔ فریڈرک فاتح کی حیثیت سے یروشلم میں داخل ہوا۔ اور اپنے ہاتھوں سے (کیونکہ کسی پادری کو یہ کام کرنے کی اجازت نہ تھی) اس مرقد مسیح پر سے تاج اٹھایا، چونکہ اسے گرجا گھر میں داخلے کی اجازت نہ تھی۔ پادری نے بالواسطہ طور پر اسے تاج پہنا دیا۔ اور عبادت گاہ اور ہسپتال کے مبارز نے سلطان کو اطلاع دی کہ اسے کتنی آسانی سے قتل کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ دریائے اردن پر محافظین کے بغیر جا رہا ہے۔ اوہام پرستی کی ایسی کیفیت میں، جزوی فتح بیکار تھی اور اس کا دفاع مزید مشکل تھا۔ چونکہ مسلمانوں کے اندر بہت زیادہ اختلاف تھا، اس لیے ایسے موقع پر ان سے کوئی معاہدہ بآسانی کیا جا سکتا تھا۔ جس میں عیسائیوں کا فائدہ ہو اور فریڈرک کے کردار میں بھی عظمت کا اضافہ ہو جائے۔ کلیسا کے دشمن مہمان نوازی اور دوستی کا مظاہرہ کر رہے تھے وہ اس سرزمین کو بنجر قرار دے رہے تھے اور اس ناپسندیدہ خیال کا اظہار کر رہے تھے کہ اگر یہوواہ نے نیپلز کی حکومت کو دیکھ لیا ہوتا تو وہ دنیا کی منتخب نسل بنی اسرائیل کے لیے فلسطین کو وطن کی حیثیت سے ہرگز پسند نہ کرتا۔ اس کے باوجود فریڈرک نے سلطان سے یروشلم کا اختیار حاصل کر لیا، علاوہ ازیں بیت اللحم، ناصرہ، ٹائر اور سیڈون پر بھی قبضہ کر لیا۔ لاطینیوں کو اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنا قیام جاری رکھیں اور شہر کی قلعہ بندی کر لیں۔ یروشلم کی آبادی کے لیے ضابطہ بنا دیا گیا کہ ہر فرقے کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ جن میں مسلمان بھی شامل تھے۔ مسلمانوں کو مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی اجازت تھی کیونکہ یہی وہ مقام تھا جہاں سے آنحضرت سفر معراج پر روانہ ہوئے تھے۔ پادریوں کو یہ رواداری پسند نہ تھی۔ کمزور

مسلمانوں کو بتدریج شہر سے باہر نکال دیا۔ مگر خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر ہی صلیبی جنگ کے تمام مقاصد پورے کر لیے گئے۔ گرجے بحال کر دیے گئے۔ خانقاہیں آباد ہوگئیں۔ اگلے پندرہ سال میں یروشلم میں لاطینیوں کی تعداد چھ ہزار سے زیادہ ہوگئی۔ یہ امن اور خوشحالی، جس کے لیے انھوں نے مہربان کا کبھی شکریہ ادا نہیں کیا۔ اسے خوارزمیوں کے ایک لشکر نے ختم کر دیا۔ یہ تاتاریوں سے شکست کھا کر اور بھاگ کر یہاں آئے تھے۔ یہ بھی گذرے تھے اور بحیرۂ خزر سے ہوتے ہوئے شام پہنچ گئے۔ اگرچہ فرینکوں نے ایلپو، حمص اور دمشق کے سلاطین کے ساتھ اتحاد قائم کر لیا تھا، مگر یہ سب مل کر بھی اس طوفان کو روکنے کے لیے کافی نہ تھے۔ جو کوئی بھی ان کے سامنے آیا اسے تلوار سے کاٹ کر رکھ دیا یا غلام بنا لیا گیا۔ تمام فوجی تنظیم کو ایک معرکے ہی میں ختم کر دیا گیا۔ انھوں نے شہر کو لوٹ لیا، مرقد مسیح کی بے حرمتی کی۔ لاطینی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ترک اور عرب ان کے مقابلے میں بہت میانہ رو اور منظم تھے۔

سات صلیبی جنگوں میں سے آخری دو شاہ فرانس لوئیس نہم نے لڑی تھیں۔ مصر میں اس کی آزادی کا خاتمہ ہوگیا۔ اور افریقہ کے ساحل پر اس کی زندگی کا بھی اختتام ہوگیا۔ اس کی موت کے اٹھائیس سال بعد اسے روم میں دفن کیا گیا اور یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ ایک ولی تھا۔ پینسٹھ کرامات اس سے منسوب کر دی گئیں اور خوش عقیدہ افراد نے ان کی تصدیق بھی کر دی۔ مگر تاریخ کی آواز جو اس کے حق میں شہادت پیش کرتی ہے، وہ زیادہ قابل احترام ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس میں ایک بادشاہ، ہیرو اور ایک اچھے انسان کی تمام خوبیاں موجود تھیں اور یہ اس کے جنگجو مزاج میں، انفرادی اور اجتماعی انصاف کا پہلو موجود تھا۔ لوئیس بابائے قوم تھا۔ وہ اپنے ہمسائیوں کا دوست تھا، اور غیر مذہب اقوام کے لوگوں کے لیے ایک خوفناک عفریت تھا۔ اس کے زیر اثر اوہام پرستی پر مبنی عقائد میں اضافہ ہوا، اس سے اس کے دل اور شعور کو بھی نقصان پہنچا، اس کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ اس نے فرانس اور ڈومنی (Dominic) کے درویشوں کی طرح گداگری کی۔ وہ عیسائیت کے دشمنوں کا ظالمانہ تعاقب کرتا۔ وہ بہترین بادشاہ اپنی بادشاہت چھوڑ کر اس کی نیابت اختیار کرنے کے لیے آگئے۔ مؤرخین اس کے کردار کی راہبانہ صفت کو زیادہ ترجیح دینا پسند کریں گے۔ مگر شریف اور بہادر جوئین ولے جو لوئیس کا دوست تھا اور اس کے ہمراہ قید بھی رہا اس نے فطرت کے قلم سے اس کی صفات کی تین تصاویر بنائی ہیں اس نے اس کی کوتاہیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس روایتی علم کی بنیاد پر ہمیں شبہ ہونے لگتا ہے کہ اس کے ماتحت اس کے ساتھ مخلص نہ تھے۔ اُن میں وہ ساری لغزشیں موجود تھیں جو بالعموم صلیبی بادشاہوں کے ذمے لگا دی

جاتی ہیں۔ مگر وہ ازمنۂ وسطیٰ کے تمام بادشاہوں سے بلند تھا، لوئیس نہم نے پوری طرح کوشش کی کہ وہ شاہی صوابدید کو قائم رکھے۔ مگر یہ صرف اپنے وطن میں ہی ہو سکا۔ مشرق میں صوابدیدی اختیارات کا قائم رکھنا مشکل تھا۔ اپنے وطن میں بھی یہ اختیارات صرف اس کی ذات اور اس کی اولاد تک ہی محدود رہ سکے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اگرچہ وہ بیمار تھا۔ اگرچہ وہ اس تصور کا بانی تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ مظلوم بھی تھا کیونکہ اس کی اوہام پرستی، دیوانگی کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ مصر پر حملے کے لیے فرانس کے پاس فوجی باقی نہ رہے تھے۔ خزانے خالی ہو چکے تھے، اس نے اٹھارہ سو بادبانوں کی مدد سے قبرص کا سمندر ڈھانپ لیا، کم از کم اندازہ یہ ہے کہ ان میں پچاس ہزار افراد سوار تھے۔ اگر ہم اس کے اپنے اعتراف پر یقین کریں، جیسا کہ مشرقی ذرائع سے ہمیں اطلاع ملی ہے، تو اس نے نو ہزار پانچ سو گھوڑے اتار دیے اور ایک لاکھ تیس ہزار پیدل فوجی بھی اس کے ہمراہ تھے۔ ان لوگوں نے اس کے زیر سایہ زیارت کی۔

لوئیس نے پورا اسلحہ پہن رکھا تھا اور وہ اپنے سامنے مشعل کے شعلے کو بلاتا جا رہا تھا۔ اس نے چھلانگ لگائی اور ساحلی ریت پر اتر گیا۔ یہ دامیطہ کے مضبوط شہر کا ساحل تھا۔ اس کے پیشرو حکمرانوں نے اس پر سولہ ایام محاصری جاری رکھا تھا۔ لرزاں مسلمانوں پر یہ پہلا حملہ تھا۔ مگر دامیطہ اس کی اولین اور آخری فتح تھی۔ پانچویں اور چھٹی صلیبی جنگوں میں، تقریباً اسی میدان میں اور انہی اسباب کی وجہ سے اسی طرح کے مصائب پیش آنے تھے۔ تباہ کن تاخیر کے بعد جس میں کہ پڑاؤ میں ایک خطرناک وبائی مرض پھیل گیا تھا، فرینک ساحل سمندر چھوڑ کر شہر کی طرف بھاگے۔ دریائے نیل میں بے موسم طوفان چڑھا ہوا تھا جو نا قابل عبور معلوم ہوتا تھا، اس کی وجہ سے انھیں رکنا پڑا۔ فرانسیسی مبارزوں نے اپنی شوریدہ سری کی وجہ سے اس خطرے اور نظم و ضبط کی کوئی پروا نہ کی۔ اس کا اپنا بھائی آرطوئس کا کاؤنٹ، جو حد سے زائد جرأت آزما تھا، ماسورہ کے قصبے پر حملہ آور ہوگیا۔ اور اس کے کبوتروں کی وجہ سے قاہرہ کے شہریوں کو یہ اطلاع دے دی گئی کہ ہر شے ختم ہو چکی ہے۔ مگر ایک سپاہی نے جس نے بعد میں تخت پر قبضہ کر لیا، تمام بھاگتے ہوئے سپاہیوں کو جمع کر لیا اور عیسائیوں کے لشکر بہت عقب میں تھے جبکہ ہراول دستے آگے بڑھ چکے تھے۔ آرطوئس کو قابو کر لیا گیا اور تباہ کر دیا گیا۔ یونانی آگ کا ایک فوارہ جلدی میں حملہ آوروں پر پھینک دیا گیا۔ دریائے نیل پر مصری جہازوں کا غلبہ تھا اور کھلے میدان عربوں کے ہاتھ میں تھے، تمام سامان خوراک بھی روک لیا گیا۔ ہر روز بیماریوں اور قحط میں اضافہ ہونے لگا۔ اسی وقت یہ بھی سوچا گیا کہ پسپائی ناگزیر ہے مگر ان حالات میں یہ بھی ممکن نہ تھا۔ مشرقی مؤرخین یہ

بیان کرتے ہیں کہ اگر وہ چاہتا تو لوئیس فرار ہوسکتا تھا۔ مگر اس نے اپنی رعایا کو چھوڑ نا مناسب نہ سمجھا۔ اسے قید کرلیا گیا۔ اس کے ہمراہ مبارزین کا بہت بڑا حصہ بھی قید ہوگیا۔ وہ لوگ جو زرفدیہ ادا نہ کر سکے قتل کردیے گئے۔ اور قاہرہ کی دیواروں پر عیسائیوں کے سروں سے آرائش کی گئی۔ شاہ فرانس کو زنجیریں پہنا دی گئیں۔ مگر عظیم فاتح جو صلاح الدین کے بھائی کا پڑپوتا تھا، بہت فیاض آدمی تھا۔ اس نے اپنے شاہی قیدی کے لیے ایک خلعت ارسال کی اور اسے اس کے سپاہیوں کے ساتھ آزاد کردیا۔ اور اس کے بدلے میں دامیطہ آزاد کرالیا گیا۔ اور چار لاکھ طلائی سکے بھی ادا کردیے گئے۔ معتدل اور نرم آب وہوا میں نورالدین اور صلاح الدین کی اولاد اس قابل نہ تھی کہ یورپی سورماؤں کا میدان جنگ میں مقابلہ کرسکیں۔ انھوں نے یہ فتح اپنے غلام مملوک کی قوت سے حاصل کی۔ جو تاتاری کے مضبوط جثے کے جوان تھے۔ انھیں کم سنی میں شامی تاجروں نے خرید لیا تھا، اور سلطان کی چھاؤنی اور محل میں ان کی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ مگر مصر کو جلد ہی ایک اور پرائطوری دستوں کا تجربہ ہوا۔ یہ وحشی درندے تھے جنھیں اس لیے کھلا چھوڑ دیا گیا کہ وہ اپنے محسنوں کو چیر پھاڑ کر کھا جائیں اب انھیں فخر وغرور کا نشہ تھا اور شاہی خاندان کے آخری فرمانروا توران شاہ کو اس کے مملوکوں نے قتل کردیا۔ اور یہ دلیر قاتل مقید بادشاہ کے ایوان میں گھس گئے۔ انھوں نے تلواریں سونت رکھی تھیں۔ انھوں نے اپنے سلطان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کرلیے۔ ان کا لالچ، ان کے ظلم اور نقدی سے بھی بڑھ کر تھا، معاہدہ ختم ہوچکا تھا، اور شاہ فرانس کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ فلسطین کی طرف روانہ ہوجائے۔ اس نے اپنے چار سال ایکرے کی فصیلوں کے اندر ضائع کردیے، اور وہ یروشلم نہ جاسکا۔ اور وہ اپنے وطن بھی شان فتح کے بغیر مراجعت کے لیے تیار نہ تھا۔

سولہ سال کے تجربے اور غور وفکر کے بعد لوئیس کو ایک بار پھر خیال آیا کہ وہ ساتویں اور آخری صلیبی جنگ کا اقدام کرے۔ اس نے اپنے مالی ذرائع بحال کرلیے۔ اس کا دائرہ حکومت وسیع ہوچکا تھا۔ جنگجوؤں کی نئی نسل پروان چڑھ چکی تھی، اس نے چھ ہزار گھوڑے جمع کیے، اور تیس ہزار پیدل فوجیوں کا اہتمام کیا۔ اناج کے نقصان نے اسے مہم جوئی پر مجبور کیا۔ تیونس کے بادشاہ نے اسے طیش دلایا تھا، اس لیے اس نے افریقہ کی طرف رخ کرلیا، اطلاع ملی کہ وہاں خزانے بھی بکثرت ہیں، اس لیے اس کے فوجی اس پر راضی ہوگئے تھے کہ وہ مرقد مسیح کی زیارت میں کسی حد تک تاخیر بھی برداشت کرلیں گے۔ اس کی بجائے کہ اس کی ملاقات کسی نومذہب سے ہوتی، یہ محاصرے میں آگیا۔ فرانسیسی تپتی ہوئی ریت پر جل کر مرنے لگے۔ وہ بھی اپنے خیمے ہی میں مرگیا، جونہی اس کی آنکھیں بند ہوئیں، اس کے جانشین بیٹے نے واپسی کا اشارہ دے دیا۔ ایک زندہ دل مؤرخ نے

لکھا ہے کہ عیسائی بادشاہ کارتھیج کے کھنڈرات کے قریب مرگیا۔ وہ جناب رسالت پناہ کی امت کے خلاف جنگ کرنے کے لیے نکلا تھا۔ یہ وہی مقام تھا جہاں ڈائڈو (Dido) نے شیطانوں کو شام کا تعارف کرایا تھا۔

اس سے زیادہ بری دستور سازی نہیں کی جاسکتی کہ کسی قوم کو مجبور کیا جائے کہ وہ غیروں کی غلامی قبول کرلے اور من موجی قوانین کی پابندی کرے۔ اس کے باوجود پانچ سو سال سے زائد عرصہ تک مصر کی یہی حالت رہی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے بری مثال بحاری (Baharite) اور بورجی (Borgite) خاندانوں کی ہے جنھوں نے خود ہی تاتاری اور سرقیشیائی دستوں کو دعوت دی اور چوبیس دن انھیں غارت گری کا موقع فراہم کیا۔ یا ان کے فوجی سرداروں کو دعوت دی، ان حکمرانوں کی اولاد کبھی ان کی جانشین نہیں ہوئی، بلکہ ہمیشہ ان کے غلام اور ملازم ہی ان کی جگہ لیتے رہے۔ وہ ہمیشہ ایسا کردار ادا کرنے کا دعویٰ کرتے رہے وہ ان کو آزادی دلانے کے لیے اقتدار پر قبضہ کررہے ہیں۔ سلیم اول نے جمہوریہ سے جو معاہدہ کیا۔ اس کے مطابق سلطنت عثمانیہ ابھی تک یہ توقع رکھتی ہے کہ وہ علامتی طور پر سہی، تھوڑا بہت خراج ادا کرکے باجگزاری کا مظاہرہ کرتے رہیں۔ امن وسکون کے تھوڑے بہت وقفے تو ملتے رہے، مگر دونوں خاندانوں نے لالچ اور خونریزی کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اگرچہ ان کے تخت ہمیشہ ڈولتے رہے، لیکن وہ اپنے نظم وضبط اور بہادری کے بل بوتے اقتدار پر قابض رہے۔ ان کا دائرۂ اقتدار مصر، نوبیا، عرب اور شام پر محیط تھا۔ ان کے مملوکوں کے پاس آغاز میں آٹھ سو گھڑسوار تھے۔ جو بڑھ کر پچیس ہزار ہوگئے۔ اور ان کی صوبائی پیدل افواج کی تعداد ایک لاکھ سات ہزار تک پہنچ گئی اور حسب ضرورت انھیں ساٹھ ہزار عرب فوجیوں کی مدد بھی مل جاتی۔ وہ بادشاہ جن کے پاس جذبہ بھی ہو اور قوت بھی اسی قدر ہو تو وہ کسی ایسی قوم کے ساحل پر قیام نہیں کرسکتے جو آزاد بھی ہو اور دشمن بھی ہو۔ اگر فرنگیوں کی تباہی مزید ساٹھ سال تک رک جاتی، تو وہ اس متزلزل حکومت کے شکرگزار ہوتے۔ جب منگولوں نے حملہ کردیا، تو اس سے بعض جنگجو زائرین کی بالواسطہ اور عارضی مدد ہوگئی۔ انگریز قاری ان میں ایڈورڈ اول کا نام بھی دیکھے گا۔ جب تک اس کا باپ ہنری زندہ رہا، صلیب کو یہی اٹھائے پھرتا رہا۔ اس کے پاس صرف ایک ہزار سپاہی ہوتے۔ یہی شخص بعد میں ویلز اور سکاٹ لینڈ کا فاتح قرار پایا۔ اس نے ایکرے کو ایک محاصرے سے نجات دلائی۔ پھر وہ نو ہزار فوج لے کر ناصرہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اپنے چچا رچرڈ کی روایت پر عمل کیا اور اپنی بہادری کی وجہ سے ایک دس سالہ معاہدہ کرنے میں کامیاب ہوگیا اور خود ایک خطرناک زخم کھانے کے بعد بچ نکلا۔ اس پر ایک متعصب قاتل نے حملہ کردیا تھا۔ اناخ کا محل وقوع ایسا تھا کہ اس پر

صلیبی جنگ کے بہت کم اثرات پڑے۔ بالآخر اس پر مصر اور شام کے سلطان بندوق دار یا بائبار کا قبضہ ہو گیا، جس نے اسے حتمی طور پر ویران کر دیا۔ لاطینی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ اور عیسائیوں کے سب سے بڑے شہر کی آبادی ختم کر دی گئی۔ سترہ ہزار افراد مارے گئے اور ایک لاکھ قیدی بنا لیے گئے۔ لاؤیقیا، غبالہ، طرابلس بیری طوس، سیڈون، ٹائر، اور جافا کے تجارتی شہر اور ہاسپٹلروں اور ٹمپلروں کے مضبوط قلعے یکے بعد دیگرے فتح کر لیے۔ فرینکوں کی تمام آبادی ایکرے کے سینٹ جان کے شہر اور نو آبادی تک محدود تھی۔ جسے کلاسیکی انداز میں پول مائس بھی کہا جاتا تھا۔

جب یروشلم اور ایکرے ہاتھ سے نکل گئے جو اس مقام سے ستر میل دور تھے۔ تو لاطینی عیسائیوں کا دار الحکومت، شاہانہ عمارات، تالاب اور حوض، ایک مصنوعی بندرگاہ، اور دوہری فصیل، ہر شے تباہ ہو گئی، یہاں کی آبادی، زائرین اور مفروروں کی متواتر آمد سے بہت بڑھ چکی تھی، دشمن کے باوجود، مشرق و مغرب کے تجارتی مراکز ہونے کی وجہ سے آبادی کے لیے بہت کشش پیدا ہو گئی تھی۔ اس کی منڈیوں میں ہر آب و ہوا کی پیداوار مل جاتی تھی اور ہر زبان کے ترجمان بھی موجود تھے، مگر اس بوقلموں آبادی میں دنیا کی ہر خرابی موجود تھی۔ عیسائیت اور اسلام ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ مگر ایکرے کی آبادی کو سب سے زیادہ بے راہرو سمجھا جاتا تھا۔ نہ ان پر مذہبی تعلیم کا کوئی اثر تھا اور نہ یہ لوگ قانون کی پابندی کرتے تھے۔ اس شہر میں متعدد بادشاہ تھے، جو یروشلم اور قبرص پر اپنا قبضہ جتاتے تھے۔ ان کا تعلق یوسکنان کے خاندان سے تھا۔ انتاخ کے بادشاہ، طرابلس اور سیڈون کے نواب اور ہاسپٹال کے عظیم آقا، گرجا گھروں اور خانقاہوں سے منسلک متعدد فرقے، وینس، اور ٹیوٹانی سلسلے پیسا اور جینوا کے مختلف نمائندے، پاپائے روم کے فرستادہ مبلغین، فرانس اور انگلستان کے بادشاہ، الغرض ہر کوئی اپنا اپنا آزادانہ حکم چلانا چاہتا تھا، سترہ معدلات ایسے تھے، جنھیں زندگی اور موت کے فیصلوں کا اختیار تھا، ہر مجرم دوسرے حلقے میں داخل ہو کر تحفظ حاصل کر سکتا تھا، اقوام میں دائمی حسد موجود تھا، جس کی وجہ سے اکثر ہنگامہ آرائی اور تشدد شروع ہو جاتا، خون بہ جاتا بعض مہم جو، جو صلیب کی بے حرمتی کرتے تھے، وہ مسلمانوں کو لوٹ کر اپنی تنخواہ پوری کر لیتے تھے۔ دیہات خصوصی طور پر ان کا نشانہ بنتے۔ انیس شامی تاجر جو عوام کے اعتماد پر تجارت کرتے تھے، عیسائیوں نے انھیں لوٹ کر قتل کر دیا۔ چونکہ امن و اطمینان کی کمی تھی۔ اس لیے سلطان خلیل نے افواج کو استعمال کیا۔ اس نے ایکرے کے خلاف کارروائی کے لیے پیش قدمی کی۔ اس کی سربراہی میں ساٹھ ہزار رسالے کے سوار تھے اور ایک لاکھ چالیس ہزار پیدل فوج کے سپاہی تھے۔ اس کے رسالے کا سلسلہ (اگر میں یہ لفظ استعمال کروں) تعداد اور قوت کے لحاظ سے بہت زیادہ تھا۔ اتنی بڑی بڑی

منجنیقیں تھیں کہ ایک منجنیق کے مختلف حصوں کو منتقل کرنے کے لیے سو چھکڑوں کی ضرورت پڑتی تھی، اور شاہی مؤرخ ابوالفدا جو حما (Hamah) کی افواج کے ساتھ ساتھ سفر کرتا تھا، اور صلیبی جنگوں کا عینی شاہد تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ فرینکوں میں بہت سی برائیاں تھیں مگر جب وہ بہت زیادہ مایوس ہوتے تو ان کا حوصلہ مزید بڑھ جاتا۔ مگر ان کے سترہ سردار تھے اور ان میں بہت سے باہمی اختلافات تھے۔ اور سلطان کی قوت اور اقتدار نے انھیں ہر طرف سے گھیر کر زیر کر رکھا تھا۔ تیس دن کے محاصرے کے بعد مسلمانوں نے دہری دیوار کو توڑ دیا دفاع کا مخصوص مینار بھی ان کی منجنیق کی زد میں آ گیا۔ اس کے بعد مملوکوں نے عام ہلہ بول دیا۔ اور پورے کے شہر پر چھا گئے۔ ساٹھ ہزار عیسائیوں کو یا تو قتل کر دیا گیا یا انھیں غلام بنا لیا گیا۔ ٹمپلروں نے تین دن مزید مزاحمت کی، مگر ان کے سردار کو ایک تیر لگا جو اس کے جسم سے پار ہو گیا۔ پانچ سو مبارزں میں سے صرف دس زندہ بچے۔ وہ ان کے مقابلے میں زیادہ ناخوش تھے جو تہ تیغ کر دیے گئے۔ کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ ان کی باقی ماندہ زندگی غلامی میں بسر ہوگی۔ یروشلم کا بادشاہ اسقف اور ہاسپٹل کے ارکان سب بیک وقت ساحل کی طرف روانہ ہو گئے، مگر سمندر میں طوفان اٹھ رہا تھا، جہاز بھی ناکافی تھے، کہ تمام مفرور قبرص کے ساحل پر پہنچتے، ان کی بڑی تعداد ڈوب گئی۔ فلسطین تو اس کے ہاتھ سے نکل گیا مگر لوسگنان اس سے ضرور مطمئن ہوا ہوگا، کہ وہ قبرص پہنچ گیا۔ سلطان کے حکم کے تحت لاطینیوں کے گرجے اور قلعہ بندیاں مسمار کر دی گئیں۔ لالچ یا خوف کی وجہ سے مرقد مسیح کو زائرین کی محدود تعداد کے لیے کھول دیا گیا۔ ان کے پاس اپنے دفاع کا بھی کوئی سامان نہ تھا۔ تمام ساحل کے ساتھ ساتھ المناک تنہائی، خاموشی اور مردنی چھائی ہوئی تھی۔ یہ وہ مقام تھا جو طویل عرصے سے دنیا کے مباحثات کا موضوع بنا رہا تھا۔

☆☆☆

(۶۰)

یونانیوں (Greeks) اور لاطینیوں (Latins) کی فرقہ بندی — قسطنطنیہ کی کیفیت — بلغاریوں (Bulgarians) کی بغاوت — آئزک اینجیلوس (Isaac Anglus) کو اُس کے بھائی الیکسی اُوس (Alexius) نے تخت سے ہٹادیا — فرانسیسی (French) اور وینس کے باشندوں (Venetians) کا آئزک (Isaac) کے بیٹے سے اتحاد — قسطنطنیہ پر اُن کا بحری حملہ اور لاطینیوں کا اِس شہر پر حتمی قبضہ — بے حُرمتی، مکر، تباہی۔

یونانیوں اور لاطینیوں کی فرقہ بندی — قسطنطنیہ کی کیفیت — بلغاریوں کی بغاوت — آئزک اینجیلوس کو اُس کے بھائی الیکسی اُوس نے تخت سے ہٹا دیا — فرانسیسی اور وینس کے باشندوں کا آئزک کے بیٹے سے اتحاد — قسطنطنیہ پر اُن کا بحری حملہ اور لاطینیوں کا اِس شہر پر حتمی قبضہ — بے حُرمتی، مکر، تباہی۔

جب شارلمین کی وجہ سے مغربی حکومت کا حوصلہ ٹوٹ گیا تو اس کے فوراً بعد یونانی اور لاطینی کلیسا بھی ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ عیسائی دُنیا کی یہ دونوں عظیم سلطنتیں تھیں مگر قومی اور مذہبی عناد کی وجہ سے ان کا اتحاد ختم ہو گیا مگر قسطنطنیہ کی فرقہ بندی نے اس کے مفید ترین اتحادیوں کو ضائع کر دیا اور خطرناک دشمنوں کو برانگیختہ کر دیا اور اس طرح مشرق میں رومی سلطنت کے انحطاط و زوال میں تیزی آ گئی۔

جدید تاریخ میں بھی یہ نظر آتا ہے کہ لاطینیوں سے یونانیوں کے تعلقات خوشگوار نہیں رہتے۔ ان میں نفرت کا عنصر نمایاں اور صاف صاف دکھائی دیتا ہے۔ اس کا آغاز تو غلامانہ نفرت سے ہوا اور قسطنطین کے دور کے بعد، یہ جذبات زیادہ شدید ہو گئے کیونکہ ان میں فخر و مباہات اور سلطنتوں کی یہ مساویانہ حیثیت کے عناصر بھی شامل ہو گئے تھے اور آخر کار رشک و حسد کا جذبہ بھی اس کیفیت میں شامل ہو گیا۔ کیونکہ ان کی باغی رعیت، ان کی حریف سلطنت کو ترجیح دینے لگی تھی۔ یونانیوں کا فرینکوں سے اتحاد پیدا ہو گیا۔ نیز یونانی اپنے آپ کو ہر دور میں مذہبی معاملات اور علم میں برتر سمجھتے تھے۔ عیسائیت کی روشنی اُن تک سب سے پہلے پہنچی تھی جو سات اہم مجالس منعقد ہوئی تھیں، اُن کے فیصلوں کا اعلان بھی انھیں کی طرف سے کیا گیا تھا۔ انجیل کی زبان اور فلسفہ بھی یونان ہی سے حاصل کیے گئے۔ وہ یہ نہیں چاہتے کہ مغربی غیر مہذب اقوام جہالت کے ظلمات میں غرق رہیں، وہ دینیات کے رازہائے سربستہ کو بلند آواز اور بلند استدلال کے ذریعے پیش کر سکتے تھے۔ غیر مہذب اقوام ان کے جواب میں ان سے نفرت کرنے لگیں۔ مشرقی اقوام کے پاس اپنے اعلیٰ اور لطیف تخیلات موجود تھے۔ وہ ہر قسم کی بدعتوں کے خالق تھے۔ اُن کے ہاں اپنی بے تکلف سادہ زبانیں موجود تھیں۔ وہ اس پر مطمئن تھے کہ اُن کے اپنے حواری اور کلیسا موجود تھے۔ اس کے باوجود ساتویں صدی میں ہسپانیہ اور فرانس میں بھی

عیسائی اجتماعات ہوئے تھے۔ اُنھوں نے نائس کے فیصلوں کو ترقی دی، اصلاح کی یا ان کا بیڑہ غرق کر دیا، مگر
اُنھوں نے تثلیث میں تیسری شخصیت کا تصور پیش کیا۔ طویل اختلافات اور بحث ومباحثے کے بعد حضرت عیسیٰؑ
کی شخصیت کی نوعیت، حقیقت اور نسلی کیفیت کا تعین کر لیا گیا اور انسان کا کمزور ذہن صرف باپ اور بیٹے کے
رشتے کا ہی تصور پیش کر سکا۔ جہاں تک ولادت کے مسئلے کا تعلق ہے وہ روح القدس کے معاملے میں زیادہ
وقیع نہ تھا۔ رومی کیتھولک عقیدے کے مطابق وہ ایک خدائی عطیہ یا خدا کی ایک صفت یا فی الواقع ایک وجود تھا
اور اُسے بھی ایک شخص کی حیثیت حاصل تھی۔ یہ دعویٰ کیا گیا کہ حضرت عیسیٰؑ کا حمل قرار نہیں پایا تھا، بلکہ ایک
ازلی فعالیت کے مطابق وہ وجود میں آ گئے۔ کیا وہ باپ سے بھی قبل عالم وجود میں آ گئے تھے؟ روح القدس غالباً
بیٹے سے پہلے وجود میں آیا۔ کیا وہ باپ اور بیٹے دونوں سے قبل وجود میں آ گیا تھا؟ پہلا نقطۂ نظر یونانیوں نے
پیش کیا تھا اور دوسرا لاطینیوں نے اور نائس کی کونسل میں ایک لفظ فیلی اوق (Filioque) روشناس کرایا گیا۔
اس پر مشرق اور گال کے کیتھولک کلیساؤں میں اختلاف کی آگ کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ آغاز میں تو رومی کلیسا
نے اس اختلاف میں میانہ رو اور نرم رویہ اختیار کیا اور غیر جانبدار رہے مگر پھر انھوں نے بھی اس نئی ایجاد کی
ملامت کی۔ مگر پھر بھی وہ اپنے ہم مسلک بھائیوں کو رنجیدہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ خاموش رہ کر
اس بدعت پر پردہ ڈالے رکھیں اور ایک بے فائدہ اور خارج از موضوع تحقیق کو نظر انداز کر دیں۔ شارلیمن اور
لیو سوم کے مابین خط وکتابت میں پوپ کے متعلق بیان کیا گیا کہ وہ فیاضانہ طرزِ عمل کا حامی ہے۔ اس کے
برخلاف بادشاہ نے ایک پادری کا کردار ادا کرنا شروع کر دیا۔ مگر روم کے راسخ العقیدہ گروہ نے بلا حیل وحجت
اپنی حبِ اقتدار کی حکمتِ عملی کے مبیح کے تحت اسے قبول کر لیا اور فیلی اوق (جس کے متعلق لیو کا خیال تھا کہ
اسے مٹا دیا جائے) بطور علامت استعمال کیا جانے لگا اور کتاب نماز میں بھی داخل کر لیا گیا۔ نائیین اور ایتھنز کی
مجالس سے کیتھولک عقائد کی بنیاد قائم ہوئی۔ کوئی بھی ان کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتا پاپائی اور پروٹسٹنٹ
فرقے کے لوگ مجبور ہیں کہ یونانیوں کے نعرہ ہائے ملامت کو واپس لے لیں، جن کا عقیدہ ہے کہ روح القدس
خدا اور بیٹے دونوں کے واسطے سے وجود میں آیا ہے۔ ان میں جو معاہدہ ہوا۔ یہ عقائد اُس کی روح کے حریف
نہیں ہیں۔ مگر ان کے متعلق ضوابط ہر کلیسا کی مرضی کے مطابق طے کیے جا سکتے ہیں اور استدلال جس میں فلکی
استدلال بھی شامل ہے تسلیم کرتا ہے کہ یہ اختلافات غیر اہم نوعیت کے ہیں اور ان کا وجود بھی ناگزیر ہے۔ روم
کی اوہام پرستی یا فن کاری، نے اُن پر پادریوں اور اُسقفوں کو مسلط کر دیا ہے اور رہبانیت اور تجرد کی سخت

پابندیاں بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں۔ یونانیوں میں تو اس نوعیت کی پابندی صرف بشپوں تک محدود ہے
اور اس کا نقصان بھی مرورِ زمانہ یا وقار کی وجہ سے کم ہو جاتا ہے اور پادری، پاپایان شادیاں بھی کر لیتے ہیں اور
عائلی زندگی سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ کلیسائی زندگی میں داخل ہونے سے پیشتر اُنھوں نے اُن
سے مناکحت کر لی ہو۔ اس سوال پر گیارھویں صدی میں شدید بحث ہوتی رہی اور اس بحث کا انجام یہ ہوا کہ
خمیری اور فطیری روٹی کا مسئلہ موضوعِ بحث بن گیا۔ شدید اختلافات کی سنجیدہ تاریخ میں لاطینیوں کو شدید مشکل
حالات کا سامنا کرنا پڑا، مگر وہ اس معاملے میں دفاعی حکمتِ عملی پر ہی گامزن ہوئے۔ وہ غیر حاضر رہنا بھی پسند
نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ یہ معاملات اُن کے گلے میں ڈال دیے گئے تھے اور خون تک پہنچ گئے تھے۔ وہ
روزے رکھتے تھے، یہودیوں میں یہ رواج تھا کہ وہ ہر ہفتے کے روز اس کی پابندی کرتے۔ ایسٹر کے چلّے کے
پہلے روز پنیر اور دودھ کا استعمال نہ کیا جاتا۔ مگر ان کے معذور راہب گوشت کھا لیتے اور حیوانی گھی کی جگہ بناسپتی
تیل استعمال کر لیا جاتا۔ اصطباغ کا تسکین دہ مرہم صرف کلیسائی پجاریوں کے لیے مخصوص تھا۔ گرجا گھروں
میں دلہنوں کو انگوٹھیاں پہنائی جاتیں۔ پجاری اُن کی ڈاڑھیوں کی حجامت کرتے۔ پھر سب کا اصطباغ کر دیا جاتا۔
یہ وہ جرائم تھے جن کی وجہ سے قسطنطنیہ کے جذبات برانگیختہ ہوئے۔ مگر لاطینی علما ان کا جواز پیش کرتے تھے۔

ہر تنازع میں تعصب اور ملک سے غداری اہم عوامل ہوتے ہیں۔ مگر یونانیوں کی بدعت کا فوری
سبب اُن کے رہنما پادریوں کی بدعتیں تھیں۔ وہ ہر اختلاف کو پوری قوت سے مبالغہ آمیزی کے ساتھ بیان
کرتے تھے۔ یہی ان بدعتی اختلافات کی فوری بنیاد تھی۔ وہ اپنے آپ کو کسی سے کم تر اور سب سے برتر سمجھتے
تھے۔ وہ عیسائی دُنیا میں کسی کو اپنا مدِمقابل نہ سمجھتے تھے۔ تقریباً نویں صدی کے وسط میں فوطی اُوس کو ترقی دے کر
قسطنطنیہ کا اسقفِ اعظم بنا دیا گیا۔ یہ شخص محافظین کا کپتان اور بادشاہ کا معتمدِ خاص تھا۔ اس کا استحقاق بھی تھا
اور کسی حد تک اس پر نوازش بھی کی گئی۔ جہاں تک علم وفن کا تعلق ہے، بالخصوص دینیات کے فن میں وہ ہر دور
کے فاضلین سے برتر تھا۔ اس کی اخلاقی حالت پر کبھی تنقید نہیں کی گئی۔ مگر اُس کی طبیعت میں عجلت پسندی کا
غلبہ تھا، اسے جو ترقی ملی وہ بھی بے قاعدہ تھی اور اِگناطی اُوس، جو اس کا پیش رو تھا اور جس کی دستبرداری کی وجہ
سے اسے ترقی کا موقع ملا تھا، کہتے ہیں کہ یہ اس دور کا سب سے بڑا پادری تھا۔ اس کے کردار پر کبھی حرف گیری
نہیں کی گئی۔ اس کے پیروکار اسے بہت پسند کرتے تھے۔ اُنھوں نے نکولس اوّل کی معدلہ میں یہ درخواست کی
تھی جو رومی پادریوں میں بڑا نخوت پسند اور جاہ پسند اسقف تھا۔ وہ اس پر بہت خوش ہوا کہ اُسے اپنے مشرقی

حریف کے خلاف یا حق میں فیصلہ کرنے کا موقع فراہم ہوا ہے۔ اسی دوران بلغاریہ کے بادشاہ کے دائرہ اختیار کے متعلق جھگڑا پیدا ہوگیا۔ اُس کے نزدیک نوندیوں کی بھی کوئی وقعت نہ تھی، تاوقتیکہ وہ خود اُس کے حلقۂ اقتدار سے متعلق نہ ہوں۔ اس عدالت کے فیصلے کے مطابق یونانی پادری کامیاب ہوگیا۔ مگر جب سخت مقابلہ ہوا جو اسے اپنی باری آنے پر معزول کر دیا گیا۔ سینٹ پیٹر کے جانشین اور لاطینی کلیسا کو بدعت اور الحاد میں ملوث قرار دے دیا گیا۔ فوطی اُوس نے اپنے مختصر اور بدقسمت اقتدار کے لیے دُنیا کے امن کو خطرے میں ڈال دیا۔ اُس نے سیزر بارداس کی شخصیت میں اپنا ایک سرپرست تلاش کرلیا اور مقدونیہ کے باسل نے ازروئے انصاف اِگنا طی اُوس کو بحال کر دیا۔ جس کی عمر اور وقار کو کماحقہٗ زیرِ غور نہیں لایا گیا تھا۔ اس کے خانقاہ یا قید خانے سے فوطی اُوس نے بادشاہ کی خدمت میں ایک عاجزانہ درخواستِ رحم پیش کی۔ اس میں مکارانہ چاپلوس اور خوشامد سے بھی کام لیا گیا۔ اس کے حریف کی آنکھیں بمشکل بند ہی ہوئی تھیں جب اسے قسطنطنیہ کے تخت پر دوبارہ بحال کر دیا گیا۔ باسل کی موت کے بعد اسے عدالتوں کے نشیب و فراز دیکھنے کا موقع ملا اور شاہی شاگردوں کی عظمت کا بھی تجربہ ہوا۔ اس پادری کو دوبارہ معزول کر دیا گیا۔ وہ اپنی زندگی کے آخری سانسوں میں غالباً افسوس کرتا ہوگا کہ اُس نے اپنی زندگی کو لادینی مطالعے میں کیوں صرف کر دیا؟ بادشاہ کے ابرو کے اشارے کو ایک عاجز پادری نے فوراً منظور کرلیا اور تین سو بشپوں کی ایک مجلس تو ہر وقت تیار رہتی کہ بادشاہ کے حکم کی تائید کر دی جائے اور مقدس ناپسندیدہ فوطی اُوس کے زوال پر اُسے مزید داغ دار بنا کر پیش کیا جائے۔ انعام کے لالچ یا ترقی کے وعدے پر پوپ ہر فیصلے کی تائید کے لیے تیار رہتے اور ہر نوعیت کے فیصلوں کی تائید کر دیتے اور قسطنطنیہ کے فیصلوں کی ان بشپوں اور عوام نے بلا حیل و حجت توثیق کر دی۔ اِگناطی اُوس اور فوطی اُوس کے مطالبات باہم متناقض تھے۔ اُن کے نائبین کی تو تذلیل کی گئی یا اُنھیں قید کر دیا گیا۔ روح القدس کو فراموش کر دیا گیا۔ بلغاریہ کو ہمیشہ کے لیے بازنطین میں شامل کرلیا گیا۔ اب جتنے اُسقف متعین کیے گئے، سب کے سب بے قاعدہ تھے اس لیے سب نے اس بدعت کو برضا و رغبت قبول کرلیا۔ دسویں صدی عیسوی میں جو جہالت اور بدعنوانی مروج تھی اُس کی وجہ سے کسی نوعیت کے مکالمات کی بھی کوئی گنجائش نہ تھی۔ بحث و اعتراض کا سلسلہ معطل ہوگیا اور اس عمل میں دونوں قوموں کے اذہان میں اتفاق پیدا کرنے کی کوشش نہ کی گئی اور جب نارمنوں کی تلوار نے اپولیا کے کلیسا کو روم کے حلقۂ اثر میں دوبارہ بحال کر دیا تو علیحدہ ہونے والے گروہ کو یونانیوں کے کلیسا نے تنبیہ کی کہ وہ اُن غلطیوں سے پرہیز کریں جو لاطینی کلیسا کی طرف سے کی جا چکی ہیں۔

روم کا وقار ترقی پر تھا وہ اس نوعیت کی تذلیل کو برداشت نہ کر سکتے تھے اور میکائیل قیرولاری اُوس نے قسطنطنیہ کے بین وسط میں قطع تعلقات کا اعلان کر دیا۔ کیونکہ اُسے پوپ کے نائبین کی طرف سے یہی حکم دیا گیا تھا۔ اُنھوں نے پاؤں سے گرد جھاڑ دی اور سینٹ صوفیہ کی خانقاہ کی قربان گاہ میں سخت لعنت ملامت کا ہنگامہ کیا اور سات ایسے یونانی معتقدیں، جن میں مجرم اساتذہ، فانی ملحد اور اُن کے بدنصیب پیروکاروں کو ہمیشہ کے لیے شیطان کے حوالے کر دیا گیا۔ کلیسا اور حکومت کے ہنگامی حالات کے پیشِ نظر، دوستانہ خط و کتابت کا دوبارہ آغاز کر دیا گیا اور ان میں مہذب اور منکسرانہ زبان فیاضی سے استعمال کی گئی۔ مگر یونانیوں نے اپنی غلطیوں کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ مگر پاپایانِ رُوم نے بھی اپنے فیصلوں کو کبھی نہیں بدلا اور اس حوالے سے ہم اُس بدعت کی تاریخ کا تعین کر سکتے ہیں جس کی طوفانی صورت میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ پاپایانِ روم اپنی حبِ اقتدار کی تکمیل کے لیے، اس میں اضافہ ہی کرتے رہے۔ بازنطینی شہنشاہ اپنے جرمن بھائیوں کی تذلیل اور انجام پر شرم سے پانی پانی ہوگیا۔ جبکہ لاطینی اُسقف اقتدار اور فوجی قوت کے نشہ میں مبتلا ہوگیا۔

یونانیوں اور لاطینیوں میں اختلافات پہلی تین مہمات کے دوران اضافہ پذیر ہوتے رہے جو بیت المقدس کی زیارت کے سلسلے میں انجام دی گئیں۔ ایلکسی اُوس کومنی نُوس کوشش کرتا رہا کہ زائرین کے قافلوں کی بہت بڑی تعداد سے کسی طرح محفوظ رہے۔ کیونکہ وہ ناقابلِ تسخیر صورت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ اس کے جانشین مینوئل اور آئزک اینجیلوس، مسلمانوں کے ساتھ مل کر فرینکوں کے عظیم بادشاہوں کی تباہی کے لیے کوشاں رہے۔ اس سلسلے میں وہ عملی اور رضاکارانہ طور پر اُن کے ہر طبقے کے حکم کی تعمیل کرتے۔ اس مخالفانہ مزاج میں بلاشبہ زبان کے افتراق کا بہت بڑا حصہ تھا۔ لباس اور انداز میں بھی فرق تھا۔ کرۂ ارض کی انسانی مخلوق میں یہ عوام بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ خود شہنشاہ مغرور بھی تھا اور ذہین بھی۔ اُسے غیر ملکی افواج کی بڑی تعداد میں موجودگی بہت ناگوار گزری۔ یہ افواج اُس کے دارالحکومت میں قیام کرتیں اور تمام سلطنت میں آزادی سے گھومتی پھرتیں اور مغرب کے یہ وحشی اجنبی اس کی رعایا کی تحقیر کرتے اور لُوٹ مار بھی کرتے رہتے اور گربہ صفت یونانی اُن سے نفرت کرنے لگے۔ خفیہ طور پر یونانی حسد اور بہادری کے جذبات سے متاثر ہوگئے۔ اُنھیں فرینکوں کی مقدس مہم جوئی کے خلاف اعتراض ہونے لگا۔ مگر یہ قابلِ نفرت افراد جو عناد پیدا کر رہے تھے۔ ان میں مذہبی جوش و خروش نے مزید زہر بھر دیا۔ بجائے اس کے کہ وہ ایک دوسرے سے مہربانی کا سلوک کرتے، اور یونانی ان اجنبیوں کو خلوص سے خوش آمدید کہتے اور مہمان نوازی کرتے اور عیسائیت کا خیال

کرتے۔ ہر زبان سے ان کے لیے بدعتی اور کافر کے الفاظ ہی نکلتے۔ بجائے اس کے کہ ہم مذہب ہونے کی وجہ سے ان میں کوئی یک جہتی یا اتحاد کا مظاہرہ ہوتا، اُن کو نظم وضبط کی بعض بنیادوں پر نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔ دینیات کے بعض مسائل پیدا ہو جاتے جن پر یہ خود یا ان کے اساتذہ مشرقی کلیسا سے اختلاف کرتے۔ لوئیس ہفتم کی صلیبی جنگ میں اُس قربان گاہ کو دھو کر پاک کر دیا، جس میں ایک یونانی پادری کا خون بہایا گیا تھا۔ فریڈرک بار بروسا اُن احکام کی پروا نہ کرتا، جو اُسے دیے جاتے۔ وہ اپنی زبان و عمل سے ان سے اتفاق نہ کرتا اور بشپوں اور راہبوں کو قریب نہ آنے دیتا۔ اوران پلید وحشیوں کے خلاف عوام کو بھڑکاتا رہتا اور ان پر الزام عائد کرتا کہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انھیں نقد رقم ادا کر کے عوام اپنے تمام گناہوں سے پاک ہو سکتے ہیں۔ اُن کے ایسے دعاوی کو کفر کا نام دیتا۔ ڈروتھی اُوس نام کا ایک جوشیلا شخص تھا، اُس نے شہنشاہ کے خوف میں اضافہ بھی کیا اور اُس کا اعتماد بھی بحال کیا۔ اُس نے اُسے یقین دلانے کے لیے یہ پیشگوئی کی کہ جرمن بدعتی، جب بلتر نیس کے دروازوں کو توڑ دیں گے، تو اُن پر خدا کا اتنا قہر وغضب نازل ہوگا کہ ایک مثال پیدا ہو جائے گی۔ ان کثیر تعداد میں افواج کے راستے محدود اور مشکل تھے۔ مگر صلیبیوں نے دونوں اقوام کے مابین گفتگو کا ایک نیا ذریعہ پیدا کر لیا، اُن میں عصبیت تو کم نہ ہوئی مگر ایک دوسرے کے متعلق علم میں اضافہ ہو گیا۔ قسطنطنیہ میں دولت بھی تھی اور عیاشی کی عادت بھی۔ اس لیے وہ دُنیا کی ہر شے خریدنا چاہتے تھے۔ ان کی بندرگاہوں پر ملک کی اشیا اور ہر طرح کی خدمات کی افراط تھی۔ اس کی کثیر آبادی اور معتدل آب وہوا ہر شخص کے لیے کشش کا باعث تھی۔ اس کے ہر دور میں اس کی تجارت غیر ملکیوں کے ہاتھ میں رہی تھی۔ جب امالفی سے ان کے تعلقات منقطع ہو گئے تو اہل وینس، اہل پیسا اور جینوا کے باشندوں نے اپنے اپنے فرقوں کو متعارف کرایا اور سلطنت کے دارالحکومت میں ان کے لیے آبادیاں تعمیر کرائیں۔ وہ غیر ملکی زمین اور مکانات پر قبضہ کر لیتے۔ اُنھوں نے مقامی آبادی کی مستورات سے نکاح کر لیے اور اس طرح اُن کی آبادی میں اضافہ ہوتا رہا۔ مسلمانوں کو ایک مسجد کی تعمیر کی بھی اجازت دے دی گئی۔ مگر رومی عقائد کے مطابق کسی گرجا گھر کی تعمیر کی اجازت ممکن نہ رہی۔ مینوئل کی دو بیویاں فرینکوں کی نسل سے تھیں۔ پہلی شہنشاہ کونرڈ کی خواہر نسبتی تھی اور دوسری انتاخ کے بادشاہ کی بیٹی تھی۔ اس نے اپنے بیٹے الیکسی اُوس کی شادی فلپ آگسٹس شاہِ فرانس کی بیٹی سے اور اپنی بیٹی کی شادی کاؤنٹ مونٹ فراٹ سے کر دی تھی۔ جس کی تعلیم قسطنطنیہ کے شاہی محل میں ہوئی تھی۔ یونانیوں نے فوج جمع کی اور مغربی سلطنت پر قبضے کا ارادہ کیا۔ وہ فرینکوں کی بہادری کا معترف تھا اور اُن پر

اعتماد کرتا تھا۔ اُن کی فوجی اہلیت کی بنا پر اُنھیں ججوں اور خزانچیوں کے عہدے بھی عطا کر دیے گئے تھے۔ مینوئل کی حکمت عملی یہ تھی کہ پاپایانِ روم سے اتحاد قائم رکھا جائے۔ چونکہ عوام میں لاطینی فکر اور انداز کو مقبولیت حاصل تھی۔ اس لیے یہ بھی اسے قبول کرتا تھا۔ اس کے اور اس کے بیٹے الیکسی اُوس کے عہدِ حکومت میں، انھیں غیر ملکی بدعتیوں سے سابقہ پڑتا تھا اور یہ اُن سے رعایت بھی کرتا تھا۔ مگر اس کے سہ گونہ جرم پر سخت اعتراض کیا جاتا تھا اور اس کے متعلق ہنگامہ بھی کیا جاتا تھا اور اس کے متعلق ہنگامہ بھی کیا جاتا تھا کیونکہ اس نے اینڈرونی کوس کو ترقی بھی دی تھی اور بار بار بحال بھی کیا تھا۔ عوام نے بغاوت کر دی اور ہتھیار اُٹھا لیے۔ مشرقی ساحلوں سے جہاز اور افواج روانہ کی گئیں تاکہ قوم کا انتقام لیا جا سکے اور اجنبیوں کی ناکام مزاحمت صرف یہ ثابت کر سکی کہ اُن کے اعتراضات معقول ہیں۔ اُنھوں نے اپنے خنجر تیز کیے اور قاتلوں نے اپنا عمل شروع کر دیا۔ نہ تو کسی کی عمر دیکھی گئی نہ صنف کا لحاظ کیا گیا۔ نہ پُرانی دوستی یا رشتہ داری کا لحاظ کیا گیا اور کوئی بھی قومی منافرت اور مذہبی جوش سے محفوظ نہ رہ سکا۔ لاطینیوں کو ان کے گھروں میں ذبح کر دیا گیا۔ ان کے محلے جلا کر راکھ کر دیے گئے۔ پادریوں کو ان کے گرجا گھروں میں جلا دیا گیا۔ بیماروں کو ان کے ہسپتالوں میں قتل کر دیا گیا۔ جن لوگوں کو از رہ رحم وکرم چھوڑ دیا گیا اور بازار میں بیچ دیا گیا، اُن کی تعداد چار ہزار تھی۔ اس سے قتل وغارت کا شکار ہونے والوں کی تعداد کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پجاری اور راہب بدعتیوں کے قتل کرنے میں بہت زیادہ فعال اور ہنگامہ آرا نظر آتے تھے۔ اس لیے انھوں نے خدا کی راہ میں نمازِ شکرانہ ادا کی اور جب ایک رومی اُسقف کا سر اُس کے جسم سے الگ کیا گیا تو اُسے کتے کی دم سے باندھ دیا گیا۔ یہ اُسقف پاپائے روم کا خصوصی نائب تھا اور اُسے شہر کی گلیوں میں وحشیانہ شور وغل کے ساتھ گھسیٹا گیا۔ اجنبیوں میں جو زیادہ ذہین تھے وہ خطرے کے پہلے اشارے پر ہی شہر سے بھاگ گئے۔ اُنھوں نے خون کے راستے سے بچنے کے لیے دردانیال کا راستہ لیا اور بچ کر نکل گئے۔ اپنے فرار کے دوران اُنھوں نے بھی ساحلی علاقے میں جو کچھ نظر آیا اُسے جلا دیا یا تباہ کر دیا۔ اُنھوں نے مملکت کی معصوم رعایا سے دل کھول کر انتقام لیا۔ پجاریوں اور راہبوں کو اپنا مخصوص نشانہ بنایا اور خصوصی دشمن سمجھا اور لوٹ مار سے مال جمع کر کے اپنے نقصانات کی تلافی کی۔ اس نقصان میں اُن کی جائیداد کے علاوہ اُن کے دوست احباب بھی شامل تھے۔ جب وہ واپس ہوئے تو اُنھوں نے اہلِ یورپ کو بتایا کہ بازنطینی حکومت کے پاس بہت دولت جمع ہے اور اس حکومت کی کمزوریاں بیان کیں اور فوجی قوت کا حال بتایا اور یونانیوں کی بدنیتی کی کیفیت سے آگاہ کیا اور یہ بھی کہا کہ ان کی برائیوں کی اصل وجہ ان کی بدعت اور

کفر ہے۔ جو لوگ پہلی صلیبی جنگ میں شمولیت کے لیے گئے تھے، انھوں نے اُن تمام سہولتوں کو نظرانداز کر دیا جو انھیں قسطنطنیہ میں حاصل ہوئی تھیں۔ کیونکہ بیت المقدس میں جانے کا راستہ یہیں سے گزرتا تھا۔ فرانسیسیوں اور اہلِ وینس نے مشرقی رومی سلطنت میں داخلی انقلاب کو دعوت دی اور اس ذریعے اسے فتح کرنے کی منصوبہ بندی کی۔

بازنطینی بادشاہوں کے سلسلے میں، میں نے صرف منافقت اور حب جاہ کا ذکر کیا ہے۔ اینڈرونی کوس کے زوال اور ظلم کی داستان بیان کی ہے۔ کومنینی کے خاندان کے آخری مرد حکمران کے متعلق معلومات فراہم کی ہیں جو قسطنطنیہ پر حکومت کرتے رہے ہیں۔ پھر اُس انقلاب کا حال بیان کیا ہے جس کی بدولت اسے اپنے تخت سے سر کے بل گرنا پڑا۔ اسے آئزک اینجیلوس نے تباہی سے بچایا اور اقتدار پر دوبارہ بحال کیا۔ یہ شخص اسی شاہی خاندان کی خواتین کی نسل سے تھا۔ یہ شخص کردار کے لحاظ سے دوسرا نیرو تھا۔ ممکن ہے کہ اس کی رعایا اس کا احترام کرتی ہو اور اس سے محبت بھی کرتی ہو اور اسے یہ صورت حال بآسانی حاصل ہوگئی ہو۔ کبھی کبھی یہ لوگ اینڈرونی کوس کے انتظام پر معقول ناراضگی کا اظہار بھی کرتے۔ اس کا ذہن اور ہمت اتنی مضبوط تھی کہ یہ اپنے اور رعایا کے مابین جو اختلافات پیدا ہوتے انھیں بآسانی حل کر لیتا۔ لیکن یہ ہر اُس شخص سے خوف زدہ ہو جاتا جو اس کے دل میں خوف پیدا کرنے کی کوشش کرتا۔ یہ کسی پر شبہ نہ کرتا۔ وہ صوبے جو دور افتادہ مقامات پر واقع تھے وہ اپنے آقا سے ہمیشہ مطمئن رہتے۔ مگر اس کا جانشین برتر قوت سے حسد کرنے لگتا اور نیکیاں (اگر اس میں کوئی نیکی اور خوبی موجود بھی تھی) بنی نوع انسان کے لیے کسی افادیت کا باعث نہ تھیں اور یونانیوں کو شکایت تھی کہ اُن کے تمام مصائب کی وجہ یہی شخص ہے۔ کیونکہ یہ رعایا کی تکالیف سے غافل رہتا ہے۔ وہ اسے کسی عبوری اور عارضی خوبی کا استحقاق دینا بھی پسند نہ کرتے۔ آئزک اپنے تخت پر سو جاتا اور جب کوئی مسرت کا شادیانہ بجتا تو یہ جاگتا۔ اس کا خالی وقت بھانڈوں اور سوانگ رچانے والوں کی نذر ہو جاتا۔ حالانکہ یہ مسخرے خود بادشاہ کے کردار کا بھی مذاق اُڑاتے۔ اس کی عمارات اور دعوتیں شاہانہ روایات سے بہتر اور بڑھ کر ہوتیں، اُس کا خانگی خرچ بیس ہزار پاؤنڈ روزانہ ہوتا۔ یہ تمام خرچ خواجہ سراؤں اور خدام پر اُٹھتا۔ اس کے روزانہ اخراجات کی اگر میزان کی جائے تو محض طعام خانے کا خرچ چالیس لاکھ سٹرلنگ سالانہ ہوتا۔ اپنے افلاس کے دباؤ کو قابو میں رکھنے کے لیے یہ عوام پر ظلم کرتا اور محاصلات کی وصولی میں سختی کی وجہ سے ملازمین کی بدعنوانی میں اضافہ ہو جاتا جس سے عوام میں عدمِ اطمینان اور ناراضگی پیدا ہو جاتی۔ جبکہ یونانیوں

کی غلامی کے دن محدود تھے، بادشاہ کو ایک ایسا شخص مل گیا جو مستقبل کا حال بتاتا تھا۔ اُسے اس نے بطور انعام اسقفِ اعلیٰ مقرر کر دیا۔ یہ ایک خوشامدی شخص تھا۔ اُس نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ اُسے بتیس سال کی طویل حکومت نصیب ہوگی جس کے دوران اسے اپنی حکومت کا دائرہ کوہ لیبانوس تک وسیع کرنا ہوگا۔ یہ پیشین گوئی بظاہر بڑی خوشگوار تھی مگر اس کا یہ اقدام صرف صلاح الدین کے مفاد میں تھا۔ گویا اس نے عیسائیت کے ایک دشمن کے ساتھ مدافعانہ اور جارحانہ معاہدہ کر لیا تھا۔ آئزک اور اُس کے نالائق بھائی کے ہاتھوں سے یونانی سلطنت کا باقی ماندہ وجود بھی گر کر خاک میں مل گیا۔ جزیرہ قبرص کے نام سے شان و شوکت اور عیش و عشرت کا تصور اُبھرتا ہے۔ اُس پر اس کے ایک ہم نام کومنینی بادشاہ نے قبضہ کر لیا اور متعدد ایسے مختلف عوامل یکجا ہو گئے اور شاہِ انگلستان رچرڈ نے اُسے اس حکومت کو بذریعہ شمشیر لوسگنان کے خاندان کے حوالے کر دیا اور اس طرح انھیں جو یروشلم کا نقصان ہوا تھا، اُس کی خاطر خواہ تلافی ہوگئی۔

بلغاریہ اور ولاچیوں کی بغاوت کی وجہ سے شاہی خاندان اور دارالحکومت کے تحفظ کو سخت نقصان پہنچا۔ باسل دوم کی فتح کے بعد سے یہ لوگ بازنطینی کمزور حکومت کو ایک سو ستر سال تک مدد فراہم کرتے رہے۔ مگر ان وحشی قبائل کو کبھی کسی قانون یا اسلوبِ حیات کے تحت نہیں لایا گیا۔ آئزک کی کمان نے ان کا تمام ذریعۂ معاش، سرمایہ، گلے اور ریوڑ باہر نکال دیے اور شاہی کتخدائی کی نذر کر لیے اور فوجی خدمات میں بھی ان کو مساوی عہدے اور تنخواہ دینے سے گریز کیا۔ پیٹر اور آسن، دو طاقتور سردار تھے۔ ان کا تعلق قدیم بادشاہوں کی نسل سے تھا۔ وہ اپنے اقتدار اور قومی آزادی کے لیے برسرِ پیکار ہو گئے۔ ان بہروپیوں نے یہ دعویٰ بھی کر دیا کہ سینٹ ڈیمطری اُوس نے جو اب تک یونانی حکومت کا سرپرست تھا، اب اس مدد سے ہمیشہ کے لیے دستبرداری کا اعلان کر دیا ہے۔ اس کے نتیجے میں ڈینیوب کے کناروں سے لے کر کوہِ مقدونیہ اور تھریس تک بدامنی پھیل گئی۔ معمولی سی کوشش کے بعد آئزک اینجیلوس اور اُس کا بھائی، ان کی آزادی کے مطالبے کو تسلیم کرنے پر راضی ہو گئے اور شاہی افواج نے جب اپنے ساتھیوں کی ہڈیاں دیکھیں تو وہ جلد بے حوصلہ ہو گئے۔ بہت سی افواج تو ہمس کے پہاڑی دروں کی حفاظت کے لیے منتشر تھیں۔ جان یا جونیکس کی حکمتِ عملی اور افواج نے بلغاریہ کی دوسری حکومت کی مضبوط بنیاد رکھ دی۔ ان نیم مہذب اقوام نے اپنی اعلیٰ حکمتِ عملی کی وجہ سے اپنی ایک سفارت انوسینٹ سوم کے پاس ارسال کی۔ تاکہ وہ اسے نسلی اور قومی لحاظ سے اصلی رومی قرار دے دے۔ اور پوپ سے اس کی اجازت لے لی کہ وہ خود اپنے سکے ضرب کر سکے۔ شاہی خطاب اور لاطینی

آرک بشپ یا پوپ کے اختیارات بھی حاصل کر لیے۔ ویٹی کن کی طرف سے بلغاریہ کی شاہی حیثیت کو تسلیم کر لیا۔ بدعت کی یہ پہلی نوعیت تھی۔ اگر یونانی اپنی کلیسائی صوابدید سے محروم نہ ہو چکے ہوتے۔ تو وہ بڑی خوشی سے اپنے شاہی اختیارات سے دستبردار ہو جاتے۔

بلغاری حد سے زیادہ بدنیت تھے۔ وہ آئزک انجیلوس کی طویل زندگی کے لیے دعا گو رہتے جس نے اُن سے آزادی اور خوش حالی کے لیے مستقل وعدہ کر رکھا تھا۔ اس کے باوجود ان کے سردار شاہی خاندان کی تباہی اور تذلیل کا سامان پیدا کرتے رہتے۔ آسن نے اپنی افواج سے کہا کہ تمام یونانی ایک ہی قسم کی آب و ہوا، کردار، تعلیم کے زیراثر پروان چڑھتے ہیں۔ ایسے حالات میں یکساں نوعیت کا پھل تیار ہوتا ہے۔" میرے نیزے کا بروقت مشاہدہ کرتے رہو۔" اس جنگجو نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا۔" اور تکو نے جھنڈوں کی طرف بھی دیکھتے رہو، جو ہوا میں لہراتے رہتے ہیں۔ ان کے صرف رنگ مختلف ہیں مگر تمام ایک ہی نوعیت کے ریشمی کپڑے سے تیار کیے جاتے ہیں اور انھیں ایک ہی کاریگر تیار کرتا ہے۔ ان پر کسی قسم کا کوئی فیتہ نہیں لگایا جاتا کیونکہ اس طرح ان کی قیمت میں اضافہ ہو جاتا اور اُسے قرمزی رنگ دینا پڑتا۔ مگر متعدد ایسے اشخاص جو شاہی خلعت کے اُمیدوار تھے، آئزک کی قلمرو میں کھڑے ہوئے اور بعد میں گر گئے۔ ایک جرنیل جس نے صقلیہ کے بحری بیڑے کو پیچھے ہٹا دیا تھا مگر اُس پر بادشاہ کی بغاوت اور ناشکر گزاری کا الزام لگا دیا گیا۔ اُس کی آرام دہ اور پُرسکون زندگی کو خفیہ سازشوں سے خراب کیا گیا۔ شہنشاہ حادثاتی طور پر بچا لیا گیا۔ یا اس کے ملازموں کی وفاداری کی وجہ سے بچ گیا۔ بالآخر اُس کے ایک لالچی بھائی نے اُسے قابو کر لیا۔ وہ اس قدر لالچ میں مبتلا ہوا کہ اُسے فطری رشتوں، وفاداری اور دوستی تک کی پروا نہ رہی۔ جبکہ آئزک تھریس کی وادیوں میں شکار سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اُس کے بھائی الیکسی اُوس انجیلوس کو پڑاؤ میں متفقہ طور پر شاہانہ خلعت پہنا دیا گیا اور اُس کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا گیا۔ دارالحکومت اور کلیسا نے اُس کے انتخاب کی تائید کر دی۔ بادشاہ کے مزاج نے یہ برداشت نہ کیا کہ وہ اپنے باپ کے لقب کو استعمال کرے جو کومنینی نسل کے لیے مخصوص تھا۔ میں نے آئزک کا کردار بیان کرتے ہوئے توہین آمیز زبان استعمال کی ہے۔ میں اس میں صرف یہ اضافہ کر سکتا ہوں کہ اپنے آٹھ سالہ دورِ حکومت میں کمینہ خصلت الیکسی اُوس اپنی بیوی یوفروسائن کی مردانہ بُرائیوں سے مدد حاصل کرتا رہا۔ اس کے زوال کی پہلی خبر اس تک اس کے محافظین نے پہنچائی۔ اب وہ اس کے محافظ تو نہ تھے بلکہ مخالف ہو چکے تھے۔ یہ اُن کے تحفظ کو چھوڑ کر بھاگ نکلا اور پچاس میل کی مسافت طے کر کے،

مقدونیہ میں سطاجیرہ کے مقام پر پہنچ گیا۔ مگر اس مفرور کا نہ تو کوئی مقصد تھا اور نہ اس کا کوئی حامی تھا۔ اسے قسطنطنیہ واپس لایا گیا۔ اس کی آنکھیں نکال دی گئیں اور ایک مینار میں تنہا قید کر دیا گیا۔ اسے صرف روٹی اور پانی مہیا کر دیا جاتا۔ جب انقلاب برپا ہوا تو اس کا بیٹا الیکسی اُوس جسے اس نے آئندہ کے بادشاہ ہونے کی توقع میں تعلیم دی تھی، صرف بارہ سال کا تھا۔ اُسے غاصبوں نے چھوڑ دیا تھا۔ البتہ اُس پر یہ پابندی تھی کہ وہ حالتِ امن و جنگ میں اُن کی زیرِ نگرانی رہے۔ چونکہ فوج کا پڑاؤ ساحل سمندر پر تھا۔ ایک اطالوی بحری جہاز نے شاہزادے کو فرار کا موقع فراہم کر دیا۔ اُس نے اپنے آپ کو ایک عام ملاح کے بہروپ میں پیش کیا۔ وہ دشمنوں کی تلاش کی زد میں نہ آ سکا۔ دردانیال کو عبور کر گیا اور صقلیہ کے جزیرے میں محفوظ پناہ گاہ تلاش کر لی۔ اُس نے حواریوں کی دہلیزوں پر آداب بجالانے کے بعد پوپ انوسینٹ سوم کی حفاظت طلب کی۔ اس دوران اسے اپنی ہمشیرہ آئرین کی طرف سے دعوت موصول ہوئی جو روم میں صوابیہ کے بادشاہ کی بیوی تھی۔ مگر جب وہ اٹلی سے گزر رہا تھا، تو اُس نے سنا کہ مغربی افواج کے منتخب افراد وینس میں اس غرض سے جمع ہیں کہ وہ ارضِ مقدس کو آزاد کرا لیں۔ اس کے ذہن میں بھی اُمید کی ایک کرن روشن ہوئی کہ ان کی تلوار کی قوت کو اس کے باپ کی رہائی کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

یروشلم کے نقصان کے دس بارہ سال بعد شرفائے فرانس کو ایک تیسرے (باطل) نبی نے ایک نئی صلیبی جنگ کے لیے طلب کیا۔ غالبًا زیادہ فضول گو نہ تھا وہ پیٹر راہب کے مقابلے میں کسی قدر محتاط تھا۔ مگر استحقاق، رُتبے اور فصاحت و بلاغت اور تدبیر میں سینٹ برنارڈ کے مقابلے میں کم تر تھا۔ پیرس کے قرب و جوار کا رہائشی ایک جاہل پجاری، نوئلی کا فلک (Fulk) تھا۔ اس نے اپنی دینی ذمہ داریوں کو ترک کر دیا اور مبلغین کے قابلِ احترام پیشے میں داخل ہو گیا۔ اُس نے اپنے دور کی برائیوں کے خلاف جنگ شروع کی اور وہ پیرس کی گلیوں میں اپنے مواعظ دُہراتا رہتا تھا۔ اُس نے قزاقوں، عام مجرموں، قحباؤں، اور یونیورسٹی کے علما و فضلا کو راہِ ہدایت پر لگا دیا اور اپنا گرویدہ بنا لیا۔ جونہی انوسینٹ سوم نے سینٹ پیٹر کی کرسی پر قبضہ کیا تو اُس نے اٹلی جرمنی اور فرانس میں اعلان کرا دیا کہ اب ایک نئی صلیبی جنگ کا موقع آ گیا ہے۔ فصیح و بلیغ پادری نے یروشلم کی تباہی اور اُس پر فریقِ مخالف کے قبضے کا ذکر کیا اور عیسائیوں کو شرم دلائی۔ اُس نے بڑی فیاضی سے اُن کے گناہوں کی معافی کا وعدہ کر لیا۔ صرف اس کے لیے شرط یہ تھی کہ یا تو ذاتی طور پر فلسطین میں خدمات ادا کریں یا کسی دوسرے شخص کو دو سال کے لیے اپنے بدلے میں دے دیں۔ اس کے چیلوں اور مقررین میں جو دوسرا

سازندہ تھا، وہ نیوگلی کا فلک تھا۔ یہ بلند آواز بھی تھا اور اس لحاظ سے کامیاب بھی رہا مگر خود بادشاہ ان مواعظ کے خلاف تھا۔ شہنشاہ فریڈرک دوم ابھی بچہ تھا اور خود اُس کی حکومت کے دو اور بھی دعویدار تھے۔ برونس وک اور صوابیہ جن کے وجود سے وہ شاندار داستان، جی لف اور غیبی لین وجود میں آئی۔ شاہِ فرانس فلپ آگسٹس، ایک دفعہ اس جنگ میں شامل ہو چکا تھا اور اُسے دوبارہ اس میں شمولیت کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہی وعدہ کیا گیا تھا۔ اُس کے پاس اتنی قوت تو نہ تھی مگر وہ تعریف کا بھوکا تھا اور اُس نے بڑی خوشی سے ارضِ مقدس کے لیے سرمایہ جمع کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ انگلستان کا رچرڈ تو اپنے سابقہ تجربے کی کامیابیوں اور ناکامیوں پر مطمئن ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے فرض کر لیا تھا کہ اگرچہ نیوگلی کا فلک کا نام بادشاہوں کی فہرست میں شامل نہیں اس لیے معرکہ آرائی کے لیے یہ ہی کافی تھا۔ پلانٹاجینٹ نے کہا کہ کیا تم مجھے نصیحت کرتے ہو یا میں اپنی تینوں بیٹیوں کو فارغ کر دوں جو فخر، لالچ اور معصومیت ہیں؟ تو میں نے اُنھیں ایک مستحق ترین شخص کے حوالے کر دیا ہے۔ اپنا فخر تو نائٹ ٹمپلر کو دے دیا ہے اور اپنا لالچ قسطاؤکس کے راہبوں کے حوالے کر دیا ہے اور اپنی بے صبری نو مذہبوں کے حوالے کر دی ہے۔ مگر یہ مقرر دوسرے درجے کے عوام میں بہت مقبول تھا۔ لوگ اس کی بات غور سے سنتے اور اُس پر عمل بھی کرتے اور تھائی باٹ، شمپین کا کاؤنٹ، اس مقدس دوڑ میں سب سے آگے تھا۔ بہادر نوجوان جس کی عمر بائیس سال ہو چکی تھی۔ اپنے گھر میں اپنے والد کے کردار سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ اُس نے دوسری صلیبی جنگ میں حصہ لیا تھا اور اس کا بڑا بھائی جس کے ہمراہ دو سو جنگجو ختم ہو چکے تھے۔ وہ اپنے ہم عصر مصاحبوں کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا۔ شمپین کے شرفا ہر قسم کی جنگی مشقوں میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ اس کی شادی ناوارے کی جانشین سے ہو چکی تھی۔ تھائی باٹ کے پاس اتنے ذرائع تھے کہ کوہ پائرین کے دونوں جانب سے مضبوط جسم کے گیسکولون کے متعدد جتھے جمع کر سکتا تھا۔ لوئیس اس کا فوجی دوست تھا جو چارٹریس اور بلوئیس کا کاؤنٹ تھا۔ جہاں تک ان دونوں کے شجرۂ نسب کا تعلق ہے، یہ دونوں فرانس اور انگلستان کے بادشاہوں کے علی الترتیب بھتیجے تھے۔ ان کے اردگرد نو مذہبوں اور زمینداروں کا جم غفیر تھا جو ان کے جوش وخروش کی نقل کرتے تھے۔ میں ماؤنٹ مورینسی کے میتھیو کے خاندان اور استحقاق کی داد دیتا ہوں۔ ابی گی اُوس کا عزم وحوصلہ بہت بلند تھا اور ویلاہارڈوئین کا جیفرے ایک شریف اور بہادر شخص تھا۔ شمپین کا مارشل ایک گستاخ شخص تھا۔ اُس کا لب ولہجہ اپنی غیر مہذب زبان کے مطابق تھا اور وہ مشورے اور اقدام میں دانش مندی سے کام لیتا تھا۔ اُس نے تھائی باٹ کی ہمشیرہ سے شادی کی اور اپنے بھائی ہنری اور دیگر جنگجو

ساتھیوں کے ہمراہ عیسائیت قبول کر لی۔ بعض مشہور جنگجو اور دیگر شہری بھی اس کا احترام کرتے تھے۔ وہ مقصد جو سرداروں نے گرجا گھروں میں متعین کیا اور اُس کے حصول کا وعدہ کیا تھا، اُس کی کھیلوں کے میدان میں توثیق کر دی گئی۔ بار بار اجتماعات منعقد کیے جاتے اور جنگی حکمتِ عملی پر بحث کی جاتی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ فلسطین کی آزادی مصر کے میدانوں میں حاصل کر لی جائے۔ کیونکہ صلاح الدین کی موت کے بعد یہ ملک قحط اور خانہ جنگیوں کی وجہ سے بالکل تباہ ہو چکا تھا۔ مگر اس قدر فوج کا اس ملک میں داخل کر دینا بجائے خود محنت طلب عذاب ہوگا۔ فلیمنگ لوگوں نے ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرنا مناسب سمجھا۔ فرانسیسی اُمرا کے پاس بحریہ ہی نہ تھی اور وہ جہاز رانی کے فن سے بھی ناواقف تھے۔ اُنھوں نے دانش مندانہ فیصلہ کیا کہ چھ نائبوں کا انتخاب کر لیا جو اُن کی نمائندگی کرتے۔ ویلاہارڈوئین کا جیفرے اُنھیں میں سے ایک تھا۔ اسے صوابدیدی اختیارات دے کر اس پر مکمل اعتماد کیا گیا۔ یہ تمام نقل وحرکت کی رہنمائی کرتا اور معاہدات کے لیے اعتماد پیدا کرتا۔ فرانس کا تمام وفاق اس کے مشوروں پر عمل کرتا۔ اٹلی کے تجارتی اور ساحلی مقامات فوجیوں کی نقل وحرکت کا اہتمام کرتے۔ اُن کے ہتھیار اور گھوڑے بھی منتقل کرتے اور چھ نائب اس مسئلہ میں کوشش کرتے رہے کہ اس مقدس جنگ کے لیے زیادہ سے زیادہ مدد حاصل کی جا سکے۔

اٹیلا نے اٹلی پر حملہ کر دیا تو میں نے اُس کے بیان میں یہ وضاحت کر دی تھی کہ براعظم کے جتنے شہروں کو شکست ہوئی۔ وہ ایک سلسلے کی صورت میں خلیج ایڈریاٹک کے قرب وجوار میں واقع تھے۔ بحری جنگ آزمائی میں ہر کوئی آزاد تھا کہ وہ اپنی محنت سے جہاں چاہے پہنچ جائے۔ انھوں نے بتدریج ایک جمہوریہ قائم کر لی۔ وینس کی ابتدائی بنیاد رکھی گئی۔ اس کے لیے ریالٹو کا جزیرہ منتخب کیا گیا۔ بارہ معدلات کے سالانہ انتخابات منعقد کیے جاتے۔ جو مل کر ایک ڈیوک کا انتخاب کر لیتے۔ دونوں سلطنتوں کے مقام اتصال پر وینس کے باشندے آباد تھے جو ابھی تک ماضی کی جہالت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اُنھیں اُمید تھی کہ وہ اپنی آزادی برقرار رکھ سکیں گے۔ لاطینیوں نے اُن سے آزادی کا زبانی وعدہ کر رکھا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی کوئی تحریری صورت بھی ہو۔ شارلمین نے خلیج ایڈریاٹک کے تمام جزائر کے متعلق ایک حتمی فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کا بیٹا پے پین لاگوناس یا نہروں پر حملہ آور ہوا مگر اُسے واپس دھکیل دیا گیا۔ کیونکہ یہ نہریں اتنی گہری تھیں کہ رسالہ ان میں کامیاب نہ ہو سکتا تھا۔ مگر جہازوں کے لیے ان کی گہرائی ناکافی تھی۔ جرمن قیصران کے ہر دور میں اس جمہوریہ کی سرحدیں اٹلی کے ساتھ واضح طور پر قائم رہیں۔ مگر وینس کے باشندے، خود وہ بھی، اجنبی بھی اور خود

ان کے بادشاہ بھی انھیں یونانی قوم کا ہی ایک حصہ سمجھتے تھے۔ نویں اور دسویں صدیوں میں اس نوعیت کے متعدد ناقابلِ تردید ثبوت فراہم ہوئے۔ مگر بازنطینی حکومت کا یہ دعویٰ کہ وہ اس جزیرے کے حکمران ہیں، باطل ثابت ہوا۔ لیکن ان کے ڈیوک اس دعوے پر اتنا زور دیتے رہے کہ ایک آزاد قوم کے افراد نے اس میں اپنی توہین محسوس کی۔ مگران کے یونانی حکومت پر انحصار کے بندھن جو کبھی بھی مستقل اور سخت نہیں رہے، وینس کے عوام نے انھیں بتدریج بہت کم کر دیا۔ اس میں خود قسطنطنیہ کی کمزوری کے عوامل بھی شامل تھے۔ تعمیلِ احکام زم ہو کر احترام کی صورت اختیار کر گئی۔ استحقاق نے صوابدید کی جگہ لے لی اور غیر ملکی اقتدار سے آزادی حاصل کر لی گئی۔ داخلی حکومت کو تحفظ فراہم کر دیا گیا۔ اسٹریا اور دالماطیا کے تجارتی شہر، ایڈریاٹک کے بادشاہ کے زیرِ نگیں آ گئے اور جب اُنھوں نے نارمنوں کے خلاف ہتھیار اُٹھا لیے اور الیکسی اُوس کی حمایت کرنے لگے تو شہنشاہ نے اپنی رعایا کی فرض شناسی کی تو تعریف نہ کی، مگر اپنے اتحادیوں کی فیاضی کو تعریف کا موضوع بنایا۔ سمندر تو ان کی وراثت تھا۔ بحیرۂ روم کے مغربی حصے ٹسکنی سے لے کر جبل الطارق تک فی الحقیقت پیسا اور جینوا کے حریفوں کے لیے خالی کر دیے گئے۔ مگر اہلِ وینس نے جلد ہی مصر اور یونان کی تجارت کا ایک بہت بڑا حصہ حاصل کر لیا۔ چونکہ یورپ کی طلب میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس لیے ان کی دولت بھی بڑھ گئی۔ یہ لوگ ریشم اور شیشے کی صنعت کے بھی مالک تھے۔ غالباً ان دونوں اشیا کی دولت ان کی ضروریات کے لیے کافی نہ تھی۔ اگرچہ یہ صنعت ان کے ہاں زمانۂ قدیم سے جاری تھی۔ بہرحال اس ملک کے باشندے اس صنعت و حرفت سے انفرادی اور اجتماعی طور پر لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اپنا علم بلند رکھنے کے لیے، اپنے خلاف بے انصافیوں کا بدلہ لینے کے لیے اور اپنی بحری ضروریات کے تحفظ کے لیے، جمہوریہ نے فیصلہ کر لیا کہ اسے سو جہازوں پر مشتمل ایک بحری بیڑہ تیار کر لینا چاہیے۔ یونانیوں، عربوں اور نارمنوں کے بحری بیڑوں کا ان کی بحری فوج نے بھی کماحقہٗ مقابلہ کیا۔ وینس کے باشندے، شام کے فرینکوں کو مدد فراہم کرتے تھے۔ اس سے سمندری ساحل کی طوالت کم ہو گئی۔ ان کے خلاف جو جوش و خروش پیدا ہوا وہ نہ تو غیر معقول اور بے بصارت تھا، اور نہ ہی ان کے مفاد کے خلاف تھا۔ اُنھوں نے اس میں پوری دلچسپی لی اور جب اُنھوں نے ٹائر بھی فتح کر لیا تو اس شہر کی حکومت میں بھی حصہ دار بن گئے۔ یہ شہر دُنیا کی تجارت کا سب سے بڑا اور اوّل درجے کا مرکز تھا۔ وینس کی حکمتِ عملی محض تجارت کی ہوس پر مبنی تھی اور اس غرض سے وہ بحری قوت بھی برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ اس کے باوجود یہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اُٹھاتے۔ وہ یہ بھی فراموش نہ کرتے کہ جنگی بحری جہاز ان کی حفاظت کا بہترین مؤثر

ذریعہ ہیں۔ تجارتی جہاز ان کی برآمدات میں مددگار ثابت ہوتے اور ان کی امارت کا سبب بنتے۔ ان کے مذہب میں یونانی بدعت کے آثار موجود تھے۔ ان کی غلامی قبول کیے بغیر یہ رومی اُسقف پر بھی اعتماد رکھتے۔ یہ ہر مذہب و فکر کے افراد کے ساتھ آزادانہ گفت و شنید کرتے۔ اس کی بدولت ان کی اوہام پرستی میں اضافہ ہو جاتا۔ اس جزیرے کی قدیم حکومت جمہوریت اور بادشاہت کا ایک ڈھیلا امتزاج تھی۔ بادشاہ مجلس عام کی آرا سے منتخب کیا جاتا تھا۔ جب تک کہ اُس کی مقبولیت اور کامیابی قائم رہتی، وہ شان و شرکت، اختیارات اور شاہانہ اقتدار سے حکومت کرتا رہتا۔ مگر اس ریاست میں بار بار انقلابات آتے رہتے اور اسے معزول کر دیا جاتا، یا اُسے جلاوطن کر دیا جاتا۔ بعض اوقات موت کے گھاٹ بھی اُتار دیا جاتا۔ جس میں انصاف یا بے انصافی کا کوئی معیار نہ تھا۔ بارھویں صدی میں اس ملک میں دانش مند مگر حاسد خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔ اس نے بادشاہ کو شان و شکوہ عطا کر دی اور عوام کو صفر بنا دیا۔

جب فرانسیسی زائرین کے چھ سفیر وینس آئے۔ حکمران نے سینٹ مارک کے محل میں ان کی مہمان نوازی کی۔ اس حکمران کا نام ہنری ڈونڈولو تھا اور اپنے آخری دورِ حکومت میں اس نے ثابت کر دیا کہ وہ اُس عہد کا ایک مثالی حکمران ہے۔ جب کئی برس گزر گئے تو یہ ثابت ہوا کہ ڈونڈولو کا ذہن صاف اور عزم بلند تھا۔ مگر اس کی بصارت ضائع ہو چکی تھی مگر سمجھ بوجھ اور حوصلہ قائم تھا اس میں ایک ہیرو کا جذبہ موجود تھا۔ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ اپنی حکومت میں وہ کوئی مثالی کام کر جائے۔ اُس میں ایک محبِ وطن کی دانائی بھی موجود تھی۔ وہ اپنے ملک کی شان و شوکت اور مفاد کے لیے کام کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے اُمرا کے جوش و خروش اور حوصلے کی قدر کرتا، اُن پر بھرپور اعتماد کرتا اور اُن کے نائبین کی بھی حوصلہ افزائی کرتا۔ وہ چاہتا تھا کہ اُس کے تمام اُمرا اُس کے مقاصد سے ہم آہنگ رہیں۔ اگر وہ کوئی عام آدمی ہوتا تو وہ اپنی زندگی ختم کر دیتا۔ مگر وہ جمہوریہ کا خادم تھا اور اُس کے لیے ہر مشکل کام میں کسی قدر تاخیر سے کام لینا پڑتا اور اپنے ساتھیوں کے مشورے پر عمل کرنا پڑتا۔ اُس نے اپنی انتظامیہ کے معاملات طے کرنے کے لیے چھ دانش مند افراد مقرر کیے ہوئے تھے۔ یہ معاملہ بھی بحث و تمحیص کے لیے اُنھیں کے حوالے کر دیا گیا۔ پھر اسے ریاستی کونسل کے چالیس ارکان کے حوالے کر دیا گیا اور بالآخر یہ مجلس قانون ساز کے حوالے کر دیا گیا جس کے ارکان کی تعداد چار سو پچاس تھی۔ ان ارکان کا شہر کے چھ حلقوں سے ہر سال انتخاب کیا جاتا۔ جنگ اور امن کے دوران، بادشاہ ہی جمہوریہ کا سربراہ ہوتا۔ اس کے قانونی اقتدار کو ڈونڈولو کے ذاتی کردار اور شہرت سے مدد ملتی۔ وہ جب کبھی عوامی حقوق اور بہبود کے لیے دلائل

دیتا تو وہ متوازن ہوتے، اُسے یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ سفیروں کو مطلع کر دے کہ معاہدے پر پوری طرح سے عمل درآمد کیا جائے گا۔ یہ تجویز پیش کی گئی کہ صلیبی وینس میں آ کر جمع ہو جائیں۔ اس کے لیے اگلے سال کی سینٹ جون کی دعوت کے ایام متعین کر دیے گئے۔ چوڑے پیندے والی ایسی کشتیاں تیار کر لی جائیں۔ جن میں چار سو پچاس گھوڑے سما سکیں اور نو سو جنگجوؤں کی بھی گنجائش ہو۔ علاوہ ازیں بیس ہزار پیدل فوج کی نقل و حمل کا اہتمام کیا جائے۔ ان تمام افراد اور گھوڑوں کے لیے نو ماہ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کافی اشیائے صرف فراہم کر دی جائیں اور انھیں ہر اُس مناسب مقام پر پہنچا دیا جائے جہاں خدا اور عیسائیت کو اُن کی ضرورت ہو اور یہ بھی کہ خود جمہوریہ بھی اس مہم میں پچاس بحری جہازوں کے بیڑے کے ساتھ شامل ہو کر اعانت کرے۔ یہ ضروری سمجھا گیا کہ زائرین اپنے سفر کے آغاز سے قبل، پچاسی ہزار چاندی کے سکے ادا کریں اور تمام فتوحات جو بحری اور بری راستوں سے حاصل ہوں، وہ تمام مشترک گروہوں میں مساوی تقسیم کر دی جائیں۔ شرائط سخت تھیں مگر ہنگامی حالات کی مجبوری بھی اپنی جگہ موجود تھی اور فرانسیسی اُمرا کو خون کی بجائے نقد رقم کے حصول کی زیادہ ضرورت تھی۔ اس معاہدے کی توثیق کے لیے مجلس کا اجلاسِ عام طلب کیا گیا۔ سینٹ مارک کے محل اور گرجے میں دس ہزار افراد کا ہجوم جمع ہو گیا اور شرفائے شہر کو ایک نیا سبق سیکھنا پڑا کہ عوام کے ہجوم کا احترام بھی سلیقے سے کیا جاتا ہے۔ شمپین کے مارشل نے کہا کہ وینس کے باشندے بے مثال ہیں۔ ہم لوگ فرانس کے عظیم شرفا اور اُمرا کے نمائندہ ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ یروشلم کی آزادی کے لیے ہم آقایانِ سمندر کی مدد حاصل کریں۔ ہمیں آپ کے قدموں پر سر رکھنے کے لیے روانہ کیا گیا ہے اور ہم نے وعدہ کر رکھا ہے کہ ہم حضرت عیسیٰ کی بے حرمتی کا انتقام لیں گے۔ اُنھوں نے آنسو بہا کر فصیح تقریر کی۔ اُن میں جنگی جذبہ اور مہذب انداز دونوں موجود تھے۔ اس لیے بلند نعروں میں ان کی تعریف کی گئی۔ جیفرے کہتا ہے کہ جیسے حالات تھے اُن کی بلند آواز سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زلزلہ آ گیا ہے۔ اس کے بعد بادشاہ بذات خود منبر پر گیا اور عوام سے درخواست کی کہ اپنا اعزاز نیک خوئی برقرار رکھیں۔ اس معاہدے کو ایک کپڑے پر لکھ لیا گیا۔ حلف اُٹھایا گیا اور اس پر مہریں ثبت کر دی گئیں۔ فرانس اور وینس کے نوجوانوں نے اسے روتے ہوئے قبول کیا اور پھر اس معاہدے کو پوپ کی منظوری کے لیے روم روانہ کر دیا گیا۔ یہ انوسینٹ سوم کا عہد تھا۔ تاجروں سے دو ہزار مارک اُدھار لیے گئے تاکہ اسلحہ کی خرید کے لیے ابتدائی اخراجات پورے کیے جا سکیں۔ نائبین میں سے دو کو الپس کی طرف روانہ کر دیا گیا تاکہ وہ اپنی کامیابی کا اعلان کر سکیں۔ باقی چار نائبین نے پیسا اور جینوا سے

مدد حاصل کرنے کی ناکام کوشش کی۔

اس معاہدے پر بعض ایسی مشکلات کی وجہ سے عمل درآمد ہونے میں تاخیر ہوگئی جن کا قبل از وقت اندازہ نہ کیا جا سکا تھا۔ سپہ سالار جب واپس آیا تو ٹرائے میں تھائی باٹ نے خود اُسے خوش آمدید کہا اور اُس کے ساتھ بغل گیر ہوا اور معاہدے کی منظوری بھی عطا کر دی۔ شمپین کا کاؤنٹ تھائی باٹ اتفاق رائے سے اس مہم کا سپہ سالار منتخب کیا گیا۔ مگر اس بہادر نوجوان کی صحت پہلے ہی بہت زیادہ گر چکی تھی۔ اس کے جلد بعد اس کی موت واقع ہوگئی۔ یہ حادثہ میدانِ جنگ کی بجائے بستر مرگ پر پیش آیا۔ اُس نے مرتے وقت اپنے تمام خزانے اپنے جاگیرداروں میں تقسیم کر دیے۔ اُنھوں نے اُس کے سامنے حلف اُٹھایا کہ وہ اس مہم میں کھلے دل سے حصہ لیں گے مگر بقول مارشل جس نے خود بھی اپنا حصہ وصول کیا تھا کہ بعض افراد نے اپنے حصے کی رقم تو وصول کر لی تھی مگر اپنے قول پر قائم نہ رہے۔ صلیب کے سب سے بڑے حامی نے سوئی سان کے مقام پر مجلس کا اجلاس طلب کیا تاکہ ایک نئے جرنیل کا انتخاب کر لیا جائے۔ لیکن فرانس کے نمائندوں اور دیگر مندوبین میں اختلاف اور حسد اتنا زیادہ تھا کہ اُن میں سے کسی کو منتخب نہ کیا جا سکا۔ کوئی موزوں نہ تھا اور کوئی اس ذمہ داری کو قبول کرنے پر راضی نہ ہوا کہ وہ اس مہم کو سر کر سکے۔ پھر اُنھوں نے ایک اجنبی کو منتخب کر لیا۔ یہ مونٹ فراٹ کا نواب بونی فیس تھا۔ اس کا ایک ایسی نسل سے تعلق تھا جس میں کئی بہادر افراد پیدا ہوئے تھے اور یہ خود بھی تلوار کا دھنی تھا اور اپنے عہد میں گفت و شنید کا بھی بڑا ماہر سمجھا جاتا تھا اور اسے دعوت میں کسی اطالوی سردار کے وقار اور مرتبے پر بھی کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔ فرانسیسی دربار میں حاضری کے بعد جہاں پر اسے بطور دوست اور قبیلے دار کی حیثیت سے خوش آمدید کہا گیا۔ یہ نواب سوئی سان کے گرجے میں حاضر ہوا۔ یہاں پر اسے ایک زائر کی صلیب اور جرنیل کا عصا عطا کیا گیا۔ اس کے بعد اس نے فوری طور پر کوہ الپس کو عبور کیا تاکہ اپنی دور افتادہ مشرقی مہم پر روانہ ہو کر یومِ خمیس کی تقریب کے ایام میں اس نے اپنا علم بلند کیا۔ اس نے اطالویوں کو ترجیح دی اور اہلِ وینس کو اُن کے بعد جگہ دی۔ پھر فلانڈرز اور بلوئیس کے کاؤنٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ لوگ فرانس کے انتہائی معزز نواب تھے۔ جرمنی کے زائرین ان کے ہمراہ شامل ہو گئے۔ اس وجہ سے ان کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ ان کے مقاصد اور ارادے بھی ان جیسے ہی تھے۔ وینس کے باشندوں نے اپنا فرض ادا کرنے کے سلسلے میں کچھ زیادہ ہی کام کر دکھایا تھا۔ اُنھوں نے ان کے گھوڑوں کے لیے اصطبل تعمیر کر رکھے تھے اور سپاہیوں کے لیے بیرکیں بھی بنا رکھی تھیں۔ اُنھوں نے چارے اور دیگر اشیائے صرف کے

ذخائر جمع کر رکھے تھے۔ بار برداری اور سپاہ کے لیے بحری بیڑے اور جہاز باد باں اُٹھانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ جونہی بار برداری کا محصول ادا کر دیا جاتا، وہ روانہ ہو جاتے۔ مگر اُن صلیبیوں کی دولت سے اُن کے مطالبات بہت زیادہ تھے۔ یہ لوگ تو وینس میں کئی ایام سے مقیم تھے اور اپنا خرچ برداشت کر رہے تھے۔ مگر فلیمنگ جن کے پاس کافی مالی اثاثے تھے وہ جہازوں پر سوار ہو کر بحیرۂ روم کی طرف روانہ ہو گئے۔ متعدد اطالویوں اور جرمنوں نے ایک آسان راستہ اختیار کیا جو مارسیلس اور اپولیا سے براہِ راست ارضِ مقدس کی طرف جاتا تھا۔ ہر زائر یہ شکایت کرتا کہ اس کے بعد جب وہ اپنے اخراجات ادا کر چکا تھا تو اُس سے کہا گیا کہ وہ اپنے غیر حاضر ساتھیوں کی وجہ سے ہونے والے نقصان کی بھی تلافی کرے۔ سرداروں کے پاس جو سونے اور چاندی کے برتن تھے وہ اُنھوں نے خوشی سے خزانے میں جمع کرا دیے۔ یہ خزانے سینٹ مارک کے تھے۔ اس سلسلے میں فیاضی سے قربانی دی گئی مگر جمع شدہ رقوم ضرورت سے بہت کم تھیں۔ اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی ابھی تک چونتیس ہزار مارک کی کمی تھی، تا کہ تخمینے کے مطابق رقم پوری کی جا سکے۔ وینس کے بادشاہ کی حکمت عملی اور حب الوطنی کی وجہ سے یہ مشکل بھی آسان کر لی گئی۔ اُس نے جاگیرداروں کو تجویز پیش کی کہ اگر وہ اس کی افواج میں شامل ہو جائیں اور دالماطیا کے باغی شہروں پر اس کا قبضہ بحال کرا دیں تو وہ خود بھی اس مقدس جنگ میں ذاتی طور پر شرکت اختیار کر لے گا اور وہ اپنے شہر کے بعض اُمرا سے ایک بڑا قرضہ حاصل کر لے گا جو اُس وقت ادا کرنا پڑے گا۔ جب کوئی بڑی فتح حاصل ہو جائے۔ بہت بحث و مباحثہ اور حیل و حجت کے بعد اُنھوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ مہم میں شامل ہو جائیں گے اور اسے ترک نہیں کریں گے۔ بحری بیڑے اور افواج سے کہا گیا کہ وہ پہلا حملہ زارا پر کر دیں جو سکلوانی ساحل پر واقع ایک مضبوط شہر تھا۔ جو وینس سے اتحاد ختم کر کے الگ ہو چکا تھا اور ہنگری کے بادشاہ کا تحفظ قبول کر چکا تھا۔ صلیبی جلد ہی طوفان کی طرح شہر کی بندرگاہ کی زنجیروں پر ٹوٹ پڑے۔ اپنے گھوڑے، سپاہی اور منجنیقیں ساحل پر اُتار دیں۔ پانچ روز کے دفاع کے بعد شہری مجبور ہو گئے کہ وہ حملہ آوروں کی مرضی کے مطابق ہتھیار ڈال دیں اور مزاحمت ترک کر دیں۔ اُن کی جان بخشی تو ہو گئی مگر سزا کے طور پر لوٹ مار کا عمل جاری رہا۔ اُن کے گھروں کی دیواریں گرا دی گئیں۔ موسم بہت آگے بڑھ چکا تھا۔ فرانس اور وینس کے سپاہیوں کو رہائش کے لیے مضبوط بندرگاہ کا سہارا مل گیا تا کہ وہ موسم سرما آرام سے گزار سکیں۔ مگر سپاہ اور ملاحوں کے جھگڑوں کے باعث ان کے آرام میں کچھ خلل پیدا ہوا۔ زارا کی فتح کے بعد اختلافات کی بدنامی تو ختم ہو گئی۔ جبکہ اتحادیوں کی تلواریں خون سے رنگین ہو گئیں۔ جو لوگ

مارے گئے وہ کفار نہیں تھے بلکہ عیسائی ہی تھے۔ ہنگری کا بادشاہ اور اُس کی رعایا کے کچھ نئے افراد بھی صلیبیوں کے جھنڈے تلے فہرست میں شامل ہو چکے تھے۔ ایسے لوگ جو تذبذب کا شکار تھے، یا سستی اور کاہلی کی وجہ سے پُر جوش نہ تھے اور وہ زائرین میں شمولیت سے گریز کرتے تھے یا وہ لوگ جنھوں نے اپنے بھائیوں کو لوٹ لیا تھا، یا قتل کر دیا تھا۔ اُن سے صرف نواب بونی فیس اور مونٹ فورٹ کا سائمن ہی بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو سکے۔ یہ لوگ روحانی طوفان کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ ایک تو اس طرح بچ گیا کہ وہ محاصرے سے غیر حاضر تھا اور دوسرا اس طرح بچ گیا کہ وہ پڑاؤ سے بروقت باہر نہ نکل سکا۔ انوسینٹ فرانسیسیوں کی سادہ اور عاجزانہ رسم توبہ کو برداشت کر لیتا ہوگا۔ مگر وہ وینس کے باشندوں کے گستاخانہ استدلال پر برافروختہ ہو گیا۔ وہ اپنا جرم تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے۔ معافی مانگنے پر بھی راضی نہ تھے، وہ یہ بھی برداشت نہ کرتے کہ اُن کی عمارات میں کوئی پجاری داخل ہو سکے۔

ایسی ناقابلِ تسخیر قوتوں کا اجتماع جو بری اور بحری دونوں راستوں سے داخل ہو گیا تھا۔ اُس کی وجہ سے نوجوان الیکسی اُوس کے دل میں توقعات پیدا ہوئیں۔ وینس اور زارا کے مقام پر اُس نے صلیبیوں کے لیے اسلحہ فراہم کرنے کی درخواست کی۔ اُس نے اپنے آپ کو بحال کرانا چاہا اور درخواست بھی کی کہ اُس کے باپ کو آزاد کر دیا جائے۔ اس نوجوان شہزادے کی شاہِ جرمنی فلپ نے سفارش کی تھی۔ اُس کی موجودگی اور درخواست سے پڑاؤ میں مقیم افراد بہت متاثر ہوئے۔ اور مونٹ فرات کے نواب نے اس کے حق میں ہمدردی ظاہر کی۔ وینس کا بادشاہ بھی اس سے متاثر ہوا۔ قیصر (سیزر) کے شاہی خاندان سے دوہری کے تعلقات تھے۔ ایک تو سیاسی اتحاد تھا، دوسرے اُس کا شاہی خاندان سے رشتہ بھی تھا، اور بونی فیس کے دو بڑے بھائیوں کی شاہی خاندان میں شادی ہوئی تھی۔ اُسے توقع تھی کہ ان خدمات کے عوض اُسے بادشاہی حاصل ہو جائے گی مگر ڈونڈولو کی ساری دلچسپی اس میں تھی کہ اُسے تجارت میں منافع حاصل ہو اور اُس کے کھوئے ہوئے علاقے اُسے واپس مل جائیں۔ ان کی حمایت کی وجہ سے الیکسی اُوس کے سفیروں کی دربار میں باریابی ہو گئی۔ اگر چہ اس کی فراخ دلانہ پیشکش کی وجہ سے اس پر کچھ شک بھی پیدا ہوا لیکن اس نے جن مقاصد کا اظہار کیا تھا اور ان کا عملی ثبوت بھی پیش کیا تھا۔ اُس کی وجہ سے تاخیر برداشت کر لی گئی اور اُن افواج کا دوسری طرف انتقال بھی معقول سمجھا گیا جو یروشلم کی آزادی کے لیے مخصوص تھیں۔ اس نے اپنے اور اپنے باپ کی طرف سے وعدہ کیا کہ جونہی یہ قسطنطنیہ کے تخت پر بیٹھے گا تو وہ یونانیوں کی طویل عرصے سے قائم بدعت کی اصلاح کر دے گا اور اپنے

آپ اور اپنی رعایا کو حسب قانون قائم شدہ رومی کلیسا کے حوالے کر دے گا۔ اُس نے تمام صلیبی جنگ آزماؤں کو فوری طور پر دو لاکھ روپہلی مارک دے کر بھرتی کر لیا اور بذات خود اُن کے ہمراہ مصر تک جائے گا اور اگر اسے زیادہ منافع بخش سمجھا جائے تو سال بھر دس ہزار افراد مستقل طور پر رکھے گا اور وہ زندگی بھر ارضِ مقدس کی حفاظت کے لیے پانچ سو جنگجو بھرتی کر لے گا۔ جمہوریہ وینس نے ان فیاضانہ شرائط کو قبول کر لیا۔ خود بادشاہ کی فصاحت اور فلانڈرز کے کاؤنٹ بلوئیس اور سینٹ پال، جن کے ہمراہ فرانس کے آٹھ جاگیردار بھی تھے، اس شاندار مہم میں شمولیت کے لیے تیار ہو گئے۔ ایک دفاعی اور جارحانہ معاہدہ حلفیہ قبول کر لیا گیا اور اُس پر مہریں ثبت کر دی گئیں۔ ہر شخص اپنے اپنے مرتبے کے مطابق ذاتی اور اجتماعی مفاد کے لیے تیار ہو گیا کہ ایک جلاوطن بادشاہ کے وقار کو ہر حال میں بحال کیا جائے یا ہر شخص مخلصانہ انداز میں یا امکانی طور پر یہ چاہتا کہ فلسطین میں ہماری کوشش ناکام رہے اور اُس کا کوئی نتیجہ نہ نکلے اور قسطنطنیہ پر قبضے کے بعد ہی یروشلم میں اقتدار قائم کیا جائے مگر وہ تمام کے تمام سردار ہی تھے، ایک ہی مرتبے کے آزاد افراد تھے۔ وہ رضاکارانہ طور پر اس مہم میں شریک ہوئے تھے۔ وہ صرف اپنی ذات کے متعلق سوچتے اور اُس پر عمل کرتے۔ پادری اور سپاہی تقسیم ہو چکے تھے۔ اگرچہ ان کی اکثریت اتحاد کی حامی ہوتی، اس کے باوجود جو افراد اختلاف کرتے اُن کی تعداد بھی کافی ہوتی اور وہ خاصے مضبوط بھی ہوتے اور اپنی اپنی جگہ پر ہر شخص قابلِ احترام ہوتا۔ مگر جب اُنھیں قسطنطنیہ کی بحری اور فوجی قوت کی صحیح اصطلاحات ملیں، تو اُنھیں معلوم ہوا کہ وہ دُنیا کی ایک ناقابلِ تسخیر قوت ہیں اور غالباً اُنھیں یہ معلوم ہوا کہ اُن پر مذہب اور عوام کی طرف سے انتہائی سنجیدہ فرائض عائد کر دیے گئے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ ہمارا مقصد ایک مقدس فرض کی تکمیل ہے۔ وہ اپنے خاندانوں اور گھروں کو چھوڑ کر اس لیے آئے ہیں کہ وہ مرقدِ مسیح کو آزاد کرا سکیں۔ کیا منافقانہ مشورے اور تجویزیں اُنھیں اس مقدس فرض کی تکمیل سے باز رکھ سکتی ہیں۔ اس کوشش کا انجام صرف خدا کے ہاتھ ہی میں ہے۔ اُن کا پہلا جرم یہ تھا کہ اُنھوں نے زارا پر حملہ کر دیا۔ اس پر خود ان کے اپنے ضمیر نے اور پوپ نے بھی سخت ملامت کی۔ ان سے کہا گیا کہ وہ اپنے عیسائی ساتھیوں کے خون سے اپنے ہاتھ کبھی رنگین نہ کریں گے۔ پاپائے روم نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ وہ اپنی تلوار سے کبھی بھی قسطنطنیہ میں قائم یونانی حکومت سے انتقام نہیں لیں گے اور بازنطینی شہنشاہ کو مشکوک غاصب قرار دے کر اُس پر حملہ نہیں کریں گے۔ ان اُصولوں یا بہانوں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے متعدد زائرین جو اپنی دلیری میں بہت نمایاں تھے اور نیک بھی تھے، فوجی پڑاؤ چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کی پسپائی شاید اُس قدر تکلیف دہ نہ

ہوتی مگر ان کے ساتھ ایک ایسا گروہ بھی تھا جو دل سے ان کے خلاف تھا۔ وہ ہمیشہ سے اس پر کوشاں تھا کہ ہر موقع پر فوج کو ان سے الگ کر لیا جائے اور ان کی مہم کو ناکام بنا دیا جائے۔

ان لوگوں کی علیحدگی سے قطع نظر، ان فاتحین نے اپنے بحری بیڑے اور افواج پر سخت ترین دباؤ ڈالا۔ اس میں وینس کے باشندے پیش پیش تھے، فی الحقیقت میں وہ اس نوجوان شہزادے کے خاندان اور قوم سے سخت نفرت کرتے تھے جس میں شہزادے کا نام صرف اپنی منافرت کو چھپانے کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ وہ پیسا (Pisa) کو دی گئی ترجیح پر بھی برہم تھے، کیونکہ وہ بھی تجارت میں ان کا حریف تھا۔ ان کا بہت سا قرض اور مضرت کی تلافی کا مقدمہ بازنطینی عدالت میں چل رہا تھا اور ڈونڈولو نے بھی اس مقبول عام داستان کی کبھی تردید نہیں کی کہ اس کی آنکھیں نکالنے میں شہنشاہ مینوأل کا ہاتھ تھا کیونکہ اس نے اس کے سفیر کے حقوق تلف کیے تھے۔ طویل زمانے سے اتنی بڑی فوج کبھی ایڈریاٹک سے نہیں گزری تھی۔ اس میں ایک سو بیس چوڑے پیندے کے جہاز تھے جو گھوڑوں کی نقل و حمل کے لیے تیار کیے گئے تھے۔ دو سو چالیس دوسرے جہاز تھے جن میں فوجی اور اُن کا اسلحہ لدا ہوا تھا۔ ستر مال بردار جہاز تھے، جن میں اشیائے صرف کے ذخائر تھے اور پچاس بڑے بڑے جنگی جہاز تھے، جو فوجی مقابلوں کے لیے ہر طرح سے آراستہ تھے۔ جبکہ ہوا موافق تھی، آسمان صاف اور پانی ہموار تھا اور ہر آنکھ جہاز کے کپتان پر جمی ہوئی تھی، اس بری اور بحری فوج ان جہازوں پر لدی ہوئی تھی جو تمام سمندر میں پھیلے ہوئے تھے۔ فوجیوں کی ڈھالیں جو بیک وقت زیور اور دفاع کا کام دیتی تھیں، جہازوں کے دونوں پہلوؤں پر آراستہ کر کے رکھی ہوئی تھیں۔ مستولوں پر مہم میں شامل اقوام کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ تین منجنیقیں تھیں جو دشمن پر پتھر اور دیگر وزنی اشیا پھینک سکتی تھیں۔ سفر کی تکان کو موسیقی کی دھنوں سے دور کر دیا جاتا تھا۔ چالیس ہزار ایسے عیسائی ہیرو بھی اس فوج میں شامل تھے جو پوری دُنیا کو فتح کر سکتے تھے۔ وینس اور زارا سے لے کر بحری سفر میں جہازوں کو وینس کے ملاح رہنما چلاتے رہے تھے۔ دورازو کے مقام پر وفاقی افواج سب سے پہلے خشکی پر اُتریں۔ کورفو کا جزیرہ ایسا مقام تھا جہاں عارضی آرام کیا جا سکتا تھا۔ بغیر کسی حادثے کے وہ یہاں تک محفوظ پہنچ گئے۔ مالیا کی راس قدرے دشوار گزار تھی۔ یہ پیلوپونی سوس اور موریہ کا انتہائی جنوبی مقام تھا۔ نیگرو پونٹ اور اینڈ روس کے جزائر میں بھی فوجیوں کی ایک تعداد اُتاری گئی۔ دردانیال کی ایشیائی سمت میں یہ جزائر واقع تھے۔ ان مقامات کو بغیر محنت اور خون بہائے فتح کر لیا گیا۔ صوبوں میں مقیم یونانی نہ محب وطن تھے اور نہ اُن میں بلند حوصلہ یا عزم موجود تھا۔ ناقابلِ تسخیر افواج نے انھیں بہت جلد

ملیامیٹ کر دیا۔ چونکہ سلطنت کا قانونی وارث اُن کے سامنے موجود تھا۔ اس لیے اُن کے لیے شکست کو قبول کر لینے کا جواز بھی حاصل تھا۔ لاطینیوں نے حیا اور نظم وضبط کا خیال رکھا اور کسی کو کوئی تکلیف نہ دی۔ جب وہ دردانیال کے راستے اندر داخل ہوئے تو ان کی وسیع بحری فوج ایک تنگ آبنائے میں محبوس ہوگئی اور بادبان اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ پانی کا رنگ سیاہ ہوگیا۔ وہ پروپونطس کے پڑاؤ سے نکل کر دوبارہ پھیل گئے اور اُس وقت تک سمندر میں تیرتے رہے تاوقتیکہ وہ یورپی ساحلوں تک نہ پہنچ گئے۔ جہاں پر سینٹ سٹیفن کی خانقاہ واقع ہے۔ اب وہ قسطنطنیہ سے تین لیگ کے فاصلے پر مغرب کی سمت میں پہنچ چکے تھے۔ عقل مند بادشاہ نے اُنھیں مشورہ دیا کہ وسیع اور دشمن آبادی میں منتشر ہونے سے بچیں۔ چونکہ اشیائے صرف کا ذخیرہ کم ہوگیا تھا، یہ فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ یہ فصل اٹھانے کا موسم ہے۔ اس لیے پروپونطس کے زرخیز جزیرے سے اناج حاصل کر کے جہازوں میں ذخیرہ کرلیا جائے۔ اس فیصلے کی روشنی میں انھوں نے اپنا راستہ بھی متعین کرلیا۔ مگر ایک تیز آندھی آئی اور یہ خود بھی آگے بڑھنے کی عجلت میں تھے، اس لیے جھکڑ کے زور سے یہ مشرق کی طرف مڑ گئے اور اس کے اثر کے تحت یہ لوگ ساحل کے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ ان جہازوں اور پشتوں کی طرف سے ایک دوسرے پر سنگ باری کی گئی۔ جب وہ ساحل کے ساتھ ساتھ گزر رہے تھے تو اُنھوں نے عروس البلاد کی رونق اور شان وشوکت کو آنکھیں بھر کر دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین سے سات پہاڑیاں بلند ہوئی ہیں اور یورپ اور ایشیا پر میناروں کی صورت میں سایہ فگن ہیں۔ وسعت پذیر گنبد اور بڑی عمارتوں کے کلس، پانچ سو محل اور گرجا گھر سورج کی روشنی میں چمک رہے ہیں۔ دیواروں پر سپاہی اور تماشائی ان کا نظارہ دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے بڑی تعداد میں ان لوگوں کو دیکھا مگر انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کا مزاج کیسا ہے۔ ہر دل کانپ رہا تھا کہ جب سے یہ دُنیا وجود میں آئی ہے اتنی بڑی مہم کبھی بھی نہیں دیکھی گئی اور بڑی تعداد میں جنگ آزما کبھی یکجا نہیں ہوئے۔ مگر اس لمحاتی خوف کو جرأت اور بہادری کے جذبات سے دور کر دیا گیا اور ہر دشمن، شمپین کے مارشل کے قول کے مطابق اپنی تلوار یا نیزے کی طرف دیکھ رہا تھا، جلد ہی اُسے اس کا استعمال کرنا تھا اور آئندہ معرکے میں اپنے جوہر دکھاتے تھے، لاطینی کیلسیڈون (کلدانیہ) کے سامنے لنگر انداز ہوگئے۔ جہازوں کے اندر صرف ملاح باقی رہ گئے۔ سپاہی، اسلحہ اور گھوڑے بحفاظت زمین پر اُتار لیے۔ سردار ایک محل میں داخل ہوگئے۔ جہاں انھوں نے عیش وعشرت کا پہلا مظاہرہ دیکھا۔ تیسرے دن فوج اور بحری بیڑہ ستوطری کی جانب روانہ ہوا۔ یہ مقام قسطنطنیہ سے ایشیائی مضافات میں تھا۔ اس موقع پر یونانیوں کا ایک دستہ مقابلے میں

آیا، جسے اسی فرانسیسی جنگجوؤں نے شکست دے دی۔ یہاں پر انھوں نے نو دن قیام کیا اس پڑاؤ میں ہر قسم کا سامانِ خورد ونوش بکثرت موجود تھا۔

ایک بڑی سلطنت پر حملے کے بیان کے بعد، یہ عجیب معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اُن مشکلات کا ذکر نہیں کیا، جن کی بدولت اجنبی افواج کی پیش قدمی میں رکاوٹ پیش آئی۔ فی الحقیقت یونانی جنگجو قوم نہ تھی۔ مگر وہ امیر، محنتی اور فردِ واحد کے مقلد تھے۔ اگر یہ آدمی اُس وقت خطرہ محسوس کر لیتا۔ جبکہ ابھی دشمن فاصلے پر تھا یا اُس میں اتنا حوصلہ ہوتا کہ جب وہ اس کی ذات پر حملہ آور ہوئے تو اپنا دفاع کر سکتا۔ جب اس غاصب کو پہلی دفعہ اس افواہ کا علم ہوا کہ اس کے بھتیجے نے فرانسیسیوں اور وینس کے لوگوں سے اتحاد کر لیا ہے، تو غاصب الیکسی اُوس اور اُس کے خوشامدیوں نے اُس کو اس طرف لگایا کہ وہ جری اور مخلص رہا ہے۔ ہر شام کو کھانے کے بعد وہ تین دفعہ مغربی وحشیوں کا تذلیل سے ذکر کرتا اور یہ بھی کہتا کہ یہ وحشی میری فوجی اور بحری قوت سے خوف زدہ ہو چکے ہیں اور یونان کی سولہ سو ماہی گیر کشتیاں اس قابل تھیں کہ اُن کو ایڈریاٹک ہی میں غرق کر دیں یا دردانیال کے دروازے پر ہی اُن کو روک دیں مگر بادشاہ کی غفلت سے تمام فوج تباہ ہوگئی یا اسے اس کے وزرا کی کم اندیشی قرار دیا جاسکتا ہے۔ ان کے امیر البحر نے ایک بدنام کوشش کی جسے بادبانوں، مستولوں اور رسوں کا نیلامِ عام کیا جاسکتا ہے۔ شاہی جنگلات کو بعض اہم مقاصد کے لیے مخصوص کیا گیا تھا، مثلاً شکار کرنے، درختوں کی لکڑی حاصل کرنے کے لیے۔ مگر نقیطاس (Nicetas) کے قول کے مطابق، ان کی حفاظت پر خواجہ سرا مامور تھے۔ وہ ان کی حفاظت مقدس اشیا کی صورت میں کرتے تھے۔ گویا مذہبی عبادت میں مصروف ہیں۔ لیکن جب زارا کا محاصرہ ہوگیا اور لاطینیوں نے سرعت سے پیش قدمی شروع کر دی تو الیکسی اُوس اپنے خواب سے بیدار ہوا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ اب حقیقی خطرہ درپیش ہے تو اُس نے یہ ناگزیر سمجھا کہ تمام اُمیدوں اور توقعات کو ختم کر دیا جائے۔ اس نے اس امر کی اجازت دے دی کہ یہ غیر مہذب لوگ محل کے سامنے اپنا پڑاؤ قائم کر لیں۔ اُس کے شکوک درست ثابت ہوئے جب ایک شاندار سفارت پڑاؤ میں بھیجی گئی کہ شہنشاہ روم حیران رہ گیا (اُس کے سفیروں کو یہی کہنے کے لیے حکم دیا گیا تھا) کہ اجنبی اقوام سے مخالفانہ انداز میں ملک میں داخل ہو جائیں۔ اگر زائرین اپنے مقصد میں مخلص ہوتے کہ وہ یروشلم کو آزاد کرالیں تو میں اُن کی ضرورت تعریف کرتا اور اُن کے منصوبوں کی تکمیل کے لیے اپنے خزانے بھی اُن کے حوالے کر دیتا۔ لیکن وہ ایک سلطنت کی حدود کا احترام نہ کر سکے۔ اُن کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ اُسے برداشت نہ کیا جاسکتا تھا۔ اس لیے اس

کے خلاف جائز مزاحمت لازمی تھی۔ بادشاہ اور دیگر اتحادی سرداروں کا جواب سادہ اور باوقار تھا۔ وقار اور انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہم یونان کے غاصب کی تنبیہات سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور اُس کی پیشکش قبول نہیں کرتے۔ ہماری دوستی اور تعلقات اُس شخص سے ہے جو یونان کی حکومت کا قانونی وارث ہے۔ نوجوان شہزادہ جو اس وقت ہمارے درمیان بیٹھا ہے۔ اُس کے باپ کے ساتھ بھی ہمارے تعلقات تھے، شہنشاہ آئزک، جس سے اُس کا تخت زبردستی چھین لیا گیا تھا۔ اسے اُس کی آزادی اور آنکھوں سے محروم کر دیا گیا تھا۔ ایک ناشکر گزار بھائی نے یہ تمام مظالم ڈھائے۔ اُس بھائی کو اب اپنے جرائم کا اعتراف کرنا چاہیے اور معافی کی درخواست کرنی چاہیے اور ہم اس امر کا خیال رکھیں گے کہ وہ زندہ رہے اور اُسے ہر قسم کا تحفظ فراہم کیا جائے مگر اُسے دوسرا پیغام ارسال کر کے ہماری بے عزتی نہیں کرنی چاہیے۔ ہم اپنا جواب اسلحہ کے ذریعے دیں گے یہ جواب قسطنطنیہ کے محل میں دیا جائے گا۔

سقوطری میں قیام کے دس دن بعد صلیبیوں نے اپنے آپ کو تیار کر لیا کہ وہ بطور عیسائی رومی کیتھولک اور سپاہی، باسفورس کو عبور کر لیں۔ بیری لاؤس فی الحقیقت ایک مہم جو تھا۔ ندی خاصی کشادہ تھی اور اس کا بہاؤ بھی بہت تیز تھا۔ بحیرہ اسود کی ایک متوازن لہر، اس طرح رواں تھی کہ یونانیوں کی طرف پھینکا جانے والا کوئی محلول یا آگ نیچے کی طرف بہہ جاتی۔ مقابل میں یورپی ساحل کا دفاع ستر ہزار رسالے کے سپاہیوں کے ذمے تھا۔ ان میں پیدل فوج بھی تھی جو اچھی طرح سے صف بستہ تھی۔ اس یادگار دن میں، دھوپ نکلی ہوئی تھی اور موسم خوشگوار تھا۔ لاطینیوں کو چھ مختلف محاذوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ پہلی صف یا ہراول دستہ فلانڈرز کے کاؤنٹ کی رہنمائی میں پیش قدمی کر رہا تھا۔ یہ اُس عہد کے یورپی شہزادوں میں سب سے زیادہ طاقتور تھا اور اس کے صلیبی فوجیوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ اس کے بعد کے چاروں لشکر، اس کے بھائی ہنری کی کمان میں تھے۔ جو سینٹ پال اور بلوائیس کا نواب تھا اور مونٹ مورینسی کا میتھیو بھی ان کے ہمراہ تھا۔ مؤخرالذکر کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ وہ اس مہم میں رضاکارانہ طور پر شامل ہوا تھا۔ شمپئین کے مارشل اور شرفا بھی رضاکارانہ خدمات انجام دے رہے تھے۔ مونٹ فراٹ کے مارکوئیس نے عقب اور باقی ماندہ محفوظ افواج کو سنبھال رکھا تھا۔ یہ اُس متحدہ فوج کا چھٹا لشکر تھا۔ اس میں جرمن اور لومبارڈ شامل تھے۔ حملہ آور اپنے لمبے چھکڑوں میں بیٹھے تھے جن کو زمین پر گھسیٹا جا رہا تھا۔ پھر انھیں چوڑی کشتی نما بجروں میں منتقل کر دیا گیا اور جنگجو اپنے اپنے گھوڑوں کے ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ وہ پوری طرح سے اسلحہ پوش تھے۔ خود، پہنے ہوئے تھے اور نیزے اُن

کے ہاتھوں میں تھے۔ ان کے نائبوں کے طویل سلسلے بھی ان کے ہمراہ تھے۔ تیراندازوں نے بھی ذرائع نقل و حمل قابو کر لیے اور تمام بجروں کو جہازوں کے پیچھے باندھ دیا گیا جو انھیں اپنی پوری قوت سے کھینچتے رہے۔ چھ لشکر باسفورس پار کر گئے۔ نہ کسی دشمن نے مزاحمت کی اور نہ کوئی اور مشکل پیش آئی۔ ہر آدمی کی یہ خواہش تھی کہ یا تو فتح حاصل کی جائے گی یا موت قبول کر لی جائے گی۔ وہ خطرات سے باخبر تھے یا اُن کا مقابلہ کرنے پر آمادہ تھے۔ جنگجوؤں نے بھاری اسلحہ پہن رکھا تھا۔ وہ ان کے ساتھ ہی سمندر میں کود گئے۔ جہاں پر کہ وہ ان کی کمر تک پہنچتا تھا۔ سرجنٹ اور تیرانداز اپنی ہمت سے آگے بڑھ رہے تھے اور اُمرا نے ایسا انتظام کر لیا کہ اُن کے لیے مصنوعی پل تیار کر لیے جائیں جن کو گھوڑے کھینچ کر ساحل تک پہنچا دیں۔ اس سے قبل کہ فوجی دستے سوار ہو سکیں اور صف بندی کر کے اپنے نیزے پکڑ سکیں۔ اُس سے پہلے ہی ستر ہزار یونانی فوجی اُن کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ بزدل الیکسی اُوس نے اپنے فوجیوں کے لیے سب سے پہلے فرار کی مثال پیش کر دی اور اُس کے بھرے ہوئے ٹھکانوں کی لوٹ مار کے فوراً بعد لاطینیوں کو بتایا کہ انھوں نے ایک شہنشاہ کے خلاف جنگ میں فتح حاصل کر لی ہے۔ بھاگتے ہوئے دشمن نے پہلی حرکت یہ کی کہ ایک مصنوعی حملہ کر کے بندرگاہ کا دروازہ کھول لیا۔ غلاطہ کا مینار جو پیرہ کے مضافات میں تھا، اُس پر فرانسیسیوں نے حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ وینس کے فوجیوں نے اپنے ذمے ایک بہت ہی مشکل کام لے لیا کہ وہ اُس زنجیر کو توڑ دیں جو مینار سے لے کر بازنطین کے ساحل تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ ایک بے ثمر کوشش تھی مگر بالآخر اُن کی انتھک محنت کام آئی۔ یونانی بحریہ کے بیس جہاز ہاتھ آئے جو یا تو ڈبو دیے گئے یا اُن پر قبضہ کر لیا گیا۔ زنجیر کے بڑے بڑے بھاری ٹکڑے یا تو کاٹ دیے گئے یا وہ جہازوں کے بوجھ تلے ٹوٹ کر غرق ہو گئے اور وینس کا بحری بیڑہ مکمل طور پر محفوظ رہا اور کامیابی سے قسطنطنیہ کی بندرگاہ پر لنگرانداز ہو گیا۔ ان دلیرانہ کوششوں کی وجہ سے تمام اُمور حسب منشا طے ہونے لگے۔ بیس ہزار کے قریب لاطینی سپاہیوں نے دارالحکومت کے گرد محاصرہ کرنے کی اجازت طلب کی۔ اس شہر کی آبادی کا کم از کم اندازہ بیس لاکھ تھا۔ یونانی شہریوں کی تعداد خواہ کتنی زیادہ ہو اس کے باوجود حملہ آوروں کے بے خوف عزم و حوصلے پر کوئی اثرات مرتب نہ ہو سکے۔

فرانسیسی اور وینس کے باشندے، حملے کے انتخاب کی صورت میں، اپنی عادات اور اطوار میں نیز جنگی عمل میں ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے۔ اوّل الذکر کا خیال تھا کہ قسطنطنیہ کا دفاع سمندر اور بندرگاہ کی طرف سے بہت کمزور تھا اور ثانی الذکر اپنا اعزاز اس میں سمجھتے تھے کہ انھوں نے طویل عرصے تک اپنی زندگی

اور املاک کی حفاظت کی ہے۔ ہم نے ہمیشہ میدانی جنگ لڑی ہے۔ اب ہم بحری راستے سے حملہ نہیں کرنا چاہتے کیونکہ ہمارے پاس ضرورت کے مطابق بحری قوت موجود نہیں۔ ہم براہِ راست مقابلہ چاہتے ہیں خواہ وہ پیدل افواج کے مابین ہو یا گھوڑوں پر سوار ہو کر جنگ کی جائے۔ ہم اپنی جنگجوئی کو آزمانا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد ایک معقول سمجھوتہ کر لیا گیا کہ وہ دو طرف سے حملہ کیا جائے جو یہ سمجھتے ہیں کہ بحری راستے سے حملہ کیا جائے وہ اس پر عمل کریں اور جو خشکی کے راستے پیش قدمی کرنا چاہتے ہیں اُنھیں اس کی اجازت ہے۔ دونوں لشکر بندرگاہ کی آخری حد سے اندر داخل ہوئے۔ دریا کا پتھروں سے تیار کردہ پُل جلدی میں مرمت کیا گیا۔ فرانسیسیوں کے چھوٹے لشکر نے دارالحکومت کے بالکل سامنے اپنا پڑاؤ قائم کر لیا۔ وہ چار میل طویل ایک تکونہ میدان ہے، جو پروپونطس اُوس کی بندرگاہ سے شروع ہوتا ہے اور ایک عریض شگاف کے کنارے کنارے آگے بڑھتا ہے۔ پھر ایک بلند چبوترے کے سامنے پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی مہم کی مشکلات کو بخوبی سمجھتے تھے۔ اُن کا پڑاؤ ایک تنگ میدان میں واقع تھا۔ اس کے دروازوں پر بار بار رسالے اور ہلکی پیدل افواج سے حملے کیے جاتے تھے جو باربار ان کے تنگ راستوں کو کاٹ دیتے تھے اور اُس حصے کو لوٹ لیتے جہاں پر سامانِ خورد و نوش جمع تھا۔ ہر روز پانچ یا چھ بار خطرے کی گھنٹی بجائی جاتی اور انھیں مجبور کر دیا جاتا کہ ہر وقت جنگلا بند رکھیں۔ انھوں نے اپنے ہنگامی تحفظ کے لیے ایک خندق کھود لی۔ سامان کی آمد اور کاروانوں کی آمد و رفت میں وینس کے باشندے اکثر درگزر سے کام لیتے مگر فرینک اس معاملے میں بہت سختی سے کام لیتے۔ یہ سنا گیا کہ ضروریات کی کمی پیدا ہو گئی ہے اور لوگ بھوکوں مرنے لگے ہیں اور یہ بھی معلوم ہونے لگا کہ آٹے کے ذخائر تین ہفتوں میں ختم ہو جائیں گے۔ گوشت اور نمک کی اس قدر کمی ہو گئی تھی کہ لوگ اپنے گھوڑوں کا گوشت کھانے لگے تھے۔ لرزاں غاصب کو تھیوڈور لاسکاری کی حمایت حاصل ہو گئی تھی۔ وہ اس کا داماد تھا اور ایک بہادر نوجوان تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ وہ فتح حاصل کرنے کے بعد اس کے ملک پر حکمرانی کرے۔ یونانیوں کو اس ملک کی کوئی پروانہ تھی۔ وہ تو صرف اپنے مذہب کے دفاع کے خواہش مند تھے۔ مگر اُنھیں صرف اسی قدر توقع تھی کہ وارنجی محافظین اُن کی مدد کے لیے ضرور آئیں گے۔ وہ ڈنمارک اور انگلستان سے بھی مدد کی توقع رکھتے تھے کیونکہ گزشتہ زمانے کا یہی تجربہ تھا۔ دس دن گزر گئے۔ میدانی راستوں کو مشقت سے ہموار کر دیا گیا۔ محاصرین کی خندقوں اور گزرگاہوں کو برابر کر دیا گیا اور پشتوں کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے دو سو پچاس منجنیقیں لگا تار پتھر برسانے لگیں۔ دیواریں بنیادوں تک ہل گئیں۔ جب دیواروں میں پہلا شگاف نظر آیا تو رسوں کی سیڑھیاں

استعمال میں لائی گئیں۔ وہ محافظ جو دروازوں پر پہرہ دے رہے تھے اُن کو پیچھے ہٹا دیا گیا اور لاطینی ان پر غالب رہے۔ ہر شخص ان پندرہ جنگجوؤں اور اُن کے نائبین سرجنٹ کی تعریف کرتا تھا جو دیوار پر چڑھ گئے اور وہاں اُس وقت تک جمے رہے جب تک کہ وہ مارے نہ گئے یا قیدی نہ بنا لیے گئے۔ جہاں تک بندرگاہ کی سمت کا تعلق ہے، وینس کی بحریہ نے بہت سخت حملہ کیا تھا۔ ان محنتی اور صنعت کار فوجیوں نے ہر وہ طریق اختیار کیا جو بارود کی ایجاد سے قبل مروج تھا۔ بحری جہازوں نے ایک دُہری قطار بنائی تھی۔ ایسی کمانیں استعمال کی گئیں جن سے بیک وقت تین تیر نکلتے تھے۔ چھوٹے جہاز تیزی سے حرکت کرتے۔ جبکہ بڑے جہاز اپنے وزن اور غیر معمولی قوت کی بنیاد پر اُن کی مدد کرتے۔ ان کے عرشے، بُرجیاں، منجنیقوں کے لیے چبوتروں کا کام دیتے۔ ان کے پھینکے ہوئے گولے پہلی صف کے جہازوں کے اوپر سے گزر جاتے۔ ان کے سپاہی جونہی جہاز سے ساحل پر چھلانگ لگاتے، تو فوراً اُن کے لیے رسے کی سیڑھی پھینک دی جاتی۔ جبکہ بڑی سیڑھیاں خالی اوقات میں زیادہ آہستگی سے حرکت کرتیں۔ جب عارضی پُل کو نیچے کی طرف پھینکنا ہوتا۔ تو ایک ایسا راستہ بنا لیا جاتا جو مستولوں سے لے کر پشتے کے اوپر تک چلا جاتا۔ عین میدانِ جنگ کے درمیان خود بادشاہ جو نمایاں اور باوقار نظر آتا، پورا اسلحہ زیب تن کر کے سیدھا کھڑا ہو جاتا۔ وہ اپنے بحری جہاز کے سامنے والے حصے میں کھڑا ہو جاتا۔ سینٹ مارک کا عظیم علم لہرایا جاتا تھا جو بادشاہ کے سامنے نصب کر دیا جاتا۔ اس سے ملاحوں کی کارکردگی کا ثبوت بھی فراہم ہوتا۔ یہی جہاز سب سے پہلے حملہ کرتا اور ڈونڈولو ہی ساحل سمندر پر سب سے پہلا جنگ آزما ہوتا۔ ایک بے بصارت بوڑھے کی بہادری کی قومیں تعریف کرتیں۔ وہ اپنی پیرانہ سالی اور معذوری کی وجہ سے زندگی کی اہمیت اور قیمت کو بے حقیقت ثابت کرتا اور لافانی شان و شوکت میں اضافہ کر دیتا۔ ایک دن اچانک ایک غیر مرئی ہاتھ نے (غالباً علم بردار قتل کر دیا گیا) جمہوریہ کا جھنڈا ایک پشتے پر نصب کر دیا گیا اور پچیس میناروں پر فوری طور پر قبضہ کر لیا گیا اور ایک ظالم آگ کی وجہ سے یونانیوں کو قریب کے ٹھکانوں سے بھگا دیا گیا اور بادشاہ نے اپنی کامیابی کی خبر ارسال کی۔ جب اُسے اُس کے اتحادیوں نے روک لیا تو اُس نے کہا کہ میں تباہی مچانے کی بجائے صلیبیوں کے ہمراہ جان دینے کو ترجیح دوں گا۔ ڈونڈولو نے جس قدر فائدہ اُٹھایا اُسے ترک کر دیا۔ اپنی افواج کو واپس بلا لیا اور جلدی سے اُس مقام پر پہنچ گیا جہاں پر کہ معرکہ آرائی ہو رہی تھی۔ اُسے محسوس ہوا کہ فرانسیسی چھ مختلف محاذوں پر لڑ رہے ہیں اور تھکے ماندے ہیں۔ ان کے مقابلے میں یونانیوں کے ساٹھ دستے تھے جو اُن کا سب سے بڑا لشکر تھا۔ اس میں سپاہیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ایکسی

اُوس کو شرم اور غیرت نے مجبور کر دیا تھا کہ وہ ایک آخری مقابلے میں حصہ لے اور عام ہلہ بول دے۔ مگر وہ لاطینیوں کے نظم و ضبط اور جنگی صف بندی سے خوف زدہ ہو گیا۔ صرف دور سے چھیڑ چھاڑ کر کے اپنی افواج کو واپس بلا لیا اور شام ڈھلے واپس ہو گیا۔ رات کے اندھیرے میں اُس نے دس ہزار پاؤنڈ سونا لیا اور بھاگ گیا۔ وہ اپنے ملک، بیوی اور نابالغ بچوں کو بھی پیچھے چھوڑ گیا۔ اُس نے گہری رات کے اندھیرے میں یہ خزانہ ایک جہاز میں ڈالا اور باسفورس کو عبور کر کے، بحفاظت تھریس کی کسی گمنام بندرگاہ پر اُتر گیا۔ جونہی یونانی شرفا کو اس کے فرار کا علم ہوا، وہ جمع ہو کر اس کے اندھے اور معزول بھائی کے پاس گئے اور معافی اور امن کے خواستگار ہوئے۔ وہ تو ہر گھنٹے اس انتظار میں رہتا تھا کہ کسی نہ کسی وقت کوئی جلاد آ کر اُس کی گردن مار دے گا۔ آئزک کو شاہی لباس پہنا کر اُس کے تخت پر بحال کر دیا گیا۔ اُس کا حقیقی خوف خوشی میں بدل گیا۔ ظاہر ہے کہ وہ اب حکومت کے فرائض انجام دینے کا اہل نہ تھا۔ اُس کے قدیم غلاموں نے اُس کے اردگرد گھیرا ڈال رکھا تھا۔ اگلے دن کی صبح جنگ و جدال کو معطل کر دیا گیا اور لاطینی سردار اُس پیغام پر حیران رہ گئے جو اُنھیں جائز اور برسرِ اقتدار حکمرانوں کی طرف سے ملا کہ وہ اپنے بیٹے سے ملنے کے لیے بے تاب ہے تاکہ اُسے اپنی آزادی کے عوض فیاضانہ انعام دے سکے۔

مگر یہ فیاض حکمران آزادی تو دلا چکے تھے، مگر اپنے یرغمال کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ جب تک کہ وہ اس کے والد سے اس کی قیمت نہ وصول کر لیتے یا کم از کم زرِ تلافی کا وعدہ نہ حاصل کر لیتے۔ اُنھوں نے چار سفیروں کا انتخاب کیا: مونٹ مورینسی کا میتھیو، اور ہمارا مؤرخ شمپین کا مارشل، اور دو افراد وینس کے منتخب کیے گئے تاکہ وہ حاضر ہو کر شہنشاہ کو مبارک باد پیش کریں۔ جب وہ محل میں پہنچے تو اُن کے لیے دروازے کھول دیے گئے۔ گلیوں کے دونوں طرف ڈنمارک اور انگلستان کے محافظ کھڑے تھے، جن کے ہاتھوں میں جنگی کلہاڑے تھے۔ شاہی محل کے ایوان سونے اور موتیوں سے چمک رہے تھے۔ یہ نیکی اور قوت کا باطل مظاہرہ تھا۔ بے بصر آئزک کے پہلو میں اُس کی ملکہ تشریف فرما تھی جو ہنگری کے بادشاہ کی ہمشیرہ تھی۔ ملکہ کی موجودگی کی وجہ سے قسطنطنیہ کی شریف زادیاں یا محترم خواتین بھی اپنے گھروں سے باہر نکل آئی تھیں اور اراکینِ مجلس کی مخلوط محفل میں شریک ہو گئی تھیں۔ فوجی سپاہی بھی ان میں شامل ہو گئے مگر لاطینی جب کوئی لفظ منہ سے نکالتے تو مارشل کی وساطت اختیار کرتے۔ وہ ایسے افراد کے انداز میں بات کرتے جنھیں اپنے استحقاق کا بہت زیادہ خیال ہوتا ہے جو کام اُن کے ہاتھوں سرانجام ہوا تھا۔ وہ اُس کا احترام کرتے۔ شہنشاہ اچھی طرح سے سمجھ چکا تھا

کہ اُس کے بیٹے نے رومیوں اور زائرین سے جو وعدے کر رکھے ہیں اُن کا احترام کرنا ہو گا اور اس میں تاخیر کا کوئی امکان نہیں۔ اس کی جلد از جلد توثیق کرنی ہو گی۔ وہ شہنشاہ کے ہمراہ اُس کے تخلیہ کے ایوان میں چلے گئے۔ مہتمم توشہ خانہ اور ایک ترجمان ہمراہ تھا اور چاروں سفیر بھی موجود تھے۔ الیکسی اُوس کے والد نے کسی قدر تشویش سے دریافت کیا کہ اُن کی تلافی کے لیے شرائط کیا ہوں گی؟ مشرقی شہنشاہ پوپ کی اطاعت قبول کرے گا۔ ارضِ مقدس کے لیے کمک ارسال کرے گا اور فوری طور پر چاندی کے دو لاکھ مارک پیش کرے گا۔ اُس نے عقل مندی سے جواب دیا کہ شرائط اپنی جگہ وزنی ہیں۔ ان کو قبول کرنا مشکل ہے اور ان پر عمل کرنا اس سے زیادہ دشوار ہے مگر جو خدمات آپ لوگوں نے انجام دی ہیں، کوئی بھی شرط اُن کی قیمت ادا نہیں کر سکتی اور اُس کے معیار سے زائد نہیں ہو سکتی۔ اُس کی تسلی بخش یقین دہانی حاصل کرنے کے بعد سفیر اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور قسطنطنیہ کے ولی عہد کا تعارف کرایا۔ وہ ایک خوش رو جوان تھا اور محل اور شہر کے تمام افراد اُس کے کارناموں پر بہت خوش ہوئے۔ الیکسی اُوس کی سینٹ صوفیہ کے کلیسا میں تاج پوشی کی گئی، جبکہ اس کا باپ بھی اس کے ہمراہ تھا۔ اس کی حکومت کے ابتدائی ایام میں لوگوں کو امن اور خوشحالی نصیب ہوئی۔ ان کو جو المیہ پیش آ چکا تھا اس کے بعد خوشی نصیب ہوئی، شرفا کو بہت تکلیف پہنچی تھی۔ وہ عدم اطمینان کا شکار تھے۔ اُن کے خوف دور کیے گئے۔ ماضی پر افسوس کا اظہار کیا گیا۔ اُنھوں نے اب وفاداری اور خوش کن اطمینان کا اظہار کیا۔ اب دونوں اقوام ایک ہی دارالحکومت میں مخلوط ہو چکی تھیں۔ اس میں شرارت اور خطرات کا احتمال موجود رہتا تھا۔ غلاطہ یا پیرہ (Pera) کے مضافات فرانسیسیوں اور وینس کے باشندوں کے قیام کے لیے مخصوص کر دیے گئے مگر تجارت کی آزادی اور اُس کے متعلق گفت و شنید کے معاملات کو دوست اقوام کے مابین کھلا چھوڑ دیا گیا جبکہ ہر روز زائرین کی ایک بڑی تعداد اس بات کی خواہش مند ہوتی کہ وہ قسطنطنیہ کے محلات اور گرجا گھروں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ غالباً فنونِ لطیفہ کے عمدہ نظاروں سے وہ لوگ زیادہ متاثر تھے۔ علاوہ ازیں اُنھیں اپنے وطنوں میں مفلسی کا بھی مسئلہ تھا۔ عیسائیوں کے پہلے دارالحکومت میں وہ روزگار کی تلاش اور اپنے حالات بہتر بنانے کے لیے بھی آتے تھے۔ نوجوان الیکسی اُوس اپنے ملک سے اکثر باہر نکلتا اور اپنے قدیم لاطینی دوستوں سے ملاقات کے لیے چلا جاتا اور اُن کے دسترخوان کی فیاضی سے لطف اندوز ہوتا۔ مگر شاہِ مشرق نے اپنے فرانسیسی احباب کو اکثر فراموش کر دیا۔ جب کبھی ان کی سنجیدہ مجالس ہوتیں تو یہ طے ہو جاتا کہ دونوں کلیساؤں کا اتحاد تاخیر طلب اور سوچ بچار کا محتاج ہے مگر اس مسئلے میں جوش سے زیادہ لالچ کا دخل ہوتا۔ لہٰذا

فوری طور پر بڑی بڑی قوم تقسیم کردی جاتیں جس سے موقع شناسوں کو خاموش کر دیا جاتا اور صلیبی جنگوں کے متوالوں کو ٹھنڈا کر دیا جاتا۔ جب بعض اقوام نے پیش قدمی کا وقت طے کرلیا، جواب قریب آ گیا تھا، تو الیکسی اُوس کو خطرہ محسوس ہوا۔ ان لوگوں کی غیر موجودگی سے الیکسی اُوس کو کسی حد تک سکون مل گیا ہوگا اور اُس معرکے کی انجام دہی ملتوی ہوگئی جس کے لیے وہ تا حال تیار نہ تھا۔ مگر اس کے دوست اسے تنہا اور عریاں چھوڑ گئے۔ وہ ایک لالچی اور حریص قوم کے رحم و کرم کا مرہونِ منت ہوگیا۔ اس نے اُنھیں رشوت دے کر روکنے کی کوشش کی۔ اُن سے صرف ایک سال کی تاخیر کا مطالبہ کیا اور اس کے عوض اُن کے اخراجات اور ہرجانے کی ادائیگی کا وعدہ کیا اور اُنھیں مطمئن کرنے کے لیے نقل و حمل کے جہاز بھی اُن کے حوالے کر دیے۔ اُن کے سرداروں کی مجلس میں اس پیشکش پر بھی ناراضگی کا اظہار کیا گیا۔ بہت طویل بحث و تکرار کے بعد کثرت رائے سے اس کا فیصلہ وینس کے بادشاہ کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا اور نوجوان بادشاہ کی درخواست اُسے منتقل کر دی گئی۔ لیکن اس کی قیمت سولہ سو پاؤنڈ سونا قرار پائی اور یہ معاملہ مونٹ فراٹ کے سردار پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ افواج کو یورپ کے صوبوں کے گرد چکر کاٹ کر لے جائے۔ وہ اپنے اقتدار سے کام لے کر اپنے چچا کو بھی مجبور کرے۔ مگر اس دوران بالڈون اور اُس کے ساتھی فرانسیسی اور فلانڈرز قسطنطنیہ میں داخل ہو گئے، جنھیں دیکھ کر شہری آبادی حیران رہ گئی مگر مہم کامیاب رہی۔ اندھا بادشاہ اپنی افواج کی کامیابی کے لیے دُعاگو ہوا اور اپنے خوشامدیوں کی پیشین گوئیوں کو غور سے سنتا رہا کہ وہی تقدیر جو اُسے قید خانے سے تخت پر واپس لے آئی ہے، وہ اُس کے درد نقرس کو بھی شفا بخشے گی اور اُس کی بصارت بھی بحال کر دے گی، اور اس کی طویل حکومت کی بھی نگرانی کرے گی۔ مگر اپنے بیٹے کی مسلسل کامرانیوں کی وجہ سے وہ ذہنی طور پر پریشان تھا۔ وہ اُس پر فخر بھی کرتا تھا مگر اپنے حسد کو بھی چھپانے میں کامیاب نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ عوام جب شاہی خاندان کی تعریف کرتے تو اس کا نام بے دلی اور دلچسپی کے بغیر شامل کر لیتے۔ شاہی نوجوان ہی عوام کی حقیقی اور دلی مسرتوں کا ہدف ہوتا۔

اس حملے میں یونانی نو صدیوں کی نیند سے بیدار ہو گئے۔ اُن کا یہ خیال باطل ثابت ہوگیا کہ رومی سلطنت کا دارالحکومت بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ ہے۔ مغرب نے شہر کی حدود کو پامال کر دیا تھا۔ حکومت کا تاج اپنی مرضی کے شہزادے کے سر پر رکھ دیا تھا اور وہ بھی اُسی قدر غیر مقبول ہو چکا تھا، جس قدر کہ یہ خود تھے۔ آئزک اپنی برائیوں کی وجہ سے غیر مقبول تھا مگر موجودہ بادشاہ اپنی معذوری کی وجہ سے مجبور تھا اور نوجوان الیکسی اُوس سے اُس کے الحاد کی وجہ سے نفرت کی جاتی تھی، کیونکہ اُس نے اپنے ملک کے مذہب اور عقائد سے

روگردانی کی تھی۔ لاطینیوں کے ساتھ جو اُس نے خفیہ معاہدات کیے تھے، وہ ظاہر ہو چکے تھے یا رعایا نے معلوم کر لیے تھے۔ عوام، بالخصوص پادری اپنے عقائد کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ ہر خانقاہ اور بازار کی ہر دکان پر شہزادے کے خلاف آواز بلند ہوتی رہتی تھی۔ ہر شخص پوپ کے مظالم اور کلیسا کی زیادتی سے نالاں تھا۔ خزانے خالی تھے اور شاہی عیش و عشرت کی بہم رسانی ناممکن تھی اور غیر ملکی مطالبات کو پورا کرنا ممکن نہ رہا تھا۔ یونانیوں نے اپنا عقیدہ بدلنے سے انکار کر دیا۔ نئے محصول عائد کیے گئے۔ لوٹ مار اور بیگار کی بُرائیاں ابھی تک جاری تھیں۔ امرا کے طبقے سے جبراً وصولی کر کے انھیں تنگ کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ عمل نتائج کے لحاظ سے سخت خطرناک ثابت ہوا اور عوام کی طرف سے مزاحمت میں اضافہ ہوگیا۔ اگر بادشاہ گرجا گھروں سے طشتریاں لے کر پگھلا دیتا تو اس سے مقدس تصاویر بھی پگھل جاتیں، گو اس کے خلاف بے حرمتی اور بے ادبی کے الزامات عائد کیے جاتے۔ مارکوئیس بونی فیس اور اُس کے بادشاہی شاگرد کی غیر حاضری کے دوران قسطنطنیہ پر ایک مصیبت نازل ہوئی۔ جسے فلیمی قوم کے زائرین سے منسلک کیا جا سکتا ہے۔ شہر کے ایک دورے کے دوران، انھوں نے مسلمانوں کی ایک مسجد یا یہودیوں کے ایک ہیکل کو مسمار کر دیا تھا۔ ان عمارتوں میں صرف خدائے واحد کی عبادت ہوتی تھی۔ یہاں خدا کے بیٹے کو اُس کا شریک نہیں بنایا جاتا تھا۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ اس اختلاف کو بذریعہ تلوار ختم کر دیا جائے اور ان کے گھروں کو آگ لگا دی جائے۔ بعض عیسائیوں بالخصوص ان کے ہمسایوں نے کوشش کی کہ ان کی جان اور املاک کو بچایا جائے مگر انھوں نے جو شعلے بھڑکائے اس نے متعدد مکانوں کو جلا کر راکھ کر دیا۔ یہ آگ آٹھ دن شب و روز جلتی رہی اور بندرگاہ سے لے کر پروپونٹس کا علاقہ جو ساڑھے تین میل سے زائد تھا، جل کر راکھ کا ڈھیر ہوگیا۔ یہ علاقہ خاصا عریض بھی تھا اور اس میں آبادی بھی بہت گنجان تھی، اُن گرجا گھروں اور شاہی محلات کو شمار نہیں کیا جا سکتا جو جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئے۔ تجارتی بازاروں میں بیش قیمت سامان جل گیا۔ اُن خاندانوں کا شمار بھی ممکن نہیں جو اس عام تباہی سے متاثر ہوئے۔ اس تباہ کاری سے وینس کے بادشاہ اور جاگیرداروں نے لاتعلقی کا ناکام اظہار کیا۔ لاطینیوں کا نام پہلے سے بھی زیادہ غیر مقبول ہوگیا۔ اس قوم کی آبادی جس میں پندرہ ہزار سے زائد افراد رہائش پذیر تھے۔ فوراً اس علاقے سے فرار ہو کر پیرا (Pera) چلے گئے جہاں پر کہ ان کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ بادشاہ کہیں سے فتح یاب ہو کر واپس آیا۔ مگر اُس کی مستقل مزاجی اور سخت حکمتِ عملی بھی اُس کے کام نہ آئی اور اُس کا گلیوں سے گزرنا ناممکن ہوگیا۔ اُس کی حکومت اور یہ مغموم نوجوان بادشاہ سخت اندوہ میں مبتلا ہوگیا اس کا اپنا رجحان اور اس کے باپ کی نصیحت

کی بدولت یہ اپنے مہربانوں سے منسلک ہوگیا۔ مگر ایلکسی اُوس کو یہ احساس بھی ہوا کہ شکرگزاری اور حب الوطنی میں فرق ہے۔ اس کا ذاتی خوف، اس کی رعایا اور اس کے اتحادی تینوں الگ الگ عناصر تھے۔ یہ شخص خود غیر مستقل مزاج اور متزلزل کردار کا مالک تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے دونوں جماعتوں کا اعتماد بحال کر دیا۔ اور جب ماؤنٹ فرات کے مارکوئیس کو بلایا کہ وہ آ کر ایک محل میں رہائش اختیار کر لے، تو اُس نے شرفا سے کہا کہ وہ اس کے خلاف سازش کریں اور بعض سے یہ کہا کہ وہ اس کے خلاف ہتھیار اُٹھالیں۔ اُن کا ملک اس سے آزاد ہو سکے۔ قطع نظر اس کے کہ خود اس کی اپنی حالت اندوہ ناک تھی۔ لاطینی سرداروں نے اپنے مطالبات پر زور جاری رکھا۔ اس کی تاخیر کو ناپسند کیا۔ اس کے ارادے پر شک کیا، اور یہ مطالبہ کیا جنگ یا امن کے متعلق صاف صاف جواب دیا جائے۔ تین فرانسیسی جنگجو اور وینس کے تین نائب ایک سخت اطلاع نامہ لے کر آئے۔ انھوں نے اپنی تلواریں بے نیام کر رکھی تھیں اور اپنے گھوڑوں پر سوار تھے۔ ناراض مجمعوں سے اپنا راستہ بناتے ہوئے آگے بڑھے اور بے خوف وخطر محل میں داخل ہو گئے اور بادشاہِ یونان کے سامنے پہنچ گئے۔ اُنھوں نے گستاخانہ لہجے میں اپنی خدمات اور اُس کے وعدوں کو دُہرایا اور جرأت سے کہا کہ جب تک ہمارے مبنی برانصاف مطالبات پوری طرح سے اور بلا تاخیر پورے نہیں کیے جاتے، اُس وقت تک وہ اُسے نہ بادشاہ اور نہ اپنا دوست سمجھیں گے۔ اس مکالمے میں سب سے پہلا زخم شاہی کان کو آیا۔ وہ بلا خوف وخطر جیسے آئے تھے ویسے ہی واپس ہو گئے۔ مگر کس طرح وہ محل اور ناراض شہر سے محفوظ باہر نکل گئے۔ اس پر وہ خود بھی حیران تھے۔ جب وہ اپنے پڑاؤ میں واپس چلے گئے تو باہمی فساد کا اشارہ مل گیا۔

یونان میں تمام اقتدار بلا سوچے سمجھے کود پڑنے والے اجتماعات کے ہاتھ میں آ گیا۔ وہ اپنے غصے کو غلطی سے جرأت سمجھ بیٹھے تھے۔ وہ اپنی تعداد کو قوت سمجھتے تھے۔ اور وہ اپنے تعصب کو خدا کی مدد اور روحانی محرک قرار دیتے تھے۔ دونوں اقوام کی نگاہوں میں ایلکسی اُوس جھوٹا اور نفرت کا حق دار تھا۔ اینجلی کا اصلی اور کمینہ چہرہ ہنگامہ خیز نعروں سے مسترد کر دیا گیا اور قسطنطنیہ کے عوام نے مجلس قانون ساز پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ کوئی نیا اور قابلِ قبول بادشاہ منتخب کریں۔ ہر رکنِ مجلس جو اپنی حیثیت یا نسلی لحاظ سے نمایاں نظر آتا تھا اُس سے عوام نے باری باری تخت وتاج قبول کرنے کی درخواست کی۔ ہر رکن نے اس مہلک خلعت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ اختلاف تین روز جاری رہا۔ ہمیں ایک مؤرخ نقیطاس نے بتایا ہے۔ یہ شخص بذاتِ خود مجلس کا رکن تھا کہ ہر شخص کی وفاداری کا پیمانہ خوف اور کمزوری تھا۔ عوام کے اجتماع نے ایک ایسے شخص کے

بادشاہ ہونے کا زبردستی اعلان کر دیا جو جلد ہی بھوت کی طرح ہوا میں تحلیل ہو گیا مگر اس فساد کا سرغنہ اور جنگ کا رہنما ایک شہزادہ تھا، جس کا تعلق ڈوکاس کے خاندان سے تھا۔ اس کا نام بھی ایلکسی اُوس تھا۔ اس کے نام کے ساتھ مورزوفلی کے لقب کا اضافہ کر کے اس کی شناخت کی جا سکتی ہے۔ دیہاتی محاورے کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سیاہ ابرو باہم پیوست تھے۔ وہ محبِ وطن بھی تھا اور درباری خصلت کا بھی مالک تھا۔ غدار مورزوفلی مکار ہونے کے علاوہ بلند حوصلہ بھی تھا۔ وہ لاطینیوں کی زبانی اور عملی طور پر مخالفت کرتا تھا۔ اس نے یونانیوں کے جذباتِ عصبیت کو ہوا دی اور ایلکسی اُوس کا قریبی مصاحب بن گیا۔ اُس نے اسے توشہ خانے کا داروغہ مقرر کر دیا اور اس کے کمربند پر شاہی نشانات لگوا دیے۔ ایک رات کے درمیانہ حصے میں یہ تیزی سے بادشاہ کی خواب گاہ میں داخل ہوا۔ اس نے اپنے آپ کو انتہائی خوف زدہ ظاہر کیا اور پریشان ہو کر کہا کہ محل پر عوام نے حملہ کر دیا ہے اور محافظین نے بھی غداری کی ہے۔ بادشاہ کو اس پر کوئی شک نہ گزرا، وہ اپنے پلنگ سے اُترا اور اپنے آپ کو دشمن کے اسلحہ کے حوالے کر دیا۔ بادشاہ نے خفیہ سیڑھی سے اُتر کر باہر نکلنے کی کوشش کی۔ مگر اُس کی سیڑھی ایک قید خانے میں اُترتی تھی۔ جہاں پر اسے قابو کر لیا گیا۔ اس کے کپڑے اُتار لیے گئے اور زنجیریں پہنا دی گئیں۔ چند روز یہ زندگی کی تلخیاں چکھتا رہا۔ اس کے بعد اسے زہر دے دیا گیا، یا گلا گھونٹ دیا گیا، یا ڈنڈے برسا کر مار دیا گیا۔ غدار ظالم نے اس کے قتل کا حکم دیا اور موقع پر موجود بھی رہا۔ شہنشاہ آئزک اینجیلوس بھی اپنے بیٹے کے پیچھے پیچھے قبر میں پہنچ گیا اور مورزوفلی کو اس کی کوئی جلدی نہ تھی کہ وہ اس بڈھے نامرد کو موت کے حوالے کر دے۔

شہنشاہوں کی موت مورزوفلی کی غداری کو عناد کی صورت میں بدل دیا۔ اب یہ اتحادیوں کا اختلاف نہ تھا، جو اپنی خدمات کی زیادہ سے زیادہ قیمت لگانا چاہتے تھے۔ یا اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لے رہے تھے۔ فرانسیسی اور اہالیان وینس نے اپنی شکایات فراموش کر دیں۔ اب ایلکسی اُوس سے اُنھیں کیا شکایت ہو سکتی تھی۔ البتہ اُس کی موت پر اُنھوں نے اشکباری ضرور کی۔ اُن کا ایک ساتھی قبل از وقت موت کا شکار ہو گیا تھا۔ البتہ وہ ایک غدار قوم سے سخت انتقام لینا چاہتے تھے۔ جنھوں نے اپنے بادشاہ کے قاتل کو تاج پہنا دیا تھا۔ اس کے باوجود عقل مند شاہِ وینس ابھی تک گفت وشنید کے ذریعے مسائل حل کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے بطور قرض، مدد یا جرمانہ پچاس ہزار پونڈ سونے کا مطالبہ کر دیا جو بیس لاکھ برطانوی پاؤنڈ کے مساوی بنتا تھا۔ وہ یہ بھی نہ چاہتا تھا کہ کانفرنس کو اچانک ختم کر دیا جائے۔ اگر مورزوفلی پسند کرے تو ٹھیک ہے، ورنہ انکار کی

صورت میں یونانی کلیسا کو اپنی ریاست کو بچانے کی غرض سے یہ قربانی ادا کرنی ہوگی۔ داخلی اور خارجی حالات کے پیش نظر ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ یونان کا موجودہ فرمانروا اُتنا بُرا شخص نہیں، جیسا کہ اُس کے ظاہری کردار سے نظر آ رہا ہے اور وہ عوامی فلاح و بہبود کا حامی بھی نہیں۔ قسطنطنیہ کے دوسرے محاصرے پر پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ محنت کرنی پڑی۔ خزانے بھرے ہوئے تھے۔ فوج میں نظم وضبط پیدا ہو چکا تھا۔ گزشتہ حکومت کے دور میں جو شدید بے قاعدگیاں کی گئی تھیں، اُن کی اصلاح کر دی گئی تھی۔ مورزفلی لوہے کا عصا ہاتھ میں لے کر ہمیشہ ہر طرف دورہ کرتا رہتا تھا۔ فوجی چوکیوں کا ملاحظہ کرتا، وہ بندرگاہ کی بھی نگرانی کرتا اور ایک جنگجو کے کردار کا مظاہرہ کرتا۔ وہ اپنے سپاہیوں کے لیے ایک خوف ناک بلا تھی۔ وہ اپنے رشتہ داروں کا بھی لحاظ نہ کرتا تھا۔ الیکسی اُوس کی موت کے بعد یونانیوں نے دو انتہائی بہادرانہ کوششیں کیں اور دشمن کے جہازوں کو بندرگاہ میں جلانے کی کوشش کی۔ وینس کے لوگ بھی بہت ماہر تھے، اُنھوں نے اپنے جہازوں کو ہٹا لیا اور آگ کے شعلے پانی میں گر کے ضائع ہو گئے اور دشمن کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ یونانی بادشاہ نے شب خون بھی مارا مگر فلانڈرز کے کاؤنٹ کے بھائی ہنری نے ان کا حملہ پسپا کر دیا۔ ان کی تعداد بھی بہت تھی اور انھوں نے اچانک حملے بھی بہت کیے تھے۔ اس کے باوجود ان کو شکست ہوئی تو یہ معاملہ ان کے لیے سخت شرمناک تھا۔ اس کا کمر بند میدانِ جنگ میں پڑا ہوا ملا۔ اس کے ساتھ ہی جھنڈا بھی موجود تھا۔ کنواری مادر کا مجسمہ بطور سوغات پیش کیا گیا اور قسطر کی (Cistercian) کے راہبوں کو جو سینٹ برنارڈ کے پیروکار تھے، اُنھیں مذکورہ مجسمے کے علاوہ بھی بہت سے نذرانے پیش کیے گئے۔ تقریباً تین ماہ بعد ایسٹر کے چلے کا مقدس تہوار تھا۔ اس میں کسی استثنا کے بغیر تمام راہبوں کو نذرانے پیش کیے گئے۔ اس دوران معمولی چھیڑ چھاڑ تو ہوتی رہی مگر کوئی بڑا معرکہ نہیں ہوا۔ البتہ جنگ کی تیاری جاری رہی اور لاطینی ایک بڑے اور عام حملے کے لیے تیار ہو گئے۔ ارضی پشتے ناقابلِ تسخیر معلوم ہوتے تھے اور وینس کے ملاحوں نے یہ استدعا پیش کی کہ پروپونطس اُوس کے ساحلوں پر لنگر اندازی بہت خطرناک ہوگی۔ اس لیے جہازوں کو لہروں کے ساتھ ساتھ دردانیال کی طرف لے جایا جائے۔ یہ ایک ایسی تجویز تھی جس پر کوئی بھی ناخوش نہیں ہوا۔ اور وہ زائرین جو بے دلی سے سفر کر رہے تھے وہ بھی اس سے متفق ہو گئے۔ وہ ہر ایسے موقع کی تلاش میں رہتے تھے، جس سے فوج ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے۔ اس لیے حملہ آوروں نے یہی فیصلہ کر لیا کہ سمندر کی طرف سے ہی حملہ کر دیا جائے اور محصورین کی توقع بھی یہی تھی۔ بادشاہ نے اپنے تمام سپاہیوں کو شاہی خلعت پہنائے اور اپنے تمام سپاہیوں کی نقل و حرکت کی بھی خود نگرانی

کرنے لگا۔ ایک بے خوف تماشائی جسے شان و شوکت کے نظاروں کو دیکھ کر فرحت حاصل ہوتی ہو، وہ دو مصروفِ جنگ افواج کی لمبی لمبی قطاریں دیکھ کر یقیناً خوشی محسوس کرے گا اور ان کی تعریف بھی کرے گا۔ ایک فوج تو جہازوں اور کشتیوں پر تھی، دوسری پشتوں اور فصیلوں پر کھڑی تھی۔ کچھ میناروں پر چڑھے ہوئے تھے اور زمین سے کئی منزلیں بلند تھے کچھ مینار لکڑی سے تیار کر لیے گئے تھے۔ پہلے حملے میں دونوں طرف سے منجنیقوں سے پتھر، گولے اور شعلے پھینکے گئے مگر پانی بہت گہرا تھا، فرانسیسی بھی بہت بہادر تھے، وینس کے فوجی اور ملاح بہت ہنرمند تھے۔ وہ دیواروں کے قریب پہنچ گئے۔ تلواروں، نیزوں اور جنگی کلہاڑوں کی سخت جنگ شروع ہوگئی اور پل جو کشتیوں پر تیار کیے گئے لرز کر گرنے لگے۔ ان پر ہی اصطبل بھی بنائے گئے تھے۔ ایک سو مختلف مقامات پر حملہ کیا گیا۔ مگر سب کا بخوبی دفاع کیا گیا۔ یہاں تک کہ میدان میں (فرانسیسی) تعداد کو برتری حاصل ہوگئی اور لاطینی طبل بازوں نے پسپائی کی دھن بجا دی۔ اس میں بھی اُنھوں نے بہادری اور جرأت کا دامن نہ چھوڑا۔ رات کو وینس کے بادشاہ اور دوسرے سرداروں کے مابین ایک مجلس منعقد کی گئی۔ اُنھیں صرف عوام کی تباہی کا خطرہ تھا۔ وینس کے کسی ایک سپاہی نے بھی بچ کر نکل جانے کی بات نہیں کی اور یہ بھی نہیں کہا کہ کسی قسم کا معاہدہ کر لیا جائے، ہر شخص نے فتح یا شاندار موت کی بات کی۔ پہلی جنگ کے تجربے کے پیش نظر لاطینی ذرا زیادہ پُرجوش تھے۔ یونانیوں کے محاصرے کا انھیں ایک تجربہ حاصل تھا۔ انھیں قسطنطنیہ کے متعلق پوری آگاہی حاصل تھی۔ اس سے بھی فائدہ اُٹھایا جا سکتا تھا۔ یہ بھی معلوم تھا کہ مقامی آبادی اپنے دفاع کے سلسلے میں ہر ممکن کوشش کرے گی۔ تیسرے حملے میں دو دو جہاز باہم پیوست کر دیے گئے تاکہ اُن کی قوت میں دگنا اضافہ ہو جائے۔ ان کو چلا کر ساحلوں کے قریب لایا گیا۔ چونکہ ایک تیز شمالی ہوا چل رہی تھی اس لیے یہ ساحلوں کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ ٹرائے اور سوئی سان کے بشپ ہراول دستوں کو لے کر آگے بڑھے اور صفوں کے ساتھ ساتھ دف بجائے گئے۔ کلیسا کے جھنڈے فصیلوں پر لہرا دیے گئے۔ پہلے حملہ آوروں کے لیے سو سو مارک انعام کا وعدہ کیا گیا تھا اور ایسی صورت میں کہ انعام کی رقم وصول کرنے سے قبل اُن کی موت واقع ہو جائے تو اُن کو اتنی شہرت حاصل ہوگی کہ اُن کا نام ہمیشہ کے لیے زندہ رہے گا۔ چار مینار سر کر لیے گئے۔ تین دروازے توڑ دیے گئے اور فرانسیسی جنگجو جو کہ لہروں پر کانپ رہے تھے، وہ سطح زمین پر پہنچ کر اور اپنے گھوڑوں کی پشت پر سوار ہو کر، اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر سمجھنے لگے۔ وہ یہ کہانیاں سناتے رہیں گے کہ ہزاروں افراد جو بادشاہ کی ذات پر مامور تھے۔ جب ایک فرانسیسی نیزہ بردار اُن کے قریب پہنچا تو وہ فرار ہو گئے۔ اُن

کے ہم وطن مؤرخ نیقی طاس نے بھی ان کے فرار کی توثیق کی ہے اور اُسے بدنامی کا باعث قرار دیا ہے۔ فرانسیسی ہیرو کے ہمراہ بھوتوں کی ایک فوج چل رہی تھی۔ خود یونانیوں کی نظر میں بھی وہ ایک ہیرو تھا۔ بھگوڑوں نے اپنی چوکیاں خالی کر دیں اور ہتھیار پھینک دیے۔ لاطینی اپنے سرداروں کے جھنڈے اُٹھائے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے۔ گلیاں اور دروازے اُن کے لیے کھول دیے گئے۔ ایک حادثہ ہوا یا اس کی پہلے سے منصوبہ بندی کر لی گئی تھی، اس کی وجہ سے چند گھنٹوں میں فرانس کے تین بڑے شہر نذرِ آتش ہو گئے۔ مغرب کے وقت فرانسیسی سرداروں کی سانس بند ہو رہی تھی اور اُن کے سپاہی اپنی اپنی چوکیوں کی قلعہ بندیوں میں مصروف ہو چکے تھے۔ اُنھوں نے جب شہر کی گنجان آبادی کا اندازہ کیا تو حیران رہ گئے۔ گرجا گھروں اور محلات کے اندر دفاع کا اتنا انتظام تھا کہ اس شہر کو فتح کرنے کے لیے ابھی کئی ماہ درکار تھے۔ مگر علی الصبح صلیبیوں اور مقدس پیکروں کو اُٹھائے ایک جلوس شکست قبول کرنے کا اعلان کرتا پھر رہا تھا۔ یونانیوں کے شکست قبول کر لینے کی وجہ سے حملہ آوروں کے غصے میں کمی آ گئی۔ وہ طلائی دروازے کے راستے اندر داخل ہوئے۔ غاصب بھی غالباً اسی راستے سے فرار ہو چکا تھا۔ بلاقرنائی اور بوقولی اون کے محلات فلانڈرز کے کاؤنٹ اور مونٹ فراٹ کے مارکوئیس نے اپنی رہائش کے لیے مخصوص کر لیے اور وہ سلطنت جس پر ابھی تک قسطنطین کا نام چمک رہا تھا۔ اُسے لاطینی زائرین نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔

قسطنطنیہ پر طوفانی قبضہ کر لیا گیا تھا، مذہب اور انسانیت کے علاوہ قابضین پر کوئی پابندی عائد نہ تھی۔ جنگ کے قوانین کی یہی منشا تھی۔ بونی فیس جو مونٹ فراٹ کا مارکوئیس تھا۔ ابھی تک ان کے جرنیل کا کردار ادا کر رہا تھا۔ یونانیوں کا خیال تھا کہ اسے وہ اپنا مستقبل کا بادشاہ بنالیں، ہر جگہ آہ وزاری کرتے ہوئے یہ نعرے لگا رہے تھے۔ ''مقدس مارکوئیس! ہم پر رحم کرو!'' اُس نے عقل مندی یا رحم دلی کے جذبے کے تحت مفروروں کے لیے شہر کے دروازے کھول دیے اور فوجیوں سے کہا کہ اپنے عیسائی بھائیوں کی جان بخشی کر دیں۔ وہ خون کی ندیاں جو نقیطاس کے صفحات میں بہتی دکھائی دیتی ہیں۔ وہ فی الحقیقت ایسے دو ہزار یونانیوں سے زیادہ نہیں جنھوں نے جنگ میں حصہ لیا تھا۔ زیادہ تر افراد اجنبیوں کے ہاتھ سے قتل نہیں ہوئے بلکہ اُن لاطینیوں نے قتل کیے جنھیں شہر سے بے دخل کیا گیا تھا۔ اب جب وہ فاتحین کی حیثیت سے دوبارہ شہر میں داخل ہوئے تو اُنھوں نے اپنی سابقہ شکست کا بدلہ لیا۔ اس کے باوجود لاطینیوں کی بڑی تعداد مفرات کی تلافی کی بجائے مال و دولت کی لوٹ مار میں زیادہ دلچسپی لے رہی تھی۔ اور نقیطاس بذاتِ خود وینس کے ایک تاجر کا

ممنونِ احسان تھا کہ جس نے اُس کی جان بچائی تھی۔ پوپ انوسینٹ سوم اُن صلیبیوں کی مذمت کرتا ہے جنھوں نے قتل عام کے دوران ہر عمر کے مرد، عوت بوڑھے، بچے اور مذہب تک کا خیال نہ رکھا۔ یہاں تک کہ زمانہ جہالت کی تمام بُرائیاں دہرائی گئیں۔ زنا بالجبر، اغوا اور زنائے محرماں تک شامل ہیں۔ یہ حرکات دن دہاڑے کھلے عام کی گئیں اور یہ کہ شریف خواتین، راہبات اور مقدس نرسوں کی بھی ان کیتھولک عیسائی دیہاتیوں، گلہ بانوں، دہقانوں نے عصمت دری کی۔ فی الحقیقت یہ بھی ممکن ہے کہ فتح کے نشے میں عوام ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہوں۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ بیس ہزار صلیبیوں نے جب اس قدر حسین عورتوں کو یکجا جمع دیکھا تو آپے سے باہر ہو گئے۔ پھر یہ عورتیں اب آزاد نہ تھیں بلکہ قیدی اور کنیزیں تھیں اور اُن کے ساتھ کنیزوں جیسا ہی سلوک کیا گیا۔ انھیں آزاد عورتوں کے حقوق حاصل نہ تھے۔ مونٹ فراٹ کے مارکوئیس نظم وضبط اور عمدہ معاشرتی اقدار حامی تھا۔ فلانڈرز کا کاؤنٹ تو تہذیب کا نمونہ تھا۔ کسی شادی شدہ یا کنواری یا راہبات سے زنا بالجبر سے اُنھوں نے منع کر دیا تھا۔ مگر یہ اعلانات شکست خوردہ قوم کو طرف سے کیے گئے تھے اور فاتحین نے ان کا احترام کیا تھا۔ ان کے مظالم کو حکام کی کارروائی سے روک دیا گیا اور فوجیوں کے حریصانہ اعمال کے متعلق ہم کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے کیونکہ شمالی وحشیوں کے حالات کا بیان بھی نہیں کر رہے۔ وہ کتنے بھی خونخوار کیوں نہ ہوں، اُن کی اصلاح کے لیے وقت، حکمتِ عملی اور مذہب کی تعلیمات کا ہونا ضروری تھا۔ فرانسیسی اطالوی آبادی کے کردار و اطوار میں بہتری آ چکی تھی۔ اُنھیں کھلے عام اجازت دے دی گئی تھی کہ وہ اپنی حرص و آرزو پوری کر لیں۔ لوٹ مار ایسٹر کے مقدس ہفتے میں بھی جاری رہی اور قسطنطنیہ برباد ہوتا رہا۔ یونانیوں کی نجی اور اجتماعی دولت پر ہر شخص نے اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق قبضہ کر لیا۔ غالباً اُس عہد کے قانون میں اسے جرم نہ سمجھا جاتا ہو۔ سونے اور چاندی کا نیز ان کے مضروب سکوں کی ایک عالمگیر شرح موجود تھی۔ لشکر کے ہر سپاہی کو اس کی اجازت تھی کہ وہ ان دھاتوں کی ایک مخصوص مقدار اپنی حرص پوری کرنے کے لیے اپنے قبضے میں رکھ سکے۔ ان خزانوں میں جو تجارت اور عیش و عشرت کی وجہ سے جمع کیے گئے تھے، ریشم، کمخواب، سمور، جواہرات، مصالحے اور متعدد انواع کی منقولہ جائیداد بھی شامل تھی۔ یہ اشیا بہت قیمتی تھیں اور یورپ کے غیر مہذب ممالک میں ان کا حصول ممکن نہ تھا۔ نہ تو لوٹ مار کا کوئی حکم دیا گیا تھا اور نہ کسی فرد کا کوئی حصہ کسی صنعت یا ہنگامی حالت کے لیے ضبط کیا گیا تھا۔ دروغ حلفی کے لیے سخت ترین سزائیں مقرر کر دی گئی تھیں۔ جو سزائے قید یا سزائے موت بھی ہو سکتی تھی اور قطع تعلق بھی کیا جا سکتا تھا۔ لاطینیوں نے یہ پابندی عائد

کر دی تھی کہ مالِ غنیمت کسی ایک جگہ مشترکہ ذخیرے میں جمع کر دیا جائے۔ ان اموال کو جمع کرنے اور پھر تقسیم کرنے کے لیے گرجا گھر مخصوص کر دیے گئے تھے۔ پیدل فوجیوں کو ایک حصہ دیا جاتا، رسالے کے سوار کو دو حصے ملتے، جنگجو کے لیے چار حصے ہوتے۔ نوابوں اور جاگیرداروں اور بادشاہوں کا استحقاق الگ مقرر تھا۔ سینٹ پال کے کاؤنٹ کے ایک جنگجو کو اُس کے ڈھال، اسلحہ اور لباس سمیت پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ اُس کے اپنے لباس سے رسے کا کام لیا گیا۔ یہ مثال دوسروں کی اصلاح کے لیے کافی تھی۔ مگر لالچ خوف سے بھی زیادہ طاقتور تھا۔ یہ بالعموم تسلیم کیا جاتا ہے کہ پوشیدہ مالِ غنیمت کی مقدار اُس سے بہت زیادہ تھی جو ظاہر کیا گیا مگر جو انعامات تقسیم کیے گئے اُن کی مقدار سابقہ تجربات اور توقعات سے کہیں بڑھ کر تھی۔ جب تمام مالِ غنیمت اہلِ فرانس اور اہلِ وینس کے مابین یکساں تقسیم کر دیا گیا تو اُس میں سے پچاس ہزار مارک علیحدہ کر لیے گئے تاکہ سابقہ قرضے اور آئندہ کے مطالبات پورے کیے جا سکیں۔ باقی رقم جو فرانسیسیوں کے لیے بچی وہ چار لاکھ مارک سے کچھ اُوپر تھی اور آٹھ لاکھ اشرفیاں اس کے علاوہ تھیں۔ یہ رقم اُس عہد کے انگلستان کے مجموعی محاصلات کی آمدنی سے سات گنا زیادہ تھی۔

اس عظیم انقلاب میں ہمارے دلچسپی کا سامان وہ بیانات فراہم کرتے ہیں جو ولا ہارڈوئین اور نقیطاس نے دیے ہیں اور پھر وہ اختلافی تبصرے ہیں جو شمپیئن کے مارشل اور ایک بازنطینی رکن مجلس دستور ساز کی طرف سے کیے گئے جب ہم ان کا اوّلین جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطنیہ کی دولت ایک قوم سے دوسری قوم کو منتقل ہوگئی اور اہلِ یونان کو جو نقصان ہوا اور جن اندوہناک حالات سے وہ گزرے، اُن کی مقدار اُن مفادات اور مسرتوں کے مساوی تھی جو اس عمل سے لاطینیوں کو حاصل ہوئیں۔ مگر جنگ کے عمل میں مفادات کا حصول نقصانات اور مصائب کے کبھی متوازن نہیں ہوتا۔ فرحت اور دکھ میں کبھی توازن پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ لاطینیوں کی مسکراہٹیں عبوری اور بے بنیاد تھیں، مگر یونانی اپنی تباہی پر ہمیشہ کے لیے روتے رہے اور اُن کا حقیقی نقصان اُن کی بے حرمتی اور فاتحین کی مکاری کی وجہ سے مزید بڑھ گیا۔ فاتحین کو اُن تین آتش زدگیوں سے کیا فائدہ حاصل ہوا۔ جن کی وجہ سے ایک وسیع حصے کی عمارات جل کر تباہ ہوگئیں اور شہر کے رہائشی علاقے بھی تباہی کی زد میں آ گئے اور شہر کی دولت بھی غارت ہوگئی۔ اشیا کا وہ کتنا بڑا ذخیرہ تھا جو نہ تو کسی کے کام آیا، نہ منتقل کیا جا سکا، محض بدنیتی اور جذبات کے زیرِ اثر جلا دیا گیا؟ صرف کھیل کود میں کتنے خزانے ضائع کر دیے گئے۔ کتنی املاک محض فوجیوں کی جہالت اور بداندیشی کی وجہ سے تباہ ہوگئیں۔ اس کا انعام کسے ملا؟ ممکن ہے کہ

یونان کی آئندہ نسلوں نے اپنی صنعت و حرفت کو محنت اور مشقت سے بحال کر لیا ہو۔ آبادی کا کچھ حصہ ایسا بھی ہوگا جن کے پاس نقصان کے لیے بھی کوئی شے نہ ہوگی۔ ممکن ہے کہ اس انقلاب سے اُن کو کوئی مفاد حاصل ہوا ہو۔ مگر خوشحال طبقے کو جس تباہی کا سامنا کرنا پڑا، اُس کی تصویرکشی بہت نمایاں طور پر کی گئی ہے۔ نقیطاس اس تباہی کا ایک عینی شاہد تھا۔ دوسری آتش زدگی میں اس کا شاہانہ محل جل کر راکھ ہوگیا۔ یہ قانون ساز اسمبلی کا رکن بھی تھا۔ اسے اپنے بال بچوں اور دوستوں کی رہائش کے لیے دوسرا گھر تلاش کرنا پڑا۔ جو سینٹ صوفیہ کے گرجے کے قریب تھا اور اس کی اپنی ملکیت تھا۔ اس گھر کے دروازے کی حفاظت اس کا ایک تاجر دوست کرتا رہا، جس کا تعلق وینس سے تھا۔ اُس نے ایک سپاہی کا بھیس بدلے رکھا، یہاں تک کہ نقیطاس اپنے مال و اسباب اور اپنی بیٹی کی عصمت کو بچا کر کسی دوسرے مقام پر منتقل ہوگیا۔ موسم سرما میں جبکہ تین مفرور سردی سے بچ کر وقت گزار رہے تھے۔ اُنھیں گھر سے پیدل نکلنا پڑا۔ اس کی بیوی کے پاس ایک بچہ بھی تھا۔ ان کے غلام بھاگ چکے تھے اور یہ مجبور تھے کہ اپنا سامان خود اُٹھائیں اور اپنی مستورات کو اُنھوں نے اپنے درمیان کر رکھا تھا۔ اُنھوں نے اپنے چہروں پر خاک مل کر اپنا حسن چھپا رکھا تھا۔ یہ خاک غازہ اور جواہرات کی جگہ لے رہا تھا۔ ہر ہر قدم پر بے عزتی اور خطرے کا احتمال موجود تھا۔ اجنبیوں سے خطرات، دہقانوں کی طعن و تشنیع سے کم نہ تھے۔ یہ جلاوطن افراد اُس وقت تک اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھتے تاوقتیکہ زائرین کے حدود سے باہر نہ نکل جاتے، جو سلیمبریا تھی۔ یہ مقام دارالحکومت سے چالیس میل سے زائد فاصلے پر واقع تھا۔ وہ راستے میں ایک پادری کے پاس سے گزرے۔ اُس نے اپنا مخصوص لباس نہ پہنا ہوا تھا اور ایک گدھے پر سوار تھا۔ وہ راہبانہ افلاس کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔ غالباً اُس نے یہ حلیہ رضاکارانہ طور پر اختیار کر رکھا ہو یا بامرِ مجبوری۔ یہ صورت بنا رکھی ہو۔ راستے میں کئی ایسے گرجا گھر بھی آئے جن کو عقیدے کے اختلاف کی وجہ سے رومیوں نے تباہ کر دیا تھا۔ اس عمل میں لاطینیوں کی فرقہ پرستی کا بھی دخل تھا۔ ان میں موجود مقدس جام بھی موجود تھے، جن سے ہیرے جواہرات اُتار لیے گئے تھے اور انھیں پیالے بنا کر رکھ دیا گیا تھا۔ ان کی وہ میزیں جن پر یہ لوگ کھیلتے تھے، یا کھانا کھاتے تھے، اُن پر حضرت عیسیٰؑ اور ولیوں کی تصاویر پڑی تھیں، اور عیسائیوں کی متعدد اشیا جن کو مقدس اور لائق تحریم سمجھا جاتا تھا، راہوں میں پڑی تھیں اور قدموں کے نیچے آ رہی تھیں۔ سینٹ صوفیہ کے کیتھیڈرل کا ایک پردہ ایسی حالت میں پڑا تھا کہ اُس کی سنہری جھالر اُتار لی گئی تھی اور قربان گاہ جو ایک بے مثال شاہکار تھی اور اُس میں قیمتی موتی نصب تھے، ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی۔ قیمتی اشیا کو حملہ آوروں نے

آپس میں تقسیم کرلیا تھا۔ ان کے خچر اور گھوڑے مختلف دھاتوں کی بنی ہوئی اُن شیا سے لدے ہوئے تھے جو اُنھوں نے مکانوں کے دروازوں پر سے اُتار لی تھیں۔ یا جنھیں وہ گرجا گھروں کے منبروں سے اُتار لائے تھے۔ اگر یہ جانور اس بوجھ کے نیچے لڑکھڑا جاتے تو ان کے جسم میں چھرا گھونپ دیتے۔ مقدس راہداریاں ان کے ناپاک خون سے آلودہ ہوچکی تھیں۔ ایک زنِ فحبہ کو ایک پادری کے تخت پر بٹھا رکھا تھا اور بلیال کی بیٹی کو، جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ گرجا گھر میں گایا کرتی تھی اور ناچتی تھی، اُسے مشرقی جلوس کے آگے لگا دیا تھا کہ وہ ترانے گائے اور اُس کی تذلیل بھی کی جاتی رہی۔ بادشاہ کی موت پر بھی ہنگامہ آرائی کے سوا کچھ نہ ہوا۔ حواریوں کے گرجا گھر میں بادشاہوں کی قبروں کو اُکھاڑ دیا گیا اور کہا جاتا ہے کہ جب جسٹینین کی لاش نکالی گئی تو معلوم ہوا کہ چھ سو سال گزرنے کے بعد بھی، اُس کی لاش صحیح سالم تھی۔ اُسے کوئی نقصان نہ پہنچا تھا۔ جب فرانسیسی اور فلیمنگ گلیوں میں نکلتے تو وہ خود بھی چھینٹ کے لباس پہن لیتے اور اپنے گھوڑوں کو بھی پھولدار کپڑوں سے مزین کرتے اور سر پر لہراتے ہوئے سوتی کپڑے اوڑھ لیتے۔ اُن کے اطوار اس قدر غیر مہذب ہوتے کہ اہلِ مشرق کو سخت ناگوار گزرتے۔ انھیں اپنے یا دوسروں کی وقار کا بھی کوئی احساس نہ ہوتا۔ وہ لوگ عالم فاضل اہلِ قلم کو اپنے اسلحہ کا ہدف بناتے۔ ایک قلم، دوات اور کاغذ کا ایک قرطاس اُن کے سامنے رکھ دیتے، جس سے یہ مراد ہوتی کہ جدید یونانیوں کے لیے اسلحہ اور قلم دونوں یکساں بے فائدہ ہیں۔

ان کی زبان اور انداز سے ان کی جہالت عیاں ہوتی رہتی اور اس وجہ سے ان کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی۔ اس کے باوجود وہ اپنی جہالت کا احساس نہ کرتے اور لاطینیوں کی ترقی کو نظر انداز کر دیتے۔ جہاں تک مختلف فنون سے محبت کا تعلق ہے اس میں ان کے اور اہلِ یونان کے مابین فرق بہت نمایاں تھا۔ اپنے آباواجداد کے شاہکاروں کی یونانی تہ دل سے عزت کرتے اور اُنھیں سنبھال کر رکھتے۔ اب وہ ایسے شاہکار تخلیق کرنے کے قابل نہ تھے۔ وہ قسطنطنیہ کے بُت بھی تباہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ہم پر بازنطینی مؤرخین کے اثرات کچھ زیادہ ہی ہو گئے ہیں اور ہم جذبات کی رو میں بہ گئے ہیں۔ قسطنطنیہ کے بانی نے اس ترقی پذیر اُبھرتے ہوئے شہر کی کس قسم کی منصوبہ بندی کی تھی، وہ ایک باوقار اور مطلق العنان بادشاہ تھا۔ تباہ شدہ کھنڈرات میں بعض دیوتاؤں اور بتوں کے ڈھانچے بھی تھے۔ اُنھیں مذہبی تعصب کے ہاتھوں سے بچا لیا گیا تھا۔ چوک اور گھوڑوں کے دوڑ کے میدانوں کو آثارِ قدیمہ سے سجایا گیا تھا۔ ان میں سے متعدد کا نقیطاس نے اپنے مخصوص انداز بیان میں ذکر کیا ہے۔ اس کے بیانات سے میں چند دلچسپ شاہکاروں کا ذکر کروں گا۔

۱۔ فاتحین جو رتھوں پر سوار تھے، وہ کانسی کے لباس میں ملبوس تھے۔ یہ لباس اُن کی ذاتی ملکیت تھے یا سرکاری ذرائع سے حاصل کیے تھے۔ ان میں سے پچاس تو گھڑ دوڑ کے میدان میں کھڑے کر دیے گئے تھے۔ یہ اپنی اپنی رتھوں میں جُتے کھڑے تھے۔ کبھی کبھی میدان کے گرد چکر بھی لگا لیتے تھے۔ تماشائی ان کے اطوار کو دیکھ کر ان کی تعریف کرتے اور ان کی باہمی مشابہت کا جائزہ لیتے جو ان میں سب سے بہتر ثابت ہوتے۔ وہ ایسے تھے جو اولمپک کے میدان مقابلہ سے لائے گئے ہوتے۔

۲۔ عفریت، دریائی گھوڑا اور مگرمچھ، مصر کی آب و ہوا کی علامت ظاہر کرتے اور یہ اُسی ملک میں تیار کیے گئے تھے اور مالِ غنیمت میں حاصل ہوئے تھے۔

۳۔ ایک مادہ بھیڑیا جو رومولوس اور ریموس کو دودھ پلا رہی تھی۔ یہ ایک ایسا موضوع تھا، جسے جدید اور قدیم رومی بہت پسند کرتے تھے اور یونانی تخت کے ہاتھ سے نکلنے سے قبل تک اسے بہت مقبولیت حاصل تھی اور ہر شخص اسے پسند کرتا تھا۔

۴۔ ایک عقاب تھا، جس نے ایک سانپ کو اپنے پنجوں میں جکڑ رکھا تھا۔ یہ بازنطین کی ایک داخلی یادگار تھی۔ وہ کہتے تھے کہ یہ کسی انسان کے ہاتھ کی بنی ہوئی نہیں مگر ایک فلسفی ساحر اپولونی اوس کے جادو کا کرشمہ ہے جس نے اپنے طلسم کے زور سے شہر کو اس قسم کی زہریلی بلاؤں سے نجات دلائی تھی۔

۵۔ ایک گدھا اور اُس کا سوار تھا۔ جسے آگسٹس نے اپنی آبادی نکوپولس میں ایستادہ کر رکھا تھا۔ یہ ایکٹیوم کی فتح کی زبانی علامت تھی۔

۶۔ ایک شاہسوار کا بُت تھا، جو عام لوگوں کے خیال کے مطابق، جو یہودی فاتح یوشع کی علامت تھی۔ اُس نے اپنے ہاتھ آگے پھیلا رکھے تھے تاکہ ڈوبتے ہوئے سورج کا راستہ روک لے۔ ایک قدیم ترین کلاسیکی روایت تھی جو بیلرفون اور پیگاسوس کی اشکال سے متعلق تھی۔ گھوڑے کا ایک مجسمہ تھا۔ جسے ایسے آزادانہ انداز میں پیش کیا گیا تھا کہ یہ ظاہر ہو کہ گھوڑا زمین کی بجائے فضا میں پرواز کرتا تھا۔

۷۔ ایک خاص قسم کی حجری چیل تھی جو پیتل سے بنائی گئی تھی۔ اس کے ہر طرف دیہاتی ماحول کی تصاویر بنائی گئی تھیں۔ پرندے گا رہے تھے، دیہاتی اپنے باجے بجا رہے تھے۔ بھیڑیں بول رہی تھیں، اُن کے بچے اُچھل کود رہے تھے۔ سمندر تھا، پھر ایک مچھلی اور ماہی گیری کی تصویر تھی۔ عشق کا ننھا سا دیوتا ہنس رہا تھا اور وہ ایک دوسرے کی طرف سیب پھینک رہے تھے۔ چوٹی پر ایک زنانہ تصویر تھی جو ہلکا سا سانس لینے کے ساتھ

ساتھ گھوم بھی رہی تھی۔

۸۔ فریجی عورتیں تھی جو زہرہ کو حسن کا انعام دے رہی تھیں۔ سب تنازع کی بنیاد یہی تھی۔

۹۔ الفاظ تھے جو تعریف اور محبت کی ترجمانی کرتے تھے۔ اُس کے پاؤں تھے، جو اچھی طرح سے گھوم چکے تھے۔ برف کی طرح سفید پاؤں تھے، گلابی ہونٹ تھے، اُس کی شکل انتہائی متوازن اور متناسب تھی۔ اس کا لباس انتہائی ہلکا تھا اور اُس کی زلفیں ہوا میں لہرا رہی تھیں۔ اُس کا حسن تھا جس کے اثر کے تحت وحشیانہ پن اور تباہ خیزی ختم ہو رہی تھی۔

۱۰۔ ایک مردانہ یا روحانی نوعیت کا ہرکلس کا بُت تھا۔ جسے لائسی پوس کے فنکارانہ ہاتھ نے دوبارہ زندہ کر دیا تھا۔ یہ اتنا بڑا تھا کہ اس کا انگوٹھا عام آدمی کے سینے کے برابر تھا۔ اُس کی ٹانگیں عام آدمی کے قد وقامت کے برابر تھیں۔ اس کے اعضا مضبوط اور مردانہ تھے، اعصاب بھی نمایاں تھے۔ اُس کے کندھے جوڑے تھے اور سینہ فراخ تھا، اس کے بال گھنگریالے تھے۔ غرض ہر طرح سے دوسروں پر چھا جانے والی شخصیت کا مالک تھا۔ وہ اپنی کمان اور گوپھن کے بغیر بھی شیر کی کھال اپنے جسم پر ڈال کر کسی درخت کے ٹھنے پر بیٹھ جاتا۔ اس کی ٹانگیں اور بازو انتہائی حد تک پھیل جاتے۔ اس کا بایاں ٹانگ مڑ کر اس کی کہنی کو سہارا دیتا۔ یہ اپنا سر بائیں ہاتھ پر رکھ لیتا۔ اس کا حوصلہ بلند اور حرکات اثباتی ہوتیں۔

۱۱۔ جونو (Juno) کا ایک بڑا سا بُت تھا۔ جو اُس وقت شموس کے مندر میں رکھا رہتا تھا۔ ایک بہت بڑا سر چار بیلوں کے جوئے کے ساتھ اس کے محل میں کھینچ کر لایا گیا تھا۔

۱۲۔ عقل کی دیوی کا بہت بڑا انسانی مجسمہ جو تیس فٹ اونچا تھا جو انسان کی جنگی صلاحیتوں کی نمائندگی کرتا تھا۔ اس سے قبل کہ ہم لاطینیوں پر الزام تراشی کریں۔ اس نوعیت کے اکثر آثار خود یونانیوں نے خوف اور اوہام پرستی کے جذبے کے تحت مسمار کر دیے تھے اور یہ عمل پہلے محاصرے کے بعد ہی مکمل ہو چکا تھا۔ باقی پیتل کے مجسمے جن کا میں نے ذکر کیا ہے وہ زائرین کی لالچ کی نذر ہو گئے تھے اور اُنھوں نے وہ مجسمے پگھلا کر بیچ دیے تھے اور انھیں ان کی جو قیمت ملی یا اس محنت سے جو کچھ اُنھیں حاصل ہوا وہ چند لمحوں میں خرچ ہو گیا اور تمام فن کاری کی روح دھوئیں میں تحلیل ہو گئی جو دھات بچ گئی تھی اُس سے سکے ڈھال لیے گئے تا کہ افواج کی تنخواہ ادا کی جا سکے۔ کانسی کے آثار زیادہ دیر پا نہیں ہوتے۔ سنگ مرمر کے بنے ہوئے فیڈیا (Phidias) اور پریکسیٹل (Praxiteles) کے بت رومیوں کے کسی کام نہ آ سکے تھے اور ان پر اپنی احمقانہ نفرت کی نگاہ ڈالتے۔ مگر جب تک یہ بت خود ہی کسی حادثے کی نذر ہو کر چکنا چور نہ ہو گئے یا اپنی پشتوں پر اپنی اصل حالت میں ایستادہ رہے۔ ان کے ہموطنوں کے چند روشن دماغ افراد جو غیر ملکیوں سے تربیت حاصل کر چکے تھے۔ وہ ولیوں کے آثار کی تلاش میں رہتے تھے۔ ہڈیوں، موتیوں، صلیبوں، بتوں اور دیگر آثار کے لیے متعدد جنگیں لڑی گئیں اور ان میں سے بیشتر یورپ کے گرجا گھروں میں پہنچا دیے گئے اور زائرین کی تعداد میں اس قدر اضافہ ہو گیا تھا کہ زائرین اکثر تبرکات اپنے ہمراہ اپنے وطنوں اور گھروں میں لے گئے۔ یورپ میں موجود تمام آثار مشرق ہی سے درآمد کیے گئے تھے۔ وہ قدیم آثار جو بارھویں عیسوی تک موجود تھے، اب ضائع ہو چکے ہیں۔ مگر زائرین کو اتنی عقل نہ تھی کہ وہ غیر ملکی زبانوں کی کتب بھی اپنے ہمراہ لے جائیں۔ کیونکہ وہ زبانوں ہی سے ناواقف تھے، یا ان کتب کی مزید نقول تیار کرا لیں۔ یونانیوں کا سارا ادب تو دارالحکومت ہی میں موجود تھا۔ اس کے نقصان کا ہمارے پاس کوئی شمار نہیں۔ ہم صرف اُن کتب خانوں کی تباہی پر اشک باری ہی کر سکتے ہیں جو تین آتش زدگیوں کے دوران جل کر تباہ ہو گئیں۔

☆☆☆

(۶۱)

فرانسیسیوں (French) اور وینس کے باشندوں (Venetians)
نے سلطنت کو آپس میں بانٹ لیا — فلانڈرز (Flanders) اور
قورطینے (Courtenay) خاندانوں کے پانچ لاطینی شہنشاہ —
ان کی بلغاریوں اور یونانیوں کے خلاف جنگیں — لاطینی
سلطنت کی کمزوری اور افلاس — یونانیوں نے قسطنطنیہ کو
بازیاب کرالیا — صلیبی جنگوں کے عام نتائج —
تجاوز — قورطینائی (Courtenays)۔

فرانسیسیوں اور وینس کے باشندوں نے سلطنت کو آپس میں بانٹ لیا — فلانڈرز اور قورطینے خاندانوں کے پانچ لاطینی شہنشاہ — ان کی بلغاریوں اور یونانیوں کے خلاف جنگیں — لاطینی سلطنت کی کمزوری اور افلاس — یونانیوں نے قسطنطنیہ کو بازیاب کرالیا — صلیبی جنگوں کے عام نتائج — تجاوز — قورطینائی۔

جب قانونی حکمرانوں کی موت واقع ہوگئی تو فرانسیسیوں اور وینس کے باشندوں نے آپس میں فیصلہ کرلیا کہ وہ سلطنت کو مستقبل میں آپس میں بانٹ لیں۔ اُنھیں اعتماد تھا کہ وہ معاملات کو انصاف سے باقاعدہ چلالیں گے۔ معاہدے کی رو سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ بارہ رائے دہندگان منتخب کیے جائیں یعنی ہر قوم سے چھ نامزد کیے جائیں اور کثرت رائے سے مشرق اور مغرب کے حکمران منتخب کرلیے جائیں اور اگر آرا مساوی رہیں تو فال گیری سے مطلوبہ حکمران منتخب کرلیے جائیں اور اُنھیں بازنطینی سلطنت کے تمام اختیارات اور صوابدید تفویض کردی جائے۔ اُنھیں بوقولی اون اور بلاقرنائی کے محلات کا قبضہ دے دیا گیا اور یونانی بادشاہت کا چوتھا حصہ تفویض کردیا گیا اور یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ باقی تین چوتھائی علاقہ وینس کے اور فرانسیسی نوابوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کرلیا جائے اور تمام حصوں کی حکومتیں ماسوائے شاہِ وینس، متفقہ سلطنت کے احکام کی پابندی کریں۔ افواج مہیا کریں اور جنگی خدمات بجالائیں۔ مگر اسقف کا انتخاب شہنشاہ بذات خود کرے گا اور زائرین کو بلا امتیاز رُتبہ، مقدس مقامات پر جانے کی اجازت ہوگی۔ لاطینیوں کو قسطنطنیہ میں رہائش کی مزید ایک سال اجازت ہوگی۔ اس معاہدے کی توثیق کردی گئی اور اس پر عمل درآمد شروع ہوگیا۔ لیکن سب سے ضروری اور اوّلین کام یہ تھا کہ ایک شہنشاہ کا انتخاب کرلیا جائے۔ فرانس کی طرف سے جن چھ رائے دہندگان کا انتخاب ہوا تھا، اُن سب کا تعلق کلیسا سے تھا۔ وہ لوقا (Loces) کے گروہ سے متعلق تھے۔ جو فلسطین کے شہر ایکرے کا اسقف اعظم تھا۔ ٹرائے اور سوئی سون بھی اسی کے حلقے میں تھے۔ حلبر سٹیٹ اور بیت اللحم بھی اسی سے ملحق تھے۔ آخر الذکر کو پڑاؤ میں پوپ کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا۔ ان لوگوں کے علم اور پیشہ ورانہ صلاحیت کا احترام کیا جاتا تھا۔ چونکہ وہ خود اس انتخاب میں شامل ہونے کے اُمیدوار نہ تھے، لہٰذا وہ رائے

دہندگان کی حیثیت سے انتہائی موزوں تھے۔ وینس کے چھ نمائندے حکومت کے اعلیٰ عہدیدار تھے اور اس فہرست میں قوریِنی (Querini) اور قنطارینی (Contarini) خاندانوں کے شرفا اس امر پر بے حد نازاں تھے کہ اُنھوں نے اپنے آباؤاجداد کے کوائف تلاش کر لیے ہیں۔ یہ بارہ نمائندے شاہی محل کے گرجے میں جمع ہوئے اور بحث و مباحثے اور رائے دہندگی کے کام میں مشغول ہو گئے۔ شکرگزاری اور احترام کے منصفانہ جذبات نے اُنھیں یہ مہیج فراہم کیا کہ وینس کے بادشاہ ہی کو شہنشاہ کے عہدے پر سرفراز کر دیا جائے۔ اُس کی دانائی نے اُنھیں اس مہم پر آمادہ کیا۔ یہ تمام نوجوان لوگ تھے اور بادشاہ کی عمر اور بصارت کی محرومی سے غالباً بہت متاثر ہوئے ہوں گے۔ مگر ڈونڈولو ایک محب الوطن شخص تھا اور اپنی تمام ذاتی خواہشات سے بلند اور بالاتر تھا۔ وہ اسی پر مطمئن تھا کہ اُسے حکومت کا اہل سمجھا گیا ہے۔ وینس کے نمائندوں ہی نے اُس کی نامزدگی کی مخالفت کر دی جو اس کے ہم وطن اور ذاتی دوست بھی تھے۔ وہ حقیقت کو فصاحت سے بیان کر رہے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر دونوں حکومتوں کا حکمران ایک فردِ واحد کو بنا دیا جائے تو یہ امر بے شمار شرارتوں اور مسائل کو پیدا کر سکتا ہے اور اس سے سلطنت کے مشترکہ مقاصد کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ دو کردار ایک ہی ذات میں جمع ہو جائیں گے۔ وہی شخص حکومت کا منتظمِ اعلیٰ بھی ہوگا اور سلطنت کا فرمانروا بھی یعنی شہنشاہِ مشرق بھی۔ جب وینس کے بادشاہ کو اس عہدے سے مستثنیٰ کر دیا گیا تو دو شخص میدان میں رہ گئے۔ بونی فیس اور بالڈون دونوں بلحاظ استحقاق یکساں تھے۔ ان کے ناموں کی شہرت کے باعث تمام چھوٹے چھوٹے اُمیدوار خود ہی میدان سے ہٹ گئے۔ مونٹ فراٹ کے مارکوئیس کی اس لیے سفارش کی گئی کہ وہ عمر میں بڑا تھا اور اُس کی شہرت بھی بہت اچھی تھی۔ بعض مہم جو بھی اُسے منتخب کرنا چاہتے تھے، جبکہ یونانی بھی اُسی کے حق میں تھے۔ علاوہ ازیں میں یہ بھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ وینس جو اس عہد میں سمندروں کی ملکہ تھی۔ غالباً اُس کے باشندے بھی یہ پسند نہ کرتے تھے کہ کوہ ِ الپس کے دامن کا ایک جاگیردار اتنی بڑی سلطنت کا سربراہ تسلیم کر لیا جائے۔ مگر فلانڈرز کا کاؤنٹ خود بھی ایک امیر شخص تھا اور ایک جنگجو قبیلے کا سربراہ بھی تھا۔ وہ بہادر، نیک اور باحیا شخص تھا۔ وہ اپنی عمر کے شباب پر تھا، کیونکہ اُس کی عمر صرف بتیس سال تھی۔ وہ شارلمین کی نسل سے تھا اور شاہِ فرانس کا عمزاد تھا اور اپنے ہم عصر نوندہوں میں بھی مقبول تھا، جو کسی غیر ملکی کا حکم ماننے پر شاذ ہی راضی ہوتے۔ یہ سردار وینس کے بادشاہ اور دوسرے نوابوں کی تائید سے یہ معاملہ گرجا گھر سے باہر طے کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اُن کو اُمید تھی کہ بارہ رائے دہندگان بھی اُن کے فیصلے کی تائید کریں گے۔ سوئی سون کے بشپ نے اس کا یوں اعلان کیا اور

اپنے مذکورہ ساتھی کا نام تجویز کیا۔ ''تم نے ایک ایسے بادشاہ کی فرمانبرداری کا ہمیں حکم دیا ہے، جسے ہم سب باتفاقِ رائے منتخب کرنے کے لیے تیار ہیں۔ بالڈون جو فلانڈرز اور ہائے نالٹ کا کاؤنٹ ہے۔ اب وہ تمھارا بادشاہ ہوگا اور شہنشاہِ مشرق کہلائے گا۔'' سب لوگوں نے بلند آواز سے اسے سلامی پیش کی۔ تمام شہر میں یہ خبر خوشی سے سنی گئی۔ لاطینی تو بہت خوش ہوئے مگر یونانی محض خوشامدانہ طور پر ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ بونی فیس پہلا شخص تھا جس نے اپنے حریف کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اُسے اُس کی نشست تک پہنچایا۔ اس کے بعد بالڈون کو گرجا گھر میں پہنچایا گیا اور سنجیدہ تقریب میں تاج و تخت اُس کے حوالے کر دیا گیا۔ تین ہفتے بعد پوپ کے نمائندے نے اس کی تاجپوشی کی رسم ادا کی۔ کیونکہ مقامی اُسقفِ اعظم کا عہدہ خالی تھا۔ وینس کے پجاری نے اس کے بعد جلد ہی سینٹ صوفیہ کے متولی کا عہدہ سنبھال لیا اور طاس موروسینی کلیسائی تخت پر براجمان ہو گیا اور اپنے آپ کو اس عہدے پر قائم رکھنے کے لیے تمام ہنر استعمال کیے اور یونانی کلیسا کے تمام اعزازات اور مفادات کو اپنے ملک میں منتقل کر دیا۔ قسطنطین کے جانشین نے بلا تاخیر فلسطین، فرانس اور روم کو اس انقلاب کی اطلاع فراہم کی۔ فلسطین کو اس نے بطور تحفہ قسطنطنیہ کا دروازہ اور بندرگاہ کی زنجیر ارسال کی اور اس کے بدلے میں فلسطین سے اس نے وہ دستور حاصل کیا جو مشرق میں واقع ایک فرانسیسی نوآبادی کے لیے انتہائی موزوں سمجھا جاتا تھا۔ اس نے اپنے ایک مکتوب میں اہلِ فرانس کو لکھا کہ وہ اس نوآبادی کو مزید وسعت دینے کی کوشش کریں اور اس فتح کو مستقل بنانے کی کوشش کریں۔ یہ ایک شاندار شہر ہے اور اس ملک کی زمین بہت زرخیز ہے اور یہ ملک اس قابل ہے کہ پجاریوں اور فوجیوں دونوں طبقات کو انعام و اکرام دے سکے۔ اسی نے پاپائے روم کو بھی مبارک باد پیش کی کہ اُس نے یونان پر بھی اُس کے اختیارات بحال کر دیے ہیں اور اُسے دعوت دی کہ وہ یہاں آ کر ایک مجلسِ عام میں شمولیت اختیار کرے اور فرانسیسی بدعت کا خاتمہ کرے اور اُس سے درخواست کی کہ وہ نافرمان زائرین کے گناہوں کو معاف کرے اور اُنھیں برکت دے۔ انوسینٹ نے اس مکتوب کا جو جواب دیا اُس میں دانائی اور وقار کے عناصر شامل ہیں۔ یونان میں جو کچھ ہوا، اُس کے متعلق اُس نے کہا کہ اس میں انسان کے گناہ اور خدا کی خوشنودی شامل تھی۔ فاتحین کو ماضی کی کوتاہیوں کی تلافی میں مستقبل کے کردار سے کام لینا چاہیے۔ اُن کے معاہدے کی قدر و قیمت کا تعین سینٹ پیٹر کی طرف سے کیا جائے گا مگر میں صرف اسی قدر کہنا چاہتا ہوں کہ خدا کی فرمانبرداری کریں، انصاف سے کام لیں اور خدا کا شکر ادا کریں۔ یونانی لاطینی کلیسا کا حکم مانیں۔ یہ عام پجاری سے لے کر اسقف تک سب کے لیے لازم ہے کہ وہ پاپائے روم کا

اقتدار تسلیم کریں۔

جب یونان کے صوبوں کو تقسیم کیا گیا تو اس میں وینس کو روم کے مقابلے میں بہت زیادہ حصہ ملا
گیا۔ لاطینیوں کا حصہ ایک چوتھائی سے زائد نہ تھا اور باقی ماندہ علاقہ واضح طور پر وینس کے لیے مخصوص کر دیا
گیا۔ اس کے بعد بھی جو کچھ باقی رہ گیا وہ لومبارڈی اور فرانس کے مبہم جوؤں میں تقسیم کر دیا گیا۔ قابلِ احترام
ڈونڈولو کا رومانیہ کے مطلق العنان حاکم کی حیثیت سے اعلان کر دیا گیا۔ اُسے وہی اختیارات تفویض کر دیے
گئے جو شاہِ یونان کو حاصل تھے جس میں تاج و تخت اور شاہی خلعت وغیرہ شامل تھے۔ اس کی طویل اور شاندار
زندگی قسطنطنیہ میں ختم ہوگئی۔ اگرچہ صوابدیدی اختیارات اس کی ذات تک محدود تھے مگر یہ خطاب اس کے
جانشینوں نے چودھویں صدی کے وسط تک استعمال کیے اور ان کے پاس رومی سلطنت کے چوتھائی سے لے کر
نصف حصہ پر اقتدار قائم رہا۔ وینس کا بادشاہ اپنے ملک کی حکومت کا غلام ہوتا۔ وہ شاذ ہی اپنے ملک کے دائرۂ
اقتدار سے باہر جاتا۔ اس کی جگہ اس کے نائب کو متعین کر دیا جاتا۔ وہ وینس کی نو آبادیوں پر مکمل اختیارات
استعمال کرتا۔ ان کے قبضے میں شہر کے آٹھ صوبوں میں سے تین کا اقتدار تھا۔ اس نے جو آزاد عدلیہ قائم کر رکھی
تھی، اُس میں چھ جج کام کرتے تھے۔ ان میں چار مشیر، دو مہتمم توشہ خانہ، دو مالیاتی مشیر اور ایک پولیس افسر بھی
شامل تھے۔ مشرق کے ساتھ ان کا جو تجارتی کاروبار قائم تھا۔ اُس میں سے یہ ایک حصہ اپنی مرضی کے مطابق
وصول کر لیتے تھے مگر اُنھوں نے جلد بازی میں ہیڈریانوپل کی انتظامیہ اور دفاع کی ذمہ داری کو بھی قبول کر لیا
مگر اُن کی حکمتِ عملی کا یہ ایک معقول پہلو تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ساحلی علاقوں اور قرب و جوار کے جزائر میں
صنعت و حرفت اور شہروں کا ایک سلسلہ قائم کر دیں۔ راگوسا سے لے کر دردانیال تک کے علاقے کو وہ اس
صنعتی انقلاب میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ اس منصوبے پر جو محنت صرف ہوئی اور نقد رقم خرچ ہوئی اُس سے
اُن کے خزانے خالی ہوگئے۔ اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے فلاحی حکومت کا اُصول ترک کر دیا اور ایک
جاگیردارانہ نظام اپنالیا اور اپنے آپ کو اپنے شرفا کی تعریف و توصیف تک محدود کر لیا۔ کیونکہ یہی جاگیردار طبقہ
تھا، جو اُن کے مقبوضات کی حفاظت کرتا تھا اور نظم و نسق چلاتا تھا اور سانوط کے خاندان کی بھی یہی کیفیت تھی۔
انھوں نے ناکسوس کی جاگیر حاصل کر رکھی تھی جو اس جزیرہ نما کے ایک بہت بڑے حصے پر مشتمل تھی۔ حکومت
نے دس ہزار مارک کی رقم ادا کر کے مونٹ فرات کے مارکوئیس کے لیے کریٹ یا کانڈیا کا جزیرہ خریدا، اس میں
سو شہروں کے کھنڈرات بھی شامل تھے مگر اس کی ترقی میں یہ داغ بھی لگ گیا کہ یہ سارا کام طبقۂ شرفا کی کوشش کا

مرہونِ منت تھا اور مجلسِ قانون ساز کا عقل مند طریقہ یہ کہتا سنائی دیتا تھا کہ سینٹ مارک کا خزانہ سمندر تھا،
زمین نہ تھی، مبہم جوؤں کی جاگیردارانہ طبقے میں مارکوئیس بونی فیس ہی یہ دعویٰ کر سکتا تھا کہ وہ فیاضانہ انعام و اکرام
کا مستحق ہے۔ کریٹ کے جزیرے کے علاوہ اُس کی شاہی تخت سے محرومی کی تلافی اس طرح کی گئی کہ اُسے
شاہانہ خطابات عطا کر دیے گئے اور دردانیال سے آگے واقع صوبے بھی عنایت کر دیے گئے مگر اُس نے عقل
مندی سے ان دور افتادہ صوبوں کی بجائے تھیسالونیکا کی حکومت کی قبول کر لیا، یا مقدونیہ پر اقتدار حاصل کر لیا
جو دارالحکومت سے صرف بارہ دن کی مسافت پر تھا۔ یہاں پر اس بات کا بھی امکان تھا کہ اسے اپنے بہنوئی شاہِ
ہنگری کی مدد بھی حاصل ہو سکتی تھی۔ مقامی آبادی نے رضا کارانہ یا بامرِ مجبوری اس کی طرف سے ترقی کی
کوششوں کی بہت تعریف کی۔ یونانیوں نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ مگر اصل اور قدیم اہلِ یونان تو
اسے ایک مزید لاطینی فاتح ہی سمجھتے تھے جو بلا جواز اس قدیم اور روایتی مہذب سرزمین میں گھس آیا تھا۔ اس
نے ٹیمپی (Tempe) کی وادی کی خوبصورتیوں کو بے پروائی کی نظر سے دیکھا اور آبنائے تھرموپلائی کو احتیاط
اور آہستہ رو قدموں سے دیکھا اور تھیبس، ایتھنز اور آرگوس کے غیر معروف شہروں کا جائزہ لیا۔ کورنتھ اور ناپولی
کی قلعہ بندیوں کو فتح کر لیا۔ اُنھوں نے اس کی افواج کی کسی حد تک مزاحمت کی۔ متعدد لاطینی زائرین کو اُن کی
خواہش یا موقع کی مناسب سے منظم کیا اور پھر اُن کے سفر کے ایام مقرر کیے، یا ایک دوسرے سے اُن کے ایامِ
آغازِ سفر کو تبدیل کر دیا اور وہ اس پر فخر کرتے کہ اُنھوں نے دُنیا کی ایک عظیم قوم کو فتح کر لیا ہے اور اس سے
لطف اندوز ہوتے۔ اس صوبے کا اُس نے گہری نظر سے جائزہ لیا۔ ہر ضلع کی مالگزاری کا حساب کیا اور موقع
سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس کا اندازہ بھی کر لیا کہ افواج اور گھوڑوں کی ضروریات کی کیا صورت ہے۔ کون سی
شے کافی مقدار میں موجود ہے اور کس کس شے کی کمی ہے۔ اُن کی توقعات کا اندازہ کیا اور رومیوں میں بعض
ذرائع آمدنی کو طویل بنیادوں پر تقسیم کر دیا۔ نیل اور فرات اُن کے تصورات میں ہمیشہ جاری رہتے۔ وہ اس
وجہ سے بھی خوش تھا کہ اُس نے آئی کونیوم کے ترک سلطان کے محل پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اس نے کہا کہ میں اپنی
آئندہ نسلوں کے لیے کوئی ذاتی وراثت چھوڑ کر مرنا نہیں چاہتا۔ نہ کوئی ایسی املاک ہوں گی جن کے کرائے کی
فہرستیں تیار کی جاسکیں۔ مگر میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اس امر کی نشاندہی کر دوں کہ بلوئیس، سینٹ پول اور
کاؤنٹوں کے نائس کی جاگیر عطا کر دی گئی تھی اور ڈیموطیقا کی املاک بھی ان کے لیے مخصوص رہیں گی۔ مہتمم
پولیس کے لیے بڑی جاگیر مخصوص کر دی گئی۔ طعام گاہ کے صدر باورچی کو بھی مہتمم پولیس کے برابر ہی جاگیر عطا

کی گئی اور ہمارے مؤرخ ویلے ہارڈوئین کو بھی دریائے ہیبروس کے کنارے زرخیز اراضی عطا ہوئی اور مارشل اور مہتمم توشہ خانے کے دو عہدے بیک وقت مل گئے۔ جنگجوؤں کے سربراہ اور تیر اندازوں کے ناظم کو بھی شاہسواروں کے سردار کے ساتھ اپنا حصہ مل گیا۔ اُن کی اوّلین کاوشیں بالعموم کامیاب رہیں مگر جب وہ عوامی خدمات سے الگ ہوتے تو مروجہ قانون کے تحت ہزاروں جھگڑے کھڑے ہو جاتے۔ بالخصوص ایسے افراد میں جن کا واحد پیشہ تلوار ہوتا، قسطنطنیہ کی فتح کے تین ماہ بعد، تھیسالو نیکا کے بادشاہ اور شہنشاہ کے گروہوں میں شامل ان کے مخالفین میدانِ جنگ میں اُتر آئے۔ وہ وینس کے بادشاہ کے اختیارات کے تحت صلح پر مجبور کر دیے گئے۔ انھیں اپنے ہمعصر ساتھیوں کے ہمراہ مکمل آزادی دے دی گئی۔

دو مفرور جو قسطنطنیہ کے حاکم رہے تھے۔ ابھی تک اپنے آپ کو شہنشاہ کے خطاب کا مستحق سمجھتے۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ لوگ جو انھیں شاہی حیثیت سے جانتے تھے، ممکن ہے کہ کسی وقت اُن پر رحم کھائیں اور بزرگوں کی بدقسمتی کا خیال کریں۔ ان میں سے بزرگ الیکسی اُوس نے خاصا جوش پیدا کر لیا۔ تاکہ مورزوفلی کے جذبے سے کام لے کر انتقام لیا جائے۔ ایک داخلی اتحاد قائم کیا گیا جس کی بنیاد مشترکہ مفاد پر تھی۔ جُرم بھی یکساں تھا، اور مقصد بھی ایک ہی تھا کہ مشترکہ دشمن کو شکست دی جائے۔ ایک بھتیجا بھی ساتھ شامل ہو گیا، جو اس کے سابقہ دورِ اقتدار کی واحد علامت کے طور پر موجود تھا۔ مورزوفلی کو الیکسی اُوس نے اپنے باپ کے پڑاؤ میں مسکرا کر ایک معزز باوقار کی حیثیت سے خوش آمدید کہا مگر ایک بدمعاش کبھی محبت نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے ساتھی مجرموں پر بھی کبھی اعتبار نہیں کرتا۔ اُسے ایک حمام میں پکڑ لیا گیا اور آنکھوں سے محروم کر دیا گیا۔ اُس کے سپاہیوں اور خزانوں پر بھی قبضہ کر لیا گیا اور اُس کے کپڑے اُتار لیے گئے اور بے عزتی سے باہر نکال دیا گیا۔ جسے ہر کوئی نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور اُس کو ملنے والی سزا کو جائز سمجھتا تھا۔ وہ شہنشاہ آئزک اور اُس کے بیٹے کا قاتل تھا۔ یہ ظالم خوف زدہ ہو کر چوری چھپے اِدھر اُدھر گھومتا پھرتا رہا اور پھر ایشیا میں خفیہ طور پر داخل ہو گیا جہاں اُسے قسطنطنیہ کے لاطینیوں نے پکڑ لیا اور سزائے موت دے دی تاکہ اُس کی تذلیل میں مزید اضافہ ہو جائے۔ اس کے جج آپس میں بحث کرتے رہے کہ اس کی موت کے لیے کیا انداز اختیار کیا جائے۔ اسے کلہاڑا مار دیا جائے یا پہیے کے ساتھ گھمایا جائے یا نوکدار برچھا چبھو دیا جائے۔ بالآخر یہ فیصلہ کیا گیا کہ مورزوفلی تھیوڈوری ستون پر چڑھا دیا جائے۔ یہ ایک سفید سنگِ مرمر کا ایک سو چالیس فٹ اونچا مینار تھا۔ اُس کی چوٹی پر سے اُسے سر کے بل نیچے گرا دیا گیا اور ایک راہداری پر گر کر اُس کا جسم چکنا چور ہو گیا۔ بے شمار تماشائی اس

نظارے کو دیکھ رہے تھے جن کی وجہ سے طاؤروس کا چوک بھرا ہوا تھا۔ وہ ایک قدیم پیشین گوئی کے پورا ہونے کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ یہ ایک بے مثال انجام تھا مگر الیکسی اوس کے انجام کا المیہ زیادہ شدید نہ تھا۔ مارکوئس نے اُسے ایک قیدی کی حیثیت سے اٹلی میں بھجوا دیا۔ جو شاہِ روم کے لیے ایک تحفے کی حیثیت رکھتا تھا مگر اس کے لیے خوش ہونے کا زیادہ موقع نہ تھا اور نہ اُس کی قسمت اُس کے حق میں تھی۔ اس کی جلاوطنی یا قید کے احکام تبدیل کر دیے گئے اور اسے الپس کی قلعہ بندیوں سے ایک ایشیا کی خانقاہ میں بھیج دیا گیا۔ مگر اُس نے ان مصائب سے قبل اپنی بیٹی کی شادی ایک نوجوان ہیرو سے کر دی تھی۔ اُس نے اپنی وراثت کو بحال رکھا اور یونانیوں کی حکومت کو بحال کر دیا۔ تھیوڈور لاسکاری کی بہادری کا اظہار قسطنطنیہ کے دو محاصروں میں ہوا۔ مورزوفلی کے فرار کے بعد جبکہ لاطینی ابھی تک شہر میں موجود تھے تو اس نے سپاہیوں اور عوام کے سامنے دعویٰ کیا کہ وہ اُن کا شہنشاہ ہے اور اُس کی تمنائیں جو نیک ہی تھیں اور بلاشک وشبہ اُس کی دلیری کا مظہر تھیں۔ اگر وہ اپنے عوام میں عزم و حوصلہ پیدا کر سکتا تو وہ اجنبیوں کو اپنے پاؤں تلے روند دیتے۔ لیکن وہ اس قدر مایوس تھے کہ اُس کی کوئی مدد نہ کر سکے اور وہ آزاد فضاؤں میں سانس لینے کے لیے اناطولیہ کی طرف چلا گیا۔ یہ علاقہ فاتحین کے عین عقب میں تھا۔ پہلے اُس نے اپنے آپ کو مطلق العنان شہنشاہ کے خطاب سے سرفراز کیا۔ اُس نے بعض دلیر روح کے مالکوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کیا۔ اُنھوں نے غلامی کی زندگی کو قبول کرنے کے خلاف اپنے آپ کو مستعد کر لیا اور ہر وہ تدبیر اختیار کی جو عوامی تحفظ کے لیے جائز سمجھی جا سکتی تھی اور ترک سلطان کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ تھیوڈوری نے نائس میں سکونت اختیار کی۔ پروسا، فلاڈلفیا، سمرنا اور یوفی سوس نے ان آزاد خیالوں کے لیے اپنے دروازے کھول دیے۔ اسے فتوحات حاصل ہوتی گئیں اور اُس کی قوت اور شہرت میں اضافہ ہوتا گیا اور اس کی شکست بھی اس کی قوت میں مزید اضافہ کر دیتی۔ قسطنطین کے جانشین نے اپنی سلطنت کا ایک مخصوص حصہ جو دریائے مائی اینڈر کے کنارے سے لے کر نکومیڈیا تک تھا، اپنے قبضے میں رکھا۔ اس طرح سلطنت یونان کا کہیں نہ کہیں نام زندہ رہا۔ اس علاقے کی طوالت قسطنطنیہ تک پہنچتی تھی۔ اس کا ایک حصہ اور بھی تھا، جو دور اُفتادہ اور غیر معروف تھا۔ وہ کومنینی خاندان کے ورثا کے قبضے میں تھا۔ مینوأل کا ایک نیک نہاد بیٹا اس حکومت پر فائز تھا۔ گویا یہ ظالم اینڈرونی کوس کا پوتا تھا۔ اس کا نام بھی الیکسی اُوس ہی تھا۔ اس کے ساتھ عظیم کا لاحقہ بھی ملحق تھا۔ اس کے کارہائے نمایاں تو اس خطاب کے لیے مناسب نہ تھے، لیکن جسمانی لحاظ سے وہ اس خطاب کا مستحق ہو سکتا تھا۔ انجیلی کی شفقت کے نتیجے میں اسے طریبی زونڈ کا گورنر مقرر

کر دیا گیا تھا۔ اُس کے خاندانی پس منظر نے اُس میں تمنا بیدار کی اور اُسے آزادی کے انقلاب کی طرف مائل کیا۔ اُس نے اپنا خطاب تو تبدیل نہ کیا مگر وہ امن سے سائی نوپ سے فاسیس تک حکومت کرتا رہا۔ بحیرۂ اسود کے کنارے کے علاقے اس کے زیرِ نگیں تھے۔ اس کے بیٹے اور جانشین کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ مگر کہتے ہیں کہ وہ سلطان کا باجگزار تھا۔ اُس کے پاس صرف دو سو نیزہ بردار تھے۔ کیونہ وہ محض ایک نواب تھا۔ البتہ اُسے یہ فخر حاصل تھا کہ وہ الیکسی اُوس کا پوتا ہے۔ مائیکل نے مغربی حصے میں بھی ایک چھوٹا سا حصہ بیڑہ غرق ہونے کے عمل سے بچا لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص اینجیلی کے خاندان کا ایک حرامی بچہ تھا۔ جو انقلاب سے قبل ایک یرغمال کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ وہ سپاہی ہونے کے علاوہ ایک باغی بھی تھا۔ وہ مارکوئیس بونی فیس کے پڑاؤ سے فرار ہو گیا تھا۔ اس طرح اُس نے آزادی حاصل کر لی۔ گورنر کی بیٹی سے اُس کی شادی ہو چکی تھی۔ اس نے دورازو کے اہم مقام پر قبضہ کر لیا اور مطلق العنان بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا اور اپی روس میں ایک آزاد اور مضبوط حکومت قائم کر لی۔ ایطولیا اور تھیسالی جس میں ہمیشہ سے ایک جنگجو قوم آباد تھی۔ اُن یونانیوں کو جنھوں نے اپنی خدمات شاہِ یونان کو پیش کی تھیں اُنھیں ہر قسم کے دیوانی اور فوجی اعزازات سے محروم کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ اس علاقے پر لاطینی اقتدار قائم ہو چکا تھا۔ اُنھوں نے اس کی مزاحمت کی جس سے مراد یہ تھی کہ وہ ایک دوست کی حیثیت سے انتہائی سُود مند ثابت ہو سکتے تھے اور دوسری صورت میں وہ ایک خطرناک دشمن بھی ثابت ہو سکتے تھے۔ اُن کے اعصاب میں مخالفت کی قوت موجود تھی۔ جو کچھ بھی وہ سیکھتے یا جس شے کو وہ مقدس سمجھتے یا جسے وہ بہادرانہ سمجھتے اسے انھوں نے طربی زونڈ۔ اپی روس، نائس کی آزاد ریاستوں میں منتقل کر دیا، جو اُن کے زیرِ اثر تھیں۔

اگر ایک بھی ایسا شخص مل جاتا، جو فرینکوں کا وفادار یا ہمدرد ہوتا تو اُس کی نشاندہی کر دی جاتی۔ یہ لوگ غیر مہذب تھے مگر کسی بھی شہری یا دیہاتی کو وطن کی معمولی سی خدمت کے لیے پکارا جاتا تو وہ فوراً آمادہ ہو جاتا۔ جنگ کی وجہ سے جو عارضی بدنظمی پیدا ہوئی تھی۔ وہ متعدد سالوں کی محنت اور امن کی وجہ سے ختم ہو چکی ہوگی۔ مگر امن کو ختم کر دیا گیا اور صنعت و حرفت کو تباہ کر دیا گیا۔ کیونکہ جاگیردارانہ نظام مروج ہو گیا تھا۔ قسطنطنیہ کے رومی بادشاہ اہلیت سے عاری نہ تھے اور اُن کے پاس اتنی قوت بھی تھی کہ اپنی رعایا کو تحفظ فراہم کر سکیں۔ ان کے قوانین معقول تھے اور انتظامیہ سادہ بنیادوں پر قائم تھی۔ لاطینی تخت پر ایک حاشیہ بردار بادشاہ قابض تھا۔ اس کے سردار بلکہ ملازمین بھی اس کی پروا نہ کرتے تھے۔ حکومت کا تمام انتظام، انتظامِ حکومت

سے لے کر قلعوں تک، جاگیرداروں کی تلواروں کے زیرِ اثر چلتا تھا۔ ان میں باہمی اختلاف ہو جاتے۔ مفلسی بھی بہت زیادہ تھی۔ پھر جہالت بھی تھی، جس کے نتیجے میں ان کے مظالم دور اُفتادہ دیہات تک پہنچ جاتے۔ یونانیوں پر تقدس کا دُہرا بوجھ تھا۔ کیونکہ پادریوں کو انتظامیہ کے اختیارات بھی تفویض کر دیے گئے تھے اور سپاہی بھی موجود تھے جو تعصب اور نفرت کا مظاہرہ کرتے رہتے تھے۔ پھر مذہب اور زبان کا بھی فرق تھا جو حکام اور مقامی آبادی کو علیحدہ علیحدہ گروہوں میں تقسیم رکھتا۔ جب تک کہ صلیبی قسطنطنیہ میں متحد تھے تو اُن کے اسلحہ کا خوف لوگوں کو خاموش رکھتا اور محکوم آبادی کو بولنے کی ہمت نہ ہوتی اور پھر خود اُن کی کمزوریوں کی وجہ سے ان کی بدنظمی اور مقامی آبادی کے مقابلے میں تعداد کی کمی ظاہر ہونے لگی۔

ان کی ناکامیوں اور بعض حادثات کی وجہ سے یہ راز بھی افشا ہو گیا کہ یہ لوگ ناقابلِ تسخیر نہیں ہیں۔ یونانیوں کا خوف دور ہو گیا اور یونانی ان سے نفرت کرنے لگے جس میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ اب وہ شکایات کرنے لگے اور سازشیں بھی کرتے۔ اس قبل کہ غلامی کا ایک سال پورا ہوتا، اُنھوں نے ایک غیر مہذب قوم سے مدد کی درخواست کر دی یا ان کی مدد کو قبول کر لیا۔ اُنھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ قوم کے پاس مطلوبہ قوت موجود ہے اور اُس کی احسان مندی پر اُنھیں اعتماد بھی تھا۔

لاطینی فاتحین کی جب پہلی سفارت آئی تھی تو اُسے بڑی سنجیدگی سے خوش آمدید کہا گیا۔ اس کا سربراہ جان(John)، یا جوانیق (Joannice) یا کولو جان (Calo-John) تھا جو بلغاریوں اور ولاچیوں کا گروشی سردار تھا۔ اُس نے ان لوگوں پر ظاہر کیا کہ وہ ان کا بھائی ہے اور رومی اسقفِ اعظم کا نائب ہے۔ پاپائے روم نے اُسے شاہانہ خطاب اور مقدس جھنڈا عطا کیا ہے۔ اگر وہ موجودہ سلطنتِ یونان سے بغاوت کریں گے تو وہ ان کا ساتھ دے گا اور اُن سے دوستی اُستوار کرے گا مگر کولو جان یہ جان کر حیران رہ گیا کہ فلانڈرز کے کاؤنٹ نے قسطنطین کا افتخار اور شان و شوکت اختیار کر رکھی ہے اور اپنے آپ کو اس کا جانشین کہتا ہے۔ اُس کے سفیروں کو یہ متکبرانہ پیغام دے کر واپس کر دیا گیا ہے کہ باغی صرف اُسی صورت میں معافی مل سکتی ہے کہ وہ اُس کے پاپوش پر ماتھا ٹکا کر اپنی غلامی کا اظہار کرے۔ ہنگامہ آرائی سے وہ مزید برافروختہ ہوگا اور خون ریزی کا عمل اختیار کرے گا۔ اُس کی خنک حکمتِ عملی کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ اہلِ یونان بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ پہلے تو اپنی تکالیف کا نرم انداز میں اظہار کیا کہ اُن کی آزادی کی پہلی کوشش کی وہ خود امداد کرے گا۔ اس سازش کی رازداری سے تبلیغ کی گئی۔ یونانی اب اس کے لیے تیار تھے کہ وہ اپنے خنجر اجنبیوں کے سینے میں

اُتار دیں۔ مگر اس سازش پر عمل درآمد عقل مندی سے مؤخر کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ ہنری نے جو شہنشاہ کا بھائی تھا، اپنی افواج درِ دانیال سے آگے روانہ کر دیں۔ تھریس کے متعدد شہر لمحوں میں عمل پر آمادہ تھے اور اشارے کا انتظار کر رہے تھے۔ چونکہ لاطینیوں کو اس نوعیت کا کوئی شبہ نہ تھا۔ اس لیے وہ ابھی تک اسلحہ بند بھی نہ ہو سکے تھے۔ اس لیے وہ اپنے غلاموں کے ہاتھوں بے رحمی سے قتل ہو گئے۔ اُنھوں نے اپنا انتقام لے لیا۔ ڈیموطیقا سے قتل و غارت کے نظارے کا آغاز ہوا۔ سینٹ پال کے جو حامی بچ رہے تھے۔ وہ ہیڈریانوپل کی طرف فرار ہو گئے۔ مگر فرانسیسی اور وینسی جو شہر میں موجود تھے ذبح کر دیے یا باہر نکال دیے گئے۔ عوام سخت غصے میں تھے۔ وہ لشکری جو اُن کی پسپائی میں اُن کی مدد کر سکتے تھے۔ وہ شہر کی طرف بھاگے اور ایک دوسرے کے خلاف کارروائی کرنے لگے اور وہ قلعہ بندیاں یا چوکیاں جو باغیوں پر قابو پا سکتی تھیں۔ اُنھیں ایک دوسرے کی حالت کا کوئی علم نہ تھا اور وہ اپنے شہنشاہ کے انجام سے بھی بے خبر تھے۔ خوف اور انجام نے یونانیوں کی بغاوت کی خبر کو مشتہر کیا۔ ان کے بلغاری اتحادی بھی جلد پہنچ گئے، چونکہ کولوجان کا اپنے ملک کی افواج پر انحصار نہ تھا۔ وہ سکاتھیا کے غیر مہذب علاقوں یا جنگلات سے چودہ ہزار فوجیوں کا لشکر لے آیا۔ یہ سب کے سب کمان تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ قیدیوں کا خون پیتا تھا اور عیسائیوں کو اپنی قربان گاہ پر اپنے دیوتاؤں کی راہ میں قربان کر دیتا تھا۔

اس اچانک اور بڑھتے ہوئے خطرے کے پیشِ نظر شہنشاہ نے ہنری کے پاس ایک قاصد ارسال کیا کہ اُسے واپس بلا لائے اور وہ اپنی فوج کو بھی لے آئے۔ بالڈون کو اُمید تھی کہ وہ اپنے ہمراہ بیس ہزار کا آرمینیائی لشکر لے کر آئے گا۔ ممکن ہے کہ وہ حملہ آوروں کا مقابلہ کر سکے اور انھیں اپنی تعداد کے متعلق بھی دھوکا دے سکے۔ ابھی تک تو حملہ آوروں کا مساوی تعداد اور بہترین اسلحے اور نظم و ضبط کے ساتھ مقابلہ کیا گیا تھا، مگر جنگجو طلبی کی روح کبھی بھی محتاط اور کمزور افواج میں پیدا نہیں کی جا سکتی۔ شہنشاہ ایک سو چالیس جنگجوؤں کو ہمراہ لے کر میدانِ جنگ میں اُتر آیا۔ ان کے ہمراہ ان کے تیر انداز اور نائب جنگجوؤں بھی تھے۔ مارشل جو کبھی الگ ہو جاتا اور کبھی حکم تسلیم کرنے لگتا، اس مہم میں ہراول دستے کو لے کر آگے بڑھا اور ہائیڈریانوپل کی طرف روانہ ہوا۔ بلوئیس کا کاؤنٹ اصل اور بڑے لشکر کا سپہ سالار تھا۔ وینس کے بوڑھے کتے عقب میں تھے۔ ان کی تعداد کی کمی میں لاطینی مفروروں کی وجہ سے مزید اضافہ ہو گیا۔ اُنھوں نے ہائیڈریانوپل کے باغیوں کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ مگر صلیبی جنگ لڑنے والوں کا اصل مقصد یہ تھا کہ ایسٹر کا مقدس ہفتہ لوٹ مار میں گزار لیا جائے تا کہ اُن کا گزارہ ہوتا رہے۔ نیز منجنیقیں تیار کر لی جائیں، تا کہ زیادہ سے زیادہ اپنے عیسائی بھائیوں کو قتل

کیا جا سکے مگر لاطینیوں کو جلد ہی روک لیا گیا۔ جب اُنھوں نے کمانوں (Comans) کے ہلکے رسالے کو دیکھا تو وہ خوف زدہ ہو گئے۔ وہ بڑی بہادری سے تقریباً نامکمل قطاروں میں آگے بڑھتے آ رہے تھے اور رومانیہ کے مارشل کی طرف سے ایک اعلان جاری کر دیا گیا کہ جب طبل جنگ بجے تو رسالے کے سپاہی گھوڑوں پر سوار ہو جائیں مگر کوئی ایسی کارروائی نہ کی جائے جس میں موت کا خطرہ ہو اور ایسا تعاقب بھی نہ کریں جس میں بدنظمی یا موت کا احتمال ہو۔ بلوئیس کے کاؤنٹ نے پہلے تو اس دانش مندانہ اعلان کو ماننے سے انکار کر دیا جس کی جلد بازی کی وجہ سے شہنشاہ تباہی کے کنارے پہنچ گیا۔ پارتھیا کی کمان کا تعلق غالباً تاتاری کتب فکر سے تھا۔ وہ پہلے حملے سے قبل ہی فرار ہو گئے مگر جب دو لیگ کا سفر کر چکے تو جنگجو اور اُن کے گھوڑے اتنے تھک چکے تھے کہ سانس لینے کے قابل بھی نہ رہے تھے پھر وہ اچانک واپس مُڑے اور تھکے ماندے فرنگیوں پر پل پڑے۔ کاؤنٹ تو میدانِ جنگ ہی میں ذبح کر دیا گیا۔ شہنشاہ کو قید کر لیا گیا اور باقی ماندہ لشکریوں کو فرار کا موقع دے دیا گیا۔ وہ لوگ جو ہتھیار ڈالنے پر تیار نہ ہوئے وہ کوئی خاص کارنامہ نہ دکھا سکے یا اُن کا جرنیل اپنے فرائض اچھی طرح ادا کرنے سے قاصر رہا۔ اُن کی ذاتی بہادری نے بھی کوئی اچھا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس کی ایک وجہ ان کی جہالت بھی ہو سکتی ہے۔

اپنی فتح پر فخر کرنے اور شاہی انعامات حاصل کرنے کے بعد بلغاری ہیڈریانوپل کو آزاد کرانے کے لیے آگے بڑھے اور لاطینیوں کو تباہ کرنے میں کامیاب رہے۔ یہ واقعی آخری حد تک تباہ ہو جاتے مگر رومانیہ کے مارشل نے اپنے عزم و حوصلے کی بدولت انھیں بچا لیا۔ ایسا حوصلہ کسی دور میں بھی دیکھنے میں نہیں آیا اور یہ زمانہ تو ایسا تھا کہ جنگ ایک جذباتی عمل تھا اور اس میں سائنس داخل نہ ہوئی تھی۔ یہ خوف زدہ تو تھا مگر اپنے ان جذبات کو لے کر وینس کے بادشاہ کے زیرِ سایہ پہنچ گیا مگر اس نے اپنے پڑاؤ میں یہ یقین دہانی کرا دی تھی کہ تمام معاملات بالکل درست ہیں اور ہر شخص محفوظ ہے۔ لیکن تحفظ تو صرف اُسی صورت میں حاصل ہو سکتا تھا۔ یہ سارا دن شہر اور غیر مہذب اقوام کے درمیان کھڑا رہا۔ ویلے ہارڈوئین نے رات گئے خاموشی سے اپنا پڑاؤ چھوڑ دیا اور یہ تین دن مسلسل مراجعت میں مصروف رہا اور زینوفون اور اُس کے دس ہزار روایتی ساتھیوں نے بھی اس کے فرار کی ضرور تعریف کی ہوگی۔ عقب میں مارشل تعاقب کی سختیوں کو برداشت کرتا رہا۔ وہ مفروروں کو بھی روکتا رہا اور کمانوں کے خلاف بھی رکاوٹ پیدا کرتا رہا اور نیزوں کی مدد سے اپنی صفوں کو اپنی جگہ پر قائم رکھتا رہا۔ تیسرے دن تھکی ماندی افواج نے سمندر دیکھا۔ یہ ردوسطو کا ایک الگ تھلگ مقام تھا۔ یہاں پر ان کی

اپنے اُن دوستوں سے بھی ملاقات ہوئی، ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے، انھوں نے ایک دوسرے سے مشورہ کیا اور اسلحہ کے متعلق گفت وشنید کرتے رہے۔ اپنے بھائی کی غیر حاضری میں ہنری نے حکومت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ بیک وقت ابتدائی اور آخری صورت وجود میں آ گئی اور موسم گرما کے گرم ترین دن میں اگر Comans فرار ہو جاتے تو سات ہزار لاطینی خطرے کے موقع پر قسطنطنیہ سے، اپنے بھائیوں سے فرار ہو جاتے، اور اپنے قول سے پھر جاتے اور ان کے مقصد کی تکمیل میں بعض قوتیں ایسی ظہور میں آ گئیں، جن کا تناسب ان سے برتر تھا۔ روسی اُوم کے میدان میں ایک سو بیس جنگجو مارے گئے اور سلطنت صرف دارالحکومت تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ صرف یورپ کی اور ایشیا کے ساحل پر اس کے علاوہ دو یا تین قلعے تھے۔ بلغاریہ کے بادشاہ کے لیے مزاحمت مشکل تھی۔ وہ ایک انتھک انسان تھا۔ کولوجان نے پوپ کے مطالبات کو نہایت احترام سے مسترد کر دیا۔ جس نے اپنے ایک نئے نمائندے کو بھیجا تھا کہ وہ امن قائم کرے اور لاطینی بادشاہ کو دوبارہ اقتدار دلائے۔ اُس نے جواب دیا کہ بالڈون کی آزادی کا کوئی مسئلہ باقی نہ رہا تھا کیونکہ شہنشاہ کا قید خانے میں انتقال ہو چکا تھا اور اُس کی موت کس طرح واقع ہوئی۔ اُس کے متعدد اسباب بیان کیے جاتے ہیں جو اکثر لاعلمی پر مبنی ہیں۔ وہ لوگ المیہ حکایات کو پڑھ کر خوش ہوتے ہیں۔ اُن کو ان داستانوں کے مطالعے سے ضرور فرحت ہوگی۔ ایک کہانی یہ ہے کہ بادشاہ کو بلغاریہ کی عاشق مزاج ملکہ سے محبت ہو گئی تھی۔ مگر اُس نے اپنی عصمت کو داغ دار بنانے سے انکار کر دیا۔ ایک عورت نے اُس کے سامنے جھوٹ بولا کہ وہی دراصل ملکہ بلغاریہ ہے۔ اُس کے ایک حاسد عاشق نے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے۔ اس کے لہولہان جسم کو کتوں کے سامنے چھوڑ دیا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے قبل کہ وہ مر جاتا اور اسے شکاری پرندے کھا جاتے وہ تین یوم تک سانس لیتا رہا۔ اس کی موت کی بیس سال بعد ایک راہب نے دعویٰ کیا کہ وہی اصل بالڈون ہے جو قسطنطنیہ کا بادشاہ تھا اور فلانڈرز کا قانونی بادشاہ ہے اور فرار کے بعد گھومتا پھرتا رہا ہے اور اب وہ توبہ کر چکا ہے۔ بعض افراد نے اس داستان کو درست سمجھا۔ کچھ لوگ اس کی مخالفت بھی کرتے رہے۔ اُسے فلانڈرز کی عدالت میں تھوڑی دیر کے لیے پیش کیا گیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ وہ ایک بہروپیا ہے اور وہ اس قابل تھا کہ اُسے ذلت آمیز موت سے ہمکنار کیا جائے مگر فلانڈرز اس خوش کن غلطی سے انکار کے قائل نہ تھے اور نواب زادی جینی (Jane) پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ اُس نے اپنے بدقسمت باپ کی زندگی ختم کر دی۔ معتبر اور مستند مؤرخین بھی یہ داستان بیان کرتے ہیں۔

تمام مہذب دُنیا میں ایک معاہدہ موجود ہے کہ قیدیوں کا تبادلہ کیا جا سکتا ہے یا تاوان ادا کرنے کے بعد انھیں رہا کرایا جا سکتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے اُن کی قید طویل ہو جائے تو اُن سے انسانیت کے تقاضوں کے تحت اُن کے رتبے کے مطابق سلوک کیا جاتا ہے۔ مگر وہ وحشی بلغاری قوانین جنگ سے بھی مکمل بے خبر تھا۔ قید خانے ایسے تھے جہاں روشنی اور آواز کا گزر ممکن نہ تھا۔ ایک سال سے زائد عرصہ گزر گیا، کہ لاطینیوں کو یہ یقین دہانی کرائی گئی کہ بالڈون فوت ہو چکا ہے۔ اس کے بعد ہی اُس کے بھائی ہنری نے شہنشاہ کا خطاب قبول کیا۔ یونانیوں نے اس کی میانہ روی کی تعریف کی اور یہ اُس کی زندگی کے متعلق ایک فقید المثال نیکی اور بہبود کا ثبوت ہے۔ وہ اس تلاش میں تھے کہ اُنھیں اُن لمحات کا پتا چلے جب بادشاہت کا مقام خالی ہوا ہو کیونکہ جانشینی کا قانون بتدریج معین کر دیا گیا۔ اُس کے بعد یورپ میں نسلی توارث کے تحت بادشاہوں کی جانشینی کا قانون مروج کر دیا گیا۔ مشرقی سلطنت میں ہنری کی ایسی حالت ہو گئی کہ وہ بتدریج ہر شخص کی تائید سے محروم ہو گیا۔ کیونکہ صلیبی جنگوں کے ہیرو یا تو مر چکے تھے یا جنگ چھوڑ چکے تھے۔ وینس کا بادشاہ معزز ڈونڈولو جب اپنی عمر اور شان وشوکت کی معراج پر تھا تو قبر میں چلا گیا۔ مونٹ فراٹ کے مارکوئیس کو پولو پونیسی جنگ سے بتدریج واپس بلا گیا، تاکہ وہ بالڈون کا بدلہ لے سکے اور تھیسالونیکا کا دفاع کر سکے۔ شہنشاہ اور بادشاہ کے مابین امن اور صلح کے لیے چند ذاتی ملاقاتیں ہوئیں۔ وہ باہمی احترام اور مشترکہ خطرات کے پیش نظر مستقل طور پر متحد ہو گئے۔ ہنری کا اطالوی بادشاہ کی بیٹی سے بیاہ کر دیا گیا، اس طرح اُن کا رشتہ مزید پکا ہو گیا، بعض وفادار یونانیوں کے کہنے بونی فیس نے رہوڈوپ کی پہاڑیوں کے قریبی علاقے میں ایک کامیاب دخل اندازی کی۔ اس کے پہنچنے پر بلغاری فرار ہو گئے۔ وہ دفاعی اسلحہ کے بغیر ہی دوبارہ جمع ہو گئے۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنا نیزہ ہاتھ میں پکڑا، اور دشمن کو اپنے سامنے دوڑا دیا۔ مگر اپنے تیز رو تعاقب کے دوران یہ خود بھی ایک مہلک زخم کھا گیا۔ اس کے بعد تھیسالونیا کا سر کالوجان کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُسے فتح تو نہ ہوئی تھی مگر وہ اپنے اعزاز سے لطف اندوز ہوا۔ ویلے ہارڈوئین کے جیفرے نے تحریر کیا، یا زبانی بیان کیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ گر گیا اور پھر فوت ہو گیا اور اگر وہ بچ بھی گیا ہو اور اس کے بعد بھی رومانیہ کے مارشل کے طور پر کام کرتا رہا ہو، تو اُس کی کامرانیوں کے متعلق ہمارے علم میں کچھ نہیں۔ کسی مہم یا کامرانی کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ جن مشکل حالات میں اُس نے زندگی بسر کی، تاریخ اُس کی صحیح ترجمانی نہیں کرتی۔ قسطنطنیہ کے محاصرے میں اور دردانیال سے آگے اسے ایک بہادر جنگجو کی شہرت حاصل تھی۔ اس کے عزم وحوصلے میں کسی حد تک معقولیت

بھی شامل تھی۔ اپنے مہم جو بھائی کے مقابلے میں اس کا مزاج نرم تھا۔ جب دو جنگیں بیک وقت شروع تھیں جن میں سے ایک ایشیائی یونانیوں کے خلاف تھی اور دوسری یورپ کے بلغاریوں سے لڑی جا رہی تھی تو یہ شخص ہر وقت یا تو بحری جہاز میں ہوتا یا گھوڑے کی پشت پر سوار ہوتا۔ ہر جگہ اپنی افواج کی کامیابی کے لیے کوشاں رہتا۔ وہ ہمیشہ افواج کے سامنے سرنگوں لاطینیوں کے سر اٹھانے کی مثال پیش کرتا کہ اپنے بادشاہ اور ملک کو کس انداز میں بچایا جا سکتا ہے۔ مگر اس کی ان کوششوں کے لیے فرانس سے مالی اور افرادی مدد بہت کم ملتی۔ اکثر غلطیاں ہی سرزد ہوتی رہیں اور یہ شخص ظلم اور بے اعتنائی کا شکار رہتا۔ مگر اس کے باوجود اس نے اپنے ناقابلِ تسخیر دشمن کو ہمیشہ کے لیے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ جب یونانیوں نے مجبور ہو کر کولوجان کو آنے کی دعوت دی۔ تو انھیں اُمید تھی کہ وہ ان کی آزادی کا تحفظ کرے گا اور اُن کے قانون کا تحفظ کرے گا اور وحشی فاتح کو ملک سے باہر نکال دے گا۔ وہ اس کے ان ارادوں کے خلاف تھا کہ تمام آبادی سے اُن کا وطن خالی کرا لیا جائے یا آبادی کو ڈینیوب کی دوسری طرف لے جا کر آباد کیا جائے۔ تھریس کے متعدد دیہات اور قصبات اس سے پیشتر ہی خالی کیے جا چکے تھے۔ فلی پو پولس کا مقام اب صرف کھنڈرات کا ایک ڈھیر تھا۔ ڈیموطیقا کے متعلق بھی ایسی ہی تباہی اور مصیبت متوقع تھی اور اولین مصنفین کے مطابق ہیڈریانوپل انجام بھی اس سے مختلف نہ ہوتا۔ ہنری کے تخت کے متعلق انھوں نے رنج کا اظہار بھی کیا اور تخت نشینی پر اُس کی مدد کرنے کے عمل پر توبہ بھی کی۔ اس کے باوجود شہنشاہ کے مزاج میں اتنی عظمت تھی کہ وہ اُن پر اعتماد کرتا۔ وہ چار ہزار جنگجوؤں مع نائبین و منسلک تیر اندازوں سے زائد افواج کو جمع نہ کر سکا۔ اُس نے مقابلہ کیا اور بلغاریوں کو پسپا کر دیا۔ ہنری کو معلوم ہوا کہ ایک دوست اور دشمن ملک کے مابین کیا فرق ہے باقی تمام شہر بھی اس کی افواج کی وجہ سے محفوظ رہے اور وحشی حملہ آور کو نقصان اور شرمندگی کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ کالوجان کی آخری شرارت یہ تھی کہ اُس نے تھیسالونیکا کا محاصرہ کر لیا جس میں اُسے شکست ہوئی۔ اسے رات کے دوران اُس کے اپنے خیمے میں چھرا گھونپ دیا گیا اور اُس کے جرنیل نے اُسے اپنے خون میں لت پت دیکھا۔ غالباً قاتل بھی یہی شخص تھا۔ اُس نے یہ اعلان کر دیا کہ اسے یہ ضرب سینٹ ڈیمٹری اُوس نے لگائی ہے۔ متعدد فتوحات کے بعد ہنری نے اس کے جانشین کے ساتھ ایک باعزت معاہدۂ امن طے کر لیا۔ نائس کے تینوں یونانی بادشاہوں اور اپی اُوس کو بھی اس میں شامل کر لیا۔ نائس کے بھی اس معاہدے میں شامل ہو گیا۔ اس نے بعض مشکوک سرحدوں سے اپنی افواج ہٹا لیں۔ اس کے باوجود اس کے لیے خاصا علاقہ باقی بچ گیا جس پر یہ خود یا اس کے باجگزاروں کا اقتدار حکومت قائم

رہا۔ اس کی حکومت صرف دس سال تک قائم رہی۔ اگر یہ مختصر عرصہ بھی خوشحالی اور امن میں گزرا۔ کیونکہ یہ شخص اپنے بھائی بالڈون اور بونی فیس کی تنگ نظر حکمتِ عملی کے خلاف تھا۔ اس نے یونانیوں کو فوجی اور سرکاری عہدے بہت آزادی سے عطا کیے۔ اس کی جذباتی اور عملی فیاضی حالات کے مطابق تھی۔ کیونکہ اس وقت تک نائس اور اپی رُوس سے حکمرانوں کو یہ سبق حاصل ہو چکا تھا کہ لاطینیوں کی فوجی قوت ان کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ ہنری کا مقصد ہی یہی تھا کہ ہر قوم کے افراد کو متحد کرے اور لسانی افتراق کی وجہ سے نفرت کا ازالہ کرے۔ مگر وہ دونوں کلیساؤں کا ناممکن اتحاد قائم نہ کر سکا۔ پیلا گیوس پوپ کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے قسطنطنیہ کے کلیسا کا سربراہ تھا۔ اُس نے یونانیوں کے طریقِ عبادت کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر دی تھی اور سختی سے عشر نافذ کر دیا تھا اور روح القدس کی دوہری ولادت کا عقیدہ نافذ کر دیا تھا اور پاپائے روم کی اندھی تقلید کا حکم دے دیا تھا۔ یونانی چونکہ مقابلتاً کمزور فریق تھے۔ اس لیے وہ ضمیر کے فرائض کے حق میں التجا کرتے رہے اور یہ کہتے رہے کہ اُن کے جذبات کو بھی برداشت کیا جائے۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ ہمارے جسموں پر تو قیصر کا حق ہے مگر ہماری ارواح صرف خدا کی ملکیت ہیں۔ شہنشاہ نے مضبوط ارادے کے ساتھ مذہبی تشدد کا خاتمہ کر دیا۔ مگر ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اسی بادشاہ کو خود یونانیوں نے زہر دے دیا۔ اس سے ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان میں شکر گزاری کا کس حد تک جذبہ موجود ہے۔ اس کی بہادری اکھڑ مزاجی کا حصہ تھی جس میں اس کے دس ہزار جنگجوؤں بھی شریک تھے مگر ہنری نے اُس اوہام پرستی کے دور میں بہت بلند حوصلے کا مالک تھا۔ وہ پادریوں کے غرور اور حرص و ہوا کے جذبات کے خلاف تھا۔ سینٹ صوفیہ کے گرجا میں وہ اپنا تخت پادری کے دائیں جانب رکھواتا اور اُس کے اس عمل پر پوپ نے بہت سختی سے نفرت کا اظہار کیا۔ یہ انوسینٹ سوم کا دور تھا۔ اُس نے صرف ایک فرمان جاری کیا جو کلیسائی قوانین کی ایک بدترین مثال ہے۔ جس میں اُس نے جاگیروں کے انتقال کو ممنوع قرار دے دیا۔ بہت سے ایسے لاطینی تھے جو یورپ میں واپس جانا چاہتے تھے۔ اُنھوں نے اپنی املاک کلیسا کے حوالے کر دیں تاکہ روحانی اور مالی فوائد حاصل کر سکیں۔ فوری طور پر ان مقدس زمینوں کو فوجی خدمات سے بھی آزاد کرا لیا گیا اور جہاں پر کہ پہلے لشکریوں کی رہائش تھی، وہاں پر پادریوں کا ایک کالج قائم کر دیا گیا۔

نیک مرد ہنری تھیسالونیکا میں وفات پا گیا۔ وہ اس علاقے کے دفاع میں مصروف تھا۔ اپنے دوست بونی فیس کے ایک نابالغ بچے کے تحفظ کا بھی فرض ادا کر رہا تھا۔ قسطنطنیہ کے پہلے دو شہنشاہوں فلانڈرز

کے کاؤنٹوں کے تمام مرد ختم ہوگئے تھے۔ مگر اُن کی بہن یولینڈے ایک فرانسیسی شہزادے کی ملکہ تھی۔ اس کی اولاد غیر معمولی طور پر زیادہ تھی۔ اُس کی ایک بیٹی نے ہنگری کے بادشاہ اینڈریو سے شادی کر رکھی تھی جو صلیب کا ایک بہادر حامی تھا۔ اُسے بازنطینی تخت پر بٹھا کر رومانیہ کے نوابوں کو یہ فائدہ ہوتا کہ ایک مضبوط ہمسایہ ملک کی افواج بھی اُن کے قبضے میں آجاتیں۔ یہ قوم جنگ آزمائی میں بھی خاصی شہرت کی حامل تھیں مگر اینڈریو ایک سمجھدار انسان تھا، اُس نے وراثت کے قوانین کو مدنظر رکھا اور ملکہ یولینڈے کو اس کے خاوند قورطینے کے پیٹر کے ہمراہ جو ایکرے کا کاؤنٹ بھی تھا، لاطینیوں نے اسے دعوت دی کہ آکر حکومت کا کاروبار سنبھال لے اور مشرقی سلطنت کا تخت و تاج حاصل کر لے۔ پیٹر کا باپ شاہی خاندان سے تھا، اُس کی ماں کا بھی شرفا کی ایک نسل سے تعلق تھا، اور فرانس کے لوگ بھی اس کے حامی تھے۔ کیونکہ وہ ان کے بادشاہ کا حقیقی عمزاد تھا۔ اس کی شہرت بہت اچھی تھی۔ اس کی املاک بہت زیادہ تھیں اور اس کے خون میں صلیبیوں اور ایلیچی سپاہیوں کا خون بھی شامل تھا۔ اس لیے پادریوں کا طبقہ بھی اس کے جوش و خروش اور بہادری سے مطمئن تھا۔ اُن کے وقار میں اس لیے بھی اضافہ ہوتا تھا کہ قسطنطنیہ پر بھی ایک فرانسیسی کی حکومت قائم ہو جاتی۔ مگر عقل مندی کا تقاضا تھا کہ رشک و حسد کی بجائے رحم کے جذبے سے کام لیا جائے۔ اس کی عظمت اور اقتدار سازش اور محض تخیل کا ایک شاہکار تھا۔ اس اقتدار کے حصول کا مقصد یہ تھا کہ اپنے بزرگوں کے نام اور شہرت کو فروخت کر دیا جائے یا کم از کم رہن رکھ دیا جائے۔ اس مصلحت کے تقاضے کے باعث اور خاندانی فیاضی کے پیش نظر جن میں فلپ آگسٹس بھی شامل تھا اور کچھ جنگجوؤں کے جذبات کی انگیخت موجود تھی۔ یہ اپنے ہمراہ ایک سو چالیس جنگجو اور اُن کے پانچ ہزار پانچ سو نائبین کے ساتھ کوہ الپس پار کر گیا۔ اس کے ہمراہ حسب دستور تیر انداز بھی تھے۔ کسی قدر تامل کے بعد پوپ ہونوری اُوس (Honorius) سوم کو کہا گیا کہ وہ قسطنطنیہ کے تخت نشین وارث کی تاجپوشی کر دے۔ اُس نے یہ رسم ادا تو کی مگر اس غرض سے ایک ایسا گرجا منتخب کیا جس کی دیواریں موجود نہ تھیں۔ ورنہ یہ خطرہ تھا کہ اس رسم کی ادائیگی کے بعد وہ قدیم رومی سلطنت کے مرکزی مقام پر بھی قبضے کی خواہش کا اظہار کر دیتا۔ وینس کے لوگ اس کوشش میں مشغول تھے کہ وہ پیٹر اور اس کی افواج کو ایڈریاٹک کے پار پہنچا دیں اور ملکہ کو اس کے چار بچوں سمیت، بازنطین کے شاہی محل میں لے جایا جائے مگر وہ اپنی اس کارکردگی کی قیمت طلب کرتے تھے۔ وہ یہ تھی کہ دورازو کو اپی روس کے موجودہ بازنطینی مطلق العنان حکمران سے آزاد کرا دیا جائے۔ مائیکل انجیلوس یا کومنی نوس جو اس خاندان کا اولین فرد تھا اور اُس نے تھیوڈور کو اپنا جانشین منتخب کر رکھا

تھا، وہ اس کا بھائی تھا اور وہ اس سے قبل لاطینیوں پر ایک دفعہ حملہ بھی کر چکا تھا۔ اس لیے شہنشاہ نے بھی ایک ناکام حملہ کر کے قرضہ چکانے کی کوشش کی۔ مگر پھر جلد ہی محاصرہ اُٹھا لیا۔ کیونکہ اُسے خشکی کے راستے ایک طویل سفر طے کرنا مقصود تھا۔ اُسے دورازو سے تھیسالونیکا پہنچنا تھا۔ وہ جلد ہی اپی رُوس کی پہاڑیوں میں اپنا راستہ بھول گیا۔ تمام دروں کی قلعہ بندی کی جاچکی تھی۔ اس کے پاس جو اشیائے صرف کا ذخیرہ تھا۔ وہ ختم ہو چکا تھا۔ اُس نے ایک غدار کے ساتھ گفت و شنید میں بہت سا وقت ضائع کر دیا تھا اور اس وجہ سے اُسے تاخیر ہوگئی تھی۔ اور قورطینے کے پیٹر کے بعد ایک دعوت میں پاپائے روم کے سفیر کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ فرانسیسی افواج کا کوئی رہنما نہ تھا اور اُنھیں کسی قسم کی کوئی اُمید بھی باقی نہ رہی تھی۔ وہ یہاں تک پہنچ چکے تھے کہ کوئی شخص از راہِ نوازش و رحم و کرم اُن کا اسلحہ لے لے اور کھانے کو کچھ دے دے۔ اس دوران ویٹی کن سے ایک گونج سنائی، تھیوڈور کو انتباہ کیا گیا کہ وہ دین و دنیا کے عذاب میں مبتلا ہونے والا ہے۔ مگر قیدی بادشاہ اور اُس کی افواج کے متعلق کسی کو کچھ یاد نہ تھا اور پاپائے روم کی تمام تنبیہات اُس کے اپنے سفیر تک محدود تھیں۔ جونہی اُس کے سفیر کی رہائی پر اُسے اطمینان حاصل ہوا اور روحانی آزادی کا وعدہ کر لیا گیا تو اس کے بعد اُس کے فوراً اپی روس کے مطلق العنان کو معاف کر دیا اور تحفظ کا یقین دلا دیا۔ اس کے احکام کے فوری اجرا کے نتیجے میں، اہلِ وینس اور ہنگری کے بادشاہ بھی مطمئن ہو گئے اور جہاں تک قورطینے کے پیٹر کا تعلق ہے، اُسے اُس کی فطری یا قبل از وقت موت نے قید سے رہائی دلا دی۔

اس کے انجام کا طویل عرصے تک کوئی پتا نہیں چلا اور بادشاہ کا قانونی وارث بھی منظر عام پر آ گیا۔ اُس کی بیوی یا بیوہ یولینڈے نے بھی کسی نئے بادشاہ کے اعلان کرنے کو مؤخر رکھا۔ اُس کی موت سے قبل مگر اُس المناک دور میں اُس کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اُس کا نام بالڈون رکھا گیا۔ یہ شخص قسطنطنیہ کے لاطینی بادشاہوں میں سے سب سے آخری اور سب سے زیادہ بدنصیب بادشاہ تھا۔ اس کی ولادت سے رومانیہ کے جاگیردار بہت خوش ہوئے۔ اس کی بلوغت میں ابھی طویل عرصہ باقی تھا اور اس کے بڑے بھائیوں کا استحقاق بھی اس پر فائق تھا۔ ان میں سب سے بڑا قورطینے کا فلپ تھا۔ جسے اپنی ماں کی وساطت سے نامور (Namur) کی وراثت حاصل ہوگئی۔ یہ ممکن تھا اگر پیٹر کی یہ خواہش ہوتی کہ سلطنت ملکہ کے زیر سایہ چلتی رہے۔ جب اس نے انکار کر دیا تو پیٹر اور یولینڈے کا دوسرا بیٹا، قسطنطنیہ پر حکومت کرنے کے لیے طلب کر لیا گیا۔ چونکہ اسے اپنے والد کے حادثے کا علم تھا۔ اس لیے اس نے اپنے سفر کے لیے ایک محفوظ راستہ اختیار کیا۔ یہ جرمنی سے

ڈینیوب کے کنارے کنارے روانہ ہوا۔ یہ راستہ اس کی بہن کی شادی کی وجہ سے اس کے لیے کھلا تھا جو شاہ ہنگری کی ملکہ تھی۔ شہنشاہ رابرٹ کی رسم تاجپوشی سینٹ صوفیہ کے کیتھیڈرل میں ادا کی گئی۔ مگر اس کا دور حکومت مصائب اور تذلیل سے بھرپور تھا اور جیسا کہ بالعموم کہا جاتا تھا کہ فرانس کی اس نوآبادی پر نائس کے یونانیوں نے ہر طرف سے یلغار کر دی اور اپی روس نے بھی ایسا ہی کیا اور وہ مملکت کے علاقوں پر قبضہ کرتے رہے۔ اچانک اسے ایک فتح حاصل ہوگئی۔ اس میں اس کے حوصلے کا کوئی دخل نہ تھا، بلکہ اُس کی وجہ کسی کی غداری تھی۔ تھیوڈور اینجیلوس تھیسالونیکا کی حکومت کے علاقوں میں داخل ہوگیا اور کمزور ڈیمٹری اوس کو وہاں سے باہر نکال دیا۔ وہ ماکوئیس بونی فیس کا بیٹا تھا۔ اس نے ہائیڈریانوپل کی فصیل پر اپنا جھنڈا گاڑ دیا۔ اس طرح مخالف شہنشاہوں کی فہرست میں ایک تیسرے یا چوتھے نام کا اضافہ ہوگیا۔ ایشیائی آثار کو جان واطاقیس نے جھاڑو پھیر کر اکٹھا کر لیا۔ یہ تھیوڈور لاسکاری کا داماد اور جانشین تھا۔ اس نے تینتیس سال فاتحانہ حکومت کی اور اس حکومت میں اس نے جنگ و امن دونوں کی خوبیاں جمع کر لیں۔ اس نے ایسا نظم وضبط قائم کیا کہ فرانسیسی تلوار فتح وظفر کا ایک بہانہ بن گئی۔ اس کا سب سے مؤثر ہتھیار یہی تھا اور جب یہ لوگ مغرور ہونے لگے تو اس کے ملک کے خلاف یونانیوں کی فتوحات اور دوبارہ فروغ کے دروازے کھلنے لگے۔ اور یہی عوامل ترقی کی علامت اور اسباب شمار ہونے لگے۔ اس نے ایک بحری بیڑہ تیار کرایا جس کے نتیجے میں یہ دردانیال پر دوبارہ قابض ہوگیا اور لیس بوس اور رہوڈز کے بہت سے جزائر فتح کر لیے اور کانڈیا کے اہل وینس پر حملہ کیا، جس سے مغرب کی طرف سے آنے والی انتہائی ناکافی کمک بند ہوگئی۔ واطاقیس کے خلاف لاطینی شہنشاہوں نے صرف ایک دفعہ فوج روانہ کی اور اس فوج کی شکست کے بعد ماہر اور تجربہ کار جنگجوؤں، جو فی الحقیقت فاتحین کی باقیات میں سے تھے، وہ میدانِ جنگ میں بے یار و مددگار رہ گئے۔ مگر رابرٹ کی گربہ صفتی کے لیے غیر ملکی افواج کی زیادہ قدر و قیمت نہ تھی۔ مگر اس کی وجہ سے اس کی لاطینی رعایا کی بہت بے عزتی ہوئی۔ کیونکہ اُن کا سارا دارومدار شہنشاہ اور سلطنت کی کمزوری پر تھا، جس سے وہ فائدہ اُٹھا رہے تھے۔ اس کی ذاتی کمزوریوں سے پتا چلتا ہے کہ اس کی حکومت کتنی کمزور تھی اور وہ زمانہ کتنا جارح تھا۔ اس شہوت پرست نوجوان نے اپنی یونانی بیوی کو بالکل نظرانداز کر دیا جو واطاقیس کی بیٹی تھی۔ کیونکہ یہ ایک خوبصورت لڑکی کو محل میں داخل کرنا چاہتا تھا جو آرطوئیس کے شریف مگر عام خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کی ماں نے برگنڈی کے شریف نوجوان سے منگنی اس لیے توڑ لی تھی کہ وہ شاہی محل کی چکا چوند سے بہت زیادہ متاثر ہوگئی تھی۔ مگر اس کی محبت غصے میں تبدیل

ہوگئی۔ اُس نے اپنے دوستوں کو جمع کیا اور محل کے دروازے توڑ دیے۔ لڑکی کی ماں کو اُٹھا کر سمندر میں پھینک دیا اور شہنشاہ کی بیوی یا کنیز کی ناک اور ہونٹ کاٹ دیے۔ مجرم کو سزا دینے کی بجائے، جاگیرداروں نے خوشی منائی اور مجرم کے کارنامے کی داد دی۔ رابرٹ کے لیے بطور انسان اور بطور بادشاہ یہ ناممکن تھا کہ اُسے معاف کر دے۔ وہ شخص اس مجرم شہر سے فرار ہوگیا۔ اُس کا مقصد یہ تھا کہ وہ پوپ سے معافی اور انصاف طلب کرے۔ شہنشاہ کو نرمی سے سمجھا دیا گیا کہ وہ شہر سے باہر نہ نکلے۔ اس سے قبل کہ وہ اس حکم کو تسلیم کرتا وہ شرمندگی میں غرق ہوگیا اور اس کی مزاحمت اس کی نامردی کی نذر ہوگئی۔

یہ دور مبارزت کا کرشمہ ہے کہ بہادری ایک عام آدمی کو اُٹھا کر یروشلم اور قسطنطنیہ کے تخت پر بٹھا سکتی تھی۔ یروشلم کی یہ سرپرست حکومت میری (Mary) کے نام سے چل رہی تھی جو ایزابیلا اور مونٹ فراٹ کے کونرڈ کی بیٹی تھی اور المیرک یا اماوری کی پوتی تھی۔ اس کی شادی برائن کے جان سے ہوئی تھی جو شمپین کے ایک شریف خاندان کا فرد تھا۔ عوام اور فلپ آگسٹس کی رائے کے مطابق اس کو ارضِ مقدس کا سب سے بڑا حامی سمجھا گیا اور اس کی حفاظت کا مستحق قرار پایا۔ پانچویں صلیبی جنگ میں دامیطہ پر قبضہ کر لیا گیا اور اس کے بعد جو ناکامیاں ہوئیں اُن کی ذمہ داری پوپ کے نمائندے کے فخر اور لالچ پر ڈال دی گئی۔ جب فریڈرک دوم کے ساتھ اس کی شادی ہوگئی تو اس نے کلیسا کی افواج کی سپہ سالاری قبول کر کے بادشاہ کو ناراض کر لیا۔ اگرچہ اس کی عمر زیادہ ہوگئی تھی اور اسے بادشاہت سے بھی ہٹا دیا گیا تھا۔ مگر برائن کے جان اپنے جذبے اور تلوار کے ساتھ ابھی تک جنگ کے لیے تیار تھا۔ اپنے بھائی کے سات سالہ دورِ حکومت میں قورطنیے کا بالڈون ابھی تک اپنے بچپن سے باہر نہ نکلا تھا۔ جبکہ رومانیہ کے جاگیرداروں کی یہ سخت خواہش تھی کہ وہ تاج و تخت کو کسی اہل ہیرو کے حوالے کر دیں۔ یروشلم کے بادشاہ کو ممکن ہے کہ حکومت میں نیابت کا عہدہ دیا گیا ہو مگر وہ اس پر بھی متفق ہوگئے کہ اسے تاحیات بادشاہی کا خطاب اور صوابدیدی اختیارات دے دیے جائیں اور بالڈون کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ اس کی دوسری بیٹی کے ساتھ شادی کرے اور اس کی جانشینی قبول کر لے۔ قسطنطنیہ کا تخت اسے صرف اُسی وقت ملے گا جب یہ بالغ ہو جائے۔ برائن کے جان کی موجودگی کی وجہ سے لاطینی اور یونانی دونوں خوش ہوئے اور اس کی جنگی مہارت کی تعریف کی گئی۔ اپنی بہادری کا ثبوت مہیا کرنے کے لیے اسے چالیس سال انتظار کرنا پڑا۔ اب اس کی عمر چالیس سال سے زائد ہو چکی تھی اور اس کا قد و قامت اور وزن عام انسانی معیار کے مقابلے میں بہت زیادہ تھا۔ مگر اسے عیش وعشرت اور لالچ کا بہت زیادہ چسکا پڑ چکا تھا اور اس میں کسی

مہم جوئی کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔ دو سال مزید گزر گئے مگر اس نے اپنی عزت اور وقار بحال کرنے کے لیے کوئی کام نہ کیا اور کوئی کارنمایاں بھی انجام نہیں دیا۔ اس نے اپنی افواج ختم کر دیں۔ اس کی آنکھ اُس وقت کھلی جب اسے معلوم ہوا کہ نائس کے بادشاہ واطاقیس نے بلغاریہ کے بادشاہ آزان سے اتحاد کر لیا ہے۔ اُنھوں نے سمندر اور خشکی دونوں اطراف سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اُن کے پاس ایک لاکھ فوج ہے اور تین سو جنگی جہازوں کا ایک بیڑہ ہے۔ جبکہ لاطینی شاہ کی کل فوج ایک سو ساٹھ جنگجوؤں اور کچھ نائٹین اور تیراندازوں پر مشتمل تھی۔ میں یہ بیان کرتے ہوئے کانپ جاتا ہوں کہ اس ہیرو نے شہر کا دفاع کرنے کی بجائے اپنے ساتھ رسالہ لے کر دشمن پر حملہ کر دیا اور اڑتالیس دستوں میں سے صرف تین اس کی تلوار سے بچ سکے۔ اس کی مثال پر عمل کرتے ہوئے افواج اور شہر کے انبوہ کثیر نے بھی دشمن کے بیڑے پر ہلہ بول دیا جو شہر کے قریب ہی ساحل پر لنگر انداز تھا اور ان میں سے پچیس جہازوں کو یہ لوگ کھینچ کر قسطنطنیہ کی بندرگاہ پر لے آئے۔ بادشاہ کے حکم کے مطابق ان جہازوں کو شہر کے دفاع کے لیے مستعد کر لیا گیا۔ تمام رکاوٹوں کو دور کر کے اُن کی پیش قدمی کو روک دیا۔ اگلے سال دوبارہ ان دشمنوں پر ایک اور فتح حاصل کر لی گئی۔ اس عہد کے گستاخ شعرا نے برائن کے جان کا ہیکٹر، رولینڈ اور جوداس میکابیوس سے موازنہ کیا ہے۔ مگر اُن کا استحقاق اور اس کی فتوحات کا کچھ اندازہ یونانیوں کی خاموشی سے ہو جاتا ہے۔ مگر اس سلطنت نے اپنا آخری محافظ اور حامی بھی جلد ہی کھو دیا اور موت کے وقت شہنشاہ کی آخری خواہش یہ تھی کہ جب وہ بہشت میں داخل ہو تو فرانسسکی راہب کے لباس میں ملبوس ہو۔

برائن کے جان کی دو فتوحات کے دوران مجھے اس کے شاگرد بالڈون کا نام کہیں نظر نہیں آتا۔ نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بھی کوئی کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ اگرچہ اُس کی عمر اتنی ہو چکی تھی کہ وہ فوجی خدمات ادا کر سکے۔ اس کے منہ بولے باپ نے اسے اپنے بستر مرگ پر اسے اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ اس نوجوان کو ایسی مشغولیت میں لگا دیا گیا تھا جو اس کے مقام کو زیب دیتی تھی اور اس کے مزاج کے مطابق تھی۔ اُسے مغربی درباروں میں بطور سفیر بھیجا گیا تھا، بالخصوص پوپ کے دربار میں، علاوہ ازیں شاہ فرانس کے دربار میں اس غرض سے روانہ کیا گیا تھا کہ وہ وہاں پر یونان کی زبوں حالی کا بیان کرے اور اُن کے دل میں رحم کے جذبات پیدا کرے تا کہ وہ اس ڈوبتی ہوئی حکومت کی ناؤ کو سہارا دے کر بچائیں اور مالی اور افرادی امداد فراہم کریں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی غیر حاضری کو طول دینا چاہتا ہے اور زیادہ عرصے تک بیرونِ ملک قیام کرنا چاہتا

ہے۔ اُس کے پچیس سالہ دورِ حکومت کے زیادہ تر سال اُس نے غیر ممالک میں گزار دیے اور اپنے ملک میں اُس کا قیام مقابلتاً کم عرصے رہا۔ وہ اپنے آپ کو اپنے ملک کے سوا دُنیا کے تمام ممالک میں زیادہ محفوظ سمجھتا تھا اور اپنے دارالحکومت کو تو وہ قطعاً غیر محفوظ سمجھتا تھا۔ بعض مواقع پر اُس کے جذبۂ افتخار کو اطمینان ہوتا تھا۔ جب اُسے آگسٹس کے خطاب اور شہنشاہی کے اعزاز کا خیال آتا اور لائی اون کی جنرل کونسل میں جب فریڈرک دوم کو ترک تعلق اور معزولی کی سزا دی گئی تھی تو اُس کا مشرقی دوست اُس وقت پاپائے روم کے دائیں جانب تخت نشین تھا۔ مگر کسی کی غیر حاضری اور بیرونِ ملک قیام کو قانونی تحفظ دیا جا سکتا ہے۔ اس کا شاہی بستر ہمیشہ بندھا رہتا۔ لوگ اسے قابلِ نفرت سمجھتے اور ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے۔ اس کی تذلیل کرتے اور رحم کھاتے۔ یہ اپنے آپ کو اپنی نظروں میں بھی حقیر سمجھتا اور قوم کی نظروں میں بھی اس کی کوئی عزت باقی نہیں رہی تھی۔ بعض اوقات اسے سخت ندامت کا سامنا کرنا پڑتا۔ جب یہ کسی آزاد ملک میں داخل ہونے کی کوشش کرتا۔ کچھ تاخیر کے بعد بالڈون کو اجازت مل گئی کہ وہ اپنا سلسلۂ سفر جاری رکھے۔ اگرچہ اسے مہذب سرد مہری ہی سے خوش آمدید کہا گیا۔ لالچی روم کی طرف سے تو اسے صرف سات سو مارک ملے جو اس نے شکریے کے ساتھ قبول کر لیے۔ البتہ اسے صلیبی جنگ کی اجازت مل گئی۔ اسے جو نقدی ملی وہ ایسے سکے میں تھی جس کی قیمت متعدد بار گر چکی تھی۔ یہ اتنا بد قسمت کہ اسے اپنے عمزاد کی فیاضی پر گزر اوقات کرنی پڑتی۔ جسے اس کا جانشین بنانے کے تجویز پیش کر دی اور وہ لیویس نہم کے نام سے مشہور ہوا۔ مگر اس فقیر کا بھی سارا جنگی جوش، قسطنطنیہ کی بجائے مصر اور فلسطین کی طرف منتقل ہو گیا۔ مگر اس کے افلاس کو وقتی طور پر کچھ سہارا مل گیا۔ نامور اور قورطنے کے خاندان نے اس کی مدد کی۔ یہی علاقے اسے وراثت میں ملے تھے، جو اس کے پاس باقی تھے۔ ان شرمناک یا تباہ کن مہمات کے بعد یہ دوبارہ رومانیہ کی طرف روانہ ہوا۔ اب اس کے ہمراہ تیس ہزار فوجیوں کا لشکر تھا۔ یونانیوں کو عدم شمولیت کی بنا پر اپنی گرفتاری کا خوف تھا۔ اس لیے اس فوج میں تیس ہزار مزید فوجی شامل ہو گئے اور ان کی تعداد دگنی ہو گئی۔ اس نے جو اولین مراسلات فرانس اور انگلستان کو ارسال کیے۔ اُن میں اپنی فتوحات اور کامیابیوں کا ذکر کیا۔ اس نے اتنا علاقہ فتح کر لیا تھا جو دارالحکومت سے تین دن کی مسافت پر تھا۔ اگر یہ اہم مگر گمنام شہر کے خلاف کامیاب ہو گیا تھا۔ (غالباً یہ شہر قی اورلی تھا) تو اس کی وجہ سے سرحد مضبوط ہو گئی تھی اور بیرونی ممالک سے رابطے کا راستہ کھل گیا ہوگا۔ مگر یہ مہمات (اگر بالڈون مخلص تھا) جلد ہی ایک خواب کی طرح غائب ہو گئیں۔ فرانس کے خزائن اور افواج اس کے ناتجربہ کار ہاتھوں میں تباہ ہو گئیں اور لاطینی تخت کے تحفظ

کے لیے ترکوں اور کمانوں سے ایک ذلت آمیز اتحاد کرنا پڑا۔ ترکوں سے اتحاد کی قیمت میں اسے سلطان کو اُس کا کوگنی میں واقع محل واپس کرنا پڑا اور ثانی الذکر سے معاہدے کے لیے اُسے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ وہ اُن کی کافرانہ رسوم کے دوبارہ اجرا پر کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔ دونوں افواج کے درمیان ایک کتا قربان کیا گیا اور جن فریقوں کے مابین معاہدہ ہوا تھا۔ انھوں نے ایک دوسرے کا خون چکھا۔ یہ اس امر کی ضمانت تھی کہ وہ ایک دوسرے سے وفا کریں گے۔ آگسٹس کا یہ جانشین محل میں تھا یا قید خانے میں کیونکہ اس کے بعد اس نے اُس پاس کے تمام گھر گرا دیے تاکہ سردیوں کے لیے ایندھن حاصل ہو سکے۔ اس کے بعد خاندان کے روزانہ کے اخراجات پورے کرنے کے لیے اس نے گرجا گھروں سے سیسہ اُتار کر بیچ دیا۔ کچھ قرضہ اس نے سود پر حاصل کیا جو اطالوی سوداگروں نے ہاتھ کھینچ کر دیا اور وہ اپنے بیٹے اور وارث فلپ کو وینس میں بطور یرغمال سوداگروں کے پاس چھوڑ آیا۔ بھوک، پیاس اور عریانی اثباتی مسائل ہیں۔ مگر دولت ایک اضافی امر ہے مگر وہ بادشاہ جو اپنی نجی حیثیت سے بھی امیر ہو، جب اُس کی ضروریات اُس کے وسائل کے مقابلے میں بڑھ جائیں تو اُسے افلاس کی تلخ حقیقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان ذلت آمیز مایوس حالات میں بھی بادشاہ اور سلطنت کے پاس معتدبہ خزانے موجود تھے۔ اس کے باوجود یہ لوگ عیسائی دنیا سے مدد کی بھیک مانگتے رہتے تھے جو اصل صلیب تھی۔ اُس کی صورت بہت مسخ ہو چکی تھی۔ اُسے متعدد بار تقسیم کیا گیا تھا اور یہ صلیب دیگر مذاہب کے افراد کے پاس طویل عرصے تک رہی تھی۔ اس کے اُن ٹکڑوں کی حقیقت بھی مشکوک تھی، جو مشرق و مغرب میں دکھائے جا رہے تھے۔ مگر قسطنطنیہ کے گرجے میں ایک اور قدیم شے رکھی ہوئی تھی۔ یہ کانٹوں کا وہ تاج تھا، جو حضرت عیسیٰؑ کے سر پر پہنایا گیا تھا۔ یہ بھی بہت قیمتی سمجھا جاتا تھا اور اس کے اصل ہونے میں بھی کوئی شک نہیں تھا۔ قدیم مصریوں کی یہ رسم رہی ہے کہ وہ اپنے والدین کے حنوط سنبھال کر رکھتے تھے۔ اُن کے خیال تھا کہ اس سے اُنھیں تحفظ حاصل رہے گا اور وقار اور مذہب اس حلف کے باعث محفوظ رہے گا۔ اسی انداز میں شہنشاہ کی غیر حاضری میں رومانیہ کے جاگیرداروں نے تیرہ ہزار ایک سو چونتیس طلائی ٹکڑے مقدس تاج کی ضمانت پر ادھار لیے۔ وہ اپنا معاہدہ پورا کرنے میں ناکام رہے۔ وینس کے ایک امیر شخص نکولس توریلی نے یہ حالات سمجھ کر بے صبر قرض خواہوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ اُس نے صرف یہ شرط رکھی کہ یہ قدیم سرمایہ وینس میں رکھا جائے اور یہ اُس صورت میں اس کا بلاشرکت غیرے ملکیت ہوگا۔ اگرچہ یہ قرضہ مقررہ مختصر مدت میں ادا نہ کیا جا سکا۔ جاگیرداروں نے اپنے بادشاہوں کو اس سخت معاہدے کی اطلاع دی اور متوقع نقصان کے

متعلق بھی بتایا۔ مگر بادشاہ اس قابل نہ تھا کہ سات ہزار پاؤنڈ کا تاوان ادا کر سکے مگر بالڈون اس کے لیے بے تاب تھا کہ وہ وینس کے باشندوں سے یہ قیمتی سرمایہ چھین لے اور اسے زیادہ احترام سے ایک عیسائی بادشاہ کے پاس محفوظ کر دے۔ اس کے باوجود دورانِ گفتگو باہمی آداب اور معاملے کی نزاکت کا خیال رکھا گیا۔ جب اس قدیم آثار کی خرید کا وقت آیا تو ولی نے متعلقہ شخص کے جرم کا تذکرہ شروع کر دیا۔ اگر گفتگو کا انداز بدل دیا جاتا، وہ یہ قرض بھی ادا کرنے کو تیار تھا اور تحفہ بھی قبول کر لیتا اور اپنی ذمہ داریاں نبھانے پر بھی تیار ہو جاتا۔ اس نے دو ڈومینیکی (Dominican) سفیروں کو وینس روانہ کر دیا گیا تاکہ وہ مذکورہ تاج کو بازیاب کرا لیں تاکہ اپنا قرض ادا کر سکیں۔ یہ وینس کے جہازوں اور دیگر خطرات سے بچ کر وینس پہنچ گیا تھا۔ جب لکڑی کا ایک صندوق کھولا گیا تو اُنھوں نے وینس کے بادشاہ کی مہریں پہچان لیں اور جاگیرداروں کے دستخط بھی اصلی تھے جو ایک چاندی کی تختی پر کندہ کیے گئے تھے اور جذبات کے اس ماحصل کو اسی ڈبے میں دوبارہ بند کر دیا گیا اور پھر اسے ایک طلائی برتن میں رکھ دیا گیا۔ اگرچہ وینس کے باسی اس پر متفق نہ تھے۔ اس کے باوجود وہ انصاف اور قوت کے سامنے جھک گئے۔ شہنشاہ فریڈرک نے اجازت دے دی کہ اسے آزادانہ اور باوقار راستہ مہیا کر دیا جائے۔ حکومتِ فرانس نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ اس مقدس آثار کو شمپین کے شہر ٹرائے تک پہنچا دیں گے اور وہاں پر ان کے نمائندے استقبال کے لیے بھی موجود ہوں گے۔ بادشاہ نے بذاتِ خود اسے پیرس تک پہنچا دیا وہ ننگے پاؤں تھا اور صرف ایک قمیص پہنے ہوئے تھا۔ فرانس کی طرف سے دس ہزار فرینک بطور تحفہ بھی پیش کیے گئے تاکہ بالڈون کے نقصان کی تلافی ہو سکے۔ اس معاملے میں کامیابی سے لاطینی بادشاہ کی حوصلہ افزائی ہوئی کہ وہ اپنے گرجا گھر کا باقی ماندہ فرنیچر بھی اسی انداز میں پیش کر دے۔ اُس میں اصل صلیب کا ایک بڑا اور مستند حصہ بھی موجود تھا اور حضرت عیسیٰؑ کے بچپن کے زمانے کے کپڑے بھی موجود تھے۔ ایک نیزہ ایک اسفنج اور ایک زنجیر تھی، عصائے موسیٰ تھا اور سینٹ جان اصطباغی (The Baptist) کی کھوپڑی کا بھی ایک حصہ تھا۔ ان تحائف کو وصول کرنے کے لیے سینٹ لوئیس سے بیس ہزار مارک خرچ کر کے ایک عمارت کی بنیاد رکھی۔ اسی بنیاد پر بعد میں پیرس کا وہ گرجا تعمیر ہوا، جس پر باؤلیو نے ایک مزاحیہ نظم لکھی۔ ماضی بعید کے ان قدیم آثار کو جن کے حقیقی ہونے کے بارے میں کوئی معقول ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا۔ انھیں وہ لوگ بھی تسلیم کر لیں گے جو معجزات پر اعتقاد نہیں رکھتے۔ دورِ آخر کے وسط میں کسی شخص کو ایک لاعلاج زخم ہو گیا۔ اس نے اُس زخم میں اس تاج کا ایک کانٹا لے کر چبھویا اس پر کچھ لوگوں نے یقین کر لیا مگر وہ لامذہب لوگ تسلیم نہ کر سکے جو مذہب

کے معاملات پر اعتقاد نہ رکھتے تھے۔

قسطنطنیہ کے لاطینیوں کے گرد ہر طرف سے گھیرا ڈال دیا گیا اور سخت دباؤ ڈالا گیا۔ اب اُن کی صرف ایک اُمید باقی رہ گئی تھی کہ اُن کی تباہی میں زیادہ سے زیادہ تاخیر ہو سکے۔ یونانیوں اور ان کے اتحادی بلغاریوں کے مابین افتراق پیدا ہو سکتا تھا۔ ان کی یہ اُمید بھی واطاقیس کی اعلیٰ حکمتِ عملی کی وجہ سے بر نہ آئی۔ جو نائس کا شہنشاہ تھا۔ پونطس سے لے کر پامفیلیا کے پتھریلے ساحل تک اس کی حکومت کے تحت ایشیا میں خوشحالی اور امن وسکون کا دور دورہ تھا اور ہر واقعے کے انجام پر یورپ میں اس کے اثر ونفوذ میں اضافہ ہو جاتا۔ مقدونیہ کے پہاڑی شہروں کا دفاع بہت مضبوط تھا اور بلغاریوں سے تھریس واپس لے لیا گیا تھا اور اُن کی حکومت کے حسن انتظام کی وجہ سے سرحدوں کا دفاع، ڈینیوب کے جنوبی کنارے تک تھا اب رومیوں کا بادشاہ اس پر فخر نہ کر سکتا تھا کہ وہ ایپی روس کا بھی بلا شرکت غیرے حکمران ہے۔ مغرب میں کومنینی خاندان کا ایک اور بادشاہ بھی موجود تھا جو اس کے اس وعدے کی تردید کر سکتا تھا اور اس سے اختلاف بھی کر سکتا تھا اور عاجز مزاج ڈیمطری اُوس نے اپنے خلعت کا رنگ تبدیل کر لیا اور مطلق العنان بادشاہ کے خطاب کو شکریے سے قبول کر لیا۔ اس کی کمینگی سے خود اس کی رعایا بھی تنگ تھی۔ اس کی نااہلی اس کے علاوہ تھی۔ وہ اپنے فرمانروائے اعلیٰ سے تحفظ کے خواہش مند تھے۔ کسی قدر مزاحمت کے بعد تھیسالونیکا کی حکومت نائس کی حکومت کے ساتھ متحد ہو گئی اور واطاقیس خلیج ایڈریاٹک کے ساحل سے لے کر ترکی کی سرحد تک بلا شرکت غیرے حکومت کرتا رہا۔ یورپ کے بادشاہ اس کے استحقاق اور قوت کا احترام کرتے رہے اور اگر وہ راسخ العقیدہ جماعت میں شامل ہوتا تو پوپ بلا مزاحمت لاطینی تخت بھی اس کے حوالے کر دیتا اور قسطنطنیہ بھی اس کی تحویل میں دے دیتا۔ مگر واطاقیس کی موت سے تھیوڈور کی مختصر مگر مصروف حکومت کو بھی ختم کر دیا جو اُس کا بیٹا اور جانشین تھا۔ اس کا پوتا جان ابھی نابالغ تھا۔ اس وجہ سے یونانیوں کی بحالی معطل ہو کر رہ گئی۔ اگلے باب میں، میں ان کے داخلی انقلابات کا ذکر کروں گا لیکن اس موقع پر میں صرف یہی تبصرہ کروں گا کہ نوجوان شہزادے پر اس کے ساتھی اور سرپرست نے بہت زیادہ دباؤ ڈالا۔ مائیکل پلائیولوگوس میں اُن تمام خوبیوں اور بُرائیوں کا اظہار ہوتا رہتا تھا، جو کسی نئے خاندان کے بانی میں موجود ہوتی ہیں۔ شہنشاہ بالڈون کو اس پر بڑا فخر تھا کہ وہ اپنی کمزور گفت وشنید سے بعض صوبے اور علاقے واگزار کرا لے گا۔ اس کے سفیروں کو نائس سے مذاق اُڑوا کر اور بے عزتی کر کے باہر نکال دیا گیا۔ ہر وہ مقام جس کا وہ نام لیتے، پالائیولوگوس یہ کہتا کہ اس کی بعض مخصوص وجوہات تھیں جن کی

وجہ سے یہ علاقے اُس کی نظروں میں بہت اہم ہیں اور اُسے عزیز ہیں۔ ایک کے متعلق اُس نے کہا کہ وہ وہاں پیدا ہوا تھا۔ دوسرے کے متعلق اُس نے کہا کہ اُسے اسی علاقے میں فوجی ملازمت اختیار کرنے کا شوق ہوا۔ تیسرے کے متعلق اُس کا کہنا تھا کہ وہ اس علاقے میں شکار کھیلتا ہے اور اُس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ نائبین اس پر ششدر رہ گئے اور اُنھوں نے دریافت کیا کہ "تم ہمیں کیا دینا چاہتے ہو؟" اس کے جواب میں یونانی نے کہا کہ میں آپ لوگوں کو کچھ بھی نہیں دینا چاہتا۔ ایک فٹ زمین بھی نہیں دینا چاہتا۔ اگر تمھارا آقا امن چاہتا ہو، تو اُسے حسب دستور مجھے سالانہ خراج ادا کرتے رہنا چاہیے اور وہ تمام رقم مجھے ادا کر دینی چاہیے جو اُسے تجارت اور چونگی کی مد میں وصول ہوتی ہے۔ ان شرائط کے تحت میں اُسے حکومت کرنے کی اجازت دے دوں گا۔ اگر اُس نے انکار کیا تو اس کے نتیجے میں جنگ ہوگی اور میں فن حرب سے ناآشنا نہیں ہوں۔ نتیجہ میرے خدا اور تلوار کی مدد سے طے ہوگا۔ ایپی روس کے مطلق العنان کے خلاف مہم اس کی افواج کا پہلا معرکہ تھا۔ شکست کے بعد بھی اُسے فتح حاصل ہوگئی۔ اگر اینجلی یا کومنینی کی نسل باقی رہ گئی۔ کومنینی یا اینجلی بچ کر پہاڑوں میں چلا گیا۔ اس نے بچنے کی کوشش کی مگر قید کر لیا گیا۔ ویلے ہارڈوئیں کا یہی انجام ہوا۔ آقائیہ (Achaia) کے بادشاہ نے لاطینیوں کو متعدد بہادر اور مضبوط اتحادیوں سے محروم کر دیا۔ اگرچہ اُن کی حکومت ویسے بھی تباہی کے کنارے لگی ہوئی تھی۔ وینس اور جینیوا کی حکومتیں اپنی پہلی بحری جنگ میں نفاق کا شکار ہو گئیں۔ بحری کمان اور مشرق سے تجارت اختلاف کا باعث تھی۔ افتخار اور مفادات نے اُنھیں قسطنطنیہ کے دفاع پر مجبور کر دیا۔ ان کے حریف دشمن کے منصوبے پر گہری نظر رکھتے تھے۔ غناسطیوں نے بدعتی فاتحین سے اتحاد کر لیا۔ اس کے نتیجے میں لاطینی کلیسا کے جذبات برانگیختہ ہو گئے۔

اسے اپنے مفاد سے بہت دلچسپی تھی۔ شہنشاہ مائیکل نے بذاتِ خود تھریس کے دفاع اور قلعہ بندیوں کا معائنہ کیا اور اُنھیں مضبوط بنایا اور لاطینیوں کی باقیات کو بھی اُن کے مقبوضات سے باہر نکال دیا۔ اس نے غلاطہ کے مضافات پر بھی قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی اور ایک غدار جاگیردار سے خط وکتابت بھی کی۔ مگر یہ ثابت ہوا کہ وہ دارالحکومت کے دروازے یا تو کھولنا نہیں چاہتا یا اس قرض کی ادائیگی کے قابل نہیں۔ اگلے موسم بہار میں اس کے منظورِ نظر جرنیل الیکسی اُوس سطراطے گوپولوس نے جسے وہ قیصر کا خطاب دے چکا تھا۔ دردانیال کو عبور کر لیا۔ اس کے ہمراہ آٹھ سو رسالے کے سوار اور کچھ پیدل فوج تھی۔ اُسے ایک خفیہ مہم پر روانہ کیا گیا تھا، اسے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ حالات کو سہنے اور بعض معاملات اپنی آنکھوں سے دیکھے مگر کسی خطرناک مہم جوئی

میں اپنے ہمراہیوں اور اپنی ذات کو خطرے میں نہ ڈالے اور شہر میں دخل اندازی نہ کرے۔ اس کے قریب کا علاقہ جو پروپونطس اور بحیرۂ اسود کے درمیان واقع تھا، ایسے کسانوں اور قانون شکن لوگوں کے قبضے میں تھا۔ جو اسلحے کے استعمال سے بخوبی واقف تھے۔ اُن کی کسی سے وفاداری بھی مشکوک تھی۔ مگر وہ اپنے مذہب اور زبان کے حوالے سے یونان کی موجودہ حکومت کی طرف مائل تھے۔ انھیں رضا کاروں کا اسلوب پسند تھا۔ ان کی بلا معاوضہ خدمات، تھریس کی باقاعدہ فوج اور کمان (Coman) کی اضافی افواج ملا کر کل تعداد پچیس ہزار افراد سے زائد ہو جاتی۔ اسے جب رضا کار مل گئے اور اس کی اپنی فوج میں بھی اضافہ ہو گیا تھا، تو اب یہ بادشاہ کے احکام کی خلاف ورزی پر تیار ہو گیا۔ اس کا خیال یہ تھا کہ اگر یہ کامیاب ہو گیا تو اسے معافی بھی مل جائے گی اور انعام بھی ملے گا۔ قسطنطنیہ کی حالت کمزور تھی اور لاطینی خوف زدہ ہو کر مایوس ہو چکے تھے۔ نیز وہ ان رضا کاروں کی کارکردگی سے بھی بخوبی آشنا تھے۔ اس لیے جرنیل نے یہ مناسب سمجھا کہ رومیوں کی پریشانی سے فائدہ اُٹھانے کے لیے حملہ کرنے کا یہ سب سے اچھا موقع ہے۔ اس علاقے کا گورنر وینس کا ایک نوجوان تھا، وہ اپنے ساتھ تمیں جہازوں کا بیڑہ اور بہترین فرانسیسی افواج کو لے کر ایک بے مقصد مہم ڈیفنوسیا کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ یہ بحیرۂ اسود کے کنارے واقع ایک قصبہ تھا اور چالیس لیگ دور تھا اور باقی ماندہ لاطینیوں کے پاس کوئی قوت نہ تھی اور انھیں کسی قسم کا کوئی شک بھی نہیں تھا۔ اُنھیں اطلاع مل گئی تھی کہ الیکسی اُوس نے دردانیال کو عبور کر لیا ہے۔ ان کی بے عقلی سے انھیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کی افواج میں کس قدر اضافہ ہو چکا ہے۔ اگر وہ اپنی افواج کا اصل حصہ بوقتِ ضرورت مدد کرنے کے لیے چھوڑ دے تو یہ رات کے اندھیرے میں صرف منتخب لشکریوں کے ہمراہ پیش قدمی کر سکتا ہے جبکہ بعض فوجیوں نے رسوں کی سیڑھیاں ایسی فصیلوں پر لگا دیں جو مقابلتاً اونچائی میں کم تھیں۔ اُنھیں ایک بوڑھے یونانی نے ایسے مقامات کی نشان دہی کر دی تھی۔ اُس نے اُنھیں ایک زیرِ زمین راستے کا بھی پتا دیا تھا جو اُس کے اپنے گھر تک پہنچتا تھا۔ وہ جلد ہی شہر کے اندر پہنچ کر دروازوں کو توڑنے لگے اور طلائی دروازے کے راستے شہر میں داخل ہو گئے۔ اس دروازے کا طویل وقت تک دفاع کیا گیا تھا اور فاتح شہر کے قلب میں پہنچ گیا تھا۔ اس سے قبل کہ لاطینیوں کو پتا چلتا کہ اُن کے ساتھ کیا بیت چکی ہے اور اُنھیں کیا خطرات درپیش ہیں۔ تھوڑی سی بحث کے بعد قیصر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ بھی رضا کاروں کی جماعت کے عقائد اختیار کر لے گا۔ کیونکہ وہ قابلِ اعتبار، بہادر اور کامیاب تھے۔ مگر جونہی الیکسی اُوس طلائی دروازے کے اندر داخل ہوا، وہ اپنی جلد بازی کی وجہ سے کانپ اُٹھا۔ وہ کچھ دیر رُک گیا اور سوچنے لگا۔ یہاں

تک کہ بہادر رضا کاروں نے اُسے مشورہ دیا کہ آگے بڑھو اور یقین رکھو کہ پسپائی بہت زیادہ خطرناک ہے۔ جبکہ قیصر نے اپنی افواج کو ایک مستقل مقام پر جمع کر رکھا تھا۔ کمانوں نے اپنے آپ کو شہر کے تمام علاقوں میں پھیلا دیا اور لوٹ مار اور آگ سے ڈر کر شہریوں نے مستقل شکست تسلیم کرنے کی پیشکش کی۔ قسطنطنیہ کے یونانی اپنے شہنشاہ کے اعصاب سے بخوبی واقف تھے۔ جینوا کے سوداگر اور ان کے وینس کے اتحادی، ہر شخص نے اسلحہ اُٹھا رکھا تھا اور فضا میں یہ نعرے بلند ہونے لگے کہ مائیکل کو فتح مبارک ہو اور مائیکل زندہ باد اور جان ہی رُومیوں کا شہنشاہ ہو گا۔ اس شور وغل کی وجہ سے ان کا حریف بالڈون بھی جاگ اُٹھا۔ مگر اُس نے خطرات سے ڈر کر اپنی تلوار اُٹھانے کی جرأت نہ کی۔ وہ غالباً اس پر خوش تھا کہ فرار ہو گیا ہے۔ بھاگ جانے کا اُسے کوئی افسوس نہ تھا وہ محل سے نکل کر ساحل سمندر پر چلا گیا اور اُن جہازوں میں سے ایک پر سوار ہو گیا جو ایک ناکام اور بے مقصد مہم سے واپس آ رہے تھے۔ یہ بیڑہ ڈیفنوسیا سے واپس آ رہا تھا۔ قسطنطنیہ تو ہمیشہ کے لیے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ مگر لاطینی شہنشاہ اور دیگر اہم خاندان وینس کے جہازوں پر سوار ہو گئے اور یوبوئیا کے جزیرے کی طرف روانہ ہو گئے اور بعد ازاں اٹلی چلے گئے وہاں پر مغرور بادشاہ کو پوپ اور صقلیہ کے بادشاہ نے خوش آمدید کہا۔ ان پر رحم بھی کیا گیا اور ان کی تذلیل بھی ہوئی۔ قسطنطنیہ کے فرار سے لے کر اس کی موت تک تیرہ سال گزر گئے اور اس دوران یہ کلیسا سے درخواستیں کرتا رہا کہ اسے اس کی سلطنت پر دوبارہ بحال کر دیا جائے۔ اسے اپنی جوانی کے زمانے سے ہی ایسے سبق ملتے رہے تھے۔ متعدد دفعہ یہ ذلیل ہو کر فرار ہوتا رہا تھا۔ اس سے قبل یہ تین دفعہ فرار ہو کر یورپ کے درباروں میں شرمندگی اُٹھانے کا تجربہ کر چکا تھا۔ اس کا بیٹا فلپ ایک تصوراتی سلطنت کا ولی عہد تھا۔ اس کی بیٹی کتھرائن کی ویلوئیس کے چارلس سے شادی ہوئی تھی جو کہ شاہ فرانس خوبرو فلپ، دی فیئر (The Fair) کا بھائی تھا۔ قورطینے کے خاندان میں کوئی مرد باقی نہ رہا تھا اور اس کا سلسلہ نسل عورتوں کے وجود سے چلا۔ جس کی بنیاد متعدد اتحادوں پر مبنی تھی اور بعض عام آدمیوں کو شاہ قسطنطنیہ کا خطاب دے دیا جاتا جو عجیب وغریب محسوس ہوتا۔ یہ فربہ بادشاہ گوشۂ گمنامی میں مر گیا۔

لاطینیوں کی ان مہمات کے بیان کے بعد، جو فلسطین سے قسطنطنیہ تک پھیلی ہوئی ہیں۔ میں اُن ممالک کا ذکر کرنے کی کوشش کروں گا جو ان حالات سے متاثر ہوئے، یا جنھوں نے صلیبی جنگوں میں عملی حصہ لیا۔ جونہی فرینکوں کی افواج کو ہٹا لیا گیا تو مصر اور شام کے مسلمانوں پر ایک خاص اثر مرتب ہوا۔ اگرچہ انھیں ماضی کے تمام واقعات بخوبی یاد تھے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے کبھی بھی کفار کے قوانین اور زبان کے مطالعے

سے نفرت نہیں کی۔ ابھی تک اُن کی گفتگو میں اپنے آباواجداد کی سادگی موجود تھی۔ خواہ یہ گفتگو امن کے لیے ہو یا جنگ کے لیے، اُن کے براہِ راست اندازِ بیان کی بے تکلفی میں کوئی فرق پیدا نہ ہوا۔ یونانی اگرچہ فخر کے عادی تھے مگر وہ اُن کے مقابلے میں ناکام رہے۔ بہرحال ان کا رویہ بے لچک ہی رہا۔ مگر اس کی شدت میں ضرور کمی آ گئی اور ہر معاملے میں مسلمانوں کی تقلید کرنے لگے۔ اپنی سلطنت کی بازیابی کے لیے انھوں نے جو کوششیں کیں، اُن میں انھوں نے مسلمانوں کی جرأت، نظم و ضبط اور اُنھیں تدابیر کا مظاہرہ کیا جو ان کے دشمن ان کے خلاف کرتے رہے تھے۔ مغرب کے جدید ادب کو اگرچہ مسلمان اچھا نہیں سمجھتے مگر اس کے مطالعہ سے انھیں انسانی حقوق کا شعور پیدا ہوا اور انفرادی اور اجتماعی اداروں کا تصور مسلمانوں نے فرانس سے حاصل کیا۔ جب یونانیوں اور اطالویوں کے مابین خط و کتابت ہوئی تو اس سے لاطینی زبان کی اہمیت بڑھ گئی۔ اگرچہ بعض علما اور عیسائیوں نے اس کے یونانی ترجمے کو اہمیت دی مگر اس کے بعد مشرقی اقوام کی مذہبی عصبیت میں اضافہ ہو گیا اور ان وجوہات کی بنا پر تشدد بھی ہوا۔ جب لاطینیوں نے یونان پر حکومت کی تو اس عصبیت میں مزید اضافہ ہو گیا اور دو علیحدہ علیحدہ کلیسا وجود میں آ گئے۔

اگر ہم صلیبی جنگوں کے دور کا مغربی لاطینیوں اور مشرقی عربوں اور یونانیوں کا باہم موازنہ کریں اور ہر ایک کے علوم و فنون اور صنعت و حرفت کا جائزہ لیں تو ہمارے (یورپ کے) آباواجداد کو تیسرے درجے پر ہی قناعت کرنی پڑے گی۔ بین الاقوامی معیار کے مطابق انھیں یہی مقام مل سکتا ہے۔ یورپ میں نہ تو وہ توانائی تھی اور نہ ہی اکتساب کا سلیقہ تھا۔ ان کے مہذب حریف ان سے کہیں بڑھ کر تھے۔ مغربی اقوام علم اور تہذیب و ثقافت میں بہت پیچھے تھیں اور ایک ہی مقام پر منجمد تھیں۔ اس موقع سے لاطینیوں نے اُن شہروں سے خوب فائدہ اُٹھایا ہو جن کو انھوں نے فتح کر لیا تھا۔ واقعات کے سلسلوں سے اُنھیں دُنیا کے معاملات کا تجربہ ہوا۔ اُنھیں اُن اقوام سے بالمشافہ گفتگو کرنے کا موقع ملا جو تہذیب و تمدن اور علم و فن میں ان سے بہت آگے تھیں۔ مشرق کے ممالک تجارت، زراعت اور صنعت و حرفت میں بہت آگے تھے۔ اُنھیں ایسے شعبوں میں مہارت حاصل تھی جن میں دولت کی پیاس کی تسکین ہو۔ یورپ کو ان فنون کے اکتساب کی ضرورت بھی تھی اور ان کے بغیر وہ اپنا وقار بھی قائم نہ رکھ سکتے تھے، جاہل عوام کی بھیڑ میں، جو سوچ و بچار سے بھی عاری تھے اور عصبیت میں مبتلا تھے، کبھی کبھی کوئی صلیبی جو قاہرہ یا قسطنطنیہ میں قید رہ چکا ہو، یہ پکار اُٹھتا کہ ان شہروں کے باشندے ہماری نسبت بہت زیادہ مہذب اور دانا ہیں۔ وہ شخص جو سب سے پہلے مشرق سے پن چکی لے آیا تھا، وہ مغربی اقوام

کا سب سے بڑا محسن تھا۔ اگر ان برکات کو شکرگزاری کے جذبات سے یاد رکھا جائے، تو تاریخ ہمیں بتائے گی کہ ریشم اور شکر دونوں اشیا یونان یا مصر سے مغرب میں درآمد کی جاتی تھیں مگر جلد ہی یہ احساس ہو گیا کہ اُن کو ذہانت آمیز مصنوعات کی ضرورت ہے جو درآمد کی جا رہی تھیں۔ اس کے نتیجے میں مطالعاتی فن کے لیے تجسس پیدا ہوا۔ یورپ میں مختلف اسباب کے تحت اس حقیقت کو تسلیم کر لیا گیا جو اُسی دور میں پیدا ہوئی تھی، اور صلیبی جنگوں کے دور میں تو انھوں نے یونانیوں اور عربوں کے ادب کا بے پروائی سے جائزہ لیا۔ علم ریاضی اور طب کے بعض ابتدائی حقائق، ممکن ہے کہ نظریاتی اور عملی طور پر تجربے میں آئے ہوں اور ہندسوں اور اشکال سے بھی بہرہ حاصل کیا ہو، ضرورت کے تحت مترجمین کی بڑی تعداد پیدا ہوگئی ہوگی، تاکہ تاجروں اور فوجیوں کی ضرورت فراہم ہو سکیں۔ مگر تجارت کے باوجود یورپ کے مدارس میں مشرقی زبانوں کی تدریس کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اسی اُصول کے تحت یورپ قرآن کے مطالب اور محاورات کے علوم سے محروم رہا۔ مگر مغرب میں یہ تجسس موجود رہا کہ وہ انجیل کے اصل متن کا مطالعہ کر سکیں۔ اسی قواعد کے اکتساب سے افلاطون کی دانش اور ہومر کا حسن مغرب میں پہنچ گیا۔ ساٹھ سالہ حکومت کے باوجود، قسطنطنیہ کے لاطینی اپنی رعایا کی زبان اور ان سے اکتساب علم کو اپنے وقار کے منافی سمجھتے تھے اور انجیل کے مسودات سے بھی صرف مقامی آبادی ہی فیض یاب ہو سکتی تھی۔ اس میں نہ تو اُنھیں کسی قسم کا لالچ تھا اور نہ کوئی اُن کا حسد کر سکتا تھا۔ ارسطو کو مغربی جامعات میں ہاتف کی آواز سمجھا جاتا تھا۔ مگر مغرب کے پاس جو ارسطو کی جو تصانیف پہنچی تھیں وہ بالکل حقیقی اور اصلی نہ تھیں اور علم کے اصل سرچشمے تک پہنچنے کی بجائے رومی، اندلسیہ کے یہودیوں اور موروں کے تراجم تک ہی رسائی حاصل کر سکے جو تحریفات سے بھرپور تھے۔ خود صلیبی ایک وحشیانہ اُصول کے قائل تھے۔ ان کا مقبول ترین موضوع علت و معلول کا رشتہ تھا۔ ہر صلیبی جب واپس ہوتا تو اُس کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوتا کہ اُس کے پاس کوئی مقدس مالِ غنیمت ہو، جس کا تعلق یونان یا فلسطین کے آثار سے ہو اور ہر آثار کے پہنچنے سے قبل یا مابعد متعدد خرقِ عادت واقعات کی شہرت ہو جاتی اور بعض مکاشفات مشہور ہو جاتے۔ ان نئی داستانوں کی وجہ سے کیتھولک عقیدے میں بہت زیادہ نئے عناصر شامل ہو گئے۔ نئی داستانیں، جدید اوہام پرستی کی وجہ سے باطل اعمال، تجسس اور تحقیقات کے نام پر نئی تاویلات، راہبوں اور برادران کے نئے نئے فرقے اور سب سے زیادہ خوش عقیدگی، جس کی وجہ سے بت پرستی کا فروغ ہوا۔ ان سب عوامل کی بنیاد صلیبی جنگیں ہی تھیں۔ ان کے حق میں استدلال پیش کیے گئے اور ان مشکوک روایات کو مذہب کا حصہ بنا لیا گیا۔ اگرچہ نویں اور دسویں صدی ظلمات کے

زیر سایہ گزریں تو تیرھویں اور چودھویں صدی کو فضولیات اور داستانوں کا دور کہا جا سکتا ہے۔

عیسائیت کو اختیار کرنے اور زرخیز زمین کو کاشت کرنے میں رومی سلطنت کے شمالی فاتحین نے صوبائی عصبیت کو بھی ساتھ شامل کر لیا اور قدیم دور کے فنون کی چنگاریوں کو شعلوں میں تبدیل کر دیا۔ ان کی نوآبادیوں میں شارلیمن کے عہد تک ایک نوعیت کا نظم و نسق اور پائیدار امن جاری رہا اور جب وہ نئے حملہ آوروں کے ٹڈی دل حد سے بڑھ گئے تو یہ لوگ سلطنت کے مغربی علاقوں میں دوبارہ داخل ہو گئے اور مغربی یورپ میں ماضی کی بدنظمی پیدا کر دی۔ گیارھویں صدی کے قریب دشمنوں کو بھگا کر یا انھیں عیسائیت میں داخل کر کے دوسرا طوفان ختم کر دیا گیا۔ تہذیب کی لہر جو طویل عرصے سے رُکی ہوئی تھی۔ پھر اپنے ہموار راستے پر تیزی سے آگے بڑھنے لگی اور آئندہ نسلوں کے لیے خوشحالی اور امن کی خاصی اُمید پیدا ہو گئی۔ کامیابی بہت بڑی تھی اور ترقی کی رفتار بھی تیز رہی۔ صلیبی جنگوں کے دو سو سالوں کے دوران، بعض فلسطینیوں کے خیال کے مطابق ان کے اثرات کی بدولت یورپ میں بہت ترقی ہوئی۔ مگر مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مغرب اور مشرق کے ممالک میں ترقی کے عمل میں تیزی آنے کی بجائے اس کی رفتار رک گئی۔ لاکھوں افراد کی زندگی اور محنت مشرق میں دفن ہو گئی۔ انھیں اپنے ملک کی بہبود کے لیے زیادہ بہتر طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ ہر جگہ کی صنعت و حرفت اور تجارت بحری جہازوں سے منتقل ہوتی رہتی اور لاطینیوں کو تو اس سے بہت فائدہ پہنچتا کیونکہ اُن کی آب و ہوا، ایشیائی آب و ہوا کے قریب تر تھی۔ ایک صورت سے تو میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ صلیبی جنگیں حادثاتی طور پر شروع ہو گئیں۔ اس لیے ان سے کسی کو فائدہ بھی نہ پہنچا اور اس سے کسی بُرائی کو بھی دور نہیں کیا جا سکتا۔ یورپ کی آبادی کا ایک بڑا حصہ تو اپنے آبائی وطن ہی میں رہنا چاہتا تھا۔ اُسے آزادی یا جائیداد کی بھی کوئی پروا نہ تھی اُسے علم سے بھی محبت نہ تھی۔ دو نظام متوازی طور پر چل رہے تھے جن میں ایک کلیسائی نظام تھا اور دوسرا شرفا کا ادارہ تھا، ان کی تعداد مقابلتاً کم تھی صرف یہی لوگ اپنے آپ کو شہری یا انسان سمجھتے تھے۔ یہ استبدادی نظام تلوار یا پادریوں کی فنکاری سے چلتا تھا۔ پجاری کے اختیارات و اقتدار کو بے مثل اکسیر کا درجہ حاصل تھا۔ یہ فی الحقیقت دورِ ظلمات تھا۔ یہ لوگ علم و دانش کو بالکل ختم کر دینا چاہتے تھے۔ وہ وقت کی دہشت کو کم کر کے پیش کرتے تھے۔ ایسے غربا کو پناہ دیتے تھے جو اپنا دفاع کرنے کے قابل نہ تھے اور عام معاشرے کا نظم اور امن قائم رکھنے میں مدد دیتے تھے۔ مگر آزادی، لالچ اور اختلافات جو جاگیرداروں کے مابین پیدا ہو گئے تھے۔ وہ کسی بھی خوبی اور نیکی کو پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ صنعت و حرفت کی ہر کوشش کو جنگی استبداد نے کچل

کر رکھ دیا۔ وہی خاندان جو سب سے زیادہ تلوار چلا سکتے تھے۔ ہر میدان میں غالب آ گئے۔ اُن اسباب میں سے جن کی بنا پر گوتھ فنِ تعمیر بھی مغلوب ہو گیا، سب سے نمایاں عملی صلیبی جنگوں ہی کا تھا۔ جاگیرداروں کی املاک تباہ ہو گئیں اور ایسی مہمات کی نذر ہو گئیں، جن سے کسی کو فائدہ حاصل نہ ہوا۔ ان کے افلاس نے وہ صورت حالات پیدا کر دی، جن سے غلامی کی بیڑیاں کٹنے لگیں۔ کسانوں کے کھیت انھیں مستقل طور پر مل گئے اور دکاندار اپنے کاروبار کے معاملے میں آزاد ہو گئے۔ اس سے بتدریج معاشرے کے مفید طبقات اپنے اپنے کاروبار میں بحال ہو گئے۔ انھوں نے بڑے بڑے جنگلات کو گرا دیا اور اُن کی جگہ اناج اور سبزیاں کاشت کرنی شروع کر دیں اور زمین پر چھوٹے قد کی مفید جھاڑیاں بھی پروان چڑھنے لگیں۔

قورطینے خاندان پر انحراف کا الزام

تین ایسے بادشاہ جنھوں نے قسطنطنیہ پر حکومت کی۔ وہ اس کی اجازت دیں گے یا اس دخل اندازی کی معافی دیں گے کہ قورطینے خاندان کی اصل حقیقت تین مختلف بڑی شاخوں سے متعلق ہے۔ (۱) اڈیسا سے (۲) فرانس سے اور (۳) انگلستان سے صرف آخری شاخ آٹھ سو سالوں کے انقلابات میں زندہ رہ سکی۔

ا۔ تجارت کے آغاز سے قبل، جس کی بدولت امارت اور علم کے فروغ میں اضافہ ہوا۔ جس سے اس مفروضے کی تردید ہوتی ہے کہ نسلی صوابدید کو شدت سے محسوس کیا جاتا ہے اور اسے عاجزانہ طور پر تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ ہر دور میں اس حقیقت کو تسلیم کیا جاتا رہا ہے کہ جرمنوں میں نسلی تفریق کا تعصب دوسروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ رہا ہے۔ وہ نواب اور روٴسا جو شارلیمن کی حکومت اس کے اقتدار کے حصہ دار رہے ہیں۔ اُنھوں نے اپنے عہدے کو وراثتی بنا لیا تھا اور ہر جاگیردار اپنی اولاد میں سے کسی ایک کے لیے املاک اور تلوار مخصوص کر دیتا۔ وہ خاندان جو اپنے حالات پر صابر شاکر رہتے، وہ نقصان میں رہتے۔ زمانہ وسطیٰ کی جہالت میں خواہ وہ دور کتنا ہی نشیب و فراز کا حامل ہو، اُن کی نسلیں فی الحقیقت دہقانوں ہی سے اُبھری تھیں اُن کے شجرہ ہائے نسب کو عیسائی تقویم سے بھی ہزار سال قبل تک بیان کرتے تھے۔ وہ اس کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔ خاندانی عرف ہی کے متعلق یقین کر لیں۔ اُن کی فوجی حقیقت کے متعلق تسلی کر لیں۔ جب ہمیں اس سلسلے میں یقینی معلومات دستیاب ہو جاتی ہیں تو ہمیں آتھو (Atho) کی شخصیت نمایاں نظر آتی ہے۔ یہ ایک فرانسیسی جنگجو تھا۔ اس کے کرتبے سے ہمیں اس کی شرافت کا پتا چلتا تھا اور اس کے گمنام والد کے خطاب کے متعلق بھی اطلاع دستیاب ہوتی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ اس کی ولادت قورطینے کے شاہی محل میں ہوئی تھی جو گیطنوکس کے ضلع میں واقع

ہے اور پیرس سے یہ مقام پینسٹھ میل جنوب میں واقع ہے۔ ہاؤ کے بیٹے رابرٹ سے لے کر قاپیط تک کے دور میں بادشاہ کے قریبی باجگزاروں میں ہمیشہ معزز حیثیت کے مالک رہے ہیں اور آتھو کا پوتا جوزلین طبقہ شرفا میں معزز فرد تھا جو صلیبیوں کی پہلی جماعت میں ہیرو کی حیثیت میں شامل رہا تھا۔ ایک خاندان کے اتحاد (کیونکہ ان کی مائیں آپس میں بہنیں تھیں) کی وجہ سے وہ بالڈون کے جھنڈے تلے آ گیا جو بروجیز کا رہائشی تھا۔ یہ ایڈیسا کا ایک جاگیردار تھا جو کہ ایک بادشاہی جاگیر تھی اور وہ اس کا جائز اہل بھی تھا۔ اپنے جنگجو ساتھیوں کے مقابلے میں اس کا انتظام بھی قائم رکھ سکتا تھا۔ اپنے عمزاد کی رخصت پر جانے کے بعد جوزلین کو ایڈیسا کی کاؤنٹی عطا کر دی گئی۔ یہ جاگیر کی دونوں اطراف واقع تھی۔ جب امن کا زمانہ آیا تو اس کے علاقے شام اور لاطینی ممالک میں تقسیم ہو گئے۔ اس کے اناج، تیل اور شراب کے ذخائر اور قلعے جن میں سونا اور چاندی جمع تھا اور اسلحہ اور گھوڑے رکھے ہوئے تھے، بھی اسی طرح منقسم ہو گئے۔ تیس سالہ صلیبی جنگوں میں یہ کبھی فاتح ہوتا اور کبھی قید ہو جاتا۔ مگر یہ سپاہیانہ موت ہی مرا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور اپنی افواج کی رہنمائی میں مصروف تھا۔ ترک حملہ آور جانتے تھے کہ یہ شخص بوڑھا اور کمزور ہو چکا ہے۔ اس کے بیٹے اور جانشین کا بھی یہی نام تھا۔ مگر کبھی کبھی یہ بھول جاتا کہ حکومت حاصل کرنے اور قائم رکھنے میں وہی صلاحیتیں ضروری ہیں جو اس کے باپ میں موجود تھیں۔ مگر وہ کوئی جلد بازی کا عادی تھا۔ اس نے ترکوں کے عناد کو دعوتِ جنگجوئی دے دی، مگر اس نے اس سے قبل انتاخ کے بادشاہ سے دوستانہ تعلقات قائم نہ کیے جبکہ یہ تحریس کی عیاشانہ زندگی میں مصروف تھا۔ یہ شہر شام میں واقع ہے۔ جوزلین نے دریائے فرات کی دوسری سمت کے عیسائیوں کے دفاع کے متعلق غفلت کا ارتکاب کیا۔ اس کی غیر حاضری میں اولین اتابک زنگی نے دارالحکومت ایڈیسا کا محاصرہ کر لیا اور اس پر چھا گیا۔ اس کا دفاع کمزور بھی تھا اور محافظین حکومت کے وفادار بھی نہیں تھے جو فرینک وہاں موجود تھے انھیں قوت سے دبا دیا گیا اور قورطینے نے ایلپو کے قید خانے ہی میں اپنی باقی ماندہ زندگی گزار دی۔ اس کے جانشین کو اس کے باوجود بڑی مقدار میں باپ کی طرف سے میراث حاصل ہوئی، مگر ترک فاتحین نے اس بیوہ عورت اور یتیم بیٹے کو ہر طرف سے دباؤ میں رکھا۔ انھوں نے مساوی وظیفے کے عوض یہ حکومت یونان کے شہنشاہ کے حوالے کر دی۔ لاطینی قوم شرمندہ بھی ہوئی اور اُن کے ہاتھ سے اپنا آخری مقبوضہ علاقہ بھی نکل گیا۔ ایڈیسا کی شہزادی جو اپنے ساتھ اپنے دو بچے لے کر یروشلم چلی گئی۔ اُس کی بیٹی ایگنیس بعد میں ایک بادشاہ کی بیوی اور دوسرے کی ماں بنی۔ اس کا بیٹا جوزلین سوم، اقتدار اعلیٰ پر فائز ہو گیا۔ یہ اس کی پہلی حکومت تھی۔ اس کے ہمراہ پچاس جنگجو

تھے۔ اس نے اُنھی کی مدد سے فلسطین میں اپنی نئی حکومت قائم رکھی۔ ہر معاہدۂ امن میں اس کا نام احترام سے لیا جاتا ہے۔ مگر بالآخر یروشلم کے ہاتھ سے نکلتے ہی اس کا نام و نشان گم ہو گیا۔ اس کی دو بیٹیوں میں سے ایک کی شادی ایک فرانسیسی شہزادے اور دوسری کی ایک جرمن شہزادے سے ہو گئی۔ اس طرح ایڈیسا کے اس خاندان کا سلسلہ ہی ختم ہو گیا۔

۲۔ جب یروشلم کی حکومت فرات کی دوسری سمت کے علاقوں پر بھی قائم تھی تو اس کا بڑا بھائی مائیلو جو جوزلین ہی کا بیٹا تھا اور آتھو کا پوتا تھا۔ اس کا سین کے قلعے پر قبضہ قائم ہوا جو ان کی موروثی جائیداد تھی۔ یہ قلعہ رائے ناعود کے قبضے میں منتقل ہو گیا یا اس کے تین بیٹوں میں سب سے چھوٹے بیٹے نے اسے بازیاب کرالیا۔ بعض قدیم خاندانوں میں آباواجداد کی خوبیاں اُن کی آئندہ نسلوں میں بہت کم نظر آتی ہیں اور بعض قدیم خاندانوں میں یہ ان خاندانوں کے کارناموں کی روایت کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اور یہ قدیم دور میں بھی ہوتا ہے کہ اُن کا افتخار، لالچ اور تشدد کی صورت اختیار کرے۔ مگر اس مزاج کی عزت نہیں ہوتی کیونکہ اس کے ساتھ بہت زیادہ ہمت اور حوصلے کے بھی ضرورت ہوتی ہے۔ قورطینے کے ریجینالڈ کا وارث، عوام کو تکلیف میں مبتلا کر کے ضرور شرمندہ ہوا ہوگا۔ کیونکہ اس نے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو قیدی بنا رکھا تھا۔ جب وہ حکومت کے قیام سے مطمئن ہو گیا تو اُس نے سینس اور اور لینز میں ظلم اور تشدد کی انتہا کر دی۔ وہ اس میں خوشی محسوس کرتا، اسے فرمانبرداری اور مزاحمت ترک کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا یہاں تک کہ شمپین کے حکمران نے اس پر فوجی حملہ کر دیا۔ ریجینالڈ نے اپنی تمام املاک اپنی بڑی بیٹی کے حوالے کر دیں جس کی شادی اس نے موٹے لوئیس کے ساتویں بیٹے سے کر دی۔ اس شادی سے متعدد بچے پیدا ہوئے۔ ہمیں خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید کوئی عام آدمی شاہی نام سے تخت پر بیٹھ گیا ہو اور فرانس کے پیٹر کے ورثا اور جرمنی کی الزبتھ نے مل کر شاہی خطابات اختیار کر لیے ہوں اور اپنے آپ کو شاہی خاندان کے افراد کے طور پر پیش کیا ہو۔ اگر یہ مطالبہ جائز بھی تھا تو کسی نے طویل عرصے تک اس طرف توجہ نہیں کی اور بالآخر اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر کسی وقت انھوں نے خود توبہ کی اور شاہی خاندان کی رکنیت سے انکار کر دیا۔

۱۔ اب تمام خاندانوں سے ان کا اگر کوئی تعلق بھی تھا تو وہ دور کا تھا اور بلا شک و شبہ وہ ایک سو سال پرانا تھا اور فرانس کے شاہی خاندان سے ان کی یقینی نسبت قائم کی جا سکتی تھی۔ کیونکہ یہی خاندان گزشتہ سو سال سے اس تخت پر قبضہ جمائے بیٹھا تھا اور اس خاندان کا شجرہ نسب مردانہ رشتوں سے بھی درست ثابت ہوتا

تھا اور یہ روایت نویں صدی تک پہنچتی تھی۔ جب صلیبی جنگیں شروع ہوئیں تو مشرق میں ان کا احترام موجود تھا۔ مگر ہاؤ قاپیط سے لے کر پیٹر کی شادی تک بھی پانچ نسلیں گزری تھیں۔ ان کا خاندانی خطاب ان کے لیے اس قدر قیمتی تھا کہ بڑے بیٹے کو اُس کے باپ کی زندگی ہی میں تاج پہنا دیا جاتا تھا۔ فرانس کے اس شاہی خاندان میں چھوٹے بھائیوں کا دستاویزی ثبوت قائم رکھا جاتا تھا۔ تاکہ یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ لوگ شاہی خاندان کے شہزادے نہیں ہیں۔ بارھویں صدی میں یہ نسبت موجود تھی، جو اس خاندان نے محفوظ کر رکھی تھی اور یہ لوگ اس بنا پر وراثت کے اُمیدوار بن بیٹھے تھے۔ قورطینے خاندان کا شاہانہ مزاج دوبارہ زندہ ہو گیا۔

۲۔ قورطینے کے جاگیردار اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے تھے، اور دُنیا کی نگاہوں میں ان کا احترام موجود تھا۔ وہ بادشاہ کو بھی اس پر مجبور کر سکتے تھے کہ وہ اُن کا معاشرتی اور فوجی اعزاز بحال رکھے کیونکہ شاہی محل میں ان کی بیٹی ملکہ کی حیثیت سے موجود تھی۔ اس شادی کے بعد یہ سوال باقی نہ رہا تھا کہ وہ خون کے لحاظ سے ادنیٰ تھی یا اعلیٰ تھی۔ ادل بدل کی شادیوں کی درخواست کی جاتی تھی اور اکثر اس کی اجازت بھی مل جاتی تھی۔ چونکہ یہ لوگ شاہی تنے سے بتدریج دور ہوتے گئے تھے۔ اس لیے موٹے لوئیس کے بیٹے اپنے ننھیال کی طرف زیادہ ہی متوجہ رہے تھے۔ اس کے نتیجے میں یہ نئے قورطینے اپنے نسلی تفاخر سے محروم ہو چکے تھے۔ اب اُن کی دلچسپی اور مفاد بھی اسی میں تھا کہ اسے مسترد کر دیں۔

۳۔ لیکن اس میں جو شرمندگی کا پہلو تھا وہ انعام سے زیادہ قیمتی تھا اور اس کے اثرات بھی مستقل تھے۔ ایک وقتی شعلہ تھا جو جلد ہی دھوئیں میں تبدیل ہو گیا۔

اس شادی کے نتیجے میں جو بڑا بیٹا پیدا ہوا، وہ قورطینے کا پیٹر تھا جیسا کہ میں نے پہلے بھی ذکر کیا ہے۔ اُس نے فلانڈرز کے کاؤنٹ کی ہمشیرہ سے شادی کر لی تھی۔ ان کے دو افراد قسطنطنیہ کے بادشاہ ہو گزرے تھے۔ رابرٹ اور بالڈون، دونوں یکے بعد دیگرے بادشاہ بنے اور پھر مشرق کے سامنے سب کچھ ہار گئے۔ اس طرح لاطینیوں کو سخت نقصان پہنچا اور بالڈون دوم کی پوتی نے دوبارہ اپنا خون فرانسیسیوں اور ویلوئیس کے خون کے ساتھ ملا لیا تاکہ ایک تکلیف رسیدہ اور عبوری حکومت کو کسی حد تک مدد فراہم ہو سکے۔ ان کی موروثی جاگیریں رہن رکھی جا چکی تھیں یا فروخت کی جا چکی تھیں اور قسطنطنیہ کا آخری شہنشاہ روم اور نیپلز کی سالانہ خیرات پر گزارہ کر رہا تھا۔

جبکہ بڑا بھائی دولت کے نشے میں اوباش ہو گیا اور رومانی مہم جوئی میں مبتلا ہو گیا اور قورطینے کے

قلعے کے مالک نے ایک دہقان کی بے حرمتی کر دی تو اس کے نتیجے میں اس خاندان کی چھوٹی شاخوں جنھوں نے اس خاندان کے نام کا استعمال شروع کر دیا تھا، ان کی نسل بڑھ کر کئی گنا ہو چکی تھی نے اپنا اظہار شروع کر دیا۔ لیکن امتدادِ زمانہ اور افلاس کی وجہ سے یہ کامیاب نہ ہو سکے۔ فرانس کے رابرٹ کی وفات کے بعد شہزادوں اور جاگیرداروں کی نسل کی یہ دوسری پشت تھی۔ ان کا مقابلہ ہاؤ قاپیط کی اولاد سے ہو گیا جو کہ معاشرے کے ایک عام طبقے کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان لوگوں میں اب ایسا کوئی شخص نہ تھا، جو کہیں فوجی ملازمت میں نظر آتا ہو۔ میٹلے اور شمپین کے جاگیرداروں میں بھی ان کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی کی کم مائیگی کے باوجود فوجی مہمات میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ زیادہ جلد باز بالعموم ان کے عمزاد جو دری اوکس کی اولاد سے تھے بالعموم ڈوب ہی جایا کرتے ہیں اور دوبارہ اپنی دیہاتی زندگی اختیار کر لیتے ہیں۔ کسی شاہی خاندان سے ان کی نسبت چار سو سال قدیم ایام ظلمات میں تھی۔ یہ ہر روز قعرِ گمنامی میں گرتے گرتے اب نامعلوم ہو چکے تھے۔ اب ان کی نسلیں اپنی شاہی خاندان سے نسبت کو تلاش کرنے لگیں۔ انھوں نے اس میں بڑی محنت کی ہو گی۔ کئی لوگوں سے مدد حاصل کی ہو گی اور کئی شجرہائے نسب کھنگالے ہوں گے۔ مگر یہ سولھویں صدی کے خاتمے سے قبل ممکن نہ ہو سکا کہ کسی ایسی دور افتادہ برادری سے اُن کا تعلق قائم ہو سکے جو اُن کے مساوی ہو اور اُس میں قورطینے کے مخصوص جذبات کے عناصر موجود ہوں۔ اس طرح اس خاندان کی دوبارہ بحالی ہو گئی۔ اب جبکہ شرفا کے طبقے میں داخل ہونے کا مسئلہ حل ہو گیا تو اب اُن میں شاہی خاندان کے افراد ہونے کی خواہش بھی پیدا ہو گئی۔ اب اُنھوں نے ہنری چہارم سے اپنے حقوق کی تلافی اور انصاف کا مطالبہ کیا اور اٹلی کے بیس ماہرین قانون سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لیا اور قورطینے نے یہ دعویٰ شروع کر دیا کہ وہ بادشاہ ڈیوڈ کی اولاد سے ہیں چونکہ اس کے بعد ایک زمانہ گزر چکا ہے اور اُن کی اولاد نے نجاری کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ مگر ان کی بات کوئی نہ سنتا اور ان کے حالات بھی سازگار نہ ہو سکے اور ان کے قانونی مطالبات پر بھی کسی نے کوئی توجہ نہ دی۔ بوربون کے بادشاہ، ویلوئیس کی بات سننے پر آمادہ نہ تھے اور اس ردِعمل میں وہ غلط بھی نہ تھے۔ کیونکہ اس زمانے کے لوگ ماضی بعید کی کسی رشتہ داری کو قبول کرنے سے انکاری تھے جبکہ اُن کی معاشرتی حالت بھی بہت کمزور تھی۔ مجلس قانون ساز نے اُن کے پیش کردہ ثبوت سے تو انکار نہ کیا مگر من موجی صوابدیدی اختیارات استعمال کر کے ایک غلط فیصلہ کر دیا اور سینٹ لوئیس کو ان کا ابولآبا قرار دے دیا اور پھر اسی صدی میں ان کی تمام اُمیدیں منقطع ہو گئیں کیونکہ ان کے خاندان کا آخری مرد بھی فوت ہو گیا۔ ان کی تشویشناک اور

المناک کیفیت کا بھی ان کی بعض خوبیوں کی وجہ سے خاتمہ ہوگیا۔ انھوں نے سختی سے کسی کی مدد یا احسان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ایک مرتے ہوئے قورطینے نے اپنے بیٹے کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ اگر کسی نوجوان نے آئندہ چل کر مادی خواہشات کی تکمیل کا ارادہ کیا تو یہ لوگ اُس کے بیٹے کو قربان کر دیں گے۔ اب صرف فرانس سے متعلق اپنے حقوق کے مطالبے کی صورت باقی رہ گئی ہے۔

۳۔ فورڈایبے کے قدلم رجسٹر کے مطابق ڈیون شائر کے قورطینے، شہزادہ فلوروس کی اولاد سے ہیں جو پیٹر کا دوسرا بیٹا تھا اور موٹے لوئیس کا پوتا تھا۔ ہمارے قدیم مؤرخین نے اس بیان کو درست تسلیم کرلیا۔ اگرچہ اس روایت کا بانی ایک مجہول راہب تھا۔ کامڈن اور ڈاگڈیل دونوں اس کی توثیق کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ روایت نہ صرف غلط ہے بلکہ اُس زمانے کے پس منظر میں بھی درست معلوم نہیں ہوتی مگر اُن کے حامی مؤرخین اس پر اعتماد کرتے ہیں کہ ریجینالڈ نے اپنی بیٹی کی بادشاہ کے بیٹے کے ساتھ شادی کی وجہ سے فرانس میں اپنے احترام کو ضائع کر دیا۔ اُس کے بعد اُس نے شاہِ انگلستان سے اپنے لیے دوسری بیوی حاصل کر لی جو بعد میں اس کی جانشین بھی ہوئی۔ یہ یقینی امر ہے کہ ہنری دوم نے اپنے آپ کو اس قدر مقبول بنالیا کہ اسے اپنے پڑاؤ اور کونسل میں ریجینالڈ کا خطاب حاصل ہوگیا۔ افواج نے بھی اس کی اس حیثیت کو تسلیم کرلیا۔ جس کی بدولت یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ فرانس کے قورطینے کی اولاد سے ہیں۔ انھیں جو سرپرستی کا حق حاصل ہوا تھا، اُس کے نتیجے میں ایک باجگزار کی بیٹی کو اپنی ملکہ اور جانشین بنالیا اور قورطینے کے ریجینالڈ نے ڈیون شائر کے ساتھ ایک مستقل حیثیت حاصل کر لی۔ اس کی اولاد کا اس جاگیر پر چھ سو سال سے زائد عرصے تک قبضہ رہا۔ بالڈون ایک نارمن فاتح تھا۔ فاتح نے اس سے اوکامٹن کا علاقہ لے کر ہاوائز کے حوالے کر دیا۔ یہ ریجینالڈ کی بیوی تھی۔ یہ علاقہ ترانوے جنگجوؤں کی مدد سے حاصل کیا گیا تھا۔ اب یہ عورت اپنے لیے اس علاقے کی وائی کاؤنٹ یا شیرف ہونے کا دعویٰ کر سکتی تھی اور ایکسٹر کے شاہی قلعے کی کمان کا مطالبہ بھی کر سکتی تھی۔ ان کے بیٹے رابرٹ نے ڈیون (Devon) کے نواب کی بہن سے شادی کر لی۔ جب اس صدی کے آخر میں ریورز (Rivers) کے خاندان کا خاتمہ ہوگیا تو اس کا پڑپوتا ہاؤدوم موجود تھا۔ اسے ایک ایسا خطاب مل گیا جس سے اس دور میں بھی یہ محسوس ہوتا تھا کہ اسے کسی علاقے میں وقار حاصل ہے۔ ڈیون شائر میں سولہ ایسے اَرل گزرے ہیں جو قورطینے کے نام سے مشہور ہوتے رہے ہیں۔ دو سو بیس سال تک یہ نام ان کے حوالے سے زندہ رہا۔ انھیں اس علاقے کے جاگیرداروں کا سردار تسلیم کیا جاتا تھا۔ ایک اچھے خاصے تنازع کے بعد ہی ارونڈل کی جاگیر کے سامنے ہار

تسلیم کی اور انگلینڈ کی مجلس قانون ساز میں انھیں اوّلین حیثیت حاصل رہی، ان کا اتحاد ملک کے شریف ترین خاندانوں سے قائم رہا، جن میں ویریس، سینٹ جانز، طالبوت اور خود پلانٹی جینٹ بھی شامل تھے اور لنکاسٹر کے جان سے بھی ان کا مقابلہ رہا جو کہ نسل کا قورطینی بشپ تھا پھر کنٹربری کا اُسقفِ اعظم بن گیا اور اس کی ترقی میں اس کے ہم نسل افراد کا بہت دخل تھا۔ ان کی تعداد کا بھی خاصا حصہ تھا۔ زمانۂ امن میں ڈیون شائر کے ارل اپنے قلعوں میں رہا کرتے تھے اور وہ مہمان نوازی اور نیک کاموں کے لیے خاصی بڑی رقوم ادا کیا کرتے تھے۔ ان میں سے ایڈورڈ کے مزار پر نصب کتبہ اُس کی بدقسمتی کی داستان دوہراتا ہے۔ وہ اندھا تھا، ایک نیک اور اچھا انسان تھا، اس کے اخلاق کو خوش تدبیری کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اس نے اس کا بیان صرف ایک فقرے میں کیا ہے، جس کا کم علم یا کم اندیش لوگ غلط مطلب لے سکتے ہیں اور اس سے غلط فائدہ بھی اُٹھا سکتے ہیں جب یہ پچپن سال کی عمر کو پہنچا تو اس کی مسرتوں اور اتحاد کو نقصان پہنچا کیونکہ اس کی بیوی میبل کا انتقال ہوگیا۔ نیک دل ارل نے یہ کہا:

جو کچھ ہم نے دیا وہ ہمیں واپس مل گیا۔
جو کچھ ہم نے خرچ کیا وہ ہمارے پاس پہلے سے موجود تھا۔
جو کچھ ہم چھوڑ گئے وہ نقصان ہوگیا۔

مگر اس لحاظ سے اُن کے نقصانات، اُن کے عطیات اور تحائف کے مقابلے میں بہت زیادہ تھے۔ کیونکہ اُن کے عزیزوں میں بہت سے لوگ سخت مفلس تھے اور انھیں اس کی شفقت اور سرپرستی کی ضرورت تھی۔ وہ رقوم جو وہ ملبوسات اور سامانِ آرائش پر خرچ کرتے تھے وہ اُن کی املاک کی کثرت کا پتا دیتی تھیں اور تیرھویں اور چودھویں صدی تک ان کے خاندان کے قبضے میں بکثرت املاک رہی ہیں۔ میدانِ جنگ میں انگلستان کے قورطینے افراد اپنے فرائض ادا کرتے رہے۔ انھیں ان کے نظام فتوت کی داد ملنی چاہیے۔ اُن کو کبھی کبھی یہ اختیار مل جاتا کہ وہ ڈیون شائر میں جو محصول عائد کرنا چاہیں، کریں اور کورن وال کے دور میں متعدد بار یہ افواج لے کر سکاٹ لینڈ کی سرحدوں تک پہنچ گئے۔ کبھی کبھی یہ طے شدہ معاوضہ لے کر بیرونی ممالک میں بھی چلے جاتے۔ وہ اسی فوجیوں کا دستہ ہمیشہ اپنے ہمراہ رکھتے اور علاوہ ازیں ان کے پاس اسی کی ہی تعداد میں تیرانداز بھی ہوتے۔ یہ ہنریوں اور ایڈورڈوں کے زیرِ علم جنگ کرتے۔ یہ نام مختلف جنگوں کے حوالے سے بہت اہم ہیں۔ کھیل کے میدانوں میں بھی ان کا نام نمایاں ہوتا اور گارٹر کی پہلی فہرست میں ان کا نام بھی شامل

رہتا۔ سیاہ فام شہزادے کے خلاف جنگ میں حاصل کردہ فتح میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔ چھ نسلیں گزرنے کے بعد قورطینے نے یہ سیکھ لیا تھا کہ اُس ملک کا احترام کرنا چاہیے جس سے اُنھوں نے اتنے کثیر فوائد حاصل کیے ہیں۔ جہاں ان کی اصل جڑیں موجود ہیں۔ جب دو اقوام میں جھگڑا ہوا تو ڈیون کے ارل نے لنکاسٹر کے خاندان کا ساتھ دیا اور ان کے تین بھائی یا تو میدانِ جنگ میں مارے گئے یا پھانسی پر چڑھ گئے۔ ہنری ہفتم نے ان کے اعزازات اور املاک کو بحال کر دیا۔ ایڈورڈ چہارم کی ایک بیٹی کی شادی قورطینے خاندان میں شادی ہوگئی اور اس میں کوئی ذلت محسوس نہ کی گئی۔ ان کے ایک بیٹے کو ایگزیٹر (Exeter) کے مارکوئیس کا خطاب دیا گیا۔ وہ طلائی کپڑے پہنا کرتا تھا، اُس نے اپنا نیزہ فرانسیسی بادشاہ کے خلاف چلایا مگر ہنری نے اس کی بے عزتی کر دی۔ اس کا مطلب یقینی موت تھا مگر یہ صرف حسد کا نتیجہ تھا ورنہ مگر ایگزیٹر کا مارکوئیس بالکل بے گناہ تھا اور ایک شریف انسان تھا۔ اس کے بیٹے ایڈورڈ کی ساری زندگی ایک مینار میں قیدی کی حیثیت سے گزری اور پاڈوا میں ایک جلاوطن کی حیثیت سے مرا اور ملکہ الزبتھ کا یہ خفیہ عاشق موت کا شکار ہو گیا اور ملکہ نے اپنے نوجوان عاشق پر آنسو بہا دیے۔ اس کی چار پھوپھیوں کی غیر خاندانوں میں شادیاں ہوئی تھیں۔ اس لیے اس کا ترکہ بھی غیر خاندانوں میں چلا گیا اور اس کے ذاتی اعزازات، اگرچہ قانون کی رو سے ختم ہو چکے تھے مگر اس کے ورثا شہزادوں کو دے دیے گئے۔ مگر اس خاندان میں ابھی تک ایک مرد وارث موجود تھا جو ڈیون کے پہلے ارل ہاؤ کے خاندان سے تھا۔ قورطینائی خاندان کا ایک چھوٹا جوان جو اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ہمراہ پاوڈرہم کے قلعے میں مقیم تھا۔ یہ قلعہ اس خاندان کے قبضے میں گزشتہ چار سو سال سے زائد عرصے سے چلا آ رہا تھا۔ یہ ایڈورڈ سوم کے عہد سے لے کر آج تک انھی کی ملکیت ہے۔ ان کی املاک میں حکومت کی طرف سے اضافہ ہوتا رہا ہے اور آئرلینڈ میں واقع ان کی اراضی کو ترقی دی جاتی رہی ہے اور ماضی قریب میں ہی انھیں لارڈ کے رتبے پر دوبارہ بحال کر دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود بھی یہ خاندان اپنے حالات سے شاکی رہا ہے جس سے ان کی معصومیت یا سادگی کا اظہار ہوتا ہے۔ جبکہ وہ اپنی ماضی کی عظمت پر ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہیں مگر ان کو موجودہ دور میں جو خدا کا فضل حاصل ہوا ہے اس میں بھی انھیں کوئی شک و شبہ نہیں۔ قورطینے خاندان کے طویل سلسلے کی روایات اسی نوعیت کی ہیں جس کی وجہ سے قسطنطنیہ کے شہنشاہوں نے ان سے ہمیشہ حسد کیا ہے کیونکہ خود اُن کی حالت یہ تھی کہ وہ یورپ کے بادشاہوں سے خیرات مانگ کر اپنا گزارہ کرتے تھے اور دفاع کا انتظام کرتے تھے۔

☆☆☆

(۶۲)

نائس اور قسطنطنیہ کے یونانی شہنشاہ — مائیکل پلائیولوگوس (Michael Paleaologus) کی ترقی اور حکومت — پوپ اور لاطینی کلیسا سے اس کا جھوٹا اتحاد — آنجو (Anjou) کے چارلس (Charles) کے مخالفانہ منصوبے — صقلیہ میں بغاوت — قطلانوں (Catalans) کی ایشیا اور یونان میں جنگ — ایتھنز میں انقلاب اور موجودہ حالت — اس کے عوام بغاوت سے بچ نکلے۔

نائس اور قسطنطنیہ کے یونانی شہنشاہ — مائیکل پلائیولوگوس کی ترقی اور حکومت — پوپ اور لاطینی کلیسا سے اس کا جھوٹا اتحاد — آنجو کے چارلس کے مخالفانہ منصوبے — صقلیہ میں بغاوت — قطلانوں کی ایشیا اور یونان میں جنگ — ایتھنز میں انقلاب اور موجودہ حالت — اس کے عوام بغاوت سے بچ نکلے۔

قسطنطنیہ ہاتھ سے نکل گیا تو یونانی وقتی طور پر مضبوط ہو گئے۔ بادشاہوں اور اُمرا کو محلات میں سے نکال دیا گیا اور میدانِ جنگ میں دھکیل دیا گیا۔ بادشاہت کے باقی ماندہ اجزا کو مقابلتاً زیادہ مضبوط ماہرین نے اپنے گرد جمع کرنا شروع کر دیا۔ بازنطینی روایات کے طویل اور خالی صفحات میں تھیوڈور لاسکاری اور جان ڈوکاس، واطاقیس، دو کرداروں کا باہمی اور مساویانہ موازنہ مشکل ہوگا۔ باتھینیا کے مقام نائس میں ان دونوں نے مل کر رومی جھنڈے کو بلند رکھا۔ ان دونوں کے مزاج میں فرق تھا، جو ان کے مختلف حالات کے پیشِ نظر انتہائی موزوں تھا۔ مفرور لاسکاری نے جب پہلا معرکہ لڑا تو اس کے پاس صرف دو ہزار فوجی تھے۔ اس کا دورِ حکومت فیاضانہ، فعال مگر مایوسانہ تھا۔ اپنے ہر معرکے میں اس نے اپنی زندگی اور تاج کو داؤ پر لگا دیا۔ اس کے دشمن جن کا تعلق دردانیال اور مائی اینڈر سے تھا، وہ اس کی پھرتی پر بہت حیران ہوئے اور اس کی بہادری کے سامنے ہار مان گئے۔ اس نے اٹھارہ سال تک حکومت کی اور اپنی ریاست کو اس قدر وسعت دی کہ وہ سلطنت کے مرتبے تک پہنچ گئی۔ اس کے داماد اور جانشین واطاقیس کا تخت بہت مضبوط بنیادوں پر قائم ہوا۔ اس کا رقبہ بھی بہت وسیع تھا اور اس کے ذرائع بھی زیادہ تھے۔ واطاقیس کا مفاد بھی اسی میں تھا کہ وہ خطرات کا سوچ سمجھ کر مقابلہ کرے اور ایسے موقع کی تلاش میں رہے جس میں اس کے حصولِ اقتدار کے منصوبے کامیاب ہو سکیں۔ لاطینیوں کے زوال کے بیان کے دوران میں نے یونانیوں کی ترقی کا مختصر بیان کیا تھا۔ فاتحین آہستہ آہستہ اور بتدریج آگے بڑھتے رہے اور متعلقہ صوبے کو قومی اور غیر ملکی غاصبین سے بچا لیا۔ پھر اس نے دارالحکومت پر اپنا دباؤ بڑھا لیا۔ یہ ایک ایسا تنا تھا جس پر کوئی کونپل باقی نہ تھی۔ جو کلہاڑے کے پہلے ہی وار سے زمین پر آ گرے۔ مگر اس کے داخلی حالات اور پُرامن رعایا ابھی تک قابلِ تعریف اور قابلِ غور تھی۔ زمانے

کے مصائب کی وجہ سے یونانیوں کی تعداد اور مالی حالت میں بہت کمی آ گئی تھی۔ زراعت کے ذرائع ہی کیا بلکہ
خواہش تک ختم ہو چکی تھی اور بہت سی زرخیز زمینوں پر آبادی بھی باقی نہ رہی تھی یا اُن پر زراعت کا عمل ختم ہو چکا
تھا۔ اس زمین کا بہت سے حصہ بادشاہ کے حکم سے قبضے میں لے لیا گیا اور شاہی مفاد کے لیے اُس پر کاشتکاری
کا عمل بھی جاری کر دیا گیا۔ اس کے ہاتھ مضبوط تھے اور نظر تیز تھی۔ اس نے اس ہوشیاری سے نظم وضبط کو سنبھالا
کہ سب کو حیران کر دیا۔ شاہی اراضی باغ بن گئی اور ملک ایشیا کا اناج گھر بن گیا۔ باشاہ نے اتنی دولت جمع کر
لی کہ ذرائع پیداوار میں اضافہ ہو گیا۔ اس کی تمام دولت جائز ذرائع سے جمع کی گئی تھی۔ زمین کی حالت کے
مطابق اس میں غلہ کاشت کیا جاتا، یا انگور بویا جاتا۔ مویشی خانے گھوڑوں اور بیلوں سے بھر دیے گئے۔
وہاں بھیڑیں بطخیں، مرغیاں اور پرندے بکثرت پائے جاتے تھے اور جب واطاقیس نے مروارید اور موتیوں کا
تاج ملکہ کو پیش کیا کہ اس قیمتی تحفے کی قیمت اس نے اپنے مرغی خانے کے انڈے فروخت کر کے ادا کی ہے۔
اس کی زمینوں کی پیداوار محل اور ہسپتالوں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے ادا کی جاتی۔ یہ اپنے وقار کا
خیال رکھتا اور فیاضی سے بھی کام لیتا۔ یہ محصولات کی وصولی میں بھی کرم فرمائی کو اہمیت دیتا۔ ہل کو بحال کر دیا
گیا تھا۔ اسی کی بدولت تحفظ اور وقار قائم تھا۔ شرفا کو یہ سبق دے دیا گیا کہ اپنی اراضی سے زیادہ سے زیادہ
پیداوار حاصل کریں۔ یہ نہ ہو کہ جب رعایا کی طرف سے دباؤ بڑھے تو تم گداگری کے لیے ملک سے باہر نکل
پڑو (اور یہ اسی کے مساوی ہے) کہ دربار سے مدد کی درخواست کرو۔ ترکوں نے اناج کے فالتو ذخائر اور مویشی
خرید لیے۔ واطاقیس نے ان کے ساتھ مستقل اور مخلص تعلقات قائم رکھے۔ مگر یہ غیر ملکی مصنوعات درآمد
کرنے سے پرہیز کرتا اور اٹلی کی کھڈیوں کے بنے ہوئے کپڑے خریدنے کی حوصلہ افزائی نہ کرتا۔ یہ اکثر کہتا
کہ وہی شے خریدو جس کی سخت ضرورت ہو یا فطرت کے تقاضوں کے مطابق ہو اور اُس کے بغیر گزارہ نہ ہو
سکے۔ مگر بادشاہوں کی ہر سانس کے ساتھ اُن کا طرزِ عمل بدل جاتا ہے۔ بہر حال اس کا وتیرہ یہی تھا کہ اس نے
اپنے اصولوں کو اپنی مثال سے مروج کیا اور یہ اپنے ملک کی صنعت وحرفت کو ترویج دینے میں مصروف رہا۔
نوجوانوں کی تعلیم اور ملکی صنعت کی بحالی یہ دو مقاصد تھے جو اُس نے متعین کر رکھے تھے۔ وہ اس میں سے ایک
کو دوسرے پر اہمیت نہ دیتا۔ مگر صداقت سے یہی کہتا کہ بادشاہ اور فلسفی معاشرے کے دو اہم ستون ہوتے
ہیں۔ اس کی پہلی بیوی آئرین تھی جو تھیوڈولاسکاری کی بیٹی تھی۔ وہ اپنے ذاتی کردار کی بنیاد پر ایک فقید المثال
خاتون تھی۔ صنفِ نازک کی تمام خوبیاں اس میں موجود تھیں۔ اینجیلی اور کومنینی خون اُس کی رگوں میں گردش

کر رہا تھا اور اُس کی وجہ سے وہ سب خوبیاں اس کی اگلی نسل میں منتقل ہو گئیں۔ اس کی موت کے بعد اس نے
این یاقسطانسے سے تعلق قائم کر لیا۔ وہ فریڈرک دوم کی ایک جائز بیٹی تھی۔ مگر جب وہ دلہن بنی تو وہ اس وقت
بالغ نہ ہوئی تھی۔ اُس کے ہمراہ جو خواتین آئی تھیں، اُن میں ایک کو واطاقیس کی ہم بستری کے لیے مخصوص کر
لیا۔ اس کے ان جنسی تعلقات نے ایک کنیز کو ملکہ کا درجہ عطا کر دیا۔ اگرچہ اُسے یہ خطاب نہیں ملا۔ وہ کبھی جائز
ملکہ تسلیم نہیں کی گئی۔ راہبوں نے اس کے اس فعل کو گناہ کبیرہ قرار دیا اور اس پر اس کی ملامت بھی کی۔ اُنھوں
نے بادشاہ کے اس قبیح فعل کی بہت زیادہ تشہیر کی۔ ایک فلسفیانہ دور میں کسی کے ایک آدھ گناہ کو نظر انداز کیا جا
سکتا ہے۔ جبکہ متعلقہ شخص میں بہت سی خوبیاں موجود ہوں۔ جب کبھی اس کی غلطیوں کی فہرست تیار ہوتی تو اور
لاسکاریوں کی جذباتی زندگی کا تذکرہ ہوتا تو اسے سلطنت کا دوسرا بانی سمجھ کر معاف کر دیا جاتا اور نرم رویہ اختیار
کیا جاتا۔ لاطینیوں کے غلام قانون اور امن سے محروم تھے۔ انھیں دوبارہ قومی آزادی حاصل ہو چکی تھی۔
واطاقیس نے ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ اُس نے ہر شخص کو اس کا قائل کر لیا کہ یہ اُن کے اپنے مفاد میں ہے کہ
وہ اپنے آپ کو واطاقیس کی رعایا میں شامل کر کے تحفظ حاصل کریں۔

جان واطاقیس اور اُس کے بیٹے تھیوڈور کا اگر غور سے موازنہ کیا جائے تو دونوں میں زوال کے
حوالے سے ایک بہت بڑا فرق نظر آتا ہے۔ مثلاً ان کے بانی نے زمانے کی مشکلات کا مقابلہ نہ کیا تھا مگر اُس کا
وارث تو شاہی خاندان کی تمام آسائشوں کے ہمراہ پیدا ہوا تھا۔ اس کے باوجود تھیوڈور کے کردار میں توانائی کی
کمی نہ تھی۔ اُس کی تعلیم اُس کے باپ کی درسگاہ میں ہوئی تھی۔ اُس نے شکار اور فوجی تربیت بھی اُسی سے
حاصل کی تھی۔ وہ اپنے باپ کی افواج ساتھ لے کر بلغاریہ کے قلب تک پہنچ گیا تھا۔ وہ تند مزاج اور شکی ذہن کا
مالک تھا۔ پہلا عیب تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ اسے اپنے آپ پر قابو نہیں تھا اور دوسرے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اُسے
انسانی کمزوریوں اور بے ضابطگیوں کا اچھی طرح سے علم نہ تھا۔ بلغاریہ کے سفر کے دوران اُس نے اپنے ایک
خاص وزیر سے حکمتِ عملی کے متعلق سوال کیا۔ مگر یونانی منطقی جارج ایکروپولیٹا نے اپنا دیانتدارانہ مشورہ
آزادی سے بیان کر دیا جس کی وجہ سے شہزادہ ناراض ہو گیا۔ بادشاہ نے اپنی تلوار نصف کے قریب میان سے
باہر نکال لی۔ اگرچہ اُسے غصہ تو بہت زیادہ آ رہا تھا مگر اُس نے اسے انتہائی سزا دینے سے گریز کیا اور
ایکروپولیٹا اُس موقع پر بچ گیا۔ اس نے اپنے سب سے بڑے فوجی افسر سے کہا کہ وہ گھوڑے سے اُترے اور
اس کے کپڑے اُتارے اور اسے فوج اور بادشاہ کے سامنے زمین پر گرا دے۔ اس نے دو محافظوں سے کہا کہ

اسی حالت میں اس پر اس قدر ڈنڈے برسائیں۔ جب بادشاہ نے حکم دیا کہ اب اس عمل کو بند کردو تو غریب یونانی منطقی کھڑے ہونے کے قابل نہ تھا اور اسی حالت میں گھٹنوں کے بل اپنے خیمہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ چند دن گزرنے کے بعد اسے دوبارہ پیغام بھیج کر بلایا گیا اور حکم دیا گیا کہ وہ اپنی نشست سنبھال لے۔ یونانی اس کی بدسلوکی سے اس قدر بیزار ہو چکے تھے کہ ایک ظلم کا مارا یونانی خود بیان کرتا ہے کہ ہم ساری زندگی اس کی طرف سے تذلیل کا سبق حاصل کرتے رہے ہیں اس کا ظلم اتنا زیادہ بڑھ گیا تھا کہ لوگ سمجھتے کہ اسے کسی بیماری کے دورے پڑتے ہیں اس کی زندگی جلد ختم ہوگئی۔ سمجھا جاتا ہے کہ اسے زہر دے دیا گیا۔ کچھ لوگ جادو کا شبہ کرتے ہیں۔ جب کبھی اس پر عصبی دورہ پڑتا تو اس کے رشتہ داروں اور شرفا کی آنکھیں اور اعضا ضائع ہو جاتے۔ اس کی موت سے قبل واطاقیس کے بیٹے کو اس کے جرائم کی وجہ سے عدالت میں پیش کرنا لازمی تھا یا عوام خود اس کے خلاف مناسب فیصلہ کرتے اور اس کے مظالم کا بدلہ لے لیا جاتا۔ پلائیولوگی (Paleaologi) خاندان کی ایک خاتون نے اسے اس وجہ سے غصہ دلایا کہ اُس نے اپنی خوبصورت بیٹی ایک کسان کو دینے سے انکار کر دیا جو محض اس نے اپنی حرص و ہوا کی وجہ سے طلب کی تھی اور اس کے خاندان اور عمر کی بھی کوئی پروا نہ کی۔ اُس کا جسم گردن تک ایک بوری میں بند کر دیا گیا اور بوری میں متعدد بلیاں بھی ڈال دی گئیں۔ بلیوں کو سوئیاں چبھوئی جاتیں تاکہ وہ اپنے بے گناہ شکار پر بار بار جھپٹیں۔ اپنے بستر مرگ پر اُس نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ اُسے معاف کر دیا جائے اور وہ بھی سب کو معاف کرتا ہے۔ اسے اپنے بیٹے جان کے متعلق تشویش تھی جو اس کا جانشین ہونے والا تھا لیکن اُسے آٹھ سال کی عمر میں ہی اس لیے معزول کر دیا گیا کہ اس کی نابالغی بہت طویل تھی۔ اس کے آخری انتخاب کو اسقف کی محفوظ پناہ میں دے دیا گیا یعنی آرسینی اُوس کو اس کا ولی مقرر کر دیا گیا۔ ایک پرانے گھریلو ملازم جارج موزالون سے جو بڑا حوصلہ مند شخص تھا، عوام اس سے بھی اُتنی ہی نفرت کرتے تھے، جتنی کہ انھیں بادشاہ سے تھی۔ جب سے ان کا لاطینیوں سے رابطہ ہوا تھا، تمام شاہی وقار اور اعزاز یونانی خاندانوں میں منتقل ہوگیا تھا۔ اس لیے اس نااہل ظالم شخص کے انتخاب پر اُمرا اور عوام سخت مشتعل ہوگئے۔ وہ سمجھتے تھے کہ سابقہ حکومت کی تمام غلطیوں اور مظالم کی جڑ یہی شخص تھا۔

بادشاہ کی موت کے بعد جو کونسل کا پہلا اجلاس ہوا، اُس میں موزالون نے بلند تخت پر سے اپنے اعمال اور غلطیوں کے لیے معافی طلب کی اور بعض کا اعتراف بھی کیا۔ اس کے عجز و انکسار کو پسند کیا گیا اور اس کے دشمنوں نے بھی اسے اس کی عظمت کا یقین دلایا اور اس کی وفاداری کو قبول کرتے ہوئے اسے بچے کا

اتالیق اور رومیوں کا فرمانروا تسلیم کر لیا۔ سازش کی تکمیل کے لیے آٹھ دن کافی تھے۔ نویں دن بادشاہ کی میگنیشیا کے گرجا گھر میں تخت پوشی کی رسم ادا کر دی گئی۔ یہ ایک ایشیائی شہر تھا، جہاں پر وہ ہرمز کے کنارے کوہ سپائی لوس کے دامن میں فوت ہوگیا۔ جب محافظین نے بغاوت کر دی تو تمام عہدیداروں کو معطل کر دیا گیا۔ موزالون کا بھائی اور ساتھی قربان گاہ کے دامن میں قتل کر دیے گئے۔ غیر حاضر اسقف نے اپنا ایک نیا ساتھی تلاش کر لیا جو میکائیل پلائیولوگوس تھا۔ اس شخص کا تعلق یونانی شرفا کے خاندان سے تھا۔

ان میں سے کچھ اور لوگ جن کو شرفائے یونان کی اولاد ہونے کا فخر حاصل تھا۔ ان میں سے بیشتر اس پر مطمئن تھے کہ ایک مقامی آدمی برسرِ اقتدار آ گیا ہے۔ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو یہ چاہتے تھے کہ مقامی آثار و روایات اور یونان کی تاریخ میں اُن کا نام باقی رہ جائے۔ بازنطینی حوالے سے پلائیولوگی کا نام ان میں نمایاں ترین ہے۔ جارج پلائیولوگوس ایک بہادر شخص تھا جس نے کہ کومنینی کے باپ کو تخت پر بٹھایا تھا تاکہ اس کے خاندان کا اور کوئی دوسرا شخص یا اُس کے ورثا میں سے کوئی اس نسلی اقتدار پر قائم رہ سکے یا اُس خاندان کی کونسل میں نمائندگی قائم رہے۔ ان کے وجود سے شاہی اختیارات پر کسی قسم کا کوئی اثر نہ پڑتا اور قانونِ وراثت بالخصوص بیٹیوں کے قانون وراثت پر اگر سختی سے عمل کیا جاتا تو تھیوڈور کی بیگم اپنی بڑی بہن کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتی۔ میکائیل پلائیولوگوس کی ماں نے بعد ازاں اپنے خاندان کو تخت نشین کرا لیا۔ اس صورت میں صرف خاندانی استحقاق کو مدنظر رکھا گیا اور سپاہیانہ اور مدبرانہ صفات کو نظر انداز کر دیا گیا۔ ابتدائے شباب میں اسے کانسٹیبل یا فرانسیسی رضاکاروں کے سپہ سالار کی حیثیت سے بھرتی کیا گیا تھا۔ اس کے ذاتی اخراجات کبھی تین طلائی ٹکڑوں سے زائد نہیں رہے۔ مگر اس کے مطالبات اس کی عادات کے مطابق بہت زیادہ اور خطرناک تھے۔ جب اس کی حیثیت بدلی تو اس کی طبیعت کے مطابق اس کے تحائف کی مقدار دُگنی ہوگئی۔ سپاہ اور عوام کی محبت کی بنا پر اس کے خلاف حسد کے جذبات میں بھی اضافہ ہوگیا اور دربار اس جذبے سے زیادہ متاثر ہوا اور میکائیل تین دفعہ اُن خطرات سے بال بال بچا جو اس کی اپنی یا اس کے دوستوں کی حماقت کے نتیجے میں پیدا ہوئے تھے۔

۱۔ جسٹس واطاقیس کے دورِ حکومت میں ایک اختلاف رونما ہوا۔ یہ تنازع افسران کے مابین تھا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے پر الزام عائد کیا تھا کہ اُس نے پلائیولوگی کے حقوقِ وراثت کا انتظام و انصرام اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ لاطینیوں کی نئی تشریحِ قانون کے مطابق اس مقدمے کا فیصلہ کیا گیا کہ واحد مقابلہ

کرلیا جائے مگر اُس نے خود ہی اعترافِ جرم کرلیا اور کہا کہ اُس نے یہ بیانات معاملے کی مکمل تحقیقات اور تصدیق کے لیے دیے ہیں اور اسی معاملے سے کوئی دوسرا شخص اُس کا شریکِ کار نہیں۔ مگر اس کے باوجود رضا کاروں کے سپہ سالار کے متعلق شکوک کے بادل موجود رہے اور اُس کے حاسدین اُس کے خلاف سرگوشیوں میں مصروف رہے اور ایک ہوشیار درباری نے جو فلاڈلفیا کا اسقفِ اعظم تھا اُس نے تجویز پیش کی کہ خدائی فیصلے پر معاملہ چھوڑ دیا جائے اور لوہے کے آتشیں گولے کو استعمال میں لایا جائے۔ اس آزمائش سے تین روز قبل ملزم کا بازو ایک بوری میں باندھ دیا گیا اور اُس پر شاہی مہر لگا دی گئی اور شاہی دستخط بھی کر دیے گئے۔ اس پر یہ شرط عائد کردی گئی کہ وہ قربان گاہ کے جنگلے سے لوہے کا آتشیں گولہ تین بار اُٹھائے گا۔ اس میں نہ تو کوئی حفاظتی شے استعمال کی جائے گی اور اسے کسی قسم کا زخم نہ آیا تو اسے بے گناہ سمجھا جائے گا۔ پلائیولوگوس کو یہ خطرناک تجویز دلچسپ معلوم ہوئی اور ملزم نے کہا ''میں ایک سپاہی ہوں، کسی کے ساتھ بھی شمشیر آزمائی کے لیے تیار ہوں۔ مجھ پر الزام تراشی کرنے والوں میں سے کوئی بھی سامنے آ سکتا ہے۔ مگر میں ایک عام دنیادار آدمی ہوں اور گناہگار انسان ہوں اور میرے جیسے گناہگار انسان معجزات دکھانے کے قابل نہیں ہوتے۔ اُسقفِ اعظم ایک مقدس انسان ہے اور اُسے آسمانی امداد حاصل ہے۔ اس لیے مناسب ہوگا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے یہ گولہ اُٹھا کر میرے ہاتھ پر رکھ دیں تو میں اُسے وصول کرلوں گا اور اپنی معصومیت ثابت کردوں گا۔ اسقفِ اعظم اُٹھ کر چلنے لگا تو بادشاہ مسکرایا اور میکائیل کو معاف کر دیا۔ اُسے انعام دیا گیا اور ملازمت میں رکھ لیا گیا۔

۲۔ اس کے بعد میں آنے والی حکومت میں اسے نائس کی فرمانروائی سپرد کر کی گئی۔ اُسے خفیہ اطلاعات ملیں کہ اُس کے خلاف، حاسدوں نے بادشاہ کے کان خوب بھرے ہیں۔ حاسد اپنے منصوبے میں کامیاب رہے ہیں، اس لیے ممکن ہے کہ اُسے سزائے موت ہو جائے یا اندھا کر دیا جائے اور رضا کاروں کے سالار تھیوڈور کا میکائیل کے دربار میں واپسی کا انتظار کیا جا رہا ہے اور اُس نے اپنے ہمراہ چند ساتھی لیے اور شہر سے باہر نکل گیا اور پھر سلطنت سے بھی باہر چلا گیا۔ اگرچہ اُسے صحرائی ترکمانوں نے لوٹ لیا تھا مگر سلطان نے اپنے دربار میں اس کا خوش دلی سے استقبال کیا اور پناہ دے دی۔ میکائیل کا بطور مفرور درجہ مبہم تھا۔ مگر میکائیل نے وفاداری اور شکر گزاری کا مظاہرہ کیا۔ اُس نے تاتاریوں کے خلاف خوش اسلوبی سے شمشیر زنی کی اور روی حملہ آوروں کو بھی اُن کی حدود کے اندر رکھا اور اس نے اپنے اثرات کے تحت امن بھی بحال کر دیا۔ اس کے

نتیجے میں اسے معافی مل گئی اور واپس بھی بُلا لیا گیا اور اسے باوقار سرخروئی حاصل ہوئی۔

۳۔ اگرچہ اس نے مغرب کو اپنی روس کی مطلق العنانیت سے محفوظ رکھا۔ اس کے باوجود اس پر شک کیا گیا اور اسے محل میں نظر بند کر دیا گیا۔ وہ وفادار تھا یا یہ اُس کی کمزوری تھی کہ ایک بار پھر اُسے زنجیر بستہ حالت میں دوراز وسے نائس تک کا سفر کرنا پڑا۔ پیغام رساں کی خوش اخلاقی کی وجہ سے اسے راستے کی ایذا کسی قدر کم محسوس ہوئی۔ چونکہ بادشاہ بیمار تھا اس لیے اس کا خطرہ بھی ٹل گیا۔ اس کا ولی عہد بیٹا کم سن تھا۔ اس کے ساتھ ہی پلائیولوگوس کے اختیارات اور اُس کی معصومیت کا بھی فیصلہ ہو گیا۔

اس کی معصومیت کے ثبوت کو کچھ زیادہ اہمیت نہ دی گئی مگر اس کے اختیارات کو شدت سے محسوس کیا گیا۔ بلکہ یہ محسوس کیا گیا کہ اس کے حبِّ اقتدار کو سختی سے دبا دیا جائے اور اسے میدان میں کھلا چھوڑ دیا جائے۔ تھیوڈور کی موت کے بعد کونسل کا جو اجلاس منعقد ہوا تھا، اُس میں یہ پہلا شخص تھا جس نے موزالون کے خلاف آواز اُٹھائی تھی۔ اس میں اس کا کردار اتنا عمدہ رہا تھا کہ اب اُس کے مفادات کے حصول کا وقت آ گیا تھا۔ اس کا کردار بالکل صاف تھا۔ اس نے کوئی جرم نہ کیا تھا۔ کم از کم اس نے مابعد قتلِ عام میں کوئی حصہ نہ لیا تھا۔ اب جبکہ ایک نائب السلطنت کی ضرورت تھی تو اس کا کردار تمام اُمیدواروں میں سب سے زیادہ متوازن تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ماسوائے اس کے باقی تمام اُمیدوار آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے اور باہم حسد کرنے لگے۔ لیکن پلائیولوگوس کو ان سب میں سے بہتر سمجھا گیا۔ اسے عظیم ڈیوک کا خطاب دیا گیا۔ اُس نے ولی عہد کی طویل نابالغی کے دور میں حکومت کے امور اور سرگرمیوں کو اچھی طرح سے سرانجام دیا اور شرفا کے گروہوں کو ساتھ ملائے رکھا، یا اُن پر دباؤ قائم رکھا گیا۔ اس عمل میں اس نے اعلیٰ ذہانت سے کام لیا۔ واطاقیس نے جو بڑی محنت سے اموال جمع کیے تھے۔ اُنھیں ہرمز کے کنارے واقع ایک قلعے میں بڑی احتیاط سے محفوظ کر دیا گیا۔ ایک وفادار وارنجیوں کو ان کا نگران مقرر کر دیا گیا۔ رضا کاروں کے سالارِ اعلیٰ نے بیرونی افواج پر گہری نظر رکھی اور خزانے کی حفاظت کے لیے محافظین بھی مقرر کر دیے۔ یہ ممکن تھا کہ عوام کے ان خزانوں کا غلط استعمال کیا جائے۔ لیکن اس کا کردار اتنا بلند تھا کہ اس کے خلاف اس قسم کا کوئی شک نہ کیا جا سکتا تھا۔ اس نے خود یا اپنے قاصدوں کے ذریعے سلطنت کے ہر فرد کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ اُن کی خوشحالی خود اس کے انتظام سے وابستہ ہے۔ کیونکہ وہ اقتدار کو متوازن انداز میں استعمال کرے گا۔ محصولات کا بوجھ معطل کر دیا گیا۔ عوام کی طرف سے اسی سلسلے میں بہت زیادہ شکایات موصول ہوتی رہتی تھیں۔ عدالتی مقابلوں کا رواج ختم کر دیا گیا۔ یہ

جنگی دستور فرانس میں اس سے قبل ہی ختم کر دیا گیا تھا اور انگلستان میں بھی اس پر عمل نہیں ہو رہا تھا اور تلوار کا سہارا مہذب افراد کو بیزار کرتا تھا اور ایسے افراد جو جنگ سے نفرت کرتے ہوں اُن کے لیے تو یہ عمل انتہائی ناپسندیدہ تھا۔ سابقہ تجربہ کار فوجی اس لحاظ سے خوش تھے کہ اُنھیں اپنے بیوی بچوں کی پرورش کے لیے مزید وقت دے دیا گیا ہے اور پجاری اور فلسفی بھی اس پر خوش تھے کہ علم اور مذہب کی ترویج و ترقی کے لیے مواقع فراہم کر دیے گئے ہیں۔ اس نے اتنے وعدے کر لیے تھے کہ ہر شخص سمجھنے لگا تھا کہ اُس کی توقعات پوری ہو سکیں گی۔ یہ اپنے حق میں کثرتِ آرا حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا جسے رعایا کی طرف سے ایک حکم کا نام دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ نائس سے میگنیشیا تک کا سفر خاصا مہنگا ثابت ہوا۔ اس میں حیلہ جوئی بھی بہت کرنی پڑی۔ بعض نومذہب افراد اس کے رات کے سفر میں لالچ کا شکار ہو جاتے۔ جبکہ یہ راست گو پادری ان کی خوشامد پر مطمئن رہتا۔ جو اس کے خچر کی لگام پکڑ کر اس کے شہر میں لے آئے اور جب لوگوں کی بھیڑ میں شامل ہو گئے تو احترام کا فاصلہ بھی ختم ہو گیا۔ اس نے اپنا شاہی خطاب پلائیولوگوس ترک کر دیا اور لوگوں کے ساتھ آزادانہ بحث شروع کر دی کہ بادشاہ کو ہمیشہ بذریعہ انتخاب آنا چاہیے اور اس کے پیروکار سوال کرتے کہ اس کی کامیابی کے بعد کیا ہوگا۔ وہ پوچھتے کہ ایسا کون سا سوداگر ہوگا جو اپنی وراثت چھوڑ دے گا اور ایسا کون سا مالک ہوگا جو اپنے جہاز کو اپنے ناخداؤں یا ملاحوں کے لیے چھوڑ دے گا؟ شہزادہ ابھی نابالغ تھا اُسے رہنمائی اور تحفظ کی ضرورت تھی۔ ایک ایسے سرپرست اور اتالیق کی ضرورت تھی جو اُس کی مدد کرے۔ وہ اُس کے برابر نہ ہوتا کہ اُس کے دل میں شہزادے کے لیے حسد پیدا نہ ہو سکے مگر اسے تمام شاہانہ خطابات اور اختیار حاصل ہوں، شہزادے اور عوام کے مفاد میں یہی ہے کہ وہ اپنے خاندان یا اپنی ذات کی پروا نہ کرے۔ ان شرائط کے تحت عظیم ڈیوک (نواب) نے یہ تمام ذمہ داری قبول کر لی مگر اُس نے اُس وقت تک انتظار کیا جب تک کہ وہ اپنے ہاتھ مضبوط کر سکے۔ اپنے آباواجداد کے ترکے پر قبضہ کر لے اور عوام کی برکات حاصل کر سکے۔ اُسے پہلے تو مطلق العنان ہونے کا خطاب اور اختیارات تفویض کیے گئے۔ پھر بادشاہت کی تمام علامات بھی اُسے دے دی گئیں اور اس نے رومی بادشاہت کا دوسرا رتبہ حاصل کر لیا۔ جان اور میکائیل کے متعلق اعلان کرا دیا کہ وہ اس کے متحد ساتھی ہیں۔ یہ اعلان کچھ تاخیر سے ہوا۔ پھر کمر بند پہن لیا تاکہ یہ ثابت ہو کہ حقیقی شہزادے کا پیدائشی حق محفوظ ہے اور کسی ہنگامی صورت میں عوام کو وفاداری کا پابند کر لیا گیا۔ اگر کوئی شخص دخل اندازی کرے گا تو وہ اُس کی مخالفت کریں گے۔ اُنھیں ایک مبہم سا نام دے دیا گیا کہ وہ مطمئن ہو گئے اور نائس کے گرجا گھر میں اس کی تاجپوشی کی

رسم ادا کر دی گئی اور اس کے ساتھیوں نے اس کی عمر اور اہلیت کا بخوبی اعتراف کیا اور زیادہ مناسب وقت پر جان لاسکاری کی رسم تاجپوشی بھی ادا کر دی گئی اور وہ آہستہ روی سے ہلکا سا تاج پہنے ہوئے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چلتا رہا۔ محافظین کا سلسلہ اس کے ہمراہ تھا۔ اُس نے اس سے کچھ دیر قبل ہی اپنا تاج اُسقف کے ہاتھ سے موصول کیا تھا۔ آرسینی اوس نے بڑی مشکل سے اپنے شاگرد کے دعوے سے دست برداری اختیار کی۔ مگر وارنجیوں نے اپنے جنگی کلہاڑے نکال لیے اور لرزاں نوجوان شہزادے سے دست برداری کی منظوری حاصل کر لی گئی اور ایسی آوازیں بلند ہونے لگیں کہ ایک بچے کی زندگی کے لیے قومی مفادات قربان نہیں کیے جا سکتے۔ شکرگزار پلائیولوگوس کی وجہ سے اسے ایسی بہت سی ملازمتوں اور اعزازات کو قربان کرنا پڑا اور انھیں اپنے دوستوں میں تقسیم کرنا پڑا۔ اسے ایک مطلق العنان اور دو نائبین سلطنت کی آسامیاں تشکیل دینی پڑیں۔ جو اس نے اپنے خاندان کے افراد میں تقسیم کر دیں۔ الیکسی اُوس سٹرائے گوپولوس کو قیصر کا خطاب عنایت کیا گیا اور اس مردِ شریف نے جلد ہی قسطنطنیہ کو شاہِ یونان کے لیے فتح کر کے اس مہربانی کا حق ادا کر دیا۔

اس دورِ حکومت کے دوسرے سال اس نے نمفائی اُوم کے باغات اور محلات پر حملہ کر دیا۔ یہ مقام سمرنا کے قریب ہے۔ نصف شب کے قریب وہاں سے ایک ایلچی آیا اور میکائیل کو یہ زبردست خبر سنائی۔ اُس کی بہن نے اُسے اپنے نرم ہاتھوں سے بڑی شفقت سے جگایا (اس کا نام یولو گیا تھا)۔ یہ شخص ایک اجنبی تھا یا اس کی صحیح شناخت نہ کی جا سکی۔ وہ فاتح قیصر سے کوئی مکتوب لے کر نہ آیا تھا۔ اسے بآسانی کوئی انعام بھی نہ دیا جا سکتا تھا۔ واطاقین کی شکست کے بعد اور حالیہ پلائیولوگوس کی ناکامی کے پیشِ نظر، دارالحکومت پر آٹھ سو سپاہیوں نے اچانک حملہ کر دیا۔ مشکوک خبر رساں کو حراست میں لے لیا گیا۔ اگر اُس کی خبر درست نکلتی تو اُسے انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا جاتا اور غلط ہونے پر سزائے موت یقینی تھی۔ عدالت کچھ روز اُمید و بیم میں مبتلا رہی۔ یہاں تک کہ الیکسی اُوس کا پیغامبر ایک مستند خبر لے کر آ گیا اور فتح کے انعامات پیش کیے۔ تلوار اور تخت دونوں ان میں شامل تھے۔ غاصب کی ڈھال اور جنگی جوتے بھی تھے۔ یہ تمام اشیا بالڈون کی ذاتی ملکیت تھیں۔ جو میدانِ جنگ میں مارا گیا تھا۔ اُس نے فرار کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اراکین نے مجلس قانون ساز اور شرفا کا فوری طور پر اجلاس طلب کیا گیا۔ سب کے دل مسرور ہوئے۔ اس سے پیشتر اتنی بڑی خوشی غالباً کسی خبر پر نہ ہوئی ہوگی۔ قسطنطنیہ کے نئے بادشاہ نے اپنی ایک تیار کردہ تقریر میں اپنے آپ کو اور تمام قوم کو مبارکباد پیش کی۔ اُس نے کہا کہ ماضی میں ایک ایسا وقت بھی آیا تھا۔ جبکہ رومی سلطنت کی حدود

ایڈریاٹک، دجلہ اور حبشہ کی سرحدوں تک پھیل چکی تھی۔ پھر اس قدر بدقسمت ایام کا سامنا کرنا پڑا کہ خود ہمارا اپنا دارالحکومت بھی ہم سے چھین لیا گیا اور مغرب کی وحشی اقوام کے ہاتھوں میں چلا گیا اور ہماری جائیدادیں مفروروں اور بھگوڑوں نے سنبھال لیں۔ ایسی حالت پر کرۂ ارض اور افلاک کو بھی شرم آنے لگی۔ انتہائی پستی سے اب خوش قسمتی کی لہریں ہمارے حق میں چلنی شروع ہوگئی ہیں۔ خدا کی مہربانی سے قسطنطین کا شہر دوبارہ ہمارے ہاتھ لگ گیا ہے۔ یہ اب ہماری جرأت اور بہادری پر منحصر ہے کہ ہم مستقبل میں مزید فتوحات حاصل کریں۔'' پس عوام اور بادشاہ دونوں بے تاب ہو رہے تھے۔'' مگر لاطینیوں کے شہر سے نکال دیے جانے کے بعد میکائیل کو صرف بیس دن صرف ہوئے اور اس کے بعد وہ شہر میں داخل ہوگیا۔ جب وہ قریب پہنچا تو سنہری دروازہ کھول دیا گیا۔ فاتح اپنے گھوڑے سے اُترا تو اُس نے اپنے سامنے دیکھا تو اُسے حضرت مریم کا ایک معجزانہ بت نظر آیا جو فتح کی علامت کے طور پر وہاں رکھ دیا گیا۔ اس سے یہ مراد تھی کہ یہ مقدس بت اُسے اپنے بیٹے کے گرجے کی طرف رہنمائی کرے جو سینٹ صوفیہ کے کیتھیڈرل کے نام سے موسوم تھا۔ مگر شہر کی رونقیں ختم ہو چکی تھیں۔ ہر قسم کے کھنڈرات اور اُداسی کے مناظر نظر آ رہے تھے۔ محل میں گرد اور دھوئیں کے بادل منڈلا رہے تھے۔ فرینک اس شہر کو بالکل تباہ کر گئے تھے اور بعض عادات استدادِ زمانہ کی نذر ہو چکی تھیں۔ بعض خوبصورت عمارات کی نقاشی اور آرائش اُتر چکی تھی۔ گویا وہ بھی اُس کی جلاوطنی سے مراجعت کا انتظار کر رہی تھیں اور لاطینی تو صرف تباہی اور لوٹ مار ہی میں مصروف رہے تھے۔ بدنظمی اور مایوسی کے عالم میں تجارت ختم ہو چکی تھی اور شہر کی بے رونقی کے ساتھ آبادی میں بھی بہت کمی آ چکی تھی۔ یونانی بادشاہ کا پہلا فرض یہ تھا کہ وہ اُمرا کے طبقے کو اُن کے آباؤ اجداد کے مقامات پر بحال کرے اور خالی زمین یا محلات کی ملکیت کی بازیافت کرے۔ خالی جائیداد کو اُن کے اصل مالکان کے حوالے کر کے اُنھیں آباد کیا گیا۔ اُس نے باہر سے آبادی کو بلا کر بھی فیاضانہ طور پر قسطنطنیہ کو آباد کر دیا۔ بہادر رضا کاروں کو بھی شہر میں آباد کر دیا گیا۔ اس شہر کو اُن کے زورِ بازو ہی سے فتح کیا گیا تھا۔ فرانسیسی خاندان اپنے بادشاہ کے ساتھ ہی مراجعت اختیار کر گئے تھے مگر لاطینیوں کی غریب آبادی صبر کے ساتھ شہر میں بیٹھی رہی۔ اُنھیں آقاؤں کی تبدیلی سے کوئی سروکار نہ تھا۔ بجائے اس کے وہ غیر ملکیوں کے کارخانے بند کرتا ان میں اہلِ پیسا اور اہلِ وینس کی اجارہ داری تھی۔ مفتخر فاتح نے اُن کی وفاداری کے حلف کو قبول کر لیا۔ ان میں جینوا کے لوگ بھی شامل تھے۔ ان کی صنعت و حرفت کی حوصلہ افزائی کی اور اُن کی مراعات کی توثیق کر دی اور اُنھیں یہ بھی اجازت دے دی کہ وہ اپنی مرضی کے حاکمِ اعلیٰ کے علاقے

میں اپنا کاروبار جاری رکھیں۔ ان اقوام میں سے پیسا اور وینس کے لوگوں نے اپنے اپنے علاقوں میں قیام ہی کو ترجیح دی اور شہر کے اُسی حصے میں رہے جو اُن کے لیے مخصوص تھا مگر جہاں تک اہلِ جینوا کا سوال ہے انھیں یونانیوں سے بہت حسد تھا۔ اس لیے ان کے لیے ایک آزاد بستی، بندرگاہ کے قریب ہراکلیا میں بسائی گئی۔ یہ تھریس کے علاقے میں واقع تھی۔ اس طرح یہ لوگ غلاطہ کے قریب جلد اور تیز رفتاری سے آباد ہو گئے۔ یہ مقام ان کے لیے بہت منفعت بخش تھا۔ یہاں انھوں نے اپنا کاروبار چمکا لیا جس سے بازنطینی افراد میں ان کے لیے حسد کے جذبات پیدا ہوئے اور بازنطینی سلطنت کے وقار کا بھی منہ چڑانے لگے۔

قسطنطنیہ کی بازیافت کو جدید سلطنت کا سال قرار دیا گیا۔ فاتح بذاتِ خود تلوار کے بل پر کامیاب ہوا اور پھر سینٹ صوفیہ میں اپنی تاجپوشی کی رسم ادا کی اور جان لاسکاری کا نام اور وقار بھی روشن ہوا۔ اسے اس کے شاگرد کے ساتھ جو حسبِ قانون تاج و تخت کا وارث بھی تھا۔ اپنے مقامات سے ہٹا دیا گیا۔ مگر عوام کے اذہان میں ان کے مطالبات ابھی تک زندہ تھے اور شہزادہ جلد ہی اپنی بلوغت کی منزل پر پہنچنے والا تھا۔ پالیولوگس کا ضمیر یہ گوارا نہ کرتا تھا کہ وہ شہزادے کے خون سے اپنے ہاتھ آلودہ کرے۔ مگر اسے تشویش تھی کہ عوام اسے غاصب قرار دے دیں گے اور اُسے کسی نے یہ مشورہ دیا کہ وہ تاج و تخت پر اپنا قبضہ پکا کرے اور اس کے لیے یہ پروا نہ کرے کہ وہ کسی جُرم کا مرتکب ہو رہا ہے۔ شہزادے کو بصارت سے محروم کر دیا گیا اور وہ اس قابل نہ رہا کہ کاروبارِ سلطنت میں فعال کردار ادا کر سکے۔ بجائے اس کے کہ اس کی آنکھیں نکالتا ایک چمکدار تپتے ہوئے برتن کو اُس پر ڈال کر اُس کے اعصابِ بصارت کو ختم کر دیا گیا اور جان لاسکاری کو ایک دور اُفتادہ مقام کے قلعے میں منتقل کر دیا گیا، جہاں اُس نے اپنی باقی ماندہ زندگی کے ایام تنہائی اور گم نامی میں بسر کر دیے۔ اگر میکائیل کو خدا کی مہربانی پر یقین تھا تو اُسے عوام کی دل شکستگی اور لعنت ملامت کا عمر بھر سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ وہ بنی نوعِ انسان کے غضب سے کبھی نہ بچ سکتا تھا جو اُس نے بغاوت اور مظالم کے ارتکاب سے حاصل کیا تھا۔ اس نے درباری ظلم سے عوام کے احتجاج کو خاموش کر دیا اور مذہبی رہنماؤں کو تو غیر مرئی خدا کا خوف لاحق تھا۔ اس مقدس لشکر کی ایک اُسقف نے رہنمائی شروع کر دی۔ اُسے نہ تو اپنی ذات کے لیے کوئی اُمید تھی اور نہ وہ کسی سے خوف زدہ تھا۔ اُس نے اپنے وقار کو ایک مختصر وقفے کے لیے پس پشت ڈال دیا۔ آرسینی اُوس اس پر رضامندی کا اظہار کر چکا تھا کہ وہ قسطنطنیہ کے کلیسائی تخت پر بیٹھ جائے گا اور کلیسا کی حکومت کی بحالی کے لیے جدوجہد کرے گا۔ مگر پالیولوگس طویل عرصے تک اس کی سادگی مزاج کو دھوکا دیتا رہا۔ لیکن اُسقف صبر سے

برداشت کرتا رہا۔ اُس کا خیال تھا کہ اس طرح وہ نوجوان شہزادے کی جان بچا سکے گا۔ لیکن اُس نے اس کے غیر انسانی کردار کی خبر سنی تو اُسقف نے بھی اپنی روحانی تلوار برہنہ کر لی اور انسانیت کے نام پر انصاف کا تقاضا کیا۔ اُس نے بشپوں کے ایک اجتماع میں اعلان کیا کہ اس کا مکمل مقاطعہ کر دیا۔ تمام بشپ اس کے ہم خیال تھے اور سب اس کے جوش وخروش سے متاثر تھے۔ اگرچہ وہ ابھی تک اپنی معقولیت کے پیش نظر اپنے خطبات میں مائیکل کا نام لیے جا رہا تھا۔ مشرق کے اُسقف نے روم کے قدی خطرناک اصولوں پر عمل نہیں کیا تھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اُن کی طرح لعنت وملامت کا ہتھیار استعمال کر سکے گا۔ جس کے تحت وہ حکمرانوں کو تخت سے ہٹا دیتے تھے یا اُنھیں وفاداری کے حلف سے آزاد کرا دیتے تھے۔ مگر وہ عیسائی جنھیں خدا اور کلیسا سے الگ کر دیا گیا تھا۔ اُنھیں اپنی عزت کا خیال پیدا ہو گیا۔ وہ انتہائی خوفناک اور خطرناک ثابت ہوئے۔ ایسی صورت پیدا ہو گئی تھی کہ عوام بغاوت کر دیں اور اپنے ہاتھوں میں تلواریں اُٹھا لیں۔ پلائیولوگس کو خطرے کا احساس ہو گیا۔ اُس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا اور اپنے جج کی تنزلی کر دی۔ یہ اقدام ناقابلِ واپسی نہ تھا۔ انعام حاصل کر لیا گیا اور سخت تأسف کا اظہار کر کے استغفار بھی کی۔ وہ اس حد تک گر گیا کہ ایک گناہگار ولی اللہ نظر آنے لگا۔ مگر اُسقف نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اُس کے نزدیک ایسی کوئی صورت موجود نہ تھی جو اُسے اُس کے گناہ سے نجات دلا سکے۔ اُس پر رحم کھانا بھی ممکن نہیں۔ چونکہ اس کا جرم انتہائی شدید تھا۔ اس لیے اس کی سزا بھی اُتنی ہی شدید ہونی چاہیے۔ میکائیل نے جواب دیا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں تخت سے دست بردار ہو جاؤں؟ ان الفاظ کے ساتھ اُس نے حکومت کی تلوار اُسے پیش کر دی یا ایسا معلوم ہوا کہ وہ تلوار پیش کر رہا ہے۔ آرسینی اُوس نے سخت لالچ سے اسے قبول کرنے کی کوشش کی مگر عملی طور پر کچھ نہ ہوا۔ ایسا معلوم ہوا کہ شہنشاہ اپنی توبہ کے لیے اتنی بڑی قیمت ادا کرنے پر تیار نہیں۔ وہ خاموشی سے کھسک کر اپنے حجرے میں چلا گیا اور گناہگار حکمران کو دروازے کے سامنے گھٹنے ٹیک کر روتے ہوئے چھوڑ گیا۔

اس انقطاعِ تعلق کا خطرہ اور بدنامی تین سال تک قائم رہی۔ پھر اُس کی توبہ اور تاسف کی وجہ سے عوام کا جوش ملامت بھی کم ہو گیا۔ پھر آرسینی اُوس کے کلیسائی بھائی بھی اُس کے غیر لچکدار رویے کی ملامت کرنے لگے جو انجیل مقدس کی روح کے بالکل مخالف ہے۔ بادشاہ نے حیلہ سازی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ اگر مقامی کلیسا اُسے ابھی بھی تسلیم کرنے سے منکر ہے تو وہ مجبور ہو کر رومی کلیسا کی طرف رجوع کرے گا اور کسی ایسے جج کو تلاش کرے گا جو زیادہ سے زیادہ نرمی سے کام لے سکے۔ لیکن یہ ممکن نہ تھا کہ وہ باہر سے کوئی جج لا کر

بازنطینی کلیسا کے سر پر سوار کر دے۔ آرسینی اُوس پر سازش کا مبہم الزام عائد کر دیا گیا اور اس افواہ کو اچھی طرح سے پھیلا دیا گیا۔ اُس کے خلاف کارروائی ناگزیر ہو گئی اور بشپوں کے ایک اجتماع میں کارروائی کر کے اسے کلیسائی عہدے سے الگ کر دیا گیا اور اُسے محافظین کی زیر حفاظت پروپونطس کے ایک جزیرے میں بھیج دیا گیا۔ اُس کے جانے سے قبل اُس نے درخواست کی کہ کلیسا کے خزانوں کا ایک سخت محاسبہ کیا جائے اور اُس نے بڑے فخر سے کہا کہ اُس کا کل اثاثہ سونے کے تین ٹکڑے ہیں۔ جو اس نے حمد یہ ترانے لکھ کر کمائے ہیں۔ وہ ہر جگہ یہی کہتا رہا کہ اسے اپنے ضمیر کی آزادی کا موقع فراہم کیا جائے اور اپنی آخری سانس تک شاہی گنہگار کو معافی دینے سے انکار کرتا رہا۔ کسی قدر تاخیر کے بعد ہائیڈریانوپل کے بشپ گریگوری کو قسطنطنیہ کے گرجے کا اُسقفِ اعلیٰ بنا دیا گیا۔ مگر یہ سمجھا گیا کہ بادشاہ کو اس جرم کی پاداش سے بچانے کے لیے اُس کے اختیارات ناکافی ہیں۔ اس لیے یہ اہم کام بشپ جوزف کے حوالے کر دیا گیا۔ اس صورت حال کو مجلس قانون ساز اور عوام کے سامنے رکھا گیا۔ چھ سال کے بعد اس کی عاجزانہ توبہ قبول کر کے اسے عیسائی برادری میں دوبارہ بحال کر دیا گیا اور انسانیت کے لیے یہ خبر بھی باعث تسکین ہو گی کہ لاسکاری کو بھی ایک معمولی سزا دے کر آزادی دے دی گئی۔ مگر راہبوں اور پادریوں کی ایک طاقتور جماعت میں ابھی تک آرسینی وس کی روح موجود تھی اور اُنھوں نے اڑتالیس سال تک یہ افتراق قائم رکھا۔ وہ میکائیل اور اُس کے بیٹے کے لیے نرم گوشے کے حامی تھے۔ کلیسا اور حکومت کے مابین آرسینی اُوس کی بحالی کا اختلاف شدت اختیار کر گیا۔ اُسے اپنی عصبیت کی کامیابی کا پورا پورا یقین تھا۔ اُس نے ایک معجزے کے ذریعے اپنے مقدمے کو مضبوط بنانے کی کوشش کی۔ اس اعتماد کے پیش نظر اُنھوں نے دو کاغذات جن میں دونوں گروہوں کا نقطۂ نظر الگ الگ مرقوم تھا، جلتی ہوئی انگیٹھی میں ڈال دیے۔ اُن کا خیال تھا کہ کیتھولک عقیدے کے حق میں تحریر کو شعلے کچھ نہیں کہیں گے مگر افسوس ہے کہ دونوں کاغذات یکساں طور پر جل کر راکھ ہو گئے۔ اس غیر متوقع نظارے سے کم از کم ایک دن کے لیے اتحاد قائم ہو گیا۔ اس کے بعد دوبارہ یہ جھگڑا شروع ہو گیا جو اس تمام دور میں قائم رہا۔ مگر جب حتمی معاہدہ ہوا تو اُس میں آرسینوں کو فتح یاب قرار دیا گیا۔ یہ اُسقف چالیس دن تک تمام مذہبی تقریبات سے غیر حاضر رہا۔ عوام سے کہا گیا کہ وہ اُن ایام میں معمول کے مطابق استغفار کرتے رہیں۔ آرسینی اُوس کی لاش خانقاہ میں جمع کرا دی گئی اور اس ولی کی روح کے صدقے میں عوام اور بادشاہ کو پچھلی نسل کے گناہوں سے نجات حاصل ہو گئی۔

پلائیولوگس کے خاندان کو اُس کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا پڑا۔ وہ اس معاملے میں بہت بے تاب

تھا کہ جانشینی کا مسئلہ طے ہو جائے اور اس غرض سے اُس نے اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ شریک اقتدار بنالیا۔ جس کا نام اینڈرونی کوس تھا جسے بعد میں (بڑا ہونے کی وجہ سے) بزرگ کا خطاب دے دیا گیا۔ اس کا رومیوں کے شہنشاہ کے طور پر اعلان کر دیا گیا جبکہ اس وقت اس کی عمر صرف نو سال تھی۔ اس کی غیر مقبول حکومت کا پہلے دور کے نو سال میں یہ حکومت میں ایک شریک کار کی حیثیت کا مالک تھا اور پچاس سال اس نے اپنے باپ کے جانشین کی حیثیت سے حکومت کی۔ اگر میکائیل ایک عام آدمی کی حیثیت سے مر جاتا تو اسے ایک بڑا آدمی سمجھا گیا ہوتا اور ہر کوئی کہتا کہ وہ حکومت کا اہل تھا۔ اس پر اس قدر مذہبی اور سیاسی حملے ہوئے کہ اُس کے پاس ایسا ایک لمحہ بھی نہ بچا جس میں کہ وہ اپنی ذات یا قوم کے لیے کوئی بہتری کی صورت پیدا کر سکتا۔ اس نے فرنگوں سے متعدد جزیرے چھین لیے جو جزیرہ نما میں واقع تھے۔ یعنی آرکی پیلاگو، لیسبوس، چی اوس، اور رہوڈز۔ اس کا بھائی قسطنطین ملواشیا اور سپارٹا میں افواج کی سپہ سالاری کے لیے بھیجا گیا۔ موریہ کی مشرقی سمت بھی اس میں شامل تھی۔ جو آرگوس اور نیپولی سے لے کر طائنا روس کی راس تک پھیلا ہوا تھا۔ ان علاقوں پر یونانیوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔ اسقفِ اعظم نے عیسائیوں کا فضول خون بہانے کی سخت مذمت کی۔ مذہبی رہنما سمجھتے تھے کہ یہ تمام خون ریزی دونوں اطراف سے عیسائیوں کے درمیان ہو رہی ہے۔ مگر ان جنگوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ دردانیال سے مشرق کی طرف کے تمام علاقے ترکوں کے لیے بالکل خالی ہو گئے۔ ایک رکن مجلس نے مرتے ہوئے یہ پیش گوئی کی تھی کہ جب قسطنطنیہ بازیاب ہو گیا تو اُس وقت سے ایشیا کی تباہی کا آغاز ہو جائے گا۔ میکائیل کی فتوحات اُس کے نائبین نے حاصل کی تھیں۔ اُس کی تلوار تو محل کے اندر ہی زنگ آلود ہو گئی تھی اور وہ صرف پوپ اور نیپلز کے بادشاہ کے ساتھ ہی معاہدے کرتا رہا اور اس کی تمام سیاسی کامرانیوں پر دغا، مکر، فریب اور خون کے داغ ہیں۔

۱۔ لاطینی بادشاہ کے لیے وینٹ کن ہی ایک مفید پناہ گاہ تھی جب اُنھیں اپنے تخت سے بھگا دیا جاتا، تو پوپ اربان چہارم اس کی بدقسمتی پر رحم کھاتا۔ اُس نے مفرور بالڈون کے فرار کے اسباب کی بھی اصلاح کی۔ افتراقی یونانیوں کے خلاف بھی اُس نے ایک صلیبی جنگ لڑی۔ اس نے اُن کے اتحادیوں اور پیروکاروں کا مقاطعہ کیا۔ لوئیس نہم سے کہا کہ وہ اپنے افراد خاندان کی سرپرستی کرے اور فرانس اور انگلستان کے محاصلات کا دسواں حصہ طلب کیا تا کہ صلیبی جنگوں کے اخراجات پورے کیے جا سکیں۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ مغرب کی طرف سے ایک طوفان اُٹھ رہا تھا۔ اُس نے کوشش کی کہ کسی طرح پوپ کی طرف سے مخالفت کا فیصلہ ہو جائے۔ اُس

نے اعلیٰ پائے کی سفارتیں اور احترام آمیز خطوط ارسال کیے۔ مگر اُس نے اندازہ لگا لیا کہ صلح کے لیے ضروری ہے کہ یونانی کلیسا سے اتحاد قائم ہو اور وہ پاپائے روم کے احکام کو تسلیم کرنے لگیں۔ محض بناوٹی باتوں سے رومی کلیسا کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ میکائیل کو سمجھایا گیا کہ اُس کی توبہ سے قبل اُس کے باپ کی معافی ضروری ہے اور ایمان (اس موقع پر مبہم لفظ) اس رجحان کی بنیاد ہو سکتا ہے۔ ایک طویل اور تکلیف دہ تاخیر کے بعد گریگوری دہم کی آمد کے دباؤ نے اُسے مجبور کیا کہ وہ مقابلتاً سنجیدہ گفت و شنید اختیار کرے۔ اُس نے عظیم واطاقیس کی مثال پر عمل کرنا مناسب سمجھا اور یونانی پادریوں نے اپنے بادشاہ کے ارادوں کو سمجھ لیا۔ اُنھوں نے صلح کے ابتدائی اقدامات کی کوئی پروا نہ کی۔ جب اُس نے عہد نامے کے فیصلوں پر عمل درآمد کرنے کے لیے دباؤ ڈالا تو اُنھوں نے اُن کا نام لیے بغیر یہ کہا کہ لاطینی کلیسا کے افراد بدعتی ہیں اور اُنھوں نے کہا کہ انسانی نسل کے یہ گھٹیا ترین انسان ہیں۔ اب بادشاہ کے ذمے یہ فرض عائد ہو گیا کہ وہ بدعنوانوں کی اصلاح کرے۔ مفروروں کو ڈرائے، دھمکائے اور جو افراد عوام میں بہت زیادہ مقبول ہیں ان پر دباؤ ڈالے اور عیسائیوں کی خیرات اور عوام کی بہبود کا واسطہ دے۔ ان کے لیے دینی اور سیاسی اقدار کا کوئی معیار موجود نہ تھا اور نائی سین کے فیصلوں کو مزید اضافوں کے بغیر منظور کرنا لازمی تھا جو لوگ بہت میانہ رو تھے اُنھیں یہ سمجھایا گیا کہ وہ اس پر ایمان لائیں کہ دو مخالفانہ نظریات اس بنیاد پر قائم ہوتے ہیں کہ ایک کے مطابق باپ سے بیٹے تک کا آغاز ہوتا ہے اور دوسرے کے مطابق باپ اور بیٹے کے وجود سے آغاز ہوتا ہے۔ اس فرق کو کیتھولک عقائد کی تشریح میں شامل کرنا ہوگا۔ پوپ کی فوقیت کے مسئلے کو حل کرنا زیادہ مشکل نہ تھا مگر اس پر عمل کرنا بڑا تکلیف دہ تھا اور اسے تسلیم کرنا تو مزید مشکل اور تکلیف دہ تھا۔ میکائیل نے اپنے اسقفوں سے کہا کہ وہ خود کسی ایک شخص کو اس عہدے کے لیے نامزد کریں اور چونکہ وہ روم سے خاصے فاصلے پر واقع ہیں۔ اس لیے مشرقی کلیسا پر پوپ کے سامنے اپیل کے اثرات مرتب ہونے کا کوئی خطرہ نہیں۔ اُس نے آخر میں یہ بھی کہا کہ وہ راسخ العقیدہ ایمان کے لیے اور اپنے قومی مفادات کی حفاظت کی خاطر اپنی جان بھی قربان کر دے گا اور کسی مسئلے پر بلاوجہ ہار نہیں مانے گا اور اس وعدے کو تحریر کر کے اُس نے محفوظ کرا دیا اور اُس پر سونے کے ٹکڑے کی شکل میں تیار کردہ مہر ثبت کر دی۔ اُسقف جوزف ایک خانقاہ میں گوشہ نشین ہو گیا تا کہ اس عہد نامے کی روشنی میں وہ یہ فیصلہ کر سکے کہ اُسے تخت و تاج قبول کرنا ہے یا اس سے انکار کرنا ہے۔ شہنشاہ نے معاہدے کے متعلق خطوط اور دستاویزات تیار کیں۔ اس کا بیٹا اینڈرونی کوس اور دارالحکومت کے پٹیس آرک بشپ،

اپنے اپنے اجتماعات کے ہمراہ، جن کے ساتھیوں کو ملا کر ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہوگئی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو کنفار کے زیر اثر تھے۔ تقریباً تیس پادریوں پر مشتمل ایک سفارت تشکیل دی گئی جس میں بشپ اور صدر راہب شامل تھے۔ وہ بحری جہاز پر اٹلی کے لیے روانہ ہو گئے اور اپنے ہمراہ سینٹ پیٹر کی قربان گاہ کے لیے قیمتی سامان آرائش اور کمیاب خوشبوئیں لیتے گئے۔ اُن کو خفیہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ لامحدود فرمانبرداری کا مظاہرہ کریں۔ لائی اون کی عوامی کونسل میں انھیں خوش آمدید کہا گیا۔ پوپ گریگوری دہم استقبال کرنے والوں میں بذاتِ خود موجود تھا۔ اُس کے ہمراہ پانچ سو بشپ تھے۔ اُس نے اپنے طویل مدت سے بچھڑے ہوئے اور ندامت پذیر بچوں سے آنسو بہاتے ہوئے ملاقات کی اور سفیروں کے حلف کو قبول کیا جنھوں نے دو بادشاہوں کے کہنے پر اپنی بدعت اور نفاق کو ترک کر دیا تھا اور سفیروں کو انگوٹھی اور کلاہ بطور تحفہ پیش کیے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ نائس میں طے کردہ عقائد، لاطینی اور یونانی زبانوں میں دہرا رہے تھے اور اس کے ہمراہ فلی اوک بھی پڑھتے جاتے تھے اور مشرق و مغرب کے اتحاد کے ترانے بھی گاتے جا رہے تھے۔ یہ اُنھوں نے موجودہ دور کی حکومت کے لیے مخصوص کر رکھے تھے۔ اس مقدس تقریب کے اختتام کے لیے بازنطینی نائبین کے پیچھے پیچھے پوپ اور اُس کی جماعت کے افراد تیزی سے چل پڑے اور جس انداز سے یہ ساری کارروائی ہو رہی تھی۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ویٹی کن کی حکمت عملی کیا تھی۔ اسے صرف برتری کا نام دے کر اطمینان حاصل نہ کیا جا سکتا تھا۔ جب اُنھوں نے بادشاہ اور عوام کے مزاج کو دیکھ لیا تو اس کے بعد وہ ایک جگہ جمع ہو گئے تا کہ باتفاق رائے بدعتی معاملات کو ترک کیا جائے اور اُن پادریوں کا انتخاب کر لیا جائے جو ماضی کے لیے استغفار کا اعلان کریں اور حال کے پس منظر میں وفاداری کا حلف اُٹھائیں کہ تمام گرجا گھروں میں متفقہ مستقل عقائد ہی پر عمل کیا جائے گا اور پوپ کے نمائندے کے استقبال کے لیے دروازہ بنائیں اور اُس کے مرتبے کے مطابق پورا وقار اور اعزاز فراہم کریں اور بادشاہ کو بھی سمجھائیں کہ پاپائے روم سے اتحاد کی وجہ سے اُسے کیا فوائد پہنچ سکتے ہیں۔

مگر انھوں نے دیکھا کہ یہ تو ایک ایسا ملک ہے جس کا کوئی دوست ہی نہیں۔ یہ ایک ایسی قوم ہے جو روم اور اتحاد کا نام محض فخر کے اظہار کے لیے لیتی ہے۔ اُسقف اعظم جوزف کو فی الحقیقت علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ اُس کی اسامی پر ویکوس کو متعین کر دیا گیا تھا جو ایک عالم اور میانہ رو شخص تھا اور شہنشاہ کو حسب سابق ماضی کے اُصولوں کی پیروی کے لیے کہا جا رہا تھا اور اپنے سابقہ عقائد کی حفاظت پر زور دیا جا رہا تھا مگر جب کبھی علیحدہ

ہوتا تو پلائیولوگوس غرور کے متعلق گلہ کرتا اور لاطینیوں نے مذہب میں جو نئی اختراعات پیدا کر لی ہیں اُن پر اُنھیں ملزم قرار دیتا جبکہ وہ اپنے کردار کے متعلق بحث کرتے ہوئے دُہری مخالفت سے کام لیتا اور اپنی رعایا کی مخالفت کو بھی حق بجانب قرار دیتا اور یہ بھی کہتا کہ قدیم اور جدید روم کا متفقہ اظہار آرا ہی مناسب ہے جو بدعتی اپنی ضد پر قائم رہیں اُن کے خلاف ترک تعلق کی سزا کا اعلان کر دیا گیا۔ میکائیل کی تلوار نے کلیسا کی طرف سے عائد کردہ ملامت کو غیر مؤثر بنا دیا جب یہ ترغیب کے حربے میں ناکام ہوا تو اس نے تلوار اور جلا وطنی کا سہارا لیا اور لوگوں کو قید خانوں میں بند کرنے لگا۔ لوگوں کو چابک مارے گئے اور متعدد کو اُن کے اعضا سے محروم کر دیا گیا۔ ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ عوام میں بُزدل اور دلیر دونوں قسم کے لوگ شامل تھے۔ ایطولیا اور اپی روس میں ابھی تک دو یونانی حکمران موجود تھے اور تھیسالی میں بھی ایک فرمانروا موجود تھا۔ انھیں مطلق الحنان کا خطاب حاصل تھا۔ یہ لوگ قسطنطنیہ کے شہنشاہ کے باجگزار تھے مگر وہ پاپائے روم کی زنجیریں قبول کرنے سے انکاری تھے اور کامیابی سے اسلحہ اُٹھا کر اس سے انکار کر چکے تھے۔ بشپوں اور راہبوں نے ان کا تحفظ قبول کیا اور ایک مخالفانہ اجلاس منعقد کر لیا اور طربی زوند منافق شہنشاہ کا خطاب خوشگوار محسوس ہوا۔ نیگرو پونٹ، تھیبس، ایتھنز اور موریہ کے لاطینی بھی، منحرفین کے استحقاق کو فراموش کر کے ان کے ساتھ شامل ہو گئے، اُنھوں نے کھلم کھلا حیلہ بازی سے اُن کی مدد کی اور پلائیولوگوس کے دشمنوں سے مل گئے۔ اُس کا مقرب جرنیل جس کے ساتھ اُس کا خونی رشتہ تھا۔ وہ بھی اسے چھوڑ گیا اور اس کے اعتماد کو سخت دھچکا لگا۔ اس کی بہن یولوجیا، ایک بھتیجی اور دو عمزاد بہنیں باہم متحد ہو گئیں اور اس کے خلاف سازش میں شریک ہو گئیں۔ اس کی ایک اور بھتیجی میری (Mary) جو بلغاریہ کی ملکہ تھی، مصر کے سلطان کے ساتھ مل کر اس کی تباہی کے متعلق مشورے کرتی رہی اور عوام کی نگاہوں میں ان سب کی جدوجہد کو ایک مبارک اقدام کی حیثیت ملی اور پوپ کے ایلچی کو جو اسے یہ کہنے کے لیے آیا تھا کہ اپنے منصوبے کو پورا کرو، پلائیولوگوس نے ان تمام تفصیلات سے آگاہ کر دیا کہ وہ اب تک کیا کر چکا ہے اور اُسے اس معاملے میں کتنی تکلیف پہنچی ہے۔ اُنھیں یقین دلایا گیا کہ تمام مجرم جو فرقہ بندی پر قائم رہیں، اُن کا تعلق خواہ کسی بھی صنف سے یا معاشرتی مقام سے تھا، سب کی بے عزتی کر دی گئی ہے، اُن کی املاک ضبط کر لی گئی ہیں اور اُنھیں آزادی سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اُن لوگوں کی فہرست بھی مہیا کر دی گئی جنھیں سزائے دی گئی تھی، یا املاک ضبط کی گئی تھیں۔ ان میں ایسے افراد بھی شامل تھے جو شہنشاہ کو بہت عزیز تھے اور اس کے بہت قریب تھے۔ اُنھیں قید کر دیا گیا تھا۔ چار ایسے شہزادے تھے جن کا تعلق شاہی خاندان سے تھا۔

اُنھیں زنجیریں پہنا کر سلطنت کے چاروں گوشوں میں منتقل کر دیا گیا۔ وہ اب غم و غصے کے جذبات سے اپنی بیڑیاں ہلا رہے تھے۔ ان قیدیوں میں سے آئندہ دور میں دو کو رہائی مل گئی۔ ایک کو تو اس وجہ سے رہا کیا گیا کہ اس نے اطاعت قبول کر لی تھی اور دوسرا فوت ہو گیا۔ باقی ماندہ دو افراد کو ان کی ضد کی وجہ سے آنکھوں سے محروم کر دیا گیا۔ وہ لوگ جو اتحاد کی مخالفت میں سب سے آخر میں تھے، اُن کے ساتھ بھی ایسا سلوک کیا گیا کہ آج تک وہ اس المیے پر ماتم کرتے ہیں۔ کسی پر ظلم کیا جائے تو مظلوم، ظالم سے ضرور نفرت کرتا ہے۔ لیکن وہ اپنے ضمیر کی شہادت کو کم از کم ضرور محسوس کرتے ہوں گے۔ مگر وہ اپنی جماعت کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ غالبًا وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ اپنے وعدے کو کامیاب بنائیں۔ مگر میکائیل کی مخالفت، جو صرف سیاسی مفادات پر مبنی تھی، نے اُسے اس پر ضرور مجبور کیا ہوگا کہ وہ اپنی ذات سے نفرت کرے کہ وہ اپنے حامیوں سے الگ ہو جائے اور باغیوں اور مخالفوں کی عزت کرے بلکہ اُن کی قسمت پر رشک کرے۔ یہ ایسے لوگ تھے جن کو اس نے نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور اُن کی مخالفت کی۔ ایسی حالت میں کہ قسطنطنیہ میں اس کے ظلم و ستم کے خلاف نفرت جاری تھی تو روم میں بھی اس کی تاخیر کو ناپسند کیا جا رہا تھا اور اس کی نیت پر بھی شبہ کیا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ پوپ مارٹن چہارم نے اسے گرجا گھر کی اُس محفل میں شمولیت سے محروم رکھا، جس میں کہ وہ افتراقیوں کی مجلس منعقد کرنا چاہتا تھا۔ جونہی اس ظالم کی موت واقع ہوئی یہ اتحاد بھی ختم کر دیا گیا اور اس معاملے میں دونوں فریقوں کے مابین اتفاق رائے موجود تھا۔ کلیساؤں کو پاک کیا گیا۔ استغفار کی گئی۔ تائبین میں دوبارہ اتحاد قائم ہو گیا اور اس کے بیٹے اینڈرونی کوس نے اپنی جوانی کے دنوں میں سرزد ہونے والے گناہوں پر رو کر اعلان کیا کہ اُس کے باپ کو ایک بادشاہ سے اور ایک عیسائی کی حیثیت سے دفن نہ کیا جائے۔

۲۔ رومیوں کے مایوسانہ دور میں قسطنطنیہ کی فصیلیں اور مینار خستہ ہو کر گر چکے تھے۔ میکائیل کی حکمت عملی کے تحت اُن کی مرمت کی گئی اور انھیں بحال کر دیا گیا، اُس نے غلے، نمک اور دیگر ضروریاتِ زندگی کو جمع کر رکھا تھا تا کہ اگر محاصرہ ہو جائے تو تکلیف نہ ہو۔ اس کا خیال تھا کہ مغربی قوتوں کی طرف سے کسی بھی وقت حملے کا احتمال ہو سکتا ہے۔ ان میں سے صقلیہ کا فرمانروا انتہائی ناقابلِ تسخیر ہمسایہ تھا۔ مگر جب تک کہ فریڈرک دوم کا ایک حرامی بچہ مین فرے ان کے قبضے میں تھا، اُس وقت تک یہ بادشاہ اس قدر جرأت نہ کر سکتا تھا۔ اگر چہ وہ انھیں تکلیف ضرور دیتا رہتا تھا۔ اگر چہ یہ بادشاہ بہادر اور فعال تھا مگر وہ اپنے تاج و تخت کے دفاع میں بہت زیادہ مصروف تھا۔ اس کی اضافی تحریروں کی وجہ سے جو کئی صفحات پر مشتمل تھیں، مین فرے کو لاطینیوں

کے متحدہ مقاصد سے محروم کر دیا گیا تھا۔ اس کی افواج جنھیں وہ قسطنطنیہ کے خلاف استعمال کر سکتا تھا۔ ایک صلیبی جنگ میں جو رومیوں کی حمایت میں لڑی جا رہی تھی، مصروف تھیں۔ ان میں جو کامیاب ہو جاتا، اُسے صقلیہ کے دونوں حصوں کا قبضہ مل جاتا۔ مگر سینٹ لوئیس کے بھائی نے یہ جنگ جیت لی اور تاج کا حقدار بھی ہو گیا۔ اس مقدس مہم میں آنجو کے کاؤنٹ چارلس نے افواج کی رہنمائی کی تھی۔ فرانس اور ملحقہ صوبوں کی افواج نے اس میں مبارزت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ اس کی عیسائی رعایا نے اس کے ساتھ بے وفائی کی، اس لیے اس نے مناسب سمجھا کہ مسلمانوں کی ایک فوج بھرتی کر لی جائے۔ اس کے باپ نے اسے اپولیا میں متعین کیا ہوا تھا اور اس کی بروقت کمک سے کیتھولک ہیرو کی دفاعی حکمتِ عملی پر روشنی پڑتی ہے۔ اُس نے صلح کی تمام شرائط کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ چارلس نے کہا کہ اس کے پیغام کو برداشت کرو۔ وہ کہتا ہے کہ خدا کی ذات اور تلوار ہی ہمارے مابین فیصلہ کرے گی اور خدایا تو مجھے بہشت میں جگہ دے دے گا یا میں اُسے جہنم کے قعرِ مذلت میں بھیج دوں گا۔'' میں نہیں جانتا کہ مین فرے کا اگلے جہان میں کیا حشر ہوا مگر اس دنیا میں اُسے اُس کے تمام دوست چھوڑ گئے۔ بینے ونطو کی خونریز جنگ میں اس کی زندگی اور حکومت کا فیصلہ ہو گیا۔ نیپلز اور روئیس میں فرانس کی ایک جنگجو قوم آباد ہو گئی اور ان کے حوصلہ مند رہنما نے افریقہ، یونان اور فلسطین کی مستقبل کی تمام فتوحات حاصل کیں۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اُس نے سب سے پہلے بازنطین کی سلطنت پر حملہ کیا۔ اس کے جواب میں پلائیولوگوس نے، جسے اپنی قوت پر اعتماد نہ تھا، بار بار چارلس کے سفیروں سے درخواست کی کہ سینٹ لوئیس کی انسانیت نوازی کے صدقے ہمیں چھوڑ دیا جائے۔ جس کا ابھی تک اُس کے درندے بھائی پر کسی حد تک اثر موجود تھا۔ کچھ مدت کے لیے اُس کے بھائی کی توجہ اس کی طرف مبذول نہ ہو سکی کیونکہ کونر ڈین نے خود اس پر حملہ کر دیا تھا۔ یہ شخص صوابیہ کے شاہی خاندان کا آخری وارث تھا مگر اس بدقسمت نوجوان کو ایک غیر مساوی دشمن سے مقابلہ کرنا پڑا اور وہ اس میں تباہ ہو گیا۔ اسے عوام کے ایک مجمع میں سب کے سامنے قتل کر دیا گیا۔ اس سے چارلس کے حریفوں کو یہ پتا چل گیا کہ وہ اپنی حکومتوں اور اپنے سروں کو بچانے کے لیے لرزیدہ رہیں۔ اسے ایک اور موقع مل گیا کیونکہ افریقہ کے ساحل پر ایک اور صلیبی جنگ شروع ہو گئی اور نیپلز کے بادشاہ نے اسے اپنا ایک فرض سمجھا کہ وہ اس معرکے میں مدد فراہم کرے۔ وہ نہ صرف فوجی مدد فراہم کرنے کے لیے تیار ہو گیا بلکہ خود بھی ذاتی طور پر حصہ لینے کے لیے میدانِ جنگ میں پہنچ گیا اور جب سینٹ لوئیس کی موت واقع ہو گئی تو اسے بھی کسی قسم کی ملامت کا خطرہ باقی نہ رہا۔ تیونس کے بادشاہ نے یہ تسلیم کر

لیا کہ وہ صقلیہ کے بادشاہ کے باجگزار کی حیثیت قبول کرلے گا۔ مزید برآں فرانس کے مبارزین اُس کے علم کے تحت بھرتی کیے جاسکتے ہیں اور یونانی سلطنت کے خلاف جنگ چھیڑ سکتے ہیں۔ اس نے ایک معاہدہ بھی کیا اور پھر شادی بھی کرلی، اس طرح کورطینے (Courtenay) کے خاندان سے اس کا اتحاد قائم ہوگیا۔ اس کی بیٹی بطرائس کی شادی کا وعدہ بالڈون کے بیٹے فلپ سے کرلیا گیا۔ یہ شہزادہ ولی عہد بھی تھا۔ اس کے اخراجات کے لیے سو اونس سونا مقرر کردیا گیا۔ اس کے فیاض باپ نے اپنے اتحادیوں کے مابین مشرقی حکومت اور صوبے تقسیم کردیے اور قسطنطنیہ کا شہر اور ایک یوم کی مسافت کا علاقہ اپنے لیے مخصوص کرلیا۔ پلائیولوگوس پر جب مصیبت نازل ہوئی تو وہ مجبور ہوگیا کہ وہ پاپائے روم کا تحفظ قبول کرے جس نے اپنے لیے فرشتہ امن کا کردار اختیار کررکھا تھا اور وہ تمام دنیا کے عیسائیوں کا مشترکہ باپ بھی سمجھا جاتا تھا۔ اس کے حکم تحت چارلس کی تلوار اس کی نیام میں زنجیر بستہ ہوگئی اور یونان کے سفیر اُسے پوپ کے حجلۂ خاص میں بیٹھ کر دیکھتے رہے۔ وہ اپنی ہاتھی دانت سے تیار شدہ شاہی نشانات کو دانتوں سے کاٹ رہا تھا، اُسے اس پر بہت رنج تھا کہ اُسے حملہ کرنے کا موقع نہیں ملا اور اپنے اسلحہ کو آزمانے سے محروم رہا۔ وہ اس پر تیار تھا کہ گریکوری دہم کی ثالثی کو قبول کرلے مگر چارلس اس پر بہت مایوس ہوا کہ نکولس سوم نے جانب داری سے کام لیا ہے، چونکہ اس کے خاندان کے بعض افراد کے آرسینی سے بھی تعلقات تھے۔ اس لیے وہ سمجھتا تھا کہ وہ کلیسا کی خدمت کرسکتا تھا، جس سے اُسے محروم رکھا گیا ہے۔ وہ لوگ جو یونانیوں کی مخالف جماعت میں شامل تھے، اُن میں ایک تو لاطینی بادشاہ فلپ تھا۔ صقلیہ کے دو بادشاہ تھے، وینس کی جمہوریہ کا سربراہ تھا۔ جواب اس کے لیے بالکل تیار تھا کہ کوئی کارروائی عمل میں لائے اور مارٹن چہارم کا انتخاب ہوچکا تھا۔ پھر فرانس کا پوپ تھا جو اس مقصد کے لیے منظوری دے رہا تھا۔ ان تمام اتحادیوں میں سے فلپ نے اپنا نام پیش کیا۔ مارٹن نے موقع کی مناسبت ترک تعلق کی علامت کے طور پر ایک سانڈ پیش کیا۔ وینس کی طرف سے چالیس بحری جہازوں کا ایک بیڑہ پیش کیا اور چارلس کی ناقابلِ تسخیر قوت میں چالیس کاؤنٹ تھے۔ دس ہزار فوجی تھے جو تمام اسلحہ بند تھے۔ پیدل فوج کی ایک بڑی جماعت تھی اور تین سو سے زائد بحری جہازوں کا ایک بیڑہ جس میں جنگی اور مال بردار دونوں قسم کے جہاز شامل تھے۔ اس عظیم الشان جنگی قوت کو برندیسی کی بندرگاہ میں جمع کرنے کے لیے ایک دن مقرر کیا گیا جس میں ابھی خاصی تاخیر تھی۔ اس سے قبل ایک کوشش رائیگاں گئی تھی کیونکہ تین سو مبارز اصل فوج سے علیحدہ ہوگئے تھے۔ انھوں نے البانیہ پر حملہ کردیا تھا اور بعد ازاں بلغاریہ کے ایک شہر بلغراد کا محاصرہ کرلیا تھا۔ ان کے ارادے

قسطنطنیہ کے وقار پر بھی پڑے ہوں گے۔ مگر میکائیل جو ایک حیلہ باز آدمی تھا، اُسے اپنی افواج کی بجائے اپنی ایک سازش پر بہت اعتماد تھا۔ ایک چوہا اُس کے لیے ایک خفیہ کارروائی کررہا تھا۔ اُس نے صقلیہ کے ایک حکمران کی کمان کی رسی کاٹ دی۔

صوابیہ کے خاندان کے افراد میں سے پروقیدا کے جان کے ہاتھ سے خلیج نیپلز کا برائے نام جزیرہ نکل گیا۔ اگرچہ نسلی لحاظ سے وہ ایک شریف خاندان کا فرد تھا۔ مگر اُس کی تعلیم بحالت افلاس جلاوطنی کے دوران ہوئی۔ اسے علم طبیعیات میں بہت مشق حاصل تھی۔ اس نے یہ علم سلرنو کے مدرسے میں حاصل کیا تھا اور پروقیدا کا سب سے بڑا اُصول یہ تھا کہ زندگی بچانا سب پر مقدم ہے۔ وہ گفتگو کے فن کا بہت ماہر تھا، وہ اپنے استدلال کو تسلیم کرالیتا اور اپنے مقاصد کو خفیہ رکھتا۔ اس نے مختلف اقوام اور افراد سے جو معاملات طے کیے، اُن میں وہ ہر فریق کو یہ یقین دلا دیتا کہ اُس نے صرف اُسی کے مفاد کی خاطر سارا عمل کیا ہے۔ چارلس کی نئی حکومتیں ہر لحاظ سے رعایا کے طبعی اور مالی استحصال پر مبنی تھیں۔ ان میں فوجی دباؤ بھی بہت زیادہ تھا۔ اس کی اطالوی رعایا کے مال و جان کو اپنے آقا اور اُس کے حواریوں کی عظمت کو برقرار رکھنے کے لیے بہت زیادہ قربانی دینی پڑی۔ مگر جب اس کے نائبین کی حکومت زوال پذیر ہوئی تو صقلیہ کے لوگ اس سے بیزار ہوگئے اور اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ پروقیدا کی وضاحت نے تمام جزیرے میں آزادی کی روح پیدا کردی اور اس نے ہر جاگیردار کو اس پر آمادہ کرلیا کہ وہ مشترکہ مقصد کے لیے قربانی دینے پر تیار ہوجائے۔ اسے بیرونی امداد کی بہت زیادہ توقع تھی۔ وہ یونانی شہنشاہ اور آراگون کے بادشاہ پیٹر کے درباروں میں بار ہا گیا۔ جس کے پاس ویلنطیا اور قطالونیا کے ساحلی ممالک تھے۔ پیٹر کی حب جاہ کے پیش نظر اُسے ایک تاج بطور تحفہ پیش کیا گیا۔ اس نے یہ قبول کرلیا اور اس کو جواز فراہم کرنے کے لیے مین فرے کی بہن سے شادی کرلی۔ کونرڈین نے اپنے بستر مرگ پر کہا کہ ایک انگوٹھی اور کلاہ قبول کرلو۔ تم نے میرا انتقام بھی لینا ہے اور تم میرے جانشین بھی ہو۔ پلائیولوگوس نے ملک میں اُس کے خلاف بغاوت کرکے اُس کی توجہ اپنے داخلی امور پر مبذول کرادی اور یونانیوں سے پچیس ہزار اونس سونا وصول کرکے قطلان کے بحری بیڑے کو اسلحہ سے لیس کرلیا گیا اور وہ اُسے لے کر افریقہ کے صحرانشینوں پر حملے کے لیے روانہ ہوگئے۔ اس نے ایک راہب یا بھکاری کا بھیس بدلا اور اسی بہروپ میں روم کی طرف روانہ ہوگیا اور پھر اسی طرح صقلیہ سے سراغوسا کا سفر طے کیا۔ معاہدے پر پوپ نکولس نے بذاتِ خود دستخط کیے جو چارلس کا ذاتی دشمن تھا اور اس معاہدے کی رو سے حاصل شدہ جاگیر کو جس پر

سینٹ پیٹر کا قبضہ تھا آنجو کے خاندان سے لے کر آراگون کو منتقل کر دیا گیا۔ اس سارے عمل کو انتہائی عقل مندی سے مکمل کیا گیا اور پھر آزادی سے اس کی تشہیر کی گئی۔ مگر دو سال کے لیے اس راز کو اپنی مذکورہ صوابدید کے مطابق مروج کیا گیا۔ سازشیوں نے سینٹ پیٹر کے اس اصول کی پیروی کی کہ اگر وہ میرا دایاں ہاتھ کاٹنا چاہیں گے تو میں اپنا بایاں ہاتھ کاٹ لوں گا۔ ایک گہری خندق کھودی گئی اور اُس میں خطرناک اشیا جمع کرا دی گئی مگر یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ پلرمو کا جو دھما کا ہوا وہ جان بوجھ کر کیا گیا یا وہ کسی حادثے کا نتیجہ تھا۔

ایسٹر کی شب بیداری کے دوران غیر مسلح افراد کے ایک گروہ نے ایک گرجے میں حاضری دی۔ ایک فرانسیسی سپاہی نے گستاخانہ انداز سے ایک شریف خاندانی دوشیزہ کو پریشان کیا اور بے عزتی کر دی۔ اس گستاخ کو فوراً سزائے موت دے دی گئی۔ جب فوجی دستہ سامنے آیا تو عوام فوری طور پر منتشر ہوگئے۔ بہرحال اُن کی تعداد اور غصہ غالب رہا۔ سازشیوں نے فوری طور پر اس موقع سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی۔ اس کے بعد آٹھ ہزار فرانسیسیوں کو بلا امتیاز قتل و غارت کیا گیا اور اس کو صقلیہ کے مغرب کے گیتوں کا نام دے دیا گیا۔ ہر شہر سے آزادی اور کلیسا کے جھنڈے جمع کیے گئے اور اُن کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس بغاوت میں پروقیدا کی ذات یا اُس کی روح نے جوش پیدا کر دیا۔ آراگون کا پیٹر بھی بہت نمایاں تھا۔ اُس نے افریقی ساحل سے لے کر پلرمو تک کا بحری سفر کیا۔ اسے اس جزیرے کے بادشاہ اور نجات دہندہ کی حیثیت سے سلامی پیش کی گئی۔ جب ایسی قوم نے بغاوت کر دی، جس کے بل بوتے وہ متعدد سالوں تک اعتماد کرتا رہا تھا تو چارلس حیران رہ گیا اور اُس کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ جب اُسے سخت روحانی صدمہ پہنچا تو وہ یہ کہتے ہوئے سنا گیا۔ ''اے خدا! اگر تم نے میری تذلیل کا فیصلہ کر لیا ہے تو پھر مجھے میری عظمت سے آہستہ آہستہ اور بتدریج نیچے گراؤ۔'' اس کی افواج اور بحری بیڑے اس سے قبل ہی اٹلی کی بندرگاہوں پر چھائے ہوئے تھے۔ ان سب کو واپس بلا لیا گیا اور جنگِ یونان سے علیحدہ کر لیا گیا۔ میسینا کا قصبہ اس کے سامنے خالی پڑا تھا اور وہ اپنے بدلے کا آغاز یہیں سے کر سکتا تھا۔ وہ بذاتِ خود کمزور تھے اور اُنھیں بیرونی مدد کی بھی کوئی توقع نہ تھی، اس لیے شہریوں نے توبہ کر لی اور اطاعت قبول کر لی۔ اُنھیں مکمل معافی کا یقین دلا دیا گیا اور اُن کی قدیم مراعات بحال کر دی گئیں۔ بادشاہ کا جذبۂ افتخار دوبارہ روشن ہوگیا اور پوپ کے متعدد سفیر اس سے زیادہ کوئی وعدہ حاصل نہ کر سکے کہ آٹھ سو منتخب باغیوں کو قبضے میں لے کر جن کی فہرست تیار تھی، باقی سب کو معاف کر دے گا، جب میسینا کے باشندے مایوس ہوئے تو اُن کے حوصلے دوبارہ بلند ہوگئے۔ آراگون کا پیٹر، اُن کی مدد کے لیے اُن کے پاس پہنچ گیا۔ اُس کے

حریف کو رسد کی کمی کی وجہ سے پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ اُسے اعتدال کے حامیوں کا خوف بھی تھا۔ جو کالابریہ کے ساحلوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان ہی ایام میں قطلان کا امیر البحر مشہور روجر ڈی لوریا ایک ناقابل تسخیر بیڑے کے ساتھ پوری آبنائے پر چھا گیا۔ فرانسیسی بیڑے میں جنگی جہازوں کی بہ نسبت مال برداری کے جہازوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ان کو یا تو جلا دیا گیا یا ختم کر دیا گیا۔ اسی دھچکے کے تحت صقلیہ کی آزادی یقینی ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی یونانی سلطنت کو بھی تحفظ نصیب ہوگیا۔ اس کی موت کے چند روز قبل شہنشاہ میکائیل کو ایک دشمن کے زوال کے متعلق خوشخبری ملی، جس سے وہ نفرت بھی کرتا تھا اور اُس کی تعریف کرنے پر بھی مجبور تھا۔ غالباً وہ اسی پر قناعت کرتا کہ عوام کا فیصلہ درست تھا کہ اگر وہ ایک دوسرے کا مقابلہ نہ شروع کر دیتے تو اٹلی اور قسطنطنیہ بہت جلد ایک ہی فرمانروا کے تحت آ جاتے۔ ان تباہ کن لمحات سے لے کر چارلس کی زندگی بدقسمتی کا شکار رہی۔ اس کے دارالحکومت کی توہین کی گئی۔ اس کے بیٹے کو قید کیا گیا اور صقلیہ کے جزیرے کو بازیاب کرائے بغیر وہ خود بھی قبر میں دفن ہوگیا اور بیس سال کی جنگ کے بعد اُسے نیپلز کے تخت سے بھی علیحدہ کر دیا گیا اور وہ آراگون کے شاہی خاندان کی ایک چھوٹی شاخ میں شامل ہوگیا۔

مجھے یقین ہے کہ مجھ پر اوہام پرستی کا الزام عائد نہیں کیا جائے گا۔ مگر میں اس رائے کا اظہار کروں گا کہ اس دنیا میں بھی واقعات کا طبعی سلسلہ بھی اخلاقی انتقام کا شکار ہو جاتا ہے پلائیولوگس نے پہلے اپنی حکومت کو بچانے کے لیے مغربی قوتوں کا سہارا لیا، بغاوتیں بھی ہوئیں اور خون بھی بہایا گیا۔ اختلاف کے اس بیج سے ایک فولادی کردار کی نسل پروان چڑھی، جس نے نہ صرف اس کے بیٹے کی سلطنت پر حملہ کیا، بلکہ اُسے خطرے میں ڈال دیا۔ جدید دور میں ہمارے قرضے اور ٹیکس خفیہ زہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ اب بھی امن کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیتے ہیں مگر ازمنۂ وسطیٰ کی کمزور اور غیر منظم حکومتوں میں اسے اُن فوجیوں کی بُرائی سمجھا جاتا تھا۔ جن کی ملازمت ختم کر دی گئی ہو۔ یہ لوگ اتنے سست ہوتے کہ کام کے قابل نہ ہوتے اور یہ اتنے مغرور ہوتے کہ خیرات بھی نہ مانگ سکتے۔ چنانچہ انھیں لوٹ مار کی عادت پڑ جاتی۔ وہ بڑے وقار سے زبردستی چوری کرتے، اُنھوں نے کسی نہ کسی سردار کا جھنڈا اُٹھایا ہوتا۔ وہ کسی کو بادشاہ بھی بنا لیتے، اسے ان کی کارگزاری سے کوئی فائدہ نہ پہنچتا اور کبھی کبھی کوئی طاقتور ہمسایہ ملک ان کی پیدا کردہ بدنظمی کی وجہ سے فائدہ اُٹھا لیتا۔ صقلیہ میں قیامِ امن کے بعد جرمن قطلان وغیرہ کئی ہزار کی تعداد میں جو بحری اور بری جنگوں میں حصہ لے چکے تھے اور آنجو یا آراگون کے جھنڈے تلے لڑتے رہے تھے، اپنے مفاد اور انداز کی بنیاد پر ایک قوم کی شکل میں متحد ہوگئے۔

اُنھوں نے سنا کہ یونان کے ایشیائی صوبوں پر ترکوں نے حملہ کر دیا ہے۔ اُنھوں نے سوچا کہ موقع ہے کہ وہ تنخواہ اور مالِ غنیمت کی صورت میں اپنا حصہ وصول کر لیں اور صقلیہ کے بادشاہ فریڈرک نے ان کے سفر کے تمام اخراجات بڑی فیاضی سے برداشت کر لیے۔ گزشتہ بیس سالہ جنگ کے دوران وہ کسی جہاز یا کسی پڑاؤ میں وقت گزار لیتے۔ یہی ان کے گھر اور ٹھکانے تھے۔ وہ سوائے اسلحہ چلانے کے کسی اور پیشے سے وابستہ نہ تھے اور ان کے پاس کوئی اور سرمایہ اور جائیداد نہ تھی۔ اُن کے نزدیک بہادری ہی سب سے بڑی نیکی تھی۔ وہ اسی سے آشنا تھے۔ ان کی عورتیں بھی انھیں کی طرح دلیر ہو چکی تھیں۔ یہ مشہور ہو چکا تھا کہ قطلان اپنی چوڑی تلوار سے ایک ہی وار میں دو گھوڑے سمیت سوار کو دو ٹکڑے کر سکتے تھے۔ یہ افواہ بجائے خود ایک طاقتور ہتھیار تھا۔ ان کے سرداروں میں سے روجر ڈی فلور بہت طاقتور شخص تھا۔ وہ ذاتی طور پر دیگر تمام آراگون کے مقابلے میں زیاد واستحقاق کا مالک تھا۔ وہ فریڈرک دوم کے دربار کا ایک جرمن شریف درباری اور ایک برندیسی خاتون کے مابین شادی ہو جانے کے بعد پیدا ہوا تھا، وہ کبھی عیسائیت قبول کر لیتا، کبھی مرتد ہو جاتا اور کبھی خانقاہی زندگی اختیار کر لیتا اور پھر بحری قزاقی شروع کر دیتا۔ بالآخر یہ شخص بحیرۂ روم کا سب سے زیادہ امیر اور مشہور امیر البحر تسلیم کر لیا گیا۔ وہ میسینا سے بحری جہاز کے ذریعے قسطنطنیہ کے لیے روانہ ہوا۔ اس کے ہمراہ اٹھارہ جنگی بحری جہاز تھے۔ چار جہاز بہت بڑے تھے۔ جن میں آٹھ ہزار مہم جو سوار تھے۔ اس نے اینڈرونی کوس بزرگ سے پہلے ہی ایک معاہدہ کر رکھا تھا۔ اُس نے اس کمک کو بڑی خوشی سے قبول کیا مگر دل میں وہ بہت ڈر رہا تھا۔ اس کے استقبال کے لیے ایک محل مخصوص کر دیا گیا تھا۔ اس کی شادی بادشاہ کی ایک بھتیجی کے ساتھ کر دی گئی اور اسے رومانیہ کے عظیم ڈیوک ہونے کا مرتبہ بھی فوری طور پر عطا کر دیا گیا۔ کچھ وقفے کے بعد وہ اپنی افواج کو لے کر پروپونٹس چلا گیا اور بڑی بہادری سے ترکوں کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ دو خونریز جنگیں ہوئیں، جن میں تیس ہزار مسلمان شہید ہو گئے۔ اس نے فلاڈلفیا سے محاصرہ اُٹھا لیا اور اپنے آپ کو ایشیا کے نجات دہندہ کے خطاب کا مستحق قرار دے دیا۔ مگر یہ خوش حالی اور آزادی بہت مختصر عرصہ قائم رہی۔ اس کے بعد اس بدقسمت ملک پر دوبارہ غلامی اور تباہی کا دور آ گیا (ایک یونانی مؤرخ کہتا ہے) کہ اس کے باشندے بھاگ کر چلے گئے۔ گویا وہ دھوئیں سے نکلے اور آگ میں چھلانگ لگا دی اور اُن کے لیے ترکوں کی دشمنی اس قدر خطرناک نہ تھی، جس قدر کہ قطلان کی دوستی تباہ کن تھی، وہ اپنا مال و متاع اور زندگی بچاتے پھرتے تھے۔" محفوظ نہ تھے۔ کئی سو ایسی دوشیزائیں جو مختون گھرانوں میں پیدا ہوئی تھیں۔ کافر فوجیوں کی بغل گیری پر مجبور کر

دی گئیں۔ عوام سے بلا جواز جرمانے اور تاوان وصول کیے۔ الغرض جو جی چاہا کیا گیا۔ دھونس اور دھکا شاہی سے من موجی تاوان وصول کر کے لالچ پورا کیا گیا اور میگنیشیا نے مزاحمت کی تو عظیم ڈیوک نے اس رومی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ وہ اس بدنظمی کو یہ کہہ کر معاف کر دیتا کہ ہر فاتح فوج ایسی حرکات کرتی ہے اور پھر یہ کہ اس کے وفادار فوجیوں کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی خدمات کا معاوضہ وصول کریں۔ اینڈرونی کوس دھمکیاں بھی دیتا رہتا۔ شکایات بھی جاری رکھتا، حالانکہ اس کے پانچ سو گھڑسوار ایک ہزار پیدل فوج سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ اس کے باوجود رضا کاروں کا ایک ہجوم تھا، جو مشرق میں منتقل ہوئے تھے، وہ اس کے پاس بھرتی ہو گئے اور حسبِ موقع لوٹ مار کر کے اپنی ضروریات پوری کر لیتے۔ جبکہ اس کے اتحادی تین بازنطینی سکے لے کر مطمئن ہو جاتے، اُن کی ماہانہ تنخواہ اسی قدر تھی۔ مگر ہر قطلان کے لیے ایک اونس اور بعض صورتوں میں دو اونس سونا بطور ماہانہ تنخواہ مقرر تھی۔ گویا اُن کا سالانہ وظیفہ بھی سو پاؤنڈ سٹرلنگ کے برابر ہوتا۔ ان کے ایک میانہ وسردار نے حساب کر کے بتایا کہ مستقبل میں وہ اپنی پنشن کے طور پر تین لاکھ کراؤن وصول کرے گا اور ان رضا کاروں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے دس لاکھ سے زائد کراؤن سرکاری خزانے سے نکلوائے جا چکے تھے۔ تاجروں کے غلے پر بھی ایک ظالمانہ محصول عائد کر دیا گیا۔ سرکاری ملازمتوں کی تنخواہ کا تیسرا حصہ منہا کیا جانے لگا اور قومی سکے کی قیمت اس قدر کم کر دی گئی کہ چوبیس قیراط میں صرف پانچ قیراط سونا ہوتا۔ جب شہنشاہ نے طلب کیا تو روجر نے ایک صوبہ خالی کر دیا کیونکہ وہاں سے اُس کے لالچ میں کوئی رقم نہیں پہنچ رہی تھی مگر اُس نے اپنی افواج کو منتشر کرنے سے انکار کر دیا۔ اگرچہ وہ مہذب انداز میں پیش آتا مگر اُس کا کردار مخالفانہ بلکہ آزادانہ تھا۔ اُس نے انتباہ کیا کہ اگر شہنشاہ اُس کے خلاف پیش قدمی کرے تو میں چالیس قدم آگے بڑھ کر زمین بوسی کروں گا۔ مگر دوبارہ کھڑا ہونے کے بعد یہ بتا دوں گا کہ روجر کے پاس تلوار موجود ہے جس سے وہ اپنے دوستوں کی خدمت کر سکتا ہے۔ رومانیہ کے عظیم ڈیوک کو قیصر کا خطاب اور نشانات عطا کر دیے گئے مگر اُس نے اس نئی تجویز کو مسترد کر دیا کہ وہ ایشیا کی حکومت کو سنبھال لے۔ اُسے غلہ اور نقد رقم بطور اعانت دی گئی تو وہ اس پر راضی ہوا کہ وہ اپنی فوج کی تعداد کو تین ہزار تک محدود کر دے گا جو کسی طرح بھی ضرر رساں نہ ہوگی۔ بزدلوں کا حربہ قتل ہے۔ قیصر نے کوشش کی کہ وہ ہیڈریانوپل میں واقع شاہی محل میں ایک دفعہ حاضری دے سکے۔ وہاں پہنچ کر وہ بادشاہ کے خاص کمرے میں داخل ہوا اور ملکہ کی آنکھوں کے سامنے اُسے چھرا گھونپ دیا۔ الانی محافظین نے اسے بھی قتل کر دیا۔ اگرچہ یہ کہا گیا کہ وہ کوئی ذاتی بدلہ لینا چاہتے تھے۔ مگر اس کے ہم وطن جو

قسطنطنیہ میں رہائش پذیر تھے جہاں انھیں امن اور تحفظ حاصل تھا۔ اُنھیں بھی بادشاہ یا عوام نے اسی انجام پر پہنچا دیا اور وہی نسخہ استعمال کیا جو اس نے آزمایا تھا۔ جب ان کے رہنما کا خاتمہ ہوگیا تو اس کے پیروکاروں کے مجمع نے فرار ہو جانا ہی مناسب سمجھا۔ وہ جہازوں پر سوار ہوئے، بادبان کھولے اور جلد ہی بحیرۂ روم کے ساحلوں پر منتشر ہوگئے۔ مگر پندرہ سو قطلان یا فرانسیسیوں کا جتھا، دردانیال کے کنارے گیلی پولی کے مقام پر ایک قلعے میں مضبوطی سے جما رہا۔ وہ آراگون کے جھنڈے لہراتے رہے۔ یا مقابلے کو منصفانہ بنانے کے لیے ایک سو یا ایک ہزار جوانوں کے مابین مبارزت کرالی۔ یہ بہادرانہ دفاع قبول کرنے کی بجائے، اینڈرونی کوس کے ایک ساتھی، نے یہ تجویز پیش کی کہ انھیں اجتماعات کے بوجھ تلے دبا دیا جائے۔ بڑی کوشش سے ایک فوج جمع کی گئی، جس میں تیرہ ہزار رسالے کے سوار اور تیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل پیدل فوج تھی اور پروپونطس میں یونان اور جینوا کے جہازوں نے سمندر کو ڈھانپ لیا۔ بحری اور بری دونوں جنگیں شروع کردیں۔ قطلانوں نے ان بڑی افواج کو دونوں محاذوں پر مقابلے کے بعد شکست دے دی، نوجوان بادشاہ بھاگ کر محل میں پہنچ گیا اور ملک کی حفاظت کے لیے ہلکے رسالے کا صرف ایک دستہ رہ گیا، اس فتح کے بعد اس کی فوج کی تعداد اور حوصلوں میں اضافہ ہوگیا اور مہم جو دوبارہ تیز ہوگئے۔ ہر ملک اور قوم میں اس کے نام کے جھنڈے لہرائے جانے لگے اور تین ہزار ترک، عیسائی بھی اپنی فوج کو چھوڑ کر اس کے گروہ میں شامل ہوگئے۔ جب گیلی پولی ان کے ہاتھ آ گیا تو اُنھوں نے قسطنطنیہ اور بحرۂ اسود کی تجارت بند کردی۔ اب قطلان اور اُن کے اتحادی دردانیال (ہیلس پونٹ) کے دونوں طرف یورپی اور ایشیائی ساحلوں پر تباہی مچانے لگے۔ تاکہ وہ مزید آگے نہ بڑھ سکیں۔ اس لیے یونانیوں نے اپنے ملک کا ایک بہت بڑا حصہ خود ہی ویران کردیا۔ کسان اپنے مویشیوں کے ساتھ شہر میں چلے گئے اور ہزارہا بھیڑیں بکریاں اور گائے بیل جن کے لیے چارا دستیاب نہ تھا، بلاضرورت ذبح کردیے گئے۔ اس کے بعد شہنشاہ نے اینڈرونی کوس نے چار دفعہ صلح اور امن کی کوشش کی اور چاروں دفعہ اسے مایوس ہونا پڑا۔ حتیٰ کہ قطلانوں کے پاس اشیائے صرف ختم ہوگئیں اور ان کے سرداروں میں بھی اختلافات ہوگئے اور اُنھیں دردانیال اور دارالحکومت کے قرب وجوار کا علاقہ خالی کرنا پڑا۔ جب وہ ترکوں سے الگ ہوگئے تو ان کی باقی ماندہ افواج نے مقدونیہ اور تھیسالی کو عبور کرنا شروع کردیا۔ تاکہ وہ یونان کے بین قلب میں ایک نیا محاذ کھول دیں۔

گمنامی کے چند ادوار کے بعد یونان میں دوبارہ بیداری کی لہر پیدا ہوئی۔ اب انھیں رومیوں کی

افواج کے ہاتھوں بدقسمتی کا سامنا کرنا پڑا۔ قسطنطنیہ کی پہلی اور آخری فتح کے درمیان دو سو پچاس سال کا عرصہ گزر گیا اور اس دوران ظالموں کے ایک گروہ نے اس پر یکے بعد دیگرے حملے کیے۔ اسے کبھی حقیقی سکون نصیب نہیں ہوا۔ اگر غلامی کی زندگی کو ترجیح دی جا سکے تو وہ بخوشی ترکوں کی غلامی قبول کرلیں گے۔ میں اس تفصیل میں نہیں جاؤں گا کہ اس دوران کون سی اقوام ان جزائر میں برسرِاقتدار آئیں اور پھر ختم ہوگئیں۔ لیکن اگر ہم ایتھنز کے انجام کو بھی نظرانداز کردیں گے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہم ایک ایسے شہر کی ناشکرگزاری کر رہے ہیں جس نے دنیا کو سب سے پہلے جدید تہذیب اور آزادی کی راہ دکھائی تھی۔ جب سلطنت کی تقسیم ہوئی تو ایتھنز اور تھیبس کے علاقے اوتھو ڈی لا روش (Otho de la Roche) کے حوالے کیے گئے۔ جو برگنڈی کے ایک شریف خاندان کا جنگجو فرزند تھا، اسے بھی عظیم ڈیوک کا خطاب حاصل تھا۔ اس کا مطلب لاطینی اپنے رواج کے حوالے سے سمجھتے تھے۔ یہ خطاب عظیم قسطنطین کے دور ہی سے چلا آ رہا تھا۔ یونانیوں کا اس کے متعلق تصور بھی کچھ زیادہ ہی احمقانہ تھا۔ اوتھون نے مونٹ فراٹ کے مارکوئیس کے جھنڈے تلے کام کیا تھا، اسے یہ مقام خوش قسمتی یا خوش کرداری کی وجہ سے حاصل ہوا تھا۔ اس کے بعد یہ اعزاز اس کے بیٹوں اور پوتوں تک اس خاندان میں رہا۔ یہاں تک کہ یہ خاندان ایک وارثہ کی شادی کی وجہ سے تبدیل ہوگیا، مگر قوم باقی رہی اور اس خاندان کا اقتدار برائن کے خاندان کو منتقل ہوگیا۔ اس شادی کے نتیجے میں جو بیٹا پیدا ہوا، اُس کا نام والٹر ڈی برائن تھا۔ ایتھنز کی جاگیر کا یہی وارث قرار پایا اور اس سلسلے میں اسے بعض قطلان کی مدد حاصل تھی، قطلان کرائے کے سپاہیوں یا رضاکاروں کا کردار ادا کرتے تھے۔ مگر جب اسے معلوم ہوا کہ عظیم فاتح قریب آ رہا ہے تو اس نے بھی ایک فوج جمع کرلی، جس میں سات سو مبارز تھے۔ چھ ہزار چار سو سوار تھے۔ آٹھ ہزار پیدل فوج تھی اور بوئیطیا (Boeotia) کے مقام پر دریائے سیفی سوس کے کنارے یہ بھی دلیری سے ان سے جا ملا۔ قطلانوں کی تعداد تین ہزار پانچ سو سوار اور چار ہزار پیدل سپاہیوں سے زائد نہ تھی۔ مگر وہ اپنی تعداد کی کمی کو نظم وضبط اور حکمتِ عملی سے پورا کرلیتے تھے۔ اُنھوں نے اپنے پڑاؤ کے گرد ایک مصنوعی سیلاب بنا رکھا تھا۔ ڈیوک اور اُس کے جنگجو بلاخوف اور غیرمحتاط آگے بڑھے اور سرسبز وادیوں میں سے گزرتے گئے۔ حتیٰ کہ ان کے گھوڑے چھلانگ لگا کر اس پھندے میں گر گئے اور فرانسیسی رسالے کے ایک بڑے حصے نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ اس کے خاندان اور قوم کو وہاں سے نکال دیا گیا اور اس کا بیٹا جس کا نام والٹر ڈی برائن تھا۔ وہ ایتھنز کا برائے نام ڈیوک بن گیا۔ فلورنس کا ظالم اور فرانس کی افواج کا سپاہ سالار، پوئیٹرز کے میدانِ جنگ میں

جان کی بازی ہار گیا۔ ایٹیکا (Attica) اور بوئیطیا فاتح قطلان کو بطور انعام مل گئے۔ اُنھوں نے مقتول کی بیوہ اور بیٹی سے شادی کر لی اور چودہ سال تک یہ بڑا اتحاد، یونانی ریاستوں کے لیے خوفناک عذاب بنا رہا۔ ان سے منسلک تمام جماعتوں نے اسے آراگون کا بادشاہ تسلیم کر لیا اور چودھویں صدی کے باقی ماندہ دور میں یہ اسی حیثیت سے قائم رہا۔ ایتھنز کی کوئی الگ حکومت تھی یا یہ اسی حکومت کا ایک ضمیمہ تھا، بتدریج صقلیہ کے حکمرانوں کی ماتحتی میں چلی گئی۔ فرانسیسوں اور قطلانوں کے بعد ایک تیسرا خاندان وجود میں آیا۔ یہ آقائی اولی تھا۔ یہ دیہاتی لوگ تھے یا فلورنس سے ان کا کوئی تعلق تھا۔ یہ نیپلز کا ایک مضبوط خاندان تھا اور پھر یہ لوگ یونان کے شہنشاہ بھی بن گئے۔ انھوں نے ایتھنز میں جدید عمارتیں تعمیر کرائیں، جس وجہ سے یہ ایک دارالحکومت کی صورت اختیار کر گیا۔ تھیبس، آرگوس، کورنتھ، ڈیلفی اور تھیسالی کا ایک حصہ، اس کے ساتھ منسلک کر دیے گئے۔ بالآخر محمد ثانی نے ان کی حکومت کا فیصلہ کر دیا۔ اُس نے ڈیوک کا گلا گھونٹ دیا۔ اُس کے بچوں کو حرم کی زندگی اور مذہب کی تعلیم دی۔

ایتھنز اس دور میں اپنے ماضی کا سایہ بھی نہ تھا۔ پھر بھی اس میں آٹھ یا دس ہزار کی آبادی موجود تھی۔ ان کا تین چوتھائی حصہ یونانیوں پر مشتمل تھا۔ ان کا مذہب اور زبان یونانی ہی ہیں۔ باقی ماندہ افراد ترک ہیں، جو مقامی آبادی میں گھل مل گئے ہیں۔ ان میں کسی حد تک اپنا قومی فخر و غرور بھی موجود ہے۔ زیتون کا درخت جو عقل کی دیوی کا تحفہ ہے۔ ایٹیکا میں بہت اچھی طرح پروان چڑھتا ہے۔ کوہ ہائمیٹوس میں پیدا ہونے والے شہد میں ماضی کی تمام خوبیاں موجود ہیں مگر اُس کی ست رو تجارت ساری غیر ملکیوں کے ہاتھ میں ہے۔ چونکہ یہ زمین زرخیز نہیں اس لیے اسے خانہ بدوشوں کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے، جنھیں ولاچی (Walachians) کہا جاتا تھا۔ ایتھنز کے لوگ اب بھی اپنی ذہانت اور بصیرت پر نازاں ہیں مگر ان صفات کے ساتھ اگر آزادی کی شرافت اور مطالعہ کی روشنی موجود نہ ہو، تو یہ گھٹیا اور ذاتی مکاری کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اور اس ملک کا ایک محاورہ ہے۔ ''اے خدا! تھیسالونیکا کے یہودیوں، نیگروپونٹ کے ترکوں اور ایتھنز کے یونانیوں سے ہمیں محفوظ رکھ۔'' ترک پاشاؤں سے محفوظ رہنے کے لیے ان مکار باشندوں نے بعض ایسے طریقے اختیار کر رکھے تھے جن سے ان کی غلامی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور ان کی شرمندگی بھی بڑھ جاتی ہے۔ گزشتہ صدی کے نصف میں ایتھنز کے لوگوں نے کسلر آغا (Kislar Age) کو اپنے لیے بطور محافظ منتخب کر لیا۔ یہ شاہی محل کا حبشی خواجہ سرا تھا۔ یہ حبشی غلام بادشاہ کے کانوں میں لگائی بجھائی کرتا رہتا تھا۔ وہ اس پر راضی ہو گیا کہ وہ تیس ہزار

کراؤن بطور رشوت وصول کرے گا اور اس کا نائب دے دوڑ، جسے وہ ہر سال نئے سرے سے بھرتی کرتا ہے۔ اپنے لیے بھی علاوہ ازیں پانچ یا چھ ہزار کراؤن رکھ لے گا۔ ان شہریوں کی حکمت عملی یہ تھی کہ وہ کسی ظالم گورنر کو نہ تو ہٹانے کی کوشش کرتے تھے اور نہ اُسے کسی قسم کی سزا دینا چاہتے تھے۔ ان کے نجی تنازعات کا اسقفِ اعظم فیصلہ کر دیتا ہے جو یونانی کلیسا کا سب سے امیر اہلکار تھا۔ ایک ہزار پاؤنڈ سٹرلنگ کا تو اسے مالیہ مل جاتا ہے۔ اس نے ایک معدلہ بھی قائم کر رکھا تھا، جس میں آٹھ عمر رسیدہ بزرگ شامل تھے۔ انھیں شہر کے آٹھ محلوں سے منتخب کیا جاتا ہے۔ شرفائے شہر تین سو سال سے زائد عرصے کا اپنا شجرۂ نسب پیش نہیں کر سکتے۔ مگر شہر کے بڑے خاندانوں کی ایک شناختی علامت ہے جو سمور کی بنی ہوئی ایک ٹوپی ہے اور آرقان (Archon) کا ایک بھاری بھرکم خطاب یا لقب بھی ان سے منسوب ہوتا ہے۔ جو لوگ بحث و تمحیص میں حصہ لینا چاہتے ہوں، انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یونانی زبان میں ستر دہقانی اور مضافاتی بولیاں بھی شامل ہیں۔ یہ تصویر بہت زیادہ گہرے رنگوں کی ترجمانی کرتی ہے۔ مگر اب ایسا دور آ گیا تھا کہ اس ملک میں افلاطون یا ڈیموستھین کے شاہکاروں کو پڑھنے یا ترجمہ کرنے والا کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ وہ اپنے شاندار ماضی کی کلاسیک سے ناواقف ہو چکے تھے۔ اُن کے کردار کی کمینگی یا کمزوری کی یہ آخری حد ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے شاہکاروں کو سمجھنے اور اُن پر داد دینے کے قابل بھی نہیں۔

☆☆☆

(۶۳)

خانہ جنگیاں اور یونانی سلطنت کی تباہی — بڑے اور چھوٹے اینڈرونی کوس اور جان پلائیولوگوس کی حکومتیں — جان قنطاقوزین (Cantacuzene) کی قائم مقامی، بغاوت، حکومت، اور دستبرداری — پیرہ (Pera) یا غلاطہ (Galata) میں جینوا کے باشندوں کی آبادی — قسطنطنیہ کے شہر اور سلطنت کے خلاف ان کی جنگ — جینوا والوں کی وینس کے باشندوں پر فتح۔

خانہ جنگیاں اور یونانی سلطنت کی تباہی — بڑے اور چھوٹے اینڈ رونی کوس اور جان پلا ئیولوگوس کی حکومتیں — جان قنطا قوزین کی قائم مقامی، بغاوت، حکومت، اور دستبرداری — پیرہ یا غلاطہ میں جینوا کے باشندوں کی آبادی — قسطنطنیہ کے شہر اور سلطنت کے خلاف ان کی جنگ — جینوا والوں کی وینس کے باشندوں پر فتح۔

بڑے اینڈ رونی کوس کا طویل دورِ حکومت محض اس وجہ سے یادگار رہے گا کہ یونانی کلیسا سے اس کے تنازعات مسلسل جاری رہے۔ اس کے دور میں قطلانوں نے حملہ کیا۔ نیز سلطنتِ عثمانیہ کے اقبال کا آغاز ہوا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے دور کا سب سے بڑا عالم، نیک اور اہلِ حکمران تھا۔ مگر اس کی اتنی بڑی خوبیوں اور علم وفضل نے نہ تو اس کی ذاتی حیثیت یا شخصیت کی تکمیل کی اور نہ ہی اس نے عوامی بہبود کا کوئی کارنامہ سرانجام دیا۔ یہ بے مقصد اوہام پرستی کا غلام تھا۔ چاروں سمتوں سے یہ ظاہری اور خفیہ دشمنوں سے گھرا ہوا تھا۔ اسے اپنے تخیلاتی دوزخ کا جتنا خوف تھا۔ اُتنا قطلان یا ترکوں کی جنگ کا نہ تھا۔ پلا ئیولوگی کے دورِ حکومت میں کسی رشتہ دار قبیلے کی تلاش ایک بہت مشکل کام تھا۔ کیونکہ حکومت قائم رکھنے کے لیے ایسے قبائل کا وجود بہت اہم تھا۔ یونانی کلیسا کے سربراہ متعصب راہب تھے جنھیں اقتدار کی ہوس بھی بہت تھی۔ اُن کی کوتاہیاں یا نیکیاں، ان کا علم وفضل یا جہالت، شرارت پر مبنی اور قابلِ نفرت تھے۔ اس کے غیر معتدل نظم ونسق میں اُسقف اتھناسی اُوس نے کلیسا اور عوام کے دلوں میں نفرت پیدا کر دی۔ اُسے یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ گنہگار معاشرے کا ذلیل ترین طبقہ ہے، توبہ کے بعد اس کے لیے مزید کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اُس کے متعلق ایک احمقانہ حکایت بہت مشہور ہوئی کہ اُس نے اُس گدھے کو بھی سزا دی جس نے سلاد کا ایک پتا کھا لیا تھا۔ کیونکہ یہ سلاد راہبوں کی اقامت گاہ کی ملکیت تھی۔ جب عوام میں اس کے خلاف بہت شور ہوا تو اسے اس کے عہدے سے ہٹا دیا گیا۔ اتھناسی اُوس نے اپنی سبکدوشی کے موقع پر دو مضامین لکھے جو بہت مخالفانہ تھے۔ اس نے عوام کو خیرات اور اپنے استعفے کی روئیداد سنانے کی کوشش کی۔ ایک نجی کونسل میں اُن افراد کو بہت زیادہ لعنت ملامت کی جنھوں نے اس کی بے عزتی کی تھی۔ اس نے اُنھیں تثلیث پرستوں کے معاشرے سے الگ

الگ کر دیا کیونکہ اُن کی وجہ سے تثلیث اور فرشتوں کی بے حرمتی ہوتی۔ دوسرا کاغذ اس نے مٹی کے ایک برتن میں رکھا جو اس کے حکم کے تحت سینٹ صوفیہ کے گنبد کے مینار کے اوپر رکھ دیا گیا۔ اسے اُمید تھی کہ مستقبل میں کوئی شخص اس دستاویز کو دریافت کر لے گا اور اس کا انتقام لے گا۔ جب چار سال گزر گئے تو کوئی شخص سیڑھی لگا کر اوپر چڑھا۔ وہ کبوتروں کے گھونسلے اُتار رہا تھا۔ اس دوران اُس کی نظر اس کاغذ پر پڑ گئی۔ جسے تباہ کن راز کہا گیا ہے۔ چنانچہ اینڈرونی کوس نے اپنے آپ کو چھو کر محسوس کیا کہ وہ مقاطعہ کی زنجیروں میں بندھا ہوا ہے، وہ لرز گیا، اُسے محسوس ہوا کہ وہ تحت الثریٰ میں گر گیا ہے۔ یہ گڑھا اُس نے اپنے لیے خود ہی اپنے پاؤں کے نیچے کھود رکھا تھا۔ فوری طور پر بشپوں کی ایک مجلس بلائی گئی تا کہ اس اہم مسئلے پر بحث کی جائے۔ جس تعجیل میں یہ سلامت نامہ تحریر کیا گیا تھا۔ بالعموم اُسے غلط کہا گیا۔ مگر یہ گرہ صرف وہی شخص کھول سکتا تھا جس نے یہ گرہ لگائی تھی۔ مگر اُسے لاٹ پادری کے عصا سے محروم کر دیا گیا تھا۔ یہ سمجھا گیا کہ اب لعنت ملامت کی سزا کو کوئی ارضی قوت ختم نہیں کر سکتی۔ کیونکہ یہ سمجھا گیا کہ مذکورہ پادری نے یہ تحریر اپنی موت کے بعد لکھی ہے۔ کوشش کر کے اس شرارت کے بانی سے استغفار کی بعض کمزور تدابیر حاصل کی گئیں۔ مگر شہنشاہ کا ضمیر ابھی تک زخمی تھا۔ اب اُس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ کسی طرح اُس پادری کو زندہ کیا جائے تا کہ وہ خود ہی اپنے ہاتھ سے یہ عقدہ حل کر دے تا کہ بادشاہ کے ضمیر کے زخموں کا علاج کیا جا سکے۔ نصف شب کے قریب ایک راہب نے آ کر شہنشاہ کی خواب گاہ کا گستاخی سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اُس نے آ کر طاعون اور قحط کی متوقع آمد سے آگاہ کیا۔ سیلاب، طوفان اور زلزلے اس کے علاوہ تھے۔ اینڈرونی کوس نے بستر سے نکل کر لباس پہنا اور ساری رات عبادت میں گزار دی۔ یہاں تک کہ اُس نے محسوس کیا کہ زمین آہستہ آہستہ ہل رہی ہے۔ بادشاہ بشپوں اور راہبوں کو لے کر چل پڑا اور ابتھناسی اُوس کے حجرے پر پہنچ گیا۔ وہاں پر وہ شخص موجود تھا، جس نے یہ ساری شرارت کی تھی۔ اُس نے تھوڑی بہت مزاحمت کی۔ اُس کے بعد اُس نے وعدہ کر لیا کہ وہ بادشاہ سے اپنی بددعا کے اثرات واپس لے لے گا اور کلیسا کا انتظام بھی سنبھال لے گا۔ اس بے عزتی کے بعد بھی اُس کی جرأت میں فرق نہ آیا۔ بلکہ تنہائی میں اُس کا دل مزید مضبوط ہو گیا۔ گڈریے نے اپنی بھیڑیں دوبارہ سنبھال لیں۔ دشمن سازشیں کرتے رہے اور یہ اپنی انتقامی کارروائی میں کامیاب رہا۔ رات کو اُنھوں نے اُس کے تخت کے قریب پاؤں رکھنے والی چوکی یا چٹائی چوری کر لی اور اُس پر تصاویر کی آرائش کر دی۔ بادشاہ کی تصویر اس طرح کی بنائی گئی کہ اُس کے منہ میں لگام تھی اور ابتھناسی اُوس اڑیل جانور کو کھینچ کر حضرت عیسیٰؑ کے قدموں میں لے جا رہا

ہے۔ اس گستاخی اور ہتک کے خالق پکڑے گئے اور اُنھیں سزا دے دی گئی۔ چونکہ اُن کی جان چھوڑ دی گئی تھی تو عیسائی پادری اپنا منہ پھلائے اپنے حجرے میں داخل ہو گیا اور اینڈرونی کوس کی آنکھیں جو لمحہ بھر کے لیے کھلی تھیں۔ اُس کے جانشین کے باعث دوبارہ بند ہو گئیں۔

اگر اس کے پچاس سالہ دورِ حکومت میں یہی ایک واقعہ عجیب و غریب ہو یا سب سے اہم ہو، تو میں اپنی اختصار نویسی پر کوئی اعتراض نہیں کروں گا اور پکائمر، قسطا قوزین اور نائسی فورس گریگورس کی تحریروں کو چند صفحات میں سمیٹ لوں گا جنھوں نے اُن ایام کی طویل ترین بے معنی عبارتوں سے کتابیں بھر دی ہیں۔ شہنشاہ جان قسطا قوزین کے متعلق زیادہ دلچسپ تجسس پیدا ہوگا۔ اُس کا چالیس سالہ دورِ حکومت چھوٹے اینڈرونی کوس کی بغاوت کی وجہ سے توسیع پذیر ہو گیا۔ یہاں تک کہ وہ سلطنت کی سربراہی سے خود ہی دستبردار ہو گیا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور قیصر (سیزر) کی طرح وہ خود ہی ان مناظر کا اصل کردار ہے جو اُس نے پیش کیے ہیں۔ مگر اس کی فصیح تخلیقات میں کہیں بھی ہیرو کا مخلص کردار نہیں ملتا جو اپنی خطاؤں پر تائب ہو۔ وہ اعترافِ جرم تو کرتا ہے مگر اس کے ساتھ عذر بھی پیش کرتا ہے۔ وہ انسان کا درست کردار پیش کرتا ہے اور صحیح مشورے بھی دیتا ہے۔ وہ بجائے اس کے کہ انسان کے اصل کردار کی وضاحت کرے۔ وہ واقعات کا سطحی بیان کرتا ہے۔ وہ اپنی اور اپنے دوستوں کی تعریف کرتا رہتا ہے۔ ان کے مقاصد اکثر خالص ہوتے ہیں اور اُن کا خاتمہ بھی جائز ہی ہوتا ہے مگر اُن کی سازش یا بغاوت کا کوئی مقصد نہیں ہوتا اور وہ تشدد جو اُن کی طرف سے سرزد ہوتا ہے یا انھیں برداشت کرنا پڑتا ہے وہ استدلال کے مطابق خیر کے نتائج ہی پر مبنی ہوتا ہے۔

پلائیولوگی اوّل کی مثال کے بعد، اینڈرونی کوس نے اپنے بیٹے میکائیل کو اپنے ساتھ اقتدار میں شریک کر لیا۔ اٹھارہ سال کی عمر سے لے کر اس کی قبل از وقت موت تک یہ شہزادہ پچیس سال تک یونان کا دوسرا بادشاہ تسلیم کیا جاتا رہا۔ فوج کے سربراہ کی حیثیت سے اس نے نہ تو دشمن کے دل میں خوف پیدا کیا اور نہ ہی دربار میں اس سے کسی کو حسد ہوا۔ اس کی حیا اور مزاج نے اسے کبھی اس بات کا موقع نہیں دیا کہ وہ اپنے باپ کی طویل العمری کا شاکی ہو اور نہ کبھی اس کے باپ کو اتنا موقع ملا کہ وہ اپنے اس فعل پر نادم ہو۔ یا اسے اپنے بیٹے کی خوبیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے کوئی شکایت پیدا ہو۔ میکائیل کے بیٹے کا نام اینڈرونی کوس تھا۔ یہ نام اس نے اپنے دادا سے حاصل کیا تھا۔ اس کے ساتھ اسے معمولی سی مشابہت بھی تھی۔ بڑے اینڈرونی کوس میں کر مزاج بھی تھی اور یہ کسی حد تک دیدہ زیب بھی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جو کچھ اس نام کے اوّل فرد کو حاصل نہیں

ہو سکا وہ دوسرے کے ذریعے حاصل کرنا ممکن ہو سکے گا۔ بچے کی تعلیم وتربیت شاہی محل میں ولی عہد اور پسندیدہ شخصیت کی حیثیت سے ہوئی۔ عوام کی دعائیں اور جوش وخروش ہمیشہ سے نصیب رہا۔ اس کا باپ اس سے پہلے ہی بہت نام پیدا کر چکا تھا اور یہاں تو دادا اور پوتے کا نام بھی ایک ہی تھا۔ مگر چھوٹا اینڈرونی کوس بہت جلد گمراہ ہو گیا۔ کیونکہ اسے بہت چھوٹی عمر میں بہت زیادہ عظمت حاصل ہو گئی تھی۔ مگر اُس کی باری آنے میں ابھی بہت دیر تھی کیونکہ دو بادشاہ (دادا اور باپ) ابھی راستے میں رکاوٹ بنے بیٹھے تھے۔ اس کا مقصد شہرت یا مسرت کا حصول نہ تھا بلکہ وہ بہت جلد اقتدار حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اُسے صرف دولت اور عیش وعشرت کی ہوس تھی۔ اُس کے نزدیک بادشاہت کا ماحصل یہی تھا۔ چنانچہ اُس نے پہلا مطالبہ یہی کیا کہ اُسے کسی زرخیز اور امیر جزیرے کی حکومت دے دی جائے۔ جہاں پر وہ آزادی سے عیش وعشرت کر سکے۔ شہنشاہ اس کی بے صبری اور بلند بانگ مطالبات پر ناخوش ہوا۔ اس سے دارالحکومت میں بھی بدنظمی پیدا ہوئی۔ وہ رقوم جو اسے محل کی طرف سے ملتی تھیں اب جینوا کے سودخور فراہم کرنے لگے۔ جو پیرہ کے صوبے میں واقع ہے اور اس پر اتنا زیادہ سود چڑھ گیا کہ اب صرف کسی انقلاب ہی سے اُتر سکتا تھا۔ ایک خوبصورت دوشیزہ جو حقیقت میں ایک خاتون معلوم ہوتی تھی اور اپنی عادات کے لحاظ سے ایک قحبہ گر معلوم ہوتی تھی۔ اُس نے چھوٹے اینڈرونی کوس کو سبق دیا کہ محبت کے لیے کن بنیادی اُمور کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر وہ اپنے ایک حریف کی شبانہ آمدورفت کو ہرگز پسند نہ کرتا تھا اور اس غرض سے اس کے پاس وجوہات بھی تھیں۔ ایک اجنبی جو اس گلی میں سے گزر رہا تھا اُسے اس کے محافظین نے تیروں سے چھلنی کر دیا۔ انھیں اس کے دروازے کی اوٹ میں اس کی نگرانی کے لیے کھڑا کر دیا گیا تھا۔ یہ اجنبی خود اس کا اپنا بھائی شہزادہ مینوأل تھا۔ وہ گرا اور زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے مر گیا۔ میکائیل ان دونوں کا باپ تھا اور اب اُس کی صحت بھی زوال کا شکار تھی۔ شہنشاہ آٹھ دن کے بعد اپنے دونوں بچوں کی تباہی پر بین کرتے ہوئے یہ دُنیا چھوڑ گیا۔ چھوٹا اینڈرونی کوس اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتے ہوئے بھی اپنے بھائی اور باپ کی موت کو اپنی بُری عادات کا نتیجہ سمجھتا تھا۔ دیکھنے اور سننے والے لوگ اس واقعے کا ذکر ٹھنڈی آہیں بھر کر کرتے اور جب اُنھیں معلوم ہوا کہ قاتل توبہ کی بجائے صرف افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا کہ یہ اس پر بہت خوش ہے کہ اُس نے اپنے راستے میں حائل دونوں رکاوٹیں ہٹا دی ہیں۔ ان دونوں مالیخولیائی واقعات کے بعد اور بدنظمی میں مزید اضافے سے بڑے شہنشاہ کو بھی اس کے خلاف شکایت پیدا ہو گئی اور اُس کا ذہن برگشتہ ہو گیا۔ اُسے متعدد بےثمر اطلاعات ملیں تو اُس نے اپنی شفقت اور ولی عہدی کا رُتبہ کسی دوسرے پوتے

کو منتقل کر دیا۔ نیا حلفِ وفاداری لیا گیا اور اس تبدیلی کا اعلان بھی کر دیا گیا اور وقت اور نئے شہنشاہ کے نام کے متعلق بھی حسب ضابطہ سب کو مطلع کر دیا گیا اور جب اس کے تمام اعمال کا عوام کو بخوبی علم ہو گیا تو اس کے خلاف کھلی عدالت میں مقدمہ چلانے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ اس کے نتیجے میں اسے سزائے موت بھی ہو سکتی تھی یا طویل قید بھی ممکن تھی۔ شہنشاہ کو اطلاع دی گئی کہ محل کی عدالتیں اُس کے پوتے کے محافظین سے بھری پڑی ہیں۔ صلح کے بعد فیصلہ کسی قدر نرم کر دیا گیا۔ چونکہ بڑا شہزادہ کامیاب ہو کر محل سے کھسک گیا تھا۔ اس لیے چھوٹے شہزادے کے لیے نئی مشکلات پیدا ہو گئیں۔

اس کے باوجود محل، کلیسا اور مجلس قانون ساز بوڑھے شہنشاہ کے ساتھ وفادار رہے۔ بغاوت، ہنگامے اور بیرونی مدد کا سلسلہ صرف صوبوں تک ہی محدود رہا۔ اسے اُمید تھی کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے گا اور اپنا تخت واپس لے لے گا۔ اس ساری تکلیف کا سرغنہ جان قنطا قوزین تھا جو قسطنطنیہ کی طرف سے حملہ آور ہوا۔ وہ حب الوطنی کی علامت تھا۔ ایک غیر دوست مؤرخ نے ان واقعات پر اظہارِ مسرت کرنے سے انکار نہیں کیا کہ اس نے نئے بادشاہ کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے اپنی طاقت کو جوش وخروش سے استعمال کیا۔ شکار کے بہانے دارالحکومت کا امن بھی تباہ کر دیا گیا۔ دردانیال پر اس کا علم بلند کر دیا گیا اور ہیڈریانوپل پر بھی اس کا جھنڈا لہرایا گیا اور صرف چند یوم میں پچاس ہزار گھڑسوار اور پیدل فوج کے لشکری جمع کر لیے گئے۔ دونوں اینڈرونی بھائیوں کا ایک دوسرے کے خلاف اس قدر فوج جمع کر لینا نہ تو کوئی اعزاز تھا اور نہ فوج کے فرائض میں شامل تھا۔ مگر عقل مندوں کی نصیحتیں بےثمر رہیں۔ ان کی حرکات آہستہ اور مشکوک تھیں اور سازشوں اور صلح کی کوششوں سے ان کی پیش قدمی میں رکاوٹ پیدا کر دی گئی۔ عارضی طور پر تعطل پیدا ہوا مگر پھر دوبارہ تباہی کے دور کا آغاز ہو گیا، جو سات سال تک چلا گیا۔ پہلے معاہدے میں یونانی سلطنت کے آثار تقسیم کر دیے گئے تھے۔ قسطنطنیہ تھیسالونیکا اور جزائر بڑے بھائی کے لیے چھوڑ دیے گئے تھے۔ جب کہ چھوٹے بھائی نے تھریس کا بڑا حصہ، فلپی (Philippi) سے لے کر بازنطینی سرحدوں تک حاصل کر لیا تھا۔ دوسرے معاہدے میں اس نے اپنی افواج کی تنخواہ، کو بھی اس میں شامل کرا لیا۔ مزید برآں اُس نے اپنی فوری تاجپوشی، اختیارات میں مناسب حصے اور ریاست کے محاصلات میں اشتراک کی شرائط بھی منظور کرا لیں۔ تیسرا معاہدہ قسطنطنیہ سے بزرگ شہنشاہ کی حتمی واپسی اور اُس کے پوتے کا تمام سلطنت پر قبضے کا نتیجہ تھا۔ اس فیصلے میں تاخیر کے اسباب متعلقہ افراد اور اُس دور کے عمومی کردار کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ جب سلطنت کے ولی عہد نے اپنے حقوق اور

دعاوی کا ذکر کیا تو عوام نے اُسے سنجیدگی، ہمدردی اور جوش و خروش سے سنا۔ اُس کے حامیوں نے اس کے حق میں خوب تبلیغ کی اور اُس کی طرف سے بار بار یہ دعوے کیے کہ وہ افواج کی تنخواہ میں اضافہ کرے گا اور ٹیکس گزاروں اور دیگر عوام کی مشکلات میں کمی کرے گا۔ عوام کی گزشتہ چالیس سال کی مشکلات اپنی بغاوت کے اسباب میں شامل کرلیں اور نئی نسلیں برسرِ اقتدار حکومت سے تنگ آ چکی تھیں، کیونکہ حکومت کے اصول اور مقبول افراد سب کا تعلق ماضی کی نسلوں سے تھا۔ اینڈرونی کوس کی جوانی میں اب کوئی جذبہ سلامت نہ تھا۔ اُس کی عمر زیادہ ہوچکی تھی مگر اُس کا احترام باقی نہ رہا تھا۔ وہ اپنے محصولات کی وجہ سے پانچ لاکھ پاؤنڈ سالانہ جمع کرتا۔ اس کے باوجود یہ امیر ترین عیسائی ریاست تین ہزار گھوڑوں کے رسالے اور بیس بحری جنگی جہازوں کے اخراجات بھی برداشت نہ کرسکتی تھی تاکہ ترکوں کی تباہ کن ترقی کا مقابلہ کرسکے۔ چھوٹے اینڈرونی کوس نے کہا کہ یہ کس قدر مختلف ہے۔ جبکہ فلپ کے بیٹے سکندر نے شکایت کی تھی کہ اُس کا باپ اُس کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑے گا، جسے وہ فتح کرسکے لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ میرا دادا میرے لیے کوئی ایسا علاقہ نہ چھوڑے گا جسے میں ہار سکوں۔ لیکن یونانیوں کو یہ جلد ہی محسوس ہوگیا کہ خانہ جنگیوں سے بدنظمی کا علاج نہیں کیا جاسکتا اور چھوٹا شہزادہ مقبول ہونے کے باوجود اس قابل نہیں کہ سلطنت کو تباہی سے بچا سکے۔ پہلے دباؤ کے تحت ہی اُس کی جماعت کے افراد اُسے چھوڑ کر علیحدہ ہونے شروع ہوگئے۔ اُن کے مابین اختلافات پہلے سے موجود تھے اور دربار میں بھی ماضی سے ہی سازشیں چلی آ رہی تھیں اور وہ لوگ جو بغاوت میں شامل ہوئے تھے۔ آہستہ آہستہ اسے چھوڑنے لگے۔ چھوٹے اینڈرونی کوس کو بھی پچھتاوے کا احساس ہونے لگا۔ وہ تھک چکا تھا یا گفت و شنید کے موقع پر اُس سے دھوکا ہوگیا تھا۔ اُس کی زندگی کا مقصد عیش کوشی تھا، اقتدار اُس کا مقصد نہ تھا۔ وہ ایک ہزار شکاری کتے اور ایک ہزار شکاری عقاب رکھنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ ایک ہزار شکاری بھی رکھنا چاہتا تھا۔ اگر یہ سب کچھ اُسے حاصل ہوجاتا تو اُس کے لیے کافی تھا مگر وہ اپنی خواہشات سے دستبردار ہوگیا۔

اب ہمیں اس المیے کا جائزہ لینا چاہیے اور اس میں شامل اہم کرداروں کی کارروائی کا جائزہ لینا چاہیے۔ اینڈرونی کوس کی ساری عمر داخلی اختلافات کو سلجھانے میں گزر گئی۔ جنگیں اور معاہدے بھی ہوتے رہے، اس کی قوت اور شہرت بتدریج کم ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ وہ تباہ کن دن بھی آ گیا، جبکہ شہر اور ملک کے دروازے بلا کسی مزاحمت کے کھول دیے گئے اور اس کا پوتا فاتح قرار پایا۔ اس کے خاص سپہ سالار کو بار بار نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور خطرے کا احساس دلایا گیا، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے تحفظ سے بے خبر رہا۔

اُس نے کمزور شہنشاہ کو چھوڑ دیا، اُس کے پاس صرف چند پادری اور ذاتی ملازم رہ گئے اور ایسی راتیں کہ جن میں خوف کی وجہ سے نیند بھی نہ آسکے۔ اس خوفناک صورتِ حال کا جلد ہی احساس ہوگیا۔ مخالفانہ نعرے سنائی دینے لگے اور چھوٹے اینڈرونی کوس کے حق میں اعلانات ہونے لگے۔ بوڑھا شہنشاہ حضرت مریم کے ایک بت کے سامنے سجدہ ریز ہوگیا۔ اس نے پیغام بھیج دیا کہ وہ شکست تسلیم کرتا ہے اور اپنی جان فاتح کے حوالے کر دیتا ہے جو خود اس کا اپنا پوتا تھا جو کہ ایک اچھا اور نیک انسان تھا۔ اپنے دوستوں کے کہنے پر اُس نے پوری انتظامیہ کی ذمہ داری سنبھال لی مگر دادا کو ابھی تک اوّل مقام اور سابقہ اہمیت حاصل رہی۔ وہ شاہی محل کو استعمال کرسکتا تھا اور اُسے چوبیس ہزار سالانہ طلائی سکے بھی بطور وظیفہ ملتے تھے۔ اس کا نصف تو شاہی خزانے سے ملتا اور باقی نصف قسطنطنیہ کی ماہی گیری سے حاصل ہوتا۔ مگر جلد ہی ظاہر ہوگیا کہ وہ ایک کمزور آدمی ہے اور اس لیے پس پردہ چلا گیا۔ بڑے محل کی خاموشی میں صرف ہمسایوں کی مرغیاں اور مویشی شور مچاتے۔ کبھی کبھی وہ محل کے وسیع صحن میں چرنے چگنے کے لیے بھی آجاتے۔ اب اُس کا وظیفہ صرف دس ہزار طلائی ٹکڑے رہ گیا۔ یہی وہ طلب کرسکتا تھا اور یہ اُس کی اُمید سے بھی زیادہ تھا۔ اُس کی نظر بھی بتدریج ختم ہوگئی اور اُس کے مصائب میں اضافہ ہوگیا اور اُس کی قید میں بھی ہر روز سختی آنے لگی اور اس کے پوتے کی بیماری یا غیر حاضری کے دوران اس کے گستاخ ملازمین اسے مجبور کرنے لگتے کہ وہ شاہانہ زندگی ترک کرکے رہبانیت اختیار کرلے۔ راہب انطونی نے دُنیاوی شان و شوکت ترک کردی تھی۔ اس کے باوجود وہ موسم سرما میں سمور پہن لیتا تھا۔ چونکہ اُس کے ایمان کی وجہ سے اُسے شراب ممنوع کردی گئی تھی اور اُس کے طبیب نے اسے پانی سے منع کردیا تھا۔ اس لیے وہ مصری شربت پیتا تھا۔ اب شہنشاہ اپنی سادہ ضروریات پوری کرنے کے لیے بمشکل تین چار طلائی ٹکڑے حاصل کرسکتا تھا۔ اگر ایسی حالت میں بھی کسی مصیبت زدہ دوست کے لیے کچھ قربانی دے دیتا تو انسانیت نوازی میں اس کا بہت اونچا مقام قرار پاتا ہے اور مذہب میں بھی اس کی بڑی قدر و قیمت ہوتی۔ اپنی دستبرداری کے چار سال بعد اینڈرونی کوس، جسے انطونی بھی کہا جاتا تھا۔ فوت ہوگیا۔ وہ ایک حجرے میں بند تھا اور اُس کی عمر چوہتر سال تھی۔ وہ اپنے آخری وقت یہ اُمید کرسکتا تھا کہ جنت میں اسے اُس سے بہتر مقام ملے گا، جو اُسے اس دُنیا میں حاصل ہوا تھا۔

چھوٹے اینڈرونی کوس کی حکومت اپنے دادا کے مقابلے میں کچھ زیادہ شاندار یا قابلِ رشک نہ تھی۔ اُسے جب اقتدار کا پھل تو مل گیا مگر اس کا ذائقہ عبوری اور تلخ تھا۔ جب یہ بلند مقام پر فائز ہوا تو اس کی ابتدائی

مقبولیت ضائع ہوگئی اور دُنیا کو اس کے کردار کے نقائص کا کھل کر پتا چل گیا اور وہ بہت نمایاں ہو گئے۔ عوام نے اُس سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ ذاتی طور پر ترکوں کے مقابلے میں پیش قدمی کرے۔ مگر اس کا حوصلہ اس امتحان کے وقت اس کا ساتھ نہ دے سکا۔ مگر ایشیا میں اس نے جو مہم جوئی کی اس کا نتیجہ یہی نکلا کہ اسے ایک زخم آیا اور شکست ہوگئی اور اس کے بعد عثمانی خلافت کا قیام یقینی ہوگیا۔ اُنھوں نے جو انتظامیہ تشکیل دی تھی، وہ پوری طرح سے بالغ ہوگئی۔ جبکہ یونان کے بادشاہ نے اپنی زراعت اور قومی لباس میں بے ہنگم تبدیلیاں روشناس کرائیں۔ یونانی مؤرخین اس پر تأسف کا اظہار کرتے ہیں اور انھیں سلطنت کے زوال کا مہلک پیش خیمہ قرار دیتے ہیں تو جوانوں کی گمراہی اُس دور میں عام ہوگئی، اُسے ایک مہلک خطرے سے بچالیا گیا، اس میں فطرت نے یا کنواری مادر نے اس کی مدد کی۔ اس سے قبل کہ وہ اپنی عمر کا پینتالیسواں سال مکمل کرتا، اسے چھین لیا گیا۔ اُس نے دو شادیاں کیں چونکہ لاطینی علم و ہُنر میں اتنی زیادہ ترقی کر چکے تھے، جس کی وجہ سے بازنطینی دربار کے خلاف اُن کے تعصب میں بھی کمی آ گئی تھی۔ اس کی دونوں بیویوں کا انتخاب جرمن اور اٹلی کے شاہی خاندانوں سے کیا گیا۔ اوّل اگنس (Agnes) جسے گھر میں آئرین بھی کہا جاتا تھا، اور یونان ہی میں رہائش پذیر تھی، برونس وک کے ڈیوک کی بیٹی تھی۔ اس کا والد چھوٹے درجے کا ایک لارڈ تھا اور جرمنی کے ایک غیر مہذب شمالی علاقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اسے چاندی کی کانوں سے بھی کچھ حصہ ملتا تھا، اس خاندان کو یونان کا قدیم ترین شرفا کا گھر سمجھا جاتا تھا اور انھیں ٹیوٹانی/طیوطانی (Teutonic) کا نام دیا جاتا تھا۔ اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، اس کی موت کے بعد اینڈرونی کوس نے دوسری شادی کرنی چاہی اور ساوائے کے کاؤنٹ کی بہن جین کا رشتہ طلب کیا۔ فرانس کا بادشاہ بھی اس کا طلب گار تھا، مگر اُس کی بجائے اسے ترجیح دی گئی۔ کاؤنٹ نے رومی برتری کا بہت خیال رکھا۔ متعدد مبارزین اور خواتین نے اس کی تعریف کی ہے۔ اسے سینٹ صوفیہ کے کلیسا میں اس کی تاجپوشی کی گئی اور اسے این کا خطاب دیا گیا۔ شادی کی دعوت میں یونانی اور اطالوی جمع ہوئے اور مل کر جنگی کھیلوں کی مشقیں کیں۔

ساوائے کی ملکہ این اپنے خاوند کی موت کے بعد بھی زندہ رہی۔ ان کا بیٹا جان پلا ئیولوگوس، یتیم رہ گیا تھا اور اُسے نو سال ہی کی عمر میں بادشاہ بنا دیا گیا تھا۔ یونان کے اعلیٰ خاندانوں کے افراد نے اسے تحفظ فراہم کیا۔ اس کے والد کے دوستوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اُس کے سب سے مخلصانہ تعلقات تھے۔ جان قنطا قوزین بھی ایک قابل احترام بادشاہ تھا۔ رعایا بھی اس کا احترام کرتی تھی۔ اسے نوجوانی میں ہر قسم کی سہولت

میسر رہی۔ اس کے اردگرد ہمیشہ شرفا کا جمگھٹا رہتا۔ اسے نجی طور پر بھی تعلیم کی دولت سے سرفراز کیا گیا۔ ہم اس سے پیشتر دیکھ چکے ہیں کہ قنطا قوزین نے اس نوجوان کو اس کے دادا کے اقتدار سے بچالیا تھا اور چھ سال کی خانہ جنگی کے بعد اُسی مقبول باشندے نے اُسے واپس قسطنطنیہ کے شاہی محل میں پہنچا دیا۔ چھوٹے اینڈرونی کوس کے دورِ حکومت میں اسی عظیم خانگی ملازم نے سلطنت اور بادشاہ پر حکومت کی اور اس نے اپنے دلیرانہ کردار کی وجہ سے ان کی خاندانی وفاداریوں کو قائم رکھا۔ یسوس اور ایطولیا کی بنیادی ریاستوں کو بازیافت کرادیا۔ اس کے دشمن اعتراف کرتے ہیں کہ قزاقوں کے گروہوں کے سرغنوں میں صرف قنطا قوزین ہی وہ واحد شخص تھا، جو خورد و نوش میں محتاط ہو۔ وہ اپنی کمائی ہوئی دولت کا احتیاط سے حساب رکھتا تھا۔ یہ سب کچھ اُس نے خود کمایا تھا، اُسے وراثت میں تو کچھ نہیں ملا تھا۔ اُس کے اطوار سے یہ بھی ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ اُس نے لالچ کر کے یہ ساری دولت جمع کرلی ہو۔ وہ اپنے سرمائے، طشتریوں، جواہرات وغیرہ کی قیمت بیان نہیں کرتا تھا، اس کے باوجود کہ اُس کے دوستوں نے بہت کچھ لوٹ لیا تھا اور بہت کچھ قزاقوں نے لوٹ لیا تھا، اس نے دو سو چاندی کی طشتریاں، خیرات کی تھیں۔ اس کے باقی ماندہ اثاثے بھی اس قدر تھے کہ اُن سے ستر بحری جنگی جہازوں کا سامان خریدا جاسکتا تھا۔ اُس نے اپنی املاک کا رقبہ یا طول و عرض کبھی نہیں دیا۔ مگر اس کے گندم اور جو کے گودام غلے کے ڈھیروں سے بھرے ہوئے تھے۔ اس کے پاس ہزاروں جُتے ہوئے بیل تھے۔ زمانہ قدیم کے رواج کے مطابق اس کے پاس پچاس ہزار ایکڑ مزروعہ زمین تھی۔ اس کے مویشی خانوں میں اڑھائی ہزار نسل کشی کی گھوڑیاں تھیں، دو سو اونٹ تھے، تین سو خچر تھے، پانچ سو گدھے تھے، پانچ سو سینگ دار مویشی تھے، پچاس ہزار خصی سؤر تھے اور ستر ہزار بھیڑیں تھیں۔ سلطنت کے دورِ آخر میں دیہاتی علاقوں میں یہ دولت کا ایک بے مثال نمونہ تھا اور تھریس میں تو اراضی کو متعدد بار ضائع کیا جاچکا تھا اور یہ عمل ملکی اور غیر ملکی داخلی خانہ جنگیوں میں دوہرایا گیا تھا۔ اسے قنطا قوزین کی حمایت ہمیشہ حاصل رہی۔ وہی اس کی قسمت کی تشکیل کرتا رہا۔ بادشاہ جب بے تکلف ہوتا یا کبھی بیمار ہوتا وہ ہر حالت میں یہ چاہتا کہ دونوں میں بے تکلف مساوات قائم رہے بلکہ وہ اپنے دوست پر یہ دباؤ بھی ڈالتا رہتا کہ وہ تاج و تخت کو سنبھال لے۔ لیکن اس خانہ زاد کی خوبیاں جو خود اسی کے قلم سے تاریخ میں باقی رہ گئی ہیں۔ ایسی تھیں کہ وہ اس خطرناک تجویز کی ہمیشہ مخالفت کرتا رہا۔ مگر چھوٹے اینڈرونی کوس نے جو اپنی آخری وصیت لکھی، اُس میں اُس نے اسے بیٹے کے سرپرست اور نائب السلطنت کی ذمہ داری سے سرفراز کردیا۔ اگر اس نائب السلطنت کو موقع مل جاتا تو وہ یقیناً ایک وفادار اور شکرگزار فرد کی حیثیت سے اپنی

ذمہ داری پوری کرتا۔

اس کے محل اور ذات کے لیے پانچ سو افراد کا پہرہ ہر وقت موجود رہتا۔ مرحوم بادشاہ کا جنازہ تمام شاہی آداب کے ساتھ اُٹھایا گیا۔ پورے دارالحکومت میں خاموشی طاری رہی اور ہر شخص اطاعت گزار رہا۔ وہ پانچ سو خطوط جو قسطا قوزین نے پہلے ماہ میں ارسال کیے، ان میں اُس نے تمام صوبوں کو اُن کے نقصان اور فرائض سے آگاہ کیا۔ اس چھوٹے سے معاشرے میں امن و امان قائم تھا، جسے ایک عظیم ڈیوک یا امیر البحر آپوقاؤکوس نے خراب کر دیا۔ ایک مؤرخ اپنی عظمت کا دعویٰ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ خود اُس نے ہی مذکورہ امیر البحر کو اُکسایا تھا کہ آگے بڑھ کر سلطنت پر قبضہ کر لے۔ حالانکہ دوسرے تمام افراد اُسے اس جرأت آزمائی سے منع کرتے تھے۔ ایک بزرگ شہنشاہ بھی ان میں شامل تھا۔ لیکن آپوقاؤکوس، کو اقتدار کی ہوس تھی، اس لیے وہ اگر کبھی اقتدار میں آ جاتا اور وہ اطاعت قبول کر لیتا۔ لیکن اس کی حبِ جاہ نے ملک کو تباہ کر دیا۔ بحری فوج کے علاوہ ایک قلعہ بھی اُس کے زیرِ قبضہ تھا۔ اس وجہ سے اس کا دماغ بہت زیادہ خراب ہو گیا۔ وہ اطاعت کا دعویٰ بھی کرتا رہتا اور خوشامد سے بھی گریز نہ کرتا مگر خفیہ طور پر اُس نے اپنے محسن کے خلاف سازش بھی جاری رکھی۔ ملکہ کے زنانہ دربار کو رشوت پیش کر دی گئی اور درباریوں کو غلط راہ پر بھی ڈال دیا گیا۔ ساوائے کی این کی حوصلہ افزائی کی گئی کہ وہ اپنا حکم منوانے کی کوشش کرے۔ فطری تقاضوں کے مطابق اس کے بیٹے کی سرپرستی اور حبِ اقتدار کو ماںتا کے نازک جذبات میں چھپا دیا گیا جس میں تشویش کا عنصر بھی موجود تھا۔ پلائیولوگی خاندان کے بانی نے اپنی آئندہ نسلوں کو سمجھا دیا تھا کہ وہ اتالیقوں اور سرپرستوں کی سازشوں سے بچ کر رہیں۔ ایپری خاندان کا سردار جان ایک مغرور اور کمزور بوڑھا تھا۔ اس کے رشتہ داروں کی تعداد جو سب فاقہ مست تھے، بہت زیادہ تھی۔ اُس نے اینڈرونی کوس کی ایک تحریر پیش کی جس کے مطابق شہزادے اور عوام کو اُس کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ اس کے پیشرو کی مثال کے پیشِ نظر اس نے مناسب سمجھا کہ مجرم کو سزا دینے کی بجائے اس کے شر سے بچا جائے۔ کیونکہ یہ غاصب معلوم ہو رہا تھا اور آپوکاؤکوس نے خود اپنی ذات کی خوشامد کی اور مسکرایا۔ جبکہ بازنطینی اسقفِ اعظم نے کلیسا اور حکومت دونوں کا مطالبہ کر دیا۔ اب تین ایسے افراد جمع ہو گئے جو اپنی حیثیت میں الگ الگ تھے اور اُن کا کردار بھی مختلف تھا۔ ایک نجی مجلس ترتیب دی گئی اور تمام اختیارات مجلس قانون ساز اور عوام کے حوالے کر دیے گئے۔ یہ لوگ آزادی کے نام پر لالچ میں آ گئے، مگر اس کے مکارانہ حیلوں نے اس عظیم ادارے کو بھی تباہ کر دیا اور بالآخر بزورِ شمشیر اسے ختم کر دیا۔ اس کے صوابدیدی اختیارات

سے اختلاف کیا گیا اس کی آرا کو جھٹلایا گیا۔ اس کے دوستوں کو سزا دی گئی اور خود اُس کے ذاتی تحفظ کو چھاؤنی اور شہر دونوں میں خطرہ درپیش ہو گیا۔ جب وہ غیر حاضر ہوتا تو اُس پر بغاوت اور غداری کا الزام عائد کیا جاتا اور اسے اس کے تمام ساتھیوں سمیت انصاف کی تلوار کے حوالے کر دیا گیا۔ عوام نے شیطان کی قوت سے انتقام لے لیا۔ اُس کی تمام املاک ضبط کر لی گئیں۔ اس کی بوڑھی ماں کو قید کر دیا گیا اور اس کی سابقہ خدمات فراموش کر دی گئیں اور اسے اُن تمام الزامات کے تحت سزا دے دی گئی، جو اُس پر عائد کیے گئے تھے۔ زیادہ تحقیق کی بجائے اس کے ماضی کے کردار کو بنیاد بنا لیا گیا۔ قسطا قوزین نے کسی بھی غداری یا بغاوت کے جرم کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ اس کی بے گناہی کا اس سے بھی پتا چلتا ہے کہ اسے ہر طرف سے تحفظ فراہم کیا گیا اور وہ اپنی عزت کو برقرار رکھ سکا جس کی سب سے بڑی وجہ اس کی نیکیاں تھیں۔ ابھی تک ملکہ اور قوم کے سردار میں اتحاد پایا جاتا تھا۔ مگر وہ بار بار یہ درخواست کرتا رہتا کہ اُسے فارغ کر دیا جائے وہ باقی ماندہ زندگی بطور راہب بسر کرنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد جبکہ اُسے عوام کا دشمن قرار دے دیا گیا تو اُس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو نوجوان بادشاہ کے قدموں میں گرا دے اور بلا شکایت اپنی زندگی کا خاتمہ قبول کر لے۔ وہ اس پر راضی نہ تھا، جب اُس نے یہ آواز سنی کہ وہ اپنے خاندان اور احباب کو بچا سکتا ہے جس کے لیے شرط صرف یہ ہے کہ وہ اپنی تلوار نیام سے باہر نکال لے اور شاہی خطاب اختیار کر لے۔

دیموطیقا جیسے مضبوط شہر میں اس کی حکومت قائم ہوئی اور جان قسطا قوزین کو شاہی تاج اور لباس پہنا دیا گیا۔ اس کی دائیں ٹانگ پر اس کے قریبی رشتہ داروں نے شاہی نشانات پہنائے اور بائیں ٹانگ کے ملبوسات اطالوی سرداروں نے پہنائے۔ ان سب کو اس نے مبارزین کا خطاب دیا۔ مگر اس عمل بغاوت کے باوجود وہ ابھی تک اپنی وفاداری پر قائم تھا۔ جان پلائیولوگوس اور ساوائے کی این کے خطابات کا، اس کے نام اور اس کی بیوی آئرین کے نام سے پہلے ذکر کیا جاتا تھا اور یہ تقریب اگرچہ ایک معمولی نوعیت تھی۔ ابھی تک بغاوت کا عنصر موجود تھا، اسے ذاتی طور پر کوئی ایسی تکلیف بھی نہ ہوئی تھی کہ یہ اپنے بادشاہ کے خلاف ہتھیار اُٹھا لیتا۔ مگر اس کی تیاری اور کامیابی سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو کچھ اس نے کیا وہ ناگزیر تھا اس کے سامنے کوئی دوسرا راستہ موجود نہ تھا۔ قسطنطیہ نوجوان بادشاہ کا فرمانبردار تھا۔ شاہِ بلغاریہ کو دعوت دی جا چکی تھی کہ وہ ہیڈریا نوپل اور تھریس اور مقدونیہ کے بڑے شہروں کو مدد فراہم کرے۔ اُنھوں نے اس عظیم خانہ زاد کی تابع فرمانی سے انکار کر دیا تھا، افواج اور صوبے اپنے ذاتی مفادات کے پیشِ نظر اس بات کے خواہاں تھے کہ ایک خاتون اور

اُسقف کے مابین ایک ڈھیلا ڈھالا اتحاد جاری رہے۔قسطا قوزین کی افواج کے سولہ لشکر دریائے میلااس کے کنارے خیمہ زن تھے، تاکہ انھیں جب بھی موقع ملے وہ دارالحکومت کو زیرِ نگیں کرسکیں۔ یہ فوج غداری یا خوف کی وجہ سے منتشر ہوگئی۔اس کے افسران بالخصوص کرائے کے لاطینی سپاہیوں نے رشوت قبول کرلی اور بازنطینی دربار کی ملازمت میں چلے گئے۔اس نقصان کے بعد باغی بادشاہ (یہ ان دونوں کرداروں کے مابین معلق رہا) تھیسالونیکا کی طرف چل پڑا۔اُس کے ہمراہ باقی ماندہ فوج کے منتخب افراد تھے، مگر وہ اس مہم میں بھی ناکام ہوگیا اور یہ اہم مقام بھی اس کے ہاتھ نہ آسکا۔عظیم ڈیوک نے اس کا تعاقب کیا جو اس کا دشمن آپوقاؤکوس تھا۔ وہ بحری راستے سے ایک برتر بری فوج لے کر اس کی نگرانی کرتا رہا۔اب اسے مجبوراً ساحلی راستہ ترک کرنا پڑا اور اس کی پیش قدمی فرار کی صورت اختیار کرگئی اور یہ سرویا کی پہاڑیوں کی طرف جانکلا۔قسطا قوزین نے اپنی باقی ماندہ افواج کو جمع کیا، تاکہ دیکھے کہ ان میں وہ کتنا لشکر اپنے گرد جمع کرسکتا ہے جو وفادار بھی ہو اور اس کی ٹوٹی پھوٹی قسمت میں اس کا ساتھ دے سکے اور اس مشکل وقت میں اُس کا ساتھ دینے کے قابل بھی ہو۔ان کی اکثریت نے تو اسے الوداعی سلام کیا اور اس کا ساتھ دینے سے دستبردار ہوگئے۔اس کے ہمراہ صرف دو ہزار افراد رہ گئے۔بالآخر وہ بھی پانچ سو ہوگئے۔یہ سب رضاکار تھے۔سرویا کے ارل یا مطلق العنان نے اسے خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا۔مگر اُس نے اسے یرغمال بنالیا۔اُس نے دروازے بند کردیے اور اب وہ اس قابل تھا کہ وہ جب چاہے اس رومی حکمران کو ختم کردے۔ارل کو بیش بہا پیشکش کی گئی مگر وہ اپنے اعتماد کو ضائع کرنے کے لیے تیار نہ ہوا۔جلد ہی اُس کا رجحان اجنبی کی طرف ہوگیا اور اُس نے اپنے مہمان، دوست یا یرغمال کو جانے کی اجازت دے دی کہ وہ جہاں چاہے نکل کر چلا جائے۔ چھ سال کا عرصہ بیت گیا اور اسے کامیابی ناکامی کے نشیب و فراز کا سامنا رہا۔شہر تباہ ہوتے رہے۔ان میں گروہ بندیاں جاری رہیں اور دیہاتی بھی ان پر حملہ آور ہوتے رہے۔قسطا قوزین اور پالائیولوگی اور بلغاری، سرویائی، اور ترک اس حکومت کے دونوں طرف برانگیختہ ہونے لگے۔وہ سب مل کر بازنطینی حکومت کو تباہ کرسکتے تھے جو حادثات رونما ہوئے، اُن کا مشاہدہ کرکے اسے خود بھی پریشانی ہوئی۔یہ سب اسی کے اپنے پیدا کردہ تھے اور ان کے اثرات کا بھی وہی شکار ہوا تھا اور وہ خود یہ بھی جانتا تھا کہ خانہ جنگی اور غیر ملکی جنگوں کی نوعیت میں کیا فرق ہوتا ہے۔اُس نے کہا کہ اول الذکر تو وہ حرارت ہے جو موسم گرما کا نتیجہ ہے۔جو کہ ہمیشہ قابل برداشت بھی ہوتی ہے اور اس سے کچھ فائدہ بھی پہنچتا ہے، جبکہ آخرالذکر بخار کی مہلک تپش ہے۔جو لاعلاج ہے اور جسم کی تمام توانائی کو جلا دیتی ہے۔

جب کسی معاشرے میں وحشی اور جنگلی افراد بھی شامل ہوجاتے ہیں تو یہ حالت شرمناک بھی ہوتی ہے اور اس میں متعدد اقسام کی شرارتیں بھی نفوذ کرجاتی ہیں۔اُس دور کا مفاد اس امر پر مجبور کرنے لگتا ہے۔مگر استدلال اور انسانی شعور کے سہارے ان مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔دونوں فریق اس صورت میں یہ کارروائی کرتے ہیں کہ دونوں فریق ایک دوسرے پر غلط اتحاد قائم کرنے کا الزام عائد کرتے ہیں جو گروہ مشاورت میں ناکام ہوجاتا ہے۔وہ ہنگامہ آرائی پر اُتر آتا ہے اور کوئی ایسی مثال لے کر جو اُسے ناپسند ہو لعنت ملامت کرنے لگتا ہے۔اگر اس میں اُسے اپنا مفاد نظر آئے تو وہ اس کی بخوشی تقلید کرنے پر بھی رضامند ہوجائے گا۔بلغاریہ اور سرویا کے گلہ بانوں کے مقابلے میں مشرق کے ترک زیادہ مہذب تھے۔مگر اُن کا جس مذہب سے تعلق تھا، اُسے رومی اور عیسائی اپنا مخالف سمجھتے تھے۔امیر کی دوستی حاصل کرنے کی غرض سے دونوں فریقوں نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کوشش شروع کردی اور اس میں انتہائی کمینگی اور بے غیرتی کی حد تک کوشش شروع کردی۔قسطا قوزین کی مہارت نے ترجیح حاصل کرلی۔ایک غیر مذہب سے اُس نے اپنی بیٹی کی شادی کردی اور امیر کی مدد سے فتح حاصل کرنے کی بھاری قیمت ادا کی۔ہزارہا عیسائی غلام بنالیے گئے اور عثمانیوں کے لیے یورپ کا دروازہ کھل گیا۔یہ رومی سلطنت کے خاتمے کے لیے آخری مہلک وار تھا۔آپوکاؤکوس کی موت کے بعد اقتدار کا پلڑا اس کی طرف جھک گیا۔اگرچہ اسے اپنے نگاہوں پر انصاف کے تقاضوں کے تحت اسے ملامت کا ضرور سامنا کرنا پڑا ہوگا۔شرفا یا دہقانوں کا ایک گروہ، جن سے یہ ڈرتا تھا، یا اُن سے نفرت کرتا تھا۔انھیں اس کے حکم سے دارالحکومت اور صوبوں میں پکڑ لیا گیا اور انھیں قسطنطنیہ کے قدیم محل میں قید کردیا گیا، فصیلوں کو مزید اونچا کردیا گیا، کمرے تنگ کردیے گئے تاکہ ان کے فرار کو روکا جاسکے اور اُن کی تکلیف میں مزید اضافہ ہو اور یہ ظالم شخص اس کام کی نگرانی کے لیے خود موقع پر جاتا رہا اس کے محافظ دروازے کی نگرانی کرتے رہتے۔وہ اندرونی راہداری میں بلاخوف و خطر کھڑا تھا۔پالائیولوگی نسل کے دو دلیر قیدیوں نے اس پر حملہ کردیا اور یہ بے جان ہوکر زمین پر گر گیا۔اُن کے پاس صرف لاٹھیاں تھیں مگر انتہائی مایوسی کے عالم میں وہ یہ فعل کر گزرے۔جب اس انتقامی کارروائی کی افواہ پھیل گئی تو اُنھوں نے اپنی بیڑیاں کاٹ دیں اور آزاد ہوگئے۔اُنھوں نے اپنے قید خانے کو قلعہ بند کرلیا اور ظالم کا سر کاٹ کر روشندانوں سے باہر دکھا دیا۔وہ جانتے تھے کہ عوام اُن سے ہمدردی کریں گے اور حکومت بھی اُن پر رحم کھائے گی۔بالخصوص ملکہ ان سے ہمدردی کرے گی۔ساوائے کی این ایک مغرور اور جاہ پسند وزیر کے زوال پر یقیناً خوش ہوگی مگر اُس نے کوئی فیصلہ کرنے یا

کوئی قدم اُٹھانے میں تاخیر کی۔ عوام بالخصوص بحری افواج میں بغاوت کے لیے بہت جوش پیدا ہوگیا۔ اس تحریک کے پس منظر میں عظیم ڈیوک کی بیوہ تھی۔ ایک حملہ ہوا اُس کے بعد قتل عام ہوا۔ قیدی (جن کی بڑی تعداد کا اس جرم میں کوئی حصہ نہ تھا۔ یا اس غیر دانشمندانہ حرکت سے کوئی سروکار نہ تھا) قید خانے سے نکل کر ایک قریبی گرجا میں جمع ہوگئے۔ اُنھیں قربان گاہ کے قدموں میں ذبح کر دیا گیا۔ گویا اُس شیطان کی موت کے بعد بھی قتل کا سلسلہ جاری رہا جو اُس کی زندگی میں ہونے والے قتل سے کسی طرح کم نہ تھا۔ لیکن اس کی دانشمندی کے نتیجے میں نوجوان بادشاہ کی زندگی محفوظ رہی۔ اس کے جو رشتہ دار بچ رہے تھے۔ اُنھیں ایک دوسرے کی نیتوں پر شک تھا۔ اُنھوں نے جنگ سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے معتدل فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس تنازع کے آغاز میں ملکہ نے محسوس کیا کہ اُسے قنطا قوزین کے دشمنوں نے دھوکا دیا تھا۔ سربراہ کلیسا سے کہا گیا کہ وہ اس امر کی تبلیغ کرے کہ اب تک جو زیادتی ہو چکی ہے، اُسے معاف کر دیا جائے۔ اس امر کا حلف لیا گیا کہ اس معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والے کو مقاطعہ کی سزا دی جائے گی۔ اس معاہدے کو مہر بند کر دیا گیا۔ مگر این نے کسی کی رہنمائی کے بغیر ہی نفرت کرنا سیکھ لیا۔ اُس نے سلطنت کی تباہی کو ایک لاتعلق شخص کے انداز سے دیکھا اور اُسے اس نوعیت کا حسد پیدا ہوگیا۔ گویا اُس کے مقابلے میں کوئی حریف ملکہ پیدا ہوگئی ہے۔ نرم مزاجی کے پہلے اقدام کے طور پر اُس نے سربراہ کلیسا سے یہ کہا کہ وہ ایک مجلس عام کا اہتمام کرے تاکہ خود اُسے اُس کے موجودہ عہدے سے ہٹا دیا جائے، چونکہ ان لوگوں میں نظم و ضبط کی کمی تھی اور نااہلی بھی موجود تھی، اس لیے کسی اختلاف کے نتیجے میں زیادہ فیصلہ کن حالات پیدا ہو سکتے تھے۔ مگر خانہ جنگی کا احتمال نہ تھا کیونکہ دونوں فریق کمزور تھے اور قنطا قوزین کی میانہ روی کو بھی بُزدلی کا نتیجہ ہی سمجھا گیا۔ جس میں عدم برداشت کا عنصر بھی موجود تھا۔ عوام کو قسطنطنیہ کی فصیلوں کا تحفظ حاصل تھا اور باقی ماندہ سلطنت کو بھی صرف دارالحکومت ہی تحفظ فراہم کر سکتا تھا۔ اس میں اتنا حوصلہ تو نہ تھا کہ وہ کوئی عام فتح حاصل کر سکے۔ یہاں تک کہ اس نے عوام کی آواز اور نجی خط و کتابت کے ذریعے اپنی حمایت حاصل کر لی۔ وہ عظیم ڈیوک کے عہدے پر فائز ہوگیا۔ اُسے جہاز اور محافظین مل گئے۔ سنہری دروازہ بھی اُس کے زیر اقتدار آ گیا، مگر اس کی عاجزانہ خواہشات کو بھی رشوت کے ذریعے خرید لیا گیا، اور اُسے سازش کا ایک ہتھیار بنا دیا گیا اور بغیر کسی خطرے یا خونریزی کے انقلاب کا عمل مکمل کر لیا گیا۔ اب نہ تو کوئی قوتِ مزاحمت باقی تھی، نہ کسی طرف سے مدد پہنچنے کا امکان تھا۔ مستقل مزاج این ابھی تک اس قابل تھی کہ محل کی حفاظت کر سکے۔ اگر

دارالحکومت شعلوں کی نذر ہو چکا ہو، تو اُس کی بلا سے، ہو جائے، مگر ایک حریف کے قبضے میں اُس کا چلا جانا مشکوک تھا۔ اُس نے اپنے دوستوں، دشمنوں دونوں کی درخواست قبول کر لی، فاتح کی طرف سے ایک معاہدہ لکھوایا گیا، اُس نے اپنے محسن کے بیٹے کو وفاداری اور تعلقات کی خوش گواری کا یقین دلا دیا۔ جان پلائیولوگس کے بیٹے سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔ اس طرح اُس کے شاگرد کے وراثتی حقوق بھی مسلمہ ہوگئے۔ مگر دس سال کے لیے سلطنت کا انتظام اُس کے سرپرست کی تحویل ہی میں رہا۔ اس وقت بازنطینی تخت پر دو بادشاہ اور تین ملکائیں براجمان تھیں۔ عام معافی کا اعلان کر دیا گیا، جس سے تمام شبہات کا ازالہ ہوگیا اور ہر شخص کو اپنی جائیداد کا تحفظ فراہم ہوگیا۔ اس میں وہ افراد بھی شامل تھے، جو انتہائی مجرم تھے۔ تاجپوشی اور شادی کی تقریبات ظاہری اتحاد اور شان و شوکت ہی سے منعقد کی گئیں۔ مگر دونوں مغالطے پر مبنی تھیں۔ گزشتہ تکالیف کے دوران حکومت بلکہ محل کے بھی خزانے لوٹ لیے گئے تھے۔ گزشتہ شاہی دعوت میں مہمانوں کو مٹی کے برتنوں میں کھانا کھلایا گیا۔ اگرچہ یہ لوگ اُس وقت بھی مغرور تھے، مگر ان کی افلاس کی بھی انتہا ہو چکی تھی۔ اب ان کے پاس سونا اور جواہرات موجود نہ تھے۔ اب شیشے اور چمڑے سے اُس کی کمی پوری کی جا رہی تھی۔

اب میں جلدی سے جان قنطا قوزین کی سوانح عمری کے متعلق ایک سرسری سی نگاہ ڈالنا چاہتا ہوں، اُس نے فتح حاصل کی اور پھر حکومت بھی کی۔ مگر اس کی فتح اور حکومت کو اس کے ذاتی اور ساتھیوں کے عدم اطمینان نے تباہ کر دیا۔ اس کے مخالفین کا گروہ بھی اسی راہ پر گامزن رہا۔ اس نے جو عام معافی کا اعلان کیا۔ اُس میں اس کے دشمنوں کو تو فائدہ پہنچا مگر اپنے دوستوں کو اس نے فراموش کر دیا۔ اس سے دوستی کی وجہ سے ان کی املاک کو سخت نقصان پہنچا تھا۔ اُن کو ضبط کر لیا گیا تھا، یا تباہ کر دیا گیا تھا اور وہ گلیوں میں بھوکے ننگے گھومتے پھرتے رہے۔ اُنھیں اپنے رہنما کی فیاضی پر تکیہ تھا، وہ خود تخت پر بیٹھ گیا اور بلا استحقاق، اپنی تمام وراثت بھی بحال کر لی۔ اس کے احباب تو اپنی جائز دولت بھی حاصل نہ کر سکے تھے کیونکہ اُنھیں ایک غاصب کے ہاتھ سے کچھ وصول کرنے میں شرم محسوس ہوتی تھی اور اپنے جذبۂ انتقام کو اس نے چھپا رکھا تھا۔ اس کی وجہ اس کا ذاتی تحفظ اور غالباً اپنے ولی عہد کی سلامتی بھی تھا، وہ قنطا قوزین کے دوستوں کی ایک درخواست پر بجا طور پر پریشان ہوگئے کہ اُنھیں پلائیولوگی سے وفاداری کے حلف سے سرخرو کر دیا جائے اور اُنھیں بعض شہروں کے دفاع کا موقع فراہم کر دیا جائے۔ اس کے حق میں استدلال بھی پیش کیا گیا اور فصاحت سے بھی کام لیا گیا اور (بقول شاہی مؤرخ کی اس درخواست کو مسترد کر دیا گیا۔ مؤرخ کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ یہ فیصلہ اُسی کی تحریک پر ہوا۔ اب

ملک میں کئی سازشیں شروع ہوگئیں۔ ہر کوئی کانپ اُٹھا کہ اب ممکن ہے کہ اقتدار پرستی ملکی یا غیرملکی طاقت کا قبضہ ہو جائے اور بغاوت پر وہ صرف اپنی مہر ثبت کردے۔ اینڈورنی کوس کا بیٹا اب بالغ ہو چکا تھا۔ اب وہ سوچنے لگا تھا کہ اب اُسے اپنے متعلق خود فیصلے کرنے چاہیں۔ اس کے باپ کے دوست اس کی حبِّ جاہ کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور رکاوٹ پیدا نہ کرتے تھے اور یہ بھی اپنے باپ کی تقلید کرنا چاہتا تھا۔ قنطاقوزین اس کوشش میں لگا رہتا کہ اسے ایسی خواہشات سے باز رکھے جس میں خطرات کا احتمال غالب ہو اور وہ چاہتا تھا کہ نوجوان بادشاہ اپنی ہمت تک ہی محدود رہے اور جذباتی اشتہا کا مظاہرہ نہ کرے۔ سرویا کی مہم میں دونوں بادشاہوں نے ایک دوسرے سے محبت کا اظہار کرلیا۔ فوجیوں اور صوبوں سے بھی بہتر سلوک کیا گیا۔ چھوٹی عمر کے بادشاہ کو بزارموزِ حکومت اور تدابیر جنگ سے آشنا کرتا رہا۔ جب کہ امن کا معاہدہ کو بزارموز حکومت اور تدابیر جنگ سے آشنا کرتا رہا۔ جب امن کا معاہدہ ہوگیا تو پلائیولوگوس کو تھیسالونیکا ہی میں چھوڑ دیا گیا۔ اس میں شاہی محلات بھی تھے اور یہ سرحدی علاقے میں بھی واقع تھا۔ اس کی غیرحاضری سے یہ ممکن ہوگیا کہ قسطنطنیہ میں امن قائم رہے اور یہ بھی ممکن ہوسکا کہ نوجوان بادشاہ کو دارالحکومت کی عیش وعشرت سے محفوظ رکھا جاسکے۔ مگر فاصلے پر رہنے کی وجہ سے فوجی اور انتظامی اقتدار میں کمی آگئی۔ اینڈرونی کوس کا بیٹا مکار اور بے بجھ ساتھیوں میں گھرا ہوا تھا۔ اُنھوں نے اُسے پڑھایا کہ وہ اپنے اتالیق کا سایہ اپنے سر سے ہٹالے اور اپنے سرپرست سے نفرت کا اظہار کرے اور اپنی جلاوطنی پر تأسف کا اظہار کرے۔ اس طرح اپنے حقوق کی خود حفاظت کرے، سرویا کے ارل یا مطلق العنان کے ساتھ ایک معاہدہ کرلیا گیا۔ یہ معاہدہ انقلاب کے فوراً بعد عمل میں آیا۔ قنطاقوزین کو اقتدار سے الگ کر دیا گیا، مگر بڑے اینڈرونی کوس کے قابض کے لیے تمام صوابدیدی اختیارات کا مطالبہ کیا گیا اور اس کے لیے پوری قوت استعمال میں لائی گئی۔ اس کی درخواست پر مادر ملکہ نے تھیسالونیکا کا سفر اختیار کرلیا۔ اُس کا ارادہ دونوں حکومتوں کے مابین مصالحت پیدا کرنا تھا۔ مگر وہ ناکام واپس لوٹی، جب تک کہ ساوائے کی این بدقسمتی کا شکار نہ ہوئی تو ہمیں اُس کے خلوص پر شک باقی رہتا، یا کم ازکم اُس کا اس معاملے میں جوش مصنوعی معلوم ہوتا۔ جبکہ نائب سلطنت نے اقتدار اور اختیارات پر پورا اور مضبوط قبضہ جمالیا تو ملکہ نے اعلان کر دیا کہ اس کی سربراہی کے دس سال جلد ہی ختم ہونے والے ہیں۔ شہنشاہ قنطاقوزین اپنے اقتدار سے پوری طرح لطف اندوز ہو چکا تھا۔ اُس نے سکھ کا سانس لیا اور اُس کی صرف ایک خواہش باقی رہ گئی تھی کہ وہ روحانی تاج پہن لے۔ اگر یہ جذبات حقیقی ہوتے تو از راہِ انصاف اُسے

ذہنی سکون حاصل ہو جاتا، اور اُس کا ضمیر بھی مطمئن ہو جاتا۔ پلائیولوگوس، اس کی مستقبل کی حکومت کے لیے خود ذمہ دار تھا، اور اُس میں جس قدر کوتاہیاں بھی موجود تھیں، وہ خانہ جنگی کے مصائب سے فی الواقع بہت کم تھیں، جس میں کم کسانوں اور غیر مذہب حکمرانوں کو بلایا گیا تاکہ وہ یونانیوں کو تباہی سے دوچار کریں۔ ان میں ترک افواج بھی شامل ہوسکتی تھیں۔ اب اُنھوں نے یورپ میں ایک مضبوط اور مستقل جڑ پکڑ لی تھی۔ قنطاقوزین تیسری دفعہ پھر برسراقتدار آگیا۔ اس فساد میں وہ خود بھی شامل رہا تھا۔ نوجوان بادشاہ بحری اور بری اقتدار سے نکال کر باہر پھینک دیا گیا اور فاتح کی ضد اور اقدامات نے ایسی کیفیت پیدا کردی کہ اب اس کی اصلاح کا امکان باقی نہ رہا۔ ایسا فساد پیدا ہوگیا کہ صلح کا ہر امکان ختم ہوگیا۔ اس کے بیٹے میتھیو کے ایسے لوگوں سے تعلقات تھے، جو بہت بڑے تھے۔ بہرحال اُس کو تخت مل گیا اور اس طرح تخت کی وراثت قنطاقوزین کے خاندان میں منتقل ہوگئی۔ مگر قسطنطنیہ ابھی تک اپنے پُرانے بادشاہوں کی اولاد اور خون سے وابستہ تھا، اور اس آخری ضرب سے قدیم خاندانوں کی بحالی کا اب کیوئی امکان باقی نہ رہا تھا۔ جینوا کے ایک شریف مرد نے پلائیولوگوس کی حمایت میں کچھ کارروائی کی اور اُس کی ہمشیرہ کا وعدہ بھی لے لیا۔ اُس نے دو جہازوں اور اڑھائی ہزار افراد کی فوج کی حمایت سے ایک انقلاب برپا کردیا۔ وہ تباہی کے خطرے کے بہانے ایک کم اہمیت کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوگئے۔ اُنھیں داخل ہونے کی اجازت دے دی گئی اور لاطینی زبان میں یہ نعرے بلند ہونے لگے۔ ’’شہنشاہ جان پلائیولوگوس زندہ باد‘‘ ان کا جواب ایک جرنیل نے دیا جوان کا حامی بن گیا۔ مگر عوام میں ایک بہت بڑی اکثریت تھی جو ابھی تک قنطاقوزین کے جھنڈے تلے جمع رہنا پسند کرتی تھی۔ وہ اپنی تاریخ میں یہ تحریر کرتا ہے (کیا اُسے ابھی تک اُمید باقی تھی) کہ اب اُس کے ضمیر کو اس سے اتفاق نہیں کہ فتح حاصل ہوسکے گی اور یہ کہ مذہب اور فلسفے کے اُصولوں پر لوگ آزادی سے عمل کرسکیں گے، اُس نے تخت چھوڑ دیا ہے اور درویشی کی زندگی اختیار کرلی ہے۔ مگر اس قدر جلد، اس کا جانشین اُسے راہبانہ زندگی اختیار کرنے کی اجازت دینے پر تیار نہ تھا۔ مگر وہ چاہتا تھا اس کی باقی ماندہ زندگی تقدس اور علم کی خدمت میں بسر ہو جائے، وہ قسطنطنیہ کے حجروں اور کوہ آتھوز میں باقی زندگی گزار دینا چاہتا تھا۔ راہب جوزف کو لوگ روحانی اور دنیاوی بادشاہ تسلیم کرتے تھے۔ اگرچہ اُس نے پسپائی اختیار کرلی تھی۔ اسے امن کا سفیر سمجھا جاتا تھا۔ اسے بادشاہ کا بھی روحانی باپ ہونے کا فخر حاصل تھا۔ اُسے کہا گیا کہ وہ عوام کی ضد ختم کرے اور اپنے باغی بیٹے کی باغیانہ سرگرمیوں کی معافی طلب کرے۔

اس کے باوجود قنطا قوزین کا دل مذہبی جنگ کے جوش سے بھرا ہوا تھا۔ اُس نے یہودیوں اور مسلمانوں کے خلاف اپنا قلم تیز کر لیا اور تمام صوبوں میں گھوم پھر کر وہ کوہِ ثبور کی روشنی پھیلانے پر لگ گیا اس نے ایک مسئلہ کھڑا کر دیا، جس کی وجہ سے یونانی زبان میں بے شمار صفحات ضائع ہو گئے۔ ہندوستان کے فقیروں (درویشوں) اور مشرقی کلیسا کے راہبوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ انسانی ذہن اور جسم میں بعض ایسی صلاحیتیں بھی موجود ہیں جو غیر مرئی ہیں اور انسانی روح میں اتنی قوت اور بصیرت پیدا کی جا سکتی ہے کہ وہ خداوند تعالیٰ کا جلوہ دیکھ سکے۔ آتھوز کی پہاڑیوں میں ایسے ذرائع حاصل کیے جا سکتے ہیں، جن کا بیان ایک ایسے راہب کے الفاظ میں کیا جا سکتا ہے جو گیارھویں صدی میں زندہ تھا۔ وہ راہب کہتا ہے کہ ''جب تم اپنے حجرے میں اکیلے ہوتے ہو، تو دروازے بند کر دو، اور ایک کونے میں بیٹھ جاؤ، ہر بے فائدہ اور عبوری شے کو فراموش کر دو، اور دل کا مقام تلاش کرو تمھاری روح اُسی کے اندر ہے، پہلے تمھارے سامنے اندھیرا چھا جائے گا اور تم بے آرام ہو جاؤ گے۔ مگر ایسی صورت میں دن اور راتیں صرف کرنے لگو، تمھیں ایک دائمی مسرت محسوس ہونے لگے گی۔ اگر تمھاری روح قلب کو تلاش کر لے تو یہیں سے صوفیانہ اور اخلاقی نور کا آغاز ہو جائے گا۔'' یہ روشنی محض تخیل اور بھوکے شکم کی خالق ہے۔ اس کے نتیجے میں ایک خالی جسم پیدا ہوتا ہے اور ذہن خالی ہونے سے یہ کیفیت وجود میں آتی ہے۔ جب انسانی ذہن تمام خیالات سے خالی ہو کر صرف خدائے واحد کا تصور کرے تو اُسے ضرور روشنی عطا ہوتی ہے۔ یہ خاموشی پسند افراد کسی شے کے متعلق کوئی سوال یا اعتراض نہیں اُٹھاتے تھے اور جب یہ غلط تصور کوہِ آتھوز تک محدود تھا، تو یہ سادہ مزاج طالب کوئی سوال پیدا نہیں کرتے تھے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک روحانی شے کا کوئی وجود بھی ہو اور ایک ایسی شے انسانی آنکھ دیکھ سکے جس کا کوئی مادی وجود نہ ہو۔ مگر چھوٹے اینڈرونی کوس کے دورِ حکومت میں خانقاہوں میں برلام اکثر گھومتا پھرتا رہتا تھا۔ جو کالابریہ راہب تھا، وہ فلسفے اور دینیات میں یکساں مہارت رکھتا تھا۔ وہ یونانی اور لاطینی دونوں زبانوں کا ماہر تھا۔ وہ اتنا ہوشیار تھا کہ اپنے مخالف کو بھی قائل کر سکتا تھا اور ہر وقت کی ضرورت کے مطابق ردِ عمل کا اظہار کر سکتا تھا۔ ایک کوتاہ اندیش راہب نے اس متجسس سیاح کو اس ذہنی دُعا کے اسرار سے آگاہ کر دیا اور برلام کو ایک موقع فراہم ہو گیا کہ وہ ان خاموشی اختیار کرنے والے گروہ کا مذاق اُڑا سکے جو مردوں میں روح پھونکنے کا دعویٰ کرتے تھے اور کوہِ آتھوز کے راہبوں پر بدعت اور دین کی توہین کا الزام عائد کرنے لگا۔ زیادہ پڑھے لکھے لوگوں میں یہ رجحان پیدا ہو گیا کہ وہ اپنے سادہ لوح بھائیوں کو ایسی اوہام پرستی سے باز رکھنے کی کوشش کریں

لیکن پہاڑی راہبوں کے اس سلسلے کا اعتقاد اپنی جگہ قائم رہا اور کوہِ ثبور کی مثال سامنے رکھتے ہوئے وہ اپنے عمل کا جواز فراہم کرتے رہے۔ وہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ نے بھی اسی طرح اپنا جسم بدل لیا تھا۔ اس کے باوجود اس طبقے پر شرک کا الزام بدستور قائم رہا۔ کوہِ ثبور کے واقعے کی صحت سے انکار کیا گیا اور برلام، پالامائطیوں (Palamites) پر یہ الزام لگاتا کہ وہ خداؤں پر ایمان رکھتے ہیں، ایک خدا تو مرئی ہے اور دوسرا غیر مرئی۔ کوہِ آتھوز کے راہبوں کو اس پر غصہ آ گیا اور انھوں نے اُسے قتل کرنے کی دھمکی دے دی۔ کالابریہ کا راہب قسطنطنیہ چلا گیا۔ وہاں پر اس کے منطقی خیالات عظیم خانہ زاد اور شہنشاہ کو بہت پسند آئے۔ دربار اور شہر میں اس دینیاتی بحث پر تکرار شروع ہو گئی جو آہستہ آہستہ خانہ جنگی میں تبدیل ہو گئی۔ برلام کی تذلیل ہوئی اور اپنے غلط عقائد کی وجہ سے اُسے فرار ہونا پڑا۔ پالامائطیوں کو فتح حاصل ہوئی اور ان کا مخالف پادری سردار اپیری ریاست کی مخالف قوتوں کی اتفاق رائے سے معزول کر دیا گیا۔ شاہی دربار میں قنطا قوزین خود موجود تھا، جو بادشاہ بھی تھا اور مذہبی رہنما بھی۔ اُس نے یونانی کلیسا کا اجلاس طلب کیا اور خود اُس کی صدارت کی۔ اس اجتماع میں ایک نیا عقیدہ وجود میں آیا۔ کوہِ ثبور کے نور کے وجود کو غیر تخلیقی قرار دیا گیا اور اسے جزوِ ایمان بنا لیا گیا۔ طویل دشنام طرازی کے بعد ایک چھوٹا سا نکتہ پیدا کر لیا گیا جو انسانی استدلال کے دائرے سے خارج تھا مگر ایک بے سروپا بات دینی عقائد میں شامل ہو گئی۔ اس موضوع پر کاغذ یا پارچہ جات کے متعدد بنڈل خرچ کر دیے گئے بلکہ روشنائی کے داغوں سے سیاہ کر دیے گئے اور وہ لوگ جو اس خیال یا نقطۂ نظر سے متفق نہ ہو سکے، اُنھیں یہ سزا دی گئی کہ انھیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔ اگلی صدی میں لوگ اس مسئلے کو فراموش کر چکے تھے اور مجھے ایسا کوئی مواد نہیں ملا جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اس غرض کے لیے کوئی پیمانہ مقرر کیا گیا یا کوئی ایسا ذریعہ اختیار کیا گیا جس سے برلامی بدعت کا ازالہ کیا جا سکتا۔

اس باب کے اختتام کے موقع پر بیان کرنے کے لیے میں نے جینوا کے باشندوں کی جنگ کا موضوع باقی رکھا ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے قنطا قوزین کا تخت ڈگمگا گیا اور یونانی شہنشاہ کی کمزوری کھل کر سامنے آ گئی۔ جینوا کے باشندوں سے جب قسطنطنیہ کا تخت بازیاب کرا لیا گیا تھا، تو یہ لوگ پیرہ یا غلاطہ کے مضافات میں منتشر ہو کر بیٹھ گئے۔ شہنشاہ نے از راہِ شفقت انھیں جاگیریں دے دیں۔ وہ اپنے قوانین ہی استعمال کرتے اور اپنے حاکمانِ اعلیٰ کے تحت کام کرتے۔ مگر وہ بطور باجگزار اور رعایا کے بھی اپنے فرائض کما حقہٗ ادا کرتے۔ وہ اپنے قانون کے لیے ''Liegemen'' کا زوردار لفظ استعمال کرتے۔ یہ لفظ

انھوں نے لاطینی زبان سے مستعار لیا تھا۔ فی الحقیقت یہ رومی تشریحِ قانون کی ایک اصطلاح ہے مگر وہ اس غرض سے ایک اور اصطلاح "Podesta" بھی استعمال کرتے جو سردار کے مفہوم کے قریب تر ہے۔ یہ عہدیدار بادشاہ کے تابع فرمان رہتا اور وفاداری کا اظہار کرتا۔ جینوا کا یونان سے اتحاد بہت مضبوط تھا۔ ایک دفاعی جنگ میں انھوں نے پچاس خالی جہاز دیے اور پچاس جہاز اسلحہ سے لیس اور افرادی قوت سے بھرپور بطور مدد پیش کیے۔ انھوں نے یہ وعدہ بھی کیا کہ جمہوریہ کو ایک سلطنت میں تبدیل کر دیں گے۔ میکائیل پلائیولوگوس کا بحریہ کو طاقتور بنانے کا مقصد یہ تھا کہ ایک تو وہ کسی بیرونی خطرے سے آزادی حاصل کر سکے۔ دوسرے اُس کی اپنی حدود کے اندر غلاطہ کے، جینوا کے باشندے آباد تھے۔ چونکہ نہ تو اُنھیں مکمل آزادی حاصل تھی اور اُن کے پاس زیادہ سرمایہ تھا۔ اس لیے وہ اکثر برافروختہ رہتے تھے۔ اس کا امکان بھی تھا کہ وہ جلد ہی قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیں۔ بلکہ ایک ملاح نے تو اس کا انتباہ بھی کر دیا تھا۔ وہ ایسے یونانی کو ذبح کر دیتے جو ان کے ارادے کی مزاحمت کرتا۔ ان کے ایک اسلحہ بردار جہاز نے جو بحیرۂ اسود میں قزاقی کے عمل میں مصروف تھا، بادشاہ کو سلامی پیش کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اُن کے ہم وطنوں نے اُنھیں یقین دلایا کہ وہ ان کے مقصد کی تکمیل میں ان کی مدد کریں گے۔ مگر غلاطہ کا طویل رقبے پر پھیلا ہوا دیہات اُسی وقت شاہی افواج نے محاصرے میں لے لیا یہاں تک کہ جینوا کے سرداروں نے شہنشاہ کے سامنے سجدہ ریز ہو کر معافی طلب کی۔ جب ان کی یہ کمزوری ظاہر ہو گئی تو ان کے وینسی ساتھیوں نے بھی ان پر حملہ کر دیا۔ وہ بڑے اینڈرونی کوس کے عہدِ حکومت میں بادشاہ کے احکام کی اکثر خلاف ورزی کرتے رہتے تھے۔ جب ان کا جنگی بیڑہ پہنچا تو جینوا کے لوگ اپنے سامان اور بیوی بچوں سمیت جہازوں پر سوار ہو کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ لیکن ان کے گھر تو جلا کر راکھ کیے جا چکے تھے اور کمزور بادشاہ نے جب اس تباہی کا مشاہدہ کیا تو اُس نے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ اُس نے اس کے لیے فوج استعمال نہ کی مگر سفارت روانہ کر دی۔ بہر حال اسی بدقسمتی کا بھی جینوا کے باشندوں کو ہی فائدہ پہنچا۔ اُنھوں نے اس صورتِ حال سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے غلاطہ کو مزید محفوظ کر لیا۔ شہر کے گرد خندق کھود کر اُس میں سمندر کا پانی چھوڑ دیا اور مضبوط فصیل بھی تعمیر کر لی اور پشتے تعمیر کر کے اُن پر منجنیقیں نصب کر لیں۔ یہ جگہ جس میں وہ آباد تھے، بہت تنگ تھی اور اس میں کوئی نئی بستی بسانا ممکن نہ تھا۔ ہر روز وہ نئی اراضی حاصل کرنے میں لگے رہتے اور قریبی پہاڑیاں نئی قلعہ بندیوں سے بھر گئیں۔ بحیرۂ اسود میں ملاحی اور تجارت یونانی اور یورپی اقوام کو وراثت میں ملی تھی۔ وہ اس میں داخلے کے تنگ دروازے کی حمایت کرتے تھے۔ کیونکہ

یہ سمندر کی وہ آب نائے تھی جو خشکی کے اندر چلی گئی تھی۔ میکائیل پلائیولوگوس کے عہدِ حکومت میں مصر کا سلطان اس کے صوابدیدی اختیارات کو تسلیم کرتا تھا۔ اُس نے انھیں یہ سہولت فراہم کر رکھی تھی کہ یہ غلاموں کی خرید کے لیے ہر سال ایک جہاز بھیج سکتے تھے۔ یہ علاقہ قرکاشیہ میں واقع تھا اور ایشیائے کوچک کا ایک حصہ تھا۔ اس میں پسماندہ قبائل آباد تھے۔ یہ ایسی آزادی تھی جس میں عیسائی دنیا کے لیے شرارتوں کا طوفان چھپا ہوا تھا۔ ان نوجوانوں کی تعلیم اور نظم وضبط کی تربیت سے اصلاح کی گئی۔ مملوکوں نے انھیں ناقابلِ تسخیر بنا دیا تھا۔ جب بیرہ میں ایک نئی آبادی قائم ہو گئی تو جینوا کے باشندوں نے بحیرۂ اسود کی تجارت پر بھی قبضہ کر لیا اور انھوں نے اپنی محنت سے ماہی گیری اور زراعت میں اتنی ترقی کر لی کہ وہ یہ اشیا یونانیوں کو بھی مہیا کرنے لگے۔ مذہب پر گہرا اعتقاد رکھنے والے افراد کے لیے بھی یہ اشیا بہت ضروری تھیں۔ یہ فطرت کی عنایت تھی کہ یہ فصلیں یوکرائن کی اراضی پر بڑی مقدار میں اُگتی تھیں اور مویشی بھی بکثرت ملتے تھے۔ گلہ بانی کے علاوہ اس علاقے میں جنگلی جانوروں کی بھی کثرت تھی۔ مچھلی اور جھینگا بھی بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ بہت بڑی مقدار میں ہر سال پکڑے جانے کے باوجود اس کی تعداد میں کوئی فرق نہ پڑتا۔ ڈون یا طنائس کے دہانے پر یہ اتنی بڑی مقدار میں حاصل کیے جاتے اور یہ ہر سال اُسی مقدار میں دوبارہ پیدا ہو جاتے۔ مائیوطیس کا دہانہ ہونے کی وجہ سے اس مقام پر پانی زیادہ گہرا نہ تھا۔ دریائے آمو، بحیرہ خزر، دریائے وولگا اور ڈون کے اتصال کی وجہ سے یہاں بہت سی عمدہ بندرگاہیں وجود میں آ گئی ہیں۔ اس لیے ہندوستانی جواہرات اور مصالحے اسی سمت راہ پاتے ہیں۔ یہاں پر خوارزم کے کارواں بھی پہنچ جاتے ہیں، اور کریمیا کی بندرگاہ پر اطالوی جہاز بھی آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس ساری تجارت پر جینوا کے باشندوں کی اجارہ داری تھی۔ وہ نہ صرف اس میں محنت کرتے بلکہ ضرورت پڑنے پر قوت کا استعمال بھی کرتے۔ انھوں نے اپنے حریف اہلِ وینس اور اہلِ پیسا کو بُری طرح بھگا دیا۔ مقامی آبادی اور قلعہ دار خوف زدہ ہو گئے۔ یہ لوگ اپنے چھوٹے چھوٹے کارخانے لگا کر اپنی روزی کماتے تھے۔ اس طرح ان کے مذکورہ چھوٹے چھوٹے قصبات وجود میں آ گئے تھے۔ ان کا مرکزی شہر کافا تھا، جسے تاتاری قوت نے بے مقصد گھیرے میں لے لیا۔ اہلِ یونان کے پاس کوئی بحری قوت نہ تھی اس لیے وہ ان تاجروں سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ یہ جب چاہتے، قسطنطنیہ کو خوراک مہیا کرتے اور جب چاہتے قحط میں مبتلا کر دیتے۔ اس معاملے میں اُن کا اپنا ذاتی مفاد پیشِ نظر رہتا۔ اب اُنھوں نے باسفورس میں وصول ہونے والا سارا محصول، ماہی گیری اور چونگی پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش کی اور اس مقام سے بھی انھوں نے دو لاکھ طلائی ٹکڑے حاصل کر

لیے اور کسی قدر پس وپیش کے بعد باقی ماندہ تیس ہزار کی رقم بادشاہ کو وصول کرنے کی اجازت دے دی۔ پیرو یا غلاطہ کی نوآبادی جنگ یا امن میں ہمیشہ اپنی آزادی قائم رکھتی۔ جیسا کہ دور اُفتادہ نوآبادیوں میں ہوتا ہے، اسی طرح جینوا کا سردار اکثر فراموش کر دیتا کہ وہ ایک باجگزار سردار ہے یا خود ہی مطلق العنان حکمران ہے۔

جب بڑے اینڈرونی کوس کی کمزوری عیاں ہوئی تو ان کی خودسری اور غاصبانہ انداز میں مزید اضافہ ہوگیا۔ بار بار کی خانہ جنگیوں سے اُس کی پیرہنہ سالی کی صحت پر بھی اثر پڑا تھا جبکہ اُس کا ولی عہد پوتا ابھی کم عمر تھا۔ قنطاقوزین کی ہوشیاری سے صرف تباہی کا سامان پیدا ہو رہا تھا۔ اُس نے سلطنت کی بحالی کے سلسلے میں کوئی کام نہ کیا اور جب اُسے داخلی فسادات میں فتح حاصل ہوگئی تو اُس کے خلاف بدنامِ زمانہ مقدمہ چلایا گیا جس سے وہ سزایاب ہوا اور یہ سوال پیدا ہوگیا کہ ان حالات میں قسطنطنیہ پر جینوا کے باشندوں کی حکومت ہوگی یا یونانیوں کی۔ پیرو کے تاجروں نے اُس سے قرب وجوار کے بعض علاقے طلب کیے۔ مگر اُس نے انکار کر دیا جس پر یہ لوگ ناراض ہوگئے۔ ان کے مطالبات میں ایک میدانی علاقہ اور ملحقہ پہاڑیاں شامل تھیں، جہاں پر وہ قلعہ بندیاں تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ چونکہ بادشاہ غیر حاضر تھا، اُسے اپنی علالت کی وجہ سے دیموطیقا میں رُکنا پڑا تھا اور حکومت ملکہ کے ہاتھ میں تھی، اس صورت حال سے انھوں نے فائدہ اُٹھانا چاہا۔ ایک بازنطینی جہاز جو بندرگاہ کے قریب ہی مچھلیوں کا شکار کر رہا تھا۔ انھوں نے اجنبی ہونے کے باوجود اس علاقے میں داخل ہو کر اُسے ڈبو دیا اور ماہی گیروں کو قتل کر دیا۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کرتے اور معافی طلب کرتے۔ جینوا کے لوگوں نے اپنے مطالبات پورے کرنے پر زور دیا۔ بلکہ اس پر زور دیا کہ اس مندر میں یونانی اپنے جہاز بھیجنے بند کر دیں اور باقاعدہ افواج سے مقابلے کا آغاز کر دیا۔ پہلی مہم ہی بے عزتی کا باعث ہوئی۔ انھوں نے متنازعہ زمین پر قبضہ کر لیا۔ ساری آبادی نے زن ومرد اور بوڑھوں اور بچوں سمیت جمع ہو کر ایک فصیل تعمیر کر لی اور ایک خندق بھی انتہائی تیزی سے کھود لی اور اسی موقع پر انھوں نے دو بازنطینی جہازوں پر حملہ کر کے اُنھیں غرق کر دیا۔ شاہی بحریہ کے تین مزید جہازوں نے فرار ہو کر جان بچائی۔ وہ تمام مکانات جو ساحل کے کنارے تعمیر کیے گئے، اور جن کے دروازے تک نہیں تھے، اُنھیں لوٹ کر تباہ کر دیا گیا۔ ملکہ آئرین نے صرف شہری محبوس ہو کر اُسے بچانے کی کوشش کی۔ ملکہ نے امن قائم کرنے کی کوشش کی، مگر وہ اپنے دشمنوں کی چال میں آ گئی، اور ہر معقول شرط کو مسترد کر دیا اور اُس نے اپنی رعایا کی مشکلات کی بھی کوئی پروا نہ کی، بلکہ اُنھیں احکامِ الٰہی کے انداز میں انتباہ کیا گیا اور کہا گیا کہ اُنھیں کمہار کے برتنوں کی طرح توڑ دیا جائے گا۔ اس

کے باوجود اُنھوں نے تمام محصولات ادا کر دیے جو اُنھوں نے نئے جہاز خریدنے اور جنگ کے اخراجات پورے کرنے کے لیے لگائے۔ دونوں قومیں ہی برسرِ اقتدار تھیں۔ ایک کا اقتدار زمین پر تھا، تو دوسری سمندروں پر۔ دونوں نے ایک دوسرے کے خلاف محاصرے کی بُرائی عائد کر رکھی تھی۔ نوآبادی سے تاجر سمجھتے تھے کہ چند دنوں میں جنگ ختم ہو جائے گی۔ وہ اپنے نقصانات کی شکایت کرنے لگے۔ جینوا میں (جو ان کی مادرِ وطن تھی) گروہ بندی کی وجہ سے اُنھیں کمک ملنی مشکل ہوگئی۔ اتنے میں رہوڈیا کا ایک جہاز ادھر نکل آیا، ان میں جو لوگ زیادہ محتاط تھے، اُنھوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور اپنے افراد خاندان اور مال واسباب کو جنگ میں مبتلا علاقوں سے باہر نکال دیا۔ جب موسم بہار آیا تو سات جہازوں کا ایک بحری بیڑہ جس کے ہمراہ متعدد چھوٹے جہاز بھی بازنطینی حکومت نے بندرگاہ سے روانہ کر دیا۔ اور ایک قطار کی صورت میں یہ جہاز بندرگاہ کے دہانے سے باہر نکلے، اور پیرہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ فنونِ حرب سے عدمِ واقفیت کی یہ ایک نمایاں مثال تھی، یہ گویا اپنی بحری قوت کو دشمن کے منہ میں دینے کا عمل تھا۔ ملاحوں میں دہقان اور مستری شامل تھے، مگر غیر مہذب افراد کا حوصلہ بھی ان میں موجود نہ تھا۔ ہوا بہت تیز چل رہی تھی، سمندر میں بلند لہریں اُٹھ رہی تھیں اور جونہی یونانیوں کی نگاہ دشمن پر پڑی انھیں محسوس ہوا کہ وہ بیکار اور غیر فعال ایستادہ ہیں۔ انھوں نے سیدھا اُن پر ہلہ بول دیا اور اپنے آپ کو مشکوک حالت میں ایک ناگزیر مصیبت کے حوالے کر دیا۔ ان کے ہمراہ خشکی کے راستے جو فوج روانہ ہوئی تھی وہ بھی ایک مصیبت میں مبتلا ہوگئی اور افراتفری کا شکار ہوگئی۔ جینوا کے باشندے حیران رہ گئے اور خود اُنھیں اس دُہری فتح پر شرم آنے لگی۔ اُن کے فاتح جہاز پھولوں کے تاج پہن کر مفتوحہ جہازوں کو کھینچ کر لا رہے تھے اور شاہی محل کے سامنے سے متعدد بار گزرے، واپس ہوئے اور پھر گزرے۔ شہنشاہ کی واحد خوبی یہی تھی کہ وہ اس سارے نظارے کو صبر سے دیکھتا رہا۔ اب اُسے صرف اسی سے سکون مل سکتا تھا کہ وہ اس تذلیل کا بدلہ لے۔ چونکہ دونوں فریق مایوسی کا شکار تھے۔ اس لیے ان میں صلح کا ایک عارضی معاہدہ ہوگیا۔ بادشاہ کی شرمندگی پر وقار اور قوت کا ایک ہلکا سا پردہ چڑھا دیا گیا۔ قنطاقوزین نے ایک مباحثے کا بہانہ بنایا اور معمولی سی سرزنش کے بعد زمینیں تقسیم کرنا شروع کر دیں۔ بظاہر یہ زمینیں اس کے افسروں ہی کی ملکیت میں تھیں۔ مگر اس کے جلد بعد شہنشاہ سے کہا گیا کہ وہ ایک متحدہ فوج تشکیل کرے، تاکہ جینوا جیسے دائمی دشمن کے ساتھ دو دو ہاتھ کر لیے جائیں۔ جب اُس نے جنگ اور امن کے جواز کے حق میں استدلال کا باہمی موازنہ کیا تو اُس کی میانہ روی میں اہلِ پیرہ کی تذلیل کا واضح پہلو موجود تھا۔ انھوں نے اپنے

پشتے پر نصب شدہ منجنیق سے ایک بہت بڑا پتھر پھینک دیا جو سیدھا قسطنطنیہ کے وسط میں گرا۔ مگر اگلے روز تذلیل کی تکرار ہوئی، اور اُنھوں نے اس کا ثبوت فراہم کر دیا کہ دارالحکومت بھی اُن کے توپ خانے کی زد سے دور نہیں۔ قنطا قوزین نے فوراً وینس کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کر دیے۔ مگر ان دو مکار اور دولت مند جمہوریتوں کے درمیان شاہِ روم کا وزن بالکل محسوس نہ کیا گیا۔ اُن کے جبل الطارق سے لے کر طانیس کے دہانے تک ان کے بحری بیڑے ایک دوسرے سے ٹکراتے رہے، اور یہ دونوں کامیابی اور ناکامی کا باری باری سامنا کرتے رہے۔ قسطنطنیہ کی دیواروں کے نزدیک تنگ پانی میں ایک یادگار جنگ لڑی گئی۔ اس جنگ میں شامل تینوں فریق (وینس، بازنطین اور جینوا کے باشندے) جو کچھ اس معرکے کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ اُس سے کوئی ایسا نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا، جس پر تینوں متفق نظر آتے ہوں۔ اگرچہ میں ایک غیر جانبدار مؤرخ کی روایات پر اعتماد کرتا ہوں، اس لیے میں ان تینوں فریقوں کے وہی بیانات اخذ کروں گا، جن میں خود اُن کی اپنی تذلیل ہوتی ہو اور نتیجہ فریق مخالف کے حق میں جاتا ہو، وینس کے ساتھ قطلان کا بھی اتحاد تھا۔ یہ تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ ان کے بحری بیڑے میں اگرچہ آٹھ مزید کمزور جہازوں کا اضافہ ہو گا تھا، پھر اس کی کل تعداد کچھتر تھی۔ جینوا کے بحری جہازوں کی تعداد اڑسٹھ سے زائد نہ تھی، مگر اُن کے بحری جہازوں کا حجم اور قوت بہت زیادہ تھی۔ اس پہلو میں اُن کی حیثیت نمایاں تھی۔ ان کے امیر البحر پسانی اور ڈوریا نمایاں شہرت کے حامل تھے۔ خود اپنے ملک میں بھی اُن کا احترام کیا جاتا تھا۔ اوّل الذکر کی شہرت اس وجہ سے گہنا گئی تھی کہ ثانی الذکر کی شہرت بہت زیادہ تھی۔ وہ طوفانی موسم میں بھی جنگ لڑ لیتے تھے۔ اُن کی جنگ صبح سے شام، اُس وقت تک جاری رہتی جب تک کہ روشنی موجود ہو۔ جینوا کے دشمن بھی اُن کی عظمت کو تسلیم کرتے تھے۔ اہلِ وینس کے دوست بھی ان کے کردار کو ناپسند کرتے تھے۔ مگر قطلانوں کی جرأت اور بہادری کی ہر فریق تعریف کرتا تھا۔ وہ زخم کھا کر بھی جنگ کی سختیوں کے مقابلے میں مصروف رہتے۔ جب سب بیڑے علیحدہ علیحدہ ہو گئے تو ایسا معلوم ہوتا کہ بظاہر یہ مقابلہ بے نتیجہ رہا ہے۔ جینوا کے تیرہ جہاز ڈوبے تھے یا قبضے میں لیے گئے تھے، مگر دشمن کا نقصان اس سے دُگنا ہوا تھا۔ جن میں چودہ جہاز وینس کے تھے، دس قطلانوں کے اور دو یونانیوں کے تھے اگرچہ فاتحین غم زدہ نظر آتے تھے مگر پھر بھی وہ ایک فیصلہ کن فتح کا اعلان کرتے تھے۔ پسانی ایک قلعہ بند رگاہ میں مراجعت اختیار کر گیا، یوں اُس نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔ وہ یہ کہتا تھا کہ مجلس قانون ساز نے اُسے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہ اپنے شکستہ بیڑے کو ساتھ لے کر کانڈیا کے جزیرے کی طرف چلا گیا اور سمندر کی حکمرانی اپنے حریفوں

کے لیے خالی کر گیا۔ عوام کے نام ایک کھلے خط میں وینس کے بادشاہ اور مجلس قانون ساز کو، سربراہِ کلیسا نے درخواست کی کہ وہ اپنی بحری قوت کو بحال کریں۔ اس طرح اٹلی کی دونوں قوتوں کو بھی اُس نے باہم متحد ہونے کی درخواست کی۔ اس نے جینوا کے خلاف فتح حاصل کرنے کا جشن منایا تھا۔ وہ اپنے آپ کو پہلا ایسا شخص سمجھتا تھا، جس نے سمندر میں فیصلہ کن جنگ لڑی ہو، اُس نے اپنے وینس کے ساتھیوں پر بھی اپنا خوف طاری رکھا۔ مگر وہ اُن سے التجا کرتا ہے کہ وہ بزدل اور مکار یونانیوں کو آگ اور تلوار کے ذریعے دبا کر رکھیں۔ اس طرح سلطنت کا مشرقی دارالحکومت ان کی ناپاک بدعتوں سے پاک ہو جائے گا۔ جب یونانیوں کو اُن کے دوستوں نے چھوڑ دیا، تو وہ کسی بھی قسم کی مزاحمت کے قابل نہ رہے۔ اس جنگ کے تین ماہ بعد شہنشاہ قنطا قوزین نے ایک معاہدے کی طرح ڈالی اور اُس پر دستخط بھی کر دیے، جس کے تحت وینس کے باشندوں اور قطلانوں کو ہمیشہ کے لیے ملک میں داخلے سے روک دیا اور جینوا کے باشندوں کو تجارت کی آزادی دے دی۔ یہ ایک نوع کی برتری کو تسلیم کر لینے کا ہی دوسرا نام تھا۔ رومی شہنشاہ (اس کا نام لکھتے پر میں متبسم ہوتا ہوں) ایک دفعہ پھر جینوا کے صوبے میں غرق ہو گیا۔ لیکن اُن کی جمہوریہ کی ہوس اقتدار کو آزادی کی قوت اور بحری برتری سے روکا نہ جاتا، تو وینس فاتحین نے ایک سو بیس سال تک لڑنے کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ مگر جینوا کی بعض جماعتوں نے اُنھیں مجبور کر دیا کہ وہ کسی غیر ملکی آقا کی زیرِ نگرانی داخلی امن کی تلاش کریں۔ یہ میلان کا ڈیوک یا شاہِ فرانس بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ان کی تجارتی روح فتح کے اثرات پر غالب آ گئی۔ اس کے باوجود پیرہ کی نوآبادی اب بھی دارالحکومت کا احترام کرتی تھی اور بحیرہ اسود تک کی جہاز رانی بھی ان کے ہاتھ میں ہی تھی۔ یہاں تک کہ ترکوں نے قسطنطنیہ کو بھی اپنے زیرِ نگیں کر لیا۔

☆☆☆

(۶۴)

چنگیز خان اور منگولوں (Moguls) کی چین سے پولینڈ تک
فتوحات — قسطنطنیہ اور یونان کی بچت ہوگئی —
بائتھینا میں عثمانی ترکوں کی ابتدا — ارغون (Orchan)،
مراد (عموراث) اوّل ☆ اور— بایزید (Bajazet) اوّل،
ایشیا اور یورپ میں ترکی سلطنت کا آغاز اور ترقی —
قسطنطنیہ اور یونانی — سلطنت کے لیے خطرہ —
جان: پلا ئیولوگوس۔

چنگیز خان اور منگولوں کی چین سے پولینڈ تک فتوحات — قسطنطنیہ اور یونان کی بچت ہوگئی — بائتھینا میں عثمانی ترکوں کی ابتدا — ارغون، مراد (عموراث) اوّل☆ اور – بایزید اوّل، ایشیا اور یورپ میں ترکی سلطنت کا آغاز اور ترقی — قسطنطنیہ اور یونانی — سلطنت کے لیے خطرہ — جان: پلائیولوگوس۔

ہم اب تک زوال پذیر یونانیوں کی بزدلی، مختلف گروہوں کی باہمی چپقلش اور ایک شہر اور اس کے مضافات کی آبادی کے آپس میں جھگڑوں میں اُلجھے رہے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اُنھیں نظرانداز کر دیا جائے اور ترک فاتحین کی طرف توجہ دی جائے۔ یہ لوگ طویل عرصے تک داخلی غلامی میں مبتلا رہے تھے، جس کے نتیجے میں ان میں جنگی نظم وضبط، مذہبی جوش وخروش اور قومی کردار کی توانائی پیدا ہوگئی تھی۔ عثمانی جو ابھی تک (اس کتاب کی تصنیف تک) قسطنطنیہ میں اپنی سلطنت کے قیام اور ترقی کے لحاظ سے جدید تاریخی عمل سے انتہائی اہم انداز سے مربوط ہیں۔ مگر ان کی بنیاد میں منگول اور تاتار کے عظیم آتش فشانی کے عمل کا بھی بڑا حصہ ہے۔ اُن کی فتوحات کا موازنہ دنیا کے قدیم ترین فطری حادثات سے کیا جاسکتا ہے، جن کی وجہ سے سطح زمین کی شکل وصورت ہی بدل جاتی رہی ہے۔ میں نے اب تک اسی کوشش کا دعویٰ کیا ہے کہ اُن قدیم یا جدید اقوام کا ذکر کیا جائے، جن کی وجہ سے سلطنت روم کے زوال کا سامان پیدا ہوا ہو۔ میں اُن معاملات اور واقعات کے بیان سے انکار کرتا ہوں، جو اپنے غیر معمولی اثرات کی وجہ سے فلسفی اذہان کو خونی رشتوں کے سلسلوں کی طرف متوجہ کردیں۔

چین، سائبیریا اور بحیرۂ خزر کے مابین ایک وسیع میدان واقع ہے۔ یہ متعدد بار جنگوں اور نقل مکانی کر کے آنے والوں کی یلغار کی زد میں رہا ہے۔ یہ علاقہ ہُون اور ترکوں کی قدیم رہائش گاہ تھا، جس پر بارھویں صدی میں، ان سے ملتی جلتی اقوام اور ان ہی کے اسلوب حیات کے مانند گروہوں اور قافلوں نے قبضہ کر رکھا تھا

☆ مراد اول اور مراد دوم کے لیے یونانی (اور مغربی) مؤرخ عموراث کا نام استعمال کرتے ہیں۔

اور غالباً نسلی لحاظ سے بھی وہ اُن سے مختلف نہ تھے۔ ان کے سرگروہ کو چنگیز کا نام دیا جاتا تھا۔ (اگرچہ اس کا حقیقی نام تموجین تھا) یہ بہت جلد اپنے ہمعصروں کی گردنوں پر سوار ہو گیا۔ اس کا ایک شریف خاندان سے تعلق تھا۔ لیکن جب کسی شخص کو فتوحات حاصل ہوتی ہیں، تو اُس کی سات پشتوں تک ماضی میں جھانکا جاتا ہے اور کسی نہ کسی کنواری ماں کی نشان دہی بھی کی جاتی ہے۔ اس کا والد تیرہ گروہوں کا حکمران تھا جن میں شامل خاندانوں کی تعداد تیس چالیس ہزار کے درمیان تھی۔ ان میں دو تہائی خاندان ایسے تھے جو اس کے نابالغ بیٹے کو عُشر یا رعایا پر عائد محصولات ادا نہیں کرتے تھے۔ تیرہ سال کی عمر میں تموجین نے اپنی باغی رعایا کے خلاف جنگ لڑی مگر مستقبل کے ایشیا کے فاتح کو شکست ہو گئی اور اسے بھاگنا پڑا، مگر اس نے جلد برتری حاصل کر لی اور جب یہ چالیس سال کی عمر کو پہنچا تو اس نے اپنے علاقے کے تمام قبائل کو زیرِ نگیں کر لیا۔ معاشرے کی ایسی حالت میں جس میں کہ حکمت عملی گستاخی اور اکڑفوں پر مبنی ہوتی ہے اور بہادری اور جرأت ہی سب پر غالب آتی ہے، تو ایک ایسا شخص ضرور برسرِ اقتدار آ جاتا ہے جو طاقتور ہو، اپنے دشمنوں کو شکست دے سکے اور اپنے دوستوں کو انعام و اکرام سے خوش رکھ سکے۔ اس نے جب اپنا پہلا معاہدہ کیا تو اُس کی تقریب انتہائی سادگی سے منائی گئی۔ ایک گھوڑے کی قربانی دی گئی اور ندی سے بہتا ہوا پانی لے کر پیا گیا۔ تموجین نے اپنی رعایا سے وعدہ کیا کہ وہ اپنی باقی ماندہ زندگی میں شیرینی یا مکھن جو کچھ بھی اُسے ملے گا، بانٹ کر کھائے گا۔ رعایا کو بھی اُن کا حصہ دے گا اور جب اُس نے اپنے گھوڑے اور لباس بھی رعایا میں تقسیم کر دیا، تو رعایا نے شکر گزاری کا اظہار کیا اور اُس کی اُمیدوں میں اضافہ ہو گیا۔ اپنی پہلی فتح کے بعد اس نے سات کڑاؤ آگ پر چڑھائے اور ستر باغیوں کو سر کے بل اُبلتے ہوئے پانی میں پھینک دیا۔ اس کا حلقۂ اقتدار بتدریج بڑھتا گیا جو اس کے سامنے فخر کرتا اُسے تباہ کر دیتا اور جو عقل مند ہوتا وہ اس کی اطاعت قبول کر لیتا۔ بڑے سے بڑے بہادر بھی یہ نظارہ دیکھ کر کانپ اُٹھتے کہ کیرائیوں (Keraites) کے خان کی کھوپڑی کو اس نے چاندی میں مڑھ رکھا تھا۔ اس کا اصل نام پریسٹر جان تھا۔ اُس کا قصور یہ تھا کہ اُس نے پاپائے روم اور متعدد شہنشاہوں کو اس کے خلاف مکتوبات ارسال کیے تھے۔ اُس کی تمنا یہ بھی تھی کہ وہ اوہام پرستی کے فنون بھی سیکھ لے۔ چنگیز کا خطاب اس نے اپنے لیے اس وجہ سے رکھا ہوا تھا کہ کوئی ننگا دیوتا ایسا بھی تھا، جو سفید گھوڑے پر سوار ہو کر آسمان کی طرف اُڑ گیا تھا اور اُس دیوتا کا نام چنگیز تھا۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ یہ نام رکھنے سے اُسے دُنیا کو فتح کر کے حکومت کرنے کا حق مل گیا ہے۔ ایک عام دعوت میں یہ نمدے پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ نمدہ خاصا بڑا تھا۔ بعد ازاں اسے آثارِ قدیمہ کے طور پر رکھ لیا گیا تھا۔

اس موقع پر اسے خانِ اعظم کا خطاب دیا گیا تھا جس کا مطلب تھا کہ یہ مغول اور تاتار کا شہنشاہ ہے۔ یہ دونوں نام باہم منسلک تھے، اگرچہ یہ لوگ ایک دوسرے کے حریف بھی تھے۔ اوّل الذکر سے شاہی نسل چلی۔ لیکن ثانی الذکر سے غالباً غلطی سے یا اتفاق سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ یہ لوگ شمالی علاقوں کے سیلانی لوگ ہیں۔

وہ ضابطہ جو چنگیز خان نے املا کرا دیا تھا، اُسے داخلی امن کے قیام اور خارجی دشمنوں سے سلوک کے لیے مرتب کیا گیا تھا۔ زنا، قتل، دروغ حلفی اور بڑی چوری مثلاً گھوڑا یا بیل کے لیے سزائے موت مقرر تھی۔ یہ لوگ باہم گفت و شنید میں نرمی سے کام لیتے تھے۔ آئندہ کے لیے حکمران صرف اسی کی نسل سے لیے جائیں گے، یا وہ قبائلی سردار ہوں گے۔ شکار کے لیے بھی قواعد مرتب کر دیے گئے تاکہ تفریح بھی ہوتی رہے اور تاتاریوں کے پڑاؤ میں خوراک کی کمی بھی نہ ہو۔ فاتح قوم، محنت مزدوری کرنے والی قوموں کے لیے مقدس قرار دے دی گئی جو کہ غلاموں اور اجنبیوں کے لیے متروک قرار دے دی گئی تھی۔ اسی کے آباواجداد اس سے قبل شاہانِ چین کے باجگزار تھے۔ خود تموجین کو بھی ایسا خطاب دیا گیا، جس سے باجگزار بادشاہ کا مطلب نکلتا تھا اور اس میں اس نے اپنی تذلیل محسوس کی تھی۔ جب پیکن کے دربار میں ایک ماضی کے باجگزار کی سفارت پہنچی تو وہاں سخت حیرت کا اظہار کیا گیا۔ چینی بادشاہ اپنے آپ کو تمام اقوام کا بادشاہ اور خدائی مخلوق سمجھتا تھا۔ وہ ہر قوم سے خراج وصول کرتا تھا، اور اپنے احکام کی تعمیل کراتا تھا اور یہ ایک نیا دعویدار پیدا ہو گیا تھا جو اپنے آپ کو خدائی فوجدار سمجھتا تھا، اُس نے اس کی تذلیل کی اور خراج طلب کیا۔ اگرچہ بادشاہ کا جواب تکبرانہ تھا، مگر اُس کے دل میں خوف بھی پیدا ہو گیا اور اُس کا خوف درست بھی ثابت ہوا کیونکہ جلد ہی موروملخ کا لشکر اُٹھ کر روانہ ہو گیا اور اُنھوں نے دیوارِ چین میں جگہ جگہ شگاف ڈال دیے۔ نوے شہروں پر یہ لوگ چھا گئے، یا اُنھیں فاقہ کشی پر مجبور کر دیا۔ مغلوں کے ہاتھ سے صرف دس شہر بچ سکے اور چنگیز کو جب اس کا علم ہوا، تو اُسے چینیوں کی بے کسی پر رحم آیا۔ وہ انھیں اپنی قوم کا عمزاد ہی سمجھتا تھا اور اپنے ہراول دستوں میں مقید پیرانہ سال افراد کو تحفظ فراہم کیا۔ یہ ایک بے فائدہ نیکی تھی، جو اپنے دشمنوں کے ساتھ کی گئی۔ اس کی غیر حاضری میں ایک لاکھ ختن کے باشندوں نے بغاوت کر دی۔ یہ سرحدوں کی حفاظت کا کام سرانجام دیتے تھے۔ اس کے باوجود اس نے ان سے صلح کر لی اور اپنی واپسی کی قیمت وصول کر لی، جس میں ایک چینی شہزادی، تین ہزار گھوڑے، پانچ سو نوجوان اور اسی تعداد میں دوشیزائیں شامل تھیں۔ علاوہ ازیں سونا اور ریشم بھی بطور تاوان وصول کیے گئے۔ دوسری مہم میں اس نے چین کے بادشاہ کو مجبور کر کے دریائے زرد کے پار واقع شاہی محل تک بھگا دیا۔

پیکن کا محاصرہ طویل عرصے تک جاری رہا اور یہ بہت محنت طلب کام تھا۔ اتنا سخت قحط پڑا کہ شہر کے باشندے ایک دوسرے کو کھانے لگے۔ جب ان کے پاس سامانِ حرب ختم ہوگیا تو اُنھوں نے سونا اور چاندی منجنیقوں میں ڈال کر باہر پھینکنا شروع کر دیا۔ مگر مغلوں نے ایک سرنگ کھودی اور شہر کے وسط میں پہنچ گئے اور محل کو آگ لگا دی، جو تیس دن تک جلتا رہا۔ چین، تاتاریوں کی جنگ اور داخلی گروہ بندی کی وجہ سے تباہ ہوگیا اور چنگیز کی سلطنت میں چین کے پانچ شمالی صوبے بھی شامل کر دیے گئے۔

مغرب میں یہ اسلامی علاقوں تک پہنچ گیا۔ خوارزم کا سلطان محمد، خلیج فارس سے لے کر ہندوستان کی سرحدوں اور ترکستان تک کے علاقوں پر حکومت کرتا تھا۔ اُس نے بھی سکندر یونانی کی طرح اپنے باپ کی فتوحات میں اضافہ کرنے کا ارادہ باندھ رکھا تھا اور خاندانِ سلجوق کے حکمرانوں کی پروا نہ کرتا تھا۔ چنگیز کی خواہش یہ تھی کہ اس مسلمان فرمانروا سے، جو سب سے زیادہ مضبوط تھا، تجارت اور دوستی کے رشتے قائم رکھے۔ خلیفۂ بغداد نے بھی اسے خفیہ اطلاعات دی تھیں اور روابط قائم رکھنے کے لیے کہا تھا، مگر اس نے پروا نہ کی۔ اُس نے اپنی ذاتی شہرت کی بھی قربانی دے دی۔ اُس نے خود اپنی، حکومت اور کلیسا کے نقصانات کی بھی قربانی دے دی۔ اس جلد بازمہم کے نتیجے میں مغلوں کو غصہ آ گیا اور اُنھوں نے جنوبی ایشیا پر حملہ کر دیا۔ ایک کاروان جس میں تین سفیر اور ایک سو پچاس سوداگر شامل تھے، گرفتار کر لیا گیا اور سلطان محمد کے حکم کے تحت ان سب کو قتل کر دیا گیا۔ اُس سے انصاف کا مطالبہ کیا گیا جو اُس نے منظور نہ کیا۔ اُس نے تین روزے رکھے اور ایک پہاڑی پر چڑھ کر عبادت کرتا رہا۔ مگر مغل بادشاہ انصاف کا تقاضا کرتا رہا اور اپنی تلوار چمکاتا رہا۔ ایک فلسفی مؤرخ لکھتا ہے کہ مغلوں کی یورپ میں جنگیں معمولی جھڑپوں سے زائد نہ تھیں۔ اگر ان کا مقابلہ اُن جنگوں سے کیا جائے جو اس قوم نے ایشیا میں لڑیں۔ سات لاکھ مغل اور تاتاری، چنگیز خان اور اس کے بیٹوں کے زیرکمان روانہ ہوئے۔ یہ ایک بہت بڑا میدانی علاقہ تھا، جو دریائے جیحوں اور سیحوں کے شمال تک چلا گیا تھا۔ سلطان نے چار لاکھ فوجیوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور جنگ کے پہلے روز ہی جو شام کو معطل کر دی گئی تھی، ایک لاکھ ساٹھ ہزار شہری ذبح ہو چکے تھے۔ سلطان محمد اپنے دُشمن کی تعداد اور جرأت کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ خطرناک مقامات سے پیچھے ہٹ گیا اور اپنی افواج کو مختلف سرحدی شہروں میں تقسیم کر دیا۔ اُس نے خیال کیا کہ میدانِ جنگ میں دُشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے، یہ مختلف شہروں کے طویل محاصروں کے دوران تھک کر پیچھے ہٹ جائیں گے۔ مگر چنگیز نے ہوشیاری دکھائی اور چینیوں کی ایک جماعت جمع کر لی۔ یہ لوگ مہندس تھے اور غالباً

بارود کے استعمال سے بھی واقف تھے اور چنگیز کی زیرنگرانی وہ جارحیت میں بھی ماہر تھے، حالانکہ دفاعی جنگ میں وہ مغلوں سے مار کھا چکے تھے، مگر اب ان میں نظم وضبط پیدا ہوگیا تھا اور یہ چنگیز کی زیرنگرانی ایک جنگجو جماعت بن چکے تھے اور کامیابی سے بھی ہمکنار ہونے لگے تھے۔ فارسی مؤرخین جن محاصروں کے حالات بیان کرتے ہیں، اُن میں فاراب، فوجھد، بخارا، سمرقند، خوارزم، ہرات، مرو، نیشاپور، بلخ اور قندھار شامل ہیں اور جن زرخیز اور خوشحال ممالک کو انھوں نے فتح کیا، ان میں ماوراء النہر، خوارزم اور خراسان شامل ہیں۔ اٹیلا اور ہُون کی جنگوں کو عرصہ گزر چکا تھا اور لوگ اُن کی تباہی کو فراموش کر چکے تھے۔ مگر چنگیز اور مغول کی تباہ کاریوں نے ان گزشتہ تباہ کاریوں کی بھی یاد تازہ کر دی۔ کسی خاص موقع پر میں اس کی تفصیل بھی بیان کروں گا کہ بحیرۂ خزر سے لے کر دریائے سندھ تک کا سینکڑوں میل طویل علاقہ انھوں نے کس قدر تباہ کر دیا۔ جسے بنی نوع انسان نے طویل عرصے کی محنت سے آباد کیا تھا اور چار سالوں میں انھوں نے انتقام کے نام پر جو تباہی مچائی، اُس کا ازالہ پانچ سو برس تک نہ ہو سکا۔ مغل بادشاہوں کو اُمید تھی کہ وہ شاید مرمت کا کچھ کام کر سکیں گے، مگر پھر وہ بھی لالچ اور شان وشوکت میں اُلجھ گئے۔ اگرچہ یہ ساری تباہی محض لالچ اور لُوٹ مار کی غرض سے کی گئی مگر اسے انتقام اور انصاف کا نام دے دیا گیا۔ سلطان محمد کا زوال اور موت ایک بہت بڑا المیہ تھا، وہ بے چارہ تنہا ایک صحرا میں دم توڑ گیا۔ اُسے کوئی رونے والا نہ تھا۔ (بحیرۂ خزر کے کسی ریگستانی جزیرے میں اُس کی موت واقع ہوگئی) اُس غریب کو ان تمام مصائب کا ذمہ دار قرار دے دیا گیا۔ کیا کوئی ایک ہیرو تن تنہا خوارزم کی سلطنت کو بچا سکتا تھا۔ اس کے بیٹے جلال الدین نے مغلوں کو متعدد بار روکا اور فتح بھی حاصل کی۔ جب وہ واپس آ رہا تھا، کیونکہ اُس نے آخری جنگ دریائے سندھ کے کنارے لڑی تھی۔ اُسے ان کی بڑی تعداد نے ہر طرف سے گھیرے میں لے لیا تھا، آخری موقع پر جلال الدین نے دریائے سندھ میں اپنے گھوڑے سمیت چھلانگ لگا دی، پھر اس کا گھوڑا دریائے سندھ کی موجوں میں تیر کر پار کر گیا۔ یہ ایشیا کا سب سے بڑا اور چوڑا دریا ہے۔ خود چنگیز خان نے اس کی بہادری اور جرأت کی تعریف کی۔ اسی کے پڑاؤ میں مغل شہنشاہ نے اپنے تھکے ہارے اور دولت مند لشکریوں کے مطالبات کے سامنے ہار مان لی اور واپسی کا ارادہ کر لیا۔ وہ اور اُس کا لشکر ایشیائی دولت کو اتنا لوٹ چکے تھے کہ اس سے زیادہ بوجھ وہ اُٹھا بھی نہیں سکتے تھے۔ اس لیے انھوں نے آہستہ خرامی سے واپسی اختیار کر لی جو آبادیاں شکست کھا چکی تھیں اُن کی بدحالی پر رحم کے جذبات کا اظہار کیا اور اُس نے یہ ارادہ بھی کیا کہ اُن شہروں کو دوبارہ آباد کیا جائے، جو اُس کی افواج کے ہاتھوں تباہ ہو چکے تھے۔

جب اُس نے دریائے آمواور جیحوں عبور کیے تو اُس کے وہ دونوں جرنیل بھی اُسے دوبارہ آ کر مل گئے، جنھیں وہ تیس ہزار کے رسالے کے ہمراہ اُس لیے چھوڑ آیا تھا کہ وہ فارس کے مغربی صوبوں پر قبضہ کرلیں۔ اُنھوں نے ہر اُس قوم کو تباہ کر دیا تھا، جو اُن کے راستے میں آئی، پھر اُس نے دربند کا راستہ اختیار کیا اور رووالگا کا دریا بھی پار کرلیا۔ ملحقہ صحرا کو عبور کرتا ہوا بحیرۂ خزر کے تمام علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ اس نے اتنی زیادہ لوٹ مار کی کہ اس سے پہلے کبھی بھی نہیں ہوئی تھی اور اس کے بعد کبھی بھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ اس کی غیر حاضری میں جوتا تاریوں کی آزاد حکومتیں قائم ہوگئی، واپسی پر اُن کی آزادی بھی ختم کر دی گئی، جب یہ اپنی کامیاب فاتحانہ زندگی کی معراج پر پہنچا تو اس کی موت واقع ہوگئی۔ اُس نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ وہ چین کو فتح کرلیں۔

چنگیز کے حرم میں پانچ سو بیویاں اور کنیزیں تھیں اور اس کی اولاد بھی بکثرت تھی۔ ان میں سے چار بیٹے ایسے تھے، جو اپنے استحقاق کے لحاظ سے فقید المثال تھے۔ اُن کی مائیں بھی اعلیٰ نسلوں سے تھیں۔ اُنھوں نے اپنے باپ کی ہدایات کے مطابق جنگ اور امن کے محکمے آپس میں تقسیم کر لیے۔ طوشی بہت بڑا شکاری تھا، چغتائی منصف تھا۔ اوکتائی اُس کا وزیر تھا اور طولی اُس کا سپہ سالار تھا اور اس کی فتوحات کی تاریخ میں اُن کے نام ہر جگہ نمایاں رہے۔

وہ اپنی اور رعایا کی بہبود کے لیے سخت متحد رہے ہیں۔ تین بھائی اور ان کے خاندان اپنے اپنے مفوضہ محکموں میں بہت مطمئن رہے ہیں۔ اوکتائی کو اتفاق رائے سے بادشاہ اور عظیم خان مقرر کر دیا گیا۔ جس کا مطلب تھا شہنشاہِ مغلان وتا تار۔ اس کا بیٹا گایوک اس کا جانشین ہوا۔ اس کی موت کے بعد سلطنت اس کے عمزادوں کی طرف منتقل ہوگئی۔ یہ منگو اور قبلائی تھے، جو طولی کے بیٹے تھے اور چنگیز کے پوتے تھے۔ اڑسٹھ سال کے عرصے میں منگول نے تمام ایشیا اور یورپ کا بیشتر حصہ فتح کرلیا۔ یہ کامرانی اس کے پہلے چار جانشینوں ہی نے سرانجام دے دی۔ میں اپنے آپ کو ان کی افواج کی ترقی اور کارناموں تک محدود نہیں رکھنا چاہتا۔ میں ان کی افواج کی ایک مجموعی تصویر پیش کروں گا۔ (۱) مشرق میں، (۲) جنوب میں، (۳) مغرب میں، (۴) اور شمال میں۔

۱۔ چنگیز کے حملے سے قبل چین دو سلطنتوں میں منقسم تھا۔ ہر حصے میں خاندانی حکومتیں قائم تھیں۔ ایک سلطنت شمال میں اور دوسری جنوب میں قائم تھی۔ اگر چہ ان حکمرانوں کا تعلق مختلف خاندانوں سے تھا، مگر اُنھوں نے ایسی قانون سازی کر رکھی تھی کہ حالات و معاملات درست انداز میں چل رہے تھے۔ زبان یا

تہذیب کا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ شمالی سلطنت کو تو چنگیز نے ہی تہ و بالا کر دیا تھا، مگر اس کی موت کے سات سال بعد اسے مکمل طور پر فتح کرلیا گیا۔ جب پیکن اُس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا، تو شہنشاہ نے کائی فو نگ میں اپنی رہائش اختیار کر لی تھی۔ یہ ایک بڑا شہر تھا جو کئی میل کے رقبے میں پھیلا ہوا تھا اور چینی روایات کے مطابق اس میں چودہ لاکھ خاندان آباد تھے، جن میں مقامی باشندوں کے علاوہ بعض مفرور خاندان بھی موجود تھے۔ وہ صرف سات سوار ہمراہ لے کر بھاگا اور تیسرے دارالحکومت میں پناہ گزین ہوا۔ بالآخر اس بدقسمت انسان نے اپنے مقدر کا گلہ کرتے ہوئے، عالم مایوسی میں اور اپنی بے گناہی کی دوہائی دیتے ہوئے خودکشی کرلی اور چتا پر جلا دیا گیا۔ اُس نے حکم دے رکھا تھا کہ وہ جونہی اپنے آپ کو چھرا مارے، چتا کو آگ لگا دی جائے۔ شمالی غاصب کی موت کے بعد بھی سونگ خاندان جو فی الواقع تمام چین کا حکمران تھا، چالیس سال تک قائم رہا۔ اس سلطنت پر حتمی فتح قبلائی خاندان کے مقدر میں لکھی تھی۔ اس عرصے کے دوران مغل غیر ملکی جنگوں کی وجہ سے کئی بار اپنا رُخ بدلتے رہے۔ اس دوران جب بھی چینی سر اُٹھاتے یا اپنے شہروں کی بازیابی کی کوشش کرتے، تو مزید بے شمار شہر ان کے ہاتھ سے نکل جاتے اور لاکھوں افراد قتل ہو جاتے۔ اُنھوں نے اپنے شہروں کے دفاع کے لیے منجنیقیں اور یونانی آگ (نفت) کا استعمال کیا اور بارود بھی استعمال کیا۔ گولہ باری بھی کی اور بم بھی مارے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اس فن کی مشق حاصل تھی۔ محاصروں میں مسلمانوں اور فرنگیوں سے بھی مدد حاصل کی گئی۔ قبلائی خان نے انھیں فیاضانہ طور پر اپنی ملازمت میں لے لیا تھا۔ جب بڑا دریا پار کرلیا گیا تو قبلائی کی افواج اور توپ خانہ دریا کے ساتھ ساتھ چلتے گئے۔ انھیں نہروں کے ایک سلسلے سے بھی پالا پڑا۔ یہاں تک کہ وہ ہماچو سے توانیسے کے شاہی محل میں پہنچ گئے۔ اس علاقے میں ریشم پیدا ہوتا تھا اور چین کی آب و ہوا بھی انتہائی خوشگوار تھی۔ بادشاہ نوجوان تھا اور اُس کے پاس دفاع کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ اُس نے اطاعت قبول کر لی۔ اس سے قبل کہ اُسے جلاوطن کر کے تاتاری علاقے میں بھیجا جاتا، اُس نے نو دفعہ اپنا سر زمین پر مارا تا کہ اپنی جان بخشی کا شکر ادا کرے اور آداب بجالائے۔ گویا عظیم خان کی عبادت کر رہا ہے۔ یا رحم کی درخواست پیش کر رہا ہے۔ اس کے باوجود جنگ (جسے اب بغاوت کا نام دے دیا گیا تھا) بدستور جاری رہی اور ہماچو سے قانطون تک کے جنوبی علاقے اس کی گرفت میں رہے اور مخالفت کے جو نشانات باقی رہ گئے تھے انھیں خشکی سے نکال کر سمندر کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ مگر جب سونگ کا بحری بیڑا گھیرے میں لے لیا گیا اور وہ ایک زیادہ طاقتور قوت کے سامنے مغلوب ہو گیا تو ان کے آخری بحری رہنما نے کم سن شہنشاہ کو اپنی گود

میں لے کر دریا میں چھلانگ لگا دی اور اُس نے بلند آواز سے کہا کہ ''یہ زیادہ قابلِ فخر ہے کہ بطور بادشاہ جان دے دی جائے، اس کی بجائے کہ بطور غلام زندہ رہا جائے۔'' ایک لاکھ مزید چینیوں نے اس کی مثال پر عمل کیا۔ اس طرح قانطون سے لے کر دیوارِ چین تک کی تمام سلطنت قبلائی کے قبضے میں آ گئی۔ اُس کی خواہشات کی کوئی انتہا نہ تھی کہ وہ جاپان کو بھی فتح کر لے۔ اُس کا بحری بیڑہ دو دفعہ غرق ہوا اور اس ناکام مہم میں ایک لاکھ مغلوں اور چینیوں کی جانیں ضائع ہو گئیں مگر اس دائرے میں آنے والی حکومتیں کوریا، ٹونکن، کوچین، پیگو، بنگال اور تبت مختلف شرائط اور تاوان کے تحت باجگزار بنائی گئیں۔ کچھ حکومتوں کے لیے اسے کوشش کرنی پڑی، باقی خوفزدہ ہو کر مطیع ہو گئیں۔ اس نے ایک ہزار جہازوں کا بیڑہ لے کر بحیرۂ ہند میں گشت کیا اور وہ اسٹھ دن تک یوں ہی گشت کرتے رہے۔ غالباً بورنیو کے جزیرے تک پہنچ گئے اور خطِ استوا سے بھی آگے نکل گئے۔ اگرچہ اُنھیں مالِ غنیمت کے بغیر واپس لوٹنا پڑا۔ اور کوئی فتح بھی حاصل نہ ہوئی تھی۔ اس لیے شہنشاہ اس پر غیر مطمئن رہا کہ جنگی بادشاہ اپنی جان چھڑا کر کھسک گیا۔

۲۔ مگر ہندوستان کی فتح، مغول کے لیے مؤخر کر دی گئی تھی، اور تیمور کے مقدر میں لکھ دی گئی تھی۔ مگر ایران یا فارس کو ہلاکو خان نے فتح کر لیا۔ جو چنگیز کا پوتا تھا۔ اس سے قبل اس کے دو بھائی منگو اور قبلائی تخت نشین ہو چکے تھے۔ یہ اُن کا نائب اور جانشین تھا۔ میں اُن سلاطین، امیروں اور اتابکوں کی فہرست درج نہیں کروں گا، جن کو اس نے راستے میں ختم کر دیا۔ لیکن اس نے اسماعیلی قاتلوں کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے اس کارنامے کو بنی نوع انسان کی بہت بڑی خدمت سمجھنا چاہیے۔ بحیرۂ خزر کی جنوبی پہاڑیوں پر اس فرقے (اسماعیلی فرقے کے افراد نے ایک سو ساٹھ سال سے زائد عرصہ حکومت کی تھی۔ کوہ لیبانوس کے جنوب میں ان کے بادشاہ نے ایک نوآبادی قائم کر رکھی تھی۔ یہ ناقابلِ تسخیر بھی تھی اور دُنیا میں اس کی بہت زیادہ شہرت بھی ہوئی۔ یہ اپنے آپ کو مجاہد کہتے تھے۔ یہ لوگ قرآن کی صداقت پر ایمان رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ اُنھوں نے اپنے امام کے اوتار ہونے اور عملِ تناسخ کو بھی شامل کر لیا تھا، جو ہندو دھرم کی خصوصیت ہے اور ان کا اوّلین فرض یہ تھا کہ وہ نائب خدا کی خدمت اور رضا کے لیے اپنے جسم و روح کو وقف کر دیں۔ اس کے مبلغین (جنھیں ان کی اصطلاح میں داعی کہتے ہیں۔ مترجم) کی تلواریں مشرق اور مغرب دونوں براعظموں میں محسوس کی جاتی تھیں۔ ان کے سردار کو مردِ بزرگ کہا جاتا تھا۔ اُس کے کہنے پر یہ لوگ منتخب افراد کو قتل کر دیتے۔ ان کے مقتولوں میں مسلمان اور عیسائی دونوں شامل ہوتے۔ ان مقتولین کی تعداد کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ (یہ اپنے

مرشد کو پیر یا بزرگ کے لقب سے یاد کرتے تھے) وہ اسی پہاڑی علاقے کا ایک فرد تھا۔ مگر ان کا تمام اسلحہ صرف خنجروں تک محدود تھا۔ ہلاکو کی تلوار نے ان کے تمام خنجر توڑ دیے۔ اب ان دشمنانِ بنی نوع انسان کا نام تک باقی نہیں رہا۔ صرف ایک لفظ باقی رہ گیا ہے۔ (فدائی) اور اسیسن (Assassin) کی اصطلاح اب تمام یورپی زبانوں میں بھی مروج ہے۔ عباسیوں کو بھی اسی (ہلاکو خان) نے ختم کر دیا۔ سلجوق کے خاتمے کے بعد خلفائے بغداد نے اپنے آپ کو کسی حد تک بحال کر لیا تھا اور عربی عراق میں بھی ان کا احترام کیا جاتا تھا۔ مگر بغداد کے شہر میں فرقہ بندی زوروں پر تھی۔ مگر امیر المومنین اپنی سات سو کنیزوں کے محل میں گم ہو چکا تھا۔ جب بغداد پر مغلوں نے حملہ کر دیا تو اُس نے ان کے مقابلے میں کمزور افواج اور مغرور سفار کار بھیجے۔ خلیفہ مستعصم نے کہا کہ ''تقدیر کے فیصلے کے مطابق، بنو عباس اس دُنیا میں اور عقبیٰ میں بھی ضرور فنا کر دیے جائیں گے۔ یہ ہلاکو کون ہے؟ جسے ان کے مقابلے کی جرأت ہوئی ہے؟ اگر وہ امن کا خواہش مند ہے تو اُسے اس مقدس سرزمین سے واپس چلا جانا چاہیے اور ہم غالباً اُس کی اس غلطی کو معاف بھی کر دیں گے۔'' بادشاہ کے اس مفروضے کو ایک غدار وزیر کی طرف سے مزید تقویت ملی، اُس نے خلیفہ سے کہا کہ اگر وہ اس شہر میں داخل بھی ہو گیا تو مکانوں کی چھتوں پر سے عورتیں اور بچے اس قدر پتھر برسائیں گے کہ وہ اور اُس کی افواج ختم ہو جائیں گی۔ مگر جب ہلاکو شہر میں داخل ہوا تو سارا بھوت دھوئیں میں تحلیل ہو گیا۔ دو ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔ اس کے بعد مغلوں نے اسے لُوٹ کر تباہ کر دیا اور اُن کے ظالم فاتحین نے خلیفہ مستعصم کی موت کا فرمان جاری کر دیا۔ یہ آخری عرب خلیفہ تھا جس کا تعلق جناب رسالت مآبؐ کے خاندان سے تھا۔ یہ لوگ آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباسؓ کی نسل سے تھے۔ اس خاندان نے ایشیا میں پانچ سو سال سے زائد عرصے تک حکومت کی تھی۔ فاتحین کا منصوبہ کچھ بھی ہو مکہ اور مدینہ کے مقدس شہر اس لیے بچ گئے کہ وہ ایک صحرا میں واقع تھے۔ وہ دجلہ اور فرات سے بھی آگے تھے۔ مغول نے ان دونوں دریاؤں کو بھی پار کر لیا۔ ایلیپو اور دمشق کو لوٹ لیا اور یروشلم کو آزاد کرانے کے لیے فرینکوں کا ساتھ دینے کا ارادہ کر لیا۔ مصر اگر محض اپنے دفاعی نظام پر بھروسا کرتا تو یہ بھی ان کے ہاتھ سے نکل جاتا۔ کیونکہ فاطمی خلفا کے جانشین بہت کمزور ہو چکے تھے۔ مگر مملوک نے اپنا بچپن سکاتھیا کی آزاد فضاؤں میں گزارا تھا۔ بہادر بھی تھے اور نظم و ضبط میں بھی دوسروں سے بہتر تھے۔ اُنھوں نے جنگ کے متعدد میدانوں میں مغلوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس طوفان کو فرات سے مشرق کی طرف بھگا دیا۔ مگر آرمینیا اور اناطولیہ کی حکومتوں میں جوش و خروش تو بہت زیادہ تھا، مگر وہ مزاحمت کے قابل نہ تھیں۔ ان میں سے

اوّل الذکر ایک عیسائی حکومت تھی جبکہ ثانی الذکر پر ترک مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ آئی کونیم کے سلاطین نے کس حد تک مزاحمت کی مگر عزاالدین نے قسطنطنیہ کے عیسائیوں سے پناہ طلب کر لی۔ مگر فارس کے خوانین نے ان کے باقی ماندہ جانشین ہمیشہ کے لیے ختم کر دیے۔

۳۔ جب اوکتائی نے شمالی سلطنتِ چین پر مکمل غلبہ حاصل کر لیا تو اُس نے فیصلہ کر لیا کہ اب اُسے اپنی افواج کے ہمراہ مغرب کے دور افتادہ ممالک کے خلاف بھی کارروائی کرنی چاہیے۔ پندرہ لاکھ مغول اور تاتاری اُس کی افواج میں تنخواہ دار ملازم تھے۔ اُس نے ان کا تیسرا حصہ منتخب کیا اور اپنے بھتیجے باطو کی کمان میں دے دیا۔ یہ اُس وقت اپنے باپ طولی کی حکومت پر قابض تھا جو بحیرۂ خزر کے شمال میں واقع علاقوں پر مشتمل تھی۔ باطو نے چالیس روز تک تو جشن منایا، اُس کے بعد وہ اس عظیم مہم پر روانہ ہو گیا۔ اُن کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ چھ سال سے بھی کم مدت میں اس کے لشکری نوے درجے طول بلد تک پہنچ گئے اور انھوں نے یہ تمام خطہ چھان مارا۔ اس کا رقبہ کرۂ ارض کا ایک چوتھائی تھا۔ وہ یورپ اور ایشیا کے بڑے بڑے دریا، دولگا، ڈون، بورستھین، وسطولا، ڈینیوب کو یا تو گھوڑوں پر سوار ہو کر تیر کر پار کر گئے۔ یا جب یہ منجمد تھے تو برف پر سے گزر گئے یا چرمی کشتیوں میں بیٹھ کر پار کر گئے اور اپنے چھکڑے اور رسالے بھی پار لے گئے۔ باطو کی اولین فتوحات کو ترکی اور قازقستان کے میدانوں میں جذبۂ آزادی نے ختم کر دیا۔ وہ آگے بڑھتے ہوئے جن علاقوں کو پار کر گیا، انھیں جدید دور میں اسطرخان اور قازان کہا جاتا ہے اور وہ فوجی جو اُس نے قواسوس کی سمت روانہ کیے تھے۔ وہ جارجیا اور قرقاشیہ کے ڈھکے چھپے علاقوں میں سے بھی گھوم کر نکل گئے۔ روس میں کئی ڈیوک اور بادشاہ ایک دوسرے کے ساتھ خانہ جنگیوں میں مصروف تھے۔ اس لیے تاتاریوں کو ان کی کمزوریوں کا جلد علم ہو گیا۔ یہ لیوونیا سے بحیرۂ اسود تک پھیل گئے اور ماسکو اور کیف دونوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ شہر روس کے جدید اور قدیم دارالحکومت ہیں۔ ان دونوں کو انھوں نے جلا کر راکھ کر دیا۔ یہ ایک عارضی تباہی تھی۔ اس میں ہلاکتیں بھی کم ہوئیں اور اثرات بھی زیادہ گہرے نہ تھے، مگر اس سے ایک دورِ غلامی پیدا ہوا جو دو سو سال تک قائم رہا۔ روسیوں کے کردار پر جو اس دورِ غلامی کے داغ پیدا ہوئے اُن کے اثرات تادیر قائم رہے۔ تاتاریوں نے اُن ملکوں سے بھی خوب انتقام لیا جن پر وہ بدستور قبضہ رکھنا چاہتے تھے اور اُن کو بھی تباہ کیا، جن کو وہ چھوڑ کر چلا جانا چاہتے تھے۔ رُوس پر تادیر یا مستقل قبضہ رکھنے کے لیے اُنھوں نے تیز یا عبوری حملہ کر دیا اور اس ملک کے قلب تک پہنچ گئے اور جرمنی کی سرحدوں تک بھی پہنچ گئے۔ بالٹک کے ساحلوں کو بھی چھو لیا۔ لوبلین اور قراتو کے

شہروں کو فتح کیا اور لگ نطز کی جنگ میں انھوں نے سیلشیا اور پولینڈ کے نوابوں کو شکست دی۔ یہ لوگ طیوطانی سلسلے کے عظیم آقاؤں میں سے تھے۔ اس قدر قتل عام کیا کہ مقتولوں کے دائیں کانوں سے نو بوریاں بھر گئیں۔ لگ نطز چونکہ آخری سرحد پر واقع تھے۔ یہاں سے ایک طرف ہٹ کر یہ لوگ ہنگری میں داخل ہو گئے۔ باطو کی بذاتِ خود موجودگی اور جوش و جذبے نے پانچ لاکھ افراد پر مشتمل فوج کو وہ مہمیز لگائی کہ وہ کسی طرح کارپیتھی کے پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ یہ چٹانیں اس قدر علیحدہ علیحدہ ستونوں پر ناقابلِ گزر اونچائی پر واقع تھیں کہ کسی کو اس مہم کی کامیابی پر یقین نہ آتا تھا۔ یہاں تک کہ انھیں ان مقامات پر موجود دیکھ نہ لیا گیا۔ شاہ بیلا چہارم نے اپنے کاؤنٹوں اور بشپوں کا ایک اجتماع بلایا۔ مگر یہ وحشی مہمان برافروختہ ہو گئے۔ انھیں گمان گزرا کہ ان کے بادشاہ کو قتل کر دیا گیا ہے اور ملک میں بغاوت ہو گئی ہے۔ ڈینیوب سے شمال کا تمام علاقہ ایک ہی دن میں ہاتھ سے نکل گیا اور موسم گرما میں دوبارہ آباد کر لیا گیا۔ اس علاقے کے گرجا گھر مقامی آبادی کی ہڈیوں سے اٹے پڑے تھے۔ ان لوگوں کو اپنے تُرک آباؤاجداد کے گناہوں کی سزا ملی تھی۔ وارادین کو اس بُری طرح سے تباہ کیا گیا تھا کہ اس پر نازل ہونے والی تباہ کاریوں کے نشانات واضح طور پر نظر آتے تھے۔ محاصرے کی وجہ سے جو اثرات مرتب ہوئے یا جو عذاب اس کی آبادی پر نازل ہوا۔ مگر ان سب سے بڑھ کر وہ عذاب تھا، جو مفروروں کی وجہ سے ان پر نازل ہوا، ان سے معافی یا امن کا وعدہ کیا گیا تھا، وہ جنگلات سے نکل کر شہر میں طوفان کی طرح نازل ہو گئے۔ وہ جونہی فصلوں کی کٹائی اور انگور کی چنائی کا کام کر چکے تو انھیں انتہائی بے رحمی سے قتل کر دیا گیا۔ موسم سرما میں ان کی انتڑیاں دریائے ڈینیوب میں تیرتی نظر آئیں۔ کچھ جرمنی کی طرف بہ گئیں اور کچھ گران اور سٹراٹگونیوم میں دیکھی گئیں۔ مملکت کے دارالحکومت تک ان کی خبر سنی گئی۔ دیواروں کے بالمقابل تیس منجنیقیں نصب کر دی گئیں۔ خندقوں میں مٹی کی بوریاں ڈال کر بھر دیا گیا۔ مُردوں کی لاشیں پھینک کر بھی بھرتی کا کام لیا گیا۔ خان کی موجودگی میں تین سو شرفا اور خواتین کو قتل کیا گیا۔ ہنگری کے تمام شہروں میں سے صرف تین سو باقی بچے۔ باقی سب تاتاریوں کے حملے کا شکار ہو گئے۔ بدقسمت بیلا کا سرایڈریاٹک کے جزیرے میں پہنچا دیا گیا۔

اس وحشیانہ مخالفت کی وجہ سے لاطینی دُنیا پر بھی نحوست اور بدقسمتی کی سیاہی چھا گئی۔ ایک روسی مفرور یہ خبر لے کر سویڈن پہنچا اور اُس کی وجہ سے تاتاریوں کا خطرہ بحیرۂ بالٹک سے ماورا ممالک میں محسوس کیا جانے لگا۔ لوگ ان کا نام سنتے ہی کانپنے لگے۔ ان کا خوف طاری تھا مگر اُن علاقوں کے عوام کو ان کے متعلق کوئی

آ گاہی حاصل نہ تھی۔ وہ انھیں کوئی غیر انسانی مخلوق سمجھنے لگے۔ آٹھویں صدی میں عربوں کے حملے کے بعد یورپ، اس نوعیت کے کسی اور حادثے سے دوچار نہ ہوا تھا۔ عربوں نے تو ان کی آزادی میں کوئی دخل نہ دیا تھا اور مذہب میں بھی استدلال ہی سے کام لیا تھا، لیکن سکاتھیا کے گڈریے تو یورپ کے شہروں کی تباہی کے درپے تھے۔ تمام علم وفن اور تہذیب کے نشانات کی تباہی کا خطرہ درپیش تھا۔ پاپائے روم نے فرانسیسی اور رومی مشنریوں کا ایک وفد تشکیل دیا کہ وہ ان کفار میں عیسائیت کی تبلیغ کریں اور انھیں عیسائی بنانے کی کوشش کریں۔ لیکن اُن کے جواب سے پوپ حیران رہ گیا۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ خدا اور چنگیز کے بیٹوں کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ دُنیا کے تمام ممالک کو فتح کر سکتے ہیں اور پوپ خود بھی اس عالمگیر تباہی کا شکار ہوگا۔ اُس کی سلامتی کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ بذاتِ خود بطور ایک مرید کے حاضر ہو۔ شہنشاہ فریڈرک دوم نے اپنے دفاع کے لیے ایک نیا طریق اختیار کیا۔ اُس نے شاہانِ فرانس، انگلستان اور جرمنی کے شہزادے کو خطوط لکھے۔ اُس نے سب کو مشترکہ خطرے کا یقین دلایا اور اُن سے استدعا کی کہ وہ اپنے باجگزاروں سے بھی کہیں کہ وہ افواج تیار کریں۔ یہ وقت ہے کہ ایک متحدہ صلیبی جنگ لڑی جائے۔ فرینکوں کی بہادری اور جرأت سے خود تاتاری بھی خائف تھے۔ اس دوران نیوشاڈٹ کے قصبے کا مقامی مبارزین نے تیراندازی سے خاطر خواہ دفاع کیا۔ یہ قصبہ آسٹریا میں واقع تھا۔ اس قصبے میں صرف پچاس مبارز اور بیس تیرانداز موجود تھے۔ جب جرمنی کی افواج بھی آ گئیں تو تاتاریوں نے مذکورہ قصبے کا محاصرہ بھی اُٹھا لیا۔ باطو نے سرویا، بوسنیا اور بلغاریہ کی ملحقہ حکومتیں تباہ کیں، اور پھر آہستہ آہستہ ڈینیوب کے علاقے سے وولگا کی طرف پسپائی اختیار کر لی تاکہ سیرائی کے مقام پر بیٹھ کر داد عیش دے۔ یہ مقام اسی کے حکم سے صحرا کے درمیان میں تعمیر کیا گیا تھا۔

۴۔ مغلوں نے شمال کے مفلس اور منجمد علاقوں کو بھی معاف نہیں کیا۔ عظیم باطو کے بھائی شیبانی خان اپنے ہمراہ پندرہ ہزار خاندان لے کر سائبیریا کے ویران علاقوں میں گھس گیا اور اس خاندان نے طبولسکی کے قبائل پر تین صدیوں سے زیادہ عرصے تک حکومت کی۔ اس کے بعد روسیوں نے اس علاقے کو فتح کر لیا۔ اوبی اور ینسی کے علاقوں میں سفر کے دوران بحیرۂ منجمد شمالی دریافت کر لیا گیا ہوگا۔ ان خوفناک داستانوں کو ایک طرف کرتے ہوئے، جن میں کتوں کے سروں اور شگافتہ پاؤں کے سوا کچھ نہیں۔ ہم اس دریافت کا اظہار کرتے ہیں کہ چنگیز کی موت کے پندرہ سال بعد قطب شمالی کے قریب سموئے کے قبائل (Samoyedes) کا پتا چلتا ہے جو جھونپڑے بنا کر رہتے تھے اور اُن کی واحد خوراک شکار کا گوشت تھی اور وہ

انھیں جانوروں کے سمور کا لباس زیبِ تن کرتے تھے۔

مغلوں اور تاتاریوں نے چین، شام اور پولینڈ پر بیک وقت حملہ کیا تھا۔ مگر اس بہت بڑی شرارت کے بانی صرف اسی حقیقت پر مطمئن تھے کہ اُن کا علم صرف تلوار یا موت تک محدود ہے۔ خلفاء کی طرح چنگیز کے جانشین بھی شاذ ہی اپنے فوجی دستوں کی خود رہنمائی کرتے تھے۔ اونان اور سلنگا کے دریاؤں کے کنارے تاتاری سربراہ سادگی اور عیاشی کا مظاہرہ کرتے رہتے۔ وہ اپنے آپ کو شاہی یا طلائی گروہ کا نام دیتے۔ وہ بھیڑ کا بُھنا ہوا گوشت کھاتے اور گھوڑی کا دودھ پیتے اور ہر روز سونے اور چاندی کے پانچ سو چھکڑے تقسیم کرتے۔ یورپ اور ایشیا کے سفیروں کو مجبور کرتے کہ وہ یہ طویل اور تکلیف دہ سفر طے کر کے ان کے دربار میں حاضر ہوں۔ رُوس کے عظیم ڈیوک، جارجیا اور آرمینیا کے عظیم بادشاہ، آئی کونیم کے سلاطین اور فارس کے امیر، ان سب کی زندگی اور حکومت فیصلے تاتاریوں کے دربار میں ہوتے، ان کے لیے عظیم خان کی صرف ایک مسکراہٹ ہی فیصلہ کن ہوتی۔ مگر چنگیز کا پوتا گلہ بانی کی زندگی کا عادی تھا۔ مگر قراقرم میں واقع ایک دیہات بالآخر اس کا مسکن بن گیا۔ جب اندازِ حیات بدلا تو اوکتائی اور منگو خیموں سے گھروں میں منتقل ہو گئے۔ دیگر افرادِ خاندان اور عمال نے بھی ان کی مثال پر عمل کیا۔ اب وسیع جنگلات کی بجائے باغات کی تفریح اور شکار میں بھی مزہ آنے لگا۔ گلہ بانی کی جگہ شکار نے لے لی۔ نئے گھر تعمیر کرائے گئے تو ان میں نقاشی بھی کرائی گئی اور بُت بھی رکھے گئے۔ انھوں نے اپنے خزائن کو چشموں اور دسترخوان کے برتنوں پر خرچ کیا۔ عظیم خوانین کی خدمت میں چین اور فارس کے فنکار ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے لگے۔ قراقرم میں دو گلیاں تھیں۔ ایک میں چینی آباد تھے اور دوسری میں مسلمان تاجر مقیم تھے۔ عبادت گاہوں میں ایک نسطوری عیسائیوں کا گرجا، دو مساجد، اور بارہ بُت پرستوں کے مندر شامل تھے۔ اس کے باوجود، ایک فرانسیسی مبلغ نے یہ نعرہ لگایا کہ پیرس کے قریب سینٹ ڈینیز کا ایک چھوٹا سا قصبہ تاتاریوں کے دارالحکومت سے بھی زیادہ اہم ہے اور منگو کا محل بینیڈکٹ کے گرجے کا دسواں حصہ بھی نہ تھا۔ شام اور رُوس کی فتح، شاید خانِ اعظم کے وقار کے لیے صدمے کا باعث ہو سکتی تھی۔ مگر ان کا ٹھکانا تو چین کی سرحد پر تھا، سلطنتِ چین پر قبضہ ان کے لیے مزید دلچسپی کا باعث تھا کیونکہ یہ ملک ان کے قریب بھی تھا، اور چینیوں سے یہ اپنی گلہ بانی کی صنعت کے متعلق بھی بہت کچھ سیکھ سکتے تھے۔ وہ اپنے ریوڑوں کی تعداد میں اضافے کے خواہش مند تھے۔ انھوں نے ایک دانا شخص سے بہت کچھ سیکھ لیا تھا۔ اُنھیں اسی میں دلچسپی تھی کہ اُن کے پانچ زرخیز صوبوں سے کس طرح زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کی

جا سکے۔ اس انسان دوست شخص نے تیس سال تک ان کی خدمت کی اور انھیں بے داغ انتظامیہ کے اُصول سمجھائے۔ اور انھیں اس راہ پر ڈالا کہ جنگ کے مصائب سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ آثار قدیمہ کی حفاظت کی جائے اور علم وفن کی شمع کو دوبارہ روشن کیا جائے اور معاشرتی عظمت کی بحالی کے لیے ضروری ہے کہ جنگوں کو ختم کر دیا جائے۔ اس طرح تاتاریوں کو انصاف اور امن کی اہمیت سے آگاہ کیا گیا اُس نے اولین وحشی فاتحین کے خلاف بھی سخت جدوجہد کی۔ مگر اس کی تگ ودو کا ثمر دوسری نسل میں حاصل ہوا۔ پہلے تو شمالی سلطنت میں تہذیب کی روشنی بحال ہوئی اور پھر بتدریج اس کے اثرات جنوب کی طرف بھی بڑھنے لگے اور قبلائی خان کے عہدِ حکومت میں نظامِ حکومت قائم کر دیا گیا۔ اس نے اپنے قدیم دستور کی روشنی میں بعض اصطلاحات بھی کیں۔ اس میں محکوم آبادیوں کی عصبیت اور رواجات کا بھی خیال رکھا گیا۔ یہ پُرامن فتح تھی جس کی متعدد بار تکرار ہوئی۔ اس کا باعث چینیوں کا بہترین اندازِ فکر اور آبادی کی کثرت تھی۔ یہ ملک بھی بہت بڑا تھا اور آبادی بھی بکثرت تھی۔ مغول کی فوج توڑ دی گئی اور بادشاہوں نے بڑی خوشی سے ایک سیاسی نظامِ حکومت قبول کر لیا۔ جو بادشاہ کو مطلق العنان اختیارات فراہم کرتا ہے اور عوام کے لیے بعض خالی خطابات کی گنجائش موجود رہتی ہے، مثلاً فلسفہ، آزادی اور غیر مشروط اطاعت گزاری۔ قبلائی کے دورِ حکومت میں تعلیم، تجارت، امن اور انصاف کے حقوق بحال کر دیے گئے۔ ایک پانچ سو میل لمبی نہر نانکن سے دارالحکومت تک کھول دی گئی۔ اس نے اپنی رہائش پیکن میں منتقل کر لی اور اس نے بھی اپنے دربار میں ایشیائی فرمانرواؤں کی شان وشوکت کو رواج دے دیا۔ یہ پڑھا لکھا انسان تھا۔ اس نے اپنے آباواجداد کے سادہ اور قدیم مذہب پر کاربند رہنے سے انکار کر دیا۔ اس نے فو (Fo) کا بت قربان کر دیا۔ اس نے تبت کے لاماؤں (Lamas) کو اپنا گرو تسلیم کر لیا اور چینی راہ ورسم اختیار کر لی، وہ کنفیوشس کے شاگردوں کی ملامت پر برافروختہ ہو جاتا۔ اس نے اپنے گرد خواجہ سرا، طبیب اور نجومیوں کا ایک گروہ جمع کر کے محل کو ناپاک کر لیا۔ جبکہ صوبوں میں سخت قحط پڑا اور ایک کروڑ تیس لاکھ افراد لقمۂ اجل بن گئے۔ چنگیز کی وفات کے ایک سو چالیس سال بعد اس کی نسل زوال پذیر ہو چکی تھی اور یوئین (Yuen) میں مقیم تھی۔ ان کے خلاف بغاوت ہوئی اور انھیں چین سے باہر نکال دیا گیا اور مغول حکمران صحرا میں کہیں گم ہو گئے۔ اس بغاوت کے بعد خود ان کے اپنے خاندان کی منقسم شاخوں نے ان کی برتری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جن میں کپ زاک کے خان، اور روسی، زگاتائی (Zagatai) یا ماوراء النہر کے خوانین، اور ایران یا فارس کے خان، سب ان کو چھوڑ گئے اور علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ چونکہ مرکز سے یہ لوگ

دور مقیم تھے، نیز مرکز کے پاس کوئی قوت بھی موجود نہ تھی، اس لیے یہ تمام آزاد ہو گئے اور قبلائی کی موت کے بعد اس کے نالائق جانشینوں سے کوئی بھی خان کا خطاب قبول کرنے پر تیار نہ تھا۔ اپنے اپنے حالات کے مطابق انھوں نے گلہ بانوں کی سادگی قائم رکھی یا ایشیائی شہروں کے تکلفات اختیار کر لیے۔ ان کے بادشاہوں نے اپنے گروہوں سمیت غیر ملکی مذاہب کو اختیار کر لیا۔ کچھ مدت یہ انجیل اور قرآن کے درمیان لٹکتے رہے مگر بالآخر انھوں نے اسلام قبول کر لیے۔ جب ان کی مختلف شاخوں نے یہ مذہب اختیار کیا تو عرب اور ایران کے مغلوں نے اپنے آباواجداد سے تعلق منقطع کر لیا اور بُت پرستی چھوڑ دی۔

اُس وقت کی معلومہ دُنیا کا بیڑہ غرق ہوا، تو اس میں یہ حیران کن معاملہ بھی سامنے آتا ہے کہ قسطنطنیہ اور سلطنتِ روم ان سے کس طرح بچ گئی۔ جن ایام میں مغلوں نے حملہ کیا، یہ وہ دور تھا جب رومی اور یونانی آپس میں لڑ رہے تھے۔ ممکن ہے کہ وہ مقدونیائی لوگ اسکندر اعظم سے کمزور ہوں، ریگستھیا کے صحرانشینوں نے یورپ اور ایشیا پر یکساں دباؤ ڈال رکھا تھا مگر جہاں تک دباؤ کا تعلق ہے اُس میں کسی قسم کی کمی نہ ہوئی تھی۔ اگر تاتاری اُس وقت محاصرہ کر لیتے تو قسطنطنیہ کی حالت پیکن، سمرقند اور بغداد سے مختلف نہ ہوتی۔ باطو نے اگرچہ دریائے ڈینیوب سے رضاکارانہ طور پر واپسی اختیار کی، اس کے باوجود اس عمل کو اس کی تذلیل اور فرینکوں اور جرمنوں کی فتح قرار دیا گیا۔ لیکن قیصران کی سلطنت پر اس کے دوسرے حملے کے درمیان اس کی موت واقع ہو گئی۔ اس کا بھائی بورگا اپنی افواج لے کر بلغاریہ میں داخل ہو گیا اور اس کی تاتاری فوج تھریس پر بھی حملہ آور ہو گئی۔ مگر یہ نووگوروڈ (Novogorod) کی طرف مڑ گیا اور بازنطینی حکومت کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ یہاں پر اس نے آبادی کی مردم شماری کی اور رُوس کے لگان کو منظم کیا۔ مغل خان نے مملوکوں کے ساتھ اتحاد قائم کر لیا تاکہ اپنے ایرانی لوگوں سے لڑ سکے۔ دربند کے راستے تین لاکھ سوار داخل ہو گئے۔ یونانیوں کو اس سے بڑی خوشی حاصل ہوئی ہوگی۔ کیونکہ یہ اُن کے دشمنوں کی پہلی خانہ جنگی تھی۔ قسطنطنیہ کی بازیابی کے بعد میکائیل پلائیولوگوس ایک ایسے مقام پر گھیرے میں آ گیا تھا کہ نہ وہ اپنے دربار میں تھا اور نہ فوج اُس کے ساتھ تھی۔ وہ دونوں مقامات سے برابر فاصلے پر تھا۔ اسے تھریسی دارالحکومت میں بیس ہزار تاتاریوں نے اچانک گھیرے میں لے لیا۔ مگر اُن کی پیش قدمی کا اقدام محض ذاتی منفعت پر مبنی تھا۔ وہ عزالدین کی آزادی کے لیے وہاں آئے تھے جو ایک ترک سلطان تھا۔ وہ اسی پر مطمئن تھے کہ اُنھوں نے اُس پر اور اُس کے خزانوں پر قبضہ کر لیا۔ ان کے جرنیل نوگا نے، جس کا نام استراقان میں بہت مشہور ہے۔ منگو کے خلاف ایک ناقابل تسخیر

بغاوت کا آغاز کر دیا۔ تیمور نے جو تیسرے یا چوتھے درجے کا خان تھا۔ اُس نے ماریہ سے شادی کر لی۔ یہ پلائیولوگوس کی حقیقی بیٹی تھی۔ اُس نے اپنے دوست اور اُس کے باپ کے مقبوضات کی اچھی طرح سے حفاظت کی۔ اس کے بعد سکاتھیوں کی طرف سے جو حملے ہوئے وہ زیادہ تر بھگوڑوں اور مفروروں کی طرف سے تھے۔ ان میں چند ہزار آلانی اور کمان بھی شامل ہوتے۔ جنھیں اپنے اپنے ملکوں سے نکال دیا گیا تھا۔ انھیں اس آوارہ گردی کی حالت سے نکال کر سلطنت کی افواج میں بھرتی کر لیا گیا۔ مغلوں کے حملے کے یورپ پر اثرات صرف اسی قدر تھے۔ ان کے حملے کا پہلا اثر یہی ہوا کہ رومی اور ایشیا کے علاقوں میں جنگ کے بجائے امن پیدا ہو گیا۔ آئی کونیئم سلطان نے جان واطاقیس سے ذاتی ملاقات کی خواہش کی کہ کوئی ایسی تجویز اختیار کی جائے کہ مشترکہ دشمن کا مل کر مقابلہ کیا جا سکے، مگر جلد ہی سرحدوں کا دفاع قائم نہ رہ سکا اور سلجوق کی تباہی کے بعد یونانی سرحد بھی دفاعی معاملے میں عریاں ہو گئی۔ ناقابلِ تسخیر ہلاکو نے قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی کی دھمکی دی۔ وہ چارلاکھ افرادی قوت کی فوج سے حملہ کرنا چاہتا تھا۔ نائس کے عوام اُس خوف سے آگاہ تھے جو مغول اور تاتاری افواج پیدا کرتی تھیں۔ ہر شخص دُعا مانگنے لگا کہ ”اے خدا ہمیں تاتاریوں کے عذاب سے محفوظ رکھ۔“ حملے اور قتلِ عام کی افواہ جلد ہی پھیل گئی۔ مغول کا خوف اتنا پھیلا کہ نائس کی گلیوں میں ہزاروں مرد و زن جمع ہو گئے۔ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کس وجہ سے یا کس سے بھاگ رہے ہیں۔ اس پر تھوڑا سا وقت لگا کہ فوج کی مستقل مزاجی نے شہر کو اس تصوراتی خوف سے نجات دلا دی۔ مگر ہلاکو اور اُس کے جانشینوں کی دبِ اقتدار دوسری طرف ہو گئی۔ وہ بغداد فتح کر چکے تھے اور اب شام کی طرف روانہ ہو گئے اور شاہی جنگوں میں مصروف ہو گئے۔ مسلمانوں سے دشمنی کی وجہ سے اُنھوں نے یونانیوں اور فرینکوں سے اتحاد قائم کر لیا اور اس عناد کا ایک فائدہ آرمینیا کو حاصل ہوا۔ انھیں اناطولیہ کی حکومت بالکل مفت میں مل گئی۔ سلجوق کے باقی ماندہ علاقوں پر مسلمان امیروں میں بھی اختلاف چل رہا تھا جنھوں نے پہاڑوں یا شہروں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ مگر یہ سب لوگ فارس کے خوانین کی برتری کو تسلیم کرتے تھے۔ وہ جب چاہتے تو اپنے اختیارات استعمال کرتا اور جب چاہتے افواج بھی استعمال کرتے تا کہ وہ حملہ آوروں کو روک سکیں اور اپنی ترکوں کے ساتھ سرحدوں کو بھی محفوظ رکھ سکیں۔ چنگیز کے خاندان کا ایک تجربہ کار فرد غازان موت کا شکار ہو گیا۔ اس وجہ سے یہ فقید المثال تسلط بھی ختم ہو گیا۔ جب تاتاریوں کا تسلط ختم ہو گیا تو اس سے عثمانی ترکوں کے اقتدار کے لیے موقع پیدا ہو گیا۔

جب چنگیز نے مراجعت اختیار کر لی تو خوارزم کا سلطان جلال الدین بھی ہندوستان سے واپس

آ گیا تا کہ اپنے ایرانی مقبوضات پر اپنا قبضہ بحال کر لے۔ گیارہ سال کے وقفے کے دوران، اس ہیرو نے بذاتِ خود چودہ جنگیں لڑی تھیں۔ اس کی فعالیت کا یہ حال تھا کہ اس نے تفلیس سے لے کر کرمان تک ایک ہزار میل کا فاصلہ اپنے رسالے کے ہمراہ سترہ ایام میں طے کر لیا تھا۔ تمام مسلمان فرمانروا اس سے حسد کرتے تھے اور تاتاریوں کی بے شمار فوج بھی اس کے خلاف معرکہ آرا رہتی۔ جب اسے آخری شکست ہوئی تو یہ کردستان کی پہاڑیوں میں بے یار و مددگار مر گیا۔ اس کی موت کے بعد ایک بہادر اور مہم جو فوج منتشر ہو گئی۔ یہ فوج خوارزمیوں کے نام سے مشہور تھی۔ بے شمار ترکمان سلطان کے ہمراہ قسمت آزمائی کی غرض سے منسلک تھے۔ ان میں شامل بہادر ترین سردار شام پر حملہ آور ہوئے اور یروشلم میں مرقدِ مسیح پر قبضہ کر لیا۔ جو لوگ مقابلتاً کمزور تھے وہ آئی کونیئم کے سلطان علاؤالدین کی فوج میں شامل ہو گئے۔ انہی میں عثمانی سلاطین کے آباواجداد بھی شامل تھے۔ ماضی میں ان لوگوں نے دریائے آمو کے جنوب میں خیمے گاڑ رکھے تھے۔ بالخصوص ماہان اور نسا کے میدان ان کی آماج گاہ تھے۔ یہی لوگ پارتھیا اور ترکوں کی سلطنتوں کے بانی قرار پائے۔ خوارزمی افواج کے سربراہ کی حیثیت سے سلیمان شاہ، دریائے فرات کو عبور کرتے ہوئے ڈوب گیا۔ اُس کے بیٹے طغرل نے علاؤالدین کی رعایا بننا قبول کر لیا اور اُس کی فوج میں بھرتی ہو گیا اور دریائے سنگار (Sangar) کے کنارے سرغوطہ (Surgut) کے نام سے ایک پڑاؤ قائم کر لیا جس میں تقریباً چار سو خاندان آباد تھے۔ یہ تمام خاندان خیموں میں رہتے تھے۔ یہ ان کی پچاس سال تک حالت امن و جنگ میں خدمت کرتا رہا۔ عثمان اسی کا بیٹا تھا۔ قبولِ اسلام سے قبل اس کا نام کیا تھا۔ یہ اب کسی کو معلوم نہیں۔ اس کا اسلامی نام خلیفۂ ثالث کے نام پر رکھا گیا۔ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ یہ شخص گڈریا اور گلہ بان تھا۔ یا یہ بھی عام خانہ بدوشوں کی طرح ایک قزاق تھا تو ہمارا اس کے متعلق یہ تصور کہ وہ ایک نیک مرد اور اعلیٰ کردار کا انسان تھا، باطل ہو جاتا ہے۔ عثمان میں وہ تمام خوبیاں دوسروں کے مقابلے میں بڑھ چڑھ کر موجود تھیں جو ایک سپاہی میں ہونی ضروری ہیں بلکہ اسے ایسے حالات بھی میسر آ گئے کہ اس کی ان خوبیوں میں مزید نکھار پیدا ہو گیا۔ سلجوق کے خاندان کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ مغول خوانین ایک تو اس سے فاصلے پر آباد تھے، دوسرے اُن پر زوال بھی آ چکا تھا۔ اس لیے جلد ہی یہ اس قابل ہو گیا کہ اپنے سے برتر قوتوں پر بھی غلبہ حاصل کر سکے۔ یہ یونانی سلطنت کی سرحدوں کے قریب ہی آباد تھا۔ قرآن کی رو سے اسے غازی کہا جا سکتا تھا اور اس کی جنگ کو جہاد کا نام دیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ یہ جنگ اسلام کے دفاع کے لیے کفار کے خلاف لڑی جا رہی تھی۔ یونانی متعدد غلطیاں کر چکے تھے اور کوہ اولمپیا/اولمپس

کے تمام درّے کھلے پڑے تھے اور اسے دعوت دے رہے تھے کہ یہ باتھینیا کے میدان میں داخل ہو جائے۔ پلائیولوگوس کے عہد تک ملک کی ملیشیا افواج ان دروں کی باقاعدہ نگرانی کرتی تھیں۔ علاقے کے لوگ اپنے تحفظ کی خاطر ان کی تنخواہ کا انتظام کر دیتے تھے اور اس کے بدلے میں انھیں عام ٹیکس میں چھوٹ مل جاتی تھی۔ شہنشاہ نے اُن کی یہ رعایت ختم کر دی اور اُن کے دفاع کی ذمہ داری خود قبول کر لی۔ مگر ان سے خراج بڑی سختی سے وصول کیا جانے لگا اور دروں کی حفاظت کی طرف سے غفلت برتی جانے لگی اور اس علاقے کی طاقتور آبادی خوفزدہ رہنے لگی۔ یہ لوگ کسان تھے۔ ان میں فوجی نظم وضبط موجود نہ تھا اور سپاہیانہ روح بھی مفقود تھی۔ یہ عیسوی صدی کا بارہ سو ننانوے سال تھا اور عثمان نے سترہ جولائی کو نکومیڈیا کے علاقے پر پہلا حملہ کر دیا۔ اس واقعے کی صحیح تاریخ اس لیے محفوظ رہ گئی ہے کہ اس روز جو تباہی مچی وہ بھی اپنی مثال آپ ہے اور اپنے ستائیس سالہ دورِ حکومت میں اس نے یہ راستہ متعدد بار اختیار کیا اور ہر مہم میں اس کے فوجیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا کیونکہ قیدی اور رضا کار اس کے ساتھ شامل ہوتے گئے۔ اس نے پہاڑوں میں واپسی کی بجائے مفتوحہ علاقوں میں سے بیشتر اپنے قبضے میں رکھے اور قصبوں اور قلعوں کی حفاظت کا انتظام کر لیا۔ اگرچہ ان علاقوں کے شہروں کو اس نے ایک دفعہ لوٹ لیا تھا۔ اب اُس نے گلہ بانی کی زندگی ترک کر دی اور اپنے دارالحکومت کے محلات اور حماموں کی زندگی اختیار کر لی۔ مگر پروسا کی فتح کی خبر کا اُسے اُس وقت تک انتظار کرنا پڑا کہ وہ بوڑھا ہو کر کمزور ہو چکا تھا۔ اس علاقے کو اس کے بیٹے ارغون (Orchan) نے اُس وقت فتح کیا، جبکہ یہاں سخت قحط پڑ چکا تھا اور بعض عناصر نے اپنے ملک کے خلاف غداری بھی کی تھی۔ عثمان کی شان وشوکت کا اصل مظاہرہ اس کے جانشینوں کی فتوحات کے ذریعے ہوا۔ مگر ترکی روایات میں یہ مذکور ہے کہ اس نے اپنے جانشینوں کو انصاف اور میانہ روی کی وصیت کی۔

پروسا کی فتح کے حوالے سے، ہم عثمانی سلطنت کے آغاز کی صحیح تاریخ مقرر کر سکتے ہیں۔ عیسائی رعایا کی زندگی اور املاک کی حفاظت کے لیے تیس ہزار طلائی سکے بطور خراج وصول کیے گئے ارغون کی محنت کی بدولت اس شہر کو دارالحکومت کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ پروسا میں ایک مسجد اور ایک دارالعلوم قائم کیا گیا۔ یہاں پر سلجوقی سکے ضرب ہوتے تھے۔ اُنھیں موجودہ حاکم خاندان کے نام پر تبدیل کر دیا گیا۔ ان کے قائم کردہ مدارس میں مذہبی تعلیم کے علاوہ دُنیاوی علوم کی تدریس کی جاتی تھی۔ اس لیے طلبہ کی ایک بڑی تعداد عرب اور ایران سے تعلیم کی غرض سے یہاں آنے لگی۔ وزیرِ تعلیم کا عہدہ ارغون کے بھائی علاؤالدین کو دیا گیا۔ اس

علاقے کے کسان نئے نئے پیشے اختیار کرنے لگے۔ عثمان کی ساری فوج ترکمانوں کے رسالے پر مشتمل تھی۔ یہ اپنی ملازمت کی تنخواہ وصول نہ کرتے تھے اور میدانِ جنگ میں نظم ونسق سے عاری ہوتے۔ اس کے بیٹے نے ازراہِ دانشمندی پیدل فوج منظم کی اور اُسے باقاعدہ تربیت دی۔ رضا کاروں کی ایک بڑی تعداد کو معمولی وظیفہ دے کر ملازم رکھ لیا گیا۔ مگر اُنھیں اجازت دی کہ وہ اپنے گھروں میں قیام کریں۔ جب میدانِ جنگ میں اُن کی ضرورت ہوگی تو اُنھیں بلا لیا جائے گا۔ ان کا رویہ بہت گستاخانہ تھا، اس لیے ارغون نے یہ مناسب سمجھا کہ مفتوحین کی نئی نسل کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا جائے اور اُنھیں حکومت اور اسلام کے سپاہی کی خدمت تفویض کی جائے۔ مگر ترک کسانوں کو ابھی تک اجازت تھی کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر حسبِ ضرورت شاہی فوج میں حصہ لیں۔ اُن کا خطاب اور مراعات آزاد رضا کاروں کی حیثیت سے قائم تھیں۔ اس ہُنر مندی سے اس نے پچیس ہزار مسلمانوں کی فوج تیار کر لی۔ محاصروں میں استعمال کے لیے منجنیقوں کی ایک تعداد بھی تیار کر لی اور پہلا کامیاب تجربہ نائس اور نکومیڈیا کے شہروں پر کیا گیا ارغون نے ان شہروں کے مکینوں کو بحفاظت چلے جانے کی اجازت دے دی جو اپنے خاندان اور سامان کے ہمراہ وہاں سے نقل مکانی کرنا چاہتے ہوں مگر وہ مستورات جو دورانِ جنگ بیوہ ہوگئیں تھیں اُنھیں ترک سپاہیوں کے ساتھ بیاہ دیا گیا۔ مالِ غنیمت میں جو کتب، تصاویر یا طشتریاں حاصل ہوئی تھیں، اُنھیں قسطنطنیہ کے بازاروں میں بیچ دیا گیا۔ چھوٹا اینڈرونی کوس اُس وقت شہنشاہ تھا، وہ شکست کھا کر زخمی ہوا۔ اُس نے باتھینیا کا تمام صوبہ باسفورس اور دردانیال کے ساحلوں تک کا علاقہ ان ہی کے حوالے کر دیا اور عیسائیوں نے ترکوں کے عدل وانصاف اور حسنِ انتظام کو تسلیم کر لیا اور رضا کارانہ ماتحتی قبول کر لی۔ عثمان نے اپنے لیے امیر کا میانہ رو خطاب ہی اختیار کیے رکھا۔ وہ اسی پر مطمئن رہا۔ شاہِ روم اور اناطولیہ کی حیثیت دوستوں کی سی ہی رہی۔ اس کی افواج کی تعداد غرمیان اور کارمانیہ (Caramania) کے امیروں کی تعداد سے زیادہ تھی۔ ان میں سے ہر ایک چالیس ہزار کی فوج کے ساتھ میدان میں اُتر سکتا تھا۔ ان کی حکومتیں سلجوقیوں کی سلطنت کے قلب میں واقع تھیں۔ مگر صلیبی جنگجوؤں نے نسبتاً کمزور ہونے کے باوجود اپنی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کر رکھی تھیں۔ ان کی یہ نئی حکومتیں یونانی سلطنت کی حدود کے اندر واقع تھیں۔ تاریخ کی روشنی میں ان کا کردار بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ پروپونطس سے مائی اینڈر (Maeander) تک کا تجارتی علاقہ اور رہوڈز کا جزیرہ اکثر اوقات ان سے خطرہ محسوس کرتے اور کبھی کبھی ان کی لوٹ مار کی زد میں بھی آ جاتے۔ بالآخر یہ حکومتیں بڑے اینڈرونی کوس کے تیسویں سال میں ختم ہوگئیں۔ وہ

ترک سردار سارو خان اور عائدین ان فتوحات کو اپنی آئندہ نسلوں کے لیے بطور یادگار چھوڑ گئے۔ ایشیا کے سات گرجا گھر تباہ کر دیے گئے۔ آئی اونیا اور لیڈیا کے وحشی لارڈ ابھی تک ان کلاسیکی اور عیسائی آثار قدیمہ میں گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ جب ایفی سوس بھی ہاتھ سے نکل گیا، تو گویا الہامات کی پہلی شمع گُل ہو گئی۔ تباہی آخری حد تک مکمل ہو گئی۔ اب اگر کوئی متجسس سیاح ڈائنا کا مندر یا مریم کا گرجا دیکھنا چاہتا ہے تو اُسے ان کے کھنڈرات کی تلاش میں بھی مشکل پیش آئے گی۔ لاؤدیقیا کے تین شاہی تھیٹر اور ایک سرکس اب لومڑیوں اور بھیڑیوں کی آماج گاہ ہیں۔ سردیس کا شہر اب ایک خستہ حال گاؤں ہے۔ طیاطیرہ اور پرگاموس کی مساجد میں محمدؐ کے خدا کی حکومت ہے۔ اسلام میں خدا کے ساتھ کسی بیٹے کے وجود کو شریک نہیں کیا جاتا۔ اس علاقے میں سمرنا کی آبادی کی خوشحالی کا انحصار فرینکوں اور آرمینیا کے باشندوں کی غیر ملکی تجارت پر ہے۔ صرف فلاڈلفیا اپنی ہمت یا کسی پیش گوئی کی وجہ سے محفوظ رہ سکا۔ یہ سمندر سے طویل فاصلے پر واقع ہے۔ اگرچہ اس کی تمام اطراف ترکوں کے قبضے میں تھیں مگر اس کے باوجود اس کے بہادر لوگ اسّی سال تک اپنی آزادی اور مذہب کا دفاع کرتے رہے۔ بالآخر یہ علاقہ بھی عثمانیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ یونانی نو آبادیوں اور ایشیائی کلیساؤں میں فلاڈلفیا ابھی تک ایستادہ ہے۔ کھنڈرات کے مابین ایک ستون کھڑا ہے۔ یہ ایک دلچسپ مثال ہے کہ وقار اور تحفظ کے راستے ہر جگہ یکساں ہوتے ہیں۔ رہوڈز، یروشلم کے سینٹ جان کی وجہ سے دو سو سال تک غلام رہ چکا تھا۔ اس نظام کے تحت خود جزیرے کی اپنی حیثیت گم ہو چکی تھی۔ بعض شریف اور جنگجو راہب براستہ خشکی و سمندر آتے اور اس کی سرزمین پر گھومتے پھرتے رہتے۔ یہاں عیسائیوں کی اتنی قوت رہی ہے کہ عربوں یا ترکوں کو یہاں تا دیر ٹھہرنے کا موقع نہیں ملا۔

مگر عثمان کے بیٹے کا بنا کسی مزاحمت کے اپنے اندر کے اختلافات نے ان کی حتمی تباہی کا فیصلہ کر دیا۔ جب باتھنیا پر یونانیوں کا قبضہ ہو گیا تو ترک امیروں کی حوصلہ افزائی ہو گئی کہ ایک بحری بیڑہ تیار کیا جائے اور لیڈیا اور آئی اونیا کی طرف سے قریب واقع جزائر اور یورپی ساحلوں کو نشانہ بنایا جائے۔ جب قنطاقوزین کو شکست ہو گئی اور وہ اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ مرنے سے قبل اُس نے اپنے ملک اور مذہب کے دشمنوں کو اپنی مدد کے لیے طلب کیا تھا۔ عائدین کا بیٹا اُس دور کا امیر تھا۔ اُس نے ترکی لبادے کے اندر یونانیوں کی سی نرم مزاجی اور ہمدردی میں وعدہ کیا اور انسان دوستی کا طریق اختیار کیا، باہمی اتحاد اور احترام کا یقین دلایا اور یسطی اور پلائکا دی کا اتحاد قائم ہو گیا۔ اتنے میں بادشاہ کو اطلاع ملی کہ اُس کے کسی دوست کو خطرے کی حالت میں ایک ناشکر گزار دربار میں ایذا پہنچائی جا رہی ہے۔

آئی اونیا کے بادشاہ سمرنا میں جمع ہوئے۔ ان کے پاس تین سو بحری جہازوں کا بیڑہ تھا اور اُنتیس ہزار افراد پر مشتمل فوج تھی۔ موسم سرما کے وسط میں اُنھوں نے بادبان کھولے اور حیبروس (Hebrus) کی بندرگاہ پر پہنچ کر لنگر انداز ہوئے۔ یہاں پہنچ کر انھوں نے دو ہزار منتخب ترک ساتھ لیے اور دریا کے ساحل کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کی اور اُس شہزادی کو آزاد کرایا جو بلغاریہ کے وحشیوں نے دیموطیقا میں محصور کر رکھی تھی۔ اس کا عاشق قنطاقوزین اپنی جان بچانے کے لیے سرویا کی طرف فرار ہو چکا تھا۔ مگر شکر گزار آئرین بہت بے تاب تھی کہ کسی طرح اُس محسن کو دیکھ کر جس نے اُسے آزاد کرایا تھا اُسے دعوت دی کہ وہ شہر کے اندر داخل ہو۔ شہزادی نے اپنے مکتوب کے ہمراہ لباسِ فاخرہ اور ایک سو گھوڑے بھی ارسال کیے۔ علاوہ ازیں اپنا مخصوص لذیذ کھانا بھی روانہ کیا۔ جوان لوگوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہم اپنے بدقسمت دوست کے بغیر اکیلے نہیں کھا سکتے، نیز جب تک اُس کا خاوند محل میں موجود نہ ہو، ہم اُسے ملنے کے لیے بھی نہیں آ سکتے اور محل کی پُرتکلف اشیا سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ سردی بہت زیادہ تھی۔ مگر اُس نے اسے اپنے خیمے ہی میں برداشت کیا اور عمدہ تحائف بھی یہ کہہ کر واپس کر دیے کہ وہ اپنے دو ہزار ساتھیوں کے ہمراہ ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کرنا پسند کرے گا۔ وہ تمام بھی میرے برابر ہر شے کا استحقاق رکھتے ہیں اور ہر نوع کے امتیاز کے مستحق ہیں۔ شاید اس کی ضرورت ہو یا وہ انتقام لینا چاہتا ہو، اُس نے اپنی مہم کے لیے بحری راستہ بھی اختیار کیا اور خشکی کا سفر بھی جاری رکھا۔ اُس نے ڈیڑھ دو ہزار افراد اپنے بیڑے کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیے اور خود قنطاقوزین کو ڈھونڈنے کے لیے ناکام تلاش جاری رکھی۔ یہاں تک کہ اسے ایک فرضی مراسلہ ملا جس کے سبب اسے بہت جلد جہاز پر سوار ہونا پڑا۔ موسم بہت شدید تھا اور اس کے ساتھی بہت زیادہ شور کر رہے تھے۔ اس کے ہمراہ قیدیوں کی تعداد بھی زیادہ تھی اور مالِ غنیمت کا بوجھ بھی بہت زیادہ تھا۔ خانہ جنگی کے دوران آئی اونیا کا بادشاہ دو دفعہ یورپ واپس آیا اور اس نے اپنی افواج کو شاہی افواج سے منسلک کیا۔ تھیسالونیکا کا محاصرہ کیا اور قسطنطنیہ کے لیے بھی خطرہ پیدا کیا۔ چونکہ جو کمک حاصل ہو رہی تھی، وہ کافی تھی۔ اس لیے احتمال تھا کہ کسی وقت کوئی مصیبت نازل ہو جائے۔ اس نے جلد مراجعت اختیار کر لی اور بازنطینی دربار سے دس ہزار کراؤن بطور رشوت وصول کر لیے مگر اس کا دوست ان حالات پر بھی مطمئن تھا اور امیر کے کردار کو اس لیے روا سمجھا گیا کہ اُسے اپنی وراثتی حکومت کا بھی لاطینیوں کے خلاف دفاع کرنا ضروری تھا۔ ترکوں کی بحری قوت کی وجہ سے پوپ نے شاہ قبرص، وینس کی جمہوریہ اور سینٹ جان کی تنظیم کو ایک قابلِ

تعریف صلیبی جنگ کے لیے متحد کر دیا۔ اُن کے بحری جہازوں نے آئی اونیا کے ساحلوں پر حملہ کر دیا۔ امیر کو ایک تیر لگا اور وہ شہید ہوگیا۔ وہ رہوڈز کے مبارزین سے سمرنا کا تخت واپس لینا چاہتا تھا۔ اپنی وفات سے قبل اُس نے اپنی قوم کے ایک اتحادی کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ لیکن وہ اس کی طرح مخلص اور جوشیلا نہ تھا۔ مگر وہ قسطنطنیہ اور دردانیال کے علاقوں کے لیے زیادہ سے زیادہ کمک حاصل کرنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ ایک زیادہ مفید صلح نامے کی وجہ سے ترک بادشاہ نے ساوائے کی این سے اپنی منگنی توڑ لی ارغون نے اس معاملے پر سخت احتجاج کیا کہ اگر وہ قنطا قوزین کی بیٹی سے شادی کر لیتا تو اس کی رعایا اور بیٹے میں وہ نرمی پیدا ہو جاتی، جو اس قوم کا خاصہ ہے۔ ایک پادری اس معاملے میں لالچ کا شکار ہوگیا اور اُس نے ایک عیسائی شہزادی کا ایک مسلمان سے نکاح پڑھا دیا اور تھیوڈورا کے باپ نے انتہائی بے شرمی سے عوام کی بے عزتی کرتے ہوئے اسے برداشت کر لیا اس میں یونانی تخت کی بھی تذلیل ہوئی مگر وہ ان تمام حالات کے باوجود مطمئن تھا۔ ترکی رسالے کا ایک دستہ سفیروں کی معیت میں رہا۔ سلیمبریا کے پڑاؤ کے قریب تیس جہاز بھی کھڑے رہے۔ ایک شاہانہ شاہ نشین تعمیر کیا گیا جس میں ملکہ آئرین نے اپنی بیٹی کے ساتھ رات گزاری۔ صبح سویرے تھیوڈورا ایک تخت پر بیٹھی جس کے چاروں اطراف ریشمی اور زربفت کے پردے لٹکائے گئے تھے۔ فوجی دستے قریب ہی تعینات تھے مگر بادشاہ ایک واحد شخص تھا، جو گھوڑے پر سوار تھا۔ جب اشارہ دیا گیا تو اچانک تمام پردے اُٹھا دیے گئے تا کہ شہزادی کا دیدار عام ہو جائے۔ وہ چاروں طرف سے خواجہ سراؤں اور فانوسوں سے گھری ہوئی تھی۔ تمام خواجہ سر گھٹنوں کے بل مؤدب موجود تھے۔ پھر ڈھول اور باجے بجانے کی صدا بلند ہوئی۔ اس طرح اس پُرمسرت تقریب کا افتتاح ہوا۔ شادی بیاہ کے گانے گائے گئے جن میں دلہن کی مسرت کا مضمون نظم کیا گیا تھا۔ اُس دور کے بہترین شعرا نے قصیدے پیش کیے۔ البتہ گرجے میں جانے کی رسم ادا نہیں کی گئی۔ مگر یہ یقین کر لیا گیا تھا کہ وہ بُورسا کے محل میں بھی اپنے مذہب پر قائم رہے گی اور ان مبہم حالات میں بھی شہزادی کے باپ نے فیاضی اور خیرات کا مظاہرہ کیا۔ یونانی بادشاہ امن کے ساتھ قسطنطنیہ کے تخت پر حکمرانی کر رہا تھا۔ اس دوران وہ اپنے ترک اتحادیوں سے ملنے گئے۔ ترک بادشاہ کے مختلف بیگمات سے چار بیٹے تھے۔ وہ انھیں لے کر سقوطری کے مقام پر اپنے مہمان کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ مقام ایشیائی ساحل کے قریب واقع ہے۔ دونوں بادشاہ دعوت اور شکار سے لطف اندوز ہوئے اور تھیوڈورا کو اجازت دی گئی کہ وہ باسفورس کو عبور کر کے اپنی ماں کے ساتھ چند ایام گزار کر لطف اندوز ہو۔ لیکن ارغون کو یہ دوستی ناپسند تھی وہ اس شادی کو مذہبی عقائد کے بھی

خلاف سمجھتا تھا۔ اس لیے جب جینوا کے باشندوں کے ساتھ جنگ ہوئی تو وہ بلا جھجک قنطا قوزین کے دشمنوں کے ساتھ شامل ہوگیا۔

ملکہ این کے ساتھ صلح نامے میں عثمانی حکمران نے ایک عجیب شرط شامل کرائی تھی کہ اُسے اس امر کا قانونی جواز ہوگا کہ وہ چاہے تو اپنے قیدیوں کو قسطنطنیہ میں غلاموں کی منڈی میں فروخت کر سکے گا، یا انھیں ایشیا میں منتقل کر سکے گا۔ یہ عیسائی عریاں زن و مرد کا ایک ہجوم لے کر آ گیا۔ ان میں ہر عمر کے افراد شامل تھے۔ پادری، راہب، خواتین اور کنواری دوشیزائیں بھی شامل تھیں۔ انھیں منڈی میں فروخت کے لیے پیش کر دیا گیا۔ ان پر چابک کا استعمال بھی تیزی سے کیا جاتا تھا، تا کہ لوگ رحم کھا کر انھیں خریدنے کے لیے جلد تیار ہو جائیں۔ یونانیوں کو غیرت آئے اور وہ اپنے بھائی بندوں کی قسمت کا سودا کریں۔ وہ لوگ روحانی اور مادی دونوں حالتوں میں بُری طرح سے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے۔ قنطا قوزین بھی انہی شرائط کی پابندی پر مجبور تھا۔ اب جبکہ ان شرائط پر عمل بھی جاری تھا تو یہ مملکت کے لیے مزید باعثِ ندامت تھیں۔ ملکہ این کی حکومت کی حفاظت کے لیے دس ہزار ترک فوجیوں کا ایک لشکر علیحدہ کر لیا گیا تھا، مگر ارغون کی باقیماندہ تمام افواج اُس کے باپ کی اطاعت پر مامور تھیں۔ مگر یہ مصائب عبوری نوعیت کے تھے۔ جونہی کہ طوفان گزر گیا تو تمام مفرور واپس اپنے گھروں میں پہنچ گئے ہوں گے۔ ارغونہ جنگی اور بیرونی جنگوں کے خاتمے کے بعد یورپ سے ایشیائی مسلمانوں کو مکمل طور پر باہر نکال دیا گیا اور قاسطا قوزین کی وجہ سے جو زخم بازنطینی حکومت کو لگے وہ کبھی مندمل نہیں ہو سکے۔ اس کے جانشین بھی ان کا مداوا نہ کر سکے۔ اس سلسلے میں جو اعتراضات اسلام یا پیغمبر اسلامؐ پر کیے جاتے ہیں، اُن میں بھی کوئی وزن نہیں۔ ترکوں کو اپنی تاریخ کا بھی صحیح علم نہیں، وہ صرف یہ جانتے ہیں کہ اُن کی قوم کے افراد دردانیال کی راہ سے یورپ میں داخل ہوئے۔ نیز ارغون کے بیٹے کو وہ ایک قزاق سمجھتے ہیں جو رات کو ڈاکے ڈالتا۔ بقول اُن کے اُس کے ہمراہ محض اسّی ساتھی تھے جن کی مدد سے وہ نئے ساحل تلاش کرتا تھا۔ سلیمان کے ہمراہ دس ہزار رسالے کے سوار تھے۔ اسے یونانی بادشاہوں نے ایک دوست کی حیثیت سے خوش آمدید کہا۔ رومانیہ کی خانہ جنگی میں تھوڑی بہت خدمت بھی کی مگر شرارت سے بھی باز نہ رہا۔ قرسونی سُوس میں ترکوں کی ایک بستی موجود تھی جو گنجان آباد تھی۔ بازنطینی حکومت نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے تحریکی قلعے کی واپسی کا ناکام مطالبہ کیا۔ کچھ مدت کی دانستہ تاخیر کے بعد قیدیوں کا تاوان ساٹھ ہزار کراؤن مقرر کیا گیا۔ اس میں باپ بیٹے دونوں کا مشورہ شامل تھا۔ اس کی ادائیگی کی پہلی قسط اُس وقت ادا کی گئی، جبکہ

اتنا بڑا زلزلہ آیا کہ بازنطینی حکومت کے تمام صوبوں کے در و دیوار ہل گئے۔ جو مکانات خالی ہو گئے اُن پر ترکوں نے قبضہ کر لیا اور گیلی پولی جسے دردانیال کی کلید کہنا مناسب ہوگا۔ اسے سلیمان نے دوبارہ تعمیر کرا کے نئے سرے سے آباد کر لیا۔ اُس کی عام حکمتِ عملی بھی یہی تھی۔ جب قنطا قوزین نے دستبرداری اختیار کر لی تو مقامی اتحاد کے رشتے بھی منقطع ہو گئے۔ اُس نے اپنی آخری وصیت میں اپنے ہم وطنوں کو یہ انتباہ کر دیا تھا کہ وہ جلد بازی کا کوئی قدم نہ اُٹھائیں۔ وہ اپنی کمزوریوں اور جرأت و بہادری کا موازنہ کرتے رہیں اور مسلمانوں کے نظم و ضبط اور جوش و خروش پر بھی نگاہ رکھیں۔ مگر خودسر نوجوانوں نے اُس کی نصیحتوں کو فراموش کر دیا۔ مگر جب مسلمانوں کے مقابلے میں انھیں شکست سے دوچار ہونا پڑا تو انھیں معلوم ہوا کہ بوڑھا تجربہ کار درست کہتا تھا۔ عثمانیوں کو فتوحات حاصل ہونے لگیں۔ جب سلیمان میدانِ جنگ میں جرید (Jerid) کا تجربہ کر رہا تھا، وہ گھوڑے سے گر اار غون بحق ہو گیا اور بوڑھا ارغون اپنے پیارے بیٹے کی قبر پر روتے ہوئے جان بحق ہو گیا۔

مگر یونانیوں کو اتنا وقت نہ ملا کہ وہ اپنے دشمنوں کی موت پر خوشی منا سکیں۔ کیونکہ ترکوں کا خنجر اپنی سابقہ تیزی کے ساتھ ہی عموراث (مراد) اوّل نے سنبھال لیا۔ یہ ارغون کا بیٹا اور سلیمان کا بھائی تھا۔ اُس دور میں یونانیوں کی حالت جس قدر کمزور تھی۔ اُس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ترکوں نے بلا مزاحمت رومانیہ یا تھریس پر قبضہ کر لیا ہوگا۔ دردانیال سے کوہِ حمص تک اور دارالحکومت کے قرب و جوار میں اور ہیڈریانوپل کے مقامات کا انتخاب کر لیا گیا کہ ان سے مرکز کا کام لیا جائے اور یورپ میں یہیں سے تبلیغِ اسلام کا آغاز کیا جائے۔ قسطنطنیہ کا زوال تو اس کی تعمیر ہی میں پوشیدہ تھا، اسی لیے گزشتہ ہزار سال میں متعدد بار دشمنوں کی زد میں آ چکا تھا۔ مگر اس تباہ کن دور میں یونانی، یورپ اور ایشیا دونوں براعظموں میں گھیرے میں آ چکے تھے۔ ان کے پُرانے دشمن بادشاہ شمشیر بکف تھے۔ اس کے باوجود عموراث نے از راہِ دانش مندی یا فیاضی اس آسان ترین فتح کو کچھ عرصے کے لیے مؤخر کر دیا۔ اُس کے افتخار کو محض اس وجہ سے ہی اطمینان ہو جاتا کہ جان پلائیولوگوس اُس کے دربار میں کبھی کبھی حاضر ہو جاتا تھا۔ عثمانی بادشاہ خواہ اپنے دربار میں اُسے طلب کرتا، یا باہر کسی پڑاؤ میں بلا لیتا وہ فوراً پہنچ جاتا۔ اُس نے سکلوانی قوموں کے خلاف پیش قدمی کی، جو ڈینیوب اور ایڈریاٹک کے درمیان مقیم تھیں۔ بلغاری، سربیائی، بوسنیائی اور البانیائی اقوام بھی سکلوانیوں کے ساتھ شامل تھیں۔ یہ جنگجو قبائل اکثر سلطنت کی حدود میں دخل اندازی کرتے رہتے اور تکلیف کا باعث بنتے اور سلطنت کے وقار کی توہین کا باعث بنتے۔ ان کی تباہ کن مداخلت کو متعدد بار روکا گیا تھا۔ ان ممالک میں نہ تو سونا پیدا ہوتا

تھا، نہ چاندی، نہ ان کے گھروں میں اشیائے خوردنی کے ذخائر ہوتے اور نہ کوئی سامانِ آرائش موجود ہوتا۔ مگر ہر دور میں ان باشندوں کی جسمانی قوت کی برتری کو تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔ مگر یہ اقوام عثمانیوں سے اتحاد قائم رکھتیں اور بوقتِ ضرورت پورے خلوص سے اُن کی مدد کرتیں۔ عموراث کے وزیر نے شہنشاہ کو یاد دلایا کہ از روئے قانونِ اسلام اُسے ان کے مالِ غنیمت اور قیدیوں کا پانچواں حصہ وصول کرنے کا اختیار ہے اور ایسی صورت میں کہ ذہین عمال کا گیلی پولی میں تقرر کر دیا جائے تو وہ ان کے اعمال پر کڑی نظر رکھ سکتے ہیں اور ان سے یہ وصولی بھی کر سکتے ہیں۔ اس غرض کے لیے موزوں عیسائی تنومند اور خوبصورت نوجوانوں کو بھرتی کرنا چاہیے۔ اس نصیحت پر عمل کیا گیا اور فرمان جاری کر دیا گیا۔ کئی ہزار یورپی نوجوانوں کو مذہبی اور حربی تعلیم دی گئی اور ایک نئی بے قاعدہ فوج (ملیشیا) ترتیب دی گئی اور متعلقہ عہد کے ایک بہت بڑے درویش نے ان کی قطار کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی عبا کا ایک بازو سب سے آگے کھڑے ہوئے ایک فوجی کے سر پر رکھا۔ اور ان الفاظ سے اپنے فیض اور برکت سے مستفید کیا: ''انھیں ینی چری (نئی فوج) کے نام سے موسوم کیا جائے۔ ان کی قسمت ہمیشہ نیک ہو! ان کے ہاتھوں سے فتح انجام پذیر ہو اور ان کی تلواریں کاٹتی رہیں اور ان کے نیزے ہمیشہ ان کے دشمنوں کے سروں پر لٹکتے رہیں! جہاں کہیں بھی یہ جائیں ہمیشہ سرخرو ہو کر واپس آئیں!'' اس طرح اس فوج کی ابتدا ہوئی اور یہ دُنیا کے لیے ہولناک فوج تھی۔ کبھی کبھی خود سلاطین کو بھی ان کی طرف سے تلخ تجربہ ہوتا۔ اب تو ان کی بہادری ختم ہو گئی ہے اور ان کا نظم و ضبط بھی مفقود ہے اور یہ اس قابل بھی نہیں کہ جدید دور کے اسلحہ کو چلا سکیں۔ یہ جدید فنونِ حرب سے بھی ناآشنا ہیں۔ لیکن جس دور میں ان کی ابتدا ہوئی، انھیں میدانِ جنگ میں فیصلہ کن برتری حاصل تھی۔ اُس عہد میں کسی بھی عیسائی ملک نے کبھی اس نوعیت کی باتنخواہ افواج کا تجربہ نہیں کیا۔ یہ لوگ اپنے ہم وطن بُت پرستوں کے خلاف بھی جذبۂ جہاد سے لڑتے۔ کسوا کے علاقے میں جو جنگ لڑی گئی، اُس میں سکلوانی آزاد قبائل کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا۔ کیونکہ فاتحین نے میدانِ جنگ کو روند ڈالا۔ یہ دیکھا گیا کہ مقتولین میں بیشتر تعداد ایسے نوجوانوں کی تھی، جن کی ابھی داڑھی بھی نہیں نکلی تھی۔ وزیر نے اب یہ مشورہ دیا کہ عمر کے ساتھ انھیں تجربہ ہو جاتا کہ ناقابلِ شکست دشمن کو چھیڑنا مناسب نہیں مگر ینی چری کی اصطلاح ہی ایسی تھی کہ یہ انھیں قعرِ یاس سے محفوظ رکھتی۔ سرویا کے سپاہی مردوں کے انبوہ کثیر سے اُٹھے اور عموراث کے پیٹ میں خنجر گھونپ دیا۔ عثمان کا پوتا نرم خو تھا۔ وہ لباس بھی درمیانہ ہی پہنتا تھا۔ علم کا شائق تھا اور نیکی پر کاربند رہتا تھا۔ مگر عام مسلمانوں کو عوامی عبادت گاہوں میں اس کے خلاف

بجز کا یا جاتا۔ مگر منفی مستقل مزاجی سے ان کی اصلاح کرتے۔ مسلمان فقہا نے اس کی شہادت قبول کرنے سے انکار کردیا۔ آزادی اور غلامی کا اس نوعیت کا اجتماع مشرقی تاریخ میں عنقا ہے۔

عموراث کے بیٹے اور جانشین بایزید کا نام اُس کے لقب یلدرم (رعد) کے نام سے نمایاں ہے۔ اس سے مراد اس کی روح کی توانائی اور اس کی پیش قدمی میں تیزی تھی۔ جو ہمیشہ تباہی کا پیش خیمہ ہوتی۔ اس کے چودھویں سال حکومت میں اس نے بورسا سے ہیڈریانوپل کی طرف پیش قدمی کی۔ ڈینیوب سے لے کر فرات تک کا علاقہ اس کی زد میں تھا، اس نے اپنی تمام سلطنت میں اپنا قانون رائج کرنے کے لیے سخت محنت کی۔ اس نے ایشیا اور یورپ کے جن ممالک پر حملہ کیا اُن میں عیسائی اور مسلمان بھی شامل تھے۔ انگورہ سے لے کر امامیہ اور ارض رووَم/ارض روم تک اور شمالی علاقوں میں اناطولیہ تک کے تمام ممالک شامل تھے۔ یہ سب ممالک فتح کر کے اس نے اپنے باجگزار بنا لیے۔ اس نے اپنے برادر امیروں کے خاندانی حقوق بھی غصب کر لیے۔ غرمیان کارامانیہ اور عائدین اور سارو خان کے علاقے فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لیے، اور آئی کونیم کی فتح کے بعد آلِ سلجوق کی اس قدیم حکومت کو بھی سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا۔ بایزید نے جو فتوحات یورپ میں حاصل کیں وہ بھی کم اہم یا سست رو نہ تھیں، جونہی اُس نے سرویا اور بلغاریہ کے باشندوں پر باجگزاری کی شرائط عائد کیں۔ اس کے فوراً بعد اُس نے دریائے ڈینیوب کو عبور کیا اور مولداویہ کے قلب میں پہنچ گیا۔ تا کہ وہ نئے دشمنوں کو تلاش کر کے اپنی رعایا میں شامل کر لے۔ تھریس، مقدونیہ اور تھیسالی میں یونانی سلطنت کے جو حصے بچ گئے تھے اُنھوں نے بھی اس کی برتری کو تسلیم کر لیا۔ اور ایک ترک کو اپنا آقا تسلیم کر لیا۔ ایک غدار بشپ نے اس کی رہنمائی کی اور تھرموپائل کے درے کے راستے اسے یونان کے اندر لے گیا اور ہم اپنی طرف سے یہ رائے دیں گے، اس معاملے میں اہم مسئلہ یہ ہے کہ ایک ہسپانوی بیوہ نے جس کے پاس ڈیلفی کے معجزانہ مقام کا قبضہ تھا اُس نے اپنی بیٹی کی قربانی دے کر اپنی نجات حاصل کر لی۔ ترکوں کے ایشیا اور یورپ کے مابین ذرائع رسل و رسائل اُس وقت تک خطرناک اور مشکوک تھے جب تک کہ گیلی پولی میں اُنھوں نے اپنا ایک بحری بیڑہ متعین نہ کر لیا۔ اس سے انھیں یہ فائدہ پہنچا کہ دردانیال پر ان کا مکمل قبضہ ہو گیا اور قسطنطنیہ کو اگر کوئی رومی مدد پہنچتی تو اُس پر بھی ان کی نگاہ ہوتی اور یہ اُس کے راستے میں رکاوٹ پیدا کر سکتے۔ جب بادشاہ نے اپنی جذباتی رو میں بے انصافی اور ظلم کا راستہ اختیار کیا تو اس نے اپنی افواج پر میانہ روی اور امتناعات کے تحت قوانین نافذ کر دیے اور اس کا پھل اسے اپنے پڑاؤ ہی میں کاٹنا پڑا۔ جب انتظامیہ بے راہ رو ہو گئی اور بدنظمی پیدا

ہو گئی اور بے انصافی حد سے بڑھ گئی تو اس نے اپنے ممالک محروسہ کے ججوں اور وکلا کو ایک مکان میں جمع کیا۔ اُنھیں توقع تھی کہ چند لمحات کے اندر آگ جلا دی جائے گی اور وہ راکھ ہو جائیں گے۔ اس کے وزرا خاموش اور لرزہ براندام تھے۔ مگر ایک حبشی وزیر نے اُنھیں اس صعوبت کی اصل حقیقت سے آگاہ کیا اور دوسرے لمحے یہ اعلان کر دیا گیا کہ قاضیوں کی تنخواہ میں خاطر خواہ کمی کی جا رہی ہے۔ اب یہ وقت آ گیا تھا کہ عثمانی بادشاہوں کے لیے امیر کا خطاب اُن کی شان سے کم سمجھا جانے لگا تھا اور ترکی کے بادشاہ نے مصر کے خلیفہ سے سلطان کا خطاب حاصل کر لیا۔ خلفائے مصر پر ابھی تک مملوکوں کی گرفت مضبوطی سے قائم تھی۔ اب اس کی نظر میں خلفائے عباس اور عرب خاندانوں کے حکمرانوں کی اہمیت ختم ہو گئی تھی۔ اب ترکی کے سلطان کی نظر خلیفہ کے خطاب پر تھی۔ انھیں ایام میں اس نے ہنگری پر حملہ کر دیا۔ یہیں سے ترکوں کی فتوحات اور شکستوں کے ڈرامے کا آغاز ہو گیا۔ اُس دور میں ہنگری کے بادشاہ کا نام سجسمونڈ تھا۔ اس کا تعلق شاہی خاندان سے تھا اور اس کی متعدد بادشاہوں سے رشتہ داریاں بھی تھیں۔ وہ یورپ اور کلیسا کا محافظ بنا ہوا تھا اور فرانس اور جرمنی کے بادشاہ اُس کی صلیب اور جھنڈے تلے لڑنے اور پیش قدمی کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ نائکوپولس کے مقام پر جنگ ہوئی۔ بایزید نے ایک لاکھ متحدہ عیسائی فوج کو شکست دے دی۔ وہ بڑے اعتماد سے فخر کر رہے تھے کہ اگر آسمان گر گیا تو وہ اُسے اپنے نیزوں کی نوک سے سنبھال لیں گے۔ ان کی بڑی تعداد ماری گئی اور باقی ماندہ پکڑ کر ڈینیوب کی طرف لے جائے گئے اور سجسمونڈ قسطنطنیہ کی طرف فرار ہو گیا۔ پھر دریائی راستے سے بحیرۂ اسود کی طرف چلا گیا اور پھر ایک لمبا چکر کاٹ کر اپنی تباہ شدہ مملکت میں واپس آ گیا۔ بایزید کا اپنی فتح کی وجہ سے حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ اُس نے دھمکی دی کہ وہ بوڈا کا محاصرہ کرے گا اور وہ روم پہنچ کر سینٹ پیٹر کی قربان گاہ پر جو کے گٹھے سے اپنے گھوڑے کو چارا کھلائے گا۔ مگر اُس کے سلسلۂ فتوحات کے سامنے رکاوٹ کھڑی کر دی گئی۔ اس میں نہ تو کسی معجزے کا دخل تھا، نہ اس میں صلیبوں کی جنگی قوت کا کوئی دخل تھا، مگر اسے جوڑوں کے درد کا عارضہ ہو گیا تھا جس کا دورہ کسی حد تک طویل ہو گیا۔ بعض اخلاقی کمزوریوں کی عالم فطرت بھی اصلاح کر دیتا ہے اور بعض اوقات کسی فردِ واحد کی کوئی تکلیف کئی اقوام کے مصائب کا مداوا کر سکتی ہے۔

جنگِ ہنگری کا بنیادی معاملہ بس اسی قدر ہے۔ مگر فرانس کی شکست میں بعض ایسے اسباق ضرور موجود ہیں کہ جن سے بایزید کے کردار پر روشنی پڑتی ہے۔ برگنڈی کا ڈیوک فلانڈرز کا بادشاہ تھا، اور چارلس ششم کا چچا تھا۔ وہ بھی اپنے بیٹے جان جو نیورز کا کاؤنٹ تھا، کی رائے سے متفق ہو گیا اور اس نڈر نوجوان نے

چار مزید بادشاہ بھی اپنے ساتھ ملا لیے جو اس کے اور شاہِ فرانس کے عم زاد تھے۔ سائرڈی کوسی نے ان کی سربراہی اپنے ذمے لے لی۔ یہ شخص اُس دور کا سب سے بڑا عیسائی جنگجو تھا اور عمر میں بھی اپنے ساتھیوں میں سب سے بڑا تھا۔ مگر فرانس کے اس سپہ سالار اور امیر البحر کے پاس فوج کی مجموعی تعداد ایک ہزار مبارزین اور اُمرا، سے زائد نہ تھی۔ یہ نام ایسے تھے کہ قوت اور نظم وضبط کی علامت سمجھے جاتے تھے۔ ان کے نام سے ان کے دشمن اور اتحادی بھی متاثر ہوتے اور سمجھا جاتا تھا کہ ان کی موجودگی کی وجہ سے بایزید یا تو بھاگ جائے گا یا شکست سے دوچار ہوگا۔ اُنھوں نے حساب لگانا شروع کر دیا کہ وہ کتنی جلدی قسطنطنیہ پہنچ جائیں گے اور اُس کے بعد مرقدِ مسیح کو خالی کرالیں گے اور وہ وقت کب آئے گا جب اُن کے رضا کار اُنھیں بتائیں گے کہ وہ قسطنطنیہ کے قریب پہنچ گئے ہیں اُن کے نزدیک ترک تو بے سمجھ اور خوش وخرم طبیعت کے ناتجربہ کار نوجوان تھے۔ اُدھر یہ نوجوان رضا کار خود بھی کھانے کی میز پر تھے اور خوب شراب پی رہے تھے بلکہ نشے میں چور تھے مگر جب اُنھوں نے معرکہ آرائی کا نعرہ سنا تو تالیاں بجا کر اُٹھ کھڑے ہوئے، اسلحہ زیب تن کیا اور گھوڑوں پر سوار ہوگئے اور تیزی سے ہراول دستے کی طرف روانہ ہوگئے اور بچسمونڈ کی راہ میں بھی حائل ہوگئے کیونکہ اُس کی وجہ سے ان کا حصول فتح کا اعزاز ضائع ہوسکتا تھا۔ اگر فرانسیسی اہل ہنگری کے تجربے سے فائدہ اُٹھاتے تو نائتوپولس کی جنگ میں اُنھیں شکست نہ ہوتی اور اگر اہلِ ہنگری میں فرانسیسی جرأت اور بہادری موجود ہوتی تو وہ ایک شاندار فتح حاصل کرتے۔ اُنھوں نے اولین صفوں کو منتشر کر دیا۔ جن میں زیادہ تر ایشیائی لشکری شامل تھے۔ ایک پشتے پر بھی قبضہ کرلیا، جو رکاوٹ کی غرض سے تعمیر کیا گیا تھا۔ بالخصوص رسالے کے خلاف دفاع کا کام دیتا تھا اور ینی چری افواج کے خلاف ایک سخت معرکہ لڑا، مگر بالآخر کثیر تعداد فوج کے قبضے میں آ گئی جو جنگلات سے باہر نکل آئی تھی۔ اور چاروں طرف سے ان پر چھا گئی۔ بایزید اتنی تیزی سے حرکت کرتا اور میدانِ جنگ میں اپنے ردعمل کا اظہار کرتا کہ اُس کے دشمن بھی اس کی اس خوبی کا اعتراف کرتے۔ مگر وہ اس پر الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ اپنی فتح کے لیے ظلم کو روا رکھتا۔ نیورز کا کاؤنٹ اور چوبیس لارڈ اُس کے ہاتھ لگ گئے۔ اس کے لاطینی ترجمان نے اُن کے نسلی وقار اور امارت کی تصدیق کر دی، انھیں اُس نے باقی فرانسیسی قیدیوں سے علیحدہ کر دیا۔ باقی ماندہ فرانسیسی قیدیوں کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُنھوں نے اپنا مذہب بدلنے سے انکار کر دیا۔ اس کی موجودگی میں یکے بعد دیگرے اُن کے سر قلم کر دیے گئے۔ سلطان کو اپنے ینی چری نوجوان لشکریوں کے نقصان پر بہت صدمہ ہوا۔ اور اگر یہ درست تسلیم کرلیا جائے کہ جنگ کے دن کے اختتام پر فرانسیسیوں نے

اپنے تمام قیدیوں کو قتل کر دیا تھا تو اُنھیں اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بغاوت کے اسباب کو بھی سمجھ لینا ہوگا۔ ایک مبارز جس کی جان بخشی کر دی گئی تھی اُسے اجازت دے دی گئی کہ وہ پیرس واپس جاسکتا ہے تاکہ وہ وہاں پہنچ کر اہلِ پیرس کو درست حالات سے آگاہ کرے، اور باقی ماندہ قیدیوں کے تاوان کا انتظام کرے۔ اس دوران نیورز کا کاؤنٹ، فرانس کے بادشاہ اور دیگر شرفا کے ہمراہ پکڑ کر ترکی کے پڑاؤ میں کھینچ لائے گئے اور یورپ اور ایشیا کے مسلمانوں کے سامنے انھیں ایک قیمتی انعام کے طور پر پیش کیا گیا اور بورسا میں بھی اس کی تشہیر کی گئی، بایزید اپنے دارالحکومت میں کبھی کبھی قیام کرتا تھا۔ سلطان پر ہر روز یہ دباؤ بڑھتا جاتا کہ وہ مسلمان شہدا کے خون کا بدلہ خون سے لے۔ مگر اُس نے اعلان کر دیا تھا کہ انھیں زندہ رہنا ہوگا یا تو رحم کی وجہ سے تھا یا وہ یہ سمجھتا تھا کہ اگر اس دُنیا کو تباہ کر دیا جائے تو اسے دوبارہ بحال کرنا ممکن نہ ہوگا۔ جب قاصد واپس آیا تو اُسے اُن کی قیمت کا یقین ہوگیا۔ اور اُن کی اہمیت کا بھی پتا چل گیا۔ شاہان فرانس اور قبرص کی طرف سے تحائف بھی موصول ہوئے۔ لوسکنان نے اُسے ایک نمکدان پیش کیا، جس پر بڑا خوبصورت کام کیا گیا تھا اور جس کی قیمت دس ہزار اشرفی کے برابر تھی۔ چارلس ششم نے ہنگری کے راستے ناروے کا ایک قیمتی عقاب ارسال کیا اور عمدہ قسم کا قرمزی کپڑا ارسال کیا جو چھ گھوڑوں پر لدا ہوا تھا۔ اس میں مشجر اور کمخواب کے تھان تھے۔ اور اسکندرِ اعظم کی جنگوں کی یاد تازہ کی گئی تھی۔ بایزید نے دانستہ تاخیر سے، جس کی وجہ فاصلے کی بجائے اُس کی حیلہ بازی تھی، اس پر اتفاق کیا کہ وہ نیورز کے کاؤنٹ اور زندہ شہزادوں اور اُمرا کے لیے دو لاکھ اشرفی بطور تاوان قبول کرلے گا اور مارشل بیوتی قالٹ جو ایک مشہور جنگجو تھا، خوش قسمت ثابت ہوا۔ مگر امیر البحر جس کا تعلق فرانس سے تھا، وہ میدانِ جنگ ہی میں قتل کر دیا گیا تھا اور سپہ سالار سائرڈی کوسی کا بورسا کے قید خانے میں انتقال ہوگیا تھا۔ یہ بھاری مطالبات جن میں مساوی حادثاتی اخراجات بھی شامل تھے، زیادہ تر برگنڈی کے نواب کو ادا کرنے پڑے، بلکہ فلیمی رعایا ہی کو برداشت کرنے پڑے۔ وہ ازروئے قانون بھی اس کے پابند تھے کہ وہ اپنے آقا کے بڑے بیٹے کی آزادی کے لیے تمام اخراجات برداشت کریں۔ جنیوا کے بعض تاجروں نے بھی اپنے قرضے دیانتداری سے ادا کر دیے۔ اس طرح ان جنگ آزما تجار کو بھی آئندہ پانچ سال کا تحفظ حاصل ہوگیا۔ سیاستِ عالم میں تجارتی مفادات معاشرتی فوائد کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ صلح نامے میں یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ فرانسیسی قیدی یہ حلف اُٹھالیں گے کہ اس کے بعد وہ اپنے فاتحین کے خلاف کبھی ہتھیار نہیں اُٹھائیں گے۔ مگر بایزید نے خود ہی یہ شرط حذف کر دی۔ برگنڈی کے وارثِ سلطنت نے کہا کہ "میں اس سے نفرت کرتا ہو، مجھے تمھارے.

اسلحہ اور تمھاری قسموں سے بھی نفرت ہے تم نوجوان ہو، اور ممکن ہے کہ جب کبھی تم میں دوبارہ جرأت پیدا ہو تو اس تذلیل کا بدلہ لینے کا بھی تمھیں خیال آ جائے تم پورے اعتماد سے تیاری اور اسلحہ بندی کرو، اور یقین رکھو کہ بایزید ایک بار پھر میدان جنگ میں ملاقات کے لیے تیار ہوگا۔" اُن کے جانے سے قبل بورسا کے دربار نے اُن کی دعوت کی اور الوداع کہا۔ فرانس کے بادشاہ نے عثمانیوں کی شان وشوکت کی تعریف کی۔ شکار کے جشن میں سات ہزار عقاب اور اسی تعداد میں شکاریوں نے شرکت کی۔ وہ وہاں موجود بھی رہے اور اُن کے احکام پر عمل بھی کیا گیا۔ ایک مہتمم توشہ خانے کا پیٹ اس جرم میں کاٹ دیا گیا کہ اُس نے ایک بیوہ عورت کی بکری کا زبردستی دودھ پی لیا تھا۔ انصاف کے اس عمل پر مہمان حیران رہ گئے۔ مگر یہ ایک ایسے سلطان کا عمل تھا جو جرم اور شواہد کے توازن کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔

ایک ظالم سربراہ سے اپنی آزادی کے بعد جان پلائیولوگوس چھتیس سال خوف اور یاس میں مبتلا رہا۔ جیسا کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاموشی اور بے اعتنائی سے غریب رعایا کی بے اعتنائی کا تماشا دیکھتا رہا۔ محبت بلکہ حرص ہی اس کا جذباتی شوق تھا۔ وہ اپنی بیویوں اور ترکی کنیزوں سے بغل گیر ہوتا رہتا۔ اس کے غلام اینڈرونی کوس کی تذلیل کو فراموش کر چکے تھے۔ اس کے بیٹے نے ہیڈریانوپل کے ساؤزے (Sauzes) سے ناجائز غیر فطری دوستی پیدا کر لی تھی جو شہنشاہ عموراث کا غیر شادی شدہ بیٹا تھا۔

عموراث کے بیٹے نے دو نوجوانوں سے مل کر یہ سازش تیار کی کہ وہ اپنے والدین کے اختیارات بلکہ زندگی کے خلاف کارروائی کریں۔ عموراث کی یورپ میں موجودگی کی وجہ سے جلد ہی ان کے کم اندیش مشوروں کا بھرم کھل گیا۔ ساؤزے کی آنکھیں نکال دی گئیں۔ اور عثمان نے اپنے باجگزاروں کو تنبیہ کی کہ وہ اُن کو بھی اُس کا ساتھی قرار دے گا اور دشمن سمجھے گا اور خود اپنے بیٹے کو بھی اسی نوعیت کے سزا دی۔ پلائیولوگوس کانپ گیا اور بادشاہ کے احکام کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہو گیا اور مجرم کے بیٹے جان کے ساتھ بھی یہی ظالمانہ سلوک کیا گیا۔ مگر سزا نرمی سے دی گئی یا جراحی کا اس قدر تجربہ نہ ہوگا کہ اُس کی ایک آنکھ تو بالکل سلامت رہی، مگر دوسری میں کسی قدر بھینگا پن پیدا ہو گیا۔ مگر دو شہزادوں کو انیما کے مینار میں قید کر دیا گیا۔ مگر مینوائل کو معصومیت کا یہ انعام ملا کہ اُسے ولی عہد مقرر کر دیا گیا۔ مگر دو سال کے اختتام پر ہنگامہ برپا ہوا اور دونوں بازنطینی بادشاہ اُسی مینار میں دفن کر دیے گئے اور وہاں سے دو مقید شہزادے نکال کر تخت پر بٹھا دیے گئے۔ اس طرح پلائیولوگوس کو دو سال مزید مل گئے کہ وہ اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکے۔ یہ ایک راہب کی جادوگری یا کرشمہ تھا کہ جسے لوگ بھی

فرشتہ کہتے اور کبھی شیطان کے نام سے موسوم کرتے وہ مدد کے لیے فرار ہوئے اور ان کے پیروکاروں نے ان کے لیے ہتھیار اٹھا لیے۔ دو بازنطینی جماعتوں نے ایک دوسرے کے خلاف وہی عناد شروع کر دیا جو قیصر اور پومپی کے مابین کرۂ ارض کو تقسیم کرنے کے لیے پیدا ہوا تھا۔ ان حالات میں رومی دنیا تو ایک کونے میں سمٹ کر رہ گئی جو تھریس میں پروپونطس اور بحیرۂ اسود کے درمیان تھا۔ اس کا طول پچاس میل اور عرض صرف تیس میل تھا۔ یہ رقبہ اس قدر تھا کہ جرمنی یا اٹلی میں ایک ضلع کے برابر ہو سکتا تھا۔ صرف قسطنطنیہ کا شہر باقی رہ گیا تھا جس کی دولت اور آبادی کا ذکر کیا جا سکتا تھا۔ امنِ عامہ بحال رکھنے کے لیے یہ ضروری سمجھا گیا کہ سلطنت کو مختلف حصوں میں بانٹ دیا جائے جبکہ پلائیولوگوس اور مینوائل کے پاس صرف دارالحکومت پر قبضہ باقی رہ گیا تھا۔ اب صرف دیواریں باقی رہ گئی تھیں، جو اندھے شہزادوں کی ملکیت میں دے دی گئیں، انھوں نے رہوڈوسٹو اور سلیمبریا میں رہائش اختیار کر لی۔ اس کے باوجود انھیں حاکمیت کے نشے کا سرور باقی تھا۔ پلائیولوگوس کے جذبات میں گرمی موجود تھی۔ استدلال اور قوت میں کمی آ گئی تھی۔ مگر اس کی پسندیدہ جانشین طربیی زونڈ کی ملکہ کا وجود باقی نہ رہا تھا۔ جبکہ کمزور بادشاہ اپنے ازدواجی تعلقات کو قائم رکھنے میں لگا رہتا۔ اس میں تقریباً سو یونانی اس کے ساتھ موجود تھے۔ اسے دربار عثمانی سے جلد حاضر ہونے کے لیے طلب کر لیا گیا۔ انھوں نے بایزید کی جنگوں کے دوران بھرپور مدد کی۔ مگر جب انھوں نے قسطنطنیہ کی قلعہ بندیوں کا منصوبہ بنایا تو اس سے اس کے دل میں حسد پیدا ہوا۔ اس نے انھیں ہلاک کر دینے کی دھمکی دی۔ تمام جدید تعمیرات فوری طور پر گرا دی گئیں۔ اور اگر ہم پلائیولوگوس کی موت کو اسی بے عزتی کا باعث قرار دے دیں تو پھر ہم بھی اُسی کے مساوی درجے کے مذہبی رہنما کی حیثیت میں تعریف کریں گے۔

مینوائل تیزی سے اور چھپ کر بورسا کے محل سے نکلا اور بازنطینی دربار میں حاضر ہو گیا۔ بایزید نے اس معاملے کو اعتنا کے قابل نہ سمجھا۔ حالانکہ اُس کا ایک قیمتی معاہدہ ٹوٹ گیا تھا۔ جبکہ وہ اپنی یورپی اور ایشیائی فتوحات کے عمل میں مشغول تھا، تو اُس نے بازنطینی بادشاہ کو اُس کے حال پر چھوڑ دیا کہ وہ اپنے اندھے عمزاد کے ہمراہ مناسب جدوجہد میں مشغول رہے۔ آٹھ سال تک خانہ جنگی جاری رہی اور سلیمبریا کا جان اپنے وراثتی حقوق کی فوقیت کے دعاوی پیش کرتا رہا۔ بالآخر حبِ اقتدار کے داعی سلطان نے قسطنطنیہ کی فتح کا ارادہ کر لیا۔ مگر اُس نے اپنے وزیر کا مشورہ بھی سن لیا۔ اُس نے اُسے سمجھایا کہ اس عمل کا یہ نتیجہ بھی نکل سکتا ہے کہ تمام عیسائی ممالک متحد ہو جائیں اور ایک نئی صلیبی جنگ شروع ہو جائے۔ جس کا مقابلہ مشکل ہو۔ اس نے شہنشاہ کو

جومکتوب ارسال کیا اُس کے الفاظ یہ تھے: ''اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم کے ساتھ، جس کی مہربانی سے ہماری تلوار نے تمام ایشیا اور یورپ کے بڑے بڑے ممالک کو فتح کرلیا ہے۔ صرف قسطنطنیہ کا شہر ہمارے ہاتھ سے بچا رہا ہے لیکن اس کی دیواروں کے باہر تمھارے پاس کچھ بھی باقی نہیں بچا۔ تم اس شہر پر حکومت کرتے رہو یہی تمھارا انعام ہے۔ اگر تم نے جلد بازی سے ہمارے احکام کی تعمیل سے انکار کیا تو پھر تمھیں اپنی ذات اور اپنی رعایا کے لیے لرزہ خیز انجام کے لیے تیار رہنا چاہیے۔'' مگر اس نے اپنے سفیروں کو ہدایت کردی کہ وہ اپنا لہجہ نرم رکھیں اور کسی ایسے معاہدے کی تجویز پیش کریں جس میں اطاعت اور شکر گزاری کا مفہوم موجود ہو۔ ایک معاہدہ دس سال کے لیے طے کرلیا گیا جس کے بدلے میں ہر سال تیس ہزار طلائی کراؤن دینے کا وعدہ کرلیا گیا۔ یونانیوں کو اس امر کا صدمہ تھا کہ اسلام کی تبلیغ کی کھلے عام اجازت دے دی گئی تھی اور بایزید نے ایک مسلمان قاضی کا تقرر بھی کردیا اور ایک مسجد بھی تعمیر کردی۔ یہ مسجد ایسے شہر میں تعمیر ہوئی جسے مشرقی کلیسا کی سلطنت کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ مگر سلطان کی بے چین طبیعت نے اس عہد نامے کو بھی منسوخ کردیا۔ سلیمبریا کے بادشاہ کے حق میں مزید ایک عثمانی فوج روانہ کردی گئی جس کے باعث قسطنطنیہ کے لیے خطرہ پیدا ہوا۔ مینوائل جب مایوس ہوا تو اُس نے شاہِ فرانس سے مدد کی درخواست کردی۔ اس کا جو سفیر یہ شکایت لے کر فرانس کے شاہی دربار میں پہنچا اُس کے ساتھ بہت ہمدردی کی گئی اور کسی قدر مدد بھی فراہم کردی گئی۔ کمک کی ترسیل مارشل بیوتی قالت کے ذمے کی گئی۔ اُس کے مذہبی جذبات کی برانگیختی میں ایک انتقام بھی مخفی تھا کہ وہ اپنی سابقہ گرفتاری اور قید کا بھی بدلہ لینا چاہتا تھا۔ وہ آئی جیوس مورٹی سے چار جنگی جہاز لے کر دردانیال کی طرف روانہ ہوا۔ اس کی حفاظت کے لیے ترکوں کے سترہ جہازوں کا بیڑہ مقرر تھا۔ اُس نے قسطنطنیہ میں چھ سو مسلح لشکری اور سولہ سو تیر انداز اُتار دیے اور انھیں ملحقہ میدانوں میں جمع کردیا۔ اُس نے یونانی افواج کی جم غفیر کا کوئی شمار نہ کیا۔ مگر اُس کی موجودگی کی وجہ سے بحری اور بری دونوں راستوں پر رکاوٹ پیدا ہوگئی۔ اور بایزید کے برق رفتار دستوں کو کسی قدر فاصلے پر ہی رکنا پڑا۔ یورپ اور ایشیا میں واقع متعدد قلعوں میں یونانی بادشاہ اور لشکری جمع ہوگئے۔ اور مارشل کے لشکری بھی موجود تھے وہ ایک دوسرے کی طرف سے اپنی پوری قوت سے لڑنے لگے۔ مگر دوسری طرف، عثمانی بھی اپنی فوج میں اضافہ کرکے موقع پر پہنچ گئے۔ اور بیوتی قالت نے ایک سال کی جدوجہد کے بعد اس ملک کو خالی کردینے کا فیصلہ کرلیا۔ کیونکہ یہاں سے نہ تو فوجیوں کی تنخواہ نکل سکتی تھی اور نہ اشیائے صرف مل سکتی تھیں۔ مارشل نے مینوائل سے وعدہ کیا کہ وہ اسے فرانسیسی دربار میں پہنچا دے گا۔ ممکن ہے کہ اس

کی ذاتی درخواست پر وہاں سے اُسے افرادی اور مالی مدد مل سکے۔ اور اُسے مشورہ دیا کہ اس دوران وہ اپنے تمام داخلی اختلافات کو فراموش کردے اور اپنے اندھے حریف کو تخت نشین رہنے دے۔ سلیمبریا کے بادشاہ نے ان تجاویز کو قبول کرلیا اور دارالحکومت میں انھیں متعارف کرادیا کہ اُن لوگوں کو جو نقل مکانی کرکے چلے گئے تھے، اُنھیں بادشاہ سے بھی زیادہ خوش نصیب سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بجائے کہ وہ اپنے باجگزاروں کی خدمات کی داد دیتا، ترک سلطان نے شہر کی ملکیت کا دعویٰ کردیا۔ جب شہنشاہ جان نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ تو قسطنطنیہ پر مزید دباؤ ڈالا گیا۔ قحط اس پر مستزاد تھا۔ ایسے دشمن کے سامنے التجا یا مزاحمت کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ درندے تو اپنے شکار کو چیر پھاڑ کر کھا جاتے ہیں۔ حکومت کی کیفیت ایسی تھی کہ اگر اسے ایک اجنبی نہ ختم کردیتا تو یہ خود بھی اپنا وجود قائم رکھنے کی اہل نہ تھی۔ تیمور یا تمرلنگ بھی اسے فتح کرنے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ قسطنطنیہ کی شکست تقریباً پچاس سال کی تاخیر سے ہوئی۔ اس اہم اگرچہ حادثاتی فتح کا صرف یہی نتیجہ نکلا کہ بہت جلد اسے مغلوں کے کردار اور اسلوب حیات کا تجربہ ہوگیا، کیونکہ اُن کی فتوحات کا سلسلہ ابھی تک جاری تھا۔

☆☆☆

(۶۵)

تیمور(Timour)یا تمرلنگ(Tamerlane) کا عروج، تختِ سمرقند تک — فارس، جارجیا، تاتارستان، روس، ہند، شام اور اناطولیہ تک اس کی فتوحات — اس کی ترکی سے جنگ — بایزید(Bajazet) کی شکست اور گرفتاری — تیمور کی وفات — بایزید کے بیٹوں کی خانہ جنگی — محمد اوّل نے ترکی سلطنت کو بحال کردیا — مراد (عموراث) دوم کا قسطنطنیہ کا محاصرہ — ترکی استحقاق۔

تیمور یا تمر لنگ کا عروج، تخت سمرقند تک — فارس، جارجیا، تاتارستان، روس، ہند، شام اور اناطولیہ تک اس کی فتوحات — اس کی ترکی سے جنگ — بایزید کی شکست اور گرفتاری — تیمور کی وفات — بایزید کے بیٹوں کی خانہ جنگی — محمد اوّل نے ترکی سلطنت کو بحال کر دیا — مراد (عموراث) دوم کا قسطنطنیہ کا محاصرہ — ترکی استحقاق۔

تیمور کی تمناؤں کا اولین مقصد دنیا کی حکومت پر قبضہ کرنا تھا۔ اس کی دوسری خواہش یہ تھی کہ اس کا نام تاریخ عالم میں ابد تک زندہ رہے۔ اس کے دور کے تمام نجی، انتظامی اور فوجی معاملات کو اس کے وقائع نویس ساتھ ساتھ تحریر کرتے رہتے تھے، اس طرح جو مستند مواد جمع ہوا، اس پر ایسے افراد نے نظر ثانی کی جو ہر معاملے کو اچھی طرح جانتے اور سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ اس نے اپنی توزک خود بھی لکھی جس میں اس نے اپنی زندگی اور اپنی حکومت کے تمام اداروں پر تبصرہ کیا۔ مگر اس قدر احتیاط بھی اس کی شہرت کے دوام کے لیے کافی ثابت نہ ہوئی۔ اور یہ تمام دستاویزات دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں یا کم از کم اہل یورپ کے ہاتھ میں نہیں آئیں۔ ان اقوام نے جنھیں اس نے فتح کیا، انھوں نے تو اس کے خلاف جھوٹے سچے الزامات لگا کر اس کی شہرت کو خراب کرنے کی کوشش کی اور جہالت کی وجہ سے ان الزامات کو دہرایا جاتا رہا۔ جن میں اس کی ولادت اور کردار کے متعلق غلط افواہیں پھیلائی جاتی رہیں۔ اس کے کردار اور شخصیت کے علاوہ اس کے نام کو بھی بگاڑ کر یعنی ''تمر لنگ'' کہہ کر پیش کیا گیا۔ مگر اسے دہقان یا دیہاتی کاشتکار کہنے سے اس کا وقار مجروح نہیں ہوتا، بلکہ اس کے وقار میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی محنت سے نہ صرف سمرقند کے تخت تک پہنچ گیا بلکہ ایشیا کا سب سے بڑا حکمران بھی بن گیا۔ اسے لنگڑا ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے مگر یہ ایک فطری عمل تھا اور ممکن ہے کہ میدان جنگ میں کسی حادثے کا نتیجہ ہو اور یہ اس کے لیے باعثِ اعزاز ہو۔

مغلوں کی نظروں میں تو یہ واضح ہے کہ تیمور چنگیز سلسلۂ شاہان کا جانشین تھا۔ بلاشبہ یہ رعایا کا ایک ایسا باشندہ تھا، جس نے بغاوت کی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کا تعلق ایک شریف اور معزز قبیلے سے تھا۔ جسے برلاس کہا جاتا ہے۔ اس کے آباؤ اجداد میں پانچویں پشت پر کراشر نیویان (Carashar Nevian) کا نام آتا

ہے۔ جوزگا تائی کا ایک وزیر تھا اور ماوراء النہر کے علاقے کا حکمران تھا، چند نسلیں مزید اوپر تیمور کا تعلق ایسے خاندانوں سے ثابت ہوتا ہے جنھیں شاہی خاندان کے افراد کہا جا سکتا ہے۔ کم از کم زنانہ رشتوں سے تو اس کا تعلق شاہی خاندان سے یقینی ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ایسے مقام پر پیدا ہوا جو سمرقند سے چالیس میل جنوب میں واقع تھا۔ یہ ایک زرخیز علاقہ تھا اور یہ قصبہ کش (Cash) کے نام سے مشہور تھا۔ یہ لوگ اس علاقے کے سردار تھے، ان کے پاس دس ہزار گھوڑے تھے، جس کے باعث انھیں ''تمن'' یا ''تمن دار'' کہا جاتا تھا۔ اس کی ولادت ایسے دور میں ہوئی جس میں بے شمار ایشیائی خاندان زوال کا شکار ہو گئے تھے۔ زگا تائی کے خان ختم ہو چکے تھے اور اپنی اپنی آزادی کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ ان کے خاندانی اختلافات کو صرف کاشغر کے خان ہی ختم کر سکتے تھے۔ انھوں نے قلموق یا جیت (Getes) کی فوج لے کر ماوراء النہر کے علاقے پر حملہ کر دیا۔ تیمور کو بارہ سال کی عمر میں ہی میدان جنگ میں اترنا پڑا۔ اپنی عمر کے پچیسویں سال میں اس نے اپنے ملک کو آزاد کرا لیا۔ اپنی قوم کی نظروں میں یہ ہیرو بن چکا تھا اور قوم اسے احترام کی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ یہ بھی قوم کی مرادیں حاصل کرنے کے لیے تکالیف برداشت کرتا رہا۔ یہ ان کے لیے نجات حاصل کرتا اور قوم اس پر اپنا زر و مال نثار کر دیتی۔ مگر جب خطرے کی گھڑی آ جاتی تو وہ ڈر کر خاموش ہو جاتے۔ ایسے حالات میں یہ سمرقند کی پہاڑیوں پر سات دن انتظار کرتا رہا پھر خاموشی سے ساٹھ سواروں کو ہمراہ لے کر صحرا میں چلا گیا۔ ایک ہزار جیتوں نے ان مفروروں پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی، مگر اس نے کمال ہوشیاری سے انھیں ذبح کر کے رکھ دیا۔ اس کے دشمن بھی حیرت زدہ ہو کر کہنے لگے ''تیمور عجیب و غریب انسان ہے۔ اسے قسمت اور خدا کی مدد حاصل ہے''۔ مگر اس خون آشام معرکے میں اس کے اپنے ساتھیوں کی تعداد کم ہو کر صرف دس رہ گئی۔ ان میں سے بھی تین خوارزمی بھاگ گئے۔ وہ اپنی بیوی اور سات ساتھیوں کو لے کر جنگل میں گھومتا رہا۔ ان میں سے چار گھڑ سوار تھے اسے باسٹھ ایام ایک قابل نفرت جھونپڑے میں رہنا پڑا۔ وہاں سے اس نے اپنے حوصلے کی بلندی کی وجہ سے رہائی حاصل کی۔ اور اس کا ایذا رساں ہاتھ ملتا رہ گیا۔ اس کے بعد اس نے دریائے جیحوں یا دریائے آمو تیر کر پار کیا۔ کچھ مدت تک یہ آوارہ گرد یا مفرور کی زندگی گزارتا رہا۔ اس دوران اس نے یہ اندازہ کر لیا کہ اس کے ذاتی دوست کون ہیں۔ اور ایسے لوگ کون ہیں جو صرف اپنے مفاد کی وجہ سے اس کے ساتھ منسلک ہو جاتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر اسے اپنی ذات پر اعتماد پیدا ہو گیا۔ اور یہ اپنے آبائی وطن میں واپس آ گیا۔ جہاں پر متعدد ہم خیال گروہ اس کے ساتھ شامل ہوتے گئے، یہ لوگ بڑی بے تابی سے صحرا میں اسے

تلاش کرتے رہے تھے۔ ایسی حالت میں اس کا ایک ایسا معرکہ بھی ہوا جس میں خوش قسمتی نے اس کا ساتھ دیا۔ میں ایسے واقعے کے بیان کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اس سے اس کی سادگی کا بھی پتا چلتا ہے۔ اس نے تین سرداروں سے کہا کہ وہ ان کی رہنمائی کا فرض انجام دے سکتا ہے، ان کے ہمراہ ستر سواروں کا ایک دستہ تھا۔ تیمور کہتا ہے کہ ان کی نظر مجھ پر پڑ گئی اور وہ بہت خوش ہوئے۔ وہ اپنے گھوڑوں سے اتر آئے، وہ آگے بڑھے اور گھٹنوں کے بل جھک گئے۔ اس کے بعد انھوں نے میری رکاب کا بوسہ لیا۔ میں بھی اپنے گھوڑے سے اتر آیا۔ اور ان میں سے ہر ایک ساتھ بغل گیر ہوا، اور میں نے پگڑی اتار کر پہلے سردار کے سر پر رکھ دی۔ اور کمر بند قیمتی پتھروں سے جڑا ہوا تھا۔ اور سونے کے کام سے مرصع تھا۔ میں نے اتار کر اسے دوسرے کی کمر میں باندھ دیا، اور تیسرے کو میں نے اپنا کوٹ پہنا دیا۔ اس پر وہ رونے لگے۔ میں بھی اس کے ساتھ رو پڑا۔ یہاں تک کہ نماز کا وقت ہو گیا، اور ہم نے نماز ادا کی ہم گھوڑوں پر سوار ہوئے اور میری رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ میں نے اپنے آدمیوں کو جمع کیا اور دعوت کا انتظام کیا۔ اس کے قابل اعتبار ساتھی ملحقہ قبائل سے وہاں جمع ہو گئے۔ وہ انھیں لے کر اپنے ایک برتر دشمن کے مقابلے کے لیے روانہ ہو گیا۔ اور کچھ تھوڑے سے مقابلے کے بعد جیتوں کو ماوراء النہر کے علاقے سے باہر نکال دیا گیا۔ اس نے اپنی شان و شوکت کے حصول کے لیے بہت محنت کی۔ مگر ابھی بہت سا کام باقی تھا، بہت فنکاری کی ضرورت تھی، اور کسی حد تک خون ریزی کی بھی ضرورت تھی۔ اس کے بعد ہی اس کے ہم پلہ لوگ اسے اپنا آقا تسلیم کرنے پر رضامند ہوئے۔ امیر حسین ایک اعلیٰ خاندان کا لائق فرد تھا، مگر وہ برا اور تکلیف دہ ساتھی ثابت ہوا۔ اس کی ہمشیرہ اسے اپنی تمام بیویوں میں سے سب سے زیادہ مرغوب تھی۔ یہ اتحاد بہت کم عرصہ جاری رہا کیونکہ اس میں حسد کا عنصر پیدا ہو گیا تھا۔ مگر تیمور کی حکمت عملی کی وجہ سے ان میں جذبۂ رقابت پیدا ہو گیا اور لڑائی جھگڑا بڑھنے لگا۔ کسی معمولی سے مقابلے میں حسین ہار گیا تو اس کے دوست نے اسے قتل کر دیا۔ اس نے اپنے آخری وقت تک یہ کوشش کی کہ اس کے ساتھی اپنے آقا کا حکم ماننے سے انکار کر دیں۔ جب اس کی عمر چونتیس سال ہو گئی، تو اجلاس عام میں اسے سپاہ سالار منتخب کر لیا گیا۔ مگر وہ چنگیزیوں کے خاندان کا احترام کرتا رہا۔ اگرچہ امیر تیمور زگا تائی اور مشرقی علاقوں پر حکومت کرتا رہا۔ اس کے ملازمین کی فوج میں ایک برائے نام خان بھی شامل تھا۔ جسے نجی ملازمین کے افسر کی حیثیت حاصل تھی۔ اگر رعایا کے کسی فرد کو ایک ایسا علاقہ حکومت کے لیے مل جائے جس کا طول پانچ سو میل ہو اور عرض بھی اتنا ہی ہو تو وہ یقیناً مطمئن ہو جائے گا۔ مگر تیمور کی تمنا تھی کہ وہ تمام دنیا پر حکومت کرے، اور اس کی موت سے قبل

اسے زگا تائی کا تاج بھی حاصل ہوگیا۔ یہ ان ستائیس کلاہوں میں سے ایک تھا، جو اس نے حاصل کیے تھے۔ اور اپنے سر پر سجائے تھے۔ اس نے تینتیس فتوحات حاصل کیں، مگر کبھی نہیں بتایا کہ اس کی اگلی منزل کیا ہوگی اور وہ کس راہ پر گامزن ہوگا۔ اس نے ایشیائی براعظم کے ممالک پر تکرار سے حملے کیے۔ میں اختصار سے اس کی فتوحات کا بیان کروں گا۔ (۱) فارس (۲) تاتاریہ اور (۳) ہندوستان۔ اس کے بعد میں اس کی عثمانیوں سے جنگ کے حالات بیان کروں گا۔

۱۔ ہر جنگ میں مقاصد کے تعین کے لیے مقصد متعین ہوتے ہیں اس میں تحفظ، گستاخی کا بدلہ یا انتقام، جوش، حق تلفی کی تلافی اور سہولت کے عناصر ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ فاتحین اپنے قانون کی تشریح بھی خود ہی کرتے ہیں۔ جونہی تیمور نے زگا تائی کے جانشینوں سے اتحاد قائم کرلیا، جو خوارزم اور قندھار کے ماتحت حکمران تھے، تو اس نے فوراً ہی اپنی نگاہیں ایران یا فارس کی طرف موڑ لیں۔ دریائے آمو سے لے کر دریائے دجلہ تک ایک بڑا علاقہ ابوسعید کی موت کے بعد خالی پڑا ہوا تھا، اس کا حکمران کوئی نہ تھا۔ ابوسعید ہلاکو خان کی نسل کا آخری شخص تھا، اس خطے میں گزشتہ چالیس سال سے امن وامان اور نظم وضبط کی کوئی صورت باقی نہ تھی۔ مغل حکمران مظلوموں کی آواز کو توجہ سے سنتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے ظالم باہم اتحاد کر کے اسلحہ اٹھالیتے اور جائز حکمرانوں کی مخالفت کرتے۔ لیکن جب وہ علیحدہ علیحدہ مقابلے پر آئے تو یکے بعد دیگرے شکست کھا گئے۔ ان کے انجام میں صرف اس قدر فرق ہوتا کہ کہیں وہ فوراً شکست قبول کر لیتے اور کہیں وہ کسی قدر مزاحمت کا مظاہرہ کرتے۔ ابراہیم جو شیروان یا البانیہ کا بادشاہ تھا، اس نے آکر شاہی تخت کے پائے کا بوسہ لیا۔ اس نے امن کے لیے جو تحائف پیش کیے ان میں ریشم، گھوڑے اور جواہرات شامل تھے۔ تاتاریوں کے رواج کے مطابق ان میں شامل ہر شے کی تعداد نو تھی، مگر بعض نقاد یہ کہتے ہیں کہ وہ صرف آٹھ غلام لے کر آیا تھا۔ ابراہیم نے کہا کہ میں ذاتی طور پر نواں غلام ہوں۔ اس نے پہلے ہی سے یہ جواب سوچ رکھا تھا۔ تیمور نے اس کی خوشامد کا جواب صرف مسکراہٹ سے دیا۔ شاہ منصور جو فارس کا حکمران تھا۔ وہ بہت طاقتور تھا اور تیمور کے دشمنوں میں سب سے زیادہ خطرناک تھا۔ اس کے ساتھ شیراز کی فصیلوں کے سائے میں جنگ ہوئی۔ اس نے تین چار ہزار سپاہیوں کی مدد سے حملہ کر دیا۔ جن معرکوں میں بادشاہ خود حصہ لیتا، اس میں تیس ہزار سوار موجود ہوتے۔ تیمور کے جھنڈے کے قریب چودہ پندرہ ہزار محافظین موجود رہتے۔ وہ چٹان کی طرح مضبوط کھڑا رہتا۔ اس کی خود پر تلوار کے دو شدید وار ہوئے۔ مغل جمع ہو گئے اور منصور کا سر کاٹ کر اس کے پاؤں میں

پھینک دیا۔ اس کی بہادر قوم کے تمام مرد قتل کر دیے گئے۔ شیراز سے روانہ ہو کر تیمور خلیج فارس پہنچا۔ اس غریب علاقے نے چھ لاکھ طلائی دینار بطور تاوان ادا کر دیے۔ بغداد میں امن کی حالت بہت خراب تھی۔ یہ اسی زمانے میں خلفا کا دارالخلافت تھا۔ مگر ہلاکو کے جانشینوں نے بھی کبھی شرافت سے کام نہیں لیا۔ دجلہ اور فرات کی گزرگاہوں کا تمام علاقہ منبع سے دہانے تک مطیع کرلیا گیا۔ یہ ایڈیسا میں داخل ہوا اور اس نے ان ترکمانوں کو سزا دی جنھوں نے مکہ کے ایک کاروان کو لوٹ لیا تھا۔ اس نے اسلام کی خدمت کے لیے تین جنگیں لڑیں اور غازی کا لقب حاصل کیا۔ اور تفلیس کا بادشاہ اس کے ہاتھ پر ایمان لایا اور اس کا دوست بن گیا۔

۲۔ اسے غالباً کسی زیادتی کا بدلہ لینا تھا یا اس کے جذبات کو برانگیختہ کیا گیا۔ جس کی وجہ سے اس نے ترکستان یا مشرقی تاتاریہ پر حملہ کیا۔ اس نے سیہوں کے دریا کو پار کیا اور کاشغر کی حکومت پر قبضہ کرلیا۔ تیمور کے وقار نے یہ برداشت نہ کیا کہ جیتوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اس نے سیہوں کو عبور کیا اور کاشغر کی حکومت کو شکست دے دی، اور سات دفعہ پیش قدمی کر کے اس ملک کے قلب تک پہنچ گیا۔ اس نے جو دور ترین مقام پر پڑاؤ قائم کیا وہ سمرقند سے دو ماہ کی مسافت پر تھا۔ اس کا طول چار سو اسی لیگ تھا۔ (ایک لیگ = تقریباً تین میل۔ مترجم) یہ مقام سمرقند سے شمال مشرق کی جانب تھا۔ اس کے امیر جو ارٹیش (Irtist) کے دریا بھی عبور کر گئے۔ انھوں نے سائبیریا کے جنگلات میں اپنے یادگار نشانات چھوڑے۔ کپ زک یا مغربی تاتاریہ کو بھی فتح کر لیا۔ اس مہم میں اس کے پیش نظر دو مقاصد تھے۔ ایک تو مظلوموں کو مدد فراہم کرنا اور دوسرے ظالموں کو قرار واقعی سزا دینا تھا۔ طوقتامش ایک بھگوڑا بادشاہ تھا، اس نے اسے اپنے دربار میں پناہ دی اور اس کی دعوت کی۔ اوروس خان کے سفیروں کو درشتی سے اپنے دربار سے باہر نکال دیا۔ اور اسی روز زگا تائی کی افواج کو ان کے عقب میں روانہ کر دیا گیا۔ جن کی کامیابی کی وجہ سے طوقتامش کی قوت کو مغلوں کی شمالی سلطنت میں بحال کر دیا۔ مگر صرف دس سال کی حکومت کے بعد ایک نیا خان اپنے کرم فرما کی عنایات اور قوت کو فراموش کر گیا۔ اس نے چنگیز خاندان کے مقدس حقوق پر بری نظر ڈالی۔ نوے ہزار گھڑ سوار لے کر وہ دربند کے راستے فارس میں داخل ہوگیا۔ علاوہ ازیں اس کے ہمراہ کپ زک، بلغاریہ، قرقاشیہ اور روس کی لاتعداد افواج بھی تھیں۔ اور اسے مجبور کیا کہ اس موسم سرما میں وہ صرف اپنی جان بچانے کے لیے سمرقند کے اندر ہی محدود رہے۔ معمولی مقابلے اور شاندار فتح حاصل کرنے کے بعد شہنشاہ نے انتقامی کارروائی کا بدلہ لیا۔ اور بحیرۂ خزر اور وولگا کے مشرق ومغرب کی طرف سے پوری قوت کے ساتھ کپ زک پر حملہ کیا۔ اس کی

افواج کے میمنہ اور میسرہ میں تیرہ میل کا فاصلہ تھا۔ پانچ ماہ کی پیش قدمی کے دوران انھیں کہیں بھی انسانی قدموں کے نشانات نہیں ملے، بالآخر دونوں افواج ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہوئیں۔ مگر علم بردار نے غداری کی اور عین ایسے موقع پر کہ جنگ میں شدت پیدا ہوگئی تھی، اس نے جھنڈے کا رخ الٹی طرف پھیر دیا۔ اور طوقتامش (بین ادارہ جات کی زبان استعمال کر رہا ہوں)۔ جس سے طوشی قبائل نے یہ اندازہ کر لیا کہ انھیں شکست ہوگئی ہے وہ لتھوانیا کے عیسائی ڈیوک کے پاس فرار ہو کر پہنچا۔ پھر دریائے وولگا کے کنارے پر واپس آیا، اور مقامی حریفوں کے مابین پندرہ لڑائیوں کے بعد، بالآخر سائبیریا کے ویرانوں میں گم ہو کر مر گیا۔ تیمور دشمن کا تعاقب کرتے ہوئے روس کے ممالک محروسہ میں پہنچ گیا۔ حکمران خاندان کے ایک ڈیوک کو قیدی بنالیا۔ حالانکہ وہ اپنے دارالحکومت کے کھنڈرات ہی میں موجود تھا۔ یلطز (Yeletz) کو مشرقی اقوام کے جذبۂ افتخار اور ناواقفیت سے پہلی دفعہ ہی سابقہ پڑا ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ بآسانی اس نے اپنا اصل دارالحکومت بھی تعمیر کرالیا ہو۔ مگر تاتاری جب آگے بڑھے تو ماسکو کی آبادی کانپ اٹھی۔ مگر مزاحمت بھی کمزور ہی ہوئی ہوگی۔ کیونکہ روسیوں کو اعتماد تھا کہ کنواری مادران کی مدد کے لیے پہنچ جائے گی۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ مدد پہنچ جائے گی تو دشمن خود بخود واپس ہو جائے گا۔ اس کے عزم و حوصلے اور جذبۂ افتخار و دور اندیشی نے اسے دوبارہ جنوب کی سمت بلالیا۔ یہ ویران علاقہ تباہ ہو چکا تھا۔ اور مغل سپاہیوں کے سامنے سمور اور استاخ کے قیمتی کپڑوں کے ڈھیر لگ گئے۔ سونے چاندی کے ذخائر ان پر مستزاد تھے۔ یہ دریائے ڈون یا طنائس پر مقیم تھا کہ اسے ایک وفد ملنے کے لیے آیا جس میں مصر، وینس، جینیوا، قاطالونیہ اور بسکے کے تاجر شامل تھے، تانا یا آزوف شہر کی تمام تجارت ان کے ہاتھ میں تھی۔ یہ مقام دریا کے دہانے پر واقع تھا۔ انھوں نے تحائف پیش کیے اور اس کی شان و شوکت کی تعریف کی اور اس کے شاہانہ الفاظ پر اعتماد کا اظہار کیا، مگر امیر کا یہ دورہ محض امن کے مشاہدہ کے لیے وقف تھا۔ وہ ذخائر اور بندرگاہوں کی کیفیت بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کے فوراً بعد تاتاریوں کے تباہ کن حملے کا آغاز ہوگیا۔ شہر کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ مسلمانوں کو لوٹ کر باہر نکال دیا گیا۔ مگر وہ عیسائی جو جہازوں کے ذریعے فرار نہ ہو سکے، انھیں یا تو سزائے موت دی گئی یا غلام بنالیا گیا۔ اس کے جذبۂ انتقام نے اسے مجبور کیا کہ سیرائی اور استراخان کے شہروں کو تباہ کر دیا جائے۔ اس نے جب تہذیب کے آثار دیکھے تو اسے یہ نیا تجربہ ہوا کہ وہ ایک ایسے شہر میں آ گیا ہے جہاں ہر وقت روشنی رہتی ہے۔ اس کے لیے یہ ایک عجیب نظارہ تھا قاضیوں نے فتویٰ دے دیا کہ مغرب کی نماز ختم کر دی جائے۔

۳۔ جب اس نے اپنے امرا، اور مشیروں سے پہلی بار اس کا اظہار کیا کہ وہ ہندوستان پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو جواب میں اسے اختلافات آمیز شکایات کا سامنا کرنا پڑا۔ "دریا اور پہاڑ، صحرا اور افواج جو زرہ بکتر سے لیس ہوتے ہیں اور ہاتھی جو انسانوں کو تباہ کر سکتا ہے"۔ مگر ان تمام خوفناک عوامل کے مقابلے میں شہنشاہ کا خوف بہت زیادہ خطرناک تھا۔ اس نے کہا کہ یہ مہم بظاہر بہت بڑی ہے مگر اس میں کامیابی بہت آسان ہے۔ اسے اس کے جاسوسوں نے اطلاع دی تھی کہ اس وقت ہندوستان میں لاقانونیت اور ابتری کا دور دورہ ہے جس کی وجہ سے یہ ملک بہت کمزور ہو چکا ہے۔ ہر صوبے کا سربراہ بغاوت میں مبتلا ہے۔ سلطان محمود جیسے بادشاہ کو دہلی میں اپنے حرم کے تقدس کو سنبھالنے میں دقت پیش آ چکی تھی۔ مغل افواج تین نے لشکروں میں منقسم ہو کر پیش قدمی کی۔ تیمور نے بڑی مسرت سے اس کا اظہار کیا ہے کہ اس کے پاس ہزار ہزار گھوڑوں کے بانوے دستے ہیں۔ جو جناب رسالت مآب کے بانوے اسماء سے مشابہت رکھتے ہیں جیحوں سے لے کر دریائے سندھ کے درمیان انھیں ایک سلسلۂ کوہ کو عبور کرنا پڑا۔ جسے عرب جغرافیہ دان چٹانی حلقے کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ پہاڑی یا شاہراہوں کے قزاق یا تو قتل کر دیے گئے یا انھیں غلام بنالیا گیا مگر گھوڑے اور لشکری ایک بڑی تعداد میں برف میں فنا ہو گئے۔ خود شہنشاہ کو بھی ایک وقت خطرہ درپیش ہو گیا تھا۔ ان کے پاس جو رسے تھے وہ ایک سو پچاس ہاتھ طویل تھے مگر ایک ایسا موقع آ گیا کہ انھیں مجبوراً پانچ دفعہ استعمال میں لانا پڑا۔ اس سے قبل کہ وہ ایک پہاڑی سے نیچے اتر سکتا۔ تیمور نے دریائے سندھ کو اٹک کے عام رستے سے عبور کیا، وہ ہر دفعہ وہی راستہ اختیار کرنے کی کوشش کرتا جو سکندر اعظم نے کیا تھا۔ اس دریا کو پنجاب بھی کہا جاتا تھا کیونکہ اس میں پانچ دریا گرتے ہیں۔ اٹک سے لے کر دہلی تک کی شاہراہ چھ سو میل سے زیادہ طویل نہیں۔ مگر دونوں فاتحین نے اس سے آگے الگ الگ راستے اختیار کیے۔ تیمور کا مقصد یہ تھا کہ اپنے پوتے سے ملے۔ جس نے اس وقت تک اس کے حکم کے مطابق ملتان فتح کر لیا تھا۔ مگر مقدونیا کا شہزادہ جب راوی سے پار اترا اور سامنے ایک صحرا دیکھا تو رو پڑا، مگر مغل صحرا کو پار کر گیا اور باتنیر (Batnir) کو فتح کر کے دہلی کے دروازے کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ جو اس وقت ایک انتہائی خوشحال شہر تھا۔ گزشتہ تین صدیوں سے یہ شہر مسلمان حکمرانوں کے زیر سایہ خوشحالی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ محاصرے بالخصوص قلعے کے محاصرے نے طویل وقت لیا ہوگا۔ مگر اسے جلد معلوم ہو گیا کہ شہر میں کمزوری کے آثار پائے جاتے ہیں۔ محمود اور اس کا وزیر دس ہزار افراد کے ہمراہ میدان میں اتر آئے تھے۔ اس کے ساتھ ایک ہزار ذاتی محافظ تھے، اور ایک سو بیس ہاتھی تھے۔

کہا جاتا ہے کہ ان کی سونڈوں کے ساتھ تیز اور زہر آلود خنجر باندھ دیے گئے تھے۔ یہ تو بلائیں معلوم ہوتی تھیں۔ ان کے خلاف اس کے فوجیوں کو کوئی خصوصی اہتمام کرنا ضروری ہو گیا۔ گڑھا کھودا گیا جس میں لوہے کی سلاخیں گاڑ دی گئیں۔ گول ڈھالوں کی شکل کے پشتے تعمیر کیے گئے۔ مگر ایسی صورت پیدا ہو گئی تھی کہ مغل اپنے خوف زدہ ہونے پر ہنسی اڑاتے تھے۔ اور ہاتھی بھی جلد ہی میدان جنگ سے غائب ہو گئے۔ تیمور ایک فاتح کی حیثیت سے ہندوستان کے دارالحکومت میں داخل ہوا۔ اور شاہی مسجد کی تعمیر کی بہت تعریف کی۔ مگر اس نے قتل عام اور لوٹ مار کا حکم دے کر اپنی فتح کے جشن کو خون آلود کر دیا۔ وہ اپنے سپاہیوں کو بت پرستوں کے خون سے پاکیزہ کرنا چاہتا تھا، یا وہ بت پرستوں/ جنتوؤں (Gentoos) کو قتل کرنا چاہتا تھا، جن کی آبادی مسلمانوں کے مقابلے میں دس گنا تھی۔ اسی تصور کو ذہن میں رکھتے ہوئے وہ دہلی سے شمال مشرق کے رخ روانہ ہوا اور سو میل کا فاصلہ طے کر کے دریائے گنگا کو عبور کیا۔ اور متعدد جنگیں لڑیں۔ جن میں دریائی اور بری دونوں شامل تھیں، اور کاؤپلی (Coupele) کی پہاڑی تک پہنچ گیا، جہاں پر گائے کا مجسمہ تھا۔ لوگوں میں مشہور تھا کہ اس کے جسم سے ایک بہت بڑا دریا نکلتا ہے، مگر اس کا منبع بہت دور تبت میں واقع ہے۔ واپسی کے لیے اس نے شمالی پہاڑیوں کے ساتھ ساتھ راستہ اختیار کیا۔ اس پر تقریباً ایک سال کا عرصہ گزر گیا۔ اس کے وزرا نے مشورہ دیا تھا کہ وہ تیز رفتاری اختیار نہ کرے۔ اس نے ہندوستان میں قیام کا ارادہ بھی نہیں کیا وہ سمجھتا تھا کہ اس ملک کی گرم آب و ہوا سے آئندہ نسلیں مقامی آبادی کی طرح ست اور کاہل ہو جائیں گی۔

وہ دریائے گنگا کے کنارے پر ہی تھا کہ اسے تیز رفتار قاصد کی طرف سے پیغام ملا کہ جارجیا اور اناطولیہ میں فساد برپا ہو گیا ہے۔ یہ بغاوت تو عیسائیوں نے کی ہے مگر اس کے پس پردہ سلطان بایزید کا ہاتھ ہے۔ اگرچہ اس کی عمر تریسٹھ برس ہو چکی تھی مگر اس کی ذہنی اور جسمانی توانائی میں ابھی تک کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اس نے بڑے معرکے مارے تھے مگر ابھی تک تھکان کے آثار نمودار نہیں ہوئے تھے، اس نے چند ماہ سمرقند کے محل میں آرام کیا۔ پھر اس نے ایک نئی مہم کے آغاز کا اعلان کر دیا۔ اب اس کا ہدف ایشیا کے مغربی ممالک تھے وہ فوجی جو حال ہی میں ہندوستان سے واپس آئے تھے انھیں اختیار دے دیا گیا کہ وہ چاہیں تو گھر میں آرام کریں اور اگر چاہیں تو افواج کے ہمراہ شامل ہو جائیں، مگر فارس سمیت تمام ممالک محروسہ کے لشکریوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اصفہان میں جمع ہو جائیں اور بادشاہ کی آمد کا انتظار کریں۔ اس کا پہلا ہدف جارجیا (گرجستان) کے عیسائی تھے۔ وہ صرف اپنی پتھریلی چٹانوں میں ہی بہادری سے کام لیتے تھے۔ مگر جوش و

جذبے سے یہ مشکل حل کر لی گئی۔ تیمور میں بلا کا حوصلہ اس معاملے میں بھی کام آیا۔ باغیوں نے خراج ادا کر دیا یا اسلام قبول کر لیا۔ دونوں مذاہب کے افراد نے اپنے اپنے شہدا کے کارناموں پر فخر کا اظہار کیا۔ یہ لقب عیسائی قیدیوں پر زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، جنھیں یہ اختیار دیا گیا تھا کہ غلامی یا موت میں سے ایک کا انتخاب کر لیں۔ جب تیمور پہاڑوں سے اترا تو اس نے بایزید کے سفیر کو باریابی کا حکم دیا، اور اسے ان تمام شکایات اور مخالفانہ سازشوں سے آگاہ کیا جو ان کی حکومت کی طرف سے عمل میں آئی تھیں۔ اور وہ معاملات بھی یاد دلائے جو حتمی معاہدے سے دو سال قبل وجود میں آئے تھے۔ دو ہمسایوں کے مابین جبکہ دونوں جاہ پسند ہوں، جنگ کے لیے کسی معقول جواز کے تلاش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مغلوں اور ترکوں کی فتوحات ایک دوسرے کی حدود تک پہنچ گئی تھیں۔ ان کی سرحدیں وقت اور بعض معاہدوں کے مطابق طے شدہ تھیں۔ ان دونوں جاہ پسند بادشاہوں میں سے ہر کوئی ایک دوسرے پر سرحدی خلاف ورزی کا الزام عائد کرتا ہوگا۔ یا یہ کہ اس کے باجگزاروں کے لیے خطرہ پیدا کیا گیا ہے۔ یا اس کے باغیوں کو پناہ دی گئی ہے، اور باغیوں سے دونوں کی مراد ایسے بادشاہوں سے ہوتی جو بھاگ کر دوسرے کے علاقے میں پناہ طلب کر لیتے تھے۔ اور اس طرح سزا سے بچنے کی کوشش کرتے۔ چونکہ دونوں کا کردار یکساں تھا، اس لیے مفادات کے اختلاف سے بھی زیادہ خطرناک صورتحال کا احتمال تھا۔ فتوحات کے معاملے میں تیمور کسی کو اپنے برابر نہ سمجھتا تھا اور بایزید بھی کسی کی برتری کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھا، تیمور نے جو پہلا مکتوب لکھا تھا، وہ بایزید سے تعلقات کی بہتری کے بجائے اسے مشتعل کرنے کا بہانہ ثابت ہوا۔ اس میں اس کی قوم اور خاندان کا حقارت آمیز پہلو سے ذکر کیا گیا تھا، اس میں یہ مذکور تھا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ایشیا کا بڑا حصہ ہمارے زیر شمشیر ہے اور ہمارا محکوم ہے؟ ہماری ناقابل تسخیر افواج ایک سمندر سے لے کر دوسرے تک پھیلی ہوئی ہیں اور کرۂ ارض کے خطوط ہمارے دروازے کے سامنے سے گزرتے ہیں؟ اور ہم نے قسمت کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ ہمارے مفادات کی نگہبانی کرے؟ تمھاری لاپروائی اور گستاخی کی بنیاد کیا ہے؟ تم نے اناطولیہ کے جنگلات میں چند لڑائیاں ضرور لڑی ہیں۔ ان سے تمھیں جو انعامات حاصل ہوئے ہیں وہ قابل نفرت ہیں! تم نے یورپی افواج پر چند فتوحات حاصل کی ہیں! تو اس پر تمھیں اور تمھاری شمشیر کو خدا کے نیک بندوں کی برکات حاصل تھیں اور یہ کہ تم قرآنی تصورات کی تابع فرمانی کرتے رہو، چونکہ تم خدا کی راہ میں لڑتے رہے ہو، اس کے لیے ہم تمھارے خلاف جنگ لڑنے سے گریز کرتے ہیں۔ کیونکہ اسلام کے خطے کی سرحدیں یکساں ہیں، وقت کے مطابق عقل مندی اختیار کرو! سوچو!

توبہ کرو! اور ہمارے انتقام کے قہر و غضب سے بچو! جو ابھی تک تمھارے سر پر تلوار کی طرح لٹک رہی ہے۔ تمھاری حیثیت بہت معمولی ہے۔ ایک چیونٹی سے زیادہ نہیں۔ تم ہاتھیوں کو اشتعال کیوں دلاتے ہو؟ ڈرو کہ ہاتھی تمھیں پاؤں کے نیچے روند ڈالیں گے!'' اس کے جواب میں بایزید نے بھی وہ تمام زہر اگل دیا ہوگا جس میں اس غیر معمولی بے عزتی کا بدلہ لیا گیا ہوگا۔ اس نے اسے صحرا کا کمینہ چور کہا، اور اپنی فتوحات پر فخر بھی کیا ہوگا، جو اس نے ایران، توران اور یونان میں حاصل کی تھیں۔ اور بڑی محنت سے تیمور کو بتایا ہوگا کہ تیمور نے جو فتوحات حاصل کیں ان میں اس کی ذاتی بے وفائی اور اس کے دشمنوں کی کوتاہیوں کا زیادہ عمل دخل ہے۔

''تمھارے پاس افواج بہت زیادہ ہیں، بے شک ہوں، مگر تاتاری تیر اندازوں کا شمشیر بردار اور کلہاڑا بردار جنگجوؤں سے کوئی مقابلہ نہیں۔ ہماری ینی چری افواج کا تمھارے پاس کوئی جواب نہیں۔ میں ان بادشاہوں کا تحفظ کرتا رہوں گا، جنھوں نے ہم سے پناہ کی درخواست کی ہے۔ ارزنجان اور ارض روؤم/روم کے شہر میری ملکیت ہیں۔ اور اگر وہ مقررہ خراج باقاعدگی سے ادا نہیں کریں گے تو میں بقایا جات طلب کرتا رہوں گا جو انھیں طاورلیس اور سلطانیہ کو دیواروں کے زیر سایہ ادا کرنے پڑیں گے۔ بالآخر اسے اس قدر طیش آیا کہ سلطان نے فریق ثانی کی وہ تذلیل کی جو اس عہد میں مروج تھی۔ اس نے کہا کہ اگر میں اپنی افواج اور اسلحہ چھوڑ کر فرار ہو جاؤں، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میری بیویوں پر تین طلاقیں وارد ہو جائیں گی۔ اگر تم میں اتنا حوصلہ نہیں کہ تم میرے مقابلے میں آسکو، اور ہم میدان جنگ میں زور آزمائی نہ کر سکیں، تو تمھیں تمھاری بیویاں اس کے بعد واپس کر دی جائیں گی جبکہ وہ تین بار غیر مردوں سے ہم بستری کر چکی ہوں گی''۔ کسی کے حرم کی تقدیس کی خلاف ورزی کسی زمانے میں بھی قابل معافی جرم نہیں سمجھا جاتا۔ اس میں عمل یا الفاظ دونوں کو ہی جرم سمجھا جاتا تھا۔ ترک اقوام میں تو حرم کو پردے میں رکھا جاتا تھا۔ اور دو اقوام کے بادشاہوں کے مابین یہ جھگڑا ذاتی نوعیت اختیار کر چکا تھا۔ اس کے باوجود تیمور اپنے پہلے حملے کے نتیجے میں، سیواس یا سی باسطے کے محاصرے پر ہی مطمئن ہو گیا۔ یہ شہر اناطولیہ کی سرحد پر واقع تھا۔ اسے بالکل تباہ کر دیا گیا۔ آرمینیا کی چار ہزار فوجیوں کو زندہ دفن کر دیا گیا یہ لوگ ادائیگی فرض کے مجرم تھے۔ بطور مسلمان اسے بایزید کی تقدیس کا خیال بھی تھا، کیونکہ وہ ابھی تک قسطنطنیہ کے محاصرے میں مصروف تھا۔ اتنا سبق سکھانے کے بعد تیمور نے اس علاقے سے اپنی توجہ ہٹالی اور شام اور مصر پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ان واقعات کے نتیجے میں ترک عثمانی بادشاہ کو محض قیصر روم کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ یہ لقب ایسے بادشاہوں کے لیے مخصوص تھا جو صرف چند صوبوں کے حکمران ہوتے۔

البتہ اس کی ایک زائد خصوصیت بھی تھی کہ وہ قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش میں بھی مشغول تھا۔

مملوکوں کی فوجی حکومت ابھی شام اور مصر پر قائم تھی۔ مگر ترک خاندان کو قرتاشیہ نے اقتدار سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اور برقوق نامی اپنے غلام کو تخت پر بحال کر رکھا تھا۔ جب بغاوتیں اور تنازعات زوروں پر تھے ، وہ ان تکالیف کو برداشت کرتا رہا۔ اور دشمنوں سے بھی خط و کتابت کرتا رہا۔ اس نے مغلوں کے سفیروں کو بھی قید کر لیا۔ وہ اس کے باپ کی موت کا انتظار کرتے رہے، تاکہ اس کے کمزور بیٹے فاراج سے اس کے باپ کے گناہوں کے بدلے لے لیں۔ شام کے امیر ایلیپو میں جمع ہوئے۔ تاکہ حملے کا انسداد کیا جائے۔ انھیں مملوکوں کی شہرت اور نظم و نسق پھر پورا اعتماد تھا۔ یہ شہر فصیلوں سے قلعہ بند کر لیے گئے تھے اور دمشق میں بڑے عمدہ لوہے کی تلواریں اور نیزے بنائے جاتے تھے۔ اس علاقے میں ساٹھ ہزار دیہات آباد تھے۔ اس کی بجائے کہ وہ محاصرے کا مقابلہ کرتے انھوں نے دروازے کھول دیے۔ اور اپنی افواج کو بلا تحفظ کھلے میدان میں چھوڑ دیا۔ مگر ان افواج میں اتحاد کی خوبی سے پیدا ہونے والی قوت مفقود تھی۔ امیروں میں بھی بعض ایسے افراد موجود تھے، جو دشمنوں سے مل چکے تھے اور اپنے ساتھیوں سے دغا کر رہے تھے۔ تیمور کا ہراول دستہ ہاتھیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ان کے ہودج میں تیر انداز اور یونانی آگ (نفت) لیے سپاہی بیٹھے تھے۔ اس کا رسالہ اتنی تیزی سے آگے بڑھا کہ دفاعی افواج میں بھگدڑ مچ گئی۔ اور شامی فوج ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ بڑی گلی کے دروازے پر کئی ہزار کچلے گئے یا قتل کر دیے گئے۔ مغل مفروروں کو ساتھ لے کر شہر میں داخل ہو گئے۔ بہت تھوڑی مزاحمت کے بعد یہ شہر غداری یا بزدلی کی وجہ سے حملہ آوروں کے حوالے کر دیا گیا۔ قیدیوں میں سے تیمور نے ماہرین قانون کو الگ کر لیا اور اپنے ساتھ ایک مخصوص مجلس میں شامل ہونے کی ایک خطرناک دعوت دی۔ مغل بادشاہ بھی ایک پکا مسلمان تھا، مگر فارس کے مدارس میں اس نے پڑھا تھا کہ وہ صرف حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ کی تقلید کرے۔ اس کے زیر اثر اسے شامیوں کے خلاف سخت نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ انھیں جناب رسالت مآب کی دختر کی اولاد کا دشمن سمجھتا تھا۔ ان علمائے کرام سے اس نے ایک پیچیدہ سوال کیا۔ جس کا جواب اسے بخارا، سمرقند اور ہرات کے علما دینے سے قاصر رہے تھے۔ وہ سوال یہ تھا کچھ میرے ساتھی اس جنگ میں مارے گئے ہیں اور کچھ میرے دشمنوں کے ہمراہ قتل ہوئے ہیں۔ یہ بتائیں کہ ان میں سے سچے شہید کون سے ہیں؟ مگر ایلیپو (الیق) کے ایک قاضی نے اسے ایسا جامع جواب دیا کہ وہ مطمئن ہو گیا۔ اس نے کہا کہ خود آنحضرت کی حدیث کے مطابق شہادت کا فیصلہ اس کے مقصد کے تحت ہوتا ہے۔ اور

دونوں فریقوں کے وہ مسلمان جو صرف اللہ تعالیٰ کی شان کی ترویج کے لیے جان دیں، صرف انھیں شہادت کا مقدس خطاب دیا جاسکتا ہے۔ جناب رسالت مآب کا حقیقی جانشین کون تھا۔ یہ ایک اور حل طلب مسئلہ تھا۔ ایک قاضی نے ذرا بے تکلفی سے اپنا مافی الضمیر بیان کیا۔ جس پر تیمور کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا کہ تم بھی دمشقیوں کی طرح ایک کاذب ہو (حضرت) معاویہؓ تو ایک غاصب تھے اور یزید ظالم تھا اور صرف حضرت علیؓ ہی رسول اکرمؐ کے قانونی وارث تھے، کسی نے اس معاملے کی ذرا عقل مندی سے وضاحت کی جس پر اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اور پھر اس نے اپنی گفتگو کا موضوع بدل لیا۔ ایک قاضی سے اس نے سوال کیا کہ تمھاری عمر کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ اس کی عمر پچاس سال ہے۔ تیمور نے کہا کہ میرے بڑے بیٹے کی عمر بھی یہی ہوگی۔ تیمور نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ تم مجھے یہاں دیکھ رہے ہو! میں ایک مفلس، لنگڑا، مجبور اور فانی انسان ہوں۔ لیکن اس کے باوجود خدا نے مجھے توفیق دی ہے اور میں نے ایران، توران اور ہندوستان کے ممالک کو فتح کیا ہے۔ اور میرا خدا جانتا ہے کہ اپنی تمام جنگوں کے دوران میں نے کبھی ظلم نہیں کیا۔ اور میرے دشمنوں نے ایسے حالات پیدا کیے جن کے باعث وہ مصیبت میں مبتلا ہوئے''۔ ایک طرف تو یہ خوشگوار گفتگو ہو رہی تھی اور دوسری طرف ایلیپو کی گلیوں میں خون کی ندیاں بہ رہی تھیں۔ اور مائیں اور بچے چیخ رہے تھے، جس کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ کنواری دوشیزاؤں کی چیخیں الگ سنائی دے رہے تھیں، اس کے سپاہیوں کو بہت زیادہ مال غنیمت حاصل ہوا، لیکن اسے چھوڑ دیا گیا۔ اس سے اس کے لشکریوں کی طمع میں اضافہ ہوا ہوگا، حکمران کے ظلم و ستم سے جو اسی کے حکم کے تحت روا رکھا گیا، اور اس قدر سر کاٹے گئے کہ مغلوں کی رسم کے مطابق ان کے ستون اور مینار بنائے گئے، مغلوں نے فتح کا جشن منایا اور دعوت کی، جو مسلمان قتل عام سے بچ گئے تھے، انھوں نے زنجیروں میں آنسو بہاتے ہوئے رات بسر کی۔ میں اس ظالم کے ایلیپو سے دمشق تک کے حالات بیان نہیں کروں گا۔ جہاں پر اس کا سخت مقابلہ کیا اور تقریباً اسے مغلوب کر لیا گیا، کیونکہ وہاں پر مصری افواج بھی موجود تھیں، بیان کیا جاتا ہے کہ اسے مایوس کن واپسی اختیار کرنی پڑی۔ اہل شام نے اس کی شکست پر مسرت کا اظہار کیا۔ اس کا ایک بھتیجا فرار ہو کر دشمنوں کے ساتھ مل گیا۔ شام کو اس وقت حقیقی مسرت حاصل ہوئی، جب مملوکوں کی بغاوت کی وجہ سے سلطان کو فرار ہونا پڑا، اور وہ شرمندہ ہو کر روتا ہوا اپنے قاہرہ کے محل کی طرف فرار ہو گیا۔ اس کے باوجود کہ ان کا بادشاہ فرار ہو گیا تھا، مگر دمشق کے شہریوں نے اپنا دفاع جاری رکھا، اور تیمور نے اعلان کر دیا کہ وہ شہر کا محاصرہ اٹھا لے گا، اسے صرف اس قدر تاوان دے دیا جائے کہ ہر شے نوکی

تعداد میں ہو۔ مگر جونہی یہ شہر کے اندر داخل ہوا، اسے معاہدۂ امن کے تحت شہر میں داخلے کی اجازت دی گئی تھی، مگر اس نے انتہائی مکاری سے اس معاہدے سے روگردانی اختیار کر لی۔ اور ایک کروڑ طلائی سکے بطور تاوان طلب کیے اپنے فوجیوں کو حکم دیا کہ وہ ان شامی افراد کی نسلوں کو تباہ کر دیں، جنھوں نے نواسۂ رسول کو شہید کیا تھا یا شہادت پر رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ وہ خاندان جس نے حضرت امام حسینؓ کے سر کو عزت سے دفن کیا تھا، اور ان معماروں کی آبادی کو، جنھوں نے اس کار خیر میں شرکت کی تھی، انھیں محنت مزدوری کے لیے سمرقند روانہ کیا تھا۔ پورے شہر میں یہی چند لوگ بچے تھے۔ باقی سب قتل عام کی نذر ہو گئے۔ اور سات صدیاں گزر جانے کے بعد دمشق کو جلا کر خاک کر دیا گیا کیونکہ تاتاریوں کے جذبات پر مذہب غالب آ گیا تھا اور وہ ایک عرب کے خون کا بدلہ لینے پر آمادہ ہو گئے تھے، چونکہ اس معرکے میں جانی نقصان بھی بہت ہو گیا تھا اور لشکری تھک بھی گئے تھے، اس لیے اس نے مصر اور فلسطین کی فتح کا خیال چھوڑ دیا اور واپسی اختیار کر لی۔ اسے حضرت علیؓ کے پیروکاروں کے دو سو خاندانوں کے افراد ملے انھیں انعام و اکرام دے کر اس نے اس سارے معرکے کی تلافی کر لی۔ کیونکہ یہ لوگ حضرت علیؓ کے فرزند کے مقبرے پر زیارت کے لیے جانا چاہتے تھے۔ میں نے اس مغل حکمران کی زندگی کے وہ حالات بیان کیے ہیں جو اس کے ذاتی کردار پر روشنی ڈالتے ہیں۔ لیکن میں یہ لکھنا چھوڑ گیا ہوں کہ اس نے بغداد میں نوے ہزار انسانی سروں کا ایک مینار کھڑا کیا تھا۔ اس کے بعد یہ دوبارہ جارجیا میں گیا اور دریائے اراکسس کے کنارے پر خیمے نصب کیے۔ اور یہاں پر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ عثمانی سلطنت پر حملہ کرے گا۔ یہ اس جنگ کی اہمیت کو بخوبی جانتا تھا، اس لیے اس نے اپنی سلطنت کے ہر صوبے سے فوج کو یہاں جمع کر لیا۔ اپنی فوجی فہرست میں اس نے آٹھ لاکھ افراد کا اندراج کیا، مگر گھڑ سوار رسالے کی تعداد پانچ لاکھ دس ہزار بتائی جاتی ہے جو مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہے۔ اتنی تنخواہ اور دیگر اخراجات کا برداشت کرنا اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ سپاہ کی حقیقی تعداد یقیناً مذکورہ تعداد سے کم ہوگی۔ شام کے معرکے میں مغلوں نے لوٹ مار کر کے بے شمار دولت جمع کر رکھی تھی۔ مگر ان کی تنخواہ کی ادائیگی ضروری تھی، جبکہ سات سال کے بقایاجات بھی تھے۔ یہ رقوم مسلکہ لشکریوں کو دی جاتی تھیں۔ عارضی اور غیر جانبدار افراد اس سے محروم رہتے۔

مغل افواج تقریباً دو سال تک دوسرے علاقوں میں مصروف رہی تھیں اس دوران بایزید نے اپنی افواج کو زیادہ سنجیدہ امور میں مصروف رکھا تھا۔ اس کی فوج چار لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔ جس میں رسالہ اور پیدل سپاہی دونوں شامل تھے۔ یہ سب اہلیت اور استحقاق میں مساوی حیثیت کے حامل نہ تھے۔ ان میں سب

سے زیادہ قابل ذکر ینی چری تھے جن کی تعداد چالیس ہزار کردی گئی تھی۔ علاوہ ازیں قومی رسالہ تھا جو دورِ جدید کے سپاہیوں سے مشابہ تھے۔ بیس ہزار چہار آئینہ دار تھے، جن کا تعلق یورپ سے تھا۔ یہ سیاہ لباس پہنتے تھے، ان کا اسلحہ ایسا تھا کہ اسے نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا تھا۔ اناطولیہ کے بہت سے فوجی ایسے تھے، جنھوں نے تیمور کے پاس پناہ لے رکھی تھی، اور تاتار کی ایک ایسی آبادی بھی تھی، جسے اس نے رکپ زک سے باہر نکال دیا تھا، بازنطینیوں نے انھیں ہیڈریانوپل کے میدانوں میں آباد کر دیا تھا۔ سلطان بہت نڈر فطرت کا حامل تھا، اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ حوصلے سے اپنے دشمن کا مقابلہ کرے گا۔ چونکہ وہ سیواس کی تباہی کا بدلہ لینا چاہتا تھا، اس لیے اس نے اسی مقام کے کھنڈرات کے قریب اپنے خیمے نصب کر لیے۔ دوسری طرف تیمور اراکس سے ہوتا ہوا آرمینیا اور اناطولیہ سے آگے بڑھا۔ اس کی جرأت میں عقل اور احتیاط کا بھی دخل تھا۔ اس کی رفتار ترتیب اور ضبط سے خالی نہ تھی۔ تیز رفتار دستوں نے دریا، پہاڑ اور جنگلات احتیاط سے پار کر لیے۔ ان دستوں نے راستے تیار کیے، اور جگہ جگہ جھنڈے گاڑ دیے۔ یہ اپنے اس ارادے پر قائم تھا کہ جنگ عثمانی سلطنت کے قلب میں ہونی چاہیے۔ وہ ان کے پڑاؤ سے ہٹ کر آگے نکل گیا اور اپنی فوج کو بائیں سمت سے لے کر آگے نکل گیا اور قیصریہ پر قبضہ کر لیا۔ صحرائے نمک عبور کیا، اس طرح دریائے ہالیز کو عبور کر کے انگورہ پہنچ گیا جبکہ سلطان ان حالات سے بے خبر اپنی چوکی میں پڑا رہا۔ وہ یہ سمجھتا رہا کہ تاتاری بھی جوں کی طرح آہستہ آہستہ رینگ رہے ہوں گے۔ وہ اس کی اطراف کی طرف مڑا اور انگورہ کے تحفظ پر آمادہ ہو گیا چونکہ دونوں جرنیل معرکہ آرائی کے لیے بے تاب تھے۔ دونوں نے اس شہر کے گرد و نواح میں ایک یادگار معرکہ آرائی کا منصوبہ بنا لیا۔ یہ ایک ایسا معرکہ تھا، جس میں تیمور کو فتح حاصل ہوئی اور بایزید کو ماسوائے شرمندگی کے کچھ بھی نہ ملا۔ اس فتح کے لیے تیمور صرف اپنا شکرگزار ہوا، حالات اس کے حق میں رہے اور اس نے اپنی افواج میں تیس سال متواتر نظم و ضبط پیدا کیے رکھا۔ اس نے اپنی قوم کے انداز کو قائم رکھا مگر جنگی چالوں کو تبدیل کر دیا۔ ان کی قوت کا انحصار ابھی تک پھینکے جانے والے اسلحہ پر تھا۔ ان کا رسالہ بڑی تیزی سے حرکت کرتا تھا، اور اس کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی ایک سپاہی سے لے کر پورے لشکر تک حملے کا جوش یکساں تھا۔ پہلی صف ذرا سا آگے بڑھتی اور اس کا پورا ہراول دستہ اس کی مدد کو پہنچ جاتا۔ میدان جنگ پر جرنیل کا نگاہیں جمی رہتیں، اور اس کے ذرا سے اشارے پر میمنہ اور میسرہ فوراً متحرک ہو جاتے اور ایک ترچھی صف کو ترتیب دے کر دشمن پر یکے بعد دیگر اٹھارہ یا بیس حملے کیے جاتے۔ اس سے دشمن پر دباؤ بڑھ جاتا اور ہر دفعہ فتح کا موقع فراہم ہو جاتا۔ اگر یہ تمام حملے بے فائدہ

اور ناکام رہتے، تو پھر بادشاہ کی باری آ جاتی وہ اپنی فوج کو اشارہ کرتا اور دشمن کے مرکز پر حملہ کر دیتا۔ مگر انگورہ کی جنگ میں ہراول میمنہ اور میسرہ اور عقب کی مخصوص افواج کو تیمور کے بیٹوں اور پوتوں نے اپنی کمان میں رکھا۔ فاتح ہندوستان نے صرف ہاتھیوں کی صف بندی کو اپنی نگرانی میں رکھا۔ یہ تو محض ایک انعام کی نمائش تھی۔ ان کی جنگی حیثیت صفر تھی۔ یونانی آتش (نفت) سے اب سائنس آگے بڑھ چکی تھی، بارود ایجاد ہو چکا تھا اور توپیں بنائی جانے لگی تھیں۔ یہ مصنوعی دھاڑ دونوں افواج کے پاس موجود تھی۔ اسی سے غالباً روزانہ جنگ کی قسمت بدلتی ہو گی۔ اس روز بایزید نے ایک سپاہی اور ایک سردار کی صفات کا مظاہرہ کیا۔ مگر اس روز اس کا ایک نہایت ہوشیار دشمن سے سامنا تھا۔ اور اس کی افواج نے متعدد وجوہ کی بنا پر اس روز اس کا ساتھ نہ دیا، اور وہ بعض ناگزیر ضروریات کی فراہمی میں ناکام رہ گئے۔ اس نے طاقت کا استعمال بھی کیا اور ترک فوجیوں کو لالچ بھی دیا۔ اس کا بیٹا سلیمان بھی میدان جنگ سے بہت جلد پیچھے ہٹ گیا۔ اناطولیہ کی افواج اگرچہ بغاوت میں اس کے ساتھ وفادار رہی تھیں، اور اپنے قانونی حکمران کے علم سے بروقت علیحدہ ہو گئیں، تیمور کے خطوط اور سفیر اپنا کام کرتے رہے۔ وہ انھیں یاد دلاتا رہا کہ ان کے آباؤ اجداد اس کے خاندان کے غلام تھے اور وعدہ کرتا رہا کہ وہ انھیں اعزاز و اکرام سے مالا مال کر دے گا اور انھیں مستقل آزادی عطا کر دے گا۔ بایزید کی چہار آئینہ دار یورپی فوج بہت بے جگری سے لڑی۔ اور ان کی مزاحمت بھی سخت مشکل تھی، مگر ان کی صفوں کو مکاری سے توڑ دیا گیا۔ ان کے مدمقابل افواج چالاکی سے پیچھے ہٹ گئیں اور انھیں اپنے تعاقب میں لگا لیا۔ اور ینی چری رسالے کی مدد یا تیر اندازوں کی امداد کے بغیر مغلوں کے گھیرے میں آ گئے۔ وہ بالآخر بھوک اور پیاس سے تھک کر چور ہو گئے اور تعداد کی زیادتی ان پر غالب آ گئی۔ بدقسمت سلطان کو ہاتھ پاؤں کے جوڑوں میں درد کی وجہ میدان جنگ چھوڑنا پڑا۔ اس غرض سے اس نے اپنا تیز ترین گھوڑا منتخب کیا اس کا تعاقب کیا گیا اور زگاتائی کے غدار خاندان نے اسے گرفتار کر لیا، اس کی گرفتاری اور سلطنت عثمانیہ کی شکست کے بعد اناطولیہ کی حکومت نے بھی فاتحین کی اطاعت قبول کر لی۔ تیمور نے کیوطاہیہ پر اپنا جھنڈا گاڑ دیا، اس نے ہر طرف تباہی اور بربادی کے عمل کے لیے اپنے وزرا پھیلا دیے۔ مرزا محمد سلطان جو اس کے پوتوں میں سے سب سے بڑا، لائق اور مقبول عام فرد تھا، اسے تیس ہزار گھڑ سوار دے کر بورسا بھیجا گیا۔ اس کی سرعت کا یہ حال تھا کہ وہ چار ہزار کے ساتھ صرف پانچ دنوں میں دو سو تیس میل کا سفر کر کے بورسا کے دروازے پر پہنچ گیا مگر خوف بھی اپنے راستے پر بہت تیز رو ہوتا ہے اور بایزید کا بیٹا سلیمان اس کے پہنچنے سے قبل ہی سرکاری خزائن کے ہمراہ سرحد پار

کر کے یورپ میں داخل ہو چکا تھا۔ مگر شہر اور محل سے مرزا کو بہت زیادہ مال غنیمت ملا۔ شہری آبادی شہر خالی کر کے جا چکی تھی۔ بیشتر عمارات لکڑی سے تیار کردہ تھیں۔ انھیں جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ بورسا سے تیمور کا پوتا، نائس کی طرف بڑھا۔ یہ شہر بھی آباد اور خوشحال تھا۔ مغل دستوں کی پیش قدمی کو صرف پروپنطس کی موجوں نے روک لیا۔ دیگر مرزا اور امیر بھی جن مہمات پر گئے تھے انھیں بھی یکساں کامیابی نصیب ہوئی صرف رہوڈیا کے مبارزین نے سمرنا کا خوب دفاع کیا۔ اس لیے یہاں خود بادشاہ کی موجودگی کی ضرورت پیدا ہوئی۔ کسی حد تک مزاحمت کے بعد یہ ملک بھی تیموری طوفان کے سامنے سرنگوں ہو گیا، جس کسی نے مخالفانہ سانس لینے کی کوشش کی اسے تہ تیغ کر دیا گیا۔ اور عیسائی ہیرووٴں کے سروں کو منجنیقوں میں ڈال کر بندرگاہ پر کھڑے بحری جہازوں سے اچھال کر پھینک دیا گیا۔ ایشیائی مسلمانوں کو اس پر خوشی ہوئی کہ ان کے داخلی اور بیرونی دشمن ختم ہو گئے۔ اب وہ آزادی کا سانس لے سکتے تھے، دونوں حریفوں کا موازنہ کیا گیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ تیمور نے اس قلعہ بندی کو چودہ دن میں ختم کر دیا جسے بایزید کا محاصرہ سات سال میں فتح نہ کر سکا۔

یہ داستان بار بار دہرائی جاتی رہی ہے کہ بایزید کو تیمور نے لوہے کے ایک پنجرے میں بند کر دیا تھا، جس میں وہ طویل عرصے تک محبوس رہا۔ مگر جدید مؤرخین اس کہانی کو غلط سمجھتے ہیں اور اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے، بلکہ اس روایت کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ شرف الدین علی ایک فارسی مؤرخ تھا، اس کی تاریخ کا اب فرانسیسی میں ترجمہ ہو چکا ہے، اسی کی وجہ سے ہمارے تجسس میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اسی تاریخ سے میں اس معاملے کے متعلق ایک اقتباس پیش کروں گا۔ جونہی تیمور کو عثمانی سلطان کی گرفتاری کی اطلاع ملی تو وہ اس کے خیمے کے دروازے کے سامنے تھا، تو وہ فوراً ہی اپنے خیمے سے باہر نکلا اور اسے خوش آمدید کہا، اور اسے اپنے پہلو میں بٹھایا، اس کے رتبے اور بدقسمتی پر ہمدردی کا اظہار کیا۔ شہنشاہ نے کہا: ''مجھے افسوس ہے کہ تقدیر نے تمھاری اپنی غلطیوں کی وجہ سے تمھارے انجام کا فیصلہ کر دیا ہے۔ تم ایک جالے میں پھنس گئے ہو۔ درختوں کے کانٹے خود تمھارے ہاتھ کے بوئے گئے ہیں میں۔ تمھیں آزاد دیکھنا چاہتا تھا اور خدمتِ اسلام میں تمھاری مدد کرنا چاہتا تھا۔ تم نے ہمارے انتباہ کو دلیری سے برداشت کیا۔ تم نے ہماری دوستی کو ٹھکرایا تم نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم اپنی ناقابل تسخیر افواج لے کر تمھارے ملک میں داخل ہو جائیں۔ اب تم معاملات کا جائزہ لو۔ اگر مجھے شکست ہو جاتی تو جو تم میرا حشر کرتے میں اس سے بے خبر نہیں ہوں۔ میرا اور میری فوج کا بہت برا انجام ہوتا۔ میں انتقامی کارروائی نہیں کرنا چاہتا۔ تمھاری زندگی اور اعزاز محفوظ رہیں گے۔ اور میں خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ اس

نے مجھے انسانوں پر رحم کرنے کی توفیق دی ہے۔ شاہی قیدی نے کسی قدر ندامت کا اظہار کیا۔ اور معزز خلعت کو وصول کیا۔ اور عاجزانہ انداز میں اپنے بیٹے موسیٰ سے بغل گیر ہوا۔ جسے بڑی جستجو کے بعد میدان جنگ سے تلاش کیا گیا تھا۔ عثمانی شاہی خاندان کے افراد کو ایک عمدہ رہائش گاہ میں رکھا گیا۔ اور محافظین کا محض ان کی نگرانی کے لیے انتظام کیا گیا۔ جب اس کا حرم بھی بورسا سے یہاں پہنچ گیا، تو تیمور نے ملکہ ڈیسپنا (Despina) اور اس کی بیٹی کو اپنے خاوند اور باپ کے حوالے کر دیا۔ مگر یہ سختی سے کہا کہ سرویا کی شہزادی جو ابھی تک عیسائیت پر قائم تھی۔ فوری طور پر اسلام قبول کر لے۔ اور بہت کم وقت میں جشنِ فتح کا اہتمام کیا گیا، جس میں بایزید کو بھی دعوت دی گئی، تیمور نے اس کے سر پر تاج رکھا اور عصا اس کے ہاتھ میں دیا۔ اور اس کے ساتھ پختہ وعدہ کیا کہ اسے اپنے آبائی تخت پر شان و شوکت سے بحال کر دے گا۔ مگر اس کے جلد بعد سلطان کی موت واقع ہو گئی اور تیمور کا وعدہ وفا نہ ہو سکا۔ اگر چہ اس کے لیے ماہر طبیبوں کی خدمات حاصل تھیں مگر اسے مرگی کا دورہ پڑا اور وہ جانبر نہ ہو سکا۔ اناتاخ کے ایک شہر آق میں'' اس کی شکست کے نو ماہ بعد، اس کی وفات ہوئی۔ فاتح نے اس کی قبر پر آنسو بہائے اس کی لاش کو احترام سے بورسا کے قبرستان میں پہنچا دیا گیا، جو اس نے خود تعمیر کرایا تھا۔ اس کے بیٹے موسیٰ کو سونے، چاندی، جواہرات، گھوڑوں اور اسلحہ کے قیمتی تحائف دیے گئے، اور روایتی سرخ روشنائی سے اس کی اناطولیہ پر حکومت کا فرمان جاری کر دیا گیا۔

اس فیاض بادشاہ کی یہی تصویر تھی، جو خود اس کی توزک سے نقل کی گئی ہے۔ اس کی موت کے انیس سال بعد اس کے بیٹوں اور پوتوں نے اسے متعارف کرایا۔ یہ وقت تھا جب کہ ان واقعات کے ہزاروں عینی گواہ موجود تھے۔ اور اگر غلط بیانی کی جاتی تو لوگ اس کی ذات کا تمسخر اڑاتے۔ اس شہادت میں بڑا وزن ہے، اور اسے تمام فارسی مؤرخین نے نقل کیا ہے۔ اس کے باوجود مشرقی روایات میں خوشامد کے عناصر کی کمی نہیں۔ یہ انتہائی کمینی حرکت ہے اور ہر ملک میں مخصوص حالات کی وجہ سے وجود میں آتی رہتی ہے۔

ا۔ قاری کو ابھی تک وہ فرانسیسی لشکر یاد ہوگا جسے مارشل بیوتی قالت قسطنطنیہ کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا، وہ وہاں موقع پر موجود تھے تاکہ اپنے سب سے بڑے مخالف دشمن کے انجام کی خبر سن لیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی شخص یونانی سفارت کے ہمراہ تیمور کے دربار میں بھی گیا ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بایزید کی شکست اور ان جہازوں کی موجودگی کی ان فوجیوں اور مؤرخین نے تصدیق کی ہے جنھیں جیل میں بدل دیا گیا، یہ وہ مؤرخ ہیں جنھوں نے اس واقعے کے سات سال بعد اس دور کی تاریخ لکھی ہے۔

۲۔ ایک اطالوی پوگی اوس کا نام بہت مشہور ہے۔ اس نے ان پچاس سال میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ پندرھویں صدی میں احیائے علوم کے سلسلے میں اس کی حیثیت بہت بلند ہے۔ اس نے ان واقعات کا بیان اپنی عمر کے پچاسویں سال میں کیا۔ اس وقت تیمور کی فتح ترکی کو اٹھائیس سال ہو چکے تھے، وہ اسے قدیم دور کے ظالموں کے مقابلے میں بھی ایک گھٹیا انسان تسلیم کرتا ہے اس کی فتوحات اور لوٹ مار کا بھی ذکر کرتا ہے۔ پوگی اوس کو کسی نے بتایا تھا کہ تیمور نے عثمانی بادشاہ کو ایک وحشی درندے کی طرح قید کر رکھا تھا اور اس کے پنجرے کو وہ ایشیا بھر میں دکھاتا پھرتا تھا۔ میں ہندوستان میں لکھی گئی دو اطالوی تاریخوں کا بھی حوالہ دوں گا، اور ان کا زمانہ تحریر بھی مقابلتاً قدیم ہے۔ ان میں یہ داستان بھی مذکور ہے خواہ یہ سچ ہے یا جھوٹ۔ یورپ میں یہ داستان انھی کے حوالے سے منتقل ہوئی۔

۳۔ وہ وقت جبکہ پوگی اوس روم میں خوشحالی کی زندگی بسر کر رہا تھا انھی ایام میں احمد بن عرب شاہ دمشق میں تیمور کی تاریخ لکھ رہا تھا جو بدخواہی کی رنگ آمیزی کا نمونہ تھی۔ اس کا سارا مواد اس نے ترکی اور تاتاریہ کی سیاحت میں اکٹھا کیا تھا۔ وہ عرب تھا، جبکہ دوسرے راوی رومی تھا۔ ان دونوں میں کسی نوعیت کی خط و کتابت کا احتمال بھی موجود نہیں۔ اس کے باوجود دونوں اس فولادی پنجرے کے وجود کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے بیان کی ہم آہنگی ان کی روایت کی صداقت کا ایک بین ثبوت ہے۔ احمد عرب شاہ ایک اور ظلم کا بھی ذکر کرتا ہے جو بایزید کو برداشت کرنا پڑا۔ اس نے بایزید کو اپنی بیویوں کو زبردستی طلاق دلوانے کا ذکر بھی کیا ہے، جشن فتح میں زنانہ ساغر برداروں نے شراب تقسیم کی، اور سلطان نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ خود اس کی بیویاں اور کنیزیں بھی ان میں شامل تھیں۔ وہ بے پردہ تھیں اور گستاخ نگاہوں کا ہدف بنی ہوئی تھیں۔ وہ مزید لکھتا ہے کہ ماسوائے ایک موقع کے۔ اس کے جانشینوں نے کبھی جائز عائلی تعلقات قائم نہیں کیے، اور عثمانی کم از کم سولھویں صدی تک اس پر عمل کرتے رہے۔ اس کی تصدیق بوس بی قولیس نے بھی کی ہے، جو ویانا کے دربار کا سفیر تھا۔ اور عظیم سلیمان کے دربار میں حاضر ہوتا تھا۔

۴۔ زبان کا فرق تو ضرور ہے مگر ایک یونانی مؤرخ کا بیان بھی ایک عرب اور ایک رومی کے بیان سے مختلف نہیں۔ میں نے چالکونڈائلز اور ڈوقاس کا نام نہیں لیا۔ ان کا تعلق کسی قدر مؤخر عہد سے ہے اور ان کا لہجہ بھی زیادہ اثباتی نہیں۔ مگر جارج فرانزا کی طرف زیادہ متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ شاہان کے اس سلسلے کے آخری حکمرانوں کا ہم عصر ہے۔ یہ انگورہ کی جنگ سے ایک سال قبل بھی موجود تھا۔ اس واقعے کے بائیس سال

بعد اسے عمورات ثانی کے دربار میں بطور سفیر بھیجا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس مؤرخ کو تجربہ کار ینی چریوں سے گفتگو کا موقع ملا ہو، جو سلطان کے ساتھ ہی قیدی بنا لیے گئے ہوں، اور انھوں نے بادشاہ کا پنجرہ بھی دیکھا ہو۔

۵۔ آخری شہادت جو قابل توجہ ہے اس کا تعلق ترک راویوں سے ہے، جن سے لیونکلاوی اوس، پوکوک اور کنٹا میر کی ملاقات اور گفتگو بھی ہوئی۔ یہ تمام لوگ بادشاہ کو لوہے کے پنجرے میں قید کرنے پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے قومی مؤرخین کے بیانات کو ضرور اہمیت دی جانی چاہیے۔ وہ شہنشاہ کے کردار کو داغ دار بنانے کے لیے اپنے ملکی وقار کے خلاف بات نہیں کر سکتے۔

ان متضاد بیانات سے ایک منصفانہ اور میانہ رو نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ میں اس پر مطمئن ہوں کہ شرف الدین علی نے ان واقعات کا ذکر درست انداز میں اور صحیح صحیح کیا ہے۔ جس کے مطابق فاتح نے اگرچہ اس کا حوصلہ بہت بلند ہو چکا تھا، اس کے باوجود مفتوح کے ساتھ لطف آمیز سلوک کیا ہے اور بایزید نے فخر و غرور کے باوجود تحمل اور بردباری سے کام لیا ہے۔ تیمور نے یہ منصوبہ بندی تو ضرور کی کہ اپنے قیدی کو سمرقند میں لے آیا۔ اس سے اسے یہ سہولت حاصل ہو گئی کہ اپنے خیمے میں سرنگ کھود کر فرار کا راستہ بنا لے۔ اس وجہ سے مغل بادشاہ کے جذبات برانگیختہ ہو گئے۔ اور اس کے زیر اثر ممکن ہے کہ اس نے اپنے متواتر سفر میں استعمال کے لیے ایک لوہے کا پنجرہ بنا لیا ہو، جو دوران سفر کسی چھکڑے پر لدا رہتا ہو۔ یہ بایزید کا مسکن نہیں تھا بلکہ احتیاطی احتیاط کا تقاضا تھا تیمور نے تاریخ میں پڑھ رکھا تھا کہ فارس میں زمانہ ماضی میں کسی بادشاہ سے ایسا ہی سلوک کیا گیا تھا۔ اور بایزید سے بھی ویسی ہی خطا ہوئی تھی۔ قیصران روم کے سلسلے میں بھی ایسی مثالیں ملتی تھیں، مگر کارروائی کے دوران اس کی ذہنی اور جسمانی قوتیں ختم ہو گئی ہو۔ اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ تیمور کی سختی کی وجہ سے اس کی قبل از وقت موت واقع ہو گئی ہو۔ جب وہ مر گیا تو پھر اس کے خلاف کوئی جنگ باقی نہ رہی اس کی قبر پر افسوس کرنے اور آنسو بہانے کے علاوہ کوئی اور کارروائی ممکن نہ تھی۔ وہ ایک قیدی تھا اور اس کے اختیارات ختم ہو چکے تھے۔ اگرچہ بایزید کے بیٹے موسیٰ کو بورسا کے کھنڈرات پر حکومت کرنے کی اجازت حاصل تھی۔ فاتح نے اناطولیہ کے صوبے کا ایک بڑا حصہ اس کے قانونی وارثوں کے حوالے کر رکھا تھا۔

ارطیش اور وولگا سے لے کر خلیج فارس تک، گنگا سے لے کر دمشق تک، اور ایشیا کا سارا جزیرہ نما تیمور کے قبضے میں تھا۔ اس کی افواج ناقابل تسخیر تھیں۔ اس کے حوصلوں اور خواہشات کی کوئی حد نہ تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ مغرب کے عیسائی ممالک کو فتح کر کے مسلمان بنا لے۔ مغربی حکومتیں بھی اس کے نام پر کانپ

انچھی تھیں۔اس نے دنیا کواس کے آخری کنارے تک چھولیا۔مگر یورپ اور ایشیا کے مابین ایک تنگ سمندر حائل تھا۔اور یہ شخص متعدد تمن داروں کا آقا اور ہزار ہا گھوڑوں کا مالک تھا۔مگر اس کے پاس ایک بحری جہاز بھی نہیں تھا،دو بحری راستے اس کے قریب تھے، باسفورس اور درِ دانیال۔قسطنطنیہ اور گیلی پولی میں سے ایک عیسائیوں کے قبضے میں تھا اور دوسرا مسلمان ترکوں کے پاس۔یہ وہ دور تھا کہ دونوں اقوام اپنے مذہبی اختلافات کو فراموش کر کے مشترکہ مقصد کے لیے لڑنے پر آمادہ تھیں۔ان دونوں شہروں کو جہازوں اور قلعہ بندیوں کا تحفظ حاصل تھا۔ان کے پاس حمل ونقل کا علیحدہ علیحدہ انتظام تھا،جس کے لیے تیمور دونوں سے مطالبہ کرتا رہتا تھا،اوران سے وعدہ کرتا کہ وہ ان کے دشمن پر حملہ کرے گا۔دوسری طرف وہ اسے تاوان کے طور پر تحائف بھیجتے رہتے اور اکثر سفارتیں بھی اس کے دربار میں آتی رہتیں اور اسے یہ مشورہ بھی دیتے رہتے کہ اپنی فتوحات کے اعزاز کو محفوظ رکھنے کے لیے واپسی اختیار کرے۔سلیمان نے اس سے اپنے باپ بایزید کی زندگی کے لیے رحم کی درخواست کی۔اسے سرخ روشنائی سے لکھے ہوئے حکم کے تحت رومانیہ کی حکومت تفویض کردی گئی جواس کے پاس پہلے سے موجود تھی۔اس نے ذاتی طور پر حاضر ہو کر دنیا کے بادشاہ کی قدم بوسی کی اجازت بھی طلب کی۔یونانی بادشاہ،خواہ وہ (جان ہو یا مینوائل) اسی قدر خراج ادا کرنے پر رضامند تھے جو اس نے ترکوں کے سلطان یا کسی اور ملک سے بذریعہ معاہدہ مقرر کررکھا تھا وہ اتحاد کا معاہدہ کرنے پر تیار تھے،جب سے مغل افواج اناطولیہ سے واپس آگئی تھیں۔اس کا ضمیر مطمئن ہوگیا تھا۔مگر اس کی حب اقتدار کو اطمینان نہ تھا،وہ افریقہ اور مصر کی فتح کے لیے تیار ہوگیا،وہ نیل سے لے کر بحیرۂ اوقیانوس تک کا علاقہ فتح کرنا چاہتا تھا وہاں سے وہ یورپ کا ارادہ کرتا اور آبنائے جبل الطارق کے ذریعے یورپ میں داخل ہوجاتا۔پھر سارا یورپ فتح کرنے کے بعد روس اور تاتاریہ سے ہوتا ہوا اپنے وطن میں واپس پہنچ جاتا۔اس کے ان متخیلہ خطرات سے یورپ کو سلطان مصر نے بچالیا۔اس نے اطاعت قبول کر لی۔قاہرہ کے خطبات میں اس کا ذکر کیا گیا اور اس کے نام کے سکے مضروب ہوئے۔اور تیمور کی برتری تسلیم کر لی گئی۔افریقی دنیا کی طرف سے اسے نو زرافے،نو شتر مرغ،اور نو ساندنیاں دی گئیں،جو سمرقند کے لیے افریقی اقوام کا تحفہ تھا۔جب ہم اس مغل کا اپنے تصور میں ایک شخصی خاکہ بناتے ہیں تو ہماری حیرت کی کوئی حد نہیں رہتی۔جو اپنے سمرنا کے پڑاؤ میں ایک منصوبہ بناتا ہے اور پھر سلطنت چین پر حملہ کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔تیمور کو اس حملے پر قومی وقار اور مذہبی جذبات نے آمادہ کیا۔اس نے مسلمانوں کا جس قدر خون بہایا تھا،اس کی تلافی کے لیے ضروری تھا کہ کفار کا بھی اسی قدر

خون بہادیا جائے۔وہ چین کے بت کدوں کے بت توڑ کر اپنے آپ کو مطمئن کرسکتا تھا،چین کے ہر شہر میں ایک مسجد بناتا اور لوگوں کو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے لیے مجبور کرتا۔چنگیز خاندان کو حال ہی میں جلاوطن کردیا گیا تھا۔اس میں مغلوں نے اپنی توہین محسوس کی۔چونکہ چین کی سلطنت میں بدامنی کا دور دورہ تھا، اس لیے انتقام کے لیے یہ موزوں ترین وقت تھا،ہونگ اون ایک بے مثال شخص تھا اسی نے منگ خاندان کی بنیاد رکھی تھی،مگر چار سال قبل اس کی وفات ہوچکی تھی،جبکہ انگورہ کی جنگ ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔اس کا پوتا جو کمزور اور بدقسمت کم عمر نوجوان تھا،اپنے ہی محل میں جل کر راکھ ہوچکا تھا،اس سے قبل خانہ جنگی میں دس لاکھ چینی مارے جاچکے تھے۔اناطولیہ خالی کرنے کے بعد تیمور نے سیہون کی طرف بڑی تعداد میں فوجی بھیجے بلکہ اپنی نئی اور پرانی رعایا کے افراد کے اتحاد سے ایک فوج تشکیل دی جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ راستے تیار کرے اور انھیں ہموار بنائے۔کافر قلموقیوں اور غیر مسلم تاتاریوں کو بھی اسلام کی روشنی سے بہرہ ور کرے اور صحرا میں شہر بسائے اور اشیائے ضرورت کے ذخائر جمع کرے۔اس کے نائبین کی محنت کی وجہ سے چند دنوں ہی میں اسے ایک مفصل نقشہ مل گیا جو چین کے تمام نامعلوم علاقوں کی تفصیلات مہیا کرتا تھا،یہ ارطیش سے دیوار چین تک کے تمام علاقوں کی ترجمانی کرتا تھا۔ان تیاریوں کے دوران شہنشاہ کو جارجیا پر حتمی فتح حاصل ہوگئی۔دریائے اراکسس کے کنارے اس نے موسم سرما بسر کیا۔اور فارس کی تکالیف کا ازالہ کیا،اور چار سال نو ماہ کی مہمات کے بعد وہ آہستہ آہستہ اپنے واطن واپس پہنچ گیا۔

سمرقند کے تخت پر اس نے قدرے آرام کیا۔اپنی شان وشوکت اور اختیارات کا مظاہرہ کیا۔عوام کی شکایات سنیں۔انصاف کے تقاضوں کے مطابق انعامات تقسیم کیے،مجرموں کو سزائیں دیں،اپنی دولت کو محلات اور مساجد کی تعمیر پر خرچ کیا۔مصر،عرب،ہند،تاتار،روس اور ہسپانیہ کے سفیروں کو شرف باریابی بخشا۔ آخرالذکر نے زربفت کا ایک تھان پیش کیا جو فن مشرق کا ایک اعلیٰ نمونہ تھا۔اپنے چھ پوتوں کی شادیاں کیں،یہ مذہبی فریضہ بھی تھا اور پدرانہ شفقت کا بھی تقاضا تھا۔سابقہ خلفا کی شان وشوکت کا بیان ان کی بیاہ شادیوں کی تقریبات کے ساتھ ہی منسلک ہو کر باقی رہ گیا۔یہ تقریبات قانی غول کے باغات میں منعقد کی گئیں۔جہاں لاتعداد خیمے اور چھولداریاں نصب کی گئیں۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شامیانوں کا ایک شہر تعمیر کرلیا گیا ہے،اور یہ سارا پڑاؤ مال غنیمت ہی سے وجود میں لاناممکن ہوا تھا۔طعام خانوں کے ایندھنوں کی فراہمی کے لیے تمام جنگل کاٹ دیا گیا تھا۔میدان میں ہر قسم کا گوشت پکا کر میناروں کی صورت میں آراستہ کردیا گیا تھا اور ہر قسم

کے مشروبات کے گھڑے چن دیے گئے تھے۔ ہزاروں مہمانوں کو حسنِ اخلاق سے مدعو کیا گیا تھا۔ شاہی دعوت میں ہر مملکت، ریاست، صوبے اور افراد کے ذاتی وقار کا خیال رکھا گیا تھا۔ (ایک مغرور فارسی مؤرخ کا بیان ہے) کہ یورپی باشندوں کو بھی اس دعوت میں مدعو کیا گیا تھا۔ کاس قوم جو اقوام کے اس سمندر میں بہت چھوٹی تھی، اسے بھی شمولیت کا موقع فراہم کر دیا گیا۔ لوگوں کی مسرت کا اظہار چراغاں اور مدعوئین کی تعداد سے کیا جا سکتا تھا۔ سمرقند کی صنعت و حرفت کا اندازہ کیا گیا۔ ہر صنعت میں کوئی نہ کوئی کمال نظر آتا تھا، بعض شاہکار تو انتہائی عمدہ تھے۔ ان میں شامل سامان اور فنکاری دونوں قابل تعریف تھے۔ قاضیوں نے نکاح پڑھوائے۔ اس کے بعد دولہا، اپنی دلہنوں کے ساتھ اپنی مخصوص چھولداریوں میں چلے گئے۔ ایشیائی رسم کے مطابق انھوں نے نو دفعہ ملبوسات تبدیل کیے اور ہر تبدیلی کے موقع پر موتی اور جواہرات ان کے سروں پر سے نچھاور کیے گئے، جو ان کے ملازمین نے اپنے لیے جمع کر لیے۔ ایک عام سرخوشی کا اعلان کر دیا گیا۔ تمام قوانین کو بالائے طاق رکھ دیا گیا۔ ہر کوئی آزاد تھا۔ شہنشاہ خاموش بیٹھا تھا۔ اس کے مؤرخین نے ضرور لکھا ہوگا کہ پچاس سالہ جدوجہد کے بعد تیمور کے لیے صرف یہ دو ماہ ایسے تھے جن میں اس نے آرام کیا اور ہر قسم کی آسائش سے لطف اندوز ہوا۔ لیکن وہ جلد ہی بیدار ہو گیا اسے امورِ حکومت اور جنگ کے معاملات یاد آ گئے۔ اس نے چین پر حملے کے لیے ایک بار پھر جھنڈے کھول دیے۔ امیروں نے اطلاع دی کہ ایران اور توران کے دو لاکھ سپاہی حاضر ہیں۔ ان کا سامان اور دیگر ضروریات پانچ سو بڑے چھکڑوں کے ذریعے ارسال کر دیا گیا، علاوہ ازیں گھوڑوں اور خچروں کی ایک بڑی تعداد بھی بھیج دی۔ سمرقند سے پیکن پہنچنے میں چھ ماہ لگ گئے تھے۔ تیمور اس معرکے کے لیے بے چین ہو گیا، اسے اپنی عمر اور موسم کی شدت کا بھی کوئی خیال نہ رہا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوا، دریائے سیحوں منجمد ہو کر یخ بن چکا تھا، اس پر سے گزر گیا، اس نے چھہتر فرسنگ یعنی تین سو میل کا سفر طے کر لیا۔ گویا وہ دارالحکومت سے اس قدر جلد نکل آیا تھا۔ اس نے اپنی منزل اترار (Otrar) کے قرب و جوار میں خیمے نصب کر کے متعین کی۔ اور شاہی پڑاؤ قائم کیا۔ یہیں پر ملک الموت بھی اس کا منتظر تھا۔ وہ تھک چکا تھا۔ اس دوران وہ برف کا ٹھنڈا پانی پیتا رہا تھا، جس سے اس کا بخار تیز ہو گیا، اور فاتح ایشیا ستر سال کی عمر میں ختم ہو گیا۔ زگاتائی کے تخت پر بیٹھنے کے پینتیس سال بعد اس کی موت واقع ہو گئی، اس کے منصوبے ختم ہو گئے۔ اس کی افواج منتشر ہو گئیں۔ چین اس کے حملے سے بچ گیا۔ اور اس کی موت کے چودہ سال بعد، اس کی اولاد نے پیکن کے دربار میں دوستی اور تجارت کی بحالی کے لیے ایک سفارت ارسال کی۔

تیمور کی شہرت مشرق و مغرب میں پھیل چکی تھی۔ ابھی تک اس کے خاندان میں شاہی خطاب موجود ہے۔ رعایا اس کی تعریف کرتی ہے اور اس کے شدید ترین دشمن بھی اس کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں۔ اگرچہ اس کے ایک ہاتھ اور ایک پاؤں میں نقص تھا۔ مگر اس کی ہیئت اور قد و قامت اس کے رتبے کے لیے غیر موزوں نہ تھی۔ اور اس کی صحت عمدہ تھی جو اس کے لیے اور عام دنیا کے لیے بہت ضروری تھی۔ یہ اپنے حوصلے اور ورزش کے ذریعے اپنی صحت قائم رکھتا تھا۔ وہ اپنی عام گفتگو میں سنجیدہ اور نرم رو تھا۔ اگرچہ وہ عربی زبان نہیں جانتا تھا۔ مگر فارسی اور ترکی زبانیں وہ روانی سے بولتا تھا۔ وہ ماہرین سے تاریخ اور دیگر علوم میں گفتگو کرنے کا عادی تھا۔ اور جب اسے خالی وقت ملتا تو وہ شطرنج کھیلتا۔ اسی نے اس میں بھی جدید اختراعات کر رکھی تھیں۔ وہ مذہبی جوش و خروش کا مظاہرہ کرتا تھا، مگر غالباً وہ راسخ العقیدہ نہ تھا۔ وہ مسلمان تھا۔ وہ مذہبی معاملات کو بخوبی سمجھتا تھا، بعض اوقات وہ پیشین گوئیوں اور شگون پر بھی اعتقاد رکھتا تھا، جس سے اس کی اوہام پرستی کا پتا چلتا ہے۔ وہ ولیوں کے علاوہ فال گیری یا علم نجوم کا بھی قائل تھا، اور اپنی حکمت عملی کی تشکیل میں ان سے بھی مدد لے لیتا، ایک بہت بڑی سلطنت کے انتظام میں وہ تن تنہا تمام امور انجام دیتا۔ کوئی اس سے بغاوت نہ کر سکتا اور کوئی اس کے اقتدار کی مخالفت نہ کرتا، کوئی شخص اس کا منظور نظر بن کر اس سے غلط فائدہ نہ حاصل کر سکتا، یا کوئی وزیر اس کے فیصلوں پر اثر انداز نہ ہو سکتا تھا۔ یہ اس کا مستقل اصول تھا کہ نتیجہ خواہ کچھ بھی برآمد ہو، بادشاہ کے الفاظ سے کسی کو اختلاف کی جرأت نہ ہو، یا اسے اپنے الفاظ واپس لینے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ اس کے دشمن اس پر غلط الزام لگاتے ہیں کہ وہ ظالمانہ احکام کی تعمیل میں جس شدت کا مظاہرہ کرتا وہ رحم دلی اور فیاضی میں موجود نہ ہوتی۔ جب وہ فوت ہوا تو اس کے بیٹوں اور پوتوں کی تعداد چھتیس ہو چکی تھی۔ یہ تمام بھی اس کے تابع فرمان تھے اور انھیں عام رعایا سے زیادہ حقوق حاصل نہ تھے۔ جب کبھی وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے، تو ان کے ساتھ چنگیز کے قوانین کے مطابق سلوک کیا جاتا۔ کچھ عرصے کے لیے ان کے اختیارات معطل کر دیے جاتے، جو بعد میں بحال کر دیے جاتے۔ وہ معاشرتی خوبیوں سے عاری نہ تھا، وہ اپنے دوستوں سے محبت بھی کرتا اور دشمنوں کو معاف بھی کر دیتا۔ مگر اخلاقیات کے قوانین کا مفاد عامہ کے تحت استعمال کرتا۔ ہر بادشاہ کا فیاض ہونا ضروری ہے اور یہ بھی اس صفت سے محروم نہ تھا، اور انصاف کی دولت سے بھی محروم نہ تھا۔ وہ اپنے اقتدار اور رعایا کی تابع فرمانی میں توازن برقرار رکھتا۔ وہ ظالم اور مغرور کو سزا دیتا اور مظلوم اور غریب کو تحفظ فراہم کرتا۔ جو مستحق ہوتا، اسے انعام بھی دیتا۔ وہ اپنے ملک سے برائی اور کاہلی کو

ختم کر دینا چاہتا تھا۔ وہ سیاحوں اور سوداگروں کی حفاظت کرتا اور فوجیوں کے استحقاق کا بھی خیال رکھتا، وہ مزدوروں اور تاجروں کو خوشحال دیکھنا چاہتا۔ اور صنعت اور دیگر علوم کی حوصلہ افزائی کرتا۔ وہ چاہتا کہ حکومت کی آمدنی میں اضافہ ہو، اس کے لیے نئے ٹیکس گزار تلاش کرتا مگر موجودہ محصولات میں اضافہ نہ کرتا۔ یہ معاملات فی الحقیقت اس لیے پیش آئے کہ وہ ان کی ادائیگی بحیثیت بادشاہ اپنا فرض سمجھتا۔ وہ ان فرائض کو ادا کر کے سکون محسوس کرتا۔ تیمور یہ فخر کر سکتا تھا کہ وہ جب تخت نشین ہوا تو ایشیا میں بدامنی اور افراتفری کا دور تھا۔ جبکہ اس کے دور حکومت میں ایک بچہ بھی سونے کی تھیلی لے کر مشرق سے مغرب تک گھوم سکتا تھا۔ اسے اپنی ذات پر اس قدر اعتماد تھا۔ وہ اپنی فتوحات کا جواز اسی میں تلاش کرتا تھا اور اسی بنیاد پر وہ تمام دنیا کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد ہم جو چار تبصرے درج کریں گے۔ ان سے اس کے اس دعوے پر روشنی پڑے گی۔ اور غالباً ہم یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ مغل شہنشاہ دنیا کے لیے ایک عذاب تھا اور اس کا یہ دعویٰ کہ وہ بنی نوع انسان کے لیے ایک رحمت تھا، غلط ہے۔

۱۔ اگر اس نے معاشرے کے لیے کچھ علاج بھی کیے ہیں، تو ان کے اثرات بیماری کے عذاب سے بھی بدتر اور تکلیف دہ تھے۔ فارس کے عوام چھوٹے چھوٹے سرداروں کے لالچ، طمع، ظلم اور بے انصافی کے ہاتھوں نالاں تھے، انھیں ممکن ہے کہ تیمور کی وجہ سے کچھ فائدہ پہنچا ہو، مگر جہاں تک باقی دنیا کا تعلق ہے وہ تو جہاں جہاں اس مبینہ مصلح کے قدم پڑے عوام کی چیخیں نکل گئیں۔ جن آباد اور خوشحال شہروں میں اس کے لشکر داخل ہوئے وہ کھنڈرات میں تبدیل ہو گئے۔ اس نے شکست خوردہ اقوام کے سروں کے مینار اور ستون بنائے۔ استراخان، خوارزم، دہلی، اصفہان، بغداد، ایلیپو، دمشق، بورسا، سمرنا اور ان کے علاوہ ہزاروں شہر جلا کر کھنڈرات میں تبدیل کر دیے گئے۔ انھیں پہلے لوٹا گیا پھر ویران کر دیا گیا اور اس کے لشکری اس کی موجودگی میں یہ تباہی برپا کرتے رہے۔ اگر کوئی فلسفی یا مذہبی رہنما اسے ان افراد کی تعداد بتا سکتا جو اس کی فوجوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے، تو شاید اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا، کیا اسے قیام امن اور انتظام کا نام دیا جا سکتا ہے؟

۲۔ اس نے جن جنگوں میں زیادہ جانیں ضائع کیں۔ وہ صرف حملے تھے، انھیں فتوحات کا نام دیا ہی نہیں جا سکتا۔ اس نے ترکستان، کپ زک، روس، ہندوستان، شام، اناطولیہ، آرمینیا اور جارجیا (گرجستان) پر حملہ کیا۔ اس کی کوئی خواہش نہ تھی کہ وہ ان دور افتادہ ممالک پر مستقل حکومت قائم کرے گا۔ ہر ملک سے وہ مال غنیمت اکٹھا کر کے لدا پھندا واپس چلا گیا۔ اس نے ان ممالک میں امن قائم کرنے کے لیے فوج نہیں

چھوڑی، امن قائم کرنے کے لیے اعلیٰ افسران متعین نہیں کیے۔ تاکہ مقامی آبادی کا تحفظ کیا جا سکے۔ جب اس نے ان ممالک کی قدیم حکومتوں کا تانا بانا بکھیر دیا۔ تو اس نے انھیں برے حالات میں چھوڑ دیا۔ جو سابقہ حکومتوں کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے یا اس کی افواج نے پیدا کیے تھے یا پہلے سے بھی زیادہ بدتر ہو گئے تھے۔ اور نہ ان برائیوں کی کوئی تلافی کی جا سکی۔ اور نہ اس کی وجہ سے کسی ملک کو کوئی فائدہ پہنچا۔

۳۔ ماوراءالنہر اور فارس کے علاقے وہ تھے، جہاں اس نے باقاعدہ حکومتیں قائم کیں۔ جو اس کے ورثا میں بطور وراثت منتقل ہوتی رہیں۔ مگر اس کی امن کے لیے محنت اور کوششیں یا تو تعطل کا شکار ہو گئیں، یا بالکل ختم ہی ہو گئیں۔ کیونکہ یہ تو اکثر ملک سے غیر حاضر رہتا تھا۔ اس نے وولگا یا گنگا کی وادیوں کو فتح کیا۔ اس کے ملازمین نے بلکہ اس کے بیٹوں نے بھی ان علاقوں کو فراموش کر دیا، اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کی۔ عوامی یا نجی منسرات کی کبھی باقاعدہ تحقیق نہیں کرائی گئی اور نہ کسی کو اس سلسلے میں کبھی کوئی سزا ملی۔ اس نے کسی جگہ بھی کوئی باقاعدہ حکومت قائم نہیں کی۔

۴۔ اس کی انتظامیہ کی برکات خواہ کچھ بھی ہوں، وہ اس کی اپنی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو گئیں۔ اس کے بیٹوں اور پوتوں کی خواہش تھی کہ وہ حکومت کریں اور انتظامیہ قائم کریں۔ مگر وہ ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اسی طرح وہ عوام کے بھی دشمن تھے، شاہ رخ نے اس کی سلطنت کا ایک چھوٹا سا حصہ اپنے پاس قائم رکھا۔ یہ اس کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ مگر اس کی موت کے بعد پھر اندھیرا چھا گیا اور خون بہنے لگا۔ ابھی ایک صدی بھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ ماوراءالنہر اور فارس کے علاقے بھی ہاتھ سے نکل گئے۔ شمال سے ازبک حملہ آور ہو گئے اور سفید و سیاہ بھیڑوں والے ترکمان بھی غالب آ گئے۔ تیمور کی نسل بالکل ختم ہو جاتی، مگر اس کی نسل میں پندرھویں صدی میں ایک ہیرو پیدا ہو گیا۔ وہ ازبکوں سے مار کھا کر بھاگا تھا، مگر اس نے ہندوستان کو فتح کر لیا۔ اس کی نسل کے بادشاہوں نے کشمیر کے پہاڑی علاقوں سے لے کر راس کماری تک کے علاقے پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ دوسری طرف قندھار سے لے کر خلیج بنگال تک پہنچ گئے۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد ان کی سلطنت ختم ہو گئی، دہلی میں ان کے خزانوں کو ایرانی قزاق لوٹ کر لے گئے۔ ان کی حکومت کے خزانے اب ایک عیسائی تاجروں کی ایک کمپنی کے قبضے میں ہیں۔ جن کا تعلق شمالی سمندروں کے ایک دور افتادہ جزیرے (برطانیہ) سے ہے۔

عثمانیہ حکومت کا مقدران کے مقابلے میں بہت زیادہ مختلف تھا۔ اس کا سب سے بڑا ناتو زمین میں

گزرا تھا، مگر جونہی طوفان گزر گیا۔تو یہ پہلے سے بھی زیادہ سرسبز اور خوشگوار انداز میں پھوٹ پڑا۔جب تیمور نے اناطولیہ کو بالکل ہی خالی کر دیا۔تو اس شہر ملک میں نہ کوئی شہر باقی بچا تھا، نہ کوئی محل تھا اور نہ کسی نوعیت کا کوئی خزانہ تھا۔کھلے آسمان کے نیچے یا تو گڈریے باقی بچے تھے، یا تاتاری اور ترک قزاق تھے۔بایزید کی ماضی قریب کی فتوحات امیروں میں تقسیم کر دی گئیں۔ان میں سے ایک نے تو اپنا تخت خود ہی تباہ کر دیا تھا۔اس کے پانچوں بیٹوں کو حکومت کا بہت شوق تھا، انھوں نے خانہ جنگی شروع کر دی تا کہ جو کچھ بھی انھیں وراثت میں ملا ہے، اسے بھی ہضم کر لیں، میں ان کے ناموں کی تفصیل ان کی عمر اور فعالیتوں کے حوالے سے درج کروں گا۔

۱۔میں شاید وہ داستان بیان نہ کر سکوں جس میں کہ صحیح مصطفیٰ اور ایک بہروپیے کا ذکر ہے یہ انگورہ کی جنگ میں اپنے باپ کے ساتھ لڑائی میں شریک ہوا تھا، مگر جب قیدی سلطان سے اس کی اولاد کے متعلق دریافت کیا گیا، اس وقت صرف موسیٰ ہی دستیاب ہو سکا۔مگر ترک مؤرخ جو فاتحین کے غلام تھے یہ کہتے ہیں کہ موسیٰ کے باقی بھائی میدان جنگ میں قتل ہو گئے تھے، اگرچہ مصطفیٰ میدان جنگ سے زندہ فرار ہو گیا تھا، لیکن وہ بارہ سال تک اپنے دوستوں اور دشمنوں سے چھپا رہا۔یہاں تک کہ وہ تھیسالی میں نمودار ہو گیا۔یونانیوں نے اسے خوش آمدید کہا، اور جب اس کا بھائی محمد فوت ہو گیا، تو اس نے اپنی آزادی اور بادشاہت کا اعلان کر دیا، یہ ایک گندے ذہن کا شخص تھا، اپنی ولادت کے متعلق استدلال پیش کرنے لگا۔ہیڈریانوپل کے تخت پر بٹھا کر یونانیوں نے اس کے عثمانی سلطان ہونے کا اعلان کر دیا۔اس کا فرار، اس کی بیڑیاں اور ایک مبہم سولی وغیرہ کی وجہ سے اس بہروپیے کے خلاف عوام میں نفرت پیدا ہوئی۔متعدد حریف اور جھوٹے مدعیوں نے ایسے ہی مطالبات پیش کیے۔کہتے ہیں کہ مصطفیٰ کا نام تیس افراد نے اختیار کیا۔اس سے کم از کم یہ ثابت ہوتا ہے کہ حقیقی وارث کی موت کے بعد ترکی سلطنت محفوظ نہ رہی تھی۔

۲۔اپنے باپ کی قید کے بعد موسیٰ نے کچھ دیر انگورہ کے قرب و جوار کے علاقوں پر حکومت کی۔جس میں سائی نوپ اور بحیرۂ اسود کے علاقے بھی شامل تھے، اس کے سفیروں کو تیمور نے بعض وعدے کر کے اور چند تحائف دے کر جانے کی اجازت دے دی تھی، مگر اس کے ایک حاسد بھائی نے جلد ہی اسے اپنے تخت اور زندگی سے محروم کر دیا۔

۳۔سلیمان کو ترک بادشاہوں کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔اس کے باوجود اس نے مغلوں کی پیش قدمی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کی اور ان کے جانے کے بعد اس نے ہیڈریانوپل اور بورسا کی صوبوں کے

اتحاد کو قائم رکھا۔جنگ کے ایام میں اس نے جرأت کا مظاہرہ کیا، وہ فعال تھا اور خوش قسمت بھی رہا۔اس کا حوصلہ رحم کے جذبات کے تحت دھیما پڑ گیا تھا، مگر بعض مفروضہ عوامل کے تحت یہ مشتعل بھی ہو جاتا تھا۔مگر سستی اور کاہلی کی وجہ سے یہ گمراہ بھی ہو جاتا تھا۔اس نے حکومت کے نظم و ضبط کو بالکل تباہ کر دیا۔ایسی صورت پیدا کر دی، جس میں رعایا اور بادشاہ دونوں کانپ اٹھیں، اس میں برائیاں اس قدر زیادہ تھیں کہ فوج اور انتظامیہ کے افسران بھی اس سے نفرت کرنے لگے۔یہ روزانہ اس قدر شراب پیتا تھا کہ کوئی بھی شہزادہ یا ایک عام آدمی اسے برداشت نہ کر سکتا، اور اپنے آپ کو مسلمان کہنے کے باوجود اس کی یہ برائی کسی طرح روا نہیں سمجھی جا سکتی تھی۔ایک دفعہ یہ نشے میں مدہوش پڑا تھا کہ اس کا بھائی موسیٰ نمودار ہوا اور یہ بازنطینی دارالخلافہ کی طرف فرار ہو گیا۔سلیمان کو ایک حمام میں پکڑ لیا گیا اور قتل کر دیا گیا۔اس کی حکومت سات سال اور دس ماہ قائم رہی۔

۴۔موسیٰ کو اس کے اقتدار نے مغلوں کا غلام بنا دیا۔اس کی باجگزار اناطولیہ کی حکومت ایک تنگ علاقے پر محیط تھی۔وہ تو رومانیہ کے مغرور حکمرانوں کے مقابلے کے بھی قابل نہ تھا۔موسیٰ مایوس ہو کر بورسا کے محل سے بھاگ نکلا۔اور ایک کھلی کشتی میں پروپونطس حکومت کو عبور کرنے کی کوشش کی۔ولاچی اور سرویائی/ سربیائی پہاڑیوں میں گھومتا پھرتا رہا۔اور ناکام کوششوں کے بعد ہیڈریانوپل کے تخت پر قابض ہو گیا۔ابھی تھوڑے دن پہلے ہی اس نے اپنے ہاتھ سلیمان کے خون سے رنگین کیے تھے۔ساڑھے تین سال کی حکومت کے بعد اس کی افواج نے ہنگری اور موریہ کے خلاف کامیابیاں حاصل کر لی۔مگر موسیٰ کی ابن الوقتی اور بے جا رحم و کرم کی عادات نے تباہ کر دیا، اناطولیہ کی حکومت سے دست برداری کے بعد یہ اپنے وزیروں کے بے وفائی اور اپنے بھائی محمد کی برتری کا شکار ہو گیا۔

۵۔محمد کی آخری فتح اس کی دانائی اور میانہ روی کا نتیجہ تھی۔اس کے والد کی قید سے قبل اس نوجوان شہزادے کو امیشیا کا حکمران مقرر کیا گیا تھا۔یہ علاقہ قسطنطنیہ سے تیس دن کی مسافت پر واقع تھا۔یہاں پر ترک حکومت اور جارجیا اور طربی زونڈ کی عیسائی حکومت کی سرحدوں کا اتصال ہوتا تھا۔ایشیائی حکومت کی جنگوں میں قلعے کو ایک نہایت اہم دفاعی حیثیت حاصل تھی۔امیشیا کا شہر دریائے اریس کی وجہ سے دو برابر حصوں میں تقسیم ہے۔یہ شہر دریا کے دونوں کناروں پر ایک گول تماشا گاہ کی صورت میں بلند ہوتا ہے اور اس کی شکل و صورت کچھ ایسی ہے کہ یہ شہر بغداد کا ایک چھوٹا نمونہ نظر آتا ہے۔جب تیمور نے سرعت سے حملہ کیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے اناطولیہ کے ایک چھوٹے سے کونے پر قبضہ کر لیا تھا، اور محمد نے فاتح کو طیش دلائے بغیر اپنی خاموشی قائم

رکھی اور تا تاریوں کے باقی ماندہ گروہوں کو موقع ملنے پر اپنے ملک سے باہر نکال دیا۔اس نے اپنے آپ کو موسیٰ کی خطرناک ہمسائیگی سے بھی بچالیا۔مگر جب اس کے قدرے مضبوط بھائیوں کی آپس میں جنگ ہوئی تو اس نے اپنی مضبوط اور مستقل غیر جانبداری کو سختی سے برقرار رکھا۔ بالآخر موسیٰ کو فتح حاصل ہوئی اور اس نے ارادہ کر لیا کہ بدقسمت سلیمان کا بدلہ ضرور لے گا۔محمد نے اناطولیہ پر ایک عہد نامے کی رو سے اور رومانیہ کو اپنی فوجی قوت کی بنا پر قبضے میں لے لیا۔اور وہ سپاہی جس نے اس کی خدمت میں موسیٰ کا سر بطور تحفہ پیش کیا اسے خادم سلطنت کی حیثیت سے انعام واکرام سے نوازا گیا۔اسے ملک اور بادشاہ کا محسن قرار دیا گیا۔اس کے پرامن دور میں داخلی تنازعات کی برائیوں کا خاتمہ کر دیا گیا۔اور اسے مضبوط بنیادوں پر دوبارہ کھڑا کر دیا گیا اور اس طرح عثمانی حکومت کا تانا بانا دوبارہ بحال ہو گیا۔اس کا آخری فرض یہ تھا کہ وہ دو وزرا کا انتخاب کرے۔اس سلسلے میں بایزید اور ابراہیم کا انتخاب کیا گیا، جو وقت پڑنے پر نوجوان ولی عہد عموراث کی رہنمائی کا فرض ادا کر سکیں۔ان کی عقل مندی کا یہی اظہار تھا کہ انھوں نے چالیس روز تک بادشاہ کی موت کا راز افشانہ ہونے دیا۔ یہاں تک کہ بادشاہ کا ولی عہد اور جانشین بورسا کے محل میں پہنچ گیا۔ یورپ میں ایک نئی جنگ کا آغاز ہو گیا۔ایک شخص مصطفیٰ جو شہزادہ ہونے کا دعویٰ دار تھا ممکن ہے کہ وہ بہروپیا ہو، پہلا وزیر شکست کھا کر اپنی زندگی سے بھی محروم ہو گیا۔مگر ابراہیم زیادہ خوش قسمت نکلا جس کے نام اور خاندان کا نام ابھی تک احترام سے لیا جاتا ہے۔اس نے بایزید کے تخت کے ایک نقلی وارث کو ٹھکانے لگا دیا۔اس طرح سلطنت میں خانہ جنگی کا خاتمہ ہو گیا۔

ان فسادات کے دوران وہ ترک جو عقل مند تھے، فی الحقیقت تمام قوم سختی سے اتحاد مملکت کے تصور پر قائم رہی، رومانیہ اور اناطولیہ بعض نجی اقتدار پسندوں کی وجہ سے متعدد بار سلطنت سے الگ ہوئے، اب اتحاد کے اعلیٰ جذبات کے اثر میں دوبارہ متحد ہو گئے۔ان کی کوشش نے غالباً عیسائی قوتوں کو بھی یہ سبق سکھا دیا کہ اگر ان علاقوں اور گیلی پولی، آبنائے باسفورس اور دردانیال پر قبضہ کر لیا جاتا تو ترکی حکومت کو کم از کم یورپ سے ہمیشہ کے لیے بے دخل کر دیا جاتا۔اس کے لیے صرف ایک متحدہ بحری بیڑے کی ضرورت تھی۔مگر مغرب میں افتراقات اور فرانس میں مختلف جماعتوں کی باہمی آویزش اور انگلستان کی فرقہ پرستی نے لاطینیوں کی توجہ کو کسی بڑی کارروائی سے روکے رکھا۔انھوں نے موجودہ حالات کو مستقبل کے امکانات کے حوالے سے کبھی نہیں دیکھا۔وہ ہمیشہ وقتی مصلحتوں پر قائم رہے جس سے مشترکہ دشمن کو فائدہ پہنچتا رہا، اور ان کا مذہب بھی پھلتا پھولتا

رہا۔جنیوا کی ایک نوآبادی جسے آئی اونیا کے ساحل پر فوقیہ میں قائم کیا گیا تھا۔وہ منفعت بخش اجارہ داری کی حیثیت سے مشہور ہوئی۔ یہ پھٹکری کی بہت بڑی منڈی تھی، جس کی کانیں بھی اس کے قریب واقع تھیں۔ یہ لوگ ترکی حکومت کے تحت بھی نہایت امن سے رہے۔اس کے لیے وہ مقررہ خراج ادا کرتے تھے۔ جب ترکوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی، تو جنیوا کے گورنر اڈورنو نے نوجوان اور بہادر عموراث کے ساتھ اتحاد قائم کر لیا۔اور یہ وعدہ کر لیا کہ وہ طاقتور بحری جہازوں کی مدد سے اسے ایشیا سے یورپ میں منتقل کر دے گا۔ پانچ سو محافظین امیر البحر کے جہاز میں سوار ہو گئے۔اس کے عملے میں آٹھ سو بہادر فرینک شامل تھے۔اب اس کی زندگی اور آزادی اس کے ہاتھوں میں تھی، اور ہم کسی تأمل کے بغیر اڈورنو کی وفاداری پر بھی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ جب سفر کے وسط میں پہنچے تو اس نے اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے اور نہایت شکر گزاری سے خراج کے تمام بقایا جات ادا کر دیے۔انھوں نے گیلی پولی میں مصطفیٰ کو دیکھا، اس کے ہمراہ دو ہزار اطالوی تھے جو نیزوں اور جنگی کلہاڑوں سے مسلح تھے۔وہ عموراث کی خدمت میں ہیڈریانوپل کی فتح کے لیے جمع تھے، اور اس خدمت کا نتیجہ یہ نکلا کہ فوقیہ کی نوآبادی تباہ ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی تجارت بھی بند ہو گئی۔اگر تیمور یونانیوں کی درخواست پر اس علاقے پر بھی حملہ آور ہو جاتا تو عیسائی ضرور اس کے شکر گزار ہوتے مگر ایک مسلمان جو جارجیا میں تلوار اٹھا کر داخل ہو گیا اور بایزید کے عمل جہاد کو مکمل کرنے لگا، اس پر یورپ کے بت پرست نہ رحم کھا سکتے تھے اور نہ اسے مدد فراہم کر سکتے تھے۔تا تار تو جاہ پسندی کے عمل ہی کو ترجیح دیتے تھے۔اگر اس عمل کے دوران قسطنطنیہ کو آزادی مل گئی تو یہ ایک حادثہ تھا۔جب مینوأل نے حکومت سے دست برداری اختیار کر لی، تو وہ دعا کرتا تھا، اگرچہ اسے امید نہ تھی کہ کلیسا اور اس کا ملک اس کی زندگی میں تباہی سے بچ جائے۔اور جب وہ مغربی سیاحت سے واپس آیا، تو اسے ہر لمحے کوئی نہ کوئی اندوہناک خبر موصول ہوتی رہتی اور اچانک اسے اطلاع ملی کہ عثمانی سلطنت کو شکست ہو گئی ہے اور اسے قید کر لیا گیا ہے۔مینوأل نے موریہ کے مقام موودن سے بحری سفر اختیار کیا اور قسطنطنیہ کے تخت پر قبضہ کر لیا، اور اپنے اندھے حریف کولیبوس کے قریبی جزیرے میں جلاوطن کر دیا، بایزید کے بیٹوں کے سفیروں کو جلد اس سے متعارف ہونا پڑا۔ان کا افتخار ختم ہو چکا تھا، اور ان کی آواز دھیمی تھی، وہ انصاف کے امکانات سے خوف زدہ تھے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ یونانی مغلوں کے لیے یورپ کا دروازہ کھول دیں۔سلیمان نے شہنشاہ کو والد کہہ کر سلام کیا اور اس سے رومانیہ کی حکومت کے لیے درخواست کیا اور وعدہ کیا کہ وہ اچھے تعلقات قائم رکھے گا اور تھیسالونیکا کی حیثیت کو بحال کر

دے گا۔ علاوہ ازیں دو اہم مقامات، سطریمان، پروپونطس اور بحیرۂ اسود پر بھی قبضہ چھوڑ دے گا۔ سلیمان سے اتحاد کی وجہ نے شہنشاہ کو دشمنوں کے مقابل لا کھڑا کیا اور موسیٰ سے بھی انتقام کا موقع مل گیا۔ ترکوں نے افواج جمع کر لیں اور قسطنطنیہ کے دروازوں کے سامنے کھڑے ہو گئے، لیکن انھیں بحری اور بری دونوں راستوں سے واپس دھکیل دیا گیا۔ اور جب تک کہ اس شہر کے دفاع کے لیے غیر ملکی رضا موجود نہ ہوں اور ان کے بغیر بھی یونانیوں کو فتح حاصل ہو جاتی تو وہ حیران رہ جاتے۔ مگر عثمانی قوت کو تقسیم کی بجائے مینوأل کی صبر کی حکمت عملی نے بایزید کے جانشینوں کو متحد ہونے اور طاقت حاصل کرنے کا موقع فراہم کر دیا۔ اس نے محمد کے ساتھ معاہدہ کر لیا کیونکہ وہ گیلی پولی سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ سلطان اور اس کی افواج کو باسفورس کے راستے منتقل کر لیا گیا۔ اسے دارالحکومت میں بڑے احترام سے خوش آمدید کہا گیا اور اس کی مہمان نوازی کی گئی اس کا یہ کامیاب حملہ رومانیہ کی فتح کا پہلا قدم تھا۔ فاتح کی خوش تدبیری اور میانہ روی کی وجہ سے تباہی کا سلسلہ ملتوی ہو گیا، اس نے اپنے تمام فرائض خوش تدبیری سے ادا کیے۔ اور سلیمان کی طرف سے بھی حقوق ادا کر دیے، شکر گزاری اور امن کے تمام قوانین پر عمل کیا، اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے بھائی عموراث کے حسد اور ظلم کے امکانات سے محفوظ کر لیا۔ مگر اس کی آخری وصیت میں ایسے عوامل موجود تھے، جن سے قوم اور مذہب دونوں ناراض ہو گئے۔ اور ایوان نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کر لیا کہ نابالغ شہزادوں کو ایک عیسائی کی تعلیم و تربیت کے زیر اثر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اس پر بازنطینی کونسل میں بھی اختلاف رونما ہو گیا۔ مگر مینوأل بھی اپنی عمر کی وجہ سے محتاط ہو گیا تھا، اس نے یہ سارا معاملہ اپنے بیٹے جان کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔ اس کے نتیجے میں انتقام کی خطرناک کارروائی کا آغاز ہو گیا۔ اصلی یا نقلی مصطفیٰ کو اقتدار سے الگ کر دیا گیا۔ جو کہ مدت سے بطور قیدی یا یرغمال روک کر رکھا گیا تھا۔ اور اس غرض سے انھیں تین لاکھ اسپر (Asper) سالانہ ملتے تھے، تاکہ اس کے اخراجات پورے کیے جا سکیں۔ مصطفیٰ قید خانے کے دروازے پر بیٹھ کر ہر تجویز کو تسلیم کر لیتا تھا اور اس کی آزادی کی قیمت کے طور پر گیلی پولی یا یورپ کے کلیسا کا مطالبہ کیا گیا۔ مگر جونہی وہ رومانیہ کے تخت پر بیٹھا اس نے یونانی سفیر کو مسکرا کر جانے کی اجازت دے دی۔ اس نے نفرت کا اظہار کیا پھر خندہ روئی سے کہا کہ قیامت کے روز اس کا جواب دے گا کہ اس نے حلف کی خلاف ورزی کیوں کی اور ایک مسلمان شہر کو کفار کے ہاتھوں میں دینے سے انکار کیوں کیا۔ شہنشاہ نے ان دونوں حریفوں کے خلاف دشمنی اختیار کر لی۔ جن دونوں کے خلاف وہ کامیاب ہو چکا تھا، اور جن کو وہ مضرت بھی پہنچا چکا تھا۔ عموراث نے آئندہ موسم بہار سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر کے اپنی فتوحات کا آغاز کر لیا۔

قیصران کے شہر کی فتح کا مذہبی پہلو بھی تھا۔ اس کے نتیجے میں ایشیا سے رضا کاروں کے ہجوم آنے شروع ہو گئے۔ جو شہادت کے تاج کے حصول کے جذبے سے سرشار تھے۔ بہتر زیادہ مال غنیمت اور خوبصورت دوشیزاؤں کے حصول کا بھی امکان تھا۔ سلطان کو اقتدار کے حصول کی بہت پختہ امید تھی۔ کیونکہ سید بقر کی ایک پیشین گوئی بھی موجود تھی، جو آنحضرت کی نسل سے تھا، وہ ایک خچر پر سوار ہو کر پڑاؤ میں آیا، ان کے ہمراہ پانچ سو کی تعداد میں ان کے مرید بھی تھے۔ مگر ایسی صورت میں کہ ان کی پیشین گوئی پوری نہ ہوتی تو وہ بھی دوسرے متعصبین کی طرح شرمندگی محسوس کرتے۔ دو لاکھ ترک افواج کو شہر کی فصیلوں نے روک لیا، ترکوں کے حملوں کو یونانیوں اور غیر ملکی رضا کاروں کے دفاع نے روک لیا۔ قدیم دفاع کے انداز کو نئی منجنیقوں کے حملوں میں تبدیل کر لیا گیا اور درویش کی دعائیں مؤثر نہ ہو سکیں۔ عیسائیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ انھوں نے کنواری مادر کو ریشمی لباس پہنا رکھا تھا، وہ پشتوں پر گھومتی پھرتی رہی اور اپنے معتقدین کی حوصلہ افزائی کرتی رہی۔ دو ماہ تک محاصرہ جاری رہا مگر اس کے بعد عموراث کو بورسا میں واپس جانا پڑا۔ کیونکہ وہاں پر بھی بغاوت ہو گئی تھی۔ یہ بغاوت یونانی سازش اور شرارت کی وجہ سے ہوئی۔ مگر یہ ایک بے گناہ بھائی کی موت کی وجہ سے جلد ہی ختم ہو گئی۔ مگر اس دوران اس کی ینی چری افواج نے یوپ اور ایشیا میں بعض نئی فتوحات حاصل کیں۔ بازنطینی سلطنت کو تیس سال پر امن مل گئے۔ مگر مجموعی طور پر اس حکومت کی حالت غلامانہ اور خراب ہی رہی۔ مینوأل فوت ہو کر دفن ہو گیا۔ جان پلائیولوگوس کو موقع مل گیا کہ وہ عنانِ حکومت سنبھال لے۔ اس کے لیے تین لاکھ اسپر سالانہ خراج مقرر کر دیا گیا۔ مگر قسطنطنیہ کے مضافات میں جتنا علاقہ تھا وہ اس نے واگزار کر دیا۔

ترکی سلطنت اور بحالی میں استحقاق کا سب سے زیادہ جواز سلطان کی ذاتی خوبیوں اور صلاحیتوں پر مبنی تھا۔ کیونکہ اس کے بعد انسانی معاملات کے فیصلے فرد واحد کے ہاتھ میں آ جاتے ہیں۔ نو حکومتیں اور دو سو پینسٹھ سال عثمانی حکومت سلطان کی وفات کے بعد بھی قائم رہی۔ اس سلسلے کا آغاز سلیمان کے اقتدار سے ہوا تھا اس طویل مدت میں جنگجو اور فعال حکمرانوں کے متعدد سلسلے وجود میں آئے، انھوں نے اپنی رعایا کو فرمانبردار اور دشمنوں کو خوف زدہ رکھا۔ ماسوائے عیش کوشی کے تمام ترکی سلاطین رزم و بزم دونوں میں باقاعدہ تربیت یافتہ تھے۔ آغاز شباب ہی میں ان کے والد انھیں صوبائی اور فوجی انتظامیہ میں عملی تربیت کا موقع فراہم کر دیتے تھے۔ اگرچہ ان اداروں کی وجہ سے اکثر خانہ جنگیاں بھی وقوع پذیر ہو جاتی تھیں مگر اس عملی تربیت سے یہ فائدہ

ضرور ہوتا کہ حکمرانوں کو نظم وضبط اور قوت نصیب ہو جاتی جو ایک حکمران کے لیے لابدی ہے۔ عثمانی اپنے آپ کو عرب خلفا کے انداز میں پیش نہ کر سکے۔ وہ پیغمبر خدا کی نسل یا خاندان سے نہ تھے اور ان کا تاتاریوں یا چنگیز خان سے کبھی کوئی رشتہ نہ تھا، جو لوگ انھیں اس خاندان سے منسلک کرتے ہیں وہ محض خوشامد کرتے ہیں۔ ان کی ابتدا مبہم تھی، مگر ان میں ذاتی صلاحیتوں کو اس قدر فراوانی تھی کہ ان کا احترام خود بخود جلد قائم ہو گیا جو وقت گزرنے کے ساتھ قائم رہا اور کوئی بغاوت یا مخالفت اس کی نفی نہیں کر سکی۔ رعایا ہمیشہ انھیں تکریم فراہم کرتی رہی۔ اگر کوئی سلطان کمزور اور بے راہرو ہوتا ہے تو اسے معزول کر کے اس کا گلا گھونٹ دیا جاتا۔ مگر اس کی وراثت اس کے نابالغ یا احمق بیٹے کے سپرد کر دی جاتی، کوئی جرأت آزما یا دلیر باغی تخت پر قبضے کرنے کی کوشش نہ کرتا۔ تخت ہمیشہ قانونی وارث ہی کو ملتا۔ حالانکہ ایشیا میں یہ بالعموم ہوتا رہا ہے کہ مکار وزیر یا جاہ پسند جرنیل حکومت پر زبردستی قبضہ کرتے رہے ہیں، مگر پانچ صدیوں کی حکمرانی کے باوجود عثمانی سلطنت میں جانشینی کا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا۔ اور حقوق وراثت کا ہمیشہ تحفظ کیا گیا اور ابھی تک ترک قوم میں یہ عمل ایک اہم اصول کے طور پر نافذ ہے۔

اس قوم کے مزاج اور دستور میں ایک مضبوط اور فقید المثال اصول قائم رہا ہے۔ اس خاندان کی ابتدائی برادری چار سو خانہ بدوش ترکمانوں پر مشتمل تھی۔ جو دریائے آمو اور سنگار میں ایک دوسرے سے متحد ہو کر منتقل ہوتے رہے ہیں۔ ابھی تک اناطولیہ کے صوبے میں ان کے سیاہ اور سفید خیمے پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مگر جب ان میں رضا کار اور شکست خوردہ اقوام بھی شامل ہوتی گئیں تو اتحاد کی یہ صورت قائم نہ رہی۔ اب وہ سب مشترکہ زبان، مذہب اور اسلوب حیات کی بنیاد پر ترک ہی کہلاتے ہیں۔ ارض اروڈم/اردم (Erzeroum) کے شہر سے لے کر بلغاریہ تک تمام مسلمانوں کو ترک ہی کہا جاتا ہے۔ تمام کو درجۂ اول کے معزز ترک شہری ہی کہا جاتا ہے۔ مگر کم از کم رومانیہ میں انھوں نے اپنی زمینیں کاشتکاری کے لیے عیسائی کسانوں کے حوالے کر دی ہیں۔ جب عثمانی حکومت اپنے اقتدار کے عروج پر تھی، تو ترک خود بخود فوجی اور انتظامیہ کے عہدوں سے دست بردار ہو گئے تھے اور رعایا کا ایک محکوم طبقہ اس غرض سے منتخب کر لیا گیا تھا، اسے تعلیم دی جاتی نظم وضبط سکھایا جاتا اور وہ خود بھی رعایا ہونے کے باوجود ان کے لیے حکمرانی کا سامان پیدا کرتے، فوجوں کی کمان کرتے اور فتوحات حاصل کرتے۔ ارغون اور عموراث اول کے دور سے سلطان مجبور ہوتے کہ ہر نئی نسل کے ساتھ وہ نئے سپاہی بھرتی کرتے اور تازہ دم افواج مرتب کرتے، ان نئے سپاہیوں میں صرف ایشیائی سپاہی

ہی شامل نہ ہوتے، بلکہ یورپ سے بھی تنومند افراد بھرتی کر لیے جاتے۔ تھریس، مقدونیہ، البانیہ، بلغاریہ مستقل طور پر ترک افواج کے لیے بھرتی کا مرکز رہے۔ اور جب قیدیوں میں سے پانچواں شخص برسر اقتدار آیا تو اس نے ایک نہایت ظالمانہ ٹیکس عائد کیا کہ ہر عیسائی خاندان کے لیے ضروری ہے کہ ہر پانچواں بچہ فوج میں بھرتی کرائے یا ہر پانچویں سال ایک نوجوان فوج میں بھرتی کرائے۔ عیسائی خاندانوں سے اس پر سختی سے پابندی کرائی جاتی۔ جب بچے کی عمر بارہ یا چودہ سال ہوتی تو اسے خاندان سے زبردستی الگ کر دیا جاتا۔ ان کے نام کتابوں میں لکھ لیے جاتے اور اسی لمحے سے ان کی سرکاری ملازمت کے لیے تربیت کا آغاز کر دیا جاتا، ان کی شخصیت کے مطابق ان کو بورسا، پیرہ یا ہیڈریانوپل کے مدارس کے لیے منتخب کیا جاتا اور انھیں پاشاؤں کی نگرانی میں دے دیا جاتا یا اناطولیہ کے کسان خاندانوں کی تحویل میں دے دیا جاتا، ان کے سرپرستوں کا پہلا فرض یہ ہوتا کہ وہ انھیں ترکی زبان کی تعلیم دیں، محنت اور ورزش سے وہ اپنے جسموں کو مضبوط بناتے وہ کشتی کرتے، چھلانگیں لگاتے، دوڑتے، تیر اندازی کرتے، پھر بندوق چلانا سیکھتے، اس کے بعد انھیں ینی چیری افواج کے دستوں میں بھرتی کر لیا جاتا، اور انھیں فوجی تربیت کے لیے منتخب کر لیا جاتا، وہ نوجوان، جو نسل، استحقاق اور وجاہت میں بہت اعلیٰ ہوتے۔ انھیں اگیامغلان (Agiamoglans) یا زیادہ آزاد خیال طبقہ آئی کوگلان (IChogolans) کے طور پر منتخب کر لیا جاتا۔ اول الذکر کو محل کی خدمات کے لیے مخصوص کر لیا جاتا، اور آخر الذکر کو بادشاہ کے ذاتی محافظین میں جگہ ملتی۔ انھیں یورپی خواجہ سراؤں کے سپرد کر دیا جاتا، جو انھیں شہسواری، اور برچھا پھینکنے کی تربیت دیتے ان میں سے جو مطالعہ کے شوقین ہوتے انھیں قرآن کا مطالعہ کرایا جاتا، اور پھر رومی، عربی اور فارسی زبانوں کی تربیت بھی دی جاتی، جوں جوں ان کا تجربہ اور استحقاق بڑھتا جاتا۔ ان کی ترقی ہوتی رہتی۔ بالآخر انھیں فوج، انتظامیہ، بلکہ مذہبی شعبے میں بھی مستقل ملازمت عطا کر دی جاتی، ان کی توقعات میں اضافہ ہوتا رہتا۔ جب یہ چالیس سال کی عمر کو پہنچتے، تو انھیں بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا جاتا، جو انھیں صوابدید کے مطابق صوبوں یا مرکز میں اعلیٰ عہدوں پر فائز کرتا۔ ایک مطلق العنان حکومت کی انتظامیہ کے لیے یہ طریق انتخاب انتہائی موزوں تھا، وزرا اور جرنیل فی الحقیقت بادشاہ کے غلام تھے، اسی کی مہربانی سے انھیں تعلیم ملی اور اسی کی کرم فرمائی سے انھیں ملازمت حاصل ہوئی۔ جب ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت مکمل ہو جاتی، اور ان کی داڑھیاں بڑھنے لگ جاتیں، جو بلوغت کا نشان تھا، انھیں اہم مستقل ملازمت مل جاتی، اس میں کسی رشتے، دوستی، آبا و اجداد کے اثر ورسوخ، یا وراثت کسی شے کا خیال نہ رکھا جاتا، صرف وہی ہاتھ ان کا سہارا تھا،

جس نے انھیں خاک سے اٹھایا، جسے ذرا سی خفگی ہوتی تو ان بلوری بتوں کو پاش پاش کر دیتا۔ ترکی محاورے میں انھیں اسی تشبیہ سے یاد کیا جاتا، ان کے تمام مدارج آہستہ آہستہ اور محنت شاقہ سے طے ہوتے، حتیٰ کہ ان کی اہلیت ایک چشم بینا کے سامنے پیش ہو جاتی، ہر شخص کی اہلیت عریاں ہو کر سامنے آ جاتی، اور ان کا ذاتی استحقاق طے ہو جاتا، اگر بادشاہ میں اتنی دانائی ہوتی کہ وہ صحیح شخص کا انتخاب کر لیتا تو اس کے سامنے ایک غیر محدود افرادی قوت ہوتی، جن میں سے وہ موزوں ترین افراد کا انتخاب کر سکتا۔ بادشاہ کو اس امر میں پوری آزادی اور صوابدیدی اختیارات حاصل تھے۔ عثمانی عاملین کو جو تربیت دی جاتی، وہ عمل کرنے اور حکم بجالانے کی تھی اپنے افسران اعلیٰ کے ہر حکم کی تعمیل کی تھی۔ فوجی سپاہ میں بھی اس نوع کی روح پیدا کی جاتی تھی۔ وہ خاموشی اور سنجیدگی سے اور مستقل مزاجی سے اپنا فرض ادا کرتے۔ ان کے عیسائی دشمن بھی ان کی ان خوبیوں کی تعریف کرتے۔ جب ہم ینی چری فوجیوں کی ورزش اور نظم و ضبط کا عیسائی سپاہ کی بدنظمی، نسلی تفوق اور مبارزت سے موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں ترکی فوج کی برتری اور فتوحات کے حصول کی اہلیت میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ جبکہ عیسائی افواج میں نئی بھرتی جہلا سے کی جاتی اور تجربہ کار فوجیوں کو اپنے کردار پر بے جا فخر تھا۔ الغرض یورپی افواج ایک طویل عرصے سے ابتری اور بدنظمی کا شکار تھیں۔

یونانیوں کی نجات کا واحد سہارا یہ تھا کہ وہ کوئی نیا اسلحہ ایجاد کر لیں جو اپنی ہمسایہ سلطنت کے اسلحہ سے زیادہ طاقتور ہو، اگر وہ اس فن میں کوئی نئی چیز ایجاد کر لیں تو یقیناً انھیں برتری حاصل ہو جائے گی۔ اور اس طرح وہ اپنے ترک دشمنوں پر غلبہ پا لیں گے۔ اور یہ اسلحہ اب ان کے ہاتھوں میں تھا۔ یہ ایجاد ایسے موقع پر ہوئی جبکہ ان کی قسمت کا ستارہ انتہائی گردش میں تھا۔ چین یا یورپ کے کیمیا دانوں نے یہ دریافت کر لیا تھا کہ شورہ، گندھک اور لکڑی کے کوئلے کے مرکب سے چنگاری پیدا کی جا سکتی ہے اور علاوہ ازیں ایک بہت بڑا دھماکہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس سفوف کی مدد سے اگر کوئی پتھر کا ٹکڑا یا لوہے کی گولی پھینکی جا سکے تو اس کی مزاحمت مشکل ہے اور وہ تباہ کن قوت سے نشانے پر لگ سکتی ہے۔ روایات اس قدر متناد اور مشکوک ہیں کہ ہم اس ایجاد کا درست وقت متعین نہیں کر سکتے۔ لیکن ہم یہ واضح طور پر کہہ سکتے ہیں کہ چودھویں صدی کے وسط تک اس کے متعلق علم موجود تھا اور اس صدی کے آخر تک جرمنی، اٹلی، فرانس اور انگلستان کو توپ خانے کو میدان جنگ میں لانے کا فن پوری طرح سے معلوم ہو چکا تھا۔ کون سی قوم اس سے پہلے آگاہ ہوئی اس کا تعین ایک غیر اہم معاملہ ہے۔ اس میں کسی قوم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کہ کون سی قوم اس فن

سے پہلے آگاہ ہوئی، یا کون سی قوم اس میں زیادہ مہارت رکھتی تھی۔ چونکہ اس فن میں مشترکہ صلاحیت حاصل ہو گئی، اس لیے یہ تمام اقوام اس سے یکساں مفاد حاصل کر سکتی تھیں۔ یہ ایسا راز نہ تھا کہ کسی گرجا گھر میں مسدود یا محدود کیا جا سکتا۔ یہ راز کسی غدار کی وجہ سے ترکی کے سلطان کو بھی معلوم ہو گیا۔ ممکن ہے کہ کسی نے اس راز کی فروخت سے مالی فائدہ حاصل کیا ہو۔ اس نے عیسائی مہندسوں کو بھی انعام و اکرام کا لالچ دے کر خرید لیا ہوگا۔ وہ جنیوا کے باشندے، جنھوں نے عموراث کو یورپ میں منتقل کیا تھا، وہ اس راز کا انکشاف بھی کر سکتے تھے، اور غالباً یہی لوگ تھے جنھوں نے توپ بنائی اور قسطنطنیہ کے محاصرے میں اس کا استعمال کیا گیا۔ فی الحقیقت پہلی کوشش ناکام رہی۔ مگر اس دور کی عام جنگ میں فائدہ انھوں نے ہی حاصل کیا۔ جو جنگ کے عام اصولوں میں بھی برتری کے حامل تھے۔ مگر کچھ مدت کے لیے حملہ اور دفاع معطل کر دیا گیا، اور توپ خانے کا استعمال صرف ان فصیلوں اور قلعہ بندیوں کے خلاف کیا گیا جو منجنیقوں کے حملوں کے دفاع کے لیے تعمیر کی گئی تھیں۔ جلدی بارود کا استعمال مصر اور ایران کے سلاطین کو بھی سکھا دیا گیا۔ کیونکہ یہ سلاطین عثمانیوں کے خلاف مغرب کے اتحادی تھے۔ یہ راز بہت جلد ایشیا کے دور افتادہ ممالک تک بھی پہنچ گیا اور یورپی ممالک کو صرف یہ فائدہ پہنچا کہ انھوں نے نئی دنیا کے قبائل پر آسانی سے فتح حاصل کر لی۔ اگر ہم اس شرارت آمیز ایجاد کی اشاعت کا موازنہ، استدلال، سائنس اور آرٹ کے مضامین کی آہستہ تبلیغ سے کریں، تو ہمیں بنی نوع انسان کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر ہنسی آئے گی۔

☆☆☆

(۶۶)

مشرقی شہنشاہوں کی پاپا یان کو درخواستیں — جان (John) اوّل،
مینوئل (Manuel)، جان دوم اور پلائیولوگوس (Palaeologus) کا
دورۂ مغرب یونانی اور لاطینی کلیسا کا اتحاد، جسے باسل (Basil) کی
کونسل نے فروغ دیا اور فرارا (Ferrara) اور فلورنس (Florence)
نے انجام تک پہنچایا — قسطنطنیہ میں ادب کی کیفیت،
یونان اور مفروروں نے اسے اٹلی میں دوبارہ
زندہ کیا — لاطینیوں کا تجسس اور رشک۔

مشرقی شہنشاہوں کی پاپایان کو درخواستیں — جان اوّل، مینوئل، جان دوم اور پلائیو لوگوس کا دورۂ مغرب یونانی اور لاطینی کلیسا کا اتحاد، جسے باسل کی کونسل نے فروغ دیا اور فرارا اور فلورنس نے انجام تک پہنچایا — قسطنطنیہ میں ادب کی کیفیت، یونان اور مفروروں نے اسے اٹلی میں دوبارہ زندہ کیا — لاطینیوں کا تجسس اور رشک۔

گزشتہ چار صدیوں سے یونانی شہنشاہوں کے جو تعلقات پاپایان روم اور لاطینیوں سے رہے ہیں۔ ان میں کبھی دوستانہ اور کبھی مخالفانہ پہلو نمایاں رہا ہے۔ ان کو ان دونوں سلطنتوں کی خوشحالی یا بدنصیبی سے مقیاس الحرارت کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی صورتحال کو غیر مہذب اقوام کے پیمانے کے طور پر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جب ترکوں کے سلجوق قبیلے نے ایشیا پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اور قسطنطنیہ کے لیے خطرات کا باعث بننے لگے، تو ہم دیکھتے ہیں کہ پالیسنشیا (Placentia) کی کونسل میں الیکسی اوس کا سفیر یہ درخواست کر رہا تھا کہ یونانیوں کو عیسائیوں کے مشترکہ پاپائے روم کی مدد درکار ہے۔ جونہی فرانسیسی زائرین کی افواج نے سلطان کو نائس سے آئی کونیئم میں منتقل کر دیا، تو اس کے فوراً بعد یونانی شہنشاہوں نے مغربی اقوام سے نفرت کا دوبارہ اظہار شروع کر دیا، وہ مغربی بدعتوں کو بہت برا سمجھتے تھے۔ ان کا یہی طرز عمل ان کے زوال کا موجب ہوا۔ جان واطاقیس نے مغل امیر کے حملوں کا ذکر بہت نرم الفاظ میں کیا ہے۔ جب قسطنطنیہ کو بازیاب کرا لیا گیا تو پلا ئیولوگوس کا تخت غیر ملکی اور داخلی قوتوں کے نرغے میں آ گیا۔ چارلس کی تلوار ہر وقت اس کے سر پر لٹکتی رہتی تھی۔ اس نے عاجزانہ انداز میں رومی اسقف سے مدد طلب کی۔ اور اپنے عقیدے کو اپنے دور کے خطرات سے بچنے کے لیے قربان کر دیا، اس کا اعتقاد، اس کی خوبیاں اور اپنی رعایا سے محبت کا کوئی وجود باقی نہ رہا۔ جب میکائیل فوت ہو گیا تو اس کی رعایا نے اپنے کلیسا کی آزادی، نسلی تشخص اور اپنے عقیدے کی صداقت پر زور دیا، بزرگ اینڈ رونی کوس نہ تو لاطینیوں سے ڈرتا تھا اور نہ اسے ان سے محبت تھی، جب وہ آخری بار مصائب میں گرفتار ہوا تو اس کے جذبۂ افتخار کا سہارا صرف اس کے عقائد پر تھا۔ وہ زندگی بھر اپنے عہد شباب میں کیے گئے وعدوں کا بھی اعلیٰ انداز اور مستقل مزاجی سے اظہار بھی نہ کر سکا اور نہ کبھی ان سے انکار

کر سکا، اور اینڈ رونی کوس تو اپنے مزاج اور حالات کا شکار رہا۔ مگر جب ترکوں نے بائھینیا کو فتح کر لیا تو یہ مجبور ہوا کہ اہل مغرب سے روحانی اور مادی مدد کی درخواست کرے۔ اور کسی نوعیت کا اتحاد قائم کرے۔ پچاس سال کی خاموشی اور علیحدگی کے بعد اس نے ایک خفیہ مختار کار راہب برلام، پوپ بینیڈکٹ دواز دہم (۱۲) کے پاس روانہ کیا۔ اور اس سفیر کو جو ہدایات دی گئیں وہ اس کے اپنے محتاط ذہن کی پیداوار تھیں۔ اسے کہا گیا تھا کہ وہ اس طرح پوپ سے ہمکلام ہو۔ ''مقدس ترین باپ! کہ شہنشاہ بھی آپ سے کم خواہش مند نہیں کہ دونوں کلیساؤں میں اتحاد قائم کیا جا سکے۔ مگر اس اہم معاملے میں وہ اپنے وقار اور اپنی رعایا کی عصبیت کا بھی خیال رکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے اس اتحاد میں بھی دو ذرائع سے کام لینا ہوگا۔ قوت اور ترغیب دونوں کو استعمال کرنا ہوگا۔ ان کے اثرات کو پہلے بھی آزمایا جا چکا ہے۔ لاطینیوں نے سلطنت کو تو شکست دے دی ہے مگر عوام کے دل جیتنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اس لیے ترغیب کا راستہ ہی اختیار کرنا ہوگا۔ اگرچہ یہ عمل سست رو ہے، مگر اس کے نتائج یقینی اور مستقل ہیں۔ ہم تیس یا چالیس علماء کا ایک وفد بھیجیں گے جو ویٹی کن میں اتحاد اور صداقت کی تلاش کرے گا۔ مگر وہ واپسی پر عقائد کے اتحاد کے متعلق اپنی کارروائی کا آغاز کر دے گا۔ ان کے اس عمل کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ لوگ ان سے نفرت کرنے لگیں گے اور قوم کے مخالفانہ جذبات میں اضافہ ہوگا کیونکہ عوام اندھے ہونے کے علاوہ ضدی بھی ہیں۔ مگر یہ قوم ان عقائد کو تسلیم کرتی ہے جو مجلس عامہ میں متعین کیے گئے ہیں۔ اگر وہ لائی اون کے فیصلوں سے انحراف کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرقی آبادی کی بات کبھی سنی بھی نہیں گئی اور نہ ہی انھیں مناسب نمائندگی حاصل ہوئی ہے۔ اور جلسوں میں اپنی پسند کے فیصلے کر لیے گئے ہیں۔ اس بلند مقصد کے حصول کے لیے یہ ضروری ہوگا بلکہ ناگزیر ہوگا کہ ایک اچھی طرح سے انتخاب کردہ کیسائی وفد مشرق میں بھیجا جائے جس میں قسطنطنیہ، اسکندریہ، انتاخ اور یروشلم کے نمائندے بھی شامل ہوں۔ اور ان کی مدد سے ایک بین الاقوامی اجتماع بلایا جائے، مگر ان لمحات میں مملکت کو ترکوں کے حملے کے خطرات درپیش ہیں جواب تک اناطولیہ کے چار بڑے شہروں پر قابض ہو چکے ہیں۔ عیسائی باشندوں کی خواہش ہے کہ وہ واپس اپنے عیسائی بھائیوں سے اتحاد قائم کر لیں۔ اور وہ اس کا بار بار اظہار بھی کر چکے ہیں۔ مگر شاہی محاصلات اور افواج موجودہ خطرات کے مقابلے کے لیے ناکافی ہیں۔ اس لیے مذکورہ وفد کی آمد سے پیشتر ہی فرینکوں کا ایک لشکر بھی روانہ کر دیا جائے، تاکہ ترکوں کو باہر نکالا جا سکے اور مقدس مرقدِ مسیح کا تحفظ کیا جا سکے۔ مگر یونانیوں کو ان پر شک تھا وہ یونانیوں کے خلوص کا کوئی پیشگی ثبوت چاہتے تھے۔ برلام جو جوابات لے کر آیا وہ

لبردانش اور بعض استدلال طالب تھے۔

۱۔ کلیساؤں کا اتحاد ایک اجلاس عام ہی میں کیا جا سکتا ہے۔ اور اجلاس عام بھی صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ مسلم حکومتوں کے تحت تین اسقف اور ایک بڑی تعداد میں بشپ بھی اس مطالبے میں شریک ہوں۔

۲۔ یونانیوں کو طویل عرصے سے بعض مصائب درپیش ہیں اور وہ زخم کھا رہے ہیں۔ انھیں آپس میں برادرانہ محبت پیدا کر کے صلح کر لینی چاہیے۔ اس کے بعد کوئی مؤثر مدد فراہم کی جا سکتی ہے جن سے شہنشاہ اور دوسرے دوستوں کی دفاعی قلعہ بندیوں میں مدد کی جا سکے۔

۳۔ اگر عقائد یا عبادات کی ادائیگی میں بعض ایسے اختلافات موجود ہوں، جن کا علاج ممکن نہ ہو، تو یونانی ہر حال میں حضرت عیسیٰؑ ہی کے پیروکار ہیں، اور ترک تمام عیسائیوں کے متحدہ دشمن ہیں۔ آرمینیا، قبرص اور رہوڈیا کے باشندوں پر بھی برابر حملے کیے جا رہے ہیں۔ اس صورت میں شاہان فرانس پر یہ فرض عائد ہو جائے گا کہ وہ دشمنان عیسائیت کے خلاف تلوار اٹھا لیں۔

۴۔ اگر اینڈ رونی کوس کی رعایا کو افتراقی اور بدعتی سمجھا جائے، یا کفار کی صف میں شمار کیا جائے، تو پھر یورپ پر یہ فرض عائد ہو جائے گا کہ وہ مل کر کوئی ایسی حکمت عملی اختیار کریں کہ وہ اس ڈوبتی ہوئی سلطنت کو بچا لیں، یورپ کی سرحدوں کی حفاظت کریں، اور ترکوں کے خلاف یونان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور یہ توقع رکھیں کہ یونانیوں کے قیدیوں اور خزانوں کو بچا لیا جائے گا۔ اینڈ رونی کوس کے تمام مطالبات کو شاہانہ اور ٹھنڈے مزاج سے ٹھکرا دیا گیا۔ فرانس اور نیپلز کی حکوتوں نے ایک نئی صلیبی جنگ کے خطرات سے احتراز کیا اور وہ ایسی فتح کو قابل قبول نہ سمجھتے تھے، جس میں متعدد جانوں کا نذرانہ دینا پڑے۔ پوپ نے عقائد میں ترمیم کے لیے کسی نئے اجلاس کو طلب کرنے سے انکار کر دیا، وہ لاطینی شہنشاہ کے اختیاراتِ اعلیٰ کا حامی تھا، اور اسقف نے یونانیوں کے خلاف سختی سے کارروائی کرنے کا مشورہ دیا۔ اس نے ان لوگوں کے خلاف بھی ناپسندیدگی کا اظہار کیا جو یونانیوں اور رومی کلیسا کے مابین کسی ثالثی کا کردار ادا کرنا چاہتے تھے یا یونانی کلیسا کی کسی نوعیت کی نمائندگی کرنا چاہتے تھے۔ اس نوعیت کی سفارت کاری کے لیے یہ وقت بھی نامناسب تھا، اور اس کے لیے کوئی ایسا کردار بھی متعین نہیں کیا جا سکتا تھا، جو اس کے مقابلے میں زیادہ مؤثر ثابت ہوتا۔ یونانیوں کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے تھا کہ بینیڈکٹ دواز دہم ایک کم عقل دہقان ہے اور ان کی چال میں آ جائے گا وہ دانش مند تھا وہ حضرت مسیح کی عشائے ربانی سے آگاہ تھا، وہ اس پر بھی متفکر تھا کہ نظام پاپائیت میں اس کی

اہمیت اور مقبولیت کے لحاظ سے وہ تیسری کج کلاہی کا دعویدار تھا، مگر حقیقت ہے کہ وہ دینی یا دنیاوی اقتدار کے لیے بالکل غیر موزوں تھا۔

اینڈ رونی کوس کی موت کے بعد جبکہ یونانی خانہ جنگیوں میں معروف ہو گئے تو وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ عیسائیوں کا کوئی علمی اتحاد ممکن ہے، مگر جونہی قانطاقی اوس نے اپنے دشمنوں کو معاف کر دیا تو اس کی یہ خواہش بھی تھی کہ ترک یورپ میں داخل ہو جائیں اور اس کی بیٹی کی شادی ترک بادشاہ سے ہو جائے، اس نے اپنے دربار کے دو افسران، جن کے ہمراہ ایک لاطینی ترجمان بھی تھا، دربار میں روانہ کیے۔ وہ ایوگنان کے مقام پر دریائے رہون کے کنارے ملے۔ یہ گزشتہ ستر سال کے عرصے میں پہلی تقریب تھی اس نے ان ناگزیر مصلحتوں کی وضاحت کی جن کی بنا پر اسے غلط کاروں سے اتحاد کرنا پڑا، اور اس نے ان صداؤں کا تذکرہ بھی کیا جو عیسائیوں کے مابین اتحاد اور صلیبی جنگوں کے حق میں بلند ہو رہی تھیں۔ بینیڈکٹ کا جانشین کلیمنٹ ششم برسر اقتدار تھا، اس نے بڑے احترام کے ان کی مہمان نوازی کی، اور یہ تسلیم کیا کہ ان کا شہنشاہ بے گناہ ہے، اس کے مصائب کی حقیقت کو بھی تسلیم کیا، اور اس نے یہ بھی واضح کیا کہ یونانی دربار کے حالات اور مشکلات سے وہ پوری طرح سے باخبر ہے۔ اسے ساوائے کی خاتون نے اس سے قبل ہی پوری طرح سے آگاہ کر دیا تھا۔ ملکہ این کا ایک خادم اسے ان تمام حالات سے آگاہ کر چکا تھا، جو دربار یونان کو درپیش تھے۔ اگرچہ کلیمنٹ میں وہ خوبیاں مفقود تھیں جو ایک اسقفِ اعظم کے لیے ہونا ضروری ہیں، مگر اس کے مزاج میں شاہانہ خصوصیات کا فقدان نہ تھا۔ وہ بڑی فیاضی سے حکومتوں کا اقتدار تقسیم کر دیتا تھا، اس دور اقتدار میں ایوگنان کی صورت ایک شاہی دارالحکومت کی ہو گئی تھی۔ یہاں شان و شوکت اور عیش کے مظاہر عام تھے۔ اس نے اپنی جوانی ایک جاگیردار کی حیثیت سے گزاری تھی۔ اس کا محل بلکہ خواب گاہ اس کی پسندیدہ مستورات کی آماجگاہ بنی رہتی تھی، فرانس اور انگلستان کی جنگیں اس تقدس مآب کو پسند نہ تھیں، مگر اپنے تصور وہ اس صورتحال پر محظوظ ہوتا تھا۔ جب یونانی سفیر واپس آیا تو اس کے ہمراہ دو لاطینی بشپ بھی تھے جو اسقف اعظم کی مجلس وزرا کے رکن تھے۔

جب وہ قسطنطنیہ میں پہنچے تو بادشاہ اور انھوں نے ایک دوسرے کی خوبیوں اور صفات کی تعریف کی اور وہ جب بھی ملتے ایک دوسرے کی تعریف کرتے اور مستقبل کے لیے وعدے بھی کرتے۔ دونوں فریق اس طرزِ عمل سے خوش رہتے، اور دونوں میں سے کسی کو دھوکا نہ ہوتا۔ قنطاقوزین نے کہا: ''میں خوش ہوں کہ ہم نے ایک صلیبی جنگ کا منصوبہ تیار کر لیا ہے، اس کی وجہ سے میری شان و شوکت میں بھی اضافہ ہو گا اور عوام بھی

سرور ہوں گے۔ میری حکومت فرانس کی افواج کو ایک آزاد راستہ مہیا کرے گی۔ میری افواج، جنگی جہاز اور میرے خزانے اس مشترکہ مقصد کے لیے استعمال کیے جا سکیں گے۔ میری قسمت کھل جائے گی، ممکن ہے کہ اس عمل سے مجھے تاجِ شہادت بھی مل جائے، میرے پاس الفاظ نہیں جن کی مدد سے میں عیسائیت کے اختلافات پر افسوس کا اظہار کر سکوں، اگر میری موت سے یہ مسئلہ حل ہو سکے، تو میں بخوشی اپنی تلوار اور گردن دونوں حاضر کر دوں گا۔ اگر میری موت کی راکھ سے ایک روحانی ققنس پیدا ہو سکتا ہو تو خود ہی اپنی چتا تیار کر کے اسے خود ہی آگ بھی لگا دوں گا۔ اس کے باوجود شہنشاہ یونان ان عقائد سے بخوبی واقف تھا، جو دونوں کلیساؤں کے مابین باعثِ اختلاف تھے ان کی وجہ صرف لاطینیوں کا جذبۂ افتخار اور خود پسندی ہے اور پلائیولوگوس اول نے اس سلسلے میں جو اقدامات کیے تھے وہ ان کی تائید نہیں کرتا تھا اور بالآخر یہ کہا کہ وہ اپنے ضمیر کا سودا نہیں کرے گا تاوقتیکہ کوئی مشترکہ اور متحدہ مجلس مذہب قائم ہو اور وہ عقائد کے متعلق نیا فیصلہ کر دے۔ اس نے مزید کہا کہ حالات کے تقاضے مجھے اور پوپ کو یہ اجازت نہیں دیتے کہ ہم روم یا قسطنطنیہ میں ملاقات کریں۔ البتہ اس کے لیے کسی تجارتی شہر کا انتخاب کیا جا سکتا ہے جو دونوں ممالک کی سرحدوں پر واقع ہو۔ اس میں بشپ بھی مل کر بیٹھیں اور مشرق و مغرب کے عیسائیوں کو ہدایت دیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پاپائی سفیر دونوں سے متفق ہے اور اسے یہ تجویز بھی پسند ہے۔ قنطاقوزین اس کے بعد مایوس ہو گیا، اس کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں کیونکہ کلیمنٹ کی موت واقع ہو گئی، اور اس کے جانشین کا مزاج اس سے مختلف تھا۔ یہ خود تو اس کے بعد زندہ رہا مگر اس کی زندگی تو ایک قید خانے کی پابندی میں جکڑی گئی۔ اس کا پادری بھی اب صرف اس قابل رہ گیا کہ دعا کرتا رہے وہ اپنے شاگردوں یا ریاست کو کوئی مشورہ دینے کے قابل نہ رہا۔

اس کے باوجود بازنطینی بادشاہوں میں سے اس کا شاگرد رشید پلائیولوگوس، اعتقاد، یقین اور مغربی گلہ بان کی ہدایات پر عمل کرنے کے لیے بہت زیادہ مستعد تھا۔ اس کی ماں ساوائے کی این، لاطینی کلیسا سے اصطباغ یافتہ تھی۔ اس کی اینڈ رونی کوس سے شادی کی وجہ سے اس کا نام، لباس اور طریق عبادت بھی بدل گیا۔ مگر اس کا دل اپنے ملک اور مذہب کا ابھی تک وفادار تھا۔ وہ اپنے بیٹے کی کم عمری میں اس کی سرپرست رہی، اور شہنشاہ پر بھی اس کا حکم چلتا تھا۔ لیکن اس کا ذہن اور قد و قامت مردوں کی طرح تھا۔ اور عام عورتوں سے بہت بڑی تھی۔ جب شہزادہ آزاد ہوا تو اس کی تخت نشینی کے پہلے سال ہی میں اسے احساس ہوا کہ دردانیال پر ترکوں کا قبضہ ہے، جبکہ قنطاقوزین کا بیٹا اپنی افواج کے ہمراہ دردانیال کے قریب مقیم تھا۔ اور پلائیولوگوس نہ تو

اپنے آپ پر اور نہ اپنی رعایا پر انحصار کر سکتا تھا۔ اپنی ماں کے مشورے کے مطابق اور غیر ملکی امداد پر انحصار کرتے ہوئے اس نے ریاست اور کلیسا دونوں کے احکام ماننے سے انکار کر دیا۔ اور غلامی کا جوا اتار پھینکا۔ اس نے اپنے احکام قرمزی روشنائی سے لکھنے شروع کر دیے اور مہر پر طلائی سفوف چھڑکنے لگا۔ اسے رازداری سے ایک اطالوی مختار کار کی سربراہی میں دے دیا گیا۔ اس معاہدے کی پہلی شرط وفاداری اور انوسینٹ ششم کے احکام کی تعمیل ہے۔ اس کے بعد اس کے جانشین کی فرمانبرداری ہے جو رومی کیتھولک کلیسا کے سربراہ ہیں۔ شہنشاہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ ان کے سفیروں کو احترام سے خوش آمدید کہے گا۔ اور ان کے قاصدوں کا بھی احترام کرے گا اور ان کی رہائش کا انتظام کرے گا اور عبادت کے لیے ایک گرجا گھر تعمیر کرا دے گا۔ اور اپنے دوسرے بیٹے مینوئل کو بطور یرغمال کلیسا کے حوالے کر دے گا۔ اس کے بدلے میں اسے پندرہ بحری جنگی جہازوں کی کمک مہیا کی جائے گی، جن میں پانچ سو اسلحہ بند سپاہی اور ایک ہزار تیر انداز بھی مہیا کیے جائیں گے، تاکہ وہ اپنے عیسائی اور مسلمان دشمنوں سے جنگ کر سکے۔ پلائیولوگوس نے اپنے پادریوں اور عوام پر یہ عقائد مسلط کرنے کی کوشش کی، اور انھیں بھی اسی روحانی جوئے میں پابند کرنے کے لیے دباؤ ڈالا۔ لیکن اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا کہ یونانی عوام اس کی مخالفت اور مزاحمت کرتے۔ اس نے ایسے پادریوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جو ویٹی کن کے عقائد کے پیروکار ہوں، قسطنطنیہ کے نوجوانوں کو تعلیم دینے کے لیے تین مدارس قائم کیے۔ ان میں لاطینی زبان اور عقائد کی تعلیم دی جاتی۔ اور اینڈرونی کوس کا اپنا نام ان مدارس میں بطور اول طالب علم درج کیا گیا۔ اگر وہ کسی ترغیب یا قوت کے استعمال کے باوجود ناکام ثابت ہوا تو پلائیولوگوس خود ہی اپنے متعلق اعلان کر دے گا کہ وہ حکومت کا اہل نہیں۔ اور وہ پوپ کو اپنی مملکت کے تمام قانونی اور شاہی حقوق منتقل کرتا ہے۔ اور وہ پوپ انوسینٹ کو اپنی حکومت، اپنے بیٹے ولی عہد کی شادی اور حکومت کے تمام اختیارات منتقل کرتا ہے، مگر یہ معاہدہ نہ تو مشتہر کیا گیا اور نہ اس پر عمل ہوا۔ اور اس رازداری کی وجہ سے اپنی امکانی تذلیل اور بے عزتی سے بچ گیا۔

بہت جلد ترکی اسلحے کا طوفان اس کے سر پر پھٹ پڑا۔ اور ہیڈریانوپل اور رومانیہ کے نقصان کے بعد اس نے مغرور عموراث کے نائب کو اپنے محل میں چھپا لیا۔ اسے یہ امید تھی کہ اس اطاعت گزاری کی وجہ سے اس کی موت آخری لمحات تک ٹل جائے گی مایوسی کے عالم میں پلائیولوگوس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ بحری جہاز پر سوار ہو کر وینس چلا جائے اور اس کے بعد پاپائے روم کے قدموں میں اپنا سر رکھ دے۔ یہ پہلا بازنطینی بادشاہ تھا، جس نے مغربی ممالک میں سفر کرنے کی جرأت کی۔ لیکن اسے اگر کہیں سے پناہ یا مدد مل سکتی تھی۔ تو وہ بھی

ہو سکتا تھا۔ عثمانی دربار میں حاضری کی بجائے دربار روم میں حاضری اس کے لیے کم وقار کا باعث ہوتی۔ ایوینان میں طویل قیام اور روم سے غیر حاضری کے بعد پوپ اور اس کا عملہ ٹائبر کے کنارے پر واپس آ رہے تھے۔ اربان (Urban) پنجم نرم مزاج اور نیک آدمی تھا۔ اس نے یونانی شہزادے کو آمد کی اجازت دے دی اور حوصلہ افزائی کی۔ اسی سال پوپ کی خدمت میں دو مزید شاہی مہمان حاضر ہوئے جو اپنے آپ کو قسطنطین اور شارلیمن کا نمائندہ کہتے تھے۔ قسطنطنیہ کے بادشاہ کا یہ دورہ مختصر تھا، وہ اپنا وقار ضائع کر چکا تھا۔ اب اس کے الفاظ بے معنی تھے اور آوازیں مطالب سے خالی تھیں۔ اس پر ایک سابقہ امتحان وارد کر دیا گیا۔ اور چار اسقفان کی موجودگی میں اس نے توثیق کر دی کہ وہ راسخ العقیدہ کیتھولک ہے اور پوپ کی برتری کو تسلیم کرتا ہے اور روح القدس کی دونوں بنیادوں کا قائل ہے جب وہ اپنی صفائی پیش کر چکا تو اسے عوام کے سامنے لایا گیا۔ وہ سینٹ پیٹر کے کلیسا میں حاضر ہوا، اُربان دوسرے اسقفوں کے درمیان میں تخت نشین تھا، شہنشاہ یونان نے پہلے پوپ کے پاؤں چھوئے پھر ہاتھوں کو اور آخر میں اس کے چہرے کا بوسہ لیا، اس نے اس کی موجودگی میں عبادت گزاری میں حصہ لیا۔ اسے اجازت دی گئی کہ وہ پوپ کے خچر کی لگام پکڑ کر چل سکتا ہے۔ اسے ویٹی کن میں پُرتکلف دعوت دی گئی۔ اگرچہ پلائیولوگوس کی میزبانی باوقار اور دوستانہ تھی۔ لیکن اس کے باوجود مشرق اور مغرب کے بادشاہوں کا فرق اپنی جگہ پر قائم رہا۔ اسے دوسرے عبادت گزاروں کے ساتھ انجیل کو با آواز بلند پڑھنے کا موقع بھی فراہم نہ ہو سکا۔ اس کے پاس چار بادشاہ حاضر تھے، اس نے ان میں شاہ فرانس کا اس غرض کے انتخاب کیا کہ وہ انجیل کا با آواز بلند مطالعہ کرے۔ دوسرے مغربی بادشاہوں کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی، مگر اسے تجربہ ہوا کہ اجتماعی مقاصد میں وہ سرد مہری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور صرف اپنے خانگی کاموں میں جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ شہنشاہ کی آخری امید شاہ انگلستان سے وابستہ تھی۔ جان ہاک ووڈ یا ایکوٹو کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے ہمراہ مہم جوؤں کا ایک دستہ تھا، سفید برادری نے اٹلی کو الپس سے کالابریہ تک تباہ کر دیا گیا۔ اس نے اپنی خدمات کو دشمن قوتوں کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس نے پاپائے روم کی رہائش گاہ پر تیر چلائے اور اس کے نتیجے میں انقطاع تعلق کی سزا پائی۔ اس اشتہاری مجرم سے گفتگو کے لیے خصوصی اجازت عطا کی گئی۔ مگر ہاک ووڈ کا عزم و حوصلہ اس مہم کے برابر نہ تھا۔ اور غالباً پلائیولوگوس کو اس کی امید باقی نہ رہی کہ اسے اس ذریعے سے کوئی کمک مل سکے گی۔ یہ عمل مؤثر ہونے کی تو کوئی امید نہ تھی مگر یہ عمل خطرناک ضرور ثابت ہو سکتا تھا۔ مایوس یونانی واپسی کے لیے تیار ہو گیا مگر اس کی واپسی میں بھی اسے متعدد

مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ وینس میں آمد کے موقع پر اس نے بڑی بڑی رقوم بہت اونچی شرح سود پر قرض لے لی تھیں۔ مگر یہ قرض خواہوں کو خالی وعدوں پر ہی ٹالتا رہا۔ جو بے صبر ہو چکے تھے۔ اس لیے ادائیگی کی ضمانت کے طور پر اسے روک لیا گیا۔ اس کا سب سے بڑا بیٹا اینڈرونی کوس، جو قسطنطنیہ کا مختار تھا اسے بار بار کہا گیا کہ وہ کسی بھی ذریعے سے رقوم مہیا کرے اور اگر گرجا گھروں میں جمع رقوم بھی لینی پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کرے تا کہ اس کے والد کو قید اور بدنامی سے بچایا جا سکے۔ مگر اس بے پروا نوجوان کو اس ذلت کا کوئی احساس نہ تھا، بلکہ در پردہ وہ اپنے باپ کی قید پر خوش تھا۔ ریاست مفلس تھی، پادریوں کا طبقہ اپنی ضد پر قائم تھا۔ اس کی عدم توجہ کے لیے کسی نوعیت کے مذہبی جواز کو پیدا کرنے کی ضرورت تھی۔ اور تاخیر کو ناگزیر ثابت کرنا بھی ضروری تھا۔ اس کے بھائی مینوئل نے اس کے لیے کچھ نیک جذبات کا مظاہرہ کیا۔ اس نے فوراً اپنی تمام جائیداد فروخت کر دی یا رہن رکھ دی۔ اور جلد ہی وینس روانہ ہو گیا اور اپنے باپ کو قید سے نجات دلوائی، جو قرض ادا نہ ہو سکا، اس کے لیے اپنی ذات کو ذمہ دار قرار دے کر یرغمالی قبول کر لی، جب یہ واپس قسطنطنیہ واپس آیا تو اسے اپنے دونوں بیٹوں کے کردار کی اچھی طرح سے شناخت ہو چکی تھی۔ اور وہ دونوں کے ساتھ مناسب سلوک کرنا چاہتا تھا۔ مگر پلائیولوگوس کے دورۂ روم سے اس کے عقائد میں کوئی بہتری پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اپنے عقائد کی تبدیلی کا جو اعلان کیا تھا، اس میں اس کے مذہبی یا دنیاوی طرز عمل میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اور اس کے اعلانات یونانی اور لاطینی بہت جلد بھول گئے۔

پلائیولوگوس کی واپسی کے تیس سال بعد اس کا بیٹا اور جانشین مینوئل مذکورہ مقاصد کے تحت مگر مقابلتاً بڑے پیمانے پر دورہ کرنے کے لیے مغربی ممالک میں گیا۔ میں نے گزشتہ باب میں اس کے اس معاہدے کا ذکر کیا تھا۔ جو اس نے بایزید سے کر رکھا تھا۔ اس معاہدے کی خلاف ورزی کی گئی اور قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا گیا، اور بیرونی دنیا سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ فرانس کی طرف سے کمک پہنچ گئی تھی جس کا سپہ سالار بیوتی قالٹ تھا۔ اپنے سفیروں کے ذریعے مینوئل نے لاطینی قوتوں سے بھی یہی درخواست کی تھی، مگر یہ خیال کیا گیا کہ ایک مایوس بادشاہ کی موجودگی کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ ماسوائے اس کے کہ تمام بھائی مل کر آنسو بہاتے رہیں۔ بہر حال انھوں نے بازنطینی بادشاہ کو خوش آمدید کہنے کی تیاری کر لی۔ بری راستے ترکی کے قبضے میں تھے مگر وینس کی طرف سے بحری راستہ کھلا اور محفوظ تھا۔ اٹلی نے اس کا استقبال درجۂ اول یا درجۂ دوم کے عیسائی کی حیثیت سے کیا۔ مینوئل کے حالات پر افسوس کیا گیا کہ وہ عیسائی ہونے کے باوجود اس قدر شدید تکلیف میں

مبتلا ہے۔ مگر اس کے کردار کی وجہ سے اسے اپنے وقار کو غرق ہونے سے بچانے کے سلسلے میں کوئی مدد فراہم نہ کی۔ اور کوئی بادشاہ اس کے لیے مہربانی کا مظاہرہ نہ کر سکا۔ وینس سے وہ پاڈوا اور پاویہ گیا۔ میلان کے ڈیوک سے بھی ملا۔ جو بایزید کا خفیہ اتحادی تھا۔ اس نے اسے محفوظ اور باوقار انداز میں اپنی مملکت تک رسائی کا ذریعہ فراہم کیا اور اپنے ملک کے راستے فرانس تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد فرانسیسی افواج نے اس کے تحفظ کا انتظام کر لیا۔ اور دو ہزار شہری اپنے گھوڑوں پر بیٹھ کر کارنتان تک خوش آمدید کہنے کے لیے آئے۔ یہ شہر دارالحکومت پیرس کے قریب ہی واقع تھا۔ ملک کے مختار عام اور اراکین مجلس دستور ساز نے اسے سلام پیش کیا۔ پارلیمنٹ کے ارکان بھی ان میں شامل تھے۔ چارلس ششم نے اپنے بھائی کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ قسطنطین کے اس جانشین کو سفید ریشم کا ملبوس پہنایا گیا اور دودھ کی طرح کے سفید گھوڑے پر بٹھایا گیا۔ فرانس کی روایات میں اس نوعیت کی تقریب قومی اہمیت کی حامل ہوتی تھی۔ سفید رنگ کو شاہانہ وقار کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اور جب مابعد دور میں جرمنی کے بادشاہ کا دورہ ہوا تو اسے سیاہ اور کھردرے ملبوس پر ہی قناعت کرنی پڑی۔ کیونکہ اس کے مطالبات بہت زیادہ تھے جنھیں جذبۂ افتخار کے مظاہرے کے ساتھ قبول کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ مینوئل کی رہائش کا انتظام ایک بادگیر میں کیا گیا۔ اسے متعدد دعوتیں دی گئیں، شکار کی تفریح مہیا کی گئی۔ اسے فرانسیسیوں کی مہمان نوازی اور تہذیبی تکلفات کا بخوبی تجربہ دلایا گیا۔ تا کہ کچھ مدت کے لیے وہ اپنی غم فراموش کر سکے۔ اسے اس کی بھی آزادی تھی کہ وہ اپنی عبادت اپنے عقیدے کے گرجے میں کر سکے۔ سوربون کے عالم اس پر حیران بھی ہوئے، اور اس امر کا امکان ہے کہ اسے باعث بدنامی بھی سمجھا ہو، ان کے لیے یونانی پادری کی زبان اور طریق عبادت عجیب وغریب تھے۔ مگر حکومت کی طرف سے جس انداز کو اختیار کیا تھا، اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اسے کوئی مؤثر امداد ملنے کا امکان نہیں۔ اس امر میں اس کے لیے مایوسی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ بدقسمت چارلس کو ایسے لمحات ضرور میسر آئے، جن سے وہ لطف اندوز ہوا، مگر اس کی زندگی کا بیشتر حصہ پاگل پن ہی میں گزرا، حکومت کی عنان اس کے چچا اور بھائی کے قبضے میں باری باری رہی، جو اورلینز یا برگنڈی کے ڈیوک تھے، ان کی باہمی رقابت کے نتیجے میں سلطنت میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اول الذکر ایک شاداں اور فرحاں نوجوان تھا، ہر وقت عیش وعشرت اور عشق بازی میں مشغول رہتا، جبکہ ثانی الذکر نیورز کے کاؤنٹ جان کا والد تھا۔ جسے ماضی قریب ہی میں ترکوں کی قید سے تاوان ادا کرنے کے بعد رہا کرایا گیا تھا۔ اگرچہ اس کا بہادر بیٹا اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے بے خوف اور بے تاب تھا مگر برگنڈی کا بہت دور اندیش

تھا، اسے یاد تھا، کہ اس کا پہلا تجربہ کتنا مہنگا اور تکلیف دہ تھا۔ جب مینوئل اپنے تجسس کے سلسلے میں مطمئن ہوگیا، یا وہ اتنا تھک گیا کہ اب مزید صبر برداشت نہ کرسکتا تھا۔ وہ فرانس کی طرف سے مایوس ہو چکا تو اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ ملحقہ جزیرے کا بھی ایک چکر لگا لے۔ وہ ڈوور (Dover) سے ہوتا ہوا کنٹربری پہنچا، سینٹ آسٹن کے راہبوں اور پادریوں نے اس کا بہت احترام کیا۔ اور شہنشاہ ہنری چہارم نے شاہی دربار میں یونانی ہیرو کو سلامی پیش کی۔ (میں ایک قدیم مؤرخ کے الفاظ کی نقل کر رہا ہوں) اسے لندن میں کئی روز تک بطور شہنشاہ مشرق مہمان رکھا گیا تھا، اور اس کی رہائش اور خورد و نوش کا اہتمام کیا جا رہا تھا۔ انگلستان کی اپنی حالت زیادہ اچھی نہ تھی اور وہ کسی صلیبی جنگ کا بوجھ برداشت کرنے کے قابل نہ تھا۔ اسی سال اس وارث سلطنت کو معزول کر کے قتل کر دیا گیا۔ بعد میں جو تخت نشین ہوا، وہ ایک کامیاب غاصب تھا۔ اسے رشک اور اعتراف گناہ کی وجہ سے قتل کر دیا گیا۔ اور لنکاسٹر کا ہنری چہارم بھی ایسے بادشاہ کو بچانے میں کامیاب نہ ہوسکا جس کے خلاف سازش اور بغاوت ہو رہی تھی۔ وہ صرف افسوس کرسکا، تعریف بھی کی، دعوتیں بھی دیں مگر قسطنطنیہ کے بادشاہ کی کوئی عملی مدد نہ کرسکا۔ اگر شاہ انگلستان صلیب کو اٹھا بھی لیتا تو وہ صرف اپنے عوام کو خوش کرنے کی غرض سے ہوتا، غالباً اس کے ضمیر کی آواز بھی اس میں شامل ہوتی۔ اس کے ارادے نیک اور پاکیزہ تھے۔ اس نے جو تحائف پیش کیے تھے اور جس طرح مہمان کی عزت افزائی کی تھی اس پر بھی وہ مطمئن تھا۔ مینوئل پیرس واپس آ گیا اور مغرب میں دو سال کے قیام کے بعد اس نے جرمنی اور اٹلی کا راستہ اختیار کیا۔ اور موریہ میں بیٹھ کر بہر سے یہ دیکھتا رہا کہ اس کا ملک تباہ ہوتا ہے یا آزادی حاصل کرتا ہے، لیکن وہ اس سے ضرور محفوظ رہا کہ اپنے مذہبی عقائد کو داؤ پر لگا دے یا انھیں کھلے عام فروخت کر دے۔ لاطینی کلیسا بہت زیادہ افتراقات اور اعتزال کا شکار تھا۔ یورپ کے بادشاہ اقوام اور جامعات پاپایان روم اور ایوگنان کی اطاعت میں منقسم ہو گئے۔ اور شہنشاہ کی شدید خواہش تھی کہ ان دونوں کو باہم متحد کیا جائے۔ اس نے ایسے فریقوں سے خط و کتابت سے پرہیز کیا جو اپنی ضد چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اتفاق سے اس کے دورے کا سال وہی تھا، جس میں جوبلی منائی جا رہی تھی۔ وہ اٹلی میں سے خاموش گزر گیا اور مروجہ غیر مقبول فرقوں کے اختلافات میں دخل دینے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ جوبلی کے سال کے اختتام کے ساتھ ہی اس کا سفر بھی ختم ہوگیا۔ اس نے نہ تو اس معاملے میں کوئی دخل دینے کی کوشش کی اور غالباً وہ اس قابل بھی نہ تھا کہ ایک غیر ملک میں کسی اختلافی معاملے میں دخل دے۔ بالخصوص ایسے نازک معاملے میں جو گناہ اور توبہ کے عقیدے کے متعلق تھا۔ جرم و سزا اور توبہ و ملامت کا موضوع

طویل عرصے سے اختلافی چلا آ رہا تھا۔ پاپائے روم نے اس کے اس طرز عمل پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ اور اس پر الزام عائد کیا کہ اس نے حضرت عیسیٰؑ کے پیکر کے تصورات کے متعلق اپنے عقیدے کا کھل کر بیان نہیں کیا۔ اور اٹلی کے بادشاہوں کو ہدایت کی کہ وہ بھی اس بدعتی کو نظر انداز کر دیں۔

جس دور میں صلیبی جنگیں زوروں پر تھیں تو یونانی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے، اور اس عمل سے خوف زدہ بھی ہوئے کہ نقل مکانی کرنے والے نوجوانوں کا ایک طوفان ہے جو یورپ کے ہر ملک سے ان کے ملک میں داخل ہو رہا تھا۔ اب تک تو یونانی جذبات پر پردہ پڑا ہوا تھا، مگر بادشاہ کے اس دورے سے یونانی جذبات کا کھل کر اظہار ہوگیا۔ اور یورپ کی طاقتور اقوام اس حقیقت سے آگاہ ہوگئیں۔ اب وہ ان اقوام کو غیر مہذب نہیں کہتے تھے۔ مینوئل نے اس دورے میں جو مشاہدات کیے، اس کے مؤرخین نے ان کا کھل کر ذکر کیا ہے۔ انھوں نے اس پر عوام الناس کے ردعمل کا بیان بھی کیا ہے۔ اگرچہ اس کے خیالات منتشر ہیں، میں انھیں جمع کر کے ایک منضبط اور مختصر صورت میں پیش کرتا ہوں۔ یہ بیانات دلچسپ ہونے کے علاوہ سبق آموز بھی ہیں۔ اس سے جرمنی، فرانس اور انگلستان کی حکمت عملی کا بھی پتا چلے گا۔ ان ممالک کے ماضی اور حال کے معاملات سے ہم بے خبر نہیں۔ یہ وسیع علاقہ ویانا سے لے کر سمندر (بحر اوقیانوس) تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ بہت وسیع ہے۔

۱۔ جرمنی (یہ عجیب و غریب جغرافیائی بیان ہے) یہ بوہیمیا کے شہر پراگ سے شروع ہوتا ہے اور دریائے طرطی سوس تک چلا گیا ہے، دوسری طرف یہ پائرنی کے سلسلۂ کوہ تک چلا گیا ہے۔ انجیروں اور زیتون کے علاوہ ہر قسم کی نباتات کے لیے انتہائی زرخیز ہے۔ آب و ہوا عیاشی کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، مقامی آبادی کے جسم مضبوط اور توانا ہیں اور ان سرد علاقوں میں نہ تو کبھی کوئی وبا پھیلی ہے اور نہ زلزلے آئے ہیں۔ سائتھیوں اور تاتاریوں کے بعد جرمنوں کی آبادی بہت زیادہ ہے۔ وہ بہادر اور صابر ہیں اور ناقابل مزاحمت بھی ہیں۔ انھوں نے اپنے آپ کو ایک سردار کے تحت متحد کرلیا۔ ان کی افواج کی مزاحمت ممکن نہ تھی، پوپ نے اپنی مہربانی سے یہ اجازت دے دی کہ وہ رومی شہنشاہ کا انتخاب کر سکتے ہیں، کوئی اور قوم لاطینی اسقف پر ان سے بڑھ کر اعتماد نہیں رکھتی۔ ملک کا بیشتر حصہ سرداروں اور بادشاہوں میں منقسم ہے۔ مگر سٹراس برگ، کولون، ہمبرگ اور مزید برآں دو سو زائد شہر ایسے ہیں جو عیسائی اور یکساں قانون کے تحت چلائے جا رہے ہیں۔ جس میں تمام معاشرے کا اجتماعی عزم اور بہبود کا اصول حاوی ہے۔ جنگ اور امن دونوں صورتوں میں دوگونہ یا انفرادی مقابلوں کا اصول مروج ہے۔ ان کی صنعت میں ہر نوع کے میکانی فنون شامل ہیں بارود کی ایجاد کے

علاوہ توپ کے بنانے کا اعزاز بھی انہیں حاصل ہے۔ جو اب دنیا کے بیشتر علاقوں میں ترویج پا گئی ہے۔

۲۔ فرانس کی حکومت بیس دن کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہے۔ ایک طرف سے اس کی سرحدیں جرمنی اور دوسری طرف ہسپانیہ سے ملتی ہیں اور شرقاً غرباً کوہ الپس سے لے کر دریائے انگلستان تک چلی گئی ہیں۔ اس میں متعدد خوشحال شہر آباد ہیں۔ ان میں پیرس مرکزی شہر ہے جو اس ملک کا دارالحکومت بھی ہے۔ جو اپنی خوشحالی اور امارت میں سب سے بڑھ کر ہے۔ یہ شہر خوشحالی اور عیش و عشرت میں دوسرے تمام شہروں سے بڑھ گیا ہے۔ اس کے بادشاہ کے دربار میں تمام حکمران حاضر ہوتے ہیں اور اسے اپنا شہنشاہ تسلیم کرتے ہیں۔ بریطلا گنے اور برگنڈی کے ڈیوک سب سے زیادہ طاقتور ہیں۔ آخر الذکر فلانڈرز کے وسیع صوبے کا بھی حکمران ہے۔ اس کے جہاز دنیا کی تمام بندرگاہوں پر لنگر انداز ہوتے رہتے ہیں، جن میں برطانیہ بھی شامل ہے۔ اس کے تجار دنیا کے دور افتادہ ممالک میں تجارتی سفر کرتے رہتے ہیں، فرانسیسی دنیا کی قدیم ترین اقوام کے گروہ میں شامل ہیں اور بہادر ہیں۔ اگرچہ ان کی زبان اور انداز دوسروں سے قدرے مختلف ہیں، پھر بھی لاطینیوں سے بہت زیادہ مختلف نہیں۔ شارلیمن ان کا ہیرو تھا، جس نے صحرا نشینوں کو شکست دی اولیور اور رولینڈ بھی اس قوم کے فاتحین میں بلند مرتبے کے حامل ہیں۔ وہ اپنے آپ کو مغربی اقوام میں اول مقام دیتے ہیں۔ مگر حال ہی میں ان کی انگلستان کے خلاف جنگوں میں ان کا یہ دعویٰ باطل ثابت ہو گیا ہے۔ جزیرۂ انگلستان کے باشندوں نے ان پر فوقیت حاصل کر لی۔

۳۔ برطانیہ جو فلانڈرز کے ساحل کے مخالف سمت میں سمندر میں واقع ہے۔ اسے ایک واحد جزیرہ یا تین جزائر پر مشتمل ملک سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کا بادشاہ ایک ہے اس لیے پورے ملک کے انداز بھی یکساں ہیں، اور ایک ہی حکومت ملک بھر میں قائم ہے۔ اس ملک کی پیمائش پانچ ہزار منازل میں کی گئی ہے۔ ساری زمین شہروں اور دیہات سے بھری ہوئی ہے۔ اس میں انگور پیدا نہیں ہوتا۔ دوسرے پھل بھی بکثرت نہیں پائے جاتے۔ گندم اور جو کے لیے اس کی زمین موزوں ہے۔ شہد اور اون بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اس کی آبادی کا بیشتر حصہ کپڑے کی صنعت سے وابستہ ہے۔ آبادی، قوت امارت اور عیش و عشرت کی فراوانی ہے۔ لندن اس جزیرے کا دارالحکومت ہے۔ اسے مغرب کے شہروں میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ یہ دریائے ٹیمز کے کنارے پر واقع ہے۔ یہ ایک تیز رفتار دریا ہے۔ یہ تیس میل آگے چل کر بحیرۂ گال میں گر جاتا ہے اور تجارتی جہازوں کی آمد و رفت کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اس میں جہاز بحفاظت داخل ہو سکتے ہیں

اور سفر پر روانہ ہو سکتے ہیں۔ بادشاہ ملک کا سربراہ اعلیٰ ہے۔ جس کا تعلق ایک بہادر اور ملک کے جری خاندان سے ہے۔ یہ خاندان ملک میں مسلسل حکومت کرتا چلا آ رہا ہے۔ اس میں کبھی کوئی رخنہ پیدا نہیں ہوا۔ بعض جاگیردار خاندان بھی موجود ہیں جو اپنی جاگیروں پر مسلسل قائم ہیں۔ بادشاہ کے اقتدار اور جاگیرداروں کے معاملات بذریعہ قانون مقرر کر دیے گئے ہیں۔ کبھی کبھی غیر ملکی حملہ آور یا داخلی بغاوتیں رخنہ اندازی کرتی رہی ہیں۔ مگر مقامی آبادی مضبوط اور توانا ہے۔ افواج بہادر ہیں اور اکثر فتوحات حاصل کرتی ہیں۔ ان کی ڈھالیں اطالوی نمونے کے مطابق بنائی گئی ہے۔ اور نشانہ بازی کی مشق بھی اٹلی ہی سے حاصل کی جا رہی ہے۔ مگر انگریز اپنی تلواریں یونانیوں سے خریدتے ہیں۔ انگلستان میں بہت لمبی کمانیں بنتی ہیں جو جنگ میں فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہیں۔ ان کی زبان کی براعظم یورپ کی کسی زبان سے کوئی مماثلت نہیں۔ اور ان کے ہمسایہ فرانس سے اسے بآسانی تمیز نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ان کے کردار کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ ازدواجی رشتے کا احترام نہیں کرتے۔ اور زنانہ عصمت کو بھی کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ ان کی مہمان نوازی کا پہلا عمل یہ ہوتا ہے کہ گھر کی عورتیں مہمان سے بغل گیر ہوتی ہیں۔ اس فعل میں ان کی بیویاں اور بیٹیاں دونوں شامل ہوتی ہیں۔ یہ لوگ اپنے دوستوں کے ساتھ بغیر کسی حیا یا شرم کے بیویاں بدلتے رہتے ہیں۔ اور جزائر کی آبادی اس بے حیائی پر برا نہیں مناتی اور اس کے ممکنہ نتائج کی بھی پروا نہیں کرتی۔ قدیم انگلستان کی جن روایات کی ہمیں اطلاع ملی ہے۔ ان کے مطابق تو ہمیں اپنی ماؤں کی عصمت کے متعلق پورا یقین ہے۔ ہم یونانیوں کی خوش اعتقادی کا مذاق اڑا سکتے ہیں، یا ان کی بے انصافی کے خلاف نفرت کا اظہار کر سکتے ہیں، کیونکہ وہ مجرمانہ بغل گیری کے عادی ہوتے تھے، مگر ان کی خود اعتقادی یا مجرمانہ بغل گیری سے ایک سبق ضروری حاصل ہوتا ہے، آپ غیر ملکی اور اجنبی اقوام کے خون کی سرائیت سے انکار نہیں کر سکتے۔ اور ہم ان تمام انسانوں کی تردید کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں جو قوانین فطرت کا نتیجہ ہیں اور انسانی کردار پر بھی شبہ ہونے لگتا ہے۔

جب مینوائل واپس آیا تو تیمور کو فتح حاصل ہو چکی تھی۔ اس کے بعد مینوائل نے کئی سال امن اور خوشحالی کے دور میں حکومت کی۔ بایزید کے بیٹے بھی جب تک اسے تحفظ فراہم کرتے رہے اور اس کی حکومت میں دخل اندازی سے پرہیز کرتے رہے تو اسے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ یہ اپنے قومی مذہب پر بھی مطمئن تھا۔ اس نے اپنے فارغ اوقات میں پچیس مذہبی مکالمات لکھے، جن میں اس نے اپنے عقائد کا دفاع کیا۔ کنسٹانس کی کونسل میں بازنطینی سفیر بھی موجود رہے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ترکوں کی حکومت دوبارہ بحال

ہوگئی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ لاطینی کلیسا کے اثرات بھی نظر آنے لگے، سلاطین محمد اور مورات فتوحات حاصل کرنے لگے۔ اس سے شہنشاہ کو دینی کن سے دوبارہ مصالحت کرنی پڑی، اور روح القدس کے دہرے انسلاک کا عقیدہ قبول کرنا پڑا۔ جب مارٹن پنجم برسر اقتدار آیا تو اس وقت اس کا کوئی حریف نہ تھا، تو سینٹ پیٹر کی کرسی اور دونوں مملکتوں کے مابین خط و کتابت اور سفارتوں کی بحالی کا عمل دوبارہ شروع ہوگیا۔ اور مشرق و مغرب میں روابط بحال ہوگئے۔ ایک طرف تو اقتدار کی خواہش تھی اور دوسری طرف مایوسی کا غلبہ تھا۔ لہٰذا دونوں طرف سے فیاضی اور پسندیدہ زبان کا استعمال شروع ہوگیا۔ مکار یونانی بادشاہ نے اپنا عندیہ ظاہر کیا کہ وہ اپنے چھ بچوں کی شادی اطالوی شہزادیوں سے کرنا چاہتا ہے۔ اور اطالوی اس سے کم مکار نہ تھے، انھوں نے مونٹ فرات کی بیٹی کو روانہ کر دیا۔ اور اس کے ہمراہ متعدد رومی دوشیزائیں تھیں جو خوبصورت اور پسندیدہ شخصیت کی حامل تھیں۔ اس جوش و خروش کے پس پردہ ایک بینا آنکھ کو صاف نظر آتا ہے کہ تمام تر کارروائی محض نمائشی ہے۔ اور قسطنطنیہ کے دربار اور کلیسا میں ماضی کے امتیاز میں کوئی فرق نہیں آیا۔ سارے اعمال خلوص سے خالی ہیں۔ شہنشاہ کی تمام حرکات، واپسی یا پیش قدمی امکانی خطرات کے زیر اثر ہی ہوتیں۔ وہ اپنے وزرا کو کبھی ڈراتا اور کبھی دھمکیاں دیتا۔ اور اپنے آپ کو امکانی خطرات اور غیر محتاط لطف اندوزی سے بچاتا رہتا۔ اپنے ماتحتوں کو ہدایت کرتا رہتا کہ وہ تحقیقات کا فرض ادا کرتے رہیں۔ وہ کلیسا کے افسران اور بشپوں کے مزاج کے متعلق تحقیقات جاری رکھتا اور ایسے اوقات پر بھی ان کے اجلاس منعقد کرتا جبکہ ترکی افواج اس کی سلطنت کے دروازے پر دستک دے رہی تھیں۔ عوامی معاملات کے جائزے کے لیے دیکھیں تو یہ معلوم ہوگا کہ یونانی تین معاملات پر بضد تھے، ایک یہ کہ کہیں سے کمک مل جائے۔ دوسرے عام اجلاس کا اہتمام کیا جائے اور تیسرے یہ کہ لاطینیوں سے ایک حتمی اتحاد قائم کرلیا جائے۔ دوسری صورت ان کے لیے بہت پرکشش تھی، اور پہلی صورت تو محض اس تیسری صورت کے نتیجہ پر رضا کارانہ انعام کے طور پر پیدا کی جاسکتی تھی۔ اب ہمیں موقع مل گیا ہے کہ ہم مینوئل کے ایک انتہائی خفیہ راز کا پردہ چاک کردیں۔ یہ راز اس نے ایک خصوصی محفل میں آشکار کیا تھا، اور اس سے متعلق کوئی شے چھپا کر نہیں رکھی۔ اپنی ڈھلتی عمر میں اس نے جان پلا ئیولوگوس کو اپنا شریک کار بنالیا تھا۔ اس نام کا یہ دوسرا شخص اور بادشاہ کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ اس نے اسے اپنے اختیارات کا ایک بڑا حصہ دے دیا اور حکومت کا سارا وزن بھی اس کے کندھوں پر ڈال دیا۔ ایک دن جبکہ صرف اس کا مؤرخ فرانزا (Phranza) موجود نہ تھا، جو اس کا منظور نظر اور مہتمم توشہ خانہ بھی تھا۔ اس نے اپنے قریبی ساتھیوں کو جو

نہیں کرتا تھا۔ ان کا تذکرہ شروع کر دیا۔ اور پھر جو اس کی پوپ سے گفتگو ہوئی تھی، اسے بیان کیا۔ مینوئل نے کہا کہ ترکوں کے خلاف ہمارا آخری سہارا صرف یہی ہے کہ لاطینیوں کے خلاف ہمارا اتحاد قائم رہے، اس طرح مغرب کی جنگجو اقوام کی حمایت ہمیں حاصل ہوجائے گی۔ ترک اسی اتحاد سے خائف ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ اس عمل سے ان پر تباہی نازل ہوگی۔ یہ ممکن ہے کہ وہ ہماری مدد کے لیے ہتھیار اٹھالیں۔ جب کبھی بھی ترکوں کی طرف سے کوئی خطرہ درپیش ہو، ان کے سامنے یہ خطرہ کھول کر رکھ دو۔ کونسل کا اجلاس طلب کرو اور ایسے ذرائع تلاش کرو، مگر کسی اجتماع سے فیصلہ لینے سے گریز کرو۔ اس سے ہمیں کوئی روحانی یا مادی مفاد حاصل نہ ہوگا۔ لاطینی مغرور لوگ ہیں جبکہ یونانی اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں۔ ان دونوں میں کوئی فریق بھی اپنی ضد سے ہٹنے والا نہیں۔ اگر دونوں کلیساؤں کا اتحاد ہوجائے تو اس کی تصدیق ہوجائے گی کہ ہم بدعتی ہیں اور دونوں کلیسا ہمیں قابل رحم حالت میں چھوڑ دیں گے۔ اور ہم غیر مہذب اقوام کے رحم و کرم کی نذر ہوجائیں گے اس صورتحال کی وجہ سے وہ بہت پریشان اور غیر مطمئن تھا، اس نے نوجوان شاہزادے کو یہ سبق دیا جس پر وہ اپنی نشست سے اٹھا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔ (فرزانزا اپنا بیان جاری رکھتا ہے) بادشاہ نے کہا کہ شاہزادہ اپنے آپ کو عظیم اور ہیرو سمجھتا ہے مگر ہم جس دور سے گزر رہے ہیں وہ عظیم مردانہ میدان کا دور نہیں۔ شاہزادے کا مزاج ایسا ہے کہ وہ ہمارے بزرگوں کے دور میں تو چل سکتا تھا، ہم تو اس خاندان کے آخری آثار کی حیثیت کے حامل ہیں۔ کیا میں بڑی بڑی توقعات قائم کرسکتا ہوں؟ کیا میں مصطفیٰ پر اعتماد کرسکتا ہوں۔ شہزادہ اس سے بڑی بڑی توقعات وابستہ کرتا ہے۔ میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ وہ جس دلیری کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اس سے ہمارا خاندان مستقل طور پر ختم ہوجائے گا۔ ایسی صورت میں تو ہمارا مذہب بھی ہمارے زوال کا باعث بن سکتا ہے۔ اس کے باوجود مینوئل کی ناتجربہ کاری اور اقتدار کونسل کا مرہون منت رہا۔ اپنی عمر کے انہترویں سال میں، جبکہ اس نے ایک راہب کا لباس پہن رکھا تھا۔ اس نے اپنی عملی زندگی کا خاتمہ کرلیا۔ اس نے اپنی قیمتی اشیا کو اپنے بچوں میں تقسیم کر دیا۔ کچھ غربا میں تقسیم کر دیں۔ کچھ طبیبوں اور اپنے منظور نظر ملازمین کو دے دیں۔ اس کے چھ بیٹوں میں اینڈرونی کوس دوم کو تھیسالونیکا کا صوبہ عطا کر دیا گیا۔ جس نے جلد ہی یہ صوبہ وینس کی حکومت کے ہاتھ بیچ دیا اور پھر جذام کے مرض میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مرگیا۔ اس سے بیشتر کہ ترک اس علاقے پر حتمی قبضہ کر لیتے وہ اس کا فیصلہ کر گیا۔ محض حسنِ اتفاق کی وجہ سے پیلو پونی سوس یا موریا اس کی سلطنت کے ساتھ منسلک رہ گیا۔ مینوئل نے تین میناروں کی وجہ سے اس تنگ قلعہ بندی کو مستحکم کر رکھا تھا۔

عثمانیوں کے پہلے حملے کے دوران ہی دیوار ٹوٹ کر گر گئی۔ چاروں چھوٹے بھائیوں کے لیے یہ خاک نائے کافی تھی۔ تھیوڈور، قسطنطین، ڈی مطری اوس اور تھامس، چاروں کے لیے یہ علاقہ کافی تھا۔ مگر انھوں نے اپنی رہی سہی قوت بھی ضائع کر دی اور اس خاندان کے یہ آخری افراد بازنطینی محل میں محتاج ہو کر رہ گئے۔

مینوئل کا سب سے بڑا بیٹا، جان پلا ئیولوگوس دوم نے اپنے باپ کی وفات کے بعد بلا شرکت غیرے یونان کا حکمران تسلیم کر لیا گیا۔ اس نے اپنی بیوی سے فوری علیحدگی اختیار کر لی اور طربیزونڈ کی ملکہ سے دوسری شادی کا اہتمام کر لیا۔ اس کی نظروں میں ملکہ ہونے کے لیے حسن سب سے بڑی صفت تھی۔ اور پادری نے اسے پکا یقین دلا دیا تھا کہ اگر اس نے پہلی بیوی کو طلاق نہ دی تو وہ مجبوری کی حالت میں مر جائے گا اور اس کا تخت اس کے بھائی قسطنطین کو منتقل ہو جائے گا۔ فی الحقیقت تمام زندگی میں اسے صرف ایک فتح حاصل ہوئی، جو ایک یہودی کے خلاف تھی، اس نے اسے بڑی محنت اور طویل ترغیبات کے بعد عیسائیت میں داخل کیا، اور اس کی اس کامیابی کو بڑی احتیاط سے اس عہد کی تاریخ میں درج کر دیا گیا ہے۔ مگر اس نے جلد ہی مشرق اور مغرب کے اتحاد کے لیے منصوبہ بندی شروع کر دی۔ اور اپنے باپ کی نصیحت کو پس پشت ڈالتے ہوئے، اس نے پاپائے روم سے ملاقات کا منصوبہ بنا لیا۔ اور ایڈریاٹک کے پار ایک اجلاس عام میں پوپ سے ملاقات کا اہتمام کر لیا۔ مارٹن پنجم نے اس خطرناک اقدام کی حوصلہ افزائی کی مگر اس کے جانشین یوجینی اوس نے اس پر سرد مہری کا اظہار کیا۔ بالآخر بڑی جدوجہد کے بعد اسے لاطینی مجلس سے دعوت نامہ موصول ہوا، جس کی نوعیت قدرے مختلف تھی۔ جس میں باسل کے گروہ کے افراد نے اپنے آپ کو رومن کیتھولک کلیسا کا سربراہ اور منصف ظاہر کیا تھا۔

پاپائے روم نے اس سلسلے میں بڑی جدوجہد کی اور بالآخر کلیسا کی آزادی حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ مگر فاتح پادری جلد ہی اس عہد کے ظالموں کے مظالم کا شکار ہو گیا۔ اور اس کا مقدس کردار ان کے اسلحہ کے سامنے مغلوب نہ ہو سکا۔ انھیں وہ کامیابی نصیب نہ ہوئی جو وہ انتظامیہ کے حاکمان اعلیٰ کے خلاف حاصل کر چکے تھے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے انتخابات کا حق حاصل کر لیا۔ جس کے لیے وہ مدت سے درخواستیں کر رہے تھے، مگر انھیں ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ رہا تھا اور ہر دفعہ سابقہ احکام کا حوالہ دے کر انھیں ٹال دیا جاتا رہا تھا۔ جب رومی دربار میں ایک نیلام عام منعقد ہوا، جس میں تمام کارڈینل اور منظور نظر افراد کو مال غنیمت کا بڑا حصہ عطا کر کے ان کی امارت میں اضافہ کر دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں مملکت

کے ہر حصے میں یہ شکایت پیدا ہوئی کہ تمام مفادات اجنبی اور غیر حاضروں کو عطا کر دیے گئے ہیں۔ یہ اسقف جب تک کہ ایوگنان میں رہے، ان کی حرص اور لالچ کو مطمئن کیا جا رہا۔ اور انھیں عیش و عشرت کی زندگی نصیب رہی وہ ہر پادری پر بھی محصول عائد کرتے رہے اور ان سے عشر بھی وصول کرتے رہے مگر اہل مغرب کی بدعت کی وجہ سے بدعنوانیاں کئی گنا بڑھ گئیں۔ اور یہ پچاس سال تک جاری رہیں۔ جب روم اور ایوگنان میں شدید اختلافات رونما ہو گئے۔ تو دونوں حریفوں کے مابین مخالفت میں اضافہ ہو گیا۔ اور ان کی بری حالت کی وجہ سے ان کے وقار میں کمی آ گئی اور نظم و ضبط میں کمزوری آ گئی۔ ان کی ضروریات میں اضافہ ہوا تو عوام پر محصولات کا بوجھ بڑھ گیا۔ ان زخموں کو مندمل کرنے کے لیے بادشاہت کی بحالی کا فیصلہ کیا گیا۔ اور پیسا اور قسطانسے کے اجتماعات کا سہارا لیا گیا۔ انھیں یکے بعد دیگر طلب کیا گیا۔ ان مجالس کو اپنی قوت کا احساس تھا۔ اور انھوں نے عیسائی خاندانی زعما کی قوت کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ اور ان کے مفادات کے لیے بھی کوشش کی۔ دو اسقفوں کو تو انھوں نے مسترد کر دیا۔ مگر تیسرے کو بطور حکمران قبول کر لیا، جن دو اسقفوں کو معزول کیا گیا تھا۔ انھوں نے کلیسا کے اختیارات کی حدود کا جائزہ لینے کے لیے کارروائی کی۔ وہ اس وقت تک الگ نہیں ہوئے جب تک کہ انھوں نے یہ نہ منوا لیا کہ پوپ کا اقتدار اجتماعات کے فیصلوں سے بھی برتر ہے۔ یہ قانون منظور کیا گیا کہ حسن انتظام اور کلیسا کی اصلاحات کے لیے ایسے اجتماعات کا باقاعدہ اجرا ضروری ہے۔ اور یہ کہ ہر اجتماع اس کے منتشر ہونے سے قبل اپنے اگلے اجلاس کا مقام اور وقت طے کر لیا کرے۔ دربار روم کے اثرات کی وجہ سے سینا میں منعقد ہونے والا اگلا اجتماع بآسانی ٹال دیا گیا۔ مگر باسل کے اجلاس میں جو کارروائی ہوئی وہ حکمران پوپ کے لیے بہت حد تک تباہ کن تھی۔ یوجینی اوس چہارم اس دور میں پاپائے روم کے عہدے پر فائز تھا۔ اس کے منصوبے کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا گیا کہ کونسل کی کارروائی کا جلد از جلد اعلان کر دیا جائے۔ اور کلیسا کے شرارتی لوگوں کو تمام روحانی اور انتظامی اختیارات تفویض کر دیے گئے۔ اور تمام عیسائیوں کو ان کے قبضے میں دے دیا گیا۔ اور اس میں پوپ کو بھی کوئی استثنا حاصل نہ تھا۔ اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ کسی بھی کلیسا کو اس وقت تک ختم کیا جائے گا، یا تحلیل نہیں کیا جائے گا یا اسے منتقل نہیں کیا جائے گا جب تک کہ کوئی اجتماع آزادی سے اس امر کا فیصلہ نہ دے دے۔ اور وہ نوٹس جو یوجینی اوس کی طرف سے جاری کیا گیا تھا۔ اس نے اس مقصد کو مزید استحکام بخشا۔ اس نے متعدد تاخیری کارروائیوں کی ملامت کی۔ توبہ کے لیے وقت فراہم کیا۔ انھوں نے بالآخر اعلان کر دیا کہ ساٹھ دن کی میعاد دیے بغیر کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ اس سے تمام دنیاوی

اور کلیسائی اختیارات واپس لے لیے گئے۔ اب اس مجلس کے اختیارات بادشاہ اور پوپ دونوں پر حاوی ہو گئے۔ انھوں نے ایوگنان کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اور اسقف کو بھی پابند کر لیا گیا۔ اور ان کے مقدس جانشینوں کو بھی ان اصولوں کے تحت منضبط کر دیا گیا۔ اور روم کو تحفظ فراہم کر دیا گیا کہ وہ نئے محصولات عائد کر سکیں۔ ان کی جرأت کا جواز فراہم کیا گیا، نہ صرف اسے پادریوں کی عام تائید حاصل تھی، بلکہ عیسائیوں کے پہلے بادشاہ نے بھی اس کی توثیق کر دی۔ شہنشاہ سِجسمونڈ نے اپنے متعلق اعلان کر دیا کہ اجلاس عام کا خادم اور محافظ ہے۔ جرمنی اور فرانس نے بھی ان کے مقاصد کی تکمیل کی حامی بھر لی۔ میلان کا ڈیوک یوجینی اوس کا دشمن تھا۔ رومی عوام کے جوش و خروش کی وجہ سے اسے روم چھوڑنا پڑا۔ اس کی مذہبی اور دنیوی رعایا نے اسے اسی آن مسترد کر دیا۔ اس کے پاس صرف یہی چارہ رہ گیا تھا کہ وہ اطاعت قبول کر لے۔ وہ ہر طرف سے عاجز آ چکا تھا۔ پوپ نے اپنی طرف سے کارروائی کی اور اجلاس عام کی کارروائی کی توثیق کر دی۔ اس کے سفیر اور مختار اس مقدس ادارے کے ساتھ منسلک رہے اور اس قانون سازی کے برتر ادارے کی تقدیس کو تسلیم کر لیا۔ ان کی شہرت مشرقی ممالک تک پھیل گئی۔ ان کی موجودگی میں ہی سِجسمونڈ نے ترکی کے سفیروں کو شرف باریابی بخشا۔ انھوں نے بارہ برتن اس کے پاؤں میں رکھ دیے جن میں ریشمی کپڑا اور طلائی ٹکڑے بھرے ہوئے تھے۔ باسل کے گروہ کے افراد نے یونان کی کم مائیگی کو بہت پسند کیا اور بوہیمیا کی آبادی بھی کلیسا کے زیر اثر آ گئی۔ اور ان کے نائبین نے بادشاہ اور قسطنطنیہ کے اسقفوں کو دعوت دی کہ وہ بھی ایک ایسے اجتماع سے اتحاد قائم کر لیں، جس پر تمام مغربی اقوام اعتماد کرتی ہیں اور اس کے سفیروں کو بڑی عزت سے مجلس قانون ساز سے متعارف کرایا گیا۔ مگر اس غرض کے لیے کسی موزوں مقام کا انتخاب رکاوٹ کا باعث بنا رہا۔ کیونکہ وہ الپس یا صقلیہ کے سمندر کو عبور نہیں کرنا چاہتا تھا، اور یہ شرط بھی پیش آئی کہ اجلاس عام اس وقت تک مؤخر کر دیا جائے، جب تک اٹلی یا دریائے ڈینیوب کے کنارے کوئی موزوں شہر اس غرض کے لیے منتخب نہ کر لیا جائے۔ اس معاہدے کی دیگر شرائط کو بآسانی قبول کر لیا گیا، اس پر بھی اتفاق ہو گیا کہ بادشاہ اور اس کے ساتھ سو محافظین کے سفر کے خرچ کے لیے آٹھ ہزار ڈوکا قبل از وقت ارسال کر دیے جائیں گے اور اسقف اور اس کے عملے کے اخراجات سفر و رہائش کے لیے دس ہزار ڈوکا مزید فراہم کیے جائیں گے۔ اس کی غیر موجودگی کے دوران اخراجات کے لیے مزید دس ڈوکا دیے جائیں گے، اور قسطنطنیہ کی حفاظت کے لیے کچھ بحری جہاز اور تین سو تیر انداز بھی فراہم کیے جائیں گے۔ ابتدائی اخراجات کے لیے ایوگنان کے شہر نے سرمایہ فراہم کر دیا۔ اور مارسیلس

سے جہاز کی روانگی کا انتظام قدرے تاخیر سے اور مشکلات کے ازالے کے بعد ممکن ہو سکا۔

چونکہ پلائیولوگوس مشکلات کا شکار تھا، اس لیے مغربی کلیسا کی قوتوں کو اس کی دوستی پر اعتماد نہ تھا، مگر ایک بادشاہ کی چابکدستی کی وجہ سے سست رو مباحثات پر قابو پا لیا گیا، اور ایک جمہوریہ کے غیر لچکدار رویے کی بھی اصلاح کر دی گئی۔ باسل نے متواتر ایسے فیصلے کیے کہ جن کی وجہ سے پوپ کی مطلق العنانیت محدود ہو کر رہ گئی اور اس کی جگہ ایک برتر اور دوامی ادارہ یا معدلہ کا قیام عمل میں آ گیا۔ جس کا تعلق کلیسا سے تھا۔ یوجینی اوس اس معاملے میں کارروائی کے لیے بہت بے تاب تھا۔ وہ غلامی کا جوا اتار پھینکنا چاہتا تھا، وہ یہ سمجھتا تھا کہ نیا اجتماع یونانیوں کو ایک ایسا موقع فراہم کر دے گا کہ وہ کسی باغیانہ اجتماع کو راین سے پو (Po) میں منتقل کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ اگر یونانی پادری الپس، ساوائے (Savoy) اور ایوگنان کو پار کر کے آگے چلیں تو اس سے ان کی آزادی ختم ہو جائے گی۔ قسطنطنیہ میں بتایا گیا کہ یہ مقامات ہرکلس کے ستونوں سے بھی بہت آگے واقع ہیں۔ خود شہنشاہ اور اس کا اسقف دونوں کو خطرہ تھا کہ یہ بحری سفر بہت طویل ہوگا۔ وہ اس پر بھی ناراض تھے کہ اہالیان بوہیمیا نے نئی بدعت اختیار کر لی ہے اور اگر کونسل اجلاس منعقد کرنے میں کامیاب ہو گئی تو اہل یونان کا قدیم افتراق قبول کرنے کے لیے تیار تھا۔ اور اس کی طرف سے احترام کا بھی مظاہرہ ہو رہا تھا۔ اس نے شہنشاہ مشرق کو اس لیے دعوت دی تھی کہ وہ آ کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ اہل روم اور یونان میں سے کس نے بدعت کو رواج دیا۔ اور یہ بھی کہ اس کی موجودگی کی وجہ سے افتراق کا زخم مندمل ہو جائے گا۔ اس سے مشرقی اور رومی دونوں کلیساؤں کو فائدہ پہنچے گا۔ فرارا ایک ایسا مقام تھا جو ایڈریاٹک کے ساحل پر واقع تھا۔ اسے اس غرض سے منتخب کیا گیا تھا کہ اہل یونان کو اپنا عندیہ ظاہر کرنے میں سہولت رہے اور وہ طویل سفر کی زحمت سے بھی محفوظ رہیں۔ دھوکا دہی اور چوری کے واقعات کے سدباب کے لیے بھی اٹلی کا ہی کوئی شہر اس غرض کے لیے موزوں ہوتا ہے۔ اس خدمت کے لیے وینس اور کانڈیا میں جنگی جہازوں پر تمام ضروری سامان آراستہ کر لیا گیا تھا۔ انھوں نے تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد باسل کے سست رفتار جہازوں کا انتخاب کیا تھا۔ ایک رومی امیر البحر کو منتخب کر لیا گیا تھا کہ وہ ان جہازوں کو جلا دے۔ تباہ کرے یا ڈبو دے، خیال یہ تھا کہ دونوں کلیساؤں کے جہاز ممکن ہے کہ اسی سمندر میں ایک دوسرے کے مقابلے میں آ جائیں جہاں پر ماضی میں ایتھنز اور سپارٹا کے جہازوں میں ایک دوسرے پر فتح اور غلبہ حاصل کرنے کے لیے مقابلہ ہوا تھا۔ یہاں یہ صورت بھی تھی کہ دوسرا فریق پلائیولوگوس کی ذات کو اپنے قبضے میں لینا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ اپنا گھر اور شہر چھوڑ کر کسی خطرناک مہم

پروانہ ہونے کے لیے تیار نہ تھا، اس کے ذہن میں ابھی تک اپنے باپ کی نصیحت گونج رہی تھی، اور استدلال بھی اسی کے حق میں تھا کہ اس وجہ سے کہ لاطینی اس موقع پر خود بھی باہم متحد نہیں۔ اس لیے وہ کسی غیر ملکی معاملے میں بھی کبھی متحد نہیں ہو سکتے۔ بجس مونڈ نے بھی اس بلا موقع مہم جوئی کے خلاف رائے دی۔ اس کا مشورہ کسی فریق کے خلاف یا حق میں نہ تھا بلکہ غیر جانبدار تھا۔ وہ کہتا تھا کہ کونسل کے اجلاس کا انعقاد ہو جائے۔ اور ہر شخص کو اس عجیب و غریب احتمال پر یقین تھا، کہ قیصر جرمنی مشرقی سلطنت کے متعلق اپنی مرضی کا جانشین نامزد کر دے گا اور خود مغربی سلطنت پر قابض ہو جائے گا۔ ترک سلطان بھی اس کے صلاح کاروں میں شامل تھا، حالانکہ اس پر اعتماد کرنا کسی طرح بھی محفوظ تھا، مگر اسے ناراض کرنا بھی محفوظ نہ تھا۔ عمورات اس نوعیت کے تنازعات کے معاملے میں مہارت سے عاری تھا، مگر وہ کلیساؤں کے اتحاد میں اپنے لیے خطرہ محسوس کرتا تھا، اس نے پیش کش کی کہ بازنطینی حکومت کی مالی ضروریات کو اپنے خزانے سے پورا کرے گا۔ اس کے باوجود اس نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ قسطنطنیہ محفوظ رہے گا اور اس کی حکومت اس شہر کے معاملات میں کوئی دخل نہیں دے گی۔ ان کے بادشاہ کی غیر حاضری میں بھی اس اصول پر عمل جاری رکھا جائے گا۔ پلائیولوگوس کے ارادے کو قائم رکھنے کے لیے اسے قیمتی تحائف پیش کیے گئے اور متعدد وعدے بھی کیے گئے۔ اس نے چاہا کہ وہ کچھ مدت کے لیے اس خطرناک موقع سے ایک طرف ہٹ جاتے اور مایوس حالات سے عارضی طور پر نجات حاصل کر لے۔ اس نے کونسل کے ایلچی کو ایک مبہم جواب دے کر جانے کی اجازت دے دی۔ اس نے اپنے اس ارادے کا بھی اظہار کیا کہ وہ رومی جہازوں پر سفر کو ترجیح دے گا۔ اسقف جوزف عمر کے اس مرحلے میں تھا، جہاں امید ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور خوف غالب آ جاتا ہے، وہ بحری سفر کے نام سے بھی کانپ اٹھا، اور اپنے خطرات بیان کیے۔ اگرچہ اس کی آواز بہت کمزور تھی۔ اس کے ہمراہ تیس افراد تھے جو اس کے راسخ العقیدہ بھائی تھے، انھیں یہ خوف تھا کہ لاطینی کلیسا کے لوگ اپنی قوت اور تعداد کے بل بوتے پر انھیں ہراساں کریں گے۔ اس نے شاہی دباؤ قبول کر لیا۔ اسے خوشامدانہ یقین دلایا گیا کہ اسے اجتماع اقوام کا بڑی توجہ سے سنا جائے گا۔ اور یہ کہ اس کے مغربی عیسائی بھائی بھی یہ چاہتے ہیں کہ کلیسا کو بادشاہوں کی غلامی سے آزاد کر دیا جائے۔ سینٹ صوفیہ کے پانچ صلیب برداروں کو پابند کر لیا گیا کہ اس کی ذات کی حفاظت کریں۔ ان میں سے ایک تو کلیسا کا اعلیٰ عہدہ دار تھا، سلویسٹر سائر و پولوس جو ایک مبلغ کی حیثیت سے کافی مشہور تھا۔ اس نے اس باطل اتحاد کی تاریخ بھی لکھی ہے، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ پادری جس نے شہنشاہ کی دعوت کو قبول

کیا۔ اگرچہ وہ اپنے اس فعل پر خود بھی ناخوش تھا، مگر اس کا اب اولین فرض یہ رہ گیا تھا کہ وہ یہ صورتحال قبول کر کے نیکی کا ثبوت مہیا کرے، بیس منتخب بشپوں کی فہرست میں ان شہروں سے متعلق افراد کے نام معلوم ہوتے ہیں۔ ہراکلیا، سائزیکوس، نائس، نکومیڈیا، ایفی سوس اور طریبی زونڈ: مارک اور بساری اون کی ذاتی اہلیت کی بنیاد ان کے علم و فضل پر تھی۔ یہ لوگ فصیح خطیب بھی تھے۔ اس لیے انھیں اسقف کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔ ان میں چند فلسفی بھی تھے، جو یونانی کلیسا کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے تھے۔ اور حمد یہ نغمات سرائی کی خدمات بعض منتخب موسیقی کے ماہرین نے انجام دی۔ سکندریہ، انتاخ اور یروشلم کے پادریوں کی نمائندگی ان کے حقیقی یا فرضی نائبین نے کی۔ روس کے ایلچی نے اپنے قومی کلیسا کی نمائندگی کا فرض ادا کیا۔ اور یونانیوں نے رومی کلیسا کی سلطنت میں بڑے حوصلے سے تسلیم و رضا کا مظاہرہ کیا۔ سینٹ صوفیہ کی قیمتی طشتریوں کو نکال کر ہوا لگائی گئی۔ انھیں لہرا کر ان کی عظمت کا اظہار کیا گیا۔ ان کی خوبصورتی اور بیش بہا، قدر و قیمت کا احساس دلایا گیا۔ بادشاہ جس قدر سونا فراہم کر سکتا تھا وہ اس کی خواب گاہ اور رتھ پر استعمال کر دیا گیا۔ اگرچہ وہ اپنی قدیم امارت کا مظاہرہ کر رہے تھے، مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ پندرہ ہزار ڈوکا کی تقسیم پر بھی لڑ رہے تھے۔ جو انھیں پاپائے روم سے اولین خیرات کے طور پر ملے تھے۔ مناسب تیاریوں کے بعد جان پلائیولوگوس، اپنے ہمراہیوں کی ایک لمبی قطار کے ساتھ، جن میں اس کا بھی ڈیمطری اوس بھی شامل تھا۔ علاوہ ازیں ریاست اور کلیسا کے افراد آٹھ جہازوں پر سوار ہو گئے، جن پر بادبان بھی تھے اور چپو بھی چلائے جا رہے تھے۔ وہ ترکی کی آبنائے میں سے گیلی پوس کے مقام سے گزرے اور موریہ کے جزیرہ نما کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے ایڈریاٹک کی خلیج میں داخل ہو گئے۔

ستر دن کے مشکل اور تھکا دینے والے سفر کے بعد یہ مذہبی گروہ وینس کے سامنے جا کر لنگر انداز ہوا۔ ان کی آمد پر اس طاقتور جمہوریہ میں خوشی کی لہر پھیل گئی۔ آگسٹس اگرچہ پوری دنیا کا حکمران تھا، مگر اسے بھی کبھی اتنی عزت نصیب نہیں ہوئی۔ جو اس آزاد ریاست کے کمزور حکمران کی قسمت میں لکھی تھی جہاز کے دنبالے پر ایک اونچا تخت رکھا گیا، اور اس انداز میں اسے خوش آمدید کہا گیا۔ جو یونانی صرف وینس کے شہنشاہ کو پیش کرتے تھے۔ جہاز بو قنطار میں پہنچا، اس کے ہمراہ بیس شاہی جہاز بھی تھے۔ سمندر پر لاتعداد خوبصورت گنڈولے تیر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا سمندر ان کے نیچے چھپ گیا ہے۔ ملاح اور جہاز ران بھی ریشمی اور کم خواب کے لباسوں میں ملبوس تھے۔ اور ہر نشان میں رومی عقاب کے ہمراہ شہروں کو بھی سینٹ

مارک کے جھنڈوں میں شامل کر لیا گیا تھا۔ یہ فاتحانہ جلوس بڑی نہر میں اترا، اور ریالٹو کے پل سے نیچے سے گزر گیا۔ مشرقی اجنبی محلات اور گرجا گھروں کو تعجب کی نظروں سے دیکھ رہے تھے، انھیں ایک ایسا شہر نظر آ رہا تھا، جو سمندر کی موجوں کے اوپر آباد تھا۔ انھوں نے اس مال غنیمت کے آثار دیکھے جو یہ لوگ قسطنطنیہ کو لوٹ کر لائے تھے۔ پندرہ دن کے آرام کے بعد پلائیولوگوس نے خشکی کے سفر کا آغاز کیا۔ درمیان میں کہیں کہیں پانی میں سے بھی گزرنا پڑتا۔ وینس سے فرارا پہنچے۔ جب وہ وینی کن پہنچا تو اسے محسوس ہوا کہ مشرقی سلطنت کا سارا وقار یہاں آ کر ختم ہو گیا ہے۔ وہ سیاہ گھوڑے پر سوار ہو کر شہر میں داخل ہوا۔ مگر ایک دودھ کی طرح سفید گھوڑا اس کے آگے آگے چل رہا تھا، جس کی عنان سونے کی تھی، اس کے سر پر ایک سائبان بھی تھا۔ جسے مشرق کے شہزادوں نے تھام رکھا تھا۔ جو نکولس کے رشتہ دار تھے اور اس شہر کے افسران اعلیٰ کے مراتب پر فائز تھے۔ یہاں کا بادشاہ اس کے اپنے مقابلے میں بہت زیادہ طاقتور تھا۔ پلائیولوگوس اس وقت تک گھوڑے سے نہیں اترا جب تک کہ وہ سیڑھیوں کے زیریں زینے تک نہیں پہنچ گیا۔ پوپ ایوان کے دروازے تک آگے بڑھا۔ اس نے دنیاوی رسوم کی ادائگی سے انکار کر دیا۔ بزرگانہ انداز میں بغل گیر ہوا، اور بادشاہ کو اپنے ساتھ لے کر اندر داخل ہوا۔ اور تخت پر اپنے ساتھ بائیں سمت بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ حالانکہ اس نے اس وقت تک جہاز سے اترنے میں بھی تاخیر کر دی تھی۔ جب تک کہ اسے بطور شہنشاہِ قسطنطنیہ تمام شاہی آداب سے سرفراز نہ کیا گیا۔ اور قسطنطنیہ کے پوپ کو بھی اس کے مرتبے کے مطابق سلامی پیش نہ کی گئی۔ برادرانہ اتحاد کے مظاہرے کی علامت کے طور پر پاپائے روم نے قسطنطنیہ کے اسقف اعظم کا بوسہ بھی لیا۔ قسطنطنیہ کے کسی پادری نے پاپائے روم کی قدم بوسی نہیں کی۔ جب اجلاس عام کا افتتاح ہوا تو مرکزی مقام پر کلیسا کے روم کے کارکنوں نے تمام نشستیں سنبھال لیں۔ جبکہ ان کے پیشروؤں نے کیلسیڈون (کلد انیہ) اور نائس کے اجتماعات میں ایسا نہیں کیا تھا۔ یہاں قسطنطنیہ اور مارقیوں (Marcian) کی قائم کردہ تمام روایات کو نظر انداز کر دیا گیا۔ طویل بحث کے بعد قرار پایا کہ گرجا کی دائیں اور بائیں کی نشستوں پر دونوں ممالک کے افراد بیٹھ جائیں۔ پہلی صف میں صرف سینٹ پیٹر کی کرسی کو بلند مقام پر رکھا گیا۔ شہنشاہ مغرب کی نشست خالی رہی۔

جونہی یہ تکلفات اور دستور کی کارروائیاں ختم ہوئیں اور معاملہ ایک سنجیدہ معاہدے کے موقع پر پہنچا۔ یونانی اس وقت تک اپنے سفر، اپنی ذات اور پوپ کے کردار سے غیر مطمئن ہو چکے تھے۔ اس کے مکار تاریخ نویسوں نے اسے تمام بادشاہوں اور سربراہان کلیسا کے سر پر بیٹھا دیا۔ ان کے کہنے کے مطابق تمام

اسقف اس کی آواز پر لبیک کہتے تھے۔ نہ صرف اس پر یقین رکھتے بلکہ اس کے اشارے پر ہتھیار بھی اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن جب وہ فرارا کے بین الاقوامی اجتماع میں سب کے سامنے آیا تو اس کی کمزوری بھی کھل کر سامنے آ گئی لاطینیوں نے جب پہلے اجلاس کا افتتاح کیا تو اس کے ہمراہ صرف پانچ اسقف اور اٹھارہ بشپ تھے اور دس راہب تھے۔ ان میں سے بیشتر اٹلی کے اسقف کے ہم وطن یار عایا تھے۔ برگنڈی کے ڈیوک کے علاوہ کوئی بھی مغربی حکمران اس اجلاس میں ذاتی طور پر شریک نہیں ہوا اور نہ ہی نمائندہ بھیجا۔ اس سے یوجینی اوس کا وقار بری طرح مجروح ہوا۔ یہ اجتماع صرف نئے انتخابات کے بعد ختم ہو گیا۔ ان حالات کے تحت ایک معاہدۂ امن یا تاخیر کی درخواست کی گئی جو منظور ہو گئی۔ تاکہ پلائیولوگوس کو موقع مل جائے، یا اتنی تاخیر ہو سکے کہ اسے لاطینی کلیسا سے کسی معاہدے کا موقع فراہم ہو سکے یا اس غیر مقبول اتحاد کے بدلے میں کوئی انعام مل سکے۔ پہلی نشست کے بعد اجلاس عام کی کارروائی معطل کر دی گئی اور چھ ماہ بعد تک کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ شہنشاہ نے اپنے منتخب منظور نظر افراد یا جی حضوریوں کے ہمراہ خوشگوار مقام پر واقع ایک خانقاہ میں اپنی رہائش اختیار کر لی۔ وہ فرینکفرٹ سے چھ میل ہٹ کر واقع تھی، جہاں پر وہ شکار کی تفریح میں معروف ہو گیا اور کلیسا اور ریاست کی تمام مشکلات کو فراموش کر دیا اور جنگلی جانوروں کی تباہی میں مشغول رہا۔ اس نے مارکوئس اور گلہ بانوں کی جائز شکایات کی بھی پروا نہ کی۔ اس دوران اس کی یونانی رعایا بھی سخت مشکلات میں مبتلا رہی۔ ملک میں افلاس کا غلبہ تھا اور آبادی کے بعض حصوں کو جلاوطن بھی کیا جا رہا تھا۔ ہر اجنبی کی مدد کے لیے تین یا چار طلائی اشرفیاں مقرر تھیں، اس کے باوجود مجموعی رقم سات سوسکوں تک نہیں پہنچتی تھی۔ (جس کا آغاز میں وعدہ کیا گیا تھا) رومی دربار نے اس سلسلے میں جو حکمت عملی تیار کی تھی، اس پر عمل نہ کیا جا سکا۔ اب ان میں یہ خواہش پیدا ہونے لگی کہ کسی طرح جلد از جلد اس پابندی سے آزاد ہو کر واپسی اختیار کر لی جائے، مگر ان کے فرار پر سہ گونہ زنجیر بچھا دی گئی تھی۔ فرارا کے دروازے پر ایک پاسپورٹ دکھانا ضروری تھا، جو اعلیٰ افسران کی طرف سے جاری کیا جاتا تھا۔ ان میں سے کوئی فرار ہونے کی کوشش کرتا تو اسے وینس کی حکومت گرفتار کر کے واپس کر دیتی۔ اور قسطنطنیہ میں بھی انھیں سخت سزا دی جاتی تھی۔ جس میں مقاطع، جرمانہ اور قید کی سزائیں شامل تھیں۔ اس میں اس امر کا بھی خیال نہ رکھا جاتا کہ مفرور کا کون سی جماعت یا کس طبقے سے تعلق ہے اور کس وقار کا مستحق تھا۔ مفرور کے برسر عام کپڑے اتار لیے جاتے اور کوڑے مارے جاتے۔ صرف یہ صورت رہ گئی تھی کہ بھوک یا اختلاف میں سے کسی ایک کو قبول کر لیا جائے۔ اس لیے یونانی مجبور تھے کہ اس اولین کانفرنس کا افتتاح کریں۔ مگر بالآخر

طویل کش مکش کے بعد انھیں مجبوراً یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ وہ اس کانفرنس میں شمولیت اختیار کرلیں۔ فیرارا سے فلورنس تک سارے علاقے میں اس کانفرنس کی تائید موجود تھی۔ ناگزیر ضرورت کے تحت اس کے جدید ترجے کی تجویز تسلیم کرلی گئی اس دوران شہر پر طاعون کا حملہ ہوگیا۔ مارکوئس کی وفاداری بھی شبے سے خالی نہ تھی۔ میلان کے رضا کار فوجی دروازوں تک پہنچ چکے تھے۔ جب انھوں نے روماگنا (Romagna) پر قبضہ کرلیا، اب پوپ، بادشاہ اور ان کے بشپوں کے لیے ناگزیر ہوگیا کہ وہ تمام خطرات کے باوجود اپنے فرار کے لیے کسی مشکل راستے کا انتخاب کرلیں۔ انھوں نے اپی نائن کا راستہ منتخب کرلیا، جس پر آمدورفت شاذ ہی دیکھنے میں آتی۔

ان مشکل حالات اور مخالف حکمت عملی کے باوجود تمام رکاوٹوں پر قابو پالیا گیا۔ باسل کے پادریوں نے یوجینی اوس کے مقاصد میں حائل ہونے کی بجائے ان کی مدد کی۔ یورپی اقوام کے دلوں میں اس بدعت کے خلاف نفرت پیدا ہوئی۔ انھوں نے فیلکس پنجم کے انتخاب کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ وہ پہلے ساوائے کا ڈیوک تھا، پھر رہبانیت اختیار کرلی، اور اس کے بعد پوپ بن بیٹھا۔ اس کے حریف نے تمام بادشاہوں کی مدد حاصل کی۔ ابتدا میں انھوں نے غیر جانبداری اختیار کی اور بعد میں اس کے ساتھ منسلک ہوگئے۔ پاپائے روم کے سفیر بتدریج افواج کے ساتھ متحد ہوگئے۔ ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا گیا اور پھر تعداد بھی بڑھ گئی۔ باسل کی کونسل میں صرف انتالیس بشپ باقی رہ گئے اور ان کے ہمراہ تین سو چھوٹے درجے کے پادری تھے۔ جبکہ فلورنس کے لاطینیوں کو پاپائے روم کی ذاتی مدد بھی حاصل تھی۔ علاوہ ازیں آٹھ کارڈینل، دو اسقف آٹھ آرک بشپ باون بشپ، پینتالیس راہب یا مذہبی انتظامیہ کے سردار شامل تھے۔ نو ماہ کی محنت شاقہ کے بعد جس میں پچیس اجلاس منعقد کیے گئے۔ اور طویل مباحث میں حصہ لیا گیا، اور اس کے نتیجے میں اہل یونان سے اتحاد قائم کیا گیا۔ دونوں کلیساؤں کے مابین چار مسائل پر شدید اختلافات تھے۔

۱۔ حضرت عیسیٰ کا عشائے ربانی میں خمیری روٹی کا استعمال۔

۲۔ عالم برزخ یا اس مقام کی کیفیت جہاں ارواح اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرتی ہیں۔

۳۔ پوپ کی برتری اور

۴۔ روح القدس کا ایک سے یا دونوں (باپ بیٹے) سے انسلاک۔

دس ماہرین دینیات نے دونوں فریقوں کے نقطہ ہائے نظر اور دلائل کو بغور سنا اور ان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی، کارڈینل جولین نے رومی نقطۂ نظر کو انتہائی فصاحت سے پیش کیا۔ ایفی سوس کے مارک

اور نائس کے بساری اون نے یونانیوں کی بھرپور نمائندگی کی۔ اور بڑی جرأت سے اپنے خیالات کا بے باک اظہار کیا۔ اس ساری کارروائی میں انسانی ذہن واستدلال کی برتری کی شہادت ملتی ہے۔ ماہرین نے کہا کہ ان چار سوالوں میں سے پہلا تو اب بے مقصد اور بے معنی ہوکر رہ گیا ہے۔ اس پر ملک اور ہر دور کے رسوم ورواج کے مطابق عمل کرنا چاہیے، جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے تو عالم برزخ کے وجود پر دونوں گروہ متفق ہیں کہ صاحب ایمان کو گناہوں کے بوجھ سے نجات کے لیے ایک عبوری مدت ضرور ملتی ہے۔ یہ مشکوک ہے کہ ان کی ارواح کو مادی آگ میں جلایا جاتا ہے اور دونوں متحارب گروہ آئندہ چند سالوں میں مل بیٹھ کر اس پر اتفاق رائے قائم کرلیں گے۔ جہاں تک پوپ کی برتری کا تعلق ہے اس پر اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ اس دعوے میں خاصا وزن ہے اور دلائل سے بھی اسے ثابت کیا جاسکتا ہے، مگر مشرقی اقوام میں پانچوں حواریوں میں سے کسی ایک کی برتری کبھی تسلیم نہیں کی گئی۔ وہ یہ تسلیم کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں کہ تمام عیسائی دنیا کے لیے اسے قانون سازی کے اختیارات حاصل ہیں۔ روح القدس کا وجود کیا صرف باپ سے متعلق ہے یا صرف بیٹے سے۔ چونکہ اس معاملے کا تعلق عیسائی عقائد سے ہے۔ اس لیے یہ دونوں فرقوں کے اذہان میں گہری جڑیں بنا چکا ہے۔ اس لیے فرارا اور فلورنس کے اجلاسوں میں مسئلہ زیر بحث کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا۔ اور دو علیحدہ علیحدہ سوال وجود میں آگئے۔ کیا اس سوال کو ہر شخص کی اپنی دانست پر نہ چھوڑ دیا جائے کہ وہ اس کے متعلق کیا رائے رکھتا ہے، اور اسے غیر جانبداری سے کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی اجازت دے دی جائے، جہاں تک میری اپنی ذات کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ کیلسیڈون (کلدانیہ) کی کونسل میں یونانیوں کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی کہ نائس کے فیصلوں میں کسی نئے عقیدے کا اضافہ نہ کیا جائے بلکہ قسطنطنیہ میں جو فیصلے کیے جاچکے ہیں ان میں کوئی ترمیم نہ کی جائے یا ان میں کوئی نیا فیصلہ شامل نہ کیا جائے۔ جہاں تک ارضی معاملات کا تعلق ہے تو اس صورتحال کا تصور ممکن نہیں کہ کوئی نسل اپنی جانشین نسل کو بھی اپنی قانون سازی کے اختیارات کے تحت عمل کرنے اور نئی ترمیم نہ کرنے پر مجبور کرسکتی ہے۔ کیونکہ آئندہ نسلوں کو بھی قانون سازی کے وہ تمام اختیارات حاصل ہوں گے، جو آج ہمیں حاصل ہیں۔ جو خدا کی طرف سے حاصل ہوتا ہے وہ تو ناقابل تبدیل اور مستقل ہوسکتا ہے۔ مگر انسان کا اپنا عمل ہر نسل کی ضروریات کے مطابق تبدیل ہوسکتا ہے۔ کوئی بشپ ذاتی طور پر یا ایک صوبائی اجتماع کیتھولک کلیسا کے فیصلوں کو تبدیل نہیں کرسکتا۔ اس عقیدے کے لب لباب یا حقیقت کے متعلق شروع ہی سے اختلاف موجود رہا ہے۔ دونوں طرف سے پختہ دلائل دیے جاتے ہیں اس

لیے یہ مسئلہ ایسی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اس کا خاتمہ نہیں ہوسکتا۔ اس ضمن میں دونوں طرف سے دلائل تو بہت دیے گئے ہیں۔ مگر انجیل اس کے متعلق خاموش ہے۔ جہاں تک دوسری روایات کا تعلق ہے تو وہ غلط بھی ہوسکتی ہیں اور ان میں غلط مواد بھی شامل ہوسکتا ہے اور سوفسطائیوں کے نظریات بھی ضروری ہیں کہ درست ہوں اور یونانی تو لاطینی بزرگوں کی تحریروں سے ویسے بھی نا آشنا رہے ہیں۔ اور ان کے کردار سے بھی واقف نہیں۔ لیکن لاطینی اپنے مخالفین کے استدلال کو قبول کرتے ہیں، مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ محض استدلال سے کسی بھی فریق کو روشنی نصیب نہیں ہوسکتی۔ کوئی ایسا ثبوت فراہم کرنا ناگزیر ہے جو ہمیں مطمئن کر سکے۔ مگر بشپ اور راہب تو بچپن ہی سے ایسی تعلیم و تربیت حاصل کرتے ہیں جس میں مبہم الفاظ کی تکرار کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ ان کے ذاتی اور قومی وقار کا تقاضا ہے کہ وہ ویسے ہی الفاظ کی تکرار کرتے رہیں۔ جب عوام میں کسی مسئلے پر اختلاف رونما ہو جاتا ہے تو تنگ ذہن لوگ گھبرا جاتے ہیں اور مشتعل ہو جاتے ہیں۔

جب وہ ظلمات اور گرد کے بادلوں میں گرفتار ہو گئے تھے، تو پوپ اور شہنشاہ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کسی نوعیت کا اتحاد قائم کر لیا جائے۔ اس غرض سے صرف وہ دونوں ملاقات کر کے کوئی راستہ نکال سکتے ہیں۔ جب ان میں ایک نجی ملاقات ہوگئی تو اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ عوام کے جوش و خروش میں کمی آگئی۔ استقف جوزف اپنی پیرانہ سالی اور کمزوری کے بوجھ تلے دب چکا تھا۔ وہ مرتی ہوئی آواز میں بھی فیاضی اور باہمی اتحاد کا سبق دیتا رہا۔ اگرچہ وہ اپنا مقام خالی کر رہا تھا، مگر ہم آہنگی کی امید چھوڑ کر جا رہا تھا۔ روس اور نائس کے استقف ہر قسم کے اتحادِ فکر کے لیے تیار تھے اور ہر حکم کی تعمیل کے لیے مستعد تھے، اور بساری اون کو جلد از جلد آرک بشپ کی کرسی پر بٹھانے کے لیے سریع کارروائی کی گئی۔ اپنی پہلی تقریر میں بساری اون نے یونانی کلیسا کی حمایت میں ایک زوردار تقریر کی تھی، اس مرتد پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ یہ اپنی ماں کی ناجائز اولاد تھا، مگر کلیسائی داستانوں میں یہ شخص حب الوطنی کا ایک فقید المثال نمونہ تھا، اس کی دربار میں شمولیت کے لیے بروقت سفارش کی گئی تھی۔ اگرچہ اس کی مخالفت میں بھی بہت آوازیں بلند ہوئیں۔ اس نے روحانی ضوابط پر جو دو رسالے مرتب کیے، شہنشاہ نے ان کی بنیاد پر اس کے استدلال کو عام صورت حال کے مطابق پایا اور بشپ کے کردار میں اس کی شخصیت کو اعلیٰ نمونہ قرار دیا۔ تمام محاصلات ان کے ہاتھوں میں تھے۔ مگر ان کی ذات لاطینیوں کے قبضے میں تھی۔ انھیں کلیسا کی طرف سے تین جوڑے کپڑے اور چالیس ڈوکا نقد ملے تھے جو ختم ہو چکے تھے۔ ان کی واپسی کی امید کا انحصار وینس کے جہازوں اور رومیوں کی خیرات پر تھا۔ اب صورت

حال یہ تھی کہ ان کا وظیفہ بقایا کی مد میں چلا گیا تھا اور قرض کی ادائیگی بھی کسی کی مہربانی سے ہی ہوسکتی تھی، اور یہ بھی ممکن تھا کہ اس کے لیے رشوت بھی پیش کرنی پڑے۔ قسطنطنیہ کے خطرات کا احساس اور اس سلسلے میں کسی مدد کی توقع بھی ختم ہوتی جا رہی تھی۔ اور یہ اندازہ کر لیا گیا تھا کہ ضدی بدعتی، مشرق اور مغرب کے اتحاد کی ضرور مخالفت کریں گے اور اس طرح یہ ایک دشمن ملک میں بے سہارا چھوڑ دیے جائیں گے۔ اور یہ پاپائے روم کی مرضی پر ہوگا کہ وہ انصاف کا بہانہ بنا کر جیسا چاہے سلوک کرے۔ اور انتقامی کارروائی کرے۔ یونانیوں نے نجی طور پر جو پہلا اجلاس منعقد کیا، اس میں جو تجاویز پیش کی گئیں انھیں چوبیس ارکان نے منظور کر لیا اور بارہ نے ان کی مخالفت کی۔ مگر پانچ صلیب برداروں کو جو سینٹ صوفیہ کی نمائندگی کر رہے تھے، قدیم رواج کے مطابق رائے دہی سے محروم کر دیا گیا۔ اور ان کا حق رائے دہی راہبوں کی ایک جماعت کو منتقل کر دیا گیا۔ ان میں بعض قواعد دان تھے اور باقی ماندہ ناتجربہ کار اور جاہل تھے۔ مگر بادشاہ نے اس صورتحال کو ایک فرضی اتحاد کا نام دے دیا۔ صرف دو محب وطن ایسے تھے جو اپنے دل کی آواز کا اظہار کر سکتے تھے، اور اپنے ملک کے حق میں آواز بلند کر سکتے تھے۔ شہنشاہ کا بھائی ڈیمطری اوس، واپسی کے سفر میں وینس پہنچ گیا۔ وہ کسی ایسی نوعیت کے اتحاد کا عینی شاہد نہیں بننا چاہتا تھا اور رائیفی سوس کا مارک، جو غالباً اپنے جذبۂ افتخار کو اپنے ضمیر کی آواز کہتا تھا۔ وہ لاطینی بدعتیوں کے ہر اجتماع میں حصہ لینے سے گریزاں تھا، اور وہ یہ دعویٰ کرتا تھا کہ وہ راسخ العقیدہ عیسائیت کا پیروکار اور حامی تھا۔ دونوں اقوام کے معاہدے میں باہمی رضامندی کی متعدد صورتوں کا ذکر کیا گیا تھا، جن میں یونانیوں کے وقار میں فرق آیا تھا۔ بعض ایسی شرائط بھی تھیں جن کی رو سے یونان کے وقار کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ مگر لاطینیوں کے اطمینان میں اضافے کی صورت پیدا کی گئی تھی۔ وہ ہر لفظ اور اس کی جزئیات کا وزن کرتے اور اس کا جائزہ لیتے، اور یہ دیکھتے کہ ہر لفظ کا جھکاؤ رومیوں کے حق میں ہو اور ویٹی کن کے احترام کا پلہ بھاری رہے۔ اس پر اتفاق کیا گیا (میں قاری سے درخواست کروں گا کہ الفاظ کی نوعیت پر غور کرے) کہ روح القدس کا آغاز باپ اور بیٹے کی جانب سے ہوا۔ اسے اصول اور روجود واحد کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔ اور باپ اور بیٹے دونوں کی طرف سے وہ یکساں روح، اور یکساں تولید حاصل کرتا ہے۔ ابتدائی معاہدے میں جو دفعات شامل کی گئیں، ان کا سمجھنا بہت دشوار ہے۔ ایک شرط یہ تھی کہ یونانیوں کی واپسی کے تمام اخراجات پوپ برداشت کرے گا، اور قسطنطنیہ کے دفاع کے لیے دو جنگی جہاز اور تین سو سپاہی ہمیشہ موجود رہیں گے اور زائرین کے تمام جہاز جو یروشلم جائیں گے انھیں اس بندرگاہ سے ہو کر جانا ہوگا۔ پوپ اس غرض کے لیے دس جہاز سالانہ یا بیس

جہاز ہر چھ ماہ میں مہیا کرے گا۔ اگر شہنشاہ یونان کو بری فوج کی ضرورت ہوگی تو پوپ اس کے لیے یورپی
بادشاہوں پر زور ڈالے گا۔

اسی سال تقریباً اسی روز مغرب نے باسل میں یوجینی اوس کو معزول کر دیا۔ اور فلورنس میں رومیوں
اور یونانیوں کا اتحاد دوبارہ عمل میں آ گیا۔ گزشتہ اجتماع میں (جسے وہ خود ہی شیطانوں کی مجلس قرار دیتا
ہے) پوپ پر مذہبی عہدے فروخت کرنے کا الزام عائد کیا گیا، دروغ حلفی، ظلم، بدعت اور تفرقہ بازی کے
الزامات اس کے علاوہ تھے۔ اور کہا گیا کہ اس کی برائیاں ناقابل اصلاح ہیں۔ وہ کسی خطاب کا مستحق نہیں اور
وہ اس قابل بھی نہیں کہ وہ کسی کلیسائی عہدے پر کام کر سکے۔ اس کا احترام بطور نائب مسیح کیا جا رہا تھا۔ چھ سو
سال کی علیحدگی کے بعد اس نے مغربی اور مشرقی کیتھولک کو متحد کرنے کی کوشش کی تھی انھیں ایک ہی ریوڑ میں
ایک گڈریے کی حفاظت میں دے دیا جائے۔ اتحاد کا عمل پوپ، بادشاہ اور دونوں جماعتوں کے چیدہ ارکان
نے مل کر طے کیا تھا۔ بعض دیگر افراد بھی اس کارروائی میں شامل تھے مثلاً سائرو پولوس جسے رائے دہی کا حق
حاصل نہ تھا، اس طرح کے کئی دیگر افراد کو بھی ساتھ ملا لیا گیا تھا۔ دو نقول تیار کی گئی ہوں گی، جن میں ایک
شرقی اور دوسری مغربی کلیسا کے لیے تھی۔ مگر یوجینی اوس اس وقت تک مطمئن نہ ہوا جب تک کہ یکساں اور
ایک ہی نوعیت کے چار نقول پر دستخط نہ کیے گئے، وہ اس کی توثیق کو اپنی فتح کی یادگار بنانا چاہتا تھا۔ چھ جولائی کا
دن یادگار حیثیت کا حامل تھا۔ سینٹ پیٹر اور قسطنطنیہ کے جانشین، اپنے اپنے تختوں پر بیٹھے۔ دونوں اقوام
فلورنس کے گرجا گھر میں جمع ہوئیں۔ ان کے نمائندگان کارڈینل جولین، اور بساری اون، نائس کا آرک بشپ
عوام کے سامنے آئے۔ انھوں نے منبر پر اپنی اپنی زبان میں اس معاہدے کا متن پڑھ کر سنایا۔ اسے عمل اتحاد
قرار دیا گیا۔ پھر ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے۔ حاضرین کی داد وصول کی اور اسے عوام ہی کی کامیابی کا نام
دیا۔ اس کے بعد پوپ اور اس کے وزرا نے رومی دستور کے مطابق نماز ادا کرائی، عقیدے کے اعلان میں فیلی اوق کا
اضافہ کر دیا گیا۔ اس میں یونانیوں کا اشتراک بہت کمزور تھا۔ کیونکہ لاطینی زبان سے عدم واقفیت کا عذر موجود
تھا۔ مگر وہ رومیوں کی عبادت کے انداز سے آشنا نہ تھے، البتہ وہ سمجھے بغیر آواز میں بے جوڑ الفاظ ملائے جا رہے
تھے۔ مگر رومی اس ضد پر قائم تھے کہ وہ بازنطینیوں کو کھلے عام عبادت کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس کے باوجود
شہنشاہ اور اس کا پادری اپنے قومی وقار سے اس قدر غافل نہ تھے۔ ان کی رضا کاری کے حصول کے بعد ہی
معاہدے کی توثیق کی گئی۔ یہ باتفاق رائے طے کر لیا گیا کہ ان کے طریق عبادت میں یا عقائد میں کوئی ترمیم

کی جائے۔ ایلی سوس کے مارک کی کوششوں کی تعریف کی گئی۔ اور راز داری سے اس کا شکریہ بھی ادا کر دیا
گیا۔ لیکن جب اس کی موت واقع ہو گئی تو انھوں نے اس کے جانشین کے انتخاب کے عمل میں کوئی حصہ نہیں لیا
البتہ سینٹ صوفیہ کے کیتھیڈرل میں جو رسوم ادا ہوئیں، ان میں وہ شریک ہوئے۔ کھلے عام یا نجی طور پر جو
انعامات تقسیم کیے گئے۔ اس سلسلے میں فیاض پوپ نے انھیں مایوس نہیں کیا۔ ان کا حصہ بھی ادا کر دیا گیا۔
یونانیوں نے بڑی شان و شوکت سے واپسی اختیار کی اور اس کے لیے فرارا اور وینس کا راستہ اختیار کیا۔ قسطنطنیہ
میں ان کا جس انداز میں استقبال ہوا، اس کا حال ہم اگلے باب میں بیان کریں گے۔ پہلی مہم میں جو کامیابی
نصیب ہوئی، اس کے نتیجے میں یوجینی اوس کی حوصلہ افزائی ہوئی کہ اسی نوعیت کی کارروائی پر ایک بار پھر عمل
کیا جائے۔ اور آرمینیا کے نائبین، مارونی، شام اور مصر کے یعقوبی، حبشہ کے لوگ اور نسطوری، یکے بعد دیگر
بلوائے گئے اور ان سب نے پاپائے روم کے قدموں پر بوسہ دیا۔ اور وہی منظر دہرائے گئے، جن کی داغ بیل
مشرق نے ڈالی تھی۔ اور مشرقی راسخ العقیدہ عیسائیوں کی فرمانبرداری کا اعلان کر دیا گیا۔ لیکن جن مشرقی
ممالک کی یہ لوگ نمائندگی کرتے رہے، ان کے عوام کو اس کا کوئی علم نہ تھا۔ یوجینی اوس کی شہرت مغرب میں دور
دور تک پھیل گئی۔ اور بلا وجہ سوئٹزر لینڈ اور ساوائے میں ہنگامہ برپا کرا دیا گیا کہ ان ممالک میں یہ بدعت ابھی
تک موجود ہے اور صرف یہی ممالک عیسائی دنیا کے اتحاد میں رکاوٹ کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ فیلکس نے
اس احساس کی سختی سے مخالفت کی، اس نے اس کلاہ اتحاد کی پیروی کرنے سے انکار کر دیا۔ اور دوبارہ ری پائل
کے راہب خانے کی طرف رجوع کر لیا۔ عام معافی اور ہرجانہ یا تاوان ادا کر کے، امن عامہ خرید لیا گیا۔
اصلاح کی تحریک قائم رہی۔ پوپ اپنے مطلق العنان شاہانہ مقام پر قائم رہے اور ان سے ناجائز فائدہ اٹھاتے
رہے، اس کے بعد روم کو کبھی کسی آمر نے جنگ یا انتخاب کے لیے دعوت مبارزت نہیں دی۔

تینوں بادشاہوں کے اس سفر کی بنا پر مادی یا روحانی معاملات و مشکلات سے آزادی حاصل نہ
ہو سکی۔ مگر اس کے باوجود ان کے مفید نتائج برآمد ہوئے۔ اٹلی میں یونانی علوم کے اکتساب کا دوبارہ چرچا
ہونے لگا اور پھر اٹلی سے ان علوم کی مغرب کے دور افتادہ ممالک تک شہرت ہونے لگی۔ اور ان شمالی ممالک میں
جو غلامی کے ادنیٰ ترین دباؤ میں زندگی بسر کر رہے تھے، بازنطینی علوم کا چرچا ہونے لگا۔ یونانیوں کے پاس ابھی
تک وہ طلائی کلید موجود تھی، جس کی مدد سے قدیم علمی خزانوں تک رسائی حاصل کی جا سکتی تھی۔ موسیقی اور
فصاحت کی زبان جو حواس کے وجود کو روح عطا کرتی ہے اور جسم کو فلسفے کی تجرید سے آگاہ کرتی ہے۔ چونکہ

بادشاہت کی پابندیاں، نیز سرمایہ، پاؤں کے نیچے کچلا جا چکا تھا، اس کے نتیجے میں متعدد غیر مہذب اقوام کو یہ موقع فراہم ہوگیا تھا کہ ان کی قومی زبان کو اپنے اثرات سے آلودہ کرسکیں۔ اس لیے متعدد نکات مرتب کرنے پڑے تاکہ ان الفاظ کی بھی تشریح کی جاسکے، جو عربی، ترکی، سکلوانی، لاطینی یا فرانسیسی اصل سے یونانی زبان میں داخل ہوچکے تھے۔ مگر دربار کی زبان خالص تھی، کالجوں میں اسی زبان کی تدریس کی جاتی تھی، ایک اطالوی عالم نے اس سلسلے میں خاصی تحقیق کی۔ وہ طویل عرصے تک یونان میں مقیم رہا اور ایک شریف خاندان میں اس نے شادی بھی کرلی تھی۔ اور اس نے ترکوں کی فتح کے تیس سال قبل قسطنطنیہ میں مستقل رہائش اختیار کرلی تھی۔ فیلی فوس کہتا ہے کہ غیر مہذب انداز گفتگو عوام نے اختیار کرلیا ہے اور اس کی اشاعت، اجنبیوں اور تاجروں کی وجہ سے ہوئی ہے، جو ہر روز شہر میں داخل ہوتے ہیں اور عوام سے گھل مل جاتے ہیں۔ یہ اسی عمل کا نتیجہ تھا کہ لاطینی زبان میں ارسطو اور افلاطون کی تصانیف کے تراجم عام ہوگئے تھے۔ لیکن یہ تراجم نہ تو مفہوم کو پوری طرح واضح کرسکے ہیں بلکہ اپنے مزاج کے لحاظ سے بھی بہت کمزور ہیں۔ مگر ایسے یونانی بھی موجود ہیں جو اجنبیوں سے خلط ملط نہیں ہوئے۔ ہم صرف ان کی پیروی کرتے ہیں وہ اس قابل ہیں کہ ہم ان کی نقل یا تقلید کرسکیں۔ وہ ابھی تک وہ زبان بولتے ہیں جس کا طبقۂ امرا میں رواج تھا۔ مؤرخین میں سے ارسطوفین، اور یوری پائڈز اور ایتھنز کے فلسفی قابل تقلید ہیں۔ اور ان لوگوں کا اسلوب تحریر سب سے زیادہ صحیح اور قابل تقلید ہے۔ وہ افراد جو اپنے خاندانی تعلقات یا اہلیت کی بنا پر بازنطینی دربار سے وابستہ ہیں، جنھوں نے اپنی زبان میں بے جا اضافہ نہیں کیا اور اسے خالص حالت میں قائم رکھا۔ ان کی زبان شائستہ اور خالص ہے شرفا کی گھریلو خواتین میں بھی یونانی زبان اپنی خالص پاکیزہ حالت میں موجود ہے۔ چونکہ انھوں نے کبھی اجنبی افراد سے گفتگو میں حصہ نہیں لیا۔ کیا یہ ٹھیک نہیں کہ وہ اجنبی افراد سے الگ رہی ہیں؟ وہ اپنے ساتھی شہریوں کے بھی الگ تھلگ زندگی بسر کررہی ہیں، انھیں گلیوں میں گھومتے پھرتے شاذ ہی دیکھا گیا ہے۔ وہ صرف سورج ڈھلے یا شام کے اندھیرے میں باہر نکلتی ہیں اور گرجا گھروں میں قریبی رشتہ داروں سے ملنے جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں بھی وہ گھوڑوں پر سوار ہوتی ہیں۔ وہ نقاب پہنتی ہیں۔ ان کے والدین، شوہر یا ملازم ان کے ہمراہ ہوتے ہیں۔

یونانیوں میں ایسے متعدد پرجوش پادری موجود تھے جنھوں نے اپنی زندگی مذہبی خدمات کے لیے وقف کررکھی تھی۔ ان کے راہب اور بشپ اپنے اسلوب حیات کی سادگی اور کشش کے باعث ہمیشہ ممتاز رہے ہیں۔ وہ لاطینی پادریوں کی طرح گمراہی کا شکار بھی کبھی نہیں ہوئے جو غیر مذہبی اور فوجی زندگی بھی اختیار کرلیتے

تھے۔ جب ان کی عمر اور اہلیت کا بیشتر حصہ ختم ہوجاتا، تو صرف مذہبی عقیدت اور تصورات میں گم ہوجاتے۔ کبھی انھیں کلیسا کے اختلافات میں مشغول کرلیتی اور وہ اس میں گرفتار ہوجاتے۔ لیکن وہ واذبان جو تحقیق اور ذہنی کے متلاشی ہوتے، وہ اپنی مقدس اور مروجہ زبانوں کی تحقیق میں مشغول ہوجاتے، کلیسا کے تجربہ کار ماہرین اور ان نوجوانوں کی تربیت کرتے۔ جب تک کہ سلطنت کو زوال نہیں آیا، فلسفے اور فصاحت کی تعلیم پر زور دیا جاتا رہا۔ اور اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے کہ قسطنطنیہ کی دیواروں کے اندر کتابوں اور تعلیم کی مقدار تمام یورپی ممالک کی مجموعی مقدار سے بھی زائد تھی۔ مگر ایک اہم امتیاز جس پر قبل ازیں بھی توجہ کی جاچکی ہے کہ یونانی اپنے مقام پر جم کر غیر متحرک ہوچکے تھے اور رجعت قہقری کا شکار تھے جبکہ ان کے مقابلے میں لاطینی بڑی تیزی سے راہ ترقی پر گامزن تھے۔ اقوام میں آزادی کی روح بیدار ہوچکی تھی اور مسابقت کا دور دورہ تھا۔ اٹلی کے بعض شہروں میں آبادی اور صنعت وحرفت کا اتنا اضافہ ہوچکا تھا کہ پوری بازنطینی حکومت کسی ایک شہر کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔ یورپ میں ادنیٰ طبقات کی آبادی کو جاگیردارانہ استبداد سے نجات حاصل ہوچکی تھی۔ تجسس اور علم کے حصول کے لیے آزادی پہلا قدم ہے۔ اس کا آغاز اگرچہ گستاخانہ اور بدعنوان انداز ہی میں ہوا، مگر لاطینی زبان کو مذہبی اوہام پرستی نے قائم رکھا۔ بولون سے لے کر آکسفورڈ تک کی جامعات جن میں ہزاروں طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کا مزاج ممکن ہے کہ انھیں غلط راہوں کے مطالعے کی طرف لے جائے اور وہ صرف مردانہ صفات کے حصول کے لیے مشغول ہوجائیں۔ سائنسی علوم کے حصول میں اٹلی سب سے اولین ملک تھا، جس نے تمام مشکلات پر قابو پالیا، اور اس فصیح پیٹرارک نے لوگوں کو سبق دیا اور اپنی مثال پیش کی، اسے اس دور کا اولین ترقی پسند قرار دینا چاہیے۔ انشا کا خالص ترین انداز، جس میں جذبات کی براہ راست ترجمانی کی گئی تھی، ایک ایسی قوم میں اس کا آغاز ہوا، جس کے آباواجداد نے قدیم مصنفین کی نقل کی۔ یہ لوگ سرواوروِرجل کے شاگرد تھے اور انھوں نے اپنے بانی آقاؤں کی خدمت کی۔ حالانکہ یہ لوگ قسطنطنیہ کی لوٹ مار میں بھی شامل تھے۔ اس لوٹ مار میں فرانسیسی اور وینس کے باشندے بھی شامل تھے۔ انھوں نے لائسی پوس اور ہومر کی تصانیف بھی تباہ کردیں۔ علم وفن کے قدیم آثار صرف ایک ضرب سے تباہ کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن ان شاہکاروں کی متعدد نقول تیار کی جاسکتی ہیں۔ یہ تمام نقول اس شہر کے اسقف اور اس کے دوستوں نے تیار کی تھیں، جب ترکوں کی افواج وہاں داخل ہوئیں تو ان کے دباؤ کے تحت تخیل کے متعدد شاہکار غائب کردیے گئے۔ لیکن ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ جب تمام یورپ جہالت کے ظلمات میں جکڑا ہوا تھا، تو یونان میں

مدارس اور کتب خانوں کا کوئی شمار نہ تھا اور یونان سے ثقافت کے بیج اڑ کر اٹلی میں پھیل چکے تھے۔ اس سے قبل کہ اہل اطالیہ ان کی کاشت کے لیے تیار ہوتے۔

پندرھویں صدی کی سب سے زیادہ پڑھے لکھے اطالوی، یہ تسلیم کرتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں کہ یونانی علوم اور ادب ایک طویل دور کی غیر حاضری کے بعد دوبارہ طلوع ہوئے۔ اس کے باوجود اس ملک میں اور اس سے آگے واقع ممالک میں بعض جید علما کے نام کا حوالہ ملتا ہے۔ جو اس جہالت کے دور میں بھی یونانی زبان کے فقید المثال ماہرین میں شمار ہوتے ہیں۔ اور ان کے ممالک کے لوگ ان لاثانی افراد کی اہلیت کا بڑے فخر سے اظہار کرتے ہیں۔ ہم ہر شخص کی انفرادی اہلیت کا جائزہ لیے بغیر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کے فنون کی علت و معلول کی درست نشاندہی نہیں کی جا سکتی۔ البتہ ان کے لیے یہ بہت آسان تھا کہ وہ اپنے ہمعصر اہل وطن میں ایک نمایاں مقام حاصل کر سکیں اور اس زبان میں مہارت کا دعویٰ کر سکیں جو انھوں نے اتنی محنت سے حاصل کی تھیں۔ اب ان کی تخلیقات میں سے اب صرف چند مسودات ہی موجود ہیں۔ اور مغرب کی کسی بھی یونیورسٹی میں وہ داخل نصاب نہیں ہیں۔ اٹلی کے کسی ایک کونے میں ایک چھوٹا سا رسالہ موجود ہے، جس کی کم از کم اہمیت یہ ہے کہ وہ عیسائی علم کلام کا ایک نادر نمونہ ہے۔ ڈوری اور یونانی رنگین نقوش کے نشانات کبھی بھی مٹائے نہیں جا سکے۔ کالابریہ کے گرجا گھر طویل عرصے تک قسطنطنیہ کے ساتھ ملحق رہے ہیں۔ سینٹ باسل کے راہب کوہ آتھوز اور مشرقی جامعات میں تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں۔ برلام کا آبائی وطن کالابریہ ہی تھا۔ جس کا ذکر بطور سفیر اور فرقہ پرست اس سے قبل کیا جا چکا ہے۔ اور برلام پہلا شخص تھا، جس نے کوہ الپس کے دوسری طرف ہومر کو روشناس کرایا اس کی یاد کو بحال کیا اسے پیٹرارک اور بوقاتی (Boccace) نے کوتاہ قامت شخص کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے۔ مگر اس کا تعلیمی معیار اور ذہانت کا اس عہد میں کوئی جواب نہ تھا۔ اس کی شخصیت نیزے کی انی کی طرح دوسروں کے اذہان میں پیوست ہو جاتی تھی۔ اگر چہ اس کا خطاب آہستہ آہستہ ہوتا۔ مگر دوسروں کے دلوں میں کھپ جاتا۔ اگر چہ اس کی آہستہ کلامی سے سامعین کو تکلیف بھی ہوتی ہوگی۔ کئی ادوار تک (جیسا کہ اس کی توثیق کرتے ہیں) یونان میں اس کے رتبے کا مؤرخ پیدا نہیں ہوا۔ قواعد اور فلسفے میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھا۔ قسطنطنیہ کے بادشاہ اور علما اس کے علم و فضل کے معترف تھے، اس کے متعلق توثیقات میں سے ایک ابھی تک موجود ہے۔ شہنشاہ قسطا قوزین جس نے اس کے مشکل دور میں اس کی بہت زیادہ خدمت کی ہے، وہ یہ کہنے پر مجبور ہے کہ منطق اقلیدس، ارسطو اور افلاطون سے یہ پوری طرح سے

آشنا تھا۔ ایوگنان کے دربار میں اس نے پیٹرارک سے گہرے تعلقات پیدا کر لیے اور جب بھی وہ تبادلۂ خیالات کرتے تو ان کی گفتگو کا موضوع علمی معاملات ہی ہوتے۔ ان کی دوستی کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ آپس میں معلومات کا تبادلہ کر لیں، ٹسکن کے اس باشندے نے اپنی پوری توجہ اس پر صرف کر دی کہ کسی طرح سے یونانی زبان سیکھ لے۔ اسے مبادیات کے حصول میں بہت سخت محنت کرنی پڑی کیونکہ صرف و نحو کے قواعد سے بہت خشک اور بے لطف محسوس ہوئے، لیکن آہستہ آہستہ وہ ان شعرا اور فلسفیوں کے مزاج سے آشنا ہو گیا اور ان کے خیالات کے مفہوم کو سمجھنے لگا۔ اسے معلوم ہونے لگا کہ ان کا مزاج بھی اس کے اپنے مزاج سے ہم آہنگ ہے لیکن وہ جلد ہی اپنے اس مفید اور معاون کی صحبت اور اسباق سے محروم ہو گیا۔ برلام نے اپنی اس ناکام اور بے ثمر سفارت کو ترک کر دیا۔ مگر جب وہ واپس یونان پہنچا تو اس نے جلد بازی میں راہبوں کے گروہ کو ناراض کر لیا گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا۔ اس نے انھیں اوہام پرستی سے باز رہنے اور عقائد کو استدلال کی کسوٹی پر کھنے کا مشورہ دیا۔ تین سال کی جدائی کے بعد یہ دونوں دوست نیپلز کے دربار میں ایک دوسرے سے دوبارہ مل گئے۔ مگر اس شاگرد نے اپنے علم میں مزید ترقی کی خواہش ترک کر دی۔ البتہ اس کی سفارش پر برلام کو اس کے آبائی وطن کالابریہ میں ایک چھوٹے سے حلقے کا بشپ بنا دیا گیا۔ جہاں پر اس نے مستقل قیام کر لیا۔ اب پیٹرارک نے تالیف و تصنیف کا کام شروع کر دیا۔ اس نے لاطینی اور اطالوی زبان میں نظم و نثر لکھنے کا شغل اختیار کر لیا اور غیر ملکی زبانوں سے رشتہ توڑ لیا۔ جوں جوں اس کی عمر بڑھی تو اس کی یونانی زبان سیکھنے کی خواہش میں اضافہ ہوا مگر اس مقصد میں کامیابی کی امید ختم ہوتی گئی۔ جب اس کی عمر پچاس سال ہوئی، ایک بازنطینی سفیر اس کا دوست بن گیا۔ وہ دونوں زبانوں میں مہارت تامہ رکھتا تھا، اس نے اسے ہومر کی ایک جلد عنایت کی اور پیٹرارک نے فوراً اس کی شکر گزاری کا فریضہ ادا کیا۔ اس نے اس کی عطا پر مسرت کا اظہار کیا اور اپنی محرومی پر افسوس کا اظہار کیا۔ اس کی نظر میں یہ تحفہ سونے اور یاقوت سے بھی زیادہ قیمتی تھا۔ تم نے مجھے اس الہامی شاعر کا اصل اور حقیقی نسخہ عطا کیا ہے جو تمام علمی ایجادات کا بانی ہے۔ یہ اس قابل تھا کہ تمھاری طرف سے مجھے عطا ہوتا۔ تم نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے اور میری خواہش کی تسکین کی ہے۔ تم نے ہومر کے ساتھ اپنے آپ کو بھی میرے حوالے کر دیا ہے۔ تم میرے ایسے رہنما ہو جو مجھے روشنی کے میدان میں لے چلو گے اور میری بے تاب نگاہوں کو ایلیڈ اور اوڈیسی جیسی نظموں سے روشناس کرا دو گے۔ میں بہرا ہوں اور اس حسن سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا جو اب میرے قبضے میں ہے۔ میں نے اس کتاب کو افلاطون کے مکالمات کے برابر رکھ

دیا ہے۔ شاعری کے شہزادے اور فلسفے کے شہزادے دونوں کو یکجا کر دیا ہے۔ اور میں اپنے مہمانوں کو صرف دیکھ کر خوش ہو لیتا ہوں۔ میں صرف ان کی ان تحریروں سے لطف اندوز ہو سکتا ہوں، جن کا ترجمہ لاطینی میں کیا جا چکا ہے، جسے میں پہلے ہی حاصل کر چکا ہوں، اگر چہ مجھے ان کتب کی موجودگی کا کوئی فائدہ تو نہیں مگر ایک جذبۂ افتخار ضرور ہے، اور میں اسے قومی سکونت کا نام دیتا ہوں۔ میں ہومر کے بعض پہلوؤں سے آشنائی پر لطف اندوز ہوتا ہوں۔ میں ان خاموش جلدوں سے بغل گیر ہوتا ہوں۔ اور میں اس فقید المثال نغمہ سرا کی محبت پر مسرور ہوتا ہوں۔ اگر تم مجھے مل جاؤ تو میں تمھارے نغموں سے بھی اسی طرح لطف اندوز ہو سکتا ہوں۔ میرے ایک دوست کی موت پر میرے حواس ضائع نہیں ہوئے تھے، مگر دوسرے دوست کی غیر حاضری پر میں نے بہت بین کیے ہیں۔ لیکن میں اب بھی مایوس نہیں ہوا، کاٹو کی مثال سے مجھے کچھ امید پیدا ہوئی اور کسی حد تک سہارا بھی ملا۔ کیونکہ اس نے اپنی عمر کے آخری ایام میں یونانی زبان سے شناسائی حاصل کی۔

وہ ایام جس کے لالچ میں پیٹرارک سرگرم عمل تھا۔ وہ اس کے خوش نصیب دوست بوقاتی کو مل گیا۔ جسے نسکنی نثر کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ یہ مقبول عام مصنف جس کی شہرت کا آغاز ڈی کیمرون سے ہوا، اس نے ایک سو ناول لکھے۔ جو دلچسپ تھے۔ ان کا موضوع محبت تھا۔ مگر اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ اٹلی میں یونانی زبان کا مطالعہ دوبارہ مروج ہو، اس ضمن میں اس کی مساعی کی بھی تعریف کی جائے گی۔ تیرہ سو ساٹھ سال عیسوی میں برلام کا ایک شاگرد جس کا نام لیو تھا، (پورا نام لیونطی اونس پیلاطوس تھا) ایوگنان کی طرف جا رہا تھا مگر راستے میں بوقاتی نے مہمان نوازی کے جذبے کے تحت روک لیا، اور اس اجنبی کو اپنے گھر ٹھہرا لیا۔ اس نے فلورنس کی حکومت کو مجبور کیا کہ اس کا سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا جائے، یہ پہلا شخص تھا جسے یونانی زبان کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔ وہ اٹلی میں مغربی یورپ کے طلبہ کو یونانی زبان کی تدریس کرتا تھا، اس کی شکل وصورت ایسی تھی کہ اس کے شاگرد اسے دیکھ کر مایوس ہو جاتے تھے، وہ ہر وقت فلسفیوں کا مخصوص لباس پہنے رکھتا یا بھکاریوں کی گدڑی اوڑھ لیتا، وہ لوگوں سے اپنے گھناؤنے انداز میں ملتا۔ اس کے چہرے پر سیاہ بال لٹکتے رہتے اس کی داڑھی بہت لمبی تھی۔ جس میں وہ کبھی کنگھی نہیں کرتا تھا۔ اس کا رویہ گامڑوں جیسا تھا۔ اس کا مزاج اداس تھا، ہر وقت بدلتا رہتا تھا، وہ کسی سے طویل وقت تک گفتگو نہ کر سکتا تھا۔ اور لاطینی زبان سے اس کی واقفیت بھی محدود تھی، مگر اس کا ذہن یونانی علوم کا خزانہ تھا، تاریخ، داستانیں، فلسفہ، صرف ونحو، ہر علم میں اس کی دسترس یکساں تھی، وہ فلورنس کے مدارس میں ہومر کی نظمیں پڑھ کر سناتا، اس کی وضاحتوں کی بنیاد پر بوقاتی نے

ایلیڈ اور اوڈیسی کا نثر میں لفظی ترجمہ کیا۔ اس سے اس کے دوست پیٹرارک کا بھی اطمینان ہوا۔ اسی مسودے کو جعل سازی سے لارنطی اوس نے اگلی صدی میں اپنے نام سے شائع کرا دیا۔ یہ ایک لاطینی مترجم تھا۔ بوقاتی نے بہت بڑی مقدار میں جھوٹے دیوتاؤں کے متعلق مواد جمع کیا تھا۔ اس عہد میں یہ ایک عظیم کوشش تھی۔ اس میں اس نے متعدد یونانی کردار اور اقتباسات شامل کر لیے گئے تھے۔ اس دور کے کم پڑھے لکھے بلکہ ان پڑھ اس کی بہت تعریف کرتے۔ علم کے حصول میں ابتدا میں رفتار آہستہ ہوتی ہے اور مشکلات بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ تمام اٹلی میں ہومر کے صرف دس ابواب کا ترجمہ کیا جا سکا۔ اس عظیم کارنامے کے سلسلے روم، وینس، نیپلز، کسی فرد واحد کا نام بھی پیش نہ کر سکے۔ علما یا مطالعہ کرنے والوں کی فہرست میں ان کا ایک نام بھی موجود نہیں۔ اگر ان کے پاس اس قسم کے افراد کی ایک طویل فہرست موجود ہوتی تو ان کی ترقی بھی بہت تیز ہوتی اگر غیر مستقل مزاج لیو تین سال بعد اپنی مفید اور باوقار اسامی کو چھوڑ نہ دیتا، تو صورت حال مختلف ہوتی۔ واپسی کے سفر میں اس کے دوست پیٹرارک نے اس کا پاڈوا کے مقام پر مختصر وقت کے لیے قیام وطعام کا انتظام کیا ایک عالم کی صحبت سے لطف اندوز ہوا۔ مگر جلد ہی اس آدمی کے غیر مہذب اور مایوسانہ مزاج سے برافروختہ ہو گیا۔ لیو اس دنیا میں اپنے حالات بلکہ اپنی ذات سے بھی غیر مطمئن تھا، اور اس نے ہر قسم کی لطف اندوزی کو ترک کر دیا۔ وہ ایسا شخص تھا جو ان اشیا اور عوامل سے لطف اندوز ہوتا جو اس کے سامنے موجود نہ تھے، جب وہ اٹلی میں تھا وہ اپنے آپ کو تھیسالی کہتا تھا، اور جب وہ یونان پہنچ گیا، تو وہ کہتا کہ اس کا وطن کالابریہ ہے وہ لاطینیوں میں ہوتا تو وہ ان کی زبان، مذہب اور اندازِ حیات سے نفرت کرتا۔ جونہی وہ قسطنطنیہ کی بندرگاہ پر جہاز سے اترا، تو وہ اسی وقت وینس کی دولت اور فلورنس کی دوستی کے لیے ٹھنڈی آہیں بھرنے لگا۔ اب اس کے اطالوی دوست اس کے لیے بہرے ہو گئے تھے۔ اب اس کے تجسس اور محبت نے اسے مجبور کیا اور یہ دوسرے سفر پر روانہ ہو گیا۔ لیکن جب وہ ایڈریاٹک میں داخل ہوا، تو جہاز طوفان کی زد میں آ گیا۔ اس نے اپنے آپ کو اوڈیسی کی طرح ایک مستول سے باندھ رکھا تھا، مگر آسمانی بجلی گری اور اس نے جان دے دی۔ اس کی تباہی پر انسانیت نواز پیٹرارک نے ایک آنسو بہایا۔ مگر ان کا تجسس اسے مجبور کر رہا تھا کہ کیا وہ ملاحوں سے سوفاکلیز کی ایک نقل حاصل کر سکتا ہے، یا نہیں۔ یا اسے یوری پائڈ کا کوئی نسخہ دستیاب ہو سکے گا۔ اس دولت کو وہ ملاحوں کے ہاتھوں سے بچا سکتا ہے؟

مگر یونانی زبان کی مبادیات جو پیٹرارک نے اکتساب کی تھیں، وہ اہلیت جس کی بنا پر بوقاتی کی

حوصلہ افزائی ہوئی تھی ان کی زندگی کے قلیل عرصہ تک چل سکی اور جلد ختم ہوگئی۔ اس کے بعد کی نسل صرف اسی پر مطمئن تھی کہ وہ لاطینی فصاحت کو ترقی دے سکے۔ چودھویں صدی کا اختتام ہوا تو اس کے ساتھ ہی اٹلی میں ایک نیا شعلہ دوبارہ روشن ہوگیا۔ اب مغرب کے بادشاہ اور ان کے سفیر دوبارہ یونانی علوم کے تجسس میں مشغول ہوگئے۔ ان سفیروں میں سے سب سے زیادہ نمایاں اور بہت بڑا عالم مینوائل کرائسولوراس تھا۔ اس کا تعلق شرفا کے خاندان سے تھا۔ اس کے آباؤاجداد رومی تھے اور قسطنطین کے ہمراہ ہی نقل مکانی کر کے آئے تھے۔ فرانس اور انگلستان کے درباروں میں حاضری کے بعد، جہاں اسے کچھ مدد ملی اور بیشتر وعدے حاصل ہوئے، اسے پروفیسر کی ملازمت کی پیش کش ہوگئی۔ اس دوسری دعوت کا اعزاز بھی فلورنس ہی کو حاصل ہوا۔ یہ یونانی اور لاطینی دونوں زبانیں جانتا تھا۔ کرائسولوراس کو وظیفہ حاصل ہوگیا۔ یہ جمہوریہ کی توقعات سے بھی زیادہ بہتر ثابت ہوا۔ اس کے مدرسے میں ہر عمر اور ہر درجے کے طالب علم آتے رہتے تھے۔ ان میں سے ایک نے عمومی تاریخ لکھی ہے، جس میں اس کے مقاصد اور کامیابیوں کا چرچا کیا ہے۔ لیونارڈ اریٹن کہتا ہے کہ "میں اس دور میں دیوانی قانون کا طالب علم تھا، مگر روح میں علم کے حصول کی آتش موجزن تھی اور میں نے منطق اور فصاحت کا کچھ علم بھی حاصل کر لیا۔ میں فیصلہ نہ کر پا رہا تھا کہ میں قانون کی تعلیم چھوڑ دوں یا اس سنہری موقع کو ضائع کر دوں اور اس طرح میں اپنی جوانی کا دور ضائع کر دوں گا۔ میں نے اپنے من سے صلاح کی۔ "کیا تم اپنی ذات کی خوش قسمتی کو برقرار رکھنا چاہتے ہو؟ کیا تم ہومر سے آزادانہ مکالمات کرنا چاہتے ہو؟ اور ایسے مصنفین سے ہم کلام ہونا چاہتے ہو، جنھوں نے اس نوعیت کے عجائبات تخلیق کیے ہیں؟ جنھیں ہر دور میں انسانی نفسیات کا ایک ماہر تسلیم کیا جاتا رہا؟ دیوانی قانون کے پروفیسر اور ماہر عالم افراد کی ایک بڑی رسد ہماری جامعات میں آتی رہے گی۔ مگر یونانی زبان کا اتنا بڑا استاد اگر ایک دفعہ ہاتھ سے نکل گیا، اور اپنے آپ کو کرائسولوراس کے حوالے کر دیا، اور میرا شوق مجھ پر اس قدر غالب تھا کہ میں دن بھر جو علم حاصل کرتا، رات بھر اس کو خواب میں دیکھتا رہتا۔ اسی وقت اور اسی مقام پر یونا بھی کا جان لاطینی کلاسیکی ادب کی تشریح میں مصروف تھا، یہ بھی مذکورہ شخص پیٹرارک کا ہم وطن اور شاگرد تھا۔ وہ اطالوی جنھوں نے اس عہد میں اپنے ملک کا نام روشن کیا۔ وہ ان دونوں مدارس سے فیض یاب ہو رہے تھے، اور فلورنس میں یونانی اور لاطینی علوم میں مسابقت کا رجحان پیدا ہوگیا۔ جب بادشاہ وہاں آیا تو اس نے کرائسولوراس کو جامعہ سے واپس دربار میں حاضر ہونے کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد اس نے پادیہ اور روم میں سلسلۂ تدریس جاری رکھا اور اپنے علمی

کمالات کی داد حاصل کی۔ اس کی زندگی کے باقی ماندہ پندرہ سال اٹلی اور قسطنطنیہ میں برابر تقسیم ہوگئے، کبھی یہ سفارت کا فرض انجام دیتا اور کبھی تدریس میں مشغول ہو جاتا۔ ایک غیر ملک کو علم کی روشنی سے بہرہ ور کرنا انتہائی شریفانہ شغل تھا۔ مگر یہ قواعد دان اپنے بادشاہ اور ملک دونوں کی خدمت میں سرگرم رہتا۔ اور مینوائل کرائسولوراس قسطانسے کے مقام پر اس وقت فوت ہوگیا جبکہ وہ بادشاہ کے حکم پر ایک سرکاری کام کی تکمیل کے لیے کونسل میں شمولیت کے لیے جا رہا تھا۔

اس کی مثال کو مدنظر رکھتے ہوئے متعدد افراد نے اٹلی میں یونانی علوم کی تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ لوگ مالی لحاظ سے محتاج تھے۔ مگر علم کی دولت سے مالا مال تھے۔ یا کم از کم زبان کے ماہر تھے۔ تھیسالونیکا اور قسطنطنیہ کے باشندے ترکی افواج سے خوف زدہ ہو کر عیسائی اور امیر ملکوں کی طرف نقل مکانی کر گئے۔ فلورنس میں ایک عیسائی اجتماع منعقد کیا گیا، جس میں یونانی عقائد اور افلاطونی فلسفے کو روشناس کرایا گیا۔ وہ لوگ جو مفرور ہو کر یہاں آ گئے تھے وہ دوگونہ مفاد حاصل کرنے کا دعویٰ کر رہے تھے کہ انھوں نے نہ صرف عیسائیت کے لیے ہجرت کی ہے، بلکہ رومن کیتھولک عقیدے کی بھی حفاظت کی ہے۔ جب کوئی محب وطن اپنی جماعت کو اس لیے چھوڑ دیتا ہے کہ وہ مالی مفاد حاصل کر سکے، ممکن ہے کہ اسے نجی یا معاشرتی مفادات حاصل ہو سکیں۔ اگر اس میں خیر کا پہلو بھی موجود ہو تو وہ غلامی اور غداری کے الزامات سے بچ جاتا ہے اور نئے معلومات کی روشنی میں اسے جو مالی مفاد حاصل ہوتا ہے، وہ صرف اس کی اپنی نگاہوں میں ہی کردار کے وقار کی حیثیت کا حامل ہو سکتا ہے۔ بساری اون کی دانش مندی یہ تھی کہ اسے اس کے بعد رومن تخت و تاج بطور انعام مل گیا۔ اس نے اٹلی میں رہائش اختیار کر لی، مگر قسطنطنیہ کے اسقف کا احترام اس لیے قائم رہا کہ وہ اپنی قوم کا سربراہ اور محافظ تھا، اس کی خوبیوں کا اظہار اس وقت ہوا، جب اس نے بولوگنا، جرمنی اور فرانس میں پوپ کی سفارت کاری کا فرض ادا کیا اس کے بعد اسے سینٹ پیٹر کی کرسی مل گئی جس کی وجہ سے اس کی غیر یقینی صورت حال بدل گئی اور اس کا شمار مخلصین میں ہونے لگا۔ اس کا کلیسائی اعزاز اس کے علمی مقام اور خدمات سے بھی بڑھ گیا۔ اس کے محل نے ایک مدرسے کی صورت اختیار کر لی، کارڈینل جتنی بار بھی ویٹی کن میں آتا، تو دونوں اقوام کے علما اس کی پیش قدمی میں مصروف رہتے یہ لوگ خود بھی اس کی تعریف کرتے اور عوام میں بھی چرچا کرتے۔ یہ ایسے لوگ تھے جن کی اپنی تحریریں بھی عوام میں مقبول تھیں۔ اگرچہ اب ان کی تصنیفات پر خاک جم چکی ہے، مگر ان کے اپنے دور میں وہ مقبول اور مفید تھیں۔ میں اس یونانی ادب کی تفصیل فراہم نہیں کروں گا جو پندرھویں صدی

عیسوی میں تخلیق ہوا۔ صرف اس دور کے مصنفین کے نام دینے پر ہی اکتفا کروں گا۔ جو یہ ہیں: تھیوڈور غازا، طربیی زونڈ کا جارج، جان آرگرو پولوس اور ڈیمطری اوس کالکونڈیلس، یہ لوگ فلورنس اور روم میں اپنی مادری زبان میں مختلف علوم کی تدریس کرتے تھے۔ ان کی خدمات بساری اون سے کسی طرح کم نہ تھیں۔ ان کے شاگردوں کا بھی عوام میں بہت احترام تھا اور وہ اندر سے ان کا حسد بھی کرتے تھے۔ مگر یہ قواعد دان اپنی زندگی سادگی اور گمنامی میں بسر کرتے تھے انھوں نے کلیسا کی ہر آسائش راستہ ترک کر دیا تھا، ان کا لباس اور اسلوب حیات انھیں باقی دنیا سے الگ کر دیتا تھا۔ چونکہ یہ لوگ صرف اپنی اہلیت ہی پر انحصار کرتے تھے۔ وہ صرف علم کی دولت ہی پر مطمئن تھے۔ جان لاسکاری کا کردار دوسروں سے مختلف تھا، جو کہ اسے دوسروں سے ممتاز کرتا تھا۔ اس وجہ سے اسے شاہ فرانس تک اس کی رسائی ممکن ہو سکی۔ ان شہروں میں وہ کبھی درس دیتا اور کبھی بطور مشیر کام کرتا۔ ان کی فرائض کی ادائیگی میں دلچسپی کی وجہ سے انھیں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ لاطینی زبان میں بھی مہارت حاصل کر لیں۔ ان میں جو سب سے زیادہ ذہین تھے انھوں نے اس غیر ملکی زبان میں تحریر و فصیح گفتگو کا سلیقہ حاصل کر لیا۔ مگر انھوں نے خود اپنے ملک کے وقار کو کبھی ضائع نہیں ہونے دیا۔ اس لیے قومی مصنفین میں ان کا وقار یا کم از کم عزت قائم رہی۔ کیونکہ ان کی شہرت اور معاش کا اپنے ملک ہی پر انحصار تھا۔ وہ کبھی کبھی ورجل کی شاعری اور طولی کے مقالات کا تمسخر اڑاتے یا پیروڈی لکھتے۔ ان ماہرین کا تعلق زندہ زبانوں سے تھا، اس وجہ سے یہ اپنے بزرگوں کی قدیم کلاسیکی زبانوں کے نظم و ضبط اور اصولوں یا خوبیوں سے بے بہرہ ہو چکے تھے۔ ان کی اس نااہلی کی وجہ سے انھیں کس قدر نقصان پہنچا، اور سابقہ علوم سے کتنی محرومی ہوئی۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اپنے بزرگوں کے علمی کمالات سے فائدہ حاصل کرنے سے بھی محروم ہو گئے۔ ان کا تلفظ بھی خراب ہو گیا، اور جو ان کی طرف سے متعارف ہوا، وہ مابعد کی نسل نے منسوخ کر دیا۔ وہ صحیح یونانی لہجے سے بے خبر تھے۔ وہ اس کی ادائیگی اور موسیقانہ ہنر سے بے بہرہ تھے۔ جو ایک ایتھنز کی باشندے کی زبان سے نکلتا اور دوسرے ایتھنز کے باشندے کی سماعت کو خوشگوار محسوس ہوتا۔ کلام میں ہم آہنگی کے وجود کا راز اسی حسن سماعت میں پوشیدہ تھا۔ ان کے کانوں اور آنکھوں کو اسی طرح بھلا لگتا تھا، جس طرح کہ دور حاضر میں محسوس ہوتا ہے۔ ہم نہ گونگے ہیں اور نہ بے معنی نشانات کا یا علامات کا اظہار کرتے ہیں۔ نہ ہم مرصع اور مسجع نثر نگاری کرتے ہیں اور نہ نظم میں عروسِ سخن کو بوجھل زیور سے آراستہ کرتے ہیں، صرف و نحو کے فن میں بلاشبہ طاق تھے۔ ان کے اسباق میں صحیح معانی میں اپالونی اوس اور ہیروڈیان کے علوم کی جھلک ملتی تھی۔ وہ لوگ ترکیب

نحوی اور تحلیلِ صرفی میں طاق تھے مگر فلسفے سے نابلد تھے۔ پھر بھی یونانی طلبہ کے لیے ان کا وجود غنیمت تھا۔ بازنطینی جہاز غرق ہوا تو ہر مفرور نے اس علمی خزانے کا کوئی نہ کوئی حصہ قابو کر لیا۔ کسی نہ کسی مصنف کی کوئی نہ کوئی کتاب ہاتھ آ گئی۔ اگر یہ لوگ محنت نہ کرتے تو یہ تمام کتب غرق ہو جاتیں۔ ان کتابوں کی نقول تیار کر لی گئیں۔ کبھی تو نقل کرنے والا شخص اس فرض کی ادائیگی کا اہل ہوتا اور کبھی وہ اس قابل نہ ہوتا کہ صحیح نقل کر سکے۔ اس لیے متن کی تصحیح کرالی جاتی اور تشریح بھی کی جاتی۔ کبھی تو نقل کرنے والا خود ہی یہ فرض ادا کر لیتا یا پھر کسی بزرگ کے مشورے سے صلاح کر لی جاتی۔ یونانی ادب کا مفہوم تو لاطینی دنیا کو حاصل ہو گیا، مگر اس کے مزاج سے وہ محروم ہی رہے۔ یونانی کلاسیکی ادب کی روح نہ منتقل ہو سکی۔ جب ترجمہ ہوتا تو اسلوب کا حسن ضائع ہو جاتا۔ مگر تھیوڈور غازا نے ارسطو اور تھیوفراسطوس کی مستقل نوعیت کی کتب منتخب کیں۔ ان میں حیوانیات اور نباتات کی طبعی تواریخ بھی شامل تھیں۔ جن کی بدولت طبعی فنون تک حقیقی رسائی اور رواج کی صورت پیدا ہوئی۔

اس کے باوجود مابعد الطبیعیاتی تصورات کے گہرے سائے طبعی علوم پر بھی چھائے رہے اور ان تصورات کا مطالعہ بھی بہت ذوق و شوق اور دلچسپی سے کیا جاتا اور بہت زیادہ تجسس کا اظہار کیا جاتا۔ ایک محترم یونانی نے طویل عرصے بعد افلاطون کے تصورات کو اٹلی سے دوبارہ زندہ کیا۔ یہ شخص میدیقی میں توسمو کے مکان پر تدریس کے فرائض انجام دیتا۔ فلورنس کے اجتماع میں تو صرف دینی مباحث ہی کا غلبہ رہا۔ اس اجتماع کے مباحث کے نتیجے میں افلاطون کے فلسفے کے بعض مسائل پر بھی توجہ مبذول ہوئی اس کا اسلوب بیان ایتھنز کے خطبات کی طرح بالکل واضح ہے۔ اور اس کے بلند پایہ خیالات کو روزمرہ کی گفتگو میں بھی استعمال کیا جانے لگا۔ کبھی کبھی اس کے فلسفیانہ خیالات کو منظوم بھی کر لیا جاتا اور کبھی نثر مرصع میں بھی استعمال کیا جاتا اور رنگ آمیزی سے پیش کیا جاتا۔ افلاطون کے خطبات ایک بزرگ کی حیات و موت کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ جب کبھی وہ بادلوں سے نیچے اترتا ہے، تو اس کے اخلاقی نظام میں صداقت کی محبت کی تلقین ہوتی ہے۔ اپنے ملک کی محبت اور بنی نوع انسان کی محبت کا درس ملتا ہے۔ سقراط کے تصورات میں ہلکی سی تشکیک اور تحقیقات کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ افلاطون نے بھی، اسی کے نمونے پر کام کیا ہے اور جب افلاطونی مکتب فکر کے افراد، اپنے استاد کی عقیدت کا وجہ سے اس کی بصیرت اور کوتاہیوں پر ایک ساتھ عمل پیرا ہوتے ہیں، تو ممکن ہے کہ وہ اپنے نظام عقائد میں بھی مشائیت (ارسطو کے فلسفہ کا پیرو) کے مکتب فکر کی تقلید ناگزیر محسوس ہونے لگے۔ اور عقائد کی خشکی میں استدلال کی لطافت کی جھلک نظر آنے لگے۔ افلاطون اور ارسطو کا استدلال اس تصور کے، اس قدر مخالف

ہے کہ ان کی بدولت اتنے اختلافات وجود میں آ جائیں۔ جن کو کبھی ختم ہی نہ کیا جا سکے۔ مگر ان مخالف تصورات کو ان میں شامل کر کے آزادی کی چنگاری روشن کی جا سکتی ہے۔ جدید یونانیوں میں دو فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ وہ اپنے رہنماؤں کے جھنڈے تلے بڑی مہارت سے ایک دوسرے کے خلاف لڑتے رہتے تھے۔ جب انھوں نے نقل مکانی کی تو یہ جنگ بھی قسطنطنیہ سے روم میں منتقل ہو گئی۔ اور یہ فلسفیانہ تنازع قواعد دانوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ اور بساری اون کو افلاطون کا ترجمان قرار دے دیا گیا۔ وہ قومی وقار کا تحفظ کرتا تھا، اور ایک میانہ رو فلسفی کے عقائد نصائح اور اقتدار کے غلبے کا متمنی تھا۔ میدیچی کے باغات میں عقائد کی علمی توضیحات سے لطف لیا جاتا تھا اور ان کی فلسفیانہ مجلس جلد ہی ختم ہو گئی اور ایتھنز کے بزرگ کی تحریروں کا مطالعہ نجی حجروں میں منتقل ہو گیا۔ اور سٹیگری (Stagirite) کی زیادہ طاقتور شخصیت کلیسا اور مدارس دونوں پر حاوی ہو گئی۔

میں نے یونانیوں کے علمی استحقاق کا بڑی وضاحت سے ذکر کر دیا ہے۔ لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ لاطینی بہت جلد آگے نکل گئے اور یونانی دوسرے درجے پر رہ گئے۔ اٹلی متعدد آزاد ریاستوں میں منقسم تھا۔ اور ہر بادشاہت اور ہر جمہوریت کی یہ خواہش تھی کہ وہ کسی طرح جلد از جلد اپنے حریفوں سے علم و فضل کے معاملے میں آگے نکل جائے۔ وہ علم و ادب کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کرتے۔ نکولس پنجم کی شہرت اس معاملے میں اتنی زیادہ نہیں ہو سکی۔ جتنا کہ اس کا استحقاق تھا۔ اس کا تعلق ایک دیہاتی خاندان سے تھا، لیکن اس نے اپنی محنت اور علمی کمالات کی بدولت ایک اعلیٰ مقام حاصل کر لیا۔ اس شخص کا کردار پوپ کے مفادات پر غالب آ گیا۔ اور اس نے وہ تمام ہتھیار تیز کر لیے جو بعد میں جلد ہی کلیسا کے خلاف استعمال ہوئے یہ اس دور کے اکثر علما کا دوست تھا پھر یہ ان کا سرپرست بھی بن گیا۔ اس کے عام وتیرے میں اس قدر عاجزی تھی کہ اس کے مزاج کی تبدیلی کوئی شخص محسوس نہ کر سکتا۔ اور خود اس پر بھی کوئی اثر نہ ہوتا۔ اگر یہ شخص کسی کو تحفہ قبول کرنے پر مجبور کرتا تو یہ فرار کی صورت نہ ہوتی، بلکہ اس کی مہربانی اور نوازش کا ثبوت ہوتا۔ جب کوئی شخص عاجزی سے کسی کا تحفہ قبول کرنے سے انکار کر دیتا۔ تو یہ اپنی قدر و قیمت کا صحیح جائزہ لینے کے بعد کہتا کہ اسے قبول کر لو۔ نکولس ہمیشہ تمھارے درمیان نہیں رہے گا۔ عیسائیت پر پاپائیت کے اثرات بہت زیادہ گہرے تھے کہ تلاش و جستجو ہی اچھے اعمال کی کلید ہے۔ کسی کی عنایات یا مفادات کی کوئی حقیت نہیں۔ یہ تلاش یا تحقیق صرف کتب ہی سے کی جاتی ہے۔ اس نے بازنطینیوں کی قدیم کتب خانوں کے کھنڈرات سے، جرمنی کی تاریک خانقاہوں سے اور برطانوی کتب خانوں سے کتابیں تلاش کیں۔ ان میں بعض قدیم دور کے مسودات تھے، اور اگر کسی مقام سے

اصل مسودہ نہ حاصل کیا جا سکتا، تو یہ اس کی صحیح نقل کروا لیتا، اور اس سے فائدہ حاصل کر لیتا، وینس صرف قوت کا مظہر اور روایات کا مرکز رہ گیا تھا۔ جن میں اوہام پرستی کی شدت تھی، یہاں پر مقدس آثار کی بجائے جعل سازی کا عمل روزانہ کا معمول بن چکا تھا۔ اور نکولس اس پر محنت کرتا تھا کہ اس نے اپنی حکومت کے آٹھویں سال تک پانچ ہزار کتب جمع کر لی تھیں۔ اس کی عنایات کی مغربی دنیا معترف اور شکر گزار تھیں۔ اس نے دنیا کو جن نایاب سب کو تلاش کر کے روشناس کرایا۔ زینوفون، ڈائیوڈورس، پولی بی اوس، تھیوسی ڈی ڈی، ہیروڈوٹ، اپی ان کے علاوہ سٹرابو کا جغرافیہ، ایلیڈ، افلاطون اور ارسطو کی انتہائی قیمتی تصانیف اور تھیوفراسطوس کی تخلیقات شامل تھیں۔ یونانی گرجا گھروں کے متعدد پادریوں کے مجموعے بھی اس نے جمع کیے تھے۔ رومی پادری کے نمونے پر فلورنس کے ایک تاجر نے عمل کیا۔ اس نے اپنی جمہوریہ سے تمام خطابات اور افواج کا خاتمہ کر دیا۔ میدیچی کا توسمو بادشاہوں کے ایک سلسلے کا بانی تھا۔ اس کا نام اور دور تقریباً احیائے علوم کا ہمنام ہے اس کے کردار کو شہرت بھی نصیب ہوئی۔ اس نے اپنی تمام دولت بنی نوع انسان کی خدمت کے لیے وقف کر دی۔ وہ بیک وقت قاہرہ اور لندن سے خط و کتابت جاری رکھتا۔ اس کے جہاز میں ہندوستانی مصالحے اور یونانی کتب اکٹھی لد کر آتیں۔ اس کے پوتے لارینزو کی ذہانت اور علمیت نے نہ صرف اسے علم و فضل کا سرپرست بنا دیا بلکہ وہ اس دور میں سب سے آگے نکل گیا۔ اس کے محل سے کوئی حاجت مند مایوس ہو کر نہ لوٹتا اور مستحق کو ہمیشہ انعام ملتا۔ اس کا فالتو وقت ہمیشہ افلاطونی اکادمی میں گزرتا۔ اس نے ڈیمطری اوس، کالکونڈیلس اور انجیلو پولیطیان کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی اور اس کا مستعد مبلغ جان لاسکاری، جب مشرق سے واپس آیا تو اپنے ساتھ دو سو مسودات واپس لایا۔ ان میں اَسّی مسودات ایسے تھے جو اس سے قبل یورپی کتب خانوں میں کبھی نہیں آئے تھے۔ باقی ماندہ اٹلی میں بھی یہی جذبہ موجزن ہو گیا۔ اور قوم نے ترقی کی منازل طے کرنی شروع کر دیں۔ خود بادشاہ نے بھی اس جذبے کی بہت حوصلہ افزائی کی۔ لاطینیوں نے اپنے علم و ادب کا بھی ایک خزانہ جمع کر لیا، اور یونانیوں کے یہ شاگرد بہت جلد اس قابل ہو گئے کہ اب یونانیوں کی اصلاح کرنے لگے اور بعض معاملات میں ان کی رہنمائی بھی کرنے لگے۔ یہ بہت جلد اپنے اساتذہ کے ہم پلہ ہو گئے۔ نقل مکانی کی لہر تھم گئی، مگر قسطنطنیہ کی زبان الپس کے پہاڑوں سے بھی آگے نکل گئی اور فرانس، جرمنی اور انگلستان کے باشندے اپنے نونہالوں کو اس تعلیم سے روشناس کرنے لگے جس کا شعلہ انھوں نے فلورنس اور روم سے حاصل کیا تھا۔ ان کے اذہان یا زرخیز اراضی میں جو کچھ بھی پیدا ہوا، یہ سب خداوند کا انعام تھا۔ فطرت کے اس انعام کو یونانیوں نے آبیاری کر کے

پروان چڑھایا، مگر الی سوس (Ilissus) کے کناروں پر پہنچ کر وہ سب فراموش کر گئے مگر ایلب اور ٹیمز پر پہنچ کر یہ تمام علوم دوبارہ زندہ ہو گئے، اور بساری اون یا غازاان غیر مہذب ممالک کی سائنس میں ترقی پر غالباً حسد کرتا ہوگا۔ بڈائیس (Budaeus) کی صحیح تشریحات، ایراس موس کا ذوق، اور سٹیفن کی تسوید نگاری، اور سکالیجر کا تبحر علمی اور ریک یا بینٹلی کی طلسم شکستی بے مثال تھیں۔ لاطینیوں کی طرف سے طباعت کی ایجاد ایک معمول کا واقعہ تھا، مگر یہ ایک انتہائی مفید ہنر تھا، جسے آلدوس اور اس کے پیروکاروں نے استعمال کر کے افادیت حاصل کی۔ اس سے قدیم مسودات کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا اور ان کی اشاعت بڑھ گئی۔ یونانی کے کسی ایک مسودے کے ترجمے کی دس ہزار نقول تیار ہونے لگیں۔ اور ہر نقل اصل مقابلے میں بہتر نکلتی۔ اگر ہومر اور افلاطون اپنی تصانیف کو مطبوعہ صورت میں دیکھ لیتے تو وہ اور زیادہ مطمئن ہوتے اور ان کے شاگرد تو مغربی اقوام کی محنت کی داد دیتے ہیں۔ جنھوں نے ان کتب کی نئی تدوین کی تھی۔

اس سے قبل کہ کلاسیکی ادب بحال ہوتا۔ یورپ کی نیم مہذب اقوام جہالت کے اندھیرے میں گم تھیں اور ان کی زبانیں بھی نامکمل اور علمی کاوشوں کے لیے غیر موزوں تھیں اور ان کا انداز فکر بھی افلاس تخیل کا شکار تھا۔ خود اٹلی اور یونان کے طلبہ کو بھی اس ایجاد سے ایک نئی روشنی حاصل ہوئی اور زمانہ قدیم کی آزاد اور مہذب اقوام کے خیالات سے آشنائی حاصل ہوئی، اور ان غیر فانی انسانوں سے مکالمات کا موقع ملا۔ جو فصیح و بلیغ زبان میں اپنے لطیف خیالات کا اظہار اور استدلال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے۔ ایسے مکالمات سے ذوق کی پرورش اور بالیدگی حاصل ہوتی ہے۔ اور جدید دور کی ذہانت میں مزید اضافہ ہوتا ہے اور پھر اولین تجربے کے بعد یہ بھی محسوس کیا جا سکتا ہے کہ قدیم کلاسیکی ادب کے مطالعے سے طالب علم قدیم پابندیوں میں جکڑا گیا ہے اور اس کے وجود میں بال و پر کی بجائے، اس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑ گئی ہیں۔ بہر حال اس قول میں کتنی بھی صداقت ہو مگر رومی اور یونانی اس عہد میں اور اپنے ممالک میں علم و فن کی دنیا سے قطعاً ناواقف تھے۔ انھوں نے ذوق و شوق سے محنت کی اور قدیم دور کی عظیم الشان روایات سے اپنا رشتہ قائم کیا اور اس طرح انھوں نے زمانہ حال کے معاشرے میں مہذب مقام حاصل کر لیا۔ عیسائی محقق اور ناقد تھے مگر ارسطو کے غلام تھے، شعرا، مؤرخین، مقررین جب جوش میں آتے تو آگسٹس کے عہد کی اور الفاظ کی تکرار شروع کر دیتے اور فطری عوامل کا پلائنی اور تھیوفراسطوس کی نگاہوں سے مشاہدہ کرتے۔ یہ لوگ ہومر اور افلاطون کے دیوتاؤں سے خفیہ عقیدت رکھتے۔ اطالوی بھی اپنے قدیم معاونین کی تعداد اور قوتوں سے مطمئن نہ تھے۔

جب پیٹرارک اور بوکاتی کی موت کو سو سال گزر گئے، تو لاطینی زبان میں ایسے مصنفین کا ایک بڑا گروہ پیدا ہو گیا جو محض نقالی اور تقلید پر مطمئن تھے۔ جو قدیم کتب کی الماریوں کے خانوں میں ہر وقت کچھ نہ کچھ تلاش کرتے رہتے تھے۔ مگر اس دور میں یہ بھی مشکل تھا کہ مقامی زبان میں جدید تخلیقات کی طرح ڈالی جائے مگر جونہی یہ قدیم زبانیں لوگوں کے اذہان میں اتر گئیں۔ جس کے لیے کلیسا نے بھی فعال کردار ادا کیا، تو فوراً زرخیز زمین نئی فصلوں کو بار آور کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔ اور زندگی کا شجر لہلہانے لگا۔ جدید زبانیں شستہ تھیں، ایتھنز اور روم کی قدیم زبانوں نے خالص ذوق پیدا کر دیا تھا۔ جس کی بنا پر جدید علم و ادب کی بنیاد پڑ گئی۔ اس کی بنیاد اٹلی میں رکھی گئی۔ جس کے بعد فرانس اور برطانیہ بھی اسی راہ پر چل پڑے۔ اگرچہ آغاز شعرا اور افسانوی ادب سے ہوا مگر جلد ہی استدلال کی روشنی اور تجرباتی فلسفے پر کام کیا جانے لگا۔ ذہین افراد نے بلوغت کے دور کو متعارف کرا دیا۔ جیسا کہ افراد میں بھی ہوتا ہے کہ استدلال کی قوت اور بلوغت کے آثار سے قبل حافظے اور یادداشت کی قوت کی نشو و نما کی جاتی ہے۔ اسی طرح تخیل میں وسعت پیدا کی جا سکتی ہے۔ دنیا میں فنون لطیفہ کا کوئی بھی ماہر اس وقت تک مہارت اور کمال کی منزلیں طے نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اپنے سے پہلے لوگوں کی کاوشوں سے شناسائی نہ حاصل کر سکے۔

☆☆☆

(۶۷)

یونانیوں اور لاطینیوں کا افتراق و فرقہ بندی —
عموراث (Amurath) (مراد) کا کردار اور عہد —
شاہِ ہنگری لیڈس لاؤس (Ladislaus) کی دوسری
صلیبی جنگ — جان ہُونیادِیس — اسکندر بیگ،
قسطنطین پلائیولوگوس (Constantine Paleologus)،
مشرق کا آخری بادشاہ، فرانزا (Phranza) کی
سفارتیں — بازنطینی دربار۔

یونانیوں اور لاطینیوں کا افتراق و فرقہ بندی — عموراث (مراد) کا کردار اور عہد — شاہِ ہنگری لیڈس لاؤس کی دوسری صلیبی جنگ — جان ہُونیادِیس — اسکندر بیگ، قسطنطین پلائیولوگوس، مشرق کا آخری بادشاہ، فرانزا کی سفارتیں — بازنطینی دربار۔

ایک یونانی، روم اور قسطنطنیہ کے خصوصی استحقاق کا موازنہ کرتا ہے اور اطالوی مکتب فکر پر یونانی اثرات کا بڑے جوش و خروش سے ذکر کرتا ہے۔ اسے اطالوی مدارس کا باپ کہا جاتا ہے۔ قدیم دارالحکومت کا منظر، جو اس کے آباو اجداد کا وطن بھی تھا، اس کی توقع سے زیادہ خون آشام ادوار سے گزر چکا تھا۔ ای مینوئل کرائسولوراس ان تجربات کے مشاہدے کے بعد ایک قدیم سوفسطائی کے استعجاب کو موردِ الزام ٹھہرانے سے گریز کرتا تھا۔ وہ اب اُن کے اس قول پر بھی معترض نہ تھا کہ ''روم انسانوں کا نہیں بلکہ دیوتاؤں کا مقامِ رہائش ہے۔'' وہ دیوتا اور اُن کے ہمعصر انسان طویل عرصے سے ختم ہو چکے تھے لیکن اگر جوشِ آزادی کی آنکھ سے دیکھیں تو روم کے کھنڈرات کی تباہی بھی اس کی قدیم خوشحالی کی تصدیق کرتی تھی۔ قونصلوں، قیصروں، شہدا اور درویشوں کے آثارِ قدیمہ، عیسائیوں اور فلسفیوں کے تجسس کو ہر سمت میں نئی مہمیز دیتے تھے اور اس امر کی شہادت دیتے تھے کہ ہر دور میں روم کی افواج اور مذہب کرۂ ارض پر حکومت کرنے کی اہلیت سے مالا مال تھے۔ جبکہ کرائسولوراس اپنی مادرِ وطن کے حسن کی تعریف میں رطب اللسان تھا، اُس وقت وہ اپنے آباو اجداد کے وطن کی طرف سے بھی غافل نہ تھا، اُسے اپنی خوبصورت بیٹی کی یاد ستا رہی تھی، وہ خوبصورت آبادی جس میں کہ اُس کی رہائش تھی۔ اور بازنطینی محب وطن کو اپنی جلاوطنی کا بھی شدید احساس تکلیف دے رہا تھا کیونکہ بروئے ازلی صداقت حقیقی مفادات تو وہی ہیں جو فطرت کے تقاضوں کے مطابق ہوں اور عارضی شان و شوکت اور اقتدار کی نوعیت تو محض عبوری ہے جو کبھی قسطنطنیہ کے شہر نے اپنے دامن میں سمیٹ رکھی تھی، پھر بھی اگر صحیح معنوں میں کوئی نقل تیار کی جا سکے تو بھرتی کا عمل مکمل ہو سکتا ہے (وہ انکساری کی رُو سے یہی الفاظ بطور تبصرہ استعمال کرتا ہے)۔ اس سے اس کے وقار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور والدین کے لیے یہ امر باعثِ مسرت ہوتا ہے کہ اُن

کا تعارف اُن کی اولاد کی عظمت کے حوالے سے کرایا جائے۔ وہ اولاد کی برتری میں اپنی برتری محسوس کرتے ہیں۔ راوی بیان کرتا ہے کہ قسطنطنیہ ایسے مقام پر واقع ہے جہاں سے وہ ہر طرف غلبہ حاصل کر سکتا ہے۔ وہ بحیرۂ اسود اور جزیرہ نما کے مرکز میں ہے۔ اُس کے اس محل وقوع کی بدولت، دو سمندر اور دو ممالک متحد ہو گئے ہیں۔ اس طرح مختلف اقوام کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ قسطنطنیہ کے حکم کے تحت تجارت کے دروازے بند کیے یا کھول دیے جا سکتے ہیں۔ بندرگاہ ایسے مقام پر واقع ہے۔ بری اور بحری دونوں راستوں سے یہ محفوظ ترین مقام ہے اور وسعت کے لحاظ سے بھی اس کی دنیا میں کہیں اور مثال نہیں ملتی۔ قسطنطنیہ کے دروازوں اور فصیلوں کا موازنہ صرف بابل سے کیا جا سکتا ہے۔ ان فصیلوں میں متعدد مینار بھی تعمیر کیے گئے ہیں۔ ہر مینار بہت پختہ اور خاصا بلند ہے اور دوسری دیوار کو بیرونی قلعہ بندی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ کسی بھی دارالحکومت کے لیے اس کا وجود ناگزیر اور باعثِ وقار سمجھا جا سکتا ہے جو خندقیں کھودی گئی ہیں وہ خاصی چوڑی ہیں، اُن میں تیز رفتاری سے پانی بہتا رہتا ہے۔ اس طرح ایک مصنوعی جزیرے کی صورت بن گئی ہے اور ایتھنز کی طرح یہ سمندر اور خشکی دونوں اطراف سے محفوظ ہو گیا ہے۔ اس جدید روم کی تعمیر میں اقوام عالم کے نزدیک دو اسباب کو مدنظر رکھا گیا ہے جن کے باعث اسے خصوصی کمال حاصل ہو گیا ہے۔ وہ بادشاہ جس نے اس کی بنیاد رکھی اس لحاظ سے فقید المثال تھا کہ اُس نے دُنیا کی بے شمار اقوام پر حکومت کی اور اس کی تعمیر میں رومی قوت کے ساتھ یونانی عقل و دانش بھی شامل کر لی گئی تھی۔ یہ اقوام طویل مدت کے تجربات اور حادثات کی وجہ سے کامل مہارت حاصل کر چکی تھیں۔ ان کا حسن عدم تکمیل اور عدم تناسب کے ساتھ گھل مل گیا ہے۔ مگر ان کے باشندے جہاں ڈیرہ جما چکے ہیں وہاں سے ہلنے کو تیار نہیں۔ وہ اپنے آباؤ اجداد کی کوتاہیوں میں کسی اصلاح کے لیے تیار نہیں۔ اور وہ اثرات جو آب و ہوا کی وجہ سے وجود میں آئے ہیں اُن کی مرمت کے لیے بھی تیار نہیں۔ مگر جہاں تک قسطنطنیہ کا تعلق ہے اس کا آزاد تصور صرف ایک ذہن کی تخلیق تھا۔ اور اُسی نے اس کی عملی تشکیل بھی کی۔ اور اُس کی رعایا نے اُس کے احکام کی پوری طرح تعمیل کی۔ اور اس طرح وہ پُرانے عہد کے جو نمونے مدنظر تھے، اُن میں مناسب ترمیمات کر لی گئیں۔ اس کے اولین بادشاہ کی رعایا نے بھی اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔ اُس کے جانشین بھی اُس کے تصورات پر قائم رہے قریبی جزائر میں سنگ مرمر کی وسیع کانیں موجود تھیں جن میں لامحدود ذخائر موجود تھے۔ مگر بعض ضروری اشیا یورپ اور ایشیا کے دور افتادہ ممالک سے بحری جہازوں کے راستے لائی جاتی تھیں۔ سرکاری اور نجی عمارات، شاہی محلات، گرجا گھر، پانی کے ذخائر، حوض، غلام گردشیں،

ستون، حمام، گھوڑوں اور رتھوں کی دوڑ کے میدان ایسے بنائے گئے جو مشرقی دارالحکومت کے شایانِ شان تھے۔ ایشیا اور یورپ کے ساحلوں پر دولت پھیلی ہوئی تھی، اور بازنطینی علاقہ جو دردانیال سے بحیرۂ اسود تک پھیلا ہوا تھا، اور دیوارِ چین کی حدود کو چھوتا تھا، انتہائی آباد تھا۔ اور اسے سدا بہار باغ سمجھا جا سکتا تھا۔ اس خوشامد آمیز مدح سرائی کے بعد ماضی اور حال میں کئی ایسے ادوار آئے کہ کبھی خوشحالی اور کبھی افلاس کا غلبہ ہو جاتا۔ جن کا حکمت و دانش سے مقابلہ کر لیا جاتا۔ مگر راوی کے بیانات میں اس حقیقت کو قبول کرنے کا رجحان مفقود رہتا ہے۔ وہ یہ اعتراف نہیں کرتا کہ شہر کے موجودہ حالات یہ ہیں کہ وہ اپنی سابقہ عظمت اور شان و شوکت کا صرف ایک سایہ بن کر رہ گیا ہے۔ قدیم عمارات کے چہرے خراب ہو چکے ہیں۔ اس عمل میں عیسائیوں کا اپنا جوش و خروش اور غیر مہذب اقوام کی دراز دستیاں بھی شامل ہیں۔ خوبصورت ترین عمارات گرا دی گئیں اور پیروس اور نومیڈیا (Numidia) کا سنگ مرمر چونا حاصل کرنے کے لیے جلا دیا گیا۔ یا کسی انتہائی گھٹیا تعمیرات میں استعمال کر لیا گیا۔ بڑی تعداد میں بت موجود تھے، اب صرف اُن کے پشتے باقی ہیں، جن پر وہ کبھی ایستادہ تھے۔ اُن کے حجم کا اندازہ اسی شکستہ دارالحکومت سے کیا جا سکتا ہے۔ بادشاہوں کے مقبرے اس کے وسیع میدانوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ زمانی خستگی کو طوفانوں اور زلزلوں نے مزید تقویت پہنچائی جو میدان خالی رہ گئے تھے، اُن کو سونے اور چاندی کے آثارِ قدیمہ کی تلاش میں کھود ڈالا گیا، کیونکہ ایسی بیہودہ روایات موجود تھیں کہ ان میں قیمتی اثاثے دفن ہیں۔ یہ عجائبات صرف عوام کے اذہان میں محفوظ تھے، یا تکرارِ روایات کی وجہ سے عقیدے کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ بعض آثار کی وجہ سے ان کی شناخت بھی کی جا سکتی تھی۔ ساتی ستون، جسٹینین کے ستون نما بڑے بڑے مجسمے، گرجا گھر، بڑے بڑے گنبد، بالخصوص سینٹ صوفیہ کے گنبد انتہائی شاندار تھے۔ یہ اتنے خوبصورت تھے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی تمام خوبیاں حیطۂ تحریر میں نہیں لائی جا سکتیں۔ بہرحال ان کا حوالہ دیا جانا ضروری تھا۔ وہ ایک اہم واقعہ کا بیان فراموش کر گیا کہ اس بڑے انسانی مجسمے کی تباہی کے ایک سو سال قبل بڑے اینڈرونی کوس کی بروقت کارروائی کی وجہ سے اس عظیم گرجے کو تباہی سے بچا لیا گیا تھا۔ جب شہنشاہ نے اس خانقاہ کی قلعہ بندیوں کی تکمیل کر دی تو اس کے تیس سال بعد اس کے دو نو تعمیر پشتے جو مخروطی میناروں کی حفاظت کے لیے تعمیر کیے گئے تھے اچانک گر گئے۔ یہ دونوں مشرقی نصف دائرے میں واقع تھے۔ اور تمام تصاویر اور قربان گاہیں اور پناہ گاہ گرتے ہوئے ملبے کے نیچے آ کر تباہ ہو گئیں۔ اگرچہ اس نقصان کی جلد مرمت کر لی گئی۔ ہر درجے کے افراد نے مل کر تمام ملبے کو ہٹا دیا۔ جو کچھ بچ گیا اُسے غریب یونانیوں نے

خاطر خواہ خرچ کرکے مشرق کی انتہائی خوبصورت اور یادگار عمارت میں تبدیل کر دیا۔

مرتی ہوئی سلطنت کی آخری اُمیدیں ان دو شہروں ماں اور بیٹی یعنی روم اور قسطنطنیہ پر منحصر ہو گئیں۔ روم کی طرف سے ماں کی مامتا اور قسطنطنیہ کی طرف سے بیٹی کی سعادت مندی کا مظاہرہ کیا گیا۔ فلورنس کے اجتماع میں لاطینی اور یونانی بغل گیر ہوئے تھے۔ اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے بعد وعدے کیے گئے تھے، مگر دوستی کی یہ علامات بے وفائی کا شکار ہو گئیں۔ اور اتحاد کی بے بنیاد داستانیں ایک خواب کی طرح ختم ہو گئیں۔ شہنشاہ اور پاپائے روم کے ایلچی وینس کے جہازوں پر دوبارہ ملے۔ مگر وہ جونہی موریہ یا کورفو اور لیسبوس کے جزیرے پر پہنچے تو رومیوں نے شکایت کی کہ مکارانہ اتحاد نئی تکالیف کا موجب ہو سکتا ہے۔ جونہی وہ بازنطینی ساحلوں پر پہنچے تو ان سے رُخ موڑ لیا گیا یا وہ بُڑبڑاتے ہوئے، عدم اطمینان کا پُرجوش مظاہرہ کرتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ ان کی دو سال کی غیر حاضری میں دارالحکومت، انتظامیہ اور کلیسا کے حکمرانوں کے بغیر رہا تھا۔ عصبیت نے لاقانونیت کی صورت اختیار کر لی۔ سخت مزاج راہب عورتوں اور ناجائز بچوں پر حکمرانی کرتے رہے، فطرت اور مذہب کا اوّلین اُصول یہ قرار پایا کہ لاطینیوں سے نفرت کی جائے۔ اس سے قبل کہ وہ اٹلی کی طرف واپس روانہ ہو، بادشاہ نے عوام کو یہ جھوٹا اعتماد دلایا کہ مناسب مدد اور کمک کسی وقت بھی متوقع ہے اور یہ کہ تمام پجاری اپنے صحیح العقیدہ اعتقاد پر قائم ہیں اور انھوں نے سائنس میں اتنی ترقی کر لی ہے کہ یورپ کے گڈریوں پر یہ بآسانی اور جلد فتح حاصل کر لیں گے۔ چونکہ یونانیوں کو دونوں سمتوں میں ناکامی ہوئی، اس لیے وہ مایوسی کا شکار ہو گئے، پوپ کے سفیروں کے ضمیر بیدار ہو گئے اور وہ عوام کی طرف سے امکانی مزاحمت کی وجہ سے خوف زدہ ہو گئے۔ وہ پوپ یا شہنشاہ کی طرف سے مدد کی توقع لگائے بیٹھے تھے۔ وہ اپنے کردار کا جواز تو پیش نہ کر سکے، وہ اپنی کمزوری پر افسوس کرنے لگے۔ انھوں نے اپنے تضادات کو تسلیم کر لیا۔ اور اپنے آپ کو اپنے ہم عقیدہ بھائیوں اور خدا کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ وہ ہر وقت یہ سوال اُٹھاتے کہ "اطالوی اجتماع کا مقصد کیا تھا اور اس سے کیا فائدہ حاصل ہوا؟" وہ ٹھنڈی آہ بھر کر اور آنسو بہا کر یہ جواب دیتے کہ "افسوس ہے کہ ہم نے ایک نیا مذہب ایجاد کر لیا، ہم نے تقدس کو بدی کے عوض بیچ دیا۔ ہم نے اپنی ناقابلِ تردید خدمات کو فروخت کر دیا، ہم نے عشائے ربانی میں فطیری روٹی کو قبول کر لیا۔ یا تو مجھے واپسی اختیار کرنی ہوگی، یا جو کچھ میں بیان کر چکا ہوں اُسے بعض معاملات سے مشروط کرنا ہوگا جو میں نے اُس عہد کے فلسفے کے لیے بیان کیے ہے ہم عظمتی بن گئے ہیں (عظمتی اُن عیسائیوں کو کہتے تھے جو

عشائے ربانی میں فطیری روٹی استعمال کرتے تھے) ہمیں مایوسی اور دھوکا دہی نے غلط اُمیدیں دلا کر اور مجبوری کے خوف دلا کر ورغلایا گیا ہے۔ وہ ہاتھ جس نے اتحاد کے معاہدے پر دستخط کیے ہیں، کاٹ دینا چاہیے اور وہ زبان جس نے لاطینی عقائد کا اقرار کیا ہے، اُسے جڑ سے باہر کھینچ کر اکھاڑ لینا چاہیے۔ اُن کی استغفار کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ وہ چھوٹی چھوٹی رسموں کی ادائیگی پر بہت زیادہ زور دیتے تھے اور ایسے عقائد کو بنیادی حیثیت دیتے تھے جو فہم و دانش سے بالا تھے اور اپنے بادشاہ سے اُنھوں نے تمام تعلقات منقطع کر لیے جب اُسقف اعظم جوزف کی موت واقع ہو گئی، تو ہراکلیا اور طربی زونڈ کے بشپ کو یہ حوصلہ پیدا ہو گیا کہ وہ اس اسامی کو قبول کرنے سے انکار کر دیں اور کارڈینل بساری اون پاپائے روم کے آرام دہ سائے میں پناہ لینے کے لیے ویٹی کن چلا گیا اور بادشاہ کا انتخاب سائزی کوس (Cyzicus) کے میٹروفینس (Metrophanes) تک محدود ہو گیا۔ مگر عبادت گاہ خالی تھی۔ صلیب برداروں نے اپنی ملازمت چھوڑ دی تھی۔ اب یہ چھوت شہروں سے دیہات تک بھی پہنچ چکا تھا اور میٹروفینس بدعتی اقوام کے خلاف غیر مؤثر گرج سے جوش ظاہر کرتا رہا۔ یونانیوں کی آنکھیں ایفی سوس کے مارک کی طرف لگی ہوئی تھیں وہ اپنے ملک کا مرد میدان تھا، مقدس معترضین کو اُن کی تکالیف سے آسودہ کرنے کے لیے انتظامی خراج ادا کر دیا گیا اور کسی حد تک تعریف بھی کر دی گئی۔ اس کی مثال اور تحریرات کی وجہ سے مذہبی اختلافات کا شعلہ بھڑک اُٹھا۔ مگر اس کی عمر اور کمزوری نے جلد ہی اسے اس دُنیا سے اُٹھا لیا۔ مگر مارک کی انجیل میں معافی کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اُس نے اپنی آخری سانس کے موقع پر بھی یہ درخواست کی کہ روم کا کوئی شہری اُس کے جنازے میں شامل نہ ہو اور اُس کی روح کی نجات کے لیے دُعا نہ کرے۔

یہ افتراق مملکت بازنطین کی تنگ سرحدوں تک محدود نہ رہا۔ بلکہ اس کے اثرات مملوکوں کے زیر نگیں علاقوں میں بھی نظر آنے لگے۔ اسکندریہ کے انتاخ اور یروشلم کے پادری متعدد اجتماعات میں جمع ہوئے۔ اُنھوں نے فرارا اور فلورنس کے اجتماعات میں شامل اپنے نمائندگان کی ملامت کی اور اُن سے کسی قسم کے تعلق سے انکار کر دیا۔ اور لاطینی عقائد اور اجتماعات سے بھی لاتعلقی کا اظہار کیا۔ اور قسطنطنیہ کے شہنشاہ کو دھمکی دی کہ مشرقی کلیسا اُس کے خلاف ملامت کی تحریک چلائے گا۔ مشرقی کلیساؤں اور فرقوں میں سے روسی سب سے زیادہ مضبوط جاہل اور اوہام پرست تھے۔ ان کا نمائندہ کارڈینل اسیڈور (Isidore) فلورنس سے تیزی کے ساتھ ماسکو پہنچا۔ تاکہ وہ اس آزاد مملکت کو رومیوں کی غلامی میں دے دے۔ مگر روسی بشپوں کی تعلیم آتھوز کی

پیازیوں پر ہوئی تھی اور بادشاہ اور شہزادے مشرقی عقائد ہی کے قائل تھے۔ وہ پوپ کے لاطینی سفیر کے خطابات، شان وشوکت اور صلیب سے بہت متاثر ہوئے۔ یہ ایسے ناپاک لوگوں کا دوست تھا، جو بالعموم لوگوں کی ڈاڑھیاں مونڈتے تھے اور ساتھ ساتھ مذہبی فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ یہ اپنے ہاتھوں پر دستانے اور اُنگلیوں میں انگوٹھیاں پہنتے تھے۔ اسیڈور کی ایک اجتماع میں ملامت کی اور اُسے ایک خانقاہ میں قید کر دیا گیا۔ وہ بڑی مشکل سے ایک متعصب اور خطرناک گروہ سے جان چھڑا کر بھاگا، لیکن رومیوں کو ایک راستہ ہاتھ آ گیا جس کے ذریعے وہ اپنے مبلغین بھیجنے لگے اور حنائس کے کفار کو تبلیغ کرنے لگے اور اُن کا یہ اصول درست ثابت ہوا کہ منافقین اور افتراق پیدا کرنے والوں کے مقابلے میں کفار بہتر ہیں اس لحاظ سے اُن کا رومیوں کو انکار درست ثابت ہوا۔ اہالیانِ بوہیمیا کی تمام خطاؤں کو معاف کر دیا گیا، کیونکہ اُنھوں نے پوپ سے نفرت کا اظہار کیا تھا اور یونانیوں کا ایک وفد اُن گروہوں کی دوستی طلب کرتا رہا جو خون آشامی کے مرتکب ہوئے تھے، جبکہ یوجینی اُوس کو یونانیوں کی راسخ العقیدگی کے خلاف فتح حاصل ہوئی تھی، پھر بھی اُس کی جماعت کو قسطنطنیہ کی دیواروں بلکہ محل میں آنے کی دعوت دی گئی تھی۔ پلائیولوگوس کا سارا جوش وخروش اُس کے ذاتی مفادات پر مبنی تھا۔ مگر مخالفت کی وجہ سے جلد ٹھنڈا پڑ گیا۔ اگر وہ اپنی قوم کے عقائد کی مخالفت کرتا تو اُس کے تخت بلکہ زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہو جاتا اور مذہبی جوش کے تحت پیدا ہونے والی بغاوت کو غیر ملکی امداد سے بھی روکنا ممکن نہ ہوتا۔ اس لیے عقل مندی یہی تھی کہ خاموشی اختیار کی جائے۔ اس لیے وہ مذہب کے نام پر نصف نصف توجہ دونوں گروہوں کو دیتا رہا۔ ترک سلطان عموراث بھی اس سے ناخوش تھا۔ وہ یونانیوں اور لاطینیوں کے مابین بظاہر دوستی میں بھی اپنے لیے خطرہ محسوس کرتا تھا۔

سلطان مراد جسے عموراث بھی کہا جاتا تھا۔ اُس کی عمر انچاس سال ہوئی مگر اُس نے تیس سال چھ ماہ آٹھ دن حکومت کی۔ وہ ایک منصف مزاج بہادر سلطان تھا۔ اس کا حوصلہ بہت بلند تھا۔ وہ بڑے صبر سے محنت کرتا۔ وہ ایک عالم شخص تھا۔ رحم کرتا، مذہب کا پابند تھا۔ اور متعدد علوم وفنون میں اُس کا پایہ بہت بلند تھا۔ وہ عظیم بادشاہ اور بہت بڑا جرنیل تھا۔ عموراث (مراد) سے زیادہ کسی شخص نے کبھی فتوحات حاصل نہیں کیں۔ صرف بلغاریہ اس کے حملوں کا مقابلہ کر سکا۔ اس کے عہد میں اس کی افواج ہمیشہ فتح حاصل کرتیں۔ اس کے شہری امیر اور محفوظ رہتے اگر وہ کسی ملک کو فتح کرتا، تو اُس کا پہلا کام یہ ہوتا کہ وہ مسجد اور کارواں سرائے تعمیر کرتا۔ شفاخانے اور مدارس کھولتا۔ سادات کو وہ ہر سال ایک ہزار طلائی سکے پیش کرتا اور دو ہزار پانچ سو

اشرفیاں سالانہ وہ شرفائے مکہ کو ارسال کرتا۔ اور یروشلم میں بھی اس کی طرف سے نذرانے پہنچتے رہتے۔ اس کی تصویر عثمانی دربار کے مؤرخین سے حاصل کی گئی ہے۔ مگر افراد اور رعایا اپنے ظالم حاکموں کی تعریف میں بھی رطب اللسان رہتے ہیں اور بعض سلاطین کی خوبیاں اُن کی ذات کے لیے مفید ہوتی ہیں۔ مگر رعایا اُن سے مکمل اتفاق کرتی ہے۔ اگر کوئی قوم آزادی اور قانونی حکومت کے تصور سے بے خبر ہو تو وہ مبتلائے خوف ہو جاتی کیونکہ مطلق العنان اختیارات کی چمک کی چکاچوند غالب رہتی ہے۔ جب کوئی مطلق العنان حاکم انصاف کا کردار اپنا لیتا ہے تو اُس کی فیاضی اور ضد مستقل مزاجی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اگر کسی معقول عذر سے بھی انکار کر دیا جائے تو فرمانبرداری کے چند اعمال بھی ناممکن محسوس ہونے لگیں گے۔ ایسی صورت میں جرم لرزاں ہو جاتا ہے اور بے گناہی بھی ہمیشہ محفوظ نہیں رہتی۔ چونکہ افواج مستقلاً میدانِ جنگ میں معروف رہتی تھیں، اس لیے اُن میں نظم وضبط بھی قائم رہتا۔ ینی چری کا تو پیشہ ہی جنگ تھا، وہ لوگ جو میدان میں بچ جاتے اور اس کے بعد مالِ غنیمت تقسیم کرتے وہ بادشاہ کی تعریف بھی کرتے۔ مسلمانوں کا ایک فرض یہ بھی تھا کہ وہ دینِ حق کی تبلیغ کرتے رہیں۔ کفار کو وہ اپنا دشمن سمجھتے تھے، کیونکہ وہ خدا اور رسول کا بھی دشمن ہوتے۔ ترکوں کے ہاتھ میں صرف ایک ہی اسلحہ ہوتا جو تلوار تھی۔ اسی سے خوف زدہ ہو کر مذہب تبدیل کیا جاتا (نعوذ باللہ) ان حالت میں عموراث (مراد ثانی) کا انصاف اور انکساری کا ثبوت اُس کے کردار سے ملتا ہے، جس کی تصدیق خود عیسائیوں نے بھی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کا دور خوشحالی اور امن کا دور تھا۔ جب سے پوری قوت حاصل تھی اور اس کی افواج کا کوئی جواب نہ تھا، اُس دور میں بھی یہ اُس وقت تک کسی ملک پر حملہ نہ کرتا، جب تک کہ اُس ملک کے سابقہ کردار اور حال میں اسے طیش کے لیے معقول جواز موجود نہ ہوتا۔ جب کوئی قوم اطاعت قبول کر لیتی تو فاتح سلطان اسلحہ اُتار دیتا۔ وہ معاہدات کی پابندی کرتا۔ وہ اپنے قول کا پکا تھا۔ اور وعدے کا احترام کرتا۔ اہل ہنگری بالعموم دوسری اقوام پر حملہ کرتے رہتے۔ انھوں نے اسے طیش دلایا اور اسکندر بیگ سے بغاوت کرادی۔ اس نے کرامانیوں کی بے وفائی کو دو دفعہ طاقت سے دبا دیا، اور دونوں دفعہ معاف کر دیا۔ اس سے قبل کہ وہ موریہ پر حملہ کرتا، تھریس پر اچانک دباؤ ڈالنا پڑا۔ تھیسالونیکا کی فتح کے لیے اس کے پاس یہ عذر موجود تھا کہ اُنھوں نے اہالیان وینس کو خرید کر اس کے لیے خطرہ پیدا کرنے کی کوشش کی تھی، اسے اُن کی اس حرکت پر شکایت تھی۔ قسطنطنیہ کے پہلے محاصرے کے بعد سلطان نے کبھی پلائیولوگوس کی کمزوریوں اور مجبوریوں سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہ کی، حالانکہ قسطنطنیہ کے بادشاہ پر کئی مصیبتیں پڑی تھیں، وہ غیر حاضر بھی رہا تھا اور زخمی

بھی ہو چکا تھا، مگر سلطان نے اس دم توڑتی ہوئی شمع پر کبھی پھونک مارنے کی کوشش نہیں کی بازنطینی سلطنت خود ہی دم توڑ رہی تھی۔

مراد (عموراث) کی زندگی اور کردار میں سب سے زیادہ قابلِ توجہ یہ حقیقت تھی کہ اُس نے دو دفعہ رضاکارانہ طور پر تخت سے دستبرداری اختیار کر لی، جب یہ چالیس سال کا ہوا تو اُس نے انسانی وقار کی پروا کیے بغیر اپنے بیٹے کے حق میں دستبرداری اختیار کر لی۔ اس نے میگنیشیا کے خوشگوار مقام میں رہائش اختیار کر لی۔ اور درویشوں کے ساتھ صحبت اختیار کر لی۔ چوتھی صدی ہجری میں اسلام میں باطنی فقرا کا دور دورہ ہوا، جن کی تعلیمات کا اسلامی مزاج سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر صلیبی جنگوں کے زمانے میں درویشوں کے متعدد سلسلے پیدا ہو گئے۔ اس سلسلے میں عیسائی اثرات بھی قبول کیے گئے۔ لاطینی راہبوں کے اثرات بھی تھے۔ اقوام کا آقا دنیا چھوڑ کر صوم و صلوٰۃ کا پابند ہو گیا اور گول دائرے میں گھومتے ہوئے چکر کاٹنے لگا۔ اس طرح جو مستی اور سرور پیدا ہوتا، اُسے روحانی بصیرت کا نام دیا جانے لگا، مگر جلد ہی اہل ہنگری نے حملہ کر دیا اور یہ بھی اپنی مستی کے جوش سے بیدار ہو گیا۔ اس کا تابع فرمان اُن لوگوں میں سب سے آگے تھا، جو اسے واپسی پر مجبور کر رہے تھے۔ اُس نے اسے قومی خطرے اور عوامی خواہشات سے آگاہ کیا۔ اپنے مقبول رہنما کے علم کے نیچے ینی چری لڑے اور فتح حاصل کی مگر وارنا کے میدان جنگ سے دوبارہ یہ حکومت سے علیحدہ ہو گیا اور درویشوں کے ساتھ مل کر صوم و صلوٰۃ کی پابندی اختیار کر لی اور خانقاہوں میں حالت وجد میں چکر کاٹنے لگا اور میگنیشیا کے بھائیوں کے ساتھ دوبارہ شامل ہو گیا، جب مملکت خطرات سے دوچار ہوئی تو یہ مقدس مشغلے ایک بار پھر ترک کرنے پڑے۔ ایک طاقتور فوج نے اپنے کم عمر حکمران کے احکام کی تعمیل سے انکار کر دیا، ہیڈریانوپل کے شہر میں لوٹ مار اور قتل عام کیا گیا، اور دیوان نے متحدہ طور پر درخواست کی کہ اُس کی موجودگی ضروری ہے تا کہ اس بغاوت کو فرو کیا جا سکے، جو ینی چری نے کی تھی، جب انھوں نے اپنے آقا کی معروف آواز سنی تو کانپ گئے اور بغاوت ترک کر دی اور بادشاہ سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنا کاروبار سلطنت جاری رکھے۔ اس کے چار سال بعد اُسے فرشتۂ اجل نے طلب کر لیا۔ عمر، بیماری، بدقسمتی یا لالچ نے متعدد بادشاہوں کو مجبور کیا کہ وہ تخت سے کنارہ کش ہو جائیں اور پھر وہ اس پر پشیمان بھی ہوئے کیونکہ ایک دفعہ تخت سے محرومی کے بعد واپسی کا موقع ملنا ممکن نہیں ہو سکتا مگر مراد (عموراث) کی یہ واحد مثال ہے کہ اس نے اپنے مکمل آزادانہ انتخاب سے دو دفعہ حکومت چھوڑ کر درویشانہ زندگی اختیار کر لی۔

جب اس کے یونانی بھائیوں نے واپسی اختیار کر لی، تو یوجینی اوس اُن کے مادی مفادات سے غافل نہ ہوا۔ اُس کے دل میں یہ جائز خطرہ موجود تھا کہ ترک اتنے قریب پہنچ گئے ہیں کہ وہ کسی بھی وقت قسطنطنیہ پر حملہ کر سکتے ہیں۔ اور اٹلی کی سرحدیں بھی اُن سے زیادہ دور نہ تھیں۔ صلیبی جنگوں کی روح ختم ہو چکی تھی۔ فرینکوں کی نیکی بھی معقولیت پر مبنی تھی، اب وہ سر کے بل کود پڑنے کے قابل نہ رہے تھے۔ گیارھویں صدی میں کوئی بھی متعصب راہب سارے یورپ کو ایشیا پر حملہ کرنے کے لیے مجبور کر سکتا تھا تا کہ مرقد مسیح کو بازیاب کرایا جا سکے مگر پندرھویں صدی میں صورت یہ تھی کہ تمام عیسائی تو ایک طرف، صرف رومیوں کو بھی کسی واحد مقصد کے لیے جمع کرنا ممکن نہ تھا۔ صرف جرمنی واحد ملک تھا، جس میں افرادی قوت اور اسلحے کی فراوانی تھی، مگر یہ ایک خفتہ جسم تھا جسے جگانے کے لیے کسی زبردست ہاتھ کی ضرورت تھی۔ فریڈرک سوم کا ذاتی کردار بھی خاصا کمزور تھا۔ اور اُس کا شاہانہ وقار بھی بہت کم تھا۔ فرانس اور انگلستان میں ایک طویل جنگ جاری رہی تھی جس کی وجہ سے دونوں حکومتیں بہت کمزور ہو چکی تھیں۔ مگر ان کی عداوت ابھی ختم نہ ہوئی تھی اور برگنڈی کا ڈیوک فلپ ایک کامیاب اور بلند مرتبہ حکمران تھا اور اُس کی رعایا اُس کی مقدس مہم جوئی کی حامی تھی۔ وہ فلانڈرز کے ساحل سے ایک مضبوط بحری بیڑہ لے کر دردانیال کی طرف روانہ ہوا۔ میدانِ کارزار سے وینس اور جینوا کچھ زیادہ دور نہ تھے اور ان کے مخالف دستے سینٹ پیٹر کے جھنڈے تلے متحد ہو گئے۔ پولینڈ اور ہنگری کی حکومتیں جیسا کہ اُن کی حالت تھی، اسی قوت کے تحفظ کی مرہون منت تھیں کیونکہ ان کا محل وقوع ایسا تھا یہ لاطینی کلیسا کے عین قلب میں واقع تھیں اور ترکوں کی ترقی سے انھیں براہ راست خطرے کا احتمال تھا، ترکی افواج سکاتھیوں اور سرماشیوں کا نقشِ ثانی تھیں۔ اگر ان دونوں کی افواج کو کسی عام دشمن کے سامنے کھڑا کر دیا جائے تو یہ برابر کا مقابلہ کرنے کی اہل تھیں، ان کی تلواروں کو متعدد خون ریز داخلی اور خارجی مہمات کا تجربہ تھا، مگر یہ روح اور فرمانبرداری کا جذبہ اس اتحاد میں موجود نہ تھا۔ ایک غریب ملک اور نااہل بادشاہ کسی باقاعدہ فوج کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا۔ ہنگری اور پولینڈ کے رسالے کے پاس نہ وہ ہتھیار تھے اور نہ وہ جذبہ تھا جو کبھی کبھی فرانس کی فتوحات کا باعث ہوا کرتا تھا۔ مگر حالات کچھ ایسے تھے کہ پاپائے روم کی ہمدردیاں اور کارڈینل جولین کے مشورے بروقت ان کے شامل حال تھے۔ اس اتحاد نے دونوں ممالک کے تاج لیڈس لاؤس کے سر پر رکھ دیے۔ جو ایک باعزم سپاہی تھا۔ اس کا نام جان ہونیادیس کے نام کے ساتھ پہلے ہی سے عیسائیوں میں بہت مقبول تھا۔ کیونکہ یہ ایک نوجوان سپاہی تھا جسے ترقی حاصل کرنے کی بڑی خواہش تھی۔ اس

لیے اس کی افواج ترکوں کے لیے ناقابلِ تسخیر تصور ہوتی تھیں۔ پوپ کے سفیروں نے ان کے سامنے خزانوں کے ڈھیر لگا دیے۔ اس مقدس جھنڈے کے تحت فرانس اور جرمنی کے متعدد رضا کار بھی جمع ہو گئے اور اس طرح یہ صلیبی جنگ اس اتحاد کی وجہ سے خاصی اہمیت اختیار کر گئی۔ اس میں یورپ اور ایشیا دونوں کی افواج شامل ہو گئیں۔ مگر ڈینیوب سے اگلی طرف ایک مغرور شاہی نے ان کے حوصلے پست کر دیے۔ ان کے آزادی اور مذہب کے جذبات ماند پڑ گئے۔ موجودہ یونانی حکمران اُس حوصلے کا مالک تھا جس سے اُس کا باپ ہمیشہ محروم رہا تھا۔ اُس نے اپنی افواج اور رضا کاروں کی مدد سے باسفورس کا دفاع کیا اور قسطنطنیہ سے جارحانہ حملوں کا آغاز کر دیا۔ کرامانیا کے حکمران نے اعلان کر دیا کہ مراد نے واپسی کا ارادہ کر لیا ہے اور پوری قوت سے اناطولیا کی طرف متوجہ ہو گیا ہے۔ اگر مغربی بحری بیڑے اُسی وقت دردانیال پر قبضہ کر لیتے، تو عثمانی بادشاہ نہ صرف مجبور بلکہ تباہ ہو جاتا، ان شرارتیوں کی مہم جوئی پر آسمان اور زمین نے ضرور مسرت محسوس کی ہو گی۔ اور عیسائیوں نے یہ محسوس کیا کہ اُنھیں حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ ماجدہ کی طرف سے خصوصی مدد حاصل ہو گئی ہے۔

پولینڈ اور ہنگری کی افواج کے لیے تو یہ ایک صلیبی جنگ تھی اور لیڈس لاؤس نے دریائے ڈینیوب عبور کرنے کے بعد، اپنی افواج بلغاریہ کے دارالحکومت صوفیہ تک لے گیا۔ اس مہم میں اُنھیں دو شاندار فتوحات حاصل ہوئیں۔ جو ہونیادیس (Huniades) کی جرأت اور کردار کے نام لکھی گئیں۔ پہلی میں انھوں نے دس ہزار کے ہراول دستے کے ساتھ ترکوں کے پڑاؤ پر اچانک حملہ کر دیا۔ دوسرے حملے میں انھوں نے اُن کے مشہور جرنیلوں کو شکست دے کر قید کر لیا۔ حالانکہ اُنھیں تعداد اور محلِ وقوع دونوں کے مفادات حاصل تھے اور کوہِ حمس کی فطری اور مصنوعی رکاوٹوں نے اس ہیرو کی پیش قدمی روک دی۔ اس نے صرف چھ دن میں دردانیال اور قسطنطنیہ کا سفر کر لیا۔ جو اس کی یونانی دوست فرمانروا کا دارالحکومت تھا۔ واپسی میں اُنھیں کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ جب یہ لوگ بوڈا (Buda) میں داخل ہوئے تو ان کی مہم کو فوجی اور مذہبی فتح کا نام دیا گیا۔ بادشاہ اور اُس کی افواج کے عقب میں ایک کلیسائی جلوس بھی پیدل چل رہا تھا۔ اس نے دونوں اقوام کے حقوق اور مدارج کا عمدگی سے خیال رکھا۔ اس فتح کو عیسائیت کی منکسر المزاجی کے ساتھ مخلوط کر دیا گیا تھا۔ تیرہ بادشاہ، نو جھنڈے اور چار ہزار قیدی ان فتوحات کا خصوصی انعام تھا۔ ان میں سے ہر ایک عیسائیت قبول کرنے پر آمادہ تھا۔ اور وہاں کوئی ایسا شخص موجود نہ تھا جو صلیبیوں کے اس دعوے کی تردید کر سکے۔ صلیبیوں نے ان ہزاروں ترکوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا جو میدانِ جنگ میں رہ گئے تھے لیکن اس فتح کا سب سے اہم اور ناقابلِ تردید

یہ تھا کہ ترکوں کا ایک وفد معاہدۂ امن طے کرنے کے لیے آ گیا۔ وہ سرویا کو بازیاب کرنے، قیدیوں کا تاوان ادا کرنے اور ہنگری کے سرحدی علاقوں کو چھوڑنے پر آمادہ تھے۔ اس معاہدے کی رو سے جنگ کی معقولیت کا عذر تسلیم کر لیا گیا اور بادشاہ، مطلق العنان اور ہونیادیس بذاتِ خود ساجدین (Segedin) کے مقام پر جمع ہوئے اور سرکاری اور نجی ادائیگیوں پر مطمئن ہو گئے۔ دس سال کے لیے ایک معاہدۂ امن پر دستخط کر دیے گئے۔ عیسائیوں نے انجیل پر اور مسلمانوں نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسمیں کھائیں۔ خدا کے کلام کو بطور ضمانت دونوں طرف سے تسلیم کر لیا گیا۔ اس طرح وعدہ خلافی کا سدِ باب کر دیا گیا۔ ترک وزرا نے تجویز پیش کی کہ انجیل کی بجائے خود حضرت عیسیٰؑ کا نام استعمال کیا جائے جن کو رومن کیتھولک عیسائی خدا تسلیم کرتے ہیں۔ مگر عیسائیوں نے اپنے مقدس راز ہائے سربستہ کے اظہار سے انکار کر دیا۔ ایک اوہام پرست ضمیر روحانی پابندیوں کی سختی کا قائل نہیں ہو سکتا۔ اُسے حلف برداری کے لیے مرئی اشیا ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس تمام معاملے میں پوپ کے سفیر کارڈینل کا منہ لٹکا رہا اور وہ خاموش رہا۔ وہ نہ تو اس معاہدے کو قبول کرنا چاہتا تھا اور نہ اس سے انکار کے لیے تیار تھا کیونکہ اس میں بادشاہ اور عوام کی تائید شامل تھی مگر اس وقت تک اس مجلس کو برخاست نہ کیا گیا جب تک کہ جولین کو مکمل اطمینان حاصل نہ ہو گیا۔ اور یہ خبر نہ پہنچ گئی کہ اناطولیہ پر کرامانیوں نے حملہ کر دیا ہے۔ اور تھریس پر یونانی حملہ آور ہو چکے ہیں اور دردانیال پر جینوا، وینس اور برگنڈی کے بیڑے کو مکمل تسلط حاصل ہو چکا ہے اور اتحادیوں کو فتح حاصل ہو چکی ہے۔ لیڈس لاؤس کو اس معاہدے کا علم نہ تھا اور وہ اپنی افواج کی واپسی کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہا تھا۔ چنانچہ کارڈینل نے جوش سے کہا: ''کیا تم اُن کی توقعات اور اپنی املاک سے ہاتھ کھینچ لوگے؟'' ''تم نے اپنی طرف سے، دوسرے عیسائیوں کی طرف سے اور خدا کی طرف سے بھی اپنے عقیدے کو رہن رکھ دیا ہے اور تم نے حضرت عیسیٰؑ کے نام کی قسم کھا کر عیسائیت کے دشمنوں کو خوش کر دیا ہے و رعیسائیت کی توہین کی ہے۔ اس دنیا پر خدا کا نائب پاپائے روم ہے۔ اُس کی منظوری کے بغیر آپ نہ کوئی وعدہ کر سکتے ہیں اور نہ کسی معاہدے پر عمل کر سکتے ہیں۔ میں تمھاری دروغ حلفی کو معاف کرتا ہوں، اور تمھاری فوجی مہمات کو تقدس عطا کرتا ہوں۔ میرے قدموں کی پیروی کرتے ہوئے فتح اور نجات کا راستہ اختیار کرو۔ اگر تمھارے دل میں ابھی تک کوئی تذبذب موجود ہو تو اپنے تمام گناہوں اور اُن کے نتیجے میں آنے والے عذاب کو میرے سر پر ڈال دو۔ اس شرارت آمیز تجویز کی پوری مجلس نے تائید کی۔ اُسی مقام پر جہاں معاہدۂ امن طے کیا گیا تھا، جنگ کا فیصلہ کر لیا گیا اور معاہدۂ امن پر

عمل کے وعدے پس پشت ڈال دیے گئے۔ عیسائیوں نے ترکوں پر حملہ کر دیا، جن کو وہ اپنی اصطلاح میں کفار کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ اُس دور کے مذہبی رواج کے مطابق اسے قابلِ معافی قرار دے دیا۔ اگر اُسے فتح حاصل ہو جاتی تو اس گناہ کی خود بخود تلافی ہو جاتی۔ بلکہ اس بہانے کو بہت مقبولیت حاصل تھی اور گرجا گھر میں بھی اس دروغ حلفی کو قابلِ معافی قرار دے دیا گیا۔ مگر وہی معاہدہ جس نے اُس کے ضمیر کو پابند کر رکھا تھا، اُس کی وجہ سے اُس کی قوت میں کمی آ گئی۔ جب امن کا اعلان کر دیا گیا۔ فرانسیسی اور جرمن رضاکار شکایتیں کرتے ہوئے واپس روانہ ہو گئے۔ پولینڈ کے فوجی اپنے ملک سے اتنی مدت دور رہنے کی وجہ سے تھک چکے تھے۔ غالباً غیر ملکی حاکموں کے احکام کی تعمیل کرتے کرتے وہ اُکتا چکے تھے۔ اُنھوں نے اوّلین معاہدے پر عمل کرتے ہوئے اپنے صوبوں اور قلعوں کی طرف واپسی اختیار کر لی۔ اور ہنگری میں اختلافات پیدا ہو گئے اور باشندے مختلف گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم ہو گئے۔ پہلی جنگ میں کامیابی اور مالِ غنیمت کے حصول کے بعد اکثر فوجی مطمئن ہو گئے اور اپنے گھروں کو چلے گئے اور دوسری مہم میں روانہ ہونے والوں کی کل تعداد صرف بیس ہزار رہ گئی جو انتہائی ناکافی تھی۔ ایک ولاچی سردار جو اپنے باجگزاروں کے ہمراہ فوج کے ساتھ شامل ہوا تھا، اُسے یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ اس فوج کی تعداد اتنی بھی نہ تھی جتنی کہ سلطان اپنے ہمراہ شکار کے لیے لے جاتا ہے۔ لیڈس الاؤس کو دو انتہائی تیز رفتار گھوڑے بطور تحفہ پیش کر دیے گئے تا کہ بوقتِ ضرورت فرار اختیار کیا جا سکے۔ مگر مذکورہ مطلق العنان کو جب اُس کا اپنا ملک سرویا واپس مل گیا تو وہ اب نئے مقبوضات کے حصول کے لیے تیار ہو گیا۔ یہ کم عمر بادشاہ، پوپ کے سفیروں کے وعدوں پر مطمئن تھا اور خود ہونیا دیس کی قوم اس پر مطمئن تھی کہ اُن کی تلوار اور صلیب کے سامنے کوئی مشکل ٹھہر نہیں سکتی۔ ڈینیوب کو عبور کرنے کے بعد دو شاہراہیں تھیں، جو قسطنطنیہ اور درِ دانیال کے ساتھ منسلک تھیں، ایک تو براہِ راست اور سیدھی تھی مگر اس کے ذریعے سفر کرنے میں متعدد مشکلات حائل تھیں۔ یہ شاہراہ حمص کی پہاڑیوں میں سے گزرتی تھی۔ دوسری شاہراہ مشکل تو تھی مگر محفوظ تھی۔ یہ بحیرۂ اسود کے کنارے کنارے میدانی علاقے میں سے گزرتی تھی، سکھیوں کے دستور کے مطابق اس پر چھکڑوں کی مدد سے قلعہ بندیاں تیار کی جا سکتی تھیں۔ ثانی الذکر ہی کو ازراہِ عقلمندی ترجیح دی گئی۔ کیتھولک افواج بلغاریہ کے میدانی راستوں سے روانہ ہوئیں اور راستے میں جو مقامی عیسائیوں کے گرجے آتے اُنھیں جلا دیتے اور دیہاتیوں پر ظلم کرتے، اُن کا آخری قیام وارنا کے مقام پر ہوا۔ یہ ایک ساحلی مقام تھا۔ اس مقام پر لیڈس لاؤس کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔ صرف اُس کا نام بطور

یادگار رہ گیا۔

یہ وہ مہلک مقام تھا، جہاں اُنھیں اُمید تھی کہ اُن کی مدد کے لیے ایک بحری بیڑہ اُن سے آ کر مل جائے گا۔ اب اُنھیں خطرہ محسوس ہونے لگا کہ عموراث (مراد) بذاتِ خود یہاں موجود ہوگا۔ وہ میگنیشیا سے چل پڑا تھا اور اُس نے اپنی ایشیائی افواج دفاعِ یورپ کے لیے روانہ کر دی تھیں۔ بعض مؤرخین کے مطابق یونانی بادشاہ خوف زدہ ہو گیا تھا، یا اس نے اطاعت قبول کر لیا تھی۔ اور اُس نے باسفورس کا راستہ بھی مہیا کر دیا تھا۔ جینوا کے باشندے یا پاپائے روم کے بھتیجے پر رشوت قبول کرنے کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ وہ ایک رضاکار امیر البحر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہا تھا۔ اُس درِ دانیال کے محافظین سے دھوکا کیا۔ ہیڈریانوپل سے سلطان تیزی سے روانہ ہوا۔ اُس کے ہمراہ ساٹھ ہزار فوجی تھے۔ جب کارڈینل اور ہونیا دیس کی تعداد اور نظم و ضبط ترکوں کے برابر ہو چکا تھا تو ان مہم جوؤں نے خود ہی پسپائی کا فیصلہ کر لیا۔ یہ نہ صرف ایک احمقانہ حرکت تھی بلکہ اس پر عمل درآمد بھی ممکن نہ تھا۔ صرف بادشاہ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ یا تو فتح حاصل کی جائے یا موت قبول کر لی جائے۔ تمام بادشاہ درمیانی حالت میں اور ایک دوسرے کے مخالف تھے اور اناطولیہ اور رومانیہ کے بیگلار بیگ یا کے جرنیل میمنہ اور میسرہ کے لشکریوں کی کمان کر رہے تھے۔ جبکہ مطلق العنان اور ہونیا دیس، لشکر کے عقب میں تیار کھڑے تھے۔ اگرچہ ان میں باہم صفائی نہ تھی۔ پہلے مقابلے میں ہی ترکوں کی صفیں ٹوٹ گئیں۔ ابتدا ہی میں جو مفاد حاصل ہوا، وہ تباہ کن تھا۔ فاتحین نے جلد بازی کا ثبوت دیا، اور تیزی سے تعاقب شروع کر دیا۔ جس سے وہ اپنی افواج سے الگ ہو کر دشمن کے قبضے میں آ گئے اور اپنے دوستوں کی مدد سے محروم ہو گئے۔ جب مراد (عموراث) نے دیکھا کہ اُس کے فوجی دستے فرار ہو رہے ہیں، تو اُس نے اپنی زندگی اور سلطنت کو داؤ پر لگا دیا۔ ایک تجربہ کار ینی چری نے اس کے گھوڑے کی عنان تھام لی۔ اُس نے اپنے فوجی دستوں کو معاف کر دیا، اور اُن کے فرار کو روک لیا۔ جنگ کی پہلی صفوں میں ایک معاہدے کی نقول تقسیم کی گئیں، جس کی رُو سے عیسائیوں کی عہد شکنی کا اظہار ہوتا تھا۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان نے عالم یاس میں اپنی نگاہیں آسمان پر جما دیں۔ اور خدا اور پیغمبرِ خدا سے مدد طلب کی اور حق کی فتح کے لیے دُعا کی۔ اور حضرت عیسیٰؑ سے بھی التجا کی کہ یہ لوگ آپ کو خدا تسلیم کر کے آپ پر بہتان طرازی کر رہے ہیں۔ شاہ ہنگری کے پاس فوج بھی کم تھی اور اُس میں نظم و ضبط بھی نہ تھا، اس کے باوجود وہ فتح کے نشے میں سرشار آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ بہادر ینی چری افواج نے اس کی سواری کو روک لیا۔ اگر ہم عثمانی روایات پر اعتماد کر لیں تو مراد کے اپنے نیزے

نے اس کے گھوڑے کو چھید ڈالا۔ وہ پیدل افواج کے نیزوں کے مابین گر پڑا۔ ایک ترکی سپاہی نے آوازِ بلند کہا: "اہلِ ہنگری! اپنے بادشاہ کا سر دیکھ لو!" لیڈس لاؤس کی موت اُن کی شکست کی علامت تھی۔ ہونیادیس نے اپنی واپسی کے موقع پر اپنی جلد بازی کی غلطی کا اعتراف کیا۔ اس سے عوام کا بہت نقصان ہوا۔ اُس نے کوشش کی کہ بادشاہ کی لاش حاصل کر سکے۔ مگر وہ فاتحین اور مفتوحین کے مجمعوں میں پھنس گیا۔ اور اس کے عزم و حوصلے کی آخری کوشش اور کردار اس عمل تک محدود تھا کہ کسی طرح ولاچی رسالے کی باقیات کو محفوظ کر لے۔ وارنا کی تباہ کن جنگ میں دس ہزار عیسائی فوجی مارے گئے۔ ترکوں کا جانی نقصان بہت زیادہ تھا مگر عددی اوسط کے لحاظ سے عیسائیوں سے خاصا کم تھا۔ مگر اس کے باوجود فلسفی مزاج سلطان کو یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہ تھا کہ یہ اُس کی دوسری فتح تھی جو یکساں حالات کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوئی۔ اُس کے حکم کے تحت اُس مقام پر ایک مینار تعمیر کرایا گیا۔ جہاں پر کہ لیڈس لاؤس گرا تھا۔ مگر اس پر جو تحریر درج کی گئی اُس میں بھی انکسار کا پہلو موجود تھا۔ بجائے اُس کے کہ اُس کی جلد بازی کا ذکر کیا جاتا، شاہِ ہنگری کے عزم و حوصلے کی تعریف کی گئی اور اہالیانِ ہنگری سے افسوس کا اظہار کیا گیا۔

اس سے قبل کہ میں وارنا کے میدان جنگ کے منظر کو فراموش کر دوں۔ میں اس میں شامل دو کرداروں کا خاص طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں جو کارڈینل جولین اور جان ہونیادیس ہیں۔ جولین قیصرانی کا تعلق روم کے ایک شرفا کے خاندان سے تھا۔ وہ رومی اور یونانی دونوں علوم میں تعلیم یافتہ تھا۔ اُس نے دینیات اور قانون کا مطالعہ کر رکھا تھا۔ وہ اتنا ذہین تھا کہ مدارس، چھاؤنی اور عدلیہ میں یکساں اہلیت کا حامل تھا۔ اُسے رومی تخت و تاج سے سرفراز کیا گیا۔ مگر جلد ہی اُسے جرمنی میں روانہ کر دیا گیا تاکہ وہاں پر ہونے والی بغاوت کو جلد فرو کر دے۔ اور بوہیمیا کے خلاف سلطنت کی افواج کی اسلحہ بندی کرے اور بدعت کو ختم کرے۔ لوگوں پر ظلم کرنا عیسائیوں کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ ایک مبلغ کے لیے فوجی پیشہ موزوں نہیں ہوتا۔ مگر امتدادِ زمانہ سے اوّل الذکر اُصول کو نظر انداز کر دیا گیا تھا مگر ثانی الذکر خود جولین کی حوصلہ مندی کا نتیجہ تھا۔ یہ اُس وقت بھی تنہا کھڑا رہا، جبکہ جرمن افواج انتہائی شرمناک حالات میں موقع سے فرار ہو چکی تھیں، پوپ کے سفیر کی حیثیت سے اس نے باسل کا کونسل خانہ کھولا۔ مگر اس ملک کے صدر نے جلد ہی کلیسائی آزادی کا مطالبہ کر دیا اور یوجینی اوس کے خلاف ایک شدید محاذ کھول دیا۔ اُس کے ضمیر کے بعض تقاضوں کی بنا پر اُس نے فرار کی راہ اختیار کر لی، اور وہ باسل سے فراراً چلا گیا۔ اور جب رومیوں اور یونانیوں کے مابین مباحثے کا آغاز ہوا تو

دونوں فریق اس کے استدلال کی فوقیت اور دینی علوم میں اس کی گہری واقفیت کے قائل ہو گئے۔ جب اس نے ہنگری میں سفارتی فرائض کا آغاز کیا، تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے اپنی فصاحت کے زور پر ایک شرارت آمیز رویہ اختیار کیا، جس کا پہلا شکار خود جولین ہی تھا۔ یہ کارڈینل تھا۔ مگر مبلغ ہونے کے علاوہ سپاہیانہ فرائض بھی ادا کرتا تھا اس کی موت کے حالات مختلف انداز میں بیان کیے جاتے ہیں۔ مگر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ سونا لے کر فرار ہوا تھا۔ اور بعض عیسائی مفروروں کو بھی اُس نے لالچ دیا تھا۔

جان ہونیادیس ایک ادنیٰ یا کم از کم ایک مشکوک خاندان سے تھا۔ لیکن وہ اپنی اہلیت کی بنیاد پر ہنگری کی افواج کا سپاہ سالار بن گیا۔ اس کا والد ایک ولاچی تھا مگر اُس کی ماں ایک یونانی تھی۔ اُس کی نسل کے متعلق کوئی درست علم نہیں مگر ممکن ہے کہ شاہانِ قسطنطنیہ سے اُس کا کوئی تعلق ہو اور ولاچی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اُن کا عرفی نام کورووی نوس ہے۔ اس کے رہائشی مقام سے یہ ہلکا سا احتمال ہوتا ہے کہ شاید اس کا تعلق قدیم شرفائے روم سے ہو، اپنی جوانی کے ایام میں یہ اٹلی کی جنگوں میں خدمات انجام دیتا رہا اور زغراب کے بشپ نے اسے اپنے بارہ سواروں کے ہمراہ اپنے پاس رکھ لیا۔ جلد ہی سفید مبارزین کی بہادری کی شہرت ہو گئی۔ اس نے اپنی دولت میں اضافے کے لیے ایک امیر خاندان میں شادی کر لی۔ ہنگری کی سرحدوں کے دفاع کے لیے اس نے ایک ہی سال میں تین جنگوں میں کامیاب حصہ لیا۔ اس کے اثر و رسوخ کے تحت پولینڈ کے لیڈس لاؤس نے ہنگری کا تاج بھی حاصل کر لیا۔ اس کی خدمات کے صلے میں اسے ٹرانسلوانیہ کے نواب کا خطاب عنایت کر دیا گیا اور اسی عہدے پر فائز بھی کر دیا گیا۔ ترکوں کے خلاف اولین صلیبی جنگوں میں اسے دو اہم کامیابیاں نصیب ہوئیں۔ اس لیے عوام اُس کی تباہی کو فراموش کر گئے جو وارنا کی شکست کی وجہ سے ان پر نازل ہوئی تھی۔ جس میں متعدد غلطیوں کا بھی ارتکاب کیا گیا تھا۔ آسٹریا کے لیڈس لاؤس کی کم عمری اور غیر حاضری کے دوران ہونیادیس بادشاہ کا اتالیق بن گیا۔ اور ہنگری کا سپہ سالارِ اعلیٰ اور گورنر کے عہدے پر فائز رہا۔ اگرچہ اس کے خلاف حسد کو خوف نے دبا دیا مگر اس کے بعد جو اس نے بارہ سال طویل حکومت کی، وہ اس کی حکمت عملی اور جنگی کامرانیوں ہی کا نتیجہ تھی۔ اس کے باوجود سفید مبارز دماغ کی بجائے ہاتھوں سے لڑتے تھے اور ان وحشی افراد کے سردار کی حیثیت سے، جو بے خوف حملہ کر دیتے تھے اور بلا شرم راہِ فرار اختیار کر لیتے تھے، یہ بھی زندگی بھر فتح اور فرار کی رومانیت ہی میں گرفتار رہا۔ ترک تو اس کا نام لے کر بچوں کو ڈرایا کرتے تھے۔ بالعموم اسے شیر ببر کے عرف سے موسوم کیا جاتا تھا۔ بعض لوگ اسے بدمعاش بھی کہتے تھے۔ اُن

کی نفرت ہی یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ اس کے مقام کے قائل تھے۔ جس حکومت پر یہ فائز تھا وہ اُن کی رسائی سے دور تھی، اور وہ اسے دلیر اور ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے۔ پھر انھیں یہ یقین ہوگیا کہ ہنگری کے ملک کا سربراہ مستقل طور پر گم ہوگیا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے آپ کو دفاعی جنگ تک محدود رکھتا، وارنا کی شکست کے چار سال بعد یہ بلغاریہ کے عین قلب میں پہنچ گیا اور کوسووا کے میدان میں عثمانی افواج کی قوت کو برداشت کرتا رہا۔ جس کی تعداد اس کے مقابلے میں چار گنا تھی۔ پھر اس نے تنہا ولاچیا کے جنگلات کے راستے فرار اختیار کیا تو اس پر دو ڈاکوؤں نے اچانک حملہ کر دیا۔ مگر جب وہ ایک سونے کی زنجیر کے لیے جھگڑ رہے تھے جو اس کے گلے میں لگی ہوئی تھی۔ اس نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے تلوار نکال لی اور ایک کو قتل کر دیا اور دوسرا خوف زدہ ہو کر بھاگ گیا۔ بہر حال اس کی موجودگی کی وجہ سے رعایا کے مصائب میں کمی آ گئی۔ مگر اس کی زندگی کا آخری اور سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے محمد ثانی کے حملوں کے خلاف بلغراد کا دفاع کیا۔ چالیس دن کے محاصرے کے بعد ترک جو شہر میں داخل ہو چکے تھے۔ وہ واپسی پر مجبور ہو گئے۔ جس پر قوم بہت خوش ہوئی اور بلغراد اور ہونیادیس کو عیسائیت کی علامت قرار دیا۔ آزادی کے اس عظیم کارنامے کے ایک ماہ بعد یہ بہادر شخص مر گیا اور اس کی موت کا سب سے بڑا ردِ عمل یہ تھا کہ ترک سلطان نے بھی اس کی موت کا افسوس کیا۔ اُس نے افسوس سے کہا کہ یہ ایک ایسا فرد تھا، جس کے خلاف اُسے انتقام کی ہوس رہ گئی۔ وہ اُس کی افواج کے خلاف فتوحات حاصل کرتا رہا۔ جب اس کا تخت خالی ہوا تو میتھیاس کوروی نوس، کو جو ایک اٹھارہ سالہ نوجوان تھا، شکر گزار اہالیان ہنگری نے تخت پر بٹھا دیا۔ اُس کی حکومت تا دیر قائم رہی جس میں رعایا خوشحال رہی۔ میتھیاس ایک فاتح اور درویش دونوں حیثیتوں میں کامیابی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مگر اُس کی مخصوص صفات یہ تھیں کہ وہ علم و فضل کی حوصلہ افزائی کرتا تھا، اس کا بیٹا اٹلی سے لاطینی مقررین اور مؤرخین کو بلاتا رہتا تھا، وہ اپنی فصاحت اور تقریروں کی وجہ سے اس کے باپ کا نام روشن کرتے۔

ابتدائی دور کے بہادر افراد میں ہونیادیس اور اسکندر بیگ کا نام مشترکہ طور پر شامل ہے۔ اور دونوں اس قابل ہیں کہ ہم ان کی طرف توجہ دیں۔ چونکہ یہ لوگ عثمانی افواج کے ساتھ مصروف رہے اس نے یونان کے بادشاہ کی تباہی میں قدرے تاخیر ہوگئی، اسکندر بیگ کا والد جان کاسٹری یوٹ، البانیہ کے ایک چھوٹے سے ضلعے کا وراثتی حکمران تھا جسے اپی رُوس بھی کہتے تھے۔ یہ علاقہ پہاڑیوں اور بحیرۂ ایڈریاٹک کے مابین واقع تھا۔ یہ مملکت اس قابل تو نہ تھی کہ سلطان کی قوت کا مقابلہ کر سکتی۔ اس لیے امن قائم رکھنے کے لیے یہ تاوان ادا

کرتے تھے۔ اپنی وفاداری کے ثبوت میں اس نے اپنے چار بیٹے بطور یرغمال دربار میں بھیج رکھے تھے، اور عیسائی بچوں کو ختنے کے بعد اسلامی علوم کی تعلیم سے بہرہ ور کیا جا رہا تھا اور ترکی حکمتِ عملی کے تحت انھیں فوجی تربیت بھی دی جا رہی تھی۔ تین بڑے بھائیوں کو تو غلاموں کی صف میں شامل کر لیا گیا تھا، لیکن اس روایت کی کسی معتبر ذریعے سے تصدیق نہیں ہو سکی کہ انھیں مہلک زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ مگر جارج کاسٹریوٹ کے ساتھ جو حسن سلوک روا رکھا گیا اس سے یہ شک دور ہو جاتا ہے۔ چھوٹا بچہ بچپن ہی سے بہت مضبوط جسم کا مالک تھا اور اس میں سپاہیانہ قوت بھی موجود تھی۔ اس کے بعد تاتاریوں اور ایرانیوں کی طرف سے بھی دو مسلسل حملے ہوئے اور حملہ آور ترکی کے قلب تک پہنچ گئے۔ یہ شخص مراد (عموراث) کی نظروں میں آ گیا اور اسے سکندر بیگ (یا اسکندر بیگ) کا ترک خطاب عطا کر دیا گیا۔ جو اس کی شان و شوکت اور غلامی کے دور کی یادگار کے طور پر رہ گیا۔ اس کے باپ کی مملکت کا درجہ کم کر کے ایک سنجاق بنا دیا گیا تھا، وہ پانچ ہزار سوار کا رسالہ رکھ سکتا تھا۔ اور اُس کا شمار سلطنت کے درجہ اوّل کے جاگیرداروں میں ہوتا تھا۔ وہ یورپ اور ایشیا کی جنگ میں پورے اعزاز سے لڑتا رہا اور سلطنت میں اسے خاصا اعزاز حاصل رہا۔ ہمیں اُن مؤرخین کی فن کاری پر ہنسی آتی ہے، جنھوں نے یہ فرض کر لیا کہ ہر مقابلے میں یہ عیسائیوں کو بچاتا رہا۔ جبکہ یہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں برق کی طرح ٹوٹ پڑتا تھا، ہونیادیس کی شان و شوکت میں کوئی کلام نہیں۔ وہ اپنے وطن اور مذہب کے دفاع میں لڑتا رہا۔ گروہ دشمن جو محبِ وطن افراد کی تعریف کرتے تھے وہ اپنے حریفوں کو غدار کافر کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔ عیسائیوں کی نظروں میں اسکندر بیگ کی بغاوت کی وجہ اس کے باپ کی غلطیاں ہیں اور اس کے تین بھائیوں کی مبہم موت اور اس کی اپنی تذلیل بھی تھی۔ اور خود اس کے اپنے ملک کی غلامی بھی اس کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ وہ اس کی اس بزدلی کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ اُس نے اپنے آباو اجداد کے مذہب کی تبلیغ شروع کر دی۔ مگر اُس نے نو سال کی عمر میں اسلام قبول کیا تھا۔ اُسے انجیل کے متعلق کچھ علم نہ تھا۔ فوجیوں کا مذہب اقتدار اور عادات کے زیر اثر پختگی اختیار کرتا ہے اور یہ سمجھنا بھی مشکل ہے کہ چالیس سال کی عمر میں اُس کے اندر کیا تبدیلی پیدا ہوئی۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُس نے انتقامی کارروائی کی یا وہ بعض شکوک کا شکار تھا۔ اگر اُس نے اپنے ماضی سے اپنے تعلقات منقطع کر لیے تو یقیناً اُس کے اسباب پر اُسے یقین تھا۔ مگر وہ طویل عرصے غیر حاضر رہا تھا۔ اس نے اُسے اپنے حقوق کا خیال بھی پیدا ہوا ہوگا۔ سلطان ہر سال اُسے انعامات عطا کرتا رہا تھا، اس لیے اُن دونوں کے مابین تعلقات بھی خاصے مضبوط ہوں گے۔ اسکندر بیگ طویل عرصے سے

عیسائیت پر عمل کر رہا تھا۔ وہ غلامی کی زندگی بسر کر رہا تھا، غالباً اس کا بھی اُسے شدید احساس ہوگا اور اُس نے یہی مناسب سمجھا ہوگا کہ وہ اپنے ہزاروں ناخوش اہلِ وطن کے ساتھ اُن کے مذہب میں بھی شامل ہو جائے۔ ہونیا دیس سے بھی اُس کے تعلقات تھے۔ جب وہ ترکی افواج کے ہراول دستے کا سپہ سالار تھا تو اُسے شکست ہوئی تھی۔ کیا ہم اسے غداری تسلیم کرلیں گے؟ کیا ہم کہیں گے کہ اُس نے اپنے محسن کی فوج کو اپنی رضامندی سے چھوڑ دیا۔ جب کہ شکست کی بدحواسی کا غلبہ تھا، تو اُس لمحے بھی اسکندر بیگ کی آنکھیں رئیس آفندی پر مرکوز تھیں۔ جو سلطان کا خاص مقرب تھا۔ اس نے اُس کے سینے پر خنجر رکھ کر البانیہ کی حکومت کے لیے فرمان حاصل کیا۔ اس کے ہمراہیوں نے اس کے فوری نتائج سے اس کو محفوظ کرلیا۔ اس سلسلے میں ایک بے گناہ شخص بھی قتل ہوگیا۔ اس نے اپنے چند بہادر ساتھیوں سے اس کی قبل از وقت منصوبہ بندی کر رکھی تھی۔ اُنھیں اپنے ہمراہ لے کر یہ رات کے اندھیرے میں فرار ہوگیا اور میدانِ جنگ سے اپنی آبائی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گیا۔ شاہی حکم کے تحت کرویا کے دروازے کھول دیے گئے، جونہی یہ جنگلات میں داخل ہوا، اس کے باپ نے بھی اسلام کا نقاب اُتار کر پھینک دیا اور سلطان کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا، اور کہا کہ وہ اپنے خاندان اور ملک کے ساتھ زیادتیوں کا انتقام لے گا۔ مذہب اور آزادی کے نام پر ایک عام بغاوت وجود میں آ گئی۔ البانوی ایک جنگجو قوم تھی۔ اُنھوں نے ارادہ کرلیا کہ وہ اپنے قدیم بادشاہ کے ساتھ زندہ رہیں گے یا جان دے دیں گے۔ اور ترک افواج کے ابس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ شہادت قبول کرلیں یا عیسائیت قبول کرلیں۔ اپی روس کی ریاست کی مجلس قانون ساز میں اسکندر بیگ کو ترکوں کے خلاف جنگ کا سپہ سالار منتخب کرلیا گیا اور غیر ممالک نے اسے افرادی اور مالی مدد مہیا کی۔ اسے اس کے موروثی علاقوں میں سے بھی مالی اشتراک حاصل ہوا۔ سیلینا کی نمک کی کانوں سے بھی اسے دو لاکھ ڈیوکا کا محصول حاصل ہوگیا اور تمام رقم صرف عوامی مفاد میں صرف کی گئی اور ہر قسم کی عیش و عشرت سے پرہیز کیا گیا۔ اس کا انداز عوام میں مقبول تھا اور اس کا نظم و ضبط بے مثال تھا۔ ہر نوع کی برائیوں کا معاشرے سے خاتمہ کر دیا گیا۔ اس کی چھاؤنیاں / پڑاؤ ہر قسم کے عیب سے پاک تھیں۔ اس کی ذاتی مثال کی بنا پر فوج میں اس کے احکام کی تعمیل کی جاتی تھی۔ اس کے کردار کی وجہ سے البانوی اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر سمجھنے لگے اور دشمن بھی اس کا اعتراف کرنے لگے۔ جرمنی اور فرانس کے متعدد جنگجو اس کی شہرت سے متاثر ہو کر اس کی افواج میں شامل ہونے لگے۔ اس کی بے قاعدہ فوج میں سات ہزار سوار اور آٹھ ہزار پیدل فوج کے سپاہی شامل تھے۔ اس کے گھوڑے کوتاہ قد تھے اور اس کے فوجی انتہائی فعال

تھے، مگر احتیاط سے اپنی مشکلات اور پہاڑی ذرائع کا خیال رکھتا۔ اور جب کبھی پہاڑوں پر آگ لگ جاتی تو پوری قوم کو ساحلی علاقوں میں منتقل ہونا پڑتا، تمام قوم کو مضبوط چوکیوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا، سب کے پاس اسلحہ کی مقدار مساوی نہ تھی۔ اسکندر بیگ عثمانی ترکوں کی قوت کی تیس سال تک مزاحمت کرتا رہا اور دو سلطان مراد ثانی (عموراث) اور اُس کا بیٹا بڑی قوت کے ساتھ اس کے تعاقب میں مصروف رہے مگر یہ ہمیشہ طرح دے جاتا۔ مراد نے ساٹھ ہزار رسالے کے سوار اور چالیس ہزار ینی چری افواج کے پیدل دستے اپنے ہمراہ لیے۔ اُس نے کھلے میدانوں کو تاراج کر دیا۔ اور ایسے تمام شہروں پر قبضہ کرلیا جن کے پاس دفاع کے لیے کوئی سامان نہ تھا۔ آبادی میں دوبارہ اسلام پھیلایا اور بہت سے گرجا گھروں کو مساجد میں تبدیل کر دیا۔ عیسائی بچوں کے ختنے کیے گئے اور جن بالغ افراد نے مزاحمت کی اُن کو موت کی سزا دی گئی۔ مگر سلطان کی فتوحات میدانی علاقوں کے چند قلعوں تک محدود رہی جن میں سفیٹی گریڈ کا قلعہ بھی شامل تھا، مگر اوہام پرستوں کے دستے پہاڑوں سے نکل کر نقل و حرکت کرتے رہتے۔ بالآخر مراد نے کرویا کا محاصرہ اُٹھالیا اور واپسی کا ارادہ کرلیا۔ کاسٹریوٹوں کا قلعہ اور محل بازیاب کر دیا۔ راستے میں گوریلے اُس کی افواج کو تنگ کرتے رہے۔ اگرچہ وہ سامنے کہیں نظر نہ آتے تھے۔ اس قدر تلخی پیدا ہوئی کہ سلطان کی صحت پر بُرے اثرات مرتب ہوئے ممکن ہے کہ اس وجہ سے اُس کی زندگی میں کمی واقع ہوگئی ہو۔ محمد ثانی اگرچہ اپنے اقتدار کی معراج پر تھا لیکن اُسے بعض داخلی مشکلات کا احساس تھا، اُس نے اپنے نائبین سے کہا کہ وہ کسی معاہدے کے لیے گفت و شنید کریں، لیکن البانوی بادشاہ نے اپنے قومی مفاد کا خیال رکھا، اور اپنی آزادی کا کوئی سودا نہیں کیا۔ اس کی بہادری اور مذہبی جوش و خروش نے اس کا نام اسکندر اور پائرُوس (Pyrrhus) کے ساتھ یادگار کے طور پر قائم رکھا۔ وہ اس پر بھی شرمندہ نہیں کہ اُس کے ملک کی بیشتر آبادی کا نقصان ہوگا، مگر اس کا ملک اس قدر چھوٹا اور ذرائع اتنے محدود تھے کہ اُس کا مقابلہ ماضی کے مشہور فاتحین سے نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ایسے لوگ تھے کہ اُنھوں نے تمام رومی اور مشرقی خطوں کو فتح کرلیا تھا، اس کی فتوحات میں وہ پاشا شامل ہیں جس کا اس وقت مقابلہ ہوتا رہا۔ اس نے صرف اپنے ہاتھوں سے تین ہزار ترکوں کو قتل کیا۔ یہ بات مبالغہ آرائی سے خالی نہیں اور اس کی بجا طور پر تردید کی جاسکتی ہے۔ بعض جانبدار مؤرخین اس نوع کی رومانی داستانیں پھیلاتے رہتے ہیں۔ اٹلی کی تاریخ میں اس نوعیت کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ جب مبالغہ آرائی بھی اپنی حد سے بڑھ جاتی ہے تو وہ خود اپنے دعوؤں کی تردید کر دیتی ہے۔ جب یہ نیپلز کے بادشاہ کے لیے کمک لے کر آٹھ ہزار گھوڑوں کے ساتھ ایڈریاٹک کے پار

اُنزا،تو ب یہ محسوس کر رہے تھے کہ یہ عثمانی قوت کے مقابلے میں سخت دباؤ میں ہے۔اس نے پاپائے (روم) پائیس دوم سے درخواست کی کہ اسے اپنے علاقے میں پناہ دی جائے۔اس کے ذرائع بالکل ختم ہو چکے تھے۔ اسکندر بیگ ایک مفرور کی حیثیت سے لائی سوس کے مقام پر فوت ہوگیا۔جو وینس کے علاقے میں واقع ہے۔ ترک فاتحین نے جلد ہی اس کی قبر بھی تباہ کردی۔مگر ینی چری جو اس کے چیٹی بند بھائی تھے اُنھوں نے ازراہِ احترام اس کی قبر کا تعویذ بحال کردیا۔اس کے ساتھ ہی اس کا ملک بھی تباہ ہوگیا۔اس سے بھی اس کی عظمت کا ثبوت ملتا ہے۔اگر یہ مزاحمت اور اطاعت میں توازن پیدا کرسکتا تو ایک محبِ وطن کی حیثیت سے ملک کو اُن مصائب سے بچا سکتا تھا۔ جو اس کے بعد نمودار ہوئے۔ کیونکہ کوئی فردِ واحد کسی ملک کی بہبود کے لیے دائمی ضمانت فراہم نہیں کرسکتا۔اس نے بلاوجہ یہ اُمید قائم کرلی تھی کہ پوپ، نیپلز کا بادشاہ اور جمہوریہ وینس مل کر ایک عیسائی حکومت کی مدد کریں گے۔اُس کا ملک ایڈریاٹک کے ساحلوں کی حفاظت کرتا تھا اور وہ تنگ پٹی جو یونان اور اٹلی میں راستہ فراہم کرتی تھی۔اس ملک کے قبضے میں تھی۔قومی بیڑے کی تباہی میں اس کے نابالغ بیٹے کو بچالیا گیا۔کاسٹریوٹ کے خاندان کو ایک چھوٹی سی جاگیر مہیا کردی تھی، اور تا حال اس ملک میں ان کے شریف خاندان کا خون موجود ہے۔البانوی مفروروں کی ایک نوآبادی کالابریہ میں موجود ہے اور آج تک یہ لوگ اپنے آباواجداد کی زبان اور اسلوب حیات کی حفاظت کررہے ہیں۔

رومی سلطنت کے انحطاط وزوال میں طویل عرصہ لگ گیا اب میں ایسے مقام پر پہنچ گیا ہوں کہ قسطنطنیہ کے آخری شہنشاہوں کا ذکر کیا جائے۔انھوں نے اپنی کمزورترین حالت میں بھی قیصران کی شان وشوکت اور نام کو قائم رکھا۔جان پلائیولوگوس کی جب موت واقع ہوئی تو وہ چار سال تک حکومت کرچکا تھا۔اسی موقع پر ہنگری میں صلیبی جنگ شروع ہوگئی۔اینڈرونی کوس کی موت پر شاہی خاندان نے اسیڈور کا رہبانیت کا پیشہ اختیار کرلیا اور صرف تین شہزادے باقی رہ گئے۔جن کا نام قسطنطین، ڈیمطری اُوس، اور تھامس تھے۔یہ تینوں مینوأل کے وہ بیٹے تھے، جو زندہ رہ گئے۔پہلا اور تیسرا شہزادہ دارالحکومت سے بہت دور موریہ کے مقام پر مقیم تھے۔مگر ڈیمطری اوس جو سلیمبریا کا حکمران تھا، قرب وجوار ہی میں تھا اور اس کے حمایتیوں کی ایک جماعت بھی اس کے ہمراہ تھی، اُسے اس کے باوجود کہ عوام کی حالت بہت خراب تھی اس کی حبِ اقتدار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔اس نے ترکوں کے ساتھ مل کر سازش کی۔بدبختیوں کی تفرقہ بازی نے اس کے ملک کا امن پہلے ہی سے تباہ کررکھا تھا۔سابقہ بادشاہ کے جنازے اور دفن کی رسوم جلد بازی اور مشکوک حالات میں ادا کی گئیں۔ڈیمطری اُوس

کے شاہی تخت کا مطالبے کو ایک اجلاس اور ناقص دلائل کی بنیاد پر جواز فراہم کردیا گیا اور یہ کہ وہ ایک شاہی خاندان میں پیدا ہوا تھا اور اپنے باپ کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔مگر مادرِ ملکہ، مجلس قانون ساز، افواج، مذہبی حلقے اور عوام اس معاملے میں متفق تھے کہ حسب قانون مستحق جانشین کو اس کا حق ملنا چاہیے اور مطلق العنان تھامس، جو ان تمام حالات سے بے خبر تھا اور اُسے مذکورہ تبدیلیوں کا بھی کوئی علم نہ تھا، حادثاتی طور پر دارالحکومت پہنچ گیا اور اپنے غیر حاضر بھائی کے حقوق کی وکالت کرنے لگا۔ایک سفیر مؤرخ فرانزا کو فوری طور پر ہیڈریانوپل کے دربار میں روانہ کیا گیا۔مراد نے اس کا احترام سے استقبال کیا اور واپسی سے قبل اُسے تحائف بھی عطا کیے۔مگر اس کے ساتھ ہی سلطان نے اپنی برتری اور مشرقی سلطنت کے زوال کا بھی اعلان کردیا۔دو نائبین نے سپارٹا کے مقام پر تاج شاہی قسطنطین کے سر پر رکھ دیا۔موسم بہار میں وہ موریہ سے جہاز پر سوار ہوا، ترکی دستوں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوا، اُس کی رعایا نے اس کے حق میں مظاہرے کیے، جن سے وہ بہت لطف اندوز ہوا، اور نئی حکومت کی جشن منایا۔اور لوگوں کو انعام واکرام دے دے کر شاہی خزانہ ختم کردیا گیا۔دوسرے الفاظ میں حکومت بالکل مفلس ہوگئی۔اس بادشاہ نے فوری اقدام کے طور پر موریہ حکومت اپنے بھائیوں کے حوالے کر دی، اور اس طرح دونوں شہزادوں کی نازک دوستی حاصل کرنے کی کوشش کی۔تھامس اپنی ماں کے پاس موجود تھا، جہاں اُسے وہ تحفظ بھی حاصل تھا، جو حلفاً مہیا کیا گیا تھا اور ماں کی شفقت اور محبت کی دولت بھی حاصل تھی۔اُس کا دوسرا فرض یہ تھا کہ وہ اپنی شریکِ حیات کا انتخاب کرلے۔وینس کے بادشاہ کی ایک بیٹی کی تجویز پیش کی گئی، مگر بازنطینی شرفا نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ ایک خاندانی بادشاہ اور منتخب حکمران میں بہت فرق ہے۔دوسری طرف منتخب حکومت کا رہنما بھی اس شاہی خاندان کی امکانی تباہی سے غافل نہ تھا۔قسطنطین نے اس کے بعد طریبی زونڈ اور جارجیا کے حکمران خاندان کے بھی کئی چکر کاٹے۔فرانزا کی سفارت کاری کی روئیداد میں آخری شہنشاہوں کی خستہ حالی کی بہت مفصل تاریخ بیان کی گئی ہے۔

فرانزا محل کا عظیم مہتمم توشہ خانہ تھا۔دولھا کے وزیر کی حیثیت سے قسطنطنیہ سے جہاز پر سوار ہوا اور اس سفر کے دوران اُس نے محل کی دولت اور شان وشوکت کا زور وشور سے مظاہرہ کیا۔اس کے ہمراہ شرفا، محافظین، اطبا، اور راہبوں کی بھی خاصی تعداد تھی۔اس کے ہمراہ موسیقاروں کا بھی ایک طائفہ تھا۔اس کی سفارت میں طے کی جانے والی شرائط پر دو سال لگ گئے۔اور اس پر بہت زیادہ اخراجات برداشت کرنے پڑے۔جب یہ جارجیا یا آئبیریا پہنچے، تو اجنبی مہمانوں کے گرد قصبوں اور دیہات کے عوام کا ایک مجمع اکٹھا

ہوگیا۔ وہ لوگ اتنے سادہ مزاج تھے کہ وہ اس کوشش پر بہت خوش ہوئے اگرچہ انھیں ان کے مضمر مقاصد کا کوئی علم نہ تھا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ اس گروہ کے ہمراہ موسیقاروں کے دستے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔ اس مجمع میں ایک بوڑھا شخص بھی شامل تھا۔ جس کی عمر سو سال سے زائد تھی، کسی زمانے میں اُسے کسی وحشی قبیلے کے فوجیوں نے گرفتار کرلیا تھا۔ وہ اپنی ڈاڑھی ہلا ہلا کر لوگوں کو ہندوستان کے متعلق کہانیاں سنا تا رہتا تھا۔ وہاں سے وہ پرتگال واپس آیا تھا، مگر وہ اُس سمندر کے نام سے بے خبر تھا، جس میں اُس نے سفر کیا تھا۔ فرانزا اس مہمان نواز ملک سے طربی زونڈ کے دریا کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہیں پر اسے یونانی بادشاہ کی طرف سے اطلاع ملی کہ مراد (عموراث) کا حال ہی میں انتقال ہوگیا ہے۔ مؤرخ اس خبر سے خوش نہیں ہوا، بلکہ اُسے خطرہ محسوس ہوا کہ نوجوان ولی عہد یونانی دربار سے وہ رعایت نہیں کرے گا جو ایک بزرگ مردِ ضعیف کی طرف سے ہوتی رہی ہے، سلطان کی وفات کے بعد اُس کی عیسائی بیوی ماریہ کو یہ اجازت مل گئی کہ وہ اپنے والد بادشاہ سرویا کے پاس پورے اعزاز کے ساتھ منتقل ہو جائے۔ اُس کے حسن اور اخلاق کی بڑی شہرت تھی۔ اُسے شاہی احترام کے ساتھ اُس کے ماں باپ کے گھر میں منتقل کر دیا گیا۔ اُس کے متعلق بھی سفیر نے سفارش کی تھی کہ وہ یونانی بادشاہ کی شریک حیات بننے کی اہل ہے۔ اور فرانزا اُن متوقع اعتراضات کے خلاف دفاع بھی کرتا ہے جو اس کی اس تجویز پر اُٹھائے جاسکتے تھے مگر دربار کی طرف سے اس انتخاب کو غیر مساوی قرار دیا گیا۔ باقی اعتراضات کو خیرات اور کلیسا کی رضامندی سے دور کیا جاسکتا تھا۔ اس عمل سے ترکی دربار میں جو گستاخی سمجھی جا سکتی تھی اُسے بار بار نظر انداز کر دیا گیا۔ حالانکہ یہ امر خود یونانیوں کے لیے بھی قابل اعتراض ہوسکتا تھا اگرچہ خوبصورت ماریہ کی عمر اب پچاس سال کے قریب تھی مگر پھر بھی اُمید کی جارہی تھی کہ اُس سے سلطنت کو ایک جائز وارث متولد ہوسکے گا۔ قسطنطین نے اس مشورے کو غور سے سنا، طربی زونڈ سے جو پہلا جہاز قسطنطنیہ پہنچا تھا وہ یہ تجویز بھی لے آیا تھا، مگر دربار میں موجود ایک گروہ نے اس کی مخالفت کی۔ بالآخر سلطان کی طرف سے ایک حتمی انتباہ کے بعد اس تجویز کو ختم کر دیا گیا۔ اُس نے اپنی باقی زندگی ایک راہبہ کی حیثیت سے بسر کر دی۔ لہٰذا اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ جارجیا کی شہزادی کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے۔ اور اُس کا باپ بھی اس شاندار اتحاد پر بہت خوش ہوا۔ اُس قدیم زمانے میں دستور تھا کہ لڑکیوں کی قیمت طلب کی جاتی تھی مگر شہزادی کے والد نے اپنی چھپن ہزار ڈیوکٹ کے وظیفے میں سے پانچ ہزار ڈیوکٹ ادا کرنے کا وعدہ کرلیا اور سفیر کو یہ یقین دہانی کرادی گئی کہ اُس کے بیٹے کو بادشاہ اپنا متبنیٰ بنالے گا اور اس کی بیٹی کی پرورش بھی بلکہ یونان کی

خصوصی نگرانی میں ہوگی۔ فرانزا کی واپسی پر شاہ یونان نے اس معاہدے کی توثیق کر دی۔ بادشاہ نے طلائی بیل کے گلے میں تین صلیبیں ڈال دیں اور جارجیا کے سفیر کو ہدایت کی کہ آئندہ موسم بہار میں اُس کے بحری جہاز میں دلہن کو دارالحکومت میں لے آئیں گے۔ اور وہ شاہی محل میں داخل ہو جائے گی۔ مگر قسطنطین اپنے وفادار ملازم سے بغل گیر ہوا اور اُسے اپنا دوست بنالیا۔ اور اُس کی طرف سے کبھی بھی شاہانہ عدم توجہ کا مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ طویل عرصہ غیر حاضر رہنے کی وجہ سے بے صبر ہو رہا تھا کہ جو کچھ اُس کے دل میں ہے وہ اپنے دوست کے گوش گزار کر دیتے۔ ''جب سے میری والدہ اور قنطاقوزین فوت ہوئے ہیں، بغیر کسی مفاد، ضرورت یا لالچ کے میری رہنمائی کرتے تھے۔ میں اب تنہا رہ گیا ہوں۔'' بادشاہ نے مزید کہا کہ اب میں ایسے افراد کے گھیرے میں آ گیا ہوں، جن سے نہ تو مجھے محبت ہے اور نہ اُن پر اعتماد ہے۔ اور نہ میں اُن کی عزت کرتا ہوں۔ تم لوقاس نوطراس سے ناواقف نہیں ہو۔ وہ بڑا امیر البحر بنا پھرتا ہے۔ وہ گستاخانہ انداز میں اپنے تمام جذبات میرے سر منڈھ دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اُس کے تمام عواطف میرے خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں اور میرے اعمال ہی کا نتیجہ ہیں۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں اپنی شادی اور حکمت عملی کے متعلق راہبوں سے صلاح لوں! مجھے تم پر اعتبار ہے، تم محنتی اور ذہین ہو، میں نے متعدد کام تمھارے حوالے کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ موسم بہار میں تم میرے ایک بھائی کو اس کام پر لگاؤ گے کہ وہ اہلِ مغرب سے مدد طلب کرے۔ تم موریہ سے ایک خاص مقصد کے لیے قبرص جاؤ گے۔ وہاں سے تمھیں جارجیا جانا ہوگا تا کہ مستقبل کی ملکہ کو اپنے ہمراہ لاؤ۔ فرانزا نے عرض کیا کہ آپ کے احکام کی روگردانی نہیں کی جاسکتی۔ مگر جناب والا! اس پر تو غور فرمائیں کہ اگر میں اپنے خاندان سے مستقل طور پر جدا رہوں تو۔'' اب وہ ذرا سنجیدگی سے مسکرایا۔ ''تو میری بیوی کے دل میں خواہش پیدا ہوگی کہ وہ نیا خاوند تلاش کر لے یا وہ کسی خانقاہ میں جا کر مستقل پناہ حاصل کر لے۔ اُس کے ان احتمالات پر بادشاہ ہنس پڑا، اور مہربانی سے اُسے یقین دلاتے ہوئے، تسلی دی۔ بیرون ملک یہ اُس کی آخری خدمت ہوگی، اور اس کے بعد تم اپنے بیٹے کے لیے یہ شریفانہ پیشہ بطور وراثت منتقل کرو گے اور خود تمھاری ذات کے لیے کوئی بڑا سیاسی عہدہ مخصوص کر دیا جائے گا۔ یا تمھیں وزیر اعظم بنا دیا جائے گا۔ شادی کا انتظام تو جلدی میں طے کرلیا گیا۔ مگر اُس کا معاشرتی مقام یا رُتبہ اُس کے شایان شان نہ رہا تھا۔ وہ تو امیر البحر کی حب جاہ کی نذر ہو چکا تھا یا اُس نے غصب کرلیا تھا۔ اب کسی مساوی حیثیت کے خاندان سے صلاح مشورے کے لیے چنداں تاخیر کی ضرورت نہ تھی اور فرانزا کی نامزدگی کا نصف اعلان ہو چکا تھا اور باقی نصف روک لیا گیا تھا کیونکہ خیال یہ تھا کہ

طاقتور پسندیدہ شخصیت بھی ناراض نہ ہو جائے۔ سردیاں تو سفارت کو ترتیب دیتے گزر گئیں اور فرانزا نے فیصلہ کر لیا کہ اب اُس کا نوجوان بیٹا بیرونِ ملک سفر پر روانہ ہو اور وہ اپنے ننھیال کے ساتھ جو موریہ میں مقیم تھے، خطرات کا سامنا کرے۔ انفرادی اور اجتماعی منصوبہ بندی کی صورت کچھ اسی طرح کی تھی مگر ترکی سے ایک جنگ شروع ہو گئی، جس سے تمام تجاویز تعطل کا شکار ہو گئیں اور آخر کار سلطنت کی تباہی کے ساتھ ہی کھنڈرات میں دفن ہو گئیں۔
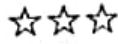
(۶۸)

محمد ثانی کا عہد اور کردار — ترکوں کی طرف سے قسطنطنیہ کا محاصرہ، حملہ اور حتمی فتح — قسطنطین پلائیولوگوس کی موت — یونانیوں کی غلامی۔ مشرقی رومی سلطنت کا خاتمہ — یورپ کا استعجاب — محمد ثانی کی فتوحات اور موت — بلند عزائم۔

محمد ثانی کا عہد اور کردار — ترکوں کی طرف سے قسطنطنیہ کا محاصرہ، حملہ اور حتمی فتح — قسطنطین پلا ئیولوگوس کی موت — یونانیوں کی غلامی۔ مشرقی رومی سلطنت کا خاتمہ — یورپ کا استعجاب — محمد ثانی کی فتوحات اور موت — بلند عزائم۔

ترکوں کا قسطنطنیہ کا محاصرہ ہماری توجہ سلطان محمد ثانی کی شخصیت اور کردار کی طرف مبذول کراتا ہے۔ وہ ایک عظیم تباہ کن شخصیت کا مالک تھا۔ محمد ثانی، مراد دوم کا بیٹا تھا۔ اگر چہ اس کی والدہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک عیسائی شہزادی تھی۔ مگر زیادہ احتمال یہ ہے کہ وہ بھی ان کنیزوں میں سے ایک تھی، جن کا سلطان کے حرم میں ایک انبوہ تھا، اور ان کا تعلق مختلف ممالک سے تھا۔ اس کی ابتدائی تعلیم اور جذبات ایک راسخ العقیدہ صحیح مسلمان کے سے تھے۔ وہ جب بھی کسی کافر سے ملاقات کرتا، تو اس کے بعد وضو کر کے اپنے ہاتھ اور منہ پاک کرتا۔ عمر کے بڑھنے اور سلطنت میں وسعت کے بعد اس میں اس قدر شدت نہ رہی تھی۔ اس کا اولوالعزم مزاج ایک برتر قوت کو تسلیم کرنے لگا تھا۔ جو سب کا خالق اور مالک ہے (اس پر الزام عائد کیا جاتا ہے) کہ وہ اپنے خالی اوقات میں جناب رسالت مآبؐ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوتا تھا۔ (یہ الزام قطعاً غلط اور شر انگیز ہے) حالانکہ سلطان اسلام اور قرآن کی تعلیمات پر سختی سے عمل کرتا تھا۔ اور اسلامی نظم وضبط کی پابندی کرتا تھا۔ جو کچھ بھی اس کی نجی زندگی کے متعلق الزام تراشی کی گئی ہے، یا جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے اسے ایسے کہتے سنا ہے، خود اس کے اپنے کان ناپاک ہوں گے۔ ہمیں اجنبی اور فرقہ پرست مشکوک راویوں پر اعتماد کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ ایسا گندہ ذہن جو اس قسم کی الزام تراشی کر سکتا ہے، وہ غلط کار ہے اور اس سے نفرت کرنی چاہیے۔ محمد ثانی کی تعلیم ماہر اساتذہ کی زیر نگرانی ہوئی تھی۔ یہ بہت چھوٹی عمر میں حصول علم کے راستے پر چل نکلا تھا۔ اور کافی ترقی کر لی تھی۔ یہ امر مصدقہ ہے کہ وہ اپنی مادری زبان کے علاوہ عربی، فارسی، کلدانی یا عبرانی، لاطینی اور یونانی بھی بول اور سمجھ لیتا تھا۔ فارسی سے تو فی الحقیقت وہ بہت لطف اندوز ہوتا تھا۔ اور عربی تو اس کی روحانی غذا تھی اور مشرقی نوجوانوں میں عربی اور فارسی کا علم عام ہے اور اس میں وہ بخوبی گفتگو کر سکتے ہیں۔ یونانی اور ترک یقیناً ان افراد سے گفتگو بھی کرنا چاہتے ہوں گے جن پر انھیں حکومت کی خواہش

تھی۔ نظم ونثر کے وہ قصائد جو اس کی شان میں لاطینی نظم ونثر میں کہے گئے تھے، ضرور اس کے کانوں میں پڑے ہوں گے۔ مگر اپنے عبرانی غلاموں کے ناپختہ کلام سے اسے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی۔ دنیا کی تاریخ اور جغرافیہ اس کے ذہن میں محفوظ تھے۔ مشرق اور مغرب کے ابطال کی زندگیاں یقیناً اس کے مزاج میں جوش پیدا کرتی ہوں گی۔ وہ علم نجوم میں بھی مہارت رکھتا تھا اور ریاضی کی مبادیات سے بھی آشنا تھا۔ وہ اٹلی کے مصوروں کو بلاتا رہتا تھا۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ اسے فنون لطیفہ سے بھی دلچسپی تھی۔ انھیں انعام واکرام بھی دیتا رہتا تھا لیکن مذہب اور علوم وفنون کا اس کے جنگجو نہ مزاج پر کوئی اثر نہ تھا۔ میں ان حکایات پر اعتماد نہیں کرتا جو وہ چودہ صفحات پر پھیلا کر تحریر کرتا تھا، جن میں ایسے مضامین نہیں ہیں کہ بعض ممالک میں ایک چوری شدہ تربوزہ کی تلاش میں لوگوں کے پیٹ پھاڑ دیے جاتے تھے۔ یہ محض افسانہ طرازی ہوسکتی ہے یا ایک کنیز کی داستان بیان کرتا ہے، جس کا سر اس نے اس کے جسم سے کاٹ کر علیحدہ کردیا تھا۔ وہ ینی چری کو یہ یقین دلانا چاہتا تھا کہ ان کا آقا محبت کے جذبات سے عاری ہے۔ ترکی روایات میں اس کی سنجیدگی کی تصدیق کی جاتی ہے۔ جو صرف تین افراد پر الزام عائد کرتے ہیں۔ عثمانی نسل شراب نوشی کی برائی میں مبتلا تھی۔ مگر کوئی شخص اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ اس کے جذبات وحشیانہ اور سنگدلی پر مبنی ہیں۔ محل میں یا میدانِ جنگ میں معمولی سے غصے پر اس نے خون کا سیلاب بہادیا۔ اور اس نے متعدد نوعمر قیدیوں سے ناجائز خلافِ فطرت فعل کیا ہے۔ اس طرح اپنی ناپاک خواہش کی تکمیل کے لیے ان کی بے عزتی کی ہے۔ اس نے جنگِ البانیہ سے سبق سیکھا تھا اور اس کے بعد یہ اپنے باپ سے بھی آگے نکل گیا اور دو حکومتوں پر فتح حاصل کی۔ بارہ حکومتیں اور دو سو شہر تباہ کیے۔ وہ بلاشبہ ایک سپاہی تھی، لیکن اس کے متعلق جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ مبالغہ آرائی کے بغیر نہیں۔ وہ سپاہی ہونے کے علاوہ ایک جرنیل بھی ہوسکتا ہے، مگر قسطنطنیہ نے اس کی شان وشوکت پر مہر لگادی ہے۔ اگر ہم ذرائع، مشکلات اور کامیابیوں کا موازنہ کریں، تو محمد ثانی کا تیمور یا اسکندرِ اعظم سے موازنہ کرنا پڑے گا۔ اس کے پاس افواج کی تعداد اپنے دشمنوں کے مقابلے میں ہمیشہ زیادہ ہوتی تھی۔ پھر بھی وہ فرات اور ایڈریاٹک سے کبھی آگے نہیں نکل سکے۔ اس کی افواج کو ہونیادیس نے روک لیا تھا۔ اسکندر بیگ اور رہوڈیا کے مبارزین نے بھی خوب دفاع کیا۔ اور شاہِ فارس نے بھی کھل کر مقابلہ کیا۔

مراد ثانی (عموراث) کے دورِ حکومت میں، وہ دو دفعہ تخت نشین ہوا۔ اور دونوں دفعہ اپنی مرضی سے تخت سے دست بردار ہوا۔ چونکہ ولی عہد ابھی کم عمر تھا، اس لیے بار بار اسے تخت پر واپس آنا پڑا۔ اس کی شادی

ایک ترکمان امیر کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ اور دو ماہ جشن منانے کے بعد وہ اپنی بیگم کو ساتھ لے کر ہیڈریانوپل سے میگنیشیا میں منتقل ہوگیا جہاں دارالحکومت تھا۔ چھ ہفتے گزرنے سے قبل اسے دیوان کی طرف سے فوری پیغام ملا، جس میں مراد ثانی (عموراث) کی موت کی اطلاع فراہم کی گئی تھی۔ اور یہ بھی پتا چلا کہ ینی چری میں بغاوت کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ اس نے برق رفتاری اور پوری قوت سے کارروائی کی اور فوج کو اطاعت پر مجبور کردیا۔ اس نے منتخب محافظین کو ساتھ لے کر دردانیال عبور کرلیا۔ اور جب وہ ہیڈریانوپل سے مساوی فاصلے پر پہنچے، تو وزیر، امیر، امام، قاضی، افواج اور عوام سب اس کے سامنے لیٹ گئے اور رونا شروع کردیا، انھوں نے کہا کہ آپ نے اکیس سال کی عمر میں تختِ سلطنت سنبھال لیا اس پر ہم سب بہت خوش ہوئے، آپ نے افواج کی بغاوت کو کچل دیا۔ مگر اس میں آپ کے کم عمر بھائیوں کی موت واقع ہوگئی۔ موت اگرچہ ناگزیر ہے، اس لیے کوئی شکایت نہیں کرسکتا۔ اس کے جلد بعد یورپ اور ایشیا کے سفیر اسے مبارک باد دینے کے لیے حاضر خدمت ہوئے۔ ہر ایک نے اپنی حکومت کی طرف سے دوستی کی خواہش کا اظہار کیا۔ اور ہر ایک کے ساتھ اس نے انکساری اور امن کی ضرورت کا اظہار کیا۔ یونان کے بادشاہ کا اعتماد بحال ہوگیا کیونکہ اس نے اپنے والد کی طرف سے کیے گئے معاہدوں پر اپنی توثیق کی بھی مہر ثبت کردی اور سٹرائی مون کی وادی کی زرخیز زمین تین لاکھ آسپر (Asper) سالانہ کے حساب سے کرایہ پر دے دی۔ اور ایک عثمانی شہزادے کا وظیفہ بھی منظور کرلیا، جو اس کی اپنی خواہش پر بازنطینی دربار میں روک لیا گیا تھا۔ مگر جس سختی سے اس نے اپنے والد کے محلاتی معاملات کی نگرانی کی، اس کے باعث اس کے اکثر ہمسایہ ممالک خوف زدہ ہوگئے۔ جن کی خواہش تھی کہ انھیں عیش وعشرت کا موقع فراہم کیا گیا۔ سات ہزار باز کے شکاریوں کو یا تو ملازمت سے فارغ کردیا گیا یا انھیں باقاعدہ فوج میں بھرتی کرلیا گیا۔ اپنے عہدِ حکومت کے پہلے موسم گرما میں، اس نے فوج کے ہمراہ ایشیائی ممالک کا دورہ کیا۔

جب کرامانیوں کا غرور ختم ہوگیا تو محمد ثانی نے ان کی اطاعت گزاری کو قبول کرلیا۔ کیونکہ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اپنی منصوبہ بندی سے ان چھوٹی چھوٹی شکایتوں کی وجہ سے غافل ہوجائے۔

مسلمان اور بالخصوص ترک اس پر اعتقاد رکھتے تھے کہ اسلام کی مصلحتوں کے خلاف کسی قسم کا وعدہ نہیں کیا جاسکتا اور کوئی ایسے معاہدے موجود ہوں تو سلطان اپنے اور اپنے پیشرو سلاطین کی طرف سے کیے گئے معاہدوں کو منسوخ کرسکتا ہے۔ مگر مراد ثانی کی انصاف پسندی سے بعض طبقات کو اختلاف پیدا ہوگیا تھا۔ اس

کی غیر اخلاقی صوابدید سے انھیں اتفاق نہ تھا۔ مگر اس کا بیٹا اگرچہ اس دور کا سب سے زیادہ مفتخر شخص تھا، وہ ان معاہدات کی خلاف ورزی کو ایک نوع کی دھوکا دہی اور فریب کاری قرار دیتا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہمیشہ امن کا ذکر رہتا تھا۔ مگر وہ دل سے جنگ پر عمل پیرا ہونا چاہتا تھا۔ قسطنطنیہ پر قبضے کے لیے وہ ٹھنڈی آہیں بھرتا تھا اور یونانیوں نے اپنی حماقت کی وجہ سے خود ہی اس کا موقع فراہم کر دیا۔ بجائے اس کے کہ وہ اس معاملے کو فراموش کر دیتے اس کے سفیروں نے اپنا سالانہ وظیفہ طلب کرنے بلکہ اس میں اضافے کے لیے اصرار شروع کر دیا۔ ان کی شکایات کو دیوان میں پذیرائی حاصل نہ ہو سکی اور وزیر جو عیسائیوں کا در پردہ دوست تھا، اس نے اپنے بھائیوں کی حمایت شروع کر دی۔ "اے احمق اور بد بخت رومیو!" خلیل نے کہا۔ "ہم تمہاری تدبیروں سے واقف ہیں، مگر تم خود اپنے خطرات سے بے خبر ہو! ۔ فیاض مراد (عموراث) اب ہم میں موجود نہیں۔ اس کے تخت پر اب ایک نوجوان فاتح قابض ہے۔ جو کسی قانون کا پابند نہیں اور کوئی مشکل اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ اگر تم اس کے ہاتھ سے بچ نکلو! تو خدا کے رحم و کرم کا شکریہ ادا کرو۔ کیونکہ وہ ابھی تک تمہارے گناہوں کو نظر انداز کرتا چلا آ رہا ہے۔ تم کمینہ حرکات سے ہمارے جذبات کو برانگیختہ کیوں کرتے ہو؟ مفرور ارغوان کو آزاد کر دو! اور اس غرض سے کمینہ حرکات کے مرتکب ہو رہے ہو؟ ارغوان کو آزاد کر کے رومانیہ کا تاج اس کے حوالے کر دو! ڈینیوب کے پار سے ہنگری کے بادشاہ کو بلاؤ! اور تمام مغربی اقوام کو ہمارے خلاف جمع کر لو۔ یاد رکھو! کہ ان اعمال سے تم ہمیں طیش دلاؤ گے اور اپنی تباہی کا سامان مہیا کرو گے"۔ وزیر کی درشت گوئی سے انھیں خطرہ محسوس ہوا۔ مگر عثمانی بادشاہ نے نرم گفتار اور یقین دہانی سے ان کا غصہ ٹھنڈا کر دیا۔ محمد ثانی نے انھیں یقین دلایا کہ وہ جب بھی ہیڈریانوپل واپس پہنچا، ان کی شکایات کا ازالہ کر دے گا۔ اور یونانیوں کے مفادات کا خیال رکھے گا۔ جونہی اس نے دردانیال عبور کیا، اس نے حکم جاری کر دیا کہ ان کا وظیفہ بند کر دیا جائے، اور ان کے افسران کو سٹرائی مون کے ساحلوں سے ہٹا دیا جائے۔ اس کارروائی سے اس کے مخالف ذہن کا اظہار ہو۔ دوسرا حکم جاری ہوا اور اس کی تعمیل میں قسطنطنیہ کا کسی حد تک محاصرہ کر لیا گیا۔ باسفورس کے تنگ درے میں جس مقام پر اس کے دادا نے ایک چھوٹی سی قلعہ بندی تعمیر کر رکھی تھی، اور اس کی مخالف سمت کے کنارے سے یورپ کی سرحد شروع ہو جاتی تھی، اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس مقام پر ایک مضبوط قلعہ تعمیر کر لیا جائے۔ اساماطون جو یونانی دارالحکومت سے صرف پانچ میل کے فاصلے پر تھا، کمزور فریق صرف ترغیب سے کام لے سکتا ہے مگر کمزور شازہی اپنے اس ہتھیار سے کام لیتا ہے۔ شہنشاہ کے سفیروں نے سلطان کی بہت منت سماجت

کی کہ وہ اپنے منصوبے پر عمل درآمد نہ کرے۔ انھوں نے اسے یاد دلایا کہ تمہارے پڑدادا مینوئل نے یہ حکم بذاتِ خود دیا تھا کہ وہ اپنے علاقے میں ایک قلعہ تعمیر کر لے۔ اب جبکہ دہری قلعہ بندی تعمیر کی جا رہی ہے تو اس سے دونوں اقوام میں غلط فہمی پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ چونکہ اس طرح آبنائے کی ملکیت بدل جائے گی۔ اس سے قوموں کا اتحاد ختم ہو جائے گا اور رومیوں کی دخل اندازی کا خطرہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ وہ اس راستے بحیرۂ اسود سے تجارت کرتے ہیں۔ ان کی نقل و حرکت اور رسل و رسائی میں رخنہ اندازی پیدا ہو گی۔ اور اس سے خود شہر میں رسد کی آمد بھی بند ہو جائے گی"۔ بے وفا سلطان نے جواب دیا کہ میں شہر کے خلاف کسی مہم کا آغاز کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا مگر قسطنطنیہ کی حکومت اس کی فصیلوں کے اندر واقع ہے۔ کیا تم ان تکالیف کو بھول گئے ہو، جو میرے باپ کو برداشت کرنی پڑی تھیں۔ تم نے اہل ہنگری سے اتحاد قائم کر لیا تھا۔ اور انھوں نے ہمارے ملک پر بری راستے سے حملہ کر دیا تھا اور دردانیال پر فرانسیسی جنگی جہازوں نے قبضہ کر لیا تھا؟ اور مراد (عموراث) اس پر مجبور کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنا راستہ قوت سے حاصل کرے؟ اور تمہارے پاس اتنی قوت بھی نہیں تھی کہ اپنا کوئی فیصلہ منوا سکو۔ میں اس وقت ایک بچہ تھا اور ہیڈریانوپل میں مقیم تھا۔ مسلمان کانپنے لگے تھے۔ جبکہ گبر ہماری تذلیل کر رہے تھے۔ مگر جب میرے والد کو وارنا کے مقام پر فتح حاصل ہو گئی، تو اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ مغربی ساحل پر ایک قلعہ تعمیر کرے گا، اب میرا فرض ہے اس مقصد کو کامیاب بناؤں۔ کیا تمہارے پاس کوئی حق ہے؟ کیا تمہارے اندر اتنی قوت موجود ہے کہ میرے اپنے علاقے میں تم میرے افعال پر قابو پا لو؟ کیونکہ یہ اراضی میری اپنی ملکیت ہے باسفورس کے ہم مالک ہیں۔ ایشیا پر ترکوں کا قبضہ ہے، اور رومی خود یورپ سے فرار ہو چکے ہیں۔ اور اپنے بادشاہ کو مطلع کر دو کہ موجودہ عثمانی سلطنت اپنے پیشرو سلاطین سے بہت مختلف ہے۔ جب وہ کوئی فیصلہ کر لیتا ہے تو تمہاری خواہشات کا خیال نہیں کرتا۔ اور یہ کہ وہ جس قدر تجاویز بنا سکتے ہیں، میں ان سے زیادہ عمل کر سکتا ہوں۔ حفاظت سے واپس چلے جاؤ۔ اگر کوئی اور شخص ایسا ہی پیغام لے کر آیا تو اس کی زندہ کھال اتار دی جائے گی۔ اس اعلان کے بعد قسطنطنیہ نے فیصلہ کر لیا، اس کے باوجود کہ وہ اپنے مزاج اور رتبے کے لحاظ سے اولین یونانی تھا، کہ وہ تلوار کو نیام سے باہر نکال لے اور پوری مزاحمت کرے اور ترکوں کو باسفورس میں داخل نہ ہونے دے۔ اس کے انتظامی اور کلیسائی وزرا نے اسے اسلحہ اتارنے کا مشورہ دیا۔ انھوں نے اسے ایسے نظام کا مشورہ دیا۔ جس میں کم سے کم نقصان ہو۔ مگر وہ مشورہ عقل و شعور پر مبنی نہ تھا۔ بادشاہ کا اپنا فیصلہ اس کے مقابلے میں زیادہ معقول تھا۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ صبر سے کام لیا جائے اور فریق مخالف کو

طویل عرصے تک مصائب میں مبتلا کر دیا جائے تاکہ عثمانی بدنام ہو جائیں اور ہر قوم انھیں ظالم اور حملہ آور قرار دے۔ اور وقت اور موقع کا انتظار کیا جائے۔ ایک وقت ضرور آئے گا کہ انھیں اپنے تحفظ کے لیے یہ مقام خود ہی چھوڑنا پڑے گا۔ اور اس قلعے کو انھیں خود ہی تباہ کرنا پڑے گا کیونکہ وہ طویل عرصے تک اس کی دیکھ بھال نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ یہ ایک عظیم اور آباد شہر کے قریب واقع ہے، اسی امید و بیم میں وقت گزر گیا۔ اہل دانش خوف زدہ ہو گئے اور احمق لوگ امید کے سہارے زندگی بسر کرتے رہے۔ موسم سرما ختم ہو گیا۔ ہر شخص اپنے کام میں مصروف ہو گیا اور ہر گھنٹہ ٹلتا رہا اور ملتوی ہوتا رہا۔ یونانیوں نے سر پر لٹکتے ہوئے خطرے کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ یہاں تک کہ موسم بہار آ گیا۔ اور سلطان نے فیصلہ کر لیا کہ ان کی تباہی کو یقینی بنا دیا جائے۔

ایک ایسا شخص جو کبھی معاف نہیں کرتا، اس کے احکام کی کبھی عدم تعمیل نہیں ہوتی۔ مارچ کی چھبیس تاریخ کو اساماطون کے مقررہ مقام پر ترک معماروں کا ایک جھرمٹ چھا گیا۔ اور انھیں یورپ اور ایشیا سے ہر قسم کا عمارتی سامان بڑی سرعت سے مہیا کیا جا رہا تھا۔ کاتا فرجیا کی بھٹیوں میں چونا تیار کیا جا رہا تھا۔ حراکیا اور نکومیڈیا کے جنگلات میں لکڑی کاٹی جا رہی تھی اور اناطولیہ کی کانوں سے پتھر کھود کر نکالا جا رہا تھا۔ ایک ہزار معمار کام کر رہے تھے جن میں سے ہر ایک ساتھ دو دو مزدور کام کر رہے تھے، ان کے روزانہ کام کی مقدار دو ہاتھ کے برابر مقرر کر دی گئی تھی۔ قلعے کو تکون کی شکل میں تعمیر کیا جا رہا تھا۔ ہر سمت میں بہت بڑے بڑے اور مضبوط مینار تعمیر کیے گئے تھے۔ ان میں سے ایک تو پہاڑیوں کی جانب تھا، اور دو سمندری ساحل کے ساتھ ساتھ تعمیر کیے گئے تھے۔ دیواروں کی موٹائی بائیس فٹ تجویز کی گئی تھی۔ تمام عمارت کی دیواروں کو مضبوط سیسہ پلا دیا گیا تھا۔ اس کے تین وزرا کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے ایک ایک مینار تعمیر کرایا۔ سلطان محمد ثانی نے اس تعمیر کا بذات خود نگرانی کی اور اس کی رفتار کو برقرار رکھا۔ اور وہ متواتر بلا تھکان اس کی نگرانی میں مصروف رہا۔ قاضیوں نے بھی اپنے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ ینی چری نے بھی اس میں اپنا حصہ ادا کیا۔ مزدور یہ سمجھتے تھے کہ وہ خدا اور سلطان کی خدمت کر رہے ہیں۔ ایک مطلق العنان حاکم کی نظر میں عوام اس کی مرضی کے مطابق آگے بڑھ رہے تھے۔ اسے اپنی کامیابی کی امید تھی، اس پر وہ مسکرا رہا تھا۔ جب وہ کسی کی طرف غصے کی نگاہ سے دیکھتا تو یہ اس کے لیے پیغام اجل ثابت ہوتا۔ تعمیری کام میں ترقی کی فکر مندی کی نگاہ سے دیکھتا وہ راز داری سے اپنے دشمن کو تحائف ارسال کرتا اور خوشامد بھی کرتا رہتا۔ جبکہ وہ اس تلاش میں رہتے کہ جھگڑے کے لیے کوئی

معمولی سا بہانہ بھی مل جائے۔ سینٹ میکائیل کے گرجے کا ملبہ اور ستونوں کا سنگ مرمر مسلمانوں نے اس قلعے میں بے دریغ استعمال کر لیا۔ اور بعض عیسائی جنھوں نے اس معاملے میں مزاحمت کی، قتل کر دیے گئے۔ قسطنطین نے محافظین سے درخواست کی کہ وہ اس کی رعایا کی فصلیں تباہ نہ کریں۔ اس غرض کے لیے محافظ مقرر کر دیے گئے، مگر انھیں پہلا حکم یہ دیا گیا کہ پڑاؤ کے خچروں اور گھوڑوں کو آزادی سے چرنے کا موقع دیا جائے۔ اور اگر کسی مسلمان کو مقامی آبادی سے کوئی ضرر پہنچے، تو انھیں دفاع کا موقع دیا جائے۔ ان کے ایک دستے نے اپنے گھوڑے فصلوں میں رات کو کھلے چھوڑ دیے۔ جس سے نقصان ہوا، اور تذلیل کے خلاف بے عزتی کا اظہار کیا گیا۔ اس کے نتیجے میں جو جھگڑا ہوا، اس میں دونوں اطراف سے بہت سے لوگ مارے گئے۔ جب اس کی شکایت سلطان کے پاس پہنچی تو وہ بہت خوش ہوا اور ایک دستے کو حکم دیا کہ وہ مجرم دیہات کو مکمل طور پر تباہ کر دے۔ مگر سپاہیوں نے چالیس ایسے بے گناہ مار دیے، جو اپنی فصلیں اٹھانے کرنے کی غرض سے گئے تھے۔ جب تک یہ واقعہ رونما نہیں ہوا، قسطنطنیہ تجارت اور سیاحت کے لیے کھلا تھا، جب خطرہ پیدا ہوا، تو دروازے بند کر دیے گئے۔ مگر شہنشاہ اب بھی امن کا خواہش مند تھا، اس نے تیسرے دن اپنے پاس موجود ترک قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اور اپنے آخری پیغام میں یہ واضح کر دیا کہ وہ ایک عیسائی اور سپاہی ہے۔ نہ کوئی وعدہ ہوا، نہ کوئی معاہدہ تھا، نہ اطاعت قبول کی گئی تھی، لہٰذا سلطان محمد ثانی نے کہا کہ تم اپنی جنگی کارروائیاں جاری رکھو۔ میں صرف خدا پر بھروسا کرتا ہوں۔ وہ اگر چاہے گا تو تمہارے دل کو تبدیل کر دے گا۔ میں حملہ کرنے میں خوشی محسوس کروں گا۔ اگر وہ اس شہر کو تمہارے حوالے کر دے تو مجھے رضائے الٰہی سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ اور میں اس کی رضا کو قبول کر لوں گا۔ مگر جب تک دو جہانوں کا مالک کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔ اس وقت تک میرا فرض ہے کہ میں اپنے ملک کے باشندوں کے دفاع کے لیے زندہ رہوں یا موت قبول کر لوں۔ سلطان نے جواب دیا وہ معاندانہ اور فیصلہ کن تھا۔ اس نے اپنی قلعہ بندیاں مکمل کیں تو اس نے ایک ہوشیار آغا، توپوں اور چار سو ینی چری وہاں متعین کر دیے کہ ہر قوم کے جہاز سے محصول وصول کریں اور خود ہیڈریانوپل چلا گیا۔ ایک وینسی جہاز نے خراج ادا کرنے سے انکار کیا تو اسے غرق کر دیا گیا۔ اس غرض کے لیے صرف ایک گولہ کافی ثابت ہوا۔ تیس ملاح ایک کشتی کے ذریعے بچ گئے۔ ان کو گرفتار کر کے زنجیر بستہ بندرگاہ پر لایا گیا۔ سردار کی کھال کھنچوا دی گئی۔ باقی کو قتل کر دیا گیا۔ اور مؤرخ دوکاس (Ducas) کہتا ہے کہ اس نے دیموطیقا میں ان کی ننگی لاشیں دیکھیں جنھیں جنگلی جانور کھا رہے تھے۔ قسطنطنیہ کا محاصرہ آئندہ موسم بہار تک ملتوی کر دیا گیا۔ مگر ایک عثمانی فوج نے

موریہ پر چڑھائی کر دی تاکہ قسطنطنیہ کے بھائیوں کی افواج اس کی مدد کو نہ پہنچ سکیں۔ اس دوران اثنا میں مطلق العنان تھامس کے ہاں ایک بیٹے کی ولادت ہوئی۔ فرانزاموٴرخ کہتا ہے کہ اس خاندان کے تخت کا یہ آخری وارث تھا، یا اسے رومی سلطنت کی آخری چنگاری کا نام دیا جا سکتا ہے۔

یونانیوں اور ترکوں نے ایک بے تاب اور بیدار موسم سرما بسر کیا۔ اول الذکر تو خوف کی وجہ سے جاگتے رہے، مگر موٴخرالذکر امیدیں باندھتے رہے اور سو نہ سکے۔ ایک قوم دفاع کی اور دوسری حملے کی تیاریاں کرتی رہی۔ اور دونوں بادشاہ جنھیں سب سے زیادہ نقصان یا فائدے کا امکان تھا وہ قومی جذبات سے بھی متاثر تھے۔ محمد ثانی تو اپنی جوانی اور جوش سے متاثر تھا، اور اس کا مزاج بھی سخت تھا، اس نے اپنا سارا وقت ہیڈریانوپل میں جہان نما (رصدگاہ) کی تعمیر میں صرف کیا۔ مگر اس کے دماغ پر یہی خیال مسلط تھا کہ وہ شہر قیصران کو فتح کرے۔ گزشتہ رات غالباً دوسرے پہر وہ اپنے بستر سے نکلا اور اپنے وزیراعظم کو طلب کیا۔ اس وقت اسے یہ خیال آ رہا تھا کہ خلیل پاشا ایک مجرم ضمیر شخص ہے، اس نے مراد ثانی (عموراث) کا اعتماد اپنی چالبازیوں کی وجہ سے حاصل کر لیا تھا، اور اسے غلط مشورے دیتا رہتا تھا۔ جب مراد کا بیٹا تخت نشین ہوا تو اس نے بھی اسے اپنے عہدے پر بحال رکھا۔ اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرتا رہا۔ مگر تجربہ کار مدبر اس سے غافل نہ تھا کہ وہ برف کی ایسی پتلی تہ پر چل رہا تھا، جو کسی وقت بھی ٹوٹ سکتی ہے۔ اور وہ اس کی تہ میں غرق ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی عیسائیوں سے دوستی کسی مجرمانہ سازش کا حصہ نہ ہو، مگر کچھ عرصے سے اسے گبریا کفار کا ہم نوالہ اور ہم پیالہ کہا جا رہا تھا۔ یہ کفار سے خط و کتابت میں بھی مصروف رہا تھا، جو اس کے لالچ کا نتیجہ تھا۔ وہ خط و کتابت بھی پکڑی گئی تھی اور جنگ کے خاتمے کے بعد اسے سزا بھی دی گئی، جب اسے شاہی حکم ملا تو یہ اپنے بیوی بچوں سے غالباً آخری دفعہ بغل گیر ہوا۔ اس نے ایک پیالے کو سونے کے ٹکڑوں سے بھر لیا اور شاہی محل کی طرف روانہ ہوا۔ اور مشرقی رواج کے مطابق اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ اس کی شکرگزاری اور فرض کی ادائیگی کا ثبوت سمجھا جا سکتا تھا۔ سلطان نے کہا کہ "میرا ارادہ یہ نہ تھا کہ میں اپنے تحائف کا دوبارہ اجرا کروں، اور تمہارے سر پر ان کا ڈھیر لگا دوں۔ میں اس وقت ایک زیادہ قیمتی اور مستقل تحفے کا مطالبہ کر رہا ہوں، اور وہ قسطنطنیہ ہے"۔ جونہی وزیر اپنی حیرانی کے دورے سے آزاد ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ وہ خدا جس نے آپ کو رومی سلطنت کا اتنا بڑا حصہ پہلے ہی عطا کر دیا ہے وہ تمہیں اس چھوٹے سے ٹکڑے سے بھی محروم نہیں رکھے گا۔ یہ اسی سلطنت کا دارالحکومت ہے۔ تقدیر اور آپ کی دانائی کی بدولت آپ کی کامیابی یقینی ہے۔

اور میں آپ کے دیگر غلاموں کے ہمراہ اپنی جان کی قربانی دینے کے لیے تیار ہوں۔ اور ہماری زندگی اور مال و دولت آپ پر قربان ہے۔ سلطان نے جواب دیا "لالہ (بڑا بھائی) کیا تم یہ تکیہ دیکھ رہے ہو! میں رات بھر اتنا بے چین رہا ہوں کہ اسے میں اپنے دائیں بائیں اٹھاتا اور رکھتا رہا ہوں۔ میں کئی بار بستر سے اٹھا ہوں اور کئی بار دوبارہ لیٹا ہوں۔ لیکن میری تھکی ماندی آنکھوں میں پھر بھی نیند نہیں آئی۔ رومیوں کے سونے اور چاندی سے محتاط رہو! ہمیں فوجی برتری حاصل ہے۔ اور خدا کی مدد اور رسول خدا کی دعاؤں کے نتیجے میں، ہم جلد ہی قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیں گے۔ میں اپنے سپاہیوں کی آواز سنتا ہوں اور گلیوں میں تنہا گھومتا پھرتا ہوں۔ میں بھیس بدل لیتا ہوں، اور جب کوئی آنکھ مجھ پر پڑتی ہے تو میں وہاں سے کھسک جاتا ہوں۔ میں اپنا بہت سا وقت دشمنوں کی آنکھوں کے تیور دیکھنے میں گزار دیتا ہوں"۔ وہ کبھی کبھی اپنے جرنیلوں اور مہندسوں سے بھی بحث کرتا کہ وہ اپنے دستوں کو کہاں کھڑا کرے اور اپنا توپ خانہ کس مقام پر نصب کرے اور کس مقام پر دیواروں پر گولہ باری کرے۔ کہاں پر یہ خندقیں کھودے۔ کمندیں ڈالنے کے لیے کون سا مقام موزوں ہوگا۔ وہ دن بھر سارے عمل کی مشق کرتا اور رات بھر ان کا عمیق مطالعہ کرتا۔

تباہی کے اسلحے کی ایجادات میں اس نے رومیوں کے تجربات سے بھی استفادہ کیا، اور ان کی جدید ترین ایجادات کو بھی پیش نظر رکھا اور اس کا توپ خانہ اس عہد کے تمام معلومہ توپ خانوں میں برتر تھا۔ توپ کا موجد ڈنمارک یا ہنگری کا کوئی باشندہ تھا۔ جو کہ یونانیوں کی ملازمت میں فاقوں کا شکار تھا، وہ فرار ہو کر مسلمانوں کے پاس آ گیا اور سلطان نے اس کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا۔ سلطان محمد اپنے سوال کے پہلے جواب ہی سے مطمئن ہو گیا۔ سلطان نے سوال کیا کہ "کیا ہم اس قابل ہو سکتے ہیں کہ قسطنطنیہ کی دیواروں پر کوئی بڑا سا گولہ یا پتھر پھینک سکیں؟ میں ان دیواروں کی مضبوطی سے بے خبر نہیں ہوں۔ مگر کیا وہ بابل کی دیواروں سے بھی زیادہ مضبوط ہیں؟ میں اس سارے کام کو تمھارے اور تمھارے معاونین کے حوالے کرتا ہوں"۔ اس یقین دہانی کے بعد لوہا ڈھالنے کے لیے ہیڈریانوپل میں ایک بھٹی تیار کی گئی۔ اس کے لیے مناسب دھات بھی تیار کر لی گئی۔ اور تین ماہ کے عرصے میں اربان نے ایک بہت بڑے حجم کی توپ تیار کر لی۔ جو پیتل اور دوسری دھاتوں کے آمیزے سے تیار کی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی نالی کا سوراخ کھجور کے بارہ تنوں کے برابر تھا۔ اس میں سے جو پتھر پھینکا جا سکتا تھا، اس کا وزن سو پاؤنڈ سے بھی زائد تھا تاکہ عام لوگ اور فوجی اس کے دھماکے سے خوف زدہ اور پریشان نہ ہوں، یہ اعلان کر دیا گیا کہ جنگ کے پہلے روز ہی گولا پھینکا

جائے گا سو فرلانگ کے فاصلے تک اس کے دھماکے کی آواز سنی گئی۔ گولے کو بارود کی قوت سے ایک میل کے فاصلے سے داغا گیا۔ اور جس مقام پر یہ گرا وہاں اس نے ایک فیدم گہرا گڑھا ڈال دیا۔ اس کی نقل وحمل کے لیے تیس چھکڑے جوڑ کر استعمال کیے گئے جن کو کھینچنے کے لیے ساٹھ بیل جوتے جاتے تھے۔ اس کے دونوں طرف دوسو افراد بھی لگا دیے جاتے تھے، تاکہ اس کے لڑھکنے اور توازن قائم رکھنے میں مدد دے سکیں۔ اس طرح ایک سو پچاس میل کا محنت طلب سفر طے کیا گیا۔ دوسو پچاس مزدور اس کے آگے آگے چلتے تھے تاکہ راستہ ہموار رکھیں اور پلوں کی مرمت کرتے رہیں۔ اس ڈیڑھ سو میل کے وقت طلب سفر میں دو ماہ خرچ ہو گئے۔ ایک فلسفی نے اس موقع کے لیے یہ فقرہ چسپاں کیا ہے کہ ہمیں شکست خوردہ اقوام کی مبالغہ آرائی کو ہمیشہ ناقابل اعتبار سمجھنا چاہیے۔ وہ حساب کر کے بتاتا ہے کہ اگر ہم دوسو پاؤنڈ وزنی گولہ بھی پھینکیں، تو اس کے لیے ہمیں ڈیڑھ سو پاؤنڈ بارود کی ضرورت ہوگی، اور اس سے جو دھماکہ ہوگا وہ بھی کمزور ہوگا کیونکہ ایک مشت بارود کا پندرھواں حصہ بھی آگ نہیں پکڑے گا۔ تباہی کے فن سے ایک ناواقف شخص، جیسا کہ میں خود بھی ہوں، مگر میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ہر توپ خانہ ٹکڑوں کی زیادہ تعداد کو ترجیح دیتا ہے اور دھات کے وزن کو نظر انداز کر دیتا ہے اور آواز کی بجائے گولے کی رفتار کو اہم سمجھتا ہے۔ وہ ایک ہی دھماکے کی بجائے متعدد دھماکوں کو بہتر سمجھتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں ہمعصر مؤرخین کی اس تواتر سے بیان کی گئی روایات کو مسترد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور اس سے بھی انکار ممکن نہیں کہ اولین ماہر فن نے اپنے خیال کے مطابق جو معیار مقرر کیے تھے وہ دور حاضر سے بہت مختلف تھے اور اس نے اپنا معیار مقرر کرنے کے لیے ضرورت سے زیادہ قوت کو استعمال کیا ہو۔ اتنی بڑی ترکی توپ کے باوجود سلطان محمد ابھی تک دردانیال کی حفاظت میں لگا ہوا تھا۔ اس کا استعمال بھی بہت وقت طلب تھا۔ اور بعد کے تجربات سے یہ ثابت ہوا کہ اس کے اثرات بھی ضرورت سے بہت کم تھے۔ ایک دفعہ گیارہ سو پاؤنڈ گولہ تین سو تیس پاؤنڈ بارود کی مدد سے پھینکا گیا۔ اس کے لیے صرف چھ سو گز کا فاصلہ مقرر کیا گیا تھا۔ یہ جلد ہی تین ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ جو آبنائے کے اندر گر گئے۔ پانی میں جھاگ پیدا ہوگئی۔ دوبارہ بلند ہوئے اور سامنے والی پہاڑی سے ٹکرا گئے۔

اگرچہ سلطان محمد نے مشرقی سلطنت کے دارالحکومت میں ہراس پیدا کر دیا۔ مگر شاہ یونان اس دعا میں مصروف تھا کہ اسے زمین کے کسی حصے یا آسمان سے مطلوبہ مدد پہنچ سکے۔ اسے اس نادیدہ قوت پر بہت اعتماد تھا۔ عیسائیت نے قسطنطنیہ پر قبضے کا مشاہدہ کیا مگر اس کی کوئی پروا نہ کی۔ البتہ مصر کے سلطان نے ازراہ

حسد اور اپنی مالی حکمت عملی کے تحت کچھ مدد بھیجنے کا وعدہ کیا۔ کچھ ریاستیں تو خود بھی کمزور تھیں اور کچھ اس مقام سے بہت دور واقع تھیں۔ بعض کا خیال تھا کہ بیان کردہ خطرات حقیقی نہیں بلکہ تخیلاتی ہیں۔ مغرب کی حکومتیں ناقابل اختتام خانگی جھگڑوں میں مصروف تھیں اور پاپائے روم تو یونانیوں کو بدعتی اور کاذب سمجھتا تھا۔ اور ان کی ضد پر ناراض تھا۔ اٹلی کی طرف سے انھیں فوجی مدد کی کوئی توقع نہ تھی۔ نکولس پنجم نے یہ پیشین گوئی کر رکھی تھی کہ یہ قوم تباہی کا شکار ہونے والی ہے اور اب اسے اس میں دلچسپی تھی کہ اس کی پیشین گوئی درست ثابت ہو۔ غالباً ان کی آخری تباہی کے موقع پر اسے ان سے ہمدردی پیدا ہوئی تھی، مگر اس کے جذبات بہت کمزور تھے، اور وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے خیالات اور اعمال میں ہم آہنگی پیدا ہو۔ دربار کے باقی ماندہ لوگ اپنے خیالات یا مفادات میں گم تھے۔ یا باہمی اختلافات کا شکار تھے اور یہ میرے لیے کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ میں راہبوں کے خیالات کا بھی احاطہ کر سکوں۔ میں ان مسائل اور عائلی زندگی پر ان کے خیالات کی کیا صورت تھی؟ میں تو ابھی یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ کی ہمدردیاں اور وفاداری کس طرف ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ موسم بہار میں میرا کوئی بھائی اہل مغرب سے ہمدردیوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس سے قبل کہ جینوا اور وینس کے فوجی دستے اپنی بندرگاہوں سے روانہ ہوتے۔ قسطنطنیہ فتح ہو چکا تھا۔ موریہ اور یونانی جزائر کے حکمرانوں نے بھی سرد مہری سے غیر جانب دارانہ رویہ اختیار کیے رکھا۔ غلاطہ کی جینوا کی نوآبادی نے سلطان سے ایک ذاتی سمجھوتہ طے کر لیا۔ سلطان نے انھیں یقین دلا دیا کہ ان پر مرحمت جاری رہے گی اور اس طرح وہ اپنی حکومت کو بچا سکیں گے۔ بعض دیہاتی اور شہر کے شرفا اس آفت زدہ علاقے سے نقل مکانی کر گئے۔ امرا نے اپنے خزانے محفوظ کر لیے اور شہنشاہ کی طرف سے طلب کرنے کے باوجود کچھ نہ دیا۔ حالانکہ ان کی طرف سے رقم فراہم کرنے پر مزید افواج کا انتظام کیا جا سکتا تھا۔ انھوں نے شہنشاہ کی بجائے ترکوں کی مدد کرنا مناسب خیال کیا، مجبور بادشاہ نے تنہا ہی دشمن کی ناقابل تسخیر فوجی قوت کے مقابلے کی کوشش کی۔ اگرچہ اس کی ہمت وحوصلہ تو مصیبت اور حالات کے برابر تھے مگر اس کے پاس قوت بہت کم تھی۔ موسم بہار کے آغاز ہی میں ترک افواج نے مضافات کے تمام دیہات اور قصبات پر قبضہ کر لیا اور قسطنطنیہ کے شہر کے دروازوں پر پہنچ گئے۔ اطاعت قبول کرنے سے گریز کیا گیا۔ اور جس قدر ممکن ہو سکا، مدافعت کی گئی۔ تلوار اور آگ کے زور سے مزاحمت ختم کر دی گئی۔ وہ یونانی افواج جو بحیرۂ اسود، میسمبریا، آتی لوم اور بیزون پر متعین تھیں، انھوں نے پہلے ہلے ہی میں اطاعت قبول کر لی۔ صرف میسمبریا نے اتنی جرأت کا اظہار کیا کہ دشمن کو محاصرہ کرنا پڑا۔ یا کم از کم انھوں نے ہر طرف سے

رسل و رسائل کا سلسلہ منقطع کر دیا اور بہادر آبادی جب خشکی میں ہر طرف سے گھیرے میں آ گئی تو ان کے سپاہی کشتیوں پر سوار ہو گئے اور مخالف ساحل پر قاسائز یکوس کو لوٹ لیا اور اپنے غلاموں کو کھلی منڈی میں فروخت کر دیا۔ مگر جب سلطان محمد خود موقع پر پہنچ گیا تو ہر شے خاموش ہو گئی۔ پہلے اس نے پانچ میل کے فاصلے پر قیام کیا، پھر وہاں سے میدان جنگ میں داخل ہو گیا اور سینٹ رومانوس کی خانقاہ کے دروازے پر اپنا جھنڈا لہرا دیا۔

۶-اپریل کو اس نے قسطنطنیہ کا یادگار محاصرہ شروع کر دیا۔

یورپ اور ایشیا کے لشکر دائیں اور بائیں جانب پروپونطس سے بندرگاہ تک متعین کر دیے گئے۔ ینی چری سب سے آگے تھے۔ ان کے عقب میں سلطان کا خیمہ تھا۔ بادشاہ کے خیمے کے چاروں طرف خندق کھود دی گئی تھی اور غلاطہ کے مضافات پر افواج کی دوسری صفوں نے گھیرا ڈال رکھا تھا۔ جینوا کے باشندوں کی نگرانی بھی کی جا رہی تھی کیونکہ ان کی وفاداری پر اعتماد نہ تھا۔ کیونکہ موجودہ محاصرے سے تیس سال قبل سے ہی وہ یونان میں رہ رہے تھے۔ یہ اعتماد سے کہا جا سکتا ہے کہ یونانی افواج کی تمام اقسام ملا کر ساٹھ ہزار سوار اور چالیس ہزار پیدل دستوں سے زائد نہ تھی۔ وہ اس پر حیران تھا کہ یہ ممالک کتنے گربہ صفت بزدل تھے کہ محدود فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے تھے۔ کیپی قولی میں بھی اتنی فوجی تعداد موجود ہو گی۔ یہ افواج شاہی خزانے سے تنخواہ حاصل کرتی تھیں اور بادشاہ کے ہمراہ رہتی تھیں۔ ہر پاشا کی اپنی اپنی محدود ریاست تھی۔ ان کو افواج رکھنے کے لیے جاگیریں عطا کر دی گئی تھیں۔ بہت سے رضا کار مال غنیمت کی امید پر ساتھ شامل ہو جاتے تھے۔ جب طبل جنگ بجتا تو بھوکے بے خوف متعصب ارد گرد سے آ کر جمع ہو جاتے۔ ان کی وجہ سے کم از کم اتنا تو ہو جاتا کہ دشمن کے خوف میں اضافہ ہو جاتا اور عیسائیوں کے پہلے حملے کی تلوار کو یہی لوگ کند کر دیتے۔ اور چی اوس کے لیونارڈ کے پاس اس نوعیت کی تین چار لاکھ افراد پر مشتمل فوج تھی۔ مگر فرانزا کوئی زیادہ اجنبی شخص نہ تھا۔ وہ حالات کا بھی صحیح جج تھا۔ اس کا اندازہ ہے کہ فوج کی کل تعداد دو لاکھ اٹھاون ہزار تھی۔ یہ اندازہ اس کے تجربے اور امکانی حالات کی بنیاد پر لگایا گیا تھا۔ محاصرین کی بحریہ زیادہ ناقابل مزاحمت نہ تھی، اس میں تین سو بیس بادبانی جہاز تھے۔ ان میں سے صرف اٹھارہ ایسے تھے جو جنگی جہازوں کی طرح خطرناک تھے۔ زیادہ تر جہاز ذخیرہ کرنے اور مال برداری کے کام آتے تھے۔ مگر یہ تازہ دم افواج کو لا کر میدان جنگ میں شامل کرتے رہتے تھے۔ یہ اسلحہ اور اشیائے خورد و نوش بھی مہیا کرتے رہتے تھے۔ آخری بدحالی کے ایام میں بھی قسطنطنیہ کی آبادی ایک لاکھ افراد سے کم نہ تھی۔ یہ تعداد حساب کے کام تو آ سکتی ہے، مگر میدان جنگ میں اس کی کوئی اہمیت

نہ تھی۔ ان کی وجہ سے غلاموں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو جاتا۔ ان میں زیادہ تر مستری، پجاری عورتیں اور ایسے مرد شامل ہوتے جو جنگی رجحان سے قطعاً محروم ہوتے۔ حالانکہ کبھی کبھی عورتیں بھی اپنے دفاع کے لیے خاطر خواہ کارنامے سرانجام دے لیتی ہیں۔ میں ان افراد کی معذرت قبول کرنے کے لیے تیار ہوں جو دور افتادہ سرحدوں پر لڑنے سے گریز کرتے ہوں۔ مگر وہ مرد جو اپنی جائیداد اور اولاد کے دفاع کے لیے اپنے آپ کو خطرے میں نہیں ڈالتا، وہ اپنے معاشرے کی تمام طبعی صلاحیتوں کو بھی ضائع کر دیتا ہے۔ شہنشاہ کے حکم کے مطابق گلیوں اور گھروں میں ایک خصوصی تحقیق کی گئی تھی کہ کتنے شہری، جن میں راہب بھی شامل تھے، اس قابل تھے یا وہ چاہتے تھے کہ اپنے ملک کے دفاع کے لیے ہتھیار اٹھا سکیں۔ یہ فہرستیں فرانزا کے حوالے کر دی گئیں۔ اس نے تمام اعداد محنت سے جمع کر کے اپنے آقا کو افسوس سے یہ اطلاع دی کہ قومی دفاع کے لیے صرف چار ہزار نو سو ستر رومی تیار ہیں۔ اس راز کو صرف بادشاہ اور اس کے وزیر تک ہی محدود رکھا گیا۔ ڈھالیں، کمانیں اور بندوقیں کافی بڑی تعداد میں شہر میں تقسیم کی گئیں اور رضا کاروں کے دستوں کو اسلحہ فراہم کیا گیا۔ ایک شریف جینوا کا باشندہ جان جسٹینینی دو ہزار رضا کاروں کا ایک دستہ لے کر آ گیا۔ اضافی افواج میں فیاضی سے انعامات تقسیم کیے گئے اور بادشاہ کی ذاتی جائیداد سے لیمنوس کے جزیرے کے متعلق وعدہ کیا گیا کہ فتح حاصل کرنے کے بعد یہ اسی کے حوالے کر دیا جائے گا۔ بندرگاہوں کے دہانے پر ایک مضبوط زنجیر ڈال دی گئی۔ اس کی مدد کے لیے اٹلی اور یونان کے بہت سے جنگی اور مال بردار جہاز بھی متعین کر دیے گئے۔ ہر عیسائی قومیت کا جو جہاز کانڈیا یا بحیرۂ اسود سے آتا اسے عوامی خدمت کے لیے روک لیا جاتا۔ عثمانیوں کی قوت کے مقابلے میں یہ ساری سلطنت صرف ایک شہر پر محیط تھی۔ جس کا کل رقبہ صرف تیرہ یا سولہ میل پر مشتمل تھا، اور اس کا دفاع سات یا آٹھ ہزار سپاہیوں کی ذمہ داری تھی جو نہایت مختصر تعداد تھی۔ محاصرین کے لیے یورپ اور ایشیا کے راستے کھلے تھے۔ مگر یونان کی قوت اور اشیائے صرف کے ذخائر ہر روز کم ہو رہے تھے۔ انھیں اس کی کوئی توقع نہ تھی کہ ان کو بیرونی مدد مل سکے گی یا کہیں سے خوراک اور دیگر اشیائے صرف کی رسد پہنچ جائے گی۔

قدیم رومی اس فیصلے اور عزم سے تلواریں نکال لیا کرتے تھے کہ یا تو فتح حاصل کریں گے یا موت قبول کر لیں گے۔ وہ ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے اور جام شہادت نوش کرنے کے لیے تیار ہو جاتے۔ مگر اہل قسطنطنیہ صرف مذہبی جذبات کے سہارے کھڑے تھے اور یہ جذبہ صرف دشمنی اور اختلافات ہی پیدا کر سکتا تھا۔ شہنشاہ پلائیولوگوس نے اپنی موت سے قبل لاطینیوں سے ایک غیر مقبول اتحاد کا فیصلہ کیا تھا۔ اس تصور کو پھر

بھی اس وقت تک بحال نہ کیا گیا جب تک اس کا بھائی قسطنطین ہر طرف سے مایوس نہ ہو گیا۔ اب اس نے خوشامد اور رحم کی درخواست کا آخری جذباتی حربہ استعمال کیا۔ اور مالی امداد کی درخواست کی۔ سفیروں کو یہ ہدایت کی گئی کہ روحانی یقین دہانی کو بھی اس کے ساتھ ساتھ شامل کر لیا جائے اس نے یہ عذر بھی پیش کیا کہ ریاست کے معاملات اتنے تکلیف دہ تھے کہ کلیسائی معاملات کی طرف پوری توجہ نہ دی جا سکی۔ اس رائخ العقیدگی کا تقاضا ہے کہ پوپ کی طرف سے ایک سفیر خاص بھی ارسال کر دیا جائے۔ ویٹی کن نے متعدد بار اس طرف توجہ کی۔ لیکن استغفار کی کوئی علامت نہ پائی گئی۔ اس حقیقت کو نظر انداز نہ کیا جا سکا۔ فوج کی بجائے ایک سفیر کو روانہ کر دینا بہت آسان تھا۔ اور حتمی تباہی سے چھ ماہ قبل ایک کارڈینل اس انداز سے پہنچا کہ روسی اسیڈور کے ہمراہ چند پجاریوں اور سپاہیوں کا ایک چھوٹا سا دستہ تھا، شہنشاہ نے اسے ایک دوست اور مذہبی باپ کی حیثیت سے سلامی پیش کی اور اس کے اجتماعی اور انفرادی مواعظ کو بڑی احتیاط سے سنا اور پادریوں اور عوام کی طرف سے اتحاد کے عمل کی مکمل کرتا ئید کی گئی۔ جیسا کہ فلورنس کے اجتماع عام میں بھی اس کی توثیق کی جا چکی تھی، بارہ دسمبر کو دونوں اقوام سینٹ صوفیہ کے کلیسا میں مشترکہ قربانی اور عبادت کے لیے جمع ہوئیں اور دونوں اسقفوں کا نہایت احترام اور تقدیس کے جذبے کے ساتھ نام لیا گیا۔ نکولس پنجم کا نام خدا کے نائب کی حیثیت سے لیا گیا اور اسقف اعظم گریگوری کا نام بھی لیا گیا جسے باغیوں کے ایک گروہ نے جلاوطن کر دیا تھا۔

مگر لاطینی پادری کا لباس اور زبان ایک ملامتی اعتراض کا موضوع بن گئے۔ اور یہ ہنگامہ کھڑا ہو گیا کہ اس نے پانی میں جو روٹی بھگوئی تھی، وہ فطیری تھی، اور اصطباغ کے پیالے میں اس نے جو پانی ڈالا تھا وہ ٹھنڈا تھا۔ ایک مؤرخ نے یہ بیان کیا ہے کہ بادشاہ سمیت کوئی بھی اس موقع پر مخلص نہ تھا اور یہ اتحاد کا موقع ضائع ہو گیا۔ انتہائی عجلت میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ دوبارہ اس سلسلے میں کوشش کی جائے گی اور تعلقات کو بحال کیا جائے گا۔ ایسے بہانے تراشے گئے کہ ان کی دروغ حلفی کی تصدیق ہو گئی۔ جب ان پر ان کے بھائیوں کی طرف سے مزید دباؤ ڈالا گیا تو انھوں نے سرگوشی سے کہا کہ صبر کرو! ابھی مزید صبر کرو! یہاں تک کہ خدا ہمارے شہر کو اس اژدھا سے بچا لے جو ہم سب کو نگل لینا چاہتا ہے۔ پھر آپ دیکھ لیں گے کہ ہم "عشائے ربانی" کے متعلق بالکل مخلص ہیں۔ مگر صبر جوش و خروش کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ اور عوام کے جوش و خروش کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کسی دربار کے احکام مؤثر نہیں ہو سکتے، ہر عمر، ہر جنس اور ہر رتبے کے لوگ سینٹ صوفیہ کے گنبد سے باہر نکل آئے اور راہب جنادی اوس کے حجرے کے سامنے ایک اژدحام جمع ہو گیا۔ اور کلیسا کی رہنمائی کی

درخواست کی مگر یہ مقدس شخص نظروں سے اوجھل تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ حالت شکر میں ہے یا گہرے وجد میں ہے۔ پھر اس نے اپنے آپ کو حجرے کے دروازے پر عیاں کر دیا۔ وہ بار بار بعض الفاظ دہرا رہا تھا گویا وہ ایک لوح سے یہ الفاظ پڑھ رہا تھا۔ "اے کم بخت رومیو! تم سچائی کے راستے کو کیوں چھوڑ رہے ہو؟ کیا تم خدا پر بھروسا کرنے کی بجائے اطالویوں پر اعتماد کر رہے ہو؟ تم اپنا ایمان چھوڑ دو گے تو یہ شہر بھی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اے خدا! مجھ پر رحم کر! میں تمہارے سامنے ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میں بے گناہ ہوں۔ اے کم بخت رومیو! کچھ دیر وقفہ کرو! اور توبہ کرو۔ اسی لمحے جب تم اپنے آباؤ اجداد کے مذہب کو ترک کر دو گے، اور تمہارے پادری ناپاک مشاغل میں مصروف ہو جائیں گے۔ تو پھر تم غیر ملکی غلامی میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ جنادی اوس کی نصیحت کے مطابق، مذہبی کنواری مادر نے جو فرشتوں کی طرح خالص ہے، اور اتنی باوقار ہے کہ روح اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس عمل اتحاد کو مسترد کر دیا، اور لاطینیوں کے ہمراہ کسی عشائے ربانی میں حال میں یا مستقبل میں شرکت سے منع کر دیا۔ اور اس کی مثال پر عوام اور پادریوں کی اکثریت نے عمل کرنے کی ٹھان لی۔ اس کے بعد یونانی عوام گلی کوچوں میں منتشر ہو گئے اور رومیوں کے خلاف نعرے لگانے لگے۔ کنواری مادر کے عکس کو دیکھ کر مسرت کے اظہار کے لیے شراب کے جام خالی کر دیے گئے، وہ خوش ہو گئے کہ کنواری مادر ان کے شہر کو سلطان محمد ثانی سے بھی اسی طرح بچا لے گی جس طرح اس نے انھیں خسرو اور خاقان سے بچایا تھا۔ انھوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ اب ہمیں کسی مدد یا اتحاد کی کیا ضرورت باقی رہ گئی ہے؟ ہمیں صرف عشائے ربانی کی اجتماعی عبادت میں حصہ لینا چاہیے"۔ ترکوں کی فتح سے قبل کے موسم سرما میں، پوری قوم میں یہ تصور ایک وبا کی طرح پھیل گیا۔ اس سے اوہام پرستی کے جوش میں اضافہ ہو گیا۔ معتقدین اپنے اپنے حلقوں کے ضمیر اور ایمان کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ اس کو سخت ملامت کی جاتی جو کسی ایسے پادری کی عشائے ربانی کی عبادت میں شامل ہو جائے، جس نے کبھی اتحاد میں شامل ہونے کے لیے کہا ہو، یا اس پر عمل کیا ہو، اس قسم کی معمولی اور سادہ کوشش کو بھی ناپاک سمجھا جاتا۔ اور اپنے فرقے کی رسوم کو درست سمجھا جاتا۔ اس کی خلاف ورزی کو خلاف قانون سمجھا جاتا۔ جس کی سزا فوری موت بھی ہو سکتی تھی، صرف ان کا اپنا طریق عبادت ہی درست اور مبنی بر حقیقت سمجھا جاتا۔ جونہی لاطینی قربانی سے سینٹ صوفیہ کے گرجے کو ناپاک کیا گیا، تو عوام نے اسے ایک یہودی عبادت گاہ قرار دیتے ہوئے اس میں عبادت گزاری ترک کر دی اور اس شاندار مقدس گنبد میں مایوسی اور خاموشی طاری ہو گئی۔ ایک ایسی عمارت جس میں ہر روز بخورات جلا کر خوشبو پیدا کی

جاتی تھی۔ اور جس میں روشنیوں کی چکا چوند رہتی تھی۔ اور جہاں سے عبادت، دعا اور شکر گزاری کی آوازیں ہر وقت بلند ہوتی رہتی تھیں۔ اب خاموشی چھا گئی۔ لاطینی بدعتیوں کے بارے میں بہت سخت رویہ رکھتے تھے۔ اور سلطنت کا وزیر اعظم اور سب سے بڑا ڈیوک یہ کہتے سنا گیا تھا کہ میں قسطنطنیہ میں پوپ کے کلاہ اور کارڈینل کی ٹوپی کی جگہ مسلمانوں کی پگڑیاں دیکھنی پسند کروں گا۔ یہ ایسے جذبات تھے، جو کسی عیسائی یا محب وطن فرد کو زیب نہ دیتے تھے مگر یہ عام تھے اور نتیجے کے لحاظ سے یونانیوں کے لیے انتہائی مہلک تھے۔ خود بادشاہ کے لیے رعایا کے دل میں کوئی محبت نہ تھی، کوئی شخص اس کی مدد کے لیے بھی تیار نہ تھا۔ ایک تو اپنے مزاج کے لحاظ ہی سے اس ملک کے باشندے بزدل تھے، اب جبکہ مذہب کی طرف سے بھی ان کے حق میں فیصلہ دے دیا گیا یا معجزانہ قوتوں کی طرف سے انھیں آزادی کا یقین دلا دیا گیا تھا تو وہ ہر طرح کی جدوجہد سے بے نیاز ہو گئے۔

قسطنطنیہ کی شکل ایک تکون نما تھی، اس کے دو پہلو جو سمندر سے متصل تھے، دشمن کے لیے ناقابل رسائی بنا دیے گئے تھے۔ وہ علاقہ جو ان دونوں کناروں کے مابین واقع تھا، اسے طبعی عوامل کے تحت ہی دفاع کی مضبوط سہولت میسر آ گئی تھی۔ مگر بندرگاہ کو انسانی ہنر کے تحت ہی مضبوط بنا دیا گیا تھا۔ اس تکون کا قاعدہ یا خشکی کی سمت دوہری دیوار اور ایک خندق کھود کر مضبوط بنائی گئی تھی۔ اس خندق کی گہرائی سو فٹ تھی۔ قلعہ بندیوں کے اس سلسلے کے متعلق فرانزا جو ایک عینی شاہد ہے، بیان کرتا ہے کہ ان کا طول چھ میل تھا۔ ترکوں نے اپنے حملے کا آغاز اسی طرف سے کیا اور بادشاہ نے بھی اپنے دفاع کے لیے فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے بیرونی دیواروں کی حفاظت ہی کو سب سے زیادہ اہمیت دی۔ محاصرے کے ابتدائی ایام میں یونانی سپاہی خندق میں اتر گئے اور محاصرین پر حملے کرنے لگے۔ مگر جلد ہی انھیں معلوم ہو گیا کہ جہاں تک تناسب کا تعلق ہے، بیس ترکوں کے مقابلے میں صرف ایک یونانی سپاہی مقابلے پر لایا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں عقل مندی کا تقاضا یہی تھا کہ وہ ان پشتوں کی حفاظت کریں جو ان کے قبضے میں تھے اور وہیں سے وہ پھینکنے والے اسلحہ کو استعمال کریں۔ اس معقول تجویز کی وجہ سے ان پر بزدلی کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ یہ قوم فی الحقیقت فطری طور پر بزدلی اور کمینہ اوصاف کی حامل تھی۔ مگر آخری قسطنطین کو ہیرو کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اس کے ہمراہ جو شرفا کا رضاکار دستہ تھا، اس میں رومیوں کی تمام خوبیاں موجود تھیں۔ اور بیرونی ممالک بھی ان کی مبارزت کی خوبیوں کا احترام کرتے تھے۔ تیروں اور برچھوں کے پھینکنے کے ساتھ ساتھ دھوئیں کے بادل بھی پھیلا دیے گئے تھے۔ ان کی بندوقوں اور توپوں کی گھن گرج اس کے علاوہ تھی۔ علاوہ ازیں اس کے ساتھ ساتھ ان کے چھوٹے ہتھیار

سے بیک وقت پانچ یا دس، اخروٹ کے حجم کے سیسے سے بنائے گئے گولے بھی پھینکے جا رہے تھے۔ چونکہ دونوں افواج کی صفیں ایک دوسرے کے بالکل قریب تھیں۔ اس لیے ایک ہی گولے سے متعدد سپاہی زخمی ہو جاتے تھے۔ مگر ترکی افواج جلد ہی مورچوں کے اندر چلی گئیں، جن پر ملبے سے رکاوٹیں پیدا کر لی گئی تھیں۔ ہر روز عیسائیوں کے فن حرب میں کوئی نہ کوئی اضافہ ہوتا رہتا۔ بارود کا ذخیرہ ضرورت سے بہت کم تھا۔ اس میں ہر روز مزید کمی پیدا ہوتی جاتی تھی۔ ان کی اسلحے کی فیکٹریاں نہ تو پیداوار کی زیادہ مقدار فراہم کر سکتی تھیں اور نہ ان کی تعداد ضرورت کے مطابق کافی تھی۔ اگرچہ ان کے پاس بھاری توپوں کی ایک خاص مقدار موجود تھی۔ تو وہ انھیں دیواروں کے اوپر رکھنا چاہتے تھے، مگر ڈرتے تھے کہ دھماکے کی وجہ سے یہ پرانی تعمیرات گر سکتی ہیں۔ اور لرزیدہ بھی ہو سکتی ہیں۔ مسلمان بھی تباہی کے اس عمل سے بے خبر نہ تھے۔ وہ بھی اسی عمل کو بروئے کار لا رہے تھے۔ ان کے پاس قوت بھی زیادہ تھی، جوش بھی بہت تھا اور سرمائے کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔ اور حکومت کی مطلق العنانیت کی وجہ سے کسی سے مشورہ کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ محمد ثانی کی بڑی توپ کا الگ ذکر کر دیا گیا ہے۔ جو کہ اس دور کی تاریخ میں ایک اہم حیثیت کی مالک تھی۔ مگر اس بڑے انجن کے ساتھ دو مزید اسی حجم کی توپیں بھی موجود تھیں، جو اس کے دائیں بائیں رکھی گئی تھیں اور ترک دیواروں ہی کا نشانہ لے رہا تھا۔ قابل رسائی مقامات پر چودہ توپ خانے کے دستے گولے پھینک رہے تھے اور فضا میں گونج پیدا ہو رہی تھی، ایک دستے کے متعلق یہ مبہم دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس کے پاس ایک سو تیس توپیں تھیں، یا یہ کہ یہ دستہ ایک سو چالیس گولے پھینک سکتا تھا۔ لیکن ہم اس قدر ضرور کہہ سکتے ہیں کہ سلطان جدید سائنس کی مبادیات سے محروم نہ تھا۔ ایک ماہر کی زیر نگرانی جو لمحہ بہ لمحہ واقعات کا حساب رکھتا تھا، کہ بڑی توپ کو دن بھر میں صرف سات دفعہ بارود اور گولوں سے بھرا اور چلایا جا سکتا تھا۔ جب اس کی دھات گرم ہو گئی تو یہ توپ پھٹ گئی۔ اس کے ساتھ متعدد کارکن بھی مارے گئے۔ اس کے باوجود اس ماہر فن کی تعریف کی گئی جو ہر گولا اندازی کے بعد اس کے نالی میں تیل ڈالتا رہتا تھا، تاکہ یہ گرم ہو کر حادثے کا باعث نہ بنے۔

جو پہلے گولے پھینکے گئے ان سے آواز تو بہت پیدا ہوئی مگر نتیجے کے لحاظ سے وہ غیر مؤثر رہے۔ اس کے بعد انھیں عیسائیوں ہی نے یہ مشورہ دیا کہ وہ دو مختلف مقامات سے ایک سطح اور مقام پر گولا اندازی کریں اور برجوں کو نشانہ بنائیں۔ خواہ یہ توپیں کس قدر نامکمل تھیں، لیکن ایک اثر ضرور ہوا کہ متعدد بار گولے گرنے سے دیواریں متاثر ہوئیں اور ترک فوج نے خندق کے کناروں پر مستعدی سے آگے بڑھ کر اپنے لیے سڑک

تعمیر کر لی۔ خندق کو پُر کرنے کے لیے انھوں نے درختوں کے بڑے بڑے تنے استعمال کیے۔ حلب اور ڈھی چٹانوں سے کام لیا گیا، اکثر کمزور اشخاص سر کے بل کھائی میں گر گئے، مگر ترکوں کے جوش و خروش میں کوئی کمی نہ آئی۔ جو گر جاتے وہ اوپر سے ڈالی گئی مٹی کے نیچے دفن ہو جاتے۔ محاصرین کو خندق بھرنے پر بہت محنت کرنی پڑی، دوسری طرف اس تمام کوڑا کرکٹ ہٹانے میں محصورین کا دفاع مضمر تھا۔ اس معاملے میں طویل اور خون ریز مقابلہ ہوا۔ دن بھر کی محنت سے جو جالا تنا گیا تھا، وہ رات کو منہدم کر دیا گیا۔ محمد ثانی کے پاس جو دوسرا حربہ رہ گیا تھا وہ یہ تھا کہ سرنگیں کھود لی جائیں۔ مگر زمین سنگلاخ تھی۔ اسے ہر کوشش میں رکاوٹ پیدا ہوتی اور اسے عیسائی مہندسین کے مقابلے میں شرمندہ ہونا پڑتا۔ ابھی تک یہ ہنر ایجاد نہیں ہوا تھا کہ ان سرنگوں میں بارود بھر دیا جاتا اس طرح نہ صرف دیواریں بلکہ شہر بھی دھماکے سے اڑا دیے جاتے، ایک کیفیت جو قسطنطنیہ کے محاصرے کی وجہ سے پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ قدیم اور جدید توپ خانے میں ایک مقام اتحاد پیدا ہو گیا۔ توپیں اور منجنیقیں ایک دوسرے میں مخلوط ہو گئیں اور پتھر اور گولے پھینکنے لگیں۔ گولے اور پتھر ایک ہی دیوار سے ٹکرانے لگے۔ ابھی ایسا محلول بھی ایجاد نہ ہوا تھا، جسے بارود میں ملا کر ایک ناقابل شناخت شعلہ پیدا کیا جا سکے۔ لکڑی کا ایک بہت بڑا مینارچہ بنایا گیا، اسے پہیوں پر رکھ کر آگے چلایا گیا۔ یہ گولے بارود کا ایک متحرک ذخیرہ تھا، اور اس حطب کی حفاظت کے لیے بیل کی کھال کی تین تہیں چڑھا دی گئی تھیں، اس کے سوراخ میں سے متواتر گولا باری کی گئی۔ اس کے سامنے تین دروازے رکھے گئے تھے، جن میں سے سپاہی اندر داخل ہو سکتے تھے، یا باہر نکل سکتے تھے۔ اس میں ایک سیڑھی بھی لگا دی گئی تھی۔ جس کے ذریعے سپاہی اس کے اوپر چڑھ گئے۔ اس کے ساتھ ایک چرخی بھی پیوست تھی، جس کی مدد سے یہ سپاہی سامنے والے پشتے پر پہنچ گئے۔ اس طرح کے حیلے کیے گئے جو یونانیوں کے لیے نئے اور پریشان کن تھے۔ کئی دنوں کی کوشش کے بعد سینٹ رومانوس کا مینار گرا لیا گیا۔ پھر بھی بہت زیادہ کوشش کے بعد ترکوں کو پسپا کر دیا گیا۔ اس میں اندھیرا چھا جانے کا بھی دخل تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جب دوبارہ روشنی ہوگی تو اپنا حملہ پھر شروع کر دیں گے۔ زیادہ اور فیصلہ کن طاقت استعمال کر کے کامیابی حاصل کر لیں گے۔ جب کبھی شہنشاہ کو ایسا موقع مل جاتا کہ کچھ وقفے کے لیے جنگ میں تعطل پیدا ہوتا تو وہ اپنی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا، جسٹینین نے ساری رات اسی موقع پر گزار دی۔ اور شہر اور گرجا گھر کے تحفظ کے لیے مزدوروں سے کام لیتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو سلطان نے دیکھا کہ اس کا چوبی مینارچہ جل کر راکھ ہو چکا ہے، خندق کو صاف کر کے بحال کر دیا گیا تھا، اور سینٹ رومانوس کا مینار دوبارہ مضبوطی سے کھڑا تھا۔ اسے اپنے

منصوبے کی ناکامی پر افسوس ہوا، اور اس نے تعجب سے کہا کہ مجھے تمیں ہزار پیغامبر بھی بتاتے کہ کفار نے اتنی تھوڑی مدت میں اتنا بڑا کام مکمل کر لیا ہے تو میں اعتماد نہ کرتا۔

عیسائی فرمانرواؤں کی فیاضی بزدلی اور سرد مہری کا شکار ہو گئی۔ مگر محاصرے کے ابتدائی احتمال میں قسطنطین نے جزیرہ نما کے بادشاہوں سے ذاتی طور پر صلاح و مشورے کیے تھے۔ موریہ اور صقلیہ سے انتہائی ضروری رسد پہنچ گئی تھی۔ اپریل کے آغاز ہی میں پانچ جنگی یا تجارتی جہاز متوقع تھے۔ مگر وہ اپنے سفر پر روانہ نہ ہو سکے تھے، کیونکہ انھیں مناسب ہوا نہ مل سکی تھی۔ شمالی ہوا بالکل بند رہی۔ ان میں سے ایک جہاز پر شاہی جھنڈا نصب تھا۔ باقی چار جہاز جینوا کی ملکیت تھے۔ ان پر گندم اور جو لدے ہوئے تھے۔ شراب، تیل اور سبزیوں کے علاوہ سب سے اہم مدد یہ تھی کہ ان میں فوجی اور ملاح بھی سوار تھے۔ تاکہ وہ دارالحکومت کے دفاع کی خدمات بجا لا سکیں۔ جنوب کی طرف سے ایک طاقتور طوفان اٹھا اور انھیں دردانیال میں لے آیا اور یہ پونطس پہنچ گئے۔ مگر شہر کو بری اور بحری تمام اطراف سے سے گھیرے میں لیا جا چکا تھا۔ اور باسفورس میں داخلے کے مقام پر ترکی بیڑہ موجود تھا۔ جو ایک ساحل سے لے کر دوسرے ساحل تک پھیلا ہوتا تھا۔ اس نے ایک ہلال کی شکل بنا رکھی تھی۔ وہ انھیں روک بھی سکتے تھے یا کم از کم واپسی پر بھی مجبور کر سکتے تھے۔ وہ قاری جن کے ذہن میں قسطنطنیہ کی موجودہ صورت ہے یا کم از کم وہ اس شہر کے جغرافیے سے آشنا ہیں وہ اس نظارے کی عظمت سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ پانچ عیسائی جہاز بڑی مسرت کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھے۔ اور بادبانوں اور چپوؤں کی پوری قوت سے آگے بڑھ رہے تھے۔ جبکہ ان کے سامنے دشمن کا تین سو جہازوں کا بیڑہ لنگر انداز تھا اور تمام چبوترے اور کیمپ اور دونوں یورپی اور ایشیائی ساحلوں پر دشمن کی فوج قطار اندر قطار کھڑی تھی۔ وہ اس کمک کی آمد کے بڑی بے تابی سے منتظر تھے۔ بادی النظر میں ایک موقع پر کسی شک کا اظہار نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمانوں کی فوج کی برتری ہر طرح سے نمایاں تھی۔ اور عام حالات میں ان کی بہادری اور تعداد کے پیش نظر ان کا غلبہ ناگزیر تھا۔ مگر ان کی بحریہ بہت جلد بازی میں ترتیب دی گئی تھی اور اسے جنگ کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ اس کی تخلیق یا تشکیل عوامی خواہش کا نتیجہ نہ تھی بلکہ صرف سلطان کی خواہش پر وجود میں آئی تھی۔ جب وہ اپنی خوشحالی کی معراج پر تھے۔ ترک اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ خدا نے انھیں بری قوت عطا کر دی ہے مگر سمندر کفار کے حوالے کر دیے ہیں۔ انھیں کئی بار شکست ہوئی، اور زوال بھی تیزی سے آیا۔ اس سے ان کے جدید اعتراف کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے۔ ان کے پاس صرف اٹھارہ ایسے جہاز تھے، جن میں کسی حد تک جنگی

صلاحیت موجود تھی۔ ان کی باقی ماندہ بحری قوت صرف کھلی کشتیوں پر مشتمل تھی جنھیں بے پرواہی سے بنایا گیا تھا
اور بے ڈھنگے پن سے سنبھالا جا رہا تھا۔ ان میں سپاہیوں کی بھیڑ ہوتی اور توپوں کے ذخائر جمع ہوتے۔ چونکہ
قوت کے احساس سے حوصلے میں اضافہ ہوتا ہے اس لیے ینی چری کے بہادر ترین سپاہی بھی اس نئی صورتحال
سے ڈر جاتے۔ عیسائی بیڑے میں پانچوں جہاز بہت بڑے بڑے تھے اور ان کے کپتان بھی تجربہ کار تھے۔
انھیں بحری مشکلات کا طویل تجربہ حاصل تھا۔ وہ اپنے وزن کی قوت سے کسی مخالف کو ڈبو سکتے تھے۔ یا منتشر
کر سکتے تھے۔ جو کوئی ان کے راستے میں آتا، مقابلہ نہ کر سکتا۔ ان کا توپ خانہ ہمیشہ بحری سفر میں مشغول رہتا۔
وہ اپنے دشمنوں کے سروں پر تیل پھینک دیتے۔ اور ان پر سوار ہونے کے منصوبے کے تحت ان کے قریب چلے
جاتے۔ جو لائق ملاح ہوتے ہیں۔ ہوائیں اور لہریں ہمیشہ ان کے موافق ہوتی ہیں۔ مگر اس مقابلے میں شاہی
جہاز جو تقریباً قابو آ گیا تھا۔ اسے جینوا کے باشندوں نے بچا لیا، مگر ترکوں کے قریبی یا دور سے کیے گئے
حملوں میں خاصا نقصان ہوا اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ سلطان محمد ثانی اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر ساحل پر
موجود رہا اور اپنی آواز اور موجودگی سے ان کی حوصلہ افزائی کرتا رہا۔ اور انعام کے وعدے بھی کرتا رہا۔ اور اس
کا خوف دشمن کی فوج کے خوف سے بھی بڑھ کر تھا۔ اس کے روحانی جذبات بلکہ جسمانی حرکات بھی صاف بتا
دیتی تھیں کہ وہ جنگ میں مشغول افراد کی حرکات کی ترجمانی کرتی تھیں۔ چونکہ وہ فطری معاملات کا ماہر تھا، اس
لیے اپنے گھوڑے پر سمندر میں بھی چھلانگ لگا دیتا تھا۔ وہ بلند آواز سے شکایت کرتا اس کی افواج بھی ہنگامہ
کرتی رہتیں۔ اس نے عثمانیوں سے کہا کہ تیسری بار پھر حملہ کیا جائے جو پہلے دونوں کے مقابلے میں زیادہ
مہلک اور زیادہ خون ریز ہو، اور میں دوبارہ اس کا ذکر کرتا ہوں، اگرچہ میں فرانزا کی شہادت پر اعتبار نہیں کرتا
جو ان کی اپنی زبان سے اس کی تصدیق کرتا ہے کہ ایک دن کی قتل و غارت میں ان کے بارہ ہزار سے زائد افراد
کام آئے۔ وہ بغیر کسی ترتیب کے ایشیا اور یورپ کے ساحلوں کی طرف فرار ہوئے۔ جبکہ عیسائی سپاہیوں کا
کوئی بھی نقصان نہ ہوا اور ساحلوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بندرگاہ میں داخل ہو گئے، جہاں پر انھوں نے
اپنے جہاز لنگر انداز کیے۔ اپنی فتح پر اعتماد کرتے ہوئے وہ فخر کرتے تھے کہ تمام ترک افواج ان کے سامنے
ہتھیار ڈال دیتیں۔ مگر امیر البحر یا کپتان پاشا یہ عذر پیش کرتا تھا کہ اس کی آنکھ میں زخم آ گیا تھا، جس کی وجہ
سے اسے سخت تکلیف ہو رہی تھی، اور وہ یہ کہتا تھا کہ یہی حادثہ اس کی شکست کا سبب بن گیا۔ بالتھا اوگلی کا تعلق
شاہان بلغاریہ کی نسل سے تھا اس کا فوجی کردار اس کی ہوس اور لالچ کی وجہ سے داغدار ہو چکا تھا جس وجہ سے''

بہت بدنام ہو چکا تھا۔ وہ ایک مطلق العنان شخصیت کا مالک تھا، یہ وصف عوام کی نظروں میں اسے مجرم ثابت
کرنے کے لیے ایک اہم شہادت فراہم کرتا ہے۔ محمد ثانی نے اسے اس کے مرتبے اور ملازمت سے محروم کر
دیا۔ بادشاہ کی موجودگی میں چار غلاموں نے کپتان پاشا کی زمین پر گرا دیا اور اسے ایک طلائی ڈنڈے کی سو
ضربیں لگائی گئیں۔ اگرچہ اس کی موت کا اعلان کر دیا گیا تھا، مگر اسے بہت کم سزا دی گئی۔ اس نے بادشاہ سے
معافی طلب کر لی، جو اس کی جائیداد کی ضبطی اور جلاوطنی پر مطمئن ہو گیا۔ جب انھیں مذکورہ کمک پہنچ گئی تو اس
وجہ سے یونانیوں کی امیدیں دوبارہ تازہ ہو گئیں۔ انھوں نے اپنے مغربی اتحادیوں کی بزدلی کا شکوہ کیا۔
اناطولیہ کے صحراؤں اور فلسطین کی چٹانوں کے مابین لاکھوں صلیبی رضا کار دفن تھے۔ مگر اس دارالحکومت کی
صورت تو ایسی کمزور نہ تھی بلکہ اس کا دفاع بہت مضبوط تھا۔ یہ شہر اپنے دشمنوں کے مقابلے میں مضبوط تھا۔ چھوٹی
چھوٹی تجارتی ریاستیں اپنے آثار کو محفوظ رکھتی ہیں۔ اور ان کے دوستوں کے لیے قابل رسائی بھی ہوتی ہیں۔
اور اس کے ساتھ رومی آثار کی بھی حفاظت کرتی ہیں۔ اس شہر کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ روم کا نام زندہ ہے بلکہ
ترک سلطنت کے عین قلب میں یہ شہر عیسائیت کی حفاظت کا فرض ادا کرتا ہے۔ اس کی بقا کے لیے عیسائی
ممالک کی مدد درکار تھی۔ مگر قسطنطنیہ کی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے یہی معمولی سا اقدام کیا گیا تھا۔ مگر دور
افتادہ قوتوں کو اس شہر کی زبوں حالی کا کوئی احساس نہ تھا، اور ہنگری کا سفیر یا کم از کم ہونیادیس تو ایسے اشخاص
تھے جو ترکوں کی چھاؤنی میں رہائش پذیر تھے۔ اس سے سلطان کا خوف دور ہو گیا تھا بلکہ یہ لوگ اس کی فوجی
کارروائی کی رہنمائی بھی سرانجام دے رہے تھے۔

یہ یونانیوں کے لیے مشکل تھا کہ وہ ترکوں کے دیوان کے اندرونی طبقات تک رسائی حاصل
کر سکیں۔ لیکن اس کے باوجود یونانیوں کو یقین دلا دیا گیا تھا کہ ان کی طرف سے طویل مزاحمت اور مقابلے کی
وجہ سے سلطان تھک چکا ہے۔ وہ سوچنے لگ گیا تھا کہ وہ پسپائی اختیار کر لے اور جلد از جلد محاصرہ اٹھا لے۔ اگر
خلیل پاشا دوسری دفعہ نہ آتا اور وہ اس نوعیت کی نصیحت نہ کرتا، اور اس کی جانب سے حسد کا اظہار نہ ہوتا تو یہ پتا
بھی چل گیا تھا کہ وہ بازنطینی دربار سے خفیہ خط و کتابت بھی کرتا رہا ہے۔ اس امر کی کم توقع رہ گئی تھی کہ اس شہر
پر قبضہ ہو جائے گا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ بندرگاہ اور خشکی کی طرف سے بیک وقت ایک دہرا حملہ کیا
جائے۔ لیکن ان دونوں مقامات پر رسائی ممکن نہ تھی۔ اس میں موجود زنجیر کی حفاظت کے لیے آٹھ بڑے
بڑے جہاز اور بیس سے زیادہ چھوٹے جہاز متعین تھے۔ علاوہ ازیں متعدد چپوؤں سے چلنے والے اور اچانک

حملہ آور ہونے والے جہاز بھی موجود تھے۔ اور بجائے اس کے کہ ان حد بندیوں کو توڑا جائے ترکوں کے نزدیک ترجیح یہ تھی کہ دوبارہ حملہ کیا جائے اور کھلے سمندر میں ایک جنگ لڑی جائے۔ اس صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے سلطان نے ایک جرأت آمیز اور بہادرانہ منصوبہ بندی کی۔ اس نے اپنے جہازوں کو باسفورس سے براہ خشکی نکال لیا اور سمندر کے بالائی علاقے میں لے گیا۔ اس طرح اس نے دس میل کا فاصلہ طے کیا۔ زمین کی سطح غیر ہموار تھی۔ اور اس میں بڑی بڑی موٹی چٹانیں تھیں۔ اس نے غلاطہ کے قلب سے سڑک نکالی ہوگی۔ اس سے کتنی مسافت طے ہوئی ہوگی۔ اور کل تباہی کی مقدار کتنی ہوگی، اس کی صوابدید جینوا کے باشندوں کے ہاتھ میں تھی، مگر وہ لالچی تاجر تھے، ان کی زیادہ سے زیادہ خواہش یہ تھی کہ ان کی باری سب کے بعد آئے۔ جو کمی باقی رہ گئی تھی وہ ان ہزار ہا افراد نے پوری کر دی جو پہلے ہی اطاعت قبول کر چکے تھے۔ راستہ بڑے بڑے مضبوط اور پختہ لکڑی کے تختوں سے ہموار کر لیا گیا تھا۔ انھیں ہموار اور پھسلوان بنا لیا گیا تھا۔ بھیڑوں اور بیلوں کی چربی ان پر ڈال دی گئی تھی۔ پہلے چپوؤں سے چلنے والے جہاز جن میں تیس سے ساٹھ چپو تک استعمال ہوتے تھے، انھیں باسفورس سے نکال لیا گیا۔ ساحلوں سے الگ کر کے انھیں بھی اسی ترکیب سے چلایا گیا۔ اس غرض کے لیے انسانی اور چرخی کی قوت کو استعمال کیا گیا۔ دور ہنما چپوار پر بٹھا دیے گئے، اور جہازوں کے بادبانوں کو کھول دیا گیا۔ تاکہ ہوا کی قوت سے بھی فائدہ حاصل کیا جائے اور مزدوروں کو خوش کن نغمے اور نعرے جاری رکھنے کے لیے کہا گیا۔ صرف ایک رات کی محنت برداشت کرنے کے بعد سارا بیڑہ پہاڑی پر چڑھ کر دوسری طرف اتر گیا اور میدان میں سفر کرنے لگا۔ اور خشکی سے اتار کر اسے بندرگاہ کے اوتھلے پانی میں داخل کر دیا گیا۔ اب وہ یونانیوں کے بڑے بڑے اور گہرے پانیوں میں چلنے والے جہازوں سے خاصے فاصلے پر پہنچ گیا تھا۔ اس ساری کارروائی کو سراسیمگی کے باوجود اعتماد سے انجام دیا گیا۔ کیونکہ ایسی کوششوں ہی سے حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے بعد پھر ایک مزید حادثہ رونما ہو گیا، جسے دونوں قوموں کے مؤرخین نے تحریر کیا ہے، کیونکہ قدیم زمانے میں بھی بعض اقوام نے اسی نوعیت کی کوششیں کی تھیں۔ عثمانی جہازوں کے لیے یہ لازمی تھا کہ (میں دوبارہ تکرار کر رہا ہوں) کہ انھیں صرف بڑی کشتیوں کا نام دیا جائے۔ اگر ہم ان کے حجم اور فاصلے پر غور کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ہمارے اپنے عہد میں صنعت اتنی ترقی کر چکی ہے کہ اس نوعیت کے کارنامے بآسانی انجام دے سکے۔ جب محمد ثانی اپنے بیڑے اور افواج کو لے کر بندرگاہ کے اوپر والے حصے میں پہنچ گیا تو اس نے ایک پل تعمیر کیا جسے چھجا بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے اس نے سب سے تنگ حصہ

منتخب کیا اس کی چوڑائی پچاس ہاتھ تھی اور لمبائی سو ہاتھ تھی۔ اسے لکڑی اور خرفہ کی مدد سے تعمیر کیا گیا۔ اسے بڑے بڑے شہتیروں سے جوڑا گیا اور جوڑوں پر لوہا بھی استعمال کیا گیا اور اس پر ایک پختہ فرش بچھا دیا گیا اس تیرتے ہوئے پل پر اس نے اپنی سب سے بڑی توپ نصب کر دی۔ اور ان مقامات پر جن پر بآسانی رسائی ہوسکتی تھی کنڈیں ڈال دی گئیں۔ زمانہ قدیم میں انھیں رومی فاتحین کثرت سے استعمال کرتے تھے۔ عیسائیوں پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے بعض ادھورے کام مکمل نہ کیے۔ لیکن ان کی آتش عمل پر ان سے بڑی آتش عمل نے قابو پا لیا تھا۔ اور انھیں خاموش کر دیا تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ شبخون مار کر سلطان کے پلوں اور جہازوں کو جلا کر خاکستر کر دیا جائے۔ وہ ان کی اتنی نگرانی کرتا تھا کہ کسی کو نزدیک پھٹکنے نہیں دیتا تھا۔ ان کے بہترین جہازوں پر قبضہ کر لیا گیا تھا یا ڈبو دیا گیا تھا۔ ان کے پاس یونانی اور اطالوی نسل کے چالیس بہادر نوجوان تھے۔ سلطان کے حکم سے انھیں بے رحمی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ اس کے بدلے میں دو سو ساٹھ مسلمان قیدیوں کو قتل کر دیا گیا۔ مگر اس عمل سے شہنشاہ کے غم میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اگرچہ مذکورہ دو سو ساٹھ قیدیوں کے کٹے ہوئے سر دیواروں پر سے مسلمانوں کو مشاہدہ کرا دیے گئے تھے۔ قسطنطنیہ کا محاصرہ چالیس روزہ جاری رہا، اس سے شہر کے انجام کو ٹالا نہ جاسکا۔ فوج جو پہلے ہی کم ہو رہی تھی، اب دوگونہ حملے سے بالکل ختم ہوگئی وہ قلعہ بندیاں جو عرصۂ دراز سے دشمنوں کو مقابلہ کرتی آئی تھیں۔ انھیں عثمانی توپ خانے نے بالکل تباہ کر دیا۔ کئی جگہ شگاف پڑ گئے اور سینٹ رومانوس کے دروازے کے قریب چار مینار گرا کر زمین بوس کر دیے گئے۔ سپاہیوں کی تنخواہ کی ادائیگی کے لیے گرجا گھروں میں جمع مال و منال بھی اس وعدے پر حاصل کر لیا گیا کہ بادشاہ ان کو چار گنا ادا کر دے گا۔ اس کی اس بے ادبانہ جرأت کی وجہ سے اتحاد کے دشمنوں کو کسی حد تک فائدہ پہنچا۔ جب یہ اختلاف رونما ہوا، اس سے عیسائیوں کی باقی ماندہ قوت بھی ختم ہوگئی۔ جینوا اور وینس سے آئے ہوئے باشندے اپنی اپنی اہمیت جتانے لگے۔ جان جسٹینین اور عظیم ڈیوک، جو سامنے کھڑی ہوئی تباہی سے بھی خوف زدہ نہ تھے، اپنی اپنی اہمیت کا ڈھول بجانے لگے۔ قسطنطنیہ کے محاصرے کے دوران کبھی کبھی امن اور اطاعت قبول کرنے کے الفاظ سنائی دینے لگے تھے، اور چھاؤنی اور شہر کے درمیان متعدد سفارتیں بھی آتی جاتی رہیں۔ یونانی شہنشاہ بدقسمتی کے ہاتھوں عاجز آ چکا تھا۔ وہ ہر اس شرط تسلیم کرنے کو تیار تھا، جو اس کے مذہب اور شاہانہ وقار کے منافی نہ ہو۔ ترک سلطان کی بھی یہی خواہش تھی کہ اس کے لشکریوں کا خون بہنے سے روکا جائے۔ لیکن اس کی ایک بڑی خواہش یہ بھی تھی کہ بازنطینی خزانوں کو اپنے کام میں لایا جائے۔ اس نے گبرکو یہ

انتخاب کرنے کا اختیار دے دیا تھا کہ اسلام قبول کر لیں۔ خراج ادا کریں یا موت کے لیے تیار ہو جائیں۔ سلطان صرف ایک لاکھ ڈیوکیٹ (Ducats) سالانہ کے خراج پر راضی ہو جاتا۔ مگر اس کی بنیادی خواہش یہی تھی کہ مشرقی روم کے دارالحکومت پر قبضہ کر لیا جائے۔ وہ بادشاہ کو اس کے عوض بھاری رقم ادا کرنے پر تیار تھا۔ عوام چاہتے تو اپنے گھروں میں قیام کر سکتے تھے اور چاہتے تو آزادی سے اپنی مرضی کے مطابق کہیں اور منتقل ہو سکتے تھے۔ مگر بادشاہ نے اپنی مرضی سے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ یا تو تخت پر قابض رہے گا، یا قسطنطنیہ کی فصیلوں کے اندر اپنی قبر قبول کرے گا۔ اپنے وقار کا احساس سمجھیں یا دنیا کی ملامت کا خوف، اس نے شہر کو سلطان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ اور وہ آخری سانس تک جنگ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ سلطان نے اپنے حملے کی تیاریوں میں متعدد ایام خرچ کر دیے۔ اسے علم نجوم سے یہ رہنمائی حاصل ہوئی تھی کہ انتیس مئی کا روز اس کے لیے مبارک اور دشمن کے لیے مہلک ثابت ہوگا۔ ستائیس کی شام کو اس نے ایک خاص حکم جاری کیا کہ اس کے تمام فوجی جرنیل اس کی خدمت میں حاضری دیں اور اپنے تمام پڑاؤں میں ارسال کر دیا کہ وہ اس مہم میں ہر شخص کے فرائض اور مقاصد کی تشہیر کر دیں۔ مطلق العنان حکومت کا پہلا اصول خوف ہوتا ہے۔ اس نے اعلان کر دیا کہ مفرور اور بھگوڑے، اگر ان کے پاس پرندوں کے پر بھی ہوں تو وہ اس کے غیض وغضب سے نہ بچ سکیں گے۔ ان کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔ اس کے متعدد بادشاہ اور ینی چری، عیسائیوں کی اولاد تھے۔ چونکہ وہ متعدد بار متبنیٰ بنائے جا چکے تھے اس لیے وہ ترکی لقب اور نام سے سرفراز کیے جا چکے تھے۔ اس کے لشکریوں کا جذبہ شدید اور منظم تھا۔ یا دوسرے الفاظ میں قدیم نظم وضبط ابھی تک قائم تھا۔ اس عمل جہاد سے مسلمان اپنے اذہان کی تقدیس کا اہتمام کرتے تھے۔ خدا کی عبادت اور دعا سے بھی کام لیتے تھے۔ وہ دن میں سات بار وضو کرتے اور مغرب تک روزہ رکھتے۔ درویشوں کے ایک گروہ نے تمام خیموں کا دورہ کیا اور سپاہیوں میں شوق شہادت کی ترویج کی۔ کیونکہ اس کے بدلے میں جنت میں دریا اور باغات بطور اجر عطا ہوں گے۔ اور شہدا کے استقبال کے لیے سیاہ آنکھوں والی پاکیزہ حوریں بھی موجود ہوں گی۔ وہ لشکر جو فتح حاصل کریں گے ان کی تنخواہیں دوگنی کر دی جائیں گی۔ سلطان محمد نے کہا کہ یہ شہر اور اس کی عمارتیں میری ہیں۔ لیکن میں سب کچھ تمہاری بہادری کی نذر کرتا ہوں۔ سارے قیدی اور مال غنیمت بھی آپ کا ہے۔ سارا سونا اور حسن وجمال بھی تمہارے حوالے کر دیا جائے گا۔ خوش رہو اور امرا کی حیثیت سے زندگی بسر کرو۔ میری سلطنت میں متعدد صوبے ہیں۔ وہ سپاہی جو سب سے پہلے قسطنطنیہ کی دیوار پر چڑھے گا۔ اسے سب سے امیر

صوبے کی حکومت عطا کر دی جائے گی۔ اسے اس قدر دولت اور خوشحالی نصیب ہوگی۔ جس کا خود اسے بھی اندازہ نہیں۔ ترکوں کے جوش وخروش میں اس طرح اضافہ کیا گیا۔ دیگر ملحقہ افواج بھی اس سے متاثر ہوئیں اور عملی اقدامات کے لیے بے تاب ہو گئیں اور تمام پڑاؤ میں اسلامی نعرے لگنے لگے۔ "خدا ایک ہے، اور وہی سب کا خدا ہے؟ اور محمدؐ خدا کے رسول ہیں"۔ غلاطہ سے لے کر سات میناروں تک علاقے میں رات بھر آتش بازی کی گئی اور یہ سارا علاقہ روشنی سے منور ہو گیا۔

مگر عیسائیوں کی کیفیت اس سے بہت مختلف تھی، وہ بلند آواز مگر کمزور شکایات کر رہے تھے وہ اپنے جرائم پر متاسف تھے اور کہہ رہے تھے کہ انھیں ان کے گناہوں کی سزا مل رہی ہے کلیسا سے ایک جلوس نکالا گیا اور حضرت مریم کی تصویر کی نمائش کی گئی۔ مگر ان کی روحانی پیشوا ان کے فریاد سننے کے لیے تیار نہ تھی۔ وہ بادشاہ پر الزام عائد کر رہے تھے کہ اس نے بروقت اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، انھیں اپنے انجام کا اندازہ ہو چکا تھا۔ وہ ٹھنڈی آہیں بھرتے اور ترکی غلامی میں اپنی سلامتی اور تحفظ کے لیے دعائیں مانگتے۔ یونانیوں میں سے شریف ترین افراد اور ان کے اتحادی جو بہادر ترین افراد پر مشتمل تھے، ان سب کو محل میں طلب کیا گیا۔ تاکہ انھیں انتیس مئی کے عام حملے کے خلاف تیار کیا جا سکے اور ہر ایک کو اس کے فرائض سے آگاہ کر دیا جائے، اور یہ بتا دیا جائے کہ مذکورہ تاریخ کو ایک عام حملے کا خطرہ ہے۔ پلائیولوگوس کی آخری تقریر رومی حکومت کے دفن کی تیاری کے سلسلے کا خطاب تھا۔ اس نے وعدہ کیا، قسمیں کھائیں۔ شعبدہ بازی سے کام لیا، امیدیں قائم کرنے کی ناکام کوشش کی، جو کہ خود اس کے اپنے ذہن میں ختم ہو چکی تھیں۔ تمام حالات عدم سکون کا پتا دیتے تھے۔ ہر شے اندوہناک تھی۔ وہ ہیرو جو اپنے ملک کے محاصرے میں دفاع کرتے ہوئے جان قربان کر دیتے ہیں۔ ان کے لیے انجیل یا کلیسا میں کچھ نہیں بتایا جاتا۔ اب ان کے سامنے ان کے بادشاہ کی مثال موجود تھی، اور محاصرے کی قید نے ان میں مایوسی پیدا کر دی تھی جس کی وجہ سے انھوں نے ہمت کر کے ہتھیار سنبھال لیے اس وقت جو افسوسناک نظارہ تھا، اس کی تفصیل اس عہد کے ایک مؤرخ فرانزا نے دی ہے۔ وہ خود بھی اس سوگوار اجتماع میں موجود تھا، وہ روتے رہے، وہ اپنے مرتبے اور خاندان کے امتیاز کے بغیر ایک دوسرے سے گلے ملے۔ انھوں نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں، اور ہر کماندار اپنے اپنے مفوضہ مقام پر پہنچ گیا۔ وہ تمام رات پہرہ دیتے رہے اور پشتوں کی بے تابی سے پہرہ داری کرتے رہے۔ خود شہنشاہ اور اس کے وفادار ساتھی، سینٹ صوفیہ کے گنبد کے اندر داخل ہوئے۔ یہ عمارت چند گھنٹوں کے بعد ایک مسجد کی صورت

اختیار کرنے والی تھی۔ اس نے آنسو بہاتے ہوئے اسقف کے ہاتھوں سے عشائے ربانی میں سے اپنا حصہ وصول کیا۔ وہ چند لمحات کے لیے اپنے محل میں رکا۔ جہاں پر بین کیے جا رہے تھے اور آہ و بکا کا شور برپا تھا۔ اس نے ہر ایک سے معافی طلب کی، ممکن ہے کہ اس کی طرف سے کسی کے ساتھ زیادتی ہوئی ہو۔ اس کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا، تاکہ محافظین کی چوکیوں کا معائنہ کرے، اور دشمن کی حرکات وسکنات کا مشاہدہ کر سکے۔

آخری قسطنطین کی مایوسی، اور زوال بازنطینی قیصران کی طویل خوشحالی کے مقابلے میں زیادہ شاندار ہے۔

اندھیرے کے پردے میں کوئی بھی حملہ آور کامیاب ہو سکتا ہے۔ مگر اس عظیم اور عام حملے میں، محمد ثانی نے علم نجوم اور جنگی مہارت دونوں سے استفادہ کیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ انتیس مئی کی صبح کو اسے شاندار فتح نصیب ہوگی۔ یہ عیسائی تقویم کا چودہ سو ترپن سال تھا۔ گزشتہ رات بڑی صعوبت میں بسر ہوئی تھی۔ فوجیوں، توپوں کو خندق کے کنارے پر لایا گیا۔ کئی مقامات پر اسے پُر کر کے شگافات تک ہموار راستہ بنا لیا گیا تھا۔ اور اس کے اَسّی جہاز فصیلوں کو چھو رہے تھے اور کمندیں پھینکنے کے لیے تیار تھے۔ بندرگاہ کی سمت میں فصیلیں دفاع کے زیادہ قابل نہ تھیں، موت سامنے نظر آ رہی تھی، لہٰذا ہر شخص خاموش تھا۔ مگر حرکت اور آواز کے فطری تقاضے کسی قانون اور خوف کے نظم وضبط کے تابع نہیں ہوتے۔ ہر فرد اپنی آواز کو دبا سکتا ہے اور اپنے قدموں کی رفتار کو ناپ سکتا ہے۔ مگر جب ہزارہا افراد مل کر پیش قدمی کریں، تو عجیب قسم کی آوازیں پیدا ہونے لگتی ہیں اور تناسب اور توازن میں کمی آ جاتی ہے ہر شے ناہموار دکھائی دیتی ہے۔ یہ آوازیں میناروں پر کھڑے چوکیداروں کو بھی سنائی دے رہی تھیں۔ سورج نکلا مگر معمول کے مطابق توپ کا گولہ داغا نہ گیا۔ ترکوں نے سمندر اور خشکی دنوں طرف سے شہر پر ہلہ بول دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حملہ آوروں کی صفیں ایک بٹی ہوئی رسی یا دھاگے کی طرح باہم پیوست اور مسلسل آگے بڑھ رہی ہیں۔ اگلی صفوں میں عام لوگوں کے گروہ تھے جو رضاکارانہ طور پر ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ ان میں نہ کوئی ترتیب تھی اور نہ وہ کسی کے حکم کے تحت لڑ رہے تھے۔ یہ لوگ کمزور تھے، یا بچے تھے یا کسان اور آوارہ گرد لوگ تھے۔ ان لوگوں نے اس مبہم امید پر پڑاؤ میں شمولیت اختیار کر لی تھی کہ یا تو مال غنیمت مل جائے گا، یا شہادت حاصل ہو جائے گی اور اس بیکار مجمع پر عیسائیوں کی طرف سے ایک گولی بھی ضائع نہیں کی گئی مگر دفاع کے اس عمل میں ان کی قوت اور گولہ بارود ختم ہو گیا۔ جو لوگ قتل ہوئے، ان کی لاشوں سے خندق بھر گئی۔ وہ اپنے قدموں کے نشانات پر چلتے رہے۔ جن لوگوں نے زندگیاں وقف کر رکھی تھیں۔ ان کے لیے زندگی سے زیادہ موت قابل قبول تھی، اناطولیہ اور رومانیہ کے فوجی ان

کے پاشاؤں اور ینچوگ کی رہنمائی میں حملے کی قیادت کر رہے تھے۔ مگر ان کی پیش قدمی یکساں نہیں تھی اور کئی صورتوں میں مشکوک تھی۔ مگر جب مقابلے کو جاری ہوئے دو گھنٹے گزر گئے، تو اس وقت تک یونانی نہ صرف اپنی حالت پر قائم تھے بلکہ غلبہ بھی حاصل کر رہے تھے۔ بادشاہ کی آواز سنائی دی وہ اپنے سپاہیوں سے کہہ رہا تھا کہ ایک دفعہ مزید کوشش کر کے کامیابی حاصل کر لو۔ اور اپنے ملک کو آزاد کرا لو۔ ان تباہ کن لمحات میں، ینی چری جو اب تک تازہ دم تھے، آگے بڑھے وہ بہادر اور ناقابل تسخیر تھے۔ بادشاہ بذات خود گھوڑے پر سوار ان کے ہمراہ تھا۔ ایک آہنی عصا اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اپنی فوج کی دلاوری کا مشاہدہ کر رہا تھا، اور ہر ایک کے متعلق اپنے ذہن میں فیصلہ بھی کر رہا تھا۔ اس کے اردگرد اس کے ذاتی محافظین دس ہزار کی تعداد میں موجود تھے۔ انھیں وہ فیصلہ کن لمحات کے لیے مخصوص رکھتا تھا۔ یہ لڑائی کے جوار بھاٹا کو اپنی نگاہوں اور احکام سے متحرک رکھتا اور احکام جاری کرتا رہتا۔ صفوں کے عقب میں اس کے متعدد وزرا مستعد کھڑے رہتے۔ جو احکام جاری رکھتے۔ کسی کو ثابت قدمی کی تلقین کرتے کسی کو آگے بڑھنے کے لیے کہتے۔ کسی کو سزا دینے کے لیے کہتے۔ اور اگر سامنے خطرہ نظر آتا، اور کوئی اس سے فرار ہونے کی کوشش کرتا، تو عقب میں بھی اس کے لیے شرمناک موت منتظر ہوتی، ڈھول اور طاشوں کی بلند موسیقی میں خوف اور درد کی آوازیں ڈوب جاتیں۔ خون کا دورہ تیز ہو جاتا اور عمل کی قوت بڑھ جاتی۔ انسانی عزم کا غلبہ بڑھ جاتا اور استدلال کی قوت کمزور ہو جاتی۔ جہازوں اور پلوں پر سے عثمانی توپ خانہ ہر طرف سے گرج رہا تھا۔ پڑاؤ، یونانی شہر اور شہرت سب پر دھوئیں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ یہ بادل اسی وقت چھٹ سکتے تھے، جبکہ رومی دارالحکومت یا تو آزاد ہو جاتا یا تباہ ہو جاتا۔ تاریخ میں یا داستانوں میں جب ایک دوسرے کے مقابلے میں انفرادی مبارزت کا ذکر ہوتا ہے تو ہم اس میں دلچسپی لیتے ہیں یا ہمیں ان میں سے کسی ایک کے ساتھ محبت یا شفقت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب جنگ میں فنون حرب کا مہارت سے مظاہرہ ہوتا ہے تو ہمارا ذہن اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اور اس ناگوار سائنس سے ہم مرعوب بھی ہو جاتے ہیں۔ مگر جب عام حملہ ہوتا ہے تو اس میں ہر شخص کا عمل یکساں ہوتا ہے، خون بہتا ہے اور خوف پیدا ہوتا ہے۔ اور ہر شے ایک دوسرے میں خلط ملط ہو جاتی ہے۔ میں ان معاملات میں ایک ہزار میل اور تین صدیاں دور ہوں، اور میں ان نظاروں کی تصویر کشی نہیں کر سکتا، جن کا میں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کیا، اور ان واقعات کے متعلق ان میں شامل کرداروں نے بھی کوئی یادگار نہیں چھوڑی۔

قسطنطنیہ کا فوری نقصان تو اس گولی یا تیر کی وجہ سے ہوا جس نے جان جان جسٹینین کے فولادی

دستانے کو چھید ڈالا۔ اس کا خون جاری ہوگیا اور اسے مسلسل درد ہونے لگا۔ اس سے اس سردار کے حوصلے میں بہت فرق آیا۔ اس کی افواج کو اس کا مشورہ حاصل تھا اور یہ لوگ شہر کے مضبوط ترین چبوترے پر مورچہ بند تھے۔ یہ کسی جراح کی تلاش میں اپنے مقام سے پیچھے ہٹ آیا۔ اس کے فرار کو ان تھک شہنشاہ نے دیکھ لیا اور اسے روک لیا۔ پلائیولوگوس نے کہا کہ تمھارا زخم معمولی ہے۔ مگر خطرہ اتنا زیادہ ہے کہ تمھاری موجودگی لازمی ہے، اور تم واپس ہو کر بھی کہاں جاؤ گے؟ لرزاں جینوا کے باشندے نے جواب دیا کہ میں اسی راستے پر جاؤں گا جو خدا نے ترکوں کے لیے کھول دیا ہے۔ اور ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ اندرونی دیوار کے ایک شگاف کی طرف بھاگا۔ اس گربہ صفت کردار کی وجہ سے اس کی تمام فوجی زندگی داغدار ہوگئی۔ اور اس کا وقار خاک میں مل گیا۔ اس کے بعد صرف یہ شخص غلاطہ یا چی اوس کے جزیرے میں زندہ رہا۔ اسے اس کا اپنا ضمیر اور عوام ملامت کیا کرتے رہے۔ لاطینی اضافی افواج کے بڑے حصے نے اس کی مثال پر عمل کیا اور دفاع کمزور ہونے لگا۔ دوسری طرف سے حملہ بھی دگنی قوت سے شروع ہوگیا۔ عثمانیوں کی تعداد عیسائیوں کے مقابلے میں پچاس گنا یا سو گنا زیادہ تھی۔ دہری دیوار کو عثمانی توپ خانے نے کھنڈرات میں تبدیل کر دیا۔ یہ دیواریں کئی میلوں تک طویل تھیں، ان میں کوئی نہ کوئی ایسا مقام مل سکتا تھا، جو کمزور ہوتا، یا جس کے دفاع کا انتظام تسلی بخش نہ ہوتا۔ اور محاصرین اگر کسی ایک مقام سے بھی اندر داخل ہو جاتے، تو تمام شہر مستقل طور پر ہاتھ سے نکل جاتا۔ پہلا شخص جو اس انعام کا مستحق ٹھہرا، اس کا نام حسن تھا۔ یہ ایک ینی چری تھا اور اس کا قد و قامت غیر معمولی طور پر بڑا تھا، اور اس میں قوت بھی بہت زیادہ تھی۔ یہ ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں ڈھال اٹھائے پھرتا۔ یہ بیرونی قلعہ بندیوں پر چڑھ گیا۔ تیس مزید ینی چری اس کی تقلید کرتے ہوئے اس کے عقب میں دیوار پر چڑھ گئے۔ اور اس کے بارہ ساتھی تو ایسے تھے جو چوٹی تک پہنچ گئے۔ یہ دیو ہیکل شخص ایک چبوترے کے راستے اوپر چڑھنے میں کامیاب ہوا، وہ ایک گھٹنے کے بل اوپر چڑھا اور اس پر گولیوں کی بارش کر دی گئی۔ اس کی کامیابی نے یہ ثابت کر دیا کہ اس منزل کا حصول بھی ممکن تھا۔ حسن اور اس کے بارہ ساتھی چوٹی پر چڑھ گئے۔ دیواروں اور میناروں کو فوری طور پر ترکوں کے ایک ٹڈی دل نے ڈھانپ لیا، اور یونانیوں کو اس مقام سے ہٹا دیا، جہاں سے وہ گولا باری کر سکتے تھے۔ اس بھیڑ میں خود بادشاہ بھی شامل تھا، جس نے بطور جرنیل اور سپاہی اپنے تمام فرائض کی تکمیل کر لی تھی۔ وہ کافی وقت تک نظر آتا رہا پھر گم ہوگیا۔ وہ شرفا جو اس کے اردگرد لڑتے رہے تھے، اپنے آخری دم تک اپنا فرض ادا کرتے رہے۔ پلائیولوگوس اور قنطاقوزین کے معزز نام دیر تک قائم رہیں گے اور

لوگ ان کو احترام سے یاد کیا کریں گے۔ اس نے آخری دفعہ آواز دی کہ کیا یہاں کوئی عیسائی موجود ہے جو میرا سر کاٹ دے؟ کیونکہ دشمن اسے زندہ پکڑ رہے تھے۔ قسطنطین نے از رہ عقل مندی اپنا تاج اتار کر پھینک دیا، اور اسی ہنگامے میں اسے کسی نامعلوم شخص نے قتل کر دیا، اور اس کی لاش بھی دوسرے مقتولوں کے ایک پہاڑ کے ساتھ ہی دفن ہوگئی۔ جب یہ مر گیا تو نہ کوئی مزاحمت رہی اور نہ کوئی نظم و ضبط قائم رہا۔ یونانی شہر کی طرف بھاگے۔ اور بہت سے لوگ سینٹ رومانوس کے تنگ دروازے میں پھنس کر کچلے گئے، ترک سپاہی اندرونی دیوار کے شگافوں کے راستے تیزی سے اندر داخل ہوگئے اور جب وہ گلیوں میں آگے بڑھ رہے تھے تو ان کے دوسرے ساتھی بھی ان سے آ کر مل گئے۔ وہ بندرگاہ کی طرف سے مینار کے دروازے کی راہ سے اندر آ گئے۔ پہلے تعاقب کی سرعت میں دو ہزار عیسائی تہ تیغ کر دیے گئے۔ مگر لالچ جلد ہی ظلم پر غالب آ گیا۔ اور فاتحین نے اس کا اقرار کیا کہ اگر بادشاہ اور اس کے ساتھی جرأت اور بہادری سے کام نہ لیتے تو شہر پر بہت پہلے قبضہ ممکن تھا۔ ترپن دن کے محاصرے کے بعد وہی قسطنطنیہ جس نے خسرو، خاقان اور خلفا کی قوت کا مقابلہ کیا تھا، محمد ثانی کی افواج نے مستقل طور پر اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس کی قوت کا مقابلہ صرف لاطینی ہی کر سکتے تھے، مگر مسلمانوں کی فتح کے بعد اس شہر میں عیسائیت کے اقتدار کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

بدقسمتی کی خبریں تیز پروں سے اڑ کر پہنچتی ہیں۔ مگر قسطنطنیہ کی صورت یہ تھی کہ دور افتادہ علاقوں میں قدرے تاخیر ہی سے پہنچی ہوں گی۔ اس تباہی کی لاعلمی ان کی خوشی میں رخنہ نہ ڈال سکی۔ مگر بالعموم اس سے ذاتی اور معاشرتی تشویش ضرور پیدا ہوئی۔ بالآخر جگراتے کی رات اور صبح کا ضرور خاتمہ ہوگیا ہوگا۔ میں اس پر بھی اعتماد نہیں کرتا کہ ینی چری کی وجہ سے یونانی دوشیزاؤں کی بڑی تعداد نیند سے محروم ہوگئی ہوگی۔ اس عام بدقسمتی کے نتیجے میں لوگ جلد از جلد گھر خالی کر گئے اور راہبات کی سکونت گاہیں بھی خالی ہوگئیں۔ اکثر لوگ سڑکوں پر جمع ہو گئے تھے اور بزدل حیوانات کی طرح کانپ رہے تھے۔ گویا تمام کمزوریوں کو ایک جگہ جمع کر کے وہ اپنی قوت کو مجتمع کر رہے ہوں۔ گویا انھیں یہ بھی امید تھی کہ جب وہ ایک گروہ کی صورت میں یکجا جمع رہیں گے تو ان میں سے ہر شخص اپنے انجام سے محفوظ رہے گا۔ شہر کے ہر حصے سے وہ سینٹ صوفیہ کے کلیسا میں جمع ہونے لگے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر ساری پناہ گاہ، عبادت خانہ، ایوان زیریں اور بالائی گیلریاں پجاریوں کے والدین، شوہروں، عورتوں، بچوں اور راہبوں سے بھر گئیں۔ ان میں مذہبی دوشیزائیں یعنی راہبات بھی تھیں۔ دروازے اندر سے بند کر دیے گئے اور مقدس گنبد سے پناہ طلب کی گئی۔ یہ وہی عمارت تھی، جسے وہ ماضی میں

ناپاک قرار دے چکے تھے، ان کے اعتماد کو بحال کرنے کے لیے ایک جوشیلے یا بہروپیے نے پیشین گوئی کر دی تھی کہ جب ترک قسطنطنیہ میں داخل ہوں گے تو وہ قسطنطین کے میناروں سے آگے نہیں جائیں گے اور سینٹ صوفیہ کا کلیسا اس مقام سے بہت آگے واقع تھا، مگر یہ کہ یہیں سے ان پر مصائب کا آغاز ہو جائے گا۔ آسمان سے ایک فرشتہ اترے گا اور اس کے ہاتھوں میں تلوار ہوگی۔ اور اس فلکی اسلحہ کی مدد سے وہ سلطنت کو اس غریب شخص کے حوالے کر جائے گا جو ان میناروں کے قدموں میں نیچے بیٹھا ہوگا۔ وہ کہے گا کہ یہ تلوار اٹھا لو، اور مخلوق خدا کا بدلہ لے لو یا اس کے ان الفاظ کے ساتھ ترک فوراً بھاگ جائیں گے۔ اور فاتح رومی انھیں مغربی ممالک سے باہر نکال دیں گے۔ انھیں اناطولیہ سے لے کر ایران کی سرحدوں تک تمام علاقوں سے باہر بھگا دیا جائے گا اسی موقع پر ڈیوکٹ نے یونانیوں کی ضد کے متعلق کسی حد تک تخیلاتی مگر بڑی حد تک صداقت آمیز سوال اٹھایا؟ اس نے یونانیوں کی ضد کا حوالہ دیتے ہوئے کہا: ''کہ فرشتہ ضرور ظاہر ہو جاتا، اگر تم واقعی اپنے دشمنوں کو تباہ کرنا چاہتے تھے، تو تمھیں کلیسا کا اتحاد بھی قبول کر لینا چاہیے تھا؟ ان آخری لمحات میں بھی تم نے اپنے تحفظ کو مسترد کر دیا، اور اپنے خدا کو بھی دھوکا دیا۔ جبکہ وہ اپنے متخیلہ فرشتے کے نزول کا انتظار کر رہے تھے۔ کلہاڑوں کے ساتھ شہر کے دروازے توڑ دیے گئے، چونکہ ترکوں کا کوئی مقابلہ نہ ہوا تھا، انھوں نے اپنی مرضی کے مطابق بغیر خون بہائے، قیدیوں کی مطلوبہ تعداد پوری کر لی، انھوں نے نوجوانی، حسن اور دولت کو منتخب کرنے کو ترجیح دی، اور اپنے مابین جائیداد کی تقسیم کا یہ اصول وضع کیا کہ جو پہلے قبضہ کر لے وہی جائیداد کا مالک ہوگا۔ کہیں ذاتی قوت نے کام دیا اور کہیں بالائی حکم نے فیصلہ کر دیا۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر مرد قیدیوں کو رسیوں سے باندھ دیا گیا، اور مستورات کو انہی کے دوپٹوں اور نقابوں سے قابو کر لیا گیا۔ اراکین مجلس کو ان کے غلاموں کی قطار میں کھڑا کر دیا گیا، اور پادری اپنے گرجے کے مزدوروں کے ساتھ منسلک کر دیے گئے۔ اور دیہاتی کسانوں کو شریف دوشیزاؤں کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ ان کو اندھیرے میں دھکیل دیا گیا اور ان کے چہرے دھوپ اور ان کے قریبی رشتہ داروں سے اوجھل ہو گئے۔ تمام قیدیوں کو ان کے معاشرتی رتبے کے امتیاز کے بغیر بند کر دیا گیا۔ تمام فطری بندھنوں کو منقطع کر دیا گیا۔ بہادر سپاہیوں کو علم نہ تھا کہ ان کے والد کس مقام پر کراہ رہے ہیں۔ ان کی ماؤں کے آنسو اور ان کے بچوں کی چیخ و پکار کی کیا حالت ہے۔ اس تمام ہنگامے میں سب سے بلند آواز راہبات کی تھی، ان کو قربان گاہوں سے عریاں باہر نکال دیا گیا تھا، ان کے بازو پھیلے ہوئے تھے اور بال بکھرے ہوئے تھے، اور ہمیں یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ ان میں سے ہزاروں ایسی ہوں گی کہ جنھوں نے خانقاہ

میں واپس جانے کی بجائے ترکوں کے حرم میں جانے کو ترجیح دی ہوگی۔ ان بدقسمت یونانیوں میں سے بیشتر کو جانوروں کی طرح جکڑ کر گلیوں میں چھوڑ دیا گیا تھا اور ان کے آقا مزید شکار کے لیے واپس چلے گئے تھے۔ اگرچہ ان کے قدم لڑکھڑا رہے تھے مگر ان کو پیٹا جا رہا تھا، جس سے ان کے قدموں میں تیزی آ گئی تھی۔ اسی موقع پر تمام گرجا گھروں میں بھی اسی نوعیت کے لالچ کا مظاہرہ کیا جا رہا تھا۔ تمام محلات اور رہائش گاہیں بھی اسی عمل کا شکار تھیں۔ دارالحکومت کا کوئی مقام محفوظ نہ تھا۔ کسی کے تقدس کا احترام نہ تھا۔ کسی یونانی کی ذات یا جائیداد محفوظ نہ تھی۔ ان خوش اعتقاد افراد میں سے ساٹھ ہزار کو شہر سے فوجی پڑاؤ میں پہنچا دیا گیا۔ یا بحری جہازوں پر لاد دیا گیا۔ ان کے آقاؤں نے ان کو ایک دوسرے سے تبدیل کر لیا۔ بعض کو فروخت کر دیا، اس طرح یہ لوگ عثمانی حکومت کے دور افتادہ صوبوں میں منتشر کر دیے گئے۔ ہم یہ نہیں دیکھتے کہ اس عوامی جمگھٹے میں کوئی وزیر یا قابل قدر شخصیت بھی شامل تھی، یا اس کے افرادِ خاندان بھی گرفتار ہوئے۔ مؤرخ فرانزا جو شہنشاہ کے توشہ خانے کا مہتمم اعلیٰ اور اول وزیر تھا، وہ بمع خاندان عوام کے ہمراہ گرفتار ہو گیا تھا، اسے قید کی صعوبتوں کو چار ماہ تک برداشت کرنا پڑا۔ آئندہ موسم سرما میں اسے آزادی نصیب ہوئی۔ اس نے ہیڈریانوپل کی طرف جانے کی کوشش کی۔ اور میر باشی یا داروغہ اصطبل کے پاس اپنی بیوی رہن رکھی۔ مگر اس کے دونوں بچے جو آغاز شباب میں تھے سلطان محمد ثانی نے اپنی تحویل میں لے لیے۔ فرانزا کی بیٹی حرم سرا میں مرگئی، غالباً وہ ابھی تک کنواری تھی۔ اس کا بیٹا جب پندرہ سال کا ہوا تو اس نے موت کو بدنامی پر ترجیح دی۔ اسے بادشاہ نے اپنے ہاتھوں سے چھرا گھونپ دیا۔ یہ عمل اس شخص کے ذمہ نہیں لگایا جا سکتا، جس نے ایک یونانی بیوہ اور اس کی دو بیٹیوں کو آزاد کر دیا تھا۔ ایک لاطینی شاعر فلیپوس نے اس کا قصیدہ پڑھا تھا اور کسی شریف خاندان میں شادی کی درخواست کی تھی۔ سلطان کے جذبۂ افتخار یا ظلم کا پتا اس سے چلتا ہے کہ اس نے ایک رومی سفیر کو قید کر لیا۔ مگر کارڈینل نے دہقانی لباس میں غلاطہ سے فرار اختیار کر لیا اور کسی کو اپنی تلاش میں کامیاب نہ ہونے دیا۔

بندرگاہ کی زنجیر ابھی تک اٹلی کے جنگی اور تجارتی جہازوں کے قبضے میں تھی۔ محاصرے کے دوران انھوں نے اپنی بہادری کا مظاہرہ کیا تھا۔ جب ترک سپاہی شہر کی لوٹ مار میں مصروف تھے تو انھیں فرار کا موقع مل گیا۔ جب انھوں نے بادبان اٹھائے تو معلوم ہوا کہ ساحل پر عوام کا ایک اجتماع موجود ہے مگر حمل و نقل کے ذرائع محدود تھے۔ جینوا اور وینس کے ملاحوں نے اپنے اپنے ملک کے لوگوں کا انتخاب کر لیا، اس کے باوجود کہ سلطان نے ان کے تحفظ کا وعدہ کر رکھا تھا۔ ان لوگوں نے اپنے گھر خالی کر دیے اور اپنا قیمتی سامان لے کر ان

جہازوں کے ذریعے روانہ ہوگئے۔

جب بھی بڑے بڑے شہروں پر زوال آیا اور ان میں لوٹ مار ہوئی، تو مؤرخین یکساں نوعیت کی داستانیں بیان کرتے ہیں۔ اور ان پر یہ الزام بالتکرار لگایا جاتا ہے۔ انھیں جذبات کے ساتھ یہ نتائج بھی اخذ کر لیے گئے ہوں گے اور جب ان جذبات پر کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، تو افسوس کا مقام یہ ہے کہ مہذب اور وحشی اقوام میں بھی کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ نفرت اور منافقت کے بڑے بڑے نعروں کے درمیان بھی ترکوں پر یہ الزام عائد نہیں کیا گیا کہ انھوں نے عیسائیت کے خلاف تعصب کا اظہار کیا ہو، یا غیر معمولی جذباتی مظاہرہ کر کے خون بہایا ہو۔ مگر ان کے اصول کے مطابق (وہ اصول جو ان میں دورِ قدیم سے چلے آ رہے تھے) مفتوحین کو زندگی سے محروم کر دیا جاتا، اور فاتحین دونوں اصناف کے زیادہ سے زیادہ افراد کو غلام بنا کر فروخت کر دیتے۔ سلطان نے قسطنطنیہ کی تمام دولت فاتح فوجیوں کو عطا کر دی تھی، اور ایک گھنٹے کی لوٹ مار صدیوں کی صنعت و حرفت سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ مگر مال غنیمت کی کوئی باقاعدہ تقسیم نہ ہوئی تھی۔ تو ہر شخص کا حصہ بھی کسی استحقاق کے تحت عمل میں نہ آیا۔ تو اس کے نتیجے میں بہادروں کی بجائے پڑاؤ کے اضافی دستوں نے زیادہ مفاد حاصل کر لیا۔ جنھوں نے جنگ کے مصائب یا مشقت میں کوئی حصہ نہ لیا تھا۔ ان کی لوٹ مار کی تفصیلات میں نہ تو کوئی تفریح حاصل ہوتی ہے اور نہ اس سے کوئی سبق حاصل ہوتا ہے۔ یہ بازنطینی سلطنت کا آخری اور مفلس ترین دور تھا۔ اس لیے مال غنیمت کی کل رقم چالیس لاکھ ڈیوکٹ سے زائد نہ تھی۔ اس کا ایک چھوٹا حصہ وینس اور جینوا کے افراد کا تھا۔ اور کچھ اینکونا کے تاجروں کی رقم بھی تھی۔ ان غیر ملکیوں کے اثاثوں نے خاصی سرعت سے دوبارہ ترقی کر لی اور قوم کی گردش جاری ہوگئی۔ مگر جہاں تک یونانیوں کی اپنی دولت کا تعلق ہے وہ یا تو لوہے کی الماریوں اور صندوقوں میں بند رہی یا زیرِ زمین دفن رہی۔ وہ خالص سونے یا قدیم سکوں کی صورت میں تھی۔ انھیں خطرہ تھا کہ حکومت کی طرف سے ملکی دفاع کے لیے اس کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔ سب سے زیادہ المناک یہ روایات ہیں کہ خانقاہوں اور گرجا گھروں کی دولت بھی لوٹ لی گئی۔ سینٹ صوفیہ کا گنبد جسے ارضی جنت سمجھا جاتا تھا، جس کا امارت کے لحاظ سے عیسائی دنیا میں دوسرا مقام تھا، اور حسن کا مرقع تھا، اسے خدا کا اپنا تخت سمجھا جاتا تھا، اس میں کئی زمانوں سے چڑھاوے چڑھاوے جا رہے تھے۔ سونا، چاندی، مروارید، طشتریاں، وقف کردہ زیورات، یہاں سے نکال لیے گئے اور بنی نوعِ انسان کی خدمت کے لیے تقسیم ہوگئے۔ لالچی آنکھوں کو جو شے مفید نظر آئی، اس پر سے تقدس کا پردہ چاک کر دیا گیا۔ ٹاٹ یا لکڑی کے

پردے توڑ دیے گئے، یا جلا دیے گئے، پاؤں کے نیچے کچل دیے گئے، اصطبلوں یا باورچی خانوں میں استعمال ہوگئے۔ یہ اسی نوعیت کے ادنیٰ کاموں میں استعمال کر لیے گئے۔ رومیوں نے قسطنطنیہ کو فتح کر کے ایک مثال قائم کی تھی، اسی پر عمل کیا گیا۔ مجرم کیتھولک تک لوگوں نے جو سلوک حضرت عیسیٰ، حضرت مریم اور خدا سے کیا تھا، مسلمانوں نے بھی بت پرستوں کی یادگاروں سے وہی سلوک کیا۔ غالباً ایک فلسفی بھی عوامی شکایات میں شامل ہوگیا۔ اور اس نے تبصرہ کیا کہ فنونِ لطیفہ کے زوال کی تلافی اور بحالی کے لیے صناعوں کی اتنی ضرورت نہیں، جس قدر کہ مکاشفات اور معجزات کی ضرورت ہے۔ تاکہ پادریوں پر اعتقاد کی بدولت عوام دوبارہ عبادت گاہوں پر نذرانے پیش کرنے شروع کر دیں۔ پادریوں کی فنکاری اور عوام کی عقیدت گرجا گھروں کی مالی حالت کو دوبارہ بحال کر دے گی۔ لیکن اسے اس سے بھی زیادہ غم بازنطینی کتب خانوں کا تھا۔ جو عام افراتفری میں ضائع ہوگئیں یا کتابیں گلیوں میں بکھر گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار مسودات اس طرح بکھر گئے یا غائب ہوگئے۔ ایک ڈیوکٹ کے عوض دس جلدیں خریدی جا سکتی تھیں، اور اسی قیمت پر ایک پوری الماری خریدی جا سکتی تھی، جس میں تمام دینیاتی کتب یا ارسطو اور ہومر کی کتب بھری ہوتیں۔ ان میں قدیم یونانی فلسفے اور سائنس کی تخلیقات موجود تھیں، لیکن ہم خوشی سے یہ اطلاع فراہم کرتے ہیں کہ ہمارے کلاسیکی ادب کا ایک بڑا حصہ اٹلی میں محفوظ تھا، اور جرمنی کے ایک قصبے میں ایک مستری نے وہ مشین ایجاد کر لی تھی کہ کتابوں کی طباعت اور اشاعت میں سہولت پیدا ہوگئی۔ اس وجہ سے کتب کے اس نقصان کی تلافی کا سامان پیدا ہوگیا، جو استدادِ زمانہ اور وحشی اقوام کی زیادتی کی وجہ سے ہوتا رہتا تھا۔

قسطنطنیہ میں انتیس مئی کو دوپہر ایک بجے سے لے کر شام آٹھ بجے تک تباہی اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہا۔ اس وقت سلطان بہ نفس نفیس بطور فاتح سینٹ رومانوس کے دروازے سے شہر میں داخل ہوا۔ اس کے ہمراہ اس کے وزرا تھے۔ کئی پاشا اور محافظین بھی تھے۔ ان میں سے ہر ایک (یونانی مؤرخ کا کہنا ہے) ہرکلس کی طرح مضبوط تھا۔ اور میدانِ جنگ میں اپالو کی طرح ماہر جدلیات تھا۔ ان میں سے ہر ایک دس عام لشکریوں سے مقابلہ کر سکتا تھا۔ فاتح سلطان نے نہایت اطمینان اور وقار سے گنبدوں اور محلات کی طرف دیکھا۔ فنِ تعمیر اور اسلوب کے لحاظ سے یہ عمارتیں مشرقی تعمیرات سے بالکل مختلف تھیں۔ گھڑ دوڑ کے میدان میں اس نے تین ستون دیکھے۔ جو مروڑے تروڑے سانپوں کی طرح نظر آتے تھے۔ انھیں دیکھ کر سلطان بہت متاثر ہوا۔ اور اس نے اپنی قوت کی آزمائش کے لیے اپنے آہنی عصا یا جنگی کلہاڑے سے ان میں سے ایک کے سر پر ضرب

لگائی۔ ترکوں کی نظروں میں یہ ستون یا تو بت تھے یا جادو ٹونے اور طلسم کی قسم کی کوئی شے تھے۔ سینٹ صوفیہ کے بڑے دروازے پر وہ اپنے گھوڑے سے اترا، اور گنبد کے اندر داخل ہوا۔ اور اسے اپنی فتوحات کی شان و شوکت کا اس قدر احساس تھا کہ جب اس نے دیکھا کہ ایک مسلمان راہداری کے سنگ مرمر کو نقصان پہنچا رہا ہے تو اس نے اسے ڈانٹ دیا، اس نے اسے اپنی تلوار کے نیام سے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا کہ اگر مال غنیمت اور قیدی فوجیوں کے حوالے کر دیے گئے ہیں، تو عمارتیں، خواہ وہ نجی ہوں یا سرکاری، سلطان کی ملکیت ہیں۔ اس کے حکم کے تحت مشرقی سلطنت کے دارالحکومت کا گرجا گھر مسجد میں تبدیل کر دیا گیا۔ اوہام پرستی کے قیمتی اوزار وہاں سے ہٹا دیے گئے، صلیبیں پھینک دی گئیں۔ اور وہ دیواریں جن پر پچی کاری سے تصاویر کندہ کی گئی تھیں، انھیں صاف کر دیا گیا اور ان کی فطری سادگی بحال کر دی گئی۔ اسی روز یا آنے والے جمعہ میں، مؤذن سب سے بڑے مینار پر چڑھ گیا اور اذان دی۔ جس میں خدا اور رسول کی اطاعت کی دعوت عام دی گئی تھی، امام نے خطبہ دیا اور محمد ثانی نے نماز میں شمولیت کی اور بڑی قربان گاہ پر سجدۂ شکر ادا کیا۔ جہاں پر کہ اس سے ایک روز قبل تک عیسائی رسوم ادا کی جا رہی تھیں اور آخری قیصر کے لیے دعائیں کی جا رہی تھیں۔ اس کے بعد وہ شاہی محل کی طرف روانہ ہوا، جس میں عظیم قسطنطین کے سو جانشین رہائش اختیار کر چکے تھے۔ لیکن چند گھنٹوں کے اندر اندر اس کی تمام شان و شوکت ختم ہو گئی تھی۔ کچھ وقت کے لیے اس کے ذہن میں فخر و مباہات کا احساس پیدا ہوا اور اس نے متعدد بار فارسی شاعری کا یہ بیت پڑھا۔ ''ایک مکڑی نے شاہی محل میں ایک جالا تنا، اور الو افراسیاب کے محل پر نغمہ سرائی کرتے رہے''۔

ابھی تک اس کا ذہن مطمئن نہیں ہوا تھا کہ قسطنطین کا انجام کیا ہوا تھا، کیا وہ قتل کر دیا گیا تھا، یا قیدی بنا لیا گیا تھا، یا وہ میدان جنگ میں کام آ گیا تھا۔ دو ینی چری یہ دعویٰ کرتے تھے کہ انھوں نے اسے قتل کیا تھا اور اس پر انعام کے طالب تھے۔ اس کی لاش دوسری لاشوں کے ڈھیر سے نکال لی گئی، اس کے جوتوں پر کشیدہ کاری سے سنہری عقاب کی تصویر بنائی گئی تھی، یونانیوں نے آنسو بہاتے ہوئے اپنے بادشاہ کے سر کی شناخت کر دی۔ کچھ تأمل کے بعد سلطان نے حکم دیا کہ اس کے حریف کو پورے اعزاز سے دفن کر دیا جائے۔ اس کی موت کے بعد عظیم ڈیوک اور اول وزیر لیوکاس نوطراس اس سلطنت کے سب سے اہم قیدی تھے، اس نے اپنے آپ کو اپنے خزانوں کے ہمراہ بادشاہ کے قدموں میں ڈال دیا۔ سلطان نے اس سے دریافت کیا ''کہ تم نے یہ خزانے اپنے بادشاہ اور ملک کے دفاع پر کیوں خرچ نہ کیے؟ اس غلام نے جواب دیا کہ ''سب خزانے آپ

کے تھے۔ خدا نے انھیں آپ کے لیے محفوظ کر دیا تھا۔ مطلق العنان بادشاہ نے جواب دیا کہ ''اگر خدا نے ان کو میرے لیے محفوظ کر دیا تھا، تو پھر اتنا طویل عرصہ خدا نے انھیں تمھارے پاس کیوں محفوظ رکھا، جبکہ تم ان سے کوئی فائدہ بھی نہ حاصل کر سکے؟ وزیر کی سفارش اور طویل گفتگو کے بعد بادشاہ نے اسے تحفظ کی ضمانت دے کر جانے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد محمد نے ارادہ کر لیا کہ اب وہ اپنی بیگم سے ملے گا جو طویل عرصے سے بیمار اور اداس تھی۔ از راہ انسانیت پروری سلطان اس کی تسکین اور اطمینان کو بہت زیادہ اہمیت دیتا تھا۔ اور اس کا احترام بھی کرتا تھا۔ ریاست کے اعلیٰ افسران کو بھی اسی نوعیت کی اجازت دے دی گئی۔ ان میں سے بعض کو اس نے زادِ راہ بھی فراہم کیا اور خود کچھ دنوں کے لیے یہ ثابت کرنے کی کوششوں کو وہ محکوم افراد کا دوست ہے، مگر یہ منظر اچانک بدل گیا اور گھوڑوں کی دوڑ کے میدان میں اس کے دوست شرفا کا خون بہا دیا گیا۔ اس کی بے وفائی اور ظلم کا عیسائیوں نے بدلہ لے لیا۔ عظیم ڈیوک اور اس کے دو بیٹوں کا خون بہا دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے قتل کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنے بچوں کو سلطان کی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے بھیجنے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر اس کے باوجود ایک غیر محتاط یونانی مؤرخ نے اسے غیر محتاط سازش کا نام دیا ہے اور آزادی کے عمل کے لیے اطالوی کمک کا نام دیا ہے۔ ایسی بغاوت پُر شکوہ تو ہو سکتی ہے مگر وہ باغی جس نے یہ دلیری کی تھی، از راہ انصاف اسے بھی اپنی جان دینی پڑی۔ ہمیں یہ یقین نہیں کہ ایک فاتح اپنے دشمنوں کو محض اس لیے قتل کر دیتا ہے کہ ان پر اب وہ مزید اعتماد نہیں کر سکتا۔ اٹھارہ جون کو فاتح سلطان ہیڈریانوپل واپس آیا۔ اور عیسائی بادشاہ کی کمینگی پر خندہ زن ہوا جو یہ کہہ رہا تھا کہ مشرقی سلطنت کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کے دشمن ختم ہو گئے ہیں۔

قسطنطنیہ کو بغیر کسی دفاع کے خالی چھوڑ دیا گیا تھا، یہاں پر کوئی حکمران بھی نہ تھا، اور آبادی بھی نہ تھی، مگر اس کا محل وقوع اور ہیئت ایسی تھی کہ ہر لحاظ سے اسے مشرقی سلطنت کا دارالحکومت ہونے کی اہلیت حاصل تھی۔ اس معاملے میں اس کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ بورسا اور ہیڈریانوپل عثمانیوں کے قدیم دارالحکومت تھے۔ اب دونوں صوبائی شہروں کی حیثیت اختیار کر چکے تھے اور محمد ثانی نے خود اپنے اور اپنے جانشینوں کی رہائش کے لیے اسی مقام کا انتخاب کیا جسے قسطنطین اول نے منتخب کیا تھا، غلاطہ کی قلعہ بندیاں، لاطینیوں کو پناہ گاہ فراہم کر سکتی تھیں، اس لیے از راہ دانش ان کو منہدم کرا دیا گیا، مگر ترکوں کی توپ کو جو نقصان پہنچا تھا، اسے جلد مرمت کر لیا گیا، اگست کے ماہ میں بہت زیادہ چونا بھٹیوں میں جلایا گیا تاکہ فصیلوں کی مرمت کی جا سکے۔ اور دارالحکومت کی فصیلوں کو اصل حالت میں بحال کیا جا سکے۔ چونکہ تعمیرات کی تمام جائیداد خواہ وہ نجی ہو، یا

سرکاری، ناپاک یا مقدس، اب وہ فاتح کے نام پر منتقل ہو چکی تھیں، ان میں سے تکون کا آٹھ فرلانگ کا حصہ الگ کر لیا گیا۔ جو اس کے حرم سرا (سرائیو) کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ یہ وہ مقام تھا، جو عیش و عشرت کی آماجگاہ تھا، شہنشاہ معظم (اطالوی اسے اس نام ہی سے یاد کرتے ہیں) بظاہر یورپ اور ایشیا دونوں پر حکومت کرنا چاہتا تھا۔ مگر باسفورس کے ساحل پر اس کی ذات کسی دشمن کی بحریہ کی طرف سے کسی وقت بھی گستاخی کی زد میں آ سکتی تھی۔ سینٹ صوفیہ کا کلیسا اپنی نئی حیثیت میں ایک مسجد بن چکا تھا۔ یہاں سے خاصا محصول وصول ہو جاتا تھا، اس کے مینار بہت بلند تھے، اور اس کے گرد درختوں کے جھنڈ اور چشمے موجود تھے۔ مسلمان اس پر وضو بھی کر سکتے تھے اور تفریح سے بھی لطف اندوز ہو سکتے تھے۔ شاہی جامع مسجد بھی اسی نمونے پر تعمیر کی گئی۔ یہ سلطان نے خود تعمیر کرائی تھی۔ مقدس حواریوں کے گرجے کے کھنڈرات پر سلطان نے پہلی مسجد تعمیر کرائی۔ اس کے نواح میں قدیم یونانی بادشاہوں کی قبروں کے کھنڈرات بھی موجود تھے۔ وہ فتح کے تین دن بعد، حضرت ابوایوب انصاری کے مزار پر گیا، جو پہلی صدی ہجری کے محاصرے میں یہاں کام آئے تھے۔ ان کے آثار کے متعلق مکاشفہ ہوا تھا۔ جس کی بنا پر اس شہید کے مزار کی نشاندہی ممکن ہو سکی۔ رومی مؤرخین نے اس کے بعد قسطنطنیہ کا زیادہ ذکر نہیں کیا۔ اس لیے میں ان عمارات کی تفصیل دینے سے قاصر ہوں۔ جو ترک سلاطین نے تعمیر کرائیں یا بحال کیں۔ آبادی کی ہیئت تیزی سے تبدیل ہو گئی۔ اور ستمبر کے آخر تک رومانیہ اور اناطولیہ کے پانچ ہزار خاندان، سلطان کے حکم کی تعمیل میں یہاں منتقل ہو چکے تھے، انھیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس شہر میں اپنی جدید رہائش گاہوں میں آباد ہو جائیں، اگرچہ یہاں پر موت کے خطرے کا احتمال موجود رہتا تھا۔ محمد کے تخت کی حفاظت پر اس کے وفادار مسلمان محافظین مقرر تھے، مگر بادشاہ کی حکمت عملی یہ تھی کہ یونانیوں ہی کو یہاں آباد کیا جائے اور جب ان کو اپنی جان کی حفاظت کی ضمانت مل گئی تو وہ گروہ در گروہ تیزی سے یہاں واپس آ گئے۔ یہاں انھیں ہر طرح کی آزادی حاصل تھی جس میں مذہبی آزادی بھی شامل تھی۔ جب کبھی وہ اپنا اسقف منتخب کرنا چاہتے تو یونانی معدلہ مہیا کر دیا جاتا اور یہ رواج ہمیشہ کے لیے قائم رہا۔ انھوں نے خوف اور اطمینان کے ملے جلے جذبات کے ساتھ سلطان کو تخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ وہ جنادی اوس کو بطور اسقف کام کرتے ہوئے دیکھ کر بھی مطمئن تھے۔ وہ اسے اپنی مذہب کی روایت کی علامت سمجھتے تھے۔ وہ جب محل میں آتا تو سلطان اسے دروازے تک چھوڑنے کے لیے جاتا۔ اور اسے ایک مرصع گھوڑا عنایت کیا اور وزرا اور پاشاؤں کو حکم دیا کہ وہ اسے اس کے محل تک پہنچا کر واپس آئیں۔ قسطنطنیہ کے گرجے دونوں قوموں کے درمیان تقسیم کر دیے گئے۔

ان کی حدوں کی نشاندہی کر دی گئی۔ یہ مساوی تقسیم ساٹھ سال سے زائد قائم رہی۔ یہاں تک کہ اس کے پوتے سلیم نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی۔ دیوان کے وزرا کی حوصلہ افزائی کے نتیجے میں، جنھوں نے سلطان کے مزاج میں عصبیت پیدا کرنے کی کوشش کی عیسائی یہی سمجھتے تھے کہ یہ تقسیم انصاف پر مبنی تھی اور اس میں کسی فیاضی کا دخل نہ تھا، اس میں کوئی رعایت بھی نہ تھی بلکہ ایک پکا معاہدہ تھا اور اگر شہر کا نصف حصہ کبھی طوفان کی نذر ہو جاتا، تو حسب شرائط شہر کے باقی ماندہ حصے کو بھی دونوں مذاہب میں تقسیم کرنا لازم تھا۔ ابتدا میں جو تقسیم ہوئی تھی، اس میں حاصل ہونے والا حصہ آگ کی نذر ہو گیا تھا، تو اس نقصان کی تلافی تین عمر رسیدہ ینی چری کی شہادت پر کر دی گئی۔ جنھیں معاہدے کی تمام شرائط یاد تھیں۔ قاضی میر کی رائے میں ان کی حلفیہ شہادت میں بہت زیادہ وزن تھا۔ اس عہد کی تاریخ بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

یونانیوں کے یورپ اور ایشیا میں باقی ماندہ علاقوں کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ وہ عثمانیوں کے سپرد کر دیے گئے۔ مگر قسطنطنیہ پر حکومت کرنے والے دو آخری خاندانوں کے خاتمے کا بیان اس لیے ضروری ہے کہ ان کے ساتھ ہی مشرقی رومی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ موریہ میں دو مطلق العنان بھائی ڈیمطری اوس اور تھامس زندہ تھے، جن کی وجہ سے پلائیولوگوس کا نام زندہ تھا۔ وہ شہنشاہ قسطنطین کی موت کی خبر پر ششدر رہ گئے۔ کیونکہ اس کے ساتھ ہی ان کے خاندان کی بادشاہت بھی ختم ہو گئی تھی۔ وہ اپنے دفاع کے معاملے میں مایوس ہو گئے اور انھوں نے دوسرے یونانی شرفا کے ساتھ مل کر یہ فیصلہ کر لیا کہ اٹلی میں پناہ تلاش کی جائے۔ تاکہ وہ عثمانیوں کے عذاب سے دور ہٹ جائیں۔ ان کی پہلی کوشش کو تو فاتح سلطان نے ناکام بنا دیا۔ جس نے اپنے لیے بارہ ہزار ڈیوکٹ بطور تاوان طلب کر لیے اور اس کی حب جاہ کا تقاضا تھا کہ وہ براعظم اور ملحقہ جزائر میں ان کی تلاش جاری رکھے۔ اس نے موریہ کو سات سال کی مہلت تو دے دی۔ مگر سات سال کا یہ عرصہ بڑی مصیبت میں گزرا۔ تین سو اطالوی سپاہیوں کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ شش پہلو علاقے کا دفاع کر سکیں۔ استھمس کے پشتے متعدد بار گرائے گئے اور متعدد بار تعمیر کیے گئے مگر مذکورہ تین سو تیر انداز ان کا مزید دفاع نہ کر سکے۔ ترکوں نے کورنتھ کی چابیاں چھین لی تھیں۔ وہ اپنے موسم گرما کی مصروفیت سے واپس آئے تو ان کے ہمراہ بے شمار مال غنیمت اور لاتعداد قیدی تھے۔ زخمی یونانیوں کی شکایات سے لاپروائی برتی جاری تھی اور کوئی متوجہ نہ ہو رہا تھا۔ البانوی بھی گلہ بانوں کے خانہ بدوش کے قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ لوگ قزاقی پر گزر بسر کرتے تھے۔ انھوں نے پورے جزیرہ نما کو اپنی آماجگاہ بنا رکھا تھا۔ قتل اور لوٹ مار اور غارت گری مچا

کمی تھی۔ دونوں مطلق العنان بادشاہوں نے بڑی ذلت سے اپنے ایک ہمسایہ پاشا سے مدد کی درخواست کی۔ جب وہ بغاوت کو کچل چکا تھا، تو اب اس کے فرائض میں یہ بھی شامل ہوگیا تھا کہ وہ ان کے مستقبل کے کردار کا تعین بھی کرے۔ اور اس کے متعلق قانون سازی کرے۔ انھوں نے بار بار اس کا اظہار کیا کہ ان کا نہ تو حکمران خاندان سے کوئی خونی رشتہ ہے اور نہ انھوں نے وفاداری کا حلف لے رکھا ہے۔ انھوں نے قربان گاہ اور عشائے ربانی کی محفلوں میں بھی اس کا متعدد بار اظہار کیا۔ ان کے خاندان میں جس قدر جھگڑے چل رہے تھے اور بے اتفاقی چل رہی تھی، اسے کسی طرح بھی اتحاد میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ انھوں نے ایک دوسرے کی نسل وراثت کو تلوار اور آگ سے مٹا دیا تھا۔ یورپ سے جو کمک اور خیرات ملی تھی، اسے خانہ جنگی میں ختم کر دیا گیا تھا۔ اب وہ اپنی ساری قوت ایک دوسرے کے خلاف کارروائی میں صرف کر رہے تھے۔ وہ اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ اب صرف آقائے برتر کے سہارے کے محتاج تھے۔ بلوغت کے زمانے میں محمد نے ڈیمطری اوس کو اپنا دوست کہا تھا۔ اور اس طرح موریہ میں بلا مزاحمت داخل ہو گیا تھا۔ اور اس طرح فساد زدہ صوبے پر قابو پا لیا تھا اور سپارٹا پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا تھا۔ سلطان نے کہا "تم بہت کمزور ہو! اور اس فساد زدہ صوبے پر قابو نہیں پا سکتے۔ میں تمھاری بیٹی کو اپنے حرم میں داخل کر لوں گا اور تم اپنی باقی ماندہ زندگی احترام اور تحفظ کے ساتھ گزار سکو گے۔ ڈیمطری اوس نے سرد آہ بھری اور حکم کی تعمیل کی۔ اپنی بیٹی اور قلعے سلطان کے حوالے کر دیے۔ اپنے بیٹے کے ہمراہ بادشاہ کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ تھریس میں ایک شہر اور اس سے ملحقہ جزائر ایمبر وز، لیموس، اس کی ذات اور متعلقین کی بسر اوقات کے لیے اسے عطا کر دیے گئے۔ اس کے ایک سال بعد اس کا ایک اور سپاہی اور ساتھی، اس کی بدقسمتی میں شریک ہونے کے لیے اس کے پاس پہنچ گیا۔ یہ کومنینی نسل کا آخری فرد تھا۔ جب قسطنطنیہ پر لاطینیوں نے قبضہ کر لیا تھا، تو اس نسل کے لوگوں نے بحیرۂ اسود کے کنارے اپنی الگ حکومت قائم کر لی تھی۔ جب سلطان نے اناطولیہ کو فتح کر لیا، تو اس نے ایک بحری بیڑہ اور کچھ فوج لے کر ڈیوڈ کے دارالحکومت پر حملہ کر دیا۔ وہ اپنے آپ کو طریبی زونڈ کا بادشاہ سمجھتا تھا۔ سلطان نے اس مسئلے کو ایک مختصر اور براہ راست سوال سے حل کرنے کی کوشش کی۔ "کیا تم اپنی زندگی اور خزانے اپنی حکومت سے دست برداری کے بعد بچا لو گے؟" کمزور کومنی نوس نے خوف زدہ ہو کر اطاعت قبول کر لی۔ اسے اپنے ایک مسلمان ہمسائے کے انجام کا بھی علم تھا، جو سائی نوپ کا حکمران تھا، جس نے اسی نوعیت کے ایک سوال پر ایک قلعہ بند شہر، چار سو توپیں اور بارہ ہزار سپاہی سلطان کے حوالے کر دیے تھے۔ طریبی زونڈ پر بآسانی قبضہ کر لیا گیا، شہنشاہ کو اس

کے خاندان کے ہمراہ رومانیہ کے ایک قلعے میں بھیج دیا گیا۔ مگر سلطان کو ہلکا سا شک ہو گیا کہ یہ شخص شاہ فارس کے ساتھ خط و کتابت میں مصروف ہے۔ ڈیوڈ کو کومنینی کی نسل کے تمام افراد کے ہمراہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس میں سلطان کا جذبۂ حسد کارفرما تھا یا لالچ، کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بدقسمت ڈیمطری اوس کو بھی اس کے باپ کا نام تادیر تحفظ فراہم نہ کر سکا۔ اس کی جائیداد ضبط کر لی گئی اور اسے جلاوطن کر دیا گیا۔ اس نے جب بلا چون و چرا اس حکم کی تعمیل کر دی، تو سلطان کو رحم آ گیا۔ اس کے لیے پچاس ہزار آسپر کا وظیفہ تاحیات منظور کر لیا گیا تا کہ اس کا افلاس دور کیا جا سکے۔ اس نے کچھ مدت بعد راہبانہ زندگی اختیار کر لی اور کشمکش حیات سے آزاد ہو گیا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ڈیمطری اوس کی غلامی اور اس کے بھائی تھامس کی جلاوطنی، ان کی ذات پر محمول تھی۔ جب موریہ فتح ہوا، تو بادشاہ کورفو بھاگ گیا۔ اور وہاں سے اٹلی چلا گیا۔ اس کے ہمراہ عریاں ساتھی تھے۔ اس کا نام، اس کے مصائب اور حواری سینٹ اینڈریو کا سر، اسے استحقاق فراہم کرتے تھے کہ ویٹی کن میں اس کی مہمان نوازی کی جائے۔ پوپ اور کارڈینل نے اس کے لیے چھ ہزار ڈیوکٹ پنشن منظور کر لی۔ اس سے اس کی بدحالی مزید طویل ہو گئی۔ اس کے دو بیٹوں اینڈریو اور مینوأل کی تعلیم اٹلی میں ہوئی تھی۔ مگر بڑا بیٹا ایسا تھا کہ دشمن اس سے نفرت کرتے تھے، اور دوست اسے بوجھ سمجھتے تھے۔ اس کا تمام استحقاق اس کی خاندانی وجاہت پر مبنی تھا۔ اس کی زندگی اور غیر موزوں شادی کی وجہ سے اس کا وقار ختم ہو گیا اور یہ ذلیل افراد میں شامل ہونے لگا۔ اسے خاندانی خطاب کا وقار حاصل تھا مگر اس نے یہ خطاب بھی دو دفعہ فروخت کر دیا۔ ایک دفعہ شاہ فرانس کے پاس اور دوسری دفعہ اراگون کے پاس، لہٰذا اس کی عزت بھی ختم ہو گئی۔ اس عبوری دور میں چارلس ہشتم حب اقتدار میں مبتلا رہا۔ نیپلز کی حکومت سمیت سلطنت مشرق کی اطاعت قبول کر لی۔ ایک عوامی تقریب منعقد کر کے اس نے اپنے لیے آگسٹس کا خطاب اختیار کر لیا۔ اور تاج پہن لیا۔ یونانی اس پر بہت خوش ہوئے مگر ترک بھی فرانسیسی مبارزت کے قریب ترین پہنچے ہوئے تھے۔ مینوأل پلائیولوگوس جو آخری بادشاہ کا دوسرا بیٹا تھا۔ اس خواہش میں مبتلا ہوا کہ ایک بار اسے اپنے ملک میں جانا چاہیے۔ اس کی واپسی صرف شکر گزاری کے جذبے کا اظہار تھا، اس سے کسی صاحب اقتدار شخص کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ وہ قسطنطنیہ میں آرام سے رہا اور اسے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ معزز عیسائیوں اور مسلمانوں نے قبر تک اس کی معاونت کی۔ اگر دنیا میں ایسے فیاض طبع حیوانات بھی موجود ہیں جو اپنے وطن میں یہ مشہور کرنا چاہتے ہوں کہ گزشتہ شاہی نسل کا آخری بادشاہ بہت گھٹیا شخص تھا کہ اس نے سلطان کی فیاضی سے دو خوبصورت کنیزیں قبول کر لی تھیں، جبکہ اس کا واحد بیٹا

سلطان کے غلاموں کا مذہب قبول کر کے ان میں شامل ہو گیا تھا۔

جب قسطنطنیہ ہاتھ سے نکل گیا تو اسے اس کی شان وشوکت بھی یاد آئی اور اس کا نقصان بھی محسوس ہوا اور اہمیت کا بھی احساس ہوا۔ پوپ نکولس پنجم جو ایک امن پسند اور خوشحال شخص تھا، اس حادثے کے رد عمل کے طور پر بے عزت کیا گیا۔ کیونکہ اس کی غفلت کی وجہ سے مشرقی سلطنت کا دارالحکومت ہاتھ سے نکل گیا۔ لاطینی ممالک میں غم اور خوف پیدا ہوا یا کم از کم ایسا معلوم ہوتا تھا۔ صلیبی جنگوں کا قدیم جوش وخروش دوبارہ بحال ہو گیا۔ دور افتادہ ممالک میں سے ایک حکمران برگنڈی کا ڈیوک فلپ نے فلانڈرز کے مقام Lisle میں ایک تقریب کی مہمان نوازی کی، اس میں اس ملک کے تمام شرفا کو مدعو کیا گیا۔ اس ضیافت کو انتہائی سلیقے سے مذکورہ مقصد کی تکمیل کے لیے استعمال کیا گیا۔ دوران ضیافت، ایک عظیم الجثہ صحرا نشین ایوان میں داخل ہوا، اس کے ہمراہ ایک فرضی ہاتھی تھا، جس کی پشت پر ایک قلعہ تعمیر کیا گیا تھا۔ جس کے اندر ایک خاتون تھی، جس نے ماتمی لباس پہنا ہوا تھا، اسے قلعے کے اندر مذہب کی علامت کے طور پر ظاہر کیا گیا تھا جس کا قلعے کے اندر سے اجرا ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے مصائب کا اظہار کیا اور اپنے محافظین کی بے حسی کا گلہ کیا۔ کچھ سنہری لباس میں ملبوس تھے، ان کے سردار کے ہاتھ پر ایک زندہ چکور بیٹھا تھا۔ مبارزت کے اصول کے تحت یہ ڈیوک کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ ان غیر معمولی اطلاعات کے تحت فلپ نے جو ایک عمر رسیدہ اور دانا شخص تھا، اپنی ذات اور قوت کو ترکوں کے خلاف صلیبی جنگوں کے لیے وقف کر دیا۔ اس مجلس میں جو جاگیردار اور مبارز بیٹھے تھے، انھوں نے بھی اس کی تقلید کی، انھوں نے خدا کے سامنے قسم کھائی کہ کنواری مادر، خواتین اور چکور کے سامنے ہم اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے عہد کرتے ہیں۔ وہ اس پر عمل مستقبل ہی میں کر سکتے تھے اور اس کے لیے غیر ملکی مدد کی بھی ضرورت تھی۔ برگنڈی کا ڈیوک اپنی زندگی کے آخری دم تک، اپنے قول پر مخلص رہا۔ ہر عیسائی کے سینے میں آگ بھڑک اٹھی اور وہ ان کے عزم وحوصلے کی غماز تھی۔ اگر سویڈن سے لے کر نیپلز تک ہر ملک اپنے حصے کا رسالہ اور افواج مہیا کر دیتا اور افرادی اور مالی مدد سے دریغ نہ کرتا، تو یہ ممکن ہوتا کہ قسطنطنیہ آزاد کرا لیا جائے۔ اور ترکوں کو دردانیال تو ایک طرف دریائے فرات سے بھی پیچھے دھکیل دیا جاتا۔ مگر آئینی ایز سلوی اوس (Aineas Sylvius)، جو شہنشاہ کا معتمد خاص تھا، وہی ہر مکتوب کی تسوید تیار کرتا، اور ہر اجلاس میں موجود رہتا۔ وہ ایک مدبر اور مقرر تھا۔ وہ اپنے تجربے کی بنا پر عیسائیوں کے عام حالات بیان کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ "یہ ایک ایسا جسم ہے جس کا سر موجود نہیں، یہ ایک ایسی جمہوریہ ہے، جس کا کوئی قانون نہیں اور نہ کوئی افسر اعلیٰ

ہے۔ پوپ اور بادشاہ اپنے اعلیٰ خطابات کی نمائش کرتے رہتے ہیں۔ اور اپنا شاندار پیکر چمکاتے رہتے ہیں۔ مگر وہ کمان کے قابل نہیں ہیں۔ کوئی ان کا حکم ماننے کے لیے تیار نہیں۔ ہر ریاست کا اپنا اپنا بادشاہ ہے۔ ہر بادشاہ کا اپنا اپنا اور علیحدہ مفاد ہے۔ اس قدر زیادہ مخالف طبائع کو کون سی فصاحت متحد کر سکتی ہے؟ انھیں ایک جھنڈے تلے کس طرح جمع کیا جا سکتا ہے؟ وہ کون ہوگا جو ان کی جرنیلی سنبھال سکے؟ کون سا فوجی نظم ونسق قائم کیا جائے گا؟ اتنے بڑے اجتماع کی خوراک کا انتظام کون کرے گا؟ وہ کون شخص ہے جو اتنی زیادہ زبانوں کو سمجھ سکے گا؟ اور ان کے متعدد اور مختلف انداز کو باہم مخلوط کر سکے گا؟ وہ کون سا فانی انسان ہے جو انگریزوں اور فرانسیسیوں میں صلح کرائے گا؟ جینوا کو اراگون سے متفق کرا سکے گا اور جرمنی اور ہنگری میں مصالحت کرا سکے گا؟ یا بوہیمیا کو جرمنوں سے متحد کر سکے گا؟ اگر کوئی چھوٹا سا گروہ بھی مقدس جنگ کے لیے تیار ہو جائے تو دشمن ان کو شکست دے گا۔ اگر یہ بہت زیادہ ہوں گے پھر بھی یہ افراتفری کی وجہ سے اپنے وزن کے نیچے دب کر پس جائیں گے۔ لیکن جب یہی آئینی ایز پاپائے روم کے تخت پر بیٹھ گیا، اور اسے پائیس دوم کا لقب دیا گیا، تو اس نے اپنی ساری زندگی ترکوں کے خلاف جنگ میں گزار دی۔ مانطوا (Mantua) کی کونسل میں اس نے جھوٹا یا کمزور جنگی جوش پیدا کر دیا، مگر جب یہی پوپ اینکونا میں ظاہر ہوا اور افواج کے ہمراہ اسے ترکوں کے خلاف جنگ پر جانے کے لیے کہا گیا، تو اس نے متعدد بہانے بنا کر اپنے وعدے پورے کرنے سے گریز کیا۔ ایک غیر مقررہ تاریخ تک ساری مہم ختم کر دی گئی۔ اس کی فوج میں جرمن زائرین بھی موجود تھے۔ اس نے انھیں لالچ اور خیرات دے کر منتشر کر دیا۔ اس نے مستقبل کا کوئی احساس نہ کیا۔ اس کے جانشین اور اٹلی کے حکمران، صرف حال اور داخلی معاملات میں مستغرق تھے، اور ان کی نگاہوں کا حال کی عظمتوں سے باہر نکلنا ممکن نہ تھا۔ ان کا عام نظریہ یہ تھا کہ اپنے متحدہ دشمن کے خلاف ایک بحری اور دفاعی جنگ جاری رکھی جائے۔ اگر یہ لوگ اسکندر بیگ اور اس کے بہادر البانویوں کی مدد کرتے تو نیپلز پر کبھی حملہ نہ ہوتا۔ جب ترکوں نے حملہ کر کے اوٹرانٹو کو لوٹ لیا، تو ایک عام جوش پیدا ہو گیا۔ اور پوپ سکس طوس نے تیاری کر لی کہ وہ کوہ الپس کو پار کر جائے۔ جبکہ سلطان محمد ثانی کی وفات کی وجہ سے تمام طوفان ٹل گیا۔ سلطان کی عمر اس وقت صرف اکیاون سال تھی۔ اس کے بلند عزائم یہ تھے کہ وہ اٹلی کو فتح کر لے۔ اب اس کے قبضے میں ایک مضبوط شہر تھا۔ جس کی بندرگاہیں وسیع تھیں۔ اور غالباً اسی کے عہد میں قدیم اور جدید روم کو تاریخ میں اس قدر انعامات حاصل ہوئے تھے۔

☆☆☆

(۶۹)

بارھویں صدی کے بعد سے روم کی حالت — پاپایان روم کی
دنیاوی حالت — شہر میں بغاوت۔ بریسقیا(Brescia) کے
آرنلڈ (Arnold) کا سیاسی افتراق جمہوریہ کی بحالی —
اراکین مجلس دستور ساز رومیوں کا افتخار — ان کی جنگیں وہ
پاپایانِ روم کی موجودگی اور انتخاب سے محروم ہو گئے —
ایوگنان(Avignon) میں منتقل ہو گئے — جشن مسرت —
رومی شرفا کے خاندان — قولونا(Colonna) اور
ارسینی (Ursini) کا فساد۔

بارھویں صدی کے بعد سے روم کی حالت — پاپایان روم کی دنیاوی حالت — شہر میں بغاوت۔ بریسقیا کے آرنلڈ کا سیاسی افتراق جمہوریہ کی بحالی — اراکین مجلس دستور ساز رومیوں کا افتخار — ان کی جنگیں وہ پاپایانِ روم کی موجودگی اور انتخاب سے محروم ہو گئے — ایوگنان میں منتقل ہو گئے — جشن مسرت — رومی شرفا کے خاندان — قولونا اور ارسینی کا فساد۔

رومی سلطنت کے انحطاط و زوال کے اولین ادوار میں، ہماری نگاہ، بلا امتیاز اس شاہی شہر پر مرکوز ہو جاتی ہے، جس نے کرۂ ارض کے ایک بڑے حصے کو قوانین عطا کیے۔ جب ہم اس کی خوشحالی کو بنظر غائر دیکھتے ہیں، تو پہلے ہم اس کی تعریف کرتے ہیں بالآخر ہمیں اس پر افسوس ہوتا ہے، مگر اس کی طرف ہماری توجہ ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ جب ہماری توجہ دارالحکومت سے ہٹ کر صوبوں کی طرف منتقل ہوتی ہے، تو ہمارے تصور میں ایسی شاخیں اُبھرتی ہیں، جو یکے بعد دیگرے اپنے تنے سے الگ ہو گئی ہوں۔ باسفورس کے ساحل پر دوسرے روم کی تعمیر نے مؤرخین کو مجبور کیا ہے کہ قسطنطین کے جانشین کے حالات کا بھی سراغ لگائیں۔ پھر ہمارا تجسس ہمیں یورپ اور ایشیا کے دور افتادہ ممالک میں بھی لے گیا تا کہ ہم ان اسباب کا جائزہ بھی لے سکیں، جن کی وجہ سے بازنطینی حکومت کے خاتمے میں اس قدر تاخیر ہو گئی اور ان افراد کے حالات بھی معلوم کر سکیں۔ جنھوں نے مذکورہ حالات پیدا کیے۔ جسٹینین کی فتوحات کے بعد ہمیں دوبارہ ٹائبر کے کناروں پر واپسی کرنی پڑی تا کہ ہم قدیم دارالحکومت کی آزادی کا نظارہ کر سکیں۔ مگر یہ آزادی ایک تبدیلی کی صورت تھی، یا غالباً غلامی میں اضافے کی ایک صورت تھی۔ روم کو اس سے قبل ہی اس کے اعزازات سے محروم کیا جا چکا تھا۔ اس کے دیوتا اور قیصر رخصت ہو چکے تھے۔ اب گوتھ کا غلبہ بھی غیر شائستہ اور شدت پسند نہیں رہا تھا، بلکہ اس کی جگہ یونانیوں کے ظلم و ستم میں اضافہ ہو چکا تھا۔ عیسائی تقویم کی آٹھویں صدی میں ایک مذہبی تنازع اٹھ کھڑا ہوا، جب بتوں کی عبادت شروع کر دی گئی، تو رومی مجبور ہو گئے کہ اپنی آزادی کا دعویٰ کر دیں۔ ان کا اسقف عوام کا دینی اور

دنیاوی بادشاہ بن بیٹھا۔ اور قوم کا روحانی باپ قرار پایا اور مغربی سلطنت جسے شارلیمن نے بحال کیا تھا، جس کے خطاب اور تصور سے جدید جرمنی کا فقید المثال دستور ابھی تک آراستگی حاصل کرتا ہے۔ روم کے نام کی ہم ابھی تک اضطراری طور پر بھی عزت کرتے ہیں۔ آب و ہوا (اس کے اثرات خواہ کس قدر بھی ہوں) تبدیل ہو چکی تھی۔ ہزاروں راستوں سے خون کی پاکیزگی ختم ہو چکی تھی، مگر اس کی تباہی کے قابل احترام پہلو اور ماضی کی عظمت کی یاد سے قومی کردار کی چنگاریاں دوبارہ روشن ہو گئیں۔ ازمنۂ وسطیٰ کی ظلمات اور جہالت بھی بعض ایسے مناظر پیش کرتی ہے جو ہماری توجہ کے قابل ہیں۔ میں اپنی یہ کتاب اس وقت تک ختم نہیں کروں گا، جب تک کہ روم کے شہر کی کیفیت اور انقلابات کا ایک بار مزید جائزہ نہ لے لوں، جبکہ یہ اس وقت بھی پاپایان روم کے اقتدار کے تحت، باتفاق رائے اور رضامندی سے چل رہا تھا، جبکہ قسطنطنیہ کو تر کی افواج نے غلام بنا لیا تھا۔

بارھویں صدی کے آغاز میں، جبکہ پہلی صلیبی جنگ کا دور تھا، اہل اطالیہ روم کی بحیثیت عالمی دارالحکومت عزت کرتے تھے۔ اس میں پوپ اور شہنشاہ کے تخت بھی موجود تھے۔ وہ اپنا اقتدار، خطاب، اعزاز اور دنیاوی حکومت کا استحقاق اسی ازلی شہر کے حوالے سے استعمال کرتے تھے۔ اگرچہ اس میں ایک طویل وقفہ آ چکا تھا، پھر بھی یہ بتانا غیر مفید نہ ہوگا کہ شارلیمن اور اوتھو کے جانشین، رائین کے دوسرے پار ایک قومی اجتماع میں منتخب کیے جاتے تھے۔ مگر وہ منکسر المزاج حکمران اپنے آپ کو شاہ اطالیہ اور شاہ جرمنی کے خطابات کے حصول تک ہی مطمئن رکھتے۔ یہاں تک کہ ایلپس اور ایپی نائن عبور کر لیتے اور ٹائبر کے کناروں پر پہنچ کر تاج شاہی کا مطالبہ کرتے۔ اس کے آگے، شہر تک ان کا فاصلہ پادریوں اور عوام کے پہلو میں اور جلوس کے ہمراہ گزرتا۔ جن کے ہاتھوں میں کھجوروں کی ٹہنیاں اور صلیبیں ہوتیں، بھیڑیوں، شیروں، اژدھاؤں اور عقابوں کی شبیہیں ہوتیں، اور وہ لوگ فوجی جھنڈے بھی لہراتے جاتے جو ماضی کی کھوئی ہوئی جمہوریتوں کی یاد منانے کا کام دیتے۔ تین دفعہ اس وعدے پر حلف دہرایا جاتا کہ روم کی آزادی قائم رکھی جائے گی۔ پہلی دفعہ پل پر، دوسری دفعہ دروازے پر اور تیسری دفعہ ویٹی کن کی سیڑھیوں پر یہ عمل دہرایا جاتا، اور رواج کے مطابق خیرات تقسیم کی جاتی۔ یہ اولین قیصران کے طریق کار کی ایک کمزور مثال ہوتی۔ سینٹ پیٹر کے کلیسا میں، تاجپوشی کی رسم ادا کی جاتی۔ جو سینٹ پیٹر کے جانشین ادا کرتے۔ خدا کی آواز خلق خدا کی آواز کے ساتھ شامل ہو جاتی۔ عوامی تائید کے لیے نعرے لگائے جاتے: ''شہنشاہ کی فتوحات زندہ باد''۔ رومی اور طیوطانی افواج زندہ باد'' قیصر (سیزر) اور آگسٹس کے نام قسطنطین اور جسٹینین کے قوانین، شارلیمن اور اوتھو کی مثالیں، شہنشاہ کی برتر

[...]مت کے لیے باعث قیام ہوتیں۔ پوپ کی طرف سے جو سکے مضروب ہوتے، ان پر ان کے نام اور [...] بھی کندہ کر دیے جاتے۔ اور ان کا دائرہ اقتدار انصاف کی علامت ثابت ہوتا۔ جو وہ محافظ شہر کی [...]ایات سے فراہم کرتے۔ اگرچہ ان کا آقا ایک غیر مہذب فرد ہوتا، پھر بھی اسی کے نام سے، زبان سے اور [...]سالت سے فراہم کرتے۔ اگرچہ ان کا آقا ایک غیر مہذب فرد ہوتا، پھر بھی اسی کے نام سے، زبان سے اور انداز فکر سے کاروبار سلطنت چلایا جاتا۔ سیکسنی کے یا فرانکونیا کے قیصر، ایک جاگیردار شرفا کے خاندان کے سردار ہوتے۔ وہ فوجی اقتدار و اختیار کے تحت دیوانی اور فوجداری اختیارات استعمال کرتے۔ وہ صرف دور افتادہ ممالک کی اطاعت حاصل کرتے۔ وہ لوگ غلامی کے لیے بے تاب ہوتے کیونکہ وہ آزادی کے قابل ہی نہ ہوتے۔ ہر شہنشاہ زندگی میں صرف ایک مرتبہ، طیوطانی باجگزاروں کی افواج کے ہمراہ کوہ ایلپس سے اترتا۔ میں نے اس پرامن دور اور جشن تاجپوشی کا حال پہلے بیان کر دیا ہے، مگر رومی جب احتجاج کے لیے ہنگامہ آرائی کرتے وہ ترتیب یا تنظیم قائم نہ رہتی۔ وہ اپنے شہنشاہ کو بیرونی حملہ آور سمجھ کر اس کا مقابلہ کرتے۔ وہ تیز رفتاری سے واپس چلا جاتا۔ اور اکثر شرمندہ ہوتا۔ اور جب وہ اپنی حکومت کے دوران طویل عرصے تک غیر حاضر رہتا، تو اس کے اقتدار کی بے عزتی کر دی جاتی۔ اور اس کا نام فراموش کر دیا جاتا۔ اٹلی اور جرمنی میں آزادی کے عمل کی ترقی سے شاہی اختیارات میں کمی آئی۔ اور پاپایان روم کی فتح روم کی آزادی کی ضمانت تھی۔

اس کے دونوں حکمرانوں میں سے شہنشاہ نے اپنی حکومت بڑی مشکل سے قائم رکھی۔ اس نے اس شہر کو بزور شمشیر فتح کیا تھا اور حکومت کا حق حاصل کیا تھا۔ مگر پوپ کا اقتدار زیادہ مضبوط بنیادوں پر قائم تھا۔ وہ بظاہر نرم معلوم ہوتا تھا، مگر عوام کی رائے کے مطابق اور ایک عادت ہو جانے کی وجہ سے اس کا اقتدار مستحکم تھا۔ غیر ملکی اقتدار کے خاتمے کے بعد گڈریے کے اپنے گلّے میں اثرات مزید بڑھ گئے۔ جرمنی کے دربار سے ایک بے ضابطہ اور من موجی نامزدگی کی بجائے نائب مسیح کا انتخاب کارڈینل اپنی آزادی رائے سے کرتے۔ ان میں اکثریت مقامی اور اسی شہر کے باشندوں کی تھی۔ لوگوں کی نعرہ بازی اس کے انتخاب کی توثیق کر دیتی اور کلیسائی اختیارات مل جاتے، جن کی سویڈن اور برطانیہ تک پابندی کی جاتی۔ بتدریج ان دونوں ممالک کو بھی حق رائے دہی مل گیا۔ ایک ہی عمل حق رائے دہی میں روم کے لیے پوپ اور بادشاہ کو منتخب کر لیا جاتا۔ اسے ہر شخص تسلیم کرتا کہ قسطنطین نے پاپایان روم کو روم کی دنیاوی حکومت بھی عطا کر دی تھی۔ لیکن بعض افراد زیادہ دلیر تھے اور شکی مزاج تھے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ شہنشاہ کو اس بخشش و عطا کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔ وہ اس کے اس عمل عطا کو ناجائز سمجھتے تھے۔ مگر اس معاملے کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی گہری جڑیں گزشتہ چار صدیوں کی جہالت اور

روایت میں گڑی ہوئی تھیں۔ اور اسی میں اس کا جواز بھی مضمر ہے۔ اور اس کی افسانوی ابتدا اس کے حقیقی اور مستقل اثرات کے پس پردہ کھوگئی تھی۔ دوی نوس یا خدا (Lord) کا نام پاپایائی سکوں پر مضروب تھا اور ان کے اس خطاب کی بلند نعروں اور حلف وفاداری سے تصدیق کردی جاتی تھی۔ اور جرمنی کے قیصر بھی آزادانہ مگر کسی حد تک پس وپیش کے ساتھ ان کی توثیق کردیتے تھے۔ وہ طویل عرصے سے شہر اور سینٹ پیٹر کے جانشینوں پر اپنی برتری کا سکہ جمائے بیٹھے تھے۔ ان کا دائرہ کار سب سے اعلیٰ یا کم از کم دوسرے درجے پر تھا۔ پاپایان کی حکومت، جس کی وجہ سے متعدد تعصبات وجود میں آئے، وہ روم کے جذبۂ آزادی سے متضاد نہ تھی۔ اگر زیادہ تنقیدی نظر سے جائزہ لیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ وہ اپنے اختیارات انتہائی شریفانہ انداز میں استعمال کرتے تھے۔ اس کے لیے قوم ان کی شکر گزار تھی۔ انھوں نے قوم کو افتراق اور یونانی حکمران کے ظلم وستم سے بچایا تھا۔

ایک اوہام پرستی کے دور میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ اور کلیسا کے مابین اتحاد کی وجہ سے ملک کو مضبوطی اور استحکام حاصل ہوتا تھا۔ بلکہ دونوں اداروں کو فائدہ پہنچتا تھا۔ دوسری طرف ارضی فرمانبرداری سے بہشت کی کلید کی یقین دہانی کرادی جاتی، مگر انسان کی ذاتی خطاکاریوں اور برائیوں کی وجہ سے عہدے کا مرتبہ بھی کم ہوجاتا ہے۔ گیارھویں صدی عیسوی میں جو قابل ملامت افعال سرزد ہوئے ان کا نام ونشان مٹانے کے لیے گریگوری ہفتم نے سادگی اور دیگر خطرناک خوبیوں کا مظاہرہ کرنے کی جو کوششیں کیں، اور اس کے جانشینوں نے بھی یہ عمل جاری رکھا۔ جن کا مقصد یہ تھا کہ کلیسا کے حقوق میں کوئی کمی نہ آئے، اور اس سلسلے میں انھیں تکالیف اٹھانی پڑیں اور کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔ ان کا یہ نتیجہ تو ضرور نکلا کہ معاشرے میں کلیسا کی عزت میں اضافہ ہوگیا۔ ان کو کچھ عرصے کے لیے افلاس برداشت کرنا پڑا اور یہ مختلف مقامات پر سرگرداں رہے حتیٰ کہ جلاوطنی بھی قبول کرنی پڑی، اور ظلم وتشدد بھی برداشت کرنا پڑا۔ اور اس ذوق وشوق کے باعث انھوں نے اپنے آپ کو شہادت کے لیے پیش کردیا۔ اس سے ہر رومن کیتھولک کے دل میں ان کے لیے عقیدت میں اضافہ ہوجائے گا۔ کبھی کبھی دو دینی کن میں گرج بھی پڑتے۔ کسی کو بادشاہ بنادیتے، کسی کے خلاف مقدمات کی سماعت کرتے اور دنیا کے کسی بادشاہ کو معزول بھی کردیتے۔ اور متکبر رومی کسی پجاری کے سامنے جھک جانے میں بھی عار نہ سمجھتے۔ وہ ان کی قدم بوسی بھی کرتے اور شارلیمن کے جانشین ان کے دامن میں برکت تلاش کرتے۔ شہر کے دنیاوی مفادات کے لیے بھی ضروری تھا کہ پوپ کی رہائش گاہ کا امن اور سلامتی قائم رہے کیونکہ متعدد نکمے اور سست افراد کی بسراوقات اس کے ساتھ ہی وابستہ تھی۔ پوپ کا مقررہ محصول میں بھی غالباً کمی آجاتی تھی۔ ان کی

بہت سی آبائی املاک جو اٹلی اور دیگر صوبوں میں واقع تھیں، ان پر مخالفین نے حملہ کرکے قبضہ کرلیا تھا، اور پے پین (Pepin) اور اس کے ورثا کی فیاضیوں سے بھی اس نقصان کی تلافی ممکن نہ تھی۔ مگر دینی کن اور اجلاس گاہ کی ضروریات کو زائرین کے بڑے بڑے گروہ پورا کرتے رہتے تھے۔ عیسائیت کا حلقہ ہر روز بڑھ رہا تھا۔ لاطینی کلیسا میں ایک نئی فقہ روشناس کرادی گئی تھی۔ انھیں یہ حق بھی مل گیا تھا کہ وہ مرافعہ جات کی بھی سماعت کرسکیں۔ اور شمال ومغرب سے بشپ اور اسقف طلب کرلیے جاتے یا انھیں اطلاع کردی جاتی کہ وہ حاضر ہوکر اپنے فیصلوں کا جواز فراہم کریں۔ شکایات کا ازالہ کریں یا مجرموں کا دفاع کریں۔ ایک دفعہ ایک نادر مقدمہ درج کیا گیا کہ الپس کے پار، مینز اور قولون کے اسقفوں کی ملکیت میں دو گھوڑے ایسے تھے جن پر چاندی اور سونا لدا ہوا تھا، لیکن جلد ہی یہ معلوم ہوگیا کہ زائرین اور مدعی کی کامیابی کا معیار ان کی نذر کی قیمت پر نہ تھا، بلکہ ان کے دعوے کی صداقت پر تھا۔ اس نذرانے کی قیمت دونوں فریقوں کی طرف سے مختلف بتائی گئی اور ان کے اخراجات جائز تھے یا ناجائز، مگر فریقین نے اپنے موقف کو وضاحت سے بیان کیا اور ثابت کیا کہ تمام اخراجات رومیوں کی بہبود ہی کے لیے کیے گئے تھے۔

جب مقاصد اس قدر مضبوط اور مستحکم ہوں، تو رومی رضاکارانہ طور پر اپنے محسن کے روحانی اور مادی دامن میں پناہ لیں گے۔ اور اپنے مفادات کا تحفظ کریں گے۔ مگر بعض اوقات جذبات قابو میں نہیں ہوتے اور اس کے زیر اثر عصبیت اور مفادات کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔ ایک ہندی اگر کسی درخت کو اس لیے گرادیتا ہے کہ وہ پھل جمع کرلے اور ایک عرب جو کسی تجارتی کارواں کو لوٹ لیتا ہے۔ دونوں کا عمل یکساں وحشیانہ محرک پر مبنی ہے جو حال میں مست ہوکر مستقبل کو نظر انداز کردیتے ہیں۔ اور طویل عرصے کی اہم بابرکت رحمت سے محروم ہوجاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ احمق رومیوں نے سینٹ پیٹر کی خانقاہ کو ناپاک کردیا۔ انھوں نے زائرین کے نذرانے چھین لیے اور انھیں زخمی کردیا۔ انھوں نے اس کا بھی کوئی اندازہ نہ کیا کہ اس نوع کے قافلوں سے انھیں کس قدر مفاد حاصل ہوسکتا ہے۔ انھوں نے اپنے اس ناجائز عمل کی وجہ سے ان کی آمد کا سلسلہ ہی ختم کردیا۔ اور خانقاہ کی بھی بے حرمتی کی۔ اگرچہ مفلوک الحال افراد اور غلاموں میں اوہام پرستی کے اثرات کم وبیش ہوتے رہتے ہیں۔ اس کا سبب ان کا مفاد یا جذبۂ افتخار ہوتا ہے۔ غیر مہذب افراد کے اذہان پر پجاریوں کی بیان کردہ داستانیں، کرامات اور معجزات بہت گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ ان سے ان کی عقیدت میں اضافہ ہوتا ہے۔ مگر ایسا ذہن تخیلات کو استدلال کی کسوٹی پر پرکھنے سے قاصر رہتا ہے۔ اس کے لیے یہ بعید از فہم

مقاصد جو غیر مرئی بھی ہوتے ہیں اور غالباً اس کے لیے ایک مثالی تصور بھی فراہم کرتے ہیں۔ ان کا تعلق اس کے لیے دور حاضر کی اشتہا اور ضروریات ہی سے ہوتا ہے۔ جب انسان نوجوان، قوی اور صحت مند ہو، تو اس کا عمل ہمیشہ اس کے اعتقاد سے متضاد ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ عمر اور بیماری کے اثرات اس پر دباؤ نہ ڈالیں یا وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائے، اگر حالات میں یہ تبدیلی آ جائے تو اسے تقدیس اور تأسف کا دہرا احساس ہونے لگتا ہے اور وہ عقیدت کا فرض چکانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ میں نے اس سے قبل بھی یہ رائے دی ہے کہ دور جدید میں مذہب سے جو توجہ کم ہوئی ہے، تو اس سے پجاری کو سکون اور تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔ جب اوہام پرستی برسر اقتدار ہو تو ان کی تمام امیدیں جہالت سے وابستہ ہوتی ہیں۔ اور انھیں تشدد کا خوف بھی بڑھ جاتا ہے۔ انسانوں کے مختلف گروہ کسی وقت بھی ان پر جور و استبداد کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ جب ان کے پاس دولت جمع ہو گئی تو انھوں نے اپنے آپ کو کرۂ ارض کا واحد مالک سمجھنا شروع کر دیا۔ مگر یہ اپنی اپنی باری پر کبھی تائب باپ کو مل جاتی ہے۔ اور کبھی لالچی بیٹا اس پر قبضہ کر لیتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان دونوں کے مقاصد یکساں ہوں یا دونوں میں اختلاف ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان دونوں میں سے ایک تو قربان گاہ تک پہنچ سکے اور دوسرا فرشِ خاک ہی پر لڑھک کر گر جائے، یورپ کے جاگیردارانہ نظام میں، اسلحہ یا تو نمایاں افراد کو ملتا تھا، یا صرف وفادار گروہوں کو دیا جاتا تھا، ان کے ہنگامہ آرا گروہوں میں قانون اور استدلال کی خاموش آواز شاذ ہی سنائی دیتی تھی اور اس کو شاذ ہی بلند کیا جاتا اور اس کی پابندی بھی کوئی نہ کرتا۔ ہنگامہ آرا رومیوں نے غلامی کے جوئے کو اتار کر پھینک دیا۔ اور بشپوں کی کمزوری کی تذلیل کی۔ اس کی تعلیم اور کردار اسے اس امر کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ تلوار کی قوت کو بھی مؤثر طور پر استعمال کر سکے۔ اس کے انتخاب کے مقاصد اور اس کی زندگی کی کمزوریاں ان کے قریبی مشاہدے سے پوشیدہ نہ رہیں اور کسی سے بہت زیادہ قرب اس کے احترام کو ختم کر دیتا ہے، جو محض اس کے نام اور فیصلوں کی بنیاد پر غیر مہذب معاشرے میں رائج تھا۔ یہ حقیقت اور فرق ہمارے فلسفی مؤرخین کی نگاہوں سے بھی اوجھل نہیں رہا۔ اگرچہ روم کی عدالتوں اور اقتدار کا نام ہی اتنا خوفناک تھا کہ یورپ کے دور افتادہ ممالک، جو اس دور میں جہالت کی عمیق گہرائی میں غرق ہے اور ان کے اطوار و کردار بھی ان پر پوری طرح ظاہر نہ تھے۔ پوپ کی اپنے وطن میں کوئی عزت نہ تھی۔ اس کے سخت ترین دشمنوں نے روم کے دروازے بھی گھیرے میں لے لیے، اور شہر میں اس کی حکومت کا نظم و ضبط بھی سنبھال لیا۔ اور یورپ کے دور افتادہ ممالک کے سفیر، اس کے لیے اپنے مذہبی رہنماؤں کی طرف سے عاجزانہ

اطاعت گزاری کے پیغامات لے کر آتے تھے۔ یہ مذہبی رہنما بھی اپنے عہد کی باوقار حیثیت کے حامل تھے، مگر اس کی قدم بوسی کے لیے اور اس تک رسائی حاصل کرنے کے لیے انھیں خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔

ان قدیم ادوار ہی سے پاپایان روم کی دولت سے حسد کیا جا رہا تھا، ان کے اختیارات کی مخالفت کی جا رہی تھی، اور ان کے جسم تشدد کا شکار ہو رہے تھے۔ مگر کلاہِ کلیسا اور تاج حکومت کے طویل عناد کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے مخالفین کی تعداد میں اضافہ ہو گیا، اور ان کے غصے کے جذبات کے شعلے بھی بھڑکنے لگے۔ گلفوں (Guelphs) اور گبیلنوں (Ghibelines) کے مہلک اختلافات اٹلی کے ساتھ اس قدر خطرناک تھے کہ رومی ان میں کسی صورت میں بھی صداقت اور استقلال کے عناصر دریافت نہیں کر سکتے تھے۔ حالانکہ ان میں پوپ اور شہنشاہ دونوں کے تابعین اور مخالفین شامل تھے، مگر دونوں فریق ان کی مدد کے خواہاں تھے، اور وہ باری باری سے کبھی تو سینٹ پیٹر کے کلید بردار ہو جاتے اور کبھی جرمن عقاب تھام لیتے۔ ہنری ہفتم پاپائی حکومت کا بانی تھا، خواہ اس کے اس معاملے میں تعریف کی جائے یا اسے بُرا سمجھا جائے، اسے روم سے باہر نکال دیا گیا تھا اور اس کی موت سلرنو میں واقع ہوئی۔ اس کے چھتیس جانشینوں نے اس وقت تک فقید المثال مقابلہ جاری رکھا، جب تک وہ اویگنان میں منتقل نہ ہو گئے۔ انھوں نے رومیوں سے غیر مساوی مقابلہ بھی جاری رکھا۔ اکثر اوقات ان کی عمر اور وقار کا خیال نہ رکھا جاتا۔ ان کی مذہبی سنجیدہ روایات کو گرجا گھروں میں بھی بغاوت اور ارتکاب قتل سے آلودہ کر دیا جاتا تھا۔ ایسے متلون مزاج ظالمانہ افعال کا تکرار، جو کسی منصوبہ بندی یا تعلق کے سبب وقوع پذیر ہوتا رہے۔ اسے برداشت کرنا مشکل بھی ہوتا ہے اور اس سے مایوسی بھی ہوتی ہے۔ میں صرف بارھویں صدی کے چند واقعات کے بیان تک ہی اپنے آپ کو محدود کروں گا۔ ان سے پتا چل جائے گا کہ پاپان روم اور شہر کی حالت کیا تھی۔ مقدس جمعرات کے روز جبکہ پاسکل قربان گاہ کے سامنے اپنے فرائض کی ادائیگی میں مشغول تھا، تو ایک انبوہ کثیر نے اس کے کام میں دخل اندازی کی، ان کا مطالبہ تھا کہ ان کے ایک منظور نظر حاکم اعلیٰ کے تقرر کی توثیق کر دی جائے، لیکن وہ خاموش رہا جس کی وجہ سے وہ غضبناک ہو گئے۔ اس نے معصومیت سے انکار کر دیا کہ دنیاوی معاملات کو عبادت سے مخلوط نہیں کیا جا سکتا ہے، اس کے جواب میں اسے دھمکیاں دی گئیں اور بدزبانی کی گئی، اور اس پر الزام عائد کیا کہ عوام کی تباہی اس کے سامنے ہے اور وہی اس کا باعث ہے۔ ایسٹر کے تہوار کے دوران، جبکہ بشپ اور پادری، ننگے پاؤں ایک جلوس میں جا رہے تھے۔ وہ شہدا کے مزار پر بھی چلے گئے، ان پر دوبارہ حملہ کیا گیا۔ ایک دفعہ تو سینٹ اینجیلو کے پل پر اور دوسری بار اجلاس گاہ

میں داخل ہونے سے قبل، ان پر پتھروں اور ڈھیلوں سے حملہ کیا گیا۔ اس کے معتقدین کے گھروں کو گرا کر
زمین کے ساتھ ہموار کر دیا گیا۔ اس خطرناک صورتحال سے پاسکل بڑی مشکل سے بچا۔ اس نے سینٹ پیٹر کی
املاک پر فوج متعین کر دی، اس کے آخری ایام بڑی تلخی میں گزرے، کیونکہ خانہ جنگی کے اثرات اور مصائب
سے وہ اپنے آپ کو بچا نہ سکا۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آئے اور وہ کلیسا اور شہر دونوں کے لیے بدنامی اور
ندامت کے باعث تھے، ان میں اس کے جانشین تھیتھیو فرنجی پانی کا انتخاب بھی شامل تھا۔ وہ ایک قوی مگر معمولی
جاگیردار تھا۔ وہ غضبناک حالت میں اسلحہ لے کر ایک مجلس میں داخل ہو گیا۔ اس مجلس میں شامل کارڈینل
عریاں کر دیے گئے، انھیں مارا پیٹا گیا اور پاؤں کے نیچے کچلا گیا۔ اور اس نے بغیر رحم کھائے یا احترام کو مد
نظر رکھتے ہوئے نائب مسیح کو گلے سے پکڑ لیا۔ پھر جیلاسی اوس کو بالوں سے پکڑ لیا اور فرش پر گھسیٹا، ٹھڈے مارے
اور زخمی کر دیا، اور ظالم اور جابر کے گھر میں لے جا کر زنجیروں سے باندھ دیا۔ عوام نے شورش کر کے اپنے بشپ
کو نجات دلائی۔ حریف خاندان، فرنجی پانی کے تشدد کی مخالفت کرتے تھے اور فیتھیو جس نے معافی کے لیے
دعویٰ دائر کیا تھا، وہ اپنی مہم کے جرم کی بجائے دعوے میں ناکامی پر افسوس کرتا تھا، ابھی زیادہ دن نہیں گزرے
تھے کہ پوپ پر قربان گاہ میں حملہ کیا گیا۔ جب اس کے دوست اور دشمن ایک خونریز مقابلے میں مصروف تھے۔
وہ اپنے کلیسائی لباس ہی میں موقع سے کھسک گیا۔ اس نازیبا فرار کی وجہ سے رومی خواتین کا جذبۂ رحم
بیدار ہوا۔ اس کے خدام منتشر ہو چکے تھے، یا ان کے گھوڑے غائب کر دیے گئے تھے، اور سینٹ پیٹر کے گرجے
کے عقب میں اس کا نائب اور جانشین نیم مردہ حالت میں پڑا ہوا پایا گیا۔ وہ تھکا ماندہ اور خوف زدہ تھا۔ اس
نے اپنے پاؤں میں گرد جھاڑی، اور جواری اس شہر ہی کو چھوڑ کر چلا گیا، جس میں اس کے وقار کی تذلیل کی گئی
تھی، اور اس کی ذات کو بھی خطرہ درپیش تھا، اور کلیسائی جب اقتدار کے جھوٹے غرور کا اس قول سے اعتراف
ہوتا ہے کہ ایک شہنشاہ بیس بادشاہوں کے مقابلے میں زیادہ قابل برداشت ہوتا ہے۔ اس حقیقت کے ثبوت
کے لیے غالباً یہی مثال کافی ہے، لیکن میں اس دور کے دو اسقفوں کی مشکلات کو فراموش نہیں کر سکتا۔ جن کے
نام لوقی اوس دوم اور سوم ہیں۔ اول الذکر حملہ کرنے کے لیے جنگی صف بندی کے عمل پر فائز ہوا، تو کسی نے اس
کی کنپٹی پر پتھر مار دیا اور یہ چند ایام کے اندر اندر فوت ہو گیا۔ ثانی الذکر کو اس کے ملازمین ہی نے شدید زخمی کر
دیا۔ ایک معاشرتی جھگڑے میں اس کے متعدد کلیسائی کارکن قیدی بنا لیے گئے، اور رومیوں نے غیر انسانی
کردار کا مظاہرہ کرتے ہوئے، ماسوائے ایک شخص کے جسے اپنے ساتھیوں کے خلاف جاسوسی کرنے کے لیے

چھوڑ دیا گیا تھا، باقی سب کی آنکھیں نکال دیں، انھیں ایک جگہ جمع کر دیا گیا، اور مضحکہ خیز ٹوپیاں پہنا دی گئیں
اور گدھوں پر بیٹھا دیا گیا، ان کے منہ گدھوں کی دم کی طرف کر دیے گئے، اور زبردستی ان کے منہ سے نکلوایا گیا
کہ اس بدبختی کی حالت میں وہ سربراہ کلیسا کے لیے ایک سبق ہیں۔ امید یا خوف، مضحکہ خیزی، یا ندامت،
انسانی کردار اور حالات زمانہ کی وجہ سے ایسے وقفے بھی آ جاتے ہیں، جب امن ہو جاتا ہے اور عوام معاشرتی
احکام کی تعمیل بھی کرنے لگتے ہیں۔ اور پوپ خوش ہو کر لیطران یا ویٹی کن میں پہنچ گیا، جہاں سے اسے دھمکیاں
دے کر اور تشدد کے ذریعے نکالا گیا تھا، مگر شرارت کی جڑ بہت گہری اور دائمی تھی۔ اور وقتی سکون سے قبل اور بعد
میں بھی ایسا طوفان اٹھ کھڑا ہوا کہ اس کی وجہ سے سینٹ پیٹر کا مستولی جہاز بھی اس میں غرق ہو گیا، مگر روم کی
طرف سے جنگ اور اختلافات کا مسلسل اظہار ہوتا رہا۔ گرجا گھروں اور محلات کو قلعہ بند کر دیا گیا۔ بعض فرقے
اور خاندان اس معاملے میں پیش پیش رہے۔ قالکس طوس دوم، یورپ میں امن قائم کر چکا تھا، اس میں اتنی
قوت بھی تھی اور عزم و حوصلہ بھی تھا کہ وہ دارالحکومت میں نجی اسلحہ کے استعمال کو روک سکے۔ وہ اقوام جو تخت
کلیسا کا احترام کرتی تھیں، ان میں روم کے فسادات نے ایک عام مایوسی پھیلا دی۔ اس کے اپنے پیروکار
شاگرد یوجینی اوس سوم کے ایک خط میں سینٹ برنارڈ نے اپنے مخصوص کاٹ دار مزاحیہ انداز میں تحریر کیا، جس
میں اس نے باغی افراد پر ان کی برائیوں کے داغوں کا بیان کیا۔ کلیئر واکس کے راہب نے سوال اٹھایا کہ جاہل
کون ہے اور رومیوں کے جھوٹے وقار اور گستاخانہ رویے سے کون ناواقف ہے؟ ان کے اندر بغاوت کا خمیر
موجود ہے۔ وہ ظالم اور گمراہ ہیں۔ ان کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا۔ انھیں حکم کی بجا آوری سے نفرت ہے۔ یہ اسی
وقت حکم کی تعمیل کرتے ہیں، جب اتنے کمزور ہو جائیں کہ ان میں مزاحمت کی کوئی ہمت باقی نہ رہے۔ جب وہ
خدمت گزاری کا وعدہ کرتے ہیں، تو ان کی احمقانہ خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ حکومت کریں۔ اگر وہ وفاداری کی
قسم کھائیں، تو وہ ایسے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں کہ بغاوت کر سکیں۔ وہ اپنی عدم طمانیت کا مظاہرہ بلند
نعروں سے کرتے ہیں، اگر آپ ان کے لیے اپنے دروازے بند کر دیں یا انھیں مشورے دینا بند کر دیں تو وہ
ہنگامہ آرائی پر اتر آئیں گے۔ یہ شرارت میں بڑے طاق ہیں، اور اچھا کام کرنے سے ناواقف ہیں۔ ایک
دوسرے کے خلاف سازش کرتے رہتے ہیں۔ ارض و سما کے ہر مقام پر نفرت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ خدا کے
نافرمان ہیں، ایک دوسرے کے بدخواہ ہیں۔ اپنے ہمسایوں سے حسد کرتے ہیں، اور اجنبیوں سے غیر انسانی
سلوک کرتے ہیں۔ یہ کسی سے محبت نہیں کرتے اور کوئی دوسرا بھی ان سے محبت نہیں کرتا، اور جب وہ خوف

پھیلانا چاہیں تو وہ خوف کے احتمال کو مسلسل طاری رکھتے ہیں۔ وہ کبھی ہار نہیں مانیں گے۔ وہ حکومت کرنا جانتے
ہیں، مگر اپنے حاکمانِ بالا سے بے وفا رہتے ہیں۔ وہ اپنے ہم پلہ افراد کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اپنے محسنوں کی
ناشکر گزاری کرتے ہیں، ان کے مطالبات تسلیم کر لیے جائیں یا ان سے انکار کر دیا جائے تو وہ یکساں گستاخی کا
مظاہرہ کرتے رہیں گے۔ بہت بڑھ چڑھ کر وعدے کرتے رہیں گے مگر وعدہ وفا کرنے میں وہ بہت کمزور
ہیں۔ خوشامد، بہتان طرازی، بے وفائی اور بغاوت ان کی حکمت عملی کے سنجیدہ فن ہیں۔ ان کی سیاہ حب الوطنی
پر عیسائیت کی فیاضی کا کوئی نقش موجود نہیں۔ اس کے باوجود ان کی صفات خواہ کس قدر زندہ دلی کا نتیجہ ہوں
لیکن بارھویں صدی کے رومیوں کے کردار کی بالکل صحیح ترجمانی ہے۔

جب حضرت عیسیٰؑ ایک دہقان کے کردار میں ظاہر ہوئے تو یہود نے انھیں تسلیم کرنے سے انکار کر
دیا۔ مگر رومی بھی ان کی نائب خدا کی حیثیت کو کبھی قبول نہ کرتے اگر وہ ایک دنیادار بادشاہ کی شان و شکوہ کے
ساتھ ان کے سامنے جلوہ گر ہوتے۔ صلیبی جنگوں کے مصروف ایام میں مغربی دنیا میں تجسس اور استدلال کی
کرن دوبارہ روشن ہوگئی تھی۔ بلغاریہ اور پاؤلیتی فرقوں کی بدعت کامیابی سے اٹلی اور فرانس کی سرزمین میں
منتقل کر دی گئی۔ غناسطی مکاشفات کو انجیل کی سادگی کے ساتھ مخلوط کر دیا گیا اور پادریوں کے دشمنوں نے اپنے
جذبات کو اپنے ضمیر کے ساتھ مخلوط کر لیا۔ آزادی کی خواہش کو خیر سے منسلک کر دیا۔ رومی آزادی کا طبل سب
سے پہلے بریسقیا کے آرنلڈ نے بجایا۔ کلیسا میں اس کے اثرات صرف ادنیٰ طبقوں تک ہی محدود رہے۔ اس
نے افلاس کو چھپانے کے لیے رہبانیت کا چولہ پہن لیا تھا۔ اس کا سبب احکام الٰہی کی تعمیل نہ تھا۔ اس کے دشمن
اس سے انکار نہ کرتے کہ وہ اپنے پیغام کو استدلال اور دانش مندی سے پیش کرتا ہے۔ انھوں نے تجربے سے
اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن وہ اس کے اخلاقی تقدس کی وسعت کو قبول کرنے میں تأمل سے کام لیتے تھے
اور اس کی کوتاہیوں کو بھی عوام کی مصلحت اور مفاد کے عنوان سے پیش کیا جاتا تھا۔ دینیات کے معاملے میں اس
نے مشہور مگر بدقسمت استاد ابیے لارڈ کی شاگردی اختیار کی تھی۔ اسے بھی اسی کی طرح بدعت میں مبتلا سمجھا جاتا
تھا۔ مگر ایلوئسا کا محبوب نرم مزاج اور لچکدار فطرت کا مالک تھا۔ اور اس کے کلیسائی منصف روحانی ترقی کے
خواہش مند تھے، اور اس کے عاجزانہ استغفار کی وجہ سے اپنا اسلحہ اتار کر پھینک چکے تھے۔ غالباً اپنے اسی استاد
آرنلڈ سے اس نے تثلیث کی مابعد الطبیعیاتی اصلاحات قبول کر لی تھیں۔ جنھیں اس دور میں سخت نفرت کی نگاہ
سے دیکھا جاتا تھا، اس کے اصطباغ اور عشائے ربانی کی روٹی اور شراب کے آمیزے کے عقائد کو نرمی سے

مسترد کر دیا جاتا ہے۔ مگر اس نے ایک سیاسی بدعت اختیار کر لی، اس کی وجہ سے اسے شہرت بھی ہوئی اور وہی
اس کی بدقسمتی کا باعث بھی ہوئی۔ وہ حضرت عیسیٰؑ کے حوالے سے یہ اعلان کرتا تھا کہ ان کی حکومت اس دنیا کی
نہیں، وہ بڑی دلیری سے یہ کہتا تھا کہ تلوار اور تخت حاکمانِ اعلیٰ کے حوالے کیے گئے ہیں۔ دنیاوی اعزازات اور
املاک یا مقبوضات، حسب قانون ان افراد کے حوالے کیے گئے ہیں جن کا مذہبی مناسک سے کوئی تعلق نہیں۔
اور ایبٹ، بشپ اور پوپ، دونوں میں سے کوئی ایک چیز اپنے پاس رکھیں یا تو ریاست پر قبضہ کریں یا نجات
کے راستے کا منصب سنبھالیں۔ اور جب وہ رضا کارانہ طور پر عشر قبول کرنے سے انکار کر دیں گے اور صرف
عوام کی نذر و نیاز پر گزارہ کریں گے تو اس رقم سے وہ عیاشی تو نہ کر سکیں گے۔ اور ان کا لالچ تو پورا نہ ہو سکے گا مگر
وہ سادہ زندگی گزار کر روحانی امور ضرور انجام دے سکیں گے۔ ایک مختصر عرصے کے لیے اس پادری کا بطور محب
وطن احترام کیا گیا۔ پھر عدم اطمینان پیدا ہوا اور بعد ازاں بغاوت ہوگئی۔ اس کے خطرناک اسباق کا یہ نتیجہ نکلا
کہ بریسقیا نے اپنے پوپ کے خلاف بغاوت کر دی۔ عوام کی طرف سے قبولیت، کلیسا کی مخالفت کے مقابلے
میں بہت کم پائیدار ہوتی ہے۔ اور جب انوسینٹ دوم نے آرنلڈ کی بدعت کی ملامت کر دی، تو لیطران کی
عمومی کونسل نے خود حاکمانِ اعلیٰ سے درخواست کی کہ وہ کلیسا کی طرف سے عائد کردہ سزا پر عمل درآمد کریں، اٹلی
اسے تادیر پناہ دینے کا اہل نہ تھا اور ابیے لارڈ کا شاگرد کوہ الپس کی دوسری سمت کھسک گیا۔ یہاں تک کہ زیورخ
میں اسے محفوظ پناہ گاہ نصیب ہوگئی، دور حاضر میں یہ شہر سوئٹزرلینڈ کا ایک مقام ہے۔ ایک دیہاتی محل، شریف
خاندان کی ایک دوشیزہ کا حصول ممکن ہوگیا، زیورخ بتدریج ایک آزاد اور خوشحال بن گیا۔ یہاں پر کسی دور میں
ایک شاہی مجلس انصاف بھی قائم تھی، جس میں میلان کے باشندوں کے مرافعہ جات کی غیر جانب دارانہ
سماعت کی جاتی۔ یہ دور ابھی اصلاحات کے لیے صحیح معنوں میں تیار نہ تھا۔ زونگلی اوس کو بڑے جوش و خروش سے
سنا گیا، یہ لوگ بہادر اور سادہ مزاج تھے، جو نہ صرف شوق سے سیکھتے ہیں بلکہ اسے تادیر اپنے حافظے میں محفوظ
بھی رکھتے ہیں، انھیں اس کے عقائد کا رنگ بہت پسند تھا۔ وہ اس کے فن اور استحقاق کے دلدادہ تھے۔ انھوں
نے قسطانسے کے بشپ کو اپنے ساتھ ملا لیا اور پوپ کے اس سفیر کو بھی اپنا ہم خیال بنا لیا، جس نے اس کی وجہ
سے اپنے آقا اور تنظیم کے مفادات کو فراموش کر دیا تھا۔ سینٹ برنارڈ کے سخت اور قابل نفرت لالچ کی وجہ سے
کمزور احتجاج بھی زور پکڑ گیا اور کلیسا کے دشمن کے خلاف جب تشدد کا آغاز ہوا، تو وہ خود روم میں اپنا جھنڈا بلند
کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اور سینٹ پیٹر کے جانشین کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

آرنلڈ کا عزم صوابدیدی قوت سے خالی نہ تھا۔ اسے مقامی شرفا اور عوام نے تحفظ فراہم کیا اور غالباً آنے کی دعوت بھی دی تھی۔ اور اس کی فصیح زبان سات پہاڑیوں کے شہر پر رعد کی طرح گونجتی رہی۔ وہ اپنی تقاریر میں لائیوی اور سینٹ پال کے متن شامل کرتا رہا۔ اس نے کتاب مقدس کے مقاصد اور کلاسیکی جوش کو باہم مربوط کردیا۔ اس نے رومیوں کو انتباہ کی کہ ان کے جذبات اور پادریوں کی برائیاں، روم شہر اور کلیسا کے معیار سے کس قدر گر گئی ہیں، اس نے ان پر زور دیا کہ وہ عیسائیوں اور بنی نوع انسان کے حقوق کی حفاظت کریں۔ حاکمان اعلیٰ کو بحال کریں اور بادشاہوں کے ناموں کی عزت کریں اور ریوڑوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے روحانی گڈریوں کی حفاظت میں رہیں۔ پوپ کی روحانی حکومت بھی مصلح کی تنقید سے نہ بچ سکی۔ وہ کہتا کہ وہ کارڈینل جو روم کے اٹھائیس حلقوں پر مطلق العنان اختیارات لے کر بیٹھے ہیں، ان کی مزاحمت کی جائے، لوٹ مار اور تشدد کے بغیر انقلاب مکمل نہ ہوسکا۔ خون بہایا گیا اور مکانات گرائے گئے، وہ طبقات جنھیں فتح حاصل ہوئی، انھوں نے پجاریوں اور مقامی شرفا کو لوٹ کر مال جمع کرلیا، بریسقیا کے آرنلڈ نے اپنے مقاصد میں لطف بھی حاصل کیا اور اسے تأسف بھی کرنا پڑا، اس کی حکومت صرف دس سال قائم رہی، جبکہ اس دوران دو پوپ: انوسینٹ دوم اور اناسطاسی چہارم یا تو تشدد میں لرزیدہ ہو گئے یا ادھر ادھر کے شہروں میں گھومتے پھرتے رہے۔ ان کے جانشین زیادہ طاقتور اور خوش قسمت تھے۔ ایڈریان چہارم واحد انگریز تھا جو سینٹ پیٹر کے تخت پر بیٹھا جو کہ ایک راہب کی معمولی حیثیت سے اس مرتبے پر پہنچ گیا۔ وہ ایک عام گداگر تھا اور سینٹ البانز کی خانقاہ میں خیرات پر گزارہ کرتا تھا، پہلی انگیخت ہی میں ایک کارڈینل گلیوں میں مارا گیا یا زخمی ہوا۔ اس نے مجرم افراد کے خلاف کارروائی کی۔ کرسمس سے لے کر ایسٹر تک روم کو حقیقی یا فرضی مذہبی آسائشوں سے محروم کردیا گیا۔ رومیوں نے اپنے دنیاوی بادشاہ کے ساتھ بگاڑ لی۔ وہ افسوس کرتے ہوئے اپنے روحانی باپ کے پاس پہنچے اور اس کی جھڑکیاں سنیں۔ توبہ کے بعد ان کے جرم کو نظر انداز کردیا گیا۔ باغی پادری کو ان کی معافی کے عوض پکڑ لیا گیا۔ مگر ایڈریان کا انتقام مطمئن نہ ہوسکا۔ فریڈرک باربروسا کی رسم تاجپوشی نزدیک تھی۔ یہ موقع مصلح پادری کے لیے مہلک ثابت ہوا۔ اس نے کلیسا اور حکومت کے سربراہوں کو ناراض کرلیا تھا، اگرچہ وہ ان کا مساوی مقابل نہ تھا۔ وائی ٹربو کی ایک ملاقات میں، پوپ نے بادشاہ کو عرضداشت پیش کی کہ رومی کسی حکومت کا اقتدار قبول نہیں کرتے۔ ان کی جو بے عزتی ہوئی، اور مضرت پہنچی اور انھوں نے مسلسل خوف پیدا کر رکھا تھا، جس میں وہ خود اور اس کے پادری مبتلا تھے۔ اور آرنلڈ میں جو

بدعت کا رجحان غالب ہو چکا تھا، اس کے نتیجے میں دنیاوی اور دینی دونوں حکومتیں خطرے میں تھیں، فریڈرک نے اس استدلال کو قبول کرلیا، اور اس نے کہا کہ فرد واحد کی زندگی کی اس معاملے میں ایک معمولی قیمت ہے۔ سیاسی اختلاف کی وجہ سے ایک مشترکہ دشمن کی زندگی قربان کردی گئی۔ جب سے وہ روم سے واپس آیا تھا، آرنلڈ کو کمپانیا کا ایک وائی کونٹ ساتھی تحفظ فراہم کرتا تھا، اس نے اس سے ہی قیصر کے اختیارات حاصل کیے تھے۔ شہر کے محافظ اعلیٰ نے اس کے خلاف فیصلے کا اعلان کیا۔ فیصلہ کرنے والے لوگ غیر محتاط اور ناشکر گزار تھے۔ انہی کے سامنے اسے زندہ جلا دیا گیا۔ اس کی راکھ دریائے ٹائبر میں بہا دی گئی۔ یہ خیال تھا کہ اس کے بدعتی پیروکار اسے اکٹھا کر کے ایک یادگار بنا لیں گے اور اس کی پوجا شروع کر دیں گے۔ رومیوں کے اذہان پر پادری کی موت کی وجہ سے اسے فتح نصیب ہوئی۔ اس کی راکھ لے کر اس کے پیروکار منتشر ہو گئے، اس کے مکتب فکر سے غالباً انھیں ایک نیا عقیدہ حاصل ہو گیا کہ رومی کیتھولک عیسائیوں کے دارالحکومت میں مقاطع اور جلاوطنی کی سزا نہیں دی جائے گی۔ ان کے بشپ شاید یہ دلیل پیش کریں کہ برتر اور اعلیٰ اختیارات جو وہ بادشاہوں اور اقوام عالم پر استعمال کرتے ہیں، وہ خاص طور پر اس شہر کو حاصل ہیں، یا پاپائیت کے اس علاقے کو حاصل ہیں جو پوپ کے لیے مخصوص ہے۔

ان کے دلوں میں آزادی کی محبت قدیم دور سے چلی آرہی ہے، اس سے ان میں ایک عقیدہ پیدا ہوگیا ہے کہ دسویں صدی عیسوی ہی سے جب یہ سیکسن اور اوتھو، کے خلاف جدوجہد کر رہے تھے، تو دولت مشترکہ ختم ہوگئی، جسے رومی مجلس دستور ساز اور عوام نے دوبارہ بحال کردیا۔ شرفا میں سے ہر سال دو قونصل منتخب کیے جاتے تھے، اور دس یا بارہ دیہاتی افراد شہر میں منتقل ہو جاتے، اور مشترکہ معدلہ میں شمار کر لیے جاتے۔ لیکن جب تنقید کے دور کا آغاز ہوا تو اس سے قبل ہی ڈھانچا ختم ہو چکا تھا۔ ازمنۂ وسطیٰ کے دور ظلمات میں اراکین مجلس کا خطاب یا قونصلوں یا قونصلوں کے بیٹوں کا نام کبھی کبھی نظر آجاتا ہے۔ یہ خطابات شہنشاہ عنایت کرتے مگر کبھی کبھی طاقتور لوگ خود ہی یہ خطاب اختیار کر لیتے۔ اس طرح وہ اپنے مرتبے اور اعزاز کا اظہار کرتے۔ اور اس سے وہ اپنی عالی نسبی اور نجابت کا اظہار کرتے۔ اگر سلسلۂ نسب کی توثیق نہ ہوسکتی، یا اس دعوے میں حقیقت کا فقدان ہوتا، تو وہ سطح پر ہی تیرتے رہتے، تو یہ القابات عوام کی طرف سے تو یہ تسلیم ہو جاتے مگر حکومت کی تائید حاصل نہ ہوتی۔ عیسوی تقویم کے مطابق، گیارہ سو چوالیس میں مجلس دستور ساز قائم ہوئی اور ایک شاندار عہد کا آغاز ہوا۔ اور شہر کے قوانین میں اس کا باقاعدہ ذکر آنے لگا۔ عوامی جوش و جذبے کے

تحت فوری طور پر ایک نیا دستور مرتب کیا گیا، بارھویں صدی میں روم اس قابل نہ تھا کہ ماضی کی باقیات کو دوبارہ مرتب کر سکتا یا ان کی وضاحت کر سکتا، نئی قانون سازی کر سکتا، یا قدیم دور کے نمونوں کے مطابق توازن اور تناسب پیدا کر سکتا۔ اسلحہ بند عوام کا اجتماع ہمیشہ بلند آواز ہی میں بات کرے گا۔ اور اس کے حق میں پورا وزن ڈالے گا۔ مگر قوم چیتس با قاعدہ قبائل میں منقسم تھی، صدیوں سے دولت اور افراد کی تعداد کا ایک عمدہ توازن چلا آ رہا تھا۔ مختلف نقطۂ ہائے نظر کے مطابق مباحثے ہو رہے تھے، اور رائے شماری میں تاخیر سے کام لیا جاتا تھا۔ ایک بے بصر انبوۂ کثیر میں یہ خوبیاں بآسانی پیدا نہیں کی جا سکتی تھیں۔ یہ لوگ ایسی حکومت کے وجود اور اصولوں اور مفادات سے بے خبر تھے، جو از روئے قانون قائم ہو۔ آرنلڈ نے کہا تھا کہ اسی قدیم نظام کو بحال کریں، اور شہسواری کی تنظیم میں امتیاز پیدا کریں، مگر اس امتیاز کے لیے طریق کار اور مقاصد کیا تھے؟ محاصلات اور مالی معاملات کے متعلق مبارزین کی حالت خراب ہو چکی تھی اور وہ امتدادِ زمانہ سے افلاس کا شکار ہو چکے تھے۔ زمانے کی صورت یہ تھی کہ اب منصفین، کسانوں اور محاصلین کی ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ وہ فوج میں رسالے کی نوکری کر لیا کرتے تھے۔ ان حالات میں یہ کام جاگیرداروں نے خود سنبھال لیا تھا، جس سے مبارزت کی روح ہی ختم ہو چکی تھی۔ جمہوریہ کی تشریح قانون کا کام بے فائدہ ہو چکا تھا اور اسے جاننے والا بھی کوئی نہ تھا، اٹلی کی اقوام اور خاندان جو رومیوں اور غیر مہذب قوانین کے تحت زندگی بسر کر رہے تھے۔ وہ نادانستہ طور پر ایک ہی نوعیت کے گروہ میں خلط ملط ہو گئے۔ اور بعض کمزور روایات کے کچھ نامکمل حصے، ضوابط کے ٹکڑے بعض افراد کے اذہان میں محفوظ رہ گئے تھے، جسٹینین نے جو قانونی مجموعے مرتب کیے تھے، اس کے بعض حصے بھی لوگوں کو یاد تھے۔ رومیوں کو جب آزادی نصیب ہوئی تو بلا شک انھوں نے قونصلوں کا عہدہ بحال کر دیا ہوگا۔ اگر انھوں نے یہ نظام بحال کیا ہوتا پھر بھی اٹلی کے شہروں میں یہ اتنی آزادی اور کھلے عام جاری تھا، اور بالآخر یہ کسی نہ کسی صورت میں دنیا کے متعدد ممالک میں نافذ ہو گیا۔ تجارتی کاروبار کی وجہ سے مختلف ممالک میں مروج ہوتا گیا۔ مگر معدلات کے حقوق، وہ ناقابل تردید الفاظ جن کی وجہ سے عوامی آرا میں تبدیلی پیدا ہوئی، ان کی بدولت ایک فرضی یا حقیقی جمہوریت کو فروغ ملا۔ پرانے محب وطن رعایا کی صورت اختیار کر چکے تھے، جدید جاگیردار ظالم ہو چکے تھے، اور ریاست کے نام کو ظلم کے حوالے سے روشناس کراتے تھے۔ وہ امن اور نظم و نسق کے دشمن تھے۔ وہ حضرت مسیح کے نائب کی توہین کرتے تھے۔ اب طویل عرصے سے وہ دیہاتی افسرانِ اعلیٰ کی بھی عزت کر رہے تھے، حالانکہ ان کے پاس کوئی اسلحہ موجود نہ ہوتا۔

بارھویں صدی کے انقلاب نے روم کو نئی زندگی اور نیا دور دیا۔ اس دور میں جو حقیقی اور اہم واقعات ہوئے، ان سے اس کی سیاسی زندگی کی توثیق ہوتی ہے۔

۱۔ اس کی سات اہم پہاڑیوں میں سے ایک پہاڑی اجلاس گاہ کی انتظامیہ کے لیے مخصوص تھی، یہ چار سو گز طویل اور دو سو گز عریض ہے۔ دو سو قدیم طویل ایک خط طارپی چٹان تک چلا گیا ہے اور اس کی اونچائی بہت زیادہ تھی، لیکن بعد میں اسے ہموار کر دیا گیا، اور اس کے گڑھوں کو تباہ شدہ عمارات کے ملبے سے بھر دیا گیا اور اس نے ہموار صورت اختیار کر لی۔ ازمنۂ قدیم سے دارالحکومت کو زمانۂ امن میں بطور مندر استعمال کیا جا رہا تھا۔ اور زمانۂ جنگ میں اسے بطور قلعہ استعمال کیا جاتا، شہر کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد بھی اس نے فاتح گال کے محاصرے کو برداشت کیا، مگر جب وائٹلی اوس اور ویسپاسیئن کے مابین خانہ جنگی ہوئی، تو اس پناہ گاہ ملک پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا گیا اور بعد میں جلا دیا گیا۔ مشتری اور اسی نوعیت کے دیگر دیوتاؤں کے مندروں کو گرا کر خاک میں ملا دیا گیا۔ ان کے جگہ پر خانقاہیں اور مکانات تعمیر کر دیے گئے۔ مضبوط دیواروں، اور طاقتدار غلام گردشوں کو امتدادِ زمانہ نے ختم کر دیا۔ رومیوں نے پہلے کام کیا کہ ان خستہ عمارات کی مضبوطی بحال کی جائے، اگرچہ اجلاس گاہ کے حسن کو انھوں نے نظر انداز کر دیا۔ ان مکانات کو قلعہ بند کیا جن میں وہ اسلحہ ذخیرہ کرتے تھے یا ان کے قونصل رہتے تھے۔ وہ جتنی بار بھی پہاڑی پر چڑھتے وہ اپنے آبا و اجداد کو یاد کرتے اور ان کے سرد جذبات میں حرارت پیدا ہوتی۔

۲۔ ابتدائی قیصران کے دور میں سونے اور چاندی کے سکے مضروب کرنے کی اجازت تھی۔ مگر مجلس قانون ساز کو انھوں نے بڑی مقدار میں کم قیمت دھاتوں مثلاً کانسی اور تانبے کی بڑی مقدار مہیا کر دی۔ بعض نشانات اور داستانیں ان پر نقش کر دی جاتیں۔ یہ خوشامد کا بھی ایک بڑا ذریعہ تھا اور اس کے نتیجے میں بادشاہ کو خود اپنی خوبیوں کو بیان کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ ڈائیوکلیطیان کے جانشین مجلس قانون ساز کی خوشامد کو ناپسند کرتے تھے۔ روم اور صوبجات میں متعین ان کے شاہی افسران ہی ٹکسال کی تمام ذمہ داری خود سنبھال لیتے۔ اٹلی کے گوتھ بادشاہوں نے بھی یہی طریق کار اختیار کیے رکھا اور یونانیوں، فرانسیسیوں اور جرمنوں کے خاندانوں کے طویل سلسلے بھی اسی پر عمل کرتے رہے۔ آٹھ سو سال کی دست برداری کے بعد رومی مجلس قانون ساز نے اپنے اس منفعت بخش کردار کا دوبارہ مطالبہ کر دیا۔ پاپایانِ روم نے اپنی رضامندی سے یہ اختیار چھوڑ دیا۔ پاسکل دوم کے عہد میں یہ اختیارات ان کے آبائی وطنوں اور رہائش گاہوں تک انھیں منتقل ہو گئے۔

بارھویں اور تیرھویں صدی کے کچھ مضروبہ سکے جو جمہوریتوں کی طرف سے جاری کیے گئے، ابھی تک موجود ہیں۔ سونے کے ایک تمغے پر حضرت عیسیٰ کی شبیہ کندہ ہے۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک کتاب ہے جس پر یہ کھدا ہوا ہے "رومی مجلس اور عوام کے لیے: روم دنیا کا دارالحکومت ہے"۔ اس کی الٹی طرف، سینٹ پیٹر ایک رکن مجلس کو جو گھٹنوں کے بل ہے، جھنڈا عطا کر رہے ہیں، اور اس نے ٹوپی اور گاؤن پہنا ہوا ہے؟ اور ایک ڈھال پر اس کا اور اس کے خاندان کا نام کھدا ہوا ہے۔

۳۔ جب سلطنت بحال ہوئی تو شہر کے محافظ اعلیٰ کا مقام بلدیہ کے ایک افسر کی صورت اختیار کر گیا۔ اس کے باوجود وہ فوجداری اور دیوانی کی آخری اپیلوں کی سماعت کا اختیار رکھتا تھا۔ اور اس کے پاس ایک تلوار بھی موجود رہتی جو اوتھو کے جانشینوں کی طرف سے عطا کردہ تھی۔ یہ اس کے عہدے اور فرائض منصبی کی انجام دہی کا ایک قابل احترام نشان تھا۔ یہ عہدہ اور وقار صرف روم کے شرفا کے خاندانوں تک محدود تھا۔ عوام جسے منتخب کرتے، پاپائے روم اس کی توثیق کر دیتا۔ اسے تین مختلف اداروں کو حلف وفاداری دینا پڑتا۔ اور جب ان میں کوئی اختلاف پیدا ہو جاتا، تو اس کے لیے بھی پریشانی کی صورت پیدا ہوتی۔ اور اس کے مختلف فرائض میں تضاد پیدا ہو جاتا۔ وہ ایک مشترکہ ملازم تھا اور سب کے لیے تھا، مگر اختلاف کی صورت میں اس کے فرائض کا تیسرا حصہ معطل کر دیا جاتا۔ یہ آزاد رومیوں کی مرضی تھی۔ پھر وہ اس کی جگہ کسی محب وطن کا انتخاب کر لیتے جس کا تعلق کسی اعلیٰ خاندان سے ہو، مگر شارلیمن نے یہ طریق کار قائم نہ رہنے دیا۔ یہ عہدہ رعایا یا ملازم کے لیے بہت بڑا تھا۔ مگر پہلی بغاوت کے فوراً بعد رومیوں نے اس عہدے کو متفقہ طور پر بحال کر دیا۔ اس واقعے کے پچاس سال بعد، انوسینٹ سوم برسر اقتدار آ گیا۔ مگر اسے اقتدار سے بہت زیادہ محبت تھی، یا یہ زیادہ خوش قسمت نہ تھا، اس کے مقابلے میں دیگر متعدد پوپ زیادہ خوش قسمت ثابت ہو چکے تھے۔ اسے غیر ملکی حکمرانی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اس کی مرضی بھی تھی اور رومیوں نے بھی اس سے بہت جلد نجات حاصل کر لی۔ اس نے محافظ اعلیٰ کو جھنڈے کے بجائے تلوار عطا کر دی تھی۔ اسے اس کے حلف وفاداری سے بھی آزاد کر دیا گیا اور اس کے لیے جرمن شہنشاہوں کی وفاداری بھی لازم نہ رہی۔ اس کی بجائے پوپ نے کلیسائی افسر کی نامزدگی کا فیصلہ کیا۔ جو عہدے کے لحاظ سے کارڈینل ہو، جو کارڈینل کے عہدے کا مستحق ہو اور مستقبل میں یہ عہدہ حاصل کرنے والا ہو۔ پوپ نے ایک کارڈینل کو روم کی شہری حکومت کے لیے نامزد بھی کر دیا مگر اس کا دائرہ کار بہت کم کر کے ایک تنگ دائرے تک محدود کر دیا گیا۔ مگر جب دوبارہ آزادی حاصل ہوگئی تو اس عہدے کے انتخاب کے

اختیارات مجلس اور عوام کو واپس کر دیے گئے۔

۴۔ جب مجلس قانون ساز بحال ہوگئی، تو جبری بھرتی کیے گئے پادریوں کو (اگر مجھے اس جملے کے استعمال کی اجازت ہو) بھی قانون سازی کے اختیارات دے دیے گئے۔ علاوہ ازیں انھیں انتظامی اختیارات بھی حاصل رہے۔ مگر وہ تصورات دور حاضر تک نہیں پہنچ سکے۔ مگر وہ دور بھی بار بار ہنگامہ آرائیوں اور شورشوں کا شکار ہوتا رہا۔ جب اس ضمن میں زیادہ سے زیادہ عوام کی شمولیت حاصل رہی تو اس تنظیم یا اجتماع کے ارکان کی تعداد چھپن سے زائد نہیں ہوئی، ان میں صرف نمایاں افراد ہی کو مشیروں کا خطاب حاصل ہوتا تھا۔ اور غالباً یہ لوگ بھی عوام کے براہ راست نامزد کیے گئے ہوتے۔ اور ان کے رائے دہندگان کے سابقہ انتخاب میں سے دس افراد ہر حلقے یا بشپ کے حلقۂ اختیار سے منتخب کیے جاتے۔ اور یہی لوگ آزاد دستور سازی کے لیے بنیاد فراہم کرتے۔ اور اس طوفان میں پوپ نے ٹوٹنے کی بجائے جھک جانے کا راستہ اختیار کرنا مناسب سمجھا۔ اور مجلس قانون سے قیام اور اختیارات کے معاہدے کو تسلیم کر لیا۔ اور مستقبل سے یہ توقع وابستہ کر لی کہ امن قائم رہے گا اور مذہب کا دور دورہ ہوگا، اور اس کی حکومت بھی بحال ہوگی۔ اجتماعی اور انفرادی رومی مقاصد رومیوں کو قربانیوں کے لیے مجبور کر دیں گے اور وہ اپنے وقتی اور عارضی مفادات پر زور نہیں دیں گے۔ اور وہ اپنی وفا کو سینٹ پیٹر اور قسطنطین کے لیے قائم رکھیں گے۔ یہی لوگ کلیسا اور تختِ روم کے جائز حقدار تھے۔

ایک ایسے شہر میں جہاں کوئی قانون موجود نہ تھا۔ اتحاد اور اجتماعی کونسل کو ختم کر دیا گیا۔ اور رومیوں نے جلد ہی ایک سادہ اور مضبوط انتظامیہ کو رائج کر لیا۔ انھوں نے تمام اختیارات واحد حاکم اعلیٰ اور اس کے دو ساتھیوں کے حوالے کر دیے۔ اس طرح مجلس کو ان اختیارات سے محروم کر دیا گیا۔ یہ افسران ہر سال یا چھ ماہ بعد تبدیل کر دیے جاتے، وسیع اختیارات کا توازن عہدے کی میعاد میں کمی سے پوری کر دی گئی۔ مگر اس عبوری دورِ حکومت میں اور رومی اراکین مجلس حرص اور لالچ میں مبتلا رہتے۔ اور وہ اپنا انصاف بھی اپنے خاندان کے مفاد کے لیے قربان کر دیتے۔ اور اپنے گروہ کے افراد سے ترجیحی سلوک کرتے۔ وہ صرف اپنے دشمنوں کو سزا دیتے۔ اس طرح ان کے اپنے گروہ کے افراد ہی ان کے حکم کی تعمیل کرتے۔ لاقانونیت ان کے بشپ کو، ان کے حقوق کی حفاظت سے باز رکھتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود اپنے آپ پر حکومت کرنے کے اہل نہ رہے تھے، اور وہ تمام برکات غیر ممالک سے حاصل کرنے کی کوشش کرتے جو خود ان کے اپنے گھر میں موجود تھیں۔ لیکن وہ اس بارے میں مایوس ہو چکے تھے۔ انھی مقاصد کے تحت بہت سی اطالوی جمہوریتیں ایسے طریق اختیار

کرنے پر مجبور ہوگئیں، جو اگرچہ بالکل انوکھے تھے، لیکن ممکنہ طور پر ان کے حالات کے مطابق تھے اور اس کے اثرات ان کے حق میں مفید ثابت ہوئے۔ انھوں نے غیر ملکی مگر غیر جانبدارانہ شہروں سے بعض حاکمانِ اعلیٰ کا انتخاب کرلیا۔ یہ لوگ شرفا کی نسل سے تھے اور ان کا کردار بے داغ تھا۔ اس طرح ایک سپاہی اور مدبر شخص منتخب ہوگیا جسے عبوری طور پر جنگ اور امن کے دور کی انتظامیہ کا سربراہ بنا دیا گیا۔ رعایا اور حاکم کے مابین تعلقات حلف اور جبری بھرتی سے مستحکم بنا دیے گئے۔ نیز اختیارات کی مدت کم کردی گئی۔ اس کا وظیفہ جس کی نوعیت باہم فرائض کی انجام دہی پر منحصر تھی، جن کی سختی سے اور درست نشاندہی کردی گئی تھی۔ وہ حلف لیتے کہ وہ اپنے قانونی سربراہ کی اطاعت کریں گے۔ وہ اس امر کا بھی حلف لیتا کہ وہ اپنی اجنبیت اور مقامی حب الوطنی کے جذبات کو ہم آہنگ کردے گا۔ اس کے انتخاب کے مطابق چار یا چھ مبارزین اور بعض شہری، جو اسے فوجی اور عدالتی امور میں مشاورت مہیا کرتے تھے، چبوترے پر پہنچے۔ اس نے اپنے ذاتی اخراجات پر گھوڑوں اور ملازمین کا ایک دستہ رکھا ہوا تھا۔ اس نے اپنی بیوی، بیٹے اور بھائی کو اپنے ساتھ نہ رکھا بلکہ اپنے وطن ہی میں چھوڑ دیا تاکہ ان کی وجہ سے انصاف کے عمل میں دخل یا خلل اندازی نہ ہو، اس کے دفتر کے کسی اہلکار کو اجازت نہ تھی کہ وہ زمین خرید سکے۔ وہ کسی سے کوئی معاہدہ یا اتحاد قائم نہ کرسکتا تھا، اور کسی شہری کے گھر میں دعوت بھی قبول نہ کرسکتا تھا، اور وہ اس وقت تک عدالت کو برخاست نہ کرسکتا تھا جب تک کہ زیر سماعت شکایات کا فیصلہ نہ کرلے۔

یہ تقریباً تیرھویں صدی کے نصف کا واقعہ ہے کہ دستور ساز مجلس نے اپنے رکن برانقالی اون کو بولوگنا سے بلایا۔ اس کی خوبیوں اور استحقاق کو ایک انگریز مؤرخ کے قلم نے زندہ جاوید کردیا ہے اور گمنامی سے نکال کر شہرت عطا کردی ہے۔ اسے اپنی شہرت کا بہت خیال رہتا تھا، اسے اپنے منصب کی بجا آوری میں مشکلات کا قبل از وقت اندازہ ہوجاتا تھا۔ وہ جب اس سے کسی امر کا محض اپنے ذاتی وقار کی خاطر تقاضا کرتے تو وہ ان کی خواہش کی تکمیل سے انکار کردیتا۔ رومی دستور کی بعض دفعات کو معطل کرکے اس کے دفتر کو تین سال کی میعاد مہیا کردی گئی۔ جرائم پیشہ افراد اور عادی مجرم اسے ظالم کہتے۔ پادری اسے جانبدار کہتے، مگر امن دوست اور نظم و ضبط کے پابند لوگ، اس کی مستقل مزاجی اور راہِ راست پر چلنے کی عادت کی تعریف کرتے۔ دیانت دار اعلیٰ حکمران کی صورت میں خدا کی رحمت اور برکت دوبارہ زندہ ہوگئی تھی، کوئی مجرم اتنا طاقتور نہ ہوتا کہ اس کا مقابلہ نہ کیا جاسکتا، نہ کوئی مجرم اتنا خطرناک ہوتا کہ اس کی اصلاح نہ کی جائے یا اس رکن مجلس کے ہاتھ سے بچ سکے۔ اس کے فیصلے کی وجہ سے اپنی بالدی خاندان کے دو اراکین مجلس کو پھانسی کی سزا دی گئی۔ اس نے شہر اور مضافات

میں ایک سو پچاس میناروں کو انتہائی سنگدلی سے گرادیا کیونکہ یہ مجرموں کے اڈوں کا کام دیتے تھے۔ اور یہاں سے لالچ اور شرارت کا آغاز ہوتا تھا۔ ہر بشپ کو مجبور کیا گیا کہ وہ ایک سادہ بشپ کے طور پر اپنے کلیسائی حلقے میں قیام کرے۔ برانقالی اون کا جھنڈا جب میدان میں بلند کیا جاتا، تو اس سے خوف اور اثر پیدا ہوتا، اس نے ایسے عوام کی خدمت کی جو اس کے اہل نہ تھے، انھوں نے اس کا بدلہ ناشکرگزاری سے دیا۔ وہ اس خوشحالی کے اہل نہ تھے، جو انھیں نصیب ہوئی۔ ان کے لیے اس نے قزاقوں کی مخالفت مول لی تھی، مگر رومیوں نے اپنے محسن کو قید کرنے کا فیصلہ کرلیا، وہ اسے زندہ بھی نہ رہنے دیتے۔ اگر بولوگنا نے اس کے تحفظ کی قبل از وقت ضمانت نہ لے رکھی ہوتی۔ اس کی روانگی سے قبل اس دانشمند رکن مجلس نے تیس یرغمالیوں کے تبادلے کا مطالبہ کر دیا جن کا تعلق روم کے شرفا کے خاندان سے تھا، اس کے خطرے کی اطلاع پر اور اس کی بیوی کی التجا پر، ان کی نگرانی میں سختی کردی گئی اور بولوگنا نے اپنے نمائندے کے مفاد اور وقار کے تحفظ کے لیے پاپائی حکم کے مطابق ارکان دین کی محرومی کی سزا کو جرأت سے برداشت کیا۔ اس پُرزور مزاحمت کی وجہ سے رومیوں کو احساس پیدا ہوا کہ وہ حال کا ماضی سے موازنہ کرسکیں۔ اور برانقالی اون کو جیل سے نکال کر دارالحکومت میں پہنچا دیا گیا، جہاں پر عوام نے اس کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ اس کا باقی ماندہ عہد حکومت مضبوطی اور خوش قسمتی میں گزرا۔ اور جب موت کی وجہ سے حسد کے جذبات سرد پڑ گئے تو اس کا سر ایک قیمتی برتن میں رکھ دیا گیا اور اسے سنگ مرمر کے ایک اونچے مینار پر رکھ دیا گیا۔

جب استدلال اور خیر کی قدروں میں اضافہ ہوا تو اٹلی میں ایک مزید مؤثر کردار کا انتخاب عمل میں آ گیا۔ ایک عام شہری کی بجائے، انھوں نے ایک بادشاہ کا انتخاب کرلیا اور اسے آزادانہ یا مطلق العنان اختیارات تفویض کردیے، انھوں نے کسی رکن مجلس کی اطاعت قبول کرنا پسند نہ کیا۔ بادشاہ سے انھیں توقع تھی کہ وہ انھیں داخلی اور خارجی دشمنوں سے بچا سکے گا۔ صوبہ آنجو کا رچارلس اس عہد میں سب سے زیادہ جنگجو اور طالب اقتدار تھا۔ اسے نیپلز کے باشندوں نے بھی اپنا شہنشاہ تسلیم کرلیا تھا، اور رومیوں نے اسے قانون ساز اسمبلی کا رکن بھی تسلیم کرلیا تھا۔ جب وہ فتح حاصل کرنے کے بعد اس سڑک پر سے گزر رہا تھا، تو انھوں نے اس کی حلفِ وفاداری کو قبول کرلیا۔ اور لیٹران کے محل میں اس کی رہائش کا انتظام کردیا۔ اور اس کے مختصر قیام کے دوران ہی اس کے کردار کے شدید مطلق العنان پہلو کی اصلاح ہوگئی۔ اس کے باوجود چارلس کو عوام کی غیر مستقل مزاجی کا بھی پتا چل گیا۔ کیونکہ انھوں نے اس کے حریف کا بھی اسی والہانہ جوش سے خیر مقدم کیا

جس طرح اس کا کیا تھا۔ یہ بدقسمت کونراد ین تھا۔ دوسری طرف صاحب اختیار شخص تھا جو انتقام کے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ اور وہ اجلاس گاہ میں برسر اقتدار بھی تھا۔ وہ پوپ کے حسد اور خوف کو بھی محسوس کر رہا تھا۔ ہر تیسرے سال اس کے عہد اقتدار میں توسیع ہو جاتی۔ اور نکولس سوم کے عناد کی وجہ سے، جو اس وقت صقلیہ کا حکمران تھا، وہ مجبور ہو گیا کہ روم کی حکومت سے دست بردار ہو جائے۔ اس کے ترکش میں ایک قانون موجود تھا، جسے جاہ پسند پوپ حسب ضرورت استعمال کرتا رہتا تھا، جسے وہ صداقت، جواز اور قسطنطین کی عطا کا نام دیتا تھا، اسے شہر کے امن اور کلیسا کی آزادی کے لیے اہم سمجھا جاتا تھا۔ اس نے اراکین مجلس کے سالانہ انتخاب کا حکم دے دیا اور باضابطہ طور پر تمام شہنشاہوں، بادشاہوں، اہم حیثیت کے افراد اور نمایاں رتبے کے افراد کو رکن مجلس کا انتخاب لڑنے سے نااہل قرار دے دیا۔ مارٹن چہارم نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے اس امتناعی شق کو منسوخ کر دیا۔ اس نے عاجزانہ انداز میں روم کے عوام کی رائے دہی کی درخواست کی۔ عوام کی موجودگی میں اور ان کی طرف سے اختیار حاصل کرنے کے بعد دو نمائندوں نے پوپ کی بجائے ایک شریف شخص وفادار مارٹن کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ ایک رکن مجلس کا وقار اور جمہوریہ کا انتظام اس کے فطری دور اقتدار میں اس کے حوالے کر دیا گیا۔ وہ ان اختیارات کو بذات خود استعمال کرے یا نائبین کے حوالے کر دے۔ اس کے پچاس سال بعد یہی خطاب بوریا کے شہنشاہ لیویس کو دے دیا گیا اور اس کے بعد دونوں شہنشاہوں نے روم کی آزادی برقرار رکھی۔ ان دونوں نے اپنے اپنے دور میں اپنا عہدہ و اقتدار بلدیاتی امور تک محدود رکھا۔

ابتدائی عہد میں جب بریسقیا کے آرنلڈ نے کلیسا کے جذبات بھڑکا دیے تو بغاوت ہو گئی، رومیوں نے دانشمندانہ طریق اختیار کر کے شہنشاہ کی حمایت حاصل کر لی۔ اور اپنی خدمات اور وفاداری کے متعلق قیصر کو یقین دلا دیا۔ کونراڈ سوم اور فریڈرک اول کے متعلق ان کے سفیروں کا انداز خوشامدانہ اور افتخار کا مرکب تھا۔ وہ خود اپنی تاریخ اور روایات سے واقف نہ تھے، کچھ عرصے بعد اس کی خاموشی اور غفلت کے متعلق شکایات کا آغاز ہو گیا، انھوں نے اول الذکر بادشاہ سے درخواست کی کہ وہ کوہ الپس کو عبور کرے اور آ کر تخت شاہی سنبھال لے۔ ہم شہنشاہ معظم سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنے بیٹوں اور باجگزاروں کی تذلیل کو برداشت نہ کریں، اور ہمارے مشترکہ دشمن کے الزامات کی طرف مطلق دھیان نہ دیں، وہ الزام تراشی کرتا ہے کہ مجلس دستور ساز آپ کی دشمن ہے، وہ اختلاف کا بیج بونا چاہتا ہے، وہ ناپاک زبان استعمال کر کے ہماری اور آپ کی تاجپوشی کی مخالفت کر رہا ہے۔ پوپ اور صقلیہ کے باشندے نے ایک ناپاک معاہدہ کر رکھا ہے۔ جو مذکورہ بالا

اغراض کے لیے ہے۔ خدا کی مہربانی اور ہمارے عزم و جوش کی وجہ سے، ابھی تک ان کے عزائم ناکام رہے ہیں۔ وہ مضبوط بھی ہیں اور ان میں گروہ بندی کا ملکہ بھی ہے، بالخصوص فرنجی پانٹ پر انھیں بہت اعتماد ہے۔ ہم نے اپنی قوت سے مکانات اور ندی نالوں پر قبضہ کر لیا ہے، ان میں سے بعض پر ہماری افواج کا قبضہ ہے۔ اور بعض کو ہم نے زمین کے ساتھ ہموار کر دیا ہے۔ ملویا کا پل جو انھوں نے توڑ دیا تھا۔ وہ ہم نے دوبارہ تیار کر کے قابل استعمال کر دیا ہے تاکہ آپ بآسانی اس پر سے سفر کر سکیں۔ اور آپ کی افواج براہ راست شہر میں داخل ہو سکیں اور سینٹ اینجیلو کے قلعے سے ان کے لیے ایسی مزاحمت نہ ہو سکے جو آپ کی فوج کے طیش کا باعث بن سکے۔ ہم نے جو کچھ ابھی تک کیا ہے، یا جس قدر ہم نے منصوبہ بندی کی ہے، وہ صرف آپ کے احترام اور خدمات کے لیے ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ آپ تشریف لے آئیں اور ہمارے وہ تمام حقوق بحال کر دیں، جو پوپ نے غصب کر رکھے ہیں۔ آپ سلطنت کا وقار بحال کریں اور اپنے آبا و اجداد کی شہرت اور وقار کو زندہ کریں، دعا ہے کہ آپ اپنی رہائش روم میں ہی مقرر کر لیں، جو کہ دنیا کا دارالحکومت ہے۔ آپ اٹلی اور دوسرے ٹیوٹانی ممالک محروسہ کے لیے بھی قانون سازی کریں، اور قسطنطین اور جسٹینین کی مثالوں پر عمل کریں۔ انھوں نے مجلس قانون ساز اور عوام کی مدد سے دنیا بھر کا تاج حاصل کیا۔ مگر کونرڈ کو یہ شاندار مگر فرضی خواہشات متاثر نہ کر سکیں، اس کی آنکھیں تو ارض مقدس پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ روم کا دورہ کیے بغیر فوت ہو گیا۔ وہ ارض مقدس سے واپسی کے بعد صرف چند یوم زندہ رہا۔

فریڈرک باربروسا اس کا جانشین اور بھتیجا تھا، اسے شاہی تاج کی بہت زیادہ خواہش تھی، اوتھو کے جانشینوں میں سے کسی کو اٹلی میں اس قدر اقتدار حاصل نہیں ہوا۔ اس کی تمام اطراف میں مذہبی اور دنیاوی حکومتیں قائم تھیں۔ اس نے رومی سفیروں کو اپنے سیوطری کے پڑاؤ میں شرف باریابی عطا کیا۔ انھوں نے اس سے آزادانہ اور فصیح انداز میں اس طرح گفتگو کی۔ آپ عروس البلاد کی طرف بھی اپنی سماعت کا رخ فرمائیں۔ آپ امن اور دوستانہ ذہن کے ساتھ، رومیوں کی تکالیف پر دھیان دیں۔ ہم لوگوں نے کلیسا کی حکومت سے آزادی حاصل کر لی ہے۔ اور ہم اس معاملے میں بے صبر ہیں کہ تاج اس کے جائز وارث کو منتقل ہو جائے۔ آپ کے مبارک اثرات کے تحت ماضی کے ایام دوبارہ بحال کر دیے جائیں گے۔ اسی ازلی شہر پر اپنی صوابدید کو استعمال کریں اور دنیا کے امن کو اپنی فوج کا تحفظ فراہم کریں۔ آپ اس سے لاعلم نہیں ہیں کہ ماضی کے ادوار میں مجلس قانون ساز کی دانائی، فوج کے نظم و نسق اور منصفانہ عمل کی وجہ سے اس کی سلطنت کی حدیں مغرب

میں کوہ الپس سے آگے نکل گئی تھیں، اور سمندروں کے جزائر بھی اس کی قلمرو میں شامل ہو گئے تھے۔ جب بادشاہ نہ رہے اور ہمارے گناہوں میں اضافہ ہو گیا، تو مجلس قانون ساز جیسا شریفانہ ادارہ قعر گمنامی میں غرق ہو گیا اور ہماری دانش مندی میں افزائش کے ساتھ ساتھ ہماری قوت میں فرق آتا گیا۔ ہم نے مجلس قانون ساز کو دوبارہ بحال کر دیا ہے۔ اور ہم نصفت کے نظام کو بھی دوبارہ قائم کر چکے ہیں۔ ایک کے پاس اگر کونسل ہو گی تو دوسرے کا فوج پر اقتدار ہوگا۔ اور یہ تمام ادارے آپ کے لیے اور سلطنت کی خدمت کے لیے وقف ہوں گے۔ کیا آپ رومی خواتین کی زبان نہیں سنتے؟ آپ تو ایک مہمان تھے، میں نے آپ کو ایک شہری کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے، آپ ٹرانسلپائن (ماورائے الپس) کے ایک اجنبی ہیں، مگر میں نے آپ کا اپنے شہنشاہ کے طور پر انتخاب کر لیا ہے، اور اپنی ذات بلکہ اپنی ہر شے آپ کی خدمت کے لیے مخصوص کر دی ہے۔ اب آپ کا سب سے بڑا اور اولین فرض یہ ہے کہ آپ حلف لیں اور وعدہ کریں کہ آپ اپنا خون جمہوریہ کے لیے بہا دیں گے۔ آپ شہر میں امن قائم کریں گے اور انصاف کریں گے۔ اور اپنے پیش رفتگان کی روایات کو زندہ کریں گے۔ اور آپ وفادار اراکین مجلس کو پانچ ہزار روپہلی پاؤنڈ عطا کریں گے، جو دارالحکومت میں آپ کے حقوق اور خطابات کا اعلان کریں گے۔ آپ آگسٹس کا نام اور کردار اختیار کر لیں گے، لاطینی ادب کے ثمرات ابھی ختم نہیں ہوئے۔ مگر فریڈرک اپنے وقار کے متعلق بہت بے تاب تھا۔ وہ ادیبوں سے فرمائش کرتا تھا کہ وہ اس کی بادشاہت اور فتوحات کے متعلق بآواز بلند پرچار کریں۔ قدیم رومیوں کی دانائی اور بہادری کو بہت شہرت حاصل تھی، مگر آپ کی تقاریر میں وہ دانش موجود نہیں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کے اعمال میں یہ خوبیاں موجود ہوں۔ اور وہ نمایاں نظر آئیں۔ روم نے امتدادِ زمانہ کی مشکلات دیکھی ہیں: اور خوش قسمت ایام کا تجربہ بھی کیا ہے۔ آپ کے شریفانہ کارنامے مشرق میں ترجمہ کیے گئے، اور شریف خاندان قسطنطنیہ کے عظیم شہر میں منتقل ہو گئے، اور آپ کی قوت آزادی کو فرینکوں اور یونانیوں نے طویل عرصے سے اپنے قبضے میں کر رکھا ہے۔ کیا آپ روم کی قدیم شان و شوکت کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں؟ کیا آپ مجلس قانون ساز کی سنجیدگی اور مبارزین کے جذبے کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں؟ کیا پڑاؤ کا نظم و ضبط دیکھنا چاہتے ہیں؟ کیا آپ لشکریوں کی بہادری کا نظارہ کرنا چاہتے ہو؟ تو جرمن جمہوریہ میں آپ کو یہ سب کچھ نظر آ جائے گا۔ یہ ایک عریاں اور تنہا سلطنت نہیں ہے۔ ایک سلطنت کے زیورات اور خوبیاں کوہ الپس پار کر کے وہاں پہنچ گئی ہیں۔ کیونکہ وہی لوگ ان کے زیادہ مستحق تھے۔ وہ اپنی ان تمام خوبیوں کو اپنے دفاع میں استعمال کریں گے۔ لیکن وہ یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ

آپ ان کے مطیع رہیں۔ آپ یہ بہانہ کرتے ہیں کہ مجھے یا میرے آباؤ اجداد کو رومیوں نے آنے کی دعوت دی تھی۔ آپ لفظ کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ انھیں دعوت نہیں دی گئی تھی، بلکہ ان سے گزارش کی گئی تھی۔ اس کے خارجی اور داخلی ظالموں میں سے شارلیمن اور اوتھو نے اس شہر کو آزاد کرایا تھا۔ ان کی لاشیں آپ کے ملک میں مدفون ہیں۔ اور ان کی برتری کو تسلیم کرنا ہی آپ کی آزادی کی قوت تھی۔ اسی حکومت کے تحت آپ کے آباؤ اجداد زندہ رہے اور مر گئے، میں ان کے حقوق کا وارث ہونے کی حیثیت سے مطالبہ کرتا ہوں۔ آپ میں سے وہ دلیر شخص کون ہے جو آپ کو میرے ہاتھ سے بچا سکے۔ کیا وقت کے ساتھ جرمنوں اور فرینکوں کے ہاتھ کمزور ہو گئے ہیں؟ کیا مجھے شکست ہو چکی ہے؟ کیا میں ایک قیدی ہوں؟ کیا میرے پاس ایک طاقتور اور ناقابل تسخیر فوج کا جھنڈا موجود نہیں ہے؟ اب آپ حلف کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ اگر حالات انصاف پر مبنی ہوں تو قسمیں غیر ضروری ہو جاتی ہیں۔ اگر بے انصافی ہو تو یہ ایک مجرمانہ صورت ہے۔ کیا تم میری نصفت کو دوگنا کر سکتے ہیں؟ یہ تو میری رعایا کے سب سے چھوٹے رکن کے مساوی بھی نہیں۔ کیا میری تلوار اجلاس گاہ کے دفاع کے لیے بے نیام نہیں ہو سکتی؟ اسی تلوار کے زور سے ڈنمارک کی شمالی حکومت رومیوں کے لیے بحال کی گئی تھی۔ آپ میرے مال غنیمت کا مقصد اور پیمانہ تجویز کرتے ہیں جو بکثرت مگر رضا کارانہ طور پر ایک ندی کی صورت میں بہتا ہے۔ نہ تو مجلس قانون ساز اور نہ ہی کوئی بادشاہ آزادی اور اتحاد کے ان کھوکھلے نعروں کو برقرار رکھ سکا۔ ہر کوئی پوپ سے متحد رہا ہے اور رومیوں کو شک کی نگاہ سے دیکھتا رہا ہے۔ فریڈرک ویٹی کن کی طرف پیش قدمی کرتا رہا۔ مگر اجلاس گاہ کے افراد نے حملہ کر کے اس کی رسم تاجپوشی میں خلل پیدا کیا۔ اگر اس خون ریز جنگ میں جرمنوں کی جرأت اور تعداد غالب رہی تو وہ ایسے شہر کے سامنے اپنا پڑاؤ قائم نہ کر سکتا، جس کے متعلق اس کا دعویٰ تھا کہ وہی اس کا حکمران ہے۔ اس کے بارہ سال بعد اس نے روم کا محاصرہ کر لیا، اور سینٹ پیٹر کے جانشین کے مقابلے میں ایک مخالف قوت قائم کرنے لگا۔ اور دریائے ٹائبر میں بارہ جنگی جہاز داخل کر دیے گئے۔ مگر مجلس اور شہر کے عوام کو گفت و شنید کے کمال فن اور وبا پھوٹ پڑنے کی وجہ سے بچا لیا گیا۔ فریڈرک اور اس کے جانشین کوئی مخالفانہ کارروائی بھی نہیں کرنا چاہتے تھے، انھوں نے جس قدر مشقت کی تھی وہ پوپ کے کہنے پر کی گئی تھی۔ صلیبی جنگیں، اور لومبارڈی اور جرمنی کی آزادی کی کوششیں رومیوں سے اتحاد کا باعث بن گئیں اور فریڈرک دوم نے دارالحکومت میں ایک عظیم جھنڈا پیش کیا تھا، جسے میلان کا کیروقیو (Caroccio) کہا جاتا تھا، جب صوابیہ کا خاندان ختم ہو گیا، تو انھیں الپس کے پار جلاوطن کر دیا گیا۔ اور ان کی جو آخری

تا جپوشی ہوئی وہ طیوطائی قیصران کی اہمیت اور افلاس کی ترجمان تھی۔

ہیڈریان کے دور حکومت میں، جبکہ سلطنت فرات سے سمندر تک اور کوہ اطلس سے کوہ گرامپیا تک وسیع تھی، تو ایک تصوراتی مؤرخ نے رومیوں کی ابتدائی جنگوں کی اس طرح تصویر کشی کی: فلوروس کہتا ہے کہ "ایک وقت تھا، جب ٹائبر اور پرائی نیسٹے موسم گرما گزارنے کے لیے تفریحی مقام کی حیثیت رکھتے تھے۔ ہم اپنے دشمن مقامات کی تسخیر کے وعدے کرتے تھے اور اپنے اجلاس گاہ کی فتوحات کی قسمیں کھاتے تھے، مگر ہم اریقیا کے جنگلات کے سایوں سے بھی ڈرتے تھے، اور سابائنی اور لاطینی دیہات پر بغیر کسی شرم و حیا کے قبضہ کر لیتے تھے۔ اور قوریولی جیسے افراد بھی اپنے ناموں کے ساتھ فاتح جرنیل کا خطاب بطور لاحقہ استعمال کر لیتے تھے"۔ اس کے ہمعصروں کا افتخار بھی، ماضی اور حال کے موازنے سے درست معلوم ہوتا تھا، لیکن وہ مستقبل کے امکانات کے متعلق عاجزانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور تھے۔ یہ پیشین گوئی موجود تھی کہ ہزار سال بعد روم کی سلطنت ختم ہو جائے گی اور وہ اپنی قدیم سرحدوں تک محدود ہو جائے گا۔ اور اسی میدان میں اپنے قدیم دشمنوں کے ساتھ جنگوں میں معروف ہو جائے گا۔ جس پر اس نے دیہاتی محلات اور باغات تعمیر کرا رکھے تھے۔ وہ ملحقہ علاقہ جو ٹائبر کے دونوں کناروں پر واقع ہے۔ اسے ہمیشہ سینٹ پیٹر کی موروثی جائیداد سمجھا جاتا رہا ہے اور اس پر قبضہ بھی قائم رکھا گیا ہے۔ مگر جاگیرداروں نے ایک غیر قانونی آزادی حاصل کر لی، اور وہ شہر جو زمانہ قدیم سے وفادار چلے آ رہے تھے، انھوں نے بھی ان کی تقلید میں دارالحکومت کے خلاف بغاوتیں کھڑی کر دیں اور اختلافات کا شکار ہو گئے۔ بارھویں، تیرھویں صدی میں، دانستہ طور پر اس عمل پر گامزن ہو گئے کہ کلیسا اور مجلس قانون ساز کے باجگواروں کی تعداد کم کر دی جائے یا انھیں سرے ہی سے ختم کر دیا جائے۔ اگر پوپ نے ان کی خودسری اور خودغرضانہ حب جاہ کو منکسر المزاجی میں تبدیل کر دیا، تو اس کے علاوہ ان کی اس نے حوصلہ افزائی بھی کی اور روحانی افواج سے ان کی مدد بھی کی۔ ان کی جنگیں ابتدا میں قونصلوں اور آمرین کے مابین تھیں، جنھیں دہقانوں اور ہل چلانے والوں میں سے منتخب کر لیا گیا تھا۔ وہ سب لوگ اسلحہ لے کر اجلاس گاہ کی دیواروں کے نیچے پہنچ گئے اور دروازوں پر حملہ کر کے شہر کے اندر داخل ہو گئے، قرب و جوار کے کھیتوں میں موجود فصلوں کو لوٹ لیا جو بچ گیا اسے جلا دیا، اس سے فسادات کا آغاز ہو گیا، یہ مہم انیس یا بیس روز جاری رہی، اس کے بعد وہ اپنے گھروں میں واپس چلے گئے، ان کا محاصرہ مشکل تھا، اور وہ اس فن سے بھی ناواقف تھے۔ وہ اپنی فتح کا فائدہ اٹھانے کے ہنر سے بھی ناواقف تھے۔ وہ حسد اور انتقام کی ادنیٰ ترین

کارروائی میں مصروف ہو گئے۔ اس کی بجائے کہ وہ جرأت اور بہادری سے کام لیتے، وہ اپنے دشمنوں کی بدقسمتی پر جھپٹ پڑے۔ انھوں نے خانقاہوں سے قیدی پکڑ لیے اور ان کے گلوں میں رسیاں باندھ دیں، اور وہ مجبور اور بے کس ان سے معافیاں طلب کرتے رہے۔ قرب و جوار کی آبادیوں کی قلعہ بندیاں بلکہ مکانات بھی مسمار کر دیے گئے اور ان کی آبادی دوسرے دیہات میں منتشر ہو گئی۔ بشپوں کے قریبی حلقوں کے مراکز پورٹو، اوسطیہ، البانوم، طوسقولوم، پرائی نیسٹے، اور طائی بور یا طیوودولی کو یکے بعد دیگرے رومیوں کی خونخوار دشمنی کے انتقام کے لیے خاک میں ملا دیا۔ ان میں سے دو قصبات پورٹو اور اوسطیہ ابھی تک خالی، اور غیر آباد ہیں۔ دلدلی اور سنگلاخ علاقوں میں بھینسوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ اور اب دریا اس قابل نہیں رہا کہ اس میں جہاز رانی کی جا سکے یا اسے تجارت کے لیے استعمال کیا جا سکے۔ وہ پہاڑیاں جن میں ہر سال موسم گرما کی سختیوں سے بچنے کے لیے پناہ حاصل کی جا سکتی ہے۔ اب دوبارہ ان میں امن کی برکات کا نزول ہو گیا ہے اور طوسقولوم کے کھنڈرات کے قریب فراسقاطی آباد ہو گیا ہے۔ طائی بور یا طیوودولی نے ایک شہر کی حیثیت کا اعزاز حاصل کر لیا ہے، اور البانوم، اور پیلسطرینہ کے چھوٹے چھوٹے قصبوں پر اسقفوں اور رومی بادشاہوں کے دیہاتی محل تعمیر ہو کر ان کی آرائش کا سامان بن گئے۔ تخریب کے عمل میں رومیوں کی خواہشات کو ہمیشہ روک لگائی جاتی رہی ہے۔ اور ہمسایہ شہروں نے انھیں ہمیشہ پسپائی پر مجبور کر دیا ہے۔ یا خود ان کے اتحادیوں نے یہ فرض ادا کر دیا ہے پہلی دفعہ طائی بور نے انھیں ان کے پڑاؤ ہی سے واپس بھگا دیا۔ اور طوسقونوم اور وائطر بو کی لڑائیوں میں ان کی ملحقہ ریاستوں کا موازنہ تھریسی مین اور قانائی کی یادگار معرکہ آرائیوں سے کیا جا سکتا ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے معرکوں میں ایک ہزار جرمن گھڑسواروں نے تیس ہزار رومیوں کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ رسالے کے اس دستے کو فریڈرک بار بروسا نے طوسقولوم کی اعانت کے لیے علیحدہ کر رکھا تھا، جو ہمیں اس معرکے کا مستند حساب ملا ہے۔ اس کے مطابق ہر تین ہلاک شدگان کے ساتھ دو ہزار قیدی شمار میں آئے ہیں۔ اس کے اڑسٹھ سال بعد انھوں نے وائطر بو کے خلاف پیش قدمی کی۔ یہ ایک کلیسائی ریاست تھی۔ اس مہم میں شہر کی ساری فوج حصہ لے رہی تھی۔ یہ ایک ایسا اتحاد تھا جو شاذ ہی وجود میں آتا ہے۔ جھنڈے کے عقب میں طیوطائی عقاب بندھا ہوا تھا، جب کہ سامنے والے حصے میں سینٹ پیٹر کے مزار کی کلیدیں تھیں، پوپ کے فوجی دستوں کی کمان طاؤلوس کے کاؤنٹ کے ہاتھ میں تھی، جو ونچسٹر کا بشپ بھی تھا۔ رومیوں کو شرمناک اور عبرت ناک شکست ہوئی۔ ان کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوا، مگر انگریزوں کے سفیر کا یہ بیان ایک زائر کے جھوٹے وقار کا بھی مظہر ہو سکتا ہے۔

اس نے بیان کیا ہے کہ رومیوں کے ایک لاکھ تیس ہزار افراد میدان جنگ میں کام آئے۔ اگر اجلاس گاہ میں مجلس دستور ساز کی حکمت اور سپاہیوں کا نظم وضبط بحال ہو چکا ہوتا، تو انھیں اٹلی کو دوبارہ فتح کرنے کا موقع میسر آجاتا، کیونکہ یہ ملک اس وقت مختلف دھڑوں میں منقسم تھا، مگر اسلحہ کے استعمال میں رومی فوجی اس جدید دور میں دوسروں سے برتر نہ تھے۔ اور فنون حرب میں تو وہ دوسروں سے بہت کم تر تھے۔ اس وقت جو ہمسایہ جمہوریتوں میں معیار تھا وہ ان سے بہت بہتر تھا۔ اب ان میں جنگجوئی کا جذبہ بھی موجود نہ تھا، چند بے قاعدہ حملوں کے بعد یہ لوگ قومی بے حسی کا شکار ہو گئے۔ فوجی اداروں کی طرف سے غافل ہو گئے اور غیر ملکی رضا کاروں یا کرائے کے سپاہیوں پر خطرناک اعتماد کرنے لگے۔

اولوالعزمی ایک ایسی نباتات ہے جس نے حضرت عیسیٰ کے انگوروں کے باغ کو بہت جلد سرسبز کر دیا، اولین عیسائی بادشاہوں کے دور میں سینٹ پیٹر کی کرسی کے لیے اختلاف کو رائے دہندگی کے ذریعے حل کیا گیا۔ ضمیر فروش عوام کے دنگا فساد جس کا مظاہرہ انتخابات کے دوران ہوا، ان سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ روم کی پناہ گاہیں، خون سے آلودہ ہو کر ناپاک ہو گئیں۔ اور تیسری سے لے کر بارھویں صدی تک کلیسا کو مختلف اختلافات اور بدعتوں نے سیدھے راستے سے ہٹا دیا، اور متعدد نوعیت کی شرارتیں وجود میں آ گئیں۔ جب تک کہ اعلیٰ انتظامی افسران کے مرافعے کا حتمی فیصلہ دیتے، ایسی شرارتیں مقامی اور عبوری نوعیت کی ہوتیں، معاملات کا فاصلہ نصفت یا ہمدردی کی بنیاد پر کیا جاتا، اور وہ شخص جو مقدمہ ہار جاتا، وہ کامیاب فریق کو تادیر پریشان نہ کر سکتا، مگر جب شہنشاہ کے صوابدیدی اختیارات واپس لے لیے گئے اور یہ اصول قائم کر دیا گیا، کہ نائب مسیح کسی ارضی عدالت کے سامنے جوابدہ نہیں، تو پھر جب بھی کلیسائی سلسلے میں کوئی اسامی خالی ہوتی، تو اس کے لیے اختلاف بلکہ جنگ کی نوبت آ جاتی۔ کارڈینل اور اس سے کم رتبے کی اسامیوں کے سلسلے میں عوام زیادہ واضح نہ ہوتے مگر مقدمات ضرور دائر کر دیتے۔ شہر میں برپا ہونے والے فسادات کی وجہ سے انتخاب کی آزادی پر بھی قدغن لگ گئی۔ اور برتر اقتدار کے احکام کی تعمیل کا رواج نہ رہا۔ جب کوئی ایک پوپ مر جاتا، تو دو فریق علیحدہ علیحدہ کلیسا میں پہنچ جاتے، اور دو انتخابات منعقد ہو جاتے، آرا کا وزن، زمانی ترجیح، امیدواروں کا استحقاق، ایک دوسرے میں توازن پیدا کرتے۔ سب سے زیادہ باوقار پادری بھی مختلف فریقوں میں تقسیم ہو جاتے اور دور افتادہ بادشاہ، جو روحانی تخت کی تکریم کرتے، وہ یہ فیصلہ نہ کر پاتے کہ ان دونوں میں اصلی پوپ کون ہے اور نقلی کون ہے۔ ایک ان میں سے دوست ہوتا اور دوسرا مخاصمت پر عمل کرتا۔ اور ان میں سے ہر ایک فریق

مخالف یعنی دشمن کی بے عزتی کرنے کے لیے تیار ہوتا۔ یہ لوگ نہ تو ضمیر سے خوف کھاتے تھے، اس لیے اپنے پیروکاروں کی مدد کو خریدنے کے لے تیار ہو جاتے تھے۔ وہ لالچ یا بلند عزائم کی خاطر بک جاتے۔ ایک پرامن اور دائمی جانشینی کو الیگزینڈر سوم نے رواج دیا۔ اس نے ہنگامہ آرا پادریوں اور عوام کی رائے کو ہمیشہ کے لیے پادریوں اور انتخاب میں رائے دہی کا حق صرف کارڈینل کے رتبے کے پادریوں تک محدود کر دیا۔ اس نے پادریوں کو تین طبقات میں تقسیم کر دیا، بشپ، کاہن اور چھوٹا پادری (مہتمم خیرات وصدقات) انھیں اس اہم حق کی بنیاد پر ایک دوسرے سے مخلوط کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں روم کے صوبائی پادری کو اولین مقام دیا گیا۔ یہ لوگ بہر صورت عیسائی دنیا کے ممالک ہی میں سے لیے جاتے، اور انھیں کثیر مفادات حاصل ہوتے۔ اور ان میں سے بعض اہم بشپوں کے مفادات بھی بہت زیادہ ہوتے۔ اس میں ان کے رتبے یا خطاب کا کوئی خیال نہ رکھا جاتا۔ وہ اراکین مجلس جن کا کیتھولک کلیسا سے تعلق ہوتا۔ یہ لوگ باہم مل کر فیصلے کرتے یا بڑے پادریوں کے سفیر ہوتے، یہ لوگ شاہی لباس میں ملبوس ہوتے یہ ان کی شہنشاہیت یا بادشاہی کی علامت سمجھی جاتی، وہ ازرو افتخار اپنے آپ کو بادشاہوں کے برابر سمجھتے۔ چونکہ ان کی تعداد بہت کم تھی، اس لیے ان کا وقار بھی بہت زیادہ ہوتا۔ لیو دہم کے دور حکومت تک، ان کی تعداد بیس، پچیس سے کبھی زائد نہیں ہوتی۔ دانش مندانہ قانون سازی کی وجہ سے ہر قسم کے شکوک وشبہات ختم کر دیے گئے تھے۔ اور اختلاف کی جڑیں اس طرح مؤثر طور پر ختم کر دی گئی تھیں کہ چھ سو سال کے عرصے میں صرف ایک دفعہ دو شخص منتخب ہو گئے۔ جس سے اس مقدس جماعت کے اتحاد کو نقصان پہنچا۔ مگر دو تہائی آرا کی توثیق کو ضروری سمجھا گیا تھا۔ اس لیے بعض مفادات کی وجہ سے انتخاب کے عمل میں تاخیر ہو جاتی۔ اس میں کارڈینل حضرات کے ذاتی جذبات بھی شامل ہو جاتے۔ اس سے ان کی آزاد حکومت کو طویل عرصہ نصیب ہو گیا۔ اور عیسائی دنیا بغیر سربراہ کے رہ جاتی۔ گریگوری دہم کے انتخاب سے قبل یہ اسامی تین سال تک خالی رہی تھی، اور اس نے کوشش کی کہ آئندہ پھر کبھی ایسا نہ ہو۔ اور اس کی قوت کی وجہ سے ایسا ہوا کہ قانونِ انتخاب میں ضروری تبدیلی کر دی گئی۔ آنجہانی پوپ کے سوگ کے لیے صرف نو دن کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اور اس عرصے میں غیر حاضر کارڈینل کا منزل مقصود پر پہنچنا لازمی قرار پایا۔ دسویں دن ان کو محبوس کر دیا جاتا ہے، ہر ایک کو امیدواروں کے ڈیرے پر دوسروں کے ہمراہ رکھا جاتا ہے یا وہ ایسے مقام پر رہتے ہیں جس میں کوئی دیوار یا پردہ حائل نہ ہو ضروریات کی فراہمی کے لیے ایک کھڑکی رکھی جاتی ہے۔ مگر دروازے کے دونوں جانب تالے لگا دیے جاتے ہیں۔ اور شہر کے اعلیٰ حکام اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور

انھیں دنیا کے کسی فرد سے خط و کتابت یا رابطے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اگر تین دن کے اندر اندر انتخابات نہ ہوسکیں، تو پھر ان کے دستر خوان کی عیش و عشرت صرف ایک کھانے تک محدود کر دی جاتی ہے اور آٹھ دن گزرنے کے بعد انھیں صرف تھوڑی مقدار میں روٹی اور پانی کی مقدار فراہم کی جاتی ہے اور قلیل مقدار میں شراب فراہم کی جاتی ہے۔ پوپ کی اسامی کے خالی رہنے کے دوران کارڈینل حضرات کو اجازت نہیں ہوتی کہ وہ محاصلات کی رقم کو چھو سکیں یا اپنے اقتدار کا محاصرہ کرسکیں بشرطیکہ ہنگامی صورتحال پیدا نہ ہو۔ کلیسا کی حکومت، تمام معاہدات اور رائے دہندگان کے تمام وعدے، حسب قاعدہ منسوخ کر دیے جاتے ہیں اور ان کے وقار کو قائم رکھا جاتا ہے وہ حلف بھی لیتے ہیں اور کیتھولک عقائد کے مطابق عبادت گزاری بھی کرتے رہتے ہیں۔ اس قید کی بعض دفعات سختی سے پوری طرح نافذ کی جاتی ہیں۔ ان کے مطابق یہ ضروری ہے کہ تمام ارکان صحت مند رہیں اور آزادی سے اس کام کو جلد از جلد ختم کرلیں۔ اور ان کے لحاظ آزادی پر دیر تک پابندی عائد نہ رہے۔ اور یہ کہ رائے دہی کے عمل میں ہمیشہ بہتری کی صورت پیدا ہوتی رہے۔ اس میں خفیہ رائے دہی کا عمل بھی شامل ہے، اور اجتماعی سری میں جو روابط ممکن ہوسکتے ہوں ان کا بھی ازالہ ہوجائے جس کے لیے ریشمی پردہ یا خیرات و فیاضی کا پردہ استعمال کیا جاتا ہے یا نرم مزاجی کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ ان اداروں کی وجہ سے رومیوں کو اپنے بشپوں اور بادشاہوں کو خود انتخاب کرنے کے حق سے بھی محروم کر دیا گیا۔ مگر یہ لوگ اپنی بے راہرو آزادی کے بخار میں اتنے زیادہ مبتلا تھے کہ انھیں اپنے اس گرانمایہ نقصان کا بھی اندازہ نہ ہوسکا۔ بویریا کے شہنشاہ لیوس نے اوتھو کی مثال کو دوبارہ بحال کیا۔ اس نے حاکمانِ اعلیٰ اور رومی افراد سے صلاح مشورے کے لیے، ان سب کو سینٹ پیٹر کے چبوترے پر جمع کیا۔ جان بست ودوم (۲۲) جو ایوگنان کا پوپ تھا، اسے معزول کر دیا گیا۔ ان کی متفقہ رائے اور تحسین و آفرین کے ساتھ اس کے جانشین کا انتخاب کرلیا گیا۔ انھوں نے آزادی سے ایک نئے قانون کے حق میں رائے دہی کی کہ ان کا بشپ شہر سے کبھی تین ماہ سے زائد عرصہ غیر حاضر نہیں رہ سکتا اور دو دن کی مسافت سے باہر نہیں جاسکتا۔ اور یہ کہ اگر وہ تیسری اطلاع پر بھی واپسی میں تاخیر کرے، تو اسے بطور سرکاری ملازم تنزلی کا سامنا کرنا ہوگا اور اسے برخاست بھی کر دیا جائے گا، مگر لیوس خود اپنی مشکلات کو بھول گیا۔ وہ بعض وقتی مشکلات کا شکار تھا، اور بعض کمزوریاں بھی موجود تھیں۔ اسے ایک جرمن چھاؤنی کے قرب و جوار کا سفر درپیش تھا، اب جو اس نے یہ عذر پیش کیا تو اسے بے کار بھوت کہہ کر مسترد کر دیا گیا۔ رومیوں نے خود اپنی ہنرمندی کو بنظر حقارت مسترد کر دیا۔ جو لوگ پوپ کے مخالف تھے،

انھوں نے بادشاہ سے حسب قانون رحم کی درخواست کی۔ اس طرح کارڈینل حضرات کا ایک حق بلاشرکت غیرے مستحکم ہوگیا اور یہ غیر دانشمندانہ حملہ ان کے لیے مددگار ثابت ہوا۔

اگر انتخاب ہمیشہ ویٹی کن ہی میں ہوتا تو مجلس قانون ساز اور عوام کے حقوق پر کسی اختلاف کی وجہ سے مجروح نہ ہوتے۔ مگر رومی اسے بھول گئے لہٰذا ان کو بھی فراموش کر دیا گیا۔ گریگوری ہشتم کے جانشین کی غیر حاضری میں جس نے اپنی رہائش اور مرکز شہر اور اپنے حلقے میں نہ رکھا، اس نے یہ سمجھا کہ عالمی کلیسائی حکومت کے مقابلے میں اس کے حلقے کی اہمیت کم تھی۔ پوپ شہر میں اپنی رہائش کو پسند بھی نہ کرتے تھے، یہاں ان کے اختیارات میں دخل اندازی کی جاتی تھی، اور ان کی زندگی بھی خطرے میں رہتی تھی۔ اٹلی کی جنگوں میں اور بادشاہوں کی طرف سے ان پر جو سختی کی گئی، اس کے نتیجے میں، یہ لوگ نقل مکانی کرکے الپس کی دوسری طرف چلے گئے تھے۔ فرانس کا علاقہ ان کی مہمان نوازی میں پیش پیش تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی اور موت کے لیے اناگنی، پیروجیا، وائطر بو اور ان کے قرب و جوار کے علاقے منتخب کرلیے تھے، جو زیادہ پرسکون تھے اور ان کے ریوڑ ناراض ہوئے بلکہ بھوکے رہنے لگے کیونکہ ان کا گڈریا غیر حاضر تھا۔ ان کو سخت انتباہ کرکے واپس بلایا گیا، کیونکہ سینٹ پیٹر نے اپنا مرکز کبھی کسی مبہم دیہات میں قائم نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ عالمی دارالحکومت ہی کو ترجیح دی۔ ایک خطرناک ذریعہ اختیار کرکے ہی رومی انھیں واپسی پر مجبور کرسکتے تھے، یعنی اسلحہ پہن کر ان پر حملہ آور ہوجاتے، لیکن وہ خود ہی بزدلانہ تعمیل حکم کرکے واپس آگئے۔ آتے ہی انھیں ایک زبردست قرض کا سامنا کرنا پڑا جو ان کی غیر حاضری کی وجہ سے کہیں سے کہیں پہنچ گیا تھا۔ رہائش کا کرایہ، اشیائے صرف کی فروخت اور ملازمین اور ان اجنبیوں کے متفرق اخراجات، جو دربار میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ زمانہ سکون کے اس وقفے کے بعد اور غالباً ان کے اقتدار کی بدولت ایک نیا طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور انھیں دوبارہ جلاوطن کر دیا گیا۔ اور سینٹ پیٹر نے انھیں احترام سے یا تحکمانہ انداز سے واپس بلالیا۔ ان واپسیوں کی وجہ سے جو کبھی کبھی ہوجاتیں ویٹی کن کے جلاوطن یا مفرور دارالحکومت سے کبھی دور نہ جاتے اور طویل عرصے تک غیر حاضر نہ رہتے۔ مگر چودھویں صدی کے آغاز میں کلیسائی تخت کو، جیسا کہ معلوم ہوتا ہے، ہمیشہ کے لیے ٹائبر سے رہون کو منتقل کر دیا گیا۔ اور اس کا سبب بونی فیس ہشتم اور شاہ فرانس کے مابین سخت مقابلہ تھا۔ تین ریاستوں نے باہمی اتحاد کے ذریعے مقاطعے اور سزائے دینی موقوفی کو بند کر دیا اور گال کے کلیسا کے مفادات بھی ختم کر دیے۔ مگر پوپ ان پابندیوں کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا، جو فلپ فیئر (Philip the Fair) نے کلیسائی اقتدار

کے خلاف عائد کی تھیں۔ چونکہ پوپ اناگنی میں رہائش پذیر تھا، اور اسے کسی قسم کے خطرے کا احتمال یا شک نہیں تھا۔ مگر ایک روز تین سو گھڑ سواروں نے اس کے محل اور خود اس پر حملہ کر دیا۔ یہ دستہ نوگارٹ کے فلپ، ایک فرانسیسی وزیر، اور سقیارہ قولونا جس کا تعلق روم کے ایک مخالف خاندان سے تھا، نے مل کر اور خفیہ طور پر جمع کر رکھا تھا اور گھات لگا رکھی تھی۔ کارڈینل فرار ہو گیا، اناگنی کے باشندوں کو ان کے گھروں سے ورغلایا گیا اور ان کی وفاداری حاصل کرنے کی کوشش کی گئی، مگر دلیر بونی فیس نے ان کا اسلحہ اتار دیا اور تنہا اپنی کرسی پر بیٹھ گیا، اور مذہبی سزا یافتہ پادریوں کا انتظار کرنے لگا۔ قدیم وفادار گال کی تلوار اس کی حامی تھی، نوگارٹ جو ایک غیر ملکی دشمن تھا، وہ اسی پر مطمئن تھا کہ اپنے آقاؤں کا حکم مانتا رہے۔ قولونا کے مقامی دشمنوں نے اسے پکڑ لیا۔ گالیاں دیں، مکے مارے اور بے عزتی کی، تین دن کی قید کے دوران ایسا موقع بھی آ گیا کہ اس کی زندگی خطرے میں پڑ گئی۔ کیونکہ یہ اپنی ضد پر اڑا رہا، جس کی وجہ سے وہ طیش میں آ گئے۔ ان کی تاخیر کی وجہ سے، جن کا بظاہر کوئی سبب نہ تھا، کلیسا کے پیروکاروں کو موقع مل گیا۔ اور انھوں نے اسے اس تذلیل اور تشدد سے بچا لیا۔ مگر اس کی روح کو صدمہ پہنچا اور جسم کے اہم حصوں پر اسے زخم بھی آئے تھے۔ جن کے نتیجے میں بونی فیس صرف چند دنوں کے اندر اندر ختم ہو گیا۔ اس کی موت روم کے مقام پر ہوئی۔ اس کی وجہ ہیجان تھا، یا غصہ یا انتقام تھا۔ اس کی یاد پر لالچ اور غرور کے واضح الزامات کے داغ موجود ہیں۔ اس میں اتنا حوصلہ بھی نہ تھا کہ شہید کہلا سکتا یا اس کے حامی اس کے کارناموں کی بدولت اسے ایک ولی قرار دیتے۔ (اس دور کی روایات کے مطابق) یہ ایک عالی شان گنہگار تھا، جو ایک لومڑی کی طرح داخل ہوا، شیر کی طرح حکومت کی، اور ایک کتے کی موت مر گیا۔ بینیڈکٹ یازدہم اس کا جانشین ہوا، یہ ایک انتہائی نرم مزاج انسان تھا۔ اس کے باوجود اس نے فلپ کے ناپاک ساتھیوں کا مجلسی مقاطعہ کرا دیا اور اناگنی کے شہر اور باشندوں کو ایک سخت بددعا دی، جس کے اثرات اوہام پرست انسانوں کو ابھی تک نظر آتے ہیں۔

اس کی موت کے بعد فرانسیسی جماعت نے دوبارہ اجتماع سری مقرر کیا تھا، جو پہلے سے بھی مشکل تھا۔ ایک بہت بڑی پیشکش کی گئی جسے منظور بھی کر لیا گیا، کہ چالیس یوم کی میعاد کے اندر اندر وہ تین میں سے ایک امیدوار کا انتخاب کریں گے، جن کی نامزدگی ان کا مخالف فریق بورڈیا کس کا اسقف اعظم کرے گا جو اس کا خطرناک دشمن تھا۔ بادشاہ اور ملک کا نام اس کی فہرست میں سب سے اوپر تھا۔ مگر اس کی تمنا سے ہر شخص واقف تھا، اس کا ضمیر صرف خوش بختی کی آواز پر لبیک کہتا، اور وہ ہمیشہ کسی محسن ہی کی آواز سنتا۔ اسے ایک تیز رفتار

قاصد کے ذریعے یہ پیغام ملا کہ اگلے پوپ کا انتخاب اس کے ہاتھ میں ہے۔ ایک خفیہ مکالمے میں شرائط طے کر لی گئیں۔ اور تمام معاملات کو تیز رفتاری اور راز داری سے انجام دیا گیا، کہ اجتماع سری میں باتفاق رائے کلیمنٹ پنجم کا انتخاب کر لیا گیا۔ دونوں جماعتوں کے کارڈینل یہ معلوم کر کے حیران رہ گئے کہ انھیں یہ کہا گیا ہے کہ وہ الپس کو عبور کر کے جلد از جلد اس سے ملاقات کریں اور انھیں واپسی کی بھی کوئی امید نہ تھی۔ اسے وعدوں اور شفقت سے پابند کر لیا گیا تھا کہ وہ فرانس میں رہائش کو ترجیح دے، وہ اپنے دربار کو پوئیٹو اور گاسکونی کے راستے چلاتا رہا اور راستے میں جو دیہات یا راہبات کی رہائش گاہیں آتی رہیں، ان پر منہ مارتا گیا۔ اور آخر کار ایوگنان پر رضامند ہو گیا۔ جو ستر سال سے زائد عرصے سے خوشحال چلا آ رہا تھا۔ یہ پوپ کی قیام گاہ اور عیسائیت کا مرکز تھا۔ خشکی کے راستے، سمندر کے راستے یا دریائے راہین کے ذریعے غرض ہر طرف سے ایوگنان قابل رسائی حیثیت کا حامل تھا۔ فرانس کے جنوبی صوبے کسی طرح بھی اٹلی کے سامنے ہار ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ پوپ اور کارڈینل حضرات کی رہائش کے لیے نئے محل وجود میں آ گئے۔ اور کلیسا کے خزائن کی وجہ سے عیش و عشرت کا سامان مہیا ہونے لگا۔ قرب وجوار کی اراضی اس سے پہلے ہی ان کے قبضے میں تھی۔ وینسی کاؤنٹی کا علاقہ، بہت زرخیز اور گنجان آباد تھا۔ اس کے بعد ایوگنان کی حکومت بھی جین سے خرید لی گئی۔ جو نیپلز کی پہلی ملکہ تھی اور وہ پرووینس کی کاؤنٹس تھی۔ اسے صرف اسی ہزار فلورنس بطور قیمت ادا کیے گئے۔ فرانسیسی بادشاہت کے سایہ تلے، اور فرمانبردار رعایا کے درمیان پاپایان کو ایک باوقار اور پرسکون ریاست حاصل ہو گئی۔ جس کے لیے وہ طویل عرصے سے جدوجہد کر رہے تھے۔ مگر اٹلی کو ان کی غیر حاضری پر افسوس تھا۔ اور روم تنہائی اور مفلسی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ انھوں نے بڑی مدت سے ایسی حالت کا سامنا نہ کیا تھا۔ اب وہ ایسی آزادی پر متاسف تھے، جس کا وہ انتظام چلانے کے بھی اہل نہ تھے۔ اور جس کے نتیجے میں سینٹ پیٹر کے جانشین بھی ویٹی کن کو چھوڑ کر چلے گئے۔ مگر اس کا تاسف بے کار اور لاحاصل تھا۔ جب پرانے ارکان کی موت واقع ہو گئی، تو مقدس ذریعۂ انتخاب فرانسیسیوں سے بھر گیا۔ جبکہ وہ روم اور اٹلی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اب ہر قوم بلکہ ہر صوبے کا اپنا پوپ ہونے لگا۔ اور ان کے اپنے ممالک سے تعلقات ناقابل تنسیخ اور مستحکم تھے۔ صنعت وحرفت میں ترقی کے بعد پیداوار میں اضافہ ہوا اور اٹلی کی جمہوریتیں امیر ہو گئیں۔ یہ ان کی آزادی کا دور تھا، جس میں آبادی بہت خوش تھی۔ زراعت، صنعتی پیداوار، ان کی مشینیں اور میکانکی کارکن اور مزدور بتدریج مہذب ہوتے گئے، مگر روم کو یہ آسائشیں حاصل نہ تھیں۔ ان کا علاقہ زرخیز نہ تھا، اس کی آبادی کا کردار گر چکا تھا، ان میں برداشت کا مادہ

مفقود ہو چکا تھا، وہ جذبۂ افتخار میں خوش رہنے لگے تھے۔ اور وہ بڑے لالچ سے اس تصور میں گم رہتے تھے کہ کلیسا اور سلطنت کے مرکز کو اقوامِ عالم کی طرف سے ہمیشہ خراج ملتا رہے گا اور وہ اس پر اپنا گزارہ کرتے رہیں گے۔ اس تصور کی کسی حد تک اس دور میں حوصلہ افزائی بھی ہوئی تھی جب زائرین حواریوں کی قبروں کی زیارت کے لیے آتے اور کچھ نذر و نیاز بھی دے جاتے اور پاپایان کے دوسرے دور میں مقدس سال کا ادارہ قائم کر دیا گیا۔ اس سے عوام کو پجاریوں سے بھی زیادہ فائدہ پہنچتا۔ جب سے فلسطین ہاتھ سے نکل گیا تھا تو وہ محبت اور شفقت جو صلیبیوں کو ملتی تھی، اب بلا مقصد رہ گئی، اور کلیسا کا انتہائی مالدار خزانہ آٹھ سال میں عوام میں تقسیم ہو گیا۔ بونی فیس ہشتم کی محنت سے ایک نیا ذریعہ پیدا ہو گیا تھا، جس میں لالچ اور عزم و ہمت باہم مخلوط ہو گئے تھے اور پوپ نے اس قدر تجربہ حاصل کر لیا تھا کہ وہ دنیاداری کے کھیل کو بھی یاد کرے اور اسے عملی شکل بھی دے۔ یہ مقدس سال کا ادارہ قائم ہوا جو ہر صدی کے آخری سال کی صورت میں منایا جانے لگا۔ اس میں کوئی خطرہ نہ تھا اور عوام کے اعتقاد میں بھی کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ از راہ دانش مندی ایک اطلاع نامہ تیار کر لیا گیا۔ ایک روئیداد تیار کر لی گئی۔ چند عمر رسیدہ لوگ بطور گواہ پیش کیے گئے۔ اور تیرہ سو سال کے ماہ جنوری میں سینٹ پیٹر کا کلیسا عیسائی مذہب کے پیروکاروں سے بھر گیا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ مقدس وقت کا قدیم رواج بحال کیا جائے۔ پوپ ان کی بے تاب عقیدت کو دیکھتا رہا۔ اسے جلد منا لیا گیا کہ ایسی قدیم شہادت موجود ہے جس کی رو سے ان کا مطالبہ انصاف اور حقیقت پر مبنی ہے، اور تمام کیتھولک عیسائیوں کے لیے یہ فیصلہ کر لیا کہ اسی سال اس تجویز پر عمل درآمد کیا جائے۔ آئندہ بھی انہی ایام میں سینٹ پیٹر حواری کے کلیسا کی زیارت کی جائے۔ اور اس کی اطلاع تمام عیسائی ممالک میں دے دی جائے۔ سینٹ پال کے لیے بھی یہ اعزاز مخصوص کر دیا گیا۔ عیسائیت کے عالم کی طرف سے اس تجویز کا خیر مقدم کیا گیا۔ آغاز میں تو اٹلی کے قریبی صوبوں سے ہی لوگ آئے۔ اور بالآخر ہنگری اور برطانیہ تک دور افتادہ ممالک سے بھی لوگ آنے لگے۔ شاہراہیں زائرین کے انبوہ سے بھر گئیں۔ وہ اس سفر کو طے کر کے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتے تھے۔ یہ سفر خواہ کتنا مہنگا اور مشکلات کا حامل ہوتا اسے فوجی خدمات سے استثنا مل جاتا۔ اس میں معاشرتی مقام، صنف، عمر یا معذوری کو بھی فراموش کر دیا جاتا۔ عام سواریوں میں اور گلیوں اور شاہراہوں پر متعدد افراد لقمۂ اجل بن جاتے۔ مگر عوام کی عقیدت میں کوئی فرق نہ آتا۔ ان کی تعداد کا شمار آسان نہیں اور صحیح تعداد بتائی بھی نہیں جا سکتی اور جو پادری ایسی روایات فراہم کرتے ہیں، وہ غالباً مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں۔ وہ دوسری مثالوں کے اعداد و شمار کا اندازہ کر لیتے

ہیں۔ اور معقول مؤرخین جو موقع پر موجود تھے وہ ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ روم میں دو لاکھ سے کم اجنبی افراد موجود نہ ہوتے، ایک اور اندازہ پیش کیا گیا ہے کہ سال بھر میں بیس لاکھ افراد روم میں اس غرض سے آتے، ہر شخص اگر تھوڑی بہت نذر و نیاز بھی پیش کرتا تو اس سے شاہی خزانے بھر جاتے اور دو پجاری دن رات کشکول لیے کھڑے رہتے۔ وہ بغیر گنے سونے اور چاندی کے ڈھیر اکٹھے کر لیتے۔ ان کو سینٹ پیٹر کی قربان گاہ پر لے جا کر ڈال دیا جاتا۔ خوش قسمتی سے یہ ایسا دور تھا، جس میں امن تھا اور ہر شے کی افراط تھی، اگر چارا کم پڑ جاتا، اور سراؤں اور قیام گاہوں کے کرائے غیر معمولی طور پر بڑھ جاتے، تو بونی فیس اور اہالیانِ روم کی حکمت عملی کی وجہ سے روٹی، شراب، گوشت اور مچھلی کی بڑی مقدار مہیا کر دی جاتی۔ چونکہ شہر میں کوئی صنعت موجود نہ تھی، اس لیے تمام اشیائے صرف بڑی تیزی سے بازار سے غائب ہو جاتیں۔ مگر اگلی نسل کے حریص افراد نے کلیمنٹ ششم سے یہ درخواست کی کہ بادشاہ کو چاہیے کہ صدی کے آخری سال تک کے عرصے کا حساب لگائے، اور اس کے مطابق قبل از وقت انتظام کر دے۔ فیاض پوپ نے ان کی خواہشات کی تکمیل کر دی، روم کی آبادی کے نقصانات کی تلافی کر دی، اور اس اقدام کا جواز فراہم کرنے کے لیے آئندہ تقریب کا نام جشن موسوی (Mosaic Jubilee) رکھ دیا۔ اس کی طرف سے اطلاع دہی کی تعمیل کی گئی۔ اور زائرین کی تعداد، جوش و خروش اور فیاضی پر گزشتہ سالوں کے تلخ تجربات اثر انداز نہ ہو سکے۔ اگرچہ جنگ، وبا اور قحط کے تین مصائب بیک وقت درپیش تھے، مگر انھوں نے ان مشکلات کا مقابلہ کیا۔ اٹلی کے قلعوں میں متعدد خواتین اور دوشیزاؤں کے ساتھ زیادتی کی گئی۔ اور وحشی رومیوں نے متعدد اجنبیوں کو لوٹ لیا یا قتل کر دیا۔ انھوں نے اپنے بشپ کی موجودگی کی بھی کوئی پروا نہ کی۔ پاپایان کی تمناؤں کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ تقریبات کے دورانیے کو بتدریج کم کرتے رہے، پچاس سال، تینتیس سال اور پھر پچیس سال پر آ گئے۔ اگرچہ ان صورتوں میں سے، دوسری میں حضرت عیسیٰؑ کی طوالتِ حیات کے ساتھ ہم آہنگی بھی موجود ہے۔ جذباتی عمل کی زیادتی، پروٹسٹنٹ فرقے کی بغاوت اور اوہام پرستی میں کمی آ جانے کی وجہ سے جوبلی کی قدر و قیمت میں بہت کمی آ گئی ہے۔ رومیوں کے لیے صدی کا آخری سال مسرتوں اور منفعت کا سال سمجھا جاتا۔ فلسفی کتنا بھی مسکرا لیں لیکن وہ پجاریوں کی کامیابی اور عوام کی مسرتوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔

گیارھویں صدی کی ابتدا میں اٹلی میں جاگیرداری نظام، عوام اور بادشاہ دونوں کے لیے باعث تکلیف ثابت ہو رہا تھا۔ اس میں متعدد جمہوریتیں تھیں، مگر انسانی حقوق کی سب میں خلاف ورزی ہو رہی تھی۔ لیکن ان

میں جلد ہی صورت حال بدل گئی اور شہروں اور ان کے قرب و جوار کی آبادیوں کو کسی حد تک آزادی حاصل ہوگئی۔ شرفا کی تلواریں توڑ دی گئیں۔ ان کے غلاموں کو رائے دہی کے حقوق دے دیے گئے، ان کے قلعے گرا دیے گئے۔ انھوں نے عام معاشرتی زندگی اختیار کر لی اور قانون کا احترام کرنے لگے۔ اب ان کی خواہشات بنیادی اعزازات تک ہی محدود ہوگئیں۔ وینس اور جینوا کے اُمرا بہت مغرور تھے انھوں نے بھی قانون کی پابندی شروع کر دی۔ مگر روم کی کمزور اور غیر منظم حکومت اپنے باغی افراد پر قابو پانے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ وہ شہر کی دیواروں کے اندر اور باہر، حاکمانِ اعلیٰ کے اقتدار کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔ یہ شہری اور دیہاتی کا حکومت کے نظم و نسق کو سنبھالنے کے لیے کوئی مقابلہ نہ تھا۔ فی الحقیقت حکومت اور نواب اپنے اپنے اقتدار کو بذریعۂ شمشیر تسلیم کرانے پر تلے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنے محلات اور قلعوں کو محاصرے کے مقابلے میں مضبوط بنالیا تھا۔ وہ اپنے ذاتی مناقشات کو اپنے باجگزاروں کی تعداد سے طے کرانا چاہتے تھے۔ اس لیے ان کے تنازعات قائم رہتے تھے۔ جہاں تک ان کی اصل اور حب الوطنی کا تعلق ہے تو وہ اپنے ملک میں اجنبی تھے۔ اور روم کے حقیقی باشندے ان مغرور غیر ملکیوں سے تعلق قائم کرنے کے لیے تیار نہ تھے، اور وہ بھی اپنے آپ کو رومی شہری کہلانے کے لیے تیار نہ تھے، بلکہ اپنے آپ کو روم کا بادشاہ کہتے تھے۔ انقلابات کے ایک سیاہ سلسلے کے بعد شجرۂ ہائے نسب کھو چکے تھے۔ خاندانی خطابات کا امتیاز گم ہو چکا تھا، بلکہ منسوخ کر دیا گیا تھا۔ انسانی خون ہزاروں واسطوں سے مخلوط ہو چکا تھا۔ گوتھ، لومبارڈ، یونانی، فرینک، جرمن اور نارمن شاہی اثاثہ جات کے بڑے حصے پر قابض ہو چکے تھے، یا بہادری کی صوابدید پر بھی یہی حاوی تھے۔ اس کی مثالیں تو بڑی آسانی سے دی جاسکتی تھیں یا فرض کی جاسکتی تھیں۔ یہودی بڑے طویل عرصے سے جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے، لیکن اب انھیں اراکین مجلس قانون ساز اور قونصلوں تک کا مقام مل چکا تھا۔ یہ ایک ایسی صورت تھی، جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ لیو نہم کے دور میں ایک امیر یہودی نے عیسائیت قبول کر لی۔ اور اسے یہ اعزاز دیا گیا کہ اس دور کے پوپ (لیو) کے نام سے سرفراز کر دیا گیا۔ اس کے بیٹے پیٹر کا جوش و خروش اور عزم و حوصلہ مثالی حیثیت کا حامل تھا۔ اس نے گریگوری ہفتم کے لیے بہت زیادہ کام کیا تھا، اس نے اپنے بیٹے کو ہیڈریان کے علاقے کی حکومت عطا کر رکھی تھی۔ اس علاقے کو کریسنٹی اوس کا مینار کہا جاتا تھا۔ اب اس کا نام بدل کر سینٹ اینجیلو کا قلعہ رکھ دیا گیا ہے۔ دونوں باپ بیٹے کی بہت اولاد ہوئی۔ یہ امیر تھے اور ان کی امارت سودخوری کا ثمر تھی اور یہ اس میں شہر کے شرفا کے خاندان کو بھی شریک کر لیتے تھے۔ اس وجہ سے ان کا اتحاد وسیع ہو چکا تھا کہ

لیو کا پوتا اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے سینٹ پیٹر کا جانشین بن گیا۔ پادریوں اور عوام کی اکثریت نے اس کے حق میں رائے دی۔ اس نے دیٹی کن میں طویل عرصے تک حکومت کی۔ یہ سینٹ برنارڈ کی فصاحت کا نتیجہ تھا کہ بالآ خر انوسینٹ دوم کو فتح حاصل ہوگئی۔ اور اناکلی طوس کو پوپ کا مخالف قرار دے دیا گیا۔ اس کی شکست اور موت کے بعد لیو کی اولاد کہیں بھی نمایاں نظر نہیں آئی۔ اور دور جدید کے شرفا میں تو اس کا ذکر تک شامل نہیں۔ بلکہ کسی مشہور شریف خاندان کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ یہودی نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں رومی خاندانوں کی تفصیلات فراہم کروں جو مختلف ادوار میں ناکام ہوگئیں۔ یا دورِ حاضر تک مختلف مدارج میں ان کا نام و نشان باقی ہے۔ فرنجی پانی کے نام سے قونصلروں کا ایک قدیم سلسلہ موجود ہے۔ جو قحط کے دور میں اپنی روٹی دوسروں میں تقسیم کر کے کھاتے تھے۔ یہ عمل فی الواقع انتہائی شاندار اور قابل تعریف ہے، اگر وہ اپنے قلعہ بند علاقے کورسی کی زنجیریں کھول کر اسے عوام کے لیے آزاد کر دیتے تو اس سے کسی کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا۔ ان کے پاس اپنے قبیلے کی رہائش کے لیے شہر کا مذکورہ وسیع علاقہ موجود تھا۔ سیویلی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کا تعلق ایک سابائن نسل سے ہے۔ انھوں نے اپنے حقیقی وقار کو برقرار رکھا ہے۔ ان کا قدیم اور متروک نام کاپی ذوتی تھا اراکین مجلس قانون ساز کے جو سکے دستیاب ہوئے ہیں، ان پر یہ نام کندہ ہے۔ قونطی اپنے اعزاز کو تو برقرار رکھے ہوئے ہیں، مگر ان کے پاس کوئی جاگیر موجود نہیں۔ یہ اپنے آپ کو سگنیا کے کاؤنٹ کہلاتے ہیں۔ اپنی بالدی اپنی روایات سے بے خبر ہیں اور منکسر المزاج بھی ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ لوگ مشہور کارتھیجی ہیرو کی اولاد سے ہوں۔

مگر مذکورہ بالا مشاہیر اور شاہانِ شہر میں سے، میں قولونا اور ارسینی خاندانوں میں امتیاز قائم کرسکوں جو باہم حریف تھے۔ جدید روم کی روایات میں ان کی داستان بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔

ا۔ قولونا کے نام اور افواج کا تذکرہ جن روایات میں کیا گیا ہے وہ قابل اعتماد اور شک سے مبرا نہیں۔ ان راویوں نے بعض قدیم آثار، ٹروجن کے مینار یا ہرکلس کے مینار یا حضرت عیسیٰؑ کے کوڑے مارے جانے والے ستون یا وہ نورانی ستون، جن کے باعث بنی اسرائیل کو صحرا میں رہنمائی حاصل ہوئی، وغیرہ کو بھی اپنے بیانات میں شامل کرلیا ہے۔ یہ روایات کا مجموعہ سب سے پہلے گیارہ سو چار عیسوی میں منظر عام پر آیا، اس میں دور قدیم کی قوتوں کی تصدیق کی گئی ہے جبکہ بالعموم یہ بعض اسماء کے سادہ معانی بیان کر کے ان کی وضاحت کرتا ہے۔ جب قولونا نے کاوائی پر غاصبانہ قبضہ کرلیا، تو اس کے نتیجے میں پاسکل دوم کی افواج مشتعل

ہوگئیں مگراس کے باوجود انھوں نے اپنی موروثی جاگیروں کو حسب قانون اپنے قبضے میں رکھا۔ انھیں زاگارولا اور قولونا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ثانی الذکر قصبے میں آرائش کے لیے کوئی بڑا مینار تعمیر کر دیا گیا تھا، وہ ممکن ہے کسی کا دیہاتی محل ہو یا کوئی عبادت گاہ ہو، اسی طرح ان کے قبضے میں قریبی شہر طوسقولوم کے نصف حصے کی ملکیت بھی تھی۔ یہ اس امر کا واضح ثبوت تھا کہ وہ طوسقولوم کے نوابوں کی اولاد تھے۔ انھوں نے دسویں صدی عیسوی میں حواریوں کے سلسلے کے افراد پر بہت تشدد کیا تھا۔ اور یہ لوگ دریائے راہین کے کناروں کے دور افتادہ علاقوں سے آئے تھے۔ اور ان کی خاندانی اور نسلی شرافت کی وجہ سے جرمنی کا بادشاہ ان سے شادی بیاہ کے مراسم پیدا کرنے سے گھبراتا نہ تھا۔ گزشتہ سات سو سالوں کے انقلابات میں ایسی راہ و رسم کو کبھی عار نہیں سمجھا گیا۔ صرف استحقاق اور امارت ہی کو اس کا معیار سمجھا جاتا رہا ہے۔ تیرھویں صدی کے اختتام پر اس خاندان میں ایک چچا اور چھ بھائی باقی رہ گئے تھے۔ یہ تمام لوگ یا تو فوجی خدمات کی وجہ سے شہرت رکھتے تھے یا کلیسا سے وابستہ تھے۔ ان میں سے پیٹر روی مجلس دستور ساز کا منتخب رکن تھا۔ اس شہر میں اس کی شناخت ایک فاتحانہ گاڑی پر کرائی گئی۔ اور بلا وجہ قتل ہو گیا۔ اسے سیرز کا خطاب حاصل تھا۔ جبکہ جان اور سٹیفن کو نکولس چہارم نے اینکونا کا مارکوئیس اور روماگنا کا کاؤنٹ بنا دیا تھا۔ نکولس اس خاندان کا سرپرست تھا، اسے ایک مزاحیہ تصویر میں بطور قیدی دکھایا گیا ہے جو ایک کھوکھلے ستون کے اندر بند تھا۔ اس کی موت کے بعد ان کی گرم مزاجی کی وجہ سے عوام کی بڑی تعداد ان کے خلاف ہو گئی تھی۔ دو کارڈینل تھے۔ جو آپس میں چچا اور بھتیجا تھے، انھوں نے بونی فیس ہشتم کے انتخاب کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور قولونا نے اپنے ذاتی دشمن کے خلاف صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا تھا۔ ان کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں اور ان کے قلعے جو ٹائبر کے دونوں کناروں پر واقع تھے، سینٹ پیٹر کی افواج نے گھیرے میں لے لیے اور ان کے حریف شرفا نے بھی مذکورہ افواج کا ساتھ دیا اور جب پیلسطرینہ یا پرائی نیسٹے تباہ ہو گیا تو ان کی سب سے بڑی ملکیت یعنی میدان پر ہل چلا دیا گیا۔ یہ اس امر کی علامت تھی کہ انھیں ہمیشہ کے لیے اس مقام کو خالی کرنا ہوگا۔ ان کا رتبہ کم کر دیا گیا، انھیں جلاوطن کر دیا گیا، یہ چھ بھائی مایوس ہو گئے اور خطرہ محسوس کرنے لگے۔ چنانچہ یہ یورپ میں آوارہ گردی کرنے لگے مگر انھوں نے آزادی اور انتقام کی امید کو کبھی ترک نہیں کیا۔ اس دوگونہ امید کے لیے فرانسیسی دربار ان کی یقینی پناہ گاہ تھا۔ انھوں نے فلپ کو مہم جوئی کے لیے تیار کیا اور پھر اس کی رہنمائی بھی کی۔ مجھے ان کی عظمت کی تعریف کرنی چاہیے۔ اگر وہ ظالم قیدی کے مقام کے احترام کرتے تو ان کے لیے یہ فعل ہمیشہ باعث فخر

ہوتا۔ اس نے معاشرتی معاملات میں جو کارروائی کی تھی وہ رومیوں نے منسوخ کر دی۔ انھوں نے قولونا کی املاک اور اعزازات بحال کر دیے۔ ان کے پاس کتنی دولت تھی، اس کا اندازہ ان کے نقصانات سے کیا جا سکتا ہے۔ ایک مقام پر ان کو ایک لاکھ طلائی فلورنس کا نقصان یا تاوان برداشت کرنا پڑا۔ یہ ان کے ساتھی، آنجہانی پوپ کو ادا کرنا پڑا۔ اس کے دانشمند جانشینوں نے ان کے خلاف ہر نوع کے ملامتی اقدامات اور نا اہلی منسوخ کر دیں۔ اس عبوری طوفان کے بعد ان کی مالی حالت پہلے سے بھی زیادہ مستحکم ہو گئی، سقیارہ قولونا کی بہادری کا بونی فیس کی قید کے دوران بہت چرچا ہوا۔ اور اس کے طویل عرصے بعد جب بوریا کے لیویس کی تاجپوشی ہوئی تو اس میں مزید اضافہ ہوا۔ اور انھیں شاہی تاج کی بھی حمایت حاصل ہو گئی۔ اس خاندان کی شہرت اور استحقاق کا باعث بڑا سٹیفن تھا۔ پوپ اس کا بطور ہیرو احترام کرتا اور اس سے محبت بھی کرتا۔ وہ اسے اپنے دور کا بہترین انسان قرار دیتا۔ قدیم روم میں بھی اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ اس پر تشدد اور جلاوطنی کا دور بھی آیا۔ اس میں اس نے یہ ثابت کر دیا۔ اس نے دونوں حالتوں میں اپنی ثابت قدمی کا ثبوت فراہم کر دیا۔ اور جب اس سے سوال کیا گیا کہ تمھاری دولت کہاں ہے تو اس نے اپنا ہاتھ اپنے دل پر رکھا اور جواب دیا۔ "یہاں پر"۔ جب ان کی قسمت بحال ہو گئی اور اس کے بعد بھی جب یہ پیرانہ سالی کے عالم میں زندہ رہا، تو یہ اپنے آبا و اجداد کی روایت کے مطابق اپنا کردار ادا کرتا رہا۔ سٹیفن قولونا نے رومی جمہوریہ میں بھی اپنا وقار قائم رکھا۔ اور اویگنان کے دربار میں بھی اپنی عزت قائم رکھی۔

۲۔ ارسینی سپولیٹو سے نقل مکانی کر کے آئے تھے، وہ ارسوس کے بیٹے تھے۔ جیسا کہ بارھویں صدی کی روایات میں ان کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بیٹوں میں صرف ایک نے شہرت حاصل کی اور اسی کو ان کے قبیلے کا بانی کہا جاتا ہے۔ مگر ان لوگوں نے جلد ہی شرفائے روم میں نمایاں حیثیت حاصل کر لی۔ ان کے افراد کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ ان کے مینار بھی مستحکم تھے۔ اور مجلس قانون ساز میں بھی ان کو احترام حاصل تھا۔ انھوں نے دو دفعہ پاپائے روم کی ترقی میں مدد دی۔ سٹیفن سوم اور نکولس سوم، ان کے مرہون منت تھے۔ ان کی وجہ سے ان کا نام و نسب روشن ہوا۔ ان کی امارت پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ یہ اقربا نوازی کے نتیجے میں حاصل ہوئی تھی۔ فیاض کیلسٹین نے سینٹ پیٹر کی املاک انھیں بخش دی تھیں اور نکولس کی یہ خواہش تھی کہ وہ ان کی وساطت سے بادشاہ سے اتحاد قائم کرے۔ جب دور انحطاط میں ان میں سے دو افراد نے لومبارڈی اور ٹسکنی کی حکومت حاصل کر لی اور مجلس قانون ساز روم میں بھی ان کو مستقل نشست حاصل ہو گئی۔ قولونا کی عظمت

کے متعلق جو مشاہدہ کیا گیا ہے۔ ارسینی کے متعلق بھی اس کا تکرار کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی ان کی طرح ہی طویل خاندانی مناقشات میں مبتلا رہے۔ جس وجہ سے کلیسائی ریاست کو بھی دو سو پچاس سال سے زائد عرصے تک مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے تنازعات کا صحیح میدان شہرت اور اقتدار کا حسد تھا۔ مگر امتیاز کے نشان کی حیثیت سے تولونا نے اپنا نام گیبلن رکھ لیا۔ جسے سلطنت کا فریق سمجھا گیا۔ ارسینی نے گلفس کا خطاب اختیار کر لیا جس سے مراد یہ تھی کہ وہ کلیسا کے دھڑے کے ساتھ ہیں۔ ان کے جھنڈے کی عقبی سمت عقاب اور چابیاں نقش کی گئیں۔ اگرچہ اس تنازع کی ابتدائی وجوہات بڑے عرصے سے فراموش ہو چکی تھیں۔ مگر اس موقع پر اٹلی کے دو فریق پوری قوت سے زور آزمائی کرنے لگے۔ جب پوپ ایوگنان واپس چلے گئے۔ تو انھوں نے خالی جمہوریہ پر بزور شمشیر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ اس کا سبب وہ منحوس سمجھوتا بھی تھا، جس کی رو سے یہ شرارت دوبارہ وجود میں آ گئی اور دائمی حیثیت اختیار کر گئی تھی کہ ہر سال دو متخالف ارا کین مجلس قانون ساز منتخب کیے جائیں۔ شہر اور دیہات دو مختلف مگر برابر دھڑوں میں تقسیم ہو گئے اور دونوں باری باری سے اپنی کامیابی کے دعوے کرنے لگے۔ مگر دونوں خاندانوں میں سے کوئی بھی بزور شمشیر فتح نہ کیا جا سکا۔ یہاں تک کہ بہادر اور مشہور ترین اُرسینی کو اچانک چھوٹے تولونا نے قتل کر دیا۔ اسے فتح تو حاصل ہوگئی مگر اس کے ساتھ ہی یہ داغ بھی لگ گیا کہ اس نے معاہدے کی خلاف ورزی کے گناہ کا ارتکاب بھی کیا ہے۔ اس کے قتل کا بدلہ اس طرح لیا گیا کہ ایک معصوم لڑکے کو اس کے دو ملازمین کے ہمراہ گرجا گھر کے دروازے کے سامنے قتل کر دیا گیا۔ اس کے باوجود فاتح تولونا اپنے ایک سال بھر کے ساتھی کے ہمراہ پانچ سال کے لیے روم کی مجلس قانون ساز کا رکن منتخب ہو گیا۔ اور تصوراتی پادری کو یہ وجدان حاصل ہوا اور امید پیدا ہوئی جس کی بنیاد پر اس نے پیشین گوئی کی کہ وہ معصوم اور فیاض نوجوان جو اس کے ہیرو کا بیٹا تھا، ایک دن روم اور اٹلی کی دینی فتح سے ہمکنار کرے گا۔ وہ ایسا انصاف کرے گا کہ بھیڑیے اور شیر ختم ہو جائیں گے۔ وہ سانپ اور ریچھ بھی فنا ہو جائیں گے جنھوں نے اپنی محنت اور قوت سے سنگ مرمر کے دائمی ستونوں کو تباہ کر دیا تھا۔

☆☆☆

(۷۰)

پیٹرارک (Petrarch) کا کردار اور تخت نشینی — ظالم رینزی (Rienzi) نے رُوم کی آزادی اور حکومت بحال کردی — اس کی خوبیاں اور برائیاں — اُس کا اخراج اور موت — ایوگنان (Avignen) سے پاپایانِ روم کی پالیسی — مغرب میں بہت بڑا افتراق — لاطینی کلیسا کا دوبارہ اتحاد — رُوم کی آزادی کے لیے آخری جدوجہد — رومی بُت — کلیسائی حکومت کا فیصلہ کن قیام۔

پیٹرارک کا کردار اور تخت نشینی — ظالم ریزی نے رُوم کی آزادی اور حکومت بحال کردی — اس کی خوبیاں اور برائیاں — اُس کا اخراج اور موت — ایوگنان سے پاپایانِ روم کی پالیسی — مغرب میں بہت بڑا افتراق — لاطینی کلیسا کا دوبارہ اتحاد — رُوم کی آزادی کے لیے آخری جدوجہد — رومی بُت — کلیسائی حکومت کا فیصلہ کن قیام۔

دورِ جدید کے ادراک کے مطابق پیٹرارک، رہبانیت، راہبائیت اور محبت کا اطالوی مغنی تھا۔ یہ ٹسکنی کی موسیقی کے سروں میں گاتا تھا جسے اطالوی پسند کرتے تھے یا کم ازکم برداشت کرتے تھے۔ وہ اپنے جذباتی نغمے بھی خود تخلیق کرتا تھا۔ اور اس کی نظم یا کم ازکم اس کا نام، عاشقانہ مزاج افراد کے لیے باعث کشش ہے۔ وہ جوش وخروش اور محبت سے اس کا تکرار کرتے رہتے ہیں۔ کسی اجنبی کا ذاتی ذوق خواہ کچھ بھی ہو لیکن جب وہ کسی عالم قوم سے معمولی سا رابطہ بھی رکھے تو اُس میں بھی حسنِ ذوق کے تھوڑے بہت اثرات پیدا ہونے لگیں گے۔ لیکن میں امید کرتا ہوں بلکہ فرض کرتا ہوں کہ اطالوی سانیٹ اور مرثیے کی مشکل اصنافِ سخن کا اپنے رزمیے سے کبھی موازنہ نہیں کرتے۔ دانتے کی حقیقی صدائے صحرا جو تساؤ کی تصویرِ حسن ہے اور اری اوسطو جس کی دنیا میں کہیں مثال نہیں ملتی۔ ایک عاشق کا استحقاق کیا ہے؟ میں تو اس کا جواب دینے سے قاصر ہوں کیونکہ میں اسے سمجھ ہی نہیں سکتا، نہ مجھے حوروں کے مابعد الطبیعیاتی تصورات سے کوئی دلچسپی ہے۔ کیونکہ ان کا وجود بھی اس قدر پوشیدہ ہے اگر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کہیں ہیں بھی یا نہیں۔ ایک خاتون کے متعلق وہ یک رُخی تصویر پیش کرتا ہے، کہ اپنے گیارہ بچوں کو چھوڑنے کے لیے تیار ہوگئی۔ جب واَیکلوس کے چشمے پر اُس کی دیہاتی عاشق نے ٹھنڈی آہ بھری اور نغمہ سرائی کی۔ مگر پیٹرارک اور اُس کے سنجیدہ ہم عصروں کی نگاہ میں، خود اُس کی اپنی محبت بھی ایک معصیت تھی اور اطالوی نظم بھی ایک بیہودہ تفریح تھی۔ اُس نے لاطینی زبان میں فلسفیانہ تخلیقات کیں اور اشعار بھی کہے۔ اس کے کلام میں فصاحت موجود تھی اس سے اسے سنجیدہ شہرت نصیب

ہوئی جو بہت جلد اپوگنان سے فرانس اور اٹلی میں پھیل گئی۔ ہر شہر میں اس کے دوستوں اور شاگردوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ اگر ہم اس کی تخلیقات کی ضخیم جلدوں سے طویل عرصے تک صرفِ نظر کر دیں تو ہم اُس شخص کے انتہائی شکرگزار ہوں گے جس نے اپنے تصورات کی مثال قائم کر کے آگسٹس کے دور کا ذوقِ مطالعہ اور ادبی مزاج کو زندہ کر دیا۔ ابتدائے شباب ہی سے پیٹرارک فنِ شعر میں کمال حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اسے تین شعبوں میں اعزازات حاصل ہوئے۔ فنِ شعر میں اسے دربارِ شاہی سے ماسٹر یا ڈاکٹر کی ڈگری ملی اور اسے ملک الشعراء کا خطاب بھی حاصل ہوا۔ اعزاز کا یہ رواج یا دستور انگلستان میں بھی رائج ہے۔ سب سے پہلے قیصران جرمنی نے اسے روشناس کرایا تھا۔ قدیم زمانے میں موسیقی کے کھیلوں کے بھی مقابلے ہوتے تھے۔ جو جیت جاتا اُسے انعام ملتا۔ لوگوں کو اس پر یقین تھا کہ ورجل اور ہوریس کو بھی یہ اعزازت حاصل تھے۔ انھیں یہ انعامات اجلاس گاہ میں عطا کیے گئے تھے۔ ایک لاطینی گویے نے بھی یہ اعزار حاصل کرنے کی کوشش کی اور اس سلسلے جو انعام حاصل ہوا وہ یہ تھا کہ اُسے اُس کی محبوبہ کا نام عطا کر دیا گیا۔ چونکہ یہ اعزاز حاصل کرنے میں بہت سی مشکلات حائل تھیں اس لیے اس کی قدر و قیمت میں بھی اضافہ ہو گیا۔ اگرچہ لاطینیوں کی دانش مندی میں سنگدلی کا عنصر غالب تھا اور اس نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا یا کم از کم وہ اس سعادت کا دعویٰ ضرور کرتا تھا کہ شاعری کی دیوی پر اُس کا قبضہ تھا۔ اس کا یہ جھوٹا وقار بہت زیادہ نازک نہ تھا کیونکہ وہ اپنی محنت کے برآنے پر خود تعریف کرتا ہے اس کے نام کو مقبولیت حاصل تھی، اس کے دوست فعال تھے اس کی مخالفت خواہ وہ خفیہ تھی یا کھلے عام تھی، یا حسد کا مظاہرہ تھا یا تعصب کا نتیجہ تھا۔ بہرحال اس کے تحمل صبر اور استحقاق نے قابو پالیا۔ جب اس کی عمر کا چھتیسواں سال جا رہا تھا تو اس نے استدعا کی گئی کہ وہ اپنی دانشمندی کا ثمر قبول کر لے اور اُسی دن جب یہ وائکلوس میں تنہا بیٹھا تھا تو اسے دو انتہائی سنجیدہ اور اسی نوعیت کے پیغام ملے، ایک تو روم کی مجلسِ قانون ساز کی طرف سے تھا اور دوسرا پیرس میں آنے کی دعوت تھی جو یونیورسٹی کی طرف سے تھی۔ ایک مدرسۂ دینیات سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے کہا گیا تھا اور دوسرے میں لاقانونیت کا شکار ایک شہر تھا جو جہالت کا شکار تھا۔ یہ دونوں مقامات اس قابل نہ تھے کہ عوام یا آئندہ نسلیں ان کی تعریف کرتیں مگر اُمیدوار نے خطرات کے تمام شکوک کو ختم کر دیا اور چند لمحات کے غور و فکر کے بعد اُس نے عالمی دارالحکومت میں جانے کو ترجیح دی۔

اجلاس گاہ میں اس کی تاجپوشی کی رسم اس کے دوست اور کرم فرما سلطنت کے افسرِ اعلیٰ نے ادا کی۔

بارہ خاشحال خاندانوں کے نوجوانوں کو گلناری لباس پہنایا گیا۔ ان میں سے چھ ایسے تھے جو انتہائی امیر خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے انھیں سبز لباس پہنایا گیا اور پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔ ایک نقیب کی آواز پر پیٹرارک اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ سب لوگ جلوس میں شامل تھے۔ شہزادے، شرفا اور اراکینِ مجلسِ قانون ساز کے درمیان میں اینجو لارا (Anguillara) کا کاؤنٹ تھا وہ قولونا قبیلے کا رشتہ دار تھا۔ اُس نے اسے تخت کا یقین دلایا اس کے بعد اراکین مجلس نے اُسے کامرانی کا تاج پیش کیا جس کے ساتھ ایک منفعت بخش اعلان بھی کیا گیا" جو کچھ تمھیں نصیب ہوا ہے وہ تمھارے استحقاق کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد رُوم کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا گیا جسے انتہائی شکرگزاری اور شفقت کے اظہار کے ساتھ قبول کر لیا گیا۔ جب یہ تمام جلوس ویٹی کن کا دورہ کر چکا تو سینٹ پیٹر کے مزار پر چادر چڑھائی گئی۔ اس کے بعد ایک قانون منظور کیا اور اُس کے مطابق پیٹرارک کو ایک سند عطا کی گئی۔ اجلاس گاہ میں ملک الشعرا کا اعزاز بحال کیا گیا۔ تیرہ سو سال کے وقفے کے بعد یہ اعزاز دوبارہ متعارف کرایا گیا۔ اسے یہ حق مستقل طور پر عطا کر دیا گیا کہ وہ جب چاہے اپنی مرضی کے مطابق اپنے تاج کا انتخاب کر سکتا ہے۔ وہ سہرے کی شکل میں ہو یا کسی اور صورت میں ہو۔ وہ شاعرانہ لباس کے ساتھ ان میں سے کوئی تاج بھی پہن سکتا ہے۔ یہ اُس کی صوابدید پر منحصر ہے کہ وہ اِسی لباس میں پڑھائے بحث میں حصہ لے، ترجمانی کرے یا نظم کہے، خواہ وہ کسی بھی مقام پر ہو اور ادب کے کسی موضوع پر گفتگو کر رہا ہو۔ اراکینِ مجلس قانون ساز اور عوام نے اس عطا کی توثیق کر دی اور عوام کے کردار کا سب سے بڑا محرک یہ تھا کہ یہ رومیوں کا نام استعمال کرتا تھا انھوں نے اسے احترام بخشا، سسرو اور لائیوی کے معاشرے سے یہ آشنا تھا، اس نے قدیم شرفا کے تصورات اپنا لیے تھے اور اس کے تخلیات نے ہر قسم کے تصورات کو روشن کیا اور ہر قسم کے جذبات و عواطف میں زندگی کی پر دوڑ گئی۔ سات پہاڑیوں اور ان کے شاہانہ کھنڈرات نے اس کے خوشگوار تصورات کی تائید کی اور یہ بھی اس ملک سے محبت کرتا تھا جس کی نوازشات نے اسے شان و شوکت سے سرفراز کیا مگر روم میں افلاس اور خستہ حالی کا دور دورہ تھا اس لیے اسے اس شہر کے ساتھ ہمدردی تھی اور اس پر رحم بھی آتا تھا۔ اس نے اپنے ساتھ شہریوں کی غلطیوں کی نشاندہی کی اور اُن کے ساتھ مل کر اس شہر کے آخری مشہور مردوں اور خواتین کی تعریف کی۔ ماضی کی یادگاروں کو یاد کیا اور مستقبل کے متعلق اُمید پیدا کی اور زمانہ حال کے مصائب کو فراموش اور نظر انداز کرنے کی تلقین کی۔ روم ابھی تک عروس البلاد ہونے کی حیثیت کا مالک تھا۔ پاپائے روم، بادشاہ اور اس کے بشپ پسپائی اختیار کر کے اپنے تذلیل کر چکے تھے۔ وہ اپنے مقام سے دست

بردار ہو چکے تھے۔ وہ رہون اور ڈینیوب دونوں سے ہاتھ دھو چکے تھے۔ مگر ایسی صورت میں کہ وہ اپنی نیکیوں پر دوبارہ عمل کرنے لگیں تو ممکن تھا کہ جمہوریہ بحال ہو جائے اور سلطنت کا قیام عمل میں آ سکے۔ جوش وخروش اور فصاحت کے مظاہرے کے دوران پیٹرارک، اٹلی اور یورپ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس کے تصورات کے مطابق ایک انقلاب کا ظہور ہو چکا ہے۔ یہ اتار چڑھاؤ اگرچہ لمحاتی تھا مگر اس کے تصورات کے عین مطابق تھا اس میں ریزی کو کامیابی حاصل ہو گئی تھی آئندہ صفحات میں اس کے متعلق دلچسپ بیان آئے گا۔ ہم ایک محب وطن گویئے کے حالات بیان کریں گے۔ فلورن ٹائن اور روم کے مؤرخین کے حالات بھی حوالۂ قلم کیے جائیں گے۔

شہر کے چوتھے حصے میں صرف مستری اور یہودی رہتے تھے۔ وہاں پر ایک سرائے کے مالک اور ایک دھوبن نے روم کے آئندہ نجات دہندہ کو جنم دیا۔ ایسے ماں باپ کی اولاد نکولس ریزی گابرینی کے پاس نہ کوئی خاندانی وقار تھا اور نہ وہ مال و دولت کا مالک تھا۔ البتہ اس نے آزاد تعلیم حاصل کی تھی۔ جب یہ تکالیف کے انتہائی مشکل دور سے دوچار ہوا تو یہ وہی عہد تھا جس میں اسے شان وشوکت نصیب ہوئی اور اُس میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اس نے تاریخ اور فصاحت کا مطالعہ کیا۔ سسرو، سینیکا، لائیوی، سیزر اور ویلیری اُوس، میکسی موس کی تحریروں کا مطالعہ کیا ان کے اثرات کے تحت وہ اپنے ہمعصروں میں بلند مقام پر فائز ہو گیا۔ اس کسان نوجوان نے ذہانت اور ان تھک محنت سے کام لیا۔ سنگِ مرمر کے قدیم کھنڈرات اور مسودات کے مطالعے سے اس نے اپنے علم میں اضافہ کیا۔ زبان سے آشنائی حاصل کی اور اکثر جوش سے کہنے لگتا۔ کہ وہ رُومی اب کہاں ہیں؟ اُن کی خوبیاں، اُن کا انصاف اور اُن کی قوت کہاں ہے؟ میں اُن خوشگوار ایام میں کیوں پیدا نہیں ہوا؟ جب کہ ایوگنان کی خدمت میں سلطنتِ روم تین مراتب کی سفارت روانہ کیا کرتی تھی۔ یہ ریزی کا عزم وحوصلہ اور فصاحت کلام تھی جس کی وجہ سے دارالعلوم کے تیرہ نمائندگان میں سے ایک کے لیے سفارش کی گئی۔ راوی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اُس نے پوپ کلیمنٹ ششم کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا جبکہ پیٹرارک سے گفتگو کے بعد یہ اطمینان حاصل کیا تھا۔ کیونکہ یہ شخص ایک پسندیدہ ذہن کا مالک ہے لیکن اس کے بلند عزائم اور توقعات اس کی افلاس کی وجہ سے سرد خانے کا شکار ہو گئیں اور یہ محب وطن اس پر مجبور ہو گیا کہ صرف ایک کپڑے اور ہسپتال کی خیرات پر گزارہ کرے۔ پھر اپنے استحقاق یا کسی کی دوست پروری کی وجہ سے اسے ان مصائب سے نجات مل گئی۔ اسے حواریوں کی وکالت کی ملازمت مل گئی۔ جس کی تنخواہ کے طور پر اسے پانچ طلائی فلورنس ملنے لگے۔

زیادہ باوقار گزارے کی وجہ سے اس کے تعلقات میں بھی اضافہ ہو گیا اور اسے موقع مل گیا کہ اپنے الفاظ کا اپنے اعمال سے موازنہ کر سکے اور اپنی دیانت کا ریاست کی برائیوں سے مقابلہ کر سکے۔ ریزی اپنی فصاحت کا حسب ضرورت اور بروقت استعمال کر سکتا تھا اور دوسروں کو متاثر کر سکتا تھا۔ عوامی گروہ تو ہمیشہ حسد اور ملامت کے حربوں پر تلے رہتے ہیں۔ اس کے جوش میں اس وجہ سے بھی اضافہ ہو گیا کہ اس کا ایک بھائی قتل ہو گیا اور قاتل کی شناخت بھی نہ ہو سکی۔ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ یہ اس معاملے کو اچھالتا اور مبالغہ آرائی کا حربہ استعمال کرتا۔ امن اور انصاف کی برکات کی اہمیت واضح کرتا کیونکہ اِن خرابیوں کی وجہ سے رومی معاشرے کی کافی بے عزتی ہو چکی تھی۔ اس لیے بدنام معاشرتی گروہوں کو روم سے باہر نکال دیا گیا تھا۔ حاسد شہری ہر شخص کو زخمی کر دیتے تھے یا مالی منفعت رسانی کے مرتکب ہوتے تھے جب اُن کی بیویوں اور بچیوں کے بے عزتی ہوئی تو انھوں نے بہت زیادہ تکلیف محسوس کی۔ وہ شرفا کے طبقے کی زیادتیوں سے بہت تنگ تھے۔ علاوہ ازیں حاکمانِ اعلیٰ کی بدعنوانیاں بھی اپنی جگہ موجود تھیں۔

اسلحہ اور قانون سے غلط فائدہ حاصل کرنے کا عمل ہی وہ معیار تھا جو کتوں اور شیروں میں امتیاز پیدا کرتا تھا اور رومی سانپ شناخت کیے جا سکتے تھے۔ یہ تمثیلی علامات اُن تصاویر میں بار بار نقش کی جاتی تھیں جن کی ریزی گلیوں اور گرجا گھروں میں نمائش کرتا رہتا تھا۔ اگرچہ تماشائی حیران ہو کر اور ٹکٹکی باندھ کر ان کا نظارہ کرتے مگر بہادر راوی ان کے معانی بیان کرتا جاتا۔ وہ طنزیہ انداز سے کام لیتا اور عوام کے جذبات کے شعلوں کو بھڑکاتا۔ مگر اس کے ساتھ وہ انھیں امن، چین اور مستقبل میں آزادی کی نوید بھی سناتا رہتا۔ رُومیوں کا امتیازی حق یہ تھا کہ انھیں داخلی آزادی حاصل تھی اور صوبوں پر بھی یہ اپنی مرضی سے حکومت کرتے تھے۔ وہ اپنی نجی گفتگو اور عوامی خطابات میں بھی اس موضوع پر بحث کرتا رہتا۔ غلامی کے یادگار خطوط اس کے ہاتھ میں آزادی کی علامت کی شکل اختیار کر چکے تھے۔ شہنشاہ ویسپاسیئن کے دور میں مجلسِ قانون ساز کے اختیارات اور دائرہ کار میں کمی آ گئی تھی کیونکہ خود مجلس نے ایسی قانون سازی کی جس کی وجہ سے مذکورہ شہنشاہ کے اختیارات میں اضافہ ہو گیا۔ اس فیصلے کو تانبے کی تختی پر کندہ کر دیا گیا۔ ابھی تک یہ تختی سینٹ جان کی عبادت گاہ میں لیٹران کے مقام پر موجود ہے۔ جب اس نے یہ تقریر کی تو اُس میں شرفائے شہر اور دیہاتی دہقانوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی اور اُس کے استقبال کے لیے ایک بہت بڑا ایوان تعمیر کیا گیا تھا۔ مصدق ایک شاندار اور عجیب وغریب لباس میں ملبوس سامنے آیا۔ اُس نے تانبے کی اس تختی پر تحریر کو لفظی معانی کے علاوہ مفصل تشریح

سے بیان کیا اور بڑے جوش وخروش سے ماضی کی رومی شان وشوکت کا بیان کیا، جس کی وجہ یہ تھی کہ عوام اور مجلس قانون ساز کے ہاتھ میں بہت زیادہ اختیارات تھے جو اب اُن سے چھین لیے گئے ہیں۔ شرفائے شہر غفلت کی نیند میں مبتلا تھے۔ وہ اس قابل بھی نہ تھے کہ ایسے احتجاج کے حق میں کوئی کارروائی کرتے وہ کبھی کبھی اس دیہاتی مصلح کو تلخ الفاظ اور مکوں سے بھگا دیتے لیکن اسے سب سے زیادہ تکلیف قولونا محل میں برداشت کرنی پڑی۔ جہاں اسے دھمکیاں بھی دی جائیں اور مستقبل میں بُرے سلوک کی پیشین گوئیاں بھی کی جاتیں اور جدید بردلس کوتاہیوں کی نقاب اوڑھ لیتا یا مسخرے بھانڈ کا بھیس بدل لیتا۔ جب وہ اس کی تذلیل میں مصروف ہوتے تو یہ ہمیشہ یہی کہتا کہ ایسی ریاست حاصل کرو جو ہر لحاظ سے اچھی ہو اس کا یہ بیان عوام کے لیے قابل قبول ہوتا جو ہر لحاظ سے قابلِ عمل بھی ہوتا اور بالآخر قابل حصول اور قریب آتا ہوا بھی معلوم ہونے لگا۔ اگرچہ تمام آبادی اس کی تجویز پر تحسین کے نعرے بلند کرتی تھی مگر چند ایسے لوگ بھی موجود تھے جو اس کی مزاحمت کرتے۔

سینٹ جارج کے گرجے کی دروازے پر ایک پیش گوئی بلکہ ایک اطلاع پیوست کر دی گئی جو اس کے منصوبوں کا اولین اعلان تھا کہ کوہ آونطین پر رات کو سو افراد کا اجتماع ہوگا۔ یہ اُن کی تجاویز پر عمل درآمد کا پہلا اقدام ہوگا۔ ایک دوسرے کی مدد اور راز داری کا حلف لیا گیا۔ اس سلسلے میں تجاویز تیار کی گئیں کہ اس مہم پر کارروائی کے لیے کیا طریق اختیار کیا جائے۔ شرفا کی حالت یہ تھی کہ وہ فریق مخالف کے متخیلہ قوت سے بہت زیادہ خوف زدہ تھے۔ اگرچہ قابل اعتماد اور مستحکم ذرائع موجود تھے مگر بغیر اتحاد کے کامیابی کا امکان نہ تھا۔ تمام قوت اور اختیارات عوام کے ہاتھ میں تھے۔ اگر کلیسا کے تمام محصولات ادا کر دیے جائیں تو بہت سے مصائب کا ازالہ کیا جا سکتا ہے اور پوپ بذاتِ خود آزادی اور غاصبوں پر فتح کا اعلان کرنے پر تیار تھا کیونکہ یہ لوگ تمام آبادی کے مشترکہ دشمن تھے۔ جب اسے اپنے پہلے اعلان کے تحفظ کے لیے وفادار ساتھی مل گئے۔ تو اس نے پورے شہر میں ڈھول کے ساتھ یہ اعلان کر دیا کہ دوسرے روز مغرب کے وقت تمام آبادی غیر مسلح حالت میں سینٹ انجیلو کے گرجے کے سامنے جمع ہو جائے تا کہ ایک اچھی ریاست کو دوبارہ بحال کیا جا سکے۔ تمام رات کتابِ مقدس کے تیس ابواب کی تلاوت کی گئی اور اگلی صبح ریزی ننگے پاؤں مگر پورے طور پر مسلح گرجے سے باہر نکلا اور دوسرے سو سازشی بھی اس کے ہمراہ تھے۔ پوپ کا نائب اور ویطو کا سادہ مزاج بشپ تھا۔ جسے ترغیب دی گئی کہ وہ بھی اس تقریب میں شمولیت اختیار کرے۔ وہ اس کے ہمراہ دائیں جانب چل رہا تھا۔ تین بڑے بڑے جھنڈے لہرائے جا رہے تھے جن کے نیچے ان کی منصوبہ بندی کے نشانات تھے۔ سب سے آگے

آزادی کا جھنڈا تھا جس پر روم کے دو شیروں کو بیٹھا ہوا دکھایا گیا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں کھجور کی ٹہنی تھی اور دوسرے میں کرہ ارض تھا۔ سینٹ پال کی تصویر تھی جس کے ہاتھ میں کھینچی ہوئی تلوار تھی اور اس پر انصاف کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ تیسرا جھنڈا سینٹ پیٹر کا تھا جس پر اتحاد اور امن کا کلیدیں بنی ہوئی تھیں۔ ریزی کو اس امر سے حوصلہ افزائی ہوئی کہ اُس کے ہمراہ انسانوں کا جم غفیر تھا جو اس کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔ وہ حالات کو بہت کم سمجھتے تھے مگر اُن کی اُمیدیں بے انتہا تھیں۔ جلوس آہستہ آہستہ آگے بڑھتا گیا۔ وہ قلعے سے لے کر سینٹ انجیلو اور وہاں سے اجلاس گاہ میں پہنچ گیا۔ مگر اس کی فتح کو ایک خفیہ جذبے سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جسے اُس نے دبا دینے کی کوشش کی۔ وہ بغیر کسی مخالفت کے تخت نشین ہو گیا اور بظاہر اُسے اعتماد بھی حاصل تھا کیونکہ جمہوریہ کا بالا حصار اس کا موئید تھا۔ اس نے شہ نشین پر سے عوام سے خطاب کیا اور عوام نے بڑے جوش اور جذبے سے اُس کی کارروائی اور قوانین کی تعریف کی۔ اُمرا کے پاس اسلحہ مفقود تھا اور اراکین مجلس اس نظارے کو عالم مایوسی میں دیکھ رہے تھے۔ یہ ایک عجیب انقلاب تھا اور اس لمحے کا انتہائی عقل مندی سے انتخاب کیا گیا تھا جبکہ ایک ناقابلِ حریف سٹیفن قولونا شہر سے غیر حاضر تھا۔ اولین لمحات ہی میں وہ شہر میں واپس آیا۔ افواہوں کے طوفان کے باوجود وہ محل میں داخل ہو گیا اور دیہاتی شور وغوغا کو مؤثر طور پر بند کرنے کی کوشش کی اور ریزی کے قاصد کے متعلق یہ کہا کہ جب بھی اُسے موقع ملے گا، وہ اس دیوانے کو اجلاس گاہ کی کھڑکیوں سے بھی باہر دھکیل دے گا۔ بڑی گھنٹی دُور سے بجتی ہوئی سنائی دی اور خطرے کے طوفان کی لہریں اتنی تیز تھیں کہ قولونا کی برف باری اور بارش میں بھی وہ شہر سے فرار ہو کر سینٹ لارنس کے مضافات میں چلا گیا۔ کچھ لمحات کے آرام کے بعد اس نے اپنے فرائض منصبی کی سابقہ رفتار اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ اپنے پلسطرینا کے محل میں پہنچ گیا اور خود ہی اپنی حماقت پر افسوس کرتا رہا جو اس کی زبردست شعلہ افشانی کے لیے چنگاری مہیا کرنے سے قاصر رہی۔ اجلاس گاہ سے تمام شرفا کو ایک حق تفوق حکم جاری کیا گیا کہ وہ پُر امن طریقے سے اپنی جاگیروں میں واپس چلے جائیں انھوں نے تعمیل کی اور اُن کی روانگی کی وجہ سے فرمانبردار رومی شہریوں کو امن حاصل ہو گیا۔

مگر اس نوعیت کی اطاعت گزاری، جوش اور ولولے کی پہلی آمد کے ساتھ ہی کافور ہو جاتی ہے اور ریزی کو محسوس ہوا کہ اُسے اپنے غصب کا جواز فراہم کرنا پڑے گا۔ اس کو باقاعدہ ہیئت اور قانونی اصطلاحات کے زیر عنوان لانا ہوگا۔ اپنے انتخاب کے حوالے سے رومی عوام اُس سے منسلک بھی تھے اور اس کے اقتدار کو

تسلیم بھی کرتے تھے وہ اُسے رکنِ مجلس یا قونصل کا خطاب دینے پر رضامند تھے۔ اُسے جب معدلہ کے سربراہ کا خطاب دیا گیا تو اُس سے مراد یہی تھا کہ عوام کو تحفظ فراہم کیا جائے۔ اس مقدس ادارے کا لب لباب یہی تھا۔ انھیں اس کا علم نہیں تھا کہ اس ادارے کو قانون سازی یا انتظامی اختیارات اس سے قبل کبھی فراہم نہیں کیے گئے۔ اس کردار میں جس کے لیے رومیوں کی رضامندی بھی حاصل تھی معدلہ نے انتہائی شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا جمہوریہ کے استحکام کے لیے قانون سازی کی اور ایک عمدہ ریاست کی بحالی کا کام بھی کیا اور اس کے انتظام و انصرام کو بھی استحکام بخشا۔ سب سے اوّلین کام یہ سرانجام دیا کہ دیانت داری کو فروغ بخشا جائے کسی دیوانی مقدے کو پندرہ دن سے زیادہ طول نہ دیا جائے اگر کوئی گواہ یا فریق مقدمہ بار بار دروغ حلفی سے کام لے تو ایسے مدعی کو بھی وہی سزا دی جانی چاہیے جو مجرم کو دی جاسکتی ہے اور پھر مفترت کی سزا اُسی مفترت کے مساوی مقرر کی گئی مگر انصاف پر عمل درآمد انتہائی مایوس کن تھا۔ اس وقت تک جب تک کہ اس نے جاگیرداروں کے ظلم و ستم کو ختم نہیں کیا تھا۔ یہ خرابی بدستور موجود تھی اسے باقاعدہ طور پر قانونی شکل دے دی گئی کہ افسرِ اعلیٰ کو دروازوں، پلوں اور میناروں پر اتنا اختیار حاصل رہے کہ کوئی نجی لشکر کسی شہر میں داخل نہ ہو سکے۔ قصبات اور اجلاس گاہ کو بھی یہ تحفظ حاصل رہے۔ کسی کو اسلحہ لے کر چلنے کی اجازت نہ ہو اور شہر یا دیہات میں کوئی شخص اپنے گھر کی قلعہ بندی نہ کرے اور ہر علاقے کا جاگیردار اپنے علاقے کی شاہراہوں اور سامان کی نقل و حرکت اور تجارت کی آزادی اور تحفظ کا ذمہ دار ہوگا اور یہ کہ جرائم پیشہ اور راہزن ایک ہزار روپہلی مارک کے جرمانے کی سزا کے مستوجب ہوں گے۔ اگر انتظامیہ کے ہاتھ میں ان قوانین و ضوابط کے نفاذ کے لیے تلوار نہ ہو تو یہ سب بیکار ہوں گے۔ کبھی کبھی اجلاس گاہ میں گھنٹی بجنے کی صدا آجاتی اور بیس ہزار رضاکار ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاتے۔ مگر معدلہ کے قوانین پر عمل درآمد کے لیے ایک زیادہ باقاعدہ لشکر کی ضرورت تھی۔ ساحل کی ہر بندرگاہ پر ایک جہاز مستقل طور پر موجود رہتا تاکہ تجارت کو تحفظ حاصل رہے۔ تین سو ساٹھ سواروں اور تیرہ سو پیدل سپاہیوں کی ایک اضافی نفری شہر میں گشت لگاتی رہتی تھی جسے باقاعدہ تنخواہ ملتی۔ وہ وردی پہنتی اور شہر کے تیرہ حصوں کی باقاعدہ حفاظت کرتی اور اس میں دولتِ مشترکہ کی روح نظر آتی اور ان کے ورثا کو بھی ایک سو طلائی فلورنس یا پاؤنڈ کا بھتا گزارے کے لیے دیا جاتا جو ان کی خدمات کی شکرگزاری کی علامت تھا۔ کیونکہ خاندان کے سربراہ نے اپنی زندگی وطن کی خدمت میں قربان کر دی تھی۔ عوام کے دفاعی انتظام کے لیے اناج کے ذخائر کا اہتمام کیا گیا تھا۔ بیواؤں اور یتیموں اور محتاجوں اور مفلسوں کے لیے رہائش

گاہیں تعمیر کر دی گئی تھیں۔ ریزی بلاخوف ریاست کے محاصلات ان اغراض کے لیے استعمال کرتا۔ حواریوں کے ایوان میں جو اموال جمع ہوتے اُن کو بھی کام میں لاتا۔ اور وہ اسے مذہبی تقدیس کی توہین نہ سمجھتا۔ چولہے کی مد میں وصول ہونے والی رقوم کا تین مدات میں حصول ہوتا۔ نمک پر محصول اور چونگی سے ہر مد میں ایک لاکھ پاؤنڈ سالانہ وصول ہوتا اور ان میں کسی نوع کی بدعنوانی نہ ہوتی۔ چار یا پانچ ماہ میں اس کی منصفانہ نگرانی کی وجہ سے نمک کے محصول کی آمدنی تین گنا ہوگئی۔ اُس نے جمہوریہ کے مالیات اور افواج میں اضافہ کر دیا۔ معدلہ نے اُمرا کو اُن کی تنہائی کی آزادی سے باہر نکالا اور اُن سے نئی حکومت سے وفاداری کا حلف لیا اور انھیں مجبور کیا کہ وہ اچھی ریاست کے قوانین کی پابندی کریں۔ انھیں اپنے تحفظ کا خطرہ تھا مگر حکم عدولی اس سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔ شہزادے اور نواب روم میں اپنے گھروں میں واپس آگئے۔ انھوں نے سادگی اور امن پسند شہریوں کی زندگی اختیار کر لی۔ قولونا آرسینی، سیویلی اور فرنگی پانی کو دیہاتی کے معدلہ کے سامنے کھڑا ہونا پڑا جسے وہ بہروپیا کہہ کر بدنام کرتے تھے اور جسے انھوں نے متعدد بار تمسخر کا نشانہ بنایا تھا اور خود ان کی تذلیل میں اضافہ ہوگیا جب اُن کی برہمی کی کسی نے پروا نہ کی اور انھوں نے اپنی تذلیل کو چھپانے کی ناکام کوشش کی۔ معاشرے کے مختلف طبقات کی طرف سے جن میں پادری، شرفا، جج اور مصدِق شامل تھے۔ ان میں سوداگر اور ہنرمند بھی تھے جب خلوص اور جوشِ عمل کو فروغ حاصل ہوا تو یہ لوگ بتدریج زوال کا شکار ہونے لگے۔ انھوں نے قسم کھائی کہ وہ جمہوریہ اور کلیسا کے ساتھ زندہ رہیں گے کیونکہ خود اُن کا مفاد بھی نام کے انسلاک ہی سے وابستہ تھا اور ویطو کے بشپ سے اتحاد بھی بہت ضروری تھا۔ اُسے پوپ کے نائب کی حیثیت سے معدلہ کے عہدے پر سرفراز کر دیا گیا۔ ریزی اس پر فخر کرتا تھا کہ اُس نے شاہ اور سینٹ پیٹر کے ورثا کو افادتوں سے ہمیشہ کے لیے آزاد کر دیا ہے اور کلیمنٹ ششم جو اس کے زوال سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ وہ اسے قبول کرنے پر آمادہ تھا اور چاہتا تھا اور وہ اس نوعیت کے دعوے کرتا رہے، وہ اس کے استحقاق کی تائید کرتا تھا اور اسے جو خطاب دیا گیا تھا اُسے بھی جائز کہتا تھا اور اپنے آپ کو اس کا قابلِ اعتماد خادم کہتا تھا وہ تقریر جسے معدلہ کا اندرونی مقصد قرار دیا جاسکتا تھا۔ اُس کا موضوع ایمان اور عقیدے کے خلوص تک محدود تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اُسے روح القدس کی طرف ایک خاص مقصد کے لیے مامور کیا گیا ہے۔ یہ مقصد مافوق الفطرت ہے۔ اس میں یہ شامل ہے کہ ہر سال اعترافِ گناہ کرنے کے لیے اصطباغ کی رسم ادا کی جائے۔ دوسرا یہ کہ ہر سال عشائے ربانی کی رسم کا ادا کرنا ضروری نہیں۔ نیز اُس کا فرض ہے کہ وہ اپنے معتقدین کی دینی اور دنیاوی بہبود

کی پوری طرح حفاظت کرے۔

یہ اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا کہ ایک فردِ واحد کی فکر اور تبلیغ اتنے کم عرصے میں اور اتنی شدت سے محسوس کی گئی ہو جو ریزی کے معاملے میں روم میں پیش آیا۔ اگرچہ روم پر اس کی اصلاحات کے اثرات عبوری تھے لیکن ریزی کا تصورِ معدلہ قبول کرلیا گیا۔ راہزنوں اور قزاقوں کے مرکز کو راہبوں کی رہائش گاہ یا نظم و ضبط کی پابندی کے ساتھ پڑاؤ میں تبدیل کر دیا گیا۔ یہ لوگ صبر سے بات سننے اور کوتاہیوں کی تلافی اور اصلاح پر آمادہ ہو گئے۔ گناہگاروں کو سزائیں ملنے لگیں۔ غریب اور اجنبیوں کو بھی اس کے معدلہ میں ہر وقت رسائی حاصل ہوتی۔ کسی کا نسلی تفاخر یا وقار یا شہرت یا کلیسا کی طرف سے حاصل کردہ استثنا اُسے گناہ کی پاداش سے بچا نہ سکتا۔ کوئی مجرم یا اُس کا ساتھی سزا سے نہ بچ سکتے۔ روم میں بعض خاندانوں کو یا بعض پناہ گاہوں کو حقِ تفوق حاصل تھا۔ ان کے معاملات میں محکمۂ انصاف کا کوئی شخص دخل نہ دے سکتا تھا۔ یہ تمام حقوق منسوخ کر دیے گئے اس نے مجلس گاہ کی حفاظت کے لیے ان افراد ہی سے لوہا اور لکڑی حاصل کرلی جس سے شہر پناہ کی دیواریں مزید مضبوط ہو گئیں۔ قولونا کا باپ اپنے محل میں کسی مجرم کو پناہ دینے، تحفظ فراہم کرنے اور جرم کے ارتکاب میں اس کی مدد کرنے کے جرم میں پکڑا گیا۔ قاپر انیقا کے قریب ایک خچر اور تیل کا ایک کُپا چوری ہوگیا۔ اور آرسینی خاندان کے سربراہ کو کہا گیا کہ وہ اس نقصان کی تلافی کرے۔ علاوہ ازیں اُن پر چار فلورنس (پاؤنڈ) جرمانہ بھی کیا گیا کیونکہ وہ اپنی جاگیر میں سے گزرنے والی شاہراہ پر گزرنے والے مسافروں کو تحفظ فراہم کرنے سے قاصر رہے تھے۔ گویا ان سے غفلت کا ارتکاب ہوا تھا۔ اس جاگیردار کے کارندے جس محنت سے اپنی املاک اور اراضی کی پیداوار کی حفاظت کرتے تھے ویسی حفاظت وہ متعلقہ شاہراہ کی نہ کر سکے۔ کسی جرم کا ارتکاب حادثاتی طور پر ہوتا یا ادارتاً یہ حرکت کی جاتی، تو مخالف جماعتوں کے سربراہوں کے خلاف اسی سختی سے کام لیا جاتا۔ اس میں پوری طرح سے غیر جانبداری سے کام لیا جاتا۔ پیٹرا آگاپٹ قولونا جو خود بھی روم کی مجلس قانون ساز کا رکن رہ چکا تھا۔ اُسے ایک گلی میں کسی کو ضرب رسید کرنے یا قرضے کی وصولی کے لیے گرفتار کرلیا گیا تھا اور مارٹن آرسینی کو مقاطع کی نرم سزا دے کر انصاف کے تقاضے پورے کر لیے گئے تھے۔ اُس نے تشدد اور لالچ کے متعدد ارتکابات کیے تھے ایک دکان لوٹی تھی۔ ٹائبر کے دہانے پر ایک جہاز ڈبو دیا تھا۔ کسی مجرم کی تازہ تازہ شادی ہوئی تھی معدلہ نے ان میں سے کسی عذر پر بھی رعایت نہیں کی جب بھی کوئی ملزم ہاتھ لگا اُس کے خلاف باقاعدہ کارروائی کی گئی۔ سرکاری ملازمین کو مجرم ہونے کی صورت میں اُن کے محل یا بستر سے گھسیٹ

لیا گیا۔ اُن کے خلاف جو کارروائی کی جاتی وہ مختصر اور تسلی بخش ہوتی۔ جب ضرورت ہوتی تو مجلس گاہ کی گھنٹی بجائی جاتی جس پر لوگ جمع ہو جاتے۔ مجرم کا لباس گھٹنوں تک اُتار لیا جاتا۔ اُس کے ہاتھ پشت پر باندھ دیے جاتے۔ وہ سزائے موت کا فیصلہ اپنے کانوں سے سنتا۔ اُسے اعترافِ جرم کے لیے وقفہ دیا جاتا۔ آرسینی کو اس عمل کے بعد تختۂ دار تک لے جایا گیا۔ ایسی مثال کے بعد کوئی ایسا شخص جو اپنے جرائم کی نوعیت اور سزا کو سمجھتا تھا کسی رحم کی توقع نہ کر سکتا تھا۔ کسی عادی مجرم یا بدمعاش کا فرار بھی شہرِ روم کو ایک مجرم سے پاک کر دیتا۔ (ایک مؤرخ کا بیان) اس عہد میں جنگلات بھی خوش تھے کہ اُن میں کوئی مجرم پوشیدہ نہیں۔ بیلوں نے ہل چلانے شروع کر دیے۔ زائرین خانقاہوں میں جانا شروع ہو گئے۔ سڑکیں اور سرائیں مسافروں سے بھر گئیں، تجارتی کاروبار شروع ہو گیا۔ اشیا کی بہتات ہو گئی۔ منڈیوں پر اعتبار بحال ہو گیا۔ کوئی شخص سونے کا تھیلا لے کر شاہراہوں پر نکل سکتا تھا۔ جونہی زندگی اور املاک کو تحفظ حاصل ہوا تو اُس کے نتیجے میں محنت شروع ہو گئی اور اُسے انعام ملنے لگا۔ صنعت و حرفت بحال ہو گئی اور پیداوار بکنے لگی۔ روم کو تا حال عیسائی دنیا کا مرکز ہونے کا اعزاز حاصل تھا اور معدلہ کی شہرت تمام ممالک میں پھیل گئی۔ کیونکہ جو اجنبی بھی اس شہر میں آتا وہ اس ادارے کی برکات سے بہرہ ور ہوتا۔

جب اس کا اپنا ملک آزاد ہو گیا تو ریزی کے ذہن میں تصور پیدا ہوا کہ تمام اٹلی کو متحد کر کے ایک عظیم جمہوری وفاق میں تبدیل کر دیا جائے جس کی سربراہی روم کو تفویض کر دی جائے جیسا کہ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے اور یہ اس کا قانونی حق رہا ہے آزاد شہر اور صوبے اس جمہوریہ کے ارکان اور رفقا کی حیثیت اختیار کر لیں۔ اس کا قلم اس کی زبان سے کم فصیح نہ تھا۔ اس کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی جو اس کے ایلچیوں کا فرض ادا کرتے تھے۔ وہ پیدل چلتے، ان کے ہاتھ میں سفید چھڑی ہوتی اور وہ پہاڑوں اور جنگلات کو عبور کر جاتے۔ وہ دشمن ریاستوں میں بھی مزے سے زندگی بسر کرتے۔ انھیں سفارتی تقدس حاصل ہوتا۔ وہ کہیں خوشامد سے کام لیتے کبھی حقیقت بیان کرتے کہ وہ جن راہوں سے گزرتے عوامی اجتماعات نے گھٹنوں کے بل اُن کا احترام کیا۔ وہ لوگ خدا سے دعا کرتے تھے کہ انھیں اپنی مہم میں کامیابی نصیب ہو۔ اگر جذبات استدلال کی بات سُن لیتے اور نجی اور ذاتی مفادات عوامی بہبود کے سامنے جھک جاتے تو اٹلی کا ایک عظیم اور زبردست وفاق قائم ہو جاتا اور اس کے بعد شمالی نیم وحشی اقوام کو کوہِ ایلپس عبور کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اور ان کے باہمی اختلافات بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتے۔ مگر یہ مبارک موسم ختم ہو چکا تھا اور وینس، فلورنس، سینا، پیروجیا، اور

متعدد چھوٹے شہروں نے اپنی زندگی اور مال و متاع اس بابرکت ریاست کے حوالے کر دی۔ مگر لومبارڈی اور ٹسکنی کو ایک دیہاتی کے فلاحی ریاست کے تصور سے سخت عناد تھا۔ دیہاتی ہونے کے باوجود اُس نے ایک آزاد دستور کا تصور پیش کر دیا تھا۔ بہرحال ان کی طرف سے بلکہ اٹلی کے ہر حصے کی طرف سے معدلہ کو انتہائی دوستانہ اور امن پسند جواب ملا۔ انھوں نے اپنی طرف سے سفیر اور بادشاہ روانہ کیے تا کہ جمہوریہ کا وجود قائم کیا جا سکے۔ اور اس غیر ملکی ہجوم جو تفریح یا سیاحت سے لطف اندوز ہونے کی غرض سے چلا آ رہا تھا یا وفود پہنچ رہے تھے، وہ اس کمزور نسل کے انسان کو ایک بادشاہ کی حیثیت کا احترام پیش کرتے تھے۔ اس کے عہد حکومت کا سب سے زیادہ شاندار کارنامہ یہ تھا کہ ہنگری کے بادشاہ لیوس نے اس کے سامنے بغرضِ انصاف ایک مرافعہ پیش کیا کہ اُس کا بھائی جو نیپلز کی ملکہ جین کا شوہر تھا اُسے ملکہ مذکور نے بے وفائی کر کے گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا ہے، روم میں اس مقدمے پر پوری کارروائی ہوئی مگر دونوں طرف کے وکلاء کے دلائل کی سماعت کے بعد معدلہ نے کارروائی کچھ مدت کے لیے معطل کر دی۔ مگر اس کے جلد بعد ہنگری کی تلوار نے خود ہی اس کا فیصلہ کر دیا۔ الپس کے دوسرے پار بالخصوص ایوگنان میں اس انقلاب کے موضوع پر بہت زیادہ تجسس پیدا ہو گیا۔ عوام متعجب ہوتے اور اس کی تعریف کرتے۔ ممکن ہے کہ پیٹرارک ریزی کا ذاتی دوست ہو، یا غالباً اس کا خفیہ مشیر ہو۔ اُس کی تحریروں میں اس کی حب الوطنی پر بڑی مسرت کا اظہار کیا گیا ہے۔ پاپائے روم کا بھی پورا پورا احترام کیا گیا ہے۔ قولونا کے لیے اظہار تشکر ختم کر دیا گیا۔ رومی شہری اب عظیم فرائض کی بجا آوری میں مصروف ہو گئے تھے۔ اجلاس گاہ (Capitol) کے ملک الشعرا کو ایک ہیرو کا مقام اور احترام حاصل رہا۔ وہ بعض ناشدنی احتمالات کا احساس بھی دلاتا رہتا اور اُس کے ساتھ بڑی بڑی اُمیدیں بھی دلاتا رہتا اور جمہوریہ کی کامرانیوں اور روز افزوں عظمت کے وعدے بھی کرتا رہتا۔

جبکہ پیٹرارک ان پیغمبرانہ پیش گوئیوں میں مشغول رہتا۔ رومی ہیرو بڑی تیزی سے شہرت اور قوت کے نصف النہار سے بلندی کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ اور عوام الناس جو بلند ہوتے ہوئے شہابِ ثاقب کو بڑی توجہ سے دیکھ رہے تھے وہ اس کے راستے کی بے قاعدگی پر گہری توجہ دے رہے تھے۔ وہ اس کی روشنی اور اندھیرے کے نشیب و فراز کو گہری نظر سے دیکھ رہے تھے۔ وہ فطانت کے مقابلے میں زیادہ فصیح تھا وہ جتنا اہم جو تھا اتنا مستقل مزاج نہ تھا۔ ریزی کی صلاحیتوں میں ٹھنڈے مزاج کی سوچ اور استدلال کا توازن موجود نہ تھا۔ یہ اُمید و بیم کے جذبات کو دس گنا بڑھا چڑھا کر پیش کرتا تھا۔ اس میں وہ دانشمندی موجود نہ تھی۔ جس کی مدد

سے وہ اپنے تخت کے تحفظ کا اہتمام کر سکتا۔ جب خوشحالی کی چمک دمک موجود تھی۔ تو اس کی خوبیاں اس کی کوتاہیوں پر پردہ ڈالے رکھتیں۔ اس کے انصاف کے ساتھ ظلم و ستم بھی موجود تھا۔ اس کی فیاضی میں اسراف کا عنصر بھی شامل تھا۔ اسے شہرت کی خواہش تھی جس میں طفلانہ پن اور دکھاوے کے عناصر نمایاں تھے۔ جھوٹا وقار بھی موجود تھا۔ اس نے شاید یہ معلوم کر لیا ہو کہ قدیم دور کے معدلات بہت مضبوط تھے اور عوام کی نظروں میں مقدس تھے۔ اس کے ذاتی کردار اور اسلوب کا جہاں تک تعلق ہے وہ ایک عام دیہاتی سے مختلف نہ تھا۔ عادات اور ظاہری چال ڈھال میں بھی کوئی فرق نہ تھا۔ یہ دیہاتی لوگ جتنی بار بھی شہر میں آتے پیدل چل کر آتے تو اُن کے گروہ میں ایک ہی نمایاں شخص ہوتا جو تمام مطلوبہ فرائض انجام دیتا۔ اگر کوئی گراکی (Gracci) دوبارہ زندہ ہو کر روم آ جاتا تو اور ان کے عجیب و غریب خطابات سنتا تو یا وہ انھیں حقارت کی نظر سے دیکھتا یا مسکرا کر رہ جاتا اور کہتا کہ قدیم رومیوں کے جانشین کتنے بدل گئے ہیں۔ ''نکولس، شدید ترین، اور رحم و کرم کرنے والا، روم کا آزادی دہندہ، محافظِ اطالیہ، بنی نوع انسان کا دوست، آزادی، امن اور انصاف کا محافظ، معدلہ آگسٹ، وغیرہ اس کے تماشا گاہی کرداروں نے انقلاب کی تیاری کی تھی۔ مگر ریزی نے عیش و عشرت اور افتخار کی عادات سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اُس نے سیاسی اصولوں کو نعرہ بازی کے طور پر استعمال کیا۔ اُس نے عوامی اجتماعات کی آنکھوں اور ادراک و فہم پر نگاہ رکھی۔ فطرت کی طرف سے اُسے ایک خوبصورت انسان ہونے کا تحفہ ملا تھا۔ یہاں تک کہ یہ خود ہی بوجہ علالت پھول کر کُپا بن گیا۔ اور اس کی شکل بدل گئی۔ اس کی طبیعت میں ہنسنے کا بہت رجحان تھا افسرِ اعلیٰ نے ازراہِ محبت و شفقت اس معاملے میں اس کی اصلاح کر دی۔ اسے مناسب لباس پہنایا گیا اور کم از کم عوامی تقریبات میں اسے اس کی پابندی کرنے کے لیے کہا گیا۔ اسے ریشم یا ساٹن کا لباس پہنایا گیا جس میں سمور لگی ہوئی تھی اور کشیدہ کاری کا کام بھی کیا گیا تھا اور طلائی منبت کاری بھی کی گئی تھی۔ عصائے انصاف جو وہ ہر وقت ہاتھ میں اٹھائے پھرتا تھا۔ یہ لوہے کا بنا ہوا تھا، اس کے سر پر سونے کی صلیب اور کرۂ ارض بنا دیے گئے تھے اور اس میں مقدس لکڑی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی لگا دیا گیا تھا جب وہ شہر میں سے انتظامی اور مذہبی جلوسوں کے ساتھ گزرتا تو وہ ایک سفید گھوڑے پر سوار ہوتا جو بادشاہت کی علامت تھی۔ اس کے ہمراہ جمہوریہ کا بڑا جھنڈا ہوتا۔ سر پر سورج کا نشان بنا ہوتا۔ عوام پر سے سونے اور چاندی کے ٹکڑے نچھاور کیے جاتے۔ سورج کے گرد ستاروں کا حلقہ ہوتا۔ ایک فاختہ کی تصویر ہوتی جس کی چونچ میں زیتون کی ایک ٹہنی ہوتی۔ اس کے جسم پر مختلف طیور کی شبیہات کھدی ہوئی ہوتیں۔ اس کے آگے آگے گھوڑوں کا ایک دستہ چلتا۔

اُن کے نقارے اور بگل خالص اور ٹھوس چاندی کے بنائے جاتے۔

وقار اور مبارزت کی خواہش سے سفلہ پن ظاہر ہوتا۔ اور ظاہر ہوتا کہ یہ کسی ادنیٰ خاندان کا فرد ہے۔ جس سے اس کے رتبے کے وقار کو نقصان پہنچتا۔ اور اس کا معدلہ بھی کچھ کم مضرت رساں نہ تھا۔ اُسے اس نے اس ادارے کو شرفا کے خلاف اور دیہاتیوں کے حق میں استعمال کیا۔ پھر اُن سے بھی تعلق منقطع کر لیا۔ خزانے میں یا فنونِ لطیفہ کے شاہکاروں میں سے جو کچھ بھی بچ گیا تھا وہ بھی اس روز ختم کر دیا گیا۔ ریئنزی اجلاس گاہ سے جلوس کی شکل میں لیطران کی طرف روانہ ہوا۔ تمام راستہ آراستہ کیا گیا تھا اور عوام کھیلوں میں مشغول تھے۔ تمام سول اور فوجی تنظیمیں مختلف جھنڈوں تلے پیش قدمی کر رہی تھیں۔ رومی خواتین اس کی بیگم کی جلو میں تھیں اور اٹلی کا سفیر اس شان وشکوہ کے مظاہرے سے دل میں تو نفرت کر رہا تھا مگر بظاہر تعریف وتحسین کے نعرے لگا رہا تھا۔ مغرب کے وقت جب وہ قسطنطین کے محل اور گرجے میں پہنچ گئے اور عظیم مجمع کو اپنے اپنے گھروں میں جانے کی اجازت دے دی اور دوسرے روز دوبارہ آنے کی دعوت بھی دے دی۔ ایک مبارز نے اپنے ہاتھوں سے اسے روح القدس کے احکام عطا کیے اس سے قبل پاکیزگی کے لیے ایک غسل کر لیا گیا تھا۔ مگر ریئنزی نے اس کے علاوہ کبھی کسی ایسے ملامت آمیز شغل سے لطف حاصل نہیں کیا اور آثارِ قدیمہ کے غلط استعمال سے اس قدر ملامت سے کبھی دوچار نہیں ہوا۔ سنگِ سماق کا ایک برتن لیا گیا جس میں قسطنطین نے (ایک احمقانہ داستان) اپنا کوڑھ پوپ سلویسٹر کی مہربانی سے نکال پھینکا تھا۔ اس نے بھی معدلہ کی موجودگی میں رسمِ اصطباغ ادا کی۔ چونکہ اس کا شاہی بستر اس موقع پر ناکام رہ گیا تھا اس لیے یہ شگون لیا گیا کہ اس کے دورِ زوال کا آغاز ہو چکا ہے عبادت کے وقت انتہائی شان وشوکت سے عوام کے سامنے جلوہ افروز ہوا۔ تمام بھیڑ اس موقع پر گھروں واپس جا رہی تھی۔ اس نے شاہی (قرمزی) لباس پہنا ہوا تھا۔ اس کی تلوار اور دوسرا اسلحہ چمک رہا تھا۔ اس کے سبک اور گھٹیا رویے کی وجہ سے مقدس رسوم کی ادائیگی میں اچانک رخنہ پیدا ہو گیا۔ وہ تخت سے اُٹھ کھڑا ہوا اور عبادت میں شامل افراد کی طرف چل پڑا اور بلند آواز سے اعلان کیا کہ ہم اپنے معدلہ کے اسقفِ اعظم کلیمنٹ کو یہاں پر آنے کی دعوت دیتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنے حلقے یعنی روم کی گدی سنبھال لے۔ ہم کارڈینل حضرات کے مقدس حلقہ انتخاب کو بھی حکم دیتے ہیں ہم دو امیدواروں کو بوہیمیا کے چارلس اور بویریا کے لیویس کو بھی دعوت دیتے ہیں کہ وہ شہنشاہ کے روپ میں اپنے آپ پیش کریں اور جرمنی کے رائے دہندگان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کس قانون کے تحت انھوں نے رومیوں کا حقِ انتخاب غصب کر

لیا ہے جو سلطنت کے قدیم ترین اور حسبِ قانون حکمران ہیں۔ اس نے اپنی اوّلین تلوار کو میان سے باہر نکالا۔ اور تین چوتھائی دنیا کی طرف اشارہ کر کے لہرائی اس کے بعد تین دفعہ اپنے سابقہ اعلان کا تکرار کیا۔ اور دیطو کے بشپ نے اس کے غلط اقدام میں رکاوٹ پیدا کرنے کے لیے کہا کہ جو کچھ آپ کر رہے ہیں یہ بھی غلط اور ادنیٰ قسم کی حرکت ہے۔ مگر فوجی موسیقی بجنے لگی اور اُس کی کمزور آواز دب کر رہ گئی۔ بجائے اس کے وہ اس اجتماع سے اُٹھ کر چلا جاتا تو اس نے قبول کر لیا کہ وہ رات کا کھانا اپنے بھائی کے ساتھ کھائے گا جو معدلہ کے عہدے پر سرفراز تھا اور دعوت کے دوران اُسی میز پر بیٹھے گا جو پاپائے روم کے لیے مخصوص کی گئی تھی۔ یہ دعوت ایسی تھی جو ماضی میں صرف سینٹر ہی دے سکتے تھے جواب عام رومیوں کے لیے تیار کی گئی تھی لیطران کے محل کے تمام ایوان، غلام گردشیں اور دیوان کھانے کی میزوں سے بھر دیے گئے۔ مدعوئین میں ہر طبقے کے مرد وعورت شامل تھے۔ قسطنطین کے دھت گھوڑے کے نتھنوں سے شراب باہر نکل کر بہنے لگی۔ کسی کو شکایت نہ تھی ماسوائے اس کے کہ پانی کم تھا۔ اس کے باوجود یہ تمام اجتماع خوف اور خطرے کی وجہ سے بالکل قابو میں رہا۔ ریئنزی کی تاجپوشی کے لیے ایک اگلا دن مقرر کر دیا گیا۔ روم کے مشہور پادریوں نے اس کے سر پر سات تاج رکھے جو مختلف پتوں یا دھاتوں سے تیار کیے گئے تھے گویا روح القدس کی طرف سے اُسے سات تحفے عطا ہو گئے اور ابھی تک وہ اس دعوے پر قائم تھا کہ وہ قدیم روم کے معدلات پر عمل پیرا ہے۔ یہ غیر معمولی نظارہ ممکن ہے کہ عوام کو دھوکا دے سکے یا اُن کی خوشامد کر سکے مگر اُن کا اپنا جھوٹا وقار اُن کے رہنماؤں کے جھوٹے وقار کی تقلید میں عمل کرتا تھا اور اُن کا شکر گزار رہتا تھا مگر اپنی نجی زندگی میں اس نے کفایت شعاری اور سادگی کو ترک کر دیا وہ دیہاتی کسان جو شرفا کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتے تھے اب وہ بھی اپنے ہم مرتبہ شہریوں کے برابر داد عیش دینے لگے۔ اس بیوی، اس کا بیٹا، اور اس کا چچا (جو پیشے اور نام کے لحاظ سے ایک حجام تھا) کے انداز غیر شریفانہ تھے مگر اُن کے اخراجات شاہانہ ہو گئے۔ اگر چہ اسے یہ شان وشوکت تو حاصل نہ ہو سکی مگر وہ شاہانہ برائیوں میں ضرور مبتلا ہو گیا۔

ایک سادہ شہری اس کی حالت کو بڑے افسوس کے ساتھ بیان کرتا ہے غالباً وہ اس کیفیت سے لطف اندوز ہوتا ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں روم کے جاگیردار نوابوں کی بہت بے عزتی ہوئی تھی اُن کے سر ننگے تھے اور اُن کے ہاتھ سینوں پر ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے تھے اور وہ معدلہ کی طرف سر جھکائے دیکھ رہے تھے اور وہ کانپ رہے تھے۔ اے خدا وہ کس طرح کانپ رہے ہوتے۔ جب تک کہ ریئنزی کی غلامی میں

انصاف کا عنصر موجود تھا تو اُن کا ملک اور اُن کا ضمیر انھیں مجبور کرتا تھا تو وہ اس شخص کی عزت کرتے تھے۔ اب اُن کا افتخار اور مفاد انھیں مجبور کرتا تھا کہ وہ اس سے نفرت کریں۔ اب جو اس کا کردار تمام حدود پار کر گیا تو اُن کے اذہان میں یہ تصور پیدا ہو گیا کہ وہ ایسی قوت کو ختم کر سکتے ہیں جس کی جڑیں عوام میں مضبوط نہیں ہیں۔ اور اُسے عوام کا اعتماد حاصل نہیں ہے۔ انھیں امید پیدا ہو گئی کہ وہ بآسانی ایسا کر سکتے ہیں۔ قولونا اور آرسینی کی قدیم عداوت موجود تھی۔ اب جب دونوں کی مشترکہ تذلیل ہونے لگی تو انھوں نے اسے ختم کر دیا۔ اب اُن کی خواہشات مشترک ہو گئیں اور غالباً اُن کا منصوبہ بھی ایک ہو گیا۔ ایک قاتل کو پکڑا کر اُس کے ساتھ تشدد کیا گیا۔ اُس نے اپنا جرم شرفا کے طبقے کے ذمے ڈال دیا اور جونہی ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ ریزی کو انجام تک پہنچا دیا جائے تو اُس نے شکوک پیدا کر دیے اور ظالمانہ اصول وضع کر لیے۔ اسی روز اس نے مختلف دیہاتوں سے اپنے مخصوص دشمنوں کو مجلس گاہ میں بلا لیا۔ ان میں پانچ ارکان کا تعلق تو آرسینی خاندان سے تھا اور تین کا قولونا کے نام سے تھا۔ مگر دعوت کے بجائے انھیں قید خانے میں بھیج دیا اور انصاف کے نام پر ایک مطلق العنان کی تلوار اُن کے سر پر لٹکنے لگی۔ اب وہ مجرم تھے یا بے گناہ، مگر وہ سمجھ گئے کہ دونوں حالتوں میں اُن انجام ایک ہی ہوگا جب بڑی گھنٹی بجائی گئی تو شہر کے تمام لوگ ایک جگہ جمع ہو گئے ان پر معدلہ کی زندگی کے خلاف سازش کا الزام عائد کیا گیا کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنھیں اُن کی مصیبت پر اُن سے ہمدردی تھی مگر کوئی ہاتھ نہ اٹھایا گیا، کوئی آواز بلند نہ ہوئی جو اُن کے حق میں یا اُن کی بے گناہی کی وجہ سے اُن کی رہائی کا تقاضا کرتی یا اُن کی مصیبت پر اُن سے ہمدردی کا اظہار کرتی۔ حالانکہ اس شہر کے سب سے نمایاں شرفا پر تباہی نازل ہو رہی تھی۔ مگر اُن کے مایوسی نے انھیں بظاہر جرأت عطا کر دی۔ وہ علیحدہ علیحدہ کمروں میں بند رہے جہاں انھوں نے بے خواب اور پریشان راتیں گزاریں اور محترم ہیرو سٹیفن قولونا نے بار بار اپنا دروازہ کھٹکھٹا کر محافظین کو بلند آواز سے کہا کہ اس ذلت آمیز موت سے بہتر ہے کہ وہ اسے فی الفور قتل کر کے اس تکلیف دہ زندگی سے نجات دلا دیں۔ علی الصبح انھیں اپنے انجام کا پتا چل گیا کیونکہ اعترافِ جرم کا بیان لینے والا بھی آ گیا اور معدلہ کی بڑی گھنٹی بھی بجا دی گئی۔ شہر کا سب سے بڑا ہال سرخ و سفید پردے لٹکا کر آراستہ کر دیا گیا۔ مگر معدلہ کی ہیئت اندھیری اور خوفناک تھی جلادوں کی تلواریں میانوں سے باہر نکل چکی تھیں اور ان جاگیرداروں کی نحیف آواز میں کی جانے والی تقاریر میں طبل کی تھاپ سے بار بار دخل اندازی کی جا رہی تھی مگر فیصلہ کن لمحات میں ریزی خود بھی تشویش میں مبتلا تھا وہ اپنے قیدیوں کے ناموں کی شان و شوکت سے خوف زدہ تھا وہ ان کے زندہ بچ جانے والے لواحقین

سے بھی ڈرتا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ عوام مستقل مزاج نہیں ہوتے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ دنیا اس کی ملامت کرے گی۔ بجائے اس کے کہ وہ اُن کے قتل کا سامان کرتا اُس نے سوچا کہ اگر وہ انھیں معاف کر دے تو اس کے نتیجے میں وہ بھی اسے معاف کر دیں گے۔ اب اُس نے ایک تفصیلی بیان دیا جس میں عیسائیت کی تعلیم کی جھلک نظر آتی تھی۔ اس میں ایک عاجز پادری کے خطاب کی وضاحت بھی تھی۔ اُس نے آقایانِ معدلہ سے درخواست کی کہ ان شریف مجرموں کو معاف کر دیا جائے۔ اُن کے مستقبل کے کردار کے لیے اُس نے اپنی ضمانت پیش کی اور اپنے اختیارات کو استعمال کرنے کی جسارت کی معدلہ نے ان سے سوال کیا کہ اگر رومی عوام اپنی عنایت سے تمھیں معاف کر دیں تو کیا تم اس اچھی ریاست کی مدد نہ کرو گے جس میں تمھاری زندگی اور املاک محفوظ ہیں اور تمھارے مستقبل کی ضمانت فراہم کی جا رہی ہے اس شاندار مرحمت پر وہ متعجب ہو گئے اور اپنے سر جھکا لیے اور انھوں نے متعدد بار حلفِ وفاداری کا یقین دلایا۔ آپس میں سرگوشیوں سے انھوں نے خفیہ اور زیادہ انتقامی کارروائی کا ارادہ کر لیا ہوگا۔ ایک پادری نے عوام کی طرف سے ان کے آزاد ہونے کا اعلان کر دیا اور معافی کی توثیق کر دی۔ معدلہ کے ساتھ عشائے ربانی کی دعوت میں شرکت کی اور صلح صفائی کی علامات کا ارادہ کیا۔ دعوت کے بعد جلوس میں بھی شرکت کی۔ بلکہ ہر عمل میں معاونت کا مظاہرہ کیا اس کے بعد انھیں اپنے اپنے گھروں میں جانے کی بحفاظت اجازت دے دی گئی اور انھیں جرنیلوں، قونصلوں، اور عالی نسبوں کے نئے خطابات بھی عنایت کر دیے گئے۔

چند ہفتے وہ اپنی آزادی کی بجائے مستقبل کے خطرات پر غور و فکر کرتے رہے تاوقتیکہ آرسینی جو زیادہ طاقتور تھے، قولونا کو ہمراہ لے کر شہر سے فرار ہو گئے اور مارینو کے مقام پر پہنچ کر علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ قلعے کے استحکام کا عمل فوراً کر دیا گیا۔ ان کے تمام باجگزار اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ مفروروں نے حاکم اعلیٰ کے خلاف بغاوت کر دی۔ مارینو سے لے کر روم تک تمام گلے، ریوڑ، فصلیں اور انگور کے باغات تباہ کر دیے گئے اور عوام نے ان تمام مصائب کی ذمہ داری ریزی پر ڈال دی۔ حکومت انھیں تاکید کر رہی تھی کہ وہ ان مصائب کو فراموش کر دیں۔ ریزی کو جو مفاد منبر پر حاصل تھا وہ میدانِ جنگ میں اس کے مقابلے میں بہت کم تھا۔ وہ باغی رہنماؤں کی ترقی کو نظر انداز کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اُن کی تعداد بہت بڑھ گئی اور قلعے ناقابلِ تسخیر ہو گئے۔ مذہبی اور فصاحت کی کتب میں اسے جرنیلی کا فن اور حوصلہ حاصل نہ ہوا تھا۔ اس نے بیس ہزار کی تعداد میں رومی لشکر روانہ کیا تھا جو بغیر کسی کامیابی یا اثرات کے واپس چلا آیا۔ اس کے مارینو پر حملے اور انتقامی

کارروائی پر دشمن مصوروں نے اس کے دشمنوں کی مضحکہ خیز تصاویر بنائیں۔ اُن کے سر نیچے جھکے ہوئے تھے اور دو کتے (حالانکہ انھیں کم از کم ریچھ کہنا چاہیے تھا) پانی میں ڈوب رہے تھے۔ انھیں اریني کا نمائندہ ظاہر کیا گیا تھا چونکہ اس کے دشمنوں کو اس کی نااہلی کا یقین تھا اس لیے وہ اس کے خلاف کارروائی میں دلیری سے کام لیتے تھے۔ اُن کے گروہوں نے رازداری سے انھیں آنے کی دعوت دی۔ اور یہ نواب چار ہزار پیدل فوج اور سولہ سو رسالہ سوار لے کر حملہ آور ہو گئے۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ اچانک حملہ کر کے یا پوری قوت استعمال کر کے شہر میں داخل ہو جائیں گے دوسری طرف شہر بھی اُن کے استقبال کے لیے تیار تھا۔ خطرے کی گھنٹی بج گئی اور تمام رات بجتی رہی۔ دروازوں پر سخت پہرہ لگا دیا گیا تھا یا ایسی حالت میں کھلے رکھے گئے تھے کہ کوئی داخل نہ ہو سکے۔ کچھ دیر تامل کے بعد انھوں نے پسپائی کا اعلان کر دیا۔ ان کے پہلے دو لشکر دیواروں کے ساتھ ساتھ گزرے تھے۔ مگر ان کے عقب میں جو اُمرا کا لشکر تھا، وہ چاہتا تھا کہ براہ راست حملہ کر کے زور ڈالا جائے اور ایک کامیاب جھڑپ کے بعد انھیں شکست ہو گئی اور انھیں روم کے عوامی اجتماعات نے سخت بے رحمی سے قتل کر دیا۔ سٹیفن تولونا جو اپنے بھائیوں میں چھوٹا تھا اور شریفانہ کردار کا مالک تھا، اس کو پیٹرارک نے اٹلی کی بحالی کی ذمہ داری تفویض کی تھی۔ وہ اپنے بیٹے جان کے ساتھ (کچھ وقت پہلے یا بعد) موت کا شکار ہو گیا۔ جان ایک بہادر نوجوان تھا۔ اس کے دوسرے بھائی کا نام پیٹر تھا جسے کلیسا کی کمزوری اور تاخیر کا ضرور افسوس ہوا ہوگا۔ اس کا ایک حقیقی بھتیجا بھی تھا۔ علاوہ ازیں دو حرامی بچے تھے جن کا تعلق تولونا نسل سے تھا اس طرح ان کی کل تعداد اتنی ہو گئی، جو ریزی کو روح القدس کی طرف سے عطا ہونے والے ساتھ تحفوں کے برابر تھی۔ سات بچوں کے اس بے سود حملے میں ضائع ہو جانے کی وجہ سے ان کے ماں باپ کو ضرور دکھ ہوا ہوگا۔ ان کے قبیلے کا ایک تجربہ کار سردار تھا اور وہ زندہ بچ گیا اور یہ اُمید باقی رہ گئی کہ مستقبل میں کسی وقت کامیابی نصیب ہو۔ سینٹ مارٹن اور پوپ بونی فیس کے مکاشفات اور پیش گوئیوں کے مطابق معدلہ کا یہ دستور رہا ہے کہ افواج کے استعمال کی حوصلہ افزائی کرے۔ اس لیے تعاقب میں وہ جوش و خروش دکھایا گیا کہ کسی ہیرو کی روح نظر آنے لگی۔ مگر وہ قدیم رومیوں کے اصولوں کو فراموش کر گیا جو خانہ جنگیوں میں فتوحات حاصل کرنے کو بڑا معرکہ نہیں سمجھتے تھے۔ فاتح مجلس گاہ کا حکمران بن گیا۔ اپنا تخت و تاج قربان گاہ کے حوالے کر دیا اور کسی حد تک بجا طور پر اس پر فخر کرنے لگا کہ اُس نے ایک ایسا کان کاٹ دیا ہے جسے نہ تو پوپ نہ بادشاہ کبھی کاٹ سکے۔ اس کے حقارت آمیز انتقام کا یہ نتیجہ نکلا کہ اُسے دفن کے لیے کوئی جگہ نہ ملی اور تولونا خاندان کی لاشیں جن کے متعلق اس نے دھمکی دی

تھی کہ انھیں دوسرے خطاکاروں کے ہمراہ کھلے میدان میں چھوڑ دے گا، کنواری مادر نے رازدارانہ طور پر اُن کے خاندانی قبرستان میں دفن کر دیں۔ ان کے غم پر عوام نے ان سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ اپنے جوش و خروش پر خود ہی شرمندگی کا مظاہرہ کیا۔ اور ریزی کی غیر متوازن اور بے ہودہ مسرتوں کے خلاف ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ ریزی خود اس مقام پر گیا جہاں کہ ایک بے مثال فاتح ہلاک ہو کر گرا تھا۔ یہ وہی مہلک مقام تھا جہاں پر اس نے اُس کے بیٹے کو مبارزت کا خطاب دیا تھا۔ اس تقریب کی تکمیل میں یہ عمل کیا گیا کہ اس کی لاش پر ہر گھڑسوار محافظ ایک ہلکی سی ضرب لگا دے اور اُن کے غسل کے لیے یہ غیر انسانی حرکت کی گئی کہ پانی اُس گندے تالاب سے لیا گیا جس میں ابھی تک ان عالی نسب افراد کا خون پانی میں ملا ہوا نظر آ رہا تھا۔

اگر تھوڑی سی تاخیر ہو جاتی تو تولونا اس حادثے سے بچ جاتے۔ اس پر صرف ایک ہی ماہ گزرا جس کے بعد انھیں فتح حاصل ہو گئی اور ریزی کو فرار ہونا پڑا۔ ریزی کو ہر شے ضائع ہو گئی۔ اُس کی معاشرتی خوبیاں ختم ہو گئیں۔ اس کی سماجی قوت کی شہرت تو کبھی اُسے نصیب ہی نہیں ہوئی تھی۔ شہر میں اس کے خلاف ایک آزاد اور طاقتور حزبِ اختلاف وجود میں آ گئی۔ جب معدلہ نے ایک نئی کونسل ترتیب دینے کی کوشش کی کہ نئے محصول عائد کیے جائیں اور پیروجیا کی حکومت کو باقاعدہ بنایا جا سکے تو انتالیس اراکین نے اس کی تجاویز کے خلاف رائے دی۔ اس کی طرف سے سازش اور بدعنوانی کے لگائے گئے تمام الزامات واپس لے لیے گئے اور اسے کہا گیا کہ وہ اس کا ثبوت مہیا کرے کہ اس نے انھیں جبراً کیوں علیحدہ کر دیا۔ آبادی تمھارے مقصد کی ہمنوا تھی، تو پھر تمام معزز شہریوں نے تمھارا ساتھ کیوں چھوڑ دیا۔ پوپ اور اُس کے ساتھی تمھاری بجز کیلی گفتگو سے رضامند نہیں ہوئے۔ اس کے کردار کی بے راہ روی پر وہ جائز طور پر ناراضگی کا اظہار کرتے تھے۔ ایک کارڈینل کو بطور سفیر اٹلی میں روانہ کیا گیا۔ اُس نے کچھ مدت گفتگو جاری رکھی جس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اُس نے دو دفعہ ذاتی ملاقاتیں بھی کیں۔ اسے سوائے قطع تعلق کے اور کچھ نہ ملا۔ بلکہ اس کی بجائے معدلہ کے اختیارات میں کمی کر دی گئی اور اُس پر بغاوت کا الزام عائد کیا گیا اس پر بے حرمتی اور بدعت کا الزام الگ لگایا گیا۔ روم کے وہ جاگیردار جو ابھی تک بچے ہوئے تھے۔ اُن کا مفاد اور انتقام انھیں کلیسا کی خدمت کی طرف کیا۔ مگر تولونا کا انجام ہر دشمن کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ وہ اب کسی انقلاب کی کامیابی یا ناکامی کی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ جان پے پین مینار بینو کا کاؤنٹ تھا، اور نیپلز کی حکومت کا سربراہ تھا۔ اُس نے اپنے جرائم یا دولت کی وجہ سے اُسے حبس دوام کی سزا سنا دی گئی۔ پیٹرارک نے اس کی رہائی کے لیے درخواست

کی۔اس لیے وہ بالواسطہ اپنے دوست کی تباہی کا حصہ دار گیا۔اس نے ایک سو پچاس سپاہیوں کا دستہ ہمراہ لیا۔ مینار ینو کے کاؤنٹ نے آپ کو روم میں متعارف کرایا اور قولونا کے محلے کا محاصرہ کر لیا اور اپنی مہم جو کہ ناممکن نظر آ رہی تھی بآسانی کامیاب کر لی پہلے خطرے پر اجلاس گاہ کی گھنٹی بلا وقفہ بجنے لگی۔مگر اس کی بجائے کہ اس معروف آواز پر کوئی ردِ عمل کا اظہار کیا جائے عوام نے خاموشی اختیار کر لی اور کوئی حرکت نہ کی۔ یہ کم ہمت ریزی لوگوں کی ناشکر گزاری پر اظہارِ افسوس کرتا رہا۔ٹھنڈی آہیں بھرتا رہا اور آنسو بہاتا رہا۔بالآخر اُس نے حکومت اور جمہوریہ کے محل کو چھوڑ دیا۔

کاؤنٹ پے پین کو تلوار بے نیام کیے بغیر شرفا کی حکومت بحال کرنے میں کامیابی حاصل ہوگئی۔ اُس نے کلیسا کی حکومت بھی بحال کر دی۔ تین اراکینِ مجلس قانون ساز کا انتخاب کیا گیا اور پوپ کے نمائندے کو سب سے اول مقام حاصل ہو گیا اور اُس نے اپنے دو ساتھی قولونا اور آرسینی کے حریف خاندانوں سے چن لیے۔معدلہ کے قوانین منسوخ کر دیے گئے۔اس کے سربراہ کو معزول کر دیا گیا۔لیکن اس کے نام کا خوف اس قدر زیادہ تھا کہ تمام جاگیردار شہر میں داخل ہونے میں تین روز تک ہچکچاتے رہے۔اس کے بعد ہی انھوں نے شہر میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔اور اُن میں اعتماد پیدا ہوا۔

ریزی ایک ماہ تک سینٹ اینجیلو کے قلعے میں چھپا رہا اس کے بعد وہ وہاں سے باہر نکلا اور یہ ناکام کوشش کرنے لگا کہ عوام کو دوبارہ جمع کر کے اُن میں حوصلہ پیدا کر سکے۔اب جبکہ وہ آزادی اور سلطنت کے تصور کا نظارہ کر چکے تھے اب اُن کا گرتا ہوا حوصلہ بحال ہو چکا تھا،اب وہ دوبارہ غلامی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔خواہ اُس میں کتنا سکون اور کس قدر تنظیم موجود ہو۔اور اس کا بھی مشاہدہ نہیں ہوا کہ نئی مجلس قانون ساز نے کلیسا سے اپنا جائز حق بازیاب کر لیا ہو۔ چار کارڈینل تعینات کیے گئے کہ وہ اصلاحات کریں اور انھیں آمرانہ اختیارات تفویض کر دیے گئے۔روم کی ریاست دوبارہ مختلف نوابوں کے درمیان خانہ جنگی میں مبتلا ہوگئی اور بہت سا خون بہایا گیا۔وہ ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے رہے۔اور عوام کی طرف سے بے فکر ہو گئے۔انھوں نے شہر اور دیہات دونوں جگہ اپنے اپنے قلعے تعمیر کر رکھے تھے۔یہ دوبارہ گرا دیے گئے۔عوام تو امن پسند بھیڑوں کی طرح ان کے اشارے پر چلتے تھے۔فلورنس کا ایک مورخ کہتا ہے کہ یہ جاگیردار درندوں کی طرح عوام کو پھاڑ کر کھا جاتے تھے بعض اوقات ان کا رویہ لالچی بھیڑیوں جیسا ہوتا۔جب ان کے ظلم و تشدد کی وجہ سے رومیوں کی قوتِ برداشت ختم ہوگئی اور رومی جو کنواری مادر کے معتقد ہونے کی وجہ سے باہم متحد

تھے۔وہ جمہوریہ کو تحفظ فراہم کرتے یا اُس کے خلاف کارروائی کا بدلہ چکانے پر آمادہ ہو جاتے۔مجلس گاہ کی گھنٹی دوبارہ بج اٹھی۔شرفا نے اسلحہ زیب تن کر رکھا تھا۔مگر وہ بے سروسامان اور بغیر اسلحہ کے عوام کے سامنے کانپنے لگے۔اور دو ارکانِ مجلس قانون ساز جو قولونا تھے،موقع سے فرار ہو گئے۔انھوں نے محل کی کھڑکی سے چھلانگ لگا دی اور آرسینی کو قربان کا قدموں میں سنگسار کر دیا گیا اور معدلہ کا خطرناک عہدہ دیہاتیوں نے کیے بعد دیگرے حاصل کیا۔اِن کے نام قیرونی اور بیرونعلی تھے۔اول الذکر اُس دور میں بہت منکسر المزاج شخص تھا۔اس نے قدرے جدوجہد کی مگر پھر دست بردار ہو گیا۔اس کی شہرت بہت عمدہ تھی۔مالی حالت بھی اچھی تھی۔اُس نے دوبارہ دیہاتی زندگی اختیار کر لی۔ثانی الذکر فصاحت کے فن سے محروم تھا البتہ وہ بلند حوصلہ اور مستقل مزاج تھا۔وہ ایک محبِ وطن کے انداز میں گفتگو کرتا اور ظالموں کے قدموں کے نشانات پر چلتا۔یہ اکثر سزائے موت دے دیتا۔اس کے مظالم کے انعام کے طور پر خود اسے بھی موت قبول کرنی پڑی۔عوام کی بدقسمتی کے دور میں ریزی کی غلطیاں فراموش ہو چکی تھیں اور رومی پھر ایک اچھی ریاست کے امن اور خوشحالی کے خواہش مند ہو چکے تھے۔

سات سال کی جلاوطنی کے بعد اول نجات دہندہ دوبارہ اپنے ملک کے اقتدار پر بحال کر دیا گیا۔ اب وہ ایک راہب یا زائر کے بھیس میں تھا۔وہ سینٹ اینجیلو کے قلعے سے پوشیدہ طور پر باہر نکل گیا اور نیپلز کے مقام پر ہنگری کے بادشاہ سے مل کر دوستی کی استدعا کی۔ ہر بہادر مہم جو سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کی۔روم کے مقام پر جوبلی کے زائرین میں شامل ہو گیا۔اپی نائن کے راہبوں میں شامل ہو کر عوام کی نظروں سے چھپا رہا۔اور اٹلی، جرمنی اور بوہیمیا کے شہروں میں گشت کرتا رہا۔اس کی ذات تو پوشیدہ تھی مگر اس کی یاد ابھی تک قائم تھی۔اسے ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ایوگنان کے دربار سے اسے جو سہارا ملا اُس کی وجہ سے اس کی عظمت میں اضافہ ہو گیا اور اس کا ذاتی استحقاق مزید بڑھ گیا۔شہنشاہ چارلس چہارم نے ایک اجنبی کو شرفِ باریابی عطا فرمایا۔جس نے اپنے معدلہ جمہوریہ روم ہونے کا برملا اظہار کر دیا۔وہاں پر جتنے سفیر جمع تھے یا شہزادے موجود تھے سب اس کی فصاحت پر حیران رہ گئے۔وہ محبِ وطن بھی تھا اور شکل و صورت میں ایک عیسائی پیغمبر نظر آتا تھا جس نے ظلم و ستم کو شکست دی تھی اور روح القدس کی حکومت قائم کی تھی۔خواہ وہ کس قدر اُمیدیں لے کر گیا ہو، ریزی کو قید کر دیا گیا۔مگر اس کے باوجود اُس نے آزادی کے کردار اور اپنے وقار کو قائم رکھا۔اور اُس نے اسقفِ اعظم کے احکام کی برتری اور ناقابلِ مزاحمت ہونے کے نقطۂ نظر کی تائید جاری رکھی۔پیٹرارک کا جوش

جو اس کے نااہل کردار کی وجہ سے ختم ہو چکا تھا اپنے دوست کی موجودگی اور تکالیف کو دیکھ کر دوبارہ چمک اُٹھا۔ اور اُس نے کھل کر شکایت شروع کر دی کہ وہ بہت براوقت تھا جبکہ روم کے نجات دہندہ کو شہنشاہ نے ایک بشپ کے ہاتھ میں دے دیا۔ ریزی کو بحفاظت مگر آہستہ آہستہ پیراگ سے ایوگنان پہنچا دیا گیا۔ اس کا شہر میں داخلہ ایک مجرمانہ فعل تھا۔ قید خانے مس اس کی ٹانگوں پر زنجیر باندھ دی گئی اور چار کارڈینل اس کام پر لگا دیے گئے کہ وہ اس کی بدعت اور بغاوت کے متعلق تحقیق کریں۔ مگر اس کے خلاف باقاعدہ کارروائی اور سزا سے بعض مسائل پیدا ہو سکتے تھے۔ اس لیے یہی مناسب سمجھا گیا کہ تمام معاملے کو صیغۂ راز میں رکھا جائے۔ اور پاپایان کی مادی برتری کو بھی قائم رکھا جائے۔ رہائش فراہم کرنے کا فرض معاشرتی اور کلیسائی استحقاق اور رومی عوام کے مفادات کا خیال رکھا جائے۔ برسرِ اقتدار پوپ اس کا اچھی طرح سے مستحق تھا کہ اُسے کلیمنٹ کا خطاب دے دیا جائے۔ قیدی کی زندگی میں عجیب و غریب نشیب و فراز آئے تھے مگر اُس کے مزاج میں شان و شوکت ابھی تک موجود تھی۔ اس وجہ سے اس کے لیے ہمدردی اور احترام کے جذبات پیدا ہوتے تھے اور پیٹرارک نے محسوس کیا کہ اُس نے ہیرو کی شکل میں ایک شاعر کا مقدس کردار پال رکھا ہے۔ ریزی کی قید آسان بنا دی گئی اُسے کتابوں کے مطالعے کی اجازت دے دی گئی۔ اسے کتاب مقدس اور روایات کے مطالعے کی اجازت دے دی گئی تاکہ یہ اپنی بدقسمتی کے اسباب کا کھوج لگا سکے۔

اس کے بعد انوسینٹ ششم کا نئے پوپ کی حیثیت سے تقرر ہو گیا۔ اب اس کی آزادی کے امکان اور بحالی کے احتمالات کا ایک نیا باب کھل گیا۔ ایوگنان کے دربار کو یہ باور کرایا گیا کہ صرف یہ کامیاب باغی ہی حالات کو بہتر بنا سکتا ہے اور دارالحکومت کے انتشار پر قابو پا سکتا ہے۔ جب اس نے وفاداری کا پورا یقین دلا دیا تو رومی معدلہ کو اٹلی میں روانہ کیا گیا مگر اُسے رکنِ مجلس کا خطاب دے دیا مگر ہیر ونعلی کی موت واقع ہو گئی اور یہ سفارت درمیان ہی میں رہ گئی۔ اور سفیر کارڈینل آلبرنوز جو کہ ایک تجربہ کار مدبر تھا اس نے نہ تو کھل کر ملاقات کی اور نہ مدد کا وعدہ کیا اس کا اولین استقبال تو اس کی خواہشات کے مطابق ہوا جب یہ داخل ہوا تو ایک عام جشن منایا گیا اور اس کی فصاحت اور اقتدار نے اچھی ریاست کے قوانین دوبارہ بحال کر دیے مگر اس کی ذاتی برائیوں اور عوام کی کوتائیوں کی وجہ سے یہ وقتی دھوپ بھی بادلوں کے عقب میں چلی گئی۔ مجلس گاہ میں یہ ایوگنان کی قید کا اکثر ذکر کرتا اور دوسرے بار چار ماہ کے لیے انتظام کے بعد ریزی ایک ہنگامے میں قتل ہو گیا یہ ہنگامہ رومی جاگیرداروں نے کرایا تھا۔ جرمن اور بوہیمیا کے معاشروں میں اس اس نے عدمِ برداشت اور ظلم

کی عادات سیکھ لی تھیں۔ بدقسمتی نے اس کا جوش و خروش ٹھنڈا کر دیا تھا۔ یہ نہ تو اپنے استدلال کا دفاع کر سکا اور نہ اپنی نیکیوں سے کسی کو متاثر کر سکا۔ اب اس کی کامیاب زندگی ختم ہو چکی تھی اور عدمِ اعتماد اور سرد مہری کا مظاہرہ ہونے لگا تھا۔ معدلہ نے پورے اختیارات کے ساتھ حکومت کی تھی۔ رومی عوام نے اسے منتخب کیا تھا اور اپنے دلوں میں جگہ دی تھی۔ مگر بطور رکنِ مجلس یہ ایک بیرونی دربار کے ماتحت تھا اور جب عوام کے اس کے خلاف شکوک بڑھنے لگے تو بادشاہ نے بھی اسے بے سہارا چھوڑ دیا۔ پوپ کا سفیر آلبرنوز اس کی تباہی کا خواہش مند تھا۔ اُس نے بے لچک ردِعمل اختیار کیا اور ہر قسم کی انفرادی یا مالی مدد دینے سے انکار کر دیا۔ اس کا یہ اصول تھا کہ رعایا کا کوئی وفادار شخص شاہی اور کلیسائی خزانوں کو ہاتھ تک نہ لگا سکتا تھا۔ اور محصولات کے متعلق پہلا تصور یہ تھا کہ اس کا ذکر آتے ہی عوام میں شورش اور ہنگامہ آرائی کا مظاہرہ ہونے لگتا اور عوام بغاوت پر آمادہ ہو جاتے۔ اس کا انصاف بھی داغدار ہو گیا اور اُس میں ذاتی مظالم کے نشانات نظر آنے لگے۔ روم کا سب سے نیک نام شہری اس کے حسد پر قربان کر دیا گیا۔ اور ایک عوامی قزاق کو سزا دینے کے لیے جس کی جمع کردہ رقوم سے اسے مدد ملتی رہتی تھی۔ افسرِ اعلیٰ مقدمے ہی کو فراموش کر گیا یا مقروض کی مجبوریوں سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ ایک خانہ جنگی نے قومی خزانہ ختم کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی شہر کا صبر و سکون بھی ختم ہو گیا۔ قولونا اپنے مخالفانہ مقام پیلسٹرینا پر قابض تھے۔ اس کے کرائے کے سپاہی اپنے ایک رہنما سے بہت جلد نفرت کرنے لگے۔ اس کی جہالت کی بنا پر تمام ماتحت عملہ اُس کے حسد میں مبتلا تھا۔ ریزی میں بھی اُس کی زندگی کی طرح سخت مزاج ہیرو اور بزدل عجیب میں باہم مخلوط ہو گئے تھے۔ جب مجلس گاہ پر غضبناک گروہوں نے کر دی۔ جب اس کے انتظامی اور فوجی ملازمین اسے غیر محفوظ چھوڑ کر الگ ہو گئے تو بے خوف رکنِ مجلس آزادی کا جھنڈا لہراتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا اور شہ نشین پر چڑھ گیا اور روم کے مختلف جذبات کے حامل افراد سے خطاب کرنے لگا اور انھیں بھی اپنے مقاصد سے ہمنوا کرنے کی ترغیب دینے لگا۔ اس نے کہا کہ وقت آ گیا ہے کہ جمہوریہ یا تو صحیح معنوں میں قائم ہو جائے یا زوال کا شکار ہو جائے۔ اس کے خطاب میں نعروں اور پتھروں سے خلل پیدا ہو گیا اور جب ایک تیر نے اس کا ہاتھ چھلنی کر دیا یہ عالم مایوسی میں غرق ہو گیا اور روتے ہوئے اندرونی دیوان میں فرار ہو گیا جہاں سے اسے جیل کی کھڑکی کے سامنے پہنچا دیا گیا۔ اب نہ تو کوئی مدد باقی تھی اور نہ اُمید کی کرن نظر آتی تھی، یہ مغرب تک محاصرے میں رہا۔ عوام نے کلہاڑوں سے مجلس گاہ کے دروازے توڑ دیے اور آگ لگا دی اور جب رکنِ مجلس نے کوشش کی کہ وہ دہقانی لباس میں موقع سے فرار ہو جائے، یہ پکڑا گیا اور لوگ اسے کھینچ کر محل

کے چبوترے پر لے گئے اب وہی مہلک نظارہ تھا جیسا کہ یہ فیصلے دیا کرتا تھا اور موت کے گھاٹ اُتار دیتا تھا ایک گھنٹہ گزر گیا جس میں نہ کوئی آواز نکلی اور نہ حرکت ہوئی یہ مجمع کے درمیان کھڑا تھا۔ یہ نیم عریاں اور نیم مردہ حالت میں تھا۔ ان کا غصہ تجسس اور حیرت میں تبدیل ہو چکا تھا۔ آخری دفعہ ان لوگوں کو اس کے احترام اور ہمدردی کا خیال آیا۔ گویا ابھی تک اس کے حق میں کسی قدر کوشش ہو رہی تھی اور ممکن ہے کہ یہ طبقہ غالب آ جاتا مگر ایک بہادر قاتل نے اپنا خنجر اس کے سینے میں پیوست کر دیا۔ ایک ہی ضرب میں یہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔ مگر اس کے دشمنوں کا غصہ ابھی تک ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ انھوں نے اس کی لاش پر ہزاروں زخم لگا دیے اور رکنِ مجلس کی لاش کتوں کے لیے چھوڑ دی گئی۔ پھر یہودیوں کے حوالے کر دی گئی اور پھر نذرِ آتش کر دی گئی۔ آئندہ نسلیں اس کی نیکیوں اور برائیوں کا موازنہ کرتی رہیں گی۔ یہ ایک غیر معمولی شخص تھا اس کے بعد ابتری اور غلامی کا ایک طویل دور شروع ہو گیا مگر طویل عرصے تک عوام اس کا تذکرہ کرتے رہے کہ یہ اپنے ملک کا نجات دہندہ اور روم کا آخری محبِ وطن تھا۔

پیٹرارک کی اولین اور سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ ایک آزاد جمہوریہ بحال کی جائے۔ مگر اپنے دہقان دوست کی جلاوطنی اور موت کے بعد اُس نے اپنی توجہ معدلہ سے ہٹا کر روم کے بادشاہ کی طرف مبذول کر لی۔ اجلاس گاہ میں ابھی تک ریئنزی کے خون کے دھبے موجود تھے۔ اور چارلس چہارم کوہ الپس سے اُتر چکا تھا کہ اٹلی اور روم کے تخت پر قبضہ کر لے۔ جب وہ اپنے سفر میں میلان سے گزر رہا تھا تو ملک الشعرا اسے ملنے کے لیے آیا اور قصیدہ پڑھ گیا۔ آگسٹس کا تمغہ موصول کیا اور بغیر مسکراہٹ کے وعدہ کیا وہ رومی شہنشاہیت کی بنیاد رکھنے والوں کی تقلید کر رہا تھا۔ ماضی کے ناموں کی جھوٹی نقل اور گزشتہ اصولوں کی اندھی تقلید ہی سے اس کے لیے اُمید کی جھلک پیدا ہو سکتی تھی اور پیٹرارک کو نا اُمید کیا جا سکتا تھا مگر وہ وقت اور کردار کے فرق کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اولین سینرز اور بوہیمی بادشاہ کے مابین بہت زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ وہ تو صرف پادریوں کی مہربانی سے جرمنی کا سربراہ منتخب ہو گیا تھا وار عالی نسب جرمنوں نے اسے اپنا سربراہ تسلیم کرایا تھا۔ اس کی بجائے کہ وہ روم کو اس کی شان و شوکت اور صوبے بازیاب کرا دے۔ اس نے پوپ سے ایک خفیہ معاہدہ کر کے اپنے آپ کو پابند کر لیا تھا کہ وہ اپنی تاجپوشی کے روز شہر کو خالی کر دے گا اور جب اسے شرمناک پسپائی اختیار کرنی پڑی تو محبِ وطن بھانڈ بہت دور تک اس کا تعاقب کرتے رہے اور اس کی ملامت کرتے رہے۔

جب اس کے ہاتھ سے آزادی اور سلطنت دونوں نکل گئیں۔ اب اس کا تیسرا اور عاجزانہ مقصد

صرف یہ رہ گیا تھا کہ گڈریے اور ریوڑ میں باہمی تعاون پیدا کر دے۔ اور قدیم رومی بشپ کو واپس بلا کر یہ کہے کہ وہ اپنے عجیب و غریب حلقے کی نگرانی دوبارہ سنبھال لے وہ اپنی جوانی کی ترنگ میں تھا مگر اُسے عمر کا اقتدار بھی حاصل تھا پیٹرارک نے اپنی درخواستیں یکے بعد دیگرے پاپایانِ روم کو ارسال کیں۔ اور اس کی فصاحت کی وجہ سے ہر دفعہ جذباتی ہیجان پیدا ہوا اور سلسلۂ کلام بھی آزادی سے جاری ہوا۔ مگر فلورنس کے شہری کا بیٹا ہمیشہ اپنے وطن ہی کو ترجیح دیتا رہا۔ اُسے اُس ملک کا کوئی خیال نہ تھا جس میں اُس کی تعلیم ہوئی تھی اور اُس کی نظروں میں اٹلی کا رتبہ باغِ عالم اور ملکہ جہاں کا تھا۔ اگر داخلی اختلافات کو نظر انداز کر دیا جائے تو بلاشبہ فرانس کے مقابلے میں اٹلی کا رتبہ بلند تھا، علم و فن اور سائنس میں اسے برتری حاصل تھی۔ دولت اور گفتگو میں نرمی میں بھی اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ مگر فرق اتنا زیادہ تھا کہ ایک نیم مہذب ملک کا مکتوب بھی قابلِ قبول نہ تھا۔ وہ ملے جلے رجحان سے تمام عنایات صرف ان ممالک تک محدود رکھنا چاہتا تھا جو الپس کی دوسری طرف واقع تھے۔ ایوگنان جو بابل کی طرح پُراسرار تھا اس میں تمام برائیاں اور بدعنوانیاں اپنی راہ بنا لیتی تھیں۔ وہ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور سخت ناپسند کرتا تھا مگر یہ بھول جاتا تھا کہ اس کے تمام مسائل اور کوتاہیوں کا اس سرزمین سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ یہاں کی آبادی کی ہر رہائش گاہ میں ہر مکین یہ چاہتا تھا کہ اسے پوپ کے دربار کی عیش و عشرت اور اختیارات حاصل ہو جائیں۔ وہ اقرار کرتا ہے کہ سینٹ پیٹر کا جانشین، بین الاقوامی کلیسا کا بشپ ہے۔ اس کے باوجود کہ وہ رہون کے کناروں پر آباد نہ تھا۔ بلکہ دریائے ٹائبر کے کناروں پر واقع تھا، جہاں پر کہ ایک حواری نے اپنا تخت و تاج ہمیشہ کے لیے اُستوار کر دیا تھا اگرچہ عیسائی دنیا کے ہر شہر میں کوئی نہ کوئی بشپ ضرور موجود تھا۔ یہ صرف دارالحکومت ہی تھا جو اس نعمت سے خالی اور محروم تھا۔ جب سے کہ یہاں سے پوپ کو نکال دیا گیا تھا تو لیطران کی مقدس عمارات اور ویٹی کن کے محلات اور دونوں مقامات کی قربان گاہیں اور تصاویر جو مقدس مادر کے تصورات کا عکس پیش کرتی تھیں۔ بعض تصاویر ایسی خواتین کی تھیں کہ گویا وہ اپنا گم شدہ خاوند تلاش کر رہی ہوں۔ اس سے مراد یہ تھی کہ ایسی تصاویر کے ذریعے وہ اپنے گم شدہ جیون ساتھی کو دوبارہ حاصل کر سکیں گی اور اُن کی عمر کی وجہ سے ہونے والی کمزوری اور معذوری ہمیشہ کے لیے دور ہو جائے گی۔ مگر وہ بادل جو سات پہاڑیوں پر چھائے رہتے وہ بھی حسبِ قانون مقرر بادشاہ کی آمد پر چھٹ جائیں گے۔ جن کی شہرت ازلی ہوگی اور روم کی خوشحالی قائم رہے گی اور پوپ کا فرض ہوگا کہ وہ اٹلی کے امن کا خیال رکھے اور اسے بھی ہمیشہ کے لیے استقلال کی صفت برقرار رکھنی ہوگی۔ وہ پانچ پوپ جنھیں پیٹرارک درخواستیں ارسال کرتا رہا تھا

ان میں پہلے تین یہ تھے۔ جان بست دوم (۲۲)، بینیڈکٹ دواز دہم (۱۲)، اور کلیمنٹ ششم تھے۔ وہ کاتب کی دلیری اور جرأت پر حیران رہ گئے۔ مگر وہ یادگار تبدیلی جو اُربان کے ذہن میں تھی یا جس کے لیے وہ کوشاں تھا وہ بالآخر گریگوری یازدہم (۱۱) نے حاصل کر لی۔ ان کے منصوبے کی کامیابی کی راہ میں بعض بہت بڑی اور شدید مشکلات حائل تھیں۔ ان مخالفین میں شاہ فرانس بھی شامل تھا جو یہ نہیں چاہتا تھا کہ کلیسا کے افسران مقامی قانونی ذمہ داریوں سے مستثنیٰ سمجھے جائیں اور مقامی ذمہ داریوں اور انحصار سے آزاد کر دیے جائیں۔ مگر کارڈینل اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں اس کے ماتحت رعایا ہونے کے باوجود زبان، انداز اور آب ہوا کی ضروریات کے لیے ایوگنان سے منسلک تھے۔ ان کے اپنے شاہانہ محل تھے اور سب سے بڑھ کر برگنڈی میں ان کے اپنے انگوروں کے باغ تھے۔ اُن کی نظروں میں اٹلی ایک غیر یا دشمن ملک تھا۔ اور وہ جب بھی مارسیلس جاتے تو یہ سفر سخت بے دلی سے اختیار کرتے۔ گویا انھیں عربوں کے پاس فروخت کر دیا گیا ہے یا جلاوطن کر دیا گیا ہے۔ اُربان پنجم (۵) تین سال وینی کن میں مقیم رہا یہاں اُسے تحفظ اور احترام حاصل رہا۔ اس کے تقدس اور تحفظ کے لیے رسالے دو ہزار گھڑ سوار ہر وقت موجود رہتے۔ قبرص کا بادشاہ نیپلز کی ملکہ اور مشرق و مغرب کے بادشاہ، اپنے مشترکہ پوپ کو احترام سے سلام کرتے اور اسے سینٹ پیٹر کی کرسی کا جائز وارث سمجھتے۔ مگر پیٹرارک اور اطالویوں کی خوشی جلد ہی غم اور ابتلا میں تبدیل ہوگئی۔ بعض اجتماعی اور نجی لمحات ایسے تھے یا اُس کی ذاتی دعاؤں کا نتیجہ تھا یا کارڈینل حضرات اجتماعی عبادات کا ثمر تھا کہ اُربان کو فرانس میں واپس بلالیا گیا اور جلد پیش آمدہ انتخابات کو رومی محبِ وطن طبقات کے ظلم سے بچالیا گیا۔ آسمانی قضا کو بھی ان کے مقاصد سے ہمدردی تھی۔ سویڈن کے ایک راہب اور زائر جس کا نام برڈجٹ تھا، اس کی واپسی سے اتفاق نہیں کیا اور اُربان پنجم کی موت کی پیشین گوئی کر دی۔ سینا کی ولیہ کیتھرائن نے گریگوری یازدہم کی نقلِ مکانی کے متعلق حوصلہ افزائی کر دی۔ اسے حضرت عیسیٰؑ کی زوجہ اور فلورنطین کی سفیر سمجھا جاتا تھا۔ اور خود پوپ اگرچہ اپنے آپ کو انسانی خوش اعتقادی کا مالک سمجھتے تھے مگر انھوں نے بھی اس خاتون کے مکاشفات کو درست تسلیم کرلیا۔ مگر ان تمام نصیحتوں کو بعض مادی دلائل کی تائید بھی حاصل ہوگئی۔ ایوگنان میں پوپ کے محل پر بعض شورش پسندوں نے حملہ کردیا۔ ان تیس ہزار قزاقوں کے سربراہ نے پوپ سے جسے نائب مسیح سمجھا جاتا ہے، تاوان وصول کرلیا، اس کے مقدس ساتھی بھی نہ بچ سکے۔ یہ فرانسیسی اصول عمل میں لایا گیا کہ عوام کو چھوڑ دو اور کلیسا کو لوٹ لو۔ یہ ایک نئی اور خطرناک بدعت تھی جب پوپ کو ایوگنان سے نکال دیا گی تو اسے فوراً روم میں آنے کی دعوت دی

گئی۔ مجلسِ دستور ساز اور عوام نے اسے قانون کے مطابق اپنا سربراہ تسلیم کرلیا اور دروازے کی چابیاں اُس کے پاؤں پر رکھ دیں کم از کم ٹائبر کے پل اور قلعے بھی اس کے حوالے کر دیے گئے۔ مگر اس نے اپنے اعلان میں یہ پیش کش بھی کی کہ اس کے بعد کبھی انھیں اس کی غیر حاضری کی مصیبت برداشت نہیں کرنی پڑے گی اور اس کی ملامت آمیز کارروائی بھی کوئی نہیں کرے گا کہ اُسے دوبارہ نقل مکانی پر مجبور ہونا پڑے۔ البتہ اگر کسی امر پر اتفاق رائے نہ ہو سکے اور پوپ اپنی ضد پر قائم رہے تو اس عہدے کے لیے دوبارہ از سرنو انتخاب کا حق باقی رہے گا۔ کوہِ قاسین کے ایبٹ سے دریافت کیا گیا کہ کیا وہ بیک وقت تین عہدے قبول کرنے پر رضامند ہوگا اور مذہبی اداروں اور عوام کی نمائندگی پر آمادہ ہوگا۔ اس نے جواب دیا کہ میں روم کا شہری ہوں میرا پہلا اصول یہ ہے کہ میں اپنے ملک کی آواز پر کان دھروں۔

اگر خوش اعتقادی سے بے وقت موت کی تشریح کی جا سکے اور اگر بعض حالات کے مطابق کونسلوں کا استحقاق معین کیا جا سکے تو ایسے استدلال پر تقدیر کے مسکرانے پر تعجب نہیں ہوگا۔ گریگوری یازدہم ویٹی کن میں واپسی کے بعد چودہ ماہ سے زائد عرصہ زندہ نہیں رہا۔ اس کی موت کے بعد مغرب میں شدید اختلافات پیدا ہوگئے جس کے اثرات سے لاطینی کلیسا چالیس سال سے زائد عرصے تک متزلزل رہا۔ اُس وقت حلقہ انتخاب بائیس کارڈینل حضرات پر مشتمل تھا۔ ان میں سے چھ ایوگنان میں ہی قیام پذیر تھے گیارہ فرانسیسی تھے ایک ہسپانوی تھا اور چار اطالوی تھے جو اس حلقے میں اپنی عام حالت میں شامل ہو گئے تھے۔ ان کا انتخاب ابھی تک شاہانہ رضامندی تک محدود نہیں ہوا تھا۔ اُن کا متحدہ فیصلہ یہی تھا کہ باری کو منتخب کرلیا جائے، یہ شخص نیپلز کا ایک شریف شہری تھا اس کے علم و فضل اور مذہبی جوش کی دھوم تھی۔ یہ اُربان ششم (۶) کے خطاب کے ساتھ تختِ کلیسا پر براجمان ہوگیا۔ گویا سینٹ پیٹر کا جانشین منتخب کر دیا گیا۔ مقدس حلقۂ انتخاب کی طرف سے جو مکتوب شائع کیا گیا اُس میں غیر جانبدارانہ اور آزاد انتخاب کی تصدیق کر دی گئی۔ یہ مقدس انتخاب حسبِ روایت روح القدس ہی کی رضا کے مطابق تکمیل پذیر ہوا تھا۔ اس کے مادی اختیارات کو بھی روم اور ایوگنان میں تسلیم کرلیا گیا تھا۔ اور اس کی کلیسائی برتری بھی تمام رومی دنیا میں تسلیم کرلی گئی تھی۔ متعدد ہفتوں تک کارڈینل حضرات نے اپنے نئے پوپ کی وفاداری اور عقیدت سے خدمت کی۔ اور جذبات محبت کا اظہار کیا۔ مگر جب موسم گرما آیا تو تمام کارڈینل گرمی سے بچنے کے لیے منتشر ہو گئے۔ مگر جونہی وہ ایک محفوظ مقام فنڈی اور اناگنی میں جمع ہوئے انھوں نے اپنے چہروں سے نقاب اتار دیے اور اپنے آپ پر جھوٹ اور منافقت کے الزامات عائد کیے۔ اور

اس کے بعد پاپائے روم کو مخالف مسیح قرار دے کر اُس سے مقاطع کر لیا اور جینوا کے رابرٹ کو منتخب کرنے کی کارروائی میں مصروف ہو گئے۔ اسے کلیمنٹ ہفتم (۷) کے خطاب کے ساتھ منتخب کر کے اقوام عالم کو اطلاع دے دی گئی کہ نیا نائب مسیح منتخب کر لیا گیا ہے اور یہی صحیح اور جائز پوپ ہے۔ ان کا پہلا انتخاب مجبوری کے تحت تھا اور ایک غیر قانونی فعل تھا جسے منسوخ کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ ہمیں موت کا خوف تھا اور اہلِ روم کے فساد کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھے اور اُن کے عمل کا جواز تمام امکانات اور حقائق کی پختہ شہادتوں سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ فرانس کے بارہ کارڈینل کُل حلقۂ رائے دہی کے دو تہائی تھے۔ انتخاب کا نتیجہ انھیں کے ہاتھ میں تھا، صوبائی حسد کی صورت کچھ بھی ہو مگر اس امر کا کوئی امکان نہ تھا کہ وہ اپنے مفادات کو کسی غیر صوبے کے فرد کے حق میں قربان کر دیں۔ وہ کئی بیانات جاری کرتے جو ایک دوسرے کے مخالف ہوتے۔ مقبول عام ہنگامہ آرائی کے سائے کہیں گہرے اور کہیں ہلکے موجود رہے۔ مگر اس سازش کی وجہ سے رومی مشتعل ہو گئے۔ اُن کا خیال تھا کہ اُن کے استحقاق پر قبضہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لیے ایک مزید نقلِ مکانی کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا۔ بزم خاص کو نعرہ زنی سے قابو کر لیا گیا۔ تیس ہزار شرفا اس ہنگامہ آرائی میں شامل تھے۔ اور بغاوت پر اُتر آئے تھے۔ مجلس گاہ اور سینٹ پیٹر کی درگاہ کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ اور یہ نعرے فضا میں بلند ہوئے۔ ''یا تو کوئی اطالوی پوپ بنے گا یہ پھر موت قبول کر لیں گے۔'' یہ ایک متحدہ نعرہ تھا شہر کے بارہ سردار بھی یہی دھمکی دے رہے تھے۔ کچھ لوگ ناصحانہ رویہ اختیار کر رہے تھے کچھ لوگ یہ تیاریاں کر رہے تھے کہ قیدی کارڈینل جلا دیے جائیں۔ اگر وہ ٹرانسلپائن کا راستہ اختیار کرتے تو یہ ممکن تھا کہ وہ زندہ بچ کر نہ جا سکتے اور اُن کے لیے ویٹی کن سے نکلنا ہی مشکل ہو جاتا۔ اس لیے یہ ضرورت پیدا ہو گئی کہ اہل روم اور باقی ماندہ دنیا کو حالات سے آگاہ کیا جائے کہ اُربان ایک مغرور اور ظالم شخص تھا کہ اُس کی وجہ سے مزید ناگزیر خطرات پیدا ہو گئے تھے۔ اور یہ جلد آشکارا ہو گیا کہ ظالم کے اطوار کیا ہیں۔ وہ اپنے باغ میں گھومتا رہتا اور کیتھولک اوراد و وظائف میں مشغول رہتا۔ جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ ایک قریبی حجرے میں چھ کارڈینل کراہ رہے ہیں کیونکہ وہ شکنجے میں کسے ہوئے ہیں اس کے جوش میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اُس نے بلند آواز میں اُن کی عیش پسندی کی ملامت کی۔ اور اُن کی کوتاہیوں کا تذکرہ کیا وہ چاہتا تھا کہ اُن کے فرائض منصبی کی ادائیگی کو صرف روم تک ہی محدود کر دیا جائے۔ اگر فرانسیسی کارڈینل کوہ الپس کو عبور کر گئے تھے۔ تو اُن کے پاس اس کی معقول وجوہات موجود تھیں اور اس عمل میں اُن کی سلامتی کی اُمید بھی تھی۔ مگر انھوں نے جس جلد بازی سے یہ کام سرانجام دیا اُس کے نتیجے میں امنِ عامہ کو

نقصان پہنچا اور کلیسا کا اتحاد بھی ختم ہو گیا۔ ابھی تک کیتھولک مکتب فکر میں اختلافات کا سلسلہ موجود ہے اور ان کے اس عمل کے جواز یا عدم جواز پر بحث ہوتی رہتی ہے۔ فرانس کے دربار اور کلیسائی حلقوں نے جو فیصلے کیے ان میں جھوٹے وقار کا زیادہ دخل تھا اور اجتماعی یا قومی مفاد کو نظر انداز کر دیا گیا۔ ساوائے، صقلیہ، قبرص، اراگون، قاسطیلی، نوارے اور سکاٹ لینڈ کی ریاستیں اپنے رجحانات کی بدولت کلیمنٹ ہفتم کے اقتدار کو تسلیم کرنے پر مائل تھیں اور اس کی موت کے بعد بینیڈکٹ سیزدہم (۱۳) کو اپنا پوپ تسلیم کرنے پر آمادہ تھیں۔ روم اور دیگر بڑی بڑی ریاستیں، اٹلی، جرمنی، پرتگال، انگلستان اور شمال کی بعض چھوٹی چھوٹی ریاستیں، اُربان ششم کے اولین انتخاب کو برقرار رکھنا چاہتی تھیں۔ جس کا بینیڈکٹ نہم (۹) کو جانشین مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد انوسینٹ ہفتم اور گریگوری دوازدہم کو یہ مقام عطا ہوا۔

ٹائبر اور رہون کے کناروں کے پادریوں نے ایک دوسرے کا مقابلہ شروع کر دیا جس میں قلم اور تلوار دونوں کو استعمال کیا گیا۔ معاشرے کے دیوانی اور کلیسائی دونوں نظام درہم برہم ہو گئے۔ رومیوں نے بھی اس شرارت میں بھرپور حصہ لیا چونکہ وہ اس کے ابتدائی محرک تھے اس لیے انھیں اس کا محرک بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ وہ اس فخر و مباہات اور اُمید میں مبتلا تھے کہ وہ کلیسائی حکومت کے مرکزی مقام کی فوقیت کو برقرار رکھیں گے اور تمام عیسائی دنیا کی نذر و نیاز کو جمع کر کے اپنے افلاس کا علاج کر سکیں گے اور کہیں سے انھیں تاوان بھی ملنے کا امکان ہے۔ مگر جب فرانس اور ہسپانیہ علیحدہ ہو گئے اور اپنی عقیدت کا رخ موڑ لیا تو دو دفعہ جوبلی منعقد کرانے سے بھی نقصان پورا نہ ہو سکا۔ حالانکہ ان کا انعقاد دس سال کے اندر اندر کر دیا گیا۔ جب افتراق کو ہوا دی گئی اور اس میں غیر ملکی اسلحہ اور مقبول عام عناصر بھی شامل ہو گئے یا تو اُربان ششم اور اُس کے تین جانشین متعدد بار مجبور ہوئے کہ وہ کچھ مدت کے لیے اپنی سکونت ویٹی کن سے تبدیل کر لیں۔ قولونا اور آرسینی تا حال اپنے مہلک اختلافات میں مبتلا تھے۔ رومی اپنے جھنڈے لہراتے اور جمہوریہ کے نعروں سے غلط فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور نائب مسیح جس نے اپنی افواج اس مہم جوئی میں شامل کر لی تھیں۔ اس نے بغاوت کو بزور شمشیر دبا دیا اور پھانسی کے پھندے کو بھی بے دریغ استعمال کیا۔ تلوار اور خنجر کے ساتھ دوستانہ مجلسیں بھی منعقد ہوتیں۔ ایک ایسی ہی مجلس میں گیارہ افراد کو قتل کر دیا گیا اور بڑی بے دردی سے گلی میں پھینک دیا گیا۔ جب سے نارمن کے رابرٹ نے حملہ کیا تھا رومی داخلی مناقشات میں الجھے رہے اور اس عرصے میں کسی غیر ملکی قوت نے ان پر حملہ نہ کیا جو خطرناک ثابت ہوتا۔ مگر افتراقات کی وجہ سے بدنظمی پیدا ہو گئی۔ تو ایک مہم جو ہمسایہ

نیپلز کا بادشاہ لیڈس لاؤس جس کی پوپ کبھی حمایت کر دیتا اور کبھی غداری کا مظاہرہ کرتا حملہ کرنے پر تیار ہو گیا جس کے متعلق پوپ نے اعلان کیا تھا کہ وہ کلیسا کا جرنیل ہے جبکہ عوام نے افسرانِ اعلیٰ کا انتخاب اُس کی صوابدید پر چھوڑ دیا تھا۔ اُس نے روم کا محاصرہ کر لیا اور بری اور بحری دونوں راستے بند کر دیے۔ وہ تین دفعہ وحشی فاتحین کی صورت میں شہر کے اندر داخل ہوا قربان گاہوں کی بے حرمتی کی۔ دوشیزاؤں کی عصمت دری کی، تاجروں کو لوٹا، اور سینٹ پیٹر کی خانقاہ پر عقیدت کا اظہار کیا اور سینٹ اینجیلو کے قلعے میں ایک لشکر متعین کر گیا۔ اس کی افواج کبھی کبھی ناکام یا بدقسمت بھی رہتیں اور تین دن کے بعد تو یہ صورت حال کہ اسے اپنی زندگی اور تاج بچانے کے لیے شکریہ ادا کرنا پڑا۔ لیکن بالآخر لیڈس لاؤس فتح یاب ہو گیا۔ اگر وہ قبل از وقت موت کا شکار نہ ہوتا۔ یقیناً شہنشاہِ روم کا خطاب اختیار کر لیتا اور سلطنت کی حکومت سنبھال لیتا۔

میں نے اس افتراق کے حوالے سے کلیسائی تاریخ پر بحث نہیں کی۔ مگر ان آخری کا مقصد روم پر نظر ڈالنا تھا۔ اس لیے اس کے متعدد بادشاہوں اور حکمرانوں کا حوالہ دینا پڑا اور ان کے حالات بھی بیان ہوئے۔ عیسائی دنیا کے امن اور اتحاد کے لیے پہلی تو نصلیں پیرس کی جامعہ کی طرف سے آئیں۔ جہاں پر سوربون کی زیرِ نگرانی ایک شعبہ تھا جس میں کام کرنے والے اساتذہ کی بہت عزت تھی بالخصوص گال کے کلیسا میں انھیں احترام سے دیکھا جاتا تھا کیونکہ یہ فنِ دینیات کے بہت بڑے ماہر تھے۔ یہ ہر قسم اور ہر نوعیت کی وجوہات کی عمدہ تشریح کرتے تھے انھوں نے ان مناقشات کے لیے یہ تجویز پیش کی کہ روم اور ایوگنان کے دونوں دعویدار بیک وقت اپنے ارادے دست برداری کا اعلان کر دیں۔ اس کے بعد دونوں فریقوں کے کارڈینل نئے سرے سے مستحق امیدواروں کا انتخاب کریں۔ اگر کوئی کامیاب امیدوار اپنے علاقے کے مفادات کو قومی مفادات پر ترجیح دے تو تمام ممالک اُس سے اپنی وفاداری واپس لے لیں۔ جب کبھی کوئی آسامی خالی ہو تو کلیسا کے اراکین کو کسی جلد بازی کے اقدام سے گریز کرنا ہوگا۔ اور ہر قسم کی شرارت سے باز رہنا ہوگا۔ مگر مجلسِ خاص کی خاص حکمت عملی اور اس کے اراکین کی تمنائیں استدلال اور نصیحت کی قوت سے کان بند کیے بیٹھے تھے اور جس نوعیت کے وعدے بھی کیے جا چکے ہوں باطل ہوں گے کیونکہ پوپ کسی کارڈینل کے حلف ناموں یا وعدوں کا پابند نہ ہوگا۔ پندرہ سال تک حلیف پوپ یونیورسٹی کی تجاویز کو ٹالتے چلے آئے اور فرانسیسی جماعتیں چارلس ششم کی کم فہمی سے فائدہ اٹھاتی رہیں۔ بالآخر ایک مضبوط مستقل مزاجی پر مبنی تحریک چلائی گئی۔ اسکندریہ کی طرف سے ایک سنجیدہ سفارت روانہ کی گئی جس میں دو اسقفانِ اعظم، پانچ بشپ، پانچ ایبٹ، تین مبارز اور

بیس علما شامل تھے انھیں ایوگنان اور روم کے درباروں میں ارسال کیا گیا تا کہ وہ کلیسا اور بادشاہ کے نام سے یہ درخواست کریں اور دونوں قابضین سے دست برداری کی درخواست کریں۔ ایک پیٹر ڈی لونا تھا، جو اپنے آپ کو بینیڈکٹ سیزدہم (۱۳) کہتا تھا اور دوسرا اینجیلو کورار یو تھا۔ جس نے گریگوری دوازدہم (۱۲) کا خطاب اختیار کر رکھا تھا۔ روم کی قدیم عظمت کی وجہ سے اور وفد کی کامیابی کی بنا پر سفیروں نے شہر کے افسرِ اعلیٰ سے ایک ملاقات کی درخواست کی اور یقین دلایا کہ عیسائی بادشاہوں کی اکثریت یہ نہیں چاہتی کہ پوپ کو ویٹی کن سے باہر منتقل کر دیا جائے۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں پیٹر کی یہی مستقل رہائش کی جگہ رہی ہے اور اُس کے جانشینوں کے لیے بھی یہی مقام سکونت کے لیے موزوں ہے۔ مجلسِ قانون ساز اور عوام کے نام سے ایک رومی نمائندے نے فصیح انداز میں یقین دہانی کرائی کہ وہ عیسائیت کے اتحاد کے لیے ہر طرح کا تعاون کرنے لیے تیار ہیں اور اس پر افسوس کا اظہار کیا کہ طویل اور بار بار پیدا ہونے والے اختلافات کا اظہار کیا۔ اور فرانس سے یہ بھی درخواست کی کہ شاہ نیپلز کی افواج کے مقابلے میں تحفظ کی یقین دہانی کرائے۔ بینیڈکٹ اور گریگوری کے جوابات یکساں تھے وہ وقت ٹالنا چاہتے تھے اور دست برداری کے لیے تیار نہ تھے یہ دونوں سفارت کے جذبات کی روح ہی کے خلاف تھے۔ سابقہ ملاقات میں انھوں نے ان تجاویز سے اتفاق کیا تھا مگر وقت، مقام اور انداز کے متعلق رائے سے کوئی فیصلہ نہ کیا جا سکا۔

گریگوری کے ملازم کا بیان ہے کہ اگر کوئی ایک آگے بڑھتا تو دوسرا واپس ہو جاتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی حیوان ہے جو زمین کی سطح سے خوف زدہ ہے اور دوسرے کا تعلق کسی ایسی مخلوق سے ہے جو پانی سے ڈرتی ہو۔ یہ دونوں عمر رسیدہ اشخاص تھے اور موت کے منہ میں بیٹھے تھے، اس کے باوجود وہ عیسائی دنیا کا امن غارت کر رہے تھے اور اس کی نجات کے لیے کچھ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

بالآخر عیسائی دنیا ان کی ضد کے سامنے تنگ آ گئی۔ وہ ان کے حیلوں کو دھوکا بازی سے تعبیر کرنے لگی۔ ان کے کارڈینل انھیں چھوڑ چکے تھے۔ جو ان کے سفیروں اور قاصدوں کی کثیر تعداد سے عاجز آ چکے تھے۔ اسقفوں کی کونسل نے انصاف کے تقاضوں کے مطابق روم اور آیوگنان کے دونوں پاپایان کو معزول کر دیا۔ نتیجے کے طور پر الیگزانڈر پنجم کو باتفاق رائے پوپ منتخب کر لیا گیا۔ اور خالی نشست اسی انداز میں جان بست و سوم (۲۳) نے پُر کر دی۔ جو بنی نوعِ انسان کا سب سے بڑا عیاش اور اوباش شخص تھا مگر تفرقہ بازی کو بچانے کی بجائے، اٹلی اور فرانس کی جلد بازی کی وجہ سے سینٹ پیٹر کی جانشینی کے لیے ایک تیسرا امیدوار

سامنے آ گیا۔ بزم خاص وار اجتماع عام کی طرف سے اس قسم کے مطالبات سامنے آنے لگے۔ جن میں شدید اختلافات کا مظاہرہ ہونے لگا۔ جرمنی، ہنگری اور نیپلز کے تین بادشاہ، گریگوری دوازدہم (۱۲) کے مقاصد کے ہم نوا تھے اور بینیڈکٹ سیزدہم (۱۳) خود بھی ہسپانوی تھا۔ اس لیے یہ طاقتور قوم اس کی حامی اور عقیدت مند تھی۔ قسطانسے میں ایک اور کونسل منعقد ہوئی جس میں پیسا کے تعجیلی فیصلوں کی اصلاح کی گئی۔ شہنشاہ سجسمونڈ نے رومن کیتھولک کلیسا کے حامی اور محافظ کا زوردار کردار ادا کیا۔ اس کے نتیجے میں کلیسا کے ارکان کی تعداد اور قوت میں اضافہ ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص یورپ کی تمام ریاستوں کا مشترکہ جرنیل تھا۔ تینوں پاپایان میں سے جان بست وسوم (۲۳) سب سے پہلے اس کا شکار ہوا۔ اس نے راہ فرار اختیار کی مگر پکڑا گیا اور اسے واپس لایا گیا اور قید کر لیا گیا۔ اس کے خلاف متعدد ملامت آمیز الزامات تھے جنھیں دبا دیا گیا۔ نائب مسیح پر صرف بحری قزاقی، قتل، زنا بالجبر، اغلام اور زنائے محرماں کے الزامات عائد کیے گئے۔ اس نے خود ان الزامات کی تائید کی اور اپنے آپ کو گناہگار ٹھہرایا۔ اس نے جیل میں ایک مزید حماقت کی اور کہا کہ اسے الپس کے دوسری سمت کسی آزاد جیل میں منتقل کر دیا جائے۔ گریگوری دوازدہم کا حلقۂ اثر کم کر کے ریمنی تک محدود کر دیا گیا۔ مگر اسے تختِ شاہی کی طرف سے مزید مراعات حاصل ہو گئیں۔ اس کے سفیروں نے ایک اور مجلس کا انعقاد کیا جس میں اس کا حسب قانون پوپ ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ بینیڈکٹ سیزدہم کی ضد کو ختم کرنے کے لیے یا اس کا حلقہ اثر کم کرنے کے لیے بادشاہ نے ذاتی طور پر قسطانسے سے پرپگنان کا سفر اختیار کیا۔ قاسطیلی، آراگون، نوارے اور سکاٹ لینڈ کے بادشاہوں نے بھی ایک مساوی اور باوقار معاہدہ کر لیا اور اس طرح ہسپانیوں سے بھی اتحاد ہو گیا۔ کونسل نے بینیڈکٹ کو معزول کر دیا اور یہ مردِ ضعیف ایک قلعے میں تنہا رہ گیا۔ وہ ہر روز دو بار باغی حکومتوں سے مقاطع کا اعلان کرتا جنھوں نے اس کے مقاصد سے غداری کی تھی۔ اس طرح افتراق کے اثرات کسی حد تک ختم ہو گئے قسطانسے میں جو اجتماع ہوا اس سے قبل آہستگی اور احتیاط سے اقدامات کیے گئے تاکہ روم کا بادشاہ اور کلیسا کا سربراہ منتخب کیا جائے۔ اس موقع پر تیئس کارڈینل حضرات پر مشتمل حلقہ انتخاب مضبوط کر دیا گیا اور اُن کے ساتھ تیس نائبین بھی مقرر کر دیے گئے جو پانچ بڑے عیسائی ممالک اطالوی، جرمن، فرانسیسی، ہسپانوی اور انگریز تھے، ہر ملک سے چھ چھ کارڈینل لیے گئے اجنبیوں کی دخل اندازی کے اثرات کو نرم کرنے کے لیے ایک اطالوی اور ایک رومی کو مقابلتاً ترجیح دے دی گئی اور اوتھو کولونا نے اس کے لیے بزم خاص میں شامل ہونے کے لیے سفارش کی۔ رومیوں نے اسے بڑی خوشی سے قبول کیا

اور اس کلیسائی ریاست کے شریف ترین شخص کو یہ اعزاز ملا کر وہ اپنی ریاست کا دفاع کرے۔ مارٹن پنجم کا عہد اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ ویٹی کن میں پوپ کے عہدے کی بحالی اور قیام کی راہ ہموار ہو گئی۔

سکے ضرب کرنا صرف بادشاہوں کا حق رہا ہے۔ مگر رومی مجلس قانون ساز تین سو سال تک اس حق کو استعمال کرتی رہی تھی۔ مارٹن پنجم نے سب سے پہلے اس عمل کو بحال کیا اور پوپ کی طرف سے جاری ہونے والے تمغوں پر اس کی تصویر اور متعلقہ تحریر نقش ہونے لگی۔ اس کے دو جانشینوں میں سے فوراً بعد آنے والا یوجینی اوس چہارم تھا۔ یہ آخری پوپ تھا جسے عوامی شورش کی وجہ سے نکال دیا گیا اور نکولس پنجم آخری پوپ تھا جو ایک رومی شہنشاہ کے برسرِ اقتدار ہونے کے باوجود بھی اپنے عہدے پر قائم رہا۔

ا۔ باسل کے پادریوں کے ساتھ یوجینی اُوس کا جھگڑا پیدا ہو گیا نیز عوام کو شک پیدا ہونے لگا کہ ان پر محصولات کا نیا بوجھ ڈالا جانے لگا ہے۔ اس لیے رومی شہریوں میں یہ جذبہ پیدا ہو گیا کہ شہر کی دنیاوی حکومت پر قبضہ کر لیا جائے وہ ہتھیار لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے جمہوریہ کے سات گورنروں کا انتخاب کر لیا اور شہر کا ایک منتظم بھی چن لیا۔ پوپ کے بھتیجے کو قید کر لیا اور خود اسے محل کے اندر محبوس کر دیا اور جب وہ ٹائبر کے راستے فرار کی کوشش کر رہا تھا تو اُس کے جہاز پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی جبکہ خود اس نے ایک راہب کا بھیس بدل رکھا تھا۔ مگر سینٹ اینجیلو کے قلعے میں ابھی تک اس کا ایک وفادار لشکر موجود تھا جس میں رسالہ کا ایک دستہ بھی شامل تھا۔ اس کے فوجی دستے برق و باراں کی طرح شہر پر ٹوٹ پڑے۔ اُس کی گولہ باری کی وجہ سے پل پر شہر کے راستے کی تمام رکاوٹیں ختم ہو گئیں اور ایک ایک گولی ہی سے جمہوریہ کے تمام بہادر فوجی ڈھیر ہو گئے۔ یہ بغاوت پانچ ماہ تک جاری رہی۔ اس کے بعد ان کا استقلال ختم ہو گیا۔ گیبلن کے شرفا کے جور و ستم کے تحت عقل مند محبِ وطن کلیسائی حکومت کے متعلق تأسف کا اظہار کرنے لگے اور اس پشیمانی میں وہ متحدہ طور پر شریک تھے۔ چنانچہ اس کا اثر بھی ہوا سینٹ پیٹر کے لشکریوں نے اجلاس گاہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ افسران اعلیٰ اپنے گھروں میں واپس چلے گئے۔ جن کا جرم زیادہ تھا انھیں سزائے موت دے دی گئی یا جلاوطن کر دیے گئے اور پوپ کا سفیر دو ہزار پیدل اور چار ہزار سوار لے کر جب شہر میں داخل ہوا تو اسے اسقف شہر کی حیثیت سے سلامی پیش کی گئی۔ فرارا اور فلورنس میں اجتماعات منعقد ہوئے۔ یوجینی اوس نے خوف یا مزاحمت کی وجہ سے اپنی غیر حاضری کو طویل کر دیا۔ اطاعت گزار عوام نے اس کا استقبال کیا مگر پوپ کو اندازہ تھا کہ اُس کے فاتحانہ داخلے کی وجہ سے اُن کی وفاداری اور خود اس کی اپنی حیثیت کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ قدرے تاخیر

سے کام لے۔ اور مشکل محصولات کے نفاذ کو منسوخ کردے۔

۲۔ نکولس پنجم کے دور اقتدار میں روم دوبارہ بحال ہوگیا۔ حالات پسندیدہ صورت اختیار کر گئے اور عوام میں شعور پیدا ہوگیا۔ اس کے ان قابل تعریف حالات میں بھی پوپ کو خطرہ محسوس ہوا کیونکہ آسٹریا کا فریڈرک سوم قریب پہنچ گیا تھا۔ اگرچہ بادشاہی کے امیدوار کی قوت اور حالت ایسی نہ تھی کہ وہ پوپ کے لیے کوئی خطرہ پیدا کر سکتا پھر بھی اُس نے اپنی تمام فوج اجلاس گاہ میں اکٹھی کر لی اور تمام افراد سے تحفظ کے لیے حلفِ وفاداری لیا اور نئے معاہدے کیے۔ پھر اُس نے کلیسا کے وفادار باجگزاروں سے ملاقات کی اور سب سے مسکرا کر ملا۔ مگر وقت اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ آسٹریا کا بادشاہ بھی کمزور اور نحیف تھا کہ اُس کی تاجپوشی کی رسم پورے نظم وضبط اور اتفاق رائے سے ادا کر دی گئی مگر اُسے جو بناوٹی اعزاز بخشا گیا وہ ایک آزاد قوم کے شایانِ شان نہ تھا بلکہ باعثِ تذلیل تھا کہ اس کے بعد اس کا کوئی جانشین اس قدر مشکل سفر کی مشقت برداشت کر کے ویٹی کن نہیں آیا اور اس کے بعد وہ اپنا شاہی خطاب جرمنی کے حلقۂ انتخاب ہی سے حاصل کرنے لگے۔

اُس دور کے ایک شہری نے بڑے فخر اور خوشی سے کہا کہ شاہِ روم ایک عام سلامی کے بعد کارڈینل اور سفیروں کی طرف متوجہ ہوگیا جو اسے شہر کے دروازے پر ملے تھے۔ اراکین مجلس بھی اپنے نمایاں ملبوسات میں مزین وہاں موجود تھے اور اسی الوداعی موقع پر بادشاہ اور پوپ آپس میں گلے ملے اور دوستی کا مظاہرہ کیا۔ روم کے قوانین کے مطابق شہر کے بڑے افسر کے لیے ضروری تھا کہ وہ ماہر قانون ہو اور وہ شہر کا باشندہ نہ ہو بلکہ اس کا گھر سے کم از کم چالیس میل دُور ہو اور شہر کے باشندوں سے اُس کا کوئی تیسرے درجے کا بھی خونی یا ازدواجی رشتہ نہ ہو یا کسی خاندان سے کسی قسم کا اتحاد بھی نہ ہو۔ اس عہدے کے لیے ہر سال انتخاب ہوتا تھا۔ اور جو رکن مجلس سبکدوش ہوتا، اس کے تحفظ کا بہت سخت اہتمام کیا جاتا اور مزید دو سال کی مدت ختم ہونے تک اُسے اس عہدے کے لیے دوبارہ طلب نہ کیا جاتا۔ اس کے اخراجات اور انعام کے طور پر اسے فیاضانہ تنخواہ ادا کی جاتی جو تین ہزار فلورنس تھی اور جب کبھی وہ عوام کے سامنے آتا تو عظیم شان و شوکت کا مظاہرہ کیا جاتا اس کا لباس کمخواب یا کمناری اطلس کا ہوتا، موسم گرما میں باریک ریشم میں ملبوس ہوتا۔ اس کے ہاتھ میں ہاتھی دانت کی چھڑی ہوتی۔ اس کی آمد کا بگل بجا کر اس کا اعلان کیا جاتا۔ اس کے آگے آگے چار آہستہ رو پیش قدم چلتے۔ اُن کے ہاتھوں میں سرخ عصا ہوتے جن پر حلقے بنے ہوتے اور ان کی وردیاں سرخ رنگ کی ہوتیں جو اس شہر کا مشہور نشان تھا۔ اُس کے فرائض میں قانون کا نفاذ، مغرور افراد کو قابو میں رکھنا اور غربا کا تحفظ تھا۔ اور اپنے

تمام حلقۂ اقتدار میں انصاف اور رحم کو بروئے کار لانا شامل تھا۔ ان مفید فرائض کی ادائیگی کے لیے اُس تین عالم اور اجنبی نائبین فراہم کیے جاتے۔ علاوہ ازیں دو محاصل اور ایک جج بھی ہوتا جو اپیلوں کی سماعت کرتا۔ قزاقی، زنا بالجبر اور قتل کے مقدمات کی سماعت بھی کرتا۔ جن میں مروجہ قانون کی سخت پابندی کی جاتی۔ اگر کہیں قوانین میں کمزوری نظر آتی یا بعض انفرادی تنازعات خطرناک صورت اختیار کر جاتے تو باہمی تحفظ کے لیے بھی اتحاد قائم کر لیے جاتے مگر رکن مجلسِ قانون ساز کا دائرہ کار صرف انصاف کے عمل تک محدود تھا۔ اجلاس گاہ، خزانہ، شہر اور ملحقہ علاقوں کی حکومت تین رجعت پسند افسران کے حوالے کر دی جاتی جو سال میں چار مرتبہ تبدیل کیے جاتے۔ بے قاعدہ فوج سال میں ایک دفعہ اپنے سردار کے علم کے نیچے جمع ہوتی۔ ان میں سے ایک لشکری جسے سب سے بہتر خیال کیا جاتا اُسے "مقدم" کے خطاب اور وقار سے نوازا جاتا۔ تمام قانون سازی کا عمل خفیہ کیا جاتا۔ جسے رومی کونسل سرانجام دیتی۔ قانون سازی کی کونسل میں حاکمانِ اعلیٰ، حاضر ملازمت اور اُن کے پیش رو شامل ہوتے۔ مالیات اور قانون کے محکموں کے افسران کی ایک تعداد ان میں شامل کر لی جاتی۔ اس سلسلے میں تین مجالس ترتیب دی جاتیں۔ ایک میں تیرہ ارکان ہوتے، دوسری میں چھبیس اور تیسری میں چالیس مشیر شامل ہوتے۔ ان کی مجموعی تعداد کسی صورت میں بھی ایک سو بیس افراد سے زائد نہ ہوتی۔ مشترکہ کونسل میں ہر بالغ مرد شہری کو حق رائے دہی حاصل تھا۔ اس سے ان کی قدر قیمت میں اضافہ ہو جاتا کیونکہ کسی اجنبی کو یہ حق حاصل نہ ہوتا کہ رومیوں کے مخصوص خطابات یا کردار کو غصب کر سکتا۔ جمہوریت کی وجہ سے جو شور و غوغا ہوتا اسے نہایت احتیاط اور عقل مندی سے فرو کر دیا جاتا۔ ماسوائے حاکمانِ اعلیٰ کے کسی شخص کو سوال اُٹھانے کی اجازت نہ ہوتی۔ کسی کو بولنے کی اجازت نہ ہوتی۔ صرف اجلاسِ عام یا معدلہ ہی میں تقریر کی جا سکتی۔ تمام غیر منظم مجالس کو ختم کر دیا جاتا۔ کثرتِ رائے کا اندازہ کرنے کے لیے خفیہ رائے دہی پر عمل کیا جاتا۔ وہ جو فیصلے بھی کرتے انھیں مجلس قانون ساز کے نام سے جاری کیا جاتا اس لیے انھیں احترام حاصل ہو جاتا۔ بعض اوقات انھیں عوام الناس کا فیصلہ بھی قرار دیا جاتا اس عہد کا تعین آسان نہیں جس میں کہ ان نظریات کو صحیح معانی میں عملی طور پر مستقلاً زیرِ عمل لایا گیا ہو کیونکہ نظم وضبط کی پابندی کے ساتھ ساتھ عمل انحطاط بھی شروع ہوگیا تھا اور آزادی ختم ہوتی جا رہی تھی مگر پندرہ سو اسی عیسوی سال میں قدیم دساتیر کو جمع کیا گیا تھا اور انھیں تین جلدوں میں مرتب کیا گیا اور انھیں دورِ حاضر میں قابلِ استعمال صورت دی گئی۔ اسے پادریوں کی کونسل سے منظور کرا کے گریگوری سیزدہم سے بھی توثیق حاصل کر لی گئی۔ ان میں دیوانی اور فوجداری قوانین ہی اس شہر میں

بطور جدید قوانین زیرِ عمل ہیں۔ ایسی صورت میں جبکہ منتخب مجالسِ قانون ساز کو منسوخ کر دیا گیا ہو پھر بھی ایک اجنبی غیر ملکی تین قدامت پسندوں کے ساتھ اجلاس گاہ میں موجود رہتا ہے اور شاہی محل میں قیام کرتا ہے پوپ بھی قیصران کی حکمت عملی پر ہی عمل کرتے ہیں اور روم کے بشپ کوشش کرتے ہیں مگر جب مذکورہ پوپ خود برسرِ اقتدار تھا تو تمام مذہبی اور دنیاوی اختیار خود اس کی اپنی ذات میں مجتمع تھے اور وہ روحانی اور مادی دونوں حالتوں میں بادشاہ تھا۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ غیر معمولی کردار کے لیے موزوں وقت درکار ہوتا ہے کرامویل یا ریزی کی دانش مندی آج کل ناکام ہو کر ختم ہو جائے گی۔ ریزی کا سیاسی جوش دورِ حاضر میں کالعدم قرار دیا جا سکتا ہے، ممکن ہے کہ اُسے تخت پر بھی بٹھا دیا جائے۔ اس سے ایک صدی بعد ایک شخص نے اس کی نقل کرنے کی کوشش کی تو اسے پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ سٹیفن پورکارو کی ولادت شریف خاندان میں ہوئی۔ اس کی شہرت بے داغ تھی۔ اس کی زبان کو فصاحت کا اسلحہ حاصل تھا، اس کا ذہن روشن تھا۔ وہ علم کے نور سے منور تھا مگر اُس کی خواہشات بے ہودگی کی حد بھی پار کر چکی تھیں۔ وہ اپنے ملک میں اپنے نام کو غیر فانی بنانا چاہتا تھا۔ پجاریوں کی حکومت آزادی کے سخت مخالف ہوتی ہے اب تو علم نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ قسطنطین کے عہد کی تمام داستانیں اور حقائق واضح ہو کر سامنے آ گئے ہیں اور اُس عطا کی بھی وضاحت ہو گئی ہے پیٹرارک کو تو اب اٹلی کا ایک معجزہ سمجھا جاتا ہے۔ جب پورقارو غزل سرائی کر رہا تھا انھیں ایام میں ایک ہیرو اور محبِ وطن کو روم میں موت کے منہ سے بچا لیا گیا۔ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ اُسے پیغامبرانہ مکاشفات ہوتے ہیں مگر وہ ایک مسخرہ تھا۔ اس کے مقبولِ عام احساسات کا پہلا جائزہ یوجینی اوس چہارم کے جنازے پر لیا گیا۔ اس نے ایک مفصل تقریر کی۔ اُس نے رومیوں کی آزادی اور اسلحہ کا مطالبہ کیا۔ بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کی تقریر سن کر خوش ہو رہے ہیں۔ پھر کسی نے پورقارو کے سلسلۂ کلام میں دخل اندازی کی۔ ایک بہادر اور سنجیدہ وکیل اس کا جواب دینے لگا۔ اُس نے کلیسا اور ریاست کے حق میں مطالبات پیش کیے۔ ہر قانون کے مطابق سازشی مقرر مجرم ثابت ہوتا تھا اور اُس پر بغاوت کا الزام عائد کیا جا سکتا تھا۔ مگر نئے پوپ کی مہربانی سے بچ گیا اور اس کا احترام بھی قائم رہا۔ اُس نے اپنے معزز اور محترم مقام کے باوجود اسے اپنا دوست بنانے کی کوشش کی۔ مگر بے لچک رومی انا گنی سے واپس چلا گیا۔ اب اس کے جوش اور احترام میں اضافہ ہو چکا تھا۔ جب اسے پہلا موقع ملا تو نوانہ کے مقام پر کھیلوں کا انعقاد ہو رہا تھا۔ وہاں کسی لڑکے کا ایک مستری سے جھگڑا ہو رہا تھا، اس نے اس تنازع کو عوام کی

طرف سے آواز بلند کرنے کے ہنگام کا نام دے دیا۔ اس کے باوجود انسانیت نواز نکولس اس پر رضامند نہ تھا کہ اس کی زندگی ختم کر دی جائے۔ اس باغی کو مذکورہ مقام سے ہٹا کر بولوگنا کے مقام پر پہنچا دیا گیا۔ اُس کے اخراجات کے لیے ایک فیاضانہ وظیفہ بھی مقرر کر دیا گیا۔ اس پر یہ پابندی عائد کر دی گئی کہ یہ ہر روز ایک بار شہر کے گورنر کے سامنے پیش ہوا کرے۔ پورقارو نے چھوٹے بروٹس سے یہ سن رکھا تھا کہ ظالموں کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہیں کرنی چاہیے۔ جلاوطنی بھی ایک بلا جواز فیصلہ تھا اس غرض سے ایک جماعت بنائی گئی اور سازش بھی تیار کر لی گئی اس کا بھتیجا ایک دلیر نوجوان تھا۔ اس نے رضاکاروں کا ایک دستہ تیار کر لیا گیا اور مقررہ وقت پر اُس نے اپنے گھر میں ایک دعوت کا انتظام کیا۔ اس میں جمہوریہ کے حامیوں کو دعوت دی گئی۔ ان کا دوست جو بولوگنا سے فرار ہو کر آیا تھا، وہ بھی ان میں شامل تھا۔ اُس نے کمخواب اور زربفت کا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے انداز و اطوار سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اُسے موت اور زندگی کی پروا نہیں۔ مگر وہ اپنے شاندار مقاصد کی تکمیل کا خواہش مند ہے۔ اس نے اپنی تقریر پہلے سے تیار کر رکھی تھی اس نے اپنی مہم جوئی کے ذرائع اور مقاصد بیان کیے وہ روم کے نام اور آزادی کے لیے جنگ کرنا چاہتا تھا۔

وہ اپنے کلیسائی فرمانروا کے مظالم اور استبداد کے خلاف جنگ لڑنا چاہتا تھا وہ اس میں اپنے دوستوں کی فعال یا انفعالی مدد کا خواست گار تھا۔ تین سو سپاہی اور چار سو مفرور طویل عرصے سے جنگ آزمائی یا جرائم میں مصروف تھے وہ اپنی تلواروں کی نوک سے اپنا انتقام لینا چاہتے تھے (اُس نے کہا) کہ یہ آسان ہو گا کہ دوسرے دن جبکہ ظہورِ تجلی کا تہوار ہے پوپ اور اُس کے کارڈینل حضرات کو دروازے پر یا قربان کے قریب قابو کر لیا جائے جبکہ وہ سینٹ پیٹر کی خانقاہ میں داخل ہوں۔ اس کے بعد انھیں زنجیریں پہنا کر سینٹ انجیلو کی دیواروں کے اندر لے جایا جائے اور انھیں فوری موت کی دھمکی دے کر قلعے پر تسلط حاصل کر لیا جائے اور پھر خالی اجلاس گاہ پر قبضہ کر لیا جائے۔ اُس کے بعد خطرے کی گھنٹی بجا دی جائے اور قدیم روم کی مقبولِ عام اجلاس کو بحال کرا لیا جائے۔ جب اسے فتح حاصل ہوئی اُس سے قبل ہی اس کے ساتھ غداری ہو چکی تھی۔ ایک رکنِ مجلس نے مضبوط دفاعی دستے کے ساتھ اس کے گھر پر حملہ کر دیا۔ پروقارو کے بھتیجے نے عوام کے اجتماع میں سے اپنے لیے راستہ بنایا بلکہ بدقسمت سٹیفن کو سینے پر کاری زخم آ چکا تھا۔ اُس کے دشمن اس کی منصوبہ بندی پر اس کے عمل کا تین گھنٹوں سے انتظار کر رہے تھے۔ اس بغاوت اور جرائم کے تکرار پر نکولس کا رحم بھی خاموش رہ گیا۔ پورقارو اور اُس کے نو ساتھی پھانسی پر لٹکا دیے گئے۔ انھیں آخری استغفار کا موقع بھی فراہم نہ کیا گیا۔ اب رومیوں کو

پوپ کا دربار کا کوئی خوف باقی نہ رہا تھا اس لیے انھوں نے اپنے وطن کے شہیدوں کو سلام پیش کیا۔ مگر ان کا جوش بہت مدھم تھا۔ ان کا رحم غیر مؤثر رہا۔ ان کی آزادی ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکی تھی۔ اس کے بعد وہ کبھی شاہی تاج کی آسامی کو پُر کرنے کے لیے تو ضرور اُٹھے ہوں گے یا انھوں نے روٹی کی کمی کی شکایت بھی کی ہوگی۔ ایسے ہنگامے تو غلاموں کے معاشرے میں اکثر ہوتے رہتے ہیں۔

شرفا اگرچہ سخت اختلافات کا شکار تھے مگر اُن کی آزادی قائم تھی اور اسی وجہ سے عوام بھی آزاد تھے۔ جس کے لیے اتحاد باہم ناگزیر تھا۔ روم کے جاگیرداروں نے ظلم و ستم اور لالچ کا دستور بڑی مدت سے رائج کر رکھا تھا۔ اُن کے گھر قلعہ نما تھے اور پناہ گاہوں کا کام دیتے تھے۔ ان کے پاس خونخوار مجرموں کے وحشی دستے تھے جو ان کی حفاظت میں رہتے تھے وہ اپنی تلوار اور خنجر کو ان کی مرضی کے مطابق استعمال کر کے ان کی تحفظ کی قیمت ادا کرتے تھے۔ خود پوپ حضرات یا اُن کے بھتیجوں کا ذاتی مفاد ہوتا وہ بھی ان افراد کو اپنے ذاتی مفاد میں استعمال کر لیتے۔ سکس طوس چہارم کے دورِ حکومت میں مخالف خاندانوں کے مابین جنگوں اور محاصروں کی وجہ سے روم سراسیمہ ہو چکا تھا۔ جب اس کے گھر کو آگ لگا دی گئی تو مرکزی حیثیت کے مالک قولونا پر تشدد کیا گیا اور پھر اُس کا سر قلم کر دیا گیا۔ اور اس کے دوست سیویلی کو بھی موقع پر ہی ہلاک کر دیا گیا۔ کیونکہ وہ فاتح آرسینی کے جشن میں اُن کے ساتھ شریک نہیں ہوا تھا۔ مگر پوپ ویٹی کن میں مطمئن اور بے خوف بیٹھے رہے۔ اُن میں اتنی قوت تھی کہ اپنا حکم چلا سکیں۔ اگر وہ کسی مطالبے کو پیش کرنے کا ارادہ کر لیتے تو اُن کی رعایا اُن کے حکم کی تعمیل کرتی۔ اور اجنبی جو اس جزوی عدم تنظیم کو باہر بیٹھ کر دیکھتے رہتے۔ وہ اس کلیسائی ریاست کے محصولات کو بآسانی وصول کرنے اور دانشمندانہ نظم و نسق کی تعریف کرتے۔

ویٹی کن کی روحانی گھن گرج کا انحصار نقطۂ نظر کی قوت پر تھا اور اگر اس نقطۂ نظر کو استدلال یا حوصلے سے نافذ کیا جائے تو اس سے پیدا ہونے والی آواز فضا ہی میں گم ہو کر رہ جاتی تو پھر غیر منتشر پجاریوں پر شہر کے شرفا یا دیہاتی دشمن گروہ ظلم کے پہاڑ توڑ دیتے۔ مگر ان کی ایوگنان سے واپسی کے بعد سینٹ پیٹر کی درگاہ کی چابیاں ان کے قبضے میں تھیں قانون کا استعمال ایک مضبوط ہتھیار ہے۔ اس سے عوام کی بغاوت کو بآسانی دبایا جاسکتا ہے۔ پوپ نے اپنی فوج بھرتی کر لی تھی جس میں پیدل اور رسالے لشکر شامل تھے یہ پوپ کے زیرِ علم کام کرتے تھے اس کے محصولات کی مقدار خاصی تھی اور جنگ کی ضروریات کو بآسانی پورا کیا جاسکتا تھا اور اس کی مملکت اتنی وسیع تھی کہ یہ اپنے خلاف باغیوں کی سرکوبی کے لیے ہمسایہ وفادار علاقوں سے ضرورت کے مطابق

فوج جمع کر سکتا تھا۔ جب سے فرارا اور اُربینو کی جاگیروں میں اتحاد قائم ہوا تھا تو کلیسائی حکومت کا رقبہ بحیرہ روم سے لے کر ایڈریاٹک تک اور نیپلز کی سرحدوں سے لے کر پو (Po) تک بڑھ گیا تھا۔ سولھویں صدی کی ابتدا تک زرخیز اور وسیع حصہ جس پر قانون کی حکمرانی ممکن تھی پوپ کی عملداری تسلیم کرتا تھا۔ پاپایان روم مذہبی اقتدار کے علاوہ دنیاوی اقتدار کے بھی مالک تھے۔ اُن کے مطالبات کی بنیاد ان صحیح یا غلط روایات پر قائم تھی کہ دورِ ظلمات میں یہ تمام علاقے اُن کے نام پر وقف کر دیے گئے تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے جو اقدامات بتدریج عمل میں لائے اگر ہم اس بحث میں پڑ جائیں گے تو ہم اٹلی کے معاملات میں تادیر اُلجھے رہیں گے۔ بلکہ ہمیں تمام یورپ کی تاریخ میں اُلجھنا پڑے گا۔ الیگزانڈر ششم کے جرائم جولین دوم کے معرکے، اور لیو دہم کی آزاد حکمت عملی، ایسے موضوعات ہیں جو اس دور کے شریف ترین مؤرخین کے قلم کی کاوش سے محفوظ ہو چکے ہیں۔ اپنے پہلے دورِ فتوحات میں جو چارلس ہشتم کے عہد تک جاری رہا، پوپ اپنے ہمسایہ ممالک اور ریاستوں سے کامیابی سے نبرد آزما رہے ان کی فوجی قوت ممکن ہے کہ ان کے مساوی ہو یا ان سے کمتر ہو مگر جونہی فرانس، جرمنی اور ہسپانیہ کے بادشاہ ان کے مقابلے میں آ گئے اور انھوں نے اٹلی پر قبضے کے لیے اپنا وسیع اسلحہ استعمال کرنا شروع کر دیا تو انھیں ایسا ہنر استعمال کرنا پڑا جو کمی اور دباؤ کے اثرات کو برداشت کر سکے اور اس کمزوری کو چھپانے کے لیے جنگوں اور معاہدوں کا پیچیدہ جال بچھا دیا۔ ان کی تمنا تو یہ تھی کہ ان نیم مہذب اقوام کو کوہ الپس کی دوسری سمت دھکیل دیا جائے مگر ویٹی کن کا یہ عمدہ توازن شمال اور مغرب کے سپاہی اکثر خراب کر دیتے جو چارلس پنجم کے زیرِ علم متحد ہو چکے تھے۔ کلیمنٹ ہفتم کی حکمت عملی کمزور اور متزلزل تھی۔ اُسے فاتحین کے سامنے عریاں کر دیتی۔ اس کے نتیجے میں روم سات ماہ تک ایک غیر قانونی فوج کا دست نگر رہا جو گوتھوں اور وینڈالوں سے بھی زیادہ لالچی تھی۔ اس مشکل سبق سیکھنے کے بعد پوپ نے اپنی تمنا پوری کرنے کی کوشش کی اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوا یا کم از کم مطمئن ہو گیا۔ اس نے اپنے آپ کو مشترکہ باپ کے کردار میں پیش کیا اور تمام جارحانہ عناد کو ترک کر دیا۔ اُسے جلد بازی میں صرف ایک جھگڑا کرنا پڑا، جبکہ نائب مسیح اور ترکوں کی افواج بیک وقت شاہ نیپلز کے خلاف نبرد آزما تھیں بالآخر فرانسیسی اور جرمن میدان جنگ سے واپس چلے گئے۔ میلان، نیپلز، صقلیہ، سردینیا اور ٹسکنی کا سمندری ساحل، ہسپانیہ نے مستحکم طور پر اپنے قبضے میں لے لیے۔ اب یہ اُن کی دلچسپی اسی میں تھی کہ اٹلی میں امن قائم رہے اور پوپ پر عوام کا انحصار موجود رہے اور صورت حال سولھویں صدی کے وسط سے لے کر اٹھارھویں صدی کی ابتدا تک قائم رہی۔

کیتھولک بادشاہوں کی مذہبی حکمت عملی کی وجہ سے پوپ کو اُن پر حکمرانی حاصل ہوگئی۔ اس کی عصبیت اور مفادات نے اسے ہر جگہ ناکام بنادیا۔ ہر جھگڑا یہ ظاہر کرتا کہ بادشاہ اپنی عوام کے خلاف نبرد آزما ہے اور پوپ ہمیشہ عوام کے خلاف اور بادشاہ کا ساتھی ہوتا۔ جب کبھی وہ اس سے مدد یا پناہ کی درخواست کرتے تو یہ ان کی حوصلہ افزائی کی بجائے ہمسایہ ریاستوں کی حمایت کرتا اور آزادی کے متوالے جو بالعموم قانون کے نفاذ کے خلاف ہوتے۔ تمام اطراف مطلق العنانیت کے فولادی دائرے کے اندر سمٹ آئے۔ انھیں غلامی کی طویل عادت تھی اور ان کی تعلیم بھی اس عمل کی حوصلہ افزائی کرتی تھی جس کی بدولت رومی شرفا اور عوام پر قابو پانا ممکن رہا۔ جاگیردار اسلحے کا استعمال آباؤ اجداد کی گروہ بندیوں کو فراموش کر چکے تھے اور اس لیے عیش و عشرت کے دلدادہ اور حکومت کے غلام بن گئے۔ مزارعوں اور حمایتیوں کی جماعتیں جمع کرنے کی بجائے انھوں نے اپنی آمدنی کو اپنے نجی اخراجات پورے کرنے پر صرف کرنا شروع کردیا۔ اب اراضی کے مالکان کی قوت بہت کم رہ گئی۔ قولونا اور آرسینی میں محلات اور گرجا گھروں کی آرائش کا مقابلہ باقی رہ گیا۔ ان کی امارت کی قدیم روایات پر پاپایان کے خاندانوں نے برتری حاصل کرلی۔ روم میں آزادی اور اختلافات کی آواز مزید سنائی نہ دیتی تھی۔ اب سیلابی نالے گھن گرج سے بہنے بند ہوگئے تھے۔ اس کی جگہ ایک ساکن اور کھڑے پانی کی جھیل نے لے لی تھی۔ اس سے غلامانہ کاہلی کی تصویر ابھر کر سامنے آجاتی تھی۔

ایک مذہبی رہنما کی دنیاوی حکومت کے نظام کے متعلق ایک عیسائی، ایک فلسفی یا محب وطن یکساں طور پر شرمندگی محسوس کرے گا۔ یہی صورت روم کی مقامی شان و شوکت کی ہے۔ جب اُن کے قونصلوں اور فتوحات کا تذکرہ کیا جائے یا انھیں یاد کیا جائے تو مزاج میں کڑواہٹ پیدا ہوتی ہے اور غلامی پر شرمندگی میں اضافہ ہونے لگتا ہے اگر ہم کلیسائی حکومت کی خوبیوں اور نقصانات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو ہمیں موجودہ حالت میں اس کی نرم مزاجی، عمدگی اور پرسکون نظام کی تعریف کرنی پڑتی ہے۔ فی الحال اُس خطرناک اقلیت کو نظرانداز بھی کردیں تو نوجوانوں کے حملے، عیش و عشرت پر اخراجات اور جنگ کے مصائب اپنی جگہ پر موجود رہیں گے۔ مگر مفادات کا توازن کسی صورت بھی برقرار نہیں رہتا، بادشاہ اور حکمرانوں کے لیے بار بار انتخابات منعقد کرائے جاتے ہیں اور حکمران شاذ ہی ان کے اپنے ملک کا باشندہ ہوتا تھا، کم از کم عمر کا ایک مدبر بھی ساٹھ سال کی عمر میں حکمران بنا۔ اس کی قوت ختم ہو چکی تھی اُسے کسی کامیابی کی اُمید نہ تھی، اس کی کوئی اولاد نہ تھی جو اس کا وارث ہو سکتی تو وہ اس عبوری دورِ حکومت میں کسی کے لیے محنت کرتا۔ کامیاب اُمیدوار ہمیشہ کلیسا سے لیا

جاتا تھا اور کبھی کبھی راہبوں کی رہائش گاہ سے آجاتا۔ جہاں تک تعلیم اور استدلال کا تعلق ہے یہ لوگ ہمیشہ اس کے مخالف ہوتے۔ انسانیت نوازی اور آزادی کا انھیں کوئی تصور نہیں ہوتا۔ عقیدے کی رکاوٹوں اور پابندیوں میں وہ نہ تو جدید سائنس کے نظریات قبول کرسکتا ہے اور نہ اُس کی نظر میں استدلال کی کوئی اہمیت باقی رہتی ہے وہ روایات کے مقابلے میں کسی معقولیت کو قبول نہیں کرسکتا۔ وہ غلطی پر سزا دینے کو جرم سمجھتا ہے۔ وہ دوسروں کے جذبات کو ٹھیس لگانے کو قابلِ انعام سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک تجرد زندگی کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ اُس نے ہر موسم، ماہ اور تاریخ کے تقویم کے مطابق ولی بنا رکھے ہیں اور اُن کا مقام رومی بہادروں اور یونانی بزرگوں سے بھی اوپر متعین کر رکھا ہے اور صلیب کو وہ ہل یا کھڈی سے زیادہ مفید سمجھتا ہے۔ پاپائی سفیر کا عہدہ یا کارڈینل کا مقام ایسا ہے کہ اسے دنیا کے متعلق کوئی آشنائی ہو جائے۔ مگر قدامت پرستی اُن کے اذہان اور اطوار پر ہمیشہ غالب رہے گی۔ مگر مُلا پرستی کا فنکار کسی حد تک منافقت کا سہارا لے اور کسی صورت میں بھی تعصب سے آزاد نہ ہو سکے گا۔ سکس طوس پنجم کی ذہانت فرانسسکی گمنام صومعہ سے رعد کی طرح پھٹ پڑی۔ اپنے پانچ سالہ دورِ حکومت میں اس نے مغروروں اور راہزنوں کا خاتمہ کردیا۔ قابلِ نفرت پناہ گاہوں کو منسوخ کردیا۔ بحری اور بری فوج قائم کردی اور آثارِ قدیمہ کی نقل کرنے کی کوشش کی اور سینٹ انجیلو کے قلعے کے تاج بحال کردیے۔ مگر اس کے انصاف پر ظلم و ستم کے داغ نمایاں تھے۔ اس کی تمام فعالیت کے پس منظر میں اس کی فتوحات کی تمنائیں کارفرما تھیں۔ ان کا خزانہ عیاشی کا شکار ہو چکا تھا۔ محاصلات کا بہت بڑا حصہ اس کے اخراجات کی نذر ہو جاتا۔ مگر رعایا پر محصولات کا بہت زیادہ بوجھ ڈالا گیا اور فضول خرچی کے باوجود سینٹ انجیلو کے قلعے میں لاکھوں کراؤن بچ گئے۔ اس کی موت کے بعد مفادات کے غلط حصول کا عمل جاری ہو گیا۔ خزانہ خالی کردیا گیا اور نئی نسلوں پر پینتیس نئے محصول عائد کردیے گئے اور شکر گزار یا مضرت رسیدہ عوام نے اس کا بت گرادیا۔ سکس طوس پنجم کا کردار وحشیانہ اور انوکھا تھا۔ پوپ حکمرانوں کے سلسلے میں یہ سب سے علیحدہ کھڑا نظر آتا ہے۔ ان کی دنیاوی حکومت کے اثرات معلوم کرنے کے لیے فلسفیوں کے موازنے کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے زراعت، تجارت اور آبادی کے اعداد و شمار پیش کیے ہیں۔ مگر میری خواہش تو یہی ہے کہ تمام نوعِ انسان کو اپنے ہمراہ لے کر ان سے الگ ہو جاؤں۔ ان آخری لمحات میں، میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ پاپایانِ روم اور اُن کے معاون پادریوں کی دل آزاری کروں۔

☆☆☆

(۷۱)

پندرھویں صدی میں روم کی تباہی کے امکانات — روم کی تباہی اور بربادی کے چار اسباب — قولی سی اُوم کی مثال — رُومیوں کی جہالت اور وحشیانہ پن — شہر کی تجدید — تمام عمل کا نتیجہ۔

پندرھویں صدی میں روم کی تباہی کے امکانات — روم کی تباہی اور بربادی کے چار اسباب — قولی سی اُوم کی مثال — رُومیوں کی جہالت اور وحشیانہ پن — شہر کی تجدید — تمام عمل کا نتیجہ۔

پوپ یوجینی اوس چہارم کے آخری ایام میں، اُس کے دو ملازم فاضل، پوگی اُوس اور اُس کا ایک دوست، اجلاس گاہ کی پہاڑی پر چڑھے اور ستونوں اور مندروں کے کھنڈرات میں داخل ہو گئے اور ایسے مقام سے جہاں سے کہ تمام شہر نظر آ رہا تھا۔ انھوں نے محسوس کیا کہ ویرانی کے وسیع اور متعدد امکانات نظر آ رہے ہیں۔ یہ مقام اور نظارہ مقدر کے نشیب و فراز کے متعلق سبق حاصل کرنے کے لیے متعدد مواقع فراہم کر رہا ہے۔ نظامِ فطرت نہ تو انسان کو اور نہ ہی اُس کی صناعی کو بخشتا ہے۔ بلکہ سلطنتیں اور شہر ایک مشترکہ قبر میں دفن ہو جاتے ہیں۔ اس پر سب متفق تھے کہ روم کے ماضی کی شان و شوکت کے مقابلے میں جو زوال اب اس کو درپیش تھا، وہ ماضی کی تباہی کے مقابلے میں زیادہ بھیانک اور افسوسناک تھا۔ اس کی دورِ قدیم کی کیفیت، جبکہ ایوانڈر نے ٹرائے کے اجنبی کا خیر مقدم کیا تھا، ورجل کے تخیل کو جلا بخشتی تھی۔ طارپی چٹان اُس دور میں ایک ویران مقام تھا جو کہ تنہا اور وحشیانہ جھاڑیوں کے ایک سلسلے پر مشتمل تھا۔ مذکورہ شاعر کے دور میں یہ ایک مندر تھا جس کی چھت سنہرے پتھروں سے تعمیر کی گئی تھی۔ اب وہ مندر گر چکا ہے۔ سونا قزاق لوٹ کر لے گئے تھے۔ قسمت کے چکر نے انقلاب کا عمل مکمل کر لیا ہے۔ مقدس میدان کی صورت دوبارہ بگڑ گئی ہے۔ کانٹے اور جھاڑ جھنکار نظر آ رہے ہیں۔ اجلاس گاہ کی پہاڑی جس پر ہم سب بیٹھے ہیں کسی وقت یہ رومی سلطنت کا مرکزی مقام یا سر تھا۔ ان کا مٹی سے تعمیر کردہ قلعہ شاہانِ عالم کے لیے خوف کا باعث تھا۔ اس پر متعدد فتوحات کے قدموں کے نشانات موجود تھے۔ متعدد قوموں سے مالِ غنیمت اور خراج وصول کیا جاتا تھا۔ دُنیا کا یہ نظارہ کس طرح زوال کا شکار ہوا اور کس طرح تبدیل ہو گیا۔ اور کس طرح صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ فتح و ظفر کا راستہ شراب نوشی اور اراکینِ مجلس قانون ساز کی کرسیوں کی وجہ سے ختم ہو گیا اور گوبر کے ڈھیر کے نیچے دب گیا۔ اپنی نگاہیں پلاطین کی پہاڑیوں کی طرف منتقل کرو۔ اور اُن کے بے شکل اور بے شمار ٹیلوں کی صورت کا مشاہدہ کرو، بڑے

بڑے بُت سنگ مرمر سے بنے ہوئے تھیٹر، مجسمے، نیرو کے محلات کی غلام گردشیں وغیرہ۔ ان کے علاوہ دوسری پہاڑیوں کا بھی مشاہدہ کریں۔ خالی ہموار میدانوں میں صرف کھنڈرات ہی رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں۔ کہیں کہیں باغات کے نشانات بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ رومی آبادی کی مجالس اور چوک جہاں وہ اپنے لیے قانون سازی کی غرض سے جمع ہوتے تھے اور افسرانِ اعلیٰ کا انتخاب کرتے تھے۔ موجودہ دور میں یا تو اس میں پالک کاشت کی جاتی ہے یا اس میں سؤر اور بھینسیں چرتی رہتی ہیں۔ سرکاری یا نجی عمارتیں، جن کی بنیاد اس لیے رکھی گئی تھی کہ یہ ہمیشہ کے لیے قائم رہیں گی۔ اب زمین بوس ہوچکی ہیں یا ان کی چھتیں غائب ہوچکی ہیں، یا ٹوٹ پھوٹ چکی ہیں۔ گرے ہوئے مینار دیوؤں اور جنوں کے بازو یا ٹانگیں معلوم ہوتی ہیں۔ انھیں آثارِ قدیمہ کہا جاتا ہے اور یہ اس لیے موجود ہیں کہ ہمیں وقت اور مقدر کی ضربات کا حال بتاتے رہیں۔

یوگی اُوس نے ان آثار کا حال بڑی تفصیل سے بتایا ہے۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے ان روایتی آثار کا مطالعہ کیا۔ اُس نے کلاسیکی اوہام پرستی سے باہر نکل کر ان کا سائنسی اُصولوں کے تحت مطالعہ کیا۔

۱۔ پُل کے علاوہ ایک محراب ایک مزار، اور قسطی اُوس کے مخروطی مینار ہیں۔ ان سے جمہوریہ کی قدامت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ محرابی چھتوں یا گنبدوں کی ایک دُہری قطار ہے۔ ان میں اجلاس گاہ کے محکمۂ نمک کے دفاتر تھے۔ ان پر قاطولوس کا نام اور فیاضی کا ذکر کھدا ہوا ہے۔

۲۔ گیارہ مندر تقریباً اُن کی مکمل شکل وصورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا تعلق ہمہ دیوتاؤں اور دیویوں کی عبادت سے ہے تین محرابیں اور ایک ستون امن کے مندر کا بھی پایا جاتا ہے۔ یہ ویسپاسیئن نے خانہ جنگی کے بعد تعمیر کرایا تھا، جس میں یہودیوں کو فتح حاصل ہوگئی تھی۔

۳۔ ان میں عوامی حمام موجود ہیں۔ جلد بازی میں اس نے ان کی تعداد سات بتائی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اپنی اصل حالت میں موجود نہیں اور انھیں ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ کرکے ان کی حد بندی بھی نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ سات کی تعداد ہی میں تھے۔ مگر وہ حمام جن کا تعلق ڈائیوکلیطیان اور کاراکلا کے عہد سے ہے۔ اُن میں ان کے بانیوں کے ناموں کے نشانات ابھی تک موجود ہیں۔ جن کو دیکھ کو نظارہ کرنے والے حیران رہ جاتے ہیں۔ ان کی مضبوطی، وسعت، سنگ مرمر کی مختلف اقسام، ستونوں کی تعداد اور حجم وغیرہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی تعمیر پر کتنا خرچ ہوا ہے اور کتنی محنت صرف ہوئی ہے۔ قسطنطین، الیگزانڈر اور ڈومیشین یا طائی طوس کے ادوار میں تعمیر کردہ حماموں کے اب صرف نشانات باقی رہ

گئے ہیں جو دیکھے جاسکتے ہیں۔

۴۔ طائی طوس، سیوے روس اور قسطنطین کی محرابوں کے آثار صحیح حالت میں موجود ہیں۔ عمارتیں بھی قائم ہیں اور اُن پر کھدی ہوئی عبارتیں بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ یہ فلیمینی شاہراہ پر واقع ہیں۔ یہ فاوسٹینا اور گیلی نوس کے ادوار کے گھٹیا نمونے ہیں۔

۵۔ قولی سی ادم کے عجوبے کے بعد یوگی اُوس، ایک گول تماشا گاہ کو نظر انداز کرگیا ہے، اسے غالباً محافظین کے پڑاؤ کی غرض سے استعمال کیا جاتا تھا۔ مارسیلوس کا تھیٹر اور اسی نوعیت کی پومپی کی عمارات اسی میدان میں واقع تھیں جہاں متعدد عوامی، نجی اور سرکاری عمارات بھی تعمیر کی گئی تھیں۔ اگونالیس اور میکسی موس کے تھیٹروں کی نوعیت ایسی ہے کہ ان پر زیادہ تحقیق نہیں کی جاسکتی۔

۶۔ ٹروجن اور انطونی کے ستون ابھی تک ایستادہ ہیں۔ مگر مصری نشاناتِ حواشی یا تو ختم ہوگئے ہیں یا زمین میں دفن ہوگئے ہیں۔ دیوتاؤں اور ہیرو قسم کے افراد کی اطاعت کرنے والی مخلوق، فن کے ایسے نادر نمونے تخلیق کرتی تھی، کہ ان کی کہیں اور مثال نہیں ملتی۔ ان کی تخلیق ایک شاہسوار کا مجسمہ ہے جو کانسی اور پیتل سے بنایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ پانچ بُت سنگ مرمر سے تراشے گئے ہیں، ان میں سے دو گھوڑوں کے مجسمے نہایت اہم تھے جن میں سے ایک فیڈیا کا تھا اور دوسرا پراکسی طیل کا۔

۷۔ آگسٹس اور ہیڈریان کے مقبرے مکمل تباہ نہیں ہوئے۔ اوّل الذکر تو صرف مٹی کا ایک ڈھیر نظر آتا ہے۔ جبکہ ثانی الذکر سینٹ انجیلو کا قلعہ تھا، جس نے ایک جدید قلعے کا نام اور اس سے ہم آہنگی اختیار کرلی تھی۔ اس کے ساتھ بعض اضافی ستون تعمیر کرلیے گئے تھے، جن کا کوئی نام نہیں رکھا گیا تھا، پُرانے شہر کی صرف یہی باقیات تھیں، اگر ان کے ساتھ جدید تعمیرات کو بھی شامل کرلیا جائے تو ان فصیلوں کا ذکر ضروری ہوگا جن کا محیط دس میل کے قریب ہے۔ ان میں تین سو اُناسی برجیاں بھی شامل ہیں۔ ان میں تیرہ دروازے تھے۔ رومی سلطنت کے زوال کے نو سو سال بعد یہ تصویر تیار کی گئی تھی۔

اٹلی کی گوتھ حکومت کو ختم ہوئے بھی اتنی مدت ہی گزر چکی تھی۔ مایوسی اور بدنظمی کا ایک طویل عرصہ بیت چکا تھا، اس دوران سلطنت کے ساتھ ہی علم وفن اور دولت بھی ٹائبر کے کناروں سے غائب ہوچکی تھی۔ اب یہ شہر اس قابل نہ تھا کہ اسے بحال کیا جائے یا قائم رکھا جائے۔ یہ ایک انسانی فطرت ہے کہ اگر ترقی کا عمل رُک جائے تو انحطاط کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔ اس لیے ہر آنے والے قدیم دور کی تعمیرات کے جلد خاتمے کی

کوشش کی۔ انحطاط وزوال کی رفتار کا اندازہ کرنے کے لیے ہر دور میں تعمیرات کے معیار کا بھی پتا چلتا ہے۔ اگر ہم ان عوامل پر تحقیق شروع کر دیں تو یہ ایک ایسا کام ہوگا جو کبھی ختم نہ ہو سکے گا۔ اور اس محنت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اور میں اپنے آپ کو صرف دو تبصروں تک محدود رکھوں گا جن سے ہم یہ اخذ کر سکیں گے کہ اس عمل کے عمومی اسباب کیا تھے اور اُن کے اثرات کی صورت کیا تھی۔

ا۔ پوگی اُوس ایک گمنام مصنف ہے۔ اُس نے بعض شکایات بڑی فصاحت سے تحریر کی ہیں۔ اپنے اس عمل کے دو سال قبل کی صورت حال کی تصویر پیش کی ہے۔ چونکہ وہ اس دور کے حالات سے پوری طرح آشنا نہ تھا، اس لیے وہ بعض ناموں کی تکرار کرتا ہے یا عجیب وغریب اور کئی افسانوی نام بھی تحریر کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ ہر شے کو غور سے دیکھتا تھا اور دلچسپی سے سنتا تھا، جو آثار اسے نظر آتے، اُنھیں دیکھتا اور عوام کی روایات کو سنتا تھا، اور اس نے گیارہ حماموں، سات تماشا گاہوں، بارہ محرابوں اور اُٹھارہ محلات کی صحیح شناخت کی ہے۔ ان میں سے متعدد عمارتیں ایسی تھیں، جو پوگی اُوس کے زمانے سے قبل ہی غائب ہو چکی تھیں۔ یہ اپنی جگہ درست ہے کہ بعض شاہانہ عمارات اس کے بعد بھی قائم ہیں اور تیرھویں اور چودھویں صدیوں میں زوال کے عمل نے بڑی تیزی سے کام کیا۔ آخری تین ادوار پر بھی یہی اعتراضات اُٹھائے جا سکتے ہیں۔ ہم سیوے روس کے سپٹی زونی اوم کی طرف ناکام نگاہ دوڑاتے ہیں، حالانکہ پیٹرارک اس کی بہت تعریف کرتا ہے جو کہ سولھویں صدی کا مشہور ماہر آثار قدیمہ ہے۔ اس کے دور تک رومی عمارات اپنی اصل حالت میں موجود تھیں۔ امتداد زمانہ کے اوّلین حملوں کا یہ عمارات مقابلہ کر گئیں تھیں۔ کیونکہ ایک تو ان کی تعمیر میں عمدہ اور مناسب سامان لگایا گیا تھا اور دوسرے ان کے مختلف حصوں میں توازن اور تناسب اُصول کے مطابق تھا۔ مگر ایسے موقع پر محرابوں اور ستونوں کے خلاف ذرا سی حرکت بھی انھیں نقصان پہنچا سکتی تھی۔ کیونکہ وہ تو پہلے ہی گرنے پر تیار بیٹھے تھے۔

اچھی طرح سے تحقیق کرنے کے بعد میں روم کی تباہی کے چار اسباب کی نشاندہی کر سکتا ہوں، جن کا عمل تخریب تقریباً ایک ہزار سال تک جاری رہا۔

(۱) امتداد زمانہ اور فطرت کے عوامل

(۲) وحشی اقوام اور عیسائیوں کے عناد آمیز حملے۔

(۳) ان عمارات کے سامان کا جائز اور ناجائز استعمال اور

(۴) رومیوں کے داخلی تنازعات۔

ا۔ انسانی فن ایسے یادگار آثار تعمیر یا تشکیل کر سکتا ہے، جن کی عمر اُس کی اپنی عمر سے کہیں زیادہ ہو۔ لیکن یہ آثار بھی اُس کی اپنی ذات کی طرح نازک، کمزور اور فانی ہوتے ہیں اور وقت کی اس لامحدود روایت میں اس کی اپنی زندگی اور محنت کو فراری لمحات کے معیار ہی ناپا جا سکتا ہے۔ مضبوط اور سادہ عمارات کی زندگی کا تعین آسان نہیں۔ کیونکہ قدیم ترین زمانے کے عجائبات میں سے اہرام ایسی تعمیرات کی نمائندگی کرتے ہیں، جنھیں قدیم دور میں بھی استعجاب اور تجسس کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ سینکڑوں نسلوں تک موسم خزاں میں پتے قبروں میں گرتے رہتے ہیں۔ کئی فرعون اور کئی بطلیموس، کتنے قیصر اور کتنے خلفا آئے اور چلے گئے، مگر اہرام مصر اپنی جگہ پر قائم ہیں، کبھی لرزیدہ نہیں ہوئے۔ نیل کے سیلاب ان کے پاؤں کو چھوتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ مگر ایسی یادگاریں جن کے متعدد حصے ہوں اور کئی چھوٹے چھوٹے اجزا سے مرکب ہوں، انھیں ضرر اور خستگی کا زیادہ سامنا ہوتا ہے۔ وقت کی خاموشی میں سیلاب اور زلزلے اپنے اثرات کا شدید مظاہرہ کرتے ہیں۔ آتش زدگی اور طوفان اپنا الگ اثر دکھاتے ہیں۔ ہوا اور زمین بلاشک وشبہ ہلتے نظر آتے ہیں اور روم کے بڑے بڑے گنبد تو اپنی بنیادوں ہی سے ہل جاتے ہیں۔ مگر دارالحکومت کی سات پہاڑیاں زمین کی خندقوں سے نہیں اُبھری تھیں اور یہ شہر بھی کسی دور میں فطرت کی سنسنی خیز حرکات کا شکار نہیں ہوا۔ جوانتاخ، لسبان یا لیما کے آب وہوا میں صدیوں پر محیط عمارات ایک آن میں زمین بوس ہو جاتی ہیں۔ زندگی اور موت کے حوالے سے آگ بھی نہایت اہم عنصر ہے۔ انسانی شرارت یا کسی حادثے کی وجہ سے یہ بہت جلد تباہی پھیلا دیتی ہے اور رومی تاریخ کا ہر دور اس نوعیت کے مصائب سے بھرا ہوا ہے۔ ایک یادگار آتش زدگی، نیرو کے عہد میں ہوئی۔ اُسے اُس کے جرم یا بدقسمتی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ آتش زدگی چھ یا نو دن تک مسلسل جاری رہی۔ ٹیڑھی اور گنجان گلیوں میں مکانات کی تعداد بہت زیادہ تھی، جو شعلوں کے ایندھن فراہم کرتے رہے۔ شہر کے چودہ علاقوں میں سے صرف چار سلامت رہ گئے۔ تین تو سارے کے سارے تباہ ہو گئے اور دس ایسے تھے، جو دھوئیں یا ٹوٹی پھوٹی عمارات کے گرنے سے تباہ ہو گئے۔ جب مملکت اپنے صحیح نصف النہار پر تھی تو دارالحکومت اپنی راکھ سے دوبارہ اُبھر کر اپنی بہار پر آ گیا۔ لیکن ابھی تک انھیں اپنے ماضی کے نقصانات کی یاد تازہ تھی جو ناقابلِ تلافی تھے۔ یونانیوں کا علم وہنر، فتوحات کے اعزازات، قدیم دور کے آثار یا افسانوی داستانیں اور بدنظمی اور افراتفری کے ادوار میں جتنے زخم بھی آئے تھے، وہ تمام کے تمام ناقابلِ تلافی تھے اور نقصانات کی بحالی ناممکن

تھی۔ اسے حکومت کی کاوش یا نجی اداروں کی کوشش واپس نہیں لاسکتی تھی۔ پھر بھی دو ایسے اسباب کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے، جن کی وجہ سے آتش زنی کا حادثہ غیر معمولی طور پر نقصان دہ ثابت ہوا اور شہر کی خستہ حالی میں اضافے کا باعث ہوا۔

۱۔ مکانات میں ایسا سامان بکثرت استعمال کیا گیا تھا جو بہت جلدی آگ پکڑ لیتا ہے۔ اینٹیں بھی اسی نوعیت کے سالے سے بنائی گئی تھیں۔ لکڑی اور بعض دھاتیں بھی بکثرت استعمال ہوئی تھیں جو پہلے تو پگھل گئیں، اور پھر جل کر ختم ہوگئیں۔ خالی دیواروں پر شعلے قیامت ڈھا رہے تھے، بڑی بڑی محرابیں جنھیں بہت زیادہ آراستہ کیا گیا تھا یا اُن پر آرائشی سامان بڑی کثرت سے استعمال کیا گیا تھا، اُنھوں نے آگ کی شدت میں اضافہ کر دیا۔

۲۔ کسانوں اور دیہاتیوں کی رہائش میں، ایک شریر چنگاری آسانی سے آگ کے شعلوں میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ بڑی بڑی عمارات کی صورت یہ ہے کہ جب یہ ایسے حملوں یا حادثات کا شکار ہوتی ہیں تو جزائر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ یہ محفوظ ہونے کے باوجود تنہا رہ جاتی ہیں۔ روم کی جس انداز میں تعمیر ہوئی تھی وہ بلا تاخیر کسی بھی وقت آتش زندگی کا شکار ہو سکتا تھا۔ حتیٰ کہ دریائے ٹائبر کو بھی اس میں استثنا حاصل نہ تھا، وہ دریا جو اپی نائن کی دونوں اطراف نکلتے ہیں۔ ان کی طوالت بہت کم ہے، پانی کی مقدار اور رفتار بھی زیادہ نہیں اور گہرائی بھی بہت معمولی ہے اور گرمی کے موسم میں تو یہ ندی نالے کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ بہار اور سردیوں میں ان میں طغیانی آ جاتی ہے کیونکہ ان ایام میں بارشیں بہت ہوتی ہیں اور برف پگھلتی ہے اور مخالف ہوا چلنے کی وجہ سے سمندر سے بھی پانی واپس آنے لگتا ہے۔ ایسی صورت میں دریا کی عام سطح پانی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ کناروں سے باہر نکل آتے ہیں اور بے قابو ہو کر دونوں اطراف میں پھیل جاتے ہیں اور قرب و جوار میں واقع شہر اور آبادیاں ان کی زد میں آ جاتی ہیں۔ پیونی جنگ میں فتح کے فوراً بعد غیر معمولی بارشوں کی وجہ سے دریائے ٹائبر فوراً چڑھ گیا اور سخت سیلاب آ گیا۔ اس نے زمان و مکان کی تمام روایات توڑ

دیں اور وہ تمام عمارتیں ختم کر دیں جو پہاڑوں سے نیچے واقع تھیں۔ چونکہ سطح زمین کی حالت ہر جگہ مختلف تھی۔ اس لیے مختلف ذرائع سے تباہی کی صورت بھی مختلف رہی۔ تو پانی ہر شے کو اپنے ساتھ بہا لے گیا یا گہری جگہوں میں کھڑا ہو گیا اور انسانی املاک کو تباہ کر دیا۔ آگسٹس کے دورِ حکومت میں سخت طوفان آیا تھا اسی نوعیت کے مصائب کی تجدید ہوگئی پانی تو کسی قانون کی پابندی نہیں کرتا۔ اس نے محلات اور مندر زمین بوس کر دیے اور دریا کے کناروں پر تو کوئی عمارت بچ نہ سکی۔ شہنشاہ نے بڑی محنت سے دریا کی بھل صفائی کی اور اسے مزید چوڑا کیا۔ اُس وقت یہ کھنڈرات سے بھرا ہوا تھا۔ جنھیں صاف کیا گیا اس کے جانشین بھی اسی نوعیت کی محنت کرتے رہے اور دریا کے اُتار چڑھاؤ پر نظر رکھتے رہے۔ انھیں اس نوعیت کے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا اور یہ بھی حسب روایت منصوبہ بندی کرتے رہتے۔ ایک دفعہ یہ منصوبہ بنایا گیا کہ دریائے ٹائبر کا راستہ ہی بدل دیا جائے یا اسے متعدد ندیوں میں تقسیم کر دیا جائے مگر اوہام پرستی نے کوئی تجویز چلنے نہ دی۔ بعض مقامی مفادات بھی اس کی راہ میں حائل رہے اور پھر جس کمزور اور بے جان طریقے سے ان تجاویز پر عمل کیا جاتا وہ بھی اسے آگے نہ چلنے دیتیں۔ دریاؤں کو قابو میں لا کر اُن سے خدمت لینا بنی نوع انسان کی فطرت کے خلاف بہت بڑی کامیابی ہے۔ اگر دریائے ٹائبر کو بھی ایک مضبوط اور مستقل مزاج حکومت کے تحت اسی طرح قابو میں رکھا جات، تو روم بہت سے مصائب سے بچ جاتا۔ مگر جب مغربی سلطنت زوال کا شکار ہوگئی تو پھر یہ فرض کون ادا کرتا؟ بالآخر اسی بُرائی نے ہی ایک صورت پیدا کر دی۔ کوڑا کرکٹ اور مٹی پہاڑوں سے بہ کر نیچے آ گیا۔ بتایا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے روم کی سطح چودہ یا پندرہ فٹ بلند ہوگئی۔ غالباً زمانہ قدیم کی سطح کے مقابلے میں ایسا ہوا ہوگا۔ جدید شہر پہلے کے مقابلے میں دریا کے حملوں سے محفوظ ہو گیا ہے۔

۲۔ ہر قوم کے مصنفین کے ہجوم نے روم کی شان و شوکت کو گوتھ اور عیسائیوں کی جھولی میں ڈال دیا ہے۔ اُنھوں نے یہ نظر انداز کر دیا ہے کہ یہ اقوام خود رومیوں اور روم کے کس قدر خلاف تھیں۔ اُنھیں ایسے

ذرائع کہاں سے دستیاب ہوئے اور اتنا وقت کیسے مل گیا کہ وہ اپنی دشمنی کو مطمئن کر سکیں۔ اس تاریخ کی گزشتہ جلدوں میں، میں نے صرف چند الفاظ میں روم کی تباہی میں ان قوموں کے ہاتھ کا ذکر کیا تھا۔ ہمارا تخیل اس مسئلے میں کسی دلچسپ صورتِ حال کی تشکیل کر سکتا ہے۔ کہ گوتھوں اور وینڈالوں نے سکینڈے نیویا کی طرف سے حملہ کیا تھا۔ وہ اوڈین کے فرار کا تعاقب کر رہے تھے۔ وہ زنجیروں کو توڑنا چاہتے تھے اور بنی نوع انسان کے دشمنوں کو سبق سکھانا چاہتے تھے۔ وہ کلاسیکی ادب کی دستاویزات کو جلانا چاہتے تھے اور یہ کہ وہ اپنے فنِ تعمیر کو ٹسکنی اور کورنتھ کے علاقوں میں مروج کرنا چاہتے تھے۔ مگر سادہ سچائی یہ ہے کہ شمالی فاتحین نہ تو پوری طرح سے وحشی تھے اور نہ اتنے مہذب تھے کہ وہ اس تباہی کی کوشش کرتے یا اس نوعیت کی انتقامی کارروائی کر سکتے۔ سکاتھیا اور جرمنی کے گذریے اسی سلطنت کی افواج میں تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ اُنھوں نے یہیں سے نظم و ضبط کا درس لیا تھا۔ اور ان کی کمزوریوں سے آشنا ہو کر ان پر حملہ کر دیا۔ وہ لاطینی زبان سے واقف تھے۔ وہ رومی ناموں اور خطابات کا احترام سیکھ چکے تھے۔ وہ اگرچہ ان کی تقلید کرنے کے قابل نہ تھے۔ وہ رومیوں کے اچھے اور مہذب دور کی خوبیوں کو سیکھنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ وہ ان کے خاتمے کی بجائے ان کی تعریف کرتے تھے۔ یہ دارالحکومت بہت امیر تھا۔ کوئی بھی اس پر قبضہ کرنے کی خواہش کو دبا نہ سکتا تھا، الاری اور جینسری کے لشکری ایک فاتح فوج کے تصور سے جوش میں آ گئے تھے۔ حرص و ہوا اور ظلم و تعدی کے جذبات سے مملو ہونے کے علاوہ اُن کی خواہش تھی کہ وہ ایسی تمام دولت اکٹھی کر لیں جسے وہ اُٹھا کر لے جا سکتے تھے۔ اُن کی تلاش کا مقصد یہی تھا۔ اُنھیں اس پر فخر محسوس ہوتا تھا کہ اُنھوں نے دنیا کی بہت بڑی طاقت کو پیٹ دیا ہے۔ یہ ایسی قوت تھی جس نے متعدد قونصلوں اور سیزروں (قیصران) کو جنم دیا ہے۔ اُن کے دستیاب لحاظ بہت قیمتی تھے۔ گوتھ چھ دن بعد روم کو خالی کر کے چلے گئے تھے جبکہ وینڈالوں نے اس میں پندرہ دن لگا دیے تھے اور کسی تعمیر کے مقابلے میں تخریب بہت آسان ہوتی ہے۔ اُنھوں نے اچانک اور سرعت سے حملہ کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں قدیم آثار پر کچھ اثرات بھی مرتب ہوئے ہوں گے۔ ہمیں یاد ہے کہ الاری اور جینسری دونوں قبیلوں نے شہر کی عمارات کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اُنھوں نے تھیوڈوریوں کے زیرِ حکومت بڑے اطمینان سے گزارہ کیا۔ جبکہ شہر کے حسن و جمال میں کوئی فرق نہیں آیا، اور طوطیلا کی مزاحمت وقتی تھی۔ اُس سے ہتھیار رکھوا لیے گئے۔ ایک تو اُس کا مزاج ہی ایسا تھا، دوسرے اُس کے دوستوں اور دشمنوں سب نے اُسے یہی مشورہ دیا۔ ان معصوم وحشیوں کی وجہ سے سارا الزام روم کے کیتھولک عیسائیوں کے سر پر آ جاتا ہے۔ بُت اور قربان گاہیں

اور شیطانوں کے مکانات ان کی نظروں میں قابلِ نفرت تھے اور شہر پر مکمل قبضہ کرنے کے بعد وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کے آباؤ اجداد کی روایات کا کوئی نشان باقی نہ رہے۔ وہ اسی غرض سے محنت کر رہے تھے وہ بت پرستی کا نام و نشان مٹانا چاہتے تھے۔ مشرق میں مندروں کو گرانا ان کے کردار کا ایک حصہ بن چکا تھا، اور ہمارے لیے تو یہ عقیدے کی ایک صورت ہے۔ جس کے حق میں ہمارے پاس استدلال کی بھی کوئی کمی نہیں اور اس امر کا امکان ہے کہ جرم یا استحقاق کا کوئی حصہ رومیوں کے پاس بھی ہو۔ انھوں نے عیسائیت کو حال ہی میں قبول کیا تھا، لیکن اُن کی تمام نفرت کفار کے قدیم آثار تک ہی محدود تھی۔ وہ اوہام پرستی کے خلاف تھے اور ایسی سرکاری عمارتیں جو معاشرے کی تجارت یا تفریح کی غرض سے تعمیر کی گئی تھیں اُنھیں بغیر نقصان یا قابلِ ملامت مضرت سے بچا لیا گیا ہو۔ مذہبی تبدیلی عوام کے جوش اور ولولے کے تحت نہیں ہوئی۔ بلکہ بادشاہ کے احکام، مجلس قانون ساز کے فیصلوں یا امتدادِ زمانہ سے ہوئی۔ مذہبی پیشواؤں کی حکومت میں روم کے بشپ بہت زیادہ عقل مند تھے اور ان میں عصبیت مطلق نہ تھی ان پر ایسا کوئی الزام بھی عائد نہیں کیا جا سکتا جس سے یہ ثابت ہو کہ اُنھوں نے مشرکوں کی کسی عمارت کو نقصان پہنچایا ہو، یا اُسے گرجا گھر میں تبدیل کیا ہو۔

۳۔ کسی شے کی قدر و قیمت کا تعین کرنے کے لیے پہلے اُس کی طلب اور رسد کو دیکھا جاتا ہے پھر اُس سے حاصل ہونے والی خوشی اور مفاد کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ پھر یہ دیکھا جاتا ہے کہ اسے کس شے سے تیار کیا گیا ہے اور آخر میں اُس کی ہیئت اور تیاری پر مشقت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ اس کی قیمت کے تعین میں سب سے اہم عنصر یہ ہے کہ اُن افراد کی تعداد کیا ہے جو اُسے خریدیں گے اور استعمال کریں گے۔ اس کی منڈی میں طلب کس حد تک ہے اور بالآخر اسے کتنی مقدار میں برآمد کیا جا سکتا ہے نیز برآمد کرنے میں آسانی یا مشکلات کی کیا صورت ہے۔ پھر زیرِ بحث شے کی نوعیت معلوم کی جاتی ہے، مقامی منڈی میں اس کی کیفیت کیا ہے اور دُنیا کے عارضی حالات کیا ہیں۔ جبکہ روم کے وحشی فاتحین نے ایک ہی لمحے میں پشتوں سے جمع کردہ خزائن پر قبضہ کر لیا۔ مگر ماسوائے اس کے کہ اُنھیں وقتی عیش و عشرت میسر آ گئی وہ اُن عمارات یا دیگر غیر منقولہ جائیداد کو روم سے باہر نہیں لے جا سکتے تھے۔ وہ نہ تو گوتھوں کے چھکڑوں پر لادی جا سکتی تھیں اور نہ وینڈال انھیں اپنے جہازوں پر لاد کر لے جا سکتے تھے۔ اس لیے ان کے لالچ کا پہلا ہدف صرف سونا اور چاندی تھے۔ دنیا کے ہر ملک میں یہ دھاتیں سب سے زیادہ قیمت پاتی ہیں اور محنت اور صنعتی پیداوار ان کے عوض خریدی جا سکتی ہے اور ہر انسان انھیں جمع کر کے مطمئن ہوتا ہے۔ ان قیمتی دھاتوں سے بنایا گیا کوئی بت یا برتن، کسی وحشی سردار کے

جھوٹے وقار کا باعث بھی بن سکتا ہے مگر بڑی بڑی اشیا خواہ وہ اپنی ہیئت کے لحاظ سے کتنی بھی دلکش ہوں، وہ اگر منتقل نہ کی جا سکیں تو قزاقوں کے لیے بیکار ہیں۔ البتہ وہ جس دھات سے تیار کی گئی ہیں وہ ان کے کام آ سکتی ہیں۔ اس لیے انھیں پگھلا کر مختلف حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، ان کے سکے بھی مضروب کیے جا سکتے ہیں۔ کم فعال اور بدقسمت ڈاکو سستی دھاتوں پر ہی اکتفا کر لیتے تھے۔ پیتل، سیسہ، لوہا اور تانبا جو کچھ بھی گوتھوں اور وینڈالوں سے بچ گیا ہو، اُسے یونانی قزاق اور ظالم لوٹ لیتے۔ قسطان سے اُنھوں نے کانسی کی ٹائلیں لُوٹ لیں۔ ان کے حریص دورے میں انھیں یہی مل سکیں۔ پانتھیان کی چھت پر سے بھی انھوں نے کانسی کی ٹائلیں ہی اُتار دیں۔ روم کی عمارات اُن کے لیے وسیع اور قیمتی کانوں کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ایک دفعہ تو ان کا قیمتی سامان پہلے ہی اُتارا جا چکا تھا۔ دھاتوں کو صاف کر کے ڈھال لیا گیا تھا۔ سنگِ مرمر کو اکھاڑ کر پالش کر لیا گیا اور جب ملکی اور غیر ملکی لالچ کا اطمینان ہو گیا۔ اب شہر میں جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ خریداروں کے حوالے کر دیا گیا۔ اُن کے لیے یہ باقیات بھی منفعت بخش تھیں۔ آثارِ قدیمہ کو رومیوں نے خود اپنے ہاتھوں سے تباہ کر دیا۔ ان پر سے تمام قیمتی اشیا اُتار کر دیواروں کو عریاں کر دیا گیا۔ وہ محرابوں اور دیواروں کو بھی توڑ لیتے۔ صرف اتنا خیال رکھتے کہ اُن کا اس تخریب کاری کی محنت پر جس قدر خرچ ہوتا ہے اُس پر وہ کچھ منفعت حاصل کر لیں۔ اگر شارلیمن سلطنت کا دارالحکومت اٹلی میں مقرر کر جاتا تو وہ اپنی ذہانت سے سیزروں کے کیے ہوئے کام کو بحال کر دیتا۔ مگر فرانسیسی بادشاہ کی حکمتِ عملی یہی تھی کہ وہ جرمنی کے جنگلات کو ترقی دے۔ اُس کے ذوق کی تسکین صرف تخریب کاری ہی سے ہو سکتی تھی اُس نے اپنے محل، آئیکس لا چیپل کی ساری تعمیر ریونا اور روم کے سنگ مرمر ہی سے کی۔ شارلیمن کے دورِ حکومت کے پانچ سو سال بعد رابرٹ جو صقلیہ کا بادشاہ تھا، یہ اُس دور کا سب سے زیادہ عقل مند اور آزادی پسند حکمران تھا۔ اُس کے قبضے میں بھی یہی سامان آ گیا۔ اُس کے لیے اس کی منتقلی بھی بہت آسان تھی۔ وہ اس سامان کو بذریعہ کشتی ٹائبر سے بندرگاہ تک منتقل کر لیتا اور پھر جہازوں پر لاد سکتا تھا مگر اُس نے ٹھنڈی آہ بھر کر شکایت کی کہ قدیم عالمی دارالحکومت، خود اپنے فضلے سے بھرا ہوا ہے۔ اور نیپلز کی کاہلی اور عیش و عشرت ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہے مگر مقابلتاً دورِ ظلمات میں اس نوعیت کی لوٹ مار کی مثالیں کم تھیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آثارِ قدیمہ کی باقیات کو خود رومیوں ہی نے اپنی ضروریات کے مطابق استعمال کر لیا ہو گا۔ اب ان کی جو صورت باقی رہ گئی ہے اُس کے مطابق بہت حد تک روم اور اُس کے شہریوں کے کسی کام نہیں آ سکتے۔ دیواروں سے ان کے قدیم محیط کی نشاندہی ہوتی ہے۔ مگر شہر تو سات پہاڑیوں سے اُتر کر مارطی اوس کے

میدان میں آ گیا ہے اور بعض مضبوط ترین آثار جو امتدادِ زمانہ کی مضرات کو برداشت کر چکے ہیں، وہ ایسے ہیں جو دور صحرا میں واقع ہیں اور انسانی دست درازیوں سے محفوظ رہے ہیں، اراکین مجلس قانون ساز کے محلات کی اُن کے جانشینوں کے دور میں، اصل حالت باقی نہ رہی تھی۔ حماموں اور غلام گردشوں کے استعمال کا رواج ختم ہو چکا تھا۔ لوگ انھیں فراموش کر چکے تھے۔ چھٹی صدی عیسوی میں یہ ماضی کا قصہ بن چکے تھے۔ تھیٹر اور گول تھیٹر کے کھیل تعطل کا شکار ہو چکے تھے۔ اب یہ عمارتیں عبادت گاہوں میں تبدیل ہو چکی تھیں، مگر گرجا گھر صلیب کی شکل و صورت کو ترجیح دیتے تھے جسے رواج یا استدلال کے مطابق تقسیم کر دیا گیا تھا۔ پھر رواج یا روایت کے مطابق صلیب کی مقدس صورت تیار کر لی گئی اور اس کے عجیب و غریب نمونے تراشے گئے۔ حجرے بنائے گئے جو ممکن ہے دفتروں کا کام دیتے ہوں جنھوں نے بعد میں صومعات کی شکل اختیار کر لی۔ کلیسائی عہد حکومت میں ایسی مقدس عمارات کی تعداد کئی گناہ زیادہ ہو گئی۔ اور شہر میں خانقاہیں مردوں کے لیے مخصوص ہو گئیں۔ جبکہ بیس راہبات کے لیے مخصوص تھیں۔ ساٹھ ایسے گرجے تھے جہاں پادریوں کو عیسائی قانون کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بجائے اس کے کہ شہر کی ویرانی میں کمی کی جاتی، اُلٹا آبادی میں کمی واقع ہونے لگی۔ یہ صورت دسویں صدی عیسوی سے چلی آ رہی تھی۔ اس دور میں قدیم طرزِ تعمیر ختم ہو چکا تھا، کیونکہ موجودہ نسل نہ تو اس کی خوبیوں سے لطف اندوز ہو سکتی تھی، نہ اُسے کام میں لا سکتی تھی۔ اب ضرورت یا اوہام پرستی کے لیے بہت زیادہ سامانِ تعمیر استعمال کیا جانے لگا۔ یہاں تک کہ یونانی اور کورنتھی میناروں کا رواج چل نکلا جو فی الواقع بہت خوبصورت تھے۔ ان میں پیروس اور نومیڈیا کا قیمتی سنگِ مرمر استعمال ہونے لگا۔ لیکن انھیں کہیں اصطبل میں لگا دیا گیا اور کبھی راہبات کی رہائش کی زینت بنا دیا گیا۔ پھر ترکوں کی باری آ گئی جنھوں نے یونانی اور ایشیائی شہروں پر تباہی پھیر دی جبکہ رومی دور کے آثارِ قدیمہ بھی بتدریج تباہی کے کنارے پہنچ گئے تھے۔ سکس طوس پنجم کے اس فعل پر شاید اُسے معافی دی جا سکتی ہے کہ اُس نے سپٹی زونی اُوم کا تمام شاندار پتھر اُتار کر سینٹ صوفیہ کی خانقاہ کی عمارات پر لگا دیا، کسی عمارت کا کوئی حصہ، کوئی کھنڈر، اُس کی جو بھی صورت ہو، جب وہ کسی دوسری جگہ پر لگا دیا جاتا ہے تو اس عمل پر نفرت بھی کی جا سکتی ہے اور افسوس بھی کیا جا سکتا ہے اور نئی تعمیر یا دوبارہ استعمال کی خوبی سے لطف اندوز بھی ہوا جا سکتا ہے۔ مگر سنگ مرمر کی ایک بہت بڑی مقدار نہ صرف ضائع کر دی گئی، بلکہ اُسے اس کے اصل مقام سے ہٹا دیا گیا اور اس کا تناسب بھی خراب کر دیا گیا۔ بعض صورتوں میں اسے جلا کر چونے میں تبدیل کر دیا گیا تا کہ نئی عمارتوں کی لپائی کی جا سکے۔ پوگی اُوس کی آمد کے

دورے کونکورڈ کا مندر اور دیگر متعدد عمارات اُس کی نگاہوں کے سامنے صفحۂ ہستی سے غائب ہوگئیں۔ اُس دور کا ایک مختصر مذہبی تذکرہ یہ شہادت پیش کرتا ہے کہ جس زور و شور سے یہ تخریب کاری جاری ہے قدیم دور کا کوئی آثار باقی نہیں بچے گا۔ اس پر صرف واحد رکاوٹ یہ تھی کہ ان کی تعداد بہت کم تھی اور روی تاخت و تاراج کو پورا نہ کرسکتی تھی۔ پیٹرارک کا تخیل ایک مضبوط قوم کی تشکیل کا خواہاں تھا۔ مجھے یہ تسلیم کرنے میں تامل ہے کہ چودھویں صدی میں بھی ان کی تعداد اتنی کم ہوگئی تھی کہ تمام باشندے صرف تینتیس ہزار رہ گئے ہوں۔ اس عہد سے کرلیو دہم کے دور تک یہ آبادی پچاسی ہزار تک پہنچ گئی تھی، تو شہریوں کی یہ تعداد بھی کسی حد تک اس قدیم شہر کے لیے مضرت رساں تھی۔

۴۔ میں نے آخر میں بیان کرنے کے لیے تباہی کا سب سے بڑا سبب مخصوص کر رکھا ہے۔ وہ یہ ہے کہ رومی خود ہی آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ جب یہ یونانی یا فرانسیسی بادشاہوں کے زیر نگین تھے تو شہر کا امن حادثاتی مگر بار بار کی بغاوتوں کی وجہ سے تباہ ہوتا رہتا تھا۔ جب ثانی الذکر کا انحطا ہوا تو دسویں صدی کا آغاز ہو چکا تھا۔ انھی دنوں میں ایک نجی جنگ کا آغاز ہوگیا جس میں نہ تو کسی انسانی اور نہ آسمانی قانون کا خیال رکھا گیا۔ انھوں نے غیر حاضر بادشاہ کے اقتدار کا بھی کوئی خیال نہ رکھا۔ جبکہ نائب مسیح موقع پر موجود تھا۔ اُس کی ذات کو بھی نظر انداز کر دیا۔ پانچ سو سال کے عرصے کے دوران روم متواتر شرفا اور عوام، گلفس اور گیبلن، قولونا اور آرسینی لوگوں کی خانہ جنگیوں کا شکار رہا۔ اس کے علاوہ بے شمار ایسے فسادات، جو ہمارے علم میں نہیں آسکے اور متعدد ایسے فسادات بھی تھے جنھیں تاریخ نے قابل غور نہیں سمجھا۔ میں نے پچھلے دو ابواب میں عوام کی بدنظمی کے اسباب اور اثرات بیان کیے ہیں۔ ایسے دور میں جبکہ ہر جھگڑے کا فیصلہ بذریعہ شمشیر کیا جاتا تھا اور کسی کو اپنی زندگی یا املاک کے تحفظ کا یقین نہ تھا، قانون میں قوت باقی نہ رہی تھی، اور طاقتور شہری مدافعت یا داخلی دشمنوں کے خلاف جارحیت کے لیے تیار بیٹھے تھے اور اپنی نفرتوں اور خوف کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ ماسوائے وینس کے، اٹلی کی ہر آزاد جمہوریہ میں یہی خطرات اور یہی منصوبے جاری تھے۔ شرفا آزادی سے غلط فائدہ اُٹھا کر گھروں کی قلعہ بندی کر لیتے تھے۔ اور مضبوط مینار تعمیر کر لیتے تھے۔ یہ قلعہ بندیاں اس قابل ہوتیں کہ اچانک حملوں کو روک سکتیں۔ تمام شہر اس نوعیت کی مخالفانہ عمارتوں سے بھرے ہوئے تھے بطور مثال لیوقا (Lucca) کا ذکر کیا جاسکتا ہے، جس میں اس نوعیت کے تین سو مینار تھے۔ اُن کا قانون یہ تھا کہ چالیس فٹ سے زیادہ اونچی عمارت تعمیر نہ کی جائے۔ ممکن ہے کہ بعض حالتوں میں اتنی گنجائش بھی دی جاتی ہو کہ اسے

مزید اونچا کیا جاسکے۔ بعض ریاستیں جو زیادہ خوشحال اور گنجان آباد تھیں وہاں اس سے بھی اونچی قلعہ بندیاں تعمیر کی جاتی ہوں۔ رکنِ مجلس قانون ساز برانقالی اون کا پہلا اقدام یہ تھا کہ وہ قیام امن و انصاف سے قبل ان عمارات کو گرا دے۔ (ہم اس کا اس سے قبل مشاہدہ کر چکے ہیں) اُس نے روم کے ایک سو چالیس مینار گرا دیے، جب بدنظمی کے دور کے آخری ایام تھے اور اختلافات کا ابھی خاتمہ نہیں ہوا تھا، یہاں تک کہ مارٹن پنجم کا دور آگیا۔ اُس وقت بھی شہر کے تیرہ یا چودہ حلقوں میں چوالیس قلعہ بندیاں باقی تھیں۔ اس شرارت آمیز مقصد کے لیے ازمنۂ قدیم کے آثار کو بھی خوشی سے استعمال کرلیا گیا۔ مندر اور محرابیں ان کی اینٹ اور پتھر کی جدید عمارتوں کے لیے بنیادوں کا کام دیتی تھیں۔ جدید برجیاں جو جولیس، سیزر، طائی طوس اور انطونیوں کے فاتحانہ آثار پر تعمیر کی گئی تھیں، ان میں ہلکی سی ترمیم کرلی گئی تھی۔ ایک تماشاگاہ (تھیٹر) ایک گول تماشاگاہ، کوئی مقبرہ، ایک مضبوط حفاظتی پناہ گاہ میں تبدیل کر دیے گئے۔ مجھے اس تکرار کی ضرورت نہیں کہ ہیڈریان کی مصنوعی بندرگاہ کو اینجیلو کے قلعے کا نام دے دیا گیا اور سیوے روس کا سپٹی زونی اوم اس قابل تھا کہ تنہا شاہی فوج کا مقابلہ کرسکے اور میٹیلا کا مقبرہ خود اس کی اپنی عمارات کے نیچے دب گیا۔ پومپی اور مارسیلس کی تماشاگاہیں سیویلی اور آرسینی کے خاندان نے اپنے قبضے میں لے لیں اور اس ناہموار قلعہ بندی کو بتدریج ہموار اور نرم کر کے ایک شاندار اطالوی گرجا گھروں کو بھی دیواریں کھڑی کر کے حلقے کے اندر محصور کرلیا گیا۔ جب سینٹ پیٹر کے مقبرے کی چھت پر منجنیقیں نصب کردی گئیں تو ویٹی کن کے لیے خوف پیدا ہوگیا اور عیسائی دنیا کے لیے ایک علامت آمیز حادثہ رونما ہوا۔ جہاں قلعہ بندی ہوگی وہاں حملہ ضرور ہوگا۔ اور جس پر حملہ ہوگا اُسے تباہی بھی ضرور درپیش ہوگی۔ کیا یہ ممکن تھا کہ رومی پاپایان سے سینٹ اینجیلو کا قلعہ چھین سکیں۔ ایک سرکاری قانون کے تحت اُنھوں نے واضح کر دیا تھا کہ غلامی کے دور کے ان آثار کو روئے زمین سے مٹا دیا جائے۔ ہر دفاعی عمارت کا محاصرہ کیا جاسکتا تھا، اور ہر محاصرے میں تباہی کی مشینیں (منجنیقیں) استعمال کی جاتی تھیں۔ نکولس چہارم کی موت کے بعد روم کسی بادشاہ یا مجلس قانون ساز کے بغیر رہ گیا۔ اور اُسے چھ ماہ تک خانہ جنگی کے عذاب میں مبتلا رہنے دیا گیا، اُس عہد کا شاعر ایک کارڈینل یہ کہتا ہے کہ ان پر اتنے بڑے بڑے اور وزنی پتھر پھینکے گئے کہ یہ اُن کے وزن کے نیچے دب گئے۔ دیواریں زور زور کی ضربات کے آلے کے استعمال سے ٹوٹ گئیں۔ میناروں کو آگ لگا دی گئی اور دھوئیں میں غرق کر دیے گئے۔ حملہ آوروں کے جوش میں اور مالِ غنیمت کی ہوس میں اضافہ کر دیا گیا۔ قوانین اتنے سخت بنائے گئے کہ باقی کسر ان کی وجہ سے نکل گئی اور اٹلی کے مختلف گروہ دشمنی

کا انتقام لینے کی غرض سے ایک دوسرے پر اندھا دھند حملے کرنے لگے۔ اُن کے مکانات اور قلعوں کو گرا کر خاک میں ملا دیا گیا۔ اگر بیرونی حملوں کا داخلی فسادات کے ساتھ تقابلی جائزہ لیا جائے تو ہمیں اقرار کرنا پڑے گا کہ آخرالذکر بہت زیادہ تباہ کن تھے۔ اور ہماری بات کی پیٹرارک کی شہادت سے تصدیق ہو جاتی ہے۔ ملک الشعرا نے کہا کہ روم کے آثار قدیمہ کا مشاہدہ کریں۔ اس کی قدیم عظمت کے نقشے کا مشاہدہ کریں اس کی تباہی اس قدر زیادہ ہوئی ہے کہ اُس پر نہ تو حملہ آور فخر کر سکتے ہیں اور نہ یہ صرف فطری عوامل کا نتیجہ ہے۔ یہ تمام تباہی اس کے اپنے شہریوں کی پیدا کردہ ہے۔ یہ اُس کے اپنے ہی عظیم سپوت تھے اور اس عہد کی آبادی کے آباواجداد (وہ طبقۂ شرفا کے ایک شخص اپنی بالدی کو لکھ رہا تھا) نے ہتھوڑے مار مار کر جوان دروازوں کا حشر کیا ہے وہ پیونی ہیرو نگوار کے زور سے بھی نہ کر سکا۔ آخری دو عناصر جو تباہی کا موجب ہوئے وہ کسی حد تک ایک دوسرے کی کارکردگی میں بھی اضافے کا موجب ہوتے تھے۔ کیونکہ مکانات اور مینار جو خانہ جنگیوں میں تباہ اور برباد ہوئے۔ انھیں مزید سامانِ تعمیر کی ضرورت ہوتی جو یہ آثار قدیمہ کو گرا کر ہی حاصل کر لیتے۔

طائی طوس کے گول تھیٹر کے متعلق ایک عام تبصرہ علیحدہ لکھا جائے گا۔ اس کو قولی سی اوم کا نام دیا جاتا ہے یا تو یہ نام اس کے احاطے کی وسعت کی وجہ سے دیا گیا ہے یا نیرو کے بہت بڑے بت کے حوالے سے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسی عمارت تھی کہ اگر اسے امتداد زمانہ اور فطری عوامل پر چھوڑ دیا جاتا تو یہ ہمیشہ کے لیے قائم رہتی۔ ماہرین آثار قدیمہ جنھوں نے اس کا جائزہ لیا ہے اور نشستوں کا شمار کیا ہے وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ سیڑھیوں کی سب سے اونچی قطار پر پہنچنے کے لیے متعدد سیڑھیوں کے دروازوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ اور لکڑی کی متعدد گیلریاں (نیم چھتے) عبور کرنی پڑتی تھیں۔ انھیں کئی بار آگ لگی۔ شہنشاہوں نے انھیں ہر بار بحال کیا جو سامان بھی قیمتی تھا یا اُٹھایا جا سکتا تھا یا اُس سے نفرت کی جا سکتی تھی۔ ہیرون یا دیوتاؤں کے بُت یا مقبروں کا آرائشی سامان، جو پیتل سے بنائے گئے تھے یا جن پر سونے یا چاندی کے پترے چڑھا دیے گئے تھے وہ فاتحین یا عصبیت کا سب سے پہلا شکار ثابت ہوئے۔ وحشی اقوام اور عیسائیوں نے بھی پہلے انھیں پر دست درازی کی قولی سی اُوم کے بھاری بھاری پتھروں میں متعدد سوراخ ہو چکے ہیں اور یہ غالباً زمانی خستگی کا نتیجہ ہیں۔ ان پتھروں کو باہم پیوست رکھنے کے لیے لوہے یا پیتل کا استعمال کیا گیا تھا۔ اگر لالچی نگاہیں گھٹیا دھاتوں کو نظر انداز کر دیتیں تو اس احاطے کے اندر جو خالی جگہ بچ جاتی وہاں میلہ یا منڈی لگائی جا سکتی تھی۔ ایک قدیم بندوبست میں قولی سی اُوم کے صناعوں کا ذکر آیا ہے۔ اس کی دیواروں میں سوراخ کر لیے

گئے تھے تاکہ شامیانوں اور دکانوں کے لیے ستون کھڑے کیے جا سکیں۔ یا مستریوں اور تاجروں کے خیمے نصب کیے جا سکیں۔ جب ان دیواروں کی شان و شوکت کو بالکل عریاں کر دیا گیا، تو پھر یہ گول تماشا گاہ شمال سے آنے والے زائرین کی سرائے بن گئی اور وہ اسے دیکھ دیکھ کر متعجب ہوتے اور اپنے جوش و خروش کا اُن محاورات میں اظہار کرتے جن کا آٹھویں صدی کی دستاویزات میں تذکرہ موجود ہے اور بعض منکوں کے ٹکڑے بھی ملے ہیں۔ جن پر یہ عبارت درج ہے: "جب تک کہ قولی سی اُوم موجود ہے، رُوم بھی زندہ ہے۔ جب قولی سی اُوم گر جائے گا۔ روم بھی گر جائے گا۔ اور جب روم گر گیا تو دنیا بھی باقی نہیں رہے گی۔ جدید دور کے جنگی نظام میں کوئی ایسا مقام جسے تین پہاڑیوں پر سے دیکھا جا سکے کبھی بھی قلعے کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔ اگر محرابیں اور دیواریں مضبوط ہوں تو وہ منجنیقوں کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔ ایک فرقے نے ویٹی کن پر قبضہ کر لیا تھا اور مجلس گاہ بھی اسی کے قبضے میں تھا، جبکہ دوسرے نے لیطران میں اپنے مورچے کھود لیے۔ قولی سی اوم بھی دوسرے فرقے کے قبضے میں تھا۔

روم میں قدیم کھیلوں کی منسوخی کے اسباب کی سمجھ آ سکتی ہے مگر اس میں کسی قدر رعایت کی گنجائش ضروری ہے اور ٹیسٹا (Testacean) کی پہاڑیوں پر رنگ رلیوں کے جشن اور آگونالی کا سرکس ایسی تقریبات تھیں کہ ان کے متعلق باقاعدہ قانون سازی کی گئی تھی یا اسے شہر کے رواج کے طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا۔ ایک رکن مجلس اس تقریب کا نگران ہوتا اور وہی انعامات بھی تقسیم کرتا۔ وہ میلے میں شریک ہر شخص کے وقار اور اعزاز کا خیال رکھتا۔ سونے کی ایک انگوٹھی عطا کی جاتی جسے پیلی اوم (Pallium) کہا جاتا۔ اس کے علاوہ ریشمی کپڑا بھی انعام میں دیا جاتا۔ سالانہ اخراجات پورا کرنے کے لیے یہودیوں پر تاوان عائد کر دیا جاتا۔ دوڑیں پیدل بھی ہوتیں۔ گھوڑے بھی دوڑائے جاتے اور رتھوں کی دوڑ بھی ہوتی۔ بہتر رومی نوجوانوں کے مابین نیزہ بازی کا مقابلہ بھی ہوتا۔ پھر موروں اور ہسپانیوں کی تقلید میں بیلوں کی دعوت دی جاتی۔ تیرہ سو بتیس عیسوی میں اس دعوت کا خصوصی اہتمام کیا گیا اور قولی سی اوم کے احاطے کے اندر ہی یہ تقریب انجام پائی۔ اس کے بعد تمام نشستوں کو واپس اپنی اپنی جگہوں پر آراستہ کر دیا گیا تاکہ حاضرین کے آرام و سکون میں کوئی خلل نہ آئے، اس کے بعد اعلان کیا گیا کہ ریمنی اور ریونا کے شرفا تشریف لے آئیں اور ایک سخت مقابلے میں اپنی اپنی مہارت اور حوصلے کا مظاہرہ کریں۔ رومی خواتین کو تین دستوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اور یہ تین شاہ نشینوں پر بیٹھ گئیں۔ یہ تین ستمبر کا دن تھا، اُنھوں نے قیمتی ریشمی ملبوسات پہن رکھے تھے جن کا رنگ گلناری (قرمزی)

تھا۔ جا کوواڈی روور جو سب سے خوبصورت تھی وہ اُن خواتین کی رہنمائی کر رہی تھی، جن کا تعلق تا ئبر کی دوسری سمت سے تھا۔ جہاں ایک خالص مقامی نسل آباد تھی۔ ان کا کردار اور چہرے کے نقوش بھی قدیم رومی نسل کے نمائندہ تھے۔ شہر کی باقی ماندہ خواتین کی تقسیم معمول کے مطابق تھی۔ یعنی قولونا اور اُرسینی الگ الگ بیٹھی تھیں۔ کوئی جماعت بھی اپنی خواتین کے حسن و جمال اور تعداد پر مفتخر نہ تھی۔ البتہ قولونا کو افسوس تھا کہ اُن کے قبیلے کی سب سے کم عمر دوشیزہ غیر حاضر تھی۔ وہ جب نیرو کے باغ میں چہل قدمی کر رہی تھی تو اُس کا مُثنائل گیا تھا، جن مبارزین کو اس گروہ میں شامل کیا گیا تھا، وہ نوجوان اور عمر رسیدہ بھی تھے مگر اُن کا تعلق شرفا کی نسل سے تھا۔ یہ سب لوگ میدان میں اُترے یا اُسے مقابلتاً تشبیہی میدان بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس مجمع میں، ہمارے راویوں کے مطابق، بیس نمایاں ترین مبارزین کے نام، لباس اور اُن کی مہارت کے میدان کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان میں سے متعدد نام ایسے ہیں جو رومی اور کلیسائی ریاستوں میں پہلے ہی بہت مشہور تھے۔ جیسے: مالاطیسطا، پولیطا، ڈیلا والی، قافاریلو، سیویلی، قاپوقیو، قونطی، اینی بالدی، آلطیری، کورسی وغیرہ رنگوں کا انتخاب ہر شخص کے ذوق اور موقع محل کے مطابق کیا گیا تھا، جو طریق اختیار کیے گئے تھے، اُن میں اُمید و بیم کی صورت یکساں تھی، ہر شخص اپنی جرأت، قوت اور بہادری کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا اور اسلحہ چلانے میں اپنی مہارت کا ثبوت دینا چاہتا تھا۔'' میں ہوراطائی کے سب سے کم عمر کی طرح تنہا ہوں۔'' ایک اجنبی نے نہایت اعتماد سے کہا۔ ''میں انتہائی مضطرب زندگی بسر کر رہا ہوں۔ میں رنڈوا ہوں اور ہر وقت روتا رہتا ہوں۔ میں اپنے محبوب کی چتا پر جل کر مر جانا چاہتا ہوں؟ میں لیوینیا یا لوقریطیا کو پسند کرتا ہوں۔'' یہ جذباتی انداز کا ایک جدید اعلان تھا۔ ''میرا مذہب خالص ہے۔'' پھر اُس نے اپنے سفید لباس کو حرکت دی اور کہا: ''یہاں مجھ سے زیادہ اجنبی کون ہے؟'' اُس نے شیر کی کھال کی طرف اشارہ کیا اور کہا: ''اگر میں یہاں پر اپنے خون میں غرق ہو جاؤں تو یہ کتنی خوشگوار موت ہوگی؟'' یہ ایک دہشت ناک حوصلہ مندی کی خواہش تھی۔ اُرسینی کے غرور یا دانش مندی نے اُنھیں میدانِ جنگ میں اُترنے سے باز رکھا۔ اس میں اُن کے تین نسلوں سے چلے آنے والے دشمن موجود تھے۔ جن کی تحریروں سے اُن کی عظمت کا اظہار ہوتا تھا۔ ان میں قولونا بھی شامل تھے۔ ان کا بھی ایک بڑا نام تھا۔ اجنبی نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھا: ''اگرچہ میں پریشان ہوں، لیکن میں مضبوط ہوں۔ میں عظیم ہوں۔'' اس کے بعد اُس نے پھر تماشائیوں کو براہِ راست مخاطب کر کے کہا: ''اگر میں گر جاؤں، آپ لوگ بھی میرے ساتھ ہی گر جائیں گے۔'' (اُس دور کا ایک مصنف کہتا ہے) وہاں پر موجود تمام خاندان دیٹی کن کی رعایا تھے۔ مگر ایک

خاندان ایسا بھی تھا جو اجلاس گاہ کا معین تھا۔ گول تماشا گاہ میں جو مقابلے ہوتے، وہ خطرناک تھے۔ ہر جیتنے والے کو اس کے بعد ایک سانڈ بیل سے بھی مقابلہ کرنا ہوتا، جس میں بالعموم چوپائے ہی فتح پاتے۔ چونکہ میدانِ جنگ میں صرف گیارہ افراد ہی باقی رہ گئے تھے۔ نو اشخاص زخمی ہو چکے تھے اور اٹھارہ مارے جا چکے تھے۔ یہ سارا نقصان مخالف گروہ کا تھا۔ بعض شریف ترین خاندان سوگ میں مبتلا ہو گئے۔ مگر تدفین کی رسومات انتہائی شان و شوکت سے ادا کی گئیں۔ جو سینٹ جان لیطران اور ستامار یہ میگی اور کے گرجوں میں ادا کی گئیں۔ اس کے بعد عوام کو ایک مزید تعطیل مل گئی۔ بلاشبہ رومی ایسی تقریبات میں اپنا خون بہانا ضروری نہ سمجھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنی جلد بازی کو موردِ الزام سمجھتے تھے ہم مجبور ہیں کہ اُن کی جرأت آزمائی کی تعریف کریں اور شرفا کے خاندانوں کے اُن نونہالوں کی بھی تعریف کریں۔ جو رضاکارانہ طور پر اپنی جرأت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اپنی عظمت منوانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دیتے تھے اور تماشائیوں کی گیلریوں کے سامنے میدان میں کود پڑتے تھے۔ یہ لوگ ہزار ہا قیدیوں اور غلط کاروں کے مقابلے میں زیادہ ہمدردی کے مستحق قرار پاتے۔ جنھیں زبردستی کھینچ کر میدان میں اُتار دیا جاتا اور ذبح کر دیا جاتا۔ گول تماشا گاہ کا یہ نظارہ جو شاذ ہی دیکھنے میں آتا ایک فقید المثال جشن سمجھا جاتا مگر سامانِ تعمیر کی طلب روزانہ اور مسلسل موجود رہتی۔ رومی شہری کسی پابندی یا پشیمانی کے بغیر یہاں سے اپنی ضروریات پوری کرتے رہے۔ چودھویں صدی میں دونوں فرقوں میں ایک ملامت آمیز اتحاد ہو گیا کہ دونوں کے افراد بلا روک ٹوک قولی سی اوم کی کان سے حسب خواہش پتھر نکالنے میں آزاد ہیں۔ یوگی اُوس کو معلوم ہوا کہ رومنوں نے اپنی حماقت کی وجہ سے ان پتھروں کی ایک بڑی تعداد کو جلا کر چونے میں تبدیل کر لیا۔ اس غلط اقدام کو روکنے کے لیے اور رات کو وقوع پذیر ہونے والے جرائم سے بچنے کے لیے، جو اُن دنوں میں زیادہ عمل میں آتے تھے جب طویل عرصے کے لیے تعطیلات ہو جاتی تھیں۔ یوجینی اُوس چہارم نے اس کے گرد ایک دیوار چنوا دی اور ایک فرمان کے ذریعے قرب و جوار کے راہبوں کو اس کی عمارات اور میدان کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ اس طرح یہ عمارت اور میدان راہبوں کی قیام گاہ میں تبدیل ہو گئے۔ جب اس کی موت واقع ہو گئی تو عوام کے ایک ہنگامے میں اس کی دیوار گرا دی گئی۔ اگر وہ لوگ خود ہی خیال کرتے کہ اپنے آباواجداد کی اس جائیداد کو بچانا چاہیے تو دیوار دوبارہ تعمیر کر دیتے اور اس شریفانہ آثارِ قدیمہ کی حفاظت کرتے، پھر ایسا کبھی نہ ہوتا کہ ایک مشترکہ قومی جائیداد نجی املاک میں تبدیل ہو جاتی۔ اس کے اندرونی حصے کو نقصان پہنچ چکا تھا۔ مگر سولھویں صدی کے وسط میں ایک ایسا دور آیا

جس میں ذوق اور علم کو فروغ ملا۔ اُس وقت تک اس کا ایک ہزار چھ سو بارہ فٹ کا حصہ قائم تھا۔ یہ مکمل تھا اور اسے کوئی نقصان بھی نہ پہنچا تھا۔ اس میں اسی فٹ بلند محراب کا ایک سہ منزلہ سلسلہ تھا۔ بعض مقامات پر اس کی بلندی ایک سو آٹھ فٹ تک پہنچ گئی تھی۔ اس کی موجودہ تباہی کی ذمہ داری پال سوم کے بھتیجوں پر ہے۔ یہ معمولی حیثیت سے ترقی کر کے منصب اقتدار تک پہنچے اور عیش و عشرت میں پڑ گئے۔ وحشی اقوام پر بھی اسی نوعیت کا الزام عائد ہوتا ہے اور مضرت رسانی کا تکرار اس طرح ہوا کہ ہر عہد کے لوگ اس میں شامل ہو گئے۔ یہاں تک کہ قولی سی اُوم کو آزادی پسند اُسقفوں نے کلیسائی انتظام میں دے دیا۔ بینیڈکٹ چہاردہم (۱۴) نے اسے مقدس وقف میں تبدیل کر دیا اور ایک ایسے کھیل کو روشناس کرایا جس کی وجہ سے داستانوں کے مطابق متعدد عیسائیوں کو شہادت کا مرتبہ نصیب ہوا۔

جب پیٹرارک نے پہلی دفعہ اس آثار قدیمہ کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور کیا تو اس کے کھنڈرات اتنے وسیع رقبے پر پھیلے ہوئے تھے کہ کوئی فصیح البیان بھی اس کی وسعت کا نقشہ مرتب نہ کر سکتا تھا۔ اُسے اس کی تباہی پر بہت حیرت ہوئی۔ اُس نے استعجاب سے کہا کہ کیا رومی اتنے بے شرم بھی ہو سکتے تھے۔ بجائے اس کے کہ ان کھنڈرات کو دیکھ کر اُسے لطف حاصل ہوتا، اُس نے اپنے آپ کو بہت کم تر محسوس کیا کہ اُس کے دوست رنزی اور ایک قولونا کے ماسوا جو رہون کا ایک اجنبی تھا۔ جو شرفا اور اجلاس گاہ کی مقامی آبادی کے افراد کے مقابلے میں اس عمارت کے کوائف سے زیادہ آگاہ تھے۔ اگر اس شہر کے قدیم پیائشی کوائف کو دیکھیں تو آپ یہ معلوم کر کے حیران رہ جائیں گے کہ وہ لوگ اس عظیم عمارت کے وجود سے بھی ناآشنا تھے۔ جو داستانیں دستیاب تھیں، وہ پندرھویں صدی کے آغاز میں مرتب کی گئی تھیں، اُن میں بھی نام اور مقام کی بے شمار غلطیاں موجود ہیں۔ اُنھیں دیکھ کر ناظرین اجلاس گاہ (Capital) پر مسکرائیں گے یا اسے تحقیر کا ہدف بنائیں گے۔ ایک گمنام مصنف لکھتا ہے کہ یہ اجلاس گاہ، جسے تمام دنیا کا سربراہ کہا جاتا تھا، جہاں پر قونصل محض اس لیے آ کر ٹھہرتے تھے تاکہ وہ شہر اور کرۂ ارض کے مسائل حل کریں۔ جہاں پر مضبوط اور بلند دیواریں شیشوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ ان پر اعلیٰ درجے کی پچی کاری کا کام کیا گیا تھا۔ پناہ گاہ کے نیچے محل کی ایک ایسی عمارت تھی۔ جسے سونے کی سطح پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کا بہت بڑا حصہ قیمتی پتھروں سے مزین کیا گیا تھا۔ اس کی قیمت کا اندازہ یہ تھا کہ وہ سارے عالم کی دولت کے تیسرے حصے کے برابر ہے۔ تمام صوبوں سے بت جمع کیے گئے تھے اور انھیں ایک تنظیم اور ترتیب سے سجا دیا گیا تھا۔ ہر ایک کے گلے میں ایک گھنٹی ڈال دی گئی تھی اور فن کی

اس دنیا کے اثرات کی یہ صورت تھی کہ اگر روم کے خلاف کوئی صوبہ بغاوت کر دے تو متعلقہ بت اُس کے خلاف آسمان کی مخصوص ہیئت کی طرف گھوم جاتا۔ گھنٹی بجنے لگتی۔ اجلاس گاہ کا پیغامبر متعلقہ دیوی دیوتا تک مطلوبہ پیغام پہنچا دیتا۔ اور رومی مجلس قانون ساز کو خطرے کے احتمال کی اطلاع مل جاتی۔ ایک دوسری مثال یہ ہے کہ جو اپنی اہمیت کے لحاظ سے اس افسانے سے کم ہے، اگرچہ بے ہودگی میں کسی طرح کم نہیں، وہ سنگِ مرمر کے بنے ہوئے دو گھوڑوں سے متعلق ہے۔ جن کو دو عریاں نوجوان کھینچ کر لیے جا رہے ہیں۔ ان کو قسطنطین کے حماموں سے کوہِ کیورینل تک لایا جا رہا ہے۔ غالباً اس سے مراد فیڈیا اور پراکسی طیل کے بے بنیاد قصے کی طرف نشان دہی ہے۔ اسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے، مگر یہ یونانی بُت، صرف چار سو سال کے عرصے کی تخلیقات تھیں، جس کا آغاز پیریکلس کے عہد سے ہوتا ہے اور طبریوس کے دور میں آ کر ختم ہو جاتا ہے یہ دونوں فلسفی یا جادوگر سمجھے جا سکتے ہیں۔ ان کی عریانی کو حقیقت یا علم سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جو شہنشاہ کو اُس کے رازدارانہ اعمال سے آگاہ رکھتے تھے۔ اور جب وہ اُس کے مال و دولت میں مطلوبہ اضافے کے فرض سے سبکدوش ہو جاتے۔ اس کے بعد وہ رومیوں کی قوتِ احساس کو دوبارہ بیدار کر دیتے۔ اور اُسے فن کے حسین پہلوؤں سے روشناس کرا دیتے۔ جو پانچ سے زائد نہ ہوتے۔ پوگی اُوس نے ان بتوں کو قریب سے دیکھا تھا۔ اور ان اجتماعات کو بھی دیکھا تھا جو زمین میں مدفون ان بتوں سے فال گیری پر اعتقاد رکھتے تھے۔ مگر ان کی دوبارہ تخلیق اُس وقت تک معطل رہی جب تک شمعِ علم روشن نہ ہوئی اور روشن دماغی کا سورج طلوع نہ ہوا۔ نیل جس کی وجہ سے دیئی کن کی زندگی قائم تھی۔ اس کے متعلق بعض اہلِ دانش نے تحقیق کی، وہ مندر کے قریب انگور کا باغ لگانے کے لیے زمین کھود رہے تھے۔ یا منروا کی رہائش کے متعلق تحقیق کر رہے تھے۔ مگر ان کا مالک سخت بے صبر ہو رہا تھا۔ اُسے بعض ایسی اشیا نظر آئیں کہ وہ بے تاب ہو گیا۔ اُسے جو سنگ مرمر ملا تھا۔ اُسے اُس نے بے قیمت سمجھتے ہوئے متعلقہ قبر میں دوبارہ دفن کر دیا۔ یہاں سے پومپی کا ایک بُت بھی برآمد ہوا۔ یہ دس فٹ لمبا تھا۔ منصف مزاج جج نے یہ فیصلہ دے دیا کہ اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے تاکہ قریب کی اراضی کے مالکان اس کے متعلق کوئی مطالبہ نہ پیش کر سکیں۔ اس فیصلہ پر عمل درآمد بھی ہو جاتا۔ اگر ایک کارڈینل اس میں دخل نہ دیتا۔ اور ایک پوپ فیاضی اور آزاد خیالی سے کام نہ لیتا۔ اور اس رومی ہیرو کو اپنے وحشی ہم وطنوں سے بچا نہ لیتا۔

مگر بربریت کے بادل بتدریج چھٹ گئے اور مارٹن پنجم اور اُس کے جانشینوں کا پُرامن دور آ گیا۔ اس نے شہر کی زیبائش اور کلیسائی کے امن کو بحال کر دیا۔ روم میں ترقی ہوئی کیونکہ یہ ممکن نہ تھا کہ پندرھویں

صدی میں اچانک آزادی اور صنعت وحرفت کو عروج حاصل ہوتا۔ اس عظیم شہر کی بنیاد کا پہلا قدم ملحقہ ملک کی محنت اور اثرات کے نتیجے میں رکھا گیا۔ کیونکہ یہیں سے وہ خوراک حاصل ہوتی ہے جس پر زندگی کا قیام ممکن تھا اور وہ خام مال دستیاب ہوتا جس پر صنعت وحرفت کا انحصار تھا۔ اور بیرونی ممالک سے تجارت کی جاتی۔ مگر روم کی معیشت میں کمپاگنا کا حصہ بہت کم رہ گیا تھا۔ وہ سست رفتار بھی تھا اور اُس کا نظام بھی درست نہ تھا۔ بادشاہوں اور پادریوں کی املاک سے زیادہ پیداوار حاصل کی جا رہی تھی، مگر ان کی ساری زراعت ایسے مزارعوں کے ہاتھ میں تھی، جو سست اور نکمے تھے۔ جب پیداوار ہی کم ہوتی تو برآمد کے لیے مال بھی کم بچتا۔ اور اجارہ داری میں منفعت بھی بہت کم رہ گئی۔ دوسرا فی الحقیقت مصنوعی عنصر جس کی وجہ سے پیداوار میں کچھ بہتری آئی، وہ یہ تھا کہ خود بادشاہ نے اپنی رہائش روم میں منتقل کر لی۔ دربار کی عیش وعشرت کو برقرار رکھنے کے لیے انحصار اُن صوبوں پر رہ گیا تھا، جو خراج ادا کرتے تھے۔ وہ اور اُن کا خراج بھی ختم ہو گیا تھا یعنی ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی صوبے بھی آزاد ہو گئے۔ اگرچہ پیرو سے کچھ مقدار میں چاندی اور برازیل سے سونا پہنچ رہا تھا اور ویٹی کن اس سے بہرہ مند ہو رہا تھا۔ مگر کارڈینل حضرات کے محصولات، اور دفتری فیس جو زائرین سے یا دوسرے مؤکلوں سے موصول ہوتی تھی، اور جو کلیسائی محصولات کی باقیات، ضروریات کی کفالت کرتی تھیں۔ یہ تمام آمدنی ختم ہوئی تو شہر میں اشیا کی بہم رسانی پر بھی بہت بُرا اثر پڑا۔ اس کی وجہ سے دربار اور شہر کی سستی اور کاہلی کے باوجود کسی حد تک نظام حکومت چل رہا تھا۔ روم شہر کی آبادی جسے یورپ کا دارالحکومت سمجھا جاتا تھا۔ بہت کم رہ گئی۔ کل آبادی ایک لاکھ ستر ہزار سے متجاوز نہ تھی۔ شہر کی فصیلوں کے اندر بھی سات پہاڑیوں کا بیشتر علاقہ انگور کی بیلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ باقی ماندہ کچھ حصے پر کھنڈرات پھیلے ہوئے تھے۔ اب شہر کی ساری رونقوں پر اوہام پرستی کے اثرات تھے۔ ہر حکومت (استغنا بہت کم ہے) ایسے نئے خاندان کو حاصل ہوئی جو بہت تیزی سے اوپر چڑھا، جسے بے اولاد اُسقف نے دولت عطا کی اور اس کا سارا بوجھ کلیسا نے برداشت کیا یا ملکی خزانوں پر ڈال دیا گیا۔ ان میں اکثر پوپ صاحبان کے خوش قسمت بھتیجے ہوتے، جن کے محلات آثار قدیمہ سے بھی زیادہ قیمتی ہوتے۔ ان کی شان وشوکت اور خدام کی تعداد بھی زیادہ ہوتی۔ تصاویر اور بُت ان کی خدمت میں معاوضہ وصول کر کے فروخت کیے جاتے۔ ان کے شاہ نشین اور باغات کو بہت قیمتی اور قدیم دور کی نایاب اشیا سے مرصع کیا جاتا۔ ان کا ذوق یا جھوٹا وقار انھیں مجبور کرتا کہ وہ نوادرات جمع کرتے رہیں۔ کلیسائی محاصلات کو خود پوپ بھی عمدگی سے استعمال کرتے اور کیتھولک عبادات کی

شان وشوکت کو برقرار رکھتے۔ مگر انھوں نے جن مقدس قربان گاہوں، گرجوں اور کلیساؤں کی بنیادیں مضبوط بنانے پر خرچ کیا، اُن کی تعداد کا شمار بے مقصد ہوگا کیونکہ یہ تمام چھوٹے ستارے ویٹی کن کے بڑے آفتاب کے سامنے ماند پڑ گئے۔ سینٹ پیٹر کے گنبد کو سب سے زیادہ شاندار عمارت کہا جا سکتا ہے۔ کوئی دوسری مذہبی عمارت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جولیس دوم، لیو دہم، سکس طوس پنجم کی شہرت یا برامانٹ اور فونطانہ، رافیل اور میکائیل، انجیلو کے بلند مرتبہ کے ساتھ ساتھ تھی، اور اسی نوعیت کی دیگر فیاضی جو محلات اور گرجا گھروں کی تعمیر میں ظاہر کی گئی، جو قدیم دور کی محنت اور عقیدت کا اظہار کرتی ہے۔ سنگی صلیبیں جو منہ کے بل گر گئیں۔ انھیں زمین پر سے اُٹھایا گیا اور بہت نمایاں مقامات پر ایستادہ کر دیا گیا۔ سیزروں اور قونصلوں نے گیارہ پانی کے ذخائر تعمیر کرائے تھے۔ ان میں سے تین بحال کر دیے گئے۔ قدیم یا جدید ادوار کی محرابوں کے نیچے سے مصنوعی دریا گزار دیے گئے۔ صحت افزا کے سیلاب کو سنگ مرمر کے برتنوں میں سے گزار دیا گیا۔ اور اُس سے تازگی کا احساس پیدا کرنے کی غرض سے کام میں لایا گیا۔ ایسا منظر پیش کیا گیا کہ پانی سینٹ پیٹر کی خانقاہ کی سیڑھیوں پر چڑھتا ہوا نظر آئے اور اُسے مصری چقماق سے بنائے گئے ستون روک رہا ہے۔ جو دو بڑے بڑے چشموں کے مابین سے اوپر اُٹھتا ہے۔ یہ چشمے دائما چلتے رہتے ہیں۔ اس کی بلندی ایک سو بیس فٹ ہے۔ رومی آثار قدیمہ کے نقشے اور اُن کی تفصیلات کا بیان ماہرین اور اُن کے طلبہ نے بڑی محنت سے کیا ہے۔ ان نامور افراد کے قدموں کے نشانات اور تبرکات کا تعلق صرف اوہام پرستی سے نہیں، بلکہ خود سلطنت کے وجود سے ہے۔ وہ زائرین جو دور افتادہ مقامات سے آتے ہیں، وہ بڑی عقیدت سے ان کی زیارت کرتے ہیں۔ ان میں اُن ممالک کے باشندے بھی شامل ہوتے ہیں جنھیں ماضی میں وحشی کہا جاتا تھا۔

ان زائرین اور ہمارے قارئین کے لیے بھی رومی سلطنت کے انحطاط وزوال میں ضرور دلچسپی ہوگی۔ بنی نوع انسان کی تاریخ میں یہ سانحہ بہت عظیم ہے۔ اس کے مختلف اسباب اور بتدریج وقوع پذیر ہونے والے اثرات مختلف واقعات سے وابستہ ہیں۔ یہ عوامل انسانی تاریخی روایات میں انتہائی دلچسپ صورت حال پیش کرتے ہیں۔ سیزر (قیصران) اپنی حکمت عملی انتہائی فن کاری سے ترتیب دیتے رہے ہیں۔ انھوں نے بڑے طویل عرصے تک آزاد جمہوریہ کا نام اور تصور زندہ رکھا۔ فوجی مطلق العنانیت کی بدنظمی، عیسائیت کا آغاز، قیام، قسطنطنیہ کی بنیاد، بادشاہت کی تقسیم، جرمنی اور سکاتھیا کے وحشیوں کا حملہ اور مستقل قیام، حضرت محمدؐ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذہب اور کردار، پاپایان کی دُنیاوی حکومت، شارلیمن کی مغربی حکومت کی بحالی

اور زوال، لاطینیوں کی مشرق میں صلیبی جنگیں، صحرا نشینوں اور ترکوں کی فتوحات، یونانی سلطنت کی تباہی، ازمنۂ وسطیٰ میں روم کی حیثیت اور انقلاب کے حوالے سے اس موضوع کے تنوع اور اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ مگر جب روم کو اپنی عدمِ تکمیل یا کوتاہیوں کا پورا پورا احساس ہوتا ہے تو وہ اپنے ذرائع کی کمیابی پر الزام دھرتا ہے۔ جب میں اجلاس گاہ کے کھنڈرات کے درمیان کھڑا تھا، تو پہلی دفعہ میرے ذہن میں اس تصنیف کا تصور پیدا ہوا، جس نے میرے لیے اتنی دلچسپی پیدا کی کہ میں نے اس تصنیف میں اپنی زندگی کے بیس سال بسر کر دیے۔ بہرحال میری خواہشات کی پوری تسکین نہیں ہوئی، لیکن میں پھر بھی بالآخر اسے عوام کے تجسس اور بے لاگ غیر جانبداری کی نذر کرتا ہوں۔

برطانیہ کے علاقے پٹنی میں 1737ء میں پیدا ہونے والا
ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) اپنے ماں باپ
کا اکلوتا بیٹا تھا، بیماری کے سبب اُس کی تعلیم مسلسل تعطل
کا شکار رہی۔ تمام تر مشکلات اور بیماریوں کے باوجود
وہ غیر معمولی معلومات رکھنے والا شخص تھا۔ اُس نے اپنی
تعلیم میگڈیلین کالج سے حاصل کی۔ تعلیم مکمل کرنے
کے بعد وہ کیتھولک چرچ سے وابستہ ہوگیا۔ اپنی
ذہانت کے باعث اُس نے منطق، فلسفہ، ریاضی، یونانی، تاریخ اور قانون کے بارے میں وسیع مطالعہ کیا۔
مذہبی طور پر وہ پروٹسٹنٹ فرقے سے تعلق رکھتا تھا لیکن اس نے اپنے آبائی عقیدے کو چھوڑ کر کیتھولک
عقیدہ اختیار کرلیا۔ بعدازاں دوبارہ اپنا فرقہ اپنا لیا۔

جہانِ علم و دانش میں تاریخ کے حوالے سے ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) کا شمار مستند اور معتبر
مؤرخین میں ہوتا ہے۔ ان کی کتاب بعنوان "A History of Decline and Fall of
Roman Empire" کا شمار دنیا کی مایہ ناز تصانیف میں ہوتا ہے۔ تقریباً سوا دو سو سال پیشتر تحریر کی
جانے والی اس کتاب میں ایڈورڈ گبن نے صدیوں کی تاریخ ضبطِ تحریر میں لانے کے ساتھ ساتھ ان گنت
قبائل، قوموں، مذہبی فرقوں اور خاندانی سلسلوں کا ذکر کیا ہے۔ مصنف نے اپنی کتاب میں تاریخی واقعات
کو تحقیقی نقطۂ نظر سے بیان کرتے وقت تاریخی تسلسل کو برقرار رکھا ہے۔

مقتدرہ قومی زبان ☆ پاکستان